



ڈاکٹر: زکریا حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

Please examine the book before taking
it out. You will be responsible for
damages to the book discovered while
returning it.

Acc. No. _____

Re. 1 per day, Over night book Re. 1 per day.

[illegible]



محمد انجمن اشاعتی جہان پیشہ

۵۳

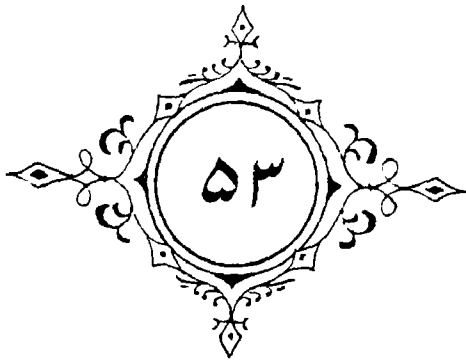
انجمن اشاعتی پبلک لائبریری پٹنہ

تماہی

خدا بخش لائبریری



پیدہ



خدا بخش اینڈ پبلیک لائبریری

قیمت فی شمارہ : پچیس روپے

۲۳۲۲۲/۷۷

سالانہ : ۱۰۰ روپے (ہند)

۵۳

۲۰ ڈالر ایشیا، ۴۰ ڈالر دیگر ممالک

پچیس روپے

۱۹۹۰ء

Subscription Number

1.2.2.7.4.3

Date

فہرست

۱	مقتبہ ۲۔ ندیم (ڈاکٹر مہر اپنی)	{	مذہبی تعلیم کا تصور اور اس کا نفاذ علی گڑھ میں
			از پروفیسر رشید احمد صدیقی
۱۳۵	جناب ولد دانشری		خلافتہ الانساب کا تجزیاتی مطالعہ
۱۶۵	ڈاکٹر محمد طاق		شفیع المعانی: ہندستان کی ایک نایاب فارسی فرہنگ
۱۰۲	جناب سیار نور محمد اکیلوئی		سکھ شناسی
۱۰۹	پروفیسر حکیم سید مال الدین حسین ہمدانی		وقائع روزگار: پنڈت دیاناتھ دنا کشیری کا سفرنامہ
۱۸۹	پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی (مرحوم)		ڈاکٹر صاحب: چند یادیں
۱۹۳	جناب ضیاء الحسن فاروقی		ڈاکٹر صاحب: چند یادیں
۱۹۶	ڈاکٹر سید محمد شعیب رضوی		ڈاکٹر صاحب: ذاتی یادیں
۱۹۷	ڈاکٹر امین اشرف		ڈاکٹر صاحب: چند یادیں
۱۹۸	پروفیسر محب الحسن		ڈاکٹر صاحب
۱۹۹	پروفیسر محمد رحمان الدین احمد		فتویٰ غلام رسول حسرت
۲۰۳	ڈاکٹر رحیمیہ ادا دل		نسخ خطی زبان پشتو در کتابخانہ محمد بخش پٹنہ
			انگریزی حصہ:
۱-۶۳	ڈاکٹر ضیاء الدین دیسان		ملفوظات: پندرہویں صدی کے گجرات اور راجستھان
۶۵-۷۸	ڈاکٹر اریک تریکمان		کی سیاسی سماجی اور تہذیبی تاریخ کا ایک ماضی
			دیوان حافظ حمزہ خاوری

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے برقی آرٹ پر لکھا (پروفیسر محمد بخش پٹنہ) دہلی میں چھپوا کر رضا بخش لائبریری سے شائع کیا۔

مغربی تعلیم کا تصور

ۛ

اس کا نفاذ علیگڑھ میں

پروفیسر رشید احمد صدیقی

مرتبہ

ۛ- ندیم

(ڈاکٹر مہرا بھائی)
علیگڑھ



سر سید اور علی گڑھ تحریک کے ایک بہت بڑے مبصر لکھتے ہیں مسلمانوں کی تباہی بربادی اور اتاری کو دیکھنے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ ان کے سامنے یہ تھا کہ قوم کو اس ورطہ مذلت سے کیوں کر نکالا جائے بہت غور و فکر کے بعد سر سید اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا علاج صرف تعلیم یعنی جدید مغربی تعلیم ہے۔

اس سلسلے میں سر سید کے ایک خط کا حسب ذیل اقتباس بھی قابل غور ہے۔ یہ خط سر سید نے محمدن اینگلو اورینٹل کالج کی فائونڈیشن کمیٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے سالانہ جنگ صدر اعظم تیاراد کو ۱۸۸۲ء کو لکھا تھا۔

"... it is the chief aim and earnest endeavour of the Committee to bring up scholars in their college to the same standard of learning as it attained by the students of the English Universities of Oxford and Cambridge, the only distinction being that instead of the Christian faith taught in the English Universities, the Muhammadan faith would be here taught..."²

سر سید کے ہمہ گیر تعلیمی و اصلاحی پروگرام کے ایک اہم پہلو کی نہایت لمبغ و وضاحت حالی نے حسینیل ایک جیلے میں کی ہے: "ان کو... سائنس اور مذہب میں دائمی صلح کی بنیاد ڈالنے والا کہا جاسکتا ہے۔"

سر سید کا عہد انیسویں صدی کا ہندوستان تھا۔ ہندوستانی تاریخ میں اس صدی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس صدی کی مثال ایک قالب (Matrix) کی ہے جس میں ان تمام تاریخی، تہذیبی، مذہبی، تعلیمی، سیاسی، معاشرتی، تمدنی، نسلی، لسانی، اور علاقائی عوامل کا کسر و انکسار ملتا ہے جنہوں نے موجودہ صدی میں ابھرنے والی ان اہم اور فیصلہ کن قوتوں اور عناصر کو پیدا کیا اور ان کی تشکیل کی جنہوں نے اس برصغیر کی تاریخ و تہذیب کو وہ مخصوص شکل دی جس سے ہم موجودہ صدی میں دوچار ہیں۔ ظاہر ہے ہر صدی اپنے ماقبل صدی کے لپٹن سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے کم و بیش متاثر ہوتی ہے لیکن جن معنوں میں انیسویں صدی کے اثرات کا ذکر کیا گیا کہ وہ محض زمانی اور تاریخی رشتے کی اہمیت خزانے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان عوامل کی کثرت، شدت و ہمہ گیری اور ان کے دائرہ عمل کی وسعت و اہمیت کو واضح کرنے کے لیے ہے جن سے ایک بہت بڑے جغرافیائی

۲۔ سر سید محمد خان "حالات و اسباب از عبدالقادر مہجودہ اردو مرکز، مدوہا، ہندوستان، ۱۹۷۰ء ص ۱۹۔ مٹھ سائنٹفک سوسائٹی سے متعلق فیضیہ و خیر خواہ، مرتبہ پروفیسر یو۔ پی۔ جے۔ پوسٹ سن خان، "نگوہ نظر" جنوری ۱۹۶۴ء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ کہ "مقالات حالی" حصہ اول از الطاف حسین حالی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۰ء

علاقہ اور اس کی بہت بڑی آبادی بنیادی طور پر متاثر ہوئی۔ اس غالب میں مثبت اور غنی دونوں قسم کے عوامل کام کر رہے تھے اور یہ پورا ملّین بنیادی حقیقتوں کے طور پر گردش کر رہا تھا، ایک حقیقت بدیسی استعمار کا تسلط دوسری اس استعمار کے خلاف ہندوستانی انسانیت کا اتحاد اور تیسری ہندوستانی انسانیت میں ایسے عناصر کی موجودگی تھی جو ایک طرف تہذیبی اتحاد کے بجائے تہذیبی وحدت کو بطور سیاسی آلے کے استعمال کر کے اور تعداد کی کثرت کو معیار بنا کر آنے والی ہندوستانی ریاست میں مصفاہ قوت کو بحال کرنے کے بجائے فیصلہ کن غلبہ حاصل کرنے کے درپے تھی تو دوسری طرف تعداد کی کمی کی بنا پر اپنے تہذیبی وجود کو محفوظ و برقرار رکھنے کی دشواریوں کے احساس سے ہر سال اور آئندہ ہندوستانی ریاست میں تحفظات کو متیقن کرانے کے لیے کوشاں تھی۔ اس طور پر ہندوستان کی ریاست ایک نہایت پیچیدہ اور نازک صورت حال سے دوچار تھی۔ اتفاق اور افتراق کی متوازی اور متضاد سیاسی تحریکوں نے ملک کے مختلف علاقوں کو مختلف طریقوں سے متاثر کر رکھا تھا۔

ان تحریکوں پر یہاں تفصیل سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اجمالاً یہ کہنا ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء کے آس پاس ہندوستانی انسانیت کے اتحاد کو فروغ ہوا اور اس نے بدیسی استعمار کے خلاف متفقہ ہم کام آغاز کیا لیکن بالآخر استعمار کو شکست دینے میں ناکام رہی۔ اس ناکامی کا نہایت اٹنک نتیجہ یہ ہوا کہ استعمار کی گرفت مضبوط ہوئی اور ہندوستانی انسانیت کا اتحاد کمزور ہو گیا۔ اس طرح ان عناصر کو استعمار کی حمایت حاصل ہو گئی جو ہندوستانی انسانیت میں وصل نہیں فصل پیدا کرنے کے درپے تھے۔ یہ سید نے اس المیے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان کی فکر پر اس کا ایک مستقل اثر پڑا۔ ان کے نزدیک ہندوستانی سیاست کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب صحیح تاریخی شعور کا فقدان تھا جس بدیسی قوت سے ان کا مقابلہ تھا وہ علوم و فنون میں کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھی اور اس سے ٹکریے کے لیے جس تنظیم، اخلاقی تربیت، علمی دسترس اور مادی وسائل کی ضرورت تھی وہ اس وقت فراہم نہ تھے۔ ان حالات میں قومی کامیابی کیلئے خالص سیاست کا راستہ اختیار کرنا نہ مفید تھا نہ ممکن۔

شکست و ریخت اور بے بسی و بے قراری کے اس نازک دور میں سر سید نے تخلیقی و تعمیری طریقہ ہائے فکر و عمل کو وضع کرنے کی ہمت با شان کو کشش کا جس غیر معمولی احساس ذمہ داری اور عظیم ذہنی قوت کی مدد سے آغاز کیا اور ان کے اس پروگرام میں تعلیم کو جو کلیدی اہمیت حاصل ہے اور جس کے بارے میں متذکرہ صدد اقتباسات میں اشارے ملتے ہیں یہاں اسی کی وضاحت اور اہتمام و تفہیم مقصود ہے۔

سرسید کی شخصیت اور ان کا قومی تعلیم کا تصور

سرسیدؒ ہندو اسلامی تہذیب کی اصلی روایات و اقدار کے ساختہ پر داختہ تھے۔ ان کے خاندان کے بزرگ شائجہاں کے دور حکومت میں ہندوستان آئے اور منلیہ تاج و حکومت کی خدمت اختیار کی۔ ان کے خاندان کا یہ تعلق حکومت کے خاتمے تک مسلسل مستقل رہا۔ اعلیٰ نسب سید تھے۔ ولادت، اکتوبر سنہ ۱۸۱۷ء کو دہلی میں ہوئی۔ بچپن سے اٹھارہ سال کی عمر تک متداول علوم عقلی و فنی کی جو بیشتر فارسی اور عربی زبانوں میں پڑھائے جاتے تھے، دہلی کے اعلیٰ علمی ماحول میں تحصیل کی۔ مذہب زبان ادب اور فلسفہ کے علاوہ انھوں نے ریاضی اور تاریخ کا مطالعہ بطور خاص کیا اور اوائل سن شعور ہی سے نجد تصنیف و تالیف کا آغاز کیا۔ ابتدا سے مطالعہ کا غیر معمولی شوق تھا جو انتہائی مصروف زندگی کے باوجود قائم رہا۔ دہلی میں وقت کے جید علماء ادبا، شعرا اور حکما کی صحبت نصیب رہی۔ قلعہ علی سے توسل قائم رہا۔ آداب شاہی اور انصراہم سلطنت سے واقفیت حاصل کی۔ خانگی ضروریات اور تقاضائے وقت کے پیش نظر انگریزی سرکار میں ملازمت اختیار کی۔ عدالت کی سرشتہ داری سے اس کی ابتدا ہوئی۔ ٹھوڑے عرصے میں

بلکہ ان تمام کوششوں اور تجاویز سے عبارت ہیں جو سرسید نے قوم کی آباد کاری کے جامع پروگرام کی تشکیل تعمیل کے سلسلے میں پیش کیں۔

اس ضمن میں اس کا رسالہ اسباب بغاوت ہند خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے جس میں انھوں نے نہایت دلیری اور دانش مندی سے اپنے تمام ہم وطنوں بالخصوص مسلمانوں کی طرف سے جو انگریزوں کے غیظ و غضب کا خاص طور پر نشانہ تھے، ان تمام الزامات کے مدلل جواب دے ہیں جو حکومت وقت نے نہایت نامنصفانہ طور پر ان پر عائد کئے تھے۔ اس تحریر سے نہ صرف ان کی وطن دوستی ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ ان کے ایک باہمت مدیر ہونے پر دلالت کرتی ہے جس نے نہایت نازک اور خطرناک وقت پر قومی وجود اور وقار کو ہلاک ہونے سے بچایا۔ وہ عجیب وقت تھا جب ایسی کتاب لکھنا جان سے کھیلنے کا مساوی تھا یہ مثال کے طور پر اس کتاب سے یہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے :

”اصل سبب اس فساد کا میں تو ایک ہی سمجھتا ہوں۔ باقی جس قدر ہیں وہ سب اس کی شاخیں ہیں اور یہ سمجھ بیری کچھ عجیبی اور قیاسی نہیں ہے بلکہ اگلے زمانے کے بہت سے عقلمندوں کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے اور تمام مصنفین پرنسپل آف گورنمنٹ کے اس باب میں میرے طرف دار ہیں اور تمام تائیس یورپ اور افریقہ کی میری رائے کی صداقت پر معتد گواہ ہیں۔ سب لوگ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ واسطی اسلوبی اور خوبی اور پائمانہ گورنمنٹ کے مداخلت رعایا کی حکومت ملک میں واجبات سے ہے۔۔۔۔ اور بلاشبہ پارلیمنٹ میں ہندوستان کی رعایا کی مداخلت غیر ممکن اور بے فائدہ محض تھی مگر لیجسلیٹو کونسل میں مداخلت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پس یہی ایک بات ہے جو جڑ ہے تمام ہندوستان کے فساد کی اور جتنی باتیں اور جمع ہوتی گئیں وہ سب اس کی شاخیں ہیں !“

اس کتاب سے تو کم جو سہارا ملا ہو گا اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جو حکومت پر بالآخر اس کلکرا اور صحت منداثر پڑا اور شک و شبہ کی اس زہریلی فضا میں تبدیلی آئی جس کی وجہ قوم کے نہ جانے کتنے چشم و چراغ اور جیالے سولی پر چڑھادئے گئے اور ملک کے بے شمار خانوادے محرومی و تنہائی کے شکار ہوئے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے نہ ہنر کی کتاب The Indian Mussalmans (جو کتاب تو کیا مسلمانوں کے خلاف سخت زہریلے حالات کا پشاور تھی) کا جواب لکھا اور بہتان طرازی اور فریب کو فاش کیا جس سے وہ کتاب

ملوثی۔ اس سلسلہ میں ان کی تصنیف "لائس محمد نزار آف انڈیا" کو بجا طور پر تاریخی اہمیت حاصل ہے جس میں نہایت احتیاط و حجرات کے ساتھ صحیح واقعات مع پوری شہادتوں کے فراہم کئے گئے ہیں اور مسلمانوں کو اس الزام سے بری کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ حکومت کے سب سے خطرناک اور بدترین دشمن ہیں اور فوج مشاغل سے ان کی خیر خواہی اور وفاداری ثابت کی گئی ہے۔ فی الواقع انھوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں میں اس مذہبی تعصب و عناد کو دور کرنے کے لیے جوان میں عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی ایک نہایت مبارک اور سنجیدہ کوشش کی یعنی انھوں نے بائبل کی تفسیر یعنی شروع کی جو تینین الکلام کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ تفسیر وہ ممکن نہ کر سکے اور کاموں نے اس کی فرصت ہی نہ دی۔ ان کے اس کام کے بارے میں یہ رائے قابل توجہ ہے :

"The basic idea in undertaking this work was to show the Muslims that despite serious differences with Islam, Christianity was not so foreign to their own sense of values, and beliefs as they imagined."¹

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت سرسید کی پوری کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں پر حکومت کے غتاب کی جو سختی تھی وہ کسی کیسی طرح دور ہو اور اس سلسلہ میں انھوں نے حکومت سے وفاداری کی پالیسی کو اپنانے میں کئی جھجک محسوس نہیں کی۔ ان کے نزدیک قوم کی اس وقت کی دشواریوں کو دور کرنے کے لیے ایک حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا بہتر نہ ایک فریضہ کے تھا یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی یہ پالیسی سو فی صدی صحیح تھی۔ لیکن ان کی اس پالیسی کے جواز میں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اس کی کامیابی کے امکانات کسی اور طرز عمل کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھے۔ سرسید کا یہ طریقہ کار ایک مناسب اور سازگار ماحول پیدا کرنے کا ایک بڑا کارگر وسیلہ ثابت ہوا اور اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ لیکن بعد میں آنے والوں نے اگر بدے ہوئے حالات میں بھی اس پالیسی کو برقرار رکھنے پر اصرار کیا اور اسے ایک مستقل سیاسی فلسفے کے طور پر استعمال کیا تو ان کے اس فعل کو سرسید بھی صحیح نہ قرار دیتے۔ سرسید کا سیاست کا تصور کچھ اس طرح کا تھا کہ ایک حقیقت پسندانہ سیاسی شعور پیدا کرنے کے لیے وقت کے رنگ و رخ کو نہ پہچاننا اور مستقبل کے امکانات سے واقفیت بہم نہ پہنچانا ایک بدیہی ضرورت سے روگردانی کا مترادف تھا۔ اس حقیقت شناسی سے اجتماعی سیاست کے مقاصد متعین و

(1) The Muslim Community of the Indo-Pakistan subcontinent

(610-1947) I.H.Quraishi (1962 p.238

متیقن ہوتے ہیں، لیکن ان مقاصد کے حصول کے لیے ایسے طریقہ کار کا انتخاب بھی ضروری ہے جو ان حالات کو مطلوبہ طور پر تبدیل کر دینے کی زیادہ سے زیادہ ضمانت دیتا ہو۔ اقدار و مقاصد اضافی ہوتے ہوں یا نہیں، اس پر اختلاف رائے کی پوری گنجائش ہے لیکن طریق کار و عمل ہمیشہ اضافی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اس لیے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ جہاں تک مقاصد توئی کے انتخاب کا تعلق ہے اس میں سرسید نے بے نظیر لیاقت بے خوف فکر اور بے لوث عمل کا ثبوت دیا ہے۔ مگر جہاں تک طریقہ ہائے کار کے اختیار کرنے کا سوال ہے، انھوں نے وقت کے تقاضوں، مصلحتوں اور اس کی نزاکتوں کا مخصوص طور پر لحاظ رکھا ہے۔ بہر صورت اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ انگریزی حکومت کی ملازمت میں ہونے کے باوجود سرسید نے اپنے ذہن، فکر اور طریق کار کو حکومت کی مصلحت یا پالیسی کی غیر مشروط پابندی سے جس طرح آزاد رکھا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

انھوں نے سنہ ۱۸۵۶ء میں حیات قومی کے تیرازے کو جس طرح بکھرتے دیکھا اور ان کے دل کی جو حالت ہوئی، اس کا نقشہ خود ان کے قلم نے یوں کھینچا ہے :

”..... اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا.... آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بڑھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دئے مگر اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو تباہی کی حالت میں چھوڑ کر میں خود کسی گوشہ عافیت میں جا بیٹھوں نہیں۔ اس کی مصیبت میں شریک ہونا چاہیے اور جو مصیبت چڑھے اس کو دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے....“

لیئے ارادہ اور عزم کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

”تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ ہماری رائے میں اس کا جواب صاف ہے : استقلال، استقلال، استقلال، ہمت، ہمت، ہمت۔ کوشش، کوشش، کوشش، ہم کو گورنمنٹ کی پالیسی کی کچھ نہ پروا کرنی چاہئے اور اگر ہم میں سلف رسپکٹ کا کچھ اثر باقی ہے تو گورنمنٹ کو دکھا دینا چاہیے کہ بلاشبہ گورنمنٹ کو لوگوں کی جانوں پر اختیار ہے مگر لوگوں کی رائے پر نہیں۔“

لہ مکمل مجموعہ لکچرز و ایچرس ۲۹۸- اجلاس آل انڈیا کانفرنس ایجوکیشن کانفرنس، اجلاس چہارم منعقدہ علی گڑھ

سرسید کے ان چند الفاظ میں کیا کچھ نہیں ہے۔ ان میں ان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی مایوسی و مسامحہ پر
 ہلکی روح کا کرب جھلکتا ہے۔ ان میں قومی حیمت کا شدید احساس اور فرض کی بجائے آدمی میں ذاتی آسائش و
 سودگی کو ترک کر دینے کا تہیہ ملتا ہے۔ ان میں وہ وطن دوستی ملتی ہے جو صحیح معنوں میں انسان دوستی سے
 متغیر ہے۔ ان میں ایک فرد کا وہ آہنی عزم ہے جو جماعت کے انتشار و اضمحلال کو ایک ناقابل تلافی فحوت
 تبدیل کر دیتا ہے۔ ان میں اس مثبت جذبے کی کار فرمائی ملتی ہے جو تخریب کو تعمیر کے لیے ایک تازیانہ
 قصبہ ہے۔ یہ صرف الفاظ نہیں تھے بلکہ ایک ہمہ جہت، ہمہ گیر اور عظیم الشان قومی خدمت کے پروگرام کے اظہار
 غاڑ کا اعلان تھا۔ یوں تو ہر شخص اپنی صلیب خود اٹھانے پر مجبور ہے اور بہت کم ایسے ہیں جو اس فرض سے
 پیش اسلوبی سے عہدہ براہوتے ہیں، لیکن پوری انسانیت اور قوم کی صلیب کو اٹھالینے کا شرف مسعود
 اس کے بند گمان محرم ہی کو حاصل ہوتا ہے اور ان کی کامیابی صرف تائید الہی کی رہن منت ہوتی ہے۔ سرسید
 ماندہ قوم کی بے اماں اور بے کراں ذمہ داری کے بوجھ کو اپنے شانوں پر جس کشادہ دلی اخلاص، دردمندی،
 بڑی، دانش مندی اور قابلیت کے ساتھ اٹھالیا اس کا اعتراف دوست دشمن سبھی نے کیلے۔ ایسا معلوم ہوتا
 ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سرسید نے اپنی جملہ ذہنی اور جسمانی قوتوں کو قومی زندگی کی تعمیر، ترقی اور استحکام کے
 لیے وقف کر دیا تھا۔ انہوں نے اس وقت سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جیسا قومی کے ہر مسئلے
 سرگہری اور دقیق توجہ کی اور مناسب حل کی جستجو میں انتہائی ذہنی کاوش اور سخت جسمانی مشقت اٹھائی۔
 ان کی ذات فی الواقع علم و عمل کا ایک معجزہ تھی وہ بیک وقت قوم کا قلب بھی تھے اور دماغ بھی۔ ان کا قلب
 ہم کے سود و زیاں کو اسی طرح محسوس اور ریکارڈ کرتا تھا، جس طرح موسم کا مقیاس اور ان کا دماغ قومی
 فح و ترقی کی تدابیر کا خزینہ تھا۔

جس وقت ملک سنہ ۱۸۵۷ء کے تھلکے سے دوچار ہوا سرسید بکجور میں تھے۔ یہ علاقہ ان حالات
 حادث سے پورے طور پر متاثر تھا جو اس وقت گرد و پیش میں رونما ہوئے۔ ہر طرف تباہی و تاریکی تھی۔
 سرسید نے ان حالات پر قابو پانے سے لیے بڑے جتن کئے، جن کی بنا پر ان سے اپنے اور پرانے دونوں
 بن ہوئے۔ سرسید اسے جانتے تھے لیکن ظلم و زیادتی سے وہ کسی طرح مغایرت نہیں کر سکتے تھے۔ جب دو
 دہوں میں مخالفت و مخالفت انتہا کو پہنچ جائے تو کسی ایسے شخص کا جو امن عافیت اور عاقبت اندیشی کی
 طرآن میں سے کسی ایک کی مکمل تائید یا طرفداری سے اجتناب کرے تو اس کا فریقین کا مورد عتاب ہونا

تعجب کی بات نہیں۔ بعینہ یہی صورت سرسید کو پیش آئی لیکن جب ہنگامہ فروا اور تھاقت کی سنگینی کا احساس پیدا ہوا تو سرسید کے رویے کو صحیح قرار دیا گیا۔ سب کو ان سے مدد ملی۔ غدر کے بعد محض سرسید کی بدولت یہ ضلع تمام سزاؤں اور آفتوں سے محفوظ رہا۔ اور پھر باغیوں کی تحقیقات کے لیے جو کمیشن مقرر ہوا تھا اس پر بھی (سرسید) ایک ہندوستانی ممبر تھے۔ انھوں نے معصوم اور بے خطا لوگوں کی بڑی دلیری سے حمایت کی اور بیسویں کو کچھالسی سے ہجالیاتہ سنہ ۱۸۵۸ء میں سرسید کا تبادلہ بجنور سے مراد آباد کا ہوا۔ وہاں کے حالات بھی نہایت خراب تھے اور باشندوں کی بہت بڑی تعداد بتری و آزمائش سے دو چار تھی۔ سرسید کی موجودگی سے ضلع کے لوگوں کو بڑی مدد ملی اور رفاه عام کے کئی کاموں کی ابتدا ہوئی۔ خاص کر جب سنہ ۱۸۶۰ء میں ایک بڑا قحط پڑا تو سرسید نے مشکلات و مصائب کو دور کرنے میں دن رات سخت جدوجہد کی جس کا اعتراف حکومت اور ان کے وطن دونوں نے کیا۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں ان کا تبادلہ غازی پور کا ہوا۔ اس سال انھوں نے اپنی ایک تاریخی تجویز بعنوان "اتماس خدمت ساکنان ہندوستان در باب ترقی تعلیم اہل ہند" پیش کی۔ یہ تجویز سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کا پیش خیمہ تھی۔ ۹ جنوری سنہ ۱۸۶۴ء کو انھوں نے غازی پور میں اپنی اس تجویز کو ہندو مسلمان اور انگریزوں کے ایک نمائندہ جلسہ میں پیش کیا۔ سوسائٹی کے قیام کے مقاصد کیا تھے، حالی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"جو (یعنی سائنٹیفک سوسائٹی) اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ انگریزی اور علمی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے انگریزی لٹریچر اور مغربی علوم کا مذاق اہل وطن میں پیدا کیا جائے۔ علمی مضامین پر لکھے ہوئے جائیں۔ رعایا کے خیالات کو رنڈٹ کے اصول حکمرانی رعایا پر ایک ایسے اعتبار کے ذریعہ سے ظاہر کیے جائیں جو اردو انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوا کرے۔ ہندو مسلمان اور انگریز تینوں قوم کے ہر اس میں شامل کئے جائیں اور اس طرح قومی معاشرت اور مذہبی تعصبات اور جو جھجک ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی طرف سے ہے اس کو آہستہ آہستہ کم کیا جائے یہ

اس سوسائٹی کے قائم ہونے کے فوراً ہی بعد سرسید کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ سوسائٹی کو بھی وہیں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سرسید کی رہنمائی میں سوسائٹی کا کام علی گڑھ میں شروع ہو گیا۔ عمارت کا سنگ بنیاد ۲ نومبر ۱۸۶۴ء کو رکھی گئی اور ۳۰ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء کو اس کی تکمیل پر

سرسید احمد خاں حالات و افکار حوالہ سابق ص ۱۸۵ تا ایضاً ص ۱۸۵

تھ ایضاً ص ۱۳۰

۱۳۹- ایضاً

ن کا اقتراح ہوا۔ سوسائٹی کے مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

۱۔ ان علوم و فنون کی کتابوں کا جن کو انگریزی زبان میں یا یورپ کی کسی اور زبان میں ہونے کے سبب سے بندوستان میں نہیں سمجھ سکتے۔ ایسی زبانوں میں ترجمہ کرنا جو ہندوستانیوں کے عام استعمال میں ہوں۔

۲۔ جب کبھی سوسائٹی مناسب سمجھے تو کوئی ایسا اخبار یا گزٹ یا روزنامہ یا میگزین وغیرہ چھاپ کر شہر کرنا جن سے ہندوستانیوں کی فہم و فراست کی ترقی مقصود ہو۔

۳۔ ایسیلے کے قدیم مصنفین کی کیاب اور نفیس کتابوں کا تلاش کر کر ہم پہنچانا اور چھاپنا۔

۳۰ مارچ ۱۸۶۶ء سے سوسائٹی نے انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجرا کیا جس کے ایڈیٹر خود سر سید تھے۔

اس اخبار کے بارے میں حالی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی اہمیت اور اس کے اثرات کو بخوبی ظاہر کرتا ہے :
"اول اول سر سید زیادہ تر اس میں پولیٹیکل معاملات پر مضامین اور نوٹ لکھتے تھے اس لیے ان کی ابتدائی جلدوں کو ان کے پولیٹیکل ورکس کا ایک مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔ اس اخبار کی بڑی خصوصیت.....

گورنمنٹ اور انگریزوں کو ہندوستانیوں کے حالات اور خیالات سے آگاہ کرنا اور ہندوستانیوں کو انگریزی طرز حکومت سے آشنا کرنا اور ان میں پولیٹیکل خیالات اور قابلیت اور مذاق پیدا کرنا تھا۔ اس کی ابتدائی جلدوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزی خیالات کو ہندوستانی خیالات کو انگریزی لباس میں ظاہر کر کے قوموں کو ملتا جلتا ہے۔

ایک خاص وصف جو اس اخبار کے ساتھ مخصوص تھا اور جو اس کو ہندوستانیوں کے عام انگریزی اور ہندی زبانوں سے ممتاز ٹھہراتا تھا، وہ یہ تھا کہ اس نے اپنے طرز تحریر میں برخلاف اپنے تمام ہم عصروں کے کبھی کسی قوم یا فرقے یا کسی خاص شخص کی دل آزاری نہیں کبھی.... اس نے ہندوستان کے کسی قوم کی نسبت دوستی اور خیر خواہی کے خلاف کبھی ایک حرف نہیں لکھا۔ کبھی کسی ہندو یا مسلمان ریاست یا اس کے اہلکاروں پر زہر نہیں اگلا۔ ہندو مسلمانوں کے مذہبی جھگڑوں سے وہ ہمیشہ بے تعلق رہا اور کبھی کبھار دونوں کو صلح و آشتی کی نصیحت کی۔" لے

سوسائٹی کا قیام، ترقی اور کامیابی تقریباً تمام تر سر سید کی کوششوں کی رہنمائی تھی۔ وہ اس کے ہر کام میں دل و جان سے شریک تھے۔ مالی وسائل کو استوار کرنے کے لیے انھوں نے اپنے وسیع اثرات استعمال

کھے۔ اس کی عمارت کی تعمیر اور ضروری آلات و سامان فراہم کرنے میں بڑی تگ و دو کی۔ دو کتابوں کی تالیف کا بیڑہ اٹھایا۔ ایک تمام اُردو مطبوعہ کتب نظم و نثر کی فہرست کی ترتیب بطور تاریخ زبان اُردو..... معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کی نیت نہیں آئی..... دوسرے اُردو لغات جو سرسید نے لکھنی شروع کر دی تھی۔ اس کا نمونہ موجود ہے..... سرسید کے صحیح ادبی ذوق اور دور بینی کا اسی ایک بات سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ۶۶ برس پہلے اس چیز کا ڈول ڈالا تھا جس کی تکمیل پر ہم آج غور کر رہے ہیں! خود اس کے لکچر پروگرام میں داخل ہوتے حتیٰ کہ ان علمی تجربات میں حصہ لیتے جو سوسائٹی میں کئے جاتے تھے مثلاً "نوعِ قسم کے گندم لندن سے منگائے گئے، خود سرسید نے ایک ایک دانہ بونے کے لیے ایک آنہی غلی ایجاد کی اور علمِ فلاحت پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا، لہٰذا اس سوسائٹی نے تصنیف اور ترجمہ کے بڑے قابلِ قدر نمونے پیش کئے، اور کئی عمدہ تعلیمی تحریکیں شروع کیں اور اس کے اثرات ملک کے ایک بڑے حصے پر پڑے اور جابجا اس کے نمونے پر انجمنیں قائم ہوئیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب سرسید کی شخصیت تھی۔ جس کی سب سے نمایاں صفت یہ تھی کہ وہ دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ علم و فکر کی گہرائی اور بلندی، خلوص کی سادگی اور سچائی، کام کرنے کی لگن اور بہت، جان نثاری، جفا کشی، اعلیٰ اخلاق اور شائستہ مذاق، تجربہ اور خیر اندیشی ایسی فطری و آسمانی خوبیاں تھیں جو دوسروں کو فی الفور سرخ کر لیتی تھیں اور کبھی جدا نہ ہونے دیتیں۔

سرسید نے ۱۸۶۶ء میں برٹش انڈین ایسوسی ایشن نامی ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد حسبِ ذیل

الفاظ میں بیان ہوا ہے :

"ہندوستانیوں کو گورنمنٹ سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے تعلق پانا کرنا چاہیے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری میں ہندوستان کے لیے بڑی وقت یہ تھی کہ اس کے تقریباً تمام معاملات صرف کورٹ آف ڈائریکٹرز تک پہنچتے تھے اور پارلیمنٹ سے بہت کم تصنیف پاتے تھے۔ مگر اب حکومت ہندوستان کی ملکہ مغضبہ نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہندوستان کے امور کو زیادہ تر پارلیمنٹ سے تعلق رہے گا۔ بس اس غرض کے لیے کہ پارلیمنٹ کے ممبر ہمارے حالات اور معاملات سے بخوبی واقفیت حاصل کریں،

ہم کو ایسی تدبیر کرنا چاہئے جس سے ہم اپنے صحیح حالات اور مناسب خواہش سے ان کو مطلع کر سکیں اور جس طرح ان انگیزیوں نے جوہد و ستان میں رہتے ہیں ایک ایسوی ایٹن انگلستان میں قائم کرنی چاہی ہے، اسی طرح ہم بھی تمام اضلاع شمال و مغرب کی طرف سے ایک ایسوی ایٹن اپنے ملک میں قائم کریں اور اس کے ذریعہ سے اپنے تمام مطالب اور مقاصد کو رخصت اور پارلیمنٹ تک پہنچائیں۔

اس ایسوی ایٹن کی جانب سے حکومت کے سامنے قتلغ تجاویز رکھی گئیں۔ اور اس طور پر حکومت اور رعایا کے درمیان ایک بنجدہ اور مفید رشتے کے قیام میں بڑی مدد ملی۔ انجمن نے ایک اہم اور دور رس تجویز سرسید کی وساطت سے سنہ ۱۸۶۷ء میں حکومت میں پیش کی جو ایک ونا کو لریونیورسٹی کے قیام کے بارے میں تھی۔ اس عرضداشت سے جستہ جستہ اقتباس پیش کئے جاتے ہیں جن سے اس تجویز کو محریک کے اہم اور قابل قدر پہلو واضح ہوئے ہیں۔

”ہم اذکار کرتے ہیں کہ جو علوم و فنون اب ایشیا کے ملکوں میں جاری ہیں جن کے موضوع اور تاریخی حالات ہمارے بہت سے مصنفوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور اپنی اعلیٰ حالت میں بغیر کسی طرح کے تغیر تبدیل اور ترقی کے ہم تک پہنچے ہیں ان میں سے اکثر ایسے اصول پر مبنی ہیں جو زمانہ حال میں علم کی ترقی ہونے سے بالکل غلط اور ناجائز ٹھہرے ہیں اور بعض علم ایسے ہیں کہ اگرچہ بنیاد ان کی صحیح اور مضبوط اصول پر ہے مگر زمانہ حال کی نئی نئی تحقیقاتوں اور تلاشوں کے سبب سے ان کا رنگ دھنگ بالکل بدل گیا ہے اور بعض علم ایسے ہیں کہ اب تحصیل ان کی فضول اور غیر مروج ہو گئی ہے اور بر خلاف اس کے آج کل دنیا میں بہت سے ایسے علوم و فنون کی گرم بازاری ہے جو زمانہ حال کی ایجاد ہیں اور ان کا حال ہمارے بزرگوں کو بالکل معلوم نہ تھا پس یہ ایک ایسی بات ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ایشیا میں جو علوم اور زبانیں اب جاری ہیں ان کی تحصیل ہمارے علم کی ترقی اور روشن ضمیری کے لیے محض غیر کافی ہے اور یہ بات بھی ایسی ہی محقق اور مسلم ہے کہ مذکورہ فائدے کے حاصل کرنے کے واسطے کوئی

ذریعہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ ہم انگریزی زبان کو سیکھیں..... بالفعل بڑے بڑے علوں سے صرف زبان انگریزی کے ذریعہ سے واقفیت حاصل ہو سکتی ہے اور یہی بات اسی ہے جس کے سبب سے ملک میں مفید علوں کے عموماً جلد شائع ہونے میں بڑے بڑے موانع اور ہرج واقع ہوتے ہیں..... جس تک سب کی رسانی آسان اور سہل ہونی چاہیے.... مگر ایک اور طریقہ تعلیم کا جو عام تعلیم کی ترقی کے لیے زیادہ موثر تصور کیا جاتا ہے قائم اور جاری کیا جائے..... وہ طریقہ یہ ہے کہ بجائے اس بات کے کہ صرف انگریزی ہی زبان میں تعلیم کی جائے دوسری زبان کو بھی تعلیم کے اعلیٰ درجہ کے مضمون اور مطالب میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ گردانا جائے..... اگر علم کی تحصیل غیر ملکی زبان کے ذریعہ سے کی جائے تو اس میں دو چند وقت صرف ہوتا۔ اول تو خود زبان ہی کے سیکھنے میں وقت خرچ ہوتا ہے اور اس کی تحصیل میں ہزاروں طالب علم اس قدر وقت کھوتے ہیں کہ پھر اس زبان کے ذریعہ سے جس کو انھوں نے حاصل کیا ہے کسی مفید علم کے تحصیل کرنے کے واسطے وقت باقی نہیں رہتا ہے۔ دوسرے علم کی تحصیل خاص علم کے فائدوں کے لحاظ سے ضرور ہوتی ہے اور شاید اذنا در ایسے طالب علم پائے جاتے ہیں جن کو زبان اور علم دونوں کی تحصیل میں کامیابی حاصل ہو مگر جب کہ اس کے دیں کی زبان میں علم کی تحصیل ہونو طالب علم کا کچھ بھی وقت ضائع نہیں ہوتا۔

..... پس اگر ویسی زبان کو تعلیم کا ذریعہ ٹھہرایا جائے تو اس درجہ کا علم جس تک اب چند ایم۔ اے کے سند یافتہ طالب علوں کو رسانی ہوتی ہے، بے انتہا لوگوں کو حاصل ہونے لگے گا۔ اب جو سرشتہ تعلیم کا غیر ملکی زبان کے ذریعہ جاری ہے اس کی بدولت طالب علم جس علم کو ایک مرتبہ حاصل کرتا ہے اس کو وہ یونیورسٹی چھوڑنے اور زندگی کے معمولی کام کاج میں مصروف ہو جانے کے بعد جلد بھول جاتا ہے اور جلد اس کے ذہن سے وہ علم اتر جاتا ہے مگر جو طریقہ ہم نے تجویز کیا ہے اس کے ذریعہ سے جو علم ایک مرتبہ حاصل ہو جائے گا صرف وہی باقی اور برقرار نہیں رہے گا بلکہ علم کی تحصیل کا ذریعہ اس معمولی زبان کے ہونے سے جس میں ہر وقت اس کے خیالات ظاہر اور پیدا ہوتے ہیں وہ علم کی استعداد

اور قابلیت کی مناسبت سے ہمیشہ ترقی اور شگفتگی پاتا رہے گا..... اس بات کا خیال کرنا ہے کہ دسی زبان کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کرنا انگریزی زبان کی اشاعت کو مضر اور خارج ہوگا کیونکہ یہ کہنا بھی تو اسی طرح سے صحیح نہیں ہے کہ ہزاروں شرکوں کو دوسرا کا ایسے نظاموں میں بنانا جہاں دونوں کی ضرورت ہے، مضر اور ایک دوسرے کا مخالف اور مانع ہوگا، حالانکہ یہ دونوں کام ایسے جدا گانہ ہیں کہ اپنی ذات سے ہر ایک فیض بخش ہے اور ایک دوسرے کا خارج اور مزاحم نہیں ہے..... خاتمہ پر ہم اپنا یہ تعوی یقین ظاہر کرتے ہیں کہ جس تجویز کی ہم تائید کرتے ہیں اگر اس کو جاری کیا جائے تو اس ملک کی حالت کو از سر نو عمدہ اور بہتر کرنے اور اس کے باشندوں کی طبیعتوں میں سے غلطی اور جہالت کو دور کرنے اور سب حاکموں اور محکموں کو برابر فائدہ پہنچانے کا یہ تجویز ایک موثر وسیلہ اور ذریعہ ہوگی..... ۱۵

اس عرضداشت کا جواب حکومت کی جانب سے ای سی۔ بیلی صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہندوستان کی تحریر نمبر ۲۲۱۶-۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء کے ذریعہ موصول ہوا۔ اس کی وضاحت حسب ذیل تحریر میں ملتی ہے :

گورنمنٹ کی طرف سے جو جواب اس کا موصول ہوا اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ گورنمنٹ اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ جمہور نام کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینے کے لیے دسی زبانیں کارآمد ہوں گی۔ لیکن دسی زبانوں میں ابھی اس اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے لیے کافی سامان اور لوازم موجود نہیں ہے۔ دوسری بات جو زیادہ قابل لحاظ ہے یہ کہ صرف ان کتابوں کا ترجمہ جو نیو یورٹ کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں اس قدر کافی نہ ہوگا جس کی بنا پر اس تجویز کو عمل میں لانے کی ہمت ہو سکے کیونکہ تعلیم نیو یورٹ کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ بعض خاص خاص کتب سے واقفیت ہو جائے بلکہ یہ مقصد ہے کہ یورپ کے علوم و فنون کے دائرے میں علم کی تحصیل کے لیے طبیعت کو مستعد اور تیار کیا جائے اور کچھ عرصہ تک غالباً ہندوستان کے باشندے صرف انگریزی کے ذریعہ سے اس بات کو حاصل

نظام تعلیم جاری کرنا چاہیے۔^{۱۷}

اس سلسلے میں ایک فاضل کا یہ بیان اور توجیہ خصوصیت کے ساتھ قابل لحاظ ہے :

سر سید نے توساٹیفک سوسائٹی کے ذریعہ پوری زبان کی توسیع کا تجربہ بھی کر لیا تھا لیکن ملکتہ اور بمبئی جیسی یونیورسٹیوں کے قیام کے بعد انگریزی زبان کے سیل کا تھام لینا اب کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ ہندوستان کی کوئی دوسری زبان اس بات کی دعویٰ نہ تھی کہ دانش کدوں میں نئی علوم کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ عربی اور فارسی کے علمی وقار کی وجہ سے اردو نے تو سنہ ۱۸۰۰ء تا سنہ ۱۸۶۷ء یہ دعویٰ بھی کر لیا۔ سر سید ابتدا میں اس تعلیمی اسکیم کو علمی طور پر رائج کرنا چاہتے تھے لیکن شرتی صیفے کی ناکامی اور انگریزی تعلیم کے عام چلن کی وجہ سے ان کا نقطہ نظر بدلتا گیا اور انھوں نے سنہ ۱۸۶۷ء میں جرنل انھیں سرکارِ برطانیہ کے علماء روں کی نیت پر شرمونے لگا کر وہ پنجاب یونیورسٹی کا کون قائم کر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور زبان سے نا آشنا رکھنا چاہیے ہیں تو انھوں نے تہذیب الاخلاق میں ایجنٹوں نے مضمون لکھ کر السنہ مشرق کی اس یونیورسٹی کو ایک ایسا جال بتایا جس میں مسلمانوں کو پھنسا یا جا رہا ہے۔ سر سید کی اس زبردست ذہنی انقلاب کی داستان انھیں کے الفاظ میں مختصر طور پر بیان کی جاتی ہے۔ فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج اور سائنٹیفک سوسائٹی کی ناکام خدمت کا ذکر کرتے ہوئے وہ پنجاب یونیورسٹی کی مخالفت میں یوں رقم طراز ہیں :

”یہ خیال بہت پرانا ہے کہ اگر ہماری تعلیم ہماری زبان میں ہو تو ہمارے لیے اور ملک کی ترقی کے لیے زیادہ ترمفید ہے۔ لارڈ میکالے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس پر بہت کچھ عمل کیا تھا۔۔۔ جن ملکوں نے اس زمانے میں اعلیٰ درجے کی ترقی کی ہے اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ انھوں نے تمام علوم و فنون کو اپنی زبان میں کر لیا ہے مگر جن ملکوں نے ایسا کیا ان میں اور ہندوستان میں بڑا فرق ہے ان ملکوں میں ایک ہی قوم اور ایک ہی زبان حکومت کرتی ہے مگر ہندوستان میں نہ ہندوستانی حکومت کرتے

۱۷ انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، از عبد اللہ یوسف علی ص ۱۵۴۔ منقول از زبان کا مسئلہ، ڈاکٹر گیان چندر سال ۱۹۶۵ء جولائی سنہ ۱۹۶۵ء ص ۱۴۔ ۱۸ علی گڑھ تحریک، مسلم یونیورسٹی اور انھوں نے انڈیا کے مسعود حسین خاں علی گڑھ تحریک آغاز تا امروز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سنہ ۱۹۶۰ء ص ۳۶۳۔

ہیں نہ یہاں زبان حکمران ہے پھر ان ملکوں میں ہندوستان کا قیاس ایک بہت بڑی غلطی ہے۔
 ”..... ہندوستان میں اس خیال کا پیدا کرنا کہ ہم مشرقی علوم اور دینی زبان اور دینی
 علوم کو ترقی دے کر عزت و دولت، جنت و حکومت حاصل کریں گے، بعینہ ایسا ہی ہے
 جیسے کوئی امریکہ کے اصل باشندوں کو خیال دلائے کہ تم اپنی دینی زبان اور دینی علوم میں
 (جو کچھ کہوں) ترقی کر کے اپنی حکمران قوم میں عزت و دولت، جنت و حکومت حاصل کرو گے۔
 خود سرسید نے اپنے خیالات میں اس زبردست تبدیلی کا حال یوں بیان کیا ہے:

”ہم کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ خود ہم نے اسی اصول پر سائنٹفک سوسائٹی قائم کی تھی
 اور بہت کچھ مباحثہ اور تحریک رگورنٹس سے کی تھی اور اب ہم اس کے برخلاف ہیں اور
 ہاں یہ بات سچ ہے..... مگر اس زمانہ اور حال کے زمانے میں زمین و آسمان کا فرق
 ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس میں انگریزی علوم کی حاجت نہ تھی یا یوں کہو کہ قدرہ تھی۔ اگلی کر
 اعلیٰ عہدوں کے لیے ادنیٰ درجہ کی مشرقی تعلیم کافی تھی..... اس میں ریل و مار برقی
 کو کوروں ہندوستانیوں نے دیکھا بھی نہ تھا اور جو خیالات تجارت و ترقی کے اب پیدا
 ہوئے ہیں وہ اس زمانے میں کسی کے خیال میں بھی نہ تھے..... اس زمانے کے
 مناسب حال بلاشبہ اس شخص کو جو سچے دل سے اپنی قوم و ملک کی ترقی کا خواہاں
 ہو، اس خیال کا پیدا ہونا کہ ہم دینی زبانوں کے ذریعہ سے اپنے ملک و قوم کو ترقی دیں
 نہایت واجب اور سچا خیال ہو سکتا ہے مگر رفتہ رفتہ تمام حجابات رفع ہوتے گئے
 اور خود زمانے نے بتا دیا کہ ہر جاتے ہو اور ٹھیک رتنہ کہہ رہے ہیں۔“

اس بات کو زمانے نے بتا دیا کہ ہر جاتے ہو اور ٹھیک رتنہ کہہ رہے ان واقعات خیالات اور
 تجربات کی طرف اشارہ ہے جو سرسید کو زمانہ کو لبرل پریورسٹی کی تحریک کرنے کے بعد پیش آئے۔ اس سلسلے میں
 ایک بات جو وثوق سے کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء سے لے کر یکم اپریل ۱۸۹۶ء تک سب
 سرسید بنارس سے انگلستان کے لیے روانہ ہوئے تو ان کی شرب و روز کے غور و فکر نے ان پر یہ حقیقت

۱۔ ایضاً بحوالہ تہذیب الاخلاق سنہ ۱۸۸۱ء ص ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ حوالہ سابق۔ ترجمہ معراج حسین خاں ص ۳۶۷۔

واضح کر دی تھی کہ قومی زندگی کی نئی تعمیر وترقی کے لیے ایک ایسا جامع اور سہ جہت پروگرام درکار تھا جس کا پورے طور پر قابل عمل ہونا از بس ضروری تھا۔ سرسید کی ذہنی و فکری صلاحیت غیر معمولی اور نہایت اعلیٰ درجے کی تھی اگر وہ یکسو ہو کر صرف قوم کی ذہنی نشوونما کے لیے لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تو تحقیق و تخلیق کے ایسے کارنامے وقوع میں آتے کہ سرسید کا شمار دنیا کے بڑے سے بڑے مفکرین اور دانشوروں میں ہوتا انھوں نے بے پناہ مصروفیات کے سیل میں بھی کچھ لکھا ہے اس سے ان کی جامع صفات ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرسید کے خلاق ذہن میں کیسے اور کیا کچھ خیالات نہ آتے ہوں گے لیکن ان کے ذہن کے ڈسپلن کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے صرف ان خیالات کو اپنے دل میں جگہ دی اور قوم میں عام کیا جو ان کے نزدیک قابل عمل اور نفع بخش تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ذہنی و فکری تاریخ میں دائمی شہرت حاصل کرنا بہت بڑا امتیاز ہے۔ اگر وہ چاہتے تو خانقاہ میں بیٹھ جاتے اور ایک عالم کے رشد و ہدایت کا وسیلہ بنتے۔ خالص سیاست کا راستہ اختیار کرتے تو ایک بہت بڑی جماعت کے قائد ہوتے منصب اور عہدے کی فکر کرتے تو سب سے اونچی کرسی پر بیٹھتے۔ ادیب و شاعر ہونا پسند کرتے تو ایک زمانے سے داد حاصل کرتے۔ مورخ ہوتے تو قوموں کے عروج و زوال پر اسناد کا درجہ پاتے۔ فلسفے اور مذہب کی وادی میں گھل جاتے تو کتنے فافلوں کے سالار بن جاتے۔ صرف عمارت کی تعمیر سے دلچسپی رکھتے تو دور شاہ جہانی کی بُرائیاں کرتے۔ قانون پر اکتفا کرتے تو اپنے عہد کے بہت بڑے مقنن ہوتے محض تعلیم سے تعلق رکھتے تو ایک نئے نظام تعلیم کے بانی ہوتے۔ اور کیا کیا نہ ہوتے! لیکن تخصیص تو تخصیص کا راستہ اختیار نہ کرنے کے باوجود کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ صدر کم و بیش تمام حیثیتیں ان کی شخصیت میں جلوہ گر تھیں۔

سرسید کا سفر انگلستان ان کے لیے براہ راست اور قوم کے لیے بانواسطہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انگلستان کے دوران قیام میں ان کو مغربی تہذیب و دانش اور اثر و اقتدار کے ایک نمائندہ ملک کا جیسے اس وقت کی دنیا کی سیاست میں مرکزی حیثیت اور ہندوستان کی مطلق العنان بادشاہی نصیب تھی۔ بظاہر غائر مشاہدہ و مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اس سفر و قیام سے ان کو وہ ذہنی کیسوی بھی حاصل ہوئی جو طرح طرح کی مصروفیات و مشکلات کے سبب سے ہندوستان میں میسر نہ تھی۔ گو خود انگلستان میں ان کی مصروفیات علمی اور سوشل دونوں اقسام کی بے انتہا تھیں پھر بھی دو تہذیبوں کے بے لاگ تقابلی مطالعہ کے امکانات وہاں کہیں زیادہ تھے۔ سرسید نے تقریباً ڈیڑھ سال کے اس قیام

کے ہر لمحے کو کسی نہ کسی مفید کام کے لیے استعمال کیا۔ با اثر ارباب حکومت سے ملک کے مسائل پر تبادلہ
کیا۔ ارباب علم و دانش سے مختلف مباحثہ
پر گفتگو کی، تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، خطبات احمدیہ کی ندوین و اشاعت کا انتظ
کیا۔ اعلیٰ تعلیم کا ہوں اور اعلیٰ اداروں کا معائنہ اور مطالعہ کیا۔ وہاں کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی تنظیم
سے واقفیت بہم پہنچائی۔ اپنے مسائل کے حل کی تدبیریں سوچیں۔ غرض کہ تنہا اٹنا کچھ کیا جو ان دنوں کو
کیشیاں اور ڈی گیشن زکر کثیر صرف کر کے مدتوں تک نہیں کر پاتیں۔ یہ سفر ذاتی طور پر بڑی مالی زیر باری اٹھ
کیا تھا اور ہر لمحہ خدا کی بڑائی اور قوم و ملک کی بھلائی کی تدبیریں سوچنے اور اختیار کرنے میں صرف کیا۔
وہاں اس پیرانا کے عظیم کام میں ان کا اسل سانشی اور مددگار ان کا "سعادت مند" بیٹا سید محمود تھا۔ پورے
باپ کے عزم و جواں کے پیچھے جو ان بیٹے کی غیر معمولی فراست و محنت تھی، قوی تعلیم کا وہ منصوبہ جو عرف عام
میں علی گڑھ تحریک کہلاتا ہے، دونوں نے اس زمانہ قیام میں مرتب کیا اور وطن واپس آنے کے بعد اس منصوبے
کی تکمیل میں زندگی کے آخری لمحات تک مصروف رہے۔

علی گڑھ تحریک بالخصوص انگریزی تعلیم کے نفاذ و اشاعت کے پیچھے کیا خیالات و مقاصد تھے
اور سرسید اپنے عہد کے ملکی و بیرونی حالات و واقعات سے کس طرح اور کس حد تک متاثر ہوئے اور ان کے
خیال و عمل سے قومی زندگی پر کیا اثرات پڑے، موجودہ بحث کے بنیادی موضوعات ہیں۔

سرسید کے فکر و عمل کی سب سے واضح اور ترقی یافتہ شکل علی گڑھ تحریک ہے۔ انیسویں صدی کے
نصف آخر میں دو بڑی تہذیبوں کے سیاسی تصادم سے جو اتاری اور نیا ہی پھیلی اور جوش و کش اور آرائش
شروع ہوئی اس سے بردا زما ہونے کے لیے مختلف اوقات میں سرسید نے مختلف تجاویز پیش کیں جن
کا مختصر بیان اوپر آچکا ہے۔ ان تمام تجاویز میں ایک مشترک عنصر پایا جاتا ہے اور وہ ہے سرسید کا حقیقت
شناس اور زمانہ شناس ذہن۔ اس سیاسی تصادم نے ہندوستان کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص بعض بڑی
سنگین تحقیقتوں سے دوچار کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں تقریباً پورا شمالی ہندوستان اور اس میں بسنے والے
ایک ہم گیر امت کا شکار تھے اور نا عاقبت اندیش اور ناکارہ سیاست کا دور دورہ تھا۔ صنعت و حرفت
زراعت و تجارت غرض کہ پوری معیشت قومی ٹھنہ کر رہ گئی تھی۔ نیم مذہبی سیاسی تحریکات، ناممکن الحصول
اور غیر حقیقت پسندانہ مقاصد اور دعوؤں کے سہارے ایک باری ہوئی جماعت کے باقی ماندہ جوش اور

حرارت ایمانی کو غیر فطری طور پر قائم رکھنے پر متوجہ نہیں۔ یہ حالات تھے جن میں استعمار کا تسلط قوی سے قوی تر ہوتا جاتا تھا۔ قوم کی بنیادی کمزوریاں سرسید کی بے خطا نگاہوں کے سامنے تھیں اور ان حالات کے محرکات اور نتائج ان کے ذہن و دماغ پر نقش ہو رہے تھے۔ سرسید روحِ عصر سے واقفیت رکھنے میں اپنے تمام ہم عصروں سے ممتاز تھے۔ ان کو یقین تھا کہ مغرب یعنی انگریزوں کا غلبہ آج تو ہرگز نہیں کل ضرور ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے علوم و فنون، فلسفہ، سائنس اور تکنالوجی، انسانی تاریخ، اس لیے ہندوستان کی زندگی میں ایک بڑے تہذیبی اور ذہنی انقلاب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مغربی تہذیب بین الاقوامی عناصر رکھتی ہے اور ایک ترقی پذیر تحریک ہونے کی حیثیت سے عالمگیر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس طرح چند صدی پہلے اسلامی تہذیب نے اپنی ترقی پذیر صلاحیتوں کے باعث ایک وسیع زعفر پر اپنا اپنا اثر و اقتدار پھیلا دیا تھا اور تمدن دنیا کے لیے ایک نمونہ بن گئی تھی، سرسید جانتے تھے کہ صلیبی جنگوں میں اسلام اور عیسائیت کا ایک زبردست تصادم ہوا تھا اور اس معرکے میں اسلام کی فتح مسلمانوں کے مضبوط عقیدے، علوم و فنون میں ان کی دستگاہ اور مجموعی حیثیت سے یورپ سے زیادہ منظم، تربیت یافتہ اور ترقی پذیر معاشرہ کی بنا پر ہونی تھی۔ اس تصادم سے عرصہ تک شکست و ریخت کا سلسلہ قائم رہا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلامی تہذیب اور عیسائیت کے اس تصادم و تصادم نے ایک مثبت حرکتی تہذیبی عمل کو بھی جنم دیا۔ یورپ کے دورِ ظلمت و وحشت میں نئے علوم و فنون کے چراغ انھیں چنگاریوں کی مدد سے جلائے گئے جو عیسائی معرکہ آرا واپسی پر اپنے ساتھ لائے۔ یہ صحیح ہے کہ اس تہذیبی عمل کو فروغ دینے کی خاطر غیر کی فتح کو تسلیم کرنا یا کمرانا کوئی نیک عمل نہیں ہے، مقصد صرف یہ کہنا ہے کہ سرسید نے مغربی تہذیب و تعلیم کے چراغ سے قومی تہذیب و تعلیم کی بھٹی ہوئی شمع کو منور کرنا چاہا تاکہ اسی طرح جیسے نظامِ جسمانی کے ضعف و اضمحلال کو دور کرنے کے لیے مریض کو تازہ خون دیا جاتا ہے مریض کی جان بچانے میں اچھا طبیب یہ نہیں دیکھتا کہ وہ شخص جس کا خون دیا جانے والا ہے وہ حاکم ہے یا فکرم، کالا یا گورا، مشرق کا ہے یا مغرب کا۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ جو خون دیا جائے وہ مریض کے خون سے میل کھاتا ہے یا نہیں۔ سرسید جدید مغربی علوم اور سائنس کو اپنی قوم میں عام کرنا چاہتے تھے اور اس امر کے خواہاں تھے کہ ان کے ہم قوم اس تعصب اور منفی انداز فکر و عمل کو چھوڑ دیں جن کی وجہ سے ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ انھوں نے مغربی تہذیب کے فعال مثبت اور کارآمد عناصر سے گہرا اثر قبول کیا

اور ترقی علوم و سائنس کو دور جدید کا سب سے اہم واقعہ قرار دیا۔ بقول اقبالؒ وہ (سید احمد خاں) دور جدید کے پہلے مسلمان ہیں جس نے آنے والے زمانے کے ایجابی مزاج کی ایک جھلک دیکھی: اس کے علاوہ ان کا تاریخی شعور جو خاص طور پر اسلام اور دیگر سامی مذاہب کی تاریخ کے مطالعہ پر مبنی تھا اپنے عہد کے حاکم کو تاریخی پس منظر میں دیکھنے پر مجبور تھا۔ اس تاریخی پس منظر کا اجمالی میان حسب ذیل اقتباسات میں ملاحظہ ہو:

"The world conquered by Muslims in the first rush of their expansion was one where there was already a highly developed intellectual tradition. It was by no means a homogenous tradition, but an intermingling of several different traditions that had originally been separate. The chief common factor was probably the Greek philosophical scientific tradition, but this had several branches, and some of these had been combined with judaism and various forms of Christianity not to mention gnosticism and Manichaeism. The Arabs who found themselves rulers of this cultured world came to it with only a naive world view... When men who had been brought up in the higher intellectual cultures became Muslims, there was an inevitable transition between their general world-view and the identical system which was the basis of the Islamic religion — It was, therefore, not sufficient for the Muslim intellectuals to effect greater harmony and balance within the peculiarly Islamic ideation; they had also to bring about some integration of this ideation with the older intellectual tradition of the heart lands of the Caliphate....1 An external intellectual influence on Islam perhaps even more important than the Judeo-Christian historical tradition was that of Greek philosophy."2

"... The Muslims not only mastered Greek science and eventually handed it on to Europe through Spain, but added to it in the process."3

-
1. Islam and the integration of Society, W.M.Watt. Rutledge and Kegan Paul, London 1961 pp. 228-229.
 2. Ibid, p.232

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

3. Ibid, p.234, The Legacy of Islam(ed) Sir Thomas Arnold & A. Guillaume, Oxford 1931.

نودر سید کے عہد میں یا اس سے کچھ پہلے عالم اسلام جس تہذیبی کشمکش سے دوچار تھا اس کا نقشہ یہ تھا :

"In the Ottoman Empire, which included the Arabic-speaking countries the impact of Europe and the West may be said to have been first felt about 1800, after the invasion of Egypt by Napoleon in 1798. The Muslim intellectuals (more particularly, those of the religious institution) were not adequately prepared to meet the challenges which now came to them. They had turned it on themselves. Their historical tradition had little interest in what lay outside the Islamic world, and their main educational tradition had little interest in any thing outside the Quranic Sciences and their ancillary disciplines. The Muslim intellectuals were, therefore, not at all interested in European learning. The ruling institutions, on the other hand, in places like Cairo, Constantinople and Taheran, were very interested in European Technology and those branches of European learning subservient to it, for they realised that European Technology (along with other features of European Society) gave the Europeans military superiority. In their endeavour to increase their military power the ruling institutions gradually took over or adopted various features of culture and civilization.

In course of time they realized that they must have a completely Western Educational system, and this has been or is in process of being established in all the Islamic countries."¹

اد پر بیان کی ہوئی صورتحال سے سرسید پورے طور پر واقف تھے۔ اس بارے میں ایک فاضل کی رائے یہ ہے :

لیکن علی گڑھ تحریک میں بین الاقوامی عنصر نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس تحریک کا بانی بین الاقوامی حالات سے بھی نااہل نہ تھا یا اس کو عالم اسلام کی زبانوں حالی کا اندازہ نہیں تھا۔ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء کو بنارس میں تقریر کرتے ہوئے سید احمد خاں نے کہا تھا:

”ترک عرب اور فارس آج کل اسی نتیجہ پر پہنچے ہوئے ہیں جس نتیجہ کی ذلت و خواری ہم اٹھا رہے ہیں۔“

ان کو فواد پاشا، خیر الدین تینوئی وغیرہ کی تحریکوں کا پوری طرح علم تھا۔ تہذیب الاخلاق کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے فواد پاشا کی رپورٹ سے یہ جملے نقل کئے تھے اور ان کو اپنی کوششوں کی بھی اساس قرار دیا تھا۔

”اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی انسانیت اور تہذیب اور محمد لی کو کمال کے درجے تک پہنچانے والی ہیں۔ مگر ہم کو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو کنگے زمانے میں مفید تھیں مگر حال کے زمانے میں نہایت مضر ہوئی ہیں چھوڑنا چاہئے۔“

خیر الدین تینوئی کی کتاب اقوام المساک کو انھوں نے جلسوں میں پڑھ کر سنایا تھا اور قوموں کے عروج و زوال پر ان کے نظریات کو وضاحت سے بیان کیا تھا۔ اس طرح انھوں نے ایک حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کو عالم اسلام کے فکری رجحانات سے آشنا رکھنے کی کوشش کی تھی علاوہ ازیں اس سلسلے میں ان کے پیش نظر وہ ممالک بھی تھے جو علوم و فنون کی ترقی میں اپنے ہمسایوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور بعد کو اصلاحی تحریکوں کے ذریعہ ان کی ترقی کے دروازے کھلے تھے۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ابتدائے عربی سے سرسید کو تاریخ اور ریاضیات سے گہرا شغف پیدا ہو گیا تھا۔ ان کے فکر و عمل میں یہ علوم بنیادی عوامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فوجی تہذیب کے تجربے و تغیر میں انھوں نے غیر معمولی تاریخی بصیرت سے کام لیا ہے اور اس کی نئی تشکیل و تغیر کے لیے صحت اور وضاحت کے مستند معیاروں کے مطابق لائحہ عمل کا انتخاب کیا۔ قدرت سے ان کو خدمت کا بے لوث و بے پایاں جذبہ عطا ہوا تھا اس لیے ان کا خیال اور عمل ان مواقع و مشکلات کو دور کرنے میں فوجی رہبری کے

لعید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی از پر وفیہ طبع احمد نظامی علی گڑھ تحریک آغزنامہ و حوالہ سابقہ ص ۲۴ تا ۲۵

وہ ہندوستان کی زبانوں حالی کو ایک بڑے ذہنی زوال کا نتیجہ سمجھتے تھے اس لیے قوم کی حیات نو کے لیے تعلیم کو سب سے موثر و مجرب علاج بتاتے تھے۔

مغرب میں سائنس کی ترقی سے جو ذہنی انقلاب آیا اور جس طرح علمی اور مادی ترقی و کامرانی کے پیشکار نئے دروازے کھلے سرسید ان سے گہرے طور پر متاثر ہوئے۔ وہ اپنے ملک میں بھی ایک سائنسی ذہن پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی قوم میں جامد مذہبی خیالات و توہمات کے خلاف سخت جدوجہد کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سائنس کی ترقی مذہب کے منافی نہ تھی۔ اوہام پرستی اور قدامت پسندی کو مذہب کا دشمن بتایا اور سائنس کو اصلاً ایک ناطق قدر عمل قرار دیا جس کے اسکا نانات اعتداد اور لامحدود ہیں جو انسانی معاشرے کی مسلسل اور مستقل ترقی کی ضمانت دیتی ہے۔ انھوں نے مغربی تعلیم و سائنس کی بڑی شدت سے حمایت اور وکالت کی۔ یہ قوم کی عام غفلت اور شدید تعصب کے خلاف ایک جہاد تھا جس میں سرسید تمام عمر مصروف رہے۔ انھوں نے اپنے اس اصلاحی بلکہ اس زمانے کی فضا کو دیکھتے ہوئے، انقلابی خیالات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مثبت اور مصالحتی طریقہ کار کو اپنایا اور اس حقیقت کو بھی تسلیم کیا کہ وہ ہندوستانی انسانیت کے جس مخصوص تہذیبی حصے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے مسائل تاریخی اور جغرافیائی اسباب کی بنا پر ایک خاص نوعیت کے ہیں اور اس گہرے ذاتی روحانی اور ثقافتی تعلق کی بنا پر جو ان کو اس سے حاصل تھا، وہ ذہنی طور پر اسی حصے کی ترجمانی اور نمائندگی بہتر طور سے کر سکتے تھے۔ یہ ان کی حقیقت پسندی کا ثبوت تھا۔ اس لیے کہ جن مسائل پر وہ اظہار خیال کرنا چاہتے تھے، خاص طور پر مذہبی موضوعات پر وہ بڑی نزاکت رکھتے تھے اور طرح طرح کی غلط فہمیوں کا باعث ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ بعد میں وہ ہوئے بھی۔ بایں ہمہ یہ بھی واقعہ تھا کہ ہندوستان کے مذاہب اور فلسفے کے بارے میں ان کی معلومات بہت محدود تھیں اور یہ ان کے لیے کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ اس حصے کے خیالات میں تبدیلی لانے کے لیے اس بے لاگ تنقیدی طریقہ کار کو کام میں لائے جس کی وہ صورت حال متقاضی تھی۔ مگر ان کو یقین تھا کہ ہندوستانی تہذیب کے مختلف اجزاء میں ان اجزاء کی یک جہتی و اتہاج ہی سے عہد جدید میں ایک ہم آہنگ اور دلکش ہندوستان کی تعمیر ہوگی۔ اس لیے انھوں

نے صلح کل اور معصومی کی پالیسی کو اپنایا اور بلا لحاظ مذہب و فرقہ ہر اس شخص اور تحریک کا خیر مقدم کیا جس نے تعلیم سائنس اور روشن خیالی و بالفاظ سرسید روشن ضمیری پھیلانے کی کوشش کی۔ انھوں نے اپنی فکری اور

علمی ہنگ و دو کے لیے تعلیم کے میدان کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ اس میں تخلیقی اور تعمیری اتحاد فکر و عمل کی سب سے زیادہ گنجائش تھی۔ ملک میں مذہبی اور سیاسی تخلیقی اور تعمیری اتحاد فکر و عمل کی سب سے زیادہ گنجائش تھی۔ ملک میں مذہبی اور سیاسی اختلافات کی بنا پر جو ریفیضانہ اجتماعی ذہنیت پیدا ہو گئی تھی اس کی اصلاح اور قومی ذہن و فکر میں صحت مند تبدیلی لانے کا سب سے موثر ذریعہ تعلیم کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ سرسید کے خیال میں ہندوستان نہ صرف ایک اندرونی کش مکش سے دوچار تھا بلکہ تاریخ عالم کے اس دور سے گزر رہا تھا جب دو بڑی تہذیبی مشرقی و مغربی یا قدیم و جدید سیاس، آویزش کے بڑے نازک و خطرناک عمل میں گرفتار تھیں اور بین الاقوامی انسانیت کی نمود و نشوونما کو ناممکن بنا دینے کی انسانیت سوز اور تہذیب کش تحریک کو ہمہ گیر رہی تھیں۔ سرسید انسانی تہذیب کی وحدت کو اپنے تاریخی شعور کی بنا پر ایک ایسی حقیقت مانتے تھے جو ہر چھوٹی بڑی تہذیب کا احاطہ کرتی تھی اس لیے اس وحدت کے حق اور معنویت کو جلووں کی اس کثرت میں دکھانا چاہتے تھے جو دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف رنگ و آہنگ میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایک ایسا پل بنانے کی فکر میں تھے جو فاصلوں کو کم کرنا اور جس سے انسانوں کے کاروان علم و فکر گزرتے۔ ان کا تعلیم پر عقیدہ اور ان کے تعلیمی پروگرام کا یہی رول ہے۔ انھوں نے ملک کی بے شمار اندرونی دشواریوں اور اختلافات نیز بیرونی طاقتوں کی موجودگی سے پیدا ہونے والے طرح طرح کے مسائل کی اصلاح کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف تجاویز پیش کیں لیکن ان سب کا محور جدید تعلیم کی ہمہ گیر ترویج و اشاعت تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلامی تہذیب، ہندو تہذیب اور مغربی تہذیب اپنے اپنے بہترین عناصر کو کام میں لاکر بقائے باہمی کے قابل عمل پروگرام کو اپنائیں اور اپنے مقاصد اور آدرشوں کی تکمیل میں اخلاص اور اہتمام و تفہیم سے کام لیں۔

ان لوگوں کے لیے جو صرف سیاسی یا مذہبی عینک سے مسائل کو دیکھنے کے عادی ہیں سرسید کے اس ایکانی تہذیبی میلان کی معنویت اور گہرائی کو پورے طور پر سمجھنا شاید آسان نہ ہو گا۔ مسائل کے تجزیے اور تفہیم میں ایسے لوگوں کا موقف بالعموم نظریاتی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے خیالات کے اظہار میں کامیاب ہوتے ہوں یا نہیں خود زیر نظر مسئلے، صورت حال یا شخصیت کی ترجمانی میں اس حد تک کامیاب نہیں ہوتے جس حد تک ان سے توقع کی جاتی ہے۔ سرسید نے بہت سے ذہنی اور عملی کام علیحدہ کیے ہیں: علیحدہ ان کا تجزیہ کیا جائے اور جائزہ لیا جائے تو خاصے مختلف نتائج برآمد ہوں گے اور ان کی روشنی میں جو حکم لگایا جائے گا وہ قرین حقیقت ہو گا۔ سرسید ہی پر تو قوت نہیں کسی بھی تاریخی دور یا شخصیت کے مطالعہ میں اس علمی طریقہ کو اختیار کرنے سے کسی ایک خاص پہلو کو نمایاں کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن

کسی عمومی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے بالآخر اس دور یا شخصیت کی اصل حقیقت سے واقفیت پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سرسید کی حمد ذہنی و علمی سرگرمیوں کے مطالعہ سے، اس میں شک نہیں، ان کی شخصیت کی جو تصویر ابھرتی ہے اس کے بنیادی خطوط اور رنگ ان کے ان تعلیمی اور تہذیبی تصورات و خیالات سے عبارت ہوئے ہیں جو ازمنہ و سلی کی قومی تہذیب اور ورثے کو عصر جدید میں ویمع اور فعال بنانے اور مغربی تہذیب و تعلیم کے امتزاج سے جدید قومی تہذیب کو ایک حرکی تحریک بنانے سے متعلق تھے۔ سرسید تاریخ کے اس دوراے پر کھڑے تھے جہاں پرانا نظام اور اس کے اقدار رخصت ہو رہے تھے اور عصر نواسے پورے امکانات کی توانائی و تابانی کے ساتھ رونما ہو رہا تھا۔ یہ وقت اس حساس و مجید ارمغز شخص کے لیے بڑی آزمائش کا تھا۔ جو نظام رخصت ہو رہا تھا اس سے اس کا خون کارشتہ تھا۔ اس سے ہر و وفا، و فساد کی فوق و ظرف کی کسی کسی یادیں اور روایات وابستہ تھیں۔ لیکن خدا نے ان کو صبر و علم یقین اور عمل کی جمعیت سے غیر معمولی حد تک نوازا تھا ان کے فیض سے نہ صرف یہ کہ سب کچھ برداشت کر گئے بلکہ عصر نو کے سخت گیر اور بہرہ جہت تعاضلوں کے فشار کو بھی سہا اور قوم کی حیات تازہ کے لیے ضروری برگ و سامان فراہم کرنے میں مصروف ہو گئے۔

پہلے اور نئے زمانے میں جو فرق پیدا ہو چکا تھا اور اس طور پر جو نئی ذمہ داریاں سامنے آئیں ان کا سرسید نے نہایت سنجیدہ اور گہرا تجزیہ کیا اور اس کے نتیجہ سے قوم کو یوں آگاہ کیا:

”ہمارے بزرگوں کو نہایت آسانی تھی کہ مسجدوں اور خانقاہوں کے حجروں میں بیٹھے بیٹھے قیاسی مسائل کو قیاسی دلائل سے اور عقلی کو عقلی براہین سے توڑتے پھوٹتے رہیں اور ان کو تسلیم نہ کریں۔ مگر اس زمانے میں نئی صورت پیدا ہوئی جو اس زمانے کے فلسفے و حکمت کی تحقیقات سے بالکل علیحدہ ہے۔ اب مسائل طبعی تجربہ سے ثابت کیے جاتے ہیں اور وہ ہم کو دکھائے جاتے ہیں۔ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں جو قیاسی دلائل سے اٹھا دئے جاویں۔“

مستقل اور باقاعدہ تصانیف کے علاوہ سرسید نے اپنی تعلیمی تصورات کی مسلسل اور وسیع اشاعت کے لیے نہ ۱۸۶۶ء میں سائنٹیفک سوسائٹی کے آرگن *ٹیکنیکل نیوٹ گزٹ* کے نام سے نکالا جو ان کے دم

۱۔ سید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی حوالہ سابق ص ۲۴۹ بحوالہ لکچر بمقام لاہور تاریخی یکم فروری سنہ ۱۸۸۸ء

واپس تک جاری رہا۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں انھوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا سرسید کے عزم کا پتہ تہذیب الاخلاق سے چلتا ہے۔ ان کا تعلیم کا پروگرام بہت ہمگیر اور وسیع تھا جس کے بارے میں خود لکھتے ہیں :

”تہذیب الاخلاق کا پرچہ ابتدا میں اس واسطے جاری کیا گیا تھا کہ ہندوستانوں کے دل جو مردہ ہو گئے ہیں ان میں کچھ تحریک لائی جاوے۔ ہندوستان کی حالت ایک بندھانی کی سی ہو گئی تھی جس سے طرح طرح کے نقصان اور مصرت کا اندیشہ تھا۔ اس کے واسطے ایک چپو کی ضرورت تھی کہ وہ اس کو ہلاوے۔ اس لیے اپنا کچھ کام کیا۔ اب تحریک پیدا ہو گئی ہے تو تہذیب الاخلاق کے پہلے پرچے میں اس کے اغراض و مقاصد کے بیان میں لکھتے ہیں :

”اس پرچے کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجے کی سولائزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے.....“

”سولائزیشن“ انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب ہم نے ترجمہ کیا ہے مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں اس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاقی اور معاشرت تمدن اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجے کی عمدگی پر لے جانا اور ان کو نہایت خوبی اور خوش سلوئی سے برتنا جس سے اصلی خوبی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور ٹیکنیکس و وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تیز نظر آتی ہے۔“

سرسید کے نزدیک قوم کی ذہنی تربیت تو فی مقاصد میں سب سے اونچا درجہ رکھتی تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش اس احساس کو عام کرنے کے لیے کرتے تھے کہ قوم کی بنیادی ترقی کے لیے ایک ترقی پذیر اور جامع نظام تعلیم کا منصوبہ تیار کرنا تمام دوسری تدبیروں پر مقدم ہے اس خیال کو وہ طرح طرح سے پیش کرتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک تعلیم یافتہ معاشرے کے ان تمام امکانات کا شعور رکھتے تھے جن کی نفسانوی ترقی یافتہ تہذیبوں میں ملتی ہے۔ ہر معاشرے میں اصلاً تعلیم ہی ایک ترقی پذیر قوت ہے۔ اس کی توضیح ایک مبصر نے اس طرح کی ہے :

”All institutions have an instinct of self preservation growing out of the selfishness of those

connected with them. Being dependent for their vitality upon the continuance of existing arrangements they naturally uphold them. Their roots are in the past and the present, never in the future. Change threatens, modifies them, eventually destroys them; hence to change they are uniformly opposed. On the other hand, education, properly so called, is closely associated with change - is its pioneer - is the never-sleeping agent of revolution - is always fitting men for higher things, and unfitting them for things as they are. Therefore, between constitutions whose very existence depends upon man continuing what he is, and true education, which is one of the instruments for making him something other than he is, there must always be an amity."1

تعلیم کا یہ دوسرا عمل کہ وہ افراد کو بہتر اور اعلیٰ کی جانب مسلسل اور مستقل طور پر مائل کرتی ہے اور حال کی چیزوں سے صحت مندیہ اطمینانی پیدا کرتی ہے اس مرکز کو غالب نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح پیش کیا ہے :

ہاں میاویز لے پیر، فرزند آدم رائگر آں کس کشد صاحبِ نغز دین بزرگانِ خوش نکر
در اصل انسانی تہذیب کو اس کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کا موثر ترین وسیلہ تعلیم ہے۔ اس نے جس قوم اور تہذیب کو تعلیم کے اس تخلیقی عمل کا حقیقی احساس ہوتا ہے اس کی ہمہ جہت وہمہ وقت ترقی کی راہیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ سرسید کے تعلیمی افکار میں سب سے نمایاں جگہ اس خیال کو حاصل ہے کہ سب سے مفید اور باعنی تعلیم وہ ہے جو عصری فکر کے تمام میلانات اور رجحانات کا احاطہ کرتی ہو اور ان تمام ذرائع یا تکنیک سے واقفیت پیدا کرانے میں مدد دیتی ہو جن کے استعمال اور عمل سے سماجی اور معاشرتی ارتقاء حرکت میں آتا ہے۔ اس سلسلہ میں خود سرسید کا طریقہ کار و فکر یہ ہے کہ وہ متنوع اور تغیر پذیر حقائق کی روشنی میں اپنے پچھلے افکار و تجربات کو مسلسل ان نئے تجربات اور خیالات میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں جن کا نامیاتی تعلق ان بنیادی اور حرکتی تحریکات کے مستقبل سے ہوتا تھا جو انیسویں صدی کے نصف آخر کے ہندوستان میں رونما ہو رہی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ بعض لوگوں کو ان کی تبدیلی خیالات سے شکایت ہے مثلاً..... "انہوں نے کہ تدریجی طور پر ملک کے عام حالات جس طرح بدلتے گئے سرسید کے ذہن و

(1) Social Statistics: or the conditions Essential to Human Happiness, Herbert Spencer, London: John Chapman 1851, page 341.1

فکر میں بھی ساتھ ساتھ تبدیلی پیدا ہوتی رہی اور وہ کسی ایک ہی مقام پر جم کر نہیں رہے۔ ایک ایسے فکری اور ذہنی شخصیت سے جیسی کہ سرسید کی تھی اس کی توقع کرنا کہ وہ ملکی حالات کی تبدیلی سے اپنے فکر نہ ہونے دے گی یا صرف کسی ایک ہی مقام پر جم کر رہ جائے گی جب کہ قومی زندگی کے گونا گوں اہم اور تقاضے اس کی توجہ کے منظر ہوں کسی طرح درست نہیں۔ اس کے بزطراف عمل کرنا شاید صرف ان لوگوں کے لیے ممکن ہو جو حقائق سے صرف نظر کر کے محض عقیدے، مجرد خیالات اور ان کے منطقی استدلال تاریخ کے ناقابل تغیر دھارے میں محض مدت کے لیے ایک بند باندھ لینے پر اکتفا کر لیتے ہوں۔ ان کی نیتی کی واد ضروری جاسکتی ہے لیکن روح عصر سے ان کے علم کی لاتعلقی اور ان کے دائرہ عمل کی تنگی کو مشکل ہے۔ بانیہم اس میں بھی شک نہیں کہ افراط و تفریط سے بچنے کے لیے ان دونوں قسم کے ذہن و علم موجود ہونا بہر حال مفید ہے۔ سرسید کے فکر و عمل کی سب سے بڑی خوبی اور مسلم افادیت یہ بھی کہ اس ملک اور قوم کے اہم مسائل پر سنجیدہ فکر اور مباحثہ کا آغاز ہوا۔ اس طور پر قومی سرگرمیوں کو ایک باقاعدہ سمت دیے اور مناسب رفتار متعین کرنے میں بڑی مدد ملی۔ یہاں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا کہ سرسید کے مخالفوں، پیشوایان مذہب، کائنات صرف سرسید تھے۔ یہ مخالفین نہ کسی دوسرے کا بد تھے نہ کسی کے جواب دہ۔ دوسری طرف سرسید تھے جو قومی مسائل کی وکالت میں یک وقت ابنائے ابنائے مذہب، انگریزی حکومت و سیاست، روح عصر اور دوسری تمام قوتوں اور تقاضوں کے مسا جواب دہ تھے اور ان سب سے عہدہ براہو نا تھا۔ اپنی کوششوں کے ثبوت و عمل سے سرسید پورے پر آگاہ تھے، فرماتے ہیں:

”مجوزہ مدرستہ العلوم مسلمانان پر جو بحث اخباروں میں ہوئی رہا لحاظ اس بات کے کہ وہ ہماری تدابیر کے موافق تھی یا مخالف اس سے ہم کو نہایت خوشی ہوئی ہے اور اس بات کے دیکھنے سے کہ لوگوں نے اس پر توجہ کی اور مباحثہ کیا ہم کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کی قوی تر امید ہوتی ہے۔“

سرسید کے تعلیمی تصورات اور خیالات کا پورے طور پر احاطہ کرنا آسان نہیں۔ سب سے بڑی یہ ہے کہ وہ ان کی کسی ایک تصنیف میں یکجا نہیں ملتے بلکہ بے شمار تحریروں، بیشتر رسائل، تصاویر، مضامین، لکچروں اور خطوط کی شکل میں بکھرے پڑے ہیں۔ تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ اب

ان پر اس فن کے کسی ماہر نے باقاعدہ کام نہیں کیا ہے۔ اتنا ضرور ہوا ہے کہ علی گڑھ تحریک یا سربراہ متعلق جتنا کام ہوا ہے اس میں لکھنے والوں نے ضمنی طور پر ان کے تصورات و خیالات پر اظہار خیال کیا لیکن سیر حاصل بحثیں بہت کم ہوئی ہیں تعلیم کے علم نے دوسرے علوم کی طرح تخصص کا درجہ حاصل ہے اور یہ صرف ماہرین فن کا کام ہے کہ وہ اپنے مخصوص موضوع کے مطابق ان کی توضیح و تنقید کرے۔ کام میں خاص طور سے تاریخ تعلیم، فلسفہ تعلیم، اصول تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے ماہرین کے اشتراک ضرورت ہے۔ آئندہ اوراق میں ایک عامی نے اسی درخواست کی طرف اکابرین کی توجہ مائل کی کوشش کی ہے اور بس۔



انگلستان میں کم و بیش ڈیڑھ سال قیام کے بعد اکتوبر سنہ ۱۸۷۰ء میں سرسید ہندوستان والے ان کی اس وقت کی تحریروں اور سرگرمیوں کے مطالعہ سے متہلے ہوئے کہ وہ کسی نئی ذہنی توانائی اور کام کے ساتھ واپس آئے تھے۔ قومی تعلیم کے بارے میں اپنے خیالات کو باضابطہ طور پر مرتب کر چکے تھے۔ کے مقصد و مہاج اور سمت منزل نے ان کے ذہن میں ایک تعین صورت اختیار کر لی تھی۔ کام کرنا کر ڈالنے کا جذبہ عروج پر تھا۔ اس کے تقریباً دو ماہ بعد یعنی ۲۴ دسمبر سنہ ۱۸۷۰ء کو انھوں نے تہذیب الہیہ کا پہلا پرچہ شائع کر دیا جس کا مقصد قومی تعمیر نو کے لیے ایک نئی دعوت فکر و عمل دینا تھا۔ تہذیب الاخلاق قوم کا ذہنی جوہر ٹوٹا۔ سنجیدہ مباحث پر گفتگو کرنے کی ابتدا ہوئی۔ اختلاف بھی رہا مخالفت بھی ہوئی۔ قومی ذہن کو نئی تحریک روشنی اور گرمی ملی جس کی نہایت ممتاز خصوصیات آزادی رائے بے لوث وجہ توجہ اور عقلمند دوستی تھی۔ ان سب کے اندر اصلاح قوم کے لیے ایک زبردست لگن ملتی ہے۔

ظاہر ان کی مخالفت کم ہوتی بلکہ شاید نہ ہوتی مگر اس کے ساتھ ہی اعانت و امداد بھی کم ہوتی اور جو تحریک چند سال میں مسلمانوں میں پیدا ہوگئی اس کا صدیوں تک کہیں نام و نشان نہ ہوتا۔ ۱۰

قوم کے کس خاص طبقہ پر اس کا واقعی اثر ہوا اس کے بارے میں حالی اس لئے کا اظہار کرتے ہیں :

”اول اول لوگ اس سے بہت بھڑکے مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے محدود دائرہ میں اس کا اثر پھیل گیا۔ ان پر یہ مسلمان کی تعداد ہمیشہ ایک گری ہوئی قوم میں پڑھے لکھوں کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ تہذیب الاخلاق کس جانور کا نام ہے مولویوں اور واعظوں پر بھی اس کا منتر نہیں چل سکتا تھا کیونکہ وہ اس کو نہ صرف مذہب کے حق میں بلکہ شاید اپنے حق میں بھی منفر جلتے تھے۔ امر ایک اس کی رہائی ہوتی سخت دشوار تھی کیونکہ ان کو مسلمانوں کے تنزل کا یقین دلانا ایسا ہی مشکل تھا جیسا کہ مرغابی کو طوفان سے خوف دلانا۔ اس لیے تہذیب الاخلاق کا اثر صرف متوسط درجہ کے لوگوں میں محدود درجہ جو محض جاہل تھے اور نہ جامع علوم عقیدہ و تقلید اور مقدور کے لحاظ سے نہ نہایت پست حالت میں تھے اور نہ اعلیٰ درجہ میں۔ پھر خاص کر دلی اور لکھنؤ اور ان کے نواح میں جہاں مسلمانوں کی قدیم شائستگی کے کچھ دھندے نشان باقی تھے اس کا اثر بہت کم ہوا۔ باوجود اس کے چونکہ اس کی آواز زمانے کے گونج کے موافق تھی اس نے توقع سے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی۔“ ۱۱

اوپر کے اقتباسات سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں پہلی تو یہ کہ سرسید نے اپنے خیالات و تصورات کو قائم کرنے میں مغربی تہذیب کی تاریخ کے ایک اہم دور اور اس کے عظیم نمائندوں سے گہرا اثر لیا دوسرے یہ کہ ان کی آواز زمانے کی گونج کے موافق تھی اس لیے اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ان باتوں سے جس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سرسید ایک غیر معمولی تاریخی شعور رکھتے تھے جس نے ان کو ان تمام حقائق اور اثرات کو سمجھنے میں مدد دی جس نے مغربی تہذیب کی تشکیل کی تھی جس کے مفید اور صحت مند عناصر کو اپنے تمدنی احوال میں جگہ دے کر وہ نہ صرف قوی زندگی کے ذہنی معیار کو بلند کرنے کی توقع رکھتے تھے بلکہ مستقبل کے ان

تہذیب اور فکری رجحانات سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے جو ایک عالمگیر بین الاقوامی شائستگی و تہذیب کی نشوونما و برومندی سے متعلق تھے۔ یہ بات کہ ان کے مخاطب خاص طور پر مسلمان تھے ان کی فکر کو محدود نہیں کرتی۔ اس لیے کہ کسی تہذیب کا بجائے خود منفرد ہونا یا کسی کا اس سے منسلک ہونا نہ اس تہذیب کی خامی ہے نہ اس شخص کا گناہ۔ کیونکہ جب تک کسی تہذیب کے اقدار ایک اعلیٰ معاشرے اور اعلیٰ انسان کی تخلیق و تعمیر سے عبارت ہیں انسانیت کے لیے اس تہذیب کی قدر و قیمت مسلم ہے خواہ وہ ہندی ہو یا اسلامی یا مسیحی مغربی ہو یا مشرقی۔ جب تک وہ تہذیب ہے بربریت نہیں وہ قابل احترام بھی ہے اور قابل تسلیم بھی۔ کسی کا فرض بند ہو یا اسلام کسی یا بودھی ہونا اتنا اہم نہیں ہے جتنا اس کا اپنے مذہب و ملک کا چھاپہ ہونا۔ بالفاظ دیگر آدمی کا فوق البشر ہونا نہیں بلکہ اس کا غیر البشر ہونا اس کے لیے شرف و سعادت کا باعث ہے۔ پہلی شکل اس کی عارضی کامیابی اور دوسری صورت اس کی ابدی فتح ہے۔ حقیقی تہذیب کا مقصد و مقبہا اچھے اور بڑے انسان کو ظہور میں لانا ہے۔ وگرنہ اس کی قدر و قیمت فرض الفاظ و علامات یا درویدوار کی بے جان نمائش سے زیادہ نہیں۔ اگر سید کا کارنامہ ہندوستانی زندگی کے ایک اہم تہذیبی عنصر کی بایگدگی اور بقا کے لیے تہذیب و دانش کے اعلیٰ اور مسلمہ معیاروں کے مطابق ہے تو ان کی ذات نہ صرف ہندوستان بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے قابل توجہ و تکریم ہے جو ایسے کام کی قدر کرنا ایک انسانی فریضہ سمجھتے ہیں۔

سر سید کے تعلیمی انکار اور شن کی سب سے نمایاں صفت اس کی ہم عصریت اور ایمانیت ہے جس کے حصول میں انھوں نے غیر معمولی مطالعہ اور بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ کام آسان نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان قوتوں اور رجحانات کا صحیح علم رکھتے ہوں جن کی توضیح ایک فاضل نے حسب ذیل الفاظ میں کی ہے :

there is always a system of live ideas which represents the superior level of age, a system which is essentially a characteristic of its times; and this system is the culture of the age."¹

وہ معاشرے یا اشخاص جو اس کا علم نہیں رکھتے یا وہ جو اس سے کام لینے کے اہل ہوتے ہیں ان کے بارے میں یہ رائے بھی قابل لحاظ ہے :

(1) Mission of the University by Jose Ortega y. Gasset Kegan Paul, London 1946 P.65.

"He who lives at a lower level, on archaic ideas, condemns himself to a lower life, more difficult, toilsome, unrefined. They ride through life in the ox-cart while others speed by them in automobiles. Their concept of the world wants truth, it wants richness, and it wants acumen. The man who lives on a plane beneath the enlightened level of his time is condemned to the life of an infra-man."^۱

سرسید اپنے عہد کی عمومی محدودیت اور تھاق سے چشم پوشی کو شدت سے محسوس کرتے تھے مثلاً فرماتے ہیں۔

..... مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا۔ علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جن کے تکبر اور غرور سے ہر ایک پھولا ہوا ہے دین اور دنیا دونوں میں کارآمد نہیں۔ غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کئے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر ان پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات کو گو وہ کسی ہی کچی اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم فیصلت کا دار مدار ان کا نتیجہ ہے یہ نہ

"علم دین تو وہ خواب بولہ ہے جیسا خواب ہونے کا حق۔ اس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سداھاوٹ ۲ صفائی و بے تکلفی سے جاہل ان پڑھ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچاتے تھے، اس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیٹ کر گئیں اور وہ مسائل قطعیہ اور دلائل عقلیہ ملائی گئیں کہ اس صفائی سداھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا۔ بہنجوری لوگوں کو اصل احکام جو قرآن و معتد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمر کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی۔ یہ نہ

تہذیب الاخلاق کی ان تحریروں سے سرسید کا اصل مقصد یہ تھا کہ پرانندگی افکار کے سبب

لے ایضاً ص ۶۵۔ ۶۶ تہ مقالات سرسید، حوالہ سابق ص ۴۶

کے منقول از Mission of the University حوالہ سابق ص ۴۳

سے تو اپنی بہترین صلاحیتوں کو برسر کار لانے سے قاصر اور اپنے اجتماعی بہبود سے نا آشنا ہو چکی تھی اس میں کس طرح مثبت خود اعتمادی بیدار ہو جو ایک ہمہ گیر اجتماعی تخلیقی فکر و عمل کے لیے اہم ضروری تھی۔ اس طرح کی کوشش میں اسی وقت کامیابی ہو سکتی تھی جب قوم کے بیشتر افراد میں اتحاد مقاصد کا جذبہ پوری طاقت سے برسر کار ہوا اور ہر اجتماعی تحریک میں ایک دوسرے کے ہمدوش وہم غمان رہ سکیں۔ سرسید جانتے تھے کہ ان کے تعلیمی پروگرام کی کامیابی کی اولین شرط ایک سازگار اجتماعی ذہنیت کی موجودگی تھی۔ تہذیب الاخلاق کو سخت مخالفت ہوئی۔ یہاں تک کہ سرسید کو اس کو بند کرنا پڑا۔ اس لیے کہ اس کی افلت سے کالج کے ترقی کے کاموں میں خلل پڑے گا۔ خطہ تھا جو سرسید کو کسی قیمت پر گوارہ نہ تھا۔ لیکن خود سرسید نے اپنی بارہا نہیں تسلیم کی تھی کہ قوم کا متوسط طبقہ جسے تعلیم کے کام کو آگے بڑھانا تھا سرسید کے مٹن سے متاثر اور وابستہ ہو چکا تھا۔ تہذیب الاخلاق کے سب سے اہم مفید اور دور رس نتائج یہ تھے کہ اس نے قوم کو فی الفین اور موافقین دونوں کے خیالات کی وضاحت اور تجزیہ کا پورا موقع فراہم کیا۔ اس طور پر مسائل سے بہتر آگاہی اور ان کے حل سے عام فہم پیدا کرنے میں معاون ہوا۔ سرسید کو تم جیال رفقا کے کار بھی تہذیب الاخلاق ہی کو وساطت سے حاصل ہوئے جنھوں نے علی گڑھ میں قومی تعلیم کی تنظیم میں نمایاں کارنامے انجام دئے سرسید نے سنہ ۱۸۶۲ء میں کینٹی خواستہ گران تعلیم مسلمانان کی تشکیل کے بعد اپنی پوری ذہنی اور جسمانی قوت مدرسہ العلوم علی گڑھ کے قیام، استحکام اور ترقی پر مرکوز کر دی اور قومی تعلیم کو حیات قومی کے بقا و استحکام کے منصوبے میں اولین ترجیح (top priority) دی۔ جو بات اٹھارویں صدی میں فرنانڈو گالیسیائی (Fernando Galiani) نے سوسائٹی آف جیسوئٹس (Society of Jesuits) کے بارے

میں کہی تھی: "It is a sword with its hilt in Rome and its point everywhere." یہی بات علی گڑھ کے مدرسہ العلوم کے بارے میں کہی جاسکتی ہے یعنی قومی تعلیم اس شمشیر کی مانند تھی جس کا دستہ علی گڑھ کے قبضہ میں تھا اور جس کی نوک تعصب و تادیب کی مواد فاسد کے لیے نشتر کا اور قومی کے ہر میدان میں عمل صالح کے ہمیز کا کام کرتی تھی۔

سرسید نے ہندوستان میں انگریزی نظام تعلیم سے متعلق بڑے ہر منہر مگر نافذ خیالات کو حکومت اور اہل ملک کے سامنے جرات اور مصفا کے ساتھ پیش کیا تھا۔ یہ خیالات ان کے مشہور رسالے trictures upon the Present Educational System in India کا شکل میں ظاہر ہوئے جو انہوں نے ۱۸۶۹ء میں

لندن میں شائع کیا تھا۔ اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سرکاری نظام تعلیم کی بنیادی کمزوریوں کا مبصرانہ علم اور اپنے مشرقی تعلیمی درجے کا اہم رشتہ رکھتے تھے۔ اس رسالے کے ذریعہ حکومت اور انگلستان کے تعلیمی حلقوں میں سرسید کا تعارف بحیثیت ایک اہم ہندوستانی مدبر اور عظیم ترین خیر خواہ تعلیم کے ہوا۔ اس رسالے سے بعض اقبالیست پیش کیے جاتے ہیں۔

"The system of public Education as now established in India is, and must, for ever remain a useless one, unless some effective change be introduced." 1

وہی اور انگریزی اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کی خامیوں کی معتبر اور ناقابل تردید مثالیں دیتے ہوئے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"Now it is my firm opinion that even supporting the present system of instruction European as well as vernacular were to prove successful in educating the Natives up to the desired point - such instruction could not be of the least benefit to India, because as it will ever be found an impossibility for the English language to supercede that of Hindustani, the utmost that these college can effect will be to train up a very small number of Natives. But as the Vernacular Education is of so low a degree to produce any, the smallest, expectation of India being, in any degree enlightened thereby; the greatest necessity consequently exists for that education being carried to the highest possible point, so that it may impress the general morals of so many Millions of people, dispel the puerile and extravagant notions floating in their brains, and direct their thought and inclination to the acquiring such a knowledge of machinery and the mechanical appliances, without which the national products of the country can never be made available to the fullest extent." 2

یہ وہ سرکاری نظام تعلیم کی کتنی صحیح اور بنیادی تنقید ان الفاظ میں آتی ہے:

"Can a country, I would ask, be in a worse condition with respect to education, than when a boy

(1) Strictures upon the present Educational System in India by Sir Syed Ahmad Khan, Henrys King & 1869 p.3.

(2) Ibid pp.31-32

who begins to learn while yet a child, who regularly attends his school, working hard at his studies up to the age of twenty is, after all, found to be of little, if any, benefit to the Society around him ?"1

حکومت کو نہایت واضح الفاظ میں سرزنش کرتے ہیں۔

"The Government can not be exonerated from its duty until it shall have established such a system of education as shall enable Indian youth to acquire so much knowledge, by the age of twenty, that they may come to England, and there compete, in the Civil Service Examination, with their fair-complexioned fellow subjects... Indian boys being neither idle nor deficient in mental abilities it must necessarily be the fault of the system itself, if they are not found to have acquired, at the age of twenty, the knowledge expected of them".2

رسالے کا اختتام ان الفاظ پر ہوا ہے۔

"Having thus ventured to give the result of my experience upon the subject which is of vast importance to my country, having stated my conscious opinion, and supported the same by the production of unquestionable facts, it only remains for me to express the fervent hope that, at a day not far remote. India may be blessed by receiving the inestimable benefit of a sound, liberal, and timely enlightened education".3

ہر چند کہ رسالہ صرف ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اپنے موضوع کا نہایت جامع احاطہ اور استدلال علمی کا نمونہ پیش کرتا ہے اس میں سرکاری تعلیم کی اہمیت اور اس کے مقاصد اسکولوں اور کالجوں کی نگرانی و انتظام سے پیدا ہونے والے مفرق تاج کو نہایت مختصر مستند و موثر شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ سرسید کی اس

قسم کی تحریروں کا اگر زوجہ اور محنت کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس تنقید کا زور کم ہو جائے گا جو اکثر ان تحریروں میں ملتا ہے جن کے لکھنے والے محض ایک عام سرسری اور سطحی رائے قائم کرنے اور اس کے پھیلانے میں لگی رہ گئے ہیں۔

علی گڑھ کے تعلیمی پروگرام کی ابتدا ایک پنفلٹ کی اشاعت سے ہوئی جس کو دراصل سر سید نے اپنے دوران قیام انگلستان ہی میں مرتب کر لیا تھا جو ان کی واپسی کے سوا سال بعد شائع ہو سکا اس کا عنوان تھا: التماس بخیر مت اہل اسلام و حکام ہند در باب ترقی مسلمانان ہندوستان اس التماس کا خلاصہ یہ تھا۔

”انگریزی حکومت سے جو تعلیم کے فائدے لوگ عام طور پر اٹھا رہے ہیں اور مسلمان ان سے مستفید نہیں ہوتے اس کے اسباب دریافت کرنے کی طرف خود مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیے کیونکہ جو اسباب اور لوگوں نے اب تک بیان کئے ہیں ان پر کافی بھروسہ نہیں ہو سکتا اور بالیقین نہیں کہا جاسکتا کہ درحقیقت وہی اسباب ہوں نیز یہ کہ اس بیماری کی اصل جڑ دریافت کرنی گورنمنٹ کو بھی ضروری ہے پس مناسب ہے کہ ایک انعامی اشتہار جاری کیا جائے اور مسلمانوں کو اس مسئلہ پر مضامین لکھنے کی ترغیب دی جائے اور اس کام کے لیے مسلمانوں اور انگریزوں سے چندہ جمع کیا جائے جب چندہ بقدر ضرورت جمع ہو جائے اس وقت چندہ دھندگان میں سے میر منتخب کر کے ایک کمیٹی خواستگار ترقی مسلمانان منعقد کی جائے“

متذکرہ صدر تحریر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ سر سید نے قومی تعلیم کے اس پروگرام کو شروع کرنے سے پہلے معاشرے کے بنیاد اور پڑھے لکھے طبقے کو دعوت فکری۔ اس طور پر اجتماعی طرز فکر کی بنیاد ڈالی جس کی کار فرمائی ان کے تقریباً تمام منصوبوں اور کاموں میں ملتی ہے۔ معاشرے کی زندگی کا تعلیم کے کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ تعلیمی ادارے معاشرتی نظام سے علیحدہ یا اس سے باہر نہیں ہوتے۔ ان کا اصلی مقصد نوجوان نسل کو اس کے معاشرتی نظام کی مفید اور ان کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل بنانا ہوتا ہے پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ:

"... a society can teach the hope, the knowledge the beliefs which it has" 1.

سر سید نے مضامین کے لیے جواہر تیار کیا تھا اس کا مقصد تو ہم کی انھیں امیدوں علم اقدار و

عقائد سے صحیح واقفیت حاصل کرنا تھا۔

الغرض ۲۶ دسمبر ۱۸۷۱ء کو بمقام بنارس کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان "منعقد ہو گئی جس کے سکریٹری سر سید قرار پائے۔ اس اشتہار کے جواب میں ۲۲ مضامین موصول ہوئے جن کا خلا خود سر سید نے تیار کیا۔ اس کی روشنی میں ایک مفصل رپورٹ مرتب کی جو اجلاس منعقدہ ۱۲ مئی ۱۸۷۲ء بنارس میں پیش ہوئی اس اجلاس کی رونما، قواعد کارروائی مجلس خزانہ البضاعتہ تالیس مدرسہ العلوم لمسلمین اور رپورٹ سلکٹ کمیٹی ایم لے اوکاج اور اس کے کالج اسکول کے اساسی دستاویز ہیں۔ رپورٹ سلکٹ کمیٹی میں مسلمانوں کے تنزل تعلیم کے اسباب سے بحث ہے اور ان کی ترقی تعلیم کی تدبیریں مذکور ہیں اور ایک خاص طریقہ ان کی تعلیم کا تجویز ہوا ہے: اس رپورٹ کے تین حصے ہیں۔ اول میں ان رسالوں کا ذکر ہے جو انعام کے لیے منتخب ہوئے تھے دوم میں مفصلہ ذیل چار بحثیں ہیں بحث اول جو گوگرنمنٹ کالجوں اور اسکولوں سے متعلق ہے بحث دوم جو تحصیل اور حلقہ بندی کتبوں سے متعلق ہے بحث سوم جو مسلمانوں کے علوم قدیمہ کے گھٹ جانے سے علاقہ رکھتی ہے۔ بحث چہارم جو علوم جدیدہ کے مسلمانوں میں رواج نہ پانے کے اسباب سے متعلق ہے۔ حصہ سوم میں ان اسباب کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کون عمدہ طریقہ ہے اور کون کون سی زبان کون کون سے علوم اور کس طرح پر ان کو پڑھانے چاہئیں یا کہ

اس رپورٹ کے تفصیلی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ممبران میں ہر نقطہ نظر کے لوگ تھے جنھوں نے اپنی رائے کے اظہار میں بڑی صفائی سے کام لیا ہے اور بالعموم اعلیٰ طرز استدلال اختیار کیا ہے۔ اختلاف رائے کے باوجود تمام اہم مسائل پر متفقہ فیصلے کئے گئے اس کا بڑا سبب سر سید کی قابلیت اور دل سوزی تھی

(1) The experimental college by Alexander Meiklejohn. Quoted in Education and the University by F.R. Leavis p.15.

۱۔ حیات جاوید حوالہ سابق ص ۱۱۶ تہ رپورٹ سلکٹ کمیٹی مرتبہ سید احمد خاں سکریٹری کمیٹی بنارس سنہ ۱۸۷۲ء ص سروزی تھ رپورٹ سلکٹ کمیٹی فہرست مضامین۔

کا اعتراف سب نے کیا ہے اسے سرسید کی شخصیت کا اعجاز کہنا چاہیے کہ وہ مختلف رائے سناہیل
 ی خوبی اور خوب صورتی سے قوم کی خدمت میں یکساں جوش کے ساتھ معروف رکھ سکتے تھے۔ اس رپورٹ
 بعض اقباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے اہم تعلیمی امور میں کمیٹی کی رائے کا پتہ چلتا ہے۔ علوم قدیمہ کے
 فائدہ ہو جانے سے متعلق کمیٹی میں سرسید نے اس رائے کا اظہار کیا جو بیک وقت پرانی مروجہ تعلیم
 تنقید بھی ہے اور نئی تعلیم کا جواز بھی۔

”..... تو وہ علوم اس سبب سے کہ فی نفسہ مفید اور کامل اصولوں پر نہ تھے تنزل میں

آگئے۔ اگر وہ علوم فی نفسہ مفید ہوتے تو کسی قوم اور سلطنت میں ان کا تنزل نہ ہوتا۔۔۔

ہمارے ہاں کے علوم یا اجزاء علوم جس قدر کہ فی نفسہ مفید تھے اور وہ اب تک ترقی پر

موجود ہیں تنزل انھیں علوم یا اجزاء علوم کا ہوا ہے جو فی نفسہ انسان کے لیے

مفید نہ تھے اور چونکہ فی نفسہ مفید نہ تھے اس لیے اس زمانہ میں ان سے کچھ فائدہ مندی

بھی نہیں ہے۔“

SESSION Number
122743.....
1110242

نہ چہارم کی ابتدا میں سرسید علوم جدیدہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”علوم جدیدہ سے وہ تین قسم کے علوم ہیں۔ ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے

اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تھے اور اب حال میں ایجاد ہوئے مثلاً جیالوجی، انکڑسٹری

وغیرہ۔ دوسرے وہ علوم ہیں جن کا نام تو حکمائے متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ

میں تھا مگر جن اصولوں پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہو کر منسوخ ہو گئے

اور اب نئے اصول قائم ہوئے جن کو اصل قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں ہے اور جز

اتحاد نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا مثلاً علم ہیئت اور کسٹری وغیرہ۔ تیسرے وہ علوم ہیں

جو حکمائے متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور ان کے

اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا مگر اب ان کو کمال وسعت ہو گئی ہے کہ زمانہ

حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعنی علم آلات جو ہمارے ہاں بلفظ

جبر ثقیل مشتمل ہے اور علم حساب اور ہندسہ وغیرہ۔ پس اس حصہ میں اسی بات سے

بحث ہے کہ ان علوم نے مسلمانوں میں کیوں نہیں رواج پایا؟
 سرسید نے کس اقتدار اور جامعیت کے ساتھ یہ تشریح کی ہے۔ اب سے تقریباً سو سال پہلے
 جدید علوم کے بارے میں اتنی واضح اور جامع رائے دینا سرسید کے اس وسیع فکر و نظر کی دلیل ہے جو ان کو اس
 عہد کی نوجو علمی اور تہذیبی ترقی اور تبدیلیوں کے بارے میں حاصل تھا۔

جمعہ سوم دفعہ ۲۰ کے تحت یہ تحریر ہے:

”سرسید احمد خاں نے کہا تھا کہ اس وقت دو ایک باتیں اور غرض کرنا چاہتا ہوں کہ
 آپ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لیے
 نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک گروہ کی ہیئت کا ہمیشہ ایک ہی مقصد ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں
 سے مختلف جماعتوں کے مختلف مقصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی
 فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے اور یقینی مختلف جماعتوں
 کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہے۔ پس اس وقت ہم کو ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہیے جو
 مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو کافی ہو..... اس مطلب کو
 دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی کہ مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک
 جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں کے حاصل کرنے اور انتظام گور
 میں شامل ہو کر دنیاوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے کی آرزو
 رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اس کو گورنمنٹ کے عہدوں کے حاصل
 کرنے کا کچھ خیال نہیں ہے بلکہ وہ اپنے قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجزائے
 کارخانجات کے اپنی معاش پیدا کرنے کی خواہش مند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے
 کہ وہ علوم و فنون کو حاصل کرنا اور ان میں واقفیت حاصل کرنا پسند کرتی ہے
 ایک جماعت ایسی ہے کہ اس کو ان تمام چیزوں سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ لحاظ
 اپنے مفاد کے علوم دین میں دستگاہ کامل حاصل کرنا اور اسی میں اپنی زندگی بسر کرنا
 چاہتی ہے اور ایک جماعت عوام الناس کی ہے جن کے لیے کسی قدر عام تعلیم کا بغاوضہ کی

ہے۔ یاس ہم ہر ایک کو اپنی اولاد کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اس کے عقائد مذہبی بھی درست رہیں اور وہ اوائے فرائض مذہبی سے بھی غافل نہ ہو جاوے۔ پس جب کہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہم کو ایسی تجویز کرنی چاہئے جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور نیز دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں یہ لہ

سر سید نے قومی تعلیم کے لیے آرزو رضا کارانہ قومی کوشش کو نہایت ضروری قرار دیا۔ فرماتے ہیں۔
”قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ وہ خود ان مقاصد کے حاصل کرنے پر مستعد نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتے۔ پس ہم کو اپنے تمام مقاصد کے انجام کو صرف گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہئے بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ ان تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور ناممکن بالذات کے ہے۔ پس اس وقت ہم کو دو قسم کی تجویزیں کرنا چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کر سکیں اور جن میں ہم کو گورنمنٹ سے اس کی تعلیم کرانے کی کچھ خواہش نہ ہو بلکہ ہم کو خود اپنی سعی اور کوشش سے آپ اس کا انجام کرنا منظور ہو۔

دوسری تجویز ہم کو اس بات کی کرنی چاہئے کہ جب تک کہ ہم اس ادنیٰ تجویز کو انجام دیں یا اس کے انجام دینے کے لائق ہوں اس وقت تک ان اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے مقرر کئے ہیں کیونکر فائدہ اٹھائیں اور ہمارے متعدد مقاصدوں سے جو ان جون سامقصد تعلیم معینہ گورنمنٹ سے حاصل ہو سکتا ہے اس کو کیوں کہ حاصل کریں یہ لہ

سر سید نے اس تنہید کے بعد اپنی تفصیلی تجویز کمیٹی کے سامنے بھی جو حسب ذیل عنوانات پر مشتمل تھی
ذکر علوم (ص ۴۷، ۴۸) طریقہ تعلیم و تربیت (ص ۴۸ - ۴۹) مدرستہ العلوم (ص ۴۹ - ۵۲)
مدارس مکتب خطاطی مکتب علم (ص ۵۲ - ۵۴) سلسلہ تعلیم (ص ۵۴ - ۵۸) ہر عنوان کے تحت نہایت فکر انگیز خیالات درج ہیں۔ ان خیالات سے بعض مبران نے سخت اختلاف کیا اور خاصی بحث ہوئی مثلاً ”مولوی سیف الدین احمد صاحب نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ میں اپنے لائق فائق مسیح عصر حکیم دھروڑی ضمیمہ

علی دماغ سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی عمدہ ممبر کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں کر سکتا بلکہ بالآخر کیا ہوا جو طریقہ تعلیم کا تجویز ہوا اس سے تمام ممبروں نے اتفاق رائے کیا ہے۔ پس اب میں نہایت خوشی سے اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں اور بموجب ہدایت ممبران سلکٹ کمیٹی کے تمام ممبران کمیٹی خواست گزار ترقی تعلیم مسلمانان کے اس اسید سے شروع کرتا ہوں کہ ممبران کمیٹی ممدوح درباب تعلیم اور اجلاس طریقہ تعلیم کے بناء پر مناسب سی وکوشش فرمائی شروع کریں۔ ۱۷

اس رپورٹ نے ہندی مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات، ان کی مشکلات اور ان کے خیالات و نصورات کی نہایت واضح اور مختصر چھائی کی اور علی گڑھ کے تعلیمی پروگرام کی طرح ڈالی۔ اس رپورٹ کی منظوری کے فوراً بعد کمیٹی خزانہ البضاعت قائم ہو گئی جس کا لائف سکریٹری سر سید کو مفکر کیا گیا اور مدرسہ العلوم کے قیام کے لیے چندے کی مہم کا آغاز ہوا۔ جولائی ۱۸۷۲ء میں سر سید نے کمیٹی خواست گزار تعلیم کی جانب سے ایک استفسار کیا کہ مجوزہ مدرسہ العلوم کس شہر میں قائم کیا جائے۔ سب سے زیادہ رائے علی گڑھ کے حق میں آئیں۔ اس لیے کہ لوگ عام طور سے اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سر سید علی گڑھ میں سکونت پذیر ہوں گے۔ اس طور پر سنہ ۱۸۸۲ء کے اواخر میں مدرسہ العلوم کے قیام سے متعلق تمام بنیادی باتیں طے پا چکی تھیں جس سے کوئی تعلیم کے مقاصد کی ضروری نشان دہی ہوتی تھی۔

ان امور کے طے پا جانے کے بعد مجلس خزانہ البضاعت اسی مدرسہ العلوم کا ایک اہم اجلاس ۱۰ فروری ۱۸۷۳ء کو بنارس میں منعقد ہوا جس میں سید محمود نے کالج اور اسکول کے قیام سے متعلق اپنی مشہور اسکیم پیش کی۔ پیش کرنے سے پہلے ایک مختصر تقریر کی

”جب میں ولایت میں تھا اور اس کمیٹی کے اس ارادہ کا حال سنا کہ بعد تحقیقات کیا موانع ترقی تعلیم مسلمانان یہ ٹھہر رہے کہ مدرسہ خاص مسلمانوں کے لیے بنایا جائے جس میں تعلیم مسلمانوں کے حال کے مناسب ہو..... میں نے اس بات پر توجہ کی کہ ولایت کے اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے انتظام اور طریقہ تعلیم کو دیکھوں اور ایک تدبیر جو کمیری رائے میں ہماری قوم کے حالات کے مناسب ہو..... اس مدرسہ العلوم کے لیے تیار کر کے کمیٹی میں پیش کروں..... اس تجویز میں میں نے مدرسوں کو دو

حصول میں منقسم کر دیا ہے۔ ایک صیغہ اسکول کا ہے جس کا نام مدرسہ رکھا ہے۔ دوسرا صیغہ کالج کا ہے جس کا نام مدرسہ العلوم رکھا ہے اور یہ دونوں صیغے علیحدہ علیحدہ قائم کئے ہیں۔ اور قبل قائم ہونے مدرسہ العلوم کے اور مدرسوں کا جو اس کے تحت میں ہوں گے، قائم ہونا ممکن ہے۔
سید محمود نے اسکیم کے آغاز میں کہا:

"This committee calls itself 'The Mohammedan Anglo-Oriental College Fund Committee'. I think what we mean to found is not a college but a University..."²

نیز ادارے کی تنظیم اور نصاب کے بارے میں حسب ذیل چھ بنیادی نکات پیش کئے گئے:

1stly - I have to mention first of all that the management of this Institution should be perfectly free from any control of the Government, beyond mere supervision.

2ndly - That the University should have for itself sufficient annual income to keep it independent of any external aid.

3rdly - That the subjects which are not exactly of any practical importance, but which improve the mind, should also be taught.

4thly - That the success in the course of study, appointed by the University, should bring with it pecuniary advantage to the students.

5thly - That at the end of a successful course of study, emoluments should be offered to successful students without any special duties attached to them.

6thly - That the residence within the precinct of the University and under its discipline should be as indispensable as education in the course of study itself".³

بعد میں ان نکات کی وضاحت پڑے شرح و بسط سے کی گئی۔ خاص طور سے پہلے نکتہ کی نسبت

لے روزاد اجلاس بران خزانہ البقاعت تہا کیس مدرسہ العلوم ایم لے او کالج سے متعلق غیر مطبوعہ انگریزی

خط مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں فکرو نظر جلد ۵ نمبر ۲ اپریل ۱۹۶۴ء ص ۲۲۰-۲۲۱

(2) A scheme for the proposed M.A.O. College. ص ۲۲۲-۲۲۳

پر ضرور کالت قوی طائل کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اس کو سب سے اہم قرار دیا گیا ہے۔ بقیہ نکات پر بھی کافی زور دیا گیا ہے اور کمیٹی سے درخواست کی گئی ہے کہ ان کو بطور اساسی اصولوں کے منظور کیا جائے۔ کمیٹی نے بالاتفاق اس اسکیم کو منظور کیا ہے۔ ۲۱ اگست سنہ ۱۸۸۳ء کو علی گڑھ میں جو سب کمیٹی کا جلسہ ہوا..... وہاں مولوی سمیع اللہ خاں سکریٹری سب کمیٹی اور سید محمود نے اپنی آپسچوں میں مدرسہ ماتحت قائم کرنے کی دوبارہ تحریک کی۔ پھر ۲۱ دسمبر سنہ ۱۸۸۴ء کو دوسرا جلسہ علی گڑھ میں ہوا..... صدر کمیٹی بنارس نے علی گڑھ سب کمیٹی کی تجویز کو پسند کیا اور سکریٹری سے درخواست کی کہ علی گڑھ میں مدرسہ قائم کیا جائے..... ۲۴ مئی سنہ ۱۸۸۵ء..... مدرسہ کے افتتاح کی تاریخ قرار پائی۔ تاریخ مذکورہ پر سید بنارس نے علی گڑھ آگئے اور ایک جلسہ میں جس کے صدر انجمن مولوی محمد کریم (مروجہ) ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ تھے، رسم افتتاح عمل میں آئی اور یکم جون ۱۸۸۵ء سے جماعت بندی ہو کر تعلیم شروع ہو گئی۔ مدرسہ کے قیام کے تقریباً ایک سال بعد سید جولائی سنہ ۱۸۸۶ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر علی گڑھ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کی آمد کے موقع پر شہر کے عمائدین نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار جلسہ کیا اور ایڈریس پیش کیا۔ سر سید کی جوابی تقریر سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

”ہاں یہ بات سچ ہے کہ میں نے اپنے اس قدیم اور پرانے شہر کو جہاں میرے بزرگوں اور عزیزوں کی ہڈیاں اب تک زمین میں پڑی ہیں اور جہاں میرے بہت سے عزیز اب تک رہتے ہیں جس کی مٹی سے لوگوں نے خیال کیا تھا میں بنا ہوں اور پھر اسی میں میری خاک مل جائے گی، صرف مدرستہ العلوم کی محبت اپنی قوم کی بھلائی اور رئیسان ضلع علی گڑھ و بلند شہر کی محبت و عنایت کے خیال سے چھوڑا ہے اور یہاں ایک غریب مسافر کی طرح سکونت اختیار کی ہے۔ میں نے صرف اس خیال سے کرکنا راہ ہے جس سے قوم کی حالت درست ہو، دور دراز کا سفر اختیار کیا اور بہت کچھ دیکھا جو دیکھنے کے لائق تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب میں نے کوئی عمدہ چیز دیکھی جب کبھی حالوں اور مہذب آدمیوں کو دیکھا جب کبھی علمی جلسوں دیکھے، جہاں کہیں عمدہ مکانات دیکھے جہاں کہیں عمدہ بچوں دیکھے، جب کبھی کھیل کود و عیش و آرام کے دیکھے یہاں تک

جب کبھی کسی خوب صورت شخص کو دیکھا، کچھ کو ہمیشہ اپنا ملک اور اپنی قوم یاد آئی اور نہایت رنج ہوا کہ حالے ہماری قوم اسی کیوں نہیں۔ جہاں تک ہوسکا ہر موقع پر میں نے قومی ترقی کی تدبیروں پر غور کیا۔ سب سے اول یہی تدبیر سمجھی کہ قوم کے لیے قوم ہی کے ہاتھ سے ایک مدرسہ العلوم قائم کیا جاوے جس کی بنیاد آپ کے نہایت اور آپ کے زیر سایہ پڑی ہے۔

یہ تقدیر ایک چھوٹے سے شہر میں، ایک چھوٹے سے مجمع کے سامنے، ایک چھوٹی سی تقریب کے موقع پر کی گئی۔ ہماری تقدیر کے کس موڑ پر کون شخص، شام کے سنان ٹھٹھے اور گہرے ہوتے ہوئے سامنے میں کھڑا ہو کر عزم و امید کے ساتھ، تھکے ہارے، بزاروے خبر ساقیوں کو، کہیں سہارا بھی ہمت دلاتا، کیسے دور دراز و دُشوار گزار سفر پر کس ساز و برگ کے ساتھ ارض موعود کی بشارت یا فتح نازہ کی تلاش یا تعمیر کی دعوت دیتا ہے! آج بھی تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد اس کے الفاظ کی تاثیر اس کے خیال کی عظمت، اس کے جذبے کی صداقت، اس کی ہمت کی بلندی، اس کے فکر کی گہرائی، اس کی خطابت کا حسن اور اس کی شخصیت کا جمال و جلال سن سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں، اکثر ایسا محسوس ہوا ہے جیسے چھو بھی سکتے ہوں کس سہائی اور سادگی سے یہ باتیں کہی گئیں اور کس خوبی اور خوب صورتی سے عمل میں آئیں، کون نہیں جانتا اور کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

سرسید کے علی گڑھ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد علی گڑھ صرف دارالعلوم بنی نہیں بلکہ رفتہ رفتہ قومی ہمدردی، قومی اتحاد، قومی مصالح اور قومی مقاصد کا صدر مقام اور مرکز بننے لگا۔ اب سرسید کی تمام تر توجہ کالج کے قیام پر مرکوز ہو گئی اور انھوں نے اس سے تعلق تمام تجاویز کو عملی شکل دینا شروع کر دیا۔ کالج انتظامیہ کی تشکیل کی، اس کے نصاب اور اشاف کی نوعیت اور حیثیت متعین کی، اس کی عمارات کے نقشے بنائے اور نمائے اور بڑے پیمانے پر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ سرسید کے علی گڑھ آنے کے تقریباً ڈیڑھ سال کے اندر تمام انتظامات مکمل ہو گئے اور ۸ جنوری سنہ ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن وائسرائے کی خدمت میں یہ محمودانہ ایڈریس پیش کیا اور سرسید نے سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی۔ یہ ایڈریس ملک کی تعلیمی زندگی میں بالعموم اور ہندی مسلمانوں کو تعلیمی تاریخ میں بالخصوص صرف ایک تاریخی اور یادگار واقعہ کی یاد نہیں دلاتا بلکہ اسلامی تہذیب کو کل ہندی تہذیب

کا ایک قابل تہذیب کر رہے ہوئے ایک عظیم اور مشترک قومی تہذیب کی خدمت اور پابانی کے لیے اپنے بہترین
 اقدار و روایات کی مستقل پروا نہت و نگہداشت کی ضمانت دیتا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب اور قدیم و جدید
 کی سیاسی اور فنی آویزش کو ایک اعلیٰ تہذیبی و تعلیمی رفاقت میں تبدیل کرنے کی نیت اور مستقل کوشش سے
 بھی عبارت ہے۔

کالج کے قیام کے بارے میں ایڈرس میں کہا گیا:

"The college of which your Excellency is about to lay the foundation-stone differs in many respects from all other educational Institutions which this country has seen. There have been schools and colleges founded and endorsed by private individuals. There have been others built by Sovereigns and supported by the revenue of the State. But this is the first time in the history of Mohammandans in India, that a college owes its establishment not to the charity or love of learning of an individual, nor to the splendid patronage of a Monarch, but to the combined wishes and the united efforts of a whole community. It has its origin in causes which the history of this country has witnessed before. It is based upon the principles of toleration and progress such as find no parallel in the annals of the East." 1

نمود انگیزی حکمرانوں سے یہ کہا گیا:

"But that they who have thus become the masters of this soil, should rule its inhabitants not with those feelings and motives which inspired the conquerors of the ancient world, but should make it the first principle of their Government to advance the happiness of the Millions of a subject race, by establishing peace, by administering justice, by spreading education, by introducing the comforts of life which modern civilization has bestowed on mankind, is to us a manifestation of the hand of Providence and an assurance of long life to the Union of India with England." 2

۱۔ اصل ایڈریس انگیزی میں تھا اس لیے اقتباسات انگیزی میں دیے جاتے ہیں۔

- (1) Address and speeches relating to the M.A.O. College by Nawab Muhsinul Mulk, Institute Press Aligarh, December 24, 1896 p.31

توقعات اور تناؤں کا انہار ان الفاظ سے کیا گیا:

"... so that from the seed which we sow today there may spring up a mighty tree whose branches, like those of the Banyan of the soil, shall in their turn strike firm roots into the earth and themselves send forth new and rigorous saplings; that this college may expand into a University whose sons shall go forth throughout the length and the breadth of the land to spread the gospel of free enquiry, of large hearted toleration, and of pure morality."¹

علی گڑھ کی تعلیمی و تہذیبی تحریک کا کتنا جلیل و جلیل نقشہ ان الفاظ میں نمایاں ہے اور مشترک انسانی مذہب کی توسیع، استحکام اور بقا کے لیے کتنی عظیم اور گرانقدر روایت کی ابتدا ہوئی ہے جس میں ملک کے روٹوں بننے والوں کے لیے روشنی اور امید اور عزت و حقیقت ملتی ہے۔

اس موقع پر اس امر کا اعادہ ضروری ہے کہ سرسید اور ان کے ساتھی ایک کالج نہیں بلکہ یونیورسٹی قائم یا چاہتے تھے اور ان کا انتشار اسے کوئی تعلیم کی ایک ایسی درس گاہ بنانا تھا جو حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہو۔ خیال کی صراحت سید محمود نے ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۳ء کو کمیٹی خواجہ کاظمی کے سامنے اپنی اسکیم پیش کرتے وقت دی تھی۔ اس کے مطابق کمبریج یونیورسٹی کے خطوط پرنسپل کوٹن کا "..... جو طالب علم فارغ التحصیل جائے اس کو کسی خاص علم میں جس سے وہ خاص مناسبت رکھتا ہو، مصروف رہے اور اس میں کمال حاصل کرنے کے لیے فیلوشپ دی جایا کرے اور اس طرح ایک گروہ عالموں اور محققوں کا قیام میں پیدا کیا جائے جو ہم قوم میں علم و کمال پھیلانے کے لیے بمنزلہ آلہ کے ہو"۔ لیکن اس سلسلے میں دو دقیقہ ایسی پیش آئیں کہ سرسید کا یونیورسٹی کا منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ پہلی وقت تو یہ تھی کہ ایسی یونیورسٹی صرف قوم کے بھروسے پر قائم کیا جانی چاہیے، نہ طالب علم اور نہ ان کے مرنے کوئی اس بات پر رضامند ہونے والا نہ تھا کہ یونیورسٹی کی بیروں سے جو گورنمنٹ کی نوکری کا ذریعہ ہے قطع نظر کی جائے اور فی الحقیقت مسلمانوں کی حالت اس بات کی مستحکم تھی کہ صرف موجودہ یونیورسٹیوں کی نوکریاں حاصل کرنے ہی کو فوراً عظیم سمجھا جائے۔^۲ دوسری وقت حکومت نے سرسید کو یہ جواب دیا کہ یونیورسٹی کے قیام پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئی اور بذریعہ مجبوری

نہ العلوم میں وہی کورس اختیار کرنا پڑا جو موجودہ یونیورسٹیوں میں تجویز کریں، اس طور پر کالج مرہید کے پورے
وبے کی جڑی تکمیل تھا لیکن اسکے باوجود کالج میں جو بہت سی تعلیمی اور تہذیبی نصفا قائم ہوئی اس کا رنگ
نک بڑی حد تک وہی تھا جو ایک یونیورسٹی کا ہوتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب اس عالی درجہ شخص کی
برابری اور ان مقاصد کی وسعت و گہرائی تھی جس کے زیر سایہ یہ ادارہ وجود میں آیا۔ حالی شاہد ہیں کہ ایک لڑائی
رح مدرسہ اور اس کی عمارت کو دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھا: واللہ عجوبہ فی نمایہ کارے کے از سلطنت برنیاید
وہ از یک فرد رعیت سرانجام شد، بلکہ خود حالی کی طبیعت پر جو اثر ہوا اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:
شیرہ جو شعوظیری نیش پوری نے بیت اللہ کی زیارت کے وقت پڑھا تھا وہ اس مدرسہ کو دیکھ کر کہیں یاد آیا
ر بہت دیر تک ہم اس کو اپنے دل ہی دل میں پڑھ کر گنگنا تے رہے۔

اس کعبہ را بنائے باطل نہادہ اند صد معنی و جمال دریں گل نہادہ اند

اس کالج کی ہمارے دل میں تاج گنج کے روضہ اور اکبر کے مقبرہ سے زیادہ عظمت
نوکت ہے کیونکہ ان سے قوم کو نہ اس وقت فائدہ پہنچنے کی امید تھی اور نہ اب ہے اور نہ ان سب کی بنیاد
میں قوم کی ہمدردی اور عزت پر رکھی گئی تھی۔ یہ تہ
کالج کے ایک ممتاز انگریز مہمان کے تاثرات یہ تھے:

کل شام چھ کو میرے ایک دوست علی گڑھ کی دو تواریخی عمارتوں کے دیکھنے کے واسطے
لے گئے تھے۔ ان میں سے ایک سیندھیا کے فرانسیسی عسکری مشیر بیردن

کا قلعہ تھا جو صاحب بارغ کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسری وہ یادگاری عمارت جو
علی گڑھ کے سندھیا قلعہ کو فتح کرنے میں ہلاک ہونے والے انگریز سپاہیوں کی یاد میں
قائم کی گئی تھی یہ عمارت کیسی کھڑی ہوئی ہے اور انسانوں کے مسکنوں سے دور
ہے گھر کو جاتے وقت جب کہ ہم محمدن کالج کے قریب ہو کر گزرے تو میرے
دل میں خواہ مخواہ یہ خیال گزرا، یہ خوشنما سلسلہ مکانات کا جن میں ہم اس وقت جمع
ہیں ہمارے زمانے کی کس قدر عمدہ یادگار ہے۔ وہ دیران کھنڈ جو میدان میں واقع
ہیں ان کی پروردگستان اور الوالو العزیز اور دلیلا نہ کو ششوں کی گویا بائیں مانہ

کی تواریخ بیان کرتی ہے جب کہ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک قوم دوسری سے دشمنی رکھتی تھی اور ہر ایک شخص کا ہاتھ اپنی ہمسایہ کے مارنے کے واسطے اٹھا ہوا تھا۔ لے صاحبو، آپ لوگ جنہوں نے یہ کالج بنایا ہے آئندہ نسل کے واسطے ایک زیادہ عالی شان یادگار چھوڑیں گے۔ آپ اپنے پیچھے کچھ نا اعلیٰ کی نہیں بلکہ قوموں کی ملاپ کی ایک عالیشان یادگار ایک یادگار بھلائی پہونچانے والی مستعدی کی، تذکرہ برپا کرنے والی قوت چھوڑیں گے اور جو ایک ایسی یادگار ہوگی جو غلات ان پجاری پتھر کی عمارتوں کے جواب انسان کے تعلقات اور سکون سے دور پڑی ہوئی ہیں۔ ہمیشہ انسان کی نہایت اعلیٰ درجہ کی کوششوں کا ایک مرکز رہے گی اور لڑکوں کی آواز سے گونجتی رہے گی اور ان کی امیدوں اور الو العزیموں سے بہت کچھ پر رونق رہے گی؟ لے

اور یہ سب انجام کیسے پایا، سر سید کی کوششوں سے وہ کبھی کس طرح ".... تبصرہ کام ایسے چاؤ اور ادب سے سر انجام کرتا جیسے کوئی اپنا محل تیار کرتا ہے.... انھوں نے اس قطعو زمین کے آباد و سرسبز کرنے میں فوق العادہ کوشش اور توجہ کی برسوں بلاناغہ دو دو پہر اور تمام تمام دن سخت سے سخت محسوس میں وہ محو مدد پر حبا جاکر بیٹھے ہیں اور اپنے سامنے راج مزدوروں اور رنگ تراشوں سے کام لیا۔ باوجود اس تنوش کے وہ کالج کے باغ کی تیلری میں پہروں دھوپ اور لوؤں میں پھرتے تھے، روٹیں بنواتے تھے، دودھ دوسرے ہر قسم کی پود منگواتے تھے جو ان کے دیرو باغ میں لگائی جاتی تھی۔ باوجود ان تمام باتوں کے تعمیر و قیمر کے تعلق یہ کام ان کو اپنی رائے سے کرنا پڑتا تھا۔ نہ کوئی انجینیر یا اور سیر تھا جس سے صلاح لی جائے نہ کوئی لائق مستری تھا جس کی تجویز اور رائے پر اطمینان ہو جن دیہاتی معماروں سے یہ کام لے گئے انھوں نے کبھی اس قسم کی عمارتیں نہیں بنائی تھیں۔ اس لیے سر سید کو ہر ایک عمارت کا نقشہ خود ہی تجویز کرنا پڑتا تھا اور خود اس کے تمام نشیب و فراز سوچنے پڑتے تھے۔ معماروں اور رنگ تراشوں کو خود بھیج کر ایک ایک بات سانی پڑتی اور پھر جب تک وہ ختم ہو نہ ہو اس کی نگرانی کرنی پڑتی تھی کہ جس طرح بنایا گیا ہے اسی طرح کا بنا ہے یا نہیں۔

(1) Address and speeches relating to M.A.O. College.

ہم نے سنا ہے کہ بعض یورپین انجینیروں نے کالج اور بورڈنگ ہاؤس کی عمارتوں کو دیکھ کر تعجب ظاہر کیا ہے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ بغیر کسی تعلیم یافتہ انجینیر کی صلاح اور مشورہ کے یہ عمارتیں تیار ہوئی ہیں تو وہ اور بھی زیادہ متعجب ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم ممکن ہے ان عمارتوں میں انجینیئرنگ کے اصول کے موافق طلبہ کے آرام و سائنس کے لحاظ سے کوئی کمی یا نقص رہ گیا ہو لیکن ہم کو اس فوجی انسٹی ٹیوشن کے لیے ایسا انجینیئر ملنا ناممکن تھا جو خود ہی تعمیر کے لیے روپیہ فراہم کرے، خود ہی عمارت بنوائے اور ایک کوڑی تنخواہ نہ لے۔ نہایت دیانت داری سے اپنا کام انجام دے اور ہر ایک عمارت کو ایسے شوق سے بنوائے کہ گویا اپنا گھر بنواتا ہے۔^۱

ہر چند کہ یہ ادارہ خاص طور پر مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے کلیتہً مسلم انتظام کے تحت قائم ہوا لیکن ابتدا ہی سے اس کی پالیسی تمام ہم وطنوں کے لئے خیر سرگالی اور بہدردی کی تھی اور اس کی تعلیمی پہلوئوں سے فائدہ اٹھانے کے ان کو پورے مواقع حاصل رہے۔ نواب محسن الملک نے اس پالیسی کی وضاحت ان الفاظ میں کی: "..... کبھی یہ خیال نہیں کیا گیا تھا کہ ہندو یا عیسائی یا یہودی اس جگہ تعلیم نہ پاویں گے.... یانیوں نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ شل قوطیہ اور غرناطی مسلمان بونیورسٹیوں کے سب قوم کے بچوں کو بلا تفریق اس میں تعلیم دی جاوے۔ چنانچہ موجودہ کالج میں ہندو عیسائی پارسی سب تعلیم پاتے ہیں اور سب کو تعلیم کے باب میں برابر استحقاق دئے جاتے ہیں۔ لہٰذا اسی بات کو اس ایڈرس میں بھی بیان کیا گیا ہے جو کالج نے سرکاری طور پر ۱۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو ماکوئٹس آف پرن وائسرائے و گورنر جنرل ہند کی خدمت میں پیش کیا تھا:

..... اگر ہم اس کالج کی آئندہ امیدوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی یہ وجہ ہے کہ ہم کو یقین واثق ہے کہ بغیر امید کے کوئی بات حاصل نہیں ہو سکتی اور بغیر بلند ارادوں کے کوئی بڑا کام پورا نہیں ہو سکتا ہے.... قوم اور زبان اور مذہب کا اختلاف ہندوستان کے باشندوں کے مختلف فرقوں کا دیگر ادنیٰ درجہ کے اسباب سے مل کر کم اخلاقی قائم رہنے کا باعث ہو گیا ہے۔ مگر ہم یقین کرتے ہیں کہ تعلیم کی ترقی ہونے سے یہ اسباب کم ہو جائیں گے اور علم، روشن ضمیری اور شائستگی کی اشاعت سے باہمی میل جول کے واسطے ایک عام

۱۔ حیات جاوید حوالہ سابق ص ۱۴۵

(1) Address and speeches relating to M.A.O. College.

حوالہ سابق ص ۱۴۵

موقع بہر پہنچ جائے گا اور فوجی اختلاف ناپید ہو جائے گا۔
 اس امر کا اعتراف ان لوگوں نے انکر کیا ہے جو کالج کا معائنہ ختم خود کرنے آتے تھے مثلاً ڈبوتہ، ڈبوتہ
 نے جو بحیثیت ہیریڈنٹ ایجوکیشن کمیشن برائے ہند، ۸ اگست سنہ ۱۸۸۲ء کالج میں تشریف لائے فرمایا:
 اس مدرسہ کے بانیوں نے جو ٹھیک ٹھیک ایک مسلمانی مدرسہ ہے، اپنا دروازہ
 تمام اقوام اور مذاہب کے لڑکوں کے واسطے کھول دیا ہے۔ مجھ کو حاکم ہوتا ہے کہ جملہ
 ۲۵۹ طالب علموں کے، ۵ ہندو یا کل میں سے تقریباً ایک چہارم ہندو ہیں۔ عیسائیوں
 اور پارسیوں کے لڑکوں نے بھی اس کے اندر فیاضانہ تعلیم حاصل کی ہے۔
 کالج کے ابتدائی زمانے کے نامور طالب علم سید طفیل احمد منگلوری فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ ہندو اور
 مسلمان طلبہ بھی اس زمانے میں ایسی یکساں گنت کے ساتھ کالج کے بورڈنگ ہاؤسوں میں رہتے اور ایک دوسرے
 کے رنج و راحت میں یکساں شریک ہوتے تھے۔ اس زمانے میں ایک نمایاں بات یہ ہونی لگی کہ کالج سے
 سب سے اول ایک ہندو طالب علم باؤاٹیری پرشاد نے بی اے کیا۔ انھیں سنہ ۱۸۸۳ء کے سالانہ جلسہ
 میں سرسید نے اپنے ہاتھ سے تمغہ پربنایا تھا۔ مختلف فرقوں کے درمیان باہمی رواداری اور یکساں گنت کے اصول کو
 جس طرح عملی طور پر کالج نے اپنایا اور فروغ دیا اس کی مثال اس وقت کے کسی دوسرے ادارے میں مشکل
 سے ملے گی۔ کالج کے با اختیار تنظیمیں سے اس اصول کو مسلسل پیش نظر رکھا اور خاص موقعوں پر اس کا اعادہ کیا۔
 لے ایف اے ۱۰۱ ایف اے ۶۰ مسلمانوں کا روتھن مستقبل۔ سید طفیل احمد منگلوری۔ نظانی پریس پبلیشنگ سنہ ۱۹۴۰ء بارکھڑا
 ص ۲۱۲۔ اس سلسلے میں یہ اعداد و شمار قابل لحاظ ہیں۔ اسکول میں طلبہ کی تعداد (جدول نمبر ۱)

۱۸۸۰	۱۹۰۹	۱۹۰۹	۱۸۹۹	۱۸۹۶	۱۸۹۵
۴۰	۳۰	۴۱	۱۲	۶	ہندو -
۱۳۲	۱۳۴		۱۲۳	۸۹	مسلمان - ۶۶
		۱۸۸۴	۱۸۸۳	۱۸۸۲	۱۸۸۱
		۴۴	۵۳	۵۳	۵۰
		۱۹۳	۱۹۲	۱۹۹	۱۰۹

(باقہ حاشیہ صفحہ ۵۴ پر)

سید محمود نے بحیثیت لائف آنریری جانٹ سکریٹری کالج اپنی رپورٹ وارنہ ۲۴ جون سنہ ۱۸۹۳ء میں کہا:
ابتداء سے اس کالج کا صحیح اصول سب کا مساوی سمجھنا رہا ہے اور گو کہ اس کا اصل مقصد مسلمانوں کی تعلیمی
ضرورت کو پورا کرنا تھا لیکن اس کے دروازے ہندوؤں کے اور دیگر اقوام کے طالب علموں کی آسائش اور تعلیم
اور کالج میں رہنے کے برابر کھلا رہے ہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ اگر اہل اے اور کالج کی طرح دوسروں کے کسی ملکہ
ادارے نے ایسی ہی کوشش کی ہوتی تو ملک میں اتحاد و یکجہانگت کی فضا قائم کرنے میں مدد ملتی جس کا اثر
برصغیر کی تہذیبی ترقی پر نہایت صحت مند ہوتا۔

کالج کے بارے میں سرسید کی رپورٹ بابت سنہ ۱۸۸۳ء میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہیں:

اس مدرسہ العوام میں تعلیم کے دو صیغے ہیں:

اول۔ انگلش ڈپارٹمنٹ جس میں تمام علوم انگریزی زبان میں اور عربی یا فارسی یا سنسکرت بطور

سکنڈ لیگنریج پڑھائی جاتی ہے۔

دوم۔ اورینٹل ڈپارٹمنٹ جس میں علم ادب عربی یا فارسی زبان میں اور تاریخ و جغرافیہ و حساب و ریاضی

وغیرہ علوم و فنون اردو زبان میں پڑھائے جاتے ہیں اور انگریزی بطور سکنڈ لیگنریج کے تعلیم ہوتی ہے۔

یہ مدرسہ ۲۴ مئی سنہ ۱۸۷۵ء میں کھولا گیا اور یکم جون سنہ ۱۸۷۵ء سے اسکول کلاس اور یکم جنوری سنہ

۱۸۷۸ء سے کالج کلاس قائم ہو گئے۔ یکم جنوری سنہ ۱۸۷۸ء سے مدرسہ یونیورسٹی کلکتہ میں فرسٹ آرٹس کے

(بقیہ صفحہ ۵۵) کالج میں طلباء کی تعداد (جدول نمبر ۲)

۱۸۸۰ء	۱۸۸۱ء	۱۸۸۲ء	۱۸۸۳ء	۱۸۸۴ء	۱۸۸۵ء	۱۸۸۶ء
۷	۸	۱۳	۱۳	۳۳	۳۰	۲۶
مسلمان	۸	۱۴	۱۴	۳۳	۱۹	۲۳
۱۸۸۷ء	۱۸۸۸ء					
۳۳	۳۰					
۱۹	۳۹					

حوالہ افتخار عالم (تاریخ مدرسہ العالیہ علی گڑھ، ص ۱۳۵) منقول از "سید احمد خاں اور ہندو مسلم اتحاد"

امتحان تک اور یکم جنوری سنہ ۱۸۸۱ء سے لائین آفیلٹ ہو گیا۔ اس کالج کا انتظام چار کمیٹیوں کے تحت میں ہے جس سے علیحدہ علیحدہ کام متعلق ہیں :

- ۱۔ کمیٹی مدیران تعلیم السنہ مختلفہ علوم و ذویہ
- ۲۔ کمیٹی مدیران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت
- ۳۔ کمیٹی مدیران تعلیم مذہب اثناعشریہ
- ۴۔ کمیٹی تنظیم مدرستہ العلوم جس کے ہاتھ میں مدرستہ العلوم اور بورڈنگ ہاؤس کے اندرونی انتظام کا اختیار ہے۔

سنہ ۱۸۸۳ء ہی کے جلد تقسیم انعامات میں جاکمیر کنگڈم نسلکی صدارت میں ہوا سر سید نے کالج کی ترقی کے بارے میں کہا: ”مگر جو فخر اس کالج کو ہے اور جو ہمیشہ اس کو رہے گا وہ یہ ہے کہ ہم نیم وحشی ہندوستانیوں ہی نے بغیر کسی دوسری مدد کے زمین کو چڑھا ہے اور اس میں بیج ڈالا ہے اور جو پودا اس میں اگا اس کو پالا ہے جو اس وقت اس قدر سایہ دار اور بار آور درخت ہو گیا ہے۔“

کالج کے نتائج امتحانات از سنہ ۱۸۸۳ء تا سنہ ۱۸۹۳ء کے مطالعہ سے یہ خوش آئند بات معلوم ہوتی ہے کہ ان تمام بیروں میں کالج کے جتنے طلباء مختلف امتحانات میں بیٹھے تھے یہاں وہ سب کامیاب ہوئے۔ اس وجہ سے اس کالج کی پڑھائی کے معیار کو عالمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کالج کے منتظمین اس غیر معمولی خالص تدریسی کامیابی کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ انھوں نے طلباء کی عام ذہنی و جسمانی تربیت میں گہری دلچسپی لی۔ سنہ ۱۸۹۳ء کالج کے انگریز پرنسپل تھیوڈور بک نے اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ بات کہی :

”گو ایک ہندوستانی کالج کے واسطے یونیورسٹی کے امتحانوں میں عمدہ نتیجہ کا ہونا بہت ہی ضروری امر ہے مگر صرف اس نتیجہ ہی سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس کالج میں کس قسم کی تعلیم ہوتی ہے چونکہ ہندوستان میں یہ چیز بہت زیادہ ضروری سمجھی جاتی ہے اور ہندوستانی یونیورسٹیوں میں فی صدی زیادہ فیل ہونے کا زور ڈالا جاتا ہے، میں یقین کرتا ہوں کہ اس وجہ سے تعلیم کے ادریغوں پر برا اثر پڑتا ہے اور اس وجہ سے استادوں“

لہ رپورٹ ترقی تعلیم مدرستہ العلوم مسلمانان واقع علی گڑھ۔ میڈیکس ہال۔

جو برادر یعنی اخوان کے نام سے موسوم ہیں آپس میں معاہدہ کیا ہے کہ اپنی آمدنی کا ایک فیصدی ایک انڈومنٹ فنڈ قائم کرنے کے لیے کالج کو دیا کریں گے
 کرکٹ کلب نے امتیاز حاصل کیا ہے فٹ بال کلب جس کو
 زیادہ تر پروفیسر مائین صاحب چھی قائم کیا ہے بہت کامیابی سے چل رہا ہے
 ایک کالج میگزین نکالا گیا ہے جس میں ان طلباء کے واسطے جن کو علم و ادب سے زیادہ
 دلچسپی ہے مشتق کی گنجائش ہوگی اور یہ ثابت ہوا ہے کہ ایک بڑی ضرورت کو رفع کرتا
 اس سلسلے میں ایک بیان اور ملاحظہ ہو :

..... نومبر ۱۸۸۳ء میں تھیوٹر پبلک ایک ایسے انگریز ملے جو طلباء سے بڑی
 محبت کا بڑا ذکر کرتے تھے اور اپنا تمام وقت ان کی بہبودی میں صرف کرتے تھے۔
 ان کے آنے کے بعد جو انگریز استاد آتے رہے وہ مشربک کا طریقہ اختیار کرتے گئے ...
 ان انگریز استادوں کی وجہ سے حکام ضلع کالج کے طلباء سے کھیلوں اور پارٹیوں وغیرہ
 میں ملتے تھے اور ان سے اچھا برتاؤ کرتے تھے ... جو سرسید کی انتہائی خوشی کا باعث
 تھا۔ چنانچہ جب ملکہ لینڈ کالون لفٹیننٹ گورنر صاحبہ متحدہ علی گڑھ آئے تو انھوں نے فرمایا:
 ”علی گڑھ کے طلباء اپنی تعلیم و تربیت کی علامات ایسی ہی واضح طور پر ظاہر کرتے ہیں
 جیسے انگلستان میں ہمارے پبلک اسکولوں اور ہماری یونیورسٹیوں کے کامیاب طلباء
 ظاہر کرتے ہیں۔ علی گڑھ کالج کا ایک طالب علم فیاضانہ خیالات اور اعلیٰ تربیت اور
 آزادانہ خصائل رکھنے والا شخص خیال کیا جاتا ہے۔“

سرسید اور سید محمود نے کالج کے اشاف کے انتخاب میں غیر معمولی وقت نظر اور دم و ششکے کام لیا۔
 ابھی اس زمانے میں جب انگریز حکمران تھے ایسے انگریز اشاف کو رکھنا جو اسی جوش اور قابلیت کے علی گڑھ
 ہی قومی درس گاہ کی خدمت کرتے جیسی کہ خود اس قوم کے کم افراد کر سکتے تھے۔ جیت انگیز ہے۔ اس کا اصلی
 سبب سرسید سید محمود اور ان کے دیگر رفقاء کی شخصیتیں اور خیالات تھے جس سے غیر قوم کے لوگ بھی متاثر ہوئے
 پورہ سکے۔ اس کا بلا اعتراض حکومت کے ایک بڑے ذمہ دار کن نے ان الفاظ میں کیا ہے :

”.... اعتقاد سے اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ آ
 کے دوسرے خیر خواہ ہوں دو توں بندوا
 یہ کالج تمام ہندوستان کے واسطے نہ
 نظیر ہے جو ایک عمدہ کام پر متحکم اعتقاد
 یتیم خود نے پرنسپل بیک کے بارے میں ان
 جن کے ارادوں کی دیانتداری، سہا
 ہیں اور جن کی وجہ سے عام مسلمانوں کو
 بالخصوص اور خیر خواہ مسلمانان بالعموم ہو۔
 سچائی سے بغیر کسی بناوٹ کے کہتا ہوں
 ایک ایسی قوم سے قیاضات ہمدردی پر
 ان کی جانتگشتانی اور طالب علموں کی فلاح
 ولانا سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں :

” اگر انصاف سے دیکھا جائے تو
 وایت کرنے کا تمام تر سہرا مشربیک ہٹا
 سر تھا۔ طلباء کی مختلف انجمنیں بناتے، آ
 چھوڑنے کے بعد ان سے مستقل تعلقات
 ان کے ذریعہ تمام ملک میں کالج کی خوب
 کرنے کے تمام تر کام جو انگریز استادوں
 سماں کو پہنچا دتے۔ انھیں کی بدولت
 ہو گئی جنھوں نے علی گڑھ کی خدمت کو اپنی

پیل سید احمد خاں کو اپنے کام پر اعتقاد اور اس کا رُخ
ریورپن کو سید احمد خاں پر اختیار تھا.....
وہ سلفِ بلپ کی بلکہ اس اثر کی بھی ایک عمدہ
کھینے سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔
یالات کا اظہار کیا ہے :

ل اور اخلاقی اوصاف کی عمدگی کو ہم خوب جانتے
ن کے صادق اور شریفِ النفس، خیر خواہ کالج
نے کی نسبت پورا ہو گیا ہے۔ میں اپنی نسبت نہایت
مشریک کی عقل اور اخلاقی خوبیوں پر ان کی
سے ان کا کوئی نسلی تعلق نہیں کالج کے امور پر
ح میں ان کی ہمدردانہ دلچسپی پر شک آتا ہے۔

گڑھ کالج کے سابق طلبہ کو اپنی مادرِ درس گاہ سے
ین ہسٹری آرنلڈ اور اس زمانے کے انگریز استادوں کے
میں نظم کرتے، ان سے برادراتہ بڑاؤ کرتے، کالج
رکھتے، ان کے سالانہ جلسے اور ڈرامے منعقد کرتے،
س کا پروپیگنڈا کرتے تھے۔ کالج کے لیے چندویچے
نے کئے وہ سب انھیں کی ایجاد تھی جو انھوں نے درج
ن کے پڑھے ہوئے طلبہ کی ایک متنقل برادری تو
مدگی کا مقصد اعلیٰ گڑھ کالج کو تمام ہندوستان سے

”.... اعتقاد سے اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ آنریبل سید احمد خاں کو اپنے کام پر اعتقاد اور اس کالج کے دوسرے خیر خواہوں دونوں ہندو اور یورپین... کو سید احمد خاں پر اعتبار تھا..... یہ کالج تمام ہندوستان کے واسطے نہ صرف سلف ہلپ کی بلکہ اس اثر کی بھی ایک عمدہ نظیر ہے جو ایک عمدہ کام پر متمکم اعتقاد رکھنے سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔“
سید محمود نے پرنسپل بیک کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے :

جن کے ارادوں کی دیانتداری، سوشل اور اخلاقی اوصاف کی عمدگی کو ہم خوب جانتے ہیں اور جن کی وجہ سے عام مسلمانوں کو ان کے صادق اور شریف النفس، خیر خواہ کالج بالخصوص اور خیر خواہ مسلمانان بالعموم ہونے کی نسبت پورا ہو گیا ہے۔ میں اپنی نسبت نہایت سچائی سے بغیر کسی بناوٹ کے کہتا ہوں کہ سٹریٹ کی عقل اور اخلاقی خوبیوں پر، ان کی ایک ایسی قوم سے فیاضانہ ہمدردی پر جن سے ان کا کوئی نسلی تعلق نہیں کالج کے امور میں ان کی جانفشانی اور طالب علموں کی فلاح میں ان کی ہمدردانہ دلچسپی پر شک آتا ہے۔
مولانا سید طفیل احمد شگلوری لکھتے ہیں :

”اگر انصاف سے دیکھا جائے تو علی گڑھ کالج کے سابق طلبہ کو اپنی مادر درس گاہ سے وابستہ کرنے کا تمام تر سہرا سٹریٹ، سٹرمالین، سٹراٹلنڈ اور اس زمانے کے انگریز استادوں کے سر تھا۔ طلبہ کی مختلف انجمنیں بناتے، انہیں منظم کرتے، ان سے برادراتہ برتاؤ کرتے، کالج چھوڑنے کے بعد ان سے مستقل تعلقات رکھتے، ان کے سالانہ جلسے اور ڈرامے منعقد کرتے، ان کے ذریعہ تمام ملک میں کالج کی خوبیوں کا پروپیگنڈا کراتے تھے۔ کالج کے لیے چند جمع کرانے کے تمام تر کام انگریز استادوں نے کئے وہ سب انہیں کی ایجاد تھی جو انھوں نے درجہ کمال کو پہنچا دئے۔ انہیں کی بدولت یہاں کے پڑھے ہوئے طلبہ کی ایک مستقل برادری قائم ہو گئی جنھوں نے علی گڑھ کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد اور علی گڑھ کالج کو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا مرکز بنا دیا۔“

لے ایڈرس اور اسپیسز متعلق ام لے او کالج علی گڑھ حوالہ سابق ڈبلو ڈبلیو بیٹر لے رپورٹ لائف آنریری جوائنٹ

ام لے او کالج علی گڑھ حوالہ سابق ص ۲۴۲ سے مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۲۱۸

سر سید کی تعلیمی پالیسی اور اس کا تاریخی پس منظر

اص را دریافت بگذاشت از شروع بہ حکمت کرد در پُرسش شروع (رومی)
 ”میں تعلیم کی ترقی کو اور صرف تعلیم ہی کو ذریعہ قوی ترقی کا سمجھا ہوں ہماری قوم کو اس
 وقت بجز ترقی تعلیم کے اور کسی چیز پر کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہماری
 قوم میں تعلیم کی کافی ترقی ہو جاوے گی تو ہم کو وہی کافی ذریعہ تنزل کی حالت سے
 نکلنے کا ہوگا۔“

اوپر کے اقتباس میں سر سید کے لفظ تعلیم سے اصلاً مغربی طرز تعلیم مراد ہے اور وہ قوی ترقی کے
 لیے اس تعلیم کی اشاعت کو تمام دوسرے کاموں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس کا یقین رکھتے ہیں
 کہ تنزل کی حالت سے قوم اس کی مدد سے نکل سکے گی۔ یہ ایک یہی حقیقت ہے کہ ہر عہد اور زمانے میں
 م کے مخصوص مقاصد قرار پائے ہیں، ایسا ہونا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ انسانی معاشرے کے بنیادی عوامل
 فی حالات کی بنا پر مخصوص درجے اور نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایسے طریقے اور ذرائع کا استعمال
 آتا ہے جس سے مختلف تعلیمی نظام وجود میں آئے ہیں۔ کسی تعلیمی نظام کو بالعموم تین مراحل میں تقسیم کیا
 ہے۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ۔ ان میں ہر مرحلے کی اپنی اہمیت ہے۔ اس کے اپنے خاص مسائل ہوتے
 ہیں۔ عام طور پر ابتدائی تعلیم کے زمانے میں کم سن بچوں کی ذہنی نشوونما اور تربیت کا اس طور پر بندوبست
 جاتا ہے۔ جس سے ان کی فطری صلاحیتیں صحت مند اور فطری طور پر ظہور پائیں اور ان کے معصوم میلان
 کو با معنی اور ان کی خدا داد ذہانت کو با کار بنانے ان کی جبلتوں اور دیگر خاصیتوں کو ان کے چاروں طرف
 ، ہوئی کائنات سے جو قدرت کی بنائی ہوئی ہوتی ہے انسان کی بھی، ساڈگار کرنے میں مدد ملے۔ اس میں
 لود، حرفہ، دستکاری، لکھنا پڑھنا، سیر سفر سب شامل ہیں۔ جب بچہ لڑکا بنتا ہے یعنی جب وہ اپنے

مگر رویتیں سے قابل لحاظ واقفیت پیدا کرتا ہے اور اس کا ابتدائی اور بالارادہ شعور حاصل کرتا ہے تو ثانوی تعلیم کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس دوران میں باقاعدہ مضامین کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے اور ایک بنیادی لیاقت اور شعور پیدا کرانے میں مدد دی جاتی ہے۔ اس مرحلے کی تکمیل پر اسے بالعموم اس کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ آئندہ اعلیٰ تعلیم یعنی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کا انتخاب کرے یا مخصوص حرفے یا پیشے کی مستند معیاری تعلیم کا۔ اس طور پر اعلیٰ تعلیم کا مرحلہ باقاعدہ تعلیم کا آخری و انتہائی ترقی یافتہ مرحلہ ہے۔ یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ان میں سے ہر مرحلہ اپنے طور پر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ایک اچھے اور کامیاب قومی نظام تعلیم کے معنی یہ ہیں کہ تعلیم کے جمیع مراحل میں ایک ترقی پذیر عمل مستقل جاری رہے تاکہ اجتماعی طور پر وہ سارے نتائج حاصل ہوں جن سے ایک ترقی پذیر معاشرہ کا مسلسل وجود میں رہنا لازم آتا ہو۔ ترقی پذیر معاشرے کی کوئی بندھی کی تعریف کرنا مشکل ہے لیکن اٹنا مدد کہا جاسکتا ہے کہ ہر وہ معاشرہ ترقی پذیر ہو سکتا ہے جو فرد کی اعلیٰ صلاحیتوں کو بزرگ و بار لانے کے لیے آزاد اور مساوی مواقع فراہم کرنے کی جستجو پر عزمی، ذہنی و مادی تبدیلیوں سے ہم آہنگ اور باشعور شخصیت کی نشوونما میں، جلد تمدنی و فطری علوم و مسائل کی بہتر تفہیم و عمل میں، قدیم، جدید اور مستقبل کے کارناموں اور امکانات کی توسیع و ترقی میں، بالفاظ دیگر انسانی تہذیب کے ارتقا اور ترقی کے مناسب حال ماحول پیدا کرنے میں مدد دے۔

سرینہ کا ملک اور ان کی قوم ایک ایسے معاشرے کی تصویر تھے جس میں حرکی تعلیقی قوتوں کا فقدان تھا یا وہ ایک ایسی شکستہ کشتی کے مانند تھا جو سمندر کی سطح پر پھسل قائم تھی۔ سمندر کے افق پر نئے طوفان کے جو آثار ابھر رہے تھے اور امواج بحر جس طرح تیز و تند ہو رہی تھیں ان کو دیکھتے ہوئے نہایت پر امید ناخدا بھی اس کے غرق ہو جانے کی مدت کو کچھ زیادہ نہیں بتاتے تھے۔ کشتی سوار خواب غفلت میں تھے۔ وقت اور وسائل کی تلفی و وقت کے باوجود اس مود خدا نے کم سے کم مدت میں اس کشتی کو ساحل موانک پہنچانے کا عزم کیا تاکہ وہاں پہنچ کر نئی کشتی بنانے کی فکر کی جائے جو آنے والے سخت طوفان کا مقابلہ کر سکے اور نئی دنیا کی دریافت میں مدد دے سکے وہ نئی کشتی قوم کی نئی تعلیم کا منصوبہ تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ نئی تعلیم کی تھی اور اس نے پیش نظر مقاصد کہاں تک پورے کئے۔

سرینہ نے سفر انگلستان سے پہلے ہی قومی تعلیم کے کام کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کی کوشش سے تین ادارے قائم ہو چکے تھے، ایک مدرسہ مراد آباد میں، دوسرا غازی پور میں، تیسرا ادارہ سائنس

سوسائٹی جس کی ابتدا غازی پور میں ہوئی لیکن بالآخر اس کا منہق علی گڑھ میں پھیل گیا۔ اول الذکر مدرسے ان کی ابتدائی کوشش کا ثمرہ تھے جو مقامی حیثیت رکھتے ہوئے بھی دوسرے لوگوں کے لیے اجتماعی تعلیمی کوشش کا کامیاب نمونہ تھے۔ سائنٹفک سوسائٹی ایک جامع پروگرام کے ماتحت بڑے پیمانے پر سوچی اور قائم کی گئی تھی اور ملک کے لیے ایک عمومی کوشش رکھتی تھی ان اداروں کے قائم کرنے اور چلانے میں سرسید کو ابتدائی تعلیم اور عمومی تعلیم کا خاص طور پر تجربہ ہوا۔ انھوں نے مدرسوں کے نصاب کی تشکیل اور ان میں مناسب ماحول پیدا کرنے میں ذاتی غور و فکر سے کام لیا اور سوسائٹی کے پروگرام کو اس طور پر مرتب کیا کہ ایک طرف وہ اعلیٰ سطح پر بنیادی کام یعنی مستند و معیاردار کتابوں کی تالیف، تصنیف و ترجمے پر دھیان دے تو دوسری طرف خاص طور سے جدید سائنس کے نظری اور عملی نتائج سے عام پبلک کو روشناس کرائے کسی ملک کی تہذیبی ترقی کے لیے دونوں یعنی ابتدائی اور عام سطح میں مناسب تعلیم کا انتظام کرنا کس قدر ضروری تھا۔ سرسید اس سے پورے طور پر باخبر تھے۔ ان کے تعلیمی تصورات میں ملک کی اقتصادی اور سماجی خصوصیات اور تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہندوستانی معیشت میں زراعت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے بایں ہمد زراعت کی پیداوار بہت کم رہی ہے اور اس لیے عام کاشتکاروں کے رہن سہن کی سطح بہت نیچی رہی ہے۔ سرسید نے زراعت کی تعلیم کی اہمیت کو کئی موقعوں پر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی دینی خواہش تھی کہ ہندوستانی زراعتی نظام میں موثر تبدیلی عمل میں لائی جائے۔ ان کی اس دلچسپی کا حال اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے :

”سنہ ۱۸۶۶ء کے اس لکچر میں انھوں (سرسید) نے ہندوستانی سرداروں اور عمائدین قوم کو یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے ہموطنوں کی بھلائی کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ سرسید کی رائے میں تعلیم کے لیے اسکیں ہونی چاہئیں اور ان میں سے ایک اہم صنف کاشت کاری کی تعلیم ہے جس کا ذریعہ تعلیم دیسی زبان ہو جس میں سائنس کو لکھنے پڑھنے اور حساب کی تعلیم دی جائے۔ لیکن سرسید کا تخیل کتابی تعلیم کی حد بندیوں پر اگر کرک نہیں جاتا بلکہ ایک چڑھتے ہوئے دریا کی طرح اسے توڑ کر آگے لیکتا ہے۔ ان کی رائے میں کاشتکاری سکھانے کے لیے مدرسے قائم ہونے چاہئیں۔ رکان کو اچھے مویشی پالنے کا فن سکھانا چاہیے۔ اسٹریلیا کی طرح بھیڑوں بکریوں کی نسل بہت بڑھانے کا تجربہ کرنا چاہیے۔ گجپوں اور سیلوں کی بھی نسل تیار کرنے میں امداد دینا چاہیے۔ ایک زمانے میں بنگال کے ایک زمیندار نے حکومت بنگال کو ایک زراعتی مدرسہ کھولنے کا مشورہ دیا تھا جسے گورنر نے رد نہیں کیا۔ اس پر سید افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ حکومت نے ایسی معقول اور مفید تجویز کو منظور نہیں

کیا لیکن ایک بن بہت پیش رو کی طرح وہ راستے کی ان مصیبتوں سے آزرہ خاطر نہیں ہوتے۔ اس گمراہ کو چلتے دامن سے جھٹک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زبیدار کو چاہیے ہر کام میں گورنمنٹ کی امداد کی آرزو نہ کرے..... اور ملاحظہ ہو۔

”اس لکچر میں سر سید ام کو مشورہ دیتے ہیں کہ انھیں مفید علم کی ارزانی سے اشاعت کرنی چاہیے تاکہ علم اتنا عام اور سستا ہو جائے کہ لوگ چھوٹی سستی کتابیں لگی کوچوں میں بیچتے پھریں جہاں صبح شام جمع ہوتے ہیں وہاں سستا اخبار سنایا جائے۔ لیکن ان کی رائے میں ان اخبارات کا مطبع قطر تخریبی نہ ہو بلکہ تعلیمی ہو۔ اس کا مطالعہ نظر میں وسعت اور قلب میں گہرائی پیدا کر دے کہ دماغ میں بارود کی طرح چڑھ جائے۔ ان کے اپنے الفاظ میں اخبار کے ذریعہ ایسی غذادی جائے جس میں گہرائی اور جوش نہ ہو بلکہ ملائم اور ٹھنڈی ہو۔ اس کے علاوہ عوام کے لیے لکچروں کا بھی انتظام کیا جائے۔ مردوں اور عورتوں کی تعلیم کا انتظام ہو۔ تعلیم خاص اور تعلیم عام کا لحاظ رکھا جائے۔ ذہنی اور جسمانی تربیت دونوں ساتھ ساتھ ترقی کریں۔ علم کی اشاعت کے لیے ایسوسی ایشن اور سوسائٹی قائم کی جائیں۔ عمدہ عمدہ علوم و فنون کو ترقی دی جائے۔ ان کے رواج کے لیے علمی روزنامے نکالے جائیں۔ علمی لیاقت اور خوبی محصلت کے لیے انعام مقرر کئے جائیں“

سر سید کے ان خیالات کو پیش کرنے کے بعد فاضل مصنف ان کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

”آج اتنے سال گزرنے پر ہم تعلیم بالغان کے میدان میں اپنے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں تو اس تعلیم کا وہ پایہ نہ خیل نہیں پاتے جس کی طرف سر سید نے اتفاقہ طور پر سرسری سے الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ لیکن آج مابعد جنگ کی دنیا میں تعلیم بالغان کی بنیادیں انھیں خطوط پر استوار ہو رہی ہیں۔ ساجزٹ اسباب بھی تعلیم بالغان کو محض کھائی پڑھائی اور کتابت سے آگے بڑھا کر اس تخیل کی سطح پر لے جانا چاہتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ سر سید کے ذہن میں ڈنمارک کے فوک اسکولوں کی تصویر موجود تھی یا وہ دہلی کے کوچوں بازاروں میں بانٹوک روس کے سے کوچہ کلب کھول دینا چاہتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کے سامنے اس طرز کی تعلیم کا ایک ایسا تخیل موجود تھا جسے ہمارے ماہرین ایک غصے تک پانہیں سکے۔ اس لکچر میں آگے چل کر انھوں نے محض تعلیم کے نہیں

۱۔ سر سید کی تعلیمی تحریک از چودھری محمد انصاور، علی گڑھ تحریک آغاز امر دہس ۲۹ء سر سید کی تعلیمی تحریک ص ۳۰

بلکہ پورے ملک کی شہادانی اور اس کے عوام کی فلاح اور یہودی کے لیے مشورے دے
ہیں ان کی رائے میں ملک کی کانوں کا امتحان ہونا چاہیے۔ حق اور فنون کے ادارے
صنعت کے کارخانے قائم کئے جائیں۔ شہر کے لیے نئے نئے نقشے اور خاکے بنائے
جائیں۔ ان میں صفائی اور روانی ہر قسم کی آسانیاں مہیا کرنی چاہئیں۔^۱

یہ کہنا صحیح ہے کہ سرسید کے ذہن میں نوین مارک کے فوک اسکول یا روس کے کوچہ کلب جیسے مخصوص
اداروں کی کوئی واضح تصویر تھی لیکن ان خیالات میں قوی تہذیب اور ملکی زندگی میں ایسے اداروں کی ضرورت
کا صاف و صحیح نقشہ ملتا ہے جس کا بنیادی مقصد ایسی تعلیمی ہم جوئی یا منصوبہ بندی کا آغاز کرنا تھا جو تقریباً
ہر سطح اور ہر درجہ میں ایک مفید، مہذب اور لائق معاشرہ کی تربیت اور تنظیم میں مدد دے۔ ایک صحت مندا
روشن خیال معاشرہ کا سب سے نمایاں وصف یہ ہوتا ہے کہ فرد اور جماعت دونوں میں خود ارادیت،
حقیقت شناسی اور ہم آہنگی حاصل کرنے کے پورے مواقع ہم پہنچائے جائیں۔ خود ارادیت کا مفہوم یہ ہے
کہ فرد اور جماعت آزادانہ مگر عاقلانہ فیصلے کرنے کی مجاز ہو۔ حقیقت شناسی کے معنی یہ ہیں کہ ہر فکر و عمل کے
امکانات کا معروضی اور بے لاگ جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کرنے کی عادت ہو اور ہم آہنگی وہ صفت ہے
جو ہمارے مقاصد اور فیصلوں میں پوشیدہ الجھنوں اور اختلافات کو دور کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس
طور پر انفرادی اور اجتماعی نفسیات کو نارمل صحت کے معیاروں کے مطابق برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہو
سرسید کی تعلیمی تحریک کے اصلی محرکات یہی خیالات تھے۔ ایک موقع پر وہ کہتے ہیں:

”دوستو! ہماری پوری پوری تعلیم اسی وقت ہوگی جب ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ
میں ہوگی۔ یونیورسٹیوں کی غلامی سے آزاد ہوگی۔ ہم آپ اپنی تعلیم کے مالک ہوں گے۔
بغیر یونیورسٹیوں کی غلامی کے ہم آپ اپنی قوم میں تعلیم پھیلانے گے۔۔۔۔۔ ہم آدمی بھی
ہوں گے جب تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔“

ان الفاظ میں تعلیم کے مسئلے پر حق خود ارادیت کے اصول کی کیسی صاف اور پرزور وکالت ملتی ہے
یونیورسٹی کی غلامی سے مراد حکومت کے عائد کردہ قواعد و ضوابط کی ناروا پابندی ہے۔ انگریزی حکومت نے جن
شرائط کے ساتھ یونیورسٹیاں قائم کی تھیں سرسید کے نزدیک وہ قومی مزاج اور تہذیب کی فطری اور اعلیٰ نشوونما

لہذا اخص ۴۳۰-۴۳۱ء کے منقول از سرسید احمد خاں، افکار و حالات، حوالہ سابق ص ۸۱ بجواب ایڈرس بقام جالندھر

کے لیے بڑی حد تک ناسازگار تھیں۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ حکومت کی سیاسی مصلحتوں کے پروردہ تعلیمی ادارے ان بنیادی قومی مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں جن کی تکمیل سے ملکی تہذیب کی فی الواقع توسیع و ترقی ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سرسید نے مغربی طرز تعلیم اور اس کے ادارے گہرا اثر لیا تھا اور وہ ان کے قائل تھے لیکن جب وہ تعلیم کو سیاست کا پابند دیکھتے اور انگریزی دور حکومت میں اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں تو وہ اس کے غیر صحت مند پہلو کو بے نقاب کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ان کا آخری جملہ کہ ہم آدمی بھی ہوں گے جب تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ ہمارے لیے کتنا بصیرت افروز ہے اور ان کی گہری فکر کی کتنی اچھی ترجمانی کرتا ہے۔ سرسید کے اس خیال کو ان کی تعلیمی افکار و تصورات میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس بات کا خاص طور سے اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ مغربی نظام تعلیم کے بہت بڑے مؤید تھے لیکن اس کا احساس کم لوگوں کو ہے کہ وہ اس نظام تعلیم کے اتنے ہی سخت ناقد بھی تھے جو انگریزی دور حکومت میں ہندوستان میں رائج کیا جا رہا تھا۔ وہ نہ صرف خود ان خطرات سے آگاہ تھے بلکہ قوم کو بھی اس سے متنبہ کرتے تھے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ ایسا تھا تو انھوں نے خود اس نظام سے مفاہمت کی روش کیوں اختیار کی تو یہ ایک علیحدہ سوال ہے جس پر آئندہ صفحات میں بحث کی جائے گی۔ سردست اتنا کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے فکر کی پابندی بھی قبول نہیں کی عمل کی پابندی پر غائبانہ مجبور تھے۔

سرسید نے قومی تعلیم کے منصوبے کی تشکیل میں آرزو مندی سے زیادہ حقیقت شناسی سے کام لیا۔ آرزو مندی بجائے خود کوئی ناپائیدہ صفت نہیں ہے۔ وہ انسانی فکر و خیال کے حدود کی مسلسل توسیع کا باعث ہوتی ہے اور اس کے عمل اور جستجو کو تب و تاب بخشتی ہے اور مجموعی طور پر حیات انسانی کی اس بنیادی صفت کو ظاہر کرتی ہے جو تمناؤں، امنگوں اور خواہوں کے ایک لائنہاں سلسلے سے عبارت ہے۔ آدمی کا شاید ہی کوئی ایسا عمل ہو جس کی قوت محرکہ یہی آرزو مندی نہ ہو۔ لیکن اگر یہ صفت زندگی کے خلفائق سے گریز اور عملی و مادی امکانات سے فرار کی صورت اختیار کر لے تو شاید انفرادی طور پر فرد کی نجات یا کمتری کا باعث ہو لیکن اجتماعی زندگی کی ترقی و کامیابی کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے شخصی زندگی بمیان اجتماعی، آرزو مندی اور حقیقت شناسی کے صحیح امتزاج ہی سے دونوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ سرسید کے فکر و عمل کا اصلی مقصد اجتماعی زندگی کو بہتر بنانا تھا۔ اس لیے انھوں نے ایک ایسا عملی بیروکرام وضع کیا جس کا مقصد قومی ترقی اور جس کی حقیقت و فائز نئی تجربات اور مشاہدات تھے جو

قوم کو اجتماعی طور پر حاصل ہوئے۔ اس طور پر سرسید کے تعلیمی تصورات میں شخصی احساسات یا ذاتی پسند یا پسند کا اتنا اظہار نہیں ملتا جتنی قوم اور معاشرہ کے اجتماعی تجربات اور فکر کی ترجمانی ملتی ہے بالفاظ دیگر قومی زندگی کے تھاق کے اجتماعی شعور کو سرسید کی شخصیت میں ذاتی عرفان کا درجہ حاصل ہو گیا۔ جب وہ یہ کہتے ہیں: تجویز اور مل ان دونوں میں ہر فرق ہے۔ تجویز ہم کو پوری اور کامل کرنا چاہئے اور اس تجویز پر عمل اسی قدر جتنا کہ وقتاً فوقتاً کر سکتے ہوں۔ لہٰذا ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تجویز کو مرتب کرنے میں ذہنی کوتاہی یا محدود فکر سے بچنا چاہئے اور ایک آزاد جامع ذہنی کاوش کو عمل میں لانا چاہئے۔ لیکن فی الحقیقت ان تجویز کے مفید مطلب ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قابل عمل ہوں۔ سرسید اصلاً عملیت پسند طرز فکر رکھتے ہیں جس کا سبب وہ گہرے ناظر تھے جو انھوں نے اپنے اس ماحول سے قبول کئے جو دراصل عمل گریز عناصر پر مشتمل تھا۔ قومی تعلیم کے بے شمار مسائل تھے۔ ان سے عہدہ برا ہونے کے لیے بے شمار تجویز تھیں۔ لیکن بے شمار وسائل تو موجود نہ تھے! اس لیے وسائل کے استعمال میں کفایت سے کام لینا تھا۔ ترجیحات قائم کرنا ضروری تھا، ورنہ وسائل کا غلط استعمال ہو سکتا تھا، جو مزید بے دلی اور بے عملی کا باعث ہوتے۔ سرسید نے ان خفائے کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ ایک موقع پر وہ کہتے ہیں:

..... پس بلحاظ امور متعلق تعلیم کے ہیں ایک شخص کو کہتا ہے کہ ذاتی جہ کی تعلیم پھیلانے کی قوم میں بڑی ضرورت ہے۔ دوسرا کہہ سکتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہ ہونے سے روز بروز تنزل ہوتا جاتا ہے۔ دونوں کا کہنا بلحاظ قوم کی حالت کے صحیح ہے اور ان کے دلائل قابل رد و قدح نہیں ہیں۔ مگر سوال یہ ہے وہ لوگ جو اس گری ہوئی قوم کو سینھانا چاہتے ہیں جو ذاتی سے اعلیٰ درجہ تک کی محتاج ہے اس کے ٹھیلے کا ان کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کیا سب چیزوں کو ایک ساتھ اختیار کرنا جن کا انجام محلات سے ہے اور قوتوں کے متفرق ہو جانے سے ایک چیز کا بھی ہونا ناممکن ہے، ہم کو مناسب ہے۔ یا کسی ایک چیز کو جو سب خرابیوں کی جڑ ہے اختیار کرنا لازم ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص بیمار ہے اور متعدد بیماریاں اس کو لاحق ہیں۔ اس طبیب کو جو اس کا معالج ہے دفعہ تمام بیماریوں کا ایک دم علاج کرنا مناسب ہے یا اول اس بیماری

نہ منقول از مسلم یونیورسٹی کے جھولے موئے اصول، مرتبہ حاجی محمد زوی خاں ص ۵۰

کا تذکرہ کرنا اس کو مناسب ہے جو مہلک ہے۔ قوم من حیث المجموع ایک شخص واحد کا حکم رکھتی ہے۔ درحقیقت اس کو بہت سی بیماریاں لاحق ہیں۔ سوال بحث طلب صرف یہی ہے کہ کون سی بیماری سب سے زیادہ سخت اور مہلک ہے جس کے علاج میں سب سے اول ہم سب کو متفق ہو کر کوشش کرنی چاہئے۔

سر سرنے قومی تعلیم کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ایک مخصوص تعلیمی پروگرام مرتب کیا تھا۔ اس تجربے سے جو نتائج اخذ کئے اس کو یوں بیان فرماتے ہیں :

کوئی قوم بہت نہیں پاسکتی جب تک کہ تعلیم اس مقدار مناسب سے اس قوم میں رائج نہ ہو اور اس مقدار مناسب کا اندازہ حسب تفصیل ذیل ہو سکتا ہے۔ ضرور ہے کہ اس قوم میں ایک گروہ مغتد بہ اعلیٰ تعلیم کا ایسا ہوجس میں سے کوئی کسی علم میں دستگاہ کامل رکھتا ہو اور اسی طرح تمام علوم کے کامل لوگ اس قوم میں موجود ہوں جن کی عقل و فہم اور سعی و کوشش سے علم و فن کی روز بروز ترقی ہو اور جن کی عقل و فہم سے ہماری قوم کو عزت و فخر ہو اور پھر ان لوگوں کی تعداد بھی ایسی ہوجن پر اطلاق السناد کا معیوم کا نہ ہو۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا گروہ متوسط درجہ تعلیم کا اس قوم میں ہونا چاہئے جو عالی درجہ مصنفوں کی علمی تصنیفات کو نہایت غماہی سے جانتا ہو اور ہر ایک دقیقہ اور باریک سے باریک اصول سے بخوبی واقف ہو۔ اور تعلیم کا اس قوم میں ہونا چاہئے جو عالی مصنفوں کی علمی تصنیفات کو نہایت عمدگی سے جانتا ہو۔ ایک دقیقہ اور باریک سے باریک اصول سے بخوبی واقف ہو۔ اور تعلیم کے ذریعہ سے وہ سب باتیں اپنی قوم کو سکھا سکتا ہو۔ اس گروہ کی تعداد اسی ہونی چاہئے کہ بخلاف قومی تعداد کے ایک مناسبت رکھتی ہو۔ اس کے بعد ادنیٰ درجہ تعلیم کا ہے۔ مگر اس میں تین قسم کے گروہوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک گروہ ایسا ہو جو کل قوم سے تو لو میں ایک مناسبت محض رکھتا ہو اور اس نے اس قدر تعلیم پائی ہو کہ خاص اپنی عقل و علم سے اپنے کاموں کو انجام دے سکے۔ اس کے بعد اس درجہ کے ایسے لوگ جو تعداد کثیر ہونے چاہئیں جو اپنے دنیوی کاموں کا انجام بخوبی تمام کر سکتے ہوں اور جو کہ لوگ محض جاہل نہیں ہوں

کے توفردان میں اس قدر علم کی روشنی ہوگی کہ جو ترقیاں علوم و فنون میں ہر روز ہوتی جاتی ہیں اس کے وسیلے سے ان سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو جسمانی محنت کرنے کی لیاقت رکھتے ہوں۔ ان میں بھی اس قدر استعداد ہونی چاہیے کہ آسان آسان کمائیں اور پہل پہل چھوٹے چھوٹے اجبار اور مذہبی مسائل کی کتابیں پڑھ سکتے ہوں۔ تھوڑا بہت اپنا مطلب لکھ لیتے ہوں۔ حساب کر سکتے ہوں۔

جن قوموں میں ان سب مراتب کے تعلیم یافتہ مناسب تعداد سے موجود نہ ہوں اس قوم کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی اور نہ دوسری قوم کی نگاہ میں وہ قوم کچھ عزت حاصل کر سکتی ہے۔ مدت سے میں نے اپنی اس رائے پر غور کیا ہے جس پر میں نہایت مضبوط ہوں.... اور میری اس رائے کی صحت ان قوموں کے حالات پر نظر کرنے سے بخوبی ثابت ہوتی ہے جو اب دنیا میں درجہ بدرجہ ترقی یافتہ موجود ہیں جن میں یہ باتیں پوری پوری پائی جاتی ہوں وہ پوری ترقی میں ہیں اور جس میں جتنی کمی ہے اتنا ہی اس میں نقصان ہے۔

اوپر کے اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بد ملک و قوم کی ہم جتنی ترقی کے لیے ہر مرحلے اور درجے میں نہ صرف مناسب تعلیمی سہولتوں کو فراہم کرنے میں غیر معمولی لچکی رکھتے تھے بلکہ وہ ہر مرحلے اور درجے کی تعلیم کی نوعیت اور اہمیت کا پورا احساس رکھتے تھے۔

میرسٹید نے اعلیٰ تعلیم خاص کو اعلیٰ انگریزی تعلیم کے جس پروگرام کو ایم۔ اے اور کالج اعلیٰ گزٹھ کے ذریعہ عملی شکل دینے کی کوشش کی اس کی تشکیل یہاں تمام تفصیلات پر تاریخی عوامل یا تمدنی احوال یا تفصیلات اس تعلیمی پالیسی کے مقاصد و اثرات کا پورا لحاظ رکھا جو ہندوستان میں انگریزوں کی عملداری کی ابتداء سے انیسویں صدی کے آخر تک کم و بیش ایک صدی کے عرصے میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ انگریزی حکومت کی اس تعلیمی پالیسی سے کیا نتائج برآمد ہوئے تھے اور فوری زندگی کے مختلف تہذیبی عناصر خاص طور سے ہندو اور مسلمان جوانی آبادی اور تاریخ کی بنا پر ملک میں بنیادی حقیقت رکھتے تھے اس سے کس طرح متاثر ہوئے تھے، سرید کو ان سے پوری واقفیت تھی۔ سرسید اور ان کے دوسرے رفقاء کے کار کو یہ معلومات دراصل سید محمود کی دستا

سے حاصل ہوئی تھی جنھوں نے اس مسئلہ کا نہایت مستند عالمانہ اور فکر انگیز مطالعہ کیا تھا جو بالآخر ان کی موکر آرا کتاب ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی تاریخ ایسی شکل میں سب کے سامنے آئی۔ سرسید کے تعلیمی تصورات کا حقیقی پس منظر وہ حالات و واقعات تھے جو اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں۔ ان حالات و حوادث کو مناسب واقفیت حاصل کیے بغیر علی گڑھ کے تعلیمی پروگرام کی صحت و صواب کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دور میں ہندوستانی باشندوں میں تعلیم کی اشاعت پر مطلق کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس بات کو مشہور برطانوی مورخ مارش مین (John Clark Marshman) نے انگلستان دارالام کی ایک سلکٹ کمیٹی کے سامنے ۱۵ جون ۱۸۵۳ء کو ان الفاظ میں بیان کیا:

"For a considerable time after the British Government had been established in India, there was great opposition to any system of instruction for the Natives. The feelings of the public authorities in this country were first tested upon the subject in the year 1792, when Mr. Wilberforce proposed to add two clauses of the Charter Act of that year, for sending out school masters to India; this encountered the greatest opposition in the court of Proprietors and it was found necessary to withdraw the clauses. On that occasion one of the Directors stated "We had just lost America from our folly, in having allowed the establishment of schools and colleges and that it would not do for us to repeat the same act of folly in regard to India, and that if the Natives required anything in the way of education, they must come to England..." In the year 1813, Parliament for the first time, ordered that the sum of 10,000/- should be appropriated to the Education of the Natives, at all the three Presidencies. In 1817, Lord Hastings, after he had broken the power of Marhattas, for the first time announced that the Government of India did not consider

1. A history of English Education in India (1781-1893) by Syed Mahmood, M.A.O. College, Aligarh ۱۹۰۶

it necessary to keep the Natives in a state of ignorance, in order to retain its power; consequent on this announcement, the Calcutta School-book Society and the Hindu College were immediately founded. Lord Hastings also gave the largest encouragement to Vernacular Education, and even to the establishment of Native news papers; but those who at that time, and for a considerable time after, enjoyed the confidence of the Government of India, were entirely in favour of confining the assistance given to Education to the Encouragement of Sanskrit and Arabic literature. This state of things continued down to the year 1835, when Lord Bantynock, acting under the advice of Mr. Macaulay and Sir Charles Trevelyan, determined to withdraw Govt. support from the Sanskrit and Arabic Institutions, and to appropriate all the funds which were at its disposal exclusively to English Education" 1.

ابتداء میں تعلیمی مسائل کی طرف اس عام بے توجہی کے باوجود کمپنی نے اپنی مخصوص ضروریات کے پیش نظر وارن ہسٹنگز کی گورنر جنرلی کے دوران سنہ ۱۸۲۷ء میں کلکتہ مدرسہ یا محمدان کالج قائم کیا جس کا مقصد عدالتوں کے لیے مفید البکار پیدا کرنا تھا اور کالج کے نصاب میں عربی فارسی یا اسلامی قانون کی تعلیم شامل تھی۔ سنہ ۱۸۷۱ء اور سنہ ۱۸۹۱ء میں کالج میں چند اصلاحات کی گئیں جن کے سبب سے نصاب میں بعض نئے مضامین کا اضافہ ہوا یعنی فلسفہ، دینیات، قانون، فلکیات، اقلیدس، حساب، منطق، قواعد وغیرہ لیکن انگریزی تعلیم کا کوئی نظام نہیں کیا گیا۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں بنارس میں انگریز رزیڈنٹ نے ہندو نسکیت کالج کے قیام کی تجویز کی جس کا مقصد ہندو فلسفہ و ثقافت کی حفاظت و توسیع سے زیادہ عدالتی افسران کی تربیت تھی۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں لارڈز نے کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو ایک نوٹ بھیجا جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایسے علوم کی تحریک کو قبول بنانے کی درخواست اور اس سے متعلق تجاویز پیش کی گئی تھیں جن پر اس وقت کوئی خاص توجہ نہیں

The History of English Education in India pp.2-3 (1)
Printed Parliamentary Papers — Second Report of
the school committee of the house of Lords 1852-53
on Indian territories, p.11,31

کی گئی! دراصل انگریزی حکومت کی باقاعدہ تعلیمی پالیسی کا آغاز سنہ ۱۸۱۳ء کے برطانوی پارلیمنٹ کے ایکٹ ۴۳ باب ۱۵۵ (Section 43 of the Act of Parliament, st, 53 Geo III, Ch. 155) سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے مطابق انگریزی حکومت نے اپنے زیر نگین علاقوں میں تعلیمی درو بست کی ذمہ داری کو بطور اصول تسلیم کیا ہے۔ پارلیمنٹ کے اس فیصلے کی کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲ جون سنہ ۱۸۱۴ء نام گورنر جنرل میں اطلاع دی اور اس کی وضاحت کی۔ اس تجویز میں ہندوستانوں کی تعلیم سے متعلق خالص تئمراری نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے اور حکومت کے ان سیاسی عزائم کی نشان دہی بھی ہوتی ہے جو وہ ہندوستان میں اپنی سیاسی قوت کو قوی تر بنانے کے لیے کرنا چاہتی تھی۔

مراسلے میں اس کا اظہار ان الفاظ میں ہوا:

"We propose in this Dispatch to convey to you our sentiment as to the mode in which it will be advisable you should proceed, and the measures it may be proper you should adopt with reference to that subject. In the consideration of it we have kept in view those peculiar circumstances of our political relation with India, which, having necessarily transferred all power and pre-eminence from Native to European Agency, have rendered it incumbent upon us, from motives of policy as well as from a principle of justice, to consult the feeling, and even to yield to the prejudices, of the Natives, whenever it can be done with safety to our dominions". 3

بقول خیر محمد اس مراسلے کے تین نکات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ اس میں صرف ہندو کے واسطے سنسکرت کے مطالعہ کے لیے خاص سہولتیں فراہم کرنے پر ساف الفاظ میں زور دیا گیا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں مسلمانوں کے مفاد و منفعت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ نہ ان کے علوم اور عربی فارسی مطالعہ کے لیے کسی انتظام کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ سوم یہ کہ اس میں انگریزی زبان کی تعلیم یا دیگر مغربی علوم کی ترویج و اشاعت کے کسی عندے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔ اس طور پر مباحصہ ہو گا کہ اس دوران میں انگریزی حکومت نے ہندوستانوں

کی باقاعدہ تعلیم کے مسئلے کو کوئی اہمیت نہ دی اور انگریزی تعلیم کے رواج اور اشاعت کیلئے بنگال میں بغض بیدار ہندوستانی حلقوں نے خود پہلی آواز اٹھائی جس کی وضاحت ریفرنڈل ڈف (Rev. A. Duff) نے ۲ جون ۱۸۵۳ء کو برطانوی دارالامرا کی ایک سلکٹ کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے ان الفاظ میں کی:

"English Education was in a manner forced upon the British Government; it did not itself spontaneously originate it. The system of English Education commenced in the following very simple way in Bengal. There were two persons who had to do with it, one was Mr. David Hare, and the other was a Native, Ram Mohan Roy ... In the beginning of 1817, the college, or rather school was opened, and it was the very first English Seminary in Bengal, or even in India, as far as I know ... The Government... did come forward and proffer its aid, upon certain reasonable terms and conditions, and it was in this way that the British Government was first brought into active participation in the cause of English Education".¹

اس کالج نے بڑی ترقی کی۔ اس کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ کلکتہ کے اعلیٰ خاندانوں نے اپنے بچوں کو بڑی خوشی سے اس کالج میں داخل کیا اور ہر طرح سے کالج کے مقصد کی ہمت افزائی کی۔ سنہ ۱۸۲۸ء میں طالب علموں کی تعداد ۳۶ تک پہنچ گئی تھی۔ کلکتہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ہندوؤں نے انگریزی تعلیم کی ترویج و ترقی سے دلچسپی اپنی شروع کر دی تھی۔ سنہ ۱۸۱۴ء میں جب گورنر جنرل بالائی صوبجات (Upper Provinces) کے دورہ پر گئے تو بنارس کے ایک شہری جے نرائن گوپال نے ان کے سامنے ایک عرضداشت پیش کی جس میں اس شہر کے اطراف میں ایک اسکول کھولنے کی درخواست کی گئی تھی اور اس کام کے لیے بیس ہزار روپے اور لازمی کی پیش کش کی۔ حکومت نے اس تجویز کی تائید کی جس کے نتیجے میں سنہ ۱۸۱۸ء میں مجوزہ اسکول قائم ہو گیا۔ اس وقت تک خود حکومت نے ہندوستانیوں کے لیے اپنی مرضی سے جدید تعلیم کا کوئی مرکز نہیں کھولا تھا بلکہ سنہ ۱۸۲۱ء میں ایک تعلیمی ادارہ کھولا بھی تو وہ کلکتہ سنسکرت کالج تھا۔ سنہ ۱۸۲۳ء

(1) History of Education in British India p.25-26, Printed Parliamentary Paper (1852-53) Second Report of the House of Lords on Indian territories pp. 48, 49.

بقابل ذکر بات یہ ہوئی کہ ہولٹ میکینزی (Holt Mackenzi) سکریٹری محکمہ علاقہ جات (territor-
ial department) کی ایک تجویز کو حکومت نے منظور کر لیا جس کے تحت ہنگال پریزیڈنسی میں تعلیم عامری ایک
مجلس (A general Committee of Public Instruction) مقرر ہوگئی اور ایک لاکھ
بیس سالانہ کی اسس رٹم کو جو حکومت کی تعلیمی سرگرمیوں کیلئے پارلیمنٹ نے سز ۱۸۱۳ء کے ایکٹ ۵۲ باب ۱۵۵ کے
بن منظور کی تھی اس کمیٹی کی تحویل اور انصرام میں ۷۷ دی۔ جیسے ہی اس کمیٹی نے اپنا کام شروع کیا اسکول بعض اہم مسئلوں سے
بھٹ ہوا۔ دسمبر ۱۸۲۳ء میں راجہ رام موہن رائے نے گورنر جنرل کے نام ایک یادداشت بھیجی جس میں کلکتہ سنسکرت کالج
قیام کی شدید مخالفت کی گئی تھی اور ہندوستانیوں کے لیے انگریزی تعلیم کی ترویج و اشاعت کو بے حد ضروری
رہا گیا تھا۔ اس یادداشت سے راجہ رام موہن رائے اور ان کے ہم خیال ہندو صاحبان کے بنیادی عصری
جانات سے آگاہی اور مستقبل کے امکانات سے گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے اس یادداشت سے بعض اقتباسات
یہ کیے جاتے ہیں :

"We find the Government are establishing a San-
skrit School under Hindu Pandits, to impart such know-
ledge as is already current in India. This Seminary
(similar in character to those which existed in Europe
before the time of Lord Bacon) can only be expected to
load the minds of youth with grammatical niceties and
metaphysical distinctions, of little or no practical
use to the possessor or to society. The pupils will
there acquire what was known two thousand years ago:
with the addition of vain and empty subtleties since
produced by speculative men, such as is already common-
ly taught in all parts of India ...

"In order to enable your Lordship to appreciate
the utility of encouraging such imaginary learning as
above characterised, I beg your Lordship will be
pleased to compare the state of science and literature
in Europe before the time of Lord Bacon with the prog-
ress of knowledge made since he wrote.

"If it had been intended to keep the British

Nation in ignorance of real knowledge the Baconian philosophy would not have been allowed to displace the system of the schoolmen which was the best calculated to perpetrate ignorance. In the same manner the sanskrit system of education would be the best calculated to keep their country in darkness, if such had been the policy of the British Legislation."¹

اس یادداشت کا حکومت کی پالیسی پر کوئی فوری اثر نہیں ہوا۔ نہ یہ سنسکرت کا بچ کے قیام میں مہاج ہوئی، لیکن اس یادداشت کو ملک کی تعلیمی تاریخ میں ہمیشہ ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل رہے گی، اس لیے کہ انیسویں صدی کی ابتدا میں یہ قدیم اور جدید ذہنی رجحانات کے درمیان نہ صرف ایک حد فاصل کا کام دیتی ہے بلکہ ہندوستانی ذہن کی مثبت اثر پذیری کا بڑا قابل قدر نمونہ پیش کرتی ہے۔ اس میں ممکن نہیں کہ راجہ رام موہن رائے کی کوششوں سے ملک کی خاص طور پر بنگال کی رائے عامہ کافی حد تک متاثر ہوئی۔

تھوڑے عرصہ بعد حکومت کو تعلیمی پالیسی پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہندوستانیوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے۔ گورنمنٹ نے مشرقی علوم کی تعلیم کے جو ادارے قائم کئے، ان سے کس قسم کے تجربات حاصل ہوئے۔ ان مسائل پر سنجیدہ بحث کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں حکومت بنگال کے نام کو رٹ آف ڈائریکٹر جنرل کلاسیکل اور فروری سنہ ۱۸۴۲ء خاص طور پر قابل ذکر ہے (اس مراسلے کے بارے میں قیاس ہے کہ یہ جیمس مل (James Mill) کا مرتب کردہ ہے جو برطانوی ہند کی تاریخ پر ایک فلسفی مورخ کا درجہ رکھتے تھے اور اس وقت انڈیا آفس میں ملازم تھے) اس میں بیان کہا گیا ہے کہ حکومت کی پالیسی کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ مشرقی علوم کی ہمت افزائی سے دیسی باشندوں کے دلوں میں حکومت کی طرف سے خوشگوار جذبات پیدا ہوں۔

دوسرے یہ کہ علوم مفیدہ کی توسیع و اشاعت ہو۔ کورٹ نے حکومت بنگال کی رائے کا اعتراف کیا ہے جس میں کہا گیا تھا کہ پہلے مقصد میں کسی حد تک کامیابی ہوئی، لیکن دوسرے میں تمام تر ناکامی۔ یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا گیا کہ دوسرے مقصد کی ناکامی انتہی شدید ہے کہ وہ شاید پہلی کامیابی کو بھی منکول کر دے، اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ خالص مشرقی تعلیم کی بجائے اب علوم مفیدہ کی اشاعت کی جائے۔ اس مراسلے کا جواب حکومت بنگال کی طرف سے اس کی تعلیم عامہ کمیٹی نے دیا، جس میں مسائل معلومہ سے متعلق طویل بحث کی گئی ہے۔

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کو اپنے تعلیمی فرائض کا زیادہ حقیقت پسندانہ احساس ہونے لگا تھا۔ باوجود ان تمام تبدیلیوں کے جو حالات و خیالات میں ہوئی تھیں، کمیٹی نے کلکتہ میں نو قائم کردہ منسکرت کالج کی تکمیل کے منصوبے کا ارادہ کیا اور ودیالہ یا ہندو کالج کی سرکاری سرپرستی قبول کی کمیٹی نے دو اور نئے کالج قائم کئے، یعنی سنہ ۱۸۲۳ء میں آگرہ کالج اور سنہ ۱۸۲۹ء میں دہلی کالج۔ ان چاروں کالجوں میں انگریزی کلاسیں بھی کھولی گئیں۔ انگریزی تعلیم کو رائج کرنے کے سلسلے میں اب حکومت کی پالیسی میں فیصلہ کن فرق اچھکا تھا جس کا واضح ثبوت کورٹ آف ڈائریکٹرز کے مراسلہ بنام حکومت بنگال مورخہ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۸۳۰ء سے ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"... and it is of the greatest importance, that...

the means should be afforded by the cultivating the English language and literature and acquiring a knowledge of European Science, and a familiarity with European ideas, in a higher degree than has yet been within their power.

"The documents now under review afford most gratifying proofs that a scheme of this extended nature would now be warmly welcome by the higher ranks of the Natives under your Government. Of the spirit which prevails in the down Provinces, the establishment and success of the Anglo Indian College is sufficient evidence. And we learn with extreme pleasure the opinion of the General Committee of Public Instruction, partly founded on the personal observation and enquiries of several of their members, that the time has arrived when English tuition will be widely acceptable to the Natives in the Upper Provinces".¹

اس مراسلے میں حکومت بنگال کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے زیر نگرانی کالجوں میں انگریزی زبان و ادب اور جدید علوم کی انگریزی زبان میں تعلیم شروع کرے اور خاص طور سے سائنس کی درسی اور بنیادی کتابوں کی مشرقی زبان میں تراجم کرانے کی داغ بیل ڈالے جس سے باشندگان ہندوستان کے ذہن میں ان

علوم جدیدہ سے رغبت پیدا ہو۔ بالفاظ دیگر سنہ ۱۸۲۰ء کے آس پاس بنگال پریزیڈنسی کے وسیع علاقے میں انگریزی حکومت کی تعلیمی پالیسی نے ایک واضح اور متعین صورت اختیار کر لی تھی اور اس پالیسی کو بڑے پیمانے پر نافذ کرنے کے کام کی ابتدا ہو چکی تھی جس کا مقصد مروجہ دیسی نظام ہائے تعلیم کی جگہ ایک سرکاری انگریزی عام تعلیم کو رائج کرنا تھا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تعلیمی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کیا جائے جو مدراس اور بمبئی کی پریزیڈنسیوں میں انجام پا رہی تھیں۔ مدراس پریزیڈنسی میں ابتدائی سوسائٹی برائے اشاعت تعلیم مسیحی (Society for Promoting Christian Knowledge) کے تحت ایک پبلشنگ مشن نے مقامات مثلاً مدراس، کٹرپور، تونجور اور تریچناپلیں دیسی باشندوں کی تعلیم کیلئے اسکول قائم کر دیے تھے۔ اس کام کے لیے سوسائٹی کو مقامی حکومت نے اور سوسائٹی کے حدود فزٹلین سے عطیات اور رقم ملتی رہتی ہیں سنہ ۱۸۸۸ء ورٹ آف ڈاکٹر گز نے سوسائٹی کو مستقل گرانٹ بلکل اراضی دینے کا فیصلہ کیا اور بطور اصول اس امر کو تسلیم کیا کہ ہر نئے اسکول کے کھولے جانے پر نفرہ گرانٹ حاصل کی جاسکتی ہے۔ انگریزی حکومت کی اس پالیسی کی ناپر مدراس یونیورسٹی میں تیزی سے بکثرت مشنری اسکول قائم ہوئے۔ حکومت کی طرف سے براہ راست پہلا قدم لانس مئیر (Thomas Munro) گورنر پریزیڈنسی نے ۲۵ جون سنہ ۱۸۲۲ء کو اٹھایا جب انھوں نے ضلع کے کلکٹروں سے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے ایک گشتی چٹھی جاری کی۔ اس چٹھی کے جوابات کی روشنی میں انھوں نے ۱۰ مارچ سنہ ۱۸۲۶ء کو اس مسئلے پر مفصل نوٹ پیش کیا جسے مدراس کونسل نے معمولی ترمیموں کے بعد تسلیم کر لیا۔ اس کی بنا پر حکومت نے علاقے کے باشندوں کی تعلیم کو پورے طور پر اپنے ہاتھوں میں لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نوٹ سے گورنر مئیر کی معاملہ فہمی اور روشن خیالی دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔

"Whatever expense Government may incur in the education of the people, will be amply repaid by the improvement of the country, for the general diffusion of knowledge is inseparably followed by more orderly habits, by increasing industry, by a taste for the comforts of life, by exertion to acquire them, and by the growing prosperity of the people. It will be advisable to appoint a Committee of Public Instruction, in order to superintend the establi-

shing of the public schools, to fix on the places most proper for them, and the books to be used in them, to ascertain in what manner the instruction of the Natives may be best promoted, and to report to Government the result of their enquiries on this important subject".1

اس فیصلے کی روشنی میں سنہ ۱۷۲۶ء میں پریزیڈنسی میں کمیٹی برائے تعلیم عامہ (Committee of Public Instruction) قائم ہو گئی جو حکومت کی تعلیمی پالیسی کے باقاعدہ نفاذ کی ذمہ دار ہوئی۔ ابتدا میں اس نے صرف ابتدائی تعلیم کے انتظام سے سروکار رکھا۔ اس لیے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اپنے مراسلے بنام حکومت مدرسہ اس مورخہ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۸۳۰ء کے ذریعہ پریزیڈنسی کی کمیٹی برائے تعلیم عامہ کو خاص ہدایات پیش کیں جن میں سب سے اہم ہدایت یہ تھی کہ کمیٹی کو چاہیے کہ اعلیٰ انگریزی تعلیم کو فروغ دینے کے پروگرام کو آگے بڑھائے اور اونچے تعلیمی مراکز کا قیام عمل میں لائے۔

ابتداء میں بمبئی یونیورسٹی میں بھی صورت حال کچھ مدرسہ جی جی تھی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے پادری ملازمین نے کچھ اسکول قائم کئے تھے جو عام طور پر (Charity Schools) کے نام سے معروف تھے۔ ان اسکولوں کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر تعلیمی سرگرمی نظر نہ آتی تھی۔ یونیورسٹی کی تعلیمی تاریخ میں پہلا قابل ذکر واقعہ ۲۹ جنوری سنہ ۱۸۵۵ء کو پیش آیا جب رضا کارانہ طور پر کمیٹی کے چند شہریوں نے جمع ہو کر ایک انجمن ناداروں کی تعلیم (Society for Promoting the Education of the Poor within the Government of Bombay) کے لیے قائم کی۔ اس سوسائٹی نے بمبئی میں ایک مندرجہ اسکول کھولا اور سنہ ۱۸۵۹ء میں شہر میں چار اور پوری مدرسے قائم کئے اور پریزیڈنسی کے اور مقامات یعنی سورت، تننا اور بھروچ میں بھی اسکول قائم کئے۔ دوسرا قابل ذکر واقعہ سنہ ۱۸۶۱ء میں پونا میں بندو کالج کا تھا جس کے لیے کمیٹی نے فوراً سوا پندرہ ہزار روپے کی سالانہ گرانٹ منظور کی۔ اس یونیورسٹی میں انگریزی حکومت کی باقاعدہ تعلیمی پالیسی کا آغ از ایم الفنسٹن (Elphinstone) گورنر بمبئی کے نوٹ مورخہ ۱۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۳ء سے ہوا۔ اس نوٹ کا مواد اور ہجہ کم و بیش یہی تھا جو گورنر منہ وکی تحریر کا تھا سوا اس کے کہ الفنسٹن نے اسکولوں کی تنظیم اور نصاب کے بارے میں زیادہ

تفصیلی غور و فکر سے کام لیا تھا۔ نئے کالجوں میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں حکومت کی بہت افزائی کے ساتھ تقاضا باشندوں کا جوش و خروش بھی شامل تھا جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب سنہ ۱۸۰۷ء میں الفٹن اپنے عہدے سے مستعفی ہونے والے تھے تو دہلی راجگان اور عائدین نے ان کی خدمت کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے چندہ کیا جس سے ایک کثیر رقم تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار روپے کی جمع ہوئی۔ اس کے استعمال کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کی مستقل آمدنی سے تین پروفیسر شہ جو مخصوص طور پر انگریزی زبان اور دیگر یورپی فنون و سائنس کے لیے ہوں قائم کی جائیں جو بعد میں الفٹن پروفیسر شہ کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایلیان بمبئی پریزیڈنسی نے اصولاً اور عملاً انگریزی تعلیم کی اشاعت و ترویج کو پورے جوش اور جذبے کے ساتھ اپنایا تھا لیکن اس دوران یعنی مارچ سنہ ۱۸۲۸ء میں حکومت کے اعلیٰ ترین حلقوں میں یعنی جان مالکم (John Malcom) گورنر بمبئی اور فرانسس وارڈن (Francis Warden) رکن کونسل کے مابین ایک اہم بحث شروع ہو گئی۔ وارڈن انگریزی زبان میں تعلیم دینے کے حوالے تھے، دوسری طرف گورنر مالکم دہلی زبان میں تعلیم دینے کی وکالت کرتے تھے۔ بالآخر اس بحث کا فیصلہ کورٹ آف ڈائریکٹرز کے مراسلہ بنام حکومت بمبئی مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۲۹ء کے مطابق انگریزی زبان میں تعلیم دینے کے حق میں ہوا۔ اس مسئلے میں بنگال پریزیڈنسی میں انگریزی تعلیم کی اشاعت میں جو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کو بطور مثال پیش کیا گیا تھا۔ اس فیصلے کا فوری نتیجہ بمبئی میں الفٹن انسٹی ٹیوشن کے قیام کی تجویز میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ نومبر سنہ ۱۸۳۰ء میں اس ادارے کے قیام کے لیے باشندگان بمبئی نے دو لاکھ پندرہ ہزار روپے چندے سے جمع کر لیا جس کو حکومت نے بہت پسند کیا اور ادارے کو ہر قسم کی مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا۔

سطور بالا سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ تینوں پریزیڈنسیوں میں حکومت نے ممتاز ہندوستانی شہریوں نے انگریزی تعلیم کے حق میں فیصلہ کر لیا تھا۔ اس طور پر ملک کے ایک بڑے حصے میں ایک نئی اور نظم تعلیمی پالیسی کا آغاز ہو چکا تھا۔ درحقیقت سنہ ۱۸۳۰ء تا سنہ ۱۸۳۵ء کا زمانہ ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کے پہلے چارٹر کی میعاد ۱۰ اپریل سنہ ۱۸۳۳ء کو ختم ہوتی تھی اور کمپنی کے نئے چارٹر پر بحث کا آغاز ہو چکا تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے کمپنی کے چارٹر کی

میں ۳۰ اپریل ۱۸۵۴ء تک توسیع کرنے کا ایکٹ ۲۸ اگست ۱۸۳۳ء کو پاس کر دیا۔ اس ایکٹ کے تحت ہندوستان میں انگریزی حکومت کی انتظامی مشینری میں بہت سی تبدیلیاں مل میں آئیں اور اسی ایکٹ کی رو سے لارڈ میکالے کو گورنر جنرل کی کونسل کا ممبر قانون مقرر کیا گیا۔ اس تقرر کا نقش سرکاری تعلیمی پالیسی پر بہت گہرا اثر ا میکالے کے تصورات کو تقریباً حکومت کے تعلیمی فلسفے کا درجہ حاصل ہوا۔ ہندوستان میں آئندہ انگریزی نویر کا نقشہ میکالے کے اس سرکاری تجویز (Minute) کے مطابق بنا جو انھوں نے ۲ فروری ۱۸۳۵ء کو پیش کیا۔ میکالے کی تجویز انیسویں صدی کے برطانوی ذہن کی بڑی وضع عکاسی کرتی ہے۔ اس وقت برطانیہ کو دنیا میں سب سے زیادہ سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جزیے اور ضلعات یورپی نو آبادیوں کو چھوڑ کر جہاں کہیں بھی ان کی حکومت ہے وہاں ان کی حیثیت غیر مہذب اقوام کو مہذب بنانے کی تالیف سے عبارت تھی۔ ہندوستان جو مختلف انقطاع، نسل و روایات کا گہوارہ اور محکوم ملک تھا وہاں اس قسم کی کوشش اور زیادہ ضروری تھی جو ایک طویل مدت تک برطانوی اقتدار کو محفوظ و مستحکم کرنے اور مغربی مسیحی تہذیب کو ہندوستانی ذہن میں نفوذ کرنے میں مدد دے۔ میکالے کے نزدیک ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک موثر انگریزی نظام تعلیم کا نفاذ اشد ضروری تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ان کی آمد سے پیشہ اس بارے میں راہ بہت کچھ ہموار ہو چکی تھی۔ اس لیے ان کو اپنے پروگرام کے نفاذ کے لیے سازگار فضائی۔ یہ بیان ملاحظہ ہو:

"How stands the case? We have to educate People who cannot at present be educated by means of their mother tongue. We must teach them some foreign language. The claims of our own language it is hardly necessary to recapitulate. It stands prominent even among the languages of the west... In India English is the language spoken by the ruling class. It is spoken by the higher class of Natives at the seats of Government... whether we look at the intrinsic value of our literature or at the strongest reason to think that, of all foreign tongues, the English tongue is that which should be the most useful to our native subjects". 1

لے ایف منس، ۵ جوالہ، Trevelyan's Life of Macaulay, Edition 1881 p.90.

آگے چل کر ایک مثال دیتے ہوئے انگریزی تعلیم کی مکمل کامیابی پر اپنے یقین کا اظہار ان الفاظ میں

کہا ہے :

"The language of western Europe civilized Russia, I cannot doubt that they will do for the Hindoo what they have done for the Tartar".¹

میکالے کے اس نوٹ ولیم بینک (William Bantick) گورنر جنرل نے اتفاق کیا اور کونسل نے ۶ مارچ ۱۸۳۵ء کو اس کی تعمیل میں ایک رزلوشن پاس کر دیا جس سے اس مسئلے کا واضح فیصلہ ہو گیا۔ رزلوشن کی خاص مدین یہ تھیں :

(الف) برطانوی حکومت کو ویسی باشندوں میں انگریزی تعلیم کی اشاعت پر پوری توجہ دینا چاہیے اور تعلیم کے لیے جو فنڈ ہے آئندہ اس کا استعمال کلیتہً انگریزی تعلیم کی ترویج پر ہونا چاہئے۔

(ب) حکومت ان مشرقی اداروں کو بند تو نہیں کرے گی جو پہلے سے قائم ہیں لیکن اب مزید ایسے ادارے کھولنے پر پابندی ہوگی۔ بہر صورت اس تعلیم کے لیے طلباء کو جو وظائف دئے جاتے تھے وہ بند کر دئے جائیں گے۔ مشرقی علوم کے کسی پروفیسر کی جگہ خالی ہوگی تو اس کی اطلاع کمپٹی کو دی جائے گی جو حالات پر غور کر کے یہ طے کرے گی کہ اس جگہ کو قائم رکھا جائے یا نہیں۔

(ج) مشرقی علوم کی کتابوں پر ایک کثیر رقم صرف ہو چکی تھی اس کے پیش نظر حکومت فیصلہ کرتی ہے کہ آئندہ سے تعلیمی فنڈ میں اس کی کوئی گنجائش نہ رکھی جائے گی۔

(د) مذکورہ اصلاحات سے جو رقم بچے گی اس کو تمام تر یورپی ادب و فنون اور سائنس کی زبان انگریزی اشاعت پر صرف کیا جائے گا۔ اس بنا پر حکومت کمیٹی کو ہدایت کرتی ہے کہ ان تمام امور پر جلد از جلد عملدرآمد کے لیے فی الفور منصوبے پیش کرے۔

ظاہر ہے حکومت کا یہ فیصلہ ایک اچانک قدم نہیں تھا۔ ہندوستانی شہریوں کی ایک بڑی تعداد یعنی ہندوؤں نے انگریزی تعلیم میں جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے گہری دلچسپی لینا شروع کر دیا تھا اور حکومت ان کے بدلتے ہوئے فکرو ذہن سے اثر پذیر ہو رہی تھی۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انیسویں صدی کی ابتدا ہی سے انھوں نے انگریزی حکومت اور انگریزی تعلیم کی تائید شروع کر دی تھی۔

جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حکومت نے انگریزی نظام تعلیم کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے میں ان کی خواہش اور نظریہ دونوں شامل تھے۔ بہر حال انگریزوں کی تعلیمی پالیسی بنیادی طور پر گہرے اور دور رس سیاسی مقاصد رکھتی تھی۔ اور درحقیقت وسیلہ تھی ہندوستانی ذہن کو مغربی تہذیب و تمدن کے متاثر و منقلب کر دینے کا۔ بظاہر مذہبی تعلیم کو سرکاری نظام تعلیم سے آزاد رکھا گیا لیکن اس سے کیا توقعات تھیں اور ان کے پورے ہونے کے کیا امکانات تھے اس کے بارے میں یہ رائے قابل توجہ ہیں:

"... although Christianity is entirely excluded from the Government Institutions, yet the instruction which is given in them has had the effect of raising the Natives infinitely above their own creed. There are few of those who have received a complete education at the Government Institutions, who do not hold the doctrines and principles of Hindoism in the most thorough contempt... although unaccompanied with religious instruction or instruction on the truths of Christianity, has produced the great effect of shaking the fabric of Hindoism to its very foundation, and that in the indirect result which has followed exertions of the Government in the cause of Education is highly satisfactory".¹

سنہ ۱۸۵۰ء سے پہلے سرکاری تعلیمی پالیسی کے پہلے دور کی تکمیل کورٹ آف ڈائریکٹرز کے ممبرانہ نام کمیٹی موزہ ۱۹ جولائی سنہ ۱۸۵۴ء کے ذریعہ ہوئی۔ یہ ممبرانہ چارلس اوڈز (Charles Woods) کا ممبرانہ تعلیم کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مطابق ہندوستان میں برطانوی نظام تعلیم ایسی مستقل بنیادوں پر قائم ہو جو معمولی رد و بدل کے ساتھ ان کے عقیدہ و حکومت میں نافذ رہا۔ یہ ممبرانہ حسب ذیل جامع تجاویز پیش کرتا ہے:

الف، تعلیمی انتظامات کے لیے ایک علیحدہ مستقل ڈیپارٹمنٹ کا قیام، ب، استادوں کی تربیت کے لیے ٹریننگ کالجوں کا قیام، ج، پریزیڈنسیوں کے صد مقامات پر یونیورسٹیوں کا قیام

- ۱۰) قائم شدہ اسکولوں اور کالجوں کی نگرانی و نگہداشت اور ان کی تعداد کو بڑھانا۔
 ۱۱) نئے مڈل اسکول کا قیام۔ ۱۲) پرائمری تعلیم کے لیے دیسی زبان کے اسکولوں کا قیام۔
 ۱۳) امدادی رقوم (Grant in aid) کی تقسیم کے لیے مناسب نظام
 اس مرحلے میں حکومت کی ہندوستانیوں کی اعلیٰ تعلیم کے اہم مقاصد کی ان الفاظ میں ترجمانی کی گئی ہے :

"... We have, by the establishment and support of the colleges, pointed out the manner in which a liberal education is to be obtained, and assisted them to a very considerable extent from the public funds. In addition to this, we are now prepared to give, by sanctioning the establishment of the wishes, full development to the highest course of education to which the Natives of India, or of any other country, can aspire and besides, by the division of University degree and distinctions into different branches, the exertions of highly educated men will be directed to the studies which are necessary to success in various active professions of life. We shall, therefore, have done as much as Government can do to place the benefits of education plainly and practically before the higher classes in India".¹

حکومت نے اپنی اس پالیسی کی پیروی بڑی تیزی سے کی اور سنہ ۱۸۵۷ء کی سیاسی اور فوجی دقتوں اور عام افرائقہری و انتشار کے مابوجود اس سال کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان یونیورسٹیوں کو یونیورسٹی آف لندن کے طرز پر قائم کیا گیا اور ان علاقوں کے کالجوں کا ان سے الحاق کر دیا گیا۔ بعد کی کم و بیش تمام دہریہ سرکاری یونیورسٹیاں انھیں یونیورسٹیوں کے نمونے پر قائم ہوئیں۔

یہ ایک اجمالی خاکہ ہے انجینیئر حکومت کی اس وقت تک کی تعلیمی پالیسی کا جب سر ہند نے اپنے تعلیمی کاموں کی ابتداء کی۔ اس متوجہ پر ایک خاص امر قابل توجہ یہ ہے کہ نئی سرکاری تعلیمی پالیسی سے مسلمانوں نے

حقیقت جماعت کوئی قابل ذکر لُچپی نہیں لی تھی یہی سبب ہے کہ وہ اس کی تشکیل میں کوئی مؤثر حصہ لینے سے قاصر رہے اور ایک پسماندہ اور بے لیاقت حیثیت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے تعلیمی مسائل سے اتنی بے تعلقی کا اظہار کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سیاسی زوال کا اصلی سبب وہ ذہنی زوال تھا جو تعلیم کی طرف سے بے توجہی کے باعث ان کی معاشرے میں عرصے سے رونما تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلم دور حکومت میں ہندوستان میں تہذیب و دانش کی ایک عظیم اور قابل قدر روایت قائم ہوئی جس کا اثر و احترام ہمہ گیر تھا اور جس سے ایک ہندو معاشرہ وجود میں آیا۔ لیکن فی نفسہ تعلیم کے میدان میں شخصی کوششوں کو جتنا دخل تھا اتنا اجتماعی یا ریاستی ارادے اور کوششوں کو نہ تھا۔ مسلم حکومتوں یا سلاطین نے علما، ادبا، اطباء، شعرا اور دوسرے ائمہ فہن اور ملک میں بے شمار ملکیتوں، خانقاہوں اور علمی اداروں کی سرپرستی کی اور ان کو بینش بہا مدد دی۔ اور اس طور پر ایک وسیع ہندوستانی تہذیب کی تعمیر کی جس نے مجموعی طور پر برصغیر میں صحت مند ہم آہنگ اور انسانیت نواز تحریکوں کی آبیاری کی لیکن ان سب کوششوں میں ایک قابل لحاظ کمی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ وقت آجانے پر انھوں نے دنیوی تعلیم سے جو تفہیم و تفسیر فطرت سے متعلق ہے اور جو مسلسل نظم اجتماعی عملی و ذہنی کاوش چاہتی ہے غفلت برتی۔ اس طور پر ایک اہم دور میں ہندوستانی تاریخ کے ترقی پذیر عمل میں فعال عنصر ہونے کے بجائے ایک مضعف عنصر بن کر رہ گئے۔ اس موقع پر کسی نظری بحث کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے صرف ان حقائق کی طرف اشارہ کرنا ہے جن سے ہندوستانی مسلمان اپنی تعلیم کے سلسلے میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں دوچار تھے اور جن کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ تاریخ نے سرسید کو سونپا۔ علی گڑھ کے تعلیمی پروگرام کا جائزہ لینے سے قبل مناسب ہوگا اگر ہم تعلیم کے میدان میں اس وقت کے مسلمانوں کی پسماندگی سے متعلق مختصر مگر حقیقت آمیز معلومات حاصل کر لیں۔

ہندوستان میں اعلیٰ مغربی تعلیم کی اشاعت سے مسلمان بالعموم کس حد تک مستفید تھے اس کو وضع کرنے کے لیے ان اعداد و شمار پر نظر رکھنا کارآمد ہوگا جو اصلاً ایک تقابلی مطالعے پر مبنی ہیں۔ سنہ ۱۸۸۱ء کے لگ بھگ برطانوی ہند میں دوڑی آبادیوں یعنی ہندو و مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے پیش نظر ان کا فیصد تناسب یہ تھا۔

ہندو ۲۵۶۶ مسلمان ۲۳۷۵ الفاظ دیگر برطانوی ہند میں مسلم ہندو تناسب ۲۳۷۵/۲۵۶۶

۱۰۳/۲۱ یعنی مسلم آبادی ایک چوتھائی سے زیادہ تھی لیکن ہندوؤں کی تعداد سے ایک تہائی سے کچھ کم تھی بلکہ

concrete form, the condition of high English Education among Mohammadans may be compared to a bank of which the assets are 546 and the debts 4,895. To put the matter shortly, the Mohammadans of India may be said to be suffering from all the evils of bankruptcy in the matter of high Education".¹

سید محمود نے اس رائے کا اظہار ان تمام سرکاری تجاویز اور کوششوں کے مطالعہ کے بعد کیا جو قسماً قسماً مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی اشاعت کے سلسلے میں کی گئیں یا الفاظ دیگر اعلیٰ انگریزی تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کوئی زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن گئی تھی جس میں ملک کے مستقبل کے لیے ناقابل اندازہ امکانات، اچھے کم سے زیادہ فہم نہ تھے۔ ان حالات میں علی گڑھ کے تعلیمی پروگرام سے کس طرح ایک مثبت عمل کا آغاز ہوا جو بعد میں ان تمام تعلیمی و تہذیبی کوششوں اور سرگرمیوں کا سرچشمہ ثابت ہوا جنہوں نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں مسلمانوں کی تہذیب و تعلیم کو بالخصوص اور ملک کی تہذیبی و تعلیمی زندگی کو بالعموم گہرے طبع پر متاثر کیا۔ آئندہ اوراق میں گفتگو کا یہی موضوع ہو گا۔



کالج میں جو تعلیمی و تہذیبی نقصان قائم ہوئی اس میں تجربہ کار غلط اور فرض شناس انگریز اسٹاف کی کوششوں کو یقیناً بڑا دخل تھا لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان میں سے بیشتر بالخصوص تھیوٹرک نے کالج میں اپنی اس حیثیت سے مسلمانوں کی سیاسی زندگی کو سرکاری مفاد و مصالح کے پیش نظر ایک نئی سمت دینے میں خاصی تلبیہ حاصل کی چنانچہ خیال ایک ورتاکہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کامیابی کا بڑا سبب یہ تھا کہ آخر میں وہ اپنے بعض خیالات کے لیے برصغیر کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن اس مسئلے پر ابھی تحقیق کی ضرورت ہے اس لیے کہ اس وقت کی چھپہ صورت حال کے بارے میں متضاد بیانات

لے ہیں اور کسی قطعی نتیجہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں خالص سیاسی پہلو ہماری بحث کا موضوع بھی نہیں ہیں۔ اصل بحث تو اس عام ماحول اور تربیت سے ہے جو طالب علموں کو کالج میں میسر تھی اور جس کا نہایت قابل قدر اثر ان نوجوان نسلوں پر پڑا جو یہاں پروان چڑھیں، کالج کی اقامتی زندگی کو دلچسپ یا معنی پرکشش اور بار آور بنانے کے لیے جو غیر معمولی پر خلوص توجہ و محنت کی گئی اور اس میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ بے مثل ہے۔

ام لے او کالج میں طالب علموں کی تربیت و تہذیب کے لیے کیا اقدامات کئے گئے اس کا ذکر حالی بول کرتے ہیں۔

” سب سے زیادہ ضرورت مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں سے اتفاق و یک جہتی و قومی ہمدری پیدا کرنے کی ہے۔۔۔۔۔ ان میں اتفاق پیدا ہونے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ان کی نسلیں اتفاق کے سلسلے میں نشوونما پائیں اور ایک مدت تک ایسی سوسائٹی میں بسر کریں جہاں مختلف خاندانوں مختلف صوبوں اور مختلف مذہبوں کے لڑکے ایک بال میں کھانا کھائیں، ایک مسجد میں نماز پڑھیں، ایک فیلڈ میں مردانہ کھیل کھیلیں اور ایک میدان میں گھوڑے دوڑائیں، ایک کلب میں ڈمیٹ کریں ایک کالج میں پڑھیں اور ایک احاطہ میں دن رات سگے بھائیوں کی طرح شیر و شکر کر رہیں اور اس طرح اتفاق کی حلاوت مال کے دودھ کی طرح ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے۔“

ریاضت جسمانی کا سامان محمدن کالج میں ہندوستان کے تمام کالجوں سے زیادہ میسر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اس لیے اس کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے کہ جو طالب علم یہاں نئے نکلیں وہ قوم میں مستعدی اور جفاکشی کی مثال ہوں اور سستی اور کالہلی جو مسلمانوں کی ایک قومی خصلت سمجھی جانے لگی ہے بجائے اس کے وہ ان میں چستی و چالاک کی بنا ڈالیں۔۔۔۔۔ وہ ہندوستان کے عام خیالات کے برخلاف جہاں ایک شخص کا سپاہی اور عالم ہونا اجتماعاً خدین سمجھا جاتا ہے، تعلیم یا مذہبی ہوں اور سپاہی بھی۔۔۔ اور حق یہ ہے کہ محض تعلیم سے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس میں دلیری اور مستعدی کا عنصر پیدا نہ ہو۔۔۔۔۔ غرض ہر ایک کام کے لیے خواص و افتاء مقرر ہیں جن میں بیماری کے سوا کبھی فرق نہیں آتا۔ لہٰذا تفصیلاً بیان کے بعد یہ اجمالی رائے قائم کرتے ہیں۔

” یہ سچ ہے کہ انگلستان کے جن کالجوں کی تقلید سے اس کالج میں تربیت کا مذکورہ بالا سامان مہیا

کیا گیا ہے ان کے مقابل میں اس کالج کو مشکل سے ایک خاک یا ایک ادھورا نمونہ ان کالجوں کا کہا جاسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انگلستان کے مذکورہ بالا کالج کتنی کتنی مدت میں موجودہ حالت تک پہنچے ہیں تو جس حد تک علمی و فنی و تمدنی کالج میں بائیس برس کے عرصہ میں پہنچ گیا ہے۔ اس سے کچھ کم تعجب نہیں ہوتا۔ انگلستان کے بڑے بڑے نامور کالج اور یونیورسٹیاں جو آج تمام یورپ میں مشہور و معروف ہیں کئی کئی سو برس تک نہایت گنتائی اور پستی کی حالت میں رہی ہیں اور جس طرح بتدریج قوم کی تعلیم بڑھتی گئی اسی طرح آہستہ آہستہ ان کی حالت ترقی کرتی گئی۔ پس ہم کو اس کالج کی موجودہ حالت پر نظر نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن اصول پر وہ قائم کیا گیا اگر انہیں اصول کے موافق ترقی کرتا چلا گیا تو پچاس ساٹھ یا برس میں کس درجہ پر پہنچ جائے گا۔^۱

سر سید نے طالب علموں کی اس ذہنی اور جسمانی تربیت کے اہم مسئلے پر گہرے غور و فکر سے کام لیا تھا اور کالج کے قائم ہونے سے پہلے اور اس کے قیام کے بعد اس کی جزئیات تک سے غیر معمولی دلچسپی لی۔ اس کا بڑا سبب وہ اثرات تھے جو ان کے ذہن پر انگلستان کے اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تربیت یا تربیت یافتہ طالب علموں کو دیکھنے کے بعد مرتب ہوئے تھے۔ اس نے ان پر یہ حقیقت پورے طور پر آشکار کر دی تھی کہ قوم کی اعلیٰ اور بہتر ترقی و نشوونما کے لیے اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند اور اعلیٰ اخلاقی صفات متصف نوجوانوں کی ایک متدبیرانہ تعداد کی مستقل و غیر منقطع موجودگی نہایت ضروری ہے۔ نوجوانوں کی تربیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”..... جس کو ہم تربیت کہتے ہیں اور جو قوم کو قوم بنانے کے لیے اسی ہے جیسے جان بدن کے لیے اور بغیر اس کے قوم کا قوم بننا محالات سے ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں تفصیل سے گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

”پچھراں سب کے ساتھ اس کا خیال رہے کہ بچھیل کود اور ورزشیں تعلیم میں اور لکھنے پڑھنے میں حاجت نہ ہوں بلکہ اس کے مدد و معاون ہوں۔ تعلیم کے ایسے سامان ہمارے چاہئیں جس سے ان کو شوق اور رغبت اور ان کے دل کو خوشی ہو اور اس میں شریک ہونے کا اور جو کچھ انھوں نے پڑھا ہے اس کو ترقی دینے کا ان کو شوق پیدا ہو۔ وخت کو صرف اپنی ہی دے جانا کافی نہیں ہے جب تک کہ اس کے پتے اور تہنیاں ہوا کے جنموں کوں سے ملتی چلتی اور لہا ہاتی ہو اے خط کو اور اس کے اجزا کو جذب کرتی نہ میں کبھی بھول نہیں

اسکے بہترین تربیت کا کنارہ روشن اور وسیع تصور پیش کیا ہے۔

”اگر ہم اپنی قوم کے نوجوانوں کی نسبت چاہتے ہیں کہ نیکی اور نیک راہ اختیار کریں تو یہ مطلب تاکید و تنبیہ سے اور ان پر قیود و الاطاع کے لگانے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پروفیسر مالین کا نہایت عمدہ قول ہے کہ کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہزار نوجوانوں کے خیالات و خواہشوں کو اپنی مرضی کا بالکل تابع کرے۔ اس طرح سے اپنا مطیع نہیں کیے جاسکتے جس طرح ایک فوجی افسر قواعد و اسباب کی ایک جماعت کو اپنے حکم کا تابع رکھتا ہے۔ اس لیے یہ ہماری خواہش ہونی چاہیے کہ ہم اپنے طلبہ کے واسطے ایسے اسباب ہیا کریں اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسی عمدہ صحبت پیدا کریں جن سے ان میں نیکی کی طرف رغبت اور بُرائی سے نفرت پیدا ہوتی رہے، پس ہم کو بچوں کی تعلیم کے لیے اور ان کے انسان بنانے کے لیے اور اپنی قوم کو قوم بنانے کے لیے ان کو دین و دنیا دونوں مقرر کرنے کے لیے ایسے سامان کا جمع کرنا اور اس طرح پر ان کو تربیت دینا لازماً ضروری ہے۔ اس موضوع پر ان کے خیالات کی بڑی اچھی ترجمانی اس پیکر سے ہوتی ہے جو انھوں نے دسمبر ۱۸۹۶ء کو مدرستہ العلوم کے طالب علموں کو دیا۔ پیکر کا آغاز اس دہشیں انداز سے ہوا۔

”..... آج میں تم کو اس کتاب سے سبق دینا چاہتا ہوں جو نہ کاغذ پر لکھی ہوئی ہے نہ کسی پریس کی چھپی ہوئی ہے نہ کسی مصنف کی بنائی ہوئی ہے بلکہ قدرت نے اپنے کامل اور فیاض ہاتھوں سے اس کو بنایا ہے۔ اس کے حروف بہت پرکار اور نجم ہیں مگر ان کا دیکھنا پڑھنا کس قدر مشکل ہے۔..... اس کے پڑھنے کے لیے اس کے کھونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمھاری آنکھ کے سامنے ہر وقت کھلی ہوئی ہے۔ اس کتاب کو تم اپنے کالج کی لائبریری یا اپنی میز کی کتابوں میں مت ڈھونڈو۔ وہ ہر وقت تمھارے پاس موجود ہے۔ وہ کتاب کیا ہو؟ خود تمھارا اور تمھارے ساتھیوں کا اس کالج میں ایک جگہ جمع ہونا ہے۔ اے عزیزو اس کتاب کا نام ہے کالج لائف یا نئی زندگی یہی اصلی کتاب ہے اور اس کا پڑھنا اور اس کا سمجھنا اصلی فائدہ اور اصلی مقصود زندگی کا اور اس کالج کا ہے۔ یہ اتفاقی زندگی کے مقاصد اور اس کے قواعد و قوانین کی وضاحت کے بعد طالب علموں کو یہ مشورہ دیا ہے۔

بورڈنگ ہاؤس ایک کل ہے قوم کو قوم بنانے کی۔ اگر اس کے پُرزے درستی سے چلتے رہیں تو وہ اپنا کام کرے گی ورنہ کسی کام کی نہیں۔ تم اس کل کے پُرزے ہوا اس لیے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہو۔

تمہارا درست اور کام کے قابل بنانا سب سے مقدم ہے..... یہ سب باتیں اس لیے ہیں کہ آپس میں محبت اور دوستی ایک دوسرے کی ہمدردی پیدا ہو جو دنیا و قوم کے قوم بننے کی ہے۔ پھر اگر تم نے اس میں قصور کیا تو تمام قوم کا مظلمہ تمہارے سر ہوگا اور تم پر افسوس ہوگا کہ جس عمارت کی تم خود اینٹ ہو اس عمارت کو تم برباد کرنا چاہتے ہو۔

اس پلک میں وہ دلچپ و اقویٰ پیش آیا جس کا ذکر مولوی عبدالحق نے کیا ہے یعنی سر سید کو علم ہو گیا تھا کہ انگریزی اسٹاف خاص طور سے پرنسپل سیک اس یونیفارم کو نہیں پسند کرتے جو سر سید نے تجویز کیا تھا یعنی ترکی ٹوپی اور کوٹ اور انگلش بوٹ۔ اس بارے میں سر سید یوں گویا ہوئے، ”ہندوستان میں بعض کوتاہ نظر مغرور اور اور کم ہیں انگریز جو ہندوستانیوں کو ذلیل رکھنا چاہتے ہیں یا ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایسی ٹوپی کوٹ اور بوٹ پہننے ہوئے جانے پر اعتراض کرتے ہیں“۔ باقی آنکھوں دیکھائیے حال تھا: ”اس آخری فقرے پر زور سے چیر رہے ہیں کہ سارا ہال گونج اٹھا، ٹریک کارنگ نئی ہو گیا اور منبر پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ اس ہال میں بیسیوں کیما سینکڑوں جلے ہوئے ہیں اور بعض بڑے اہتمام اور شان و شوکت سے ہوئے لیکن کسی جلے میں اس جوش و خروش اور زور سے تالیاں نہیں بگی لگیں جیسی اس موقع پر یہ اس کے بعد فرمایا:

جو انگریز ان باتوں میں تکرار کرتے ہیں میرے یقین میں وہ اس امر کے مانٹر ہیں کہ کبھی ہندوستانیوں اور انگریزوں میں دوستی و محبت و اخلاص کا برتاؤ نہ ہو۔ باوجود ان کوششوں کے جو میں نے مسلمانوں اور انگریزوں میں اتحاد اور دوستی پیدا کرنے کی ہیں ایسے انگریز سے جو باتوں میں کاوش کرتا ہو میں خود کبھی اس سے نہیں ملتا اور دوستی کرنا نہیں چاہتا۔ کہ

کالج میں ہونہار طالب علموں کے وظائف کے لیے خاص اہتمام کیا گیا اور سر سید نے خود اس سلسلے میں پوری قوم کو بڑی دلسوزی کے ساتھ توجہ دلائی۔ اس بارہ..... خاص میں ان کے خیالات سے پوری واقفیت حاصل کے بغیر بعض صاحبوں نے کانچ پر یہ الزام لگایا کہ وہ صرف دو تہندوں کے لوگوں کے تعلیمی ہولت فراہم کرتا تھا اس ضمن میں سر سید کی یہ رائے خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

سب سے بڑی ضرورت اس وقت قوم کی بھلائی کے لیے طالب علموں کو اخراجات تعلیم میں وظیفوں یا اسکالرشپوں سے امداد کرنا ہے۔ ایروں کے لوگوں سے بہت کم توقع ہے کہ وہ باعتبار علم و فضل کے قوم کے فخر کا

بات مہوں کے اگر کچھ توقع ہے تو اشراف خاندانوں کے لوگوں سے بے مگر افسوس سے یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ بڑا بڑا دے وہ اپنی تعلیم پوری نہیں کر سکتے۔ کالج کے پاس بجز قلیل بلکہ نہایت قلیل سرمایہ کے کوئی فنڈ اسکالرشپوں یا وظیفوں کے لیے نہیں ہے۔ ہر سال سکرٹری کو بھیک مانگنی پڑتی ہے دوستوں سے سوال کرنا پڑتا ہے کہ دوست بھی اس روز کے سوال سے تنگ ہو جاتے ہیں۔ کتابیں بیچ کر کتابوں کے بچے کی دوکان کر کے، تھپڑ میں مناجاں لگا کر، سوانگہ جھڑکچھ روپیہ اسکالرشپوں کے لیے جمع کرنا پڑتا ہے اور پھر آئندہ سال کے لیے فکر لگی رہتی ہے۔ یہاں ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں بھی ہوا ہے کہ سکرٹری اس سے زیادہ جس کی اجازت کمیٹی نے دی ہے کوئی اسکالرشپ یا وظیفہ کسی ہی ضرورت ہو دے سکے اور ان درد بھرے الفاظ میں شکوہ کرتے ہیں۔

۱۰۔ ارے صاحب تم پہلے اپنے خزانے میں اسکالرشپوں اور وظیفوں کے لیے روپیہ تو جمع کر پھر کسی کو خرچ مت کرنے دو۔

سر سید نے ملک اور قوم کے سامنے کالج کے مقاصد کی جو پیہم پر خلوص فکر انگیز تشریح کی اور جس بے باک صداقت سے اس نے کالج میں اور اس کے باہر ایک مناسب اور صحت مند تہذیبی اور تعلیمی فضا پیدا کرنے میں پیش بہامد دی۔ اس طور پر کالج ایک وسیع الشرب ذہنی تحریک کی نشوونما کا نثر و وسیلہ بنا۔ دینی تویر کے مشکل مگر عظیم اور دل کش کام کو انھوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا اور طرح طرح سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی مثلاً۔

..... جو قصہ کہ انسان میں اس کے انبائے جنس کا ہے اس سے اس کو غرض رکھنا چاہئے اور ہتھ آپس کی محبت باہمی دوستی ایک دوسرے کی اعانت ایک دوسرے کی بہمدردی ہے جس کے مجموعہ کا مقوی تہذیبی ہے یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ قوی مدنی قائم ہو سکتی ہے جو قوتی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے۔

مگر ہم کو یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہئے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے فطنی بھائی ہیں گو ہمارے ساتھ ایک کلمہ میں جس نے ہم مختلف قوتوں اور فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنایا ٹھیک نہیں ہیں مگر سب سے تمدنی امور ایسے ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں اس زمین بدوستان کی ہو یا عجب کی دکن کی ہو یا ہمالیہ کی ہم دونوں رہتے ہیں اس ملک کی ہو اسے اس ملک کے پانی

سے اس ملک کی پیداوار سے دونوں کی زندگی ہے۔ ہزاروں امور تمدن ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے ان کو اور بغیر ان کے ہم کو چارہ نہیں بے سایہ کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جز ہے اور یہی بے لگائی وسعت پلتے پلتے ہم ملکی و وطن کی وسعت تک پہنچ گئی ہے۔ ان ہم وطن بھائیوں میں بھی دو حصے ہیں ایک خدا کا اور ایک انسان کے جنس کا۔ خدا کا حصہ خدا کے لیے چھوڑنا اور جو حصہ ان میں انسان کے جنس کا ہے اس سے غرض رکھو۔ تمام امور انسانیت میں جو تمدن اور معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے مددکار رہو۔ آپس میں سچی محبت، سچی دوستی، دوستانہ بردباری رکھو کہ دونوں قوموں کو ترقی کرنے کا یہی راستہ ہے۔
ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔

”پس قوم کی اس خراب حالت نے میرے دل کو بے چین کر رکھا ہے اور میں در بدر پڑا ہوا ہوں۔ یہ یہ صد اکہتا ہوا اچھا بھلا جو بھلاؤ بھلا رہا، اپنی قوم کی خبر ورنہ تھوڑی دیر میں ایسا حال ہو جائے گا کہ تم خبر لینے جا ہو گے اور خبر لینے کے قابل بھی نہ رہو گے۔“

”قومی ترقی اور قومی عزت حاصل کرنے کے دو ذریعہ ہیں اول امن و امان ملک میں دوسرے تعلیم و تربیت قوم میں۔“

”قومی ترقی اور قومی عزت سے سرید کی کیا مراد تھی اس کی تفصیل مندرجہ ذیل اقتباس میں ملے گی۔
”میں نے..... کبھی جگہ قومی عزت کا ذکر کیا مگر میں نے یہ نہیں بیان کیا کہ عزت قومی کیا چیز ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتی ہے..... میری مراد قومی عزت سے اسی حالت کا ہونا ہے جس میں قوم درجہ بدرجہ آسودہ مال ہو۔ اکثر لوگ زیور علم و نہر و اخلاق سے آراستہ ہوں، علوم و فنون جو دنیا میں جاری ہیں، صنائع و بدائع جو روز بروز دنیا میں پھیلے جاتے ہیں اس قوم میں بھی موجود ہوں، آپس میں قوموں کا ربط و اتحاد و میل جول جو تہذیب و شائستگی کی بنیاد ہے، ملکوں کی سیاحت اور قوموں کے حالات سے واقفیت جو جرحہ تمام نیکوئیاں اور ترقیوں کا ہے اس قوم کے لوگوں میں پایا جاتا ہو منانے اور نیکی سچائی رحم و رحمت، ہمدردی و خدا پرستی جو عمدہ انسانی فضیلتوں میں ہیں ان میں بھی موجود ہوں۔ صرف دنیاوی عزت ہی قوم کو حاصل نہیں ہوگی بلکہ اپنی عزت کا باعث بھی یہی امور ہیں غور کرو کہ ہر ایک قوم کے لیے اس کا مذہب کتنا لڑا ایک روحانی معلم کے ہے اور اس مذہب کی خوبی اس کے پیروؤں کے حال کی بھلائی یا برائی سے ثابت ہوتی ہے۔۔۔۔۔“

ہوں اگر اس کے سوا کوئی اور چیز ان کو نظر آوے تو اس کو وہ کریں:

مرسید کو اپنے قومی تہذیبی ورثہ پر ناز تھا اور اپنے زمانے کی ہستی کا اس زمانے کے عروج سے مقابلہ کرتے ہیں جب اسلامی اور ہندو تہذیبیں اپنے اپنے اون کمال پر تھیں۔ اپنے ہموطنوں کی غیرت قومی کویوں جوش دلاتے ہیں۔

”ما جان یہ ملک ہندوستان ایسا ملک نہیں ہے جس میں لوگ تعلیم و علم کو نہ جانتے ہوں۔ یہ نہایت قدیم اور پرانا مقدس ملک ہے جس میں ایک قوم جو اس میں رہتی تھی ان میں بہت بڑے عالم بہت ذی رتبہ لوگ گزرے تھے جن کی زبان سنسکرت تھی جس کی خوبی اور عمدگی فوائد علوم کے لیے بالتحقیق مشہور ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ اس میں نہایت عمدہ اور نفیس کتابیں فلسفہ اور لاجب کی موجود ہیں جو ایسی نہیں ہیں کہ جن پر ملک کو کچھ کم فخر نہ ہو۔ اس کے بعد ایک زمانہ آیا جب ہم لوگ یہاں آئے۔ ہمارے باپ دادا علم میں کچھ کم شہو نہ تھے۔ شاید ہندوستان میں انھوں نے بہت کچھ نہ کیا ہو مگر ہمارے اسلاف وہ لوگ تھے جنھوں نے علم کو بہت ترقی دی۔ بعد ازاں قوطہ غرناطہ کے دارالعلوم کسی کو بھول نہ گئے ہوں گے۔ ہمارے اسلاف ہی تھے جنھوں نے پرانے یونانی علوم کو ایسی ترقی دی کہ اگر تھا بلکہ کیا جاوے تو انھوں نے ان پرانے علوم کو گویا زرہ سے آفتاب بنادیا تھا۔ یورپ اگرچہ اس زمانے میں علوم و فنون میں مشہور ہے مگر پرانی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ اسپن کے دارالعلوم نے اس کو یہ نعمت بخشی۔“

قوم کے لیے ایک ہم گیر تعلیمی پروگرام کی اہمیت کا ان کو پورا احساس تھا فرماتے ہیں:

”اے دوستو، بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اگر قوم میں سے دو چار دس پانچ شخصوں نے اپنی ذات میں جو ہر لیاقت پیدا کر لیا تو اس سے کچھ فائدہ نہیں اور قوم وحشی و نالائق ہونے کے خطاب سے بری نہیں ہو سکتی۔ اور وہ دس پانچ شخص قوم کے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ ایک سو راجا چنا بھارا نہیں بچھڑ سکتا۔ پس جب تک تمام قوم تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ نہ ہو قوم کی آسودگی اور خوش حالی نہیں ہو سکتی اور اس کی بدنامی نہیں مٹ سکتی۔“

مرسید کے ان خیالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قومی تعلیم کے مسائل پر بڑی بلند اور یکجہانہ نظر رکھتے تھے اور ایک جامع تعلیمی نظام کی ضرورت سے پورے طور پر باخبر تھے۔ ان کی فکر نے ان پر حقیقت

روشن کردی کہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہندی مسلمانوں کے لیے ایک اعلیٰ تعلیمی درس گاہ کا قیام تھا اس سلسلے میں ان کے دلائل بہت قوی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانی قومیت کے اتحاد کے لیے مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی اور سیاسی کمی کو دور کرنا نہایت ضروری تھا۔ اس کے لیے جلد سے جلد ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی جماعت پیدا کرنا لازم آتا تھا جو ملک میں عام تعلیم کی اشاعت اور ایک ہوش مند وسیع الشہ معاشرے کے قیام میں معاون ہوں۔ ان کی فکر و عمل کا ثمرہ ام لے او کا راج کی شکل میں ظاہر ہوا۔ انھوں نے یہ کام بڑے ناساعد اور صبر آزما حالات میں انجام دیئے۔ ان کی نیک نیتی و وسیع النظری اور سلامت فکر نے قومی ذہن کو بے غرضانہ طور پر متاثر ہوا۔ سرسید اپنے عہد کے تاریخی اور ترقی پذیر عناصر و عوامل کے نقیب بھی تھے داعی اور نمونہ بھی۔ ان کی لہجہ باتوں سے آج اتفاق نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اس کا تعلق ان مخصوص حالات سے تھا جو آج موجود نہیں ہیں لیکن ان کی زیادہ باتیں ایسی ہیں جو آج بھی قابل قبول ہیں اس لیے کہ وہ بنیادی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک فاضل کی یہ رائے قابل لحاظ ہے۔

”ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے دلوں کو ٹوٹے تو ان میں یہ احساس عام پایا ہے کہ آج ان کی حالت اس سے بھی بدتر ہے جتنی ۱۸۵۷ء کی چھوٹی قیامت کے بعد چھوٹی صدی تک رہی۔ یہ بات اور چیزوں کے لحاظ سے صحیح ہو یا نہ ہو اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ اس زمانے میں عام افلاس و جہالت و قدامت پرستی اور تعصب کے ساتھ ساتھ کم سے کم کچھ لوگوں میں خصوصاً سید احمد خاں اور ان کے فاضل ساتھیوں میں ان خرابیوں کا شعور اور ان کی اصلاح کی خواہش اور حوصلہ تھا۔ اور ان نے خرابیاں کم و بیش اسی طرح موجود ہیں لیکن یا تو کسی کو ان کا پوری طرح احساس نہیں یا ان کو دور کرنے کی ہمت نہیں۔

ایک نئی اور بنیادی خرابی جو مسلمانوں کی ذہنی اور اخلاقی نشوونما کے لیے ہلکا نظر آتی ہے یہ پیدا ہو گئی ہے کہ مختلف تصورات زندگی مثلاً قدیم اور جدید عقل و عقیدہ مذہب اور سائنس کا تضاد، جسے مصالحت کے ذریعہ رفع کرنے میں سید احمد خاں اور ان کے ساتھیوں کو کچھ سرکھپانا پڑا اب پہلے سے کہیں زیادہ ہیں لیکن کسی کو اس کے دور کرنے کی فکر نہیں بلکہ سچ پوچھتے تو کوئی اسے محسوس ہی نہیں کرتا۔ ایک ہی شخص مذہبی خشیت سے

کائنات کے بظہیر تصور کا قائل ہے اور علی حیثیت سے نظام کو پرنسپل کو مانتا ہے، اصولاً حکومت الہیہ کا کلر پڑھتا ہے اور واقفانہ دینی جمہوری ریاست سے تعاون کرتا جو اخلاق و معاشرت میں رزم پرستی کا مسلک اور شعور و ادب میں رندی و الحاد کا مسلک رکھتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص مخصوص تہذیب کے لحاظ سے مسلمان اور ہر لحاظ سے کیونسٹ ہے..... لے

اور ان مشکلات پر قابو پانے اور ان مسائل کو حل کرنے کے لیے نظر پڑتی ہے تو کس پر اسی سید اور ان علی گڑھ پر:

"اگر آج سید احمد خاں کے علی گڑھ سے کوئی مرد خدا ان کے خواب کی ادھوری تعبیر کو پورا کرنے کے لیے ایسی تحریک اٹھائے تو شاید اس کی اتنی شہید اور زبردست مخالفت نہ ہو جتنی آج سے تقریباً ایک صدی قبل ہوئی تھی.... لیکن کیا ارباب علی گڑھ کو اسی مرد خدا اس سوار شہب دوراں کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا چاہیے؟ ہمیں بگڑے نہیں۔ اگر ان کے دل میں سید کے سوز و محبت کی ذرا سی بھی آہ بھاتی ہے تو ان کا کام یہ ہے کہ نوجوانوں خصوصاً مسلمان نوجوانوں میں طلب حق کی لگن و محنت نظر و اداری و روشن خیالی اور اصلاح و ترقی کا جذبہ پیدا کر دیں تاکہ ایک دن ان ہی میں سے کوئی نیا سید پیدا ہو جائے اور اسے اپنی اصلاحی جم میں وہ معاون و مددگار رفیق و ہم کار بھی مل جائیں جن کے لیے سید احمد خاں تڑپتے رہے، لے

کالج قائم ہو گیا اور اس کا کام چل نکلا تو ۱۸۸۶ء میں سرسید نے محمد بن ایچکشمیش کا فرانس تو کی جس کے بارے میں حالی لکھتے ہیں۔

..... سرسید کو یہ خیال ہو کہ..... اس سے تو فی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اور ایک کالج چھ کر ڈ مسلمانوں کی تعلیم کی کفالت نہیں کر سکتا اس کے سوا مسلمانوں کی قوم جو ہندوستان کے دور دراز حصوں میں پھیلی ہوئی ہے وہ سب ایک دوسرے کی حالت سے محض بے خبر ہیں اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں کہ مختلف اصلاخ کے لوگ کسی موقع پر آپس میں

ایک جگہ جمع ہوں۔ اپنے اپنے خیالات قوی تعلیم اور قوی ترقی کی نسبت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ ہر حصہ ملک کے مسلمانوں کی ترقی یا تنزل کا حال تمام قوم کو معلوم ہوا اور مسلمان جو باوجود ایک قوم ہونے کے بجز مختلف قوموں کے ہیں ان میں قوی یگانگت اور ہمدردی پیدا ہو۔ اس بنا پر جیسا کہ سر سید نے پہلے اجلاس میں بیان کیا تھا یہ کانفرنس قائم کی گئی اور اس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو بمقام علیگڑھ ٹیٹن اینگلو اورینٹل کالج میں منعقد ہوا۔ اس کانفرنس کے مقاصد و اہم تفصیل ذیل قرار دئے گئے تھے۔

۱، مسلمانوں میں مغربی تعلیم کو اعلیٰ درجہ تک پہنچانے میں کوشش کرنا (۲) مسلمانوں کی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسے مسلمانوں کی طرف سے جاری ہوں ان میں مذہبی تعلیم کے حالات دریا کرنا اور تباہ و برباد و زوال سے اس تعلیم کے انجام پانے میں کوشش کرنا (۳) علوم مشرقی اور دینیات کی تعلیم جو علمائے اسلام جا بجا بطور خود دیتے ہیں اس کو تقویت دینا اور اس کو بدستور جاری رکھنے کی مناسب تدبیریں عمل میں لانا (۴) جو تعلیم قدیم طرز پر دی گئی مکتبوں میں جاری ہے اس کے حالات کی تفتیش کرنا اور ان میں جو تنزل پیدا ہو گیا ہے اس کی ترقی و توسیع کی تدبیریں اختیار کرنا۔ قرآن خوانی اور حفظ قرآن کے لیے جو مکتب جاری ہیں اور حرجن کو روز بروز تنزل ہوتا جاتا ہے ان کے حالات کی تفتیش کرنا اور ان کے قائم رکھنے اور اس کو قائم کرنے کی تدبیریں عمل میں لانا۔

یہ کانفرنس سر سید کی تعلیمی تحریک کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک مستقل و مستحکم جماعت ثابت ہوئی جس نے ملک کے طول و عرض میں اپنے سالانہ اجلاس منعقد کر کے ایک وسیع تعلیمی ہم چلانے میں بیش بہا مدد دی۔ کانفرنس کے ان اجلاسوں میں قوم اور ملک کے مشاہیر اور علم و فن کے کاثر کرتے اور تعلیمی مسائل پر اپنے خیالات پیش کرتے جو بخیریدہ اور صحت مندرجہ کا درجہ اختیار کرتے اور قوم کے نوائے فکر و عمل کو ہمیز کرتے۔ کانفرنس کے مقاصد اور اس کے اثرات کا ایک دلچسپ بیان نواب حسن الملک کے اس صدارتی خط میں ملتا ہے جو انہوں نے کانفرنس کے اٹھویں اجلاس میں دیا تھا۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

”..... ہمت جیتی فی نفسہ نہایت مفید بلکہ ایک قسم کی مدد ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے کی جائے

ہمارا مجمع خود نکتہ چینی کے لیے قائم ہے اور نکتہ چینی ہی اس کا اصل مقصد ہے تاکہ جو غلطی ایک کے خیال میں وہ دوسرے کے خیال سے اصلاح پاوے۔ اے صاحبو پھر ہماری کارروائیاں ہمارے مباحثے اور ہماری تجویزیں ملکیت عام ہیں۔ اور ہر ایک شخص کو اس پر بری بھلی رائے ظاہر کرنے کا حق ہے ہم ہر ایک کی بات دل سے سننے کے لیے تیار ہیں اور ہم ہر ایک نکتہ چینی پر بحیرہ مقدم کہنے کو تیار ہیں۔^۱
بعض حلقوں سے سریدار کا نفرنس کے کاموں پر سٹی اور تنگ نظر تنقید بڑی شدت سے کی جاتی تھی اس کے بارے میں فرمایا —

”صاحبو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کا نفرنس ایک مجمع ہے صرف تو تعلیم یافتہ اور نئے خیالات رکھنے والوں کا۔۔۔۔۔ اور اس کی تجویزیں صرف ایک محدود اور مختصر فرقہ کی رائے ہیں نہ عام مسلمانوں کی۔ میں اس کے جواب میں نہایت ادب سے کہتا ہوں کہ اگر کل قوم تعلیم یافتہ ہوتی اور زمانہ کی ضرورتوں سے واقف اور اپنی ترقی کے وسائل ہیا کرنے کے لائق تو ایسی کا نفرنس کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور جب خدا کی ہر بانی سے قوم کا ایک بہت بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہو جاوے گا تو وہ وقت ہوگا کام کرنے کا نہ سوچنے کا وہ زمانہ ہوگا ترقی کے قبول کے دیکھنے کا اس کے اسباب جمع کرنے کا اور رغبت دلانے کا وہ دن ہوگا مبارکباد دینے کا نہ رونے رلانے کا۔ وہ وقت ہوگا فصل کاٹنے کا اور پھل کھانے کا زمین جو تنے اور زہج بونے کا۔ ہم خود قبول کرتے ہیں کہ یہ مجمع ہے ایسے لوگوں کا جن کے خیالات نئے ہیں جو تعلیم و تربیت کا اصول سمجھتے ہیں جو قومی ترقی کی تدبیریں جانتے ہیں جن کو اپنی موجودہ حالت میں بہت کچھ اصلاح اور درستی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ مگر کوئی ہر بانی کر کے جھٹلے گا دنیا کی تاریخ میں کسی قوم نے بغیر ایسے فرقے کے ترقی کی ہے اور جب تک کہ کوئی قوم ترقی نہ کرے ایسے خیال کے لوگ کہاں کثرت سے پائے گئے ہیں؟“

لیکن جب مخالفت مناسب حدود سے متجاوز ہونے لگی تو محسن الملک کا بھی لہجہ بدلا کیسی بلند اور

بھڑپور طعنہ سے کام لیتے ہیں —

مانا کہ ہم نے مغربی علوم کا شوق دلا کر مسلمانوں کو تخراب کیا، مانا کہ ہم نے انگریزی تعلیم و تربیت کے جاری کرنے میں الحاد پھیلایا، مانا کہ ہم نے کانفرنس قائم کر کے مسلمانوں کو بھکیا مگر ہم پہنچنے کرنے والے خدا کے لیے یہ تبادیل کر انھوں نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا اور اس ڈوڑھی ہوئی فتنی کے بچانے میں کون کی کوشش کی۔ اگر ہم نے مسلمانوں کے لیے دیر و کشت بنایا، مانا کہ گناہ کیا، مگر یہ فرمایے کہ ان کا بنایا ہوا بیت المقدس کہاں ہے جہاں جا کر ہم سجدہ کریں، اگر ہم نے اپنے بھائیوں کے واسطے قومی کانفرنس قائم کی ہم قبول کرتے ہیں کہ ایک بے سود کام کیا، مگر ہمارے دوست برائے ہر بانی یہ فرمادیں کہ انھوں نے قوم کے حال پر رشتہ بڑھنے، قوم کی مصیبت پر ماتم کرنے پر کون سی مجلس بنائی ہے کہ ہم وہی جا کر نوحہ کریں اور سرپیشیں۔ ہم اگر مضر یا بے سود کام کرنے کے گناہ نگار ہیں تو قوم کو مرتے دیکھتے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔

گرد مروت گشتن و مرون گناہ من دیدن ہلاکت رحم نہ کردن گناہ کیست
گیم کہ وقت ذبح چلیدن گناہ من دانستہ دشتہ تیر نہ کردن گناہ کیست لہ

انسان کی پوری تمدنی زندگی مختلف متنوع ادوار سے عبارت ہے اور ہر دور میں اس کی مادی اور روحانی حیات بعض نئے عناصر قبول کرتی ہے تو کچھ پرانے عناصر ترک کرتی ہے۔ اس طور پر گذشتہ اور موجودہ حقیقتوں میں ایک ناہیاتی ہم آہنگ اور غیر منقطع تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس پورے عمل کا مقصود مستقبل کے وہ امکانات ہوتے ہیں جن کا استقصاء عقل انسانی لازمی طور پر ہر دور میں کرتی ہے اور جس سے اس کی فکر و عمل کی سمت و رفتار متعین ہوتی ہے۔ انسانی عقل کی اس کوشش اور جدوجہد کا دوسرا نام اس کی تعلیم ہے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ معاشرے کی مسلسل ترقی صرف ایک ترقی پذیر نظام تعلیم پر مبنی ہے جہاں ایسا نہ ہوگا انسان اور اس کے ماحول میں ایک فصل یا خلیج حائل ہوتی جائے گی جو بالآخر اس کی تمدنی زندگی کی تباہی کا باعث ہوگی۔ اس لیے کہ انسان کی غذا اس کے اپنے ماحول سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ اس ماحول سے دور یا محروم ہوگا تو غذا کہاں سے آئے گی یہ اس طور پر حقیقی معنوں میں تعلیم ایک سہی ہر انتشار

لہ ایضاً ص ۸۰

کے خلاف ایک کوشش ہے جو کہ کے خلاف اور ایک جہاد ہے جہالت و غفلت کے خلاف اور اس طرح یہ ایک عمل ہے تہذیب کے اثبات کے لیے ایک احتجاجی اعلیٰ کے لیے اور ایک غمزم ہے تیسرے فطرت کے لیے۔ تمدنی عناصر اور انسان کی فطری جبلتیں آزاد چھوڑ دی جائیں تو نتیجہ صرف اضمحلال، انتشار اور عیساں ہوگا ان سرکش قوتوں کو قابو میں رکھنا اور صحت مند و نفع بخش راستے پر ڈالنا عقل (یا توفیق) انسانی کا ولیفد بھی ہے اور اس کا شرف بھی عقل کی تربیت و تہذیب یا مقصد تعلیم سے ہوتی ہے۔ سرسید اور ان کے رفقاء کار نے جو تحریک شروع کی اور جس دانش کدے کی بنیاد رکھی اس کی کیا قدر و قیمت ہے اس کے بارے میں ملک کے ایک ممتاز مدبر اور ماہر تعلیم کی یہ رائے ہے۔

مگر یہ سچ ہے کہ جن حالات میں ان بزرگوں نے جو کام کیا جس انتشار کا سامنا تھا اس میں جس کی کوئی پامردی کا ثبوت انھوں نے دیا اپنی ہی قوم کی نادان اکثریت کی بے سمجھی اور تعصب کا جس صبر سے مقابلہ کیا۔ غلامی کی تیرگی جس طرح آزادی کا چکر رخ روشن کیا، تنگ دلی کے دور میں وسعت نظر پیدا کرنے کی جو کوشش کی، جو دہن کی عالم میں تحقیق و تفتیش کی جو طرح ڈالی تو ہم و تعصب کے مقابلے میں جس طرح عقل و دانش کو لا کھڑا کیا، ادا امت پرستی کو جو ہر نئی چیز ہرنے خیال سے بدعتی تھی جس انداز کے ساتھ یہ سبق سکھایا کہ اچھی بات کہیں سے آئے مشرق سے کہ مغرب سے کسی سے ملے۔ اپنے سے کچھ سہ، ہماری اپنی ہی کھوئی ہوئی پونجی ہے اسے اٹھا لینا اپنا لینا چاہئے۔ بے بس اور بے وسیلگی کے عالم میں جس ہمت و غمزم سے انھوں نے قوم کی فطرت پر بغرض خدمت کی ان سب باتوں کو یاد دہ کرنا اور ان پر احسان مندی کے دیکھ بھول نہ چڑھنا ٹیڑھی ہی ناشکری ہوگی۔ ہمیں یہ سب باتیں اور ان کے لیے ہمارے دل درد مندی سے پُر ہیں۔ ان عاشقان پاک دینیت کو خدا اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ بدلے میرے حالات میں اسی غمزم اور فطرت سے ہم اپنے قومی کاموں کو انجام دیں۔

سرسید کی فکر نے ان پر یہ نکتہ واضح کیا کہ قومی تہذیب کے نوال کا سب سے بڑا سبب

یہ تھا کہ عرصہ سے ہندوستانیوں میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص مقاصد قومی کا کوئی واضح اور اعلیٰ تصور ملتا تھا نہ کسی منظم اور ہم آہنگ اشتراک کی کوشش نظر آتی تھی جس کا نتیجہ وہ سیاسی اقتصادی اور اجتماعی انتظام تھا جس میں تقریباً ایک صدی سے پورا ملک گرفتار تھا۔ بدامنی اور بد حالی نے قوم کے توانے ذہنی و علمی کو کواس طرح متاثر و مآؤف کر دیا تھا کہ وہ مثبت فکر اور عمل سے محروم ہو گئے تھے یہ صورت حال غماز تھی ہندوستانی ذہن کی عام ناتربیتی، ناچٹنگی اور نارسائی کی۔ باہر کی دنیا میں علوم و فنون کو جو ترقی حاصل ہوئی تھی اس سے ہندوستانیوں کو نہ دلچسپی تھی نہ واقفیت۔ اس طور پر ان جدید ذہنی تحریکوں اور سیاسی طاقتوں کا نہ وہ احاطہ کر سکتے تھے نہ مقابلہ جن کی قوت اور اثرات اندرون و بیرون ملک بڑی تیزی سے پھیل رہے تھے۔ سرسید نے اس صورت حال سے مقابلہ کرنے کے لیے قوم کی ذہنی تربیت اور تعلیم کے کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور ملک میں امن و امان کو بحال کرنے اور رکھنے پر زور دیا۔ امن و آشتی کی حمایت میں انھوں نے جو کچھ کہا اس لیے بعض لوگ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ انگریزی حکومت کی پاسداری کرتے تھے یا سرکار پرستی کی پالیسی پر عمل پیرا تھے ایسے لوگوں کا قومی سیاست کا تصور حقیقتاً جذباتی ہے اتنا عقلی نہیں۔ جذبہ کا احترام ضرور کیا جائے گا لیکن اس کو معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ حقائق کے معروضی افہام و تفہیم کے لیے کبھی کبھی سرمنطق سے کام لینا بہتر ہوتا ہے۔ سرسید اپنے پروگرام کو کامیابی سے چلانا چاہتے تھے اور سب جانتے ہیں کہ تعلیم کا کام ایک دن میں پورا نہیں ہوتا اس کے لیے مناسب اور سازگار فضا تیار کرنا ضروری تھا۔ قومی زندگی کے ہر شعبے میں اصلاح کا کام کرنا تھا نوجوان نسل کو اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند کرنا تھا۔ قوم میں اتفاق رائے اور اتحاد مقاصد پیدا کرنا تھا کہ اس کے بغیر کوئی اجتماعی بہبود اور کامیابی کا کام پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ مغرب جو کہ مشرق اس کے ترقی یافتہ یا ترقی پذیر علوم و فنون سے روشناس کرنا تھا۔ اس بڑے کام میں ان کو اس سیاست سے کوئی مدد ملتی نظر نہ آئی جو قوم یا حکومت کو تشدد آمیز عمل پر اکسائے۔ ان کے نزدیک اچھی تعلیم سے اچھی سیاست پیدا ہوتی ہے۔ ناقص تعلیم سے صحت مند سیاست کا ظہور پانا محال تھا۔ تعلیم ہی سے قوم اور افراد دونوں میں وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو گرد و پیش کے حالات و خیالات کا مستند اور بھرپور احاطہ کرنے میں مدد ہوتی ہے۔ اس طور پر زیادہ صیح، بامعنی، اثر پذیر اور ہم گیر ذہن کی تشکیل میں معاون ہوتی ہے خود سرسید کی تعلیم پر لے کر طرز پر ہوئی تھی لیکن ان کا ذہن جدید تھا اس لیے کہ انھوں نے ان دریچوں کو

کھلا رکھا جس سے تنازعہ ہوا اور روشنی آسکتی تھی۔ چنانچہ باوجود اس کے وہ جدید علوم میں کوئی ماہر نہ دسترس نہیں رکھتے تھے انھوں نے اس روح کو پایا جو ان کے عہد کے علوم و سائنس میں کارفرما تھی اور نئی بین الاقوامی تہذیب و تمدن کی صورت میں بالیدہ ہو رہی تھی۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ملک اور قوم کو ذہنی اور عملی طور پر اس عالمگیر انسانی تحریک سے منسلک کر دیا جو آزادی، روشن خیالی، مساوات، انصاف اور جمہوریت کے فوز و فروغ سے عبارت تھی۔ اپنے ان خیالات کو وہ طرح طرح سے ذہنی نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً قومی ذہن کو مثبت خود احتسابی یا خود نگری کی تلقین کرتے ہیں تاکہ اس میں ایک نیا تعمیری نقطہ نظر پیدا ہو

”میں اس طوائف الملوکی کے زمانہ کا ذکر نہیں کرتا جو اٹھارہویں صدی میں ہندوستان

میں تھا بلکہ میں آپ کو تاریخانہ زمانہ کو یاد دلاتا ہوں جب کہ ہندوستان ایک سلطنتِ شغیہ

کی حکومت میں تھا ایک بادشاہ یا راجہ کروڑ یا مخلوق خدا پھر حکمران تھا..... تمہارے

پرانے بزرگ اس زمانہ کو بھگت چکے اور تمہارے ورے کے بزرگوں نے اس طوائف الملوکی

کے زمانے کو دیکھا بھی..... جب کبھی تمہارا دل انصاف و اخلاق کی طرف توجہ کرے گا

تو تم خود اس زمانے کے نقصانوں اور وقت کی حکومتوں کی برائیوں کا اقرار کرو گے میں

سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ کی حکومتیں مسلمانوں کی شرع کے مطابق تھیں اور ہندوؤں کے

دھرم شاستر کے مطابق البتہ زبردستی اور مردم آزاری کے قانون کی پابند تھیں۔

نئی حکومت جو انگریزوں نے قائم کی تھی اس کی طرف ہندوستانیوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے اس

بارے میں فرماتے ہیں۔

”..... تم کیسے ہی مسکین بنو اور ہاتھ جوڑو ایسی حالت میں جس میں کہ تم اب ہو کبھی

تم کو ایک عقل مند گورنمنٹ اپنا خیر خواہ نہیں سمجھ سکتی.... اگر رعایا اپنی ناراضگی کو

چھپائے اور اس کو علانیہ گورنمنٹ کے سامنے پیش نہ کرے اور دل میں رنج رکھے

اور ظاہر میں ہاتھ جوڑے تو یہ علانیہ ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ رعیت گورنمنٹ کی

خیر خواہ نہیں ہے اور اپنے اس رنج کو دور کرنے کے لیے اور کچھ فکر یا کسی توقع میں

ہے۔ پس رعیت کا ادب اور خلصانہ نیک نیتی سے اپنے تمام رنجوں کو گورنمنٹ پر

ظاہر کرنا اور اپنے تمام حقوق کا نہایت مضبوطی اور استقلال سے اپنی گورنمنٹ سے ڈھکی کرنا ایک بہت بڑا ثبوتِ غیر خواہی گورنمنٹ کا ہے۔

آپ مجھ کو معاف کیجیے میں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں ہندوستان کی رعایا کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ گھر میں بیٹھ کر گورنمنٹ کی ہزاروں شکایتیں کریں گے۔ انتظامِ حکام پر اپنے گھر میں ہلرے بنگا دیں گے جن میں سے بہت صبح اور درست بھی ہوں گے مگر جب انگریزوں سے ملیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو گورنمنٹ کے بڑے غیر خواہ ہیں اور حکام کا انتظام حدِ تعریف سے بھی بہت عمدہ ہے اور نہایت ہی خوب ہے کوئی عقل مند آدمی ایسی رعیت کو غیر خواہ نہیں سمجھ سکتا۔

یہ بات جو اوپر بیان ہوئی ہے ایک خاص زمانے کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہے لیکن اس میں جو مہول بیان ہوا ہے وہ ہر ملک کے شہریوں کی عام اخلاقی تربیت کے لیے ہر وقت مفید ثابت ہو سکتا ہے ایک اور موقع پر علامہ بن قوام کو ان کے فرائض اور اس کی بجائے اوری کے طریقوں کے بارے میں یہ رائے دی۔

..... ہم نے کئی کروڑ آدمیوں کے باہمی ارتباط اور میل جول اور علم و نہر اور مال دولت کے نہایت عمدہ فوائد کو ترقی دینے اور ان کو عمدہ عمدہ طریقوں کی رہنمائی کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا ہے۔ پس ہم کو اپنے حال کی دیکھ بھال کرنی چاہئے کہ ہماری نیت اور ہمارا ارادہ پاک صاف ہے اور ہمارا مقصود اور ہمارا انشانیک اور درست ہے اور ہماری کارروائی کے طریقے ایسے ہیں یا نہیں جو از روئے عقل اور تجربہ کے ہونے چاہئیں اور پھر ہم کو غور کرنا اور سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ ترقی ہم نے اپنے کاروبار میں کی ہے وہ کیا کی ہے اور کہاں تک کی ہے تاکہ ہم کو اپنا حال معلوم ہو کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور آئندہ کو کیا کریں گے۔

سر سید کی شخصیت ان خیالات کی عملی تفسیر تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے خود کر کے بھی دکھاتے تھے اس لیے قوم اور ملک کا انہیں جو اعتماد حاصل ہوا اور ان کی قیادت کو جیسی ہرگز مقبولیت حاصل ہوئی وہ اس عہد میں ان کے کسی ہم عصر کو مشکل ہی سے نصیب ہوئی۔ ان کے فکر و عمل میں جو صحیح مطابقت پائی جاتی ہے وہ مثالی بھی ہے۔

ہے اور حیرت انگیز بھی۔ وہ جتنے عظیم پیمانے پر کوئی منصوبہ سوچتے تھے اتنی ہی مستعدی سے اسے تمام جزئیات کا لحاظ رکھتے ہوئے انجام دینے کی یقینیت بھی رکھتے تھے ان کی اس صفت کا اعتراف و احترام کیا جاتا تھا مثلاً

"In addition to great breadth of views in question of national importance, he possesses a power of work as regards minute details which is astonishing".¹

”حقیقت آمیز، ہم آہنگ اور بامعنی فکر مجموعی طور پر تین باتوں سے تشکیل پاتی ہے۔ ایک تھاق کے صیغ علم سے دوسرے منطق کی پیروی سے اور تیسرے وقت اور موقع کے مطابق خیال یا تصور کی موجودگی سے۔ یہ تینوں عناصر چند باہم متعلق سوالات کی موجودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ پہلے کا تعلق کیا اور کیسے سے ہے دوسرے کا ایک حد تک کیوں سے ہے اور تیسرے کا اس سے کرنا ہونا چاہیے۔ سہ سید کی فکر یا خیالات کو اگر اس معیار کے مطابق جانچا جائے تو وہ بیشتر اس کے مطابق پائے جائیں گے۔ انھوں نے ہم وطنوں ملک کی صورت حال سے کہ وہ کیا اور کیسے تھی بخوبی آگاہ کیا وہ کیوں تھی اس کی انھوں نے تفصیلی اور عالمانہ وضاحت کی۔ اور یہ کہ اسے کیسے تبدیل کرنا چاہیے یعنی اس کو کو کیا ہونا چاہیے اس کے لیے گہری فکر اور پرجلوس جدوجہد سے کام لیا۔ ان کی یہ فکر اور جدوجہد مشرق سے بیزاری سکھاتی ہے۔ مغرب سے حذر۔ یہ فطرت کے اس اشار کی مانند ہے جو ہر شب کو سحر کرنا چاہتی ہے۔“

(1) The life and work of Sir Syed Ahmad Khan by G.F.I.

Graham, Hodder and Sloughton 1909, p.226

(2) Earl S. Johnson, "Ways of Knowing", Social Education,

Vol. XXVII No. 1, 1963, p. 7.

مشرق سے ہونے والا نہ مغرب سے حذر + فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر! (اقبال)

غرض سرسید نے علی گڑھ کے ذریعہ نہ صرف ایک اعلیٰ تعلیم گاہ کی بنا ڈالی بلکہ ایک ایسا مبارک و ممتاز ادارہ قائم کیا جو ملک و قوم کی مجموعی ذہنی و اخلاقی تربیت کے لیے بہت موثر و مفید ثابت ہوا۔ اعلیٰ منس مدیران قوم کی رز لائق اساتذہ کی موجودگی محبت اور مستعدی سے ہونہار اور حوصلہ مند نوجوانوں کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی نشوونما کے آزاد اور صحت مند فضا میں سر آئی اور ان کے جذبات و احساسات کی تہذیب و ترقی کے لیے سازگار ماحول وجود میں آیا جس سے قوم کی بہترین تخلیقی ذہنی صلاحیتیں اجاگر ہوئیں اور کوئی مقاصد اور ذمہ داریوں کا گہرا اد پیدا ہوا اور

”اس کا دل کس، قابل رشک اور اہم پہلو اس ہمہ گیر اور ہم آہنگ تہذیبی زندگی کی تشکیل و ترقی تھا جو ہندوستان کا دیرینہ امتیاز مانا جاتا ہے اور جس کی بنیاد پر اس ادارے کو ایک اعلیٰ درس گاہ بالفاظ دیگر تہذیبی ریاست (Culture State) کا درجہ حاصل ہوا۔ اعلیٰ گڑھ کی اس تہذیبی ریاست کا قابل قدر اور شاندار کارنامہ اس طرز فکر و طریق کار کو سمجھنا ہوں جن کی رو سے خیالات و معتقدات کا خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں جارحانہ یا منفردانہ اظہار و ابلاغ قابل نفی قرار دیا گیا۔“

اس کے پیش نظر یہ عرض کرنا شاید بے موقع نہ ہو گا کہ

• جس طرح دنیا میں ہندوستان کو جغرافیائی طور پر ایک محدود و رقبہ زمین لیکن اعلیٰ نصب العین و مقاصد کے اعتبار سے ایک عالمی ریاست (World State) کا درجہ دیتا ہوں اور اس کے مسائل کو سیاسی طور پر اندرونی و ملکی لیکن اخلاقی اعتبار سے بین الاقوامی یا آفاقی معیار کے مطابق دیکھنے اور پرکھنے پر اصرار کرتا ہوں اس طرح ہندوستان میں علی گڑھ کو جغرافیائی رو سے ایک نہایت مختصر و رقبہ زمین سمجھنے کے باوجود ثقافتی اعتبار سے اس کو سنہ ہندوستان میں سماجی انصاف پر مبنی ایک ہندو انسانیت دوست سوسائٹی کے قیام و استحکام کا بڑا موثر وسیلہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے علی گڑھ نے نشاۃ الٰہی معقول پسندی اور روشن خیالی کی ان روایات کو ابتداء سے جزیرہ رکھا اور پروان چڑھایا جن کی اہمیت ضرورت حالات حاضرہ کے پیش نظر آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔“

لے پھر جیڑ حسن نے اپنا قصہ ”از رشید احمد صدیقی۔ فکر و نظر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جولائی ۱۹۶۴ء ص ۶۶۔۶۷۔



جن حالات و حوادث کے ماتحت مدرسۃ العلوم کا قیام علی گڑھ میں عمل میں آیا ان کا ذکر گذشتہ اوراق میں
 اچکھ ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ اس کی پذیرائی ملک و قوم میں کیسی ہوئی۔ مدرسۃ العلوم کا قیام دراصل ایک وسیع سماجی
 احساس، محنت مندی سیاسی شعور اور قومی یکجہالت کا پیغام لایا اور اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس کی بنیاد ملک کے
 بدلے ہوئے حالات مغربی انداز فکر و علم و حکمت کی ترویج، مشرقی اقتدار کی تنظیم و تکمیل اور ملک کی ہمہ جہتی فلاح کے
 انصاف پر مبنی تھی۔ اس کے محرک عظیم سرسید تھے جو اپنے خاندانی وقار و روایات سیرت و شخصیت و وسیع المشرقی اور
 نو ناکوں علمی ذہنی سیاسی اور قومی خدمات کی بنا پر ہر طبقہ میں معتبر مانے جاتے تھے۔ انگریز اور انگریزی حکومت
 جو اس عہد میں حاکم کی، انہیں قضا و قدر کی حیثیت رکھتی تھی سرسید کے اعلیٰ صفات و خدمات کی ہر حال میں اور
 ہر موقع پر براہ راست تجربہ کر کے مطمئن ہو چکی تھی۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس لیے کہ اندر کے بعد انگریز اور انگریزی
 حکومت کی نظر میں مسلمانوں سے زیادہ مقہور و معصوب کوئی دوسرا نہ تھا۔ دوسری طرف خود مسلمانوں کی عام حالت
 نہایت زار و زبول تھی جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔

اس طرح سرسید کا رول نہ گناہ تھا۔ ایک طرف وہ مسلمانوں کو مایوسی پست حالی اور درماندگی سے
 نجات دلانا چاہتے تھے دوسری طرف انگریزوں کو مسلمانوں سے جو تاریخی و مذہبی عناد اور سیاسی پر خاش تھی اس
 کو دور کرنے کے لیے کوشاں تھے تیسری طرف ہم وطنوں سے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات پیدا کرنے اور
 رکھنے کے متمنی تھے سرسید کی یہ پوزیشن ایسی نہ تھی جس کو قبول کرنے کی کوئی شخص آسانی سے ہمت کر سکتا تھا۔
 انھوں نے علی گڑھ تحریک کے وسیلہ سے جو بیک وقت اور بڑی حد تک ہمارے لیے ریفرمیشن و اصلاح
 آوین اور رینا ہنسنس (راجیا علوم)، دونوں کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ سب کر دکھایا جو ان مشہور عالم تحریکوں سے

مغرب کو نصیب ہوا۔ اور ان سے ہندو انسانیت کو دور دور تک پہنچا۔

مدت العلوم کے قیام پر ملک کے وقیع اخبارات نے جو تبصرے کئے ہیں ناظرین کرام آنکھ و اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان سے اس ادارے اور اس کے بانی اعظم کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کا موقع ملے گا۔ اخبار پانچیس کے بارے میں شہور تھا کہ انگریزی حکومت میں اس کا کوئی خریدار دیہات میں بود و باش رکھتا تھا تو اس اخبار کے طفیل وہاں ایک ڈاکخانہ کھول دیا جاتا تھا۔ اقباس درج ذیل ہیں۔

پانچیس نورمہ ۸ جنوری ۱۸۷۷ء :

جو تقریب آج علی گڑھ میں منعقد ہو رہی ہے وہ اس منزل کی نشاندہی کر رہی ہے جس کی ابتدا ایک عظیم تحریک سے ہوئی جو ہندوستانی تہذیب کو ترقی دینے کے لیے آج سے پہلے کبھی نہیں کی گئی تھی اور جس کے نہایت درجہ محکم مقبول اور امید افزا ہونے میں بشپہ کی کوئی گنجائش نہیں جھٹن او نیٹل کالج کے سالار و سربراہ کار سید احمد خاں ہیں جن کا نام ان کے زیادہ سے زیادہ ہوطن ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ یاد رکھیں گے۔ لیکن اب تک ان کو شاید ہی اس امر کا احساس ہو کہ ان کی ذہنی بالیدگی اور سیاسی شعور پر سرسید کی ان خدمات کا کتنا اچھا اور اہم اثر پڑا ہے۔ اس ابھرنے ہوئے نئے کالج میں اس امر کی بشارت ملتی ہے کہ وہ اس ملک میں ایک حقیقی طاقت ثابت ہوگا۔ اور اس کی توسیع و ترقی کی ضمانت اس حقیقت میں ملتی ہے کہ اس کی نشوونما متاثرہ تربیت مغرب اور بطور خود ہوئی ہے بالفاظ دیگر یہ حکومت کا لایا اور حکام کا پروان چڑھایا ہوا کوئی بدیسی ادارہ نہیں ہے بلکہ اسی دیش کے باشندوں کی فرزانگی اور عزم و محکم کا نکل سرسید ہے۔ اس وقت جب کہ وائسرائے علی گڑھ میں اس ادارہ کی خوبی اور خدمات پر ہم تصدیق ثبت کر رہے ہوں گے اور ہر شخص کی نظر اس کے تسخیل پر مرکوز ہوگی بے محل نہ ہوگا۔ اگر ہم ناظرین کی دلچسپی کی خاطر ان حالات و اسباب کا مختصر جائزہ لیں جو ایک ایسے کالج کو معرض وجود میں لانے کا باعث ہوئے جو اس ملک میں عظیم المثال ہے۔

(1) An account of the ceremony of the laying the foundation stone of the Mohammadan Anglo Oriental College Allyghur, together with some articles on subjects connected with the movement. Printed by Wm. Jns. Dare, at the Pioneer Press Allahabad, 1877, pp. 43- 75 (Aligarh Muslim University Library)

پانچ سال ہوئے حکومت کی توجہ اس طرف مائل کر لی گئی کہ مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام خاطر خواہ نہ ہو تھا چنانچہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے یہ رزلویشن پاس کیا کہ مدراس کمیٹی اور بنگال کی مقامی حکومتوں کو ترقی کی جاتی ہے کہ وہ اس امر کی تفتیش کریں کہ مسلمان اس تعلیم سے کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے جو اسٹیٹ میسا کرتی رزلویشن میں کہا گیا تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی بڑی اور اہم جماعت جس کا کلاریسیکی ادب نہایت درجہ گراں قدر علوم کا خزینہ ہو اور جس میں ایسے علمائے ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی علم کی تحصیل و توسیع کے لیے وقف کر دی ہو جائے نظام تعلیم سے بے تعلق رہ کر اور اس میں حصہ نہ لے کر ان تمام مادی اور اجتماعی فوائد محروم رہ جائیں جن سے دوسرے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ یہ مقامی حکومتیں با اتفاق آراء انہی نتائج پر پہنچیں جن پر کہ بند کے رزلویشن کا مادہ تھا گورنمنٹ کا بچوں اور اسکولوں میں مسلمان لڑکوں کی تعداد باعتبار آنا سب نہایت قاتمی اور جہاں تک اونچی آسامیوں کا تعلق تھا ہندوستان کے بعض علاقوں میں مسلمان عہدہ داروں کی تعداد سے گرتی جا رہی تھی۔ اس غیر اطمینان بخش صورت حال کا نتیجہ تشویشناک تھا۔ ایسے ملک میں جہاں تعلیم دینے کا حکومت نے اپنے ذمہ لے رکھا ہو وہاں آبادی کا معتد بہ حصہ حکومت کے نظام تعلیم سے اپنے کو علیحدہ رکھے خود ایک ایسا سانحہ ہے جو تعلیم سے محض بے انتہائی عہدہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں میں جس طرح تعلیم کو جاری ہے۔ ان کا افلاس بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال ان کے مذہبی کمزور کو ہمیز کرتی رہتی ہے۔ مسئلہ جس تبدیلی کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں اس سے بہت غیر مطمئن ہیں اس طور پر ان پر ارباب شہداء اور بڑھگئے ہیں جن میں وہ مبتلا ہیں۔

ان تمام امور کے پیش نظر روشن خیال مبوروں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کا مقصد مسلمانان ہند پر کی بہتر توسیع و ترقی کے تدابیر پر غور کرنا تھا۔ کمیٹی کا مستقر بنارس تھا۔ کمیٹی کو ہندوستان کے مختلف حصوں آزاد خیال مسلمانوں کی نمائندگی حاصل تھی جن کی آرا اسکے ٹیری کو بھیج دی گئیں۔ کمیٹی نے تین انعامی مضامین لکھے۔ مضمون کا عنوان تھا۔ برطانوی ہند میں مسلمانوں کی تعلیم۔ زیر بحث مسائل یہ تھے تعلیم کی موجودہ حالت، زوا اسباب اور ان کو دور کرنے کی تدابیر۔ ۲۳ مقالے موصول ہوئے جس کا خلاصہ سکریٹری نے مرتب کر کے رپورٹ کے ساتھ پیش کیا۔ تفصیل یہ ہے۔

۱، مذہبی تعلیم کا فقدان۔

۲، انگریزی تعلیم سے ایمان میں خلل آتا ہے۔

۳۔ انگیزی تعلیم اخلاق شائستگی و تواضع کو مسخ کر دیتی ہے۔

۴۔ تعصب اور سو وطن پیدا کرتی ہے مثلاً انگیزی پڑھنا خلاف شرع ہے اور قانون اسلام کی رو سے ممنوع۔ گورنمنٹ کا بچوں اور اسکولوں میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے اور نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مخمڈن کا بچوں اور اسکولوں میں مسلمان معلم نہیں ہیں۔ ہندو اور عیسائی مائٹر مسلمان شاگردوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان سے سختی کا سلوک کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کا بچوں اور اسکولوں کے مائٹر بالعموم شائستہ نہیں ہوتے ان کے طور طریقے سے بدیہی ملکتی ہے اور شاگردوں کو مناسب طور پر نہیں سکھاتے پڑھاتے بدیہی زبان میں سائنس کی جو باتیں ہیں مسلمانوں کے نزدیک ان کی وقعت ان علوم کے مقابلے میں بہت کم ہے جن کی حامل ان کی اپنی کتابیں ہیں ان سائنسی علوم کے پر وقیع علم و لیاقت کے اعتبار سے کم مایہ ہوتے ہیں حکومت کا نظام تعلیم مسلمانوں کی قومی عادت و اطوار اور رسم و رواج سے متناقض ہے

۵۔ حکومت کے نظام تعلیم کے تفائل کا اظہار حسب ذیل امور میں ملتا ہے۔

تعلیم کا پورا انتظام و انصرام ہنہا ایک ڈائریکٹر کے ہاتھ میں ہے جو مسلمانوں کے جذبات کا احترام نہیں کرتا۔ مدرائے اوردورانا کا مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے جس سے طالب علموں کا ذہن اصلی مضامین سے بھٹکتا ہے۔ اساتذہ کی تعداد کافی نہیں ہوتی اور بچوں کو جس نوعیت کی تعلیم دی جاتی ہے اس سے ان طالب علموں کو بڑی دشواری پیش آتی ہے جو بعدی ہوتے ہیں۔ امتحانات کا طریقہ ایسا ہے جس سے مضامین میں ورک نہیں پیدا ہوتا بلکہ رٹ لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔ مشرقی علوم کی تعلیم کا انتظام قابل اطمینان نہیں ہے گورنمنٹ کلرلج اور اسکولوں میں ایسی کتابیں داخل نصاب ہیں جن میں اسلام سے خصوصیت کے مضامین ملتے ہیں۔ مسلم باشندوں کے عادت و اطوار کے ذیل میں بتایا گیا ہے۔

(الف) دولت مند طبقہ اپنے بچوں کو گھر پر تعلیم دیتا ہے اور ان کو گورنمنٹ کے تعلیمی اداروں میں بھیجتا اپنے منصب و منزلت کے خلاف جتنا ہے جہاں ہر طبقے کے طالب علم ملتے جلتے رہتے ہیں۔

(ب) معاش و ملکیت کی طرف سے مطمئن اور اولاد سے احمقانہ حد تک محبت رکھنے کے سبب سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو تعلیم کی حاجت نہیں۔

(ج) اونچے طبقے کے مسلمان عیاش اور متوسط درجے کے کاہل تعلیم کی طرف سے بے پروا اور نا عاقبت اندیش۔

(۵) مسلمان بالعموم انگریزوں سے دوستانہ مراسم نہیں رکھتے۔ کوئی رابطہ یا وسیلہ بھی نہیں جس سے ان میں انگریزی تعلیم مقبول ہو۔

(۶) مسلمان پیدائشی طور پر فوجی ملازمت پسند کرتے ہیں اس لیے تعلیم حاصل کرنے کی طرف کم مائل ہوتے ہیں۔
 مذکورہ کمیٹی نے اپنی ایک ٹینگ میں جو بنارس میں منعقد ہوتی تھی یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس امر کی بابت نہیں ہیں کہ صرف ایسے ذرائع اور وسائل تعین کریں جو موجودہ زمانے کے حسب حال اور اس میں قابل عمل ہوں بلکہ ان تدابیر کو بھی نظر رکھنا ہے جو موجودہ حالات سے قطع نظر مسلمانوں کے آئندہ سود و پیوہ کے حقیقی طور پر فاضل ہوں۔ چنانچہ وہ آئندہ نسلوں کے لیے ایسا ہی ایک نظام تعلیم مضبوط کرنے اور اس کے نافذ کرنے کے خیالوں اور کوشاں ہیں خواہ اس نظام کا نفاذ فی الفور نہ ہو سکے اور اس کے دروہست پر غور کر سکتے ہیں نیز ایسے حصوں کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں جو فی الوقت ممکن ہو سکیں گے اس کے بعد سب نے اس پر اتفاق کیا کہ وقت، روح، عصر، علوم، طبعی سائنس اور ان کے دریافت کئے ہوئے نتائج سب بدل چکے ہیں۔ قدیم اسلامی کتب ان کے مصنفین ان کا انداز بیان ازرب و لوجہ ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کو لازمی افکار سادگی اور سلاست کا سبق دے سکے۔ اس کے علاوہ ان کتابوں اور ان کے مصنفین میں اس کی بھی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو حقیقت حال تک پہنچانے میں مددگار ہوں بلکہ یہ لوگوں کو دھوکا دیتے اور اس امر کی یقین کرتے ہیں کہ وہ مطالب پر پردہ ڈالتے ہیں۔ خوب صورت الفاظ اور فقرہوں سے اپنی گفتار کو آراستہ کریں۔ غلط اور غیر متعلق بیانات سے کام لیں۔ چالوئی کریں غلامی کی زندگی اختیار کریں۔ ساتھیوں سے غرور خود پسندی اور بددماغی سے پیش آئیں۔ ان سے ہمدردی نہ رکھیں۔ مبالغہ آرائی سے کام لیں۔ سلف کی تاریخ کو مشکوک اور حقیقت کو افسانہ قرار دیں۔

ظاہر ہے قدیم اسلامی نظام تعلیم کے خلاف ایسے معاندانہ جذبات کے اظہار سے بیشتر مسلمانوں کو کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ کمیٹی کی مساعی کو ابتدا میں شدید مخالفت کا سامنا ہوا اور یہ کمیٹی کے اس تحمل و استقامت کا نتیجہ ہے جس سے اس نے اس مہم کا آغاز کیا تھا کہ آج ایک مٹن کالج کے متعلق وجود میں آجائے کی خبر سننے میں آ رہی ہے۔ جن اصولوں پر اس ادارے کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ ان سے متضاد ہے جن پر انگلستان کے اسکولوں کی تنظیم ہوئی ہے۔ اس کالج کا ایک پہلو جو اس کو ہندوستان کے دوسرے تعلیمی اداروں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ اس میں بیشتر طلباء کو حدود کالج کے اندر اقامتی زندگی اختیار کرنی پڑے گی۔ اس طرح وہ ان مضر اثرات سے محفوظ رہیں گے جن سے ہندوستانی گھروں کی فضالو جوان ذہنوں

تائر کرتی رہتی ہے۔ یہ پابندی کسی یورپین پریگراں نہ گزرے گی لیکن جو لوگ اس ملک کے باشندوں
 ، گھریلو زندگی سے واقف ہیں وہ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کالج کے بانیوں کو کسی دشواریوں کا سائق
 ہوگا کہ وہ والدین کو اس پر آمادہ کر سکیں کہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم گاہ میں بھیجیں جہاں قیام کی شرط لازمی
 ہے۔ اس کے بعد کمیٹی برائے ترقی و اشاعت تعلیم مسلمانان ہند محمدان اور نیشنل کالج فیڈلیٹی کے نام سے موسوم
 ہے اور اس نے اپنے تمام ساعی اس پریگراں کو دیں کہ ایک ایسے کالج کے لیے سرمایہ جمع کریں جو انگریزی اصول
 ہم کے خطوط پر قائم کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی شرقی علوم اور مسلم مذہب کی تعلیم کا بھی بندوبست ہو۔
 رے کی غایت مسلمانوں کے بہتر و برتر طبقے کے لڑکوں کو ایسی آزاد تعلیم سے بہرہ مند کرنا ہے جو انگریزی تعلیم
 پر مبنی ملازمتوں کے لیے ایک طرح کی مکمل تربیت نہ سمجھیں بلکہ ایک شریف و شائستہ شخص کے لیے لازمی
 ہے ہوں خواہ وہ شخص نسل و نسب کے اعتبار سے شرقی ہو یا نہ ہو۔ کالج کا نصاب پانچ سال کا ہوگا جس میں
 کم از کم چار سال کی مدت تعلیم شمار ہوگی۔ اس میں وہ قوفانی نصاب تعلیم کے لیے تیاری کریں گے۔ کالج
 جن مضمین کی تعلیم دی جائے گی وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ زبان — انگریزی و عربی (جس میں مسلم دینیات کا ابتدائی کورس شامل ہوگا)

۲۔ علم اخلاق — (۱) منطق، خطابت، ذہنی و اخلاقی فلسفہ، ۲۔ سیاسی معاشیات اور علم تاریخ

۳۔ مسلم قانون، اصول قانون، دینیات

یہ سارے مضامین لازمی نہیں ہیں لیکن ایسے ضوابط متفرکے رکھے ہیں جن کی رو سے طلبہ اپنی پسند
 یہ مضامین منتخب کر سکتے ہیں جس کا مدار اس عام امتحان کے نتیجہ پر ہوگا جو طالب علم کے تہذیبی صلاحیت
 پر مبنی ہو کر پڑھنے کے لیے لیا جائے گا۔ کافی بحث مباحثے کے بعد کمیٹی کے اراکین کی بھاری اکثریت کے ساتھ
 اس میں اطراف ملک سے آئے ہوئے تقریباً ساٹھ اراکین تھے یہ طے پایا کہ موزوں آئے ہو اور مسلم ضلوع
 ن مرکزی جائے وقوع کی حیثیت حاصل ہونے کے سبب سے کالج کا قیام علی گڑھ میں عمل میں آئے جن
 امات کا آج لارڈ لٹن سنگ بنا رکھیں گے۔ ان کا ایک کواڈریگل (Quadrangle) ہوگا جس میں
 تقریباً دو سو طلباء کے رہنے کے لیے کمرے ہوں گے۔ ایک مرکزی ہال ہوگا۔ لائبریری، عجائب خانہ اور کچھ کمرے لکچر
 ریلوے کے قیام کے لیے ہوں گے۔ شیعہ نئی طلبہ کے لیے مسجدوں کی تعمیر کا بھی خیال ہے۔ ایک کشادہ ہال بھی
 وگا جہاں شام کا کھانا تمام لڑکے ساتھ کھائیں گے۔ جیسا کہ انگلستان کے پبلک اسکولوں اور یونیورسٹی میں ہوتا

ہے جس آراضی پر کالج کی عمارات تعمیر ہوں گی اسے حکومت شمالی مغربی نے ایک سال ہوئے کالج کو مرحمت کر دیا ہے۔ اس رقبے کو ایک پارک کی حیثیت دی جائے گی جس میں کالج کے طلباء کے لیے کرکٹ کا میدان بھی ہوگا۔ جمن اور نیشنل کالج فنڈ کمیٹی کی مساعی تا حال بے مثل کامیابی سے ممکن ہوئی ہیں۔ بہت سے انگریز اکابر نے فرنگی سے کمیٹی کی حمایت کی ہے اور کالج فنڈ میں فیاضی سے مالی عطیات دے رہے ہیں۔ لارڈ ناتھ بروک نے دس ہزار روپے مرحمت کئے۔ ان کی تقلید میں سر ولیم میور اور سر جان اسٹریچی نے چندے مرحمت فرمائے۔ دونوں صاحبان کالج کے

حقیقی خیر اندیش ہیں۔ اہل ہند میں جو اصحاب کالج سے ہمدردی رکھتے ہیں ان میں آنجنابی مہاراجہ پتیالہ کا نام سب سے ممتاز ہے جنھوں نے اٹھاون ہزار کی گرانقدر رقم ارزانی فرمائی۔ مہاراجہ صاحبان وزیرانگرم اور بنارس سے بھی کمیٹی کو بیش قرار رقم وصول ہوئی ہیں۔ ان کی تقلید میں بہت سے ہندو اکابر نے بھی کالج کو مالی اعانت فرمائی ہے۔ مسلمانوں میں سر سالار جنگ نے کالج کی مدد فرمانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ انھوں نے وزیر کا منصب قبول فرمایا اور تیس ہزار کی جاگیر کالج کے لیے وقف کر دی ہے۔ نربانس نظام جی نے نوے ہزار کی جاگیر مرحمت فرمائی اور نواب صاحب رام پور نے جو کمیٹی کے پٹرن ہیں پچیس ہزار روپے عطا

پانیر الہ جنوری ۱۸۷۷ء :

محمدن اورینٹل کالج

وانسرائے نے سنگ بنیاد رکھا

(۱۱ جنوری ۱۸۷۷ء کے پانیر کے خصوصی نامہ نگار کے قلم سے)

علی پٹنہ۔ ۸ جنوری ۱۸۷۷ء

ہندوستان کے مسلمانوں میں جو طبقہ زیادہ ترقی یافتہ ہے اس کی ایک بڑی اہم تحریک آج محسوس و در شکل میں سامنے آرہی ہے جس کی طرف ہندوستان کے ذہین باشندوں نیز انگو انڈین جماعت و دونوں کی توفیقینی طور پر مائل ہوئی ہوگی۔ عرصے سے یہ بات تسلیم کی جا رہی ہے کہ کچھ دنوں سے ہندوستانی مسلمانوں کے طبقے میں ترقی اور روشن خیالی کا جذبہ کارفرما ہے جسے سید احمد خاں بہادر جن کا شمار ان کی جماعت کی نہا:

وجہ نامور شخصیتوں میں ہوتا ہے کی اتھک کوششوں نے ایسے نتائج سے روشناس کیا ہے جو چند سال پہلے ناممکن تصور کئے جاتے تھے اس عبق بصیرت سے جو برسرِ عمل آنے میں آتی ہی اور خلی تھی صحتی قرین صواب سید نے اس مسلمہ حقیقت کو پایا تھا کہ اگر مسلمان آبادی کو ایسی حیثیت حاصل ہونی تھی جہاں ان کی ذہنی صلاحیتوں اور فطری قوتیں پورے طور پر برسرِ کار لائی جاسکتی تھیں تو مغرب کے تعلیمی اصولوں کو قبول کرنا پڑے گا۔ اور ان موانع کی شکست و ریخت لازم آتی تھی جو ان کے موطنوں کی ترقی کے راستے میں حائل تھے کسی ایسے نظام تعلیم کے بغیر جو ایک نوجوان مسلمان کو اس قابل بنائے کہ وہ انگریز ترفیوں سے ملک کی حکومت کے تحت مناصب جلیلہ کے لیے مقابلہ کر سکے سید اس حقیقت حال سے پورے طور پر آشنا ہو چکے تھے کہ کوئی بڑا مقصد حاصل نہ ہو سکے گا اور ان کی زندگی میں ان کی بے پناہ کوشش چاہے جو کچھ کر لے ان کی ذاتی توجہ کے ختم ہوتے ہی اس کے نتائج بھی نفسِ برآک ثابت ہوں گے لیکن اگر عملِ بہم سے وہ ایک ایسا آئین نور بنے گا کہ اس کے جو عام حالات میں مسلمانوں کی پوری جماعت کی کارکردگی پرستِ قضا و براہ راست اثر انداز ہو سکتا تھا تو اس طرح کی محنت و ساسی سے قطعاً دریغ نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کا انجام بجائے خود اپنا انعام ہو گا ایک ایسی نسل کی اخلاقی و اجتماعی سطح کو بلند کرنا جس کی روایات اور تعصبات و توہمات بھی جو مغربی حکومتوں سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر تھیں، بجائے خود ایک ایسا مشکل کام تھا جس سے عہدہ برآ ہونے کی شاید ہی کوئی مشرقی ہمت کو تیا لیکن ہندوستان میں ترقی یافتہ اسلام کے قائد کو اپنے راستے پر عزم و یقین کے ساتھ آگے بڑھنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی خواہ اس کے عواقب میں کتنے ہی عجز و مصیبت کا سامنا کیوں نہ ہوتا۔ ان کے تصورات نے جو مخصوص بنیت اختیار کی وہ ایک ایسے کالج کا قیام تھا جو اپنے نظم و نہاد کے اعتبار سے انگریزی یونیورسٹیوں کا قریب ترین نمونہ ہو غیر معمولی دشواریوں اور فی الفقوں کو جھیلنے کے بعد وہ ان موانع کو شکست کرایے جن کو ان کے قدامت پرست ہم وطنوں نے قائم کر رکھے تھے تاکہ ان کے لیے او کالج کی تاسیس کا امکان و قوتیں میں آیا۔ اس تحریک کو نہ صرف سید احمد خاں کے ہم مشہدوں کی تائید حاصل رہی ہے بلکہ انسانی دوست انگریز اور مسیح انجیال بندھو بھی شریک ہیں جس سے اس ادارے کے مستقبل کے امکانات نہایت دور رس اور امید افزا معلوم ہوتے ہیں۔

یہ بلا اتفاق نہیں ہے کہ کالج اور اس کے مخصوص مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ امر نہایت وجہ قابلِ اطمینان ہے کہ اس ادارے کا سنگ بنیاد رکھنے کی جو رسم آج ادا کی جا رہی ہے

اس کی صدارت وائسرائے بنفس نفیس کر رہے ہیں اور نہ اس فلسفی کو مسلمان نہ مائندوں کی ایسی بڑی جماعت سے روشناس ہونے کا موقع ملا جن کی وفا شعار ہی ہر شبہ سے پاک ہے اور جن کی یہ آرزو کا اپنے ساتھیوں کے سوشل حالات کو بلند اور بہتر کریں کہیں خود غرضی یا نااصواب اغراض پر مبنی نہیں ہے۔

وائسرائے اسپیشل ٹرین سے ۹ بجے پٹیلے سے تشریف لائے۔ اسپیشل پریسٹر لوک سی۔ اس (ڈویز) کے کثیر مشینری سی۔ ایس (مقامی نوج) مشینری کالون (کلکٹر اور ٹریٹ) سید احمد خاں، کنور لطف علی خاں اور نائب صدر کلچرل کمیٹی اور ضلع کے سول حکام استقبال کے لیے موجود تھے۔ وائسرائے کے ساتھ لیڈی لٹریچر اور لیڈی ڈون، ڈاکٹر تھانر، نیشنل کزن برن سی۔ ایس۔ آئی ڈاکٹر بارونٹ، کپٹن راس اور کپٹن آنریبل (لے۔ ڈی۔ سینر) تھے۔ ناشتے کا انتظار سید احمد کے جلے قیام پر تھا جہاں بہت سے ہندوستانی اصحاب اور جمہور کمیٹی وائسرائے سے متعارف کرائے گئے۔ اس کے بعد وائسرائے کا چکر تشریف لائے جہاں ایک محدود تعداد ایسے طلباء کی موجود تھی جو بحال طور پر وائسرائے سے متعارف ہونے کے لیے خاص طور پر اس لیے مشتاق منتظر تھے کہ وہ مادر علمی کے اولین طالب علم تھے اس کے بعد لاڈلٹن اپنے میزبان کے مکان پر واپس آئے۔ سپرہ میں گاڑیوں میں بیٹھ کر جلوس شامیانے تک آیا جو کالج کے میدان میں نصب کیا گیا تھا۔ شامیانہ نصف کے قریب مسلمان اور دیگر اکابر سے بھر چکا تھا جن تمام افراد کو وائسرائے کے جلوس میں بوجھ کا مخصوص امتیاز حاصل تھا یہ تھے مشینری لوک، مشینری کالون، خان بہادر محمد حیات خاں سی۔ ایس۔ آئی۔ راجہ شمشور رائے سنگھ بہادر، راجہ جے کشن داس بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ رائے کشن کمار، کنور لطف علی خاں اور سید برکت علی لاڈلٹن کا استقبال سید احمد نے کیا۔ وائسرائے کے شامیانے میں داخل ہوتے ہی سارا مجمع کھڑا ہو گیا۔ دانشو ہندوستانی حضرات کی نشست تھی جو ملک کے تمام اطراف سے آئے تھے پنجاب، دکن اور وزیرین بمگال کے موجود تھے مشینری سی۔ ایس۔ مشینری اور مشینری جارج روڈ کی نشستیں پلیٹ فام پر تھیں۔ شامیانہ ٹریڈ سے آراستہ کیا گیا تھا۔ سبز پتوں سے ڈھکے ہوئے ستون اور رنگ برنگ کے لہرتے ہوئے پارچھول اور جھالیں لباس کے ساتھ طے جملہ نہایت درجہ دل آویز معام ہوتی تھیں ہر ایک کی توجہ مرکزی نشست پر جمی ہوئی جہاں سے کچھ فاصلہ پر ہندوستانی باشندوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی جو اس تقریب کا نظارہ انتہائی محویر سے کر رہی تھی۔ کالج کا رقبہ کافی وسیع ہے اور ان تمام لوگوں کی نشستوں کا معقول انتظام کیا گیا تھا۔

تقریب میں شریک ہونا چاہتے تھے میدان کے حاشیہ پر بے شمار گاریاں کھڑی تھیں جن میں کچھ ہاتھی بھی تھے جو رزق برزق عماریوں کے ساتھ اس جلسے کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔

غیر مفید کام کے اعتراف کرتے ہوئے وائسرائے اپنی نشست پر جلوہ افروز ہوئے تو سید محمود آگے بڑھے اور حسب ذیل سپاسنامہ پڑھا جس میں کالج کے قیام سے جن مقاصد کے حصول کی توقع کی گئی تھی ان کا اظہار وضا سے طے گا۔

[متذکرہ سپاسنامہ علی گڑھ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نیا نہیں ہے یوں بھی اس کے جستہ جستہ اجزاء پچھلے اوراق میں دئے جا چکے ہیں۔ اس لیے اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ پانیر کے زیر نظر شمارے میں سپاسنامہ اور اس کا جواب دونوں پورے کے پورے شائع کئے گئے ہیں البتہ سپاسنامے کے جواب سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا]

وائسرائے نے فرمایا : آپ نے اپنے ایڈرس میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی قوم اپنے مذہب کو نہ صرف ذہنی و اصولی دلائل پر مبنی سمجھتی ہے بلکہ اس کو دنیاوی تعلقات میں سب سے عمدہ اور سب سے بڑھ کر رہنا خیال کرتی ہے۔ اے صاحبو۔ میں اس قسم کے مذہبی یقین کو یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا یقین تمام سچے مذہبی یقین کی سب سے عمدہ شکل ہے کیونکہ ہر ایک مذہب کا خواہ اس کا کچھ ہی نام ہو اور اس کی کسی بھی شکل ہو۔ سب سے مانا ہوا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانی مشاغل کی دنیاوی زندگی کے مختلف فرائض میں رہنمائی کرے اور میں یقین کرتا ہوں کہ کہ آپ اس بات کے اعتراف کرنے میں ذرا دیر لگے کہ مذہب اسلام میں کوئی اصول ایسا نہیں ہے جو عالمی درجے کی دماغی ترقی کا مانع خیال کیا جاسکتا ہو مسلمانوں نے علم و نہرو سائنس کے میدان میں بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں اس قوم نے نہ صرف ایشیائی براعظم کے اس بڑے قلعہ میں ایسی بڑی بڑی و عالی شان عمارات قائم کی ہیں جن کو آج تک ایک عالم دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اور جن کی تعریف میں تمام دنیا رطب اللسان ہے بلکہ ایسے زمانے میں جب کہ یورپ کی عیسائی قوتیں اپنی جہالت کی تاریکی اور سوشل برائیوں سے منکلی ہی تھیں مسلمانوں کی قوم نے تمام جزیرہ نما آئبرن کو طب و فلسفہ و ریاضی کے دارالعلوم سے ملوکر دیا تھا اور ان علوم میں وہ تمام اپنے ہم عصروں سے بڑھے ہوئے تھے..... مگر خالق مطلق نے کسی خاص قوم کے لیے یہ بات مخصوص نہیں کر دی ہے کہ وہی ہمیشہ انسانی خیالات کو ترقی دیا کرے اور انسانی تہذیب کے نشوونما کے سامان بہم

پہنچا یا کرے۔ مغربی دنیا کی تعلیم جدید اب اس دھڑک پہنچ گئی ہے کہ وہ مشرقی دنیا کا قرض ادا کرے جو اس نے پہلے مشرقی عقل کی تعلیم جدید اب اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ وہ مشرقی دنیا کا وہ قرض ادا کرے جو اس نے پہلے مشرقی عقل و دانش و علم و تہ سے لیا تھا اور جس کی وہ شروع زمانہ سے مقروض رہی ہے۔ ہندوستان کی ملکی و تمدنی ترقی کے لیے ہم کو چاہئے کہ ہم مغربی خیالات و مغربی علوم کی تفصیل کی طرف مائل ہوں اور میں مسلمانوں کو انہی خیالات اور انہی علوم کی تفصیل کے لیے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ علمی دنیا میں نئی فتوحات حاصل کریں اور ان کو اپنے لیے اعلیٰ مقصد کی تفصیل کے لیے نئے مواقع ملیں..... مجھے اس بات کی اجازت دیجئے کہ میں سرسری طور سے یہ بتاؤں کہ وہ کون سی خصوصیات و دست ہے کہ جس سے میں اس کا بلجے کا قائل ہوں۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا سب سے بڑا مقصد جس کی وہ دلدادہ ہے یہ ہے کہ اس کی طرز حکومت کے سیدھے سادے اصول جن پر وہ مبنی ہے اعلیٰ سے ادنیٰ تک سب لوگ اچھی طرح سے سمجھ جائیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کا یہ مقصد اس وقت تک پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ انگریزی نظام سیاست کے اصول نہ صرف ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہو جائیں بلکہ ایسی خیالات میں بھی پیوست ہو جائیں..... میں آپ سے اظہار بہرہ دہی و صدق دل سے آپ کو مبارکباد دے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ خیال نہ فرمائے کہ میں آپ کی اس بڑی کامیابی پر صرف آپ ہی کو مبارکباد دیتا ہوں بلکہ تمام ملک و تمام سلطنت کو مبارکباد دیتا ہوں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی یہ کامیابی اسی طرح کی دوسری سرگرمیوں کے لیے بھی جو نہ صرف ذہنی شائستگی کو بھیلانے بلکہ جو سب سے بڑی چیز ہے یعنی ذہنی شائستگی کی قدر و قیمت کو جاننے اور پہچاننے کے حق میں ہوں گی ان کے لیے بھی نہایت سونے مند و مرک ثابت ہوگی.... میں نہایت خوشی کے ساتھ آپ کی اس مسرت بخش تجویز کو قبول کرتا ہوں کہ آپ میرے نام کی یادگار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک کتاب خانہ جو آپ میرے نام سے منسوب کرنا چاہتے ہیں سب سے مناسب ہو سائی ہے۔ اگر ان میں کسی شخص کو دخل ملے یہ دنیا کے معزز ترین خیر خواہوں کی ایک جماعت ہوتی ہے تمام زمانہ کے عقل مند اور نیک لوگ یہاں رہتے ہیں۔ اس جگہ وہ لوگ رہتے ہیں جو اس دنیا میں رہنے کے قابل

(1) Addresses and speeches relating to the M.A.O. College in Aligarh from its foundation in 1875 to 1898 (Dec. 24. 1898) Institute Press Aligarh (Maulana Azad Library Aligarh) page 35.

ہیں۔ ہند میں ایک ایسی عمارت کی بنیاد رکھنے میں کہ جس میں ایسے بڑے بڑے لوگوں کی توہ اور روز افزوں ہوتی رہے گی اپنی بڑی خوش نصیبی خیال کرتا ہوں !

[اس کے بعد ہنر کاسلنی نے سنگ بنیاد رکھا اور وہ تمام رسوم عمل میں آئیں اور آداب بجالائے گئے جو ایسے موقعوں پر ملحوظ رکھے جاتے ہیں رشکریہ کے بعد میں بجے دن کو واکسٹرائے اور پارٹی ریلوے اسٹیشن آئے اور اگر وہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ پانیر کے نامزد نگار نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن یہاں اس کا سن و عن نقل کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ اسی دن شب میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں جو ڈنر دیا گیا اور تقریریں ہوئیں ان کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں ڈنر:

محمد ن کالج کمیٹی نے شب میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں ڈنر دیا جس میں کمیشن رائٹ نمائندہ ہو گئے تھے مسلمان اور برہمن جہانوں کی تعمیر و آبادی تھی کنور لطف علی خاں صدر اور راجہ سید باقر علی خاں نائب صدر تھے۔ سید احمد خاں اور خاں بہادر محمد حیات بھی موجود تھے۔ پہلا ٹوسٹ ”ملکہ معظہ ہند اور ہندوستان میں برطانوی حکمرانی کی کامرانی“ کا تھا۔ کمیٹی کے صدر کی طرف سے سید محمود نے دوران تقریر فرمایا کہ ایک ایسے ملک میں جو انگلستان سے اتنے دور دراز فاصلے پر واقع تھا جیسا کہ ہندوستان ہے وہاں کے باشندے اپنے متحکمہ میں اپنے فرماں روا کا قطعی تصور نہیں قائم کر سکتے تھے بائیںہ اس کے بہت سے وجوہ ہو سکتے ہیں کہ جنھوں نے ملکہ معظہ کو نہیں دیکھا تھا وہ ملک سے وہی محبت و عقیدت رکھتے ہوں جنھوں نے ان کو بار بار دیکھا ہو (میر بیر) ایسے لوگ ملکہ معظہ کا تصور اس حیرت انگیز اور بہتر طرز حکومت سے کر سکتے ہیں جس کے طفیل ملک سربراہ اور مرفہ الحال ہے اور وہ خوشی اور امن و چین نصیب ہے جو اسے صدیوں سے میر نہ تھے (میر بیر) جہاں تک ٹوسٹ کے بعد ذکر حصے کا تعلق ہے یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ مسلمان ذہن میں ہندوستان میں برطانوی حکومت اور ملکہ معظہ کی ذات خاص کا تصور ایک اور یکساں ہیں طویل عرصے تک وہ محکومی کی زندگی بسر کر چکے ہیں۔ انگریزی حکومت کے عہد الوہن سے ہندوستان کے باشندے بالخصوص مسلمان انگریزوں سے وہ سوشل روابط قائم نہ کر سکے جو ان کو یقیناً کرنا چاہئے تھا۔ میر بیر اس ناقابل اطمینان صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں۔ مسلسل مباحثوں کے دوران

(1) "A Library is the 1st society to which any man could be admitted; for it is an assemblage of the worlds greatest benefactors - the wise and good of all ages - here live those who are worthy to live."

اکثر انھوں نے یہ سنا کہ دونوں قوموں میں مغائرت کا سبب یہ تھا کہ خیالات و تصورات کے اعتبار سے انگریز علیحدگی پسند واقع ہوئے تھے۔ مقرر نے اپنے انگریز دوستوں سے یہ بھی سنا تھا کہ ہندوستانی باشندے ایسے تعصبات اور جذبات رکھتے تھے جو انگریزوں سے ملنے میں مانع آتے تھے۔ خود مقرر کا خیال تھا کہ اس ناقابل اطمینان صورت حال کا سبب یہ تھا کہ مسلمان مناسب تعلیم و تربیت سے نا آشنا تھے (میر بہر) جس کا دل کالنگ بنا دیا آج رکھا گیا ہے اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس غیر اطمینان بخش صورت حال کا ازالہ ہو۔ اور خود دوسرے کافر مانا یہ ہے کہ اس کے ازالہ سے ہم آس بین الاقوامی موانع کو دور کر سکیں گے جو انگریزوں اور مسلمان قوموں کے راستے اور روابط میں حائل ہیں۔ مقرر نے فرمایا کہ ان کو اس کا پوری طور پر یقین تھا کہ فی الوقت یہ روابط برا نام ہی کیوں نہ ہوں۔ ہندوستان میں انگریز اور مسلمان جماعتوں میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہے جو ایک دوسرے کو ساتھی و رعایا سمجھتے ہیں اور ان میں کوئی ایک بھی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ ایک دوسرے پر بھکرنی کرتا تھا (میر بہر) اور ان کو اس پر اعتماد تھا کہ یہ رشتہ کہ دونوں ایک بادشاہ کی رعایا ہیں، ایک ہی قانون کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اور مشعل لائف کے یکساں خواہ ابط کے پابند ہیں (اس لیے کہ معاشرہ ملک کے قانون کا پابند نہیں ہے) دراصل ہماری زندگی پر کہیں زیادہ اثر انداز ہوتا ہے یہ نسبت اس کے کہ دونوں نسلوں کے افراد کے شخصی طور پر ملتے کیا اور کیسے ہیں (میر بہر) فاضل مقرر نے فرمایا میرے دوستوں اور اکیں کبھی خاص طور پر صدے دلوں میں جو جذبات موجزن ہیں ان کا اظہار میں نے کتنا ہی ناکافی حد تک کیوں نہ کیا ہو مجھے امید ہے یہ جام اسی گرم جوشی سے انگریز حاضرین نوش فرمائیں گے جس سے کہ ہندوستانی اس میں مشہور ہو جائیگا نام شامل کرتا ہوا یہ جام صحت و فاشعاری کے بر ملا اظہار کے ساتھ نہایت گرم جوشی سے نوش کیا گیا۔

جواب میں مشہور نے مختصر الفاظ میں اس امر کا اظہار کیا کہ ان کا کئی سال سے ہندوستان میں قیام تھا انھوں نے یہاں نہ صرف امن و امان کا زمانہ دیکھا تھا بلکہ وہ اس دورے بھی گزرے ہیں جب یہ خطہ ہمارا بیجان کی گرفت میں تھا۔ انھوں نے اپنے مسلمان دوستوں کو دیکھا تھا کہ کس طرح انھوں نے ملک میں امن و فراغت قائم رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ خطرے میں ڈال دیا تھا یہاں تک کہ جان سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ان کو اس امر کا اعتراف کرنے میں تاہل نہ تھا کہ مسلمانوں سے زیادہ نہ کوئی اور ملک مظلوم و فاشعار تھا۔ اس امر خواستگار کہ ان کے ساتھی راحت و عافیت کی زندگی سے ہم کنار رہیں۔ میری درخواست اور تجویز یہ ہے کہ ہم "مٹلن اینڈ گارنٹیل کالج" کی ترقی اور کام رانی کا جام صحت نوش کریں جس کے ساتھ صدر اور اراکین کٹی۔

کے نام نامی بھی شامل ہوں۔

ٹوسٹ نوش کیا گیا دیر محمد دوبارہ اس عذر کے ساتھ تقریر کرنے کھڑے ہوئے کہ صدر انگریزی زبان سے آشنا نہ تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ نئے کانجی کی تاسیس کا تمام مداران چند روشن خیال مسلمانوں کی مساعی کا نتیجہ تھا جنہوں نے نہ صرف ملک کے موجودہ سیاسی حالات کا خاص طور پر مطالعہ کرنے کی زحمت اٹھائی تھی بلکہ جی کی نظر سلطنت کی گذشتہ تاریخ پر بھی تھی۔ ان کو اس امر کا علم تھا جیسا کہ ہر غور و فکر کرنے والے مسلمان کو ہونا چاہئے تھا کہ جس وقت دہلی میں سب سے بڑے بادشاہ کی حکمرانی تھی، جب اس کے دربار کے شوکت و شمت کا شہرہ عالمگیر تھا جب جہانگیر حق پسند شاہجہاں شاندار اور اکبر عظم کہلاتا تھا اس وقت کی بہترین حکومت بھی ہندوستان کے موجودہ نظامِ نسق کے مقابلہ میں سچی تھی۔ جو صاحبان اس حقیقت سے آگاہ نہ تھے کہ یہ صرف اس امن و امان کا فیضان تھا جسے انگریز قوم نے روشناس کر لیا تھا۔ سفر اور سیاحت کے وہ سائل و مسائل تھے جسے مشین نے ملک کو تفویض کئے تھے اور ان لوگوں کی دل سوزی اور زیر نشی تھی جن کے ہاتھ میں ملک کی حکومت تھی جس نے ہم کو کامیابی سے دوچار کیا تھا۔ دیر بہر، کمیٹی کو اس امر کا احساس ہے اور وہ تمام حضرات جو کانجی سے لچپی رکھتے ہیں اس احساس میں ان کے شریک ہیں کہ اگر کمینٹی کے دلوں میں کانجی سے متعلق جو محرکات کارفرما ہیں ان کی نوعیت وہی ہے جو انگلستان کی ترقی یافتہ جماعتوں کے تھے (دیر بہر کمیٹی کی طرف سے جس کے وہ (دیر محمد) ممبر تھے۔ حاضرین کی خدمت میں نہایت درجہ خلصانہ شکر گذاری کا دیر بہر پیش کرتے ہیں اور ان کی صحت کا جامِ صحت نوش کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ ایسا کرنے میں وہ اپنے اس جذبہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں جو وہ خود اور ان کے مسلمان بھائی ان کے لیے محسوس کرتے ہیں (دیر بہر) اس شب میں ان کی موجودگی محض ایک سوشل تقریب میں شرکت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے معنی یہ تھے کہ ایسے انگریز شرفاء جو اپنا قیمتی وقت اس تقریب میں شرکت کے لیے پس انداز کر سکتے تھے کمیٹی کے اغراض و مقاصد سے پورے طور پر واقف تھے اور ان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے وہ سب کرنے کے لیے تیار تھے جو ان کے اعتبار میں تھا (دیر بہر) اب میں مہمانوں کا جامِ صحت نوش فرمانے کی درخواست کروں گا جن میں مشرکین کا نام شامل ہے۔

مسلمان حاضرین نے جامِ صحت نوش کیا۔ اس کا جواب دینے کے لیے شرکین کھڑے ہوئے اور ساتھ ہی مہمانوں کی طرف سے اپنی قدر شناسی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں صرف اس قدر افزائی کا انفرامیں کرتا جو میرے فاضل و دوست مشر محمد نے فرمائی ہے بلکہ اس مہمان نوازی اور مدارت کا بھی اعتراف کرتا ہوں جس سے اس شان

سے میرے اور میرے رفقاء کی پذیرائی کی گئی اور باوجود اس کے کہ میں جلد سے جلد اپنی نشست اختیار کر لینا چاہتا ہوں۔ ایک ایسے خفیہ کا بجالانا ضروری سمجھتا ہوں جس میں پس و پیش کو دخل نہ دینا چاہیے۔ سید احمد خاں نے سوسائٹی کی جی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اس کی طرف آپ کی توجہ معطف کرانے میں مجھے یہ سہولت حاصل ہے کہ میں ایک خاصی طویل مدت سے ختم سید سے واقف ہوں اس شریف شخص کا کم و بیش بارہ سال سے ایک ہی ضلع میں ساتھ رہنے کا مجھے امتیاز و افتخار رہا ہے اور میں کئی طرح اس وفا شعار اور ذہانت کو بہین مل سکتا۔ جن سے انھوں نے فرائض غرضہ انجام دیے۔ سید احمد کی وسیع النظری اور انسانی ہمدردی سے کون نہیں واقف ہے اور مجھے اس امر کی حقیقی مسرت ہے کہ آج ان کو اپنے مزرع ساعی کا ٹمراولین نصیب ہے۔ (میرزہ میر) سید جیسے فکر و ذہن کا آدمی تعجب نہیں اگر تمام دنیا کو ہلا دے۔ اس طور پر مجھے یقین ہے کہ نہایت درجہ مرتب و نظم وہ تقریب جو آج منعقد ہوئی محض ایک اسکول کا قیام نہیں ہے بلکہ اس ملک میں ایک عہد کی نشانی ہے۔ (میرزہ میر) وائسرائے کی دلاویز تقریر کے بعد میرے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے کہ اس موضوع پر کچھ اور کہوں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ہم سب نے آج جو کچھ مشاہدہ کیا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے انسانی کارگزاری کے بارے میں جو پیشین گوئی کی جاسکتی ہے وہ نقطہ آغاز ہے ایک ایسی اہم اور ہمہ گیر تحریک کا جو تاریخ میں زندہ رہے گی اور جو اس اچھے اور اعلیٰ شخص کو زندہ رکھے گی جس کی بے پایاں عقیدت و ریاضت کی یہ تحریک رہن منت ہے (صدرائے تحسین) اس کے جواب میں سید احمد خاں نے کہا۔

آپ نے جس گرم جوشی سے میرا جام صحت نوش فرمایا ہے اس کا اثر مجھ پر کئی طرح سے ہوا ہے عزت افزائی کا شکر گزار ہوں اور آج کی تقریب جس خیر خوبی سے اتمام کو پہنچی اس سے خوش ہوں لیکن ان جذبات کے ساتھ اس امر کا احساس ہے کہ میں نہ تو اس عزت کا مستحق ہوں جس سے آپ نے نوازا ہے نہ اس کامیابی کا اس حد تک زور دار اور حقدار ہوں جو مجھ میں ان ایٹکلو اور نیشل کالج کے حصہ میں اب تک آئی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہیری جافٹسانی کا نتیجہ ہے لیکن حضرات ایک بات جس کا میں کسی تامل کے بغیر نہایت پھلتی ہے اعتراف کروں گا یہ ہے کہ جس کالج کا سنگ بنیاد آج رکھا گیا ہے سالہا سال سے وہ میری زندگی کا مقصد اولیٰ والین رہا ہے جس دن سے میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ برطانوی ہند میں ہمارے سوشل مسائل کیا اور کس نوعیت کے تھے۔ میرے دل میں یہ بات نہایت مخمکی سے جاگزیں ہو گئی ہے کہ دونوں نسلوں میں جن کو خدا نے اس ملک میں اس درجہ ایک دوسرے سے قریب کر دیا ہے۔ حقیقی ہمدردی وہم طرحی کا فقدان ہے۔ میں نے اکثر اپنے دل

سے سوال کیا ہے کہ آخر اس کا سبب کیا تھا کہ ایک صدی کی برطانوی حکومت کے بعد بھی ہندوستان کے باشندے اس قوم سے قریب تر نہ ہو سکے جن کے سپرود خدا نے اس ملک کے نظم و نسق کا انہرام کیا تھا۔ آپ حضرات ایک صدی سے اوپر ایسے ملک میں رہتے سمجھتے آرہے ہیں۔ جس میں ہم ہیں اسی ہوا اور فضا میں سانس لیتے ہیں جس میں آندرتے ہیں۔ آپ نے وہی پانی پیا ہے جو ہم پیتے ہیں۔ اسی زرخیز پیداوار سے غذا حاصل کی ہے جس سے آپ کے بے شمار ساتھی رعایا پرورش پاتی ہے اس کے باوجود انگریز اور روسی باشندوں میں اس سوشل یگانگت کا نہ ہر جو دوستی کے مفہوم میں مضمر ہے نہایت درجہ افسوسناک ہے۔ اور جب بھی میں نے ان عوامل پر غور کیا ہے جو اس ناقابل اطمینان صورت حال کی ذمہ دار ہے میں تو میں ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں قوموں میں وہ جذباتی ہم آہنگی نہ تھی جس کا باعث خیالات اور مقاصد کا عدم اشتراک تھا اور میرے دوستوں میں اس کا بھی قائل ہوں کہ جب تک یہ صورت حال باقی رہے گی، ہندوستان کے مسلمان برطانوی حکومت میں کوئی ترقی نہ کر سکیں گے۔ اس کے بعد میں نے محسوس کی کہ ترقی کے راستے سے ان ہوانے کے دور کرنے کی سبیل اپنے وسیع ترین مفہوم میں تعلیم اور صرف تعلیم ہو سکتی تھی اس مقصد کو آگے بڑھانے میں میں نے اپنی زندگی کے بڑے بھید و لغات صرف کئے ہیں اور بہترین مساعی جو مجھ ناچیز کے بس میں تھیں ان کے حصول میں صرف کر دیں غفلت و تسیر یہ صحیح ہے کہ یہ کالج کبھی حد تک میری کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن اس میں کار فرمائی ایسے گراں بہا اور کا کشا ہاتھوں کی بھی ہے جس کی تائید و تصرف کے بغیر یہ ہم کامیاب نہیں ہو سکتی تھی اور میں محسوس کرتا ہوں کہ جو کامیابی ہم کو حاصل ہوئی ہے اس کا سہرا میرے بجائے ان کے سر ہے لیکن اے صاحبو جو امتیاز و افتخار آج کی شب آپ نے مجھے بخشا ہے اس نے مجھے ایک اہم حقیقت کا یقین دلایا ہے اور ایسے جذبات سے بریز کر دیا ہے جس کی نوعیت محض ذاتی انہماک و شکر سے کہیں زیادہ بلند و تر ہے۔ مجھے اس کا یقین ہو گیا ہے کہ آپ صاحبان جو اس وقت یہاں برطانوی حکومت کے نمائندے کی حیثیت رکھتے ہیں ہماری مساعی سے ہمدردی رکھتے ہیں میرے لیے یہ یقین دہانی نہایت درجہ گر اندر اور سرمایہ شادمانی ہے عمر کی جس منزل میں اس وقت میں ہوں میرے لیے یہ احساس باعث تقویت و طمانیت ہے کہ جو ہم میری زندگی کا مقصد اولیٰ سالہا سال سے اب تک رہی ہے اس نے ایک طرف ہمارے ہم وطنوں کی قوت عمل کو ابھار دیا ہے اور دوسری طرف ہماری ساتھی انگریزی رعایا کی ہمدردی اور حکمرانوں کی تائید حاصل کر لی ہے چنانچہ ان چند برس کے بعد جو شاید میری عمر کے باقی ہیں۔ جب میں آپ کے درمیان موجود نہ ہوں گا یہ کالج کامیابی و کامرانی کا

قریب ہو گا۔ اور میرے ہم وطنوں کو یہ سبق ذہن نشین کرانے میں کامیاب ہو گا کہ اپنے وطن سے وہی محبت رکھیں برطانوی حکومت کے اسی طرح وقادار رہیں اس کی برکات کا ویسا ہی احساس کریں اور ساتھ ہی برطانوی رعایا سے وہی مخلصانہ رسم و راہ ہو۔ جو میری زندگی کا سب سے قوی جذبہ رہا ہے (انہارٹسین) صاحبو آپ نے جو عزت مجھے بخشی ہے اس کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور نہایت خلوص کے ساتھ آپ کے خیراندیشی کے جذبات کو اپناتے ہوئے اپنی طرف سے نذر خدمت کرتا ہوں۔ (غلغلہ تحسین و شکر) اس تقریر پر آخری ٹوسٹ ختم ہوا اور تھوڑی دیر میں ہمان رخصت ہو گئے۔

انڈین ڈیلی نیوز ۱۳ جنوری ۱۸۷۷ء

مسلمان سلاطین کے خاندان

(۱۸ جنوری ۱۸۷۷ء)

یہ بات اکثر کہی گئی ہے کہ مغلوں کو ٹی (مسلمان فرقہ) ہندوستان میں اس درجہ سے گر گئی ہے جس پر اب ہندو فائز ہیں جو کبھی مسلمانوں کے زیر نگیں تھے۔ اس کے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں ان میں سے خاص سبب یہ ہے کہ مسلمان سلاطین کے خاندان کے عزل کے بعد مسلمانوں نے حکمران قوم سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی جو آزدگی اور بنیادری کا خاصہ ہے۔ ہندوؤں کے سامنے اس طرح کے افتخار و امتیاز کے ٹٹنے اور اس سے بچنے کا کوئی مسئلہ نہ تھا اس لیے انھوں نے آسانی سے تسلیم خم کر دیا اور جس صورت حال کا ان کو سابقہ تھا اس سے اپنے کو سازگار کر لیا۔ جہاں وہ حکومت نہیں کر سکتے تھے وہاں انھوں نے حکم برداری قبول کر لی۔ اس طرح بیشتر حالات میں انھوں نے جہاں کہیں جیسا موقع دیکھا اس میں اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ اس طور پر انھوں نے اپنے مسلمان محکوم ساتھیوں سے سماجی مراتب اور سرکاری مناصب میں برتری حاصل کر لی بعض اعتبار سے ہندو باشندے بھی محکوم مسلمان ساتھیوں کی مانند اپنے سماجی و مذہبی رسم و رواج کی بنا پر نہایت درجہ التزام کے ساتھ الگ تھلگ رہے لیکن مسلمانوں کی طرح انھوں نے ان تمام تبدیلیوں سے اغماض نہیں کیا جو ملک میں

روٹی تھیں۔ اس معاملے میں مسلمانوں کا طرز عمل دانش مندانہ نہ تھا۔ ممکن ہے ان کا یہ خیال رہا ہو کہ جس پندار
 نے انھوں نے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا اس سے کچھ اور نہیں تو اس پوزیشن کو برقرار رکھ سکیں گے جس کو وہ
 بدل نہیں سکتے تھے۔ یہ خیال مغالطہ پر مبنی تھا تبدیلی جس مفہوم میں قوموں اور نسلوں میں راہ پاتی ہے اس سے
 انحراف ناممکن ہے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ جہاں تک خود ان کا تعلق تھا وہ کسی تبدیلی کے لیے اپنے آپ کو
 آمادہ نہ کریں گے اور ہر ان تحریکات کی مقاومت مجہول بڑی سختی سے کریں گے جو تبدیلی کے متقاضی ہوں گے
 اس طور پر کیا وہ توقع کر سکتے ہیں کہ نسبتاً کوئی تبدیلی راہ نہ پائے گی۔ اس مفہوم میں ان کی تمام ایسی
 اکوششیں کہ برہم و بنیاد سب سے الگ تھلگ رہ کر وہ اپنی موجودہ پوزیشن قائم رکھ سکیں گے۔ لازماً
 طور پر ناکامیاب ہوں گی جس وقت مسلمانوں کی حکومت کی شکست و ریخت ہوئی اگر ان کی ساتھی ہندو رعایا
 بھی انہی کی طرح تبدیلی قبول کرنے سے بے گانہ یا بے خبر رہتی اس وقت ہندو اور مسلمان
 دونوں ہم سطح رہ سکتے تھے لیکن یہ سطح اس وقت قائم نہیں رہ سکتی جب ان میں سے کوئی
 ایک بھی اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ مدتوں محکوم رہنے کے سبب سے ہندوؤں میں وقت کے
 تقاضوں سے اپنے کو فی الفور سازگار کر لینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی چنانچہ انھوں نے یہی کیا۔ مسلمانوں
 اپنے آپ کو تمام ملازمتوں سے علیحدہ رکھ کر اس تعلیم سے محروم کر لیا جسے انگریزی حکومت یا دوسری اجنبی
 ان کے لیے فراہم کرتی تھیں اور جو ان کو سرکاری آسامیوں کے لیے سزاوار بنا سکتی تھی ممکن ہے وہ خیال
 کرتے ہوں کہ لیل و نہار کی دوسری کوئی گردش ان کو گذشتہ اختیار و اقتدار سے ہمکنار کر دے گی کیسا غریب
 اور کشادہ مغالطہ! اس دوران میں ہندو، بالخصوص کمزور و حقیر بنگالی نے اس حقیقت کو پایا کہ علم زور بھی
 ہے اور زور بھی اور اس وقت جب کہ مسلمان یہ خیال کرتے رہے کہ وہ اپنی پوزیشن پر مضبوطی سے قائم ہیں
 محکوم و منکوب ہندو کے برعکس آنے سے وہ درحقیقت غرقاب ہو رہے تھے کیسی المنک یہ صورتحال تھی
 ایک ایسی قوم کی جیسی کہ مسلمانوں کی تھی جنھوں نے عہدِ وسطیٰ میں دنیا کی تاریخ میں ایسی ناموری حاصل کی تھی
 اور اس کے بعد بھی ان کے کارنامے کچھ ہی کم حشیت تھے وہ اب اپنے ہاتھوں پست و پامال تھے۔ خوش
 نصیبی سے ان میں بعض نے صورت حال کا احساس کیا اور عزم کر لیا کہ وہ خود ایسی مثال پیش کریں گے کہ
 وہ کیا عوامل ہیں جنھوں نے دوسری قوموں کو اس قابل بنایا کہ وہ مسلمانوں پر غالب آگئے اور جن سے محروم رہ
 کر مسلمان اسفل السافلین تک پہنچ جائیں گے۔ تاوقتیکہ وہ الگ تھلگ رہنے کی پوزیشن اور پالیسی ترک

نہ کر دیں اور ان قوموں کے ساتھ نہ بولیں جو ترقی کے راستے پر گامزن ہیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ معطل ہو کر نہیں رہ سکتے دوسرے مسلمانوں کی بنسبت شمالی ہند کے مسلمانوں نے جلد تر اس حقیقت کو پہچانا۔ ان کی خوش نصیبی ہے کہ ایسے اشخاص مل گئے جنھوں نے اپنے تعصب اور خام خیالی پر قابو پایا اپنی کمزوریوں کو جانا علیحدہ رہنے کے مخالف کو سمجھا اور اس امر کا محسوس کر لیا کہ وہ ان موانع کو دور کر کے آگے بڑھیں گے۔ اس کی نہایت نمایاں مثال علی گڑھ میں وہ محفل کا لچ ہے جس کا سنگ بنیاد اسی ماہ کی ۱۸ کروائسٹرانے رکھا ہے ایسے مواقع پر جو رسوم بحال لائے جاتے ہیں وہ وہی ہیں۔ جو ہر جگہ ملحوظ رکھے جاتے ہیں اس لیے ان پر اظہار خیال کی ایسی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس ادارے کو معرض وجود میں لانے میں جو روح کار نما ہے وہ یقیناً مسلمانوں کے مستقبل میں ایک امید افزا تبدیلی کی خبر دیتی ہے۔ زیادہ تر یہ سید احمد خاں بہادر کی جدوجہد کا نتیجہ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اگر ان کے ہم وطن وہم نہ برب ترقی کے راستے پر گامزن ہونا چاہتے ہیں تو ان کو وہ طور طریقے اختیار کرنے پڑیں گے جن سے دوسری قوموں کو عروج و عظمت نصیب ہوئی۔

جس طاقت نے سید احمد کو کامیابی سے قرن کیا تھا وہی ان کے ہم وطنوں اور ہم ندسوں کو بھی کرے گی۔ ان کو مغربی تہذیب کے تصور کو قبول کرنا اور روح عصر کے ساتھ ہونا پڑے گا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر وہ کام کرتے رہے ہیں اور سیرت کی اس نچنگی سے جو اس عقیدہ کا فیضان ہے انھوں نے کچھ رفیقوں کی تائید حاصل کر لی ہے۔ ان کی مساعی جلد ہی مشکور ہوں گی۔ مٹرسید محمود نے پسانا مڑھا اور وائس اس نے اس کا مناسب جواب دیا۔ اکثر یہ کہا گیا ہے کہ دو قوموں میں فیضی طور پر قلب روابط میں پیدا ہو سکتے جب تک وہ ایک تہذیب پر مشتمل نہ ہوں۔ علی گڑھ کے مسلمانوں نے اس رائے کو سمجھ لیا ہے۔ پسانا نے تو پیش کئے جاتے ہی رہتے ہیں لیکن دو شبہ کی شام کو علی گڑھ میں ایک ڈنر دیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ حاضرین میں یورپین اور مسلمانوں کی تعداد مساوی تھی۔ صدر اوزنا ب دو نوں مسلمان تھے۔ یہ دوسرے تو تھے ہی رینڈ محمود مقرر خصوصی تھے اس لیے کہ صدر انگریزی سے نا آشنا تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ ٹوسٹ کی تجویز پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

(یہ تفسیر یکدستہ اوراق میں آچکی ہے۔ اس لیے یہاں حذف کی جاتی ہے)

اطلاع یہ ہے کہ ٹوسٹ نہایت گرم جوشی سے نوش کیا گیا اور سید نے اپنی توقع کا اظہار کیا کہ یہ ٹوسٹ انگریز اسی گرم جوشی سے نوش کرے جس سے کہ مسلمان اس کا روانی کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ جس طرح تجویز کی گئی اسی شوق سے پوری کی گئی۔ رپورٹ میں یہ فقرہ بھیجا جاتا ہے کہ ٹوسٹ ان مسلمانوں نے

پیدا جو تقریب میں موجود تھے۔ سید محمود کا فقرہ یہ ہے ”مہمانانِ محترم بشمول، مشرکین، منوخر الذکر نے اس کا جواب دیا اور سید احمد کا نام شامل کیا۔ سید احمد خاں نے جو تقریر کی وہ خلوص اور ذوقِ سلیم کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

(مشرکین کی تقریر اس سے پہلے دی جا چکی ہے اس لیے یہاں نقل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی)

ان خیالات و جذبات سے متاثر ہو کر ہر شخص کو شخص ”مسلمان اور انگریز“ ہونے کی سطح سے بلند و تر ہو چکا ہے اس میں وہ مردانگی ملتی ہے جو اپنی بعض مغذوریوں سے مبرا ہے۔ اس تقریر پر جو صدائے تحسین بلند ہوئی اس کا سمجھنا دشوار نہیں ہے محض مسلمانوں کا ٹوسٹ ٹوش کرنا بجائے خود کوئی اہم واقعہ نہیں ہے۔ یہ محض عیشِ کوشی یا ادیانِ موسوی اور محمدی کے اوامر و نواہی کے علی الرغم یا کسی دوسری واضح قانون کے عالمِ کردہ ضوابط سے انحراف کی بنا پر ہو سکتا ہے لیکن جب ان کا تجویز اور تسلیم کیا جانا کشادہ قلبی اور وسعتِ نظر کی اسپرٹ میں ہو جس کی محرک اخلاقی مفاہمت ہو نہ کہ تعصب و تنگ نظری تو یہ بڑی امید افزا علامت ہے اور باوجود اس کے کہ دیر آید کی مصداق ہے۔ اصلاح کے آثار ایک ایسی قوم میں ہویدہ ہیں جو ہندوستان کی سربراہ اور قوموں میں سب سے کم روشن خیال ہے

ٹائمز آف انڈیا ۱۵ جنوری ۱۸۷۷ء :

اننگلو محمدیوں کا لچ جس کا اقتدار پچھلے دنوں وائسرائے کیلئے یقیناً نہایت درجہ نمایاں مثال ہے اس لئے توانائی و تاب کی جسے لارڈ لٹن نے مسلم کرکٹ کی نمایاں صفت بتائی ہے۔ یہ ان چند روشن خیال مسلمانوں کے ایثار و محنت شائق کی مہونہ منت ہے جن کو غیر معمولی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں ہے جس کا قیام کسی خاص جماعت کی پاسداری میں عمل میں آیا ہو بلکہ ایک پرائیویٹ فاؤنڈیشن ہے جس طرح دو معروف انگلش یونیورسٹیوں کے کالج یا ہمارے زمانے کا کیل کالج تھا۔

برطانوی ہند کی سوشل ترقی میں یہ ایک نیا اور نہایت امید افزا واقعہ ہے اور مسلمانوں کا اس پر فخر کرنا حق بجانب ہے اس طرح انھوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ وہ کوئی ایسی قوم نہیں ہیں جو ذہنی سرگرمیوں کی اہلیت نہیں رکھتی اور ان میں سوا اس کے کہ حرب و ضرب میں سب سے آگے رہیں کسی اور حوصلے کی گنجائش نہیں۔ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے بنیاد تھی لیکن اس کو تائید ملی اس بے اعتنائی یا نفرت سے جو مسلمانوں کو سرکاری نظامِ تعلیم سے تھی۔ اس بے اعتنائی کا سبب اچھی اور بری نیتیں یا قابلِ ستائش جذبات اور افسوسناک تعصب و تنگ نظری ہو سکتے ہیں جن میں سے بعض کے بارے میں ہمارا اندیشہ ہے کہ ابھی عرصہ تک

باقی رہیں گی لیکن ہم اس کا نہایت صفائی سے اقرار کریں گے کہ مسلمانوں کے لیے زیادہ قابل اطمینان ہوگا وہ ہندوؤں کی طرح اس تعلیم کو قبول کر لیتے جو گورنمنٹ تمام باشندگان ملک کے لیے ہمسایہ کرتی ہے۔ اس پر شک نہیں کہ گورنمنٹ کے اس نظام میں کچھ نقائص بھی ہیں لیکن اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ فرقہ وارانہ اور ذات پات کے قبود کی رنج کشی میں یمن ہوتا ہے۔ آئرلینڈ کی طرح ہندوستان میں بھی اس مقصد کو اولیہ اہمیت دینی چاہئے کہ ہر فرقے کے لڑکوں کو ابتدائے زندگی ہی میں ایک دوسرے سے قریب تر رکھنے کا کوشش کی جائے۔ اس طرح وہ اس حقیقت سے بھی آشنا ہو جائیں گے کہ فطرت نے ان کی ساخت یا نہ میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی ہے جس کے سبب سے وہ ایک دوسرے سے متنفر رہیں۔ فرقے کے پار دیوا کی مستقل سرگرمیوں کے سبب سے آئرلینڈ میں اس تحریک کو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی ہے بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے علاوہ اسے دوسرے فرقوں میں کامیابی ہوئی ہے اور چونکہ اس کی بہت کم امید ہے کہ مسلمان اس پر آمادہ ہو سکیں کہ اسکول اور کالج کے نصاب تعلیم سے ان کے عجیب و غریب عقائد و مسائل کو حذف کر دیا جائے اس لیے نہایت مناسب ہوگا کہ ان کے اپنے ایسے اسکول اور کالج ہوں جہاں دینی تعلیم اتنی بہتر ہو جتنی کہ ممکن ہے اور جس کے عام تصورات جدید ترقی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ اس امر کے باور کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ علی گڑھ کالج میں ایسا ہی ہو مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ بالخصوص اسپن کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ہی ہے کہ بعض مسلم ممالک میں فلسفیانہ اور لبرل خیالات کو روایتی عقائد اور دینی حکومتوں کا انتشار ختم نہ کر سکا یہ خیالات کافی مدت تک ان کا مقابلہ نہایت شاندار طریقے پر کرتے رہے۔

اس دلچسپ موقع پر لارڈ لٹن نے جو تقریر کی وہ ان کی بہترین اسلوب و انداز کی آئینہ دار تھی اس لیے کہ یہ موضوع ان کی فطری قابلیت کے عین مطابق تھا تعلیم کا موضوع کچھ ایسا ہے کہ اس سے اکثر مشاق بھی کرتے ہیں اس لیے کہ ان موضوعات پر مشکل سے دس فقرے بھی نہیں صرف ہو چکے ہوتے کہ مقرر نا قابل معافی فرسودہ گفتاری پر اتر آتا ہے اگر کوئی مقرر کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اسے ان تمام امور کو نظر کر دینا چاہئے جن پر تمام دنیا کا اتفاق ہو چکا ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ انہی موضوعات پر ہر مقرر اپنے گفتگو کرنا آسان بھی ہے۔ اگر وہ ایسے انفرادی نکات دریافت کر سکے جن کو تاریخی اور معاصر حقائق و واقعات نیز سماجی ترقی کے مصدقہ قوانین سے ربط دیا جاسکے۔ اس دشوار کام سے کوئی شخص عہدہ بہ

نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس نے نہ صرف کافی مطالعہ و مشاہدے سے کام لیا ہو بلکہ اس کی بھی مشقی بہم پہنچائی ہو کہ ان کو ذہنی اور اخلاقی اصول اور نصب العین دونوں سے مطابقت دے سکتا ہے اس کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ نہایت خلوص اور کشادہ دلی سے انسانی فطرت پر پختہ اعتقاد اور ایک حد تک بلا پوچ گچہ پانظرہ پرستی سے خجہ نہیں کو بے تعلق رکھتا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ذہنی ترقی کے لیے وسیلہ کار اور منزل مقصود کا تصور اس کا اپنا ہوتا ہے نیز یہ کہ وہ کونسی شاہراہیں ہیں جن پر اخلاق انسانی رہ نور دے لیکن جن فارمولوں کے پیرہنوں میں وہ اپنی تصورات پیش کرتا ہو ان کو ضرورت سے زیادہ باون تولد پاؤرتی نہ ہونا چاہیے۔ تعلیمی مقررہ کی عام غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ فارمولوں پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں اور تربیت یافتہ ذہنوں کی رہنمائی کے ایسے راستے بناتے ہیں جو نہایت درجہ بے کم و کاست ہوتے ہیں۔ کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے تعلیم کے مسئلہ پر M. Guizot سے زیادہ فصاحت و بلاغت سے اظہار خیال کیا ہو گا۔ انھوں نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے فرانس کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کے پاس ذوق اور عقیدوں کے ایسے ڈھلے ڈھلائے اور ٹوک پلک سے آراستہ نمونے ہوتے تھے جن کا پابند ہونا بہ تربیت یافتہ شخص پر لازم آتا تھا۔ اگر ان نمونوں کو بہتر بنانے کا کوئی شخص اقدام کرتا یا ان کی ابدی قدر و قیمت کو نہایت احترام و تحکیم کے ساتھ بھی معرض بحث میں لاتا تو اس سے آزرہ ہوتے تھے اس قمار کے ایک اور فرانسیسی بزرگ ہیں جو M. Guizot سے نہایت قریب اور مشابہ ہیں۔ گو پہلی نظر میں ایسے نہ معلوم ہوں گے یہ Positive Philosophy (مثبتی فلسفہ) کے بانی ہیں۔ انھوں نے ضابطے کی پابندی کو جسے فرانسیسیوں کا جنون کہنا چاہئے یہاں تک پہنچایا اور نہایت شرح و بسط سے یہاں تک تفصیل پیش کر دی کہ کون ہی کتابیں پڑھنی اور ان کی تعریف کرنی چاہئے۔ نیز ہر فرد اس کے کتنے صفحات کا مطالعہ میں آئے۔ چاہیں کچھ دنوں سے قلم و ضابطے کے اس غلو کے آثار انگلستان میں بھی نظر آنے لگے ہیں اور امتحانات کا تمام تر رجحان اس طرف ہو گیا ہے کہ مطالعہ میں ذاتی و انفرادی پسند یا ناپسند کی آزادی دی جائے جس مقرر کے ذمہ میں اس طرح کے تعصبات جاگزیں ہوں وہ پھیلے دنوں علی گڑھ میں جو تقریب منعقد ہوئی اس میں یقیناً ان اظہار کرتا اس طرح بے سنجہ و بے لطف موعظت اور فیضیت مآبی سے تقریب کا سارا مزہ کر کے اکر دیتا۔ لارڈ لٹن کی تقریر میں اس طرح کے سراب یا سیرابغ نہ تھے بلکہ اس کا انداز اس طرح کا تھا کہ مسلمان مسیحی میں امید و افتخار کا لہر دوڑ گئی۔ دوسری طرف اس میں سیاسی فوائد کا وہ جرأت مندانہ اعتقاد ملتا ہے جس کی:

برطانوی حکومت کسی باشندوں کی ذہنی تربیت کو ترقی دینے کی توقع رکھتی تھی۔ یہ تھی وہ صحیح لے اور ہوجو ایک مدیر اور صاحبِ فکر کو اس موقع پر بلند کرنا لازم آتا تھا اور زریب دیتا تھا۔ باشندگانِ ہند پر اس حقیقت کا اظہار مناسب تھا کہ یہ نامبارک عقیدہ کہ ہماری سب سے زبردست حکمت عملی یہ تھی کہ ہم ہندوستانیوں کو جابلے رکھنا چاہتے تھے، حکومت یا انگریز قوم کے دانشور طبقے کے نزدیک سرسربے بنیاد تھا۔ اس امر کو پورے طور پر واضح کرنا اس لیے اور زیادہ ضروری تھا کہ حال ہی میں بلی میں ان اصولوں کا بڑے اخلاص و احترام سے اعلان کیا گیا تھا۔ جن پر برطانوی حکومت کی بنیاد تھی یومِ اعلان کے موقع پر لارڈ لٹن نے ہندوستانیوں کے اس مطالبے کو حوالہ دیا تھا کہ ملکہ مغلیہ کی دیسی رعایا کو حکومت کے انتظام و انصرام میں شرکت کا موقع ملنا چاہیے۔ اس سے ان کے اشتیاق اور امید کو بجا طور پر تحریک ملی۔ ساتھ ہی ساتھ مایوسی بھی۔ اس لیے کہ ملک کے باشندوں کو اس طرح یقین دلایا گیا تھا کہ حکمران طبقہ اس موقع پر اپنے وعدے کی کوئی عملی مثال بھی پیش کرے گا اس طرح وہ جو مایوسی سے دوچار ہوئے اس کی تلافی یہ وعدہ نہ کر سکا کہ ہندوستانی باشندے موجودہ سے بہتر بیادیت کا ثبوت دیں گے تو اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ عملی گڑبہ میں اس طرح کے کالج کا قیام اس کا بہت اچھا ثبوت ہے کہ جن لوگوں کے ذہن میں اس کا خاکہ آیا اور جنھوں نے اس کو عملی جامہ پہنایا وہ اس شاہراہ پر گامزن ہیں جو لارڈ لٹن کے بتا ہوئے معیار کے مطابق ہے اور جس کا اظہار انھوں نے اپنی یومِ اعلان کی تقریر میں کیا ہے۔ اسی طرح یہ بڑا شگون تھا کہ اقتراح کے نہایت بنجیدہ اور پر تکلیف مراسم کی بجائے آوری کے بعد لارڈ لٹن نے اپنی پہلی سرکاری تقریر میں ایک بار پھر اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا کہ برطانوی حکومت کا استحکام اور تعلیم کی ترقی و اشاعت ایک دوسرے پر منحصر تھے۔ انھوں نے تحریک کی سربراہ جماعت کو اس امر پر مبارکباد دی کہ ان کی آزادی و محکم مسامحہ اس لازم و ملزوم تعلق کو ان کی جماعت کے افراد بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہوں گے اور اس کی ترقی و اشاعت میں معین ہوں گے۔

اپنی تقریر کے ایک حصہ میں لارڈ لٹن نے اس رشتہ پر اظہارِ خیال کیا ہے جو مذہبی عقائد کا ان افعال سے ظاہر ہوتا ہے جو انھیں زندگی کی بجا آوری سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کا ذہن اس جہالت اور شقاوت سے بری ہے جو تہی مغزوں کا شیوہ ہوتا ہے اور کلاسِ روم یا کچر یا سے ان تانہ و تابندہ محرمات کو نکال باہر کرتا ہے جو عظیم تاریخی مذاہب کے روح رواں ہوتے ہیں تعلیم پر خیالات کا بہت بڑا اور اہم حصہ ہوتا ہے جس کو تسلیم کرنا مناسب بھی ہے اور مفید بھی بالخصوص مسلمان حاد

کی موجودگی میں انکا اظہار ذہن مصلحت بھی تھا۔ جو اس بنا پر خصوصیت سے فخر کرتے ہیں کہ ان کا مذہب نہایت درجہ معمولی دنیوی امور پر بھی نظر نہ نگرانی رکھتا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ وہ خیالات اس طور کام میں لائے جاسکتے ہیں کہ ذہنی اصلاح کے حق میں نہایت مفر ثبات ہوں اور اخلاق کے لیے بھی سود مند ہوں۔ مسلم اور مسیحی عالمی تاریخوں کو پیش نظر رکھا جائے تو مذکورہ صدر دانشوں کے صحیح ہونے کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ نظریات اپنے بیان میں لارڈ لٹن کا اس امر کی تصریح کر کے سامعین کی ہمت افزائی کرنا مقتضائے دانش مندی تھا کہ مسلک اسلام میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جو اعلیٰ ترین ذہنی کلچر سے متناقض ہو بعض امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات صحیح ہے لیکن اس کا تمام رد و ارا اس پر ہے کہ مسلک اسلام کی تعبیر کیا کی جاتی ہے اور اس سے زیادہ اہمیت ان اشخاص کی ہے جو تعبیر کرنے کے مجاز ہوں گے۔ ایک کیتھولک یونیورسٹی جس کی وکالت ڈاکٹر ٹیموین نے اپنے شہوت مند بلن کلچر میں بڑے سرد کے ساتھ ہی بڑی وسعت نظر سے کی تھی علما نا کامیاب رہی اس لیے کہ اسقفی جماعت (Episcopate) نے اس امر کا تہیہ کر دیا تھا کہ وہ پروفیسروں کی فکر و نظر پر مکمل احتساب رکھے گی اور اس امر میں کسی قسم کی رو رعایت سے کام نہ لے گی اس طور پر یہ پروفیسر محض بند ٹکے عقائد کے مفسر یا پرچارے رہ گئے تھے۔ حال ہی میں انگلستان کے نیچر پادریوں کے اس شدید مطالبے نے کہ رضا کارانہ کالج کھولے جائیں لندن اسکول بورڈس کے حالیہ انتخاب میں ایسا رد عمل پکا کیلہ ہے جسے گزشتہ سال کے نہایت درجہ اہم سیاسی واقعات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم کو ٹھیک طور پر نہیں معلوم کہ علی گڑھ کالج میں وہ کون سی جماعتیں ہوں گی جن کے سپرد دنیا کی تعلیم کا انصرام ہو گا۔ لیکن امید ہے کہ مقدس کتب اور احادیث کے دینی مفسر اور قانونی مبصر پروفیسروں نیز ان تئانجیہ برجن کی طرف ان کی تعلیم بربری کرتی ہے اپنی کم سے کم گرفت رکھیں گے۔

انڈین میر ۷ جنوری ۱۸۷۷ء :

ایک ایسی بڑی جماعت کا جیسی کہ مسلمانوں کی ہے اپنے آپ کو اس تہذیب جدید سے الگ تھلک رکھنا جو تمام ہندوستان کے باشندوں کے رائج اور مقدس عقائد کو زیر و زیر کر رہی ہو یقیناً نہایت حیرت کی بات ہے۔ لیکن انہی کی ترقی کے لیے ایک ایسی جامع اسکیم وضع کی اور اس کو اس حد تک پہنچا دیا کہ اس کی تعریف کی صدارت ملک کے سب سے بڑے حاکم نے کی اور سنگ بنیاد رکھا۔ مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہوگی جب یہ منصوبہ تکمیل کو پہنچ جائے گا اور سید احمد خاں بجا طور پر وہ ناموری حاصل کریں گے جس کے وہ پورے

طور پر ترقی میں اگر ان کی رحلت کے بعد لندن کالج توسیع و ترقی کے اسی راہ نگار بن رہا جس پر اپنے بانی کی زندگی میں رہا ہے اور یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔

انڈین ٹریبیون ۲۵ جنوری ۱۸۷۷ء

اس ملک میں جو سرکاری نظام تعلیم مروج ہے اس کے مخالف کافی تعداد میں ملتے ہیں بنائے مخالفت بہت سے امور ہیں۔ ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ مکمل غلطی کی مسلمان رعایا کے مطالبات کو یہ نظام پورا نہیں کرتا۔ مسلمانوں نے اصولاً اپنے آپ کو ان اسکولوں اور کالجوں سے علیحدہ رکھ لیا ہے جو حکومت نے کھول رکھے ہیں وہ اس تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی پروا نہیں کرتے جو حکومت نے ان کی دسترس میں رکھی ہے۔ ملک کے بعض حصوں مثلاً اودھ میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے معمولی انگلش اسکولوں میں بھیجتے ہیں مگر فیصلہ کی اس رپورٹ سے جو حال میں شائع کی گئی ہے اور گذشتہ سرکاری سال میں ریاست میں جو تعلیمی ترقی ہوئی اس پر مشتمل ہے اس صورت حال کی پوری طور پر شہادت ملتی ہے لیکن وہ لوگ جو ریاست کے حالات سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں اس امر کا اعتراف کریں گے کہ لاؤ کیننگ کی اس چینی ریاست کی حیثیت استثنائی ہے اس معاملے میں جیسا کہ عام طور پر مانا جاتا ہے۔ استثناء سے اصول کی تصدیق ہوتی ہے۔ انگریزی سکھنے میں پیچھے رہ جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بندوؤں سے پیچھے رہ گئے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب مزدوری اور مشاہرہ و منفعت کے عہدوں پر تمام تر اول الذکر قابض تھے لیکن جب حکومت نے انگریزی تعلیم یافتہ دیسی باشندوں کو سرکاری عہدوں پر فائز کرنا شروع کر دیا تو جیسا کہ ہونا چاہئے تھا بندو غنم غالب آنے لگا۔ سرکاری عہدوں کے حصول کے لیے جو شرائط مقرر تھیں ان سے غفلت برتنے کے سبب مسلمان بندوؤں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس طور پر جیسا کہ خیال کیا جاسکتا ہے مسلمانوں کا درجہ نیچا رہ گیا۔ اس صورت حال نے لاڈیو کی حکومت کی بحیدہ توجہ کو اپنی طرف مائل کیا جب کہ کچھ ہی پہلے جسٹس نائمنس کے قتل کا حادثہ کلکتہ ٹاؤن ہال میں پیش آچکا تھا۔ ۱۸۷۲ء کے آغاز میں پورٹ بلیر کے نامعلوم سفر سے کچھ ہی پہلے لاڈیو نے اس مسئلے کا از سر نو جائزہ لیا اور یہ رپورٹیں پاس کیا۔ اس زمانے میں حکومت ہند کی ایما سے ڈاکٹر بلو بلو ہٹرنے اپنی سچان انگیز تصنیف پڑھنا مسلمان شائع کی۔ یہ موضوع قدرتی طور پر دلچسپی کا موجب ہوا اور اسے عامہ تحریک میں آئی۔ پانچ سال ہوئے یہ موضوع اس شد و مد سے اخبارات میں زیر بحث آیا جس طرح آج غریب سفید فام اور یورپین قوم کے مسئلے سے عہدہ براہوئے کی سعی ہو رہی ہے سر جارج کیمبل نے بڑی تدبیر سے اس مسئلے کو ہاتھ میں لیا۔ چونکہ تمام

مسلمانان ہند کا نصف صرف بنگال میں آباد ہے اس لیے وہیں ان کی تعلیم کا بطور خاص انتظام کیا گیا محمد علی
 ناوقف جو عرصہ سے نظمی کا سرکار تھا بڑھوانیوں سے پاک کیا گیا اور مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے ان منصوبوں
 بن لگایا گیا جو وصیت کنندہ کا نسا تھا۔ اس وقف کی آمدنی سے چار اسپتال مد سے مشرقی اور مرکزی بنگال
 بن جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی قائم کئے گئے اور مسلمان لڑکوں کو ضلع اسکولوں میں داخلے کی سہولتیں
 فراہم کی گئیں۔ اس طور پر بنگال میں مسلمان قوم کی ضروریات کا انصرام ہو گیا۔ ہم کو اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا
 ہے کہ سر جارج کیمبل کا مذکورہ نظام کس طرح چل رہا ہے۔ شمالی ہند میں روشن خیال سید احمد خاں نے مسلمانوں
 کی ترقی کے مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے جس کی مساعی جمید اپنے ہم مذہبوں کے حق میں سب کو اچھی طرح معلوم
 ہیں اور سبھی اس کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔ مسلمانوں کو سرکاری تعلیم سے اپنے آپ کو الگ رکھنے
 اور اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں نہ بھیجے کا سبب زیادہ تر یہ تھا کہ وہ ان کی خصوصی ضروریات
 کو پورا نہیں کرتی تھی ان کو اس کا بھی اندیشہ تھا کہ اس سے بچوں کے دین و ایمان میں خلل پڑے گا۔ اس میں شک
 نہیں کہ اس کے علاوہ دوسرے اسباب بھی ہوں گے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حکومت اپنی
 رعایا کی کسی مخصوص جماعت کی تعلیم و تربیت کو پیش نظر رکھ کر اپنے نظام تعلیم کو مخصوص سانچے میں نہیں
 ڈھال سکتی۔ وہ اس امر کی ضامن اور ذمہ دار ہے کہ مذہبی امور میں قطعاً دخل نہ دے۔ ہندو مسلمان عیسائی بدھ
 سب اس کی نظ میں یکساں ہیں۔ ہر سمجھ دار اور مسلم بطع شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ ملک کے باشندوں کے
 لیے حکومت صرف سیکولر (دنیوی) تعلیم کا انتظام کر سکتی تھی۔ پچھلے دنوں والٹر رائے کو علی گڑھ میں جو پاناما
 پیش کیا گیا اس میں حسب ذیل بیان قابل توجہ ہے۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومت نے جس تعلیم کا بندوبست کیا ہے ہم نے اس سے کما حقہ فائدہ نہیں
 اٹھایا۔ اس کے مختلف وجوہ ہیں۔ مثلاً ہماری جماعت کی سوشل حالت جسے ماضی کی روایات نے مخصوص کشتے
 رکھے ہے جو تہی ہی ہم میں جتنی مضرہ مذہبی جذبات و تاثرات جن کو ایام طفولیت سے ان کو تلقین کی گئی جو ایسے
 ہی رہے ہیں اور اب بھی ہیں جنہوں نے ہم کو انگریزی تعلیم کی اہمیت سے آشنا نہیں ہونے دیا۔ ہماری
 تعلیمی ضروریات کئی اعتبار سے ہندوستان کے بقیہ باشندوں کی ضروریات سے اتنی مختلف ہیں کہ بہتر سے
 بہتر طریقہ کار بھی جو حکومت اختیار کر سکتی تھی۔ اور جو اس کی پالیسی کے مطابق ہوتا ہمارے لیے ناکافی ہوتا اور
 اگر وہ حکومت کی دانشمندانہ پالیسی یعنی مذہبی امور میں عدم مداخلت کے خلاف نہ ہوتا جب بھی وہ ان کو طریقوں

کو دور نہیں کر سکتی تھی جن کا مدار مذہبی عقائد اور تصورات پر ہے جن پر صرف مذہبی بحث و محیص سے قابو پایا جاسکتا ہے۔ حکومت نہ تو مذہبی تعلیم کا کوئی نظام وضع کر سکتی تھی نہ وہ اپنی مساعی ان امور سے نمٹنے پر کمزور کر سکتی تھی جو ایک ایسی قوم یا نسل کے تعصب پر مبنی تھے جو مذہب کو نہ صرف عقائد مجردہ تک محدود سمجھتا تھا بلکہ زندگی کے تمام دنیوی کاروبار پر حاوی جانتا تھا۔

غریب سفید قام یوروشین اقوام کی حمایت میں ضرورت سے زیادہ سرگرم اور غلط رہائی کا شکار ہوئے بعض اہباب جس نامناسب شوروشین کا اظہار کر رہے ہیں ہم کو اُمید ہے ان عالی ظرفانہ جذبات سے فائدہ اٹھائیں گے جن کا تذکرہ صدر بیان میں اظہار کیا گیا ہے۔ امر انہرمن الشمس ہے کہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کسی فرغے کی مخصوص ضروریات کو پیش نظر رکھ کر نہیں وضع کی جاسکتی۔ ہمارے حکمران جو کچھ کر سکتے ہیں یہ ہے کہ وسیع تر بنیادوں پر دنیوی تعلیم کا بندوبست کریں اور جو لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے اپنا انتظام بطور خود کریں اور اس میں حکومت ان کی مدد کرے گی۔

ان دشواریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جن کے سبب سے مسلمان اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں نہیں بھیجتے تھے۔ مذکورہ صدر کیٹی (خواستگاران تعلیم) نے اس امر کا عزم کیا کہ اپنے مذہبوں کے لیے ایک مخصوص ادارہ قائم کرے۔ اس سلسلہ میں جس مخالفت کا سامنا ہوا سید احمد جیسے عزم و استقامت سے کتر درجے کے شخص کو مہوتا تو وہ کسی طرح اس کی تاب نہیں لاسکتا تھا لیکن یتیمان دشواریوں سے زیر ہونے والے نہ تھے۔ بالآخر کیٹی کے مقاصد توقعات سے زیادہ پورے ہوئے۔ یہ وہ سبق ہے جو یوروشین قوم اور ان کے دوستوں کو جلد سے جلد سیکھنا چاہیے۔ اس تحریک کے بانیوں نے نہ صرف اپنی قوم کو فیص دوم بخشا ہے بلکہ بحیثیت مجموعی اس سے پورے ملک کو بہرہ یاب کیا ہے۔ ہندوستان کی زندگی نو کا تمام مترادف انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں پر ہے۔ ملک کی نظر انہی جوانوں پر مرکوز ہے جو اس کے مرتبہ کو اقوام عالم میں بلند کر سکیں گے۔ مسلمانان ہند انگریزی میں ورک حاصل کر لیں گے تو وہ خلیج جو بد نصیبی سے ان کے اور ہندوؤں کے درمیان حائل ہو گئی ہے قابل عبور ہو جائے گی۔ اس طور پر ملک کی تعلیم یافتہ رائے عامہ سلطنت میں ایک حقیقی طاقت کی حیثیت اختیار کرے گی۔ ہم کو بے تابی سے اس دن کا انتظار ہے جب ہندوستان کے تمام انگریزی تعلیم یافتہ باشندے ہندو مسلمان عیسائی برہمن اپنے ملک کی حالت کو سدھارنے سنوارنے میں متفق و متحد ہو جائیں گے۔

اس امر کے پیش نظر محرم انکلو اور نیٹل کالج ہماری نظروں میں ایک مخصوص اہمیت رکھتا ہے اب جب کہ سید احمد

پنے ہم مذہبوں کی فلاح و ترقی میں اپنی پوری طاقت اور وقت کو وقف کر دینے کے لیے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں ہم کو کامل امید ہے کہ یہ کالج کامیاب ہوگا اور ایسا وسیلہ بنے گا جس سے مغرب کی طاقت خزانہ اعظیم اور پھر ملکہ معظمہ کے چار کروڑ مسلمان رعایا میں شیوع پائیں گے۔

ٹائمز ۲۲ جنوری ۱۸۷۷ء :

گزشتہ دو شنبہ کو ہمارے کلکتہ آفس سے جو خبر موصول ہوئی ہے اس میں ایک مختصر اطلاع یہ دی گئی ہے کہ لارڈ لٹن نے علی گڑھ میں فٹن کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس وقت عام لچپی کا مرکز وہ تقریب تھی جو دہلی میں منعقد ہو رہی تھی اس کے باوجود دنیا کالج باری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اساتذہ کچھ کے مکرے ابتدائی اور کالجیٹ شعبوں سے متعلق دارالافتاء فراہم کرنے کے لیے مئی ۱۸۷۵ء تک مشکل سے ۵ لاکھ کا پانچواں حصہ بھی جمع ہو سکا تھا۔ لیکن اسی سال نومبر سے پہلے تھانہ مدرسے میں جو اس دوران میں قائم کر دیا گیا تھا۔ سرولیم میور نے بحیثیت وزیر جو خطہ دیا اس وقت چندے کی رقم ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ بیش تر اراضی دینے والوں میں سرسار جنگ ہیں جو کالج کے وزیر بھی ہیں۔ گزشتہ ہفتہ کی تقریب سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان یہ محسوس کرنے لگے ہیں یا ان کا خیال ہے کہ وہ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ چار سال پہلے انھوں نے جو اس بات کی ضمانت دی تھی کہ وہ آکسفورڈ اور کیمبرج کے انداز کا ایک کالج بھارت میں قائم کر دیں گے وہ اسے پورا کر دکھائیں گے۔ ان کے پورا سکول (تھانہ مدرسہ) کا نصاب پانچ سال کا ہوگا۔ چنانچہ طالب علم کو کلکتہ یونیورسٹی یا علی گڑھ کے کالجوں میں انٹرنس کا امتحان دینے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اس ڈپارٹمنٹ میں ہیں وظائف رکھے گئے ہیں جو ایک سال تک ملتے رہیں گے لیکن مقابلہ کے امتحان کے بعد پھر حاصل کیے جاسکیں گے۔ کالج میں دو شعبہ اور ہیں ایک عام ادبی اور سائنسی نصاب پر مشتمل ہے جیسا کہ انگلش یونیورسٹی میں رائج ہوتا ہے۔ دوسرا سنی اور شیعہ مسلمان طلباء کے لیے دینیات کا ہوگا۔ اس کے لیے ساٹھ وظائف ماعتلہ سے متاثر سالانہ تک کے ہوں گے۔ انگریزی معیار کے پیش نظر یہ رفیس حقیر ہیں لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ ہندوستان کا ایک باشندہ ۸ شلنگ ماہوار پر گذر بسر کر لیتا ہے یہ رقم اس کی کفالت کر سکتی ہے۔ اس گریڈ میں چار سال کی تعلیمی مدت کامیابی سے ختم کرنے کے بعد طالب علم اسی مضمون میں آنرز کورس لینے کے لیے مقابلے کے امتحان میں شریک ہونے کا حجاز ہو جائے گا۔

اس کے لیے اس نے مخصوص صلاحیت حاصل کر لی ہوگی۔ آخر میں فیلولوٹپ کے لیے ایسے سینس
 تہرین طلبہ کا انتخاب کیا جائے گا جن کو چھ سو روپے سالانہ کا وظیفہ سات سال تک ملتا رہے گا۔ ان
 کا قیام و طعام کے شرائط اسکیم کی ایسی مدیں ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پریسڈنسی کالجوں
 بگرومنٹ یونیورسٹیوں کے نظام کی دو نہایت درجہ سنگین نقائص کی تلافی کر سکیں گی۔ فرسٹ کلاس کی
 بوسے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ناواقف اور بزخود غلط فہم ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی تعلیم
 ہایت درجہ پر آگندہ اور بکھری ہوئی ہوتی ہے اور چونکہ یونیورسٹیاں زیادہ تر امتحان لینے والے ادارے
 کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے وہ طلباء میں رٹ لینے کی عادت ڈال دیتی ہیں۔ مطبوعہ اسکیم میں نہایت
 رات مندانہ اور عاقلانہ فقرہ یہ آیا ہے کہ ہندوستانی طلبہ کی بد اخلاقی کا سبب یہ ہے کہ ان کی نگرانی و نگرہ
 نہیں ہوتی نیز اس کا بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ ان طلبہ کی تعلیمی اصلاح کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں محسوس
 ہوتی جتنی اخلاقی تہذیب کی۔ علی گڑھ آکسفورڈ کالج کا مشنی ہوتے ہوئے بھی مشرقی خصوصیات کا حامل
 ہوگا۔ مثلاً کھانا پکانے اور کھانے میں ذات پات کے طریقوں کا لحاظ، موزن یا ناز جمعہ کی اذان۔ شیعہ ڈان
 ان سین مین بار مسجد کو جایا کرے گا اور سنی ڈان۔ امام یا واعظ کے حلقے میں بیٹھ جائے قرآن حفظ ہوگا۔ یہ نہیں
 ہے کہ اقامت پذیر تمام طلبہ مسلمان ہوں گے اور مسجد جایا کریں گے بلکہ اس کے برخلاف بعض حالتوں میں کالج
 کے مشاہدے اور نا صاب کافر ہندو اور عیسائیوں کے لیے بھی کھلے ہوں گے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ
 یہ چیز کب سے آئی ہے، یہ وسیع المشرفی کا قابل لحاظ مظاہرہ قرار دینا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کالج کی بنیاد
 پر انڈیا کے برل مسلمانوں کی فتح ہے جو انگریزوں کی تائید میں ہوتے ہوئے ”عنان وطن“ میں شمار ہوتے
 ہیں۔ اس سیکشن کے نمائندہ سید احمد خاں کہے جاسکتے ہیں جو اس اسکیم کے موسس ہیں۔ ابتدا میں متعصب
 مسلمانوں کی طرف سے اس منصوبہ کی مخالفت ہوئی جنھوں نے سرسید پر الحاد و تہذیب کا الزام عائد کیا۔
 سالانہ جنگ کے چندہ دینے سے دربار نظام کے کٹر درباری مخالفت پر تل گئے لیکن رفتہ رفتہ اس منصوبے
 کو مقبولیت حاصل ہونے لگی۔ اب اس کی سرپرستی ہمالک مغربی و شمالی اور پنجاب کے سربراہان و مسلمان
 سربراہ ہیں مسلمان اور ہندو دونوں کی طرف سے یہ ایک نمایاں مثال اس ملکی تحریک کی ہے جو تعلیمی اور سماجی
 اصلاح کے لیے از خود میدان ہوئی ہے۔ یورپین ادب سے ترجمہ یا تالیف کے ذریعہ اردو زبان کے سرمایہ میں
 اضافہ کرنا، علی گڑھ کے نمونہ کے ابتدائی مدارس کی تعداد کو بڑھانے کی کوشش میں معین ہونا اور ان کے

یہ کالج سے نہایت درجہ تربیت یافتہ معلم فراہم کرنا، اور اس ادارے کو ہندوستانی ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست کے مسلمانوں کی ذہنی زندگی کی سرگرمیوں کے لیے ایک مرکز بنا دینا اس کا مقصد ہو گا اور یہ کارنایاں یقیناً اعلیٰ حوصلہ مند اور بلند ترین فطری صلاحیتوں کے شایان شان ہو گا۔ علی گڑھ میں اس وقت جو کام ہو رہا ہے اس کی مقدار یقیناً کم ہے لیکن اس سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اپر انڈیا کے مسلمانوں کے سماجی اصلاح کے دھارے کا رخ ورفقا کرنا ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی سے متعلق سر سرچرڈ ٹپیل کی مشہور یادداشت موجود اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ ہمارے ساتھی مسلمان رعایا کی پرفتناء علیحدگی پسندی اگر بالکل دور نہیں ہو چکی ہے تو تدریج کم ہوتی جا رہی ہے۔



انڈیا سے ان دنوں جو جریں موصول ہوئی ہیں ان میں دہلی میں منائی جیلنے والی عظیم الشان شاہی تقریب کی تفصیل تقریباً زیادہ حصہ رہا ہے، یا ان پر اس کی قحط کی پرچھائیاں اتنی گہری پڑ رہی تھیں جن کے شاندار روز بروز احاطہ ممکن نہیں اور مدراس میں بڑھتے جا رہے تھے کہ اب یہ محسوس کر کے ایک گونہ تازگی محسوس ہوتی ہے کہ ہماری توجہ کو بعض اُمید افزا اور بلند تر ہندوستانی مسائل کی طرف مائل ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ اس طور پر آج صبح ہم نے جو تفصیل علی گڑھ میں ایک نئے اینگلو انڈین کالج کے قیام اور اس سے توقعات کی شائع کی ہے وہ ایک طور پر ہماری دو گونہ خوشی اور غیر مقدم کا موجب ہے۔ اس ادارے کے بانیوں نے جس مشکل ہم کو اپنے سامنے رکھا ہے وہ یقیناً قابل لحاظ اور غیر معمولی ہے۔ ایک ایسی کالج جو تقریباً انگلش نمونہ پر قائم کیا گیا ہو، جس کے اساتذہ کو پابندی سے تنخواہیں ملتی ہوں۔ اس کے وظائف، فیلوشپ اور تمام وہ دوسری باتیں جو ایک تسلیم شدہ کالج کے دروبست میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں ہندوستانی باشندوں کے ہاتھوں رضا کا لاناہ طور پر برسر عمل آئیں اور انجام پائیں بجائے خود ایسا واقعہ ہے جو پرنے عیال کے ہندوستانی باشندوں کے لیے بڑی حیرت کا باعث ہو گا۔ وہ یہ سن کر اور زیادہ متعجب ہوں گے کہ یہ کام مسلمانوں نے شروع کیا ہے اور جس کے لیے وہ جگہ تجویز کی گئی ہے جو مسلم اثر و اقتدار کا مرکز ہے اور دہلی سے اتنی قریب ہے کہ دہلی کی توپ کی آواز سنی جاسکتی ہے نیز اس کا مقصد ایسی تعلیم دینا ہے جو یورپین خیالات اور یورپین ادب سے ان لوگوں کو روشناس کرائے جواب تک دونوں سے نہایت درجہ حقارت انگیز غناور کھتے تھے۔ اس نئے اور انوکھے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لیے سرمایہ

اکٹھا کرنے میں کچھ دشواری محسوس ہوئی اور اب بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس دشواری پر پورے طور سے قابو پایا گیا ہے۔ کام کی تکمیل کے لیے ایک لاکھ پونڈ کی رقم ضروری بتائی جاتی ہے لیکن باوجود اس کے کہ ضابطے سے کالج کا افتتاح کیا جا چکا ہے اس رقم کا نصف بھی جمع نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ رقم اس وقت تک فراہم ہو جائے گی جب اس کی ضرورت ہوگی۔ علی گڑھ میں جن طلباء کا آئندہ داخلہ ہو گا وہ اب تک تخفیفی اسکول سے فارغ التحصیل نہیں ہوئے ہیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ منازل طے کر چکے ہیں ان کو بھی کالج تک پہنچنے میں ابھی چار سال درکار ہوں گے۔ ہم کو یقین ہے کہ آمدنی کے ذرائع اور وسائل کا تکلیف دہ مسئلہ اس وقت تک اطمینان بخش طور پر طے پا چکا ہو گا۔ اس کا بہت کم امکان ہے کہ اس اسکیم کے بانیوں کی ہمت پست ہو جائے گی جب کہ وہ اس حد تک کامیابی کے قریب ہو چکے ہیں اور ایک طور پر ساری دنیا ان کے کارنامے کی شاہد عادل ہے۔

ہندوستان کے باشندوں کو تعلیم سے آشنا کرنے میں ہم کو دو گونہ وقت کا سامنا رہا ہے جہاں تک بنگال کا تعلق ہے ہندوؤں نے ایک طور پر بھول انداز میں اس اثر کو قبول کر لیا ہے جس سے ہم اس کے ذہن کو متاثر کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہماری زبان سیکھ لی ہے۔ ہماری تاریخ کا آموختہ بھی اسے یاد ہے۔ ہمارے سائنس میں کچھ شدید پیدا کر لی ہے اور اس تمام زمرے میں اس نے ان اسباق کو ازبر کر لینے کی غیر معمولی صلاحیت دکھائی ہے جو ہم نے سکھا دیے ہیں لیکن نئے علم سے اس نے جو کچھ افادہ کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا علم صرف چھلکے تک محدود ہے۔ نئے علم نے اس کو بالکل وہیں تک محدود رکھا ہے جہاں وہ اس سے پہلے متعارف ہوا تھا یا اگر اس علم نے اسے پہلے سے زیادہ بخود غلط بنا دیا ہے تو اس نے اس پر کسی ایسی ٹھوس شے کا اضافہ نہیں کیا ہے جسے وہ اپنے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرنے کا معقول سبب قرار دے سکتا۔ ہم کو نہ تو فتح حاصل کر لینے سے کوئی خوشی ہوئی نہ ان قوموں سے جن کو ہم نے فتح کیا۔ ہندو اگر اپنی انتہائی سکینیت کے باعث ہم سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے تو مسلمان ایسے ضدی تھے کہ انھوں نے ہم سے سب سے کچھ حاصل ہی نہیں کیا۔ ہمارے لیے مسلمانوں کے سخت تر طبیعت بہر قابو پانا زیادہ مشکل تھا اور اس کو قابو میں لانا قدر قیمت کے اعتبار سے بھی بہتر تھا لیکن یہ کام بے انتہا دشوار تھا۔ اپنے مسلک اور اپنی تاریخ کے پیش نظر وہ ہم کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ طاقت سے محروم ہو جانے کے سبب سے وہ افسردہ رہا ہے کہ پہلے کی طرح وہ اپنا اثر و اقتدار منوانہیں سکتا تھا لیکن وہ برابر

اس کا متوقع اور منظر رہا ہے کہ اس کی غلامی کا عہد ختم ہو جائے گا اور وہ اس زنجیر سے آزاد ہو جائے گا۔ جس سے اس کے نئے آقا تبیر و تزویر سے اس کو جکڑتے جاتے تھے۔ تحصیل علم سے لیے پروا اور اس پر سختی سے بغض کر وہ اپنے تصورات کے بجائے دوسروں کے خیالات کے آگے برگز سرخم نہ کرے گا۔ باوجود اس کے کہ ہم نے مسلمانوں پر حکم چلانے کا زیادہ تر اختیار ہندوؤں کو دے رکھا ہے۔ ہندوستان کا مسلمان انتظامی امور کے انصرام میں ہندوؤں سے زیادہ موزوں ہے۔ ہم نے انتخاب کا جو اصول اختیار کیا ہے اس سے قدرتی طور پر جو تجربہ رکم ہوا ہے وہ بالکل اس کے برعکس ہوا ہے جو کہ ہونا چاہیے تھا۔ امتحان لینے میں وہ کوئی بھی تعلیمی معیار مقرر کریں ہندو یعنی طور پر مسلمان سے ترز ثابت ہوگا۔ ہندوستان کی آبادی کا کوئی بھی حصہ ہو جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے وہ ناقص اور نامکمل رہی ہے اور باوجود اس کے کہ ہمارے پاس مکمل شمار و اعداد نہیں ہیں ہم اتنا یقیناً جانتے ہیں اور یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ بعض امور کے پیش نظر جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے ہندو فائدہ میں رہے ہیں مگر شہ مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی جتنی تعداد ہے اس نسبت سے زیادہ ہی وہ تعلیم سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور جیسا کہ سول سروس کے امتحانات سے ثابت ہوتا ہے ان میں کچھ تعداد ایسی بھی ہے جو تربیت و تہذیب کے اعتبار سے اپنے پرانے فاتحوں اور آقاؤں سے بہت آگے نکل گئی ہے۔ اس طور پر یہ امر باعث حیرت و مسرت ہے کہ یہ جدید تعلیمی تحریک کہاں سے آئی اور کس غیر متوقع سمت اس کا رخ ہے۔ علی گڑھ کا یہ کالج اس امر کا مستقبل ثبوت ہے کہ بالآخر ہماری مساعی کتنی مشکلاخ فے پر اثر انداز ہوئیں جن کا ہم کو سابقہ تھا اور اسی بنا پر اس تحریک کو مشکل دینا اور اس کی ترقی میں معاون ہونا جتنا زیادہ مشکل ہے اتنا ہی حق بجانب ہے۔ دینے اور پانے والے دونوں کے حق میں یہ بہتر ہوگا اگر تعلیم مسلمانوں کو اس قابل بنا سکے کہ وہ انگریزی سرکاری مراتب و مناصب میں زیادہ حصہ پاسکیں اور یہ کہیں بہتر ہوگا وہ اس مقصد کے حصول میں اپنی مدد آپ کر سکیں تاکہ اس کے لیے جس مناسب طریقہ و کار کی ضرورت ہو اس کو اختیار کیا جاسکے۔

جب تک مطلوبہ بنیادی سرمایہ ہاتھ میں نہ آجائے اس پر بحث کرنا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے کہ علی گڑھ کی آئندہ ترقی کے امکانات کیا ہیں اور جن اصولوں پر وہ چلایا جانے والا ہے وہ کہاں تک صحیح ہیں ہم جو بہترین تجربہ نکال سکتے ہیں ان کا مداری فی الحال امیدوں پر ہے نہ کہ پیشین گوئیوں پر۔ البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جن پر ہم قیاس آرائی کر سکتے ہیں بشری کا خاکہ مکمل ہے۔ صرف جزئیات کی خانہ پری باقی ہے اور

یہ وقتاً فوقتاً جیسے جیسے ضرورت پیش آتی رہے گی اور سرمایہ فراہم ہوتا رہے گا پوری ہوتی رہیں گی۔
 اس کے بعد کئی نو دس سطروں کا مفہوم واضح نہیں ہے ممکن ہے ان اصلاحات کی
 طرف اشارہ کیا گیا ہو جو اسی زمانہ میں آکسفورڈ اور کمبریج یونیورسٹیوں کی بنگلی کے آڑا
 کے لیے ایک اصلاحی کمیٹی نے تجویز کی تھی۔ ان کا ذکر یہاں ضروری نہ معلوم ہوا اس
 لیے ترجمہ نظر انداز کیا گیا۔ مترجم]

علاوہ بریں ایک امید افزا علامت غیر متوقع لائڈ سب رواداری کی روح کی کارفرمائی ہے۔ ظاہر ہے
 مسلک اسلامی ہوگا لیکن مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بے دین (Glaour) کو بھی اس کا حق حاصل ہوگا کہ
 وہ اپنی قابلیت سے یہاں کے فوائد حاصل کرنے کا اپنے کو مستحق ثابت کریں۔ آزادی خیال کے راستے میں
 یقیناً یہ ایک پیش قدمی ہے جس امتیاز کو تقریباً حال ہی میں لیکن نامکمل طور پر ہم نے حاصل کیا ہے اور جس کے
 بارے میں ہم کو بہت کم توقع تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی مستحکم صفت میں اس طرح تمام وکال راہ پاک لے گی جہاں
 تک ہم سمجھ سکے ہیں کالج کا تعلیمی نقشہ بہت صحیح مرتب ہوا ہے۔ اگر یہ اسکیم ادارے کے بانیوں کی موجودہ غرض
 و غایت کے مطابق برسر کار لائی جاسکی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انگریزی تعلیمی فو قیت اور ہندوستانی تعلیم کو انگریزی
 اثرات سے متاثر ہونے کے فوائد کو صدق دل سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو بہت
 سی ان خوبیوں اور خوب صورتیوں کے منکر ہوں جو ہندوستانی ادب میں ملتی ہیں لیکن ظاہر ہے ہندوستان کے
 موجودہ حالات میں یہاں کے باشندوں کے لیے انگریزی ادب اور زبان مدتوں وہ سب کچھ رہے گی۔ ملکہ
 اس سے بھی زیادہ کچھ بھی کلا۔ کلا۔ ادبیات ہمارے لیے تھیں۔ مدتوں علما ان کی حیثیت نہ ختم ہونے والے ذخیرہ
 کی ہوگی، جس کی بیش از بیش قدر وقعت کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے جن کے بارے میں یہاں تک
 اندیشہ ہے کہ تاثر بہت یافتہ ذہن جن کے لیے یہ فراہم کی جائیں گی شاید ان کو مفہم نہ کر پائیں۔ ایک ایسے
 منصوبے کے بارے میں جسے ہم دل سے پسند کرتے ہیں اور جس کے بارے میں ہم کو امید ہے کہ بہترین
 نتائج کا باعث ہوگا ہم کو ایسی بات نہیں کہنا چاہیے جو ہمتوں کو پست کرے لیکن یہ بہتر ہوگا اگر ہم اپنے
 آپ کو اس کے لیے تیار رکھیں کہ بدلے کار میں یا یو سی کا سامنا ہو بہت ممکن ہے نتائج زیادہ دیر میں برآمد
 ہوں اور کچھ دنوں اتنے واضح بھی نظر نہ آئیں جتنا کہ اس اسکیم کے بانیوں کو توقع ہے۔ اس طرح کی غلط فہمیاں
 میں جو اس سے بچی زیادہ امید افزا اگر رو پیش میں وجود میں آتے ہیں اس کا بڑا امکان رہتا ہے کہ وہ ابتدا

میں نامکامیاب رہتے معلوم ہوں اور پہلی ناکامیابی بڑی افسردہ کن اور ہمتوں کو پست کر دینے والی ہوتی ہے۔ انگلستان میں جو کالج قائم کیے گئے شروع شروع میں بہت ہی معمولی کامیابی سے دوچار ہوئے۔ یہی حال اُن نئے مضامین کا ہوا جن کی پیوند کاری پرانے اور تسلیم شدہ نصاب میں کی گئی۔ آخر جس طرح حاصل کیے گئے یا دیگر یاں تفویض کی گئیں وہ مضحکہ خیز تھیں ہم نے یہ سیکھا ہے کہ نامساعد حالات کو کس طرح گوارا کرنا اور بہتر حالات کا متوقع رہنا چاہیے۔ بہت ممکن ہے علی گڑھ کالج کے خیر اندیش بانیوں کو بھی اسی صورت حال کا سامنا ہوا۔ ہم کو امید ہے ان حالات میں وہ ثابت قدم رہیں گے۔ ان کا منصوبہ شاندار ہے۔ ابتدائی موانع پر قابو پانے کے باوجود ہم یہ خیال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ وہ اس منصوبے کی تکمیل بہت جلد یا آسانی سے کر پائیں گے۔ ہندوستان کی سرزمین پر ذہنی سرگرمیوں کا ایسا مرکز قائم کرنا جو رفتہ رفتہ اپنی سرعت پذیر روح کو ہر چہاں طرف جاری و ساری کر سکے نیز ایسی کشش رکھتا ہو اور اپنی ہی وضع قطع پر اس کی تشکیل کر سکتا ہو کہ بہترین ذہن و دماغ اس کے دم بدم وسیع تر ہوتے ہوئے حلقے کی طرف کھینچتے چلے آئیں یہی اُن کا بلند و بزرگ منصوبے کے شایان شان ہے۔ اس سے جو توقعات میں اس کی بنا پر ہم اس کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اس بنا پر اور بھی کہ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ ہماری ساتھی رعایا مسلمانوں میں مشرب اور مقاصد کی کشادگی شہادت پتیں کرتے ہیں۔

سٹرٹس ریلوے ۲۷ جنوری ۱۸۷۷ء

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ برطانوی ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم پر قائم رہنے کی ضد، عرصہ دراز سے اینگلو انڈین مباحث کا جز بن چکی ہے۔ یوں بھی سمجھاں طبقہ بھی اس امر کو تسلیم کرنے پر مائل ہونے لگا ہے کہ صورت حال کو انگیز کر لیا جائے اس لیے کہ قانون فطرت یہی ہے جس کے خلاف ہر کارروائی بے سود ہوگی۔ ان جیسی نسل کے مزاج کو مد نظر رکھتے ہوئے نیز جن مخصوص بدے ہوئے حالات کی گرفت میں وہ ہیں ایسا ہونا خلاف توقع نہیں ہے۔ گئے دنوں کی اپنی حکوم رعایا کے دوش بدوش کھڑا کر دیا جانا جو کسی حال میں گوارا نہ ہوتا کیا کم تھا کہ اس بنا پر دس گنا اور زیادہ ناقابل قبول ہو گیا کہ وہ رعایا قوت اور مردانگی یا بحیثیت مجموعی کیے کر کے اعتبار سے ان سے کم درجے کی تھی۔ بزرگ خود مسلمانوں کے پندار کو اس سے ٹھیس لگتی تھی کہ وہ سماجی اعتبار سے اس سطح پر کھڑے کر دیے جائیں چاہا ہندو تھے جو برہمن اور پست ہمت تھے نیز حکومت سے مناصب پانے کے لیے مساویانہ حیثیت سے اگر

مقابلہ کرنے پر مجبور ہو یا بالکل نہ کرے۔ جیسا کہ دنیا جانتی ہے اس نے مؤخر الذکر راستہ اختیار کیا۔ اس طرح ایک طرف اس میں اور بندہ وہیں جسے وہ حق سمجھتا تھا سماجی فاصلہ بڑھتا گیا دوسری طرف اسی تناسب سے جس سے اس کی تنگ نظری بڑھتی گئی وہ انگریزوں سے بھی جو ایک حد تک اس کے ہمدرد و حامی تھے دور ہوتا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نئی تہذیب سے برگشتہ رہنے کی مسلمان قسم کھا چکے ہیں لیکن اپنا نفع دیکھ کر بندہ اس میں حصہ لے رہے تھے۔ درجنوں ہندو سبھائیں (سیاسی سماجی انجمنیں) تمام ملک میں پھیلی گئی تھیں جو اکثر رائے عامہ کی بڑی مفید ترجمانی کرتی تھیں۔ کلکتہ کی نہایت درجہ قابل قدر فخرن لطیری سوانی جس کی تجاویز کو لوکل گورنمنٹ نے ہمیشہ بہ نظر استحسان دیکھا مدتوں یکہ ذنبہا مسلمانوں کی پبلک اسپرٹ کی ترجمانی کرتی رہی۔ مسلمانوں کی ضد کا مظاہرہ خاص طور پر حکومت کی تعلیمی پالیسی کے خلاف تھا اور کوئی عیسائی مشنری بے دین کا لہجوں (Godless Colleges) کے خلاف اس درجہ لعن طعن نہیں کر سکتا تھا جتنا کہ مسلمان لیکن گزشتہ تین چار سال سے ان میں بتدریج ایک تبدیلی نمایاں ہونے لگی ہے وہ بھی ایسے حلقے میں جہاں اس کی سب سے کم توقع تھی۔ سر چپٹہ ٹپیل کی یادداشت کے بعض دلچسپ حصوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنگال کے مسلمان نہایت خاموشی سے تعلیمی اصلاح کی طرف کام زن ہیں یہاں تک کہ اس قدامت پرست نسل کے بااثر اور معزز افراد میں تعلیم نسواں کی تائید کی جانے لگی ہے۔ اسی طرح کار جان پچا کے مسلمانوں میں بھی نمایاں ہے اور ان کے یہاں بھی اس کا محرک یہ یقین اور عزم ہے کہ پبلک سرائس ذمہ داریوں، مسابقت، باہمی اور نقد و نفع کے پیش نظر الگ تھلگ رہنے کے کوئی معنی نہیں۔

لیکن چند دن ہوئے علی گڑھ میں لارڈ لٹن نے جس تقریب میں حضرت لیا اس سے اس امر کا نہایت واضح ثبوت ملتا ہے کہ مسلمان اپنی سماجی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ رہے ہیں۔ ظاہر ہے اہل ہند کے بعض ممتاز مسلمان جو بہ حیثیت مجموعی اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک ایسا کانٹا قائم کیا جائے جو کمیس اور کارگردگی کے اعتبار سے ہندوستان کے دوسرے اداروں میں منفرد ہو اس کا ثبوت نہیں ہرگز مسلمانوں کے معاشرتی احوال کا عہد نمودار ہونے کے قریب آگیا ہے لیکن جیسا کہ طبعیات کا حال ہے اسی طرح سیاسیات میں بھی کسی نتیجہ کی وقعت کا مدار اس پر نہیں ہوتا کہ جو واقعات مشاہدے میں آئے ہیں وہ کتنے ہیں بلکہ کیسے ہیں۔ گزشتہ دو شبہ کے دائرے میں جو دلچسپ تفصیل شائع ہوئی ہے وہ کچھ اسی نوعیت کی ہے کہ سیاسی مبصر اس پر غور کریں جس تحریک کی تفصیل شائع ہوئی ہے وہ اس کی مستحق ہے کہ اس کی تائید پر لیں اور

حکومت دونوں دل کھول کر کریں مسلمانوں کی اس دیرینہ حقارت کو ذہن میں رکھتے ہوئے جوان کو یورپین جدت و بدعت سے بچتی اور وہ فرقہ وارانہ توتو میں جو علی گڑھ کا نام لینے ہی شروع ہو گئی ہوگی۔ یہ خبر کہ لارڈ لٹن نے ایک مخزن کالج کانسنگ بنیاد رکھا محض رضا کارانہ کوششوں کا نتیجہ اور انگریزی تعلیم کا ہوں کے انداز پر تھا جس میں اسکا لرشپ، فیلوشپ، پروفیسرشپ، لکچرشپ کا انتظام تھا اور درس گاہ کے حدود کے اندر قیام لازمی تھا اور مذہبی موافقہ حاصل نہ تھے۔ ایسی باتیں تھیں جن کو پرانے انداز کے مسلمان جیسا کہ طائفر کے نامہ نگار نے لکھا ہے نہایت درجہ متحیر ہوئے ہوں گے۔ یہ نئی تحریک یقیناً اس نمونے کی ہے جو بنگال اور دوسرے مقامات پر نظر آتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی ایسی ہندوستانی کوشش ہے جو تعلیمی ترقی کے لیے عمل میں لائی گئی ہے اور قبضی منفر د ہے اتنی ہی بے ساختہ ہے۔ ابتدا کرنے میں مسلمان سست رہے ہیں لیکن اب جب کہ انھوں نے کام شروع کر دیا ہے وہ اس کو کھوپڑ پر تھپتھپ سے پورا کرنے میں مل گئے ہیں۔ انھوں نے تقریباً نصف کام ختم کر لیا ہے اور محنت اور گرم جوشی نے رفاقت کی توفیق نصف بھی پورا ہو جائے گا۔ علی گڑھ میں ایک عظیم الشان مرکزی کالج کے قیام کا منصوبہ چند سال ہوئے سید احمد خاں کے ذہن میں آیا جو ممالک مغربی شمالی کے روشن خیال مسلمانوں کے بڑے مشہور و مقبول لیڈر ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک مکمل نظام تعلیم مرتب کیا جائے جس میں مغربی سائنس اور اسکے پہلو بہ پہلو فارسی، اردو، عربی، سنسکرت اور ان دوسرے مضامین کی تعلیم کا بندوبست ہو جو مشرقی نفاذ تعلیم میں شامل ہوں نیز قانون اور دنیا کا انتظام ان طلباء کے لیے ہو جو ان مضامین کو اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ محمدن فاؤنڈیشن ہونے کے باوجود اس کالج کے دروازے ہندو اور عیسائی طلباء کے لیے بھی کھلے ہوں گے جو بعض نوعیت اور علمی قابلیت کے شرائط پورے کرتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ کالج کے امتیازات و اعزازات کے بھی مستحق ہوں گے۔ اس اسکیم کو شروع کرنے کے لیے ایک لاکھ پونڈ کے جس سرمائے کی ضرورت ہے وہ پرائیوٹ طور پر عطیات حاصل کرنے سے پورا کیا جائے گا جس میں گورنمنٹ گرانٹ بھی شامل ہوگی۔ آغاز کار میں سب سے زیادہ دشواری ان چندہ دینے والوں کی طرف سے پیش آئی جو مذہبی تربیت کی طرف سے طرح طرح کے شبہات رکھتے تھے تاوقتیکہ کوئی شخص اپنا عطیہ دینے والی شے کے لیے نہ دے کوئی سنی اسے گوارا نہ کرے گا کلاس کا روپیہ شیعہ طالب علم کی تربیت پر صرف کیا جائے۔ کوئی سنی کالج میں شیعہ مسجد کی تعمیر گوارا نہ کرے گا۔ شیعہ چندہ دینے والوں کو بھی اسی طرح کا اصرار تھا۔ لیکن بالآخر اس دشواری پر قابو پایا گیا اور اس امر کی

بے کم و کاست ضمانت دی گئی کہ جو چند معمول ہو گا وہ نہایت احتیاط کے ساتھ معطلی کی مرضی کے مطابق خرچ کیا جائے گا۔ بانیان کالج اس بارے میں اس درجہ قنطاط ہیں کہ انھوں نے نوکٹری اور طبی معالجین بھی اس کا لحاظ رکھا ہے مثلاً کالج سے وابستہ ایک ڈاکٹر ہو گا اور ایک حکیم (طیب) بھی۔ کالج میں داخلے کے وقت طالب علم یا اس کے سرپرست سے دریافت کر لیا جائے گا کہ علالت میں طالب علم کے علاج کے لیے ڈاکٹر کو ترجیح دے جائے گی یا حکیم کو۔ اور جب کبھی ایسا موقع آئے گا تو اس کی تعمیل کی جائے گی اور اس کی اطلاع فی الفور سرپرست کو دی جائے گی اور ان کی ہر بات پر کامل طور پر عمل کیا جائے گا۔ غرض منصوبہ عمل میں لایا گیا اٹھارہ ماہ ہوئے پر انہوں نے عطیات کی رقم ۲۰ ہزار پونڈ تک پہنچی جو چھ بیٹے میں دگنے سے زائد ہو گئی.... یہ نہایت درجہ قابل لحاظ ۴۰۶ اور اور جو صلہ مندانہ تحریک جزوی طور پر بھی کامیاب ہو جائے تو اس کے بانی تبریک و نہایت کے مستحق ہوں گے ان کو امید ہے کہ آج سے اٹھ سال بعد علی گڑھ انگریزی نمونے کے ایک کالج کی حیثیت اختیار کرے گا جس میں محمد زے زمانے کی عقل و دانش کے راز آشنا شیوہ اور سی Dons ہوں گے۔ جہاں تیس گزافندہ فیلو شپ اور ساٹھ اسکالرشپ ہیا ہیں جس سے طالب علم کے شوق علم کو تحریک ہوگی۔ اس کے ... اسکالرشپ ابتدائی اور تھانی اسکول کے ... طلباء کے لیے ہیں۔ سائنسی اور ادبی نصاب ایسا ہی ہمہ گیر ہے جتنا کسی یورپین یونیورسٹی کا ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کو ہندوستانی پریٹنس کالجوں سے زیادہ مکمل بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس اسکیم کی نہایت درجہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اپیشل آنرز اور خصوصی کتبائات کے لیے خصوصی انعامات رکھے گئے ہیں تیس فیلو شپ کی تقسیم یوں ہوگی زبان کے لیے آٹھ۔ ریاضیات کے لیے پانچ، منطق، خطابت اور فلسفہ کے لیے چار، پھر سائنس کے لیے چار اور پانچ مسلم قانون اور اصول قانون کے لیے جوینی اور شیوہ عقائد سے متعلق ہوں گے۔ علی گڑھ فیلو شپس صرف سات سال کیلئے یافتی ہوں گے۔ جہاں تک کالج میں قیام و طعام کے ضوابط کا تعلق ہے علی گڑھ کو پریسیدنسی اور دوسرے کالجوں پر یقیناً ترجیح حاصل ہے جن کے طلباء کے ناپسندیدہ اطوار کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ ان پر کالج اتھارٹیز کی نگہداشت نہیں رہتی۔ یہ وقت بھی محسوس کی گئی کہ مختلف ملت و مسلک کے طلباء کو ایک ہی چھت کے نیچے کس طرح رکھا جاسکے گا لیکن جو پروگرام بنایا گیا ہے اس نے اس دشواری کو قابل اطمینان طور پر حل کر دیا ہے (Dons) ڈان صاحبان نہ تو لو جو انوں کے مذہب میں مداخلت کریں گے نہ کھانے پکانے کے اہتمام میں۔ علی گڑھ کی وسیع المشرتی کا مزید ثبوت یہ ہے کہ اس امر کی آزادی دے رکھی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس ادارہ اور اس کے انعامات کو کلکتہ یونیورسٹی آنرز کے

یہ وسیلہ بنا سکتے ہیں۔ ایسے بھی قواعد رکھے گئے ہیں کہ سست کار اور نااہل لڑکوں کو ادارے علمیہ کیا جاسکے کسی غیر
کو ایضاً نوجوان کو نچلے درجے سے ترقی دے کر کالج ٹیچر ڈیپارٹمنٹ میں داخل نہ کیا جاسکے گا۔ اور جن طلباء کو وظائف
ملنے ہوں گے ان کو اختیار ہوگا کہ وہ ہر سال کے آخر میں ان وظائف کو بارہا حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ بالآخر
امید کی جاتی ہے کہ آئندہ کے فیلوز ان پرائشل اسکولوں کے ماسٹر صاحبان ہوں گے جو علی گڑھ تحریک کی تائید
میں ملک میں جا بجا قائم ہو سکیں گے۔ Dons ایسے صاحبان ہوں گے جن پر ان کے ہوطنوں کو اطمینان ہوگا کہ
وہ ان کی مشترک زبان کو ایک ایسا موثر ارنائیس گئے جس سے تمام شمالی ہند کی مسلمانی آبادی یورپ کے ادبی اور
سائنٹفک علوم کی نش و نشاعت کی جاسکے گی۔ یہ فرقہ وارانہ اور ساتھ ہی غیر فرقہ وارانہ موقوفہ کا حیرت انگیز مجموعہ ہے
اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے بانیوں نے کم سے کم اب تک ایک ایسی مذہبی دشواری پر قابو پا رکھا ہے
جو اٹھک تان کے ماہرین تعلیم کے لیے درد سر بنا رہا ہے۔ آئندہ کامیابی کی توقعات سے قطع نظر اس کے بانی
اپنی خیر اندہ پیرائیم اور بلند پایہ مساعی کے لیے ہماری اعلیٰ ترین تبریک تہنیت کے مستحق ہیں ان کی کوششوں کا بہترین
نتیجہ اس امر کی شہادت ہے کہ مسلم آبادی کے ذہن بطحہ کا حقیقی رُخ و رجحان کس طرف ہے۔

پالیو نیر ۲۷ جنوری ۱۸۷۷ء :

وائس رائے کا علی گڑھ ٹیچر لے جانا اور اس سے متعلق نیو محمدان ازم کی تحریک ایسے واقعات ہیں جو
حالات حاضرہ کے پیش نظر خاصی دلچسپی کا موجب ہیں۔ ان اشخاص میں جو ماڈرن کالجوں سے پورے طور پر آشنا ہیں ایسے
لوگوں کی کمی نہیں ہے جو ہٹلے فری مین کے اس خیال سے متفق ہیں کہ اسلام ازمنہ قدیم کے تعصب تاریکی کا
کام ایک نظام ہے جس کو کمزری کے جانے کی طرح جلد سے جلد دور کر دینا چاہیے۔ ان میں ایسے بھی کچھ کم نہیں ہیں جو
اس پر معترض ہوں گے کہ ناصاف چیزوں سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہیے اور یہ دلیل پیش کرنا کہ چونکہ پیغمبر انحضرت
صلعم کا دین فی الاصل ناقابل اصلاح حرکت غیر اجتماعی ہے اس لیے یہ کسی روشن خیال حکمران کی سرپرستی کا مستحق
نہیں۔ دوسرے جو اس طرح کے مجربات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے وہ لارڈ لٹن کے عمل کو سیاسی نقطہ نظر
سے قابل اعتراض قرار دیتے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سید احمد اور ان کے رفقاء نے جو تحریک شروع کی ہے
وہ دراصل اسلام کی مخالفت پر مبنی ہے اس لیے متشفق مسلمانوں کی ہمدردی حاصل نہیں کر سکتا چنانچہ
وہ اس طرح کے دلائل پیش کر سکتے ہیں کہ ایسے ملک کے حکمران جہاں اس طرح کے باشندے کثرت سے آباد ہوں

کسی ایسی تحریک سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ یہ جواب ان اصحاب کے غور و فکر کا مستحق ہے جنہوں نے اب تک کوئی رائے قائم نہ کی ہوگی۔ اسلام دراصل وہ نہیں ہے جو تذکرہ صدر حضرات نے فرض کر رکھا ہے اور باوجود اس امر کے کہ جو چیزیں مدتوں انسانی دستبرد میں رہ چکی ہوتی ہیں ان میں بہت کچھ قباحیتیں راہ پا جاتی ہیں ان کے ماننے والوں میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو آبا و اجداد کے مسلک سے پورے طور پر وابستہ رہنے کے باوجود ماڈرن کلچر کے تنازع کو قبول کرنے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں محرم سید (سرسید) بھی غیر معمولی شخصیتوں میں ہیں جو اپنے آبا کے مسلک میں سے کسی چیز کو ترک کیے بغیر دوسروں کے عقائد کو رد و اداری کے ساتھ اپنے فکرو نظر میں جگہ دے سکتے ہیں اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ان کے بہت سے رفقاء کارا سی رجحان طبع کے ہیں۔ اسلام کی پوری تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ منوا و مکر یا دنیا کے اس طرح کے دوسرے نظریہ شعاروں کے ضوابط کے مانند جو نسل انسانی کو اپنے مصنوعی چوکھٹوں پر چڑھانے منڈھنے کے درپے رہتے ہیں۔ اسلام کوئی ڈھلاؤ ڈھلایا ضابطہ قانون نہیں ہے۔ یہ انسانوں کا مرتب کیا ہوا غیر ملوث اور غیر متناقض مضامین کا مجموعہ یا مجموعہ مرکب ہے جو بہت سے مواقع اور حالات سے برآمد ہوا ہے۔ اس میں خوبیوں کے ساتھ خرابیاں بھی ملی ملیں گی بایں ہمہ اس نے اپنے عہد میں انسانیت کی تائید میں نیک خدمات انجام دی ہیں۔ بحیثیت مجتہد کہا جاسکتا کہ نویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی تک مسلمان یورپ کے معلم رہے ہیں اور روش خیالی کے جو وسائل اور آئین اقوام اپنے بعد آنے والی نسلوں کو مہیا کر رہی ہیں وہ دراصل اس قرض کا ادا کرنا ہے جو ان پر عائد تھا۔ یونانی کلچر کا احیاء دراصل بغداد کے پرتشوہ خلفا ہارون الرشید اور اس کے فوراً بعد کے جانشینوں کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ قوطیہ کے عربوں اور غرناطہ میں ان کے موروثی (Moorish) جانشینوں کا یورپ کئی اعتبار سے نمونہ احسان ہے۔ انھوں نے یورپ کو فنِ عمارت اور انجینئرنگ کے کتنے نمونوں سے آشنا کیا، شجاعت اور شہامت کا جذبہ دیا، جس نے اس کے غیر متدین اور جاگیر دارانہ نظام میں ایک طرح کی آن واپد کر دی تھی۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان تمام امور کا شمار انسانیت کی خدمات میں ہوتا ہے تاوقتیکہ ایسے من چلے یا خیرہ سر نہ ہوں جن کا مسلک یہ ہو کہ کلچر ہو یا علم یا تہذیب ان میں سے کسی کو قرونِ ظلم کی مصلح سے باہر نکال کر محفوظ کر لینا چاہیے۔ دوسری طرف لاطنوں کے طرز عمل میں کوئی ایسا خطہ مقرر نہیں ہے جس کا تصور کیا جاسکے اس لیے کہ بہت سے اچھے مسلمان ایسے ہیں جو اس بات کو بغیر تاثر تسلیم کریں گے کہ وہ اس نئی تحریک کو دنیوی اغراض و مقاصد کے پیش نظر کلیاں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کو اپنے دینی مسلک

سے مستقبل سے قطعاً علیحدہ سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے علاوہ قدیم دستان کے ایسے مسلمان بھی ہیں جو اپنے دین کو ایک ایسا نظام قرار دیتے ہیں جس میں مغربی تعلیم خواہ وہ کسی نوعیت کی ہوزیاں و ضرر سے خالی نہیں لیکن جن واقعات کی طرف یہاں توجہ دلائی گئی ہے ان سے ظاہر ہوگا کہ ایسے لوگ یقیناً غلطی پر ہیں جن کا خیال ہے کہ مذہب میں راسخ العقیدگی کو سائنس کے حقائق سے کسی طرح کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ یا یہ جاننا پڑے گا کہ انسانی ذہن میں ماورائیت (یا فوق الفطرت) کے نظریے اور سائنسی علوم یک جا نہیں ہو سکتے۔ ان تمام لوگوں کو جو اسلام اور روشن خیالی کو اجتماعِ ضدین سمجھتے ہیں یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ سبب کچھ ہی رہا ہو آج سے پہلے ایسے مسلمان تھے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی روشن خیال تھے۔

مُخَلَّصَةُ الْاِنْسَانِ

کا

تجزیاتی مطالعہ



جنابِ دلدازنہری

راپور (پوپی)



خلاصۃ الانساب روہیلوں کے نسب کے بارے میں ایک اہم تصنیف ہے۔ لکنڈم آف کابل میں اس کے متعدد حوالے موجود ہیں۔ نجم الغنی خاں نے بھی اخبار الصنادید میں اس سے مواد حاصل کیا ہے۔ دو ایک جگہ اس کے اقتباس بھی دیے ہیں۔ گلستانِ رحمت اور گلِ رحمت کے مصنفین جو حافظ الملک کے بیٹے اور پوتے تھے اور ان کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی جہاں کہیں پٹھانوں کے نسب کا ذکر کیا ہے وہ اسی کام میں منت ہے۔ چاہے براہِ راست حاصل کیا ہو اور چاہے بالواسطہ حاصل ہوا ہو۔ اس قدر اہمیت کے باوجود یہ مسئلہ اختلافی بنا رہا ہے کہ اس کا مصنف کون تھا؟ ایللیٹ نے گلستانِ رحمت مصنفہ ۱۷۹۵ء کا انگریزی ترجمہ ۱۸۳۱ء میں کیا تھا۔ اس میں اس نے خلاصۃ الانساب کو شیخ شہاب الدین عرف کوٹہ بابا کی تصنیف بتایا تھا۔ جو حافظ الملک کے پردادا تھے۔

ایللیٹ، ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ تک روہیل کھنڈ کا کمنڈر رہا۔ حافظ الملک کے دو ایک بیٹوں کو چھوڑ کر جو لکھنؤ میں سکونت رکھتے تھے ان کے تمام بیٹے روہیل کھنڈ میں تھے۔ ان کو برٹی کے انگریزی خزانہ سے ماہانہ پنشن ملتی تھی اس کے علاوہ انگریزی حکومت نے انھیں جاگیریں بھی دی تھیں۔ ایک پنشن روزینہ کے نام بھی دی جاتی تھی جو ۱۷۷۵ء کی جنگ کے بن رووان قیدی بنظر ہوئی تھی اور بعد میں بھی برقرار رہی۔ اس کی تقسیم اس زمانہ میں روزانہ ہوا کرتی تھی۔ حافظ الملک کی اولاد اپنے سالانہ اور روزینہ وظائف اور اپنی جاگیروں کے مسائل کو جو سے اور اس لیے بھی کہ انگریز جاگوں سے تعلقات خوش گوار رہیں۔ کمنڈر روہیل کھنڈ سے ملتی رہتی تھی۔ اس لیے حافظ الملک کے خاندان کے بارے میں ایللیٹ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا درلویہ معلومات حافظ الملک کے بیٹے اور پوتے حافظ بڑتاج خاں مصنف گلستانِ رحمت اور سعادت یا خاں مصنف گلِ رحمت تھے۔ اس لیے ۱۸۳۱ء تک حافظ الملک کی اولاد خلاصۃ الانساب کو کوٹہ بابا کی تصنیف سمجھتی تھی۔

سر جان اسٹریچی کو مندر پڑا جب ہیسٹنگز اینڈ روہیلہ دار مصنف ۱۸۹۲ء کہ تصنیف میں مشغول تھا تو اس نے انگلستان کے کتب خانوں سے خلاصۃ الانساب کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو یہ چلا کہ وہاں فہرست کتب میں حافظ رحمت خاں کو مصنف لکھا گیا ہے۔ اسٹریچی کا اس پر بڑا تعجب ہوا لیکن اس نے اس کو مٹا کر کرنے کی کوشش نہیں کی انگلستان کے کتب خانے میری دسترس سے باہر تھے۔ لیکن خدا بخش لائبریری پٹنہ کی گران قدر عنایت سے خلاصۃ الانساب کی توٹو اسٹیٹ کا پی کے مطالعو کا موقع مجھے مل گیا اصل نسخہ بھوپال میں ہے اور نسخہ بھوپال ۱۸۸۱ء کی نقل ہے۔ نسخہ میں کل ۱۳۶ صفحات ہیں۔ اور صفحہ میں اسطریح ہیں لیکن صفحات پر نمبر نہ تھے۔ وہ مجھے خود ڈالنے پڑے۔ اس نسخہ بھوپال پٹنہ کے سرورق پر تصنیف کا نام خلاصۃ الانساب درج ہے۔ لیکن مصنف کا نام غائب ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بروقت نقل یہ بات طے شدہ تھی کہ مصنف کون ہے؟ سرورق کی پیشانی پر قرآن پاک کی آیت بطور تبرک درج ہے اور سرورق کے نیچے کے کنارہ پر یہ عبارت درج ہے۔

”بتاریخ جمادی الاول ۱۲۹۰ھ (۱۸۶۸ء) بقلم عاصمی کلب جین بغایت استعمال و یوم اقامت پذیرت“

لیکن کسی بھی لکھا ہوا نہیں ہے کہ نقل کس کے نسخہ سے کی گئی ہے اور کس کے لیے تیار ہوئی ہے اور اس قدر رجحان کی وجہ کیا تھی؟ اور مصنف کا نام سرورق پر کیوں نہیں ہے؟ نسخہ کے صفحہ آخر پر ترقیمہ درج ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

”تمام شدہ کتاب رسالہ خلاصۃ الانساب عرف ذوالرقبہ المراتب تصنیف... رطو ایلوٹیل القاب کے

بعد مکرم الدار حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں بہادر نیم جنگ والی کٹہر... کہ بتاریخ یازدہم

صفر المظفر ۱۱۸۸ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۸۷۴ء روز شنبہ متصل فتح گنج شرقی بمقابلہ نواب شجاع الدولہ از

ضرب گولہ توپ شربت خوشگوار شہادت نوشیدہ متوجہ ملک آخرت شدند۔ اناللہ وانا الیہ راجعون تمکات

اس ترقیمہ میں حافظ الملک کی شہادت کا ذکر موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترقیمہ حافظ الملک کی شہادت کے بعد اس وقت لگایا گیا ہے کہ جب انگریزی حکومت بطور بادگار فتح ۱۸۷۴ء کے میدان جنگ میں ایک بستی فتح گنج شرقی

کے نام سے آباد کر چکی تھی۔ بریلی ضلع میں ایک بستی فتح گنج غربی بھی ہے جو ۱۸۷۴ء کی جنگ روہیلہ دویم کی یادگار کے بطور آباد کی گئی ہے۔ چونکہ ترقیمہ میں شرقی لکھا ہوا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ شرقی اور غربی دونوں فتح گنج بسانے جا چکے

تھے۔ ۱۸۷۴ء کی جنگ کے بعد روہیلہ کھنڈ کا علاقہ ریاست اودھ میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۷۴ء کی دوسری

جنگ کے بعد بھی روہیلہ کھنڈ اودھ کی عمل داری میں رہا۔ ۱۸۷۱ء میں روہیلہ کھنڈ براہ راست ایسٹ انڈیا کمپنی

کے قبضہ میں آیا۔ اور یہاں کسٹمر کر کیا گیا۔ یہ دونوں بستیاں اس کے کافی عرصہ کے بعد بسائی گئی ہیں۔ اور ترقیمہ اس

نہ لکھا گیا ہے جب یہ دونوں بستیاں کافی مشہور ہو چکی تھیں۔ یہ ترقیم ۱۸۳۱ء کے بعد کا ہے جب کراہیٹ گلٹن
ت کا ترجمہ کر چکا تھا۔ اور ترقیم چوبیس نہیں کہ ۱۸۸۱ء کا ہو جس وقت یہ نقل تیار کی گئی ہے۔ ترقیم کا مصنف کوئی شخص نام
جس نے اصل ترقیم کو مٹا کر اپنا ترقیم لگایا۔ اس کا ثبوت صفحہ ۱۰۰ کے اس بیان میں ملتا ہے۔
" بالبقیہ بالسبب عدم کتبائش ویاچہ بختامہ کتاب حوالہ نموده "

بن خاتمہ کتاب پر اس ترقیم کے علاوہ اور کوئی عبارت موجود نہیں ہے۔ اس ترقیم میں دو واضح غلطیاں موجود ہیں۔
یہ بات ظاہر کر رہی ہیں کہ لکھنے والے نے عبارت میں تصنیف کو پڑھنے کی رحمت بھی گوارہ نہیں کی تھی۔ ترقیم میں
خلاصۃ الانساب کی عرفیت رد الروافض و المرتاب بتائی گئی ہے جبکہ اندرونی صفحہ ۲۱ پر حافظ رحمت خاں مسیو یہ بیان ملتا ہے۔
" یہ خلاصۃ الانساب جس میں کوٹہ بابا کی اولاد کے نام تحریر ہوئے ہیں، خود اپنی معلومات سے مرتب کیا اور
اس میں خلاصۃ الانساب (جس میں افغان قبائل کی شاخوں کا ذکر ہے) مدد رسالہ رد الروافض (جس میں خلیفہ
راشدین اور ازواج رسول اللہ صلوٰۃ کی تعریف ہے) کے شامل کر دیا ہے "

بہس کو خلاصۃ الانساب کہا جاتا ہے وہ تین رسائل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ خلاصۃ انساب ۲۔ خلاصۃ الانساب ۳۔ رد الروافض
اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلاصۃ الانساب کی ظرفیت رد الروافض نہیں بلکہ وہ الگ رسالہ ہے۔
عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ دونوں رسائل کس کی تصنیف تھے۔ پہلا جزو حافظ الملک کی معلومات
لکھا گیا ہے۔ ایلٹ کی روایت کے مطابق خلاصۃ الانساب کوٹہ بابا کی تصنیف ہے۔ لیکن کوٹہ بابا سے قبل فارسی زبان
میں اخوند درویشہ بابا اپنے تذکرۃ الابرار والاشرا میں افغان قبائل کی شاخوں کا تذکرہ کر چکے تھے۔ جس کی تصدیق ص ۱۶۶ پر
حافظ رحمت خاں سے منسوب یہ بیان کر رہا ہے جس میں کوٹہ بابا کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔

" اگرچہ زندہ کی غرض اس رسالہ کی تصنیف سے اپنے نسب کا اظہار ہے تاکہ زندہ کی اولاد واقف رہے لیکن
ضمناً جملہ افغانان کا نسب جس کا مختصر ذکر اخوند درویشہ بابا نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے اور جس کی تفصیل تاریخ شیرشاہی اور
تاریخ خانجہانی میں موجود ہے ان سے قبول کر کے لکھ دیا ہے "

ایلٹ کا بیان جو واضح طور پر حافظ رحمت کے بیٹوں کا تصدیق شدہ ہے۔ خلاصۃ الانساب کو کوٹہ بابا کی تصنیف
بتایا ہے۔ ان دونوں بیٹوں میں مفاہمت کے پیش نظر یہ سمجھنا چاہیے کہ ابتدا میں کوٹہ بابا نے اخوند درویشہ بابا کے
فارسی تذکرے سے مضامین حاصل کر کے اور کچھ اپنی معلومات سے اضافہ کر کے پشتون زبان میں خلاصۃ الانساب کے نام
سے مسودہ مرتب کیا تھا اس مسودہ کو حافظ الملک کی ایسا سے دوبارہ مرتب کرتے وقت مرتب نے کوٹہ بابا کا ذکر دریا

نکال دیا۔ اور چونکہ ان کا مسودہ اخوندرویزہ بابا کے تذکرہ والا شراب کے مضامین سے اخذ ہوا تھا اس لیے مرث
 اخوندرویزہ بابا کے تذکرہ کا ذکر کافی سمجھا۔ اور پھر اس کا مقابلہ تاریخ شیشا ہی اور تاریخ خجندیہ سے کر کے اس میں کچھ تبدیلیاں
 اور کچھ اضافہ بھی کیا گیا۔ اور کوٹ بابا کی اولاد کا حال جو حافظ الملک کی معلومات سے تحریر ہوا تھا اس میں شامل کر دیا۔
 اس طرح اس کی تکمیل ہوئی۔ اس مقام پر اخوندرویزہ بابا کا تھوڑا سا ذکر ناظروری ہے۔

اخوندرویزہ بابا کے مرشد پیر بابا اسید علی ترمذی کہتے ہیں کہ والد ترمذی علاقہ افغانستان سے ترک سکونت
 کر کے یوسف زئی علاقہ میں اپنے خیل پٹانوں میں مقیم ہو گئے تھے۔ مرشد اور خلیفہ دونوں کی سرکردگی میں روشنی سے جاری
 تھی۔ جن کو پٹھان لوگ پیر روحان کہتے تھے۔ اصل نام بایزید انصاری تھا وہ سلا پٹھان تھے۔ انصاری پٹھانوں
 کا ایک قبیلہ بھی ہے (بحوالہ جوشی تاریخ رحمت خانی و جمعہ) اگرچہ اب انصاری عام طور پر شیوخ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
 اخوندرویزہ بابا نے پیر روشن کا نام پیر تارک رکھ دیا تھا۔ اور اس کی مصنفہ کتاب خیر الدیان کو شری الدیان
 اور خیر الدیان کہتے تھے۔ پیر روشن کے عقائدات کیا تھے اور کیا نہ تھے یہ بحث فضول ہے؛ لیکن اخوندرویزہ بابا کا کہنا
 تھا کہ پیر تارک اپنے کو پیغمبر اور رسول کہتا ہے اور اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اس پر کتنا کہ مثل
 قرآن پاک کے بتاتا ہے۔ اس نے مذہب میں متعدد بدعتیں جاری کر دی ہیں اگر میں نے اس کی تردید میں اس قدر کوشش
 اور جدوجہد نہ کی ہوتی تو وہ سارے پٹھانوں کو ترک اور کفر میں مبتلا کر دیتا۔

یہ مقابلہ آرائی اگرچہ مذہب کے نام پر جاری تھی لیکن اس میں تھوڑی بہت سیاست بھی شامل تھی۔
 پیر روشن افغان قبائل میں نسلی تعصب بھڑکا کر انھیں مغل حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ اس کی
 تبلیغ سے بعض قبائل باغی بھی ہو گئے تھے۔ لیکن پیر بابا ترمذی اور ان کے خلیفہ اخوندرویزہ بابا مغل حکومت کو اسلامی حکومت
 قرار دے کر اس کی حمایت کر رہے تھے۔ کچھ افغان قبائل ان کے ساتھ تھے اور اس کے علاوہ مغل حکومت ان کی شہر
 تھی۔ دونوں کے حمایتی قبائل میں جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس میں اخوندرویزہ بابا دلی مغل حکومت کی
 امداد کی وجہ سے بھاری پڑتے رہے۔ ایک لمبے عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ جس کے دوران پیر بابا ترمذی اور پیر
 روشن کا بھی انتقال ہو گیا۔ پیر روشن کے مرنے پر اس کا بیٹا میدان میں آگیا اور دوسری طرف اخوندرویزہ بابا اور چیتور
 سنبھلے ہوئے تھے۔ پیر روشن کے بیٹے عمر نے باپ کی میت کو ایک تابوت میں رکھا اور تابوت بطور نشان لٹکر
 کا ندھول پلاٹھا کر کے آگے چلتا تھا تاکہ پیر روشن کی فیوریت سے فتح حاصل ہو لیکن بیٹے کو بھی شکست ہوئی
 اور قتل کر دیا گیا۔ اس تابوت کو معہ پیر روشن کی نعش کے اخوندرویزہ بابا کے حکم سے جلا دیا گیا اور اس کی لاش بیکانہ

ہی بہادی گئی۔ اس کے بعد پیر روشن کے پوتے بلالہ کوغل بلوشاہ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ تاکہ اس کے مزاج کی شناسائی
 کم ہو اور اس کے دماغ میں فتنہ و فساد کی تخم ریزی نہ ہو۔ لیکن اس کو جیسے ہی موقع ملا وہ بھاگ کر افغان قبائل میں پناہ
 لیا۔ اور تھوڑا بہت فتنہ اور فساد مچا تا رہا۔ پیر روشن کے نام کی نسبت سے یہ تحریک روشنائی کہلاتی تھی اور ایک
 صدہ تک چلتی رہی۔ خوندر ویزہ بابائے طویل عمر پائی ۱۶۳۸ء میں ایک سو آٹھ سال کی عمر کا حساب سال ہجری
 ۱۰۴۷ء میں انتقال کیا اور پشاور میں ہی تدفین ہوئی۔

کوٹ بابا کی پشین شورا کو متصل قندھار سے آمد خوندر ویزہ بابا کی حیات میں ہو گئی تھی۔ کیونکہ شاہ عالم خاں
 زمر خاں ان کے پوتے آغاز شباب میں ۱۶۷۳ء میں کٹھنر روہیل کھٹنم میں بغرض ملازمت آئے تھے۔ اس واقعہ سے
 ۳ سال قبل خوندر ویزہ کی وفات ہوئی ہے۔ اس لیے ان کے والد محبوب خاں عرف موتی بابا اور دادا کوٹ بابا کا تعلق
 خوندر ویزہ بابا سے ذاتی طور پر قائم رہا ہوگا کوٹ بابائے ان کے تذکرۃ الابراہم والاشرار کے کچھ اجزاء کا ترجمہ پشتو میں
 ملاصۃ الانساب کے نام سے کیا غالباً خوندر ویزہ بابا ان کے مرشد تھے بیعت ہونے کا ذکر خلاصۃ الانساب میں
 موجود ہے اگرچہ مرشد کا نام نہیں ہے۔

کوٹ بابا کی وفات کے بعد بھی ان کی اولاد کا تعلق پیر بابا ترمذی کی اولاد اور ان کے سلسلہ سے قائم رہا۔ نواب علی محمد
 خاں نے جیسے ہی آنور میں استقامت پایا تو پیر بابا ترمذی کی اولاد میں سے سید علی شاہ ترمذی کو بصداۃ اترام آنکر بلا لیا
 لکھا تاکہ ان کی خیر و برکت سے پشپانوں کو جنگ میں فتح حاصل ہو۔ نواب علی محمد خاں ان کے ساتھ غیر معمولی طور پر وراثت
 اور سلوک کرتے تھے۔ سید علی شاہ ترمذی کا انتقال نواب علی محمد خاں کی وفات کے بعد ہوا اور نواب صاحب
 کے مقبرہ میں ہی ان کی تدفین ہوئی۔ میاں حسن شاہ صاحب جن کا مزار شہر رانیپور کے متصل موضع نانڈا میں ہے وہ سید علی
 ترمذی کے فرزند تھے۔ ۱۶۹۹ء کی جنگ بنگش میں میاں حسن شاہ صاحب نواب سید اللہ خاں کو اپنی گود میں لے کر ہاتھی پر
 بیٹھے تھے اور جنگ کے درمیان خود زخمی ہو کر ان کی جان بچائی تھی۔ میاں حسن شاہ صاحب کا تعلق نوابین رانیپور
 سے زندگی بھر بدستور قائم رہا۔ نواب احمد علی خاں ۱۷۹۹ء - ۱۸۰۰ء میں انھیں سرگردہ نغرا بنایا تھا۔ ان کے ہاتھوں
 میں میاں حسن شاہ صاحب کا وصال ہوا۔ بعد ازاں نواب احمد علی خاں کی تدفین بھی میاں حسن شاہ کے مزار میں ہوئی۔
 موضع نانڈا کے متصل شہر رانیپور کا یہ عالیشان مقبرہ جس میں بھول بھلیاں ہی ہوئی ہیں نواب احمد علی خاں نے بنوایا تھا۔

حافظہ الملک حافظہ رحمت خاں بھی پیر بابا کی اولاد میں میاں معصوم شاہ ولد میاں احمد شاہ ترمذی کے
 مرید تھے۔ حافظہ الملک حافظہ رحمت خاں نے انھیں قلعہ بریلی میں رہنے کے لیے مکانات دے دیے تھے قلعہ کی فصیل کا تو

نام و نشان بھی باقی نہیں رہا لیکن ان کی اولاد اب بھی انھیں مکانات میں رہتی ہے۔ اور بریلی میں نوح محلہ والے سیدوں کے نام سے مشہور ہے نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں میاں نعیم شاہ کے والد یا غیاث سے آئے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب درویش بابا سے ملتا ہے۔ نواب فیض اللہ خاں نے آپ کے والد کو کھانا دجیانی کے پاس مکان دیا تھا۔ گھیر بھی آپ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا مزار اسی محلہ میں اپنے مکان کے سامنے مسجد میں ہے۔ آپ کی پیدائش ایپوری میں ہوئی۔ آپ کے والد جنگ و دوڑ میں شریک تھے۔

وفات کی تاریخ ۱۲۷۳ھ تا ۱۲۷۴ھ تک اسم وفات (یہ بہشت نعیم شاہ امام) ہے۔ ان کے علاوہ ولانا محلہ گل صاحب تقریباً انہی سال کی عمر میں راہپور آئے تھے وہ درویش بابا کے خلیفہ تھے۔ نواب فیض اللہ خاں نے انھیں ہاں راجہ وارہ میں ٹیڑھی مسجد سے آراضی دی تھی۔ یہ مسجد انکی نشست گاہ تھی اور اس کے پاس زمانہ مکان تھا۔ نواب فیض اللہ خاں نے ریٹھ سو روپیہ ہیند دیتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی ملنے آتے تھے۔ غریب شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے جو اب زیر آب ہیں۔ اس خاندان کی تیسری شاخ بھی نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں راہپور آ گئی تھی۔ ان بزرگ کا نام میاں قطب شاہ تھا۔ ان کے فرزند سید جمال شاہ مظالم (زعموں) لائے میاں ہوئے۔ اسی خاندان میں موجودہ سجادہ نشین میاں محمود شاہ نسیم یا میاں حسن شاہ صاحب کی اولاد بھی راہپور میں موجود ہے۔

پیر بابا ترمذی کا سلسلہ روہیلہ پٹھانوں میں عہد ہایوں بادشاہ سے لے کر آج تک پھلتا پھولتا رہا ہے۔ خود درویش بابا کے تذکرہ میں ان پٹھان قبائل کے نسب پر جو پرورش کے معتقد تھے کچھ اعتراضات موجود تھے۔ غالباً وہ مضامین بطور بابا سے تذکرہ میں آگے ہونے کیونکہ انھوں نے اپنے پشتوں کے تذکرہ میں مواہا خود درویش بابا سے قبول کیا تھا۔ اس سیاسی مصالح کی بنا پر حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے پسند نہیں کیا کیوں کہ اس سے پٹھان قبائل میں اختلاف ابھرنے لگا تھا۔ اور فساد بھی پھیل سکتا تھا۔ یہی صورت حال ردالروافض کی بھی تھی۔ اس میں پرورش کی بدلتوں کو لکھا تھا۔ ان دونوں رسائل کو نئے سرے سے مرتب کرتے وقت محض قبائل کے نسب پر جو اعتراضات موجود تھے ان کو ہٹا دیا گیا۔ رسالہ ردالروافض کے مضامین کی اصلاح اس طرح ہوئی کہ متنازع نام کے سوا اس میں اور بڑا امر باقی نہ رہا۔ اچھا ہوتا کہ یہ نام بھی بدل دیا گیا ہوتا۔ اپنی موجودہ شکل میں یہ رسالہ صرف صحابہ کرام اور حاج رسول اللہ کی عزت اور تکریم پر زور دیتا ہے۔ پرورش کے خلاف کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ خلاصہ الانساب بتلائی حقیقت جو حافظ الملک کی معلومات سے لکھا گیا ہے اس کی وجہ تصنیف بتاتے ہوئے حافظ الملک سے دس خلاصہ الانساب کے ص ۱۶ پر یہ بیان موجود ہے۔

”ہر چند میری اولاد اور دیگر کوٹ خیل کی اولاد اپنے نسب کی شناخت رکھتی ہے لیکن دور دور اور قریب کے شجر میں فرق کی واقفیت کے لیے جبکی ضرورت صدر رحمی کے لیے اور اس لیے بھی کہ زمانہ گزرنے کے بعد ان کی اولاد اپنے اختلاف اور نسب کو فراموش نہ کر دے اس لیے یہ انساب تحریر کیا گیا ہے“

تاریخ کی بات یہ ہے کہ حافظہ الملک نے اپنے بیٹوں اور اپنے چچے بھائیوں کے بیٹوں کے نام نہیں لکھے اور لکھ دیوں کے نام تو سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ حالانکہ صدر رحمی اور دور دور و قریب کے رشتہ داروں کی پہچان کے لیے اس کا اشد ضرورت تھی۔ انساب کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظہ الملک سے منسوب یہ بیان بھی موجود ہے کہ اس میں اپنی معلومات کے علاوہ دیگر پٹھان سرداروں سے بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں اس کے علاوہ خود دروڑہ بابا کے تذکرہ الابرار الاشرار تاریخ شیرشاہی و تاریخ خان جانی سے بھی مدد لی گئی ہے۔ لیکن کوٹ بابا کے تذکرہ کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا لیکن حافظہ الملک کی اولاد کے بہن میں یقیناً کوٹ بابا کا رسالہ موجود تھا ورنہ ۱۸۳۱ء میں ایلٹ بریل کے شجر کی کپی پر بیٹھ کر اور حافظہ الملک کے زندوں اور ان کی اولادوں سے تعلق رکھ کر ہرگز یہ نہیں لکھتا کہ خلاصہ الانساب کوٹ بابا کی تصنیف ہے۔ کوٹ بابا کا نام غائب ہونے کی بات ۱۸۳۱ء کے بعد کی اور شاید کافی بعد کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ۱۸۸۱ء میں نقل کے وقت ہی یہ نام غائب ہو۔ خلاصہ الانساب کے ابتدائی حصے میں جس میں کوٹ بابا کی اولاد کے نام ہیں۔ وہ حصہ حافظہ الملک کی دی ہوئی حوالت سے لکھا گیا ہے۔ اس میں کوٹ بابا سے اوپر کی پشت کا کوئی نام نہیں ہے۔ صرف خیل اور گردو کے نام ہیں۔ مکمل سلسلہ یہ ہے جو خلاصہ الانساب کے مختلف مقامات سے جمع کیا گیا ہے۔

۱۔ حافظہ الملک حافظہ رحمت خاں ۲۔ شاہ عالم خاں ۳۔ محمود خاں عرف موقی بابا ۴۔ شیخ شہاب الدین عرف کوٹ بابا اس کے بعد خیل اور گردو کے نام شروع ہو گئے ہیں ۵۔ کوٹ خیل ۶۔ دولت خیل ۷۔ بدلی ۸۔ داؤد خیل ۹۔ بڑیج ۱۰۔ شرجیل عرف شیخ ۱۱۔ میلہ ۱۲۔ قیس عبدالرشید۔

قیس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا تھا اور مکہ معظمہ کی فتح میں شریک تھا۔ قیس عبدالرشید روایتی طور پر پٹھانوں کا مورث الاعلیٰ ہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی موجود ہے کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں ۶۰ آدمیوں کے گروہ کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ لیکن ان ۶۰ آدمیوں کی اولاد کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ بپٹھانوں نے اپنے کو قیس عبدالرشید کی اولاد تسلیم کر لیا ہے۔

کوٹ بابا کے تذکرہ کی فنی تالیف اور تربیت کس کے ہاتھوں ہوئی اس کا کوئی ذکر خلاصہ الانساب میں موجود نہیں ہے۔ قیاساً یہ کام بھی میر غلام شاہ نے کیا ہو گا۔ جن سے حافظہ الملک نے تاریخ حافظہ رحمت خاں کو کئی تاریخ افغانہ

جو تاج ملی کی تصنیف تھی) کی ترتیب و تدوین اور تخریص کرانی تھی۔ ملک خواجہ نے یہ تصنیف دو سال میں ۱۲۲۳-۶۲۳ میں کی تھی۔ میرعظم شاہ نے اس کی تلخیص ماہ محرم ۱۱۸۱ھ مطابق جون ۱۶۷۰ء میں مکمل کی۔ خاتمہ کتاب پر میرعظم شاہ کی نقا میں اس تاریخ کا اندراج موجود ہے۔ لیکن اس کے نیچے جو ترجمہ لگا ہوا ہے وہ بعد کا ہے۔ اسی ترجمہ میں میرعظم شاہ نے اپنے کو نیکار عظیم اللہ خاں ولد نواب نے خاں مرحوم کا ملازم بتایا ہے۔ نواب نے دسے خاں کا انتقال ۱۰ اپریل ۱۶۷۰ء/۱۱۸۵ کو ہوا تھا عظیم اللہ خاں ان کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ان کے دو بھائی فتح اللہ خاں اور محبوب اللہ خاں اور کچھ تھے۔ دو میں ایک نواب نجیب الدولہ کی بیوی اور دوسری نواب سید اللہ خاں ابن نواب علی محمد شاہ کی زوجہ تھیں ۱۶۷۴ء کی جنگ کے بعد یہ آباد کے قلعہ میں اپنے خاندان کے ساتھ قید کر دیے گئے تھے۔ وہاں سے ۱۱ ستمبر ۱۱۸۵ کو عظیم اللہ خاں اور دیگر نواب سید اللہ خاں نے رامپور کو اپنا مسکن بنالیا عظیم اللہ خاں کا انتقال ۱۱ اپریل ۱۸۷۰ء میں ہوا ان کی دختر کی شادی صاحب زادہ اسد اللہ خاں ولد نواب زادہ فتح علی خاں ولد نواب فیض اللہ خاں سے ہوئی تھی ان کے بیٹے صاحب زادہ کرم خاں تھے جس عمارت میں مدرسہ غوثیہ پیرانا گج میں قائم تھا جو مدرسہ عالیہ کا ہی ایک حصہ تھا اس میں قرآن پاک کی تعلیم ہوتی تھی وہ صاحب زادہ کرم خاں کا دیوان خانہ تھا جو ریاست رامپور نے لے لیا تھا۔ صاحب زادہ کرم خاں نواب فیض اللہ خاں کے پر پوتے اور عظیم اللہ خاں ولد نواب نے دسے خاں کے نواسے تھے ان کے نواسے میرعظم علی خاں شہید مدرسہ غوثیہ کی پشت پر مقیم تھے۔ خاص مدرسہ عالیہ اس کے مقابل دوسری عمارت میں تھا وہ عمارت صاحب زادہ کرنل دولہ صاحب کے والد کی تھی۔ اب یہ مدرسہ عالیہ کلب گھر میں منتقل ہو گیا ہے لیکن "مدرسہ غوثیہ" اپنی جگہ پر رہا۔ اب اس کی عمارت کھنڈر ہو گئی ہے۔

عظیم اللہ خاں کے بیٹے بھی تھے لیکن وہ بسوی منتقل ہو گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق عظیم اللہ خاں کی میت بھی بسوی لجا کر نواب نے خاں کے مقبرہ میں دفن کی گئی تھی۔

تاریخ حافظ رحمت خانی کا وہ نسخہ جواب لندن میں ہے وہ عظیم اللہ خاں کے کتب خانہ میں تو پہنچ گیا تھا اس کے بعد معلوم ان کی بیٹی کے پاس رہا یا ان کے بیٹوں کے پاس بسوی میں تھا۔ بہر حال ۱۸۶۳ء میں اس کی نقل مرزا تمیل قندھاری نے کی جو انگلستان بھیجی گئی تاریخ حافظ رحمت خانی کے ترجمہ کے نیچے اس کا ذکر موجود ہے اس نسخہ کا پتہ نہیں لگا وہ کہاں گیا۔ عظیم اللہ خاں کی اولاد کے حالات مالی اعتبار سے خراب ہو گئے تھے انھوں نے بسوی کی جائیداد صاحب زادہ حیدر علی خاں ولد نواب یوسف ملی خاں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی جو صاحب زادہ حیدر علی خاں کی اولاد کے پاس خاتمہ زینہ لاری تک رہی۔ میرعظم شاہ کے والد کا نام پیر محمد فاضل تھا جو موضع پیر پاک تحصیل نوشہرہ تعلقہ پشاور کے باشندے تھے۔

شاہ حافظ الملک کی شہادت کے بعد عظیم الشان کی ملازمت میں داخل ہو گئے تھے۔ اور تاریخ حافظ رحمت خانی
 عظیم الشان کے کتب خانہ میں تھی اس کا ذکر تاریخ حافظ رحمت خانی کے ترقیمہ میں موجود ہے۔ اس کی نقل جولائی
 ۱۹۱۱ء سے پشتو اکادمی پشاور نے منگا کر پہلے پشتوین اور بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ حواشی کے ساتھ
 یہ حواشی روشن خاں آفٹ نو اکی کے لکھے ہوئے ہیں اور کافی قدر وقیمت رکھتے ہیں۔

حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو فرصت کے اوقات ۱۷۹۱ء کی جنگ پانی پت کے بعد ملے ہیں۔ اگرچہ
 ۱۷۹۱ء تک وہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی جنگوں میں کسی نہ کسی صورت سے مصروف رہے صرف ۱۷۹۵ء سے
 ۱۷۹۸ء تک ان کو اطمینان کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں انھوں نے تاریخ حافظ رحمت خانی کی تلخیص
 کی اور اس عرصہ میں انھوں نے پہلی بھیت کی شہر بننا اور جامع مسجد تیار کرائی۔ اور اسی زمانہ میں انھوں نے
 خلافت الانساب کی تالیف کرائی ہوگی کیونکہ خلافت الانساب میں جنگ پانی پت کا ذکر موجود ہے جو ۱۷۹۱ء میں ہوئی
 ۱۷۹۱ء اور واقعہ جنگ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ قریب کے زمانہ میں ہوا ہو۔ اور کسی جنگ کا ذکر نہیں ہے۔ اسی لیے
 خلافت الانساب ۱۷۹۱ء کے بعد جو دیں آئی ہے۔ میر عظم شاہ نے قیاساً پہلے خلافت الانساب کو مرتب کیا اور بعد میں
 تاریخ حافظ رحمت خانی کی تالیف کی۔ خلافت الانساب کے ص ۲۲ پر لکھا ہے کہ ضامن اولوالالباب یہ بات پوشیدہ
 رہے کہ کوٹ بابا کا نام شیخ شہاب الدین تھا اور وہ چٹھانوں کے بیچ قبیلہ کی ذیلی شاخ بدلی سے تعلق رکھتے تھے
 ص ۳۱ پر ان کا نام شیخ شہاب الدین سہروردی لکھا ہوا ملتا ہے۔ یہ سہروردی کا اضافہ اگر کتاب کی غلطی نہیں
 ہو تو اس کی وضاحت ممکن نہیں۔

نجم الغنی خاں نے اخبار العباد میں لکھا ہے کہ کوٹ بابا کے مزار کو جو چچ ہزارہ کے موضع شاہی دیر میں ہے بعض
 مان غلطی سے شیخ شہاب الدین سہروردی کا مزار سمجھتے ہیں یہ علاقہ چچ ہزارہ راولپنڈی کے قریب دریائے سندھ
 مشرق میں ہے اور پنجاب کے صوبہ میں شامل ہے۔ لیکن اس میں چٹھانوں کے متعدد وفادان آباد ہیں۔ اگرچہ یہ
 سب پشتو زبان تقریباً بھول گئے ہیں اور پنجابی بولتے ہیں لیکن نسباً چٹھان ہیں۔

خلافت الانساب کے ص ۲۶-۲۷ پر حافظ الملک سے منسوب یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ ہندستان کے کچھ
 رگ جو حافظ الملک سے شفقت اور محبت رکھتے تھے۔ وہ یہ دریافت کیا کرتے تھے کہ یہ شیخ شہاب الدین
 نبرگ ہیں جو ہر شکل کے وقت پر تمہاری امداد کرتے ہیں ہم لوگ تو انھیں شیخ شہاب الدین سہروردی سمجھتے تھے
 نہ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی نہیں بلکہ تمہارے اجداد میں سے ہیں۔ بعض لوگ اس کا نام غلطی سے شیخ کوٹکی

وغیرہ لیتے تھے تب حافظ الملک نے انھیں بتایا کہ وہ شیخ شہاب الدین ان کے پردادا تھے اور ان کا نسب دگر وہ انھیں سے منسوب ہے جو کوٹہ جل کہلاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان انساب کو مرتب کرنے کا مقصد ذیلی طور پر لوگوں کی غلط فہمی دور کرنا بھی ہو۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ غلط فہمی کیوں تھی۔ حافظ الملک کے والد اور چچا بقول مصلحی مصنف روہیلہ افغان ۷۷۷ء نسخہ ملوکہ خاندان بخش لائبریری مطبوعہ ۱۷۸۷ء اور بقول شیوپریشاد مصنف فیض بخش عرف فرخ بخش ۷۷۷ء کے ۱۷۷۷ء میں کٹھیر میں آئے تھے۔ علامۃ الانساب میں بھی ان کے آنے کا ذکر موجود ہے اگرچہ سال کا اندراج نہیں ہے۔ واپسی کا ذکر مصلحی نے کیا ہے نہ شیوپریشاد نے کیا اور نہ علامۃ الانساب میں موجود ہے۔ لیکن حافظ الملک کے فرزند شہاب خاں کی ملک تان رحمت مصنفہ ۱۷۷۷ء اور اس کی تکلیف گار رحمت مصنفہ سادات یار خاں ۱۸۳۳ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی وقت کم سے کم سے شاہ عالم خاں ضرورتاً وہ شہادت پور واپس چلے گئے تھے کیوں کہ ۷۷۷ء سے چند سال قبل جب داؤد خاں یہاں آئے تو اس وقت ان دونوں باپوں نے شاہ عالم خاں کی موجودگی اور وہ شہادت پور میں تحریر کیا ہے۔ داؤد خاں کے ساتھ ملک شادی خاں اور پانڈہ خاں آئے تھے وہ ابتداء سے ہی ان کے ساتھ رہے تھے۔ اور داؤد خاں کی موت تک ساتھ رہے۔ بعد میں انھوں نے ہی سنی محمد خاں کو داؤد خاں کا جانشین بنایا تھا۔ اسی وقت نندے خاں بھی اس گروہ میں شامل ہو چکے تھے جو داؤد خاں کا تھا۔ اور علی محمد خاں کی جانشینی میں وہ بھی شریک تھے۔ داؤد خاں کا قتل ۷۷۷ء میں ہوا۔ اور حافظ الملک ۷۷۷ء میں علی محمد خاں کے پاس آنول میں آئے۔ منوہ متصل آنول میں نواب علی محمد خاں کی جو جنگ خواجہ سراج محمد صالح سے ہوئی جس کو نواب امیر خاں انجام منصب دار بادشاہ دہلی نے اپنی جاگیر کے مواضعات سے علی محمد خاں کو بخیر کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس میں حافظ الملک شریک ہوئے تھے۔ ۷۷۷ء تک وہ کٹھیر میں رہے اور پھر واپس شادی کرنے کی غرض سے چلے گئے ۷۷۷ء میں جب نواب علی محمد خاں نے جانٹھ کے نواب سیف الدین خاں پر فتح پائی۔ اور نوابی کا خطاب حاصل کیا اس کے بعد ۷۷۷ء میں حافظ الملک دوبارہ کٹھیر روہیل کھنڈ میں آئے اور مستقل قیام کر لیا۔

۷۷۷ء تک جس کے بعد علامۃ الانساب لکھی گئی ہے اس خاندان کا تعلق کٹھیر سے نوے سال پرانا ہو چکا تھا۔ اور اس وقت کوٹہ بابا کی بیشتر اولاد روہیل کھنڈ میں موجود تھی۔ نوابوں اور حکمرانوں کے نسب کی یادداشت کچھ نہ بچ رہی کہ کوٹہ بابا کی بہنوں آدمی قبائل افغان کے روہیل کھنڈ میں موجود تھے۔ کیا ان سے حافظ الملک کا نسب چھپا ہوا تھا۔ آخر وہ کون بزرگان دین تھے۔ پیر علی بابا ترمذی کی اولاد تو ہو نہیں سکتی۔ وہ خود علاقہ قیوسف زئی سے آئے تھے اور ہر ایک روہیلہ سردار کے نسب سے واقفیت رکھتے تھے۔ تاریخ میں ایک نام شاہ مدن کا ملتا ہے جن کے روہیلوں اور

پیر غلام شاہ حافظ الملک کی شہادت کے بعد عظیم اللہ خاں کی ملازمت میں داخل ہو گئے تھے۔ اور تاریخ حافظ رحمت خانی بھی عظیم اللہ خاں کے کتب خانہ میں تھی اس کا ذکر تاریخ حافظ رحمت خانی کے ترقیم میں موجود ہیں۔ اس کی نقل جولڈن پہنچ گئی تھی۔ وہاں سے پشتو اکادمی پشاور نے منگا کر پہلے پشتوین اور بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ مع حواشی کے شائع کیا۔ یہ حواشی روشن خاں آفٹ نوا کلی کے لکھے ہوئے ہیں اور کافی قدر وقعت رکھتے ہیں۔

حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو فرصت کے اوقات ۱۷۶۱ء کی جنگ پانی پت کے بعد ملے ہیں۔ اگرچہ ۱۷۶۵ء تک وہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی جنگوں میں کسی نہ کسی صورت سے مصروف رہے صرف ۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۰ء تک ان کو اطمینان کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں انھوں نے تاریخ حافظ رحمت خانی کی تلخیص کرائی اور اس عرصہ میں انھوں نے پہلی بھیت کی شہریناہ اور جامع مسجد تیار کرائی۔ اور اسی زمانہ میں انھوں نے خلاصۃ الانساب کی تالیف کرائی ہو گی کیوں کہ خلاصۃ الانساب میں جنگ پانی پت کا ذکر موجود ہے جو ۱۷۶۱ء میں ہوئی تھی اور واقعہ جنگ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ قریب کے زمانہ میں ہوا ہو۔ اور کسی جنگ کا ذکر نہیں ہے۔ اسی لیے خلاصۃ الانساب ۱۷۶۱ء کے بعد جو میں آئی ہے۔ پیر غلام شاہ نے قیاساً پہلے خلاصۃ الانساب کو مرتب کیا اور بعد میں تاریخ حافظ رحمت خانی کی تالیف کی۔ خلاصۃ الانساب کے ص ۲۳ پر لکھا ہے کہ ضار و لوالہ الباب یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کوٹ بابا کا نام شیخ شہاب الدین تھا اور وہ پٹھانوں کے بڑی قبیلہ کی ذیلی شاخ بدلیزی سے تعلق رکھتے تھے لیکن ص ۳۱ پر ان کا نام شیخ شہاب الدین سہروردی لکھا ہوا ملتا ہے۔ یہ سہروردی کا اضافہ اگر کاتب کی غلطی نہیں ہے تو اس کی وضاحت ممکن نہیں۔

نجم الغنی خاں نے اخبار العنایہ میں لکھا ہے کہ کوٹ بابا کے مزار کو جو چیم ہزارہ کے موضع شاہی دیر میں ہے بعض پٹھان غلطی سے شیخ شہاب الدین سہروردی کا مزار سمجھتے ہیں یہ علاقہ چیم ہزارہ راولپنڈی کے قریب دریائے سندھ کے مشرق میں ہے اور پنجاب کے صوبہ میں شامل ہے لیکن اس میں پٹھانوں کے متعدد خاندان آباد ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اب پشتو زبان تقریباً بھول گئے ہیں اور پنجابی بولتے ہیں لیکن نسباً پٹھان ہیں۔

خلاصۃ الانساب کے ص ۲۶-۲۷ پر حافظ الملک سے منسوب یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ ہندستان کے کچھ بزرگ جو حافظ الملک سے شفقت اور محبت رکھتے تھے۔ وہ یہ دریافت کیا کرتے تھے کہ یہ شیخ شہاب الدین کون بزرگ ہیں جو ہر شکل کے وقت پر تمہاری امداد کرتے ہیں ہم لوگ تو انھیں شیخ شہاب الدین سہروردی سمجھتے تھے لیکن وہ شیخ شہاب الدین سہروردی نہیں بلکہ تمہارے اجداد میں سے ہیں بعض لوگ اس کا نام غلطی سے شیخ کوٹلی

دیگر لیتے تھے تب حافظ الملک نے انھیں بتایا کہ وہ شیخ شہاب الدین ان کے پردادا تھے اور ان کا خیمہ و گروہ انھیں سے منسوب ہے جو کوٹہ چل کہلاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان انساب کو مرتب کرنے کا مقصد ذیلی طور پر یگوں کی غلط فہمی دور کرنا بھی ہو۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ غلط فہمی کیوں تھی۔ حافظ الملک کے والد اور چچا بقول مجلس مصنف روہیلہ افغان ۱۷۷۷ء نسخہ ملوکہ خداداد بخش لائبریری مطبوعہ ۱۷۷۸ء اور بقول شیوپریشا و مصنف فیض بخش عرف فرخ بخش ۱۷۷۹ء کے ۱۷۷۲ء میں کٹھیر میں آئے تھے خلاصۃ الانساب میں بھی ان کے آنے کا ذکر موجود ہے اگرچہ سال کا اندراج نہیں ہے۔ واپسی کا ذکر تھلٹن نے کیا ہے نہ شیوپریشا و نے کیا اور نہ خلاصۃ الانساب میں موجود ہے۔ لیکن حافظ الملک کے فرزند سجاد خاں کی گشتان رحمت مصنف ۱۷۷۹ء اور اس کی تکمیل نگار رحمت مصنف سادات یار خاں ۱۸۳۳ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی وقت کم سے کم شاہ عالم خاں ضرورتاً وہ شہادت پور واپس چلے گئے تھے کیونکہ ۱۷۷۰ء سے چند سال قبل جب داؤد خاں یہاں آئے تو اس وقت ان دنوں تاجیکوں نے شاہ عالم خاں کی موجودگی تو روشہادت پور میں تحریر کی ہے۔ داؤد خاں کے ساتھ ملک شادی خاں اور پائندہ خاں آئے تھے وہ ابتداء سے ہی ان کے ساتھ رہے تھے۔ اور داؤد خاں کی موت تک ساتھ رہے۔ بعد میں انھوں نے ہی علی محمد خاں کو داؤد خاں کا جانشین بنایا تھا۔ اسی وقت نئے خاں بھی اس گروہ میں شامل ہو چکے تھے جو داؤد خاں کا تھا۔ اور علی محمد خاں کی جانشینی میں وہ بھی شریک تھے۔ داؤد خاں کا قتل ۱۷۷۶ء میں ہوا۔ اور حافظ الملک ۱۷۷۳ء میں علی محمد خاں کے پاس آنور میں آئے۔ منورہ متصل آنور میں نواب علی محمد خاں کی جو جنگ خواجہ سراج محمد صالح سے ہوئی جس کو نواب امیر خاں انجام منصب دربار شاہ دہلی نے اپنی جاگیر کے مواضعات سے علی محمد خاں کو بخیر کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس میں حافظ الملک شریک ہوئے تھے۔ ۱۷۷۳ء تک وہ کٹھیر میں ہے اور پھر واپس شادی کرنے کی غرض سے چلے گئے ۱۷۷۴ء میں جب نواب علی محمد خاں نے جانشین کے نواب سیف الدین خاں پر فتح پائی۔ اور نوابی کا خطاب حاصل کیا اس کے بعد ۱۷۷۸ء میں حافظ الملک دوبارہ کٹھیر روہیلہ کھنڈ میں آئے اور مستقل قیام کر لیا۔

۱۷۷۱ء تک جس کے بعد خلاصۃ الانساب لکھی گئی ہے اس خاندان کا تعلق کٹھیر سے نوے سال پرانا ہو چکا تھا۔ اور اس وقت کوٹہ بابا کی بیشتر اولاد روہیلہ کھنڈ میں موجود تھی۔ نوابوں اور حکمرانوں کے نسب کی یادداشت کچھ نہ کچھ ہر ایک کو ہوتی ہے۔ ہزاروں آدمی قبائل افغانہ کے روہیلہ کھنڈ میں موجود تھے۔ کیا ان سے حافظ الملک کا نسب چھاپا ہوا تھا۔ آخر وہ کون بزرگان دین تھے۔ پیر علی بابا ترمذی کی اولاد تو ہو نہیں سکتی۔ وہ خود علاقہ یوسف زئی سے آئے تھے اور ہر ایک روہیلہ سردار کے نسب سے واقفیت رکھتے تھے۔ تاریخ میں ایک نام شاہ مدن کا ملتا ہے جن کے روہیلہ اول

نوابان اودھ دونوں سے تعلقات تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہوں یا اور کوئی ہوابت صرف معلومات کی ہے یا لفظ کوٹہ، پٹنر لطیف ہوا یا دربار لکھنؤ کی پٹنر طبری ہوا، مگر کچھ بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ حافظہ الملک ذی علم آدمی تھے، ان کو اپنے پردا سے اوپر کی چند پشتوں کا ذکر نام بنام کرنا چاہیے تھا صرف قبیلہ کی ذیلی شاخوں کا ذکر کافی نہ تھا۔ اگر ان کو خیل اور گردہ کے بجائے اشخاص کا نام سمجھا جائے تو ۱۲ پشتوں میں گیارہ سو سال کا عرصہ قیس عبدالرشید تک جو رو کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

کوٹہ بابا کے باجے میں مزید وضاحت ص ۳۶ پر ملتی ہے۔ عنوان میں انھیں شیخ کوٹ لکھا ہے۔ اور اس کے بعد تفصیل دی ہے کہ بڑے قبیلہ کی بدل زئی شاخ سے دو ذیلی شاخیں دولت خیل اور زانیل خلیں اور پھر دولت خیل سے کوٹ خیل اور شاہ خیل نکلیں۔ چونکہ کوٹ بابا کو عنوان میں شیخ کوٹ لکھا ہے۔ اس لیے ان کی پیدائش کوٹ خیل شاخ میں ہوئی جو دولت خیل سے نکلی تھی۔ اور دولت خیل بدل زئی کی شاخ تھی، لیکن عام طور پر شیخ شہاب الدین اور ان کے فاندان کو بدل زئی کہا جاتا تھا جو دولت خیل کے واسطے سے بڑے شیخ کی شاخ ہے شیخ کا خطاب انھیں عبادت گزار می اور دین داری کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اور وہ شیخ کوٹ خیل کہلاتے تھے۔ یہ قیاس کرنا درست ہے کہ یہی کوٹ کثرت استعمال سے کوٹ ہو گیا اور وہ شیخ کوٹ کہلانے لگے کوٹ اردو اور ہندی میں قلعہ یا گڑھی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور پشتوں میں بھی اس کا مفہوم یہی ہے۔ لیکن کوٹ جس کا ذکر خلاصۃ الانساب میں آیا ہے بنجمن علاقہ میں موجود ہیں۔ لیکن کوٹ کا مفہوم پشتوں میں کتا ہے۔ شیخ کوٹ بعد میں کوٹ بابا میں تبدیل ہو گیا۔ شیخ اور بابا بزرگ کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں مطلب دیندار آدمی سے ہے۔ شیخ شہاب الدین کوٹ بابا کہنے سے برا نہیں ملنے اور انھوں نے اپنے کو رسول اللہ کا کتا کہنا شروع کر دیا اس اظہار عقیدت بھی تھا اور اپنے کو منفعل کرنا بھی سمجھا تا کہ نفس موٹا نہ ہو۔ جیسا کہ خلاصۃ الانساب میں شیخ شہاب الدین کی اولاد کوٹ خیل کہلائی۔ لیکن وہ خود بھی کوٹ خیل تھے۔ میرے نکتہ نظر سے یہ کوٹ خیل کوٹ خیل ہوا ہے۔ اگرچہ خلاصۃ الانساب میں حافظہ الملک سے منسوب بیان اس کی وجہ اپنے کو منفعل کرنا بتاتا۔ اب کوٹ خیل کا کوئی نام نہیں لیتا ہے حافظہ الملک کی اولاد حافظہ خیل اور کوٹ بابا کی دوسری اولاد اپنے کو کمر بڑے کہتی ہیں اور اب بڑے قبیلہ کی ذیلی شاخوں کا ذکر کوئی نہیں کرتا ہے۔

خلاصۃ الانساب میں روہیل کھنڈ یا کٹھہ کا نام کہیں نہیں آیا ہے۔ صرف ترقیم میں کٹھہ کو کٹر لکھا ہے وہ ترقیم حافظہ الملک کا لکھا ہوا ہے اور نہ لکھوایا ہوا ہے۔ جس کی تفصیل قبل ازین دی جا چکی ہے حافظہ الملک نے آمد ہندستان میں لکھی ہے۔ اگرچہ ۱۶۱۷ء میں راجہ ہرنند پر فتح یاب ہونے کے بعد نواب علی محمد خاں نے کٹھہ کا نام

لکھ دیا تھا۔ جواب تک مروج ہے۔ حافظ الملک نے تور شہامت پور اپنے پیدائشی وطن کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ قدیر کا ذکر آیا تو اس کو ولایت لکھا ہے۔ تور شہامت پور کو اگر یہ معظّم شاہ نے اپنی نظم میں جو تاریخ حافظ رحمت خاں کے آخر میں درج ہے حافظ الملک کا طنز نہ بنایا ہوتا تو ان کی تور شہامت پور کی سکونت بھی ایک متنازعہ مسئلہ بن گئی ہوتی۔ حواشی تاریخ حافظ رحمت خاں میں پیر روشن نے لکھا ہے کہ شیخ علی کے قانون آبادی کے تحت تور شہامت کی آراضی کی بجائے کوٹہ بابا کی اولاد کو تحصیل صوابی میں ڈوڈھیہ کا سال موضع دیا گیا تھا اور آراضی کا اندراج بنّا شیخ شہاب الدین قوم بڑے پٹھان ۱۸۷۰ء تک کے کاغذات بندوبست میں موجود ہے۔ حیات حافظ رحمت خاں کے جدید ڈکٹیشن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہامت پور اور تور والگ الگ گاؤں ہیں لیکن آبادی ملی ہوئی ہے شہامت پور ندی کے سیلاب سے کٹا رہا اور اب صرف اس کی ایک گلی اور مسجد باقی رہ گئی ہے۔ باقی پورا گاؤں ختم ہو چکا ہے آبادی ہجرت کر چکی ہے۔ زیادہ تر نئی بستی قیوم آباد میں آباد ہے لیکن حواشی تاریخ حافظ رحمت خاں کے مطابق خاں رحمت خاں کا خاندان کافی پہلے منتقل ہو گیا تھا۔ اب کبھی کبھار موضع ڈوڈھیہ اور موضع یار حسین میں آباد ہیں۔ لیکن خلاصۃ الانساب میں تحریر ہے کہ کوٹہ خیل تمام کے تمام ہندستان آگئے تھے اور ایک کبھی باقی نہ رہا تھا۔ ہندستان کے کچھ لوگ واپس چلے گئے ہوں۔ خلاصۃ الانساب میں ملک روہ کا ذکر اور اس کا محل وقوع ص ۹۹ پر دیا ہے۔

ملک روہ کے شمال میں قاشقار (کاشغر چینی ترکستان کوہ قراقرم کے دوسری طرف) جنوب میں بکر بھکر (بوچران) مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ایلینی (ہندو افغانان) بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہندستان کے لوگ اس علاقہ کے باشندوں کو روہیلہ کہتے ہیں۔ روہیلہ پٹھان اور افغان ہم معنی الفاظ ہیں اصلیت یہ ہے کہ یہ پشتو بولنے والے لوگوں کا علاقہ ہے۔ جواب پنجتون کہلاتے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ اب پاکستان میں اور کچھ حصہ افغانستان میں ہے۔ علامۃ الانساب ص ۱۶ پر حافظ الملک نے منسوب یہ بیان ہندستان میں آنے کے بلے میں ملتا ہے۔

”قبلہ گاہی ابوی واعلام بندہ از راہ قسمت آنچو رہن رستان آمدہ ساکن شہرہ بود بندہ بندہ ہم در

پسں ایشاں آمدہ طرح اقامت انداخت“

ترجمہ: ”بندہ کے قبلہ گاہی والد اور چچا مقدر آب و دانہ سے ہندستان آئے اور سکونت اختیار کر لی ان بزرگ کے پیچھے بندہ بھی یہاں آگیا اور اقامت اختیار کر لی۔“

اس بیان سے شیخ پیر شاہ اور تھلٹن کی بیان کردہ روایت درست ثابت ہوئی ہے کہ ۱۶۷۷ء میں شاہ عالم خاں (حافظ الملک کے والد) اور حسن خاں (حافظ الملک کے چچا) کٹھیر (روہیل کھنڈ) میں آئے تھے اور اس علاقہ کے

ناہی حاکموں کے یہاں غیر امتیازی قسم کی ملازمتیں کرتے رہے۔ پٹن اور شیوپر شاد نے ان کی واپسی کا ذکر نہیں کیا۔ اور خلافت الانساب سے بھی واپسی کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ مفہوم کچھ یوں معلوم ہو رہا ہے کہ حافظ رحمت خاں، والد اور چچا کی زندگی میں ہی یہاں آگئے تھے۔ جو بالکل غلط ہے۔ یہ ساری غلطیاں ترجمہ کی ہیں یا کتابت میں بدل کیا گیا ہے حالانکہ شاہ عالم خاں جس وقت روہیل کھنڈ میں ۱۷۱۲ء میں قتل ہوئے تھے اس وقت حافظ الملک عمر چار سال کی تھی۔ حافظ الملک کی شہادت ۱۱ صفر ۱۱۸۸ھ میں لبر ۶۹ سال چند ماہ ہوئی اس لیے ان کی پیدائش ۱۱۸۸ھ میں ہوئی جو ۱۷۸۰ء کے مطابق ہے۔ گل رحمت نے ان کی عمر بروقت شہادت شاہ عالم خاں چار سال تحریر کی ہے۔ اور اخبار حسن مخطوط مصلحت التاثر برسی رامپور کے مطابق شاہ عالم خاں کی شہادت ۱۷۸۱ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۱۲ء کو ہوئی تھی۔ یہ تمام بیانات ایک دوسرے کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔ اسی مندرجہ بالا اقتباس کا مفہوم صرف اس قدر قبول کرنا درست ہے کہ حافظ الملک کی روہیل کھنڈ میں آمد اس وقت تقلید میں ہوئی تھی جو ان کے والد اور چچا نے اس سرزمین پر قیام کر کے قائم کی تھی۔ اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ شاہ عالم ایک مدت تک اس علاقہ میں فوجی ملازمت کرتے رہے اور دوران ملازمت ان کی واپسی صرف اس طرح آکر تھی جیسے کوئی فوج کا سپاہی آج بھی چھٹیوں میں اپنے وطن کو واپس جاتا ہے۔ لیکن عزیز یادہ ہو جانے پر بلاز بوڑھ کر وہ تور و شہامت پور میں رہنے لگے تھے۔ جس کی تصدیق گلستان رحمت سے ہوتی ہے۔ ۱۷۷۰ء سے دو تین سال قبل داؤد خاں یہاں آئے جو ۱۷۶۲ء میں قتل ہوئے۔ اس وقت ملک شادی خاں دھننے خاں اور پائندہ ان جو کوٹ بابا کی اولاد تھے۔ داؤد خاں کی رفاقت میں روہیل کھنڈ میں موجود تھے جنھوں نے علی محمد خاں کو داؤد ان کا جانشین بنایا۔ ۱۷۷۳ء سے کچھ قبل ملک شادی خاں کا انتقال ہو گیا۔ تب حافظ الملک ۱۷۷۰ء میں اس مقام میں آئے ۱۷۷۳ء میں واپس گئے اور پھر ۱۷۷۸ء میں مستقل قیام کے لیے آگئے۔

خلافت الانساب کے ص ۱۶ پر حافظ الملک سے منسوب یہ بیان موجود ہے کہ کوٹ خیل تمام کے تمام روہیل کھنڈ آگئے تھے اور ولایت میں کوئی ایک شخص بھی کوٹ خیل میں سے باقی نہیں رہا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حافظ الملک کی شہادت ۱۷۷۰ء میں ہو جانے کے بعد کچھ خیل واپس ولایت چلے گئے ہوں۔ کیوں کہ حافظ الملک کی ریاست ختم ہو گئی تھی اور ان کی اولاد کو بہت معمولی وظائف دیے گئے تھے۔ اور بیٹیاں بالکل بی محروم کر دی گئی تھیں، تب عزیز واقارب، وظائف پانے کا کیا سوال تھا۔ ایسے خراب اور ناموزوں حالات میں اگر کچھ لوگ واپس چلے گئے ہوں تو کیا تعجب۔ روہیل کھنڈ کی تاریخوں میں کوٹ خیل افراد کے چند نام آئے ہیں، اس لیے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ کچھ

لوگ واپس چلے گئے تھے اور اب وہ پیر و دشمن خاں مصنف جی ٹی تارک خاں حافظ رحمت خاں کے مطابق موضع ڈو اور موضع یار حسین تحصیل صوابی ضلع مردان میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور مالکان دیہہ میں۔ پیر و دشمن خاں کے قول کے کوٹ بابا کے بیٹے آدم خاں کے پوتے شیخ علی حسین خاں کی اولاد موضع یار حسین میں آباد ہے۔

کوٹ بابا کے مختصر حالات خلاصۃ الانساب میں موجود ہیں۔ مثلاً ان کا وطن شورا ڈک پشین مقل قندھار لیکن وہاں چند خاندان ہی باقی رہ گئے تھے۔ کیونکہ بیشتر بڑ بچ قبائل یوسف زئیوں کے ساتھ افغانستان سے منتقل وادی سوات باجوڑ (سدر مردان) چلے گئے اور بونیر، انک لنگر کوٹ اور نزارہ کے علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔

شیخ شہاب الدین کی آمد قندھار سے انک لنگر کوٹ میں ہوئی۔ جہاں کچھ بڑ بچ قبائل یوسف زئیوں کی سکونت رکھتے تھے۔ اقلانیہ آمد ۱۲۳۲ھ میں ہوئی جبکہ شاہ ایران تنہا رہا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور مغل حکومت اس کو واپس لے لیے جنگ کر رہی تھی۔ ان حالات میں کوٹ بابا نے وطن چھوڑنا ہی مناسب سمجھا اور ہواگا۔

انک لنگر کوٹ میں آکر انھوں نے شادی کی پہلی بیوی سے پائی نام کا فرزند پیدا ہوا۔ پھر دوسری شادی کی سے محمد خاں عرف موٹی بابا اور آدم و فرزند پیدا ہوئے۔ محمد خاں عرف موٹی بابا کے فرزند شاہ عالم خاں جو کوٹ حافظ اللک کے والد خلاصۃ الانساب میں کوٹ بابا کے انک لنگر کوٹ سے تورو شہامت پور ضلع مردان جانے کا کوئی ذکر موجود نہا ہے۔ نہ ان کی اولاد کے تورو شہامت پور جانے کا ذکر ہے لیکن تورو شہامت پور میں ایک آراغی ان کے نام پر لکھی ہو تھی جو جوب میں موضع ڈو ڈھیر میں منتقل ہوئی۔ ڈو ڈھیر تحصیل صوابی ضلع مردان میں ہے۔ ۱۸۹۰ء کے کاغذات ہندوستان میں یہ آراغی بنام شیخ شہاب الدین قوم بڑ بچ افغان درج ہے اس کا ذکر تاریخ حافظ رحمت خاں کے ص ۴۲ پر موجود ہے اور اب بھی ان کی اس اولاد کے قبضہ میں ہے جو ڈو ڈھیر میں آباد ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد کوٹ بابا سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ مرشد کے نام کا ذکر خلاصۃ الانساب میں نہیں ہے۔ قیاساً اخوندرویزہ بابا سے بیعت ہوئے ہوں گے۔ درویش بابا کا وصال ۱۲۳۸ھ میں بھر اکسواڑھ سال بحساب سال ہجری ہوا۔ آخری عمر میں مجتذب ہو گئے تھے۔ اس کا اظہار ان کی تصویر سے بھی ہوتا ہے جو حیات حافظ رحمت خاں میں شائع ہوئی ہے۔ حالت جذب میں وہ جنگل کو نکل جاتے اور مسلسل ریاضتیں کرتے رہتے تھے مہینوں گھر کو نہیں آتے تھے۔ اسی صحرا نوردی کی حالت میں ان کا انتقال بیچ ہزارہ کے موضع شاہی دیر میں ہوا۔ اسی جگہ تدفین ہوئی۔ یہ علاقہ پاکستان کے صوبہ سرحد سے باہر پنجاب کی حدوں میں لاؤپنڈی کے قریب ہے۔ وفات کے وقت اولاد میں سے کسی کے ہونے کا امکان دکھائی نہیں دیتا۔ خلاصۃ الانساب میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ محمد خاں عرف موٹی

ابن کوٹ بابا کے چار بیٹے ہوئے جس میں شاہ عالم خاں حافظ الملک کے والد تھے۔ خلافت الانساب میں کوٹ بابا کی اولاد کی قرابت اور شہزادگی کی کمال زنی سدر خیل میں ہونا تحریر ہے۔ اس لیے حافظ الملک کی دادی یا والدہ یا دونوں کمال زنی قبیلہ کی ہو سکتی ہیں۔ شاہ عالم خاں کی اولاد کے بارے میں مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے۔

”از شاہ عالم ابن موتی بن فقیر و فقیر امیدوار مغفرت حافظ رحمت نام فرزندان سعادتمندان نصیب شدہ اللہ تعالیٰ ایشان را از عمر جوانی خود بخود دار داشته سعادت جادو دانی مقول سازند“

اس عبارت کے پہلے فقرہ کا ترجمہ نجم الغنی خاں نے اخبارالصنادید کے ایڈیشن ۱۹۱۶ء مطبوعہ ۱۹۱۸ء کے ص ۷۷ پر یہ دیا ہے کہ شاہ عالم خاں شہید بن موتی خاں سے جو و میرے (حافظ رحمت خاں) کوئی اور فرزند باقی نہ رہا۔ لیکن اس کے بعد کے ایڈیشن میں یہ اضافہ بھی ملتا ہے کہ نہ کوئی اس کی اولاد باقی رہی، لیکن یہ انتہائی بے معنی فقرہ ہے۔ جب بیٹا ہی نہ تھا تو اولاد ہونے کا کیا سوال ہے۔ نجم الغنی خاں نے زداؤدخان کو شاہ عالم خاں کا فرزند مانا ہے اور زعلی محمد خاں کو داؤدخان کا بیٹا لکھا ہے۔ جبکہ ۱۸۷۶ء میں شیوپرنشاد نے فیض بخش میں جس کا تاریخی نام فرخ بخش بھی ہے اور چارلس ٹیلٹن نے روہیلافغان مصنف ۷۷۷ کے صفحات ۲۲-۳۵ نسخہ خدابخش لاہوری پٹنہ میں صاف صاف تحریر کیا ہے کہ داؤد خان شاہ عالم کے بیٹے اور علی محمد خاں داؤدخان کے بیٹے تھے۔ علی محمد خاں کے سلسلہ میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ راہپور کے نوابین ۱۸۴۰ء کے بعد عہد نواب محمد سعید خاں میں اپنا نسب سادات بارہ سے جوڑ چکے تھے جس کی وجہ مزید تشبیہ اختیار کرنا تھی لیکن داؤدخان کو تو وہ ۱۹۱۱ء تک شاہ عالم خاں کا بیٹا ہی کہتے رہے۔ جیسا کہ امیر مینائی کے تذکرہ انتخاب یاچکا رکے ص ۱۰ پر لکھا گیا ہے۔ انتخاب یادگار مطبوعہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کی تصنیف ہے۔ ۱۹۱۱ء میں — اسٹیٹ گزیٹر راہپور حبس کی ٹاٹپ کی ہوئی نقل رضا لاہوری میں موجود ہے۔ داؤدخان کو شاہ عالم خاں کا بیٹا لکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے تین چار سال بعد نجم الغنی خاں نے اخبارالصنادید میں ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا۔ لیکن اخبارالصنادید کے ص ۷۰ ایڈیشن ۱۹۱۶ء مطبوعہ ۱۹۱۸ء میں بزبانی روایت ترضی خاں بنیرہ ملک شادی خاں لکھا ہے کہ داؤدخان کوٹ بابا کے خاندان کے تھے۔ اس روایت میں یہ بھی شامل ہے کہ شاہ عالم خاں کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ لیکن حافظ الملک کے علاوہ سب مر گئے۔ میرے مکتہ نظر سے مذکورہ بالا اقتباس کا یہ ترجمہ درست ہے۔

”شاہ عالم خاں ابن موتی خاں کو اس امیدوار مغفرت حافظ رحمت کے علاوہ فرزندان سعادتمندان

نصیب نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فرزند کو عمر جوانی کے ساتھ سعادتمندی بھی عطا کی ہے۔“

اس اقتباس کے پہلے جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ ”شاہ عالم خاں کو حافظ الملک کے علاوہ سعادتمندان بیٹے نصیب نہ ہوئے“

اس لیے غیر سعادتمندوں کے لیے گنجائش موجود ہے۔ دوسرے جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ الملک کے علاوہ اور کسی بیٹے کو علاوہ حافظ الملک کے جوانی اور عرصہ طفیلی کے ساتھ سعادت مندی کی دولت نہیں ملی۔

حافظ الملک شاہ عالم خاں کی تنہا اولاد نہ تھی۔ ان کی دو بہنوں اور ان بہنوں کی اولاد کا ذکر گلستانِ رحمت اور گلِ رحمت میں موجود ہے۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی درج ہے کہ شاہ عالم کی اولادیں زیادہ تر بچپن میں مر گئیں۔ نجم الغنی خاں نے بھی اخبار الہند ایڈیشن ۱۹۱۶ء مطبوعہ ۱۹۱۸ء کے ص ۲۰ پر یہی بات لکھی ہے کہ داؤد خاں جب توروشہ شہادت میں تھے تو شاہ عالم خاں کی اولاد کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہ حافظ الملک اور ان کی بہنوں کے پیدا ہونے سے قبل کی بات ہے۔

ان سب باتوں کا مطلب صرف اتنا سمجھنا چاہیے کہ شاہ عالم خاں کے بیٹے تو ہوئے، لیکن وہ جوانی تک نہیں پہنچے اور جو ایک جوان ہوا اس کو طبیعی اور سعادت مندی نصیب نہ ہوئی۔ ۱۶۱۷ء کے بعد جس وقت یہ عبارت لکھی گئی ہے تو واقعی طور پر حافظ الملک کے علاوہ شاہ عالم خاں کا کوئی بیٹا موجود نہ تھا۔ داؤد خاں کا قتل ۱۶۴۳ء میں ہو چکا تھا۔ لیکن اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ حافظ الملک کی والدہ اور داؤد خاں کی والدہ الگ الگ ہستیاں تھیں کیونکہ داؤد خاں اور حافظ الملک کی عمر کم سے کم ۳۰ سال کا فرق تھا۔ ۱۶۰۸ء میں جب حافظ الملک پیدا ہوئے ہیں اس وقت داؤد خاں کو کھینچے ہوئے کسی سال ہو چکے تھے۔ وہ چٹا ٹوکا ایک جتھے کے سردار تھے۔ جس میں لاکھائوں خاں پائندہ خاں، بخشی سردار خاں، کمال زئی، صدر خاں، کمال زئی شامل تھے۔ اور افغانوں کا یہ جتھہ پورے کشمیر میں تہلکہ مچائے ہوئے تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال سے کم نہیں مانی جاسکتی ہے۔

اب سوال صرف سعادت مندی ہونے کا باقی ہے۔ گلستانِ رحمت اور گلِ رحمت تو داؤد خاں کو دفار غلام بھی کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں، سعادت مندی کا کہنا تو دور کی بات ہے۔ ان دونوں تاریخوں نے شاہ عالم خاں کے قتل کی ڈگری بھی داؤد خاں پر ڈالی ہے۔ لیکن اخبار حسن مصنفہ حسن رضا خاں نبیرہ حافظ الملک کا بولنے صولت لائبریری لاہور میں ہے وہ ان کو قتل کے الزام سے بری کر تا ہے۔

خلافتہ الانساب میں شاہ عالم خاں کے قتل کا کوئی ذکر نہیں ہے کسی جگہ شاہ عالم خاں کے نام آگے شہید تک بھی نہیں لکھا ہے۔ اور نہ داؤد خاں کا نام کسی جگہ آیا ہے۔

اس لیے ان کی سعادت مندی پر اگر کوئی حرف آتا ہے تو وہ یہی ہے کہ وہ کشمیر میں شاہ عالم خاں کی مرضی کے خلاف آئے تھے۔ اور یہاں انھوں نے کچھ ایسے کام کیے جو شاہ عالم خاں جیسے نیک آدمی کو ناپسند تھے۔ داؤد خاں

کانام بعض تاریخوں میں دیہات پر شیخون مارنے میں بھی آیا ہے۔ جس کو شب خون کہا گیا ہے اس کو آج کی اصطلاح میں ڈاک کہا جاتا ہے۔ رہنری کا واقعہ بھی ان سے منسوب ہے۔ اس وجہ سے ان کی سوانحی زندگی میں شبہ ہونا لازمی ہے۔ کیوں کہ یہ عمل شاہ عالم خاں کے لیے باعث کیندگی تھا۔

خلاصۃ الانساب میں علی محمد خاں کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ حافظ الملک ان سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد حافظ الملک نے ایک بڑا عایشان مقبرہ ان کی قبر پر بنوایا جو آج بھی موجود ہے۔ جب کہ اپنے والد کی طرف قبر کی تعمیر کرائی۔ اس ٹوٹی پھوٹی قبر کی تصویر حیات حافظ رحمت خاں میں موجود ہے۔ اور والدہ کی قبر کی تو کسی کو شناخت بھی نہیں ہو سکی کہ کہاں ہے۔ ان کا انتقال اور تدفین پہلی ہیئت میں ہوئی تھی۔ ۱۰۷۰ء کی جنگ میں روانہ ہونے سے پہلے حافظ الملک آنور میں نواب علی محمد خاں کی قبر پر پہنچے فاتحہ پڑھ کر وہاں جہاد کا علم کھڑا کیا تھا۔ حافظ الملک اور نواب علی محمد خاں میں جس قدر قریبی تعلق نظر آتا ہے اس کے باوجود خلاصۃ الانساب میں ان کا ذکر کیا نام بھی نہیں آیا۔ میرے خیال میں یہ عبادتیں خلاصۃ الانساب سے فارسی میں ترجمہ کے وقت یا بروقت نقل نکال دی گئی ہوں۔

انساب اپنی اولاد کے لیے لکھا ہے کہ وہ رشتہ داروں کو پہچانے اور رشتہ دار ان کو پہچانیں۔ لیکن اپنی اولاد کے نام تک تحریر نہیں کیے۔ یہ حیرت کی بات ہے۔ اگرچہ جس وقت یہ انساب لکھا گیا ہے اس وقت ان کی تمام اولادیں زندہ و سلامت موجود تھیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی کیاں اس کے اندر موجود ہیں حافظ الملک کے وطن توروشہامت پور کا نام نہیں ہے۔ روئیل کھنڈ اور کھٹیر کا نام نہیں ہے۔ محمود خاں اور موتی بابا کا کوئی حال نہیں لکھا گیا۔ شاہ عالم خاں کی شہادت تک کا ذکر نہیں ہے۔ داؤد خاں نواب علی محمد خاں اور ان کے بیٹوں کے نام تک نہیں ہے۔ بخشی سردار خاں صدر خاں فتح خاں شیخ کبیر خاں جیسے سرداروں کا کہیں نام ہے اور نہ نسب کا تذکرہ ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے علاوہ نبادشاہ دہلی کا نام ہے نہ شجاع الدولہ والی اودھ کا نام ہے نہ نجیب الدولہ والی نجیب آباد کا نام ہے نہ احمد خاں بنگش والی فرخ آباد کا نام ہے۔ کسی جنگ کا ذکر نہیں ہے صرف ۱۷۷۱ء کی جنگ پانی پت کا ذکر ہے۔ کچھ بزرگان دین کے نام ضرور موجود ہیں ان میں آخری نام آدم بنوری کا ہے جو عہدِ جاگیر میں گدرے ہیں۔ باقی ان سے قبل کے بزرگوں کے نام نہیں۔ یہ سب نام اخوند درویشہ بابائے تذکرہ سے لیے گئے ہوں گے جس کو کوٹ بابا نے خلاصۃ الانساب میں درج کیا ہوگا جس شخص سے حافظ الملک نے اسی کو مرتب کرایا اس کا نام بھی موجود نہیں ہے۔ قیاساً یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کیا پیغمبر شاہ نے ہی کیا ہوگا۔ جھوٹا تاریخ حافظ رحمت خانی مرتب کی تھی جو خواجہ کی تصنیف تھی جس طرح وہ لکھا امیر پشتون لکھی گئی یہ انساب بھی اسی زبان میں لکھا گیا ہوگا۔ بعد میں اس کا ترجمہ سلیس فارسی میں ہوا جس کا مترجم معلوم ہے

تخریب میں پشتوں کے اثرات جھلکے ہیں اور پشتوں کے عظیم شاعر خوشحال خاں خٹک کے اشارے بھی موجود ہیں۔ لیکن کوئی ترجمہ بھی ہو ہی نہیں ہوتا۔ عبارتوں کے مفہوم میں فرق ضرور پڑتا ہے۔ ایسا اس میں بھی ہوا ہے۔ جو کمیاں موجود ہیں وہ یا تو ترجمے کے وقت ہیں اور یا پھر ۱۸۸۱ء میں نقل کے دوران بیکار کچھ کر چھوڑ دی گئی ہیں۔ جب تک وہ اصل پشتو نسخہ نہ ملے جو حافظا الملک نے مرتب کیا تھا اس وقت تک اس فارسی نقل پر ایک ناک ہی اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ جسکی تصدیق دوسرے دستاویزی ذرائع سے ہوتی ہو۔ کیونکہ کچھ مرتب کا نام معلوم ہے نہ ترجمہ کا نام معلوم ہے۔ اصل نسخہ کس پاس تھا۔ نقل کس نے کروائی تھی۔ انتہائی غلط بات یہ ہوئی ہے کہ اس ترتیب بھی بٹاریا گیا ہے۔ اور جس شخص نے یہ قیصر لکھا ہے اس نے تصنیف کو بڑھا ہی نہ تھا۔ لیکن ان باتوں کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ کل کا کل قابل اعتبار نہیں ہے۔ یہ مختصر بات ہے کہ کوٹ بابا نے خود درویش بابا کے تذکرہ الا برادر الاشرار کے مضامین سے انفاذ کے لیے کسبے بایمیں اور پیر روشن (بایزید انصاری) کی بدعتوں سے محفوظ لینے کے لیے خلاصۃ الانساب اور درالوافض نام کے دو رسالے افذکر کے مرتب کیے تھے۔ ان دونوں کا مشترکہ نام خلاصۃ الانساب ہی تھا۔ اور پشتو زبان میں لکھے گئے تھے تاکہ فارسی جاننے والے بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ حافظا الملک حافظ رحمت خاں کو ۱۲۶۱ء کے بعد قریبے اور ۱۲۶۵ء تا ۱۲۷۰ء مکمل فراغت اور اطمینان کے ساتھ حکومت کر رہے کاموق ملا۔ اسی زمانہ میں حافظا الملک نے خاں کوٹ کی پڑاؤ خانہ کو پیر معظم شاہ اسکن موضع پیر ساکے تحصیل نوشہرہ قلعہ پشاور سے فارسی امیر پشتو میں تاریخ حافظ رحمت خانی کے نام تلخیص کرائی جو ۱۲۶۹ء میں انجام پائی۔ یہ سوت ریزی پٹھانوں کی افغانستان سے نکل کر سوات اور باجوڑ میں آباد ہونے کی بات ہے۔ ان کے کچھ بڑے قبائل بھی آئے تھے جو حافظا الملک قبیلہ امیں حافظا الملک خاندان نہ تھا۔ وہ لوہیں آیا۔ قیاساً حافظا الملک کا اسے خلاصۃ الانساب بھی پیر معظم شاہ نے فارسی امیر پشتو میں مرتب کی ان کے پیش نظر کوٹ بابا کا سوسہ تھا۔ لیکن ترتیب کے دوران انھوں نے خود درویش بابا کے تذکرہ اور تاریخ شیر شاہی و تاریخ خاں جہاں فی اور خوشحال خاں خٹک کے دیوان کو بھی پیش نظر رکھا۔ جہاں سے مضامین کوٹ بابا نے حاصل کیے تھے۔ کوٹ بابا کی اولاد کا حال انھوں نے حافظا الملک کی معلومات سے لکھا۔ اور جگہ جگہ حافظا الملک کی زبانی بیانات بھی درج کیے۔ جس کی وجہ سے یہ تصنیف حافظا الملک کی سمجھ لی گئی۔ جبکہ اس کا صرف ابتدائی حصہ جس میں کوٹ بابا کی اولاد کا ذکر ہے وہ حافظا الملک کا ہے۔ بقدر حصہ کوٹ بابا کا ہے۔ جو انھوں نے خود درویش بابا کے فارسی تذکرہ سے اخذ کیا تھا۔ لیکن مرتب نے اس میں کافی کمی بیشی کی ہے۔ تذکرہ الا برادر والاشرار میں پیر روشن کی بدعتوں اور اس کے حمایتی قبائل کے انساب پر جو اعتراضات تھے وہ بھی ترتیب میں شامل نہیں کیے گئے۔ پیر معظم شاہ نے یہ کام ۱۲۶۱ء کے بعد اگلا ۱۲۶۵ء کے اس پاس کیا ہے۔ اور بعد میں تاریخ حافظا رحمت خانی ۱۲۶۷ء میں مکمل کی۔ ۱۲۷۰ء کی جنگ کے بعد پیر معظم شاہ عظیم اللہ خاں ابن نواب دفریہ خاں

کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ عظیم اللہ خاں نے سکونت رامپور میں اختیار کر لی تھی۔ ان کی جاگیر بستی فضلہ بایوں میں تھی۔ ان کی بیٹی کی شادی اسد اللہ خاں نبیرہ نواب فیض اللہ خاں سے ہوئی تھی۔ ان کی بہن بیگم نواسیہ اللہ خاں بھی رامپور آ گئی تھیں۔ اور بھتیجی اجان بیگم نواب محمد علی خاں ابن نواب فیض اللہ خاں کی زوجہ بن گئیں۔ یہ سب رامپور میں تھے۔ عظیم اللہ خاں کا انتقال ۱۸۱۱ء میں رامپور میں ہوا۔ تاریخ حافظہ رحمت خانی تو عظیم اللہ خاں کے وارثوں کے پاس رہی لیکن خلاصۃ الانساب کا وہ نسخہ جو حافظہ الملک کی ایما سے مرتب ہوا تھا وہ کس کے پاس رہا۔ اس کا پتہ نہیں چلا۔ پھر اس فارسی آمیز پشتو کے نسخہ کا ترجمہ کس نے خالص فارسی میں کیا۔ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ کس کے قبضہ میں تھا اس کا بھی پتہ نہیں چلتا بہر حال ۱۸۸۱ء میں اس کی جو نقل ہوئی وہ بھوپال میں اور اس کا عکسی نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے جس کو میں نے موضوع بنایا ہے۔

ڈاکٹر محمد طارق
ریشہ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

شفیع المعانی ہندستان کی ایک نایاب فارسی فہرست

فارسی زبان و ادب کی ترویج میں ہندستان کا اہم حصہ بہ خصوصاً فرہنگ نویسی اور تذکرہ نگاری و ایسے میدان ہیں جنہیں ہندستانی علماء و فضلا کو خود ایران پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ ایرانی اہل علم نے بھی اس برتری کا اعتراف کیا ہے۔

فارسی زبان کا پہلا تذکرہ "لباب الالباب" مصنف محمد عوفی التمش کے دور (۹۳۳ھ / ۱۵۳۵ء) میں ہندستان میں لکھا گیا، اس کے کچھ عرصہ بعد علامہ عبداللہ بن خلیجی م ۱۵۷۵ھ / ۱۱۳۱ھ کے زمانے میں فارسی زبان کی ایک فرہنگ فرہنگ "نامہ فرخ قیاس" وجود میں آئی۔ یہ فرہنگ ہندستان میں لکھی جانے والی پہلی فارسی فرہنگ ہے اور ذیلے فارسی میں لغت فرس اسدی کے بعد لکھی گئی ہے۔ فرہنگ قیاس کے بعد ہندستان میں فرہنگ نویسی کا ایک سلسلہ چل پڑا جو چاگیر کے دور میں فرہنگ بہاگوری کا تصنیف کرنے وقت اپنے عروج کو پہنچا اور مغلوں کی حکومت کے زوال بلکہ دولت انگلیہ کے اوائل تک جاری رہا۔

اگرچہ فارسی فرہنگ نگاری کی تاریخ پر ادھر کچھ دن سے کچھ کام ہوئے ہیں اور کئی لغات جن کے حرف نام باقی تھے طبع ہو کر عوام کے سامنے آچکے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی بہت سے شاید ایسے بھی ہوں جن کے نام سے بھی ہمارے اہل علم واقف نہیں ہیں۔ زیر مطالعہ فارسی لغت "شفیع المعانی" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔
مصنف : اس کتاب کے مصنف کے نام یا حالات زندگی کے بارے میں معلومات کا تنہا وسیلہ خود یہ لغت ہے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب میں نہ اس مصنف کا کوئی ذکر ہے نہ اس کی تصنیف کا۔ بد قسمتی سے کتاب کا مقدمہ بھی موجود

نہیں ہے جس سے مصنف کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی۔ تقریباً البتہ موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف فرہنگ کا نام "شفیع الدین" ہے جو رفیع الدین ولد عیوض محمد کے بیٹے ہیں۔ قصیدہ آسیون سرکار لکھنؤ کے رہنے والے تھے اسی ترقیہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولف فرہنگ شفیع الدین کے دہلوی کے مظہر الدین اور مظہر الدین تھے دونوں اہل علم تھے چونکہ دونوں نے مولف کے ساتھ اس فرہنگ کی کتابت میں حصہ لیا تھا ممکن ہے کہ کتاب کی تالیف میں بھی مدد کی ہو۔ مظہر الدین کا ایک بیٹا حسین الدین تھا جس کو مصنف نے یہ کتاب ہبہ کی تھی ظاہر ہے فارسی و عربی زبان و ادب سے واقف رہا ہوگا اور ضرورتاً

پڑی ہوگی تھی اسکے نام ایک کتاب جہنگی لکھی ہے۔ ممکن ہے اسی پوتے کی علی ضرورت یا تقاضے کی وجہ سے دادا نے یہ کتاب تالیف کی ہو۔ گویا مولف فرہنگ کا خاندان ایک علمی خاندان ہے جس میں لکھنے پڑھنے کا ماحول اور تصنیف تالیف کا سلسلہ رہا ہے۔

ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخطوطہ ۱۲۵۰ھ ہجری مطابق ۱۲۳۱ فصلی میں مکمل ہوا اور چونکہ خود مولف کا مکتوب نسخہ ہے اس لیے یقینی ہے کہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں مولف زندہ تھا اور کم از کم دو بیٹوں کا باپ اور ایک پوتے کا دادا تھا۔ اس کا پوتا حسین الدین ولد مظہر الدین اس وقت اس قابل ہو چکا تھا کہ لغت حبیبی علمی کتاب کی اس کو ضرورت پڑے اور وہ اس کا مطالعہ کر سکے۔ اگر ۱۲۵۰ھ میں حسین الدین کی عمر ۲۵-۳۰ سال کبھی چلے تو اس کے باب مظہر الدین کی عمر ۴۵-۵۰ برس اور اس کے دادا یعنی مولف لغت شیخ الدین کی عمر ستر اسی سال ماضی پڑے گی۔ اس طرح مولف فرہنگ کا زمانہ پیدائش ۱۲۷۰ھ اور ۱۲۸۸ھ کے درمیان قرار پاتا ہے

علم و فضل: کتاب کے مآخذ میں علم لغت کی تمام اہم کتابیں تو ہیں جن میں ان کے علاوہ قرآن، حدیث، فقہ تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، طب، فلسفہ، معانی، بیان اور نہ معلوم کن کن علوم کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کے نام ترجمہ الفاظ کے ذیل میں ضمناً آگئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران جگہ جگہ مصنف کے کثرت مطالعہ وسعت نظر اور عین علمی ذوق کے ثبوت ملتے ہیں قرآن، حدیث، تفسیر فقہ کی کتابوں کے جوابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف مذہبی علما کی صف میں شامل ہیں جن کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور ہے اور دونوں کے ادب سے واقفیت ہے۔

مسلك و مشرب: فرہنگ "شفیع المعانی" کے مولف شیخ الدین مسلك اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہیں چنانچہ صدیقی اور فاروقی الفاظ کے ذیل میں جو ترجمہ مولف نے تحریر کیا ہے وہ اس مسلك و فصح ثبوت ہے مولف لکھتا ہے۔

صدیقی... دوست و دوستان... و کفر تشدید ال لقب خلیفہ اول است رضی اللہ عنہ و ورق ۳۱۲

فاروقی: لقب امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ... اسی طرح حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء

لکھنا بھی اس کے سنی المسلك ہونے پر دال ہے۔

اہل سنت میں مولف فرہنگ حنفی مذہب کا ماننے والا ہے وہ ابو حنیفہ کو نہ صرف امام لکھتا ہے بلکہ امام اعظم کا منسوبہ چنانچہ نعمان کے ذیل میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

نعمان: ... وزیر نام امام اعظم است ابو حنیفہ کوفی...

جب کہ امام مالک لااحمد حنبلی کے تحت صرف اس قدر تحریر کیا: مالک: ... و نام صاحب مذہب ...

حنبلی: ... و نام مردی صاحب مذہب کہ اور احمد حنبلی گویند ...

زمانہ تکالیف: بخلاف مصنف ہے۔ علاوہ ازیں حاشیہ پر بہت سے اضافے اور اصلاحات بھی اسی خط میں موجود ہیں اس لیے قیاس بھی کہتا ہے کہ یہ نسخہ لغت کی تالیف کے بعد پہلی نقل ہے۔ ممکن ہے اصل مسودہ بھی ہوشور علی میں کچھ صفحہ مصنف نے خود لکھے ہوں اس کے بعد اپنے بیٹوں کو اطا کر کے ہوں۔ یہاں تک کہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ کو یہ کتاب مکمل ہوئی ہو اگر یہ قیاس صحیح ہے تب تو تاریخ تالیف ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ متعین ہو ہی جاتی ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ یہ نسخہ اصل مسودہ کی نقل ہے تب بھی مصنف کا بیٹا ہونے کی وجہ سے قرین قیاس بھی ہے کہ اصل کتاب اس نسخہ سے کچھ ہی پہلے مکمل ہوئی ہوگی کیونکہ اس کتاب کا زمانہ تالیف ۱۲۵۰ھ یا اس سے کچھ قبل قرار پاتا ہے۔

کتاب کے مآخذ: دوران مطالعہ متن و حواشی میں (تو خود متن کا اضافی مقدمہ ہیں) الفاظ کے ترجمہ کے ضمن میں بن مآخذ کے نام نظر آتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- لغات:** ۱۔ فرننگ ابو حفص سعدی ۲۔ دستور (الافاضل) ۳۔ شمس فخری (سمیرا جمالی) ۴۔ ادات الفضل ۵۔ غنیۃ (الطالین) ۶۔ زفان گویا ۷۔ شرفنامہ ۸۔ (فرننگ) سکندری ۹۔ موبد الفضل ۱۰۔ مدار الافاضل ۱۱۔ کشف اللغات ۱۲۔ فرننگ ابراہیمی ۱۳۔ فرننگ جہانگیری ۱۴۔ فرننگ رشیدی ۱۵۔ حل اللغات ۱۶۔ منتخب اللغات ۱۷۔ لریج اللغات ۱۸۔ اصطلاحات و ارسطہ ۱۹۔ شرح نصاب ۲۰۔ فرننگ منظوم ۲۱۔ برہان قاطع ۲۲۔ صراح ۲۳۔ کنز اللغات ۲۴۔ قاموس ۲۵۔ تاج الاسامی ۲۶۔ سامی الاسامی فی الاسامی ۲۷۔ سامانی وغیرہ ہیں۔

لغات کے علاوہ جن کتابوں کے نام بطور حوالہ اس لغت میں آتے ہیں ان میں: قرآن پاک، احادیث نبویہ، دین و حجت نامہ مجموعہ، تفسیر لہدی، شرح مخزن، اشعار شیخ ابو علی سینا، تاج مآثر، بوستان سعدی، مثنوی مولانا روم وغیرہ ہیں۔

ان ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف فرننگ اپنے سے پہلے لکھی جانے والی بیشتر فرہنگوں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ انھوں نے ان سے استفادہ بھی کیا تھا۔ البتہ دستور و ادات زفان شرفنامہ اور خاص طور سے لغت ابو حفص سعدی کے ناموں سے دھوکہ نہ ہونا چاہیے کہ یہ کتابیں مولف کے پیش نظر تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید موبد الفضل یا جہانگیری سے استفادہ کے وقت ضمنی طور پر یہ نام بھی آگئے ہوں ورنہ اس دور میں یہ کتابیں نہ صرف عام نہیں تھیں بلکہ ادات زفان اور دستور تو بالکل نایاب تھیں بہت بڑی حد تک دیافت ہو کر عام ہوتی ہیں فرننگ ابو حفص آج بھی نایاب ہے شرفنامہ سے البتہ غالب نے استفادہ کیا ہے البتہ بعد میں فرننگ نظام کے مولف نے ان میں سے بیشتر ان لغات کو دیکھا ہے جو حیدر آباد کے کتب خانوں میں موجود تھیں۔ فرننگ ابراہیمی شرفنامہ کو بھی کہتے ہیں اور ایران میں لکھی جانے والی ایک دوسری فرننگ کا نام بھی ہے۔ جو ہندستان میں عام نہیں رہی البتہ جہانگیری کے مآخذ میں سے شاید یہ نام بھی وہیں سے آیا ہوگا فرننگ منظوم سے کوئی فرننگ

مراد ہے معلوم نہ ہو سکا کیونکہ اس نام کی کوئی خاص لغت موجود نہیں البتہ مختلف ناموں سے منظوم لغات لکھے گئے ہیں جو موجود بھی ہیں۔

یقیناً لغت لینے مآخذ کی کثرت کے لحاظ سے آخری دو میں ہندستان میں لکھی جانے والی فارسی لغات میں سب سے اہم قرار پاتی ہے۔

مآخذ کا استعمال : اکثر قدیم فرہنگ نویسوں کا طریقہ بلکہ عیب یہ رہا ہے کہ وہ اپنے مآخذ سے بغیر تحقیق و تنقید کے مواد نقل کر لیتے ہیں۔ بہت کم مولفین لغات نے مآخذ کی اطلاعات کی چھان بھٹک کی کوشش کی ہے۔ شرفنامہ کسی قدر ادب جہانگیری، رشیدی اور سراج بڑی حد تک اس کمی کو دور کرتے ہیں۔ ہمارا مولف بھی اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ وہ محض کتابوں کا نقل نہ ہے بلکہ اپنی قوت نقد کو کام میں لاتے ہوئے مآخذ کی اطلاعات پر نظر ڈالتا جہاں کہیں مآخذ میں اسے غلطی نظر آتی ہے (جس کا موقع بہت کم ملے) تو اپنی کئی اظہار کے ساتھ اس کی نشاندہی بھی کر دیتا ہے چنانچہ ذیل کی مثالیں بطور نمونہ پیش کی جا سکتی ہیں۔

آب حرام : شراب و نیر کنا یہ از عشق و محبت است لیکن آب حرام از ان گفتم کہ زاپاں از و محروماند۔

کذا فی الموبد و ایس معنی اخیر ہیچ لطفی ندارد۔

استرنگ : بالکسر مدغم کیا ... و در قاموس گوید پنج تفاح دشتی است بصورت انسان۔

و آنچه گفتم اندک شدہ آن بمرد خلاف واقع است۔ دور شرفنامہ گوید کہ ہندی لکھنؤاں گویند کہ از دودہ شدہ آن خاصیت ندارد۔

غالباً بر تقدیر صحت نفل حکمت الہی در اں ایس است کہ مردم بدانند کہ ہر گاہ گیا بصورت آدم موجب قصاص است کشتن آدم چکو نہ موجب قصاص و مستوجب عذاب نباشد۔

آجین : جامہ کہ لبی از غسل بدن مردہ پاک کنند و چادر کی کہ از حمام بر آمدہ عرق بدان جیند و سامانی گوید قطنیہ کہ بدان بدن خشک کنند لبی از غسل و خصوصیت بمیت ندارد چنانچہ جہانگیری گمان بردہ و توہم اواز خصوصیت مقام ناشی است و آن معتبر نیست۔

تلفظ : فارسی کی ابتدائی فرہنگوں میں تلفظ ضبط کرنے کا کوئی خاص التزام نہ ہوتا تھا شرفنامہ پہلی فارسی فرہنگ ہے جس میں اس سلسلے کی باقاعدہ کوشش نظر آتی ہے اور لفظ کا تلفظ بڑی حد تک متعین ہو جاتا ہے لیکن یہ سلسلہ برابر جاری نہ رہ سکا کچھ عرصہ بعد بہان قاطع اور سراج کے زمانے میں اس طرف باقاعدہ توجہ ہوئی اور الفبائی ترتیب کا رواج ہوا۔

مولف "شفیع المعانی" نے اس طرف اس طرح توجہ نہیں کی جس طرح اس کے بعض پیشروں کو چکے تھے۔ وہ تلفظ کے لیے اکثر نذر جہاں طریق اختیار کرتا ہے۔

۱۔ حرف پہلے حرف کی حرکت بیان کر کے جیسے : بحر بالفتح دریا ۲۔ پہلے اور دوسرے حروف کی حرکت کے

ساتھ جیسے : بذریعہ اول و سکون ذال نقطہ دار ... ۳۔ کئی حرفوں کی تفصیل کے ساتھ جیسے : پذیرفتار بابا فارسی ذال نقطہ دار فوقانی بالفت کشیدہ ... ۴۔ پہلے اور تیسرے حرف کی حرکت کے ساتھ جیسے : بربر لفتح ہر دو باہ تازی ... ۵۔ بیشتر ہمزون عام فہم کلمہ تحریر کر کے جیسے : پابر لفتح بار فارسی دیا تختانی بوزن دایہ ... پرکار بابا و کاف ہر دو فارا بوزن سردار ... پرکار بوزن بردار ... وغیرہ۔

ترتیب : الفاظ کی ترتیب کے سلسلے میں بھی قدیم فرہنگوں میں مختلف طریقے استعمال کیے گئے ہیں جو اس وقت کی مجبورگی اور تقاضوں کے لحاظ سے مناسب بھی تھے اور ضروری بھی "شفیع المعانی" کے مولف نے قدیم الایام سے رائج عام طریقہ اختیار کیا ہے یعنی پہلے حرف کو باب اور آخری حرف کو فصل قرار دیا ہے مثلاً لفظ بار باب الباء فصل لاءیں ملے گا جسے ہمارا مصنف اس طرح لکھتا ہے باب الباء مع الراء اور کلہ باری باب الباء مع الیاء ہیں۔ گویا موجودہ لغت کی ترتیب الفبائی نہیں ہے اس وجہ سے لفظ کی تلاش میں عام لوگوں کو دشواری ہوتی ہے۔ البتہ پہلے اور آخری حرف کے درمیان جو حرف آتے ہیں ان میں سختی کے ساتھ الفبائی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے جو اس دشواری کو کسی حد تک کم کر دیتا ہے۔

شواہد : اگرچہ عام قدیم لغات کی طرح "شفیع المعانی" میں بھی الفاظ کے تعین کے لیے شعری شواہد نہیں دیے گئے ہیں جن سے کلمے کے تلفظ کے سمجھنے میں بھی بعض اوقات دشواری ہوتی ہے لیکن چونکہ پہلا اور آخری حرف متعلق ہے اور درمیانی حرف میں الفبائی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے اس لیے لفظ کے تعین میں غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے البتہ معنی کے تعین میں شواہد سے جو مدد ملتی ہے اس سے اس فرہنگ کا قاری محروم رہتا ہے۔ یوں بھی کچھ طباعت کے عام ہونے کی وجہ سے اور کچھ حجم کی زیادتی اور کلمات کے احاطے میں وسعت کے سبب شعری فرہنگیں عام لغات کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھیں اس لیے شفیع المعانی میں شرف نامہ و جاگیر وغیرہ کے طرز کو ترک کر کے سراج و فیفر کی پیروی کی گئی ہے۔ اس کے باوجود شعری شواہد بالکل ناہید بھی نہیں ہیں کہیں کہیں یہ شواہد نظر آتے ہیں جیسے اندیک کے ترجمہ کے ذیل بطور شاہد مامارہ مروزی کا شعر دیا گیا ہے۔ اسی طرح تاج تاثر سے ایک شعر انکر کے شاہد کے طور پر نقل کیا گیا ہے شرح مخزن اور بوستان کے چند اشعار بھی بطور شاہد استعمال ہوئے ہیں۔ دیگر شعرا میں انوری مولانا رام شمالی دہستانی، سعدی وغیرہ کے نام ملے ہیں۔

دیگر خصوصیات : کثرت مآخذ تحقیق نظر کے ساتھ اس لغت کی ایک اور خصوصیت وضاحت کے ساتھ معنی کی پیش کش ہے دوران مطالعہ نازہ ہوتا ہے کہ عام مواقع سے قطع نظر بہت سے الفاظ کے تراجم میں بہت وضاحت اور علمی دقت نظر سے کام لیا گیا ہے اس سلسلے کی مثالیں اس مختصر مآخذ کو بہت گراں باد کردیں گی اس لیے ان الفاظ پر جسند کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے :

ارنٹون آچھین ارسلان استرنگ اسطر، زمل سعد سکندریہ مانچی، واکیدانہ وغیرہ الفاظ ہیں جن کے معنی کافی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جبکہ بیشتر دوسرے لغات میں ایک جملوں بلکہ لفظوں میں بات ختم کر دی گئی ہے۔

ہندستانی الفاظ: بعض قدیم فرہنگوں کی طرح شفیع المعانی کی ایک اہم خصوصیت فارسی، عربی الفاظ کے ترجمے پر ہے ان کے متبادل ہندستانی الفاظ کا استعمال ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو ان ادوار میں مختلف علاقوں میں استعمال ہوتے تھے۔ قدیم لغات میں ان کا ذکر ان الفاظ کی تاریخ کے سلسلے میں معاون ہوتا ہے تو متاخرین کے یہاں مختلف علاقوں کے لہجوں کے فرق کا پتہ دیتا ہے۔ اردو زبان کی تحقیق میں یہ قیمتی سرمایہ بہت معاون ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف نے فارسی لغات میں ہندستانی عناصر کے عنوان ان الفاظ کو بڑی حد تک یکجا کر لیا ہے جو آئندہ کبھی پیش کیا جائیگا۔

”شفیع المعانی“ کے مصنف نے بھی سینکڑوں اردو الفاظ فارسی الفاظ کے متبادل کے طور پر ذکر کیے ہیں جو ایک علیحدہ مضمون کے متقاضی ہیں یہاں چند الفاظ بطور مثال پیش کیے جلتے ہیں:

● آنخور... ہندی گھٹا (گھٹا) خواند... اشخار... ہند ساجی دکھار گویندیش... اکثر ہندوی آنکس گوینہ۔
● ابن عروس... ہند بنول گویند وغیرہ۔

غلطیاں: ’شفیع المعانی‘ میں گونا گوں خوبیوں کے ساتھ کتابت کی بعض غلطیاں نظر آتی ہیں ان میں سے چند کی تصدیق کی جاتا ساؤج کے ذیل میں سلمان کے بجائے ’سیلمان‘ شاعر معروف...

شب کاہ: کے تحت شب آنکاہ کنڈ بجائے شب آنکاہ۔

اندود: کے تحت صحیح گلابہ

”شفیع المعانی“ میں عربی فارسی کے بیشتر مروج الفاظ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ترکی کے مستعمل الفاظ بھی ترجمے سے گئے ہیں لیکن شرف المہ یا موبد کی طرح ترکی کیلئے علیحدہ فعل قائم نہیں کی گئی ہے۔ اس زمانے میں دستاویز کے جعلی لغات جادو ہندستان میں عام تھا برہان اور قاطع برہان دونوں کے مولفین اس جادو کے اسیر تھے ہیں لیکن مولف شفیع المہ پر یہ جادو چڑھتا نظر نہیں آتا کیونکہ جعلی لغات اس فرہنگ میں نظر نہیں آتے۔ اگرچہ تنقیدی نقطہ نظر سے یہ لغت یا جہانگیری کے مترتبہ کو نہیں پہنچتی لیکن موبد اور آمند راج کی طرح محض مآخذ کی نقل بھی نہیں ہے۔ آزادانہ رویہ اور تنقیدی نظر کی جھلکیاں اس میں جابجا نظر آتی ہیں منجانب سے پیش نظر یہ شاید شعری شواہد سے صرف نظر کی گئی ہے و اس کا حجم جہانگیری اور آمند راج کے کسی طرح کم نہ ہوتا۔ سراج درنید کی طرح بہت سے الفاظ کے معنی دیگر عام لغات کہیں زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔

موجودہ نسخہ : یہ نسخہ ۴۰۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز $۱۳\frac{1}{2} \times ۹\frac{1}{2}$ ہے۔ ہر صفحہ پر ۲۵ سطریں ہیں۔ الفاظ (شکرانی) روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ ترجمہ سیاہ روشنائی میں ہے۔ کاغذ روئی کا بنا ہوا ہے۔ شروع سے ایک داغائب ہے جس کی وجہ سے مقدمہ ضائع ہو گیا ہے نسخہ کا آغاز ورق ۲ الف سے اس طرح ہوتا ہے۔

باب الالف من الالف ۱۱۰۰ ورقن جا امر آمدن یعنی بیا... الخ: ابتدائی چند صفحات کے آخری حصے گل ہیں یا کرم خوردگی کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ان صفحات میں ایک ایک دو سطریں کم ہیں باقی پور نہایت اچھی حالت میں ہے ترقیمہ اس طرح ہے:

”تمت تمام شد کتاب ہذا بمئی فرنگک شفیع المعانی تالیف شیخ الدین ولد رفیع الدین ابن عبید بن محمد ساکن قصبہ سیوار لکھنؤ مصنف صوبہ اودھ اختر نگہ خط شفیع الدین و ظہری ولد ابن مرحوم و ظہری الدین ولد شیخ الدین مسطور تیار شد بمئی ۱۲۵۰ھ مطابق یکم ماہ کاک ۱۲۴۱ھ فی یکایس روز بکر ۵ روز شنبہ بقا لکھنؤ باختم رسید۔ چون کتاب ہذا برابر خوردار کتاب ہذا را مالک و مختار است فقط۔“

جیسا کہ تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ تین لوگوں کے خط میں لکھا ہوا، گمان غالب یہ ہے کہ پہلا خط جو ورق ۲ سے ۶۸ تک ہے خود مصنف کا ہے اس کے بعد ورق ۶۹ سے ورق ۲۰۲ تک دوسرا خط ہے ۲۰۲ سے ۲۰۵ تک پھر وہی پہلا خط ہے کے بعد کہیں پہلا کہیں دوسرا اور کہیں تیسرا خط نظر آئے تب تمام صفحات کے حاشیہ اضافوں سے بھرے ہوئے ہیں جن میں حکیم کاٹ چھانٹ کی گئی ہے یہ حاشیہ بیشتر پہلے خط میں ہیں یہ حکم اضافے واضحی بخط مولف ہیں اور اس سے اس خیال آتی ہے کہ یہ نسخہ مولف کا مسودہ ہے یا مسودہ کی پہلی آہل۔ پہلا خط استعین بخت ہے دوسرے خطوط کھٹی استعین محمولی پر

۱۔ جنبری مصالک و فہرست طب الدین طبع نامی شہر لکھنؤ ص ۳۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۱ھ دی اثنانی روز شنبہ ۱۲۵۰ھ میں ۱۸ اکتوبر ۱۲۵۰ھ کو شیخ المعانی کے مولف نے اس میں پوری ۱۲۴۱ھ فی یکایس روز بکر ۵ روز شنبہ بقا لکھنؤ باختم رسید ہے اس میں پوری ۱۲۵۰ھ میں ۱۸ اکتوبر ۱۲۵۰ھ کو

فعلی ہے نہ کہ ۱۲۴۱ھ فعلی۔

جناب سید نور محمد اکیلیوی

وائزہ ہمدردیہ

ظہیر آباد دہلی - پٹی،

سکھ شناسی

سکھوں پر مندرجہ اشعار کے پڑھنے میں جو دشواریاں لاحق ہوتی ہیں ان کا ذکر کرنے سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابستدائاً وہ مشکلات بیان کر دی جہاں جو عام سکھوں کے پڑھنے میں پیش آتی ہیں۔ یوں تو آج کل سکھوں کے متعدد کیٹیڈاگ دستیاب ہوتے ہیں جن کی مدد سے سکھوں کی شناخت میں سہولت ہوتی ہے لیکن ان سے استفادے کے لیے بھی سکھوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات درکار ہوتی ہیں ورنہ غیر ضروری کیٹیڈاگوں کی درق گردانی میں تفسیع وقت کا اندیشہ رہتا ہے۔ لہذا اسکے جمع کرنے والوں کو چاہیے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کریں کہ جس خاص سکے کے بارے میں انہیں تفصیلات مطلوب ہیں وہ کس علاقے کا ہے، اس کا عہد کون سا ہے اور اس پر مندرجہ عبارت کی زبان کون سی ہے اور اس کا تعلق کس حکمران خانہ سے ہے۔ یہ باتیں معلوم ہو جانے کے بعد مندرجہ کیٹیڈاگ سے باسانی مدد لی جاسکتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط سے سکھوں پر تحقیقی کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کے سکھوں پر بھی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جو مختلف عجائب خانوں میں محفوظ سکھوں نیز خانگی ذخیروں کی فہرستوں پر مشتمل ہیں ان کے علاوہ نو مسیما ملک سوسائٹیوں کے جرائد و رسائل میں بھی معلومات افزا مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں۔ اس پرور سے مواد سے خاطر خواہ استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن سکھوں کے شائقین کو بنیادی طور پر ان چند

امور کو پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔

سکے کہاں دستیاب ہوئے۔ سکوں کا مقام دریافت معلوم ہونے سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ سکے کس علاقے کے ہیں۔ عموماً سکے جس علاقے کے ہوتے ہیں وہ اُسی علاقے میں بہ کثرت دستیاب ہوتے ہیں۔ دوسرے علاقوں کے سکے شاذ و نادر ہی مل جاتے ہیں۔ یہ ایک عمومی نقطہ نظر ہے۔ آج کل سکوں کی تجارت کافی ترقی کر گئی ہے اور ذرائع آمد و رفت کی سہولت کی وجہ سے ایک علاقے کے تاجر دوسرے علاقے میں جا کر سکے خریدتے اور بیچتے ہیں مگر یہ صرف سونے کے سکوں اور کبھی کبھی چاندی کے سکوں کے تعلق سے ہوتا ہے۔ تانبے کے سکے جس علاقے کے ہوتے ہیں ان کی نکاسی وہیں ہو جاتی ہے۔

مقام دریافت کے تین کے بعد سکوں کی عبارت کی زبان اور رسم الخط کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ ہندوستان کے ہندو حکمرانوں کے سکوں پر سنسکرت، گڑشتی، دیوناگری، برہمی اور پالی وغیرہ زبانوں کی عبارتیں ملتی ہیں۔ اور مسلم حکمرانوں کے سکوں پر عموماً عربی زبان کی عبارت اور کبھی کبھی فارسی اندراجات بھی پائے جاتے ہیں۔ البتہ مسلم حکمرانوں کے سکوں پر درج شدہ اشعار فارسی زبان میں ہیں۔ ان بادشاہوں کے سکوں کے تعلق سے ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ ایک ہی نام متعدد خاندانوں میں مشترک ملتا ہے۔ مثلاً محمد شاہ کا نام غلیبوں، گجرات کے حکمرانوں کشمیر کے سلاطین، بنگال کے بادشاہوں، بہمنیوں اور عادل شاہیوں میں پایا جاتا ہے۔ ان تمام بادشاہوں کے سکوں کی شناخت کے لیے ان کی مخفوض وضع و قطع اور ساخت نیز رسم الخط اور ان کے القاب اور خطابات کو پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔ بعض صورتوں میں القاب وغیرہ میں مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ اگر اس پر پوری طرح غور نہ کیا جائے تو ایک خاندان کے حکمران کے سکے کو دوسرے خاندان کے حکمران سے منسوب کرنے کی غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔

مذکورہ صدر امور کو پیش نظر نہ رکھ کر بعض محققین سے فاش غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔ ہندوستان کے ایک محقق نے بہمنی خاندان کے دو سکوں پر المعتمد باللہ اور الوافق باللہ کے القاب دیکھ کر انہیں معتمد باللہ اور وفاق باللہ خلفائے بغداد سے منسوب کر لیا۔

انگلستان کے مشہور مؤرخ اور ماہر سکوکات قدیمہ اسٹینلی لین پول نے ماہر جہاں کا نام مہر النساء کے بجائے مہ النساء درج کر کے اس کا ترجمہ ”نسوانیت پر مہر“ کیا ہے۔ اسی مستشرق نے شاہ جہاں کے لڑکے مراد بخش کے سکوں پر اُس کے لقب ”مَرَوِجُ الدِّین کو مَرَوِجُ الدِّین“ پڑھ کر اس کے معنی تردیج (رواج دینے، پھیلانے) نہ نہیں بلکہ تردیج (شادی کرنے، وابستہ کرنے) سے نکال کر خود ہی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ یہ عجیب لقب ہے۔

بعض سکوں پر دارالضرب کا نام بھی درج ہوتا ہے چند حکمرانوں نے دارالضرب کے مخمور لقب بھی وضع کئے تھے مثلاً قبۃ الاسلام، شہر کرم، تخت گاہ، دارالخلافہ، حضرت وغیرہ مثل سلاطین نے اس خصوص میں بڑی جدت دکھائی اور کم و بیش ہر ایک دارالضرب کو ایک علاحدہ لقب دیا جو دار سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے دارالخیر الجمیر، دارالامان الملتان، دارالفتح اجمین، دارالسرور برہان پور اور دارالجمہاد حبیب آباد وغیرہ۔ شیرشاہ کے سکوں پر بھی کچھ القاب پائے جاتے ہیں اور کبھی بھی دارالضرب کے نام کے ساتھ ساتھ اس کا قدیم نام بھی بطور عرف درج کیا گیا ہے مثلاً شیر گدہ عرف حضرت دہلی۔

شیرشاہ کے کچھ سکے ایسے بھی ملے ہیں جن پر لفظ ’جھانپناہ‘ درج ہے۔ ماہرین سکوکات قدیمہ نے اس کو ایک دارالضرب سمجھ لیا۔ چنانچہ انگلستان کے یوچین لیگیٹ نے اپنی مرتبہ فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک اور محقق کوڈرنگٹن نے بھی ’جھانپناہ‘ کو دارالضرب قرار دے کر اُس کو دہلی سے منسوب کیا ہے۔ انڈین میوزیم کلکتہ، میں محفوظ سکوں کے کیٹلاگ میں نیلسن رائٹ نے جی اپنے پیشروؤں کی رائے سے اتفاق کر کے ’جھانپناہ‘ کو دارالضرب بتلایا ہے۔ نیلسن رائٹ نے شیرشاہ کے متعلق سکوں کی عبارتیں بھی کیٹلاگ میں درج کی ہیں۔

لے دی کوٹنس آف دی مغل ایمپائر آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلی لین پول مطبوعہ لندن ۱۶۱۸۹۲ انٹروڈکشن۔

لے مٹ ٹائونس اینڈ کوٹنس آف دی مغل مرتبہ یوچین لیگیٹ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء صفحہ ۴۰
لے میاؤن آف سلطان نیومیسیاٹس، اینڈیاٹک سوسائٹی مونوگراف جلد ۷، مرتبہ او۔ کوڈرنگٹن مطبوعہ لندن ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۳۹
لے کیٹلاگ آف دی کوٹنس اینڈ دی انڈین میوزیم کلکتہ مرتبہ ایچ۔ نیلسن رائٹ مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۷ء جلد ۲ صفحہ ۷۷

نیلسن رائٹ نے اپنے محولہ ایک سکے کی عبارت اس طرح درج کی ہے۔

رُخِ ثانی

رُخِ اول

دائرے میں . شہاۃ السلطان

شیر

خلد اللہ ملکہ

وسلطانہ ۹۴۹

حاشیہ فرید الدینا والدین

ابوالمظفر جھانپناہ

دائرے میں لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ

حاشیہ السلطان العادل ابابکر

عمر عثمان علی

محقق مذکور نے مندرجہ صدر عبارت کی روشنی میں اس سکے کو دارالضرب "جھانپناہ" میں مضروب قرار دیا ہے۔ اس استنباط پر سب سے پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر یہاں "جھانپناہ" کو دارالضرب بفرض محال مان بھی لیا جائے تو اس کا ما قبل ابوالمظفر بے مصرف ہو جاتا ہے۔ دارالضرب کا جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے لقب تو ہوتا ہے مگر اس کی کنیت نہیں ہوتی۔ دارالضرب کو ظفر باب، ظفر قرین اور دارالفتح کے القاب دیئے گئے ہیں مگر کبھی کسی دارالضرب کو ابو الفتح یا ابوالمظفر کا لقب نہیں دیا گیا یہ القاب خود حکمرانوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ جو اشکال پیدا ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کی آسان صورت یہ نظر آتی ہے کہ سکے کے رُخِ اول اور رُخِ ثانی پر مندرجہ عبارت کو سلسلہ وار پڑھا جائے ایسا کرنے سے اس کا صحیح مفہوم معلوم ہو سکتا ہے۔

اس سکے کے رُخِ اول پر کلمہ طیبہ دائرے میں درج ہے اور حاشیہ پر خلفائے اربعہ کے نام ہیں۔ اسی رُخِ پر خلفاء کے ناموں سے پہلے السلطان العادل کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جن کا کوئی تعلق خلفاء سے نہیں ہو سکتا کیونکہ خلفاء چار ہیں سلطان بصیغہ واحد درج کیا گیا ہے اگر خلفاء کو سلطان کہنا مقصود ہوتا تو سلاطین بصیغہ جمع استعمال ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ کلمہ طیبہ اور خلفائے اربعہ کے اسماء کے اندراج کے بعد مذہبی ناز و نالا

جو متنی عقیدے کے حکمران اپنے سکوں پر درج کرواتے رہے ہیں، مکمل ہو گیا اور اس کے بعد جو الفاظ رُبحِ اول پر درج ہیں ان کا تعلق رُبحِ ثانی پر مندرجہ حکمران کے نام، اس کے القاب اور خطابات سے ہے۔ اس طرح پورے سکے کی عبارت دو حصوں میں تقسیم کی جا کر بصورت ذیل پڑھی جائے گی۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابا بکر عمر عثمان علی۔ السلطان العادل
فرید الدینا والدین ابوالمظفر جھانپناہ شیرشاہ السلطان خلد اللہ
ملکہ و سلطانہ ۹۴۹۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”جھانپناہ“ کو شیرشاہ کا لقب سمجھ لیا جائے تو اس سکے پر دارالضرب کا نام کہاں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سکوں پر عموماً دارالضرب کا نام درج ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک سکے پر دارالضرب کا نام مندرج ہو۔ اُن سکوں پر جو عام حالات میں شہروں میں مضروب ہوتے ہیں ان پر دارالضرب کا نام پایا جاتا ہے لیکن حکمران جب کبھی مہات جنگ میں مصروف ہوتے ہیں اور انھیں فوج کے اخراجات کے لیے رقم کی ضرورت ناگہانی طور پر لاحق ہوتی ہے تو وہ برسرِ موقع سکے مضروب کرواتے ہیں۔ مغل حکمرانوں نے تو فوج کے ساتھ ایک مستقل دارالضرب کا انتظام کر رکھا تھا جس کو انھوں نے اُردو کا نام دیا تھا۔ شیرشاہ نے بھی غالباً یہیر بحث سکے اپنی جنگی مہات کے دوران مضروب کروائے ہوں گے اس لیے ان پر کسی مستقل دارالضرب کا نام پایا نہیں جاتا۔

ہمارے اس استدلال کے بارے میں کہ ”جھانپناہ“ شیرشاہ کا لقب ہے، ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت میں شیرشاہ کے ان سکوں پر بھی یہ لقب پایا جانا چاہیے جو کسی مستقل دارالضرب سے جاری ہوئے ہوں۔ اس سوال میں بڑی معقولیت ہے۔ اس سلسلے میں شیرشاہ کے دوسرے سکوں کی تلاش کے دوران حصرن اتفاق سے نیلسن رائٹ ہی کے کیٹلاگ میں ایک ایسا سکہ مل گیا جس پر ”جھانپناہ“ کا لقب بھی موجود ہے اور دارالضرب کا نام بھی درج ہے۔ اس سکے کے ہر دو جانب

کی عبارت حسب ذیل ہے۔

رُبعِ اول

دائرے میں لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

رُبعِ ثانی

دائرے میں شاہ السلطان
شیر
خلد اللہ ملکہ
وسلطانہ

ماشہ السلطان العادل ضرابین ماشہ فرید الدنیا والدین
ابا بکر عمر عثمان علی ابوالمظفر جھانپناہ

اس کے کو دیکھنے کے بعد کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ جھانپناہ کو دار الضرب سمجھا جائے۔ اس طرح ایک دیرینہ غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔
سکے پڑھنے کے باب میں اس قدر تفصیل میں جانے اور محققین سے جو فروگزاشیں ہوئی ہیں ان کی نشاندہی کرنے کا مقصد محض یہ بتلانا تھا کہ وہ لوگ جو کیٹلاگ مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی یا بعض خاص پہلوؤں سے عدم واقفیت کی وجہ سے کسی شدید غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں عام شایقین کے لیے غیر معمولی احتیاط از بس ضروری ہو جاتی ہے۔ جب عام سکول کے پڑھنے میں ایسی دشواریاں پیش آتی ہیں تو سکول پر مندرجہ اشعار کو صحت کے ساتھ پڑھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ مستشرقین نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے لیکن سکول پر مندرجہ اشعار کے پڑھنے میں ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جنہیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

پروفیسر حکیم محمد کمال الدین ہمدانی

نائبہ تعلیمات، اہل خانہ طبیہ کالج
اسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

وقائع روزگار

پنڈت دیانانند و ناکشمیری کا سفرنامہ

”وقائع روزگار“ جناب پنڈت دیانانند و ناکشمیری کا مرتبہ ایک سفرنامہ زبان فارسی ہے جس کو ابتدا و چکرا پٹی سے ہوتی ہے۔ آپ نے مغربی بتدیوم چہار شنبہ ۱۲۲۵ھ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء کو فرمائی، جیسا کہ حسب ذیل جلد سے واضح ہے:

”میں نیازمندا ارادت دیانانند پنڈت کو از اہل کشمیر وہ بے غل و غش مخلوط است و متعلق یادو زیمقام و کش
چکرا پٹی، نخطاب بہ نخطاب شاہجہاں روپاریلی است بارادہ مسافرت و سیراقطاع و دور و دشت و سد و دید
صمیت ہائے رنگین جمیع ہر مقامات و استماع مکالمات سہمان لیاقت و استفادہ تعلقات از حکام مکت اللکام
نیک اوقات و دراولی موسم برسات بکھرا و دو صد ہفت و بیست و چھری شہر جمادی الاول تا بیست و چھریوم چہار شنبہ
جاوہ پیمانہ را بکار آورد و بحسب و جمعی ارباب کرم روئے اختیار کرد۔“

سفرنامہ کی ابتدا جناب وقاسے محمد سے کی ہے، اور اس کے بعد نعت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے بعد مناقب ائمہ
معصومین علیہم السلام لکھے ہیں۔

نام کتاب و نام تاریخی کتاب آپ کے حسب ذیل جلد سے واضح ہے :

”پس مصنف و مؤلف این نگارنامہ لقب ”وقائع روزگار“ لقب و قسم کرم و بصفتمجموعی خود
اقر و دانش پرور و متصف ساخت از یک در حساب مؤرخ تاریخ شروعش مقبول خود (۱۲۲۵) کویدہ“

جناب وقاسے اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور ہر حصہ کو ایک مستقل دیباچے سے مزین فرمایا ہے۔ دیباچوں

۱۔ وقائع روزگار کا ایک خطوط قدیمہ العارضین ”حکیم سید شاہ خیرت علی ہمدانی علیہ الرحمۃ کے کتب خانہ واقع ۱۰۶۱ھ سید خیرت
علی گڑھی، قصبہ جہان علی گڑھ میں موجود تھا، اور نیشنل آرکائیو نئی دہلی کے شعبہ خطوطات کو فروخت کر دیا۔ حکیم سید شاہ خیرت علی
ہمدانی (متوفی ۱۲۶۲ھ/۱۸۱۲ء) کا نسب سلسلہ حضرت حسین (ع) علیہ السلام ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہے۔
حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمۃ پہلے کشمیری آپ کے جد و جہاں میں بلوچ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمۃ کی نسب سے
میر سید کمال الدین ہمدانی بعد جمادی الاول ۱۲۲۵ھ کا شہ کشمیر سے ہجرت فرمادی و وہ جسے۔ اور آپ کے خاندان کو جمادی میں عودت حاصل ہوا، اور آپ کی
نسب سے حکیم سید شاہ خیرت علی ہمدانی مشہور فرمایا، ان دونوں کے بعد میں بڑا اعزاز حاصل فرمایا۔

کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دیباچہ اول :- مرصع و مشعل بوقائع سیاحت عالم

دیباچہ دوم :- طبع و متفنن از مفاد و ضات باد لاد آدم

دیباچہ سوم :- مشکل و محتوی در تذکرہ شہزاد قی زماننا۔

دیباچہ سوم کے متعلق پشت ورق ۱۴۰ پر رقمطراز ہیں :

” پس دیباچہ سخن را کہ شیرازہ جمعیت ۱۲۳۷ نام نہادم “

دیباچہ اول سفرنامہ سے متعلق ہے جس میں جناب وفا کشمیری نے ان مقامات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جہاں دوران سفر انھوں نے قیام فرمایا اور چونکہ آپ صوفی مشرب تھے، لہذا آپ نے عارفین کے مزارات و درگاہوں کا تذکرہ خصوصی طور پر فرمایا ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات کا تذکرہ آپ نے سفرنامہ میں فرمایا ہے۔

- ۱۔ بریلی، ۲۔ آنولہ (ص ۱۵)، ۳۔ بدایوں (ص ۱۶)، ۴۔ اوجینائی، ۵۔ سوروں (ص ۱۷)، ۶۔ کاس گنج، ۷۔ مارہور (ص ۲۲)، ۸۔ سکندریہ (ص ۲۲)، ۹۔ جلیسر (ص ۲۲)، ۱۰۔ آگرہ (ص ۱۹)، ۱۱۔ فتح پور سیکری (ص ۲۷)، ۱۲۔ بھرت پور (ص ۲۹)، ۱۳۔ کہیہ (ص ۲۹)، ۱۴۔ جلیسر (ص ۳۰)، ۱۵۔ بیات (ص ۳۱)، ۱۶۔ دیوبند (ص ۳۳)، ۱۷۔ جلگنی (ص ۳۳)، ۱۸۔ گوالیار (ص ۳۴)، ۱۹۔ مانجیل پور (ص ۳۸)، ۲۰۔ مٹھرا (ص ۳۹)، ۲۱۔ قزوین (ص ۳۹)، ۲۲۔ قصبہ ہندون (ص ۴۱)، موضع برلاوہ پگند ٹونک (ص ۴۷)، ۲۳۔ قوہی (ص ۴۸)، ۲۴۔ بگہرہ (ص ۴۹)، ۲۵۔ کیکری (ص ۴۹)، ۲۶۔ پھولپور (ص ۵۲)، ۲۷۔ شاہ پور (ص ۴۹)، ۲۸۔ نہرہ (ص ۵۲)، ۲۹۔ اودھ پور (ص ۵۳)، ۳۰۔ الور (ص ۵۴)، ۳۱۔ خیر (ص ۵۴)، ۳۲۔ کرم کدہ (ص ۵۴)، ۳۳۔ میواڑ (ص ۵۴)، ۳۴۔ مانڈلی و پورمانڈلی (ص ۵۴)، ۳۵۔ مالوہ (ص ۵۸)، ۳۶۔ اوجین (ص ۶۱)، ۳۷۔ جودھپور (ص ۶۱)، ۳۸۔ میرٹھ (ص ۶۱)، ۳۹۔ پانی (ص ۶۸)، ۴۰۔ بیکانیر (ص ۸۴)، ۴۱۔ اجیر (ص ۸۷)، ۴۲۔ سانہر (ص ۸۷)، ۴۳۔ تارا گڑھ (ص ۱۰۴)، ۴۴۔ چشمہ اتاساگر (ص ۱۰۷)، ۴۵۔ احمد نگر گجرات (ص ۱۰۷)، ۴۶۔ کشن گڑھ (ص ۱۰۷)، ۴۷۔ بھوپنر (ص ۱۰۹)، ۴۸۔ بھوپور (ص ۱۱۴)، ۴۹۔ بونڈی (ص ۱۱۶)۔

ذکر بونڈی کے بعد عبارت ناقام رہ گئی ہے۔ ورق ۶۲ کے بعد ورق ۶۶ ہے جس سے واضح ہے کہ متن کا عبارت نقل کرتے سے باقی رہ گئی ہے۔

اس سفرنامہ میں جناب وفا کشمیری نے مذکورہ قصبات اور شہروں کے واقعات نہایت دلچسپ پیر۔

میں فصاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ خاص خاص تاریخی عمارت، درگاہوں اور مساجد و مکتبہ کا تذکرہ بہ خوبی کے ساتھ کیا ہے، اور مشہور صوفیا و عارفین اور نوادین و راجگان کی مسلح بھی فرمائی ہے۔

جناب وقاصے جن مشاہیر کا تذکرہ اس سفر نامہ میں فرمایا ہے ان کی فہرست حسب ذیل ہے:

- ۱۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر (ص ۱۳)، ۲۔ شیخ بدیع الدین احمد عظیم القرب خٹک (ص ۱۰)۔
- ۳۔ نواب علی محمد خاں (ص ۱۶)، ۴۔ حضرت بدیع الدین عارف (ص ۱۶)، ۵۔ میاں آلی احمد عقیب لچھے میاں بہادر (ص ۲۰)، ۶۔ جلال الدین اکبر بادشاہ گورگانی، ۷۔ شاہ بہمان (ص ۲۰)، ۸۔ اورنگ زیب (ص ۲۰)، ۹۔ حضرت چشتی قدس اللہ (۲۸، ۱۰۸)، ۱۰۔ شیخ پال جاوون بیاض (ص ۳۱)، ۱۱۔ سید سعید الدار غازی (ص ۳۱)، ۱۲۔ راجہ رام چند راجی (ص ۳۴)، ۱۳۔ لچھن (ص ۳۵)، ۱۴۔ میاں محمد غوث (ص ۳۶)، ۱۵۔ شاہ کپور (ص ۳۶)، ۱۶۔ خواجہ قانون رحیم اللہ تعالیٰ (ص ۳۶)، ۱۷۔ میاں تان سین (ص ۳۷)، ۱۸۔ راجہ بہنوش پال عقیق۔ جہانگیر پال (ص ۳۷)، ۱۹۔ عارف باللہ سید عقیق اللہ از آل امیر المومنین امام نقی (ص ۴۲)، ۲۰۔ مولانا ابوالمعالی تاج محمدی، ۲۱۔ حکمت آباد قرینہ علی (ص ۴۲)، ۲۲۔ کنور رستم خاں خلف اللہ محمد اکبر دودہ خاں (ص ۴۶)، ۲۳۔ محمد شاہ خاں (ص ۴۷)، ۲۴۔ نواب محمد امیر خاں (ص ۴۷)، ۲۵۔ محمد شہید خاں (ص ۴۸)، ۲۶۔ محمد سعید خاں (ص ۴۸)، ۲۷۔ راجہ امر سنگ بھویا (ص ۵۰)، ۲۸۔ کما جی رائے سندھید (ص ۵۰)، ۲۹۔ راجہ ہندویش (ص ۵۳)، ۳۰۔ راجہ بھیم سنگھ (ص ۵۵)، ۳۱۔ خواجہ نور جگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی سبزی (ص ۹۲)، ۳۲۔ شاہ تنہا صاحب (ص ۸۳)، ۳۳۔ راجہ بان سنگھ راجپور (ص ۸۴)، ۳۴۔ حضرت ابوالصلح قدس اللہ سرہ (ص ۹۶)، ۳۵۔ حضرت مختار علی (ص ۹۷)، ۳۶۔ میر عظیم اللہ خادم درگاہ (ص ۹۷)، ۳۷۔ بی بی حافظہ جہاں (ص ۱۰۰)، ۳۸۔ سید مرزا خٹک سوا شہید (ص ۱۰۳)، ۳۹۔ حضرت شاہ شرف بوعلی قلندر (ص ۱۰۸)، ۴۰۔ حضرت احمد شہید روح اللہ (ص ۱۰۸)، ۴۱۔ راجہ کلیان سنگھ (ص ۱۰۹)، ۴۲۔ سید غلام علی شاہ ساکن بازارہ میراں پور (ص ۱۱۱)، ۴۳۔ مولوی فیضان اللہ حسن اللہ برکاتہم (ص ۱۱۵)، ۴۴۔ مولوی نور الدین قدس اللہ سرہ العزیز (ص ۱۱۵)، ۴۵۔ سید محمد علی (ص ۱۱۶)، ۴۶۔ سراج الدین احسن اللہ (ص ۱۲۰)، ۴۷۔ حاجی داؤد احمد (ص ۱۲۳)، ۴۸۔ شیخ فرید گنج شکر (ص ۱۲۳)، ۴۹۔ حکیم محمد اسحاق (ص ۱۲۴)، ۵۰۔ سید رضا حسین (ص ۱۲۵)، ۵۱۔ سید واصل علی و سید غلام علی۔

جنب وقا کشمیری ایک انشا پرداز فارسی ادیب تھے۔ آپ کی تحریر میں فساد مجاہب کا رنگ نمایاں ہے۔ آپ کی

نثر فارسی نہایت مقلی، مسجع اور لفظی و معنوی ہٹالے و بدلتے سے آراستہ ہے۔ نمونہ نشر ملاحظہ ہو۔

” اچھے میاں صاحب مارہروی کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں :

” داماد ہر وہ از مدت مدید عمر شدہ بزرگے و بال احمد موسوم کہ مقبب بہ لچھے میاں مشہور عمر شریف
میش از ہشتاد و کم از نو دہ علم حقیقت چون دریافت علوم ظاہر و لاتر و علی گہر مریدان صاحب ارادت زیادت
از لکھنؤ حاضر و غالب مشغول بیا و حق سید السیادت چیست از حسب و نسب یہ یعنی تہی و منکر طبیعت مستغیب
سر راہ زیارت نمودہ الخ“ (ص ۱۶)

سید مسعود اللہ غازی کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں :

” شاہ قندھار ابوبکر مع فوج بہ شمار و عساکر خوفاً بہ جمعیت جناب فیضیاب سید السیادت میرزا
ولایت برگزیدہ محمد خدایہ سید و سالار غازی فتح این درہند کردہ ولایت وین مصطفوی را با پرچم بخت
مرغوبی اقامت فرمودہ چون فوج طریق او با جماع ہذا و افتاد جنگ بروئے کار افتاد و آخر شمش الحرب سببان
گاہ غالب و گاہ مغلوب ہی شدہ چند گاہ غازیان نصرت مند بغایت ساقی گوشہ جام حیات از آب شیریں مہات
لبریز کردہ بالغام و عطایائے مناصب و مدارج شہادت و سلک فدا مان شہید کبریا و درخشاں شدہ اند“
خواجه خواجگان حضرت معین الدین چشتی بخاری جبریمی علیہ الرحمۃ کی زیارت کا حال لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں :

” در ماہ رمضان المبارک اشتیاق زیارت سراپا برکت و افادت رہنما شدہ مشہد طرہ جائست کہ حضرت
غیرت مجربہ بر مقدسات کاشف و قائل خفی و علی واقف متعلق دینی و دنیوی شہسوار فنا فی بیروت گرم او
بودی لاہوت صدر نشان امامت حیدری منبع زلال شان داوری دانائے علم و حکمت الہی اشتیاساتہ انتارہ
معرفت اکا ہی اعراض الخاص و سگاہ جناب مصطفیٰ مخصوص بارگاہ مرتضیٰ خاک درخش کمل البصارت اہل بصر
گرد آستانہ اش نور دیدہ جن ویشتر نور اہل آفرینش چشم و چراغ بیش محضت تواجہ خواجگان معین الدین چشتی
الحسینی بخاری آفتاب ملک ہند نور اللہ تعالیٰ طین تراب و تراب مراہہ طمع از جانب محب و نسب تا معرفت
امیر المؤمنین اسد اللہ غالب بھاراج و مراتب مفصلہ ہذا بطورہ بن حضرت غیاث الدین حسن بن ضیاء الدین
حسن بن علاء اللہ بن عبد اللہ مروج بن حسین الاضر بن امام زین العابدین بن امام ابی عبد اللہ الحسین و بعضی
برآیند کہ از حضرت غیاث الدین احمد بن محمد بن حضرت نجم الدین بن حضرت ابراہیم بن حضرت امام موسیٰ کاظم
بن امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام سید الشہداء امیر المومنین
علیہ السلام بن علی کرم اللہ وجہہ علیہ الصلوٰۃ والسلام از جا رو بہ مجرست و ولایت خمس و خاشاک جہل و بطلان

از کوچه وسیع وسعت آباد ہندوستان جنت نشان پاک ساختہ قدم ثبات فشرودہ جتندلان کوئے ضلالت
را بہدلیت آوردہ وظلمت زدگان نگاہ زلال را ضیاء اھدا بخشیدہ مقبول اہل قبول گردانیدہ و
قیض عام از فیوضات خاص و تام از محسنات اخص عطا کردہ :

نیز حسب ذیل قطعہ سے سال ولادت وفات شریف جناب و فائے اخذ فرمائی ہے :

سہ گو نہ بود وجود شریف دو عالم شفیع یوم جزا آمد آن زرد آفتاب

حسب بآل عباسیت ہم نسب پر علی وفات یافت چوں لاریب بحق پوشید

شفیع یوم جزائے سال ولادت اور بآل عباس سے سن مبارک اور ہم بحق پیوست سے تاریخ وفات شریف اخذ کیا ہے ۔

سید میران خٹک سوار شہید البحر کا ذکر آپ نے اس طرح فرمایا ہے :

”بالائے کوہ قلعہ تارا کو کہ استھصال آن بیرون از وہم و قیاس در زمانیکہ سیہ میران حبیب تنگ سوار

شہید کا برآیادہ قدموں از قلعہ واقفان اسرار خلوص خاندان نبوت چشم و چراغ دو دومان امامت باد

قوت قریبہ از حنفیہ اوئی نسبت خصمیست بیعت بدشتند باد یہ ان جہول العاقبت مرحوم العاقبت

جنگ و حرب میان آمد حصر پامہر بان عاقبت بین و کالاندیش وجوانان صادق الارادت مینائے انجام پیش و

حملہ قلعہ کردند کہ بلندی آن سر با سامان میکشد و قلعہ را غالی کردند ۔ بعد از چند گاہ خود موجود جمعیت غیر از زن

شہزاد اعیان بد عاقبت سرشت شہادت جہشیدند و ہر یکہ مقام عظمی واصل شد عمدہ گرد و نواح روضہ فخر

شہید بطوریکہ خواہید بود تند در جواب بقسے فنا رفتند ہشتاد و ہم ماہ رجب المرجب عرس می شود وریں

ہنگام بوقت قتل عجب حالت رو میدند کہ از قریہ و تقریر زیادہ تعلق بزیارت است نہ بر گنہگار کردار است

نہ با ظہار و در عین حیات کہ جلال جہاں قلعہ شد بزبان اہمام تر چنان گذشتہ بعد کہ از امروز تا شکہ اثر اینجا قائم خواہد

اند جنگ ایں قلعہ پیش از شش ماہ بخوار کشید چنانچہ بوقت رسیدن فوج غنیم و قوام مورچاں از جانبین بر گاہیکہ

وعدہ موعودہ و قرار موضوع تنقذ شد الخ“ (ص ۵، ۱۰۴)

امیرالدولہ نواب محمد امیرخان بہادر کا ذکر موضع برآدہ ٹونک کے حالات میں اس طرح فرمایا ہے :

”موضع برآدہ کہ تعلق از پرگنہ ٹونک دار و درہ کردہ شامل حال لشکر نواب مستطاب خند و ہم برائے

محصول معاطہ امیرالدولہ نواب محمد امیرخان مع جمیع اراکین و انوسے فوج مورچاں قائم کردہ بودند و علاقہ

آن غلال یافتہ و کٹائش در توقف ماند تا آنکہ صلح بعدیک نیم سن واقع شد گر قین دکان از یک دو ماہ زیادہ کمی کشید

لیکن تغافل فوج بدو و دیک دو وقوع حرب می کردند از یہی جہت بوقت ظهور گرفت دریں کشتائش قضا یا و مرئیہ از مقتضائے منشی و تقاضہ طبیعت افغانان خصوصاً سرداران جدید الاحوال والا ولی محمد شید خان و محمد سعید خان بہ بہانہ حلیہ محمد شاہ خان را گرفتار کردند و قتلہ خواہیدہ پیدا بچوں افسران بلشخان مذکور مرئی خود را مقید دید و در انجمن فساد شدنی کا خود دانستہ امیرالدولہ را کہ بباطن دم خرا می زد و نظام رسانیدہ در روزہ دریں صورت امیرالدولہ صلاح و مشورہ تجویز بر روی قضا کردہ و سخما چرب و نرم خود را دغان مذکور را دوست سپاہ را بنید بجلد ہی تمام در فوج مدد روح آمدہ امان یافتند و بود و باشی خود مقرر ساختند تا آنکہ بعد یک مہم کے نفاق با اتفاق پیوست و منازعہ و مناقشہ بمکملہ افتاد و باجی و غوغا ہر طرف ماند و قتلہ نشست و فساد بر قیامت از ہم رنجست شدہ ۔

دیباچہ اول بر تالیع سیرت عالم ایک مستقل تصنیف بصورت سفرنامہ ہے جس میں رو بہیکہ گفتار اور بہیستحق کے قصبات اور شہروں اور ان میں واقع شدہ درگاہوں مساجد اور تاریخی عمارات کا تذکرہ جناب وقائے نہایت دلکش پیرایہ میں بربان قاضی فرمایا ہے۔ اس میں کہیں کہیں اصلاحات بقلم مؤلف درج ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مخطوط بقلم مصنف پنڈت دیاناکھ و فاکشیری ہے۔ ابتدائی ورق کے علاوہ ورق ۸۹ بھی نادر ہیں نیز ورق ۷۷ کے بعد بھی اور ورق نادر ہیں۔

دیباچہ دوم: ملحق و متضمن از مضافات سے با ولاد اکرم: دوسوہ نام تاریخی شریزہ جمعیت (1912-1913)

شریزہ جمعیت جناب وفاقا دوسری تصنیف ہے جو تالیع روزگار کے ساتھ شامل ہے۔ اس کی ابتدا بھی حمد و ثناء و تعظیم آل اہل علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کی گئی ہے۔

مذکورہ دیباچہ مرزا و تصوف سے متعلق مقاضات در قعات، پیشکش ہے۔ ان خطوط میں آیات قرآن مجید احادیث اور اقوال و اشعار صوفیہ کی روشنی میں مقالوں و عقائد تصوف بیان فرماتے ہیں۔ مطالب اعلیٰ و اربع ہیں، اور زبان فارسی نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ اس دیباچہ کے مطالب سے واضح ہے کہ جناب پنڈت دیاناکھ و فاکشیری اپنے عہد کے اعلیٰ پایہ کے صوفی تھے۔ نمونہ تہمید عارفانہ ملاحظہ ہو۔

”ہر گاہیکہ خلقت لقد کریمانی آدم ساخت و ضلالت عناصر را جامع شدت خواست کہ جوہر را نکاید

و قدرت را ظاہر سازد و جوہر را جوہر و کائنات فرمود جوہر بیتہ

تَفِیْعُ مَطْلَعُ نَبِيِّ كَرِيمٍ تَسْلِيمُ جَسِيْعٍ نَسِيْمٍ شَمِيمٍ

- ۱۵- در یافتن صفائے محسن قلب را و گذارش حال جانب سپر که موجود اوست و شکوه عدم
نزد شوق جواب و عرض نیاز بطریق نیاز - ص: ۱۴۵
- ۱۶- حال ہجرت را بیان کردن و واردات را نوشتن و شکایت زمانہ از خاطر بر آمدن و اشارہ
شوق خدمت مرشد - ص: ۱۴۶
- ۱۷- مصالح اناہل ترغیب السعیر الخلوب الاجاب فی الکاید الزمان و اسد عاوی بلع ایدینی - ص: ۱۴۹
- ۱۸- برآوردن آہ جنگ سوز خاطر لغتہ و رسانیدن الفلک از شوق حب وطن و جناب پیر کمال - ص: ۱۸۳
- ۱۹- چارہ حقین ناکامی خود را از کام اورایام یعنی امام خاص و عام - ص: ۱۸۶
- ۲۰- باد عا کر دن تہرہ دان ہنر و علم و بیان رسیدن و رسیدن تلاش و شنیدن افسانہ از دور وصول او - ص: ۱۹۳
- ۲۱- فہم ناکردن در تحصیل عقل محاش و لہو و لکنت خود را و طعنہ از مشتق بر میل نیک اورا در پناہ - ص: ۱۹۵
- ۲۲- ذکر شادی و عین شادی از مبارکبادی و ولادت نہال از بطن خفا و دعاے یافتہ از شجر ارمی عمر طری - ص: ۲۰۲
- ۲۳- بر لغتہ بلاغت حق مرسل نامہ و مذکرہ مذاہب - وقت خاطر لذلک طرف و پاسخ آن بحکم طنز و کتایہ
بجانب خواجہ حسن کھاری لکھوی - ص: ۲۱۰
- ۲۴- مبالغہ نمودن و رباب وصال کران انحراف خاطرش بود و سبک دانستن او و پیش خود از زکری
وست و طعنہ آن باد - ص: ۲۱۹
- ۲۵- بطرح نہادن و بستی فیما بین از راہ محبت از راہ و قدم فشردن دران مضبوط و مستحکم - ص: ۲۲۷
- ۲۶- مذکرہ اولیائے کبار - در رسیدن تشریف کران و قمار طلب حکیم - ص: ۲۳۵
- ۲۷- رسیدن سواد و ماد و قلم و عدم حال رم و شکایت آن بدرجہ اتم - ص: ۲۴۰
- ۲۸- نوشتن جواب سوال و رسیدن قلم واسطی کہ واسطی افزائش محبت باطنی گشت و حال او - ص: -
- ۲۹- بطلب کردن بر سیمیل مشارکت و مجلس با یکی از دوستان در تہران عرب - ص: ۲۴۶
- ۳۰- بھار و شادداشتن در رفاے الہی از گذشتن پدر و شاد شدن از تولد پسر - ص: ۲۴۶
- ۳۱- نقاشہ فرحت نواختن و کوسن خنای زدن بود از پوشیدن جامہ کہ بود در دوا و عمت پدر خود - ص: -
- ۳۲- مسرت کردن از حدوت اقبال یعنی تولد شدن نور نہال - ص: -
- ۳۳- بدیباچہ بہارین، بیاض العج ز مسیح کفی الخقیقت از رفاقت ارجان مروکان بلب جان رسیدہ کا ز ادم
عیسی ہی پایند منظوم تصنیف میر محمدی ترمذی زائر قلعہ سکن قصیدہ داعی پور علاؤ الدینہ قنوج - ص: ۲۵۸

- ۲۶۱۔ در بیان اشتیاق با یکی از دوستان عطاسے حسین نام کے درلبدہ سا بہر سورا ستقامت دارند۔ ص: ۲۶۱
- ۲۶۲۔ بکوس شادی زدن از رسیدن قاصد و نامہ دوستی کہ عبارت از بزرگ بود۔ ص: ۲۶۲
- ۲۶۳۔ در بیان حالت جان گزائی از مفارقت ہر خود و طلب کتاب۔ ص: ۲۶۳
- ۲۶۴۔ بیکات نامہ کہ حضور اقدس خواجہ بزرگ نوشتہ دادہ۔ ص: ۲۶۴
- ۲۶۵۔ با عرض اشتنا بعد دوستی عہدہ بیان و متنبہ نمودن اور از قول راست و سخن درست۔ ص: ۲۶۵
- ۲۶۶۔ (خاتمہ) وجہ کتاب کہ تعلق از آغاز دارد و انجام لازم است براد۔ ص: ۲۶۶

دیباچہ دوم متضمن از مفاد و صفات با ولاد آدم موسومہ بر شیرازہ جمعیت ایک مستقل تصنیف تصوف میں ہے۔ یہ ۲۹ سطحوں پر مشتمل ہے جن میں مسائل تصوف بیان کئے گئے ہیں۔

مخطوط کل ۲۸۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ تقطیع ۸×۶ انچ۔ سطر میں فی صفحہ ۱۱۰ قلم جلی، سرخیاں سرخ روشنائی سے باقی عبارت سیاہ روشنائی سے تحریر کی گئی ہے۔

مخطوطہ کا اختتام حسب ذیل جملہ پر ہے :

” الحمد للہ اعانت بسم اللہ الرحمن الرحیم بہ تمم بالغیر رسانیدم واللہ مستعان وھو علی کل شیء قدير

فیضی غم دل تمام کر دیم انعام برین کلام کر دیم

آخری صفحہ پر حسب ذیل حاشیہ درج ہے :

” این کتاب دیا ناتھ پنڈت وقار ضوان اللہ سنگرام رواجی خانہ یعنی در وقت روانہ قسمت

بریل بپدادہر سیدی کون وادگریکے دعویٰ کند باطل و کاذب باشد ” خرید کتاب ۸ روپے

کتاب ” وقائع روزگار پنڈت دیاناتھ وقاکشمیری نے ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں لکھی ہے۔ اس دور

میں روہیلکھنڈ اور راجستھان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ روہیلکھنڈ نوابان اودھ کے تحت اور

راجستھان راجہ وراتا ونوابین کے تحت تھا۔ لہذا جناب وقاسے اس سفر نامہ میں راجگان ونوابین راجستھان

اور صوفی بزرگان کے اوصاف بھی بیان فرماتے ہیں۔ اور درگاہوں اور تانخی عمارات کی شان وشوکت پر بھی روشنی

ڈالی ہے۔ غرض کہ یہ سفر نامہ اس عہد کے تاریخی و تمدنی معاشرہ کا آئینہ دار ہے، اور اس عہد میں تصوف کے اثرات کو بھی

لکھا ہے اور ایک فارسی نادر مخطوطہ کی حیثیت سے اس کی اشاعت مع ترجمہ اردو ضروری ہے تاکہ اس سے

فارسی دان حضرات کے علاوہ اردو دان حضرات بھی مستفیض ہو سکیں۔

بیان ملکیت سہ ماہی خدابخش لائبریری جنرل اور دیگر تفصیلات مطابق فارم نمبر ۴، قاعدہ نمبر ۸

- ۱۔ مقام اشاعت : خدابخش اور میٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴
- ۲۔ وقفہ اشاعت : سہ ماہی
- ۳۔ پرنٹر و پبلشر کا نام : مصطفیٰ کمال ہاشمی
- قومیت : ہندوستانی
- پتا : اسٹنٹ لائبریری، خدابخش لائبریری، پٹنہ
- ۵۔ ایڈیٹر کا نام : عابد رضا سیدار
- قومیت : ہندوستانی
- پتا : ڈاکٹر خدابخش اور میٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴
- ۶۔ ملکیت : خدابخش لائبریری، پٹنہ ۴

میں مصطفیٰ کمال ہاشمی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے ساتھ درست ہیں

دستخط پبلشر : مصطفیٰ کمال ہاشمی

یکم فروری ۱۹۹۰ء

پروفیسر سید احمد اکبر آبادی (مرحوم)

سابقہ دین مشیر دنیا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

سابقہ ایڈیٹر "بربان" دہلی

ذکر صاحب چند یادیں

جب ذکر صاحب، بہار کے گورنر ہو کر پڑ آئے، میں اس زمانے میں کلکتہ مدرسہ کا پرنسپل تھا۔ اس زمانے میں ذکر صاحب نے دو باتیں ایسی کیں جو مجھ کو اتنا یاد ہیں اور ان کا میرے اوپر بڑا اثر ہے۔ ایک بار ذکر صاحب گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں مس ٹائٹلڈ (جو اس زمانے میں مغربی بنگال کی گورنر تھیں) نے ذکر صاحب سے کہا کہ ہمارے کلکتہ مدرسہ کے پرنسپل اکبر آبادی صاحب مدرسہ تھوڑے مگر جارہے ہیں اور اس کا مجھے بڑا افسوس ہے کیونکہ ان کے بعد ہمارا مدرسہ تباہ ہو جائیگا، لہذا آپ اکبر آبادی صاحب کو روکیے۔ ذکر صاحب نے مجھے بلایا اور کہا کہ گورنر صاحبہ یہ کہتی ہیں کہ آپ کے جلنے کے بعد ہمارا انسٹی ٹیوشن تباہ ہو جائیگا لہذا آپ رہ جاتیے۔ تو میں نے معذرت کی اور کہا کہ میں تو جلنے پر مجبور ہوں، کیونکہ وعدہ کر چکا ہوں انہوں نے کہا، "خیر جب آپ کسمنٹ کر چکے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں لیکن اپنی فائز مٹا لے کے لیے کوئی ایسا آدمی دیکھئے جو آپ کے نزدیک قابل اعتماد ہو۔ تو میں نے ایک صاحب کا نام تجویز کر دیا جسکی باقاعدہ کارروائی ایک مینسٹیٹ کے ذریعہ ہو

میں نے انھیں ایک بار خط لکھا، جب وہ ہمارے گورنر تھے، کہ میں اب علی گڑھ جا رہا ہوں اور مجھ کو فوس ہے کہ میں علی گڑھ اس وقت جا رہا ہوں جب آپ نہیں ہیں تو اس پر ذکر صاحب نے ایک پوسٹ کارڈ لکھا کہ مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ علی گڑھ جارہے ہیں مگر فوس اس سبب کہ اس وقت جا رہے ہیں جب میں نہیں ہوں اور اس پر یہ شعر لکھا:

اگ رہا ہے درو دیوار پہ سبزہ غالب ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہا آئی ہے
الہ اکبر! کس قدر شریف آدمی تھے اور با وضع۔

وہ جو ملک راجہ صاحب نے کتاب چھاپی ہے "مندر ذکر" اس میں میرا ایک مضمون ہے۔ ذکر صاحب میں ایک جذبہ تشکر پیدا ہوا کہ میرے لیے جو کتاب تیار ہوئی ہے اس میں اکبر آبادی صاحب نے بھی حصہ لیا ہے اور اس کا اندازہ

مجھے بعد میں ہوا جب میں ان سے ملنے راشٹرپتی بھون گیا۔ ہمارے ساتھ پروفیسر خلیق احمد نظامی، اسلوب احمد انصاری اور مالک رام وغیرہ بھی تھے۔ اس ملاقات کے تقریباً ایک سال بعد ذکر صاحب کا خط آیا۔ انہوں نے لکھا کہ مجھے اظہار تشکر میں تاخیر اسلئے ہوئی کہ میں نے اب تک آپ کا مضمون نہیں پڑھا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا پہلے پڑھ لوں۔ چہر لکھوں۔ ایک صاحب میز پر سے وہ کتاب اٹھائے گئے اور انہوں نے بہت دیر میں واپس کی اور مجھے شرم آئی تھا خاکرتے ہوئے، لہذا جب وہ کتاب آگئی تو میں نے پڑھنا شروع کیا۔ میں نے آپ کا مضمون پڑھا اور اب میں انتہائی مسرت کے ساتھ اپنے جذبات تشکر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ شکر گزار ہوں کہ آپ نے بڑا اچھا مضمون لکھا۔

تعمیم کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے ہم کو ایک مرتبہ پانچ پر بلا یا۔ میں تو سب کا خود تھا، عمر میں بھی کم۔ لیکن پھر حال ان لوگوں کے ساتھ رکا ہوا تھا۔ اس پانچ پر مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا کفایت اللہ مولانا احمد سعید مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، شفیق الرحمن تدوائی، یہ سب لوگ موجود تھے۔ کھانا ہوا کھانے کے بعد کچھ باتیں ہوئیں کہ کیا کیا جلتے۔ یہ غالباً ۱۹۶۷ء دسمبر کی بات ہے یعنی پارٹیشن کے بالکل قریب، ذکر صاحب نے کہا کہ مولانا! اب جبکہ ایک سیکورگر گورنمنٹ یہاں قائم ہو گئی ہے تو اب جو تعلیمی اداروں کے ساتھ فرقہ وارانہ نام لگے ہوئے ہیں۔ یہ چلے گی بات؟ جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تو کیا۔ مسلم کا لفظ رکھنے کا؟ بنارس ہندو یونیورسٹی، یہ "ہندو" کا لفظ رکھنے کا؟ یہ تو نہیں رہنا چاہئے۔ وہ تو سیکورگر گورنمنٹ ہوگی۔ ذکر صاحب کی اس بات پر مولانا آزاد کچھ خاموش سے ہو گئے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے انہیں خاموش دیکھ کر عرض کیا کہ ڈاکٹر ذکر صاحب اور شفیق الرحمن تدوائی صاحب، یہ دونوں گواہ ہیں اس بات کے کہ جامعہ ملیہ کی جب مالی حالت خراب ہو گئی تو اس پر غور و خوض کرنے کے لیے ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر دریاغین میں ایک اجتماع ہوا۔ مہاتما گاندھی سیٹھ جمنالال بھارجہ جو اس زمانے میں کانگرس کے ٹریزورر تھے ڈاکٹر ذاکر حسین حکیم جمل خاں اور شفیق الرحمن تدوائی یہ سب موجود تھے۔ اور اس پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جامعہ کی مالی حالت بڑی خراب ہے۔ اب کیا کریں؟ اسے بند کر دیں یا جاری رکھیں اس پر سیٹھ جمنالال بھارجہ نے حکیم جمل خاں کو خطاب کرتے ہوئے یہ کہا کہ حکیم صاحب! اگر آپ اس سے اسلامیہ کا لفظ نکال دیں تو میں آپ کو ہندوؤں سے لاکھوں روپے لا کر دے سکتا ہوں، اور جب تک "اسلامیہ" کا لفظ رکھیں گے، میں ہندوؤں سے روپیہ نہیں لاسکتا۔ اس پر گاندھی جی اٹھ کے بیٹھ گئے اور کہنے لگے بھارجہ! تم کیا کہتے ہو؟ جامعہ سے جب اسلامیہ کا نام ہٹایا جائے تب تم ہندوؤں سے روپیہ لاسکتے ہو؟ ورنہ نہیں؟ پھر تم میں نے تو یہ لفظ خود بڑھوایا ہے اور ایسا میں نے اسلئے کیا کہ اسلام کی تہذیب ایک بہت بڑی تہذیب

ہے اور وہ پکڑا بسا ہے کہ تمام انسانوں کا اس پر تعلق ہے۔ اس میں ہندوؤں کا بھی تعلق ہے اور عیسائیوں کا، گدیہ تو دنیا بہت بڑا کنٹر بیروشن ہے۔ لہذا اس کے لیے ایک درس گاہ ایسی ہونی چاہیے جس میں اسلامی تہذیب کی تعلیم دی جا پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ فرض کیجئے کہ میرا مٹا دیو داس — میں کہتا ہوں کہ اگر تم ہندو تہذیب کی تعلیم حاصل چاہتے ہو تو میرا س جاؤ، لیکن اگر اسلامی تہذیب کی تعلیمات لینا چاہتے ہو اور لینی چاہیے۔ تو میں کہاں بیٹھوں؟ — میں۔ تو خود ہی اسلامیہ کا لفظ لگو ایسا ہے بجا بجا، از رحیم صاحب! آپ اسکی بات نہ مانیے گا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اسلامیہ کا لفظ اس میں رہے گا اور میں اسی نام کے ساتھ آپ کو ہندوؤں سے لاکھوں روپے نہ لواؤں گا۔ چلیے ساتھ مدراس، چنانچہ مدراس کا دورہ کیلئے کیا، وہ کیا۔ یہ واقعہ میں نے سنایا تو میں نے دیکھا کہ مولانا آزاد پر کا بڑا اثر ہوا بات یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی تھے کہ ان کے اندرونی جذبہ کا اظہار ان کے چہرے سے فوراً برہا کرتا اور اس کے بعد انہوں نے ذکر صاحب سے پوچھا، کیا واقعی آپ موجود تھے اس وقت؟ انہوں نے کہا جی ہاں یہ سب سلسلے کی بات ہے۔ پھر تحقیق امر حسن قدر والی سے پوچھا۔ قدر والی صاحب! آپ بھی موجود تھے اس وقت انہوں نے کہا جی ہاں!

ذکر صاحب کے بہت لوگوں سے تعلقات تھے، قریب و باری میں۔ ان کی سادگی، ان کی مصلحت داری، ان کا مروت اور ان کا لیاؤ واقعی وہ ایک اعلیٰ اخلاق کے انسان تھے۔ قریب و باری میں جب ہم لوگوں نے تجو مشین کا دفتر قائم کیا تو اس وقت یہ جامعہ ملیہ نہیں تھا۔ اور ذکر صاحب ایک مکان میں رہا کرتے تھے۔ عابد صاحب بھی وہاں پر رہتے تھے اور نجیب صاحب بھی سب سے شاندار مکان نجیب صاحب کا تھا۔ کیونکہ نجیب صاحب گھر کے بڑے مالدار تھے جامعہ سے جو تنخواہ ملتی تھی، وہ تو بڑے نام تھی، پچھتر روپے کا عہدہ میاں کیا تھا ان میں مولانا پرنسپل، ڈاکٹر علی حسین اور ڈاکٹر ذکر حسین۔ ان تینوں نے مل کر کیا تھا کہ صرف ۵۰ روپے ماہوار تنخواہ لیکر اپنی ساری زندگی DEVOTE کر دیں گے جامعہ ملیہ کی خدمت میں ان میں سب سے زیادہ غریب پیپارے ذکر صاحب تھے مگر صاحب میں نے اس زمانہ میں دیکھا کہ تنگ دستی کا کوئی اثر نہیں وہی ہشاش بشاش اور بہت خوش۔ زندگی نہایت سادہ تھی چونکہ ہمارے دفتر برہان کے قریب ہی ان کا مکان تھا۔ تو اکثر ہم لوگ جایا کرتے تھے کبھی شام کو چلے گئے اور کبھی تو اور کو چلے گئے۔ چائے کی پیالی یا تباک کی تھی اس میں بعض پیالیاں میچ ہوتی تھیں اور بعض پیالیاں ٹوٹی ہوتی تھیں کبھی پرچ ٹوٹی ہوتی تھی۔ فقط چاہتے بہت ہوا تو اس کے ساتھ بسکٹ وغیرہ دیدیتے۔ کھانا وہ گھر میں ہی پکوا سکتے تھے چونکہ

اہ میں اتنی گنجائش ہی نہیں تھی تو طلباء اسے یہ جو مبلغ میں کھانا پکاتا تھا اسی کو وہ خرید لیتے تھے اور وہی کھانا چلنا
 سا کرے کے اندر ایک تخت بچھا ہوا تھا اور اس کے اوپر کھدر کی چادر چونکہ صفائی، ستھرائی کا انہیں بہت خیال
 تھا منڈھے تھے وہ بھی ٹوٹے پھوٹے بگرن کے اوپر کشن و غیرہ رکھا ہوا تھا، وہ بھی کھدر کا صفائی ستھرائی بہت
 وہ بھی مگر بیدار سا دنگ کے ساتھ اس زمانے میں رکشہ، وکشنہ تو کمیں تھا نہیں، بیکے تھے، دیکھا کہ پکے میں بیٹھے ہوئے
 جارہے ہیں ٹرام دے جاتی تھی ہندو لڑکے باٹے سے لیکر فتح پوری یا جات مسجذ تک، تو دیکھا کہ ذکر صاحب
 حدیث سے لیکر ہندو راؤ کے باٹے تک، جہاں سے ٹرام دے جاتی تھی وہاں تک پیدل آنے تھے اور ہندو لڑکے
 ، باٹے اگر ٹرام دے میں بیٹھے تھے اس زمانے میں شاید ایک آنہ کرایہ تھا اور اس طرح سے وہ جلتے تھے
 کوئی انہیں معلوم ہوتا تھا، ایک بہت بڑا انسان ہے جس کے سامنے ایک اعلیٰ مقصد ہے اور اس کے لیے وہ
 سہم کی قربانیاں دے رہا ہے اس طرح میرے اوپر ان کا بڑا اثر ہے ان کے کردار کا، اور میرے ساتھ تو ان کے
 مت پرانے تعلقات تھے۔ میں اس وقت آدھان میں تھا، اور پھر جب میں جامع مسجد پر رہنے لگا چونکہ
 مجھے سبب دینا چاہیے تھے، چڑھری والا ان کے محلہ میں شمس کا بٹ بھاگتا تھا، میں اس میں رہا کرتا تھا،
 معین شمس کے ساتھ۔ معین الدین شمس صاحب جرمی میں پڑھے ہوئے تھے ڈاکٹر ذکر صاحب اور ڈاکٹر عابد صاحب
 نے جرمی کے دوستوں میں تھے۔ یہ میکسل جیمزنگ کے لیے گئے ہوئے تھے، ان کا رخانا SONS کے نام سے
 وہاں ہے، میرے بہت گہرے دوست ہیں جرمی کے پڑھے ہوئے ہیں اب بھی ہیں دلی میں۔ آپ کو ان کا ایک
 ورپت بناؤں یہ جو پاکستان میں انگریزی خال میں نا، ایر مارشل اصف خال، وہ ان کے داماد ہوتے ہیں سید معین الدین
 شمس کے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی شادی ان کی بھتیجی سے ہوئی ہے شمس کا بہت مشہور خاندان ہے ان
 کے والد حکیم اجل خال کے خاص دوستوں میں تھے۔ حکیم صاحب کی جو مجلس رات کو شروع ہوتی تھی اور بارہ
 بجے رات تک چلتی تھی اس میں وہ بالائزہام شریک ہوتے تھے۔ سید معین الدین شمس وہاں کے خاندانی لوگوں
 میں ہیں تو میں جناب، ان کے ساتھ رہا کرتا تھا شمس کا بٹ کے اندر۔ ایک تو ہم سے تعلق، پھر معین الدین شمس
 سے جرمی کا تعلق۔ لہذا ذکر صاحب نے ہم سے وعدہ لیا کہ چوڑی والا ان کے محلے کی نہاری بڑی عمدہ ہوتی ہے
 وہاں ایک دوکان ہے جو بہت عمدہ نہاری پکاتا ہے۔ لہذا پورے سیزن میں، ایک دعوت نہاری کی نہاری
 طرف سے ہوگی اور ایک دعوت معین شمس کی طرف سے۔ تو صاحب اس طرح وہ دو دعوتیں ہمارے ساتھ کھاتے
 تھے۔ اور نہاری بڑے شوق سے کھاتے تھے اسی میں وہ بیارہوے چونکہ وہ کھانے میں احتیاط نہیں کرتے تھے۔

جناب ضیاء الحسن فاروقی

جامعہ اسلامیہ دہلی

ذاکر صاحب

چند یادیں، چند باتیں

۶ ۱۹۴۰ء کا زمانہ تھا!

ذاکر صاحب علی گڑھ آئے ہوئے تھے، رشید صدیقی صاحب کے یہاں قیام تھا۔ اس کے تین دن یا چار دن قبل علی گڑھ کے دو اولڈ بوائے عبدالرحمن صدیقی اور ڈاکٹر سید حسن علی گڑھ آئے تھے یہ دونوں دوست تھے، اگرچہ ان کے سیاسی خیالات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مشہور تھا کہ عبدالرحمن صدیقی ہی جنہیں علی گڑھ کے طالب علموں کی اس روایت پر پورا بھر دیا تھا کہ وہ بلا لحاظ اختلافات سیاسی و فکری علی گڑھ کے تمام اولڈ بوائز کا پورا پورا احترام کرتے ہیں، سید حسن بھار علی گڑھ لئے تھے۔ لیکن علی گڑھ کے مسلم لیگ طلبہ نے جن کی اس وقت یونیورسٹی میں بھاری اکثریت تھی اس وقت اس روایت پر خط متینسج بکھینچ دیا، عبدالرحمن صدیقی کو مایوس کیا اور سید حسن کی معرفت یہ کہ تو میرے نہیں سنی بلکہ ان کی توہین و بے عزتی کی۔

شرمندگی کا احساس لیے ہم چند طالب علم جن میں ریاض الرحمن شیروانی، سعید اختر مرحوم (اور شاید اقبال انصاری) کے نام یاد ہیں (ایک صاحب کا نہیں یاد آ رہا ہے) رشید صاحب کے مکان پر ذاکر صاحب سے ملنے گئے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ ذاکر صاحب بڑی خندہ پیشانی سے ملے ڈاکٹر سید حسن مرحوم کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس کی انہیں خبر تھی، ہم میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا ہی تھا کہ ذاکر صاحب نے فرمایا: "جی ہاں مجھے اس حادثہ کا علم یہاں آکر ہوا، یاد رکھئے اگر علی گڑھ کا یہی حال رہا تو آپ لوگوں کو کوئی اچھا آدمی دیکھئے اور سننے کو نہ ملے گا۔" پھر وہ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی، ہم سب سر انا مذمت تھے، ذاکر صاحب کو شاید ہماری حالت پر رحم آیا، گویا ہوئے: "اہاں آپ لوگوں نے اپنا اپنا تعارف نہیں کرایا۔" ہم میں سے ہر شخص نے تعارف کر لیا، اور پھر ہم نے یونیورسٹی میں نیشنلسٹ خیالات اور ان کے عاملین پر جو گزدرہی تھی اس کا مختصر ذکر کیا، لیکن اس کے بعد یہ محسوس کر کے کہ شاید یہ موضوع بے موقع ہے، ہمارے ایک ساتھی نے جامعہ کے ذکر ساتھ قومی خدمت کا موضوع چھیڑ دیا۔ اس پر ذاکر

صاحب نے ہم میں سے ہر ایک سے پوچھا شروع کیا کہ "آپ اپنی تہذیب ختم کر کے کیا کریں گے؟ سب کی زبان پر تھا "قومی خدمت" سوائے ایک صاحب کے کہ ان کا نمبر آخر میں تھا ذکر صاحب نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "اور آپ بھی قومی خدمت کریں گے" وہ گھبرا گئے اس کے لیے تیار نہ تھے، سراپمگی میں جواب دیا "جی نہیں، میرا ارادہ سرکار کی ملازمت ہے" اس پر ذکر صاحب نے اپنے نفسوی تسلیم کے ساتھ فرمایا "دیکھیں، قومی خدمت اب کوئی ایسی بری چیز بھی نہیں کہ آپ اس سے ایسی بیزاری کا اظہار کریں۔" اس پر ہم سب ہنس پڑے اور پھر ذکر صاحب نے بڑی فبت سے ہم سے تھوڑی دیر مختلف موضوعات پر گفتگو کی، اور ہم اس احساس کے ساتھ اجازت لے کر واپس ہوئے کہ آج ہم نے ایک بڑی شخصیت کو دیکھا۔ یہ تھا میرا چلا تاثر ذکر صاحب کو دیکھ کر دوران کی باتیں سن کر۔

غالباً ذوقی یا مارچ ۱۹۶۹ء میں جامعہ سے چند لوگ ان سے ملنے راترہتی بھون گئے تھے۔ عبدالغفار مدھولی صاحب مرحوم بھی تھے، اور سی بی۔ عبدالغفار مدھولی صاحب مرحوم سے ذکر صاحب نے جب ان کی ذہنی و فنی توجہ کی پوچھا کہ مدھولی صاحب آپ کا مکان تو ابی جگہ پر ہے؟ مدھولی صاحب کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ ذکر صاحب نے بھانپ لیا اور کہا "میں نے یہ بات اس لیے پوچھی کہ آج کل مارے ملک میں تو رست بستوں کی بستیاں صاف بوجاتی ہیں مکانوں اور دکانوں کو جاکر رکھ کر دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر ذکر صاحب تھوڑا دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔

۱۹۶۹ء - ۱۹۷۰ء میں جامعہ کی نو لڈن جوہلی ہونے والی تھی اس وقت پر بعض کاموں اور منصوبوں کے لیے چندہ کی جمعیت تھی جس میں ملاس اور جنوبی ہند کے دوسرے شہروں کی طرف مامور تھا۔ مدراس میں یہی سیٹھ جالی کے قائم کردہ جمالیہ ایک کلب دیکھنے اور ان کے گھر والوں سے ملنے گیا۔ یہ وہی سیٹھ جالی ہیں جنہوں نے ۱۹۲۸ء میں جب جامعہ مالی اعتبار سے بڑے سخت مرحلوں سے گذر رہی تھی اور حکیم اجمل خاں اور ذکر صاحب مدراس گئے تھے جامعہ کے لیے چندہ کرنے ہزاروں روپے سے مدد کی تھی (یہ کوئی چالیس پچاس ہزار روپے؟) اس وقت کانگریس کے مدراس سیشن کا موقع بھی تھا جس کے صدر ڈاکٹر نثار احمد انصاری مرحوم تھے۔ میں نے جمالیہ کا بلے جاکر دیکھا اور اس کے صحن میں وہ بڑا درخت بھی دیکھا جس کے نیچے حکیم صاحب قبلہ اور ذکر صاحب نے آرام فرمایا تھا۔ پھر سیٹھ جالی سے صاحبزادے سے ملے گیا جو مہاراشٹر یار لینٹ رے چکے تھے اور اس وقت علیل تھے۔ مدراس آنے کا مقصد پوچھا، میں نے بتایا تو رونے لگا اور کہا "ذکر صاحب یہاں آئے تھے تو میرے والد سے جو کچھ بن پڑا تھا کیا تھا، اب وہ تو نہیں ہیں" میں بد نصیب زندہ ہوں اور بیمار ہوں، میرا کام خراب ہو گیا ہے اور پریشانیں ہیں، ذکر صاحب سے کہہ دیجئے گا کہ مجھے بڑی شرمندگی ہے۔ میری آنکھیں بھی بھرا آئیں، اور دعا سے خیر کرتا ہوں کہ وہ سے باہر آ گیا، وہی وہی ہے۔

تھوڑے دن بعد ایک تقریب میں ڈاکر صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ حسب عادت لوگوں کے پاس جا کر ہاتھ ملائے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ کافی خوش تھے۔ اس گوشے میں بھی تشریف لائے جدھر میں تھا، جب انہوں نے ہاتھ ملا تو میں نے سیٹھ جمال مرحوم کے صاحبزادے کی باتیں دہرا دیں، مجھے ذرا ایک طرف کر کے کہ ان کا چہرہ دیوار کی طرف تہ فرمایا: ”سیٹھ جمال نے ہماری بڑے کڑے وقتوں میں مدد کی تھی، انہوں نے ہمیں رخصت کرتے وقت کہا تھا کہ اگر صاحب! یہ رقم رقم حاضر ہے، جن لوگوں نے وعدے کیے ہیں، ان کے حصے بھی میں نے اس میں اپنی طرف سے ملا دئے ہیں، میں یہاں ان سے وصول کر لوں گا“ پھر ڈاکر صاحب نے فرمایا: ”کسی نے دئے تھوڑے ہی ہوں گے، درحقیقت یہ سب با سیٹھ جمال ہی نے برداشت کیا ہوگا اور خندہ پیشانی سے کیا ہوگا، میں نے دیکھا کہ جب یہ باتیں ڈاکر صاحب کہہ رہے تھے تو ان کی آنکھیں نم تھیں اور آواز بھرائی ہوئی تھی۔ یہ سب سیٹھ جمال کے لیے اپنے جذبات احسن منہ کی کا اظہار تھا، اور جیتے ہوئے سخت دنوں کی یاد تھی جس کا اپنا الگ ایک مزا تھا۔

ڈاکر صاحب نے اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھا اور قوم کے محسنوں کی خدمت میں ہمیشہ خراب عہدیت پیش کر

گورنر مقرر ہونے سے پہلے، قیام جاموہ: ۵۷ - ۱۹۵۶

ڈاکر صاحب علی گڑھ سے مستعفی ہو کر آگئے ہیں، جاموہ میں اپنے مکان میں مقیم ہیں جاموہ کے رفکارانہ پاس بہت جانے لگے۔ طرح طرح کی باتیں ہوتیں، ایسی بھی کہ ڈاکر صاحب انہیں پسند نہ کرتے تھے۔ ٹی باتیں، ”دوسرے کی شکایتیں۔ جاموہ کے معاملات؟ مجھ سے جاموہ کے رجسٹرار جناب ارشاد الحق صاحب مرحوم نے بیان فرمایا کہ وہ عاجز آگئے اور ایسی باتیں سننا نہیں چاہتے تھے تو ایک دن مجھے صاحب سے یہاں سے یا سعید صاحب سے (یہ ارشاد صاحب کو یاد نہ تھا) کہا: ”آپ کو معلوم نہیں ہے شاید اور جاموہ میں کسی کو معلوم نہ ہوگا کہ میری شیر وافی کی جیبوں میں پتھر بھرے ہوئے ہیں، کہتے تھے کہ ڈاکر دیوانہ ہو گیا ہے، کوئی اس سے ملنے جاتا ہے تو وہ پتھر مارتا ہے۔“ انہیں ارشاد صاحب مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ ڈاکر صاحب نے جاموہ کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ ارشاد صاحب! اس کو یوں کہئے تو شاید زیادہ مناسب ہو کہ جاموہ کی تعمیر کے ساتھ ڈاکر صاحب کی شخصیت کی تعمیر بھی ہو گئی۔

المسید محمد ثانی رضوی نفسہ مرزا غالب کالج ذکر صاحب — ذاتی یادیں

حبیب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ۱۹۳۹ء میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوا تو نہایت اذیت ناک زمانہ تھا۔ مخصوص سیاسی سماجی اور معاشی حالات کے باعث سارے ہندستان کے مسلمانوں پر سرکشی کا عالم طاری تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کا اہم ترین تعلیمی اور مذہبی مرکز ہونے کی حیثیت سے علیگڑھ ایک ایسا آئینہ تھا جس میں ان کی آفرنگی، ایو سی جے جی اور کھیت کی تصویب نہایت واضح طور پر جھلک رہی تھی۔ صورت حال بڑی غیر یقینی اور بالواسطہ تھی اور اس پر کفر یہ کہ وائس چانسلر کے عہدہ پر فائز تھے نواب اسماعیل خاں جنھیں تقسیم ہند سے پہلے مسلم لیگ ایکشن کمیٹی کے جیرین بیونے کا اعزاز بھی حاصل تھا غرضیکہ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ پرنٹ نہرو چاہتے تھے کہ بنارس ہندو یونیورسٹی کی وائس چانسلری آچاریہ نیندر دیو اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری ڈاکٹر صاحب۔ قبول کر لیں۔ ڈاکٹر صاحب علیگڑھ کے مخصوص حالات کے پیش نظر اس عہدہ کو قبول کرنے میں غامی ہچکچاہٹ محسوس کر رہے تھے لیکن جب ان پر حقیقت اچھی طرح واضح ہوئی تو اگر انھوں نے ذمہ داری قبول نہیں کی تو حالات میں سدھانا نامکن ہو جائے گا کیونکہ بدالغہ نہیں ہوگا کہ انھوں نے اس لحاظ سے یونیورسٹی کی باگ ڈور نبھائی جس لمحے میں اس کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ ان میں ہال میں انکی پہلی تقریر کا نقش ابھی تک ذہن پر قائم ہے۔ اعتماد اور یقین سے بھر پوری اس تقریر نے جادو کا آگیا۔ ہر شخص نے سانس روک کر انکی باتیں سنیں اور ہال سے نکلنے کے بجائے کبھی کے چورس پراطمینان کی جھلک نمایاں تھی۔ تقریر چھبیس سال بعد انکو طلبہ کو خطاب کرنے کا موقع ملا تھا مگر ان کے لبوں میں گھلاوٹ ہی گھلاوٹ تھی کڑواہٹ کا شائبہ نہیں تھا۔ بعد میں ان کو قریب دیکھنے کے مواقع بھی ملے۔ میرے شعبہ (شعبہ نفس) میں حبیب بھی آئے تو ہومر (HUMOUR) اور WIT کی چھٹی پٹیاں ہی چھوڑتے آئے اور جلتے جاتے فکر و حکمت کا کوئی نہ کوئی نکتہ سمجھا کر گئے۔

اس وقت ایک واقعہ ذہن میں آ رہا ہے۔ خلیل الرحمن اعظمی (مروم) اور پدم کبھوشن ڈاکٹر عبدعزیز جلی علیگڑھ جیل میں بند تھے۔ انھیں تا قریب تھے۔ ہم لوگ ان لوگوں کی رہائی کے لیے خامنے مکروںہ تھے۔ باقر مہدی اور خلیل سے ملنے جیل گئے۔ ملنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی اتنے میں ڈاکٹر صاحب جیل کے کھانگے باہر آتے ہوئے دکھائی دیے۔ باقر نے انکی نثرانی کا دھنچکا لیا اور پتوں کی طرح بعد بوجھنے کہ ملنے کی اجازت دلوانے کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت تیرس اور نرم لہجہ میں ہم لوگوں سے کہا کہ جیل کے کچے مٹاے اور قاعدہ ہوتے ہیں۔ آپ لوگوں کو دست کیجیے وہ لوگوں کے ہم گونہ کرنا۔ ڈاکٹر صاحب کو انکی کارک چھوڑ کر لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خلیل بچا لنگ پٹھان ہیں اور ہم لوگوں کو باہر بات کرنے کی اجازت مل گئی ہے یہ تھا ڈاکٹر صاحب کا مدد کرنے کا طریقہ۔ چرو قدار اور انصاف پسند۔

لے ڈاکٹر صاحب کے الفاظوں میں: آج تقریر چھبیس برس بعد سمجھاؤ جو لوگ اس ہال میں تھوکر دیکر نہ مرنے والے اس دنیا جلا چکے ایسے ہے کہ مجھے اس سعادت سے محروم رکھا گیا۔

ڈاکٹر امین اشرف شعبہ ادبیات انگریزی مسلم یونیورسٹی، ملتان

ذکر صاحب - چند یادیں

میں نے ذکر صاحب کو دیکھا سفید شروانی، سفید ٹوپی میں بڑے سلیقے سے کھانا کھا رہے ہیں، بڑا اچھی باتیں کر رہے ہیں میں بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اس وقت میں بلدے میں تھا پھر میں نے یونین کے اندران تقریر سنی اور کئی دفعہ مہیاں، وہاں آتے جاتے دیکھا۔ خلیل و بغیرہ میٹھے تھے اور گپ شپ کر رہے تھے۔ تو انہوں نے مجھ سے مذاق میں کہا بھی تم بھی کچھ لکھو۔ نظمیں کہاں لکھتا ہوں میں مگر ان کی شان میں ایک نظم کہی تھی جب وہ نظم چھپی تو بہت مقبول ہوئی۔ اشفاق صاحب میرے دوست تھے انہوں نے ذکر صاحب کو بتلایا کہ میں وہ صاحب جنہوں نے نظم لکھی جس اس زمانے میں تاریخ میں ایم۔ اے کر رہا تھا۔ ذکر صاحب نے مجھے گود میں اٹھایا ان کی شان میں بڑی عمدہ نظم تھی۔ آپ بھی بیٹے۔

ہر سلسلہ دیدہ وراں آیا ہے
مردانا ہمدان روح و رواں آیا ہے
معدنِ علم و دہن، جلوہ گر حکمت و فن
جانِ صبر و مہم، طرفِ غزالانِ منت
شارعِ درسِ یقین، حرفِ زن سوز و دروں
رہرو راہِ عمل، ہمسفرِ شوقِ افزوں
دل و جانِ پائی ہے، خارا شکنی پائی ہے
سادگی پائی ہے، گل پیر سنی پائی ہے
بے خطر ظلمتِ ایام کے گھروں میں رہا
دل کشادہ غم و آلام کے گھروں میں رہا
آندھیاں چلتی رہیں، ذوقِ عمل کم نہ ہوا
سرخ و درخشاں خود کو دکھا کبھی کم نہ ہوا
سرمہِ مہمزم رہے شوقِ تب و تاب رہے
بہر و تر شاخِ تمنا رہے سیراب رہے
اس کے بعد ہی وہ گورنر ہو گئے تھے۔

زینتِ محفلِ صاحبِ نظراں آیا ہے
نازشِ مہم و عزیزِ ازلِ جاناں آیا ہے
پاے اربابِ مہم، دوستِ جوانانِ وطن
نکلتِ ناسترن و موجِ گل و بوئے سخن
شیعہ ایشار و وفا، مرجعِ اشکِ پیرِ خوں
نہ خود جامِ خرد و سرخوشِ مہملے دروں
لبِ اعجاز میں شیریں سخن پائی ہے
وضع کردار میں حب الوطنی پائی ہے
صفتِ کرمک شب تاب اندھروں میں رہا
خود سرِ دینہ سپر ہند کے شروں میں رہا
سستِ روق فلہ غفلتِ آدم نہ ہوا
سمرنگوں جو ہر ادراک کا پرچم نہ ہوا
زندگی سایہ برا لگن رہے خوشحال رہے
یارب اک نخلِ شردار ہے شاداب رہے

ذاکر صاحب

میں اگر کآول کمیشن کا ممبر تھا تو چند صدر۔ اس سلسلے میں پورے ہندوستان کا دورہ رہا۔ بہار آنا ہوا تو ذاکر صاحب نے کھانے پر بلایا مگر کڑھ کا حال پوچھا۔ یوسف صاحب اس زمانے میں علی گڑھ میں تھے، میں چپ ہو گیا ہم لوگ تو دوسرے کیمپ کے تھے۔ کہنے لگے۔ کیسے، کیسے۔ میں نے کہا، یہ سب مہر ہا ہے۔ بولے ایک وقت جب محو دصاحب وغیرہ تھے، کیونسٹوں کا زور تھا تقریر وغیرہ انہیں کے ہوتے تھے۔ اب RIGHTISTS کا وقت ہے وہ برسر اقتدار ہیں، وہ دبا رہے ہیں۔ اپنا اپنا وقت ہے۔

ذاکر کی موقع پر کبھی جو اس اور ن وغیرہ کی بات تھی، اور محبوب صاحب کی باتیں بھی۔

مجھے اور میری بیوی کو کھانے پر بلایا۔ محبوب صاحب، ان کی بیوی اور زبیر کی بھی تھے۔ وہ محبوب صاحب سے ناخوش رہتے تھے مگر اظہار نہیں کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے جامعہ EXPAND کرے۔ میں صدر/نائب صدر ہوں، اس وقت کچھ کر لیجیے۔ محبوب صاحب نہیں چاہتے تھے کیونکہ مسائل پیدا ہونگے۔ ایک دن میرے ساتھ WALK میں انہوں نے کہا اس انجمن APPOINTMENT کی بجائے کہنے لگے بہت سے مسائل پیدا ہونگے۔ اس کھانے پر جو جامعہ میں تھا زبیر صاحب کے یہاں چھاڑا بھی تھا ذاکر صاحب کھانے کے بہت شوقین تھے ہضیا الرحمن بھی تھے۔ تو چھاڑا (u. g. c) سے اس کے لیے کافی بات کی۔

ن اور س وغیرہ کی برائی کا کج رخ میں کچھ کام کر کے نہیں دیا۔ کہنے لگے میں جب v. c. تھا تو سوچا اچھے لوگوں کو بلا جا لے ع س ن کو اس خیال سے بلایا کہ کام کریں گے مگر کچھ نہیں کیا بالکل میں پڑ گئے۔ ج خ کد عطلہ اللہ درانی نے غالب چیر خام کرا دی مگر — نے ایک لفظ نہیں کہا

پروفیسر محمد الدین احمد

سابق صدر سنجہ عربی

ملیک محمد مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

مثنوی غلام رسول حسرت

پیشہ کے احوال میں مثنوی "غلام رسول حسرت" جو نفاذ انجمن لاہور کی جرنل کے شمارہ ۲۱-۲۲ میں شائع ہوئی تھی، ڈاکٹر افتخار الدین احمد کے مکتوب کی روشنی میں یہ ایک بار پہلے بھی چھپ چکی ہے۔ انھوں نے اس پر ایک مقدمہ بھی "حسرت مرحوم سے عمار پر" تحریر کیا تھا۔ اس اشاعت اول کا سرورق اور افتخار الدین احمد کا مقدمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۵۰۱)



مقدمہ

از

مولانا محمد الدین آرزو رضوی عظیم آبادی

نام و تخلص: غلام رسول نام اور حسرت تخلص ہے۔ آپ کے والد کا نام میان جان علی خاں ہے۔

تاریخ پیدائش: مارچ ۱۹۳۳ء۔ وزیر کشیدہ شہر ضلع آباد ضلع آغا کا پورا باغ میں پیدا ہوئے۔
شعور و شاعری: آپ کو ادبی طبع سے شذیہ کا شوق تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء میں مستقل طور پر حضرت شاد مرحوم کے خانہ میں داخل ہو گئے اور اصلاح کا سلسلہ حضرت شاد مرحوم کی وفات یعنی ۱۹۴۷ء تک رہا۔

تصنیفات: آپ کی تصنیفات نظم میں دوار و کا دیوان اور چھ شعریاں ہیں جو اس وقت باقی مکی ہیں۔ دیوان میں غزلیں، قطعات، مرثیے، سلام، مہرے، غزلوں کو سب کچھ ہیں۔

رنگ تغزل: آپ کے تغزل کا رنگ بھی قابلِ تعریف ہے، اور صاحبِ فن سے داویئے بیز نہیں رہتا۔ کلام میں تنگی ہے الفاظ میں سن ہے اور بندش میں جیت ہے۔ زبان بھی اچھی ہے۔ ذیل کی چند کیفیتیں ملاحظہ ہوں:

عطا جو ایک بھی جامِ طہسور ہو جاتا تو ساقیا یہی دل بزمِ نور ہو جاتا

ہر شے ہر ایک ذرے میں تیرا جلوہ ہے دیکھا اگر نہ تجھ کو تو اپنا قصور ہے

اس شعر کا مضمون گفتِ بلند ہے، غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

کشتوں سے جو پاک ہوتے غبارِ دل سے جو دور ہوتا ہر ایک ذرے میں پھر تو اپنا قسم خدا کی طہسور ہوتا

نقابِ بے رخ پڑ گزرتی ہوئی کسی کو کچھ پریش میں بھی پڑتا ہر ایک ذرہ بھی اس جہاں کا یقین مانو کہ وہ پڑتا

دریا میں جلوہ عشق نے پھیکا ہے بانہ کر تاکید اس پر یہ ہے کہ دامن بھی تر نہ ہو

ایک آخری شعر سن لیجئے دوسرے مصرع میں اپنے استاد شاد کا رنگ صاف جھلک رہا ہے۔

عیش و خوشی نشاط کو طینت نے کھودیا ہنسنے کو جب کسی نے کہا ہم نے رو دیا

شعوی خواب حسرت : اوپر کی سطروں میں لکھ چکا ہوں کہ حسرت کی تصنیف سے چھ شعویاں بھی ہیں۔ ”خو حسرت“ عرف پٹنہ کی کہانی بھی ان کی ایک شعوی کا نام ہے، جس میں انھوں نے شہر عظیم آباد کے مشہور شعرا، علما، حکماء اور صلحا کی یاد تازہ کی ہے۔ عظیم آباد کے مشہور مقامات، مشہور کیے اور وزارت مشہور محلوں اور مشہور سنا عوں کا تذکرہ کیا اور مشہور رئیسوں، مشہور رہبانوں کا بھی ذکر نہیں بھڑا ہے۔

شعوی ”خواب حسرت“ نہ تو شعوی مولانا روم کی طرح کوئی تصوف کی شعوی ہے اور نہ یوسف زلیخا کی طرح عشق پر نہ بوستان کی طرح کوئی اخلاقی رسالہ ہے اور نہ ”ہشت بہشت“ کی طرح قصہ اور افسانہ کا کوئی کتاب۔ یہ شعویاں ایک خاص کی شعوی ہے جیسے تاریخی کہہ سکتے ہیں، اور مثال کے طور پر ”فرزدوسی“ کی شاننامہ پیش کر سکتے ہیں۔

حسرت صاحب کی شعوی ایک تاریخی شعوی ہے اس لئے اس میں حسن و عشق کی چاشنی نہیں پائی جاتی تاہم شہ دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے۔ ضعف نے یہ شعوی لکھ کر صرف شاعری ہی پر نہیں بلکہ تاریخ بہار پر ایک احسان کیا جو بہار کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعوی شاد مرحوم کی نظر سے نہیں گذری اور کتابت کی غلطیاں بھی دور نہ ہوئیں۔

شعوی کی زبان بہت صاف اور سستھی ہے۔ بعض اشعار خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

آں واصحاب کی جود کوں	زندگی بھر لکھوں تو کچھ نہ لکھوں
نیکہ منت تھی ہر گلی اس کی	کیا تاؤں بہار کیسی تھی
ان کے اخلاق کی مروت کی	مجھ سے تو صیف بہنیں سکتی
کی تواضع ہر ایک کی زر سے	کوئی غلی پھر انہیں در سے

تاہم شعوی میں ربط اور تسلسل کی کمی محسوس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ جگہ رولانی نہیں پائی جاتی۔ آخر میں البتہ کافی رولانی۔

اب اسی شہر کی یہ حالت ہے	اب اسی شہر کی یہ نصرت ہے
جس طرف کو نگاہ جاتی ہے	ہو کے غمخوار لوٹ آتی ہے
کب کسی کو نہ گفتہ دل دکھا	جس کو دکھا تو مضحکہ دیکھا
ایسا بر باد ایسا ناس نہیں	شہر اتنا کوئی اور اس نہیں
کل جہاں پر تھے محل عالیشان	آج گیدڑ ہیں یا سیاروہاں
خشت کہنہ کا ہے کہیں انبار	یا کہیں پر گری ہوئی دیوار

تھے جہاں پھول سے بہرے تھے
اب وہاں پر سیا ڈھیر کوڑے کے
ہے یہ گلیوں میں حال کیچڑ کا
جیسے دیوار کا بنے کٹارا
تنگ و تاریک ہے گلی کو چا
شہر میں اس طرح کا سناتا
جا بجا کھیت اب میں گوبند کے
یا گدھے لوٹتے ہیں دھوکے

بڑھ گئی جہاں لوگوں کی اب تعداد

مل گیا خاک میں عظیم آباد

غرض کہ شہری کافی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے اور راکین ”ہمارے بک ڈپو“ شکر یہ کہ مستحق ہیں جنہوں نے یہ شہری

چھاپ کر شائع کی۔ راکین ہمارے بک ڈپو نے اپنا کام کر ڈالا اور اب باری ہمارے شہر اور دہلی اور علم دوست

لوگوں کی ہے۔

فتح الدین آزاد

دوسری ۲۸ مارچ ۱۹۷۷ء

ظفر منزل

ہندوستان۔

نسخ خطی زبان پشتو

— (د سټا) —

کتابخانه خدای بخش پټنه

دکتر زلمي هيوادمل

عضو ملي اکاډمي علوم افغانستان

مرکز زبان‌ها و ادبیات پشتو و لسه

زلی میوادل (سال تولد ۱۹۵۰ء) در سلسلہ علمی خلیل مرکز نعمان کی ازایالات شرقی

افغانستان، در سال ۱۹۹۸ء در پونجی ادبیات و علوم بشری (فاکوٹی آف لٹریچر اینڈ ہیومنیزس) بہ پونہتون کابل (کابل یونیورسٹی) داخل شد و در سال ۱۹۷۲ء از دیپا تھت زدنہ نایز سہ این پونجی (فاکوٹی) باند ڈگری نایل شد۔

در سال ۱۹۷۰ء بحیث ہتمم و در سال ۱۹۷۱ء بحیث معاون (اسسٹنٹ ایڈیٹر) مجلہ و دیگر (نسیم) نشریہ علمی دوامہ پونجی زبان ادبیات تقریر شد و در سال ۱۹۷۳ء در اکادمی پشتو ٹولہ داخل خدمت گردید و بحیث عضو علمی شعبہ ادبیات و فولکلور بہ کارگما شتہ شد۔

در سال ۱۹۷۶ء بحیث ایڈیٹر نشریہ ہفت روزہ بنام زیری (مژدہ) مقرر گردید و در سال ۱۹۷۸ء دوبارہ بحیث عضو علمی شعبہ ادبیات و فولکلور بہ اکادمی افغانستان بہ کارگما شتہ شدہ کون وریں شعبہ بحیث عضو کارکنند۔

تالیفاتہم: • فرنگک بان و ادبیات پونجی بان (دو جلد ۱۹۷۷ء) افغانستان، دیوان خند (۱۹۷۷ء) افغانستان،

• دسرفوہ گوٹہ: انتخاب شاعرانہ چاپ عبد الرحیم بونک، جانان بونک، رحمت دادی و جان محمد کاکڑ (۱۹۷۷ء) افغانستان

• قوانین قہار شہ: تالیف میا فقیر جلال آبادی (۱۹۷۹ء) کابل، افغانستان، • اسمارالحسنی: تالیف میا فقیر شہ

جلال آبادی (۱۹۷۹ء) کابل، افغانستان، • دختا ننگ خلیل نوشہ و شہود (۱۹۸۰ء) افغانستان، • دحاجی محمد یار کزری

دیوان (۱۹۸۱ء) افغانستان، • دغلام محی الدین افغانی دنگار و شہار (۱۹۸۱ء) کابل، افغانستان، • حسن و دل

ازخانی شہا پوری (۱۹۸۲ء) افغانستان، • اوسکی سندری: مجموعہ ہاریت ہای پشتوی (۱۹۸۳ء) افغانستان،

• دبوعلی سیدنا یلمچی تر و دیک: ترجمہ از دنگینار بوعلی سیدنا یلمچی (۱۹۸۰ء) افغانستان، • دمیافقیر لٹریچر دیک

ترجمہ از شہناز میافقیر شہ (۱۹۸۱ء) کابل، • دامیر کر و سوروی کور خند: ترجمہ از امیر کر و سوروی دود خان و

تالیف بو عبدالمجلی مجبی (۱۹۸۳ء) افغانستان، ترجمہ از دنگلو خیری: ترجمہ از دیباچہ طبع سوم پر خند (۱۹۷۸ء) کابل،

غلاوہ ازین، مقداری بررالات متفرق نوشتہ است و نیز مقالات ادبی و تحقیقی، اوکے میشر

موضوعات را اساطیری کند در محلات مختلف نشر شدہ است



کتاب خانه خاندان خورشید در کشور هندیل در سائر جهان دانش و در هر منطقه علم و ادب ارزش بس بزرگ و
 ارجمندی دارد. خصوصاً نسخهای خطی که دریں جایافت میشود، همواره دانشمندان شرق را بخودش جلب کرده است.
 کتاب خانه مزبور فهرست سه جلدی نسخ خطی و درین سلسله یک لایبریری بانکی پور پٹنہ در دو جلد آس تالیف
 مرحوم خاں بہادر مولوی عبدالعقیدہ چاپ نموده است. - بنده سه جلد آس کتاب را بر روی کردم و بجائے خوشی
 این بود که ششمین جلد در وقت و در جلد اول این کتاب بدریافت فرزندنگ نایاب زبان پشتو موفقی شدم
 خوش بختانه ما دریں باغستان پر بہای فرہنگی مشرق زمین نگاہی را از زبان خود نیز دریافتم کہ اینک
 آنرا سلسلہ به دوست داران علم و ادب محققین زبان و ادبیات کہن پشتو تقدیم میدارم -

(۱) مخزن الاسلام : مخزن مجموعہ از رسائل دینی و مذہبی و فقهی اخوند درویشہ ننگرہاری (۹۴۹-۱۰۲۸ھ)
 است کہ در آن بصورت مجموعی رسائل ذیل وجود دارد: ترجمہ خلاصہ مکملانی، ترجمہ قصیدہ بردہ، شرح قصیدہ اما
 نور نامہ شامل نامہ مقالہ در حق فرقتہ روشانیہ بزبانہای پشتو و پارسی، رسالہ رسم الخط پشتو و غیر مسائل فقهی و دینی
 جامع این رسائل فرزند اخوند درویشہ گردید (۱۰۷۳ھ ق شہید) است کہ در سال ۱۰۱۲ بہ تدوین و جمع آوری آن
 ہمت گماشت و الف نامہ خود را نیز بد آن افزود،

نسخہ برداری ہائیکہ از مخزن الاسلام جمع کردہ اخوند گردید شدہ است، در آن نسخہ صرف ملحقات گردید
 عبدالحمید، ملا اصغر عبدالسلام دیدہ میشود، اما مخزن الاسلام را مصطفیٰ محمد کی انداختاد اخوند درویشہ نیز برای باز
 جمع آوری و ترتیب بخشیدہ است، درین تدوین و ترتیب علامہ از ملحقات گردید، عبدالحمید، ملا اصغر عبدالسلام
 ملحقات مصطفیٰ محمد و دیگر شاگردان اخوند درویشہ چون ملا عثمانی و غیرہمانیز بد آن افزودہ شدہ و در حقیقت
 مخزن الاسلام حیثیت گنجینہ پر بہای شرح مسائل دینی و فقهی را بخود گرفتہ است -

البتہ باید یاد آور شد کہ نسخہ قدیم مخزن دو یا ستن نسخہ بعدی آن ملحقات پنج یا شش نویسنده و شاعری
 ما دار است: از حدود سالہای ۱۱۴۲-۱۱۷۷ھ ق نسخہ خطی فراوانی از مخزن الاسلام در دارالامان سلطان دیک

خانواده کاشی افغان کتابت شده است. شخص اولی این خانواده که باین کار دست یازیده است عبدغنی کاشی نام دارد که خودش نیز شاعر و نویسنده زبان پشتو است. و نسخ برداری مخزن را از وی خانواده اش بارت برده است. ابیکار عبدغنی کاشی در نسخ برداری مخزن اینست که وی علاوه از مطلقاً یک فرد ندان، برادران نواده با دو اسبهامی اخوند دروینده بدان افزوده بودند. و خودش دیگری را بنام "بیانات افغانی" در تمام نسخ خطی ایکه در خانواده کاشی ملکانی خطاطی شده بدان افزوده درین دو بخش از رسالات و قصص دینی و تصوفی شیای سلفه آثار زیادی به چشم میخورد. شاعران و نویسندگان چو: "اخوان احمد، ملا سلیمان، جان محمد، فاضل، نجابت، میک محمد، ادین، مهاداد، بخش آزاد و همچنان بعضی از بنشته های آثار شعری پر و طریقه دروشانید.

من ناکنن در حد و حدسه نسخه خطی مخزن الاسلام را دیده ام و یا از آن سراغی دارم. نسخ برداری های زیادی ازین جهت از مخزن الاسلام (با ملحقات) صورت گرفته است که مخزن الاسلام در حلقه های دینی پشتو زبانان تدریس میشود و طالبان علوم دینی از آن استفاده می برند.

مخزن الاسلام توسط تاجران کتب پشاور قرن از ۱۳۰۰ هجری و بعد از آن سه یا چهار بار بطور مستقل در دهه های دیگر مطالع هندوستان طبع شده است که در حاشیه یکی از چاپهای آن مفتاح "التالیق نیز به چشم میخورد. اما چاپ انتخابات مخزن الاسلام در اردو پاکدینتر از چاپ مستقل آن است. انتخاب مخزن الاسلام را بار اول پروفیسور بنادر دودرن ۱۸۰۵-۱۸۸۱ م. خاورشناس روسی در کتاب "پشتو منتخبات" (طبع پتر زبورگ ۷ ص ۶۱۸ چاپ نموده است) پس از آن مترادوی انگریز در نگین رده "دانش نثر" انتخاباتی از مخزن الاسلام را چاپ کرده است (طبع ۶۱۸۶۰ هجری قمری). همچنان انتخاباتی از مخزن با انتخاب خیر البیان باینیدر روشن (۹۳۱-۹۸۰ هجری قمری) یکجا از طرف اکادمیک پشتو می پشاور طبع شده است.

محقق انتقادی مخزن الاسلام از روی چندین نسخه خطی و چاپی توسط پروفیسور تقویم الحق کاکخیل تهیه شده و با مقدمه تحقیقی آن جناب در سال ۱۹۶۹ م. از طرف اکادمیک پشتو می پشاور طبع شد. در مقدمه آن متن مواد زیادی راجع به شرح حال اخوند دروینده و خانواده اش دریافت میشود.

نسخه خطی مخزن الاسلام خلاصه بخش بیک لایبریری که در فهرست دست نویسی نسخ های زبانهای متفرقه بنام "کتاب پشتو در قلم یاد شده است" به شماره ۱۳۵ در راجستر قید بوده تمامی ادراک آن ۱۶۳۵ و در هر صفحه آن ۸۴ سطر است. تقطیع متن آن: ۸۴۱۱۳ سانی متر - نسخ آن آغاز و انجام ناقص است، اما بخش عمده آن با الف نامه که یکبار

ملکات عبدالحلیم دکن باقیست نسخ درین جداول قریب خط نسخ تمام نبشته شده است -

(۲) دستارنامه : از آثار برجسته منشور شاه توتان و مقتدر زبان پشتو خوشحال خان خٹک (۱۰۰۰-۱۱۰۰ هـ ق)

است که آنرا به سال ۱۷۶۶ هـ ق در قلعہ ترسپور ریالت لاجپان هندوستان در حالت نفی از وطن در زندان

عالمگیر اورنگزیب (۱۰۶۸-۱۱۱۸ هـ ق) نبشته است -

نسخ خطی دستارنامه زیادہ دریافت نمیشود و صرف در اکیدہی پشتوی پشاور و انگلیسی خجی دستارنامه موجود است -
دستارنامه به قول در ۱۹۵۲ از طرف محمد عبدالشکور بہتر مزورہ پشاور آن دیار نشر شدہ سپس بکوشش

اکاوی پشتوی پشاور در سال ۱۹۵۹ء انتخابی از دستارنامه با ترجمہ اردو از پشاور انتشار یافت و بعد بہ قیمت

سینہ بین المللی خوشحال خان خٹک دستارنامہ اندروی نسخہ چاپی پشاور از طرف پوہاند صدیق شہرین از کابل

اکیدہی پشتو در سال ۱۳۵۵ هـ ق دوبارہ طبع و نشر گردید - اخیراً در سال ۱۹۸۰ء ترجمہ سکتہ دوی دستارنامہ

در پشاور طبع و از آنجا نشر گردید -

نسخہ خطی دستارنامہ خدا بخش پبلک لائبریری و رفہرست دست نویس این کتاب بنامہ تحت شمار عدد :

۱۵۶۸ بنام بخت پشتو - ضبط است - این نسخہ اگرچہ متنازعہ است اما مکمل و اہمیت آن دینا است کہ ای

خطہ نقلیست از مخطوطہ ایکہ در سال ۱۱۱۹ هـ ق بامو فرمائش افضل خان خٹک (وفات ۱۱۸۳ هـ ق) فرزند

اشرف خان ہیری (عہدہ ۱۰۶۰-۱۱۰۶ هـ ق) ولوہ خوشحال خان خٹک نبشته شدہ است - کاتب نسخہ خطی خدا بخش

پبلک لائبریری صاحب حق خود را نشان دادہ است و از ہمین بہت باین نسخہ اولو جدید است نسخہ از شمس

کتاب خانہ خدا بخش پتہ می شماریم -

(۳) قواید الشریعت : قواید الشریعت از آثار خواند قاسم باہین خیل شینواری شکر ہاکی است در مورد کتابت

آن با را اول مستر راوسی اگر بر در مقدمہ طبع اول گرام پشتو زبان انگلیسی (طبع ۱۸۵۵ء) کلکتہ نبشته بود کہ خواند قاسم

قواید شریعت را در سال ۱۰۶۹ هـ ق تالیف کردہ است - ایس غلطی نیز قرا تریدا کرد و جمیع بلوہ بہت در رفہرست نسخہ خطی

برگش موزیم آنرا برداشت و پس اذال دانشمندان و محققین زبان و ادبیات پشتو نیز باین غلط را کمر کردند - بعد با

معلوم شد کہ خواند قاسم در زمان تالیف تا بیخ درص (۱۱۳۲-۱۱۳۶ هـ ق) زمدہ و در پشاور می زیست و از ہلما

بہ شمار می رفت کہ فتوا دادہ می توانست لہذا قواید الشریعت خواند قاسم باہین خیل تالیف است از قرن دوازدهم

و این کتاب شامل ہشتاد باب است ، مسائل مهم دینی ، تقصص اسلامی و شامیل انحضرت و ایمان میدارد -

رسائل فقہی، فصل احکام، تحت عنوان فایده، بیان می‌کند.

انتخاب نواید الشریعت، اخوند قاسم را با اول مسطر و در «منتخبات پشتو» (طبع ۱۸۷۷ء) بریلوگ (دیار دوم مسطر را در «گلشن روه» (طبع ۱۸۸۰ء) طبع نموده است. و این کتاب از سال ۱۲۸۰ هـ ق به بعد تا سال ۱۹۸۰ء بیش از ۲۰ بار در دلی، بمبئی، لاهور و پشاور چاپ شده است. نسخ خطی فراوان آن در افغانستان، انگلستان، اتحاد شوروی، پاکستان، هندستان و سایر نقاط جهان دریافت میشود. نسخ خطی معلوم آن بیش از صد نسخه است. این کتاب نیز در حلقه‌های دینی پشتو زبانان بحیثیت متن درسی پذیرفته شده است.

نسخه خدا بخش، یک کتاب لائبریری که تحت شماره ۳۲۳۰ ضبط است، دارای ۳۰۱ ورق بوده خط آن نسخ و تقطیع متن آن ۱۳×۲۰ سانتی متر است. نسخه مکرر است. هشتاد باب آن کاملاً درج مخطوط شده است باید گفت که نسخ خطی نواید الشریعت تعداد ابواب کمتر به نظر می‌آید. نسخه خدا بخش لائبریری ارزشی که دارد اینست که آن مخطوطه هر یک از کتاب‌های شانده شاهی در دلی بوده و در شهر زاده محمد دارا بخت و بعد بهادر شاه بر صفحه الف ورق اول آن به چشم می‌خورد. اما نکته قابل تأمل این است که تحت همین مهر در همان صفحه کی از کتابداران او در مثل یک لائبریری بانگی پور پخته آنرا از کتاب زبان ترکی تقلید کرده است. اما در فهرست دست نویس درج فهرست نسخ خطی پشتو است. در نسخ خطی زبان پشتوی خدا بخش یک لائبریری کی اگر آنها بهترین نسخ خطی کلیات قاسم علی خاں اپریدی فرخ آباد که از برگزین نوعیت کمی و کیفی خود از این نظیرترین نسخ‌های کلیات قاسم علی به شمار آید.

یادداشت با و نمشته‌های این نسخه، تنها برای پژوهشگران زبان و ادبیات پشتو درخور اهمیت است، بلکه برای تاریخ ادبیات نوسان و محققین زبانهای اهنده، اردو، پارسی کشمیری، عربی و انگلیسی نیز نکات مهم و بدر خوری را داراست زیرا قاسم علی خاں اپریدی از آن جمله نویسندگان پشتون است علاوه از زبان مادریش پشتو بزبانهای هندی، اردو، پارسی کشمیری، عربی و انگلیسی آثار و نمشته‌های را از خود به یادگار گذاشته است. در باره قاسم علی خاں اپریدی مستشرقانی چون راورتی، جیمز دار مسطر ۱۸۷۹-۱۸۸۰ء و یادداشت‌های دارند پسندیده نوسان و تاریخ ادبیات نویسان پشتون بزبان پشتو، پارسی و اردو درباره شرح حال و زندگی آن نمشته‌های کرده اند اما تمام نگاشات مبهمی بر بعضی یادداشت‌های مستشرقین و اشاراتی موجود در دیوان شاعر است و زیادتر در تنگی بر حدسیات.

در نسخه خدا بخش یک لائبریری که از مخطوطات خانگی خود قاسم علی خاں اپریدی است، نکات جالبی

در باره شرح و زندگانی مشاعر احوال خودش و اسامی فرزندان و احداث بدست می آید و درین نسخه یادداشتها
به قلم خود مصنف قاسم علی خاں اپریدی جلب نظر می کند من قبل ازیکه تمام کتب این مجموعه را معرفی دارم -
نخست شرح حال شاعر را تا دم مرگ از روی خودنوشت های نویسنده (قاسم علی خاں) ویدداشت های
خانواده اش در باره سال در زو ماه و فاشش را درین جا می آورم و این در لیست جدید در تاریخ ادبیات
پشتو که مایه یاری نسخه تکلیات اپریدی در خدا بخش پبلک لائبریری که کشودن آن موفقی می شودیم؛
قاسم علی خاں اپریدی فرزند برهان خان و نوه نیک نام خاں اپریدی است که سلسله نسب خود را
در صفحه الف و رقی ۲ رساله اپریدی چنان شرح میکند:

... "شرحش اینک ملکه قوم افغان در افغانان قوم کلاچی و در کلاچی افریدی و در افریدی آدم خیل
و در آدم خیل ختو و در ختو تارکهای و در کلاهی سید خیل و در سید خیل سلطان خیل " این شجره نسب با سایر کتب
شجره های قبایل مختلف قوم افغانه مطابقت عام و تا دارد و از آن بر می آید که در خانواده قاسم علی خاں مسائل
شجره النسب ارزش بسزایی داشت و خودشان شجره نسب را با خود داشتند -

قاسم علی خاں بن تاریخ ۲۰ ماه رجب روز شنبه سال ۱۱۸۳ هجری در هندستان تولد گزیده مدتی را در ایام
جوانی با مهاباد راجه حبیبوت بهلولکرمه راجه دولت را و سینه هه بهادر و نواب امیر خاں سالار زمی سپهری کرده و تقریباً
سه سال با نواب امیر خاں و سایر مهاباد راجه های هندستان سپهری میکرد و در جنگ اخیر که در نوقی رو هسلکه گند
(این مراد آباد و اوله) مابین قوای امیر خاں سالار زمی و قوای انگلیس به مدوشان اوده در گرفت قوای امیر خاں
(چون دارای تنه شمشیر و تبر بودند) در مقابل قوای انگلیس به هم کاری شاهان اوده که با عفری تین سلاجهای آن
وقت توپخانه مجهز بود و هرگز نیت نمود و در سلسله شکست لشکر پشتونهای رو هسله قاسم علی خاں به راهبر آمد و در خانه کی
از پشتونهای راهبر مدت بیست روز اقامت گزید و بعد رها کرد و از گاهش فرخ آباد گردید و تا تغییر عمر در فرخ آباد
بود مدت چهار ماه تحصیل داری برگزیده شمس آباد را نیز به عهده داشته است -

قاسم علی خاں اپریدی در سن ۳۹ سالگی صاحب شش تالیف بود که خود شش دریا باره و صفو الف
ورقی ۵۱ رساله افریدی چنین می نگارد:

" در صورتیکه قاسم علی خاں از صحبت اشنایان و دوستان وقت انفرغ می یابد اکثر اوقات شغل
کتب های فارسی و پشتو دهنی میداد و نیز در عمر فارسی و نه سال شش قطعه کتاب تصنیف ساختگی دیوان افریدی

دوم خواب نامه بزبان افغانی یعنی پشتو دیوم دیوان افریدی بزبان هندی رواج ملک هندستان و چهارم افریدی که به پنج زبان مرتب اول فارسی دوم پشتو سیم کشمیری، چهارم فرنگ پنجم خانه هندی در هر خانه زبان هر یک علیحدگی معنی هر پنج خانه واحد اند بدون حصیل هر یک زبان عبور مشکل است و اگر عاقل غور سازد بهل تراست، باید فهمید که در هر زبان خانه همان زبان مربوط آن ملک خواهد بود، جهت آنکه حقن علم هر کسی ازین بلااستاد بهر یافته باشد و بهر شفاعت نامه افریدی که مامور بقصایدات (قصاید) معنی غزلیات به تعداد چهل و یک در او کار سلسله قادر و هشتم رساله افریدی به پیشمول فضل الهی با ختام رسیده... و تا که عمر وفا خواهد کرد انشاء الله تعالی بهر شفاعت مزاج... چند کتب دیگر تصنیف خواهد کرد...

تا حال ما بدیافت همین شش اثر قاسم علی خان افریدی نایل شده ایم و تا هنوز کسی از آثار دیگر وی پیری نگفته است، لابد آثار دیگری نیز خواهد داشت زیرا بعد از تکمیل کلیات شاعر تا دیر زمانی زنده بوده و نظر داشته خودش در فرخ آباد از محاش دفع الحال، زیسته است.

امید داریم باری آثار دیگر این نویسنده مقتدر چندلسانی پشتون دریا بیم در باده سن وفات قاسم علی خان افریدی تا بهم اکنون مددک امجد بسترس محققین قرار ندارد، و اگر یادداشت در نسخ کلیات افریدی خدا بخش لائبریری پند وجود نمیداشت ما یان از تاریخ وفات این نویسنده توانا ناواقف میماندیم، در اخیر رساله افریدی شخصی از خانوادہ اش به خط دیگر چنین نوشته است:

"تاریخ پانزدهم جمادی الاول ۱۲۸۲ هجریوم دوشنبه بوقت نماز صبح قاسم علی خان افریدی مصنف کتاب پد از جهان فانی بعالم جاودانی رحلت نموده فقط"

اکنون که شمه از شرح حال شاعر و حضور خوانندگان گرامی تقدیم داشتیم میپردازیم به معرفی کلیات افریدی. این کلیات تحت شماره عدد: ۵۰/۴۴۲۲ در خانگی بلک لائبریری محفوظ بوده، و دارای شش کتاب قاسم علی خان افریدی است که در آن بزبان پارسی یکی آن بزبان هندی و دیگر آن بزبان پشتو و یک آن مشترک اللسان است. بین زبانهای پشتو پارسی عربی کشمیری، هندی و انگلیسی.

من نخست از کتاب اول کلیات شروع میکنم که نام آن رساله افریدی گذاشته است و در سال ۱۳۲۵ هجری نگاشته شده است و در ۲۲ باب آن شرح حال خانوادگی قاسم علی خان افریدی با نسبتب و قایل بهجرت به هندستان و شرح زندگی افغانی در هندستان فی این نامیل افغان درج است.

اما نکته قابل تذکر درین جا این است که در مقدمه و علت ابواب این رساله را بیست و پنج نشان داده است و خاتمہ نیز کتاب و بیست و پنج باب تکمیل نموده است، مولف چهارده سال بعد در سال ۱۲۳۹ هـ ق باب دیگری را بنام باب بیست و سیم جهت تکمیل باب بیست و یکم که در شرح حال افراد خانواده مولف است، بآن اضافه نموده و بخط و قلم خود در اوراق سفید که بعد از تکمیل رساله وجود داشت آنرا نبشته است، درین باب اسمای فرزندان وی نیز با قید تاریخ تولد سنوات هجری و شمسی درج شده است، بخط این فصل با خط تصحیحی قی که در ابواب مختلف این رساله شده است، مطابقت عام و تام نشان میدهد و از آن برمی آید که این اضافات بخط خود مولف است. بعد از رساله افریدی شفاعت نامه افریدی درج است که تماماً در ۱۲ ورق نبشته شده است، غزلیات و قصایدی را حاویست که شرح حال سلسله قادریه سروده است و من تألیف آن ۱۲۱۰ هـ ق است، شاعر گوید که نزدیک شبانه روز تکمیل کرده است، درین مورد ابیات خود شاعر چنین است:

ازین کتاب مصنف، یک شبانه روز شده به فضل الهی سعادت افریدی

نمود یافت غیبی، بحسرت سن هزار و دویست و شصت افریدی

کتاب سیم کلیات دیوان ہندی قاسم علی خان افریدی است که در ابتدا صرف تدوین گردیده، اما بعد شکل بساطی را بخود اختیار کرده است، در حاشی و متن خود شاعر و دیگران اضافاتی بدان نموده اند و غزلیات و دیگر شاعران بدان افزوده اند. درین دیوان غزلیات متفرق پاری نیز دیده میشود که غزلی را به اقتضای ماحول سر ہندی نیز سروده و درج دیوان ہندی است. این دیوان ۱۰۸ ورق دارد و در آخر آن چهار بیت ہندی نیز آمده است، و قاسم علی خان افریدی کہ نسبت بہ این نظم شاعری عوامی پشتو فہار یا شاعری ہندی اضافہ نموده است تأیید تکمیل دیوان ہندی را ازین دویست میتوان استخراج کرد.

خاتمہ دیوان افریدی بدین موال ہے

ہاتف غیبی سے پوچھا میں جو اوس کا سال ماہ یہ کہا ماہ رجب غیور اوس کا سال ہے ۱۵

چون در دستور بالا رسائل زبانہای دیگر کلیات افریدی معرفی گردید درین جا لازم نیست کہ آثار پشتوی ویرا با اساس نمرات مسلسل نسخ خطی پشتوی خدا بخش پبلک لائبریری بدین شرح معرفی نمایم.

(۵) افریدی نامہ: این کتاب قاسم علی خان کہ تصادفاً کتاب چہارم کلیات افریدی است و کتاب چہارم مخطوطا زبان پشتوی خدا بخش پبلک لائبریری درین فہرست نیز میاید دارای ۲۹ ورق ہر ورق ۱۲ سطر ہر صفحہ ۱۸ شہرہ شکل دو ستون تہیہ شدہ است و ہر ستون آن دارای پنج خانہ در جلد اول بودہ است یعنی بطور اوسط ہر صفحہ

۲۶ لغت هر زبان وجود دارد - تقطیع متن آن ۱۹ × ۲۶ سانتی متر است -

در آغاز فرهنگ لغات زبانهای: پارسی، پشتو، کشمیری، انگریزی و هندی آمده است - در ستون اول و صفحہ الف و رقی ۱۷ جای زبان هندی را معرفی میگرد و لغات زبان بای فارسی، پشتو کشمیری، فرنگی و عربی را بعداً در ستون دوم صفحہ (ب) در رقی ۱۹ زبان کشمیری جاییش را بر زبان هندی میگذارد و فرهنگ بزبان بای عربی، فارسی، پشتو، فرنگی و هندی ادامه می یابد و بدین موال خاتمه می پذیرد، باین حساب افریدی نامه یا با اصطلاح محققین افغانا پشاور می فرهنگ افریدی فرهنگ شش زبانی است که تا هم اکنون در حلقه های علمی این فرهنگ فرهنگ پنج زبان شهرت داشت و آن خود این سه و اربعه است که در جلد اول فرهنگ زبان ادبیات پشتو این فرهنگ پنج زبانی قلمداد کرده اند (۵) دیوان افریدی: باز هم کتاب پنجم کلیات و کتاب پنجم این فهرست با هم متصادف اند و آن این که کتاب پنجم کلیات افریدی دیوان پشتوی دی است ۲ دیوان پشتوی قاسم علی خاں افریدی ۱۱۰ ورق و در هر صفحہ ۱۹ سطر که تقطیع متن آن ۱۶ × ۲۵ سانتی متر بوده، مجموعه ای از غزلیات، قصائد رباعیات و نثرات قاسم علی خاں است که قسماً از رباعیات و چهار بیت پشتوی این شاعر نیز در آن ضبط می باشد دیوان در سال ۱۳۰۶ هـ ق تکمیل شده است و ابتدای آن بعد از بسم الله الرحمن الرحیم باین ابیات شده است -

حق مالک دوده جهان دی رب ز ما هم خمبستن دلا مکان دی رب ز ما
نه سحرته معین، وطن، هستوگ بیافا ظاهراً باطن، عیان دی رب ز ما

و انجام آن این طور است:

دا دیوان می د عرفان به میمنی دیک شو د غلام محمد ولی دعا اثر دی
قاسم علی افریدی خاتمه دی خیرش تصنیف کرمی دی دیوان به هم میزند و

(۶) خواب نامه: کتاب ششم خطی زبان پنبه در خدا بخش پبلک لائبریری خواب نامه قاسم علی خاں افریدی است که شامل پنج ورق و هر صفحہ ۱۹ سطر و تقطیع متن آن ۱۶ × ۲۵ سانتی متر است. خواب نامه رساله آخیر کلیات افریدی است و قاسم علی خاں نامش را "خواب نامه افریدی" گذاشته است.

باید یاد آورد که مخطوطه خواب نامه قاسم علی خاں در خدا بخش پبلک لائبریری نسبت به دو نسخه دیگر از این کتاب که من در اسلامیه کالج پشاور و در صفا لائبریری رامپور دیده ام در سطح پایانیتری قرار دارد و اوراق نسخ رسیده است که این آب رسیدگی با بعضی جاهای آن را از خواندن و استفاده خارج نموده است. بیت آغاز خواب نامه این

(۸) رساله در تحقیق معنی تصوف و تصدیق: این رساله ایست در شرح مسائل منطقی چنین رسائل در زبان پشتو نهایت زیاد است، بطور مثال علمای جدیدین در مسائل مختلف دینی، فقهی و منطقی برای طالبان تقریر میکنند و مسائل مبهم و مخلوق و پیچیده را شرح میدهند؛ طالبان شرع و تقاریر استادان خود را جمع می کنند که آنرا امانی گویند و این رساله نیز از یکی از مدرّسین مشهور صوفیه سرحد است که مطالب الخاتم خط نام آنرا! "مولانا صاحب تئوروسک" معرفی کرده است رساله دو بخش دارد و تمامی صفحات آن (۱۳۱) است. تقطیع متن آن: ۶۸۳۲ سانی متر - و در خدا بخش پیکل لائبریری تحت شماره عدد: ۱۵۷۳۳ ادرج است. کتاب آن ملا حبیب الرحمن ساکن قریه نگر مرکزی ایالت ۱۵۷۳ نعمان افغان نشان ترقی است. و نسخه را در علاقه معدنچ بابو زری سوات خطاطی کرده است این شرح و سایر شروحی که از طرف علمای دینی بزبان پشتو به طالبان علوم دینی گفته شده است، و شاگردان آنرا بصورت امالی در رسائل جداگانه تهیه کردند؛ منشور بوده، اما نشر آن نهایت مخلوق و پیچیده و از محاوره عامه مردم دور است^{۲۲} نشر چنین شروح کتب جدیدی را در نشر نگاری پشتو ایجاد کرده است که از حیث سلاست و روانی بیایه بوده و البته کیفیت معنوی در آن نهفته است - این مقاله را به امر برادر به جهان برابرم دکتر عابد رضا خاں میلدار تهیه داشتم؛ معلومات تماماً منکی بر حافظه ام است نمیدانم که حافظه درین مورد تا چه حد با من یاری کرده است؛ اگر درین با و توارج غلطی رخ داده باشد از دانشمندان امیدوارم عفو استم -

حواشی

- (۱) رجوع کنید به مرآة العلوم ج ۱ ص ۱۱۹ تألیف مرحوم خان بهادر مولوی عبدالمقصد طبع ۱۹۲۵ء پٹنه۔
- (۲) تالیفات دیگر اخون درویش نگر: معی عبارت انداز: تذکرۃ الابرار والاشرار وارشاد الشالین۔
- (۳) الف نامه کریمل در غالب غزلیات سروده شده و شروخی بدان نیز نوشته شده است که از جمله شروح عبد اللہ قصیر می باشد بنام مفتاح الدقائق و شرح حاجی بهادر کو باقی شهرت ای دارد: شرح عربی نیز بدان نوشته شده است و شرح اردو آن در سال ۱۲۹۱ هجری نواب کلب علی خان "المعانی ترجمه زبان افغانی" نام گذارین کتاب کرده و پسند آن مشتاق احمد است لب لباب مخزن الاسلام و الف نامه کریمل دو مکتوبتانش بزبان اردو۔ ترجمه شده است فلیندا آنرا شرح گفته می شود بلیکه نویسنده خواسته است که اردو زبان را به نکات صدقیانه مخزن الاسلام و الف نامه کریمل و متوجه سازد۔ "المعانی ترجمه زبان افغانی" در مطبع خوشید بهندمراد آباد به سال ۱۲۹۳ هجری طبع شده است و الف نامه کریمل دو نکات بسیار مهم صدقیانه بزبان پشتو منظم بیان شده است و از آنکه برگزیده تصوفی زبان پشتو شمرده میشود۔ پوهاند حدیث اللہ خان نریتین در یکی از شماره های سال ۱۳۵۲ هجری مجله کابل مقال ای برشمار جان الف نامه کریمل نوشته است و شرح حال کریمل را در استاد بر فیض عبد الحمیدی در جلد اول پشتانه شعرا طبع ۱۳۲۰ هجری کابل درج کرده است بعد شرح حال مفصل این شخص را قاشی عبد الحکیم اثر در کتاب تیر حیر شاعر ای طبع ۱۹۶۳ء اکیله می پشتوی پشاور نیز ضبط نموده۔
- (۴) کاسی قبیلای از قوم افغان است که در نواحی کوپړ و سایر نقاط افغانستان به شکل متفرق زندگی میکنند و خانواده های ازین قبیله به هندستان نیز آمده اند رسم الخط نام این قبیله در متون کهن و لجه های مردم افغانستان و پشتو زبانان "کاسی" ضبط است۔ اما تلفظ آخری این نام در نواحی صوبه سرحد با ساس تأثیر زبان های برهزی "کاسی" شده است که این شکل بعدی و غیر صحیح این نام است کسانیکه با متون قدیم زبان پشتو آشنایی دارند و با پشتو نیا نیست و دروغا دارند آنرا هیچ گاه در نوشته های خود "کاسی" مینویسند بطور مثال مرحوم مولوی عبدالرحیم فهرست لباب المعانی ص ۱۱۰ را بزبان اردو نوشته است ولی او هرگز کاسی را کاسی ضبط نموده است بطور مثال دی در ص ۴۳ لباب المعانی مینویسد "مصطفی خان بن محمد سعید خان افغانی در یک قوم کاسیوں کی ہے۔" قلندرسو مند بر خطا بطبعه خزانة محمد جاس کاسی اعتراض دارد و میکند که چرا با نام خود را کاسی نوشته است حال اینکه ضبط "کاسی" معیار

نیست ویرینه در رسم الخط این نام و همچنان گویش های مردم عامه پشتون زبانست.

(۵) عبدالغنی کاسی نیز شاعر و نویسنده است بنشته های دی و دیانات افغانی (کتابت ۲۴۳ هـ ۱۱ هـ ق) مخط بر او در دانشمند حبیب الله رفیع موجود است.

(۶) مولوی غلام سرور لاهوری در خزینه الامصیا و رحمان علی در تذکره غلامی هند را بح شرح حال اخوان فکر پاری مواد مبسوطی را ارائه میدارند اما در ضمن آن مولوی غلام سرور خان در مورد رسالت وفات اخوند و جوار اشتباهی شده است و تاریخ وفات ویرا (۸۰۶ هـ ۱۰ هـ ق) بنشته است که این غلط تا مدین متن است مخزن الاسلام و مقدمه آن تواتر پیدا کرد تمام محققین زبان و اجیات پشتو حتی خاورشناسان سال وفات اخوند روینده (۸۰۶ هـ ۱۰ هـ ق) میدانشندند اما بعد از متن کامل تاریخ مصحح تالیف (۱۱۲۲-۱۱۳۶ هـ ق) - توسط مرحوم استاد دوست خان کامل بودند متوفی ۱۹۸۰ (۱۰۶۹ هـ) این سن غلط مشهور تصحیح گردید و محقق و دانشمند برگزیده افغانستان استاد فاضل و محترم پوهاند عبدالشکور باین موضوع ملققت گردید و یادداشت و قایل درباره اخوند و ریزه مندرجه متن تاریخ مصحح سال وفات اخوند مذکور را به ۱۰۲۸ هـ ق تصحیح و شاگردان و محققین تاریخ اجیات باید بپذیرند تا نه وفات اخوند و ریزه را بجای ۱۰۴۸ هـ ق ۱۲۰۸ هـ ق صحیح بنا استاد استاد در مقدمه طب سوم "گلشن روه" لطیف کابل ۱۹۷۹-۱۳۵۶ هـ ش) درین مورد گفتنی های مفیدی دار لازم بنزدگار است که در کتاب خانهای هندستان نیز نسخ خطی فراوان مخزن الاسلام یافت میشود نسخ این کتاب را که تا حال من در هندستان دیده ام از نگاه سن کتابت قدیم تر نسو نیست که در سال ۱۱۳۲ هـ ق که تحت شمار عدد ۴۷۳/۲۳۵۵۰۷۳۳ مورخیم ملی هندستان و در پهلوی وجود دارد.

(۷) گوهر خان خنک فرزند خوشحال خان خنک صاحب قلب السیر تالیف ۱۱۲۰ هـ ق در مقدمه ای نوشته است که افضل خان خنک کاتبانی را از نواحی مختلف جمع کرده و کتب جدش خوشحال خان را توسط آنان برنار می میکند و نسخ فراوان از آن برداشته است (مقدمه قلب السیر مخطوطه موزه پشاور) اساس نقل نسخ و دست و بخش لایبریری نیز در همان وقت و با اساس همین تجویز نقل برداری و تهیه شده بود.

(۸) در کتب خانهای هندستان قدیم ترین مخطوطه نوایا الشریعت از نگاه سن کتابت مخطوطه ایست و در زمان پامور که به سال ۱۱۶۲ هـ ق کتابت شده و تحت شمار عدد ۲۳ در فهرست مخطوطات مسخر متفرق درج است.

(۹) ماده تاریخی وفات برهان خان قصدرخ "است که با هم عهد جمادی الاولی روز شنبه ۱۱۹۳ هـ ق مطابقت

(۱۰) ماده تاریخی ولادت قاسم علی خان: «تجفغ» است = ۱۱۸۳ هـ ق -

(۱۱) این احوال در اوراق ۴۷-۵۰ رساله افریدی ب تفصیل درج شده است -

(۱۲) رساله افریدی ورق ۵۸ ص ب -

(۱۳) فهرست نسخ خطی فارسی اورینتال پبلیک لائبریری بانک پور، جلد ۲، ص ۱۵۹

(۱۴) یک نسخه کلیات افریدی که فرزندگیا افریدی نام نیز قسم آن است در کتاب خانه های بریتانیا موجود است و دکتر میکنتی که فهرست نسخ خطی پشتوی بریتانیا آنرا معرفی کرده است (طبع ۱۹۶۵/۶۱ کسفورد) همچنان یک نسخه این کلیات در کتاب خانه اسلامی کالج پشاور نیز محفوظ است - (لباب المعارف العالمیه ص ۳۶۳ - ۳۶۴، کتاب نمبر ۱۹۱، طبع ۱۹۱۸/۶۱) این نسخه را من دیده ام رساله افریدی آن که مولوی عبدالرحیم آثرانزک افریدی نامیده ناقص است و تنها کتب آن نیز بخشش نموده ام و این پشتو، هندی، فرنگ رساله تاریخ خوانانه غزنیای پاریس را داراست -

(۱۵) یک نسخه دیگر دیوان هندی قاسم علی خان افریدی میسر کلیات پاریس در کتاب خانه مولانا ابوالکلا آزاد علیگڑھ مسلم یونیورسٹی در سرسلیمان کوکشن تحت شمار عدد ۷۰۶ ضبط است ۳۵۳ ورق دارد و در آغاز شماره پاریس بعد اردو و در آخر آن رباعیات اردو نیز موجود است بخش هندی (اردو) دیوان قاسم علی خان افریدی انطوف کلهی پشتوی پشاور طبع شده (۱۶) فرزندگیا زبان و ادبیات پشتو جلد اول، ریدل ق، تالیف لیلی میو اول، طبع ۱۳۵۶ ش کابل، مطبعه تعلیم و تربیه -

(۱۷) یک نسخه دیوان پشتوی قاسم علی خان که آنرا دیگر آن نیست در آرشیف ملی افغانستان وجود دارد و نسخه دوم دیوان پشتوی آن باضمیمه توانام در رضا لائبریری رامپور تحت شمار عدد ۱۷۰ فهرست السنه مختلف ضبط است، اوراق دیوان ۱۵۶ می باشد -

(۱۸) اصل: به تصنیف به گری دیوان به ده میردی (کغلاط و سکت است) وزن آن نیز و چهار پریشانی دیده میشود -

(۱۹) اصل: پشتو ته خوب نامه باندی خوشه کله (وزن آن درست نیست، باید دانست که دیوان پشتوی افریدی خوانامه افریدی، فرزندگیا افریدی شفاعت نام افریدی در رساله افریدی تا هنوز طبع شده است. حرف نقل خوانامه را دانستند محترم حبیب الله رفیع از روی نسخه اسلامی کالج پشاور جهت طبع گرفته بود ولی تاکنون طبع نکرده اند -

(۲۰) پروفیسور محمد نواز خان حاضر در جلد دوم روحی ادب طبع پشاور پشتو آئینہ کی سال ۱۹۷۸ ذکر کی و شرقی درباره فرزندگیا (اردو)

(۲۱) مرآة العلوم ج ۱ ص ۱۱۹، طبع پشاور ۱۹۲۵، تالیف مولوی خان بہادر عبدالقدیر خان صاحب -

(۲۲) در تاریخ تطور نشر پشتو نزدیکی قرن سیزدهم و چهاردهم خصوصاً چنین شروع از نثرهای قصی بی نثره نموده ●●

کتابیات سے متعلق اردو اور فارسی زبان میں ۱۹۸۶ سے شائع ہونے والا
تحقیقی مجلہ

کتاب شناسی

زیر ادارت
سیّد عارف نوشاھی

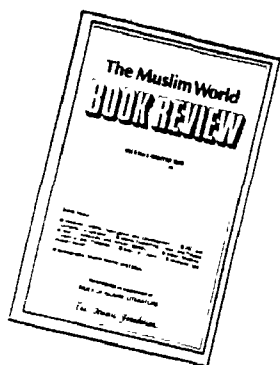
- ☀ غیر متعارف رسائل کے مکمل متون ۔
- ☀ کتاب نویسی، کتاب شناسی، اور کتاب داری کے فنی مسائل ۔
- ☀ نادر مخطوطات اور مطبوعات کی مختصر فہرستیں، یا کسی ایک کتاب کے بارے میں توضیحی و تحقیقی مطالعہ۔
- ☀ تازہ علمی مطبوعات پر غیر جانبدارانہ، معیاری اور علمی تبصرے ۔

ناشر

ادارہ مصارفِ نوشاھیہ

۶۹ - ماڈل ٹاؤن، همك، اسلام آباد - پاکستان

ٹیلی فون: ۱۲۲۲-۸۲ (۵۱)۔

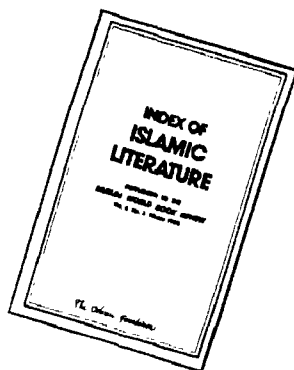


The **MUSLIM WORLD BOOK REVIEW**, a quarterly journal published by the Islamic Foundation, Leicester, U.K., in association with the International Institute of Islamic Thought (Herndon) U.S.A., provides a unique source of information for all who are concerned with development in the Muslim world. Most recent publications in this field are listed and important books are reviewed by eminent world scholars. It critically analyses views expressed both in the West and the East on a variety of issues related to the Muslim world. Each issue of this journal is rich in information, criticism and suggestions which go a long way to promoting a better understanding of the Muslim world and cementing healthy relations between the East and the West. The MWBR is a

most effective forum for the Muslim response to Western scholarship.

Apart from the classified guide to resources on Islam, the MWBR also includes occasional bibliographies on themes of vital interest for researchers and students of Islamic studies.

INDEX OF ISLAMIC LITERATURE, a supplement to the **MUSLIM WORLD BOOK REVIEW**, has been launched to bring the same norms of academic rigour, analytical clarity and Islamic commitment that have made the MWBR the mouthpiece of contemporary Muslim intellectualism, to the field of bibliography. It not only reports on the literature produced but guides as well. Recognizing that bibliographies function as ideological statements, the Index acts in the service of Muslim scholarship.



Together, the Review and the Index are indispensable for libraries, scholars and general readers. Nothing published elsewhere matches their ideational coverage, intellectual depth and critical acumen.

Subscribe now and get the two for the price of one

Subscription rates:

	UK (postage paid)	OVERSEAS (by airmail)
Individuals	£15.00 (£11 subs + £4 postage)	£21.00 (\$38.85) (£11 subs + £10 postage)
Institutions	£21.00 (£17 subs + £4 postage)	£27.00 (\$49.95) (£17 subs + £10 postage)
Single copies	£4.50	£6.50 (\$12.25)

THE ISLAMIC FOUNDATION

223 London Road, Leicester LE2 1ZE, U.K.

Tel: (0533) 700725

Characteristics of the Divan:

a) The Size: The total number of the folios is 293 (586 pages), each 15 x 26 cm. in size. The scribed area is 12 x 18 cm. with varying number of lines between 15 to 17. The Divan is not illuminated and does not have any miniatures. The rubrics are blank. The *ghazels* are put in an alphabetic order.

b) Order of the Divan: The first rubric has the line " *في التوحيد الساري تعالى شأنه* " which Prof. Suleyman gives as " *في التوحيد الساري تعالى شأنه* ". The first folio has been partially destroyed because of bad repairing (between lines No. 4 - 8).

The first verse is :

آفتاب ذاتی میرا ایرد ز بی زوال
The last one is :

اغزی که اینک پشتر حیوان کور نر
..... شمر

Unfortunately, the colophon in the end has fallen away along with some folios. No definite date, therefore, can be given. Main *khat* is *naskh* of the 15th. century and the elegy on Sultan Ibrahim (f.52) is in clear *nasta'liq* written by some other hand.

c) The Content: There are 9 panegyrics (f. 2-51); 3 *terji'* bands (f. 32-50); one *tarkib* band (f. 22-25); an elegy on Ali and one *mustezad* (f. 58-59) with different *khats*. Between f. 60 - 574 are the most beautiful 1050 *ghazels* which form the major part of the Divan. Five of the *ghazels* are in Persian & the rest all are in Chagahtay Turkish. The theme of the pomes are, in general, about the eyes, eyebrows, locks, lips of a beauty; lover's cruelty, indifference, pains given by love; wine, goblets, drunkardness, yearning etc. This is the first Chagahtay Divan of the pre-Nevai classical literature.

Towards the end, there are some *qita's* (sections) and *rubai's* (quatrain) a great number of which has been perished. As is usual with the *ghazels*, some exoteric meanings may lead us to mystical ideas and *tasavvuf*. All the poems are original. They are not the translation or even adaptaton of the Great Hafiz's poetry. However, some similarities of the two poets may be noticed which can be taken in a separate article.

included in the book of Prof. Suleyman, perhaps due to some political reasons. His elegy (see f.52) on the death of Sultan Ibrahim, son of Shahrukh (ruler of Shiraz between 1414 - 1435) shows that he was a poet-laureate of the Sultan. We can assume positively that after staying at his homeland "Khwarezm" he migrated to Shiraz. He had the idea of going to Shiraz or Iraq due to the lack of appreciation of his countrymen towards him and his poetry. He clearly refers to this in his following lines:

"O, Hafiz set out of Khwarezm and hope to go either Iraq or Shiraz" (Divan f. 278)

"Hafiz, if the people of Khwarezm do not appreciate your value then you may decide to go to Iraq and from there to Shiraz" (Divan f. 395)

He, therefore, stayed at Shiraz until the death of his patron Sultan Ibrahim (d.1435). If the following verses of his *qita'* belong to his later age, then it can be said that he came back to Turkistan:

"O, Hafiz when you turn into dust in the land of Turkistan, (May God) spread your words all over"(f.575)

Why was he ignored and disapproved:

The great Chaghtay poet Ali Shir Nevai does not mention his name in his "Mejalis un-Nefayis" (a biographical work) although his autograph is seen on folio 130 of the Divan. Babur Shah, who probably, owned the Divan and took it to India with his other Chaghtay books, does not either give any example of Abdurrahim's poems in his book on prosody "Mukhtasar". So, what can be the reason of hiding such a great work? The only logical reason is that "Hafiz-i-Khwarezmi" was *Shi'a*. We understand this from his panegyric that he wrote in praise of Ali (see f. 9) and particularly from the word "قَتْلِي" = "an executer" (see Divan f. 10).

He also shows great devotion to *Shi'a* sheykh and poet Mattullah Vali (1329 ? - 1431) (see f. 16). Babur Shah, a staunch *Sunni*, would not let his Divan come out of his library. However it might have been studied by his descendants as we see a *mashq* (drill) of the letter ق (Q) on the first folio of the Divan. Many other Turkish works have similar grammatical drills or dictionaries attached to the main part.

Culture, Language and History, Ankara, to provide the films. After a tiresome correspondence between the Turko-Indian authorities, we received the films towards the end of 1988. It is now that I am able to render a brief introduction of the poet and the manuscripts.

Identity of the poet:

We have little information about his family and life. However, we find some hints about his name in his poems. On folio No. 157 he describes his name as "Abdur Rahim". In his five Persian *ghazels* (lyrics) he uses the short form of his name "Rahim" while in his Turkish poems he uses the pseudonym "Hafiz". He mentions his homeland as "Khwarezm" in his various poems (see for example ff. 278 and 395). As a result his full name will be "Abdur Rahim Hafiz-i-Khwarezmi" and not "Hafiz-i-Turk" as enrolled by the librarian.

Why did he adopt the pseudonym "Hafiz" ?

A great competition between the Turkish and the Persian poets had already started at the time of early Timurid princes. We have these feelings when we read Nevai's book "Muhakamat ul-Lughatayn" (Comparison of the two languages) written after the death of our poet. Under this impulse of rivalry our poet might have adopted the pseudonym "Hafiz" in order to claim that he was as strong as Hafiz-i-Shirazi of Iran. The tone of the following verses gives this feeling:

(i) "At the moment, see this Hafiz in Turkish, although the Hafiz of Shiraz has also passed in Iran" (Divan f. 279) and:

(ii) "If it were proper to be a prophet in the Turkish race, I would have become a prophet and my poems would have been my miracles" (Divan f. 19)

There is no proof that our Hafiz met the Persian Hafiz. So, it cannot be claimed that he adored Hafiz-i-Shirazi and adopted the pseudonym as stated by Prof. Dr. Hamid Suleyman.

The period when he lived:

His first nine panegyrics are very important from the historical point of view. They have not been

Dr. Erkan Turkmen
Associate Professor of
Eastern Languages & Literature
Konya(Turkey)

Divan-i-Hafiz-i-Khawarezmi

Preserved in Salarjung Museum, Hyderabad

In 1984 I had been granted a scholarship for the period of six months to India under the Turko-Indian Cultural Exchange programme. My major interest was to study the influence of Turkish on the Urdu language and literature, because the Central Asian Turks from Mahmud of Ghazna (ruler of India between 1001 - 1027 A.D.) down to the last Timurid king Bahadur Shah Zafar have been patrons of the language. Karakoyunlu (Black Sheep) dynasty of Qutb Shahs in the southern part of India and Babur Shah's descendants took an outstanding role in the developing of Urdu that had begun to become the third lingua franca (besides Persian and Turkish) among the mixing class of Turks and Indians. Babur Shah tried hard to introduce Turkish in India but his son Humayun, who lived in exile for some years in Iran, became re-influenced by the charm and harmony of the Persian poetry that had already progressed under the patronage of the Turkish poets of Central Asia and India (such as Nizami Ganjevi, Amir Khusrau of Delhi, Maulana Jalal al-Din Rumi and Mirza Bedil).

During my stay in India, I tried to visit the most important libraries to find out what Turkish elements have entered Urdu and its literature. I found several manuscripts of Turkish dictionaries, grammars, drill books and divans etc. At Salar Jung Museum I found works of Babur Shah (his Divans and the Memoirs) and some precious books of Ali Shir Nevai and Fuzuli. Among these manuscripts, I found a huge Divan entitled "Divan-i-Hafiz-i-Turk". The work had already drawn the attention of a Russian Scholar Prof. Hamid Suleyman, who published the Divan in two volumes from Uzbekistan Academy of Sciences in Cyrillic letters with insufficient introduction.

I requested for the microfilm of the Divan, but he librarian gave me a film of only five folios on the rounds that the personal applications would not be acceptable. Upon my return to Turkey, I asked Mr. Suat Han, the president of Ataturk Supreme Council for

arithmetic and illustrates an incident in which the saint outsmarted the professional accountants in calculations in that system.

Apart from a number of Hindi words occurring in the saint's narratives like *Lakhugia*, *Katori*, *Chhajja*, *Khabadya*, *Karahra*, *Battala*, *Gunakar* and *Bhagakar*, etc. and purely Indian names and sobriquets or surnames like *Bada*, *Bubu*, *Kaddu*, *Khattuwal*, *Kath*, *Nawatt* etc., the *Mirqat* quotes a number of Persian verses composed by the saint as well as others like Sayyid Mahmud Rukh referred to earlier. The saint also refers to the mystical Persian verses which its composer Maulana Shihabud-Din Ahmad Surkhani had sent to him and which unlike his Tract on Spiritual Path which also was sent with the verses, were proclaimed by the saint to be of a high quality.

The Hindawi *Dohras* mostly composed by the saint as also by others were frequently recited in the assemblies and these have been reproduced in the *Mirqat*. Unfortunately, due to the scribe's unfamiliarity with that language, the correct readings of these cannot be determined unless some good correctly written copy of the *Mirqat* is found. These are quoted below :

ہر بجاہ بدہ چون تورہ تہورہ آہ _____ اگیں ہاتھ نیا نیاں بسامرا گواہ
 توں جانہ کرتا راجی منجہ ساجن میپرہ _____ سائیں سرسی سار کردن تہماری بیا
 توں جانہ کرتا راجی منجہ ساجن میپرہ _____ سائیں کیہے سار پانچرمانہ جون بے
 رد کہا کا جل جی کردن تو سو کن دکھ دیہ _____ نہ پو دیکھن دید منجہ نہ آپ دیکھ سکئیہ
 بھولی بوجھوں پندتا دودن کیتی ماس _____ دیا بچہری ایک تن جانوں برس پچاس
 مٹی بندی گنہری جو دھن او بھیل ہوی _____ مورہ در کھی نین دودن کر رکھی کوی
 سو پنتہر ادکھال منجہ جس ہو پوتوں _____ دندا کھیرا نکر بکھیا بانگ جلوں
 اری منیں مناؤ مان سر منیں کھیا ہوی _____ ایتیان بھیراں میا سرکہہ نجادہ کوی

دیکھی جی کن دیکھ دیس کی برس انت نہ باس

اب تہادی ساہری لوکنہ کو بدہ دیو

only designated by the term Hindi or Hindawi in the saint's discourses, which was also widely known and spoken by the learned. The saint from his discourses appears to have been at ease in Persian and Hindi and also in Arabic as is clear from the *verbatim* quotations of his conversation in that language with local people at Aden, Jedda, Mecca and Madina. Conversation with or between common man was in the local dialect. The saint's narrative of the meeting at which the *Muqta'* of Nagaur was distributing grain to people at the time of drought, quotes a short phrase in the local dialect used by a local man, which appears to be Rajasthani or Marwadi. Unfortunately, the reading in the manuscripts is too corrupt to admit of satisfactory decipherment; it reads like *Laharjah Jhakanji*¹ the meaning of which given is: 'he is talking non-sense'. A similar phrase, widely current in Khatu, evidently a Rajasthani proverb, which also cannot be satisfactorily made out reads something like *Kahtu Jhura wa Jahu*². One more phrase in local dialect which is reported from a village near Nagaur is, *Laddu kadhu*³ that is "from where are there *Laddus*" and *adhu*⁴ that is "from there". This is the specimen of a middle 14th century Rajasthani dialect. A similar specimen is provided by a saying current in Khatu region which according to the saint's own version was quoted by some people when he decided to leave Khatu after Babu Ishaq's death. It is *Kadmul, kadwain hui*⁵ meaning "when he died and when he became a grave-splitter" recalling to mind a similar Urdu saying quoted by the Gujarat Sultan almost a century after when Bahadur Khan later Sultan Bahadur Shah left Gujarat after the death of his Pir, namely *Pir mua Murid jogi hua*⁶.

The saint conversed with the *Jogis* in the local dialect. With a Hindu resident of Delhi who was taken captive to Semargand and converted to Islam, the saint says he conversed in Hindi dissuading him from testifying that in Delhi wine was openly sold and acts prohibited by religion were committed in public to provide justification of Timur's invasion of Delhi. The compiler of the *Mirqat* testifies to the saint's expert knowledge of Hindi

بیر مومرید جوگی ہوا 5 ادھو 4 لڑکھڑ 3 کتو جوہر ادھو 2 لہار جھکنی 1

کڑمہ لڑکھڑ وڑمہ 6

newly founded kingdom of the Khanzadas. It was the marketing-centre for the region around, where all types of commodities and fancy goods catering to all tastes were available. Shaikh Ahmad says that Babu Ishaq used to specially order fine shoes, cloth good arrows, etc., from Nagaur for him,

I now propose to conclude the lecture to the relief of all present here including myself by examining if the saint's *Memoirs* furnish any worthwhile information about an important aspect of religious and cultural life of the medieval society, that is to say about language, literature and general state of learning of the period in Gujarat and Rajasthan. The saint in his talks mentions a large number of such learned men and savants and teachers most of whom he knew or had met as are not known from other sources, like Maulana Majdud-Din *Muhaddith* of Delhi, Maulana Shamsud-Din of Hisar Firuza, Maulana Sayyid Mahmud Rukn of Delhi, the teacher of the compiler of the *Mirqat*, Maulana Nizamud-Din Surkha, Maulana Kamalud-Din Samana, Maulana, Qadi Sufyan of Multan, Malik Badh bin Malik Sher of Nagaur, Maulana Ahmad Achh or Uchh (probably Achchhe) spoken of as *Ustad-i-Gujarat*, Maulana Abul-Faraj Radiu'd-Din of Didwana, Maulana Khatirud-Din of Nagaur, a maternal uncle of the compiler, Maulana Kaddu Dihlawi, Maulana Daud Mantiqi, Maulana Ibrahim *Mudarris* of Nahrwala-Patan, Maulana Qasim of Sambhar, who had the entire *Bazdavi* by heart, Maulana Hafiz Hussin Shihab of Nahrwala-Patan, Qadi Mansur of Sarkhej, Maulana Mansur Kazeruni, Maulana Kamalud-Din *Muhaqqiq* the learned Imam of Khan Jahan's mosque, Maulana Shaikh, the *Sajjada* of the saint Khidr of Hauzi Khas, Maulana Ahmad, the attendant (*Khadim*) of Shaikh Nasirud-Din Mahmud, and the like. Among others, Maulana Diyaud-Din Sunnami of Delhi and Maulana Sadrud-Din Bimbani and his son Maulana Siraj Bimbani are mentioned.

As to the languages in vogue, Arabic and Persian were generally understood and also spoken by the comparatively well educated people. Persian was more widely understood. The masses including the trading class, particularly Hindu grocers, seem to have conversed in the local dialects of respective regions

of money and would invest them in trade on their behalf. During his stay with Babu Ishaq at Khatu, the Sarkhej saint had deposited one hundred tankas with a grocer of acquaintance. One of those days, the *moong* prices fell whereupon the grocer sought Shaikh Ahmad's consent to purchase the commodity with the deposited money. Shaikh Ahmad was initially hesitant as the money actually belonged to Babu Ishaq, who might ask for it any time. The grocer assuring him that in such a contingency, he would return the money and consider the commodity to be his. The deal was made when somebody carried the tale to the Babu that Shaikh Ahmad had invested money in trade. The Babu asked for the money to verify the matter and Shaikh Ahmad got the money from the grocer as arranged and gave it to the Babu who being satisfied returned it and Shaikh Ahmad also returned it to the grocer. The price of *Moong* rose by one hundred percent and the profit thus made was distributed by Shaikh Ahmad among the needy people. A reference to the presence of the Indian Muslim traders in Aden is also made by Shaikh Ahmad who names a couple of them originally belonging to Nagaur. The saint's discourses also refer to what seems to have been a general practice, also observed today, that people undertaking a journey to any place would carry with them some goods which might have a good market at the place of their arrival for sale, the proceeds of which would come handy as travel expenses or given to the needy in charity. This was also done by people going on *Hajj*. Shaikh Ahmad also carried some such commodity with him in lieu of cash when he went for *Hajj*.

The professional people whose casual mention is met with in the saint's memoirs are oil-presser, butcher, mason (*gilkar*), betel-nut-seller, etc. Transcript of manuscripts was also practised as a profession. One Qadi Raja of Dholka is mentioned by the saint as being a scribe (*katib*) by profession. By the way, Makhdum Jahaniyan Sayyid Husain is also reported to transcribe books for certain length of time every day. Spinning by women-folk as well as by men was also practised.

From the saint's memoirs, it would appear that Nagaur was quite an important town even before it became the capital of the

main non-agricultural product of the province, which was the major source of supply to the rest of the country. The saint mentions caravans of merchants from Gangetic plains coming to Didwana for this merchandise. The region between Sambhar and Didwana was a vast salt-producing area.

Water in this arid desert land was scarce. The saint describes how once when he had come to a village in the course of his travels, he had sent his attendant to the house of a village headman for some water and the headman's wife told him to get her a bundle of fuel-sticks before she gave him water. During days of drought, grain was distributed to people on loan or by way of aid by the state machinery as well as individuals. The saint refers to a grocer of Khatu who had distributed grain on credit to people, on such an occasion.

In the field of trade and commerce, the information gathered from the discourses of the saint, though not much and direct, is nevertheless useful. The salt-trade and caravans of salt-merchants have been just mentioned. No other information is available except through the mention of petty traders like village grocer, usually a non-Muslim. Popa the local grocer at Khatu used to carry on trade in groceries. He supplied commodities of daily use to the saint on credit as has been mentioned. This credit transaction seems to have involved some sort of security also. Shaikh Ahmad in one of his discourses has mentioned that Babu Ishaq had a silver-plate which was pledged with the grocer against the supply of articles or loan of cash. Whenever the saint received money, he would redeem the plate. Shaikh Ahmad says that the plate was named *girvi* (mortgage). At times, the grocer would advance articles to respectable persons like Shaikh Ahmad, the cost to be recovered direct from the state revenue department's grants to saintly establishments. For example, we are told that when Shaikh Ahmad declined to accept the renewed offer of credit by Popa Baqqal who enlisted the support of one of the well-wishers of the saint Sayyid Akram, saying from where he would make payment, the grocer said that he would have it adjusted in the revenue department. The local grocer would also keep deposits

In the matter of dress, the most common item of wear, as gathered from the saint's narratives, appears to have been overalls or cloaks—*labala* and *barani*— of different materials or cloaks of woolen exterior and broad cloth interior. Some other items were turbans and mini-turbans, caps and handkerchiefs. The turban used to be usually of 20 *gaz* in length. *Khirqā* and *Tagla* caps were normal Sufi apparels. The Shaikh describes himself as having been dressed in a *fota*, *pishwaz* and a cap in Samarqand. The waistband (*kamarband*) had daggers or like weapons tucked in them. The archer's outfit with the quiver was donned by non-military personnel also. As already mentioned, the saint wore it in his advanced age at Sarkhej.

The varieties of textile in vogue as it is known from the *Mirqat* are *Bheram*, or *Bherun*, *Salu*, *Sharbati*, *Bafti*, *Kanbhal* (?), *Saqarlat*, *Firangi*, etc.

From the casual but occasional mention in the discourses of the saint, it would appear that in this part of the country, diseases like gripes or belly-ache, scrofula (glandular swelling in the neck—mumps), Guinea-worm, Thread, eye-disease called locally *Gul-dar-chashm* (*phool*) were prevalent. Serpent-bite also was not uncommon. While expert physicians were there, the public at large resorted to homely medicine or quack-treatment. The saint refers to his having dissuaded one of his disciples from giving quack-treatment to his brother who was affected with mumps. The remedy consisted of applying the powder of a human-skull bone to the affected part, which the saint disapproved saying that it was not proper to mutilate a dead man's limbs.

In view of its drought and famine conditions, the agricultural yield of Rajasthan desert lands was limited both in quantity and variety. However, the saint's discourses give us some idea of the grown corn and like items. Lobiya, a kind of bean, is stated by the saint to be the main crop of Khatu and the staple-food item of its people in the saint's time. During the crop-season, its offering was made to saints and cooked Lobiya, with or without *ghee*, was served to visitors including governors. *Moong* pulse also appears to have been grown. Salt was the

item. The *Khichdi* of *Bajra* (millet corn) was also taken. Liberal helping of *ghee* (as was the case not until long ago and is even now) is frequently mentioned. Bread of wheat and mutton-curry was another common dish at least in well-to-do circles. Fish and chicken were also served to guests as also to unscheduled visitors. *Biryani* is another item mentioned in the saint's memoirs. The breakfast course seems to have consisted of butter, buffalo-milk and curds. *Malida* (a dish made out of flour, milk, purified butter i.e. *ghee* and sugar or bread-crusts, *ghee* and sugar) also appears to have been a favourite item of quick-food. The saint also mentions oil-cake—sesame sediment from which oil has been extracted—as having been his only meal on certain occasions for days together. The rice-broth (*Kanji*) and *Khir* (*shir-biranj*) were also taken. Among the vegetables, the only mention is of bitter gourd (*Karela*) and mustard-leaves (*sarson ka-sag*). The saint also mentions some sect or community of *darwishes* who did not take meat. The sweet-dish items usually consisted of sweet-meat balls (*laddu*), sugar-candy and dates. Sesame oil was the medium of cooking and was also used as lamp-oil.

The fruits that find mention in the *Shaikh's* discourses are *Kharbuzas* (of Rajasthan) and pomegranates and mangoes (of Gujarat) and berry (*ber*). One more fruit is mentioned, the name of which cannot be determined, it reads something like *chhartali* or *jahrtali*. The *Kharbuzas* of Rahol, a village near Nagaur which was held in subsistence grant by Burhanud-Din *Qadi* and *Khatib* of Nagaur, were famous in the entire region for their sweetness, as are those of Tonk in our days. The said *Khatib* used to entertain his guests including Shaikh Ahmad at *Kharbuza*-parties in the village. The only item of intoxicating drink we came across in the *Mirqat* is *Bhang*, which was a favourite drink of the *Qalandars*.

In flowers, the white *champa* of Nagaur is stated by the saint to be famous in the entire region for its sweet scent and beauty and basket-full of them used to be offered to prominent personalities as Shaikh Ahmad had once done when he had called on the *Muqta'* of Nagaur.

Pir and extinguish it by rolling it under their feet till it turned into ashes without any harm coming to their feet. Needless to say, the saint and his companions successfully met the challenge.

Mention may also be made here to the fact, more or less established by the saint's memoirs, that a large number of people from Rajasthan came and settled down in Gujarat as much in the wake of the saint's decision to settle down at Sarkhej as to other socio-political-religious factors. The author of the *Mirqat*, who was one of them, mentions quite a few of his own relatives and fellow townsmen or contemporaries from Rajasthan who had settled in different parts of Gujarat. Having considerable socio-cultural life in common and having no rigid political boundaries between medieval Gujarat and Rajasthan, this migration of people was natural. But with the establishment of the Muslim rule in the Nagaur region by the brother of Muzaffar I of Gujarat, the regions came closer together and people from Marwad—Nagaur region—came to settle down here. The process was accentuated with the uncertain political conditions caused by the Mewar chief, Rao Chonda's siege of Nagaur referred to by the saint in his discourses, as a result of which many people came away to Gujarat. The economic and agricultural prosperity of Gujarat and its inland and foreign trade also must have encouraged migration of the Rajasthani enterprising community in its quest of economic betterment which waterless sandy area of Marwad denied them. In any case, the saint's narrative mentions a number of persons from Rajasthan who had settled down in Ahmadabad and elsewhere like Sayyid Qasim Nagauri, Sayyid, Rahmatullah Nagauri, Maulana Khatirud-Din, Qadi Muinud-Din and the like. This would explain the sizeable community of Nagauri Hindus and Muslims in various parts of Gujarat and even Nagauri Mohallas in cities like Ahmadabad and elsewhere. There is also a Nagauri-Sarai locality in Ahmadabad, where evidently a caravan sarai of that name originally existed.

From the *Mirqat*, some idea can be gathered about the food and dress habits of the people of these two regions. *Khichdi* and *ghee* appear to have been the most common and favourite

anything for a few days out of shyness—the husband thought she had eaten along with his mother and the latter was under the impression that she ate with her husband. One day while giving water to the plants or birds, out of sheer hunger, she put some grain lying there in her mouth. The moment she did, she was gifted with the power of clairvoyance whereby she saw at a far off distance a group of marauders coming to loot the village and receiving timely warning from her, the people of the village snifted their valuables. The Maulana wrote to the saint that if even a Hindu lady who had no sense of compulsory bath or ablution could develop such power only with a few days starving out of shyness, then “how is it possible for him to say that a religious-minded righteous Muslim Unitarian Faithful *momin-i-muwahhid* who has given up worldly pleasures, who fulfills religious obligations and who undertakes perpetual religious fasts cannot attain union with God” ?

As mentioned a little while ago, there are frequent references in the saint's reminiscences to his meetings with *Jogis* and Brahmins. One of Sultan Muhammad bin Tughluq's high official Malik Muzaffar, whose caste was *Kulal* is reported by the saint to have been a great admirer of *Jogis*. The *Jogis* Shaikh Ahmad met would always confront him with their power of possessing the knowledge of alchemy – turning any metal into gold—and their offer to teach it to him, but the saint always encountered it either by saying that for a *darwish* contentment and lack of worldly desire itself was gold or by demonstrating, as a last resort, similar powers.

The so-called miracle of walking-on-fire was also claimed and practised. The saint relates that once he came to the village of a Hindu *Rai* who received him with respect. Some *darwishes* who had come earlier and were also hospitably received by the *Rai* challenged the Shaikh to say if he knew what the *halwa* of smoke (*halwa-i-dud*) was and would eat it. This phrase was a code word for walk-on-fire. The saint said, it was like this a big raging fire would be lighted and whom ready with bright red embers, the *darwishes* would tread on them reciting the great Names of God (*asma-i-a'zam*) which they had learnt from their

intercession and good offices, a favour the grocer always remembered and tried and even insisted to repay, at least to the extent of being allowed to give grocery items to Shaikh Ahmad's household, after the Babu's death, on credit. He was all excuses and full of entreaties when he found that his minor son had in his absence from the town one day refused this credit facility to the saint's men. He came running to the saint with two *seers* of apricots and one lamp as a present with profuse excuses which the saint refused, ultimately being persuaded to accept credit as usual.

The Hindus held Muslim saints in high esteem and respect. Shaikh Ahmad relates that when after the Babu's death, he left Khatu for *Haji*, he was on the way lodged with great affection and hospitality by Hindus, high or low. He also mentions a Hindu lady having given him lodging in the absence of the menfolk of the house. When he once reached a village, its headmen called Rai Mandlik on hearing of his arrival came and invited him to his house where he stayed enjoying lavish treatment and hospitality for three days. At the next halt, he put up with a poor Hindu lady whose house was situated on the bank of the river. Her neighbours started reproaching her for lodging a Muslim in her house and expressed fear of reprisal from the village headmen on that account. The Hindus, particularly the trading community, had their day-to-day dealings with their Muslim fellow-townsmen in normal course. The Shaikh relates that when a certain official who had set apart a calf for Babu Ishaq requested the latter to collect it when it grew into a fat cow, a Hindu *banya* was sent by the saint to collect it. But far more interesting is the story which illustrates how Hindus received due recognition for their piety or righteous conduct even from orthodox Muslim circles. The episode was related in a letter sent by Maulana Abul-Faraj Radiud-Din of Didwana to Shaikh Ahmad, refuting a statement ascribed to him, alleging with reference to Shaikh Ahmad, that no saint could aspire union with God by simply performing ascetic exercises at home and without undertaking tours. The Maulana mentioned the example of a Hindu bride of Ladnun, who in her first visit to the husband's home did not eat

vice versa finds repeated mention in the Shaikh's discourses. The list of items of presentation makes an interesting study. These were in cash or kind and usually both. The cash would comprise coin in gold or silver or copper of different denominations while the kind would comprise such diverse things as *Laddu*, sugar-candy *shir-biranj* (i.e. *Khir*), dates, apricots, flour, *ghee*, mutton and *ghee* cows, cloth of different varieties, costly dress, pair of fine knife, fine mat, fine candle-stand, lamp, beggar's bowl (*kachkol*), golden hilted dagger, jewel-studded ring, etc. The coconut also was an item of gift.

It may be of interest to know that the female-slaves were given fancy-names in those days. One such young female servant assigned to the service of the saint was named *Shak i-Zar* literally meaning a branch of gold. In two early-sixteenth century inscriptions from Chanderi in Madhya Pradesh recording the construction of a step-well, the builders, two, *umm-walads* of a saint Qutbul-Aqtab Burhan son of 'Alaul-Haq are named Sabah-Khair and Gul-Bihisht.

The *mafluz* under reference, like other similar as well as biographical works of Indian Muslim Sufi saints, furnishes refreshing evidence of their precept-and-practice of the tenets of universal brotherhood and love. Shaikh Ahmad in his narratives relates quite a few incidents of Hindu *jogis* and Hindu families with whom he had come into direct contact in different circumstances. He never speaks of them with a dislike, leave alone contempt. He would be drawn into religious discussions with *jogis* or Brahmins and bring them round to his view and even to conversion to Islam. The picture presented by these references is of a society in which the Hindus and Muslims lived in perfect peace and in an atmosphere of brotherliness. Shaikh Ahmad's wrestling bout with a Hindu cobbler's boy shows lack of any feeling of untouchability. The saints Babu Ishaq and Shaikh Ahmad did not differentiate between a Hindu and a Muslim in his time of need. For example, Popa Baqqal, i.e. the Hindu grocer named Popa owed his release from the custody of the officials for non-payment of government dues through Babu Ishaq's

—till that day the village-folk of Khatu had not seen an elephant—which were part of the retinue of the governor going to Delhi from Gujarat.

The saint's memoirs also present vivid pictures—witnessed even today—of village young men of tender age taking bath on a well of the village or how men-folk after taking a bath in the pond or a step-well would sit on a stone or stone-bench in the open to dry their hair at times to the resentment of women going there to fetch water.

Another custom of the feudal days known from the saint's narrative, which has survived more or less in the same form till our days, is that of gathering the students and taking them to accord a welcome to a governor or a ruler whenever he visited or passed through the village. Such students would be paid some money by way of travel expense.

The saint also refers to the custom in vogue in saintly establishments of reciting *takbir* or *fatiha* for the merit of saints and prophets after meals and also to the usual practice of reciting a *fatiha* at the actual commencement of journey. It was also customary, we are told, among the saints that they would have their graves made ready and fill them with wheat or corn, and the quantity of grain thus determined would be given in charity every year. Babu Ishaq, Shaikh Ahmad avers, got his grave made ready, but spurned the suggestion made by the Khatu Qadi to follow this practice.

The *Mirqat* also refers on the authority of the saint to a practice followed in some parts of the Islamic countries—perhaps North Africa—under which whenever an affluent person visited a grave, laid some offerings there. This may be compared with the modern practice of offerings in cash and kind at the graves of saints by all sections of people, rich or poor. The practice of holding music parties or *sama'* at the *Walima* dinners also finds mention more than once in the saint's memoirs.

The customary practice of the visitor taking something by way of present to the person to whom a visit is paid or the offerings of kings, ministers and high dignitaries to saints and

outwitted, Maulana said, "The Makhdum (i.e. the saint) was giving me a prayer-carpet and the *mushaf*, but you are depriving me of that even I' The saint says he gave him the *mushaf*.

Another facet of the village life portrayed in the reminiscences of the saint is the village beliefs, superstitions and innocent pastimes and games like strength-testing, making bets, etc. We are told by the saint that there was in Khatu a heavy round stone with a big hole in the centre, like a flour-mill grinding-stone, which the wrestlers and champions of physical strength used to lift for demonstrating their physical prowess. Shaikh Ahmad who was, as already mentioned earlier, a skilled amateur wrestler and strong man, once being challenged by companions put his head into the hole, lifted the stone and walked with it round his neck taking a few rounds. Likewise, he recalls, how on another occasion, at the dead of one pitch dark night—it must be *Kali Chaudas* or *amavasya* preceding the Diwali when even to-day in rural areas such bets are made—a local grocer's son dared Shaikh Ahmad to go and tie the turban on a certain tree in the forest. Shaikh Ahmad says he went and tied the turban and returned safely.

The village-folk particularly the non-Muslims and perhaps quite a few of the urban population entertained belief in omens and like rituals. The *Mirqat* describes the story related by the saint of the wife of a Muslim village headman who had entertained him when he was passing through her village in the absence of her husband. When he was leaving, she requested him to take a few steps in her field as the good omen of the saint's stepping in the field bring plentiful harvest. This lady, the saint also related, told him that she was the disciple (*murid*) of a *Pir* with a *Shajara* (pedigree-tree) and *Sajjada*. Wanting the saint to meet him, she called him. The *Pir* came with an *ijaza-nama* of Makhdum Jahaniyan Sayyid Jalal Bukhari and, though himself illiterate, tried to overawe the saint but fearing exposure before his disciple soon left on some pretext.

The saint also relates how in his younger days he had like many of his agemates and other people went to see elephants

which was to be hit with an arrow. The official kinsmen, the Khatu public, the Shiranis and the like tried but none from amongst their groups could hit the mark till noon. By that time, Shaikh Ahmad, then a young skilled archer, reached the spot; the Khatu public claimed him to be one of them and the official group, theirs. The saint says he hit the mark in the first attempt. It may be pointed out that this perhaps one of the earliest references, if not the earliest one, to Shiranis a branch of Pathans and also, this reference to Shiranis of Khatu points to the antiquity of the settlement of the Sheranis at the place called *Shirani-yan-ki Dhanl*, nearby, to which Professor Hafiz Mahmud Khan Shirani, the great Persian and Urdu scholar, critic and writer and his equally or rather more famed son, but in a different field, namely Urdu poetry, Akhtar Shirani, belonged.

Another interesting and amusing episode related in the *Mirqat*, which is typical of a facet of Indian village life is that of Maulana Faridud-Din whom the saint had appointed as a teacher in a local *madarsa*, probably at Delhi, at one tanka a day. Once he came to see the saint with a high official and entered into discussion on an academic matter. The Maulana who, not able to make his point go home, was getting excited, was restrained by the official making a sign to him to keep quiet. The maulana then demanded his salary dues of 360 tankas which he had not received that year. Shaikh Ahmad had only with him a prayer-carpet and a *mushaf* which he offered to the maulana, promising to make the payment later, to which the latter would not agree. At this, a clerk-accountant (*muharrir*) who had also come to pay his respects obtained the saint's permission to settle the matter. He told the Maulana, "You are paid one tanka per day for taking classes. You sit in *chillas* for 80 days in a year, which should be deducted; then you observe Fridays and Tuesdays as holidays in a week, which makes again 100 tankas less in a year. This leaves only 180 tankas as your legitimate dues. Now in the preceding year you had received 360 tankas, which means that you were overpaid last year by 180 tankas. That means you have already been paid your dues for two years. How can you a deeply religious man, make a demand which is not just?" Being

came to know that Shaikh Ahmad had proceeded towards the tank, they all hurried to the site to lend a helping hand. Shaikh Ahmad had asked the butcher to slaughter animals for meat, out of which were roasted *sikh* and *Kabab* and the grocer was asked to supply twenty maunds of flour, of which bread was baked. And people were asked to bring pick-axe, shovel, etc. from their homes. People were eating bread and meat and were digging out the sand. As a result, on the first day, two *chhajja* deep sand was removed and the entire tank was cleared within a few days with the help of some hired labour. The head of the labour-team, the memoirs say, over-charged the Saint to the tune of one hundred and forty tankas by manipulating measure, which was pointed out by some one and money taken back and given to the poor.

After this was done, Shaikh Ahmad, presumably with the balance left, excavated another tank. A local grocer, out of rivalry started excavating one more tank. Both got ready. When rains came, and tanks started getting filled the grocer announced a gift of cloth, sweets and coconut for every one who visited his tank. Shaikh Ahmad, then young, shut himself up out of disdain that people would go in large numbers to the grocer's tank while none would care to go to see his tank. Babu Ishaq, having come to know of it, consoled his charge and asked him not to worry. Then it so happened that during the night it rained very heavily filling the tanks to their brim, but the grocer's tank burst and water flew out. People went to see Shaikh Ahmad's tank which was full.

In the *Mirqat*, reference is also made to petty village feuds between the owners of the two adjacent fields over the boundaries of their respective holdings, as for example, the quarrel between Maulana Ibrahim Kaithali's nurse's son and the employees of the *Muqta'* which has been already mentioned earlier.

Apart from this, from the saintly reminiscences, it appears that friendly contests or game-competitions were held on group or class basis, as is being done now on caste, community or regional basis. The saint recalling his younger days physical exploits, says that once the *Muqta'* of Khatu had fixed up a target

mentioned the saint's account of how Shaikh Tajud-Din, whom he had given a fat cow, presented to him by an official, sold it to a butcher when it was given to him for the specific purpose of utilising its milk. The cows, given in *dakshinas* to Brahmins, it is widely known, find way to slaughter-houses in our days too. The saint also reports how an Indian borrowed his brand new shoes in the *haram* premises at Mecca promising him to return it shortly, which he never did. The ship-owners used to charge exorbitantly on out-of-season sailings. For example, when Shaikh Ahmad reached Cambay on his way to Jeddah, the Hajj season had ended and the ships had already left. There was only one ship available, the owner of which, approached by the emissaries of the local official, quoted far more fare. On being told that he should charge less from the "Shaikh" who is a saintly person, the ship-owner characteristically replied, "*agar ishan Shaikh and man murid-i-malam*" (If he is a Shaikh, I am the disciple of money). There is here a pun on the word *malam* which also means the captain of a ship.

There existed local rivalries in different spheres. The saint relates one such incident that took place in the life-time of Babu Ishaq. Once he had gone to Delhi from Khatu and on being presented to the king was granted 2,000 tankas by the latter, which he accepted with great difficulty and that too with the express purpose of getting the Khatu tank desilted of sand. On return to Khatu, when the work of desilting was to be started, the local Qadi went to the tank with his sons and after a trial digging of two-finger depth here and there told his sons that the filling was not much and it could be removed with little effort and in no time and, therefore, they would earn name and fame by accomplishing the task before Shaikh Ahmad got it done. Shaikh Ahmad withdrew on coming to know of it. But, on being told by a well-meaning leading man of the town, Sayyid Akram, that the clearance work was not as easy as he thought and could not be done by a few people, the Qadi seeing the validity of the Sayyid's point, gave up the idea. Sayyid then went to Shaikh Ahmad and persuaded him to take up the clearance work as originally planned. As soon as the people of Khatu

governor and their body-guards from security point of view. Their use for other purposes, if at all, was secondary and later.

The information gleaned from the *Mirqat* on numismatics is likewise not detailed nor specific. But it does name the coins of various denominations current in the saint's time in the fourteenth-fifteenth centuries. The currency mentioned is : *Alai* gold tanka, gold and silver tankas, *Jital*, *kani*, *chaharkani*, *Panjani*, *Shashkani*, *Dahkani*, and *Bistkani*, *Fadiya* and *Fadia-i-Firuz Shahi*. One more coin is mentioned but I have not been able to determine its reading. The word is transcribed as *juni*, which Maulana Sayyid Abu Zafar Nadvi takes to be a coin so designated after Prince Juna Khan, later on Sultan Muhammad bin Tughluq Shah. But this is rather far-fetched. The word can be read as *chauni* which one might be tempted to think might stand for *Chawanni*, but it is difficult to say if the usage of the word *ana* is not so old.

The measures of weight and length that find mention in the *Mirqat* are *seer*, *man* and *tolcha* and *bigha*. There is also reference to the village-method of measuring depth by lengths of some standard objects. For example, the sand-filling clearance was measured as so many *chhajja*-measures, the exact connotation of which cannot be determined

From the saintly narratives in the *Mirqat*, it would appear that the routine life in a medieval mofussil society was not very different from that of the present day one, at least of until a couple of decades ago. People at large used to live the same hard but leisurely and honest life and their vocations during non-work seasons or leisure hours were not very different. Village houses had as of now thorn-hedged backyards and the doors of the houses at least of the Muslims were covered with straw-curtains—*tattis* as they are also called in the book. Some of the village or town houses had more than one storey. The main item of domestic furniture was the stringed bed as well as stringed chair—*kursi-i-raisman baftah*. Human failings of those days also remind us of those of our days. The butcher selling the meat of stolen animal was not unknown. We have already

tradition even if we give credence to all the four participating Ahmads of which the Sultan was also one as having never missed the *Sunnat*-prayers in their entire life-time. Want of time does not permit me to detail the reasons in support of this doubt but the most forceful argument repudiating this tradition is that even Hulvi Shirazi (wrongly spelt Hulwai by Professor Nazami and others), the extract of whose poetical history describing the foundation of Ahmadabad and its edifices is quoted in full by the author of *Mirat-i-Sikandari* himself, is totally silent on this.

It is rather unfortunate, but understandable, that not much specific data is available in the *Mirqat* on monuments. It does refer to the practice of Babu Ishaq and Shaikh Ahmad himself of visiting places of the resting-places of saints and other places of interest whenever they visited Delhi, Nagaur, Didwana and like places. But beyond naming a few of them, no information about the identification, date or description of the building is available in the discourses. The only specific information we get is about the construction of the Sarkhej '*Jami*' mosque by the saint. Though important in itself, this information still does not enable us to say for certain if the mosque referred to is the simple but chaste, fine and extremely graceful large mosque situated near his tomb at Sarkhej. The construction of two tanks at Khatu mentioned by him has already been referred to. A reference to the *muluk-khana* portion of the Khan Jahan's mosque may also be noted in this context. Most of the large or even moderate mosques of architectural character of the thirteenth through fifteenth centuries have a cornered off area usually in the upper story in the north-western or northern part of the prayer-hall with a separate entry from the northern wall. The exact purport of this part of the prayer-hall is a matter of difference of opinion among scholars, according to some it was meant for the saintly and like people for their *chilla* vigils, according to others, it was meant for kings and governors, while it is also called ladies' gallery by some. This fifteenth century designation *muluk-khana* should prove beyond doubt that the secluded portion with a separate entry was meant for the ruler or the

we come across frequent mention in the saint's narrative, of tanks and reservoirs in different parts of Rajasthan and Gujarat. For example, the only place of note of Khatu that finds mention in the saint's memoirs is the tank called Haud-i-Khan. It is difficult to say which of the extant two tanks of Khatu, the tank at the foot of the hill locally called Muluk-Talab or the stepped rectangular tank to the north-west of the town this Khan-tank represents. Also the connotation of the name *Khan*¹ is also not very clear. If the name is correctly spelt in the manuscripts, it might mean the tank carved out or mined out from the hill. The saint's malfuz also refers to the tank of Naraina which is evidently different from the one called Mustafasar excavated on the site of the royal camping ground, in 1437 A.D. by Mujahid Khan, the Nagaur ruler and a nephew, of Muzaffar I. Other tanks mentioned are the one at Dholka and the one called Nera (even now it is so called) at Cambay, both in Gujarat. A location of cultivable land called Chah-i-Khabadja, the Khabadja-well, near Sarkhej is also mentioned by the saint. It was a wheat-growing land. Other places which find casual mention in the saint's narrative are Vasna and Kochrab, which are now parts of the Ahmadabad city.

A significant, even if negative, evidence of the saint's narrative is in regard to the foundation of Ahmadabad. No direct or indirect reference to it either by the saint or by the compiler is found to the great event, though the founder Sultan's differential relations with the saint are frequently mentioned. As is well known, the foundation of the city is believed to have been laid at the suggestion and initiative of Shaikh Ahmad himself with the active participation in the foundation ceremony by four Ahmads who had never missed *Sunnat* prayers in their life. This tradition, widely current in the works of the late sixteenth or early seventeenth century like the *Mirat-i-Sikandari*, is first met with in the *Tuhfatul-Majalis*, the so called other malfuz of the saint, which I have already mentioned. The absence of any mention of the saint's direct or indirect role in the foundation of the capital city, in close proximity to Sarkhej where the saint was already living, creates doubt about the authenticity of this

of Firozabad founded by Firoz Tughluq. According to this statement, the newly founded capital extended to north, north-west of Firoz Shah Kotla, the citadel for royal residence, to a distance of a couple of kilometres and must have included the Khan Jahan mosque that is the modern Kalan or Kali Masjid within the Turkman gate of the walled city of old Delhi. Firozabad is also stated in the saint's narrative to be at a distance of five *kroh* from the then Delhi, by which pre-Firozabad Delhi is evidently meant. The narrative of Shaikh Ahmad also refers to the market (*Bazar*) near Khan Jahan's mosque. The saint also mentions the *Kushk-i-Hazar Sutun* which appears to have ceased to be the royal residence and housed members of the public, it was in this once royal palace that Maulana Majdud-Din, the *Muhaddith*, was imparting instruction in the science of Tradition, as mentioned earlier.

Another landmark of Delhi of that period mentioned by the saint is Hauz-i Khas, on the bank of which was a grand mausoleum of pre-1374 A. D. date. It is unfortunate that no further information about this tomb or the year of visit is given. Hauz-i Khas was a place of, in modern parlance, tourist resort as of our days for the saint refers to have been taken there in his young days for recreation and sightseeing. Another important reference to a Delhi locality is Bagh-Jor, or Jor-Bagh, the location and the designation of which have been a matter of speculation until recently. The name is misspelt in Persian historical works as *Bagh-i-Jud*. The saint's memoir spells it as Bagh-Jor and not *Bagh-Jud* or *Bagh-i-Jud*.

Of the buildings of Nagaur mentioned by the saint are the Madrasa of Qadi Hamidud-Din Nagauri founded or named after the savant who flourished more than a century earlier, the caravansarai of Malik Chopan and the Tank. At Didwana were, the saint reports, two tanks one on the east of the town and the other on the west. The fortification or Qala of Didwana was in existence before 1374 A. D. and one of the mosques of the town was called Masjid-i-Burhani in the saint's time. Outside the town, on the west, was the mosque of Malik Daud where Shaikh Ahmad had once stayed when he visited the town. Incidentally

ravines of the Gujarat river Mahi are also mentioned in the saint's narratives. The road to Navsari in south Gujarat is reported to have passed through jungles. Kochrab, now part of the city of Ahmadabad was in the fifteenth century, and apparently till the turn of the century, a village considered to be the first stage towards Nahrwala-Patan from the capital city.

The various means of conveyance that find mention in the saint's narrative are horse, camel, Dola (i. e. palanquin), bullock-cart (*gardun*, perhaps for bag and baggage) and special carts called Bahel (Gujarati Vahel) or Bahni (form of Vahan) (for passengers), ships, etc. The routes followed by the saint in his travels as narrated by him are : the route to Gujarat from Delhi passed through Didwana, that from Khatu to Mecca and Madina through Tartav or Tartar, Ladnun, Nagaur, Mahoya *alias* Talwara, Laudara or Laudarwa, Nahrwala-Patan, Cambay or Mahim, Aden, Jeddah, Mecca and Madina. The ships also used to ply between Aden and Thatta in Sind. The saint's return journey was from Aden to Thatta, to Tartav or Tartar and to Khatu. The route from Samarqand to Khatu taken by Shaikh Ahmad, according to his narrative, was Samarqand to Herat, Qandahar, Uchch, Malik Wahan, Jaisalmer and Khatu. The route from Nahrwala-Patan to Khambhat was through Dholka.

More interesting, however, is the information furnished by the saint's discourses about the topography of cities and towns like Delhi, Nagaur, Didwana, Khatu, Cambay, Sarkhej, Ahmadabad, Uchch, etc. The only building of Uchch to which the celebrated saint Makhdum Jahaniyan Jahangasht belonged is the Burji-Mamun, where Shaikh Ahmad had stayed at the time of his visit to that town. The localities or monuments of Delhi that find mention in the saint's narrative or discussions include the Tomb of Prince Fath Khan (Now in Nabl Karim locality) which is stated to be situated near the Bhilsa gate, and the mosque of Khan Jahan stated to be situated in the Mohalla Jainagar of Firozabad. This reference to Jainagar-Mohalla of Firozabad in which the Khan Jahan mosque is stated to have been situated is quite important as it helps to indicate the limits

The officials, among others, tended to avoid payment of state dues or recovery, even if they were in possession of money. Malik Zaina, the *Muqta'* of Hisar Firuza who was imprisoned for non-payment of dues was later found to have buried 80,000 tankas in the earth at some safe place.

The Sarkhej saint's memoir also supplies considerable material for political geography as also topography of towns and regions. The saint had travelled widely undertaking frequent trips from Khatu to Nagaur, Didwana, Ladhun and even Delhi and Hisar Firuza in Rajasthan and adjoining parts, to Gujarat on way to the two holy places, Mecca and Madina, and to Samarqand along with Timur's army, and his narrative covers a number of villages and towns of these regions and also furnishes some idea of the means of communications, routes, halting places, etc. The places from Rajasthan mentioned in his various discourses which were visited by the saint are : Chhoti Khatu, Ajmer, Naraina, Nagaur, Didwana, Ladhun, Kuchera, Kathoti, among well-known or familiar ones and Mahoya also known as Talwara, Laudara or Laudarwa stated to be on the bank of a river, Tartav or Tartar, Satehla or Sathela, Ahwad, Rahol (which may perhaps be what is now called Rohal Sharif), Banathri, Koliwa, Devri, etc., among unfamiliar ones. In the case of some of these, direction and distances from well known places are also given, facilitating the task of their identification. For example, it is mentioned that Kathori was two *kroh* from Khatu, Koliwa was three *kroh* from Didwana, etc. We are also told that the village Ahwad was given in subsistence grant to the Sayyids of Didwana.

Of the Gujarat villages and towns, the familiar and identifiable towns and villages are Birpur, Sanand, Khambhayat that is Cambay, Dholka, Dhandhuka, Bharauch, Navsari, Palanpur, spelt as Palhanpur, Nahrwala, Mahaim (i. e. Mahim, now part of metropolitan Bombay), Baroda, Utelia, Asawal, Rander, Sarkhej, Kapadwanj, etc. We also get the names of places like Godhal, Santij, Choramli, Chara or Chadh, Barli stated to be near Patan, Pandarwara stated to be thirty *kroh* east of Kapadwanj, etc. which can perhaps be identified with some effort. The famous

to the quarry by the Sultan on the purpose of his visit, took out the farman of the grant of a village to the attendants of the Tomb of Khwaja Muinud-Din Chishti, which he said he wanted to return to the Diwan as the *Shiq* officials were making undue great demands on the village. Incidentally, this is one of the very few, hardly two three, references to the tomb of the Ajmer saint to be found in a pre-Mughal work.

The personnel appointed to public institutions like mosques, madrasas, etc., leaders-of-prayers, teachers and the like, were maintained by the state or by saintly establishments and in the case of the former, they were required to collect their monthly stipends from the Cashier after proper identification. Payments were made either on cash or in kind or in both. The village *Muqaddim*, an official of the status of the present day Patel or Patil in a village who did not receive a regular salary, would at times take contract of a village as had happened in the case of the saint's village. According to this, he would pay the grantee of the village a certain agreed amount in cash in lieu of the produce of the village. This amount was called *Wajah* and the grantee of the village, *Wajahdar* referred to a little while ago. The crop-share amount in cash of the saint's village Utelia was 2000 tankas in the case of its previous *Wajahdar*, Bubu Badi—Badi Bubu or Badi Bibi of our days. In the alternative the grantee was free to cultivate the village-land through his agents or hired personnel. This posed a number of problems, the foremost being strained relations between different parties and harassment of the *ryot* by local officials, even the Sarkhej saint's men being no exception.

The saintly and like visitors to the court were given 'journey-money.' In some cases when it was ensured that the person concerned actually left the place—for example in the case of one asked to leave having incurred royal displeasure or so—the amount was paid after the party had actually left the first stage on way. Spoils of war or booty obtained in military excursions were shared with people or with some groups of people like pious and saintly ones. Shaikh Ahmad's own version of his share of loot from Malik Chopan has already been mentioned

holder of crop-share of the land owned by him but farmed out to cultivators on crop-share or cash-payment basis, more or less synonymous with the *jagirdar* of the Mughal period is even now used in Gujarat for the non-cultivating agricultural land-owners. A Superintendent of the building of the Khan Jahan mosque of Delhi is also mentioned more than once. While the functions of these officials only come in for indirect or casual mention, we do have some useful bits of information. For example, from an incident narrated of the expedition of the payment of the regular stipend (*muqarrar-dasht*) of two Sayyids of Didwana who had gone to Delhi for presenting their case, it would appear that the duties of a *Jamdar* was not confined only to be incharge of royal wardrobe and keep it fully furnished but he was also the final authority of implementing the royal order of grant of royal dress, robes of honour, etc. to officials and non-officials. It was found that Qadi Nasrullah the Hakim (religious judge) of Delhi, on some pretext or the other, was delaying the sanction of the payment. The intentional delay by the royal *Jamdar*, a disciple of Shaikh Ahmad, in the execution of the royal order bestowing dresses on Qadi Nasrullah expedited the sanction of payment of the stipend of Didwana Sayyids.

The duties of the *Sahib-i-Ard-i-Bandagan* or *Arid*, the Pay Master, it would appear from the Saint's narrative, included physical verification of the mounts of recruits and non-regular soldiers at camps specially arranged for the purpose at different places. For example, a camp for such verification of personnel from the towns of 'Naraina, Khatu and Nagaur was held at Naraina by Malik 'Umar the Pay-Master. The royal farmans received at a place were required to be read out in public from the mosque pulpit by the leader of Friday prayers or by the *Khatib*. A somewhat unusual instance of the voluntary surrender of a farman of land-grant by the donee to the king under protest is also mentioned in the *Mirqat* on the authority of Shaikh Ahmad, who was present at that time. The latter who, then quite young, had gone from Khatu to Delhi, was enlisted among those to be presented to Sultan Firuz Tughluq by the *Sayyidul-Hujjab*. Preceding him was a Shaikh from Ajmer who in reply

said to one another that had they not called him blind, they would have been spared this retort.

The *Mirqat* also helps determine the period of a saint of Cambay, Shaikh Ali al-Jaulaqi locally called Pir Parwaz.

According to a note encased in a glass-frame and put up at his tomb situated to the north-east of the town, Shaikh 'Ali al-Jaulaqi flourished in the twelfth century A. D. However, according to the account of Shaikh Ahmad's visit to Cambay, as narrated in the *Mirqat*, the Cambay saint also called therein "Pir Parwaz, whose name was 'Ali had come to see the former and, therefore, being a contemporary, lived in the late 14th-early 15th century. The saint's malfuz thus contains the earliest contemporary reference to saint as well as to his *alias* Pir Parwaz. Incidentally, the Tomb of Pir Parwaz, a modern rectangular hall, situated in what must have been once an extensive graveyard is the repository of more than two dozen epitaphic marble tablets belonging to the graves of persons who lived in the thirteenth and fourteenth centuries, which, lying loose, must have been removed there to save them from disappearance or destruction.

Apart from political personages or events, the malfuz contains material which supplies some information on the administrative machinery of the state. Among the administrative divisions mentioned therein are *Shiq*, *Pargana*, *Khitta*, *Thanas* and *Qasba*. The posts and designations that find mention therein are Diwan or Diwan-i-Shahi for the king or his court, *Naib i-Ghaibat* or King's Deputy-in-absence, a designation for the governor of a province currently in use in the 15-16th century Deccan but rarely in the north or the west of the country, *Hajib*, *Sahib-i-Ard-i-Bandagan*, *Muqta'*, *Wajahdar*, *Jamdar*, *Pardadar*, *Dabir*, *Fotedar*, (Cashier), *Muhasib* (Accountant) *Kotwal*, *Sarkhail*, *Muqaddam Khot Desai*—perhaps the earliest mention of this word in Pre-Mughal Persian works, though it is known from ancient Indian inscriptions—etc. Of these, the term *Wajahdar* appears to have been in vogue in Gujarat only, where it is found employed in contemporary and later inscriptions. The term meaning the land-holder, the

officials like Alaud-Din Samnani, Amirzada Pir Muhammad, Amir Jan, Sultan Muhammad Bahadur, Amir Saiful-Mulk and Ilyas Khwaja and learned men of Samarqand like the grandson of the author of *Hidaya*, Khwaja Abdul-Awwal, and his nephew Mallikul-Ulama Husamud-Din, Shaikh Abu Sa'id Lughavi, etc. This narrative not only provides an Indian saint's experience of social and political life in Central Asia, but also mentions a political event or two that occurred while he was there. For example, we are told that while he was having an audience with Timur, a courtier arrived from Tabriz with the news that Yusuf Qara had attacked and plundered Tabriz putting to death its governor, a son-in-law of Timur.

Incidentally, Shaikh Ahmad's role in the entire affair and his journey to Samarqand does not appear to have been mentioned in pre-Mughal historical works and have not received any serious attention of our historians. As a matter of fact, while Maulana Sayyid Abu Zafar's description of the role in his Urdu introduction to the saint's malfuz-works referred by me earlier was probably completely overlooked, Professor Nizami has only recently brought it to the notice of a wider circle by his article in English. It should be critically examined by students of Central Asian Timurid history both in India and abroad.

From the account of the saint's life in his self-imposed temporary exile in Central Asia, it would appear that his time was mostly spent in meetings with learned men and academic discussions with them. The account is not entirely without its touch of humour. Describing his visit to a *hammam* in Samarqand, the saint says, "Once I went to a *hammam* in Samarqand with an attendant named 'Arif who had 'flower' in one eye. Some ladies also came there. 'Arif had a book of verses in his hand. Seeing this one of the women said to him, "O blind fellow! What is that book in your hand?" 'Arif replied, "The Quran". He was asked, "Why Quran here?" 'Arif said, "You who have come here to take bath will have to declare on oath whether it is a legal bath or otherwise and that is why it is here with me". The ladies were greatly embarrassed and

advised by him not to worry and accept the charge which he did. Through the blessings of the saint, we are informed, he enforced order in the thana which greatly prospered. One more nobleman in whose respect the *Mirqat* supplies more details is Malik Uthman Sarkheji whose name figures only once in historical works in connection with the rebellion of some noblemen, he being one, against Sultan Ahmad in A. H. 816 (1413-14 A. D.). He also seems to have been a frequent visitor to the saint's hospice. On one occasion, he made an offering of a jewel-studded ring in lieu of which the saint made a returning gift of matching value. On another occasion, when he presented a costly garment, the saint sent four gold tankas through Qadi Mansur. According to the saint, it was this nobleman who was fetched to summon the saint to Sultan Ahmad I's sick-bed when he had fallen seriously ill in the early years of his reign. The *Mirqat* also reports a meeting in which the said nobleman had discussions with the saint on the nature of Soul.

The historicity of the saint's narratives has already been indicated by some of the instances referred by me earlier. Before ending this section concerning Gujarat noblemen, I may make mention one more instance. I mentioned Malik Shaikh (son of Malik Fakhr) among the noblemen. While he is not known from any other source, we know from an epigraph that this nobleman had a daughter Bibi Daulat by name who had constructed a mosque at Ahmadabad in A. H. 883 (1478 A. D.) in the reign of Mahmud I of Gujarat. She was married to Malik Adil Khan.

The *Mirqat* also contains references to political history of Central Asia under Timur in a full chapter devoted to the saint's own account of his role during and after Timur's invasion and devastation of Delhi, in retrieving Delhi and its inhabitants from capture, loot and plunder by the Timurid soldiers, as also his travel to Samarqand along with Timur's army and return journey to Khatu via Thatta. The saint in his narrative speaks of the impact, his piety and religiosity had made on all and sundry including Timur, some ladies of his seraglio, his ministers and

horses, a fact brought to the notice of the Khan as implying that he wanted to leave Gujarat and go to Deccan. The Khan immediately ordered inquiry into the matter and ordered the concerned officials to deposit the dues with the saint. He further sent his chamberlain Khwaja Khassa to take 500 tankas from the treasury and offer it to the saint. The Khawaja came to Sarkhej and perhaps exceeding his brief told the saint that he should first give an account of one hundred thousand tankas received in all by him till date from the Khan before he left for Deccan. The saint said he would render account of not one but two thousand tankas, but he would not remain in Khan's territory. Khwaja Khassa told the saint that what he had said was on his own behalf for restraining the saint from leaving Gujarat but he told the saint that the Khan had sent him with the specific object to plead on his behalf in case the saint insisted on his departure that he should not forsake him. At this the saint's anger subsided and Khwaja Khassa presented the money as also the fresh deed of the village-grant made out to the satisfaction of the saint.

A nobleman of first rank who finds detailed mention in the saint's reminiscences is Malik Shaikhan son of Musa. This nobleman does not find mention in historical works like the *Mir'at-i-Sikandari*, but an Inscription from Wadhwan in Surendranagar district of Gujarat refers to him as having constructed a mosque there in A.H. 842 (1439 A.D.) during the reign of Ahmad Shah I. From the frequent reference made to him by the saint, he appears to have been a regular visitor to the saintly establishment. The Saint furnishes the information that he was a descendant of the celebrated Hadrat Khalid bin Walid. The saintly reminiscences supplemented by the compiler give a detailed account of Malik Shaikhan's role in Gujarat Sultans, Muhammad Shah II and Ahmad Shah II's battles with Sultans Mahmud Khalji of Malwa as also of his nearness to the kings. The memoir also refers to the appointment of the Malik to a difficult thana, Chadh or Chara by name, which he was hesitating to accept on account of its notoriously mischievous *Muqaddam*. Approaching the saint with his dilemma, he was

'Abbasi, the religious judges of Cambay, and the like, who find mention in the saint's memoirs in connection, mostly, with incidents relating to him or the affairs of his Sarkhej Khanqah. The names of two princes of the founder of the city of Ahmadabad, Sultan Ahmad I, namely Shadi Khan and Shakar Khan are also only known from the saint's reference to them. This new piece of information furnishes a good circumstantial and fairly corroborative evidence for settling the time of the construction of a mosque called Shakar Khan's mosque in Ahmadabad; it could be assigned to the very early period of the Gujarat Sultanate to which it can be attributed on architectural grounds as well, though competent scholars like James Burgess assign it to the middle of the 16th century—end of Ahmad Shah I's reign.

Coming to the nobles known from other sources to whom the *Mirqat* also refers, mention may be made of Badr son of 'Ala who figures in the history of Gujarat as having been the moving figure behind the rebellion of Maudud against his cousin Sultan Ahmad I in the very first year of his reign. The motive or the *raison d'être* of Badr's behaviour is as usual not mentioned in historical works, but the *Mirqat* supplies the very useful and significant piece of information that Badr-i-'Ala was the son-in-law of Muzaffar Shah I, that is to say, the husband of the sister of the fathers of both Ahmad Shah I and the arch-rebel Maudud.

The other member of the royal family who is ignored by historical works but is otherwise known from one epigraph found at Patan, then capital of Gujarat, is Khwaja Khassa brother of Muzaffar Shah I. The epigraph designates him as Royal Chamberlain (*Hajib-i-Khas*) and records the construction of a noble edifice by him in A.H. 813 (1410-11 A.D.). Beyond this nothing is known about him or his career. In the *Mirqat* Khwaja Khassa's mission as an emissary of his brother to the saint, during his pre-kingship period, is mentioned at some length: being somewhat dissatisfied with the non-cooperative attitude of the local officials in the matter of the income of the village granted to him, the saint had sent Khwaja Badh, *Muqaddim* of Sarkhej, to the man, but not to much avail. At this the saint purchased two

four hundred tankas to Shaikh Ahmad. The latter narrates the entire episode of his demand of payment, the Malik's initial refusal to own the debt and finally making the payment on being told by Babu Ishaq in a dream. The Malik seems to have later on moved to Nagaur, for we are told by Shaikh Ahmad that when some time after Babu Ishaq's demise, he halted at Nagaur on his way to the holy cities for *Hajj*, in the company of the learned and holy men of Delhi, some of whom he names, Malik Najm was its *Muqta'*. The Malik having come to know from Shaikh's companions who during this brief sojourn had gone to visit him, that Shaikh Ahmad was also their fellow-traveller, called him and tried to dissuade him from undertaking the hazardous journey for which the Malik thought he was not physically fit. The Sarkhej saint always spoke of Malik Qutbud-Din Najm as a very generous person.

This *mal'fuz* of the saint also furnishes eye-witness accounts of events in the history of Gujarat of the first half of the fifteenth century, the period coinciding with the long years of his stay in Gujarat at Sarkhej. In these narratives mention is made of a number of officials and nobleman, quite a few of whom are known, from the saint's reference only, though Gujarat is quite rich in historical works. Then, even in the case of those known from historical or other sources, the saint's memoir has as usual more information to give. The officials known for the first time from the *Mirqat* are: Malik Burhanud-Din Tatar Khani, Sikandar Khan, an official of Muzaffar I, Malik Mubarak Butahari of Cambay—incidentally, this is an important piece of information, showing that the Butahari family, some members of which were prominent officials under Ghiyathud-Din Tughluq and his son Muhammad bin Tughluq and one of whom had constructed the *Jami'* mosque of Cambay in 1325 A. D., belonged to Cambay and lived there in official capacity—Malik Fathul Mulk father of Rast Khan, Malik 'Umdatul-Mulk, Malik Shaikh Malik Fakhr, a grandee of Ahmad Shah I, Malik Khidr, Malik Nizam Chhaju and Malik Jalal Shah, officials of the same Sultan, Adbaran Tak or Tank, the *Muqta'* of Dholka under Muzaffar I, Ibrahim Muhasib (Accountant), Khwaja Badh, the *Muqaddam* (Chief Revenue Official) of Sarkhej, Qadi Kamalud-Din and Qadi Tajud-Din

Jalor attained martyrdom in the army of the Muslims in A. H. 791' (1389 A. D.). Nothing more was known about him beyond this. Historical works dealing with the Tughluq period, contemporary or later, completely ignore this official of such a high status. But it is again in the memoirs of the saint —and this is the test of authenticity of the memoirs which I just referred to—that we get some more details about his family background, career and personality. The saint while speaking of him on more than one occasion says that he was the son-in-law of Malik Radiul-Mulk, a Tughluqian grandee of Muhammad bin Tughluq Shah and Firuz Tughluq and that he was working as the deputy at Didwana of Radiul-Mulk's son and his own wife's brother Malik Muhammad Haji, that is to say he was the deputy governor of the province during the life time of Babu Ishaq that is before 1374 A. D. The saint while referring to his visit to Didwana in the company of Babu Ishaq, relates how the Malik had misbehaved with or harassed a pious man—*darwish*—from Chanderi who complained about it to the Babu and how the latter, after the Friday prayers were over, refused to shake hands with the Malik whom he scolded calling him a betel-nut-seller's lad. (*Sup. Ari farosh bachcha*) On another occasion, Shaikh Ahmad relates, he had gone to Didwana from Khatu on some errand when Babu requiring his presence urgently at Khatu, sent some one to the Malik with a message to look for him and despatch him immediately to Khatu. Once when Shaikh Ahmad had called on a local savant, Maulana Abul-Faraj Radiud-Din, at the latter's Didwana house, the Malik also chanced to come there. It being a year of drought, the Malik was distributing ten to twenty measures of corn to the Muslims present at the Maulana's house. Shaikh Ahmad not wishing to receive it, left before his turn came, whereupon the Malik who on inquiry found out that he had put up at the house of Sayyid Abu Talib, ordered the latter under threat of dire consequences to bring Shaikh Ahmad to his house. The Shaikh went to spare his host any reprisal on his account. The Malik received him with utmost respect and asked him to take with him one cart-load of corn which he had set apart for Babu Ishaq. The Malik also seems to have owed at one time some

explicit mention of Jai Singh being the first to embrace Islam while Babu Ishaq was alive, that is some years before 1374 A.D. As discussed by me in detail in my study of the Ladnun inscription, bardic accounts spin a romantic story round Jai Singh, the Hindu Raja of Ladnun's conversion to Islam. They place the event some time in the middle of the fifteenth century, while not only does the epigraph record 1378 A.D. as the date of the mosque built by him at Ladnun but Shaikh Ahmad reports his entertainment of Babu Ishaq which must have been some time before the latter's death in 1374 A.D. From the account of the *Mirqat*, it would follow that Jai Singh was converted to Islam quite some time before Ishaq's reported visit. Thus, the conversion of Jai Singh must have taken place around 1370 if not still earlier. In other words, the conversion of the Mohel branch of the Chauhanas took place not in the middle of the 15th century as is generally believed by Rajasthan's historians of medieval history, but some time in the middle of the 14th century or at least well before the last quarter of that century began. The significance of this event has not been taken due note of by our political and social historians. It is evidently part of an important but generally overlooked phenomenon in the social history of this part of the country's western sector in the fourteenth century. The second part of this century is conspicuous in the history of Rajasthan in that it witnessed during the rule of Firuz Tughluq at least two conversions of members of the two ruling families namely the Khanzadas of Mewat and the Mohels of Mohelwadi, not to mention the Khanzadas of Nagaur and the Sultans of Gujarat who are reported to have originally belonged to a place adjoining Rajasthan. No attempt has so far been made to determine the reasons or factors other than purely political, if there were any, for this development.

Yet one more Tughluqian nobleman of governor's rank about whom welcome information is available in the saint's personal reminiscences, is Malik Qutbuddin Najm. From his epitaph discovered more than a decade ago at Nagaur, it was of course known that this 'magnificent' *malik*, the mine of generosity and magnanimity, lord of the sword and the pen, Malik Qutbuddin Najm, the deputy in the *shiq* of Nagaur and

Mohel which was somewhat intriguing. The mention of two sets of son-and-father's Muslim and Hindu names was enigmatic—the mention of the father's Muslim name presented the problem since from bardic accounts, it was known that Jai Singh was the first among the descendants of Mohel Chauhan who embraced Islam. It could not be said for certain if his own name was 'Alaud-Din or 'Alaud-Din Mubarak. Also, the epigraph and the barding accounts were at great variance in the matter of his period. While the barding accounts spoke of him as having flourished some time in the middle of the fifteenth century, the epigraph referred to his having built a mosque almost three quarters of a century earlier. This confusion was set at rest by the malfuz of the saint. In his account of one of his visits to Ladnun which he made in the company of Babu Ishaq—obviously before A.H. 776 (1374. A.D.) when the latter died, the saint refers to Malik 'Alaud-Din, a *Nau-Muslim* (Neo-Muslim) the *Muqaddim* of the town and an admirer of the Babu, who received them with honour and made some offering, out of which Babu got *malida* prepared and invited local Muslims to partake of it with him. The *Mirqat* thus helped solve the mystery of the nomenclature. Since the saint call him only 'Alaud-Din, the Islamic name of Jai Singh was only 'Alaud-Din and therefore Mubarak in the epigraphic text was intended to represent the father's name; this would be the only reasonable inference, namely that as the Hindu set of names comprised that of the son followed by the father's, so should be the Islamic nomenclature. It would so appear that 'Alaud-Din had chosen to invest his father also with a Muslim name. Shaikh Ahmad also furnishes an interesting piece of information that this Malik 'Alaud-Din was a disciple of Sayyid Jalalud-Din Husain—by whom evidently the well known saint popularly called Makhdum Jahaniyan Jahangasht is meant. It may be reasonably surmised that Jai Singh who is mentioned in bardic accounts as the local Chauhan chief had embraced Islam at the hands, if not instance, of this famous *Suhrawardi* saint.

The mist that had till now surrounded the age of conversion of the Mohel community of Muslims of Rajasthan concentrated in the Mohelwati region—Ladnun region—is cleared up by this

Malik Chopan is another nobleman also known only from an inscription from Ladnun in Nagaur district of Rajasthan which finds frequent mention in the saint's reminiscences. This epigraph recording the construction of a mosque in A. H. 780 (1378 A. D.) refers to his governorship and tells us nothing further about him beyond, fortunately, mentioning his title *Malik-ush-Sharq* Ikhtiyarud-Din. His name is also absent from the list of leading noblemen and officials of the period given in the *Tarikh-i-Firuz Shahi* of Diyaud-Din Barani or of Shams-i-Siraj-i-Afif; nor does he find mention in other historical works. The Sarkhej saint's malfuz mentions him on more than one occasion. Shaikh Ahmed, a frequent visitor to Nagaur, Didwana and Ladnun during his younger days sojourn in Khatu with Babu Ishaq had personally met Malik Chopan in one of his visits to Nagaur where he had gone for some work during Babu's life-time that is before A. H. 776 (1374 A. D.). Recalling this visit, the saint once said that the Malik had obtained considerable booty in some expedition (*tAkht*)—the time and place of the expedition are unfortunately left out in the narrative—out of which he gave a share comprising four choice cows to Shaikh Ahmad who sold them to one Malik Konan or Gonan at 20 tankas each—it must be silver tankas. This may be reasonably taken to mean that Nagaur was the headquarters of the *iqta'* of Malik Chopan, independent from that of Ajmer of which earlier it formed part for some time. The Malikush-Sharq seems to have built a *sarai* at Nagaur called or known after him as Sarai-i Malik Chopan. The saint refers to it as the place where he had stayed in about A. H. 791 (1388-89 A. D.) when he passed through the town on his way to the two holy cities on pilgrimage.

A third nobleman of substantial rank, who is totally ignored by Persian historians but is known to us from epigraphic as well as bardic sources, is Malik 'Alaud-Din, who constructed a mosque at Ladnun during the governorship of Malik-ush-Sharq Malik Ikhtiyarud-Din Chopan in A. H. 780 (1378 A.D.) according to the epigraph which I have just mentioned. However, the mention of his name in the inscription as also his account in bardic lore were full of confusion. For example, the inscription called him 'Alaud-Din Mubarak '*urf* (alias) Jai Singh Bhoja

Haryana, and his father, Malik 'Umar, the *Sahib-i-'Ard-i-Bandagan*, Malik Mughith, the *Hajib*, Chamberlain of the Gujarat governor Darya Khan, Sayyid Radi the *Hajib*, Malik Kamal Gakkar, Malik Ikram, *Jamdar*, Malik Zain Wala, the governor of Didwana, Malik Nasir, son of Ahmad, a *Muqta'* of Khatu, a *Malik* of Nagaur, whose name is spelt in the manuscripts as Konan or Gonan, Shihabud-Din Domak or Dolak, Headman of Khatu, Sher Malik, Malik Muzaffar, the Kalal, Islam Khan, a nobleman, Malik Muhammad son of Haji Daud, the Chaudhary, Amir Nathu or Nanhu, son of Mu'in of Khatu, Malik Ismail, Kala Khwaja and his Agent (*Karkun'*), Bhupat, Dev Raj, the Headman of a village in Rajasthan, Qutb Khwajagi, the Superintendent-in-Charge (*Shahna-i-'Imarat*) of the Khan Jahan's mosque at Delhi, Qadi Nasrullah, the religious judge (*Hakim*) of Delhi, Qadi Fakhrud-Din, religious judge of Khatu, Qadi Turk, religious judge of Ladnun and the like. But for the *Mirqatul-Wasul*, these noblemen and officials, some of them of quite high rank, their jurisdiction, etc., would have remained unknown to us.

Among the noblemen who find mention in Shaikh Ahmad's reminiscences and are not entirely unknown—only their names and time are known—from some source or the other are Malik Kamal-i-Khurram, Malik Chopan, Malik Qutb-i-Najm, all of the ranks of governor and Malik 'Alaud-Din, the Neo-Muslim (*Nau-Msalman*). While they are totally ignored by contemporary or later historians their name is perpetuated by inscriptions which also give their date. Malik Kamalud-Din Ahmad i-Khurram is mentioned in a bilingual record from Sambhar in Rajasthan, dated A. H. 765 (1363 A. D.), in which he is referred to as the governor of that region. The *Mirqat* reference to him is in connection with his routine visit to Khatu which took place well before this date, even before Shaikh Ahmad entered the life of Babu Ishaq sometime in the early 1340's. The saint relates that when the governor came to Khatu, he paid a visit to Babu Ishaq with whom he had earlier acquaintance or relations, and complained to him about his not having paid visit to him in accordance with the Tradition (one who is a new-comer is paid a visit).

was again corroborated by Zafar Khan himself when he referred to his confinement to the saint after his release. This even, seems to have taken place immediately after Nadot expedition for after imprisoning his father and declaring his independence Muhammad Shah himself went to Nadot to bring to book the recalcitrant local chiefs and then proceed to Delhi, when he suddenly died. It may be noted that the saint does not refer to the generally accepted cause of the new Sultan's death through poison administered to him at the instance of his imprisoned father. He merely says that Sultan Muhammad went to Nadot, punished the rebellious chiefs and there laid down his life.

But it is more in the field of local history, particularly of the 14th century—secondhalf- Rajasthan and fifteenth century—first-half Gujarat that the saint's memoir supplies ample material. The saint mentions a number of high and low officials and noblemen posted in provincial or district towns and villages in different situations and contexts to most of which the saint was himself a party. These supply welcome bits of information about their postings and private and official life. We come to know of a vast majority of them, almost all of them, for the first time, through the saint's reminiscences. The historicity of this information has stood the test of authenticity in a number of instances where it has helped identification of certain persons summarily or inadequately mentioned in other sources and supplied more details about their career and manner of government. One such information has helped clear up the uncertainty about the period of the conversion of the Mohil branch of Chauhana Rajputs to Islam, as will be narrated a little later.

Even about officials known from some other sources, the *Mirqat* supplies more information. Among the Tughluqian officials known from the saint's narrative for the first time who held charge of village, district or provincial administration in Rajasthan are Sayyid Kamalud-Din, *Rasul-i-dar*, Malik Haji son of Radiul Mulk, a Firuzian nobleman and governor of Dildwana, Malik Ahmad Kath, a Tughluqian grandee, Malik Kamalud-Din, *Muqta'* of Hisar-i-Firuz, i.e. Hisar, now a district headquarters in

book. Zafar Khan, later on Muzaffar I of Gujarat, who had known the saint from the latter's Khan Jahan's mosque days at Delhi, requested his presence in his army in his expedition to quell the rebellion of the chief of Nadot. The saint who had accordingly joined him asked the Sultan why he did not go to the succour of the Delhi Sultan at the time of and after the invasion of Timur despite that much army, resources and elephants. It may be recalled that Sultan Mahmud Tughluq, who had fled Delhi, had come to Nahrwala Patan in A. H. 801 (1398-99 A.D.), then Gujarat's capital, in an unsuccessful bid to muster the Gujarat governor's support. According to the saint's own narrative, Zafar Khan in reply to the saint's query told him that the boy Bijli Khan (Mithe Khan?—perhaps prince Mithe Khan, one of his sons, is meant) was engaged in battle with Rao Chonda of Mewar, the province of Nagaur was under constant attack, the roads were perilous, the army was occupied with the siege of Mandor—incidentally the printed historical works have Mandu which has misled modern historians to Gujarat's Mandor seige with that of Mandu in totally opposite direction—and the infidels were being properly held at bay, when all of a sudden Bijli Khan (or Prince Mithe Khan) withdrew without even informing him as a result of which he himself was compelled to return to Patan and not leave it lest the province of Gujarat was lost. This information is not given in any historical work of the period. Also, it is only through the saint's narrative that we know that Zafar Khan had personally led the Nadot expedition to suppress the rebellion of its refractory chief.

The saint's reminiscences also support the general belief recorded by the author of the *Mirat-i-Sikandari* that Zafar Khan's son Tatar Khan, who was pressing for declaring independence, had placed his father in confinement when the latter did not agree to the proposal and assumed kingship under the name Muhammad Shah. But while the place of internment of Zafar Khan is generally stated in historical works to be Asawal, on the site of which modern Ahmadabad was founded a few years later, the saint had learnt from the mouth of the new Sultan himself that his father was confined in Bharuch or Broach, a fact which

with the governor's men on the question of the boundary of tilled land—fields. On the contrary, the saint always overlooked the harassment caused every now and then to his men by the local officials. He always restrained his men or would not allow even some of the king's noblemen, *maliks*, who were his disciples and who, coming to know of the matter, would like to take action on their own. He once prevented a *malik* who was sending his men to the saint's village to take to task its headman who never paid the dues in time to the saint and was recalcitrant.

The saint had cordial relations with successive kings as well as with contemporary saints and savants.

The *Mirqat* supplies considerable information on political history of the late *Tughluq* and Gujarat Sultanate periods. A brief reference to this may be made here. Among the political events of which the saint had first-hand information are Rao Chonda's seige of Nagaur, and the migration as a result thereof, of the Muslim population of that region to Gujarat, seige of Mandor, the old capital of Jodhpur Rathod rulers—and not Mandu as has been printed in some historical works and accepted by modern historians—by the Gujarat ruler, the rebellion of the chiefs of Nadot and Idar and the Gujarat Sultan's campaigns to deal with them, two invasions of Malwa king and the battles fought, not very far from Ahmadabad, Sultan Ahmad's Deccan engagement, imprisonment of Zafar Khan later on Muzaffar I of Gujarat by his son and his subsequent release, insurgence of the local chief of a thana the name of which is not clear from the manuscript, but which reads like Chadh of Chara, the menace of the *mala'in*—accursed ones, by which either the Portuguese or the Deccan pirates are meant—on the southern coast of Gujarat, at Mahim, now part of metropolitan Bombay, at the turn of the fifteenth century, etc. Some of these events like those connected with Idar and Malwa affairs have been described in details and a proper appraisal and study of these accounts is likely to throw new light on certain aspects of the history of Gujarat and neighbouring regions. Time does not permit me to attempt this here, but I may also draw attention to one matter mentioned in the

complaisant about him, for a man is a man of moods. The saint used to recall this advice whenever some body did something that he did not like.

The Saint's narrative also reveals one more facet of his character and that is his practical approach. Once, he says, Alp Khan, the ruler of Malwa, sent by way of offering 40 gold and 40 silver tankas with a merchant named Bahlul, but the saint declined the offering on the ground, made known to the emissary, that its acceptance might annoy the Gujarat king Sultan Ahmad which he would not like to happen as he was residing in his dominions. Likewise, on another occasion, the Jam of Thatta sent through Sayyid Abu to the saint a certain amount of gold coins in fulfilment of a vow made for the recovery of his wife from an illness and also requested discipleship for his two sons. But while he prayed for the wife and the sons, he declined to accept the money saying that since he was living in the domains of Sultan Ahmad, with three generations of whom he had very cordial relations, it would not behove him to do anything against his wish. Similarly, once when Prince Tatar Khan, later on Muhammad Shah I of Gujarat, sent word to the saint seeking his permission to pay a visit to him, the saint's reply was that he could come only after getting permission from his father Zafar Khan, later on Muzaffar Shah I.

Apart from these, the saint's memoirs depict how cautious and circumspect he was in his dealings with men in authority, particularly at the lower level, like the officials and village headmen of the village Uteliya endowed for his *khanqah* or of those of Sarkhej where he had settled down. He would always maintain that one should not exceed the bounds of righteous behaviour with petty officials of the village or district, on behalf of his own servants, as it was not worth the consequences thereof. He once quoted the instance of Maulana Ibrahim Kaithali, a learned man and a favourite of Sultan Muhammad bin Firuz Tughluq, who ultimately lost his own life in addition to those of his two sons and had his holdings plundered in consequence of the cudgels he took up on behalf of his nurse's son who had picked up quarrel

Not surprisingly, therefore, his discussions would show the saint as a man of great patience and humility. He was always courteous to his visitors and restrained in his behaviour even towards those who would be vehement in their discussion or argument with him on religious or academic matters. He would patiently answer their arguments or at the most would tell them to be reasonable. He would be introspective whenever he tendered advice to anybody; he would address his soul on such occasions and recite a Hindi hemistich, the reading of which cannot be determined but which ran something to this effect that you are doing the same thing but are advising others not to do it.

Despite his greatness as a saint and the respect he commanded of as many as eight Tughluq and Gujarat kings, Shaikh Ahmad was humility itself. Nowhere in his memoirs he appears to have lost his temper even in unfavourable circumstances and adverse conditions. Once a grandson of Maulana Kamalud-Din Samani, who was serving in the army of the Delhi Sultan Muhammad bin Firuz Shah Tughluq, came to see him and was discussing academic matters. When he was somewhat cornered, he told the saint that he was the grandson of Maulana Kamalud-Din Samani, whereupon the saint told him, "O man of God! Why did you not tell me before? There is no use arguing with you—you who are an ocean of learning and whose house is the very fountain-head of learning". On another occasion, when he came across Maulana Thanasari (whose name is not given in the work) who was being taken captive by a Timur's soldier at Samarqand, he not only got him released as he had many more, but when at that time a bowl of broth was brought to him by the men of Amir Pir Muhammad, he asked them to give it to the Maulana saying, "he deserves it more, since in learning he is above me". Despite the influence, he wielded with Sultan Muzzafar of Gujarat, the saint not only did not feel offended by but graciously listened to the advice the king gave to him. When once the king came to see him, the saint interceded on behalf of a personage who was imprisoned by the former. The king spoke of that person's treachery and promised the saint that he would release him on his return in deference to his wish, but he told the saint that he would also like him to listen to a piece of his advice namely that

the crows with it as and when necessary. Once he saw a kite lying wounded, he brought her home, lodged it under a basket and had fed her daily with meat until its wound healed and it was strong enough to fly away. Once a person came to him with a pelican whose wings were pulled out. The saint paid him for it, kept it in the guest-cell and arranged with the fishermen to feed it with its daily quota of fish till it grew its wings and then it was released in the jungle. As and when a huntsman would catch some animal, the saint would pay him for its release. On another occasion when a visiting soldier who had come to Sarkhej with his dog, left him behind as it would not go back with the master. That dog would regularly come and set up a watch at the saint's threshold. When the saint came to know about it, he assigned daily ration for it and asked a woman to cook loaf daily for it. The dog would act as an escort to the daily visitors of the *Khanqah*, like Qadi Mansur and the accountant (*muhasib*) Ibrahim when they returned home after 'Isha prayers. Subsequently, when the accountant was going to the saint's village, he was asked to take it with him there. At the village, it would act as a watch-dog for the herd of animals and cows at home as well as in the grazing-ground. It is also related that once an admirer made an offering of a fat cow to the Shaikh in the month of *Sacrifice* ostensibly for sacrifice. The saint gave it to one Shaikh Tajud-Din to use it for milk and like requirements. Instead, the latter sold it to a butcher from whose custody the cow somehow broke loose and came bellowing to the *Khanqah*. Even while the saint was inquiring about the commotion, the butcher came running after it to take it away. The saint paid the butcher from his pocket and set it loose in the animal herd. Once he saw a dove grazing in the courtyard of the *Jama'at Khana*. He told the attendants to put grain there daily. That dove and other doves would then daily come and eat the grains. He was so tender-hearted, the *Mirqat* has it, that he would not slaughter the sacrificial animal with his own hand or see it done, as a result of which he used to discharge this obligatory duty by paying the animal's price in cash, for which he had found some justification. Only in the last three four years of his life, the ceremony of *Id* sacrifice was observed through the compiler of *Mirqat*.

of the village endowed for the expenses of the *Khanqah*, the sizeable *futuh* (unsolicited voluntary donations) from a number of his admirers, which included kings, princes, *maliks* and others, besides meeting the day-to-day expenses of the hospice, were spent to help the poor and the needy in various ways. Not only that everyone who came for help left empty-handed as far as it was within his power to give him something, but he had made it a point to send aid in cash and kind to the deserving families to their homes. Some women would come to the hospice at night after 'Isha prayers for help. But of such of them who would not come out of their houses and widows and the like, he had asked the local village headman to prepare a list, as per which he would give to him for handing over to them gold and silver, dresses and *doshalas*, etc., presumably for the marriage of their grown-up daughters. Once near Jaisalmer in Rajasthan, he was accosted by an old man in dire need of a meal; not having any cash with him, he tore his turban into two and gave one of it to him to enable him to procure a meal or two by selling it. Once a blind man who had come to him at Sarkhej got four *jitals*. When he left, somebody told the saint that he deserved more, whereupon the saint immediately gave more money to the compiler of the *Mirqat* asking him to find him and give it to him without telling him who had sent it or who he was. At the Sarkhej establishment, every or every alternate month, whatever surplus would be there would be given away to the poor, the needy, the *Sadat*, the *jogis* the wayfarers, the neighbours, the *Kolis*, each of whom received some cash or cloth or like item. The saint, as was wont with others of his fraternity, would as far as possible return the presents or gifts made to him by matching gifts or presents of equal or more value, particularly in case or types of people like officials or *maliks* who had become rich recently—*qaribul-ahd*—neo-rich in modern parlance.

The saint's compassion was not confined to human beings; it extended to birds and animals also. The *Mirqat* has it that sparrows used to come and perch on his head or knees : He had given standing instructions to the servants that they should see that young ones of the sparrows were not harmed by the crows. He himself would keep a rod in front of him and frighten away

The saint praised him. The Sayyid said that he had recited the *quartrai*n in the assemblies of poets and learned men, but none had pointed this out.

Shaikh Ahmad was fond of music from his very childhood. He liked to hear melodious songs and music and himself possessed a fine voice. Once in his young days, on a summer afternoon he was sitting enjoying the coolness on the bank of the well of a step-well when a woman who came to fetch water sang the *Sohla* (perhaps *Sohaila*, a kind of song which used to be sung while drawing water—it is mentioned in the *Fawaidul-Fuad* of Hazrat Nizamud-Din Auliya also). It moved him so much that falling in a trance, he fell into water whence he was pulled out by that woman. Likewise, whenever at Khatu he heard anyone singing a song or a *ghazal* at the door of Babu Ishaq, he would come out to listen. He describes how when the Babu had once taken him with him to Didwana where they had put up in the Burhan mosque, he was enthralled by the *Samiri*-like voice of a person singing outside the mosque and how, when he praised the singer for his fine voice, the Babu mildly reprimanded him for his exaggerated love for music. It would appear that listening to music—*Sama*⁴ type music—was a popular pastime, since the saint refers to the music sessions held at the marriage and other dinner-parties. Musicians occasionally attended his assemblies. Minstrels accompanied by instruments (*Mozamir*) performed at the gate of his Sarkhej residence, which was, as the saint relates in one of his discourses, one of the two points about whose permissibility, a learned and pious man, *Katib Ibrahim*, a candidate for the saint's discipleship, wanted to be satisfied before enrolment.

The saint emerges from his narratives as a man endowed with a compassionate nature and extremely affable manners. His catholicity of approach, humanitarian behaviour and compassionate nature are reflected in a number of incidents related by him. He was kind and responsive to the need of the poor and the indigent. The income of the saintly establishment out of the produce

re *Dau*, a commentary on *Masabih*, for him. There seem to have been regular inflow of books from abroad, particularly Iurasan and Samarqand

Shaikh Ahmad possessed a poetic bent of mind. Like Babu, he had a large number of Persian and Hindi verses at heart, which he would frequently recite or quote on appropriate occasions in the assemblies and meetings with people. His assemblies were attended by poets too, who would present poem composed in his praise which he generally discouraged. He himself used to compose verses in Arabic and Persian as well as Hindi, though he did not like to be called a poet. The *Mirqat* quotes quite a few Arabic and Persian verses and Hindi *dohras* composed by him. An incident of the royal assembly, narrated by the saint, apart from giving a glimpse into the literary pursuits of Sultan Muhammad son of Firuz Shah Tughluq himself, indicates the saint's poetical acumen and insight. Once, we are told, the Sultan had composed a Persian verse which he gave to the court poets to compose *ghazals* by way of *tadmin* thereon. None of the poems submitted by them came up to the Sultan's liking. Somebody brought to the saint's notice the couplet as well as the poems of the poets incorporating that couplet, a persual of which made it clear to him that the poets were unable to incorporate the couplet befittingly as they had given preference and priority to the Sultan's couplet in their poems while in fact the couplet should have been brought at the end in a befitting context. The saint himself composed a *ghazal* on this line, which was duly appreciated by the king. Once Sayyid Mahmud son of Rukn Dihlawi, who was the teacher of the compiler and a grandson of Sayyid Kamalud-Din *Rusul-i dar* recited a quatrain

gar jafA kAr az jafA bUd rAndam az shakhs pust
man na bA oo An kunam kIn fi'l-i-man An fi'l-i-oost
man makAfAt-i jafA bA oo kunam chandAn wafA
kU khajil gardad bigUyad kIn nikU kardan nikUst

The saint liked the verses and after thinking over it for a while he said that the height of toleration is only perfectly illustrated if the word *khajil* is not used. Sayyid Rukun immediately changed the hemistich this :

kU bajAn-o-dil bigUyad kIn niko kardan nikUst

At Hisar, he studied under Maulana Shams-ud-Din the famous works *Bazdavi*, *Husami*, *Shasht*, *Mufasssal* etc. At Hisar he was told that Maulana Majd-ud-Din, a great *Muhaddith*—the phrase used in the original is *Muhaddith-i-'Azim*—imparted instruction in Hadith (Tradition) in the *Kushk-i-Hazarsutun* at Delhi. Consequently he came to Delhi and would during day-time attend the Maulana's classes and at night study *Bazdavi* without its gloss and learn it by heart. Afterwards he studied *Aqida-i-Hafiziyya* which he committed to memory. He then turned to scholastic philosophy. He is also reported to have learnt three-fourths of the Quran by heart. Incidentally, this gives an idea of the curricula for instruction in religious sciences in vogue in the *maktabs* and *madrasas* of the day. Among other books which the saint mentions as having been under study or discussion during his time are *Dhakhira*, *Hidaya*, *Tawali*, *Masabih* and its gloss *Dau*, *Surah* of Jauhari, *al Muttafaq*, *Kanz*, etc. The last-mentioned seems to have been a popular item in the syllabus and the saint reports that Maulana Sufyan, an extremely learned man of Multan, used to teach it without a *hashiya*—this and other references by the saint show that normally difficult text books were taught or self-taught with the help of glosses. Maulana Sufyan also had by heart all the variant readings of *Kanz*. It was after the death of Babu Ishaq in A. H. 776 (1375 A. D.) that Shaikh Ahmad most seriously engaged himself in studies and went from place to place in the pursuit of knowledge.

By the time he started on his pilgrimage to the holy cities, Shaikh Ahmad had become well versed in religious sciences which, as well as the ascetic practices and spiritual exercises which he took under the spiritual guidance and training of Babu Ishaq at Delhi and elsewhere, stood in good in his meetings with saints and savants in India and abroad. The saint had, during his sojourn at Sarkhej, written a religious treatise called *Risala-i-Maghribiy*. The saint also seems to have built up a well-equipped library from which he would send for books to support his views expressed or contentions made from memory. Qadi Badh Abdur Razzaq Walwalji was the librarian-cum-scribe (*Kitabdar-wa-Katib*) of the library of the saint at Sarkhej. Manuscript copies of important works were transcribed for him by disciples or admirers. For

when at Ajmer, he received a spiritual call from Khwaja Muinud-Din Chishti to go and live at Khatu. It was at Didwana that the Delhi boy was living with Najib when the Babu got him to come and stay with him.

Babu Ishaq gave the name Ahmad to him and always addressed him as Baba Ahmad. He brought up the four or odd years old Shaikh Ahmad with greatest possible affection and utmost care. In his very early days, it seems, the boy was not much attracted or devoted to studies but was more fond of manly arts and games like horsemanship, archery, wrestling, stick-and-ball, etc. Even as a young man he had gained fame as a wrestler and a skilled archer, and later on he used to often narrate his exploits in these fields. An expert archer of Didwana, Shaikh Ali Qairwani, is reported to have come to Khatu to impart him training in archery and had brought for him a pair of clay-shoe-mould, which he said were put on by trainees. His skill in archery was put to a successful test when a local official, a Malik, had set up a target and invited the people of Khatu, who failed to hit it despite repeated attempts, while the young Shaikh Ahmad arriving on the scene later, hit it in the first attempt. The author of the *Mirqat* has noted that the saint used to wear the archer's outfit at Sarkhej too, that is to say when he was past sixty. The saint also describes his wrestling bout in youth with a Hindu cobbler boy in Khatu, at the latter's persistent challenge. The saint was physically very strong. He recalls how once he rescued a young woman of Khatu who was going to the village-well to fetch water from being molested by an official designated as *Muharrir* i. e. an accountant-clerk.

However, Babu Ishaq wanted him to take to studies in all seriousness. The same advice was given to him by the accountant-clerk whom he had earlier in the day prevented by using physical force from molesting a woman. Babu Ishaq took him to the Madrasa at Nagaur named after Qadi Hamidud-Din Nagauri and asked the teachers there and the learned men of the town who had come to meet him to impart learning to Shaikh Ahmad. The primary books for the beginner's course like *Mizan*, *Hazar-Alfaz*, *Masadir*, *Panj-Ganj*, etc. were procured. Shaikh Ahmad, out of his pocket-money got a copy of *Tafsir-i-Imam Zahid* made for him by Qadi Imam Shah Jalal who charged the cost of paper only.

Samarqand and role in the ceasation of the Delhi plunder and the release of prisoners held by Timur's army, and his fully active advanced life at Sarkhej where he enjoyed utmost consideration of five successful sovereigns. The importance even only in this regard is obvious to all serious students of history who are aware that no biographical accounts of the saints, individually or collectively, are by and large attempted by contemporary or later writers until the Mughal period.

I shall, therefore, begin with the description of the contents of the *Mirqat* and their evaluation with the information contained therein about the life of the saint. The biographical sketch drawn up from the references to his own chequered career by the saint in his discourses from time to time recorded by the compiler of the *Mirqat* is like this : Shaikh Ahmad, whose original name was Nasirud-Din was born in a princely elite family of Delhi in about A. H. 737 (1336-37 A. D.) or so, during the reign of Muhammad bin Tughluq Shah. While yet a child, he got separated in unusual but not wholly improbable circumstances. A furious dusty whirlwind overtook him when he was one evening taken out for his usual outing in the garden by his nurse who lost her way and found herself and the lad Nasirud-Din, apparently after the storm had subsided, in the midst of a caravan of merchants from the Gangetic plain who had camped at Delhi on their way to Rajasthan. Both the nurse and the child found refuge with one of the merchants and accompanied him when the caravan left Delhi next morning for Didwana in Nagaur district of Rajasthan on its usual business visit to purchase salt. At Didwana, the child was adopted by a childless weaver Najib by name. Babu Ishaq, a prominent celebrant saint of the Maghribi order, having been told of the boy in a spiritual communion and being in need of a boy-disciple after the untimely death of his young disciple Shaikh Qiwanud-Din, prevailed upon Najib through one of his disciples and a leading citizen of Didwana, Maulana Sadrud Din to part with him and send him to Khatu. Professor Nizami in his account makes Babu Ishaq find the young boy in a village and live with him at Delhi before moving with him to Khatu. But this is not correct. In fact, Babu Ishaq, who no doubt originally hailed from and resided at Delhi, had long before the boy came into his life settled at Khatu after his constant travels in the course of which,

primary source for an account of the saint's life and achievements. As a matter of fact, the value of that work in that regard is doubtful. The contents of the *Mirqat* are not more or less the same as covered by the other work as claimed by Professor Nizami who probably was led to think so on the basis of Vladimir Ivanov's notice of Maulana Muhammad bin Abul Qasim's work in his catalogue of the collection of the Asiatic Society. I for one certainly wish Professor Nizami had consulted the *Mirqat*, for had he done so, we would have had the benefit of a learned exposition of its contents in a more erudite and profitable manner than I shall be able to do. Personally I have strong reasons to believe that Shaikh Mahmud's work is not an original work compiled in the life-time of the saint but perhaps a later one, definitely later than the *Mirqat*. Time does not permit me to go into details here, but a comparison of what I am to describe here in regard to the account of the life and various activities of Shaikh Mahmud on the basis of the *Mirqat* with that gathered by Professor Nizami from the *Tuhfatul Majalis* and detailed in his article suffices to show that the contents of the account of the seventyfive or so assemblies of this work has precious little original about them and is nothing but a hash-up of the information taken from Maulana Muhammad's work with a few bits of information then current in Ahmadabad and Sarkhej thrown in between here and there. It may also be pointed out in this connection that not only are the assemblies described without specifying the date and month and year, but even the date of commencement or the completion of the compilation is not given. Moreover, and this is quite significant the utterances of these assemblies are devoid of a single reference by the saint to his more colourful life and formative years of his youth passed under the vigilant eyes of Babu shaq whom he never ceased to mention in his utterances.

On the other hand the *Mirqat* is a store-house of information on various matters ranging from political history to everyday minor affairs of contemporary society of medieval Rajasthan and Gujarat. It also is by far the main and earliest source that furnishes such varied and useful information about the life and entire career of the saint - from his early childhood, his education, his spiritual training, ascetic exercises, his travels on various counts, his pilgrimage to the holy places, his journey to

saint had also finally settled down at Sarkhej. Maulana Muhammed was well-versed in religious and rational sciences and on his arrival to Sarkhej he joined the Shaikh's establishment as leader-of-prayer (*imam*) before the latter admitted him to the circle of his disciples on the last Thursday of the month of Sha'ban A. H. 819 (22 October 1416 A. D.). For the next three decades that is to say until the saint's death in A. H. 849 (1445 A.D.), he was in constant attendance on the saint, exclusive of the period, unfortunately not specified, of his pre-discipleship association with the saint. It was only twelve years after the death of his master, that is to say in A. H. 861 (1457 A. D.) that after much hesitation he undertook the task to commit to writing the *malfuzat* of the Shaikh at the persistent requests of the military and civil officials of the Gujarat Sultan, though earlier he had successfully resisted the suggestion in the same regard made by a host of people, companion and friends.

Another book purported to be *Malfuz* of the Shaikh is the *Tuhfatul Majalis* referred to more than once earlier. Its compiler is Shaikh Mahmud bin Said Irajī who claims to have put to writing the utterances of the saint which he heard in the saintly assemblies with the easily obtained permission of the saint. Once the saint was in an expensive mood and asked him to express any wish to which he replied that he had only one wish and that was to commit to writing and compile the utterances and sayings of the saint. The saint told him to proceed with it if that was what he wanted. Thus whatever he heard in the assemblies from the mouth of the saint he wrote down and compiled it in the form of a book which he named *Tuhfatul Majalis*.

Incidentally this so-called Malfuz-compilation has got wider currency than the *Mirqat*. Prof. Khaliq Ahmed Nizami describes it as the earliest and by far the most important source of information on account of the value of information it contains about the life of the Shaikh, though he himself considered it to be of an inferior quality as a Malfuz. Professor Nizami was aware of the existence of the Asiatic Society copy of the *Mirqat* but he does not seem to have seen it nor does he seem to be aware of its Urdu translation, the *Sirat-i-Ahmadiya*. If he had, he would certainly have revised his opinion about the *Tuhfatul Majalis* being

under the general title, perhaps copied from the fly-leaf, *Malfuzat-i-Ahmad Maghribi* and not by its actual name given explicitly in the introductory portion of the work. The Library of the Dargah of Pir Muhammad Shah at Ahmadabad possesses a modern copy made from a manuscript copy transcribed in A. H. 1128 (1715 A. D.), the present whereabouts of which are not known. However, Maulavi Sayyid Abu Zafar Nadvi in the preface of his Urdu translation the *Sirat-i-Ahmadiya* informs that since the time he translated the *Tuhfatul Majalis* and published it in 1939, he was on the look out for the *Mirqat*. At about that time he came to know that a complete copy thereof was in the possession of Sayyid Manzur Hasain Alavi, popularly known as Husaini Pir, a descendent of Shah Wajihud-Din Alavi and father of the famous Urdu critic and writer Professor Varis Hussain Alavi of Ahmadabad, who promised to make it available to him. In the meantime the said Dargah Library obtained an incomplete manuscript-copy of the work through the well known scholar, writer and poet Qadi Mian Ahmad Akhtar of Junagadh. Maulavi Abu Zafar Sahib started perusing it when Pir Husaini gave him a complete pencil-copy with the help of which the former completed the incomplete copy and started his translation from the newly made copy. His translation based on this modern copy was prefaced by a long introduction running into about forty pages which contained an account of the life and work of the author gleaned from the book itself and a detailed life-sketch of the saint from his early childhood to his death compiled from the information mainly from the *Mirqat* and supplemented if necessary by that from the *Tuhfatul Majalis*.

The compiler of the *Mirqat*, Maulana Mohammad bin Abul Qasim was in all probability a fellow-townsmen of the saint, that is to say he hailed from Khatu or from Didwana or Nagaur, but he came in contact with the saint much later after the latter's permanent departure from Rajasthan. He was very probably a lad when the saint lived in Rajasthan. In any case, he seems to have come to Gujarat with his maternal grandfather and other relatives in consequence of the unsettled conditions in Nagaur region due to Rao Chonda of Mewar's depredations there. This was in about A. H. 802 (1399 A.D.), when about that time the

the same problem. Professor Muhammad Aslam of the History Department of the Panjab University, Lahore had also published an article describing the contents of the same Malfuz of Shah Wajih-ud-Din entitled *bahrul Haqqatq*. Another Malfuz-work which has been somewhat extensively used in an article entitled "Shaikh Ahmad Maghribi as a great historical personality of medieval Gujarat" by Professor Khaliq Ahmad Nizami is the *Tuhfatul Majalis*, a collection of assembly-discourses of Shaikh Ahmad Khattu of Sarkhej compiled by Shaikh Mahmud Irajli. The article was published a little more than a decade back, in 1970 to be exact. However it was more than four and a half decade back that the late Maulavi Sayyid Abu Zafar Nadvi of Bihar had published a full Urdu translation of the *Tuhfatul Majalis* which failed to attract the attention of historians for so long a period. Maulavi Sayyid Abu Zafar Nadvi, it may come as a news to all here—even in Gujarat, very few people are aware, such is the state of our interest in historical research—had also published in 1945 the Urdu translation, under the title *Sirat-i-Ahmadiya*, of another malfuz of the same saint called *Mirqatul Wusul ilallah-i-war-Rasul* (the Ladder facilitating Union to Allah and the Prophet) compiled in A. H. 861 (1457 A. D.) or some 12 years after the saint's death by one of his disciples and leaders-of-prayers (*pish imam*), Maulana Muhammad son of Abul Qasim who was in constant attendance on him for full three decades. Maulavi Sahib had in the exhaustive introductions of these two translated works, written at length about the life and achievements of Shaikh Ahmad on the basis of both the *Tuhfatul Majalis* and the *Mirqat*.

It is this Malfuz the *Miqrat*, about which I propose to speak at length with particular reference to its importance as historical source material. The work also, by its very nature, contains matter on theological and spiritual matters and practices; but not being competent to do justice to that, I have only chosen to deal with its historical aspect only.

Not many manuscripts of this work are known. The only copy the existence of which was known to us from printed catalogues of manuscripts is the one in the collection of the Asiatic Society of Bengal. In the printed catalogue, the work is mentioned

in different regions where the geographical, social, historical and like information contained in the works could be better and properly understood.

Speaking of regions, while the Malfuz-works from Bihar and Deccan have received attention of scholars and historians, they have more or less completely overlooked the copious Malfuz literature of Gujarat, where the Chishti, the Suhrawardi, the Maghribi, the Qadiri and the Shattari orders flourished side by side and played an important role in the various spheres of its life and where a number of treatises and works on mystical subjects and collections of sayings and utterances of saints and accounts of their assemblies are to be found. The Suhrawardi saintly family of Ahmadabad descended from the celebrated saint Sayyid Jalal-ud-Din Husain popularly called Makhdum-i-Jahaniyan Jahangasht whose grandson Sayyid Burhan-ud-Din popularly called Qutb-i-Alam was the first to come to Gujarat and settle there and the Chishti family of the same place claiming descent from Shaikh Nasir-ud-Din Mahmud Chiragh-i-Dihli through his sister's son Khwaja Kamal-ud-Din, very few people outside Gujarat and not many even in Gujarat know, have the distinction perhaps unique in the annals of saintly families of India, of having produced almost successive six-seven generations of spiritual leaders-savants-literateurs-authors, whose contributions to learning and literature are yet to be properly evaluated.

So far, the only field in which a systematic but a very limited use of the Malfuz literature of Gujarat is made, is that of the origin and development of Urdu literature. Baba-i-Urdu Maulavi Abdul Haqq in his *Urdu ke Irrtiqa men Sufiyai kiram ku hissa* had utilized one of the seven volumes of the *Jumat-i-Shahiya*, comprising the Friday assembly reminiscences of the celebrated saint Shah Alam, to give example of the proto-Urdu or Gujarati language spoken at that period. A few years back Maulana Abdur Rahman Parwaz Islahi who was working on a biography of the sixteenth century famous Gujarat savant and teacher Shah Wajih-ud-Din Alvi of Ahmadabad, which could not be completed due to his sudden and untimely death, had published an article on one of the Shah's Malfuz works mainly with a view, again, to investigate

paid attention to it. The pioneer in this field and in a sense a lone crusader in this task is a well-known and well-respected Professor Sayyid Hasan Askari, who was the first to draw attention, through a number of his articles spread over years to the importance of literature as a valuable source of history. Professor Askari has thrown much light not only on the social, cultural and religious but also political history of medieval eastern India through his in-depth detailed studies of the memoirs of the Sufi saints of eastern India, particularly Bihar. Though a historian by education, training and profession, Professor Askari is among the top historians of India and among the very few of them who can claim profound knowledge of Persian as well as of mysticism. The other medieval Indian historian to highlight the importance and usefulness of this much neglected source is Professor Khaliq Ahmad Nizami who possesses a very good collection, in original as well as copies, of Malfuz works. But regrettably, he has not been able to devote more attention to them though he has at times introduced a few of them to students of Indo-Muslim history.

The fact, it cannot be gainsaid, remains that despite their laudable efforts, these two stalwarts have touched only a few more well known and somewhat easily accessible works and there is still need of utilising fully all known and unknown material not merely pointing out in general terms their importance or significance of some trend, behaviour or thought of the saints having a bearing on the political, intellectual or religious history of their times—this is, I must hasten to add, not less an important contribution to historical investigations—but what is perhaps very necessary is to compile in one place all the revelant extracts from the Malfuz literature of the Indo-Pak-Bangladesh sub-continent having the slightest bearing on any aspect of history and publish them in original as well as in translation on the lines of Elliot and Dowson's or Dr Rizvi's series mentioned earlier. This may on the face of it appear too stupendous a task, but it is nevertheless manageable. It can be undertaken as team-work under a project by some research institution or Centre like the Centre of Advance study in History of Aligarh Muslim University or rather it could be done more practically at research institutes

Hindi or Proto-Urdu. They also mention poets and authors, quoting verses in Arabic, Persian and local dialect—Hindi or Proto-Urdu, names of treatises and works, which one might look for in vain in other sources.

It is true, the importance of such an extremely useful source for the social, cultural religious and literary history has been recognised and also stressed upon from time to time by our historians. At the same time, it is equally true that this vast source-material has not been adequately traced or, if traced, utilised.

A few such not widely known Malfuz may be mentioned here. I shall confine myself to some of the Malfuz-works from Gujarat, Khandesh and Deccan only : *Shamailul Atqiya wa Radhailul Ashqiya* and *Nafaisul Anfas* by Khwaja Rukn-ud-Din son of Imad-ud-Din Kashani (printed, Hyderabad, A. H. 1347), *Husulul Wusul* and *Ahsanul Aqwal* by Khwaja Hammad Kashani, *Gharailul Karamat* and *Baqiyyatul Gharail*, both by Khwaja Majd-ud-Din son of Imad-ud-Din Kashani, all being the Malfuz of Khwaja Burhan-ud-Din Gharib, the disciple and Khalifa of Hazrat Nizam-ud-Din Auliya and *Shawamiul Jumal fi-Shumaili' Kumal* of Sayyid Muhammad Gesudaraz and *Maqsudul Murud* (Shah Hashim Alvi of Bijapur), all from Deccan. The Malfuz of Burhanpur saints include *Fathul Yaqin* (Shah Nizam-ud-Din Bhikari), *Dalilus Salihin* (Shah Hamid-ud-Din), *Manaqib-i-Sharifi* (Shah Shahbaz), *Futuhul Auliya* (more than one saint) *Khazana-i-Rahmat* (Shaikh Azizullah Mutawakkil and his son Shaikh Rahmatullah by the famous Gujarati poet Baha-ud-Din Bajan), *Malfuzat-i-Shah Lashkar Muhammad Arif*, *Kashful Haqiq* (Shah Isa Jundullah) and *Thamaratul Hayat* and half a dozen more of Shah Burhan Raz-i-Ilahi. The Gujarat malfuz include *Juma'at-i-Shahiya* (based on the contemporary *Kunuz-i-Muhammadi*, now not traceable) of Sayyid Siraj-ud-Din Muhammad Shah Alam Bukhari, *Miftahul Qulub* and *Tuhfatul Qari* (Qazi Mahmud Daryai), *Bahrul Haqiq* (Shah Wajih-ud-Din Alvi), etc.

These works may not be unknown to most of our scholars of Indian mystical studies or of Persian language and literature. But as it happens, few or hardly a couple of our historians of medieval period of Indian history have

household too—in regard to partition of landed property or income of the saint.

The Malfuz works, in short, help us conjure up medieval society in its fulness with the moods, aspirations and varied problems of its members, their customs and manners and likes and dislikes. What strikes us most while going through these Malfuz works is that certain aspects of social life and behaviour of medieval society have undergone, at least until very recent days, but little change in essential parts.

Along with topics dealing with religious, theological and spiritual matters and discourses on ethical themes, interspersed with appropriate anecdotes from the lives of prominent saintly personalities of the past, these works are replete with mention, overt and covert, of manners and usages, beliefs and creeds, prejudices and predilections, modes of behaviour, food, dress, games, pastimes and the like, generally not met with in historical works and chronicles, some of which have survived, with little modification till our days. These works also refer, however, indirectly, to the educational system and curriculum followed in educational institutions.

Even in the field of political history, the information supplied by them in respect of the imperial government and some department of the state administration is found to be at times quite valuable. But they are a very important source for local history, providing as they do much needed material for the history of out-lying regions and mofussil towns and villages which is generally relegated to the background and even overlooked in historical works. Then these works contain topographical data that provide material for students of historical geography and archaeology of a region as also on roads and communications. They are helpful for the topographical study of towns and identification of their sites, gardens and monuments, extant or non-extant, etc.

Another field in which this literature can prove useful—this has also not been systematically tapped I believe—is history of language and literature. Being faithful records of utterances, these memoirs provide important data on the form of language spoken at various periods and in different regions and as such are of substantial help in tracing the history and development of

sharp focus the varied and intensely human qualities of the spiritual mentor.

Contrary to general belief, the saintly persons, who were the cream of the society, as revealed through their recorded utterances and sayings, appear extremely human and simple in their every day life and dealings with their fellow-beings, shorn of the supernatural aura that has been allowed to hallow their normal wordly existence. From the pages of these Malfuz, we get a fairly good idea of the daily routine of the saintly household and the savants and people frequenting them. A perusal of these works shows that the life the saints used to lead was not very different from that of the other members of the society in many respects. Except for the supernatural powers they reportedly possessed not of their own free-will but on behalf of the ultimate master the *Allah* or their undoubted spiritual attainment and pure mind unalloyed with baser instincts of human nature, they lived like any other fellow-member of the community whose spiritual and temporal well-being they sought, not uncommonly doing daily chores like tilling the field, visiting the land they owned or held in subsistence grant, looking after their cows and like herd and seeing that they were properly fed and tended to, participating in social functions of birth, marriage and death, communicating or corresponding with people, transcribing and copying books—*kitabāt* was considered in saintly circles as a desirable means of livelihood—going to for a stroll in the garden, or having an outing, going to see a river in spate, etc. They appear to us in these pages behaving for the greater part of the day like normal human beings even having their moments of human weaknesses. They reportedly took part in innocent frolics and pleasure-games like indulging in play with a fellow bather saint in a pond throwing water against each other, one running after the other, taking part at a certain age in pigeon-play or maintaining pigeon-houses in saintly abode or taking part in marriage ceremonies where, permissible at the moment and on the occasion but unprintable, vulgar expressions were exchanged between the bridal and bridegroom parties—as is the practice, I believe, even today in middle-class families of Indian communities. We have even references to dissensions as in an ordinary family in a saintly

properly understood.

The fourteenth century is an important period in religious history. There was an effulgence of mystical activities from Multan in the west to Bengal in the east where Sufi savants and learned mystics and Shaikhs were busy spreading the message of love and universal peace. The first half of the fifteenth century saw the extension of the sphere of sufistic activities to Gujarat and Deccan. The Sufi establishments, their *Khanqahs* and the *Jama'at Khanas* served as hospices for travellers and wayfarers and also as training centres for the novices, resounding with lessons and discussions on theology, mysticism, scholastic philosophy, ethics morality, etc., at which the saint was the principal speaker. The utterances of the saint were most covetously taken down by devoted disciples with the express or tacit approval of the saint.

In this way, a considerable number of works came to be compiled in different parts of the country truthfully recording these discourses and proceedings at these meetings or assemblies which were open to all sections of society. This Malfuz literature by its very nature constitutes an important non-political history source material on one hand and one of the most important literary achievements of medieval India, on the other. In no other Islamic country, perhaps, to my knowledge — I am subject to correction of course, — this branch of hagiological compilation has been systematically and methodically cultivated as it has been in our country, specially during the pre-Mughal period in Bihar, Gujarat and the Deccan. Primarily intended to serve as a book of guidance for people at large, in general, and manual of spiritual instruction and code of exemplary conduct to disciples, in particular, the theme of these works revolved round the personality and spiritual achievement of the saint and his place in contemporary society. They thus came to encompass almost every aspect of the life of society at all levels and in all matters, temporal or spiritual. Nowhere else in any branch of medieval literature we come across such a vivid picture of contemporary society portrayed as in these table-talks. They furnish an intimate peep into the life of the laity as well as the elite and bring into

with the abundance of historical literature—a rough idea of which can be had from C. L. Storey's section on History in his *Persian Literature-A Bio-bibliographical Survey* which lists, it may be remembered, only listed or known works. Moreover, apart from historical works or works of history proper by which we mean chronicles or works describing the political history of a ruler, a dynasty or a region, there is a plethora of historical source-material stored in the various libraries and private collections in India and abroad, which has remained by and large untapped. This source-material provides great scope for historical research, containing as it does valuable data on and useful information about various aspects of human activities at different levels of society at different periods in different regions. Albeit, unlike historical works where the information about political events or the achievements of a ruler or his subordinates in the political field or their conquests are described in a single volume or place, which thus provide easy and convenient means of research calling for less arduous task or not very strenuous effort on the part of the researcher, the source-material in question exists in the form of manuscripts of works of diverse subjects, archival papers, etc. by a thorough perusal of which only, the requisite information can be had.

This material concerns such diverse subjects as pure literature including works of poets, tales, anecdotes, etc. biographies of eminent people like poets, learned men, ruling elite, saints, etc. hagiological works on religious thoughts and disciplines, saints' table-talks or proceedings of their regular periodic meetings and assemblies and audiences given to disciples and admirers popularly called *maljuz* literature, travelogues and geographical works and the like. Needless to say, for the proper understanding of the human life and behaviour of a region, a country, a community, a nation in its true historical perspective, it is essential to search for, examine, assess, study and utilise this varied, though scattered, material. Unless this is done, unless this multifarious source-material is brought to light and properly utilised, the history of the people, the working of the human mind and spirit, the various factors that weave the multifaceted fabric of the society, in short, the social, cultural and religious milieu of any specified time and space cannot be

Tarikh-i-Sind of Mir Muhammad Masum Nami, edited by Dr. U. M. Da'udpota, the Baroda University published in 1961, a new critical edition of *Mir'at-i-Sikandari*; a history of Gujarat Sultanate. edited by Dr. S. C. Misra and Prof. M. F. Rahman, Professor Dr. A. N. M. Khalidi of Hyderabad published in the 1960's. Nurullah Husain's *Tarikh-i-Ali Shahi*, the Delhi University in recent years too, published in 1969, an abridged edition of Shihab Hakims *Ma'athir-i-Mahmud Shahi* prepared by Dr. Nurul Hasan Ansari, etc. In recent years too, an original text is published once in a while. For example, *Ma'athir-i-Jahangiri* of Khwaja Kamgar Khan edited by Dr. Azra Alavi (nee, Nizami) was published from Aligarh a few years ago.

A major contribution in the field of easy accessibility of original material was made in the early 1950's, under the auspices of the Department of History, Aligarh Muslim University, at the initiative of Prof. Dr. S. Nurul Hasan, then Head of the Department, and with the whole-hearted support of Dr. Zakir Husain, then Vice-Chancellor of the Aligarh Muslim University. A series under the title 'Source Book of Medieval Indian History in Hindi', containing extracts of translations in Hindi original historical works, on the lines of but greater in scope than Elliot and Dowson's *The History of India* was planned under the editorship of Prof. Sayyid Athar Abbas Rizvi—it may be recalled that an Urdu series on Elliot and Dowson's model under the title *Tarikh-i-Hindustan* by Maulavi Zakaullah was published almost a century ago. Unfortunately, the series remained incomplete, though it did cover the history of the period upto Akbar and provincial kingdoms except the Deccan ones. Dr. Rizvi did tap more unpublished material not confined to purely historical works and also utilised a few political works. The last volume in Dr. Rizvi's series was published in 1962 or so.

Apart from the original texts, English translations of a few historical works have also appeared, one of the last, or perhaps the last in the series, being *Shah Nama-i-Minawwar Kalam* of Shiv Das translated into English by our venerable friend Prof. Dr. S. H. Askari.

Even so, it will be easily agreed that the work done so far in the field over more than a century past is not commensurate

and a few others, who brought out historical works like, to name only a few, *Babur Nama*, Persian translation of Babur's Turkish memoirs (Bombay, 1890), *Akbar Nama* of Abul-Fadl (more than once 1867, 1881-83, etc.), *A'in-i-Akbari* also by Abul Fadl (1855, 1869, etc.), *Tabaqat-i-Akbari* of Nizam-ud-Din Ahmad (1870, 1875), *Muntakhabu't Tawarikh* of Mulla Abdul Qadir Badayuni (1868), *Gulshan-i-Ibrahimi* or *Tarikh-i-Firishta* of Muhammad Qasim Hindu Shah (more than once, also with Urdu translation, 1864, 1874, 1884, etc.; -very few of us are aware of its fine printed edition in large size in two volumes, edited by Major General J. Briggs and Mir Khairat Ali Khan which was published at Poona, in 1831-2) *Siyarul Muta'akhhirin* of Nawab Ghulam Husain Khan Tabatabai (1866, 1897), *Imadus Sa'adat* of Ghulam Ali Khan Naqvi (1864, 1837), *Fathiya-i-Ibriya* of Shihab-ud-Din Ahmad Talish under the title *Tarikh-i-Asham* 1847), etc.

During a couple of decades before and after independence, we do find growing awareness of the need of publishing original historical works for the increasing number of researchers, as they or their translations were absolutely necessary for the proper indepth study of the entire second millennium of the country's past. Some efforts were made to publish original Persian works dealing with the history of the provincial kingdoms which, with some exceptions like the *Basatinus Salatin*, a history of the Adil Shahis of Bijapur (1891-92) and the *Mir'at-i-Sikandari* (1831, 1890), a history of the Gujarat sultanate, were by and large neglected till then. To name some, the Baroda State in its Gaekwar Oriental Series had published during 1928-30, the celebrated history of Gujarat, the *Mir'at-i-Ahmadi* and its *Khatima*, with the English translation of the *Khatima* or supplement, the Manuscripts Society of Hyderabad published the *Burhan-i-Ma'athir*, a history of the Bahmanis and one of their five successors the Nizam Shahis of Ahmadnagar (1936), the Madras University had published in 1937 the *Futuhus Salatin* a history of India from the Ghaznavid period to the foundation of the independent Deccan Sultanate in 1349-50, a lithograph edition of the same in the following year by Professor Dr. Agha Mahdi Husain who also published its annotated English translation under the title *Futuhus Salatin* or *Shah Nama-i-Hind* (1966 onwards). The Bhandarkar Research Institute Poona had in 1938 published the

It is rather paradoxical that while there has been in the past couple of decades a welcome spurt in historical studies including that of medieval India relating practically to all ruling dynasties and regions, the corresponding exercise of utilizing unpublished sources, leave alone tracing new or unknown ones, one can say without much fear of contradiction, has not kept pace with it. On the contrary, just reverse is the case: the publication of known original sources and search for unknown ones has been greatly on the wane if not totally stopped. One need not tender any apology to say that no serious or concerted efforts have been made to publish either in original or in translation, the vast historical material that lies awaiting the diligent search and extensive research in private collections as well as public libraries, after the efforts made in this direction by Sir H. M. Elliot of the Indian Civil Service, who first published the first volume of his *Bibliographical Index to the historians of Muhammadan India* and who later on collected and compiled in English, extracts from original Arabic and Persian, mostly Persian of course, historical works covering the history of Muslim India excluding the provincial kingdoms. This monumental work was edited by Professor John Dowson in 8 volumes under the title *The History of India as told by its own historians* from London between 1867 and 1877. Almost simultaneously, the Asiatic Society of Bengal, Calcutta, published about a dozen and a half works and English translation of quite a few of them relating to the history of the Sultanate and the Mughals with the exception of one or two. About this period, the efforts of the British Civilian officers and those of the members of the Asiatic Society seem to have set in motion this process as a result of which we find quite a few historical works published by Indian publishing houses like Munshi Naval Kishore

DR. Z. A. DESAI (Ziyaud-Din Ahmad Desai) Born 1925, Ahmedabad (Gujarat). M. A. (1948), Persian & Urdu, first in Bombay University. D. Litt. (1959) Tehran University. Thesis : Life and works of Faizi with special reference to Nal Daman. Lecturer in Persian, 1947-1953. Epigraphist in Archeological Survey of India, Head of Arabic & Persian Inscription Branch, 1953-1976. Director (Epigraphy) Deptt. of Archeology, Government of India, 1977-1983. President Award (Persian) 1983.

Books : Mosques of India, Indo-Islamic Architecture, Centres of Islamic learning in India, Published Muslim Inscriptions of Rajasthan, Life and works of Faizi, Perso-Arabic Epigraphy of Gujarat, A topographical list of Arabic, Persian and Urdu Inscriptions of South India (In Press) etc. More than 200 articles in English, Urdu, Hindi, Gujarati on epigraphy, architecture calligraphy, history, Indo-Persian literature, etc

**Malfuz Literature
As a Source of Political, Social & Cultural History
of
Gujarat & Rajasthan in 15th Century**

by :
Dr. Z. A. Desai

C O N T E N T S

✓ Malfuz literature as a source of political, social & cultural history of Gujarat & Rajasthan in 15th century
- by Dr.Z.A.Desai, 1-64

✓ *Divan-i-Hafiz-i-Khawarezmi* preserved in Salarjung Museum, Hyderabad
- by Dr.Erkan Turkmen, 65-66

Urdu/Persian Section

- * The concept of English education & its implementation at Aligarh by Prof.Rasheed Ahmad Siddiqi
- edited by Mim Nadeem (Dr.Mehr Ilahti), 1
- * *Khulasat-ul Ansab*: An analytical study
- by Mr.Dildar Nasri, 145
- * *Shafi'-ul Ma'ani*: A rare Persian Dictionary compiled in India
- introduced by Dr.Mohammad Tariq, 165
- * Numismatics: Techniques of deciphering
- by Mr.Syed Noor Mohammad Akelvi, 172
- * *Waqai' Rozgar*: A travelogue of Pt.Dayanath Wafa Kashmiri
- introduced by Prof.S.K.Husain Hamdani, 179
- * Dr.Zakir Husain: Personal Reminiscences
- by Prof.Sayeed Ahmad Akbarabadi, 189, Mr.Ziaul Hasan Farooqi, 193, Dr.S.M.Musanna Rizvi, 196, Dr.Ameen Ashraf, 197, Prof.Mohibbul Hasan, 198
- * *Mathnavi Ghulam Rasool Hasrat*,
- introduced by Prof.Mukhtaruddin Ahmad, 199
- * Pushto manuscripts preserved in Khuda Bakhsh Library
- by Dr.Zalmey Haiwadmaj, 203

Printer: Liberty Art Press, 1528, Pataudi House, New Delhi.
Publisher: Mustafa Kamal Hashmi for Khuda Bakhsh Library,
Patna (Phone : 50109, Telex : 22-430 KBL IN).
Editor : Dr. A. R. Bedar.
Annual Subscription: Rs.100/-(Inland) US\$ 20 (Asian Countries), US\$ 40 (Other Countries).
Rs.25/- Per Copy.

Khuda Bakhsh Library

JOURNAL



53

Khuda Bakhsh Oriental Public Library

P a t n a

1990



خدا بخش لائبریری



۵۵-۵۴

خدا بخش اینٹل کمپلک لائبریری



رجسٹریشن نمبر:	۳۳۳۳/۷۷	قیمت فی شمارہ:	پچیس پے
شمارہ:	چون۔ پچیس	مکالاتہ:	۱۰۰ پے (ہند)
قیمت:	پچاس پے		۲۰ ڈالر ایشیا، ۴۰ ڈالر دیگر ملک

۱۹۹۰ء

فہرست

فہرنگ زفان گویا	پروفیسر نذیر احمد
جھگوان داس ہندی: احوال و آثار	ڈاکٹر شریف حسین قاسمی
خدا بخش لائبریری میں مشاہیر کے آؤ گراف	ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن
شادی خانہ آبادی: ۱۹ویں صدی کے بہار کی ادبی دستاویز	جناب ادیب اسمیل
عہد شاہجہانی کا فرس نامہ اور عہد عالمگیر کا بابر نامہ	حکیم صیانت اللہ
ایس پی فیلس کا فتنہ خدا بخش	ڈاکٹر منظر عاشق ہرگنوی
ہندستان کے کتب خانوں میں ترکی مخطوطات	ڈاکٹر ارکان ترکمان
خیام کا ایک عظیم ہندی شاہکار	جناب شبیر احمد خان غوری
بنگلہ دیش میں اسلام	ڈاکٹر محمد عجیب الرحمن
ہندو مسلاحت:	
قدیم ترین نثری اردو فارسی لغت	ڈاکٹر عارف نوشاہی
کچھ سکوں کے بارے میں	جناب منیر الدین دیسائی
ڈاکٹر اقبال حسین کی داستان	پروفیسر کلیم سہرانی
نواب شروانی اور مثنوی	جناب تحسین فراقی
انگریزی حصہ:	
روداداری اور اسلام	پروفیسر جمال خواجہ
زفان گویا و جہان پویا	{ سی۔ این۔ ہائینسکی (لینن گراؤ) } { مترجمہ: ڈاکٹر سہادیا شرف }

فرہنگ زنان گویا

تالیف
مدریر ابراہیم

تصحیح و تعلیق و ترتیب
پروفیسور نذیر احمد
دانش گاہ اسلامی علی گڑھ

حرفے پیر

فارسی کی ان قدیم لغات میں جو ہندستان میں لکھی گئیں، 'ذخائن گویدا' کا بڑا درجہ ہے۔ خدا بخش مخطوط
کی اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے، جسے ڈاکٹر تیرا حملہ نے ہمارے لیے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر تیرا حملہ کا لغت کے
میدان میں بہت بڑا لوگ دان رہا ہے۔

ذخائن گویدا کے متن کی فاضلانہ تدوین اور اشاعت، فارسی لغت شناسی میں ایک اہم اضافہ ہوا ہے۔
مثلاً سمیت یونین کے مشہور محقق اکادمیشنن بالیسکی نے لینن گراڈ کے مخطوط کو ۱۹۰۴ء میں ایڈٹ کیا تھا اور ایک
مالانہ مقدمہ بھی لکھا تھا، مقدمہ روسی زبانی میں تھا، جس کا ترجمہ ہمارے لیے ڈاکٹر حامد یار شرف نے کیا ہے۔ جاوید اختر
مشہور مؤرخ ڈاکٹر محمد اشرف کے صاحبزادہ ہیں اور علمِ بایاں میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو ان کے باپ تارخ میں رکھتے تھے۔

— عرب

فهرست مندرجات

۳۱ - ۱	...	مقدمه مصحح
۱	...	فهرست فرہنگنامہ
۵ - ۲	...	مقدمه کتب
۳۴۴ - ۶	...	متن زبان گویا
۳۱ - ۱	...	فهرست دواثرهای الفبائی
۲۶ - ۲۲	...	فهرست نامهای اشخاص و غیره
۲۸ - ۲۶	...	فهرست نامهای کتب و زبانها
		مقدمه انگلیسی

مقدمه

فرهنگ زبان گویا عموماً بهمین نام شهرت دارد، مثلاً در سراسر شرق و غرب و مویده الفضا این فرهنگ بهمین نام یاد شده اما در بعضی از فرهنگ‌ها این لغت بنام زبان گویا و جهان پویا ذکر شده، مثلاً در فرهنگ جهانگیری این فرهنگ در مقدمه کتاب بدینطور ذکر شده:

«فرهنگ زبان گویا و جهان پویا مشهور به سفت بخش تصنیف بدرالدین»

و خود در فرهنگ نام این کتاب زبان گویا و جهان پویا درجست، مثلاً در مقدمه این عبارت بنظر می آید:

و نام این فرهنگ نام زبان گویا و جهان پویان نهادم

و بر ورق ۲ در نسخه با نکی پور بخط کاتب این عبارت منقول است:

فرهنگ نام تصنیف بدر ابراهیم "اسم زبان گویا و جهان پویان"

و بر ورق ۱ ب بخط جدیدتری نوشته شده است:

فرهنگ زبان گویان و جهان پویان

و اگرچه در نسخه روسیه که جدیدتر است و غلطها نیز دارد، نام کتاب بصورت زبان گویا و جهان پویا آمده

۱. در مدار الافاضل و شیرخانی نیز بهمین نام یافته می شود.

۲. گویا چند معنی دارد و صفت چند چیز واقع شده، مانند زبان گویا یعنی زبانی که گنگ نیست، و زبان فصیح،

فرهنگ معین ۳: ۳۴۸۸

۳. پویا دومی دارد؛ رونده، رونده (ایضاً: ۸۳۳)

متم شد کتاب فرهنگ مد زبان گویا و جهان پویا" مؤلف کتاب، نام کتاب خود را "زبان گویان و جهان پویان" قرار داده بود.

واژه های گویان و پویان مانند کلمات گویا و پویا معنی دارند. در فرهنگ فارسی معین ۳: ۳۴۸ این دو کلمه بدین طور شرح شده:

گویان [گفتن] - گوینده: گویان زبانی تو ما دل و دل

جویان ز تو نزد ما زر و زر (عمادی، گنج سخن ۱: ۳۱۲)

۲- در حال گفتن: متکلف بود و پویان و مترصد و جویان و بر حسب واقع گویان

(سعدی، لغت نامه دهخدا)

و در همین فرهنگ ۱: ۸۴۴ پویان بیگونه شرح گردیده:

پویان [پوسیدن] - روان: چنین تا برآمد برین چندگاه

بد آموز پویان بدرگاه شاه (شاهنما بخش ۸)

۲- دوان

راجع به هفت بخش که بقول مؤلف فرهنگ جهانگیری زبان گویا بدین نام شهرت یافته، باید علاوه نمود که غیر از جمله آخر مقدمه زبان گویا که شامل فقره هفت بخش است، و ذیلاً آورده میشود، عبارتی دیده نشده که در آن نام این فرهنگ بعنوان هفت بخش آمده باشد:

"انرازه هفت نام بر هفت بخش است"

به عبارت آخری در باره هفت زبان گویا بنام هفت بخش هیچ اطلاعی در دست نیست.

در همین فرهنگ جهانگیری در ذیل واژه پنکس (ج ۱ ص ۸۴) فرسنگی بنام پنج بخشی ذکر شده:

"در فرهنگ پنج بخشی (پنکس) یعنی عشق نیز مرقوم است."

فرسنگ قواسم تألیف فخرالدین مبارک شاه غزنوی که در عهد علاءالدین خلجی در هند تألیف گردیده شامل پنج بخش است. چنانچه در مقدمه (ص ۳) آمده:

عشق تعریف عشوه است، در نسخ زبان که پیش بنده است، عشوه است نه عشق؛ و در فرسنگی دیگر نیز همین کلمه عشوه است نه عشق، رک: مدار الافاضل ج ۱ ص ۲۹۰، عجب است از صاحب جهانگیری که بصفت این که مدار الافاضل و فرسنگی دیگر پیش خود داشته اما این تعریف مزج را تصحیح ننموده.

این فرسنگ تصحیح و تعلیق و تحشید بنده از طوطی بگناه ترجمه و نشر کتاب تهران سال ۱۹۷۴ میلادی انتشار یافته.

"فرهنگ نامد بر پنج بخش است، هر بخشی بر چند گونه و هر گونه در چند بهره."

ازین می توان قیاس کرد که در عبارت فرهنگ جایگیری منظور از پنج بخشی فرهنگ قواس باشد اما چون واژه 'پنج بخش' شامل فرهنگ قواس نیست، بنظم مراد همین فرهنگ زفان گویا باشد؛ و این قیاس ناشی از این است که در این فرهنگ اخیر کلمه پنج بخش آمده و بطور شرح شده:

پنج بخش عشو و گدازش، بعضی شین معجز گویند (گود پ، بهره س) همین علت قیاس بنده این است که منظور صاحب جایگیری در عبارت فوق زفان گویا است نه فرهنگ قواس، و این سهواست و شاید از همین سهواست که الله داد سرندی در فرهنگ مدار الافاضل که در سال ۱۰۰۱ هـ تألیف شده زفان گویا پنج بخشی گوید. چنانچه در مقدمه کتاب (ص ۳) آمده است:

چنانچه زفان گویا که اورا پنج بخشی نیز گویند
و نیز ذیل واژه یاد است:

و در پنج بخشی است که بیشتر بدال معجز گویند

این است راجع بنام کتاب، بنده بنا بر شهرت عمومی این فرهنگ نامد را بجای نام اصیل یعنی فرهنگ نامد زفان گویان و جهان پویان بنام زفان گویا بلکه اختصاراً بعنوان زفان تکرا داده ام.
کلمه زفان که در عنوان کتاب واژه اول مستر یافته در فرهنگ جایگیری (۱۳۷۷: ۲) آمده بدین گونه ترح شده:

زفان با اول مضوم زبان را گویند، منوچهری راست:

مرفان زبان گرفت یکسر بگشاده زفان رومی و عبری
و با اول منقوح بزبان بود، حکیم سوزنی گفته:

نادی از نور دین رسید و مرا گفت

کرده زفان تبسز چون زفانه آتش

در حواشی جایگیری این مثالها افزوده شده:

و از آن سوراخ از هزار سال باز یکی مار بیرون آید چند انکه چشم و روی و زفان وی می بینی.

(تاریخ سیستان ص ۱۳)

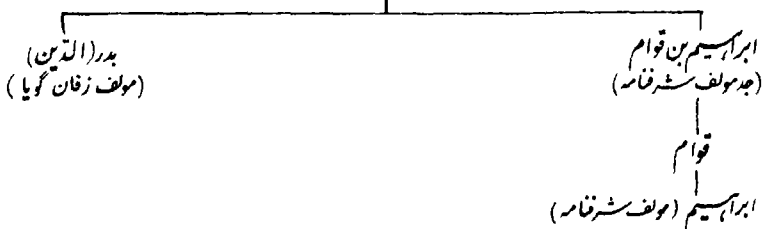
و گفته اند: از آن گفت که در زفان موسی بستگی بود از آن وقت باز که آتش بر زبان نساد.

(قصص قرآن سوره آبدی ص ۲۳۸)

پاشیکان بدل دوست باشی و بایدان بزبان دوستی خانی تا دوستی هر دو گروه ترا حاصل گردد. (قابوسنامه)
محمد منصور بر کرسی بلرزد و فرزندش و زخان او در بند شد. (مقامات زند چهل و دو ص ۲۲) دغد در مقدمه
خان گویا آمده :

چنانکه از برزخانی بهره بود در سخنان برزخانی را جداگانه تر زخانی بود.
مولف کتاب: درباره مولف زخان گویا هیچ ماخذی در دست نیست، و خود مصنف کتاب نیز راجع بخود و
در باره تاریخ کتاب هیچ اطلاعی فراهم نکرده، اما در مقدمه کتاب نام مولف بدر ابراهیم بنظری آید؛ پس
زستایش خدای بی نیاز و ستودمهدیش نواز چنین گوید بنده خوارترین چون خاک زمین دل پریم بدر ابراهیم.
و همین نام یعنی بدر ابراهیم در سرورق نسخه باکی پور نیز دیده میشود. ظاهراً در ترکیب بدر ابراهیم، اضافه اینی
بکار برده شده یعنی بدر بن ابراهیم، و در صحت این قول می توان حد زد که نام مولف بدر و پدرش ابراهیم
بود و شاید بهیمن علت بود که صاحب جهانگیری نامش بدرالدین نوشته. تصادفاً در فرهنگ شرقنامه تالیف ابراهیم
بن قوام فاروقی هویت نام مولف همان است که در خود کتاب است، مثلاً صاحب شرقنامه می نویسد:
ایارده^۱ بافتح بارای موقوف نام تفسیر زند که تصنیف ابراهیم زشت است و می گویند تفسیر زند
است و آن هم کتابی است مغان را، نیز گویند که از صف منزل است و دو معنی اخیر منقول است از فرهنگ
زخان گویا که از مصنفات مولانا بدر ابراهیم برادر جد جامع شرف نامه است.
ازین قول نیز معلوم می شود که ابراهیم بن قوام فاروقی از خانواده مولف زخان گویا بوده، و از این
می توان نتیجه گرفت که بدر ابراهیم مانند مولف شرقنامه نسبتاً فاروقی بوده است. پس نسب نامه بدر ابراهیم
باید بدین قرار ترتیب داد :

ابراهیم
(پدر مولف زخان گویا)



۱- ایارده مشرح و تفسیر اوستاست نه تفسیر زند (معین ۵، ۲۰۴)

۲- این قول محل نظر است.

۳- هر چند اوستا نسک (بافتح) می گویند (معین ۶، ۷۲۲)

دانشمند شبیر حافظ محمود شیرانی در تالیف خود: "پنجاب میں اردو" دو بار نام مولف زلفان گویا
بخط آورده:

ملارشدید برادر جد جامع شرفنامه

ملارشدید پدر ابراهیم برادر جد جامع شرفنامه

اگرچه شیرانی ماخذ خود را نه نوشته اما بظاہر او از شرفنامه این اطلاع را بدست آورده، و واضح است
که قولش از ماخذش متفاوت است، ملارشدید نام مولف نیست، و اگر در قول دوم کلمه پدر تصحیف پدر
نیست، ابراهیم نام پدر مولف زلفان گویا بوده نه نام پدر، در حال قول شیرانی خالی از اشتباه نیست.
اگرچه بطور قطع و یقین معلوم نیست که پدر ابراهیم مولف زلفان گویا کجا سکونت داشته، اما ابراهیم
بن قوام فاروقی مولف شرفنامه که نسبت بهم خانوادگی به پدر ابراهیم داشته است، در یکی از اشعارش
خود را به چوناپور انتساب داده است:

از قدومت هست حق در همه تعلیم یهند

شهر چوناپور ما مانند لؤلؤ در عدن

چوناپور صورت قدیمی قصبه جونپور است، و این شهر بوسیله شانان شرقی یکی از مراکز ادبی و فرهنگی
قرار گرفته، ممکن است که ابراهیم بن قوام بهمانجا ولادت و نشو و نما یافته و بعدش عازم بهار و بنگال شده،
فرهنگ خود را در میان سالهای ۸۶۲ و ۸۷۹ بنام یار بک شاه فرمانروای بنگال ترتیب داده باشد.
در صحت این حدس میتوان گفت که این خانواده فرهنگی بچونپور علاقه داشته است، باید علاوه نمود که از آثار
هندی که پدر ابراهیم در زلفان گویا و ابراهیم قوام در شرفنامه آورده میتوان قیاس کرد که هر دو مصنف نامبرده
بخط و شرق هند علاقه داشته اند، مثلاً کلمه اووس که متبادل کلمه فارسی عکس است، بجای کھٹل، یا واژه
جگنی بجای جگنو متبادل کلمه شب تاب فارسی، یا واژه بلنصنی مترادف کنفلجیک یا گبروره مترادف خبردوک یا
کلنی مترادف کن، یا چلی مترادف پرویزن همنور در استان اترپردیش شرقی و بعضی خطهای بهار همنور
مترادف است.

ص ۲۷۳، ۲۸۴

مقالات شیرانی ۱: ۳۱۷: شرفنامه احمد منیری

این بیت ذیل واژه "هند" آمده.

وک: مقدمه شرفنامه

تاریخ تالیف: درباره تاریخ تالیف زفان گویا اطلاع بمسم نرسیده، خوش بختانه در میان مآخذ بحر الفضائل نام زفان گویا دیده می شود، و تاریخ تالیف بحر الفضائل ۸۲۳ هجری است چنانکه خود نگارنده کتاب می آرد:

"آغاز تاریخ هجرت از غره ماه محرم گرفتند و درین وقت از تاریخ هجرت پیغمبر شست صدوی هفت سال است"

پس محقق شد که زفان گویا پیش از ۸۳۷ هجری نوشته شد؛ استاد حمیدسن در یکی از مقالات خود نوشته که "زفان" از ادات الغضلا مقدم است و معلوم است که مؤخر الذکر در ۸۲۳ هجری تالیف شده، پس تاریخ زفان باید از ۸۲۳ هجری پیشتر باشد؛ بنای حدس او بر دو چیز است: اول اینکه نویسنده زفان گویا برادر جد نویسنده مشرف نامه، و مشرف نامه در میان سالهای ۸۶۳ و ۸۷۹ هجری نوشته شده؛ پس اگر در میان سن های نوه و جدش پنجاه سال تفاوت باشد، تاریخ زفان در میان ۸۱۲ و ۸۲۹ هجری قرار می یابد، دوم اینکه در مویه الفضل نام زفان قبل از ادات آمده؛ اما این دلیل بیج محکم نیست زیرا که دهمین مویه چندین بار نام زفان از مویه موهتر آمده؛ و باره تفاوت پنجاه سال در میان سنهای نوه و جد، نباید فراموش کرد که تا معلوم نشود که پدر ابرکبسم نویسنده زفان گویا بزرگ بود یا نرود، این مدت درست نمی باشد. باید علاوه نمود که در ادات ذکر از زفان گویا نیامده، و بدالالتین دهوی شم دهوارال چندی در جنوب نیز بسر برده، بستان برین قیاس میتوان کرد هر دو یک دیگری را شناخته و دیده باشند، پس اگر زفان گویا در آن موقع نوشته شده باشد صاحب ادات از آن فرهنگ نیز استفاده نموده باشد، و در چنین صورت نام او حتماً آورده می باشد؛ در هر حال زفان و ادات در یک زمان تالیف یافته و تفاوت در زمان تالیف یک دیگری خیلی کم بوده باشد. دکتر محمد باقر در مقدمه مدار الفاضل تاریخ تالیف زفان گویا گفته: پروفسور شیرانی ۷۷۳ هجری نوشته، مثلاً:

بنا بقول پرفسور محمود شیبانی مؤلف این کتاب [زفان گویا] ملا رشید برادر جد ابرکبسم توأم ف ن اردوقی صاحب مشرقنامه ابرکبسمی است و تاریخ تالیف آن ۷۷۳ هجری (= ۱۳۷۱ میلادی) می باشد.

ظاهراً دکتر محمد باقر از قول پرفسور شیبانی که ذیلاً نقل می شود، استفاده نموده:

"مثلاً فرهنگ نام مولانا مبارک غزنوی توأم که بعد علاء الدین محمد شاه (۶۹۵-۷۱۵) متعلق است"

لے رک: مقالات خبرانی ج ۱ ص ۱۰۹

لے رک: مجله مسکن و فن، علی گڑھ ۳۵، شماره ۳، تروئیه ۱۹۶۳ میلادی ص ۸۰ بعد

لے رک: مجله ۱، لاہور ۱۳۳۷ شمسی، ص ۷ ج ۱

لے رک: پنجاب میں اردو ص ۲۷۳

... همین دستور الافاضل است که مولانا رفیع حاجب خیرات بسال ۷۷۳ هجری تالیف نمود، فرهنگ زبان گویا از ملا رشید برادر جد جامع شرفنامه احمد میری و ادوات الفصلا (۸۲۲) از قاضی بدرالدین محمد دهلوی آثار قدیم است، بطلاوه آن فرهنگهای بسیار است و باید بکتاب پنجاه میں اردو رجوع نمود.^۱
ازین قول برمی آید که ۷۷۳ هجری بقول شیرانی تاریخ تالیف دستور الافاضل نه تاریخ زبان گویا چنانکه ذکر باقر دانسته است، و باید علاوه نمود که تاریخ دستور الافاضل ۷۴۳ هجری سال است نه ۷۷۳ هجری چنانکه شیرانی قیاس ننوده، و این تاریخ خود در آحسنه کتب آمده :

چو دستور الافاضل شد مرتب مرا واجب دعا باشد دل شب
خداوند اسحق نیک مردان بحشم مردمان مقبول گردان
ز هجرت بود هفصد بار و چهل مرتب گشته دستور ان ضل

مندرجات فرهنگ : از فهرست کاملی که از مندرجات فرهنگ در دیباچه مندرج شده ترتیب و تنظیم کتاب را می توان دانست، این فرهنگ شامل یک مقدمه و هفت بخش و یک نهایت (خاتمه) است، هر بخش در گونه و هر گونه در بهره قسمت یافته، هر حرف الفبائی گونه را تشکیل می دهد و هر گونه باعتبار الفبای فارسی در بهره تقسیم شده بدینقرار :

بخش نخست در سخنان پهلوی و دری که جداگانه است و پیوند نمی دیگر ندارد و آن بر نهاد حرفهای عجمی است و سرگونه

گونه نخست در سخنانی که آغاز آن الف است، برصیت و دو بهره :

بهره نخست در سخنانی که پایان آن الف است.

بهره دوم در سخنانی که پایان آن ب است. الخ

گونه دوم که آغاز آن با است ... تا آخر گونه بیست و سوم

بخش دوم در سخنان پهلوی و دری که از دو سخن پیوند یافته است و از پیوستن هر دو رازی انجامیده،

۱. همین تاریخ در مقالات شیرانی ج ۱ ص ۳۱۷ یافت می شود.

۲. این عبارت از زبان اردو است.

۳. دستور الافاضل بتصحیح نگارنده از طرف بنیاد فرهنگ ایران تهران ۱۳۵۲ شمسی انتشار یافته.

۴. رک: مقدمه ص ۱۵، متن ص ۲۵۶

۵. یعنی مرکبات

۶. یعنی مفردات

برمیت و یک گونه است.
 گونه نخست در سخنانی که پایان آن الف است تا آخر گونه بمیت و یکم و هر گونه در بعضی ها
 قسمت یافته.

بخش سوم در سخنان پهلوی و دری که از آن کدوار تا بیرون آید برمیت و سه گونه،
 گونه نخست آنکه نخست آن الف است تا آخر گونه بمیت و سوم

بخش چهارم در سخنان تازی یعنی عربی برمیت و هشت گونه شامل حرفهای عربی مانند ش، ح،
 ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق، ک، گ، و بهر هاء تقسیم شده به ترتیب الفبا.
 بخش پنجم در سخنان آرمیته از تازی و ترکی و عجمی که در گونه ها و بهره ها قسمت یافته به ترتیب الفبا.
 بخش ششم در لغات رومی و یونانی که در گونه ها و بهره ها قسمت یافته به ترتیب الفبا.
 بخش هفتم در لغات ترکی که در گونه ها و بهره ها قسمت یافته.
 نهایت فرهنگ نام در لغات متفرقه بدون ترتیب الفبا.

بدرابر اکسیم در مقدمه کتاب غرض تالیف اجمالاً بیان نموده، بگفته اند اکثر فرهنگهای فارسی چنان
 ترتیب نیافته بودند که غرض خواننده محصل پیوندد، بنابراین اکثر دوستانش او را داداشند که او چنان فرهنگی
 ترتیب دهد که مطالع کنندگان را استفاده آسان گردد، همین علت بود که او کتابی را به ترتیب نو پرداخته،
 و در آن الفاظ معرود مرکب و عربی و ترکی و رومی در ابواب جداگانه فراهم آورده شد، و دانهایی که تحت
 پنج باب آورده نشد، در قائمه جمع شده. چنانچه بعضی عبارات مقدمه ذیلاً نقل می شود:

فرهنگ نام زبان پهلوی و دری و پارسی و جز آن پراکنده و هر یکی از آنها می آکنده بود، از بی زبری
 و زبری، زیر و زبر در پس پیش بیشتر... سخنان از پارسی و تازی آمیخته و جداگانه در کابلد بر بسته و ریخته و
 بر بسته چنانکه بایست تو سخن نباشد و چنانچه نیست نساخته تا که هر یکی از سخن سرایان و پیران... سخنان
 بسیاری خوانند و تر زان آن نمی دانند... برخی از دوستان همدل و همراز و منشین و علم پرداز بودند
 ... و این نگین را... خستوی کردند و بدانشجوی رسیدندی پرسیدند چون پاسخ می یافتند سخن می گرفتند
 که برای آسانی مردمان فرهنگ نام بردارند و بسجاری که سودمند گردد بسازند چنانکه از هر زبانی برای سخنان
 هر زبانی را جداگانه تر زبانی بود... چون خواهش بسیار افزوده درخواست ایشان را پذیرفتم و حله
 برگزفتم و در استوه را بر خود بستم و سخن را در سخن پیوستم...

منابع فرهنگ بدرابر اکسیم هیچ جایبان نه نموده که او از چه منابع فرهنگ را ترتیب داده اما در میان

توضیحات بعضی واژه های نامهای سرچهار فرهنگ برده از آنجمله است لغت فارس اسدی، فرهنگ فردوسی، فرهنگ لغت فارس، رساله فیه، اما واضح است که بدرابراهیم نه فقط در همان مواردی که نامهای فرهنگ آورده از آنها استفاده نموده بلکه در سایر کتب تحت تاثیر آنها بوده است و در معنی جابجا مندرجات آنها را جینا نقل نموده است، در میان این فرهنگ نویسنده زخان گویا از دو فرهنگ معنی اسدی و قواس بیشتر استفاده نموده است مثلاً ذیل واژه های اورمز، پیل، خشته، خنشل، زند، خانه، نسل، کلج، کبده، کبود، لک، نوره، درناج، ظیو از و غیر آنها عبارتهای اسدی و زخان تقریباً یکسان است و ازین جهت تاثیر این کتاب از تاثیر قواس بیشتر است؛ اما لغت ذموی که از جهات مختلف است، مثلاً اولاً تحت تاثیر قواس بدرابراهیم فرهنگ خود را بخش و گونه دهره قسمت نموده است، ثانیاً نویسنده زخان مقدمه خود را چنان تحت تاثیر قواس قرار داده که اکثر کلمات و فقرات حتی بعضی جملات از قواس گرفته، زیرا بعضی عبارات از مقدمه هر دو کتاب آورده شود تا معلوم شود که بدرابراهیم از قواس چه قدر استفاده نموده :

(قواس)	(زخان)
برگزین کردگار و دسین مین آفریدگار هزاران هر چه	برگزین آفریدگار و برگزیده کردگار دل و روان بریارها
بایاران و یاوران، ایند تعالی در کار این پی روی	و یاوران، ایند در کار و گفتار او را یار و از آجو گیران و
از کاهه آجو گیران و نارائی در براز و یار و نگاه دارش	در برازان نگاه دارد
باد	
و هوش و گوش بر آن استوار گماشتند... آنچه در دل	پس هوش و گوش بر آن آرزو گماشتند و دل بران
داشتند هم سوی یکدیگر میبیدند اما کسی آن در باز نمی کرد و	کام و بست داشتند و بسوی یکدیگر میدیدند... کسی آن
داد سخنها بسزانی داد	در باز نمی کشاد و داد آن سخنها بسزانی داد.
در استوه را بر خود بستم و سخن را در سخن پیوستم	در استوه را بر خود بستم و سخن را در سخن پیوستم
در زبان تازی و پارسی ترجمان کرده همه آفریدگویم	هر چه در زبان تازی و پارسی و پهلوی و دری ...
و یگان یگان در خانه کاغذ نگار آوردم و آنرا بخش	بود همه آفریدگویم و یگان یگان در خانه ... و آن را
و گونه گونه و بهر مکر درم برین صفتار... خدای حق و جل	بخش بخش و گونه گونه و بهر مکر درم، نهادم برین پنجاد
و انا ترست بر راستی و نادرستی آن از ناگاه می گمراهی	ایزد و انا ترست بر راستی و نادرستی آن از گمراهی

س. ببینید: واژه های ایش، ژوف، برریان، سنبیل، کیفر، کلاه، یزد

س. ببینید: واژه های آورد، قوز

و از تحت تاثیر فرهنگ قواس است که مولف زبان گویا در مقدمه خود زبان فارسی سره بکار برده است. اگرچه صاحب زبان گویا از فرهنگ قواس مستقیماً استفاده کرده اما از مقایسه مندرجات فرهنگ قواس شامل زبان گویا با مندرجات قواس چایی واضح می شود که نسخه فرهنگ موزان که که ماخذ زبان گویا بود با نسخه چایی اختلاف داشته و این اختلاف بر دو نوع است:

اول: بعضی واژه ها که در زبان گویا بگفته قواس درج است از نسخه چایی که مبنی بر نسخه منحصراًست خارج است. و این نسخه فعلاً افتادگی دارد، و مندرجات نایده زبان برنقص نسخه حاضر نیز دلاست می کند.

دوم: درباره املای تلفظ بعضی واژه ها نسخه حاضر از فرهنگ قواس قول زبان را مورد تأیید قرار نداده. زیرا بعضی واژه ها که ثبت مل زبان گویا و از نسخه چایی خارج است، زیرا درج می شود:

شال: یکمی خرد و فخر قواس گوید شال ندی که زیر برگستان کنند.

کبشک: سبب تیز کردن آسیا و بعضی بفتح کاف و کسر با گویند و در فرهنگ نامه فخر قواس کبشک کرده است.

گریان: خدا و این زبان بیستان و یکاف عربی نیز گویند و فخر قواس گوید: گریان خدا

توز: ... و فخر قواس گوید آنچه از کسی کسی رسیده باشد باز باورساییدن درین چهار مورد واضحاً نام قواس آمده اما در بعضی موارد فقط کلمه فرهنگ آمده، و ممکن است منظور صاحب زبان گویا همین فرهنگ قواس باشد.

در موارد ذیل صاحب زبان گویا نام قواس آورد و این واژه ها در نسخه چایی از قواس به تفاوت درج است.

توشکان: ایوان حمام یعنی آنجا که آتش سوزند یعنی آتشدان گرما به و در فرهنگ نامه فخر قواس توشکان آتشدان گرما به

در نسخه حاضر از قواس این واژه مانند رسکال تصیف توشکان است، اما در سید ج ۱ ص ۲۶۸ ذیل

توشکان آمده: با واد و کاف فارسی دشین موقوف آتشدان گرما به و در لسان اشهر مذکور است ایوان حمام

یعنی آنجا که آتش سوزند و در فرهنگ فخری یعنی آتشدان گرما به، واضح است که صاحب سید فرهنگ فخر قواس را

اشتباهاً فرهنگ فخری نوشته.

جفته: طاق که بنا کنند و مبنی گویند که نای از تحت است و در فرهنگ نامه فخر قواس جفته طاق انگور

این کلمه در نسخه فخر قواس پس از واژه کت یعنی تخت پذیرا آمده: جفته هم نوعی از و، بنا برین معنی جفته

تخت باشد نه طاق انگور

کالوخ، یکی می است، و در فرهنگ نام تو اس کالوخ بد و کاف. اما در نسخه چاپی تو اس کالوخ است نه کالوخ.
هف: بغتری یعنی کارگاه بافنده و فقر تو اس گوید: هف چوبی است که در بافتن بر جامه زنند. و مویده الفضلا ج ۲ ص ۲۶۷ نیز همین را مورد تایید قرار می دهد مثلاً در این کتاب آمده: هف بافتن کارگاه جولا هسکه آنرا بغتری گویند و فقر تو اس گوید: هف چوبیست که جولا همگان در بافتن بر جامه زنند و هسنی اخیر از زبان گو یاست. اما در نسخه چاپی از تو اس فقط همین قدر است: بغتری هف، و هیچ نشانی از شرحی که در فان و مویده گفته می شود درج شده پیدا نیست.

شبان فزویک: شب پرک، و فقر تو اس شب فزویک گفته و در محلی است که این جانور را شب فزویک گویند. اما نسخه چاپی تو اس شبان فزویک یعنی شپرک، و همین صورت اخیر در کتو الافاضل وجود دارد؛ اما مویده ج ۱ ص ۵۳۴ گفته فقر تو اس شبان فزویک دارد.

استفاده فرهنگ های بعد از زبان گویا: اکثر فرهنگ های فارسی که پس از زبان نوشته شده، از زبان گویا استفاده نموده اند، از آنجمله است بحر الفضائل تألیف ۸۳۷ هجری، مویده الفضلا ۹۳۵ هجری، فرهنگ شیرخان تألیف ۹۵۰ هجری، مدار الافاضل ۱۰۰۱ هجری، فرهنگ جابگیر ۱۰۱۷ هجری و غیره، مویده الفضلا فزینگی است که در آن مطالب اکثر فرهنگها را با ذکر آن فرهنگ جمع نموده، چنانچه در مقدمه آمده:
بنابران مولف بتایید مویده العباد این نسخه را بنیاد نهاد که این مجموعه جامع جمیع نسخه ها است و همه نسخ و اسامی آن نسخ در جزیئات مسطور است.

خلاصه اینکه اگر بهر جا بهای را که در آن مویده الفضلا نام زبان گویا آمده، جمع آوری بشود یک نسخه کوچک از زبان تهیه بشود و معلوم است که فقط یک نسخه کاملی از زبان وجود دارد مندرجات مویده الفضلا که بحواله زبان آمده در تفسیر متن کتاب تاثیر فراوان داشته و در مقایسه و مقابل عبارات بی نهایت سودمند افتاده، بعضی عبارات از مویده زیاده نقل شود تا معلوم شود که صاحب مویده تا چناندازه از زبان استفاده نموده است:

بودیه: بادل موقوف گیاه است که چون برگهایش شکافته باشند بوی ترنج دارد و آزارش بهتره
نیز گویند که ا فی زبان گویا. (ج ۱ ص ۱۷۷)

باد هرزه: افسونی که دزدان برای خواب صاحبخانه و منه گذا فی زبان گویا. (ایضا)

بداله: بداندیش خشم آورده و ژاکه مشد که ا فی زبان گویا (ج ۱ ص ۱۷۹)

بزیش: باطنم کج آورد کرده و قیل حرف یکم فارسی که ا فی الشرفنامه و در زبان گویا یعنی گنجاره و

درادات است گنبد گرد کرده ای گنجاره (ج ۱ ص ۱۸۱)

گوک: ... و همین گم و در لسان بشمشه و زن گویا گم که کلمه استنشاست، مسطور است.
 بیش: بایاء فارسی دشت و بیستان و جنگل و در زنان گویا مرقوم است که نیز ساز می آید
 شل چنگ و رباب. (ج ۱ ص ۱۸۴)

ابراهیم بن قوام فاروقی زنان گویا را تحت مطالعه دقیق خود در آورده بود، و در بیشتر موارد از این
 فرهنگ اخیر استفاده نموده: بعضی مثلها ذیلاً نقل می شود:

اندروا: بافتح مگون آویخته و باز گونه کرده، اندروای، و دروای و دروا درین لغت است و
 و در فرهنگ زنان گویا بمعنی حاجت نیز آورده

باخو: آن پانزده روز که در سال سخت گرم است و این منقول است از زنان گویا.

بروز: آرایش پوستین که در پای دامن و سر آستین دوزند و پیوند و جامه گسترده و پوشیدنی با لونی
 پس از لونی دیگر ... و قیل بروز با رای ممل در زنان موجود است.

برمو: انتظار و این منقول است از زنان گویا.

خوک: بافتح همان خوکچک مرقوم، گویند همان خنجمک ... و معنی ثانی از زنان گویا منقول است
 دروا: بافتح مگون آویخته و باز گونه آویخته، اندروای و دروای درین لغت اند و در فرهنگ زنان گویا
 بمعنی حاجت هم منقول است.

مزایای زنان گویا: مختصات مزایای این فرهنگ ذیلاً آورده می شود:

۱- زنان گویا از فرهنگها و آیین قدیم تر هستند مانند لغت فرس و فرهنگ قواس و صحاح الفرس و دستور

این واژه از لغت حاضر از زنان خارج است، اما حسین واژه در معیاد الفضلا بگفته زنان نیز آمده.

در بخش پنجم از زنان ذیل واژه باخو را باخو نیز حسین آمده، صحتاً باید علاوه نمود که باخو بدین معنی
 تصحیف باخو است و این کلمه اخیر عربی است، باخو را نیز حسین معنی آمده. در لغتنامه دهخدا این را
 یونانی قرار داده اند، اما در فرهنگ حسین باخو و باخو عربی است، اما باخو و باخو را مثل این
 فرهنگ اخیر نیست، و در لغتنامه واژه باخو بدین طور شرح شده:

نام پدر آذر پدر ابراهیم که جد ابراهیم بود، چنان نظر میرسد که باخو تصحیف ناخو است و
 بگفته طبری ناخو پدر تاریخ و تاریخ پدر ابراهیم که بنام آذر نیز شهرت دارد. دکتر معین بحواله
 قاموس کتاب مقدس نام پدر ابراهیم تاریخ و قرح نوشته است. (رک: حاشیه بران قاضی خرمین)

در زنان گویا بروز بمعنی پیوند و بروز همان معنی آمده که در شرف نامر است، با الفاظ اخروی بروز و
 بروز با هتبار معنی اول مترادف اند، معین بعبای بروز و بروز، پرور و پرور آورده، و با هتبار معنی پیوند
 هر دو مترادف هستند.

الافاضل، منقسم تر و شامل واژه های بیشتری باشد.

۲- این فرهنگ شاید قدیم ترین فرهنگی باشد که در آن واژه های فارسی و عربی و ترکی و رومی در فصلهای جداگانه نوشته شده و چون اصول و دستور زبان عربی مانند جمع و تنوین و غیره، فقط در کلمات عربی که در فارسی متداول است، جاگز است نه در واژه های فارسی، تفریق میان واژه های عربی و فارسی لازمه زبان شناسی است، ازین جهت زفان گویا خدماتی خوب انجام داده.

۳- زفان واژه های معزور از مرکب ساخته، این تفریق لازمه زبان شناسی و فیلوژنی است.

۴- اگرچه در اغلب موارد صاحب زفان گویا از اعراب صرف نظر نموده اما در بعضی جاها التزام آن دیده میشود. ۵- ترتیب و نظم کلمات باعتبار حروف اول و آخر در تعیین املا و قرأت لفظ کمک می کند.

۶- درین لغت بعضی از واژه های هندی که در آن دوره در هند متداول بوده و ضمن توضیح واژه های فارسی شامل نموده، این واژه های هندی که درین فرهنگ "هندوی" گفته شده از لحاظ زبان شناسی سودمند است؛ بوسیله آشنایی توان صورت های اصلی واژه های متداول امروزه را دانست، این همه واژه ها بوسیله بنده جمع آوری شده و مقارنه مفصل یعنی برآن در مجلد "اردو و کراچی در ۱۹۶۷ میلادی چاپ شده. مقارنه دیگر بعنوان زفان گویا که در مجلد "فالس نامه" دلی انتشار یافته، شامل همه این کلمات می باشد. ۷- صاحب زفان گویا اکثر صورتهای مختلف واژه ها را بیان می کند و این بیان از لحاظ علوم فرهنگ نویسی فیلوژنی مهم قرار می باید.

۸- زفان گویا شاید قدیم ترین فرهنگی باشد که واژه ها را که از صفای ز (زای عربی) و ژ (زای پارسی) شروع یا بر آنها ختم می شود از یکدیگر جدا می کند، همچنین این فرهنگ تنها فرهنگی است که کاف فارسی و کاف عربی را در عنوانهای جداگانه می آورد، و این تفریق لازمه علم زبان شناسی است.

۹- درین فرهنگ یک بخش جداگانه برای مصادر فارسی منقسم شده و این مصادر در تعیین ریشه های الفاظ کمک می کند.

۱۰- بعضی واژه ها که در ابواب کتاب شامل نشده در خارج کتاب جداگانه آمده.

۱۱- زفان گویا بنا بر بعضی مزایای خود بشمار یکی از متداول ترین فرهنگ می آید و همین علت است که مورد استفاده فرهنگ نویسان بعد قرار گرفته از آنجمله صاحب موبد الفضلا است که ازین کتاب اخیر میتوان یک فرهنگ مختصری از زفان گویا درست نمود.

۱۲- اگرچه معلوم نیست که بدرابره بسم چه زبانهای محلی ایران را می شناسد اما تحت بعضی واژه ها اشاره

به زبانهای محلی می‌کند از آنجمله است زبان مادری آنرا، زبان شیرازیان، زبان دیلمیان، زبان
فرغانه، زبان افغانان، و این تمیز خود در جای خویش خیلی مفید و جالب است اما بطور قطع نمیتوان
گفت که نویسنده زفان خود این تعیین نموده یا از فرهنگهای قدیم استفاده نموده بهر حال این اطلاع مفید است.
۱۳- اگرچه در زفان گویا از شواهد شعری غالباً صرف نظر شده اما در چند موارد این شواهد وجود دارد، این است
فهرست اشعاری که شامل فرهنگ است، بعضی از اشعار خود از مولف است، اما اشعار سست و
بی کیفیت است. بنابراین پایه بدرابره کیم بعنوان شاعر فارسی بلند نیست.

رنده: کردگار داشت رنده ده جهان را خوش تراش

تا که از قومی که هم ایشان هم ما تیشه ایم

فروردین: ز فروردین چه بگذشتی مه اردی بهشت آید همان حسد داد و تیر آنگه که مرد دات می آید
پس از شهر لور و مهر و آبان آذر و سنه وان چو بر همین جز اسفند از من ماهی بیغش آید

ز فروردین بر می دان تا شهر یورش وانگه

ز مهرش تا با سفند از جمله از غرضش دان

نیمور: من این نیمور خود را وقف کردم علی صبا نکم یا ایها الناس (سوزنی)

فروردین (بخش ۲)

مصراع: باد فروردین کش خواند عرب ریح الدبور

۱ ذیل واژه های پوشک، چرخشت، فلز، کنند، دارد

۲ ذیل واژه ما

۳ ذیل واژه گی

۴ ذیل واژه فح

۵ ذیل واژه خواره، و ذیل کلاه سیر نام زمین بالادست آمده

۶ بایضکی مقدم زفان گویا ص ۱۴: کردگار اشب رندی کنه از وزن ساقط

۷ بایضکی بمذت بر

۸ بایضکی: بیغزاید، مصراع ساقط الوزن

۹ بایضکی بمذت یا، مصراع ساقط الوزن

۱۰ بایضکی باو فروردین ست، مصراع ساقط الوزن

شَبْتان (بخش ۲)

من نالکسان غمِ مهرشَب او خفته بناز در شَبْتان
تشرین: دوشهرین و دوکانون و پس آنگو شَباط آذاریسان و ایار است
خزیران و تموز و آب و ایلول محمدارش که از من یادگار است (مولف)

بیدار: این پنج درخت است که می تابد بار بید و پد و سرو و سپندان و چنار (مولف)
خفتنبر: با فراخی است ولی سخت هم تنگ زید آنچنان شد که چو میج خفتنبر نبود (ابوالعباس)
خنبور: بر پول خنبور که چون تیغ تیز گذار است هم نام و هم رستخیز (مولف)
زلفین: از لب تو ترا هزار امید از سر زلفت مرا هزار زلفین (فرخی)
گوش خنچه: گرچه صد پایش دارد ای برادر گوشش خنچه

لیک اندر گوش کس یک پایی نتواند نهاد

افشاندن: اگر دستم دهد روزی که انصاف از تو بستانم

قضای عهد ماضی را شبی دستی بر افشانم

پوز: یوز از چشم آهوانه او گر کند عاشقی بود آهو (مولف)
گشن: مسمم بچ نویش یکی گشن لشکریم این یک بچوپاده و این یک قح سوا
انگاره: زان روز که پیش آید آنروز پُر از هول بنشین تن اندرده و انگاره پیش آرد (لیبی)

ش بایفکی: شَباط و آذار و نیسان و ایار مطهر از وزن خالص

ش این بیت از نسخ دوم (روسیه) افزوده شده، در نسخ اصل افتادگی دارد.

ش بایفکی: با فراخی است ولی سخت هم تنگ زید آنچنان شد که چو میج خفتنبر نبود (برده مطهر از وزن ساقا است). این شعر از ابوالعباس است، رک: فرس ص ۱۴۹، قواس ص ۱۱۲

ش فرس و صحاح و سروری و رشیدی، ولیکن پرستم تنگ زید.

ش بایفکی: که داد است.

ش این بیت فرخی در صحاح ص ۲۴۴ و جامکیری ۲: ۱۶۳۱ نقل شده.

ش بایفکی: مر مرا ش بایفکی: زلف تو

ش زلفان برده نسخ: گوش خنجر

ش زلفان برده نسخ: پا

ش بایفکی: یک سو پیاده و یک قدح سو، مصرع معنی ندارد و نیز از وزن ساقا

۱۱- حرف ذال را باب جداگانه نیاورده، ازین واضح است که دران دوره رواج ذال ف می کم کم ازین می رفت، اما با وصف آن باد را با ذ و انگدان را انگدان نوشته و ذیل سرود می نویسد: اسدی بذال سحر گویند. معلوم نیست چرا تخصیص اسدی کرده زیرا در دوره اسدی تفسیر قی میان دال و ذال فارسی برقرار بوده، ظاهراً این تخصیص برای اینست که لغت اسدی شامل واژه های ماوراءالنهر نیز می باشد و دران خط بقول شمس قیس رازی در "المعجم فی معایر اشعارالعجم" تفرقه میان دال و ذال فارسی برقرار نبود زیرا که عدم شناسائی نویسنده زلفان از روش تفریق میان دال و ذال بید از قیاس بنظری آید.

نقائص زلفان گویا

۱- اگرچه نویسنده زلفان گویا در علوم لغت و زبان دستگامی داشته اما او در بعضی موارد مطالب از فرهنگ های قدیمی بدون تحقیق نقل می کند و بنابراین او را محقق علم لغت و علم زبان و کتاب او را کتاب محققه قرانی توان داد، و گفت آدر است که بدر ابراهیم عینا همین عبارت را که در فرهنگهای قدیم یافته بدون هیچ تغییر و تبدیلی در کتاب خود جاداده و این روش کار تا لایف او را از مقام مجرب می کا به بعضی شواهد ذیل آورده میشود:

زلفان

ارمان: حرمت، ارمان خوار حرمت خوار	ارمان: حرمت، ارمان خوار حرمت خوار (قوس ۱۱)
قنچ: دو پستبر و گویند خنچ بسکون فادجیم فارسی آن گرانی	گرانی بود که در خواب مردم را فرو گیرد، بمعرب آنرا
بود که در خواب مردم را فرو گیرد، بتازی کا بوس گویند	کا بوس گویند (قوس ۱۲)
در یواس، چوبی که گردد در نند برای محکی	چوبی باشد که پس در نند بخت محکی (قوس ۱۳)
ربصین: دو غ ستر مانند پنیر	دو غ ستر مانند پنیر (ادوات)
در: بد و خشم	بد و خشم (قوس ۱۴)
ثرورار: خدمت کار بند بیان الخ	خدمت کار بند بیان باشد (قوس ۱۵)
فدرنگ: چوبی باشد که پس در نند بخت محکی الخ	چوبی باشد که پس در نند بخت محکی (قوس ۱۶)
کح: آنچه کودکان را بدان ترسانند الخ	آنچه کودکان را بدان ترسانند (قوس ۱۷)

۲- این فرهنگ کاملاً از فرهنگ دست شده و در ترتیب این کتاب از متون و منابع دیگر بکلی صرف نظر شده و همین علت است که در شرح و توضیح لغات اکثر عبارات از فرهنگ عیناً نقل شده است.

۳- این فرهنگ کاملاً از اسناد و شواهد عاری است؛ بظاهر درین تخصیص ایجاز و اختصار در نظر

است اما اسناد دوشواهد نه فقط در توضیح واژه بلکه در تعیین قرأت و اطلاق لغات تاثیر فراوان دارد.

۴. اگرچه نویسنده این فرهنگ واژه های عربی را در بخش جداگانه آورده اما گاهی در تفریق واژه های عربی از فارسی دو چار اشتباه شده است، چنانچه بعضی از اشتباهات ذیل درج می شود:

رَشش: مسافت میان دو دوست چون فراز کنند، و سرشک باران خرد قطره و هر دم روز از ماه. اما رش یعنی سرشک باران عربی است، در جامگیری ۷۶:۲ آمده: رَشش بتازی با تشدید باران اندک و ریزه را گویند و رَشش جمع آنست، در دستور الاخوان ص ۳۰۰: الرَشش آب برون و اندک باریدن و باران اندک و ریزه، الرَشش جماع

رَشش اش: قطره باران باریک، هندی بھوئی گویند. این کلمه عربی است از ماده رَشش یعنی چکیدن باران اندک و ریز، رک: موبد ۴۴۳:۱، فرهنگ معین ۱۶۵۶:۲

شَرک: جامه دار و شرک: دام. شَرک بر دو معنوی یعنی دام عربی است، رک: موبد ۵۳۴:۲، دستور الاخوان ص ۳۶۴: الشَرک دام، الواحدة شَرکة.

زراف: قُج و به تشدید را نیز گویند. اما این واژه عربی است؛ رک: فرهنگ معین ۱۷۶۹:۳، دستور الاخوان ص ۳۱۷

سبل: علتی است و آن آنست که موی بریده برمی آید، اما این واژه عربی است، رک: فرهنگ معین ۱۸۲۰:۳، دستور الاخوان ص ۳۳۰

غوغا: آشوب بود و ملخ که پرش برآمده باشد، این واژه عربی است، رک: موبد ۳۴:۲، دستور الاخوان ص ۴۶۲: الغوغا، ملخ که پر برآمده باشد و به شبه الغوغا من الناس و هم السفلة.

غُغنب: جای زنج. این واژه عربی است چنانکه در موبد الفضلا ج ۲ ص ۳۴ آمده: محمد معین فرهنگ خود: ۲: ۲۳۸۸ می نویسد: غُغنب (عربی) گوشت برجسته که بر زنج مردم فروز پدید آید، مسیح

غُغاب، دستور الاخوان ص ۴۵۳: الغُغنب و الغُغیب آن پوست که آویخته بود زیر گلو. غُغیب: غُغنب. این واژه هم عربی است چنانکه از دستور الاخوان، موبد الفضلا، فرهنگ معین ۲۳۷۸:۲ برمی آید.

غیار: جامه زرد جودان که بر جامه خود می دوزند. غیار عربی است چنانکه از دستور الاخوان (ص ۴۶۲) موبد الفضلا ۲: ۳۷ واضح می شود، در فرهنگ معین ۲: ۲۴۵۵ آمده:

غیار (ع) پاره ای باشد برنجی جز رنگ جامه که جودان در قدیم برکت می دوختند. دستور الاخوان؛
الغیار ... نشان جودان و نشان ابل ذمر.

کفّه: پله و آنچه درو بود، اما این واژه عربی است نه فارسی؛ دستور الاخوان ص ۵۲۱: الکفّه پله ترازو
و صلقه دام؛ فرهنگ معین ۳: ۱۰۰ کفّه (kaffat, keffat عربی) پله ترازو

لبلاب: معنی که عزیمت خواند و گاهی هست که آنرا عشقه گویند. این واژه عربی است. دستور الاخوان
ص ۵۳۳: اللبلاب بیج، و در فرهنگ مویده العفلا ۲: ۱۵۷: لبلاب در فصل عربی آمده؛ فرهنگ معین
۳: ۳۵۹: لبلاب (عربی) عشقه.

مهور: گاهی هست که آنرا بتازی براق القمر گویند. در مویده کفّه زلفان گویا مهور است یعنی براق القمر، اما
زلفان گویا اصلاً مهور ندارد، برهان قاطع نیز شامل واژه مهور است نه مهور، واضحاً مهور و مهور
تصیّف مویده یعنی سنگ قر است چنانکه البیرونی در الجواهر ص ۱۸۲ آورده: المهور نحو حبه ابيض يعرف
ببصاق القمر و براقه القمر الخ، فرهنگ فوسان فارس در لفظ و معنی تحریف نموده اند، خلاصه اینکه مویا مهور
اصلاً عربی است، نباید آنرا در ردیف واژه های فارسی آورد.

مجره: آسمان دره؛ مجره اصلاً عربی است، چنانکه در دستور الاخوان آمده: المجرة راه کابکشان مویده ۲:
۲۰۵ ذیل فصل عربی مجره یعنی راه کابکشان نوشته و معین ۳: ۳۸۷ نیز مجره را در همین سنی دانسته.
مراغه: غلتیدن غمراغ سب، و ماه معدوم که سیاره فلک است؛ مراغه یعنی غلتیدن عربی است. دستور الاخوان
ص ۵۰۰: المراغه جای غلتیدن ستور. و همین است قول صاحب فرهنگ جهانگیری ۱: ۱۱۴۷: بقول
محمد معین این کلمه در باب تفعیل (تمنیغ) و باب تفعّل (ترغ) می آید، و مراغه اسم مکان است یعنی
محل غلتیدن. خلاصه اینکه مراغه عربی است نه فارسی.

متری: دارونی که آبکامه گویند، برهان متری در عربی با تشبیه ثانی آبکامه گویند و آن خورشی است مشهور
خصوصاً در صفایان، دستور الاخوان ص ۵۷۵: المتری آبکامه، نیز رک: مفتی الاسب اقب الوارد و غیره.

نغایه: درم سره؛ اما درین معنی این کلمه عربی است؛ برهان ۲۱۵۴ نغایه یعنی تیره رنگ و در عربی بهر طلب نامر
فرهنگ معین ۳: ۷۶۷ (عربی نغایه) ۱- هر چیزی که بسبب فساد و پستی ولی قیمتی دور انداخته شود.

۲- نبره، ناسره، دکتر معین در حاشیه برهان اضافه کرده: اما این کلمه (نغایه) عربی است. نغافه
بالفتح چیز زانده و در کرده، نغفه بالفتح و نغافه کسحاب نغایه کسحابه و باضم و نغافه چیز زانده
و در کرده.

اینست بعضی از کلمات که اصلاً عربی است و نباید آنها را در فصل که شامل واژه های فارسی خالص است شامل نمود.

۵- نویسنده زفان گویا کلمات مرکب را در بخش جداگانه آورده، و آن کلمات مرکب عبارت از واژه ها باشد که از دو چیز ترکیب یافته باشد مانند خرگاه، خرپشته، خرغول، خرزهره، خودخرده، خرچینه، خرچواز، خارپشت، خیارچنبر، جوزوا، ترانگبین، تنومند و غیره؛ چنان بنظری آید که نویسنده از ترکیب بعضی کلمات آشنانمود و همین علت است که بعضی واژه ها که واضحاً از دو چیز یا دو کلمه مرکب است مفرد شمرده شده و در بخش اول شامل است. مثلاً

سیکی، شراب مثلث؛ سیکی مرکب است از سه یک، شراب ثلثان شده، ماده ای که بسبب خوشش دو سوم آن بخار شده و یک سوم باقی مانده (ص ۲: ۱۹۸۰)؛ کشف الاسرار ۳: ۲۲۴، مطبوع که دو یک (سیکی) از آن بشود و سیکی (سیکی) بماند، خوردن آن مباح است. سیکی بفارسی یک ثلث مانند ده یک که یک دم باشد.

ششخانج: گردک گلین گردو گویند گردک گلین، بعضی بحسب پارسی؛ این کلمه از دو جز مرکب باشد، شش + خانج، خانج از خانه معرب است، ششش خانه نیز واژه ای باشد بمعنی نیمه دور، و سرآمده (ص ۲: ۲۰۴۴)، در فرهنگ معین ششخنج آمده بمعنی گردگالی که بجهت قمار بازی درون آن را خالی کنند، الف، بنابرین باید این واژه را در بخش دوم همراه واژه های خرگوش، خرگاه، خودخرده و غیر آنها آورد، باید علاوه نمود که در زفان ذکر شده که این کلمه بصورت ششخانج نیز آمده، اما این درست نباشد بعلت اینکه ششخانج معرب شش خانه است، و در عربی بحسب است نه جیم (ج)

گوش خج: گوشش خرک. گوش خج باید با کاف فارسی (گوش خج) نوشت زیرا که جزء اول گوش است نه گوش، بدین علت این واژه را مانند کربا، کردکار، کفشیر، مرکب باید شمرده مفرد، واضح است در اینجا بدرا براسیم نویسنده زفان گویا دوچار اشتباه دو گونه شده، اول اینکه کاف فارسی را کاف عربی قرار داده، دوم اینکه گوش خج را همراه کلمه مفرد آورده و حال آنکه کلمه از دو جز مرکب است.

دست گاه: مایه را گویند وقت و قدرت؛ این واژه از دو جز ترکیب یافته دست + گاه، پس این را باید در بخش دوم ذیل واژه های مرکب مانند شبستان، شبگاه، زورگوی، خوالی گرد آورد.

نسنبن: سرپوش چیزی؛ این واژه مخفف است از نسنبان، و نسنبان از دو کلمه ترکیب یافته نسن + بن نسن بمعنی نمان است، و این کلمه مشتق است از مصلان بنیدن بمعنی پنهان کردن، و از همین معنی

است ننسیده (اسم مفعول) بحتی پنهان ساخته بدین بیت شاه:

برچشمه شختی و مردی بروی بمرده، بکپ در ننسیده روی

پس این واژه را ذیل واژه های مرکب در بخش دوم باید آورد.

۶- زنان گویا یکی از آن فرہنگهای قدیمی است که در آن بسیاری از کلمات محرف راه یافته است.

بعضی از آنها ذیل آورده می شود:

سینا: سوراخ کننده و نام آن کوه که خدای عز و جل بامتر موسی علیه السلام بر آن کلام کرد. اکشر

فرہنگ نویسان را درباره این واژه اشتباه رو داده است مانند حاجب خیرات صاحب دستور

الافاضل، قوام طغی صاحب بحر الفضایل، شیخ لاد صاحب مویہ الفضلا، محمد سین تبریزی صاحب

بریان قاطع و غیر آنها، مثلاً در دستور الافاضل ص ۱۶۱ آمده: سینا سوراخ کننده. بحر الفضایل:

سینا سوراخ کننده و نام پوسل سینا،

اما واضحاً این اشتباه فاحشی است. در اصل کلاه دست 'سنبا' است اسم فاعل از مصدر سنبدین

بمعنی سوراخ کردن، محمد معین در حاشیه برهان فتح طبع می نویسد:

سنبا صفت مشبہ از سنبدین، هو یہ سنبا یعنی کتف سوراخ کن و پارسیان شاپور را شاپور هو یہ

سنبا خوانده اند (مجل التواریخ و القصص).

فیداف: (ذیل حرف فا) نام عورتی است. در اکثر فرہنگها این نام با فا آمده، مانند زنان گویا، مثلاً

در ادوات الفضلا است: فیداف نام عورتی است که آمره ولایت سمت مغرب بود با سکندر محارب کرد

الخ. مویہ ۲: ۶۸: فیداف نام زنی والیه ولایت برزع.

در اصل نام این زن قیداف با قاف بودند فیداف با فا، چنانچه در شاهنامه این نام مکرر با قاف درج است:

زنی بود در اندس شهریار خرومند بالشکری بیشتر

جانبوی بخشنده قیداف نام ز روی بھسم یافته نام و کام

چو قیداف آن نام نامه او بخوند زگفتار او در شگفتی بنما

۷- این نام در زنان ذیل حرف ف نقل شده بنا برین درباره حرف اول مسج شکی باقی نمی ماند.

۸- رک: شاهنامه چاپ مؤسسه خاور ج ۴ ص ۲۹، ۳۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰،

یکی پور قیداف داماد او دران شهر قاقاز از آن شاد بود
دکتر معین نیز نام این زن قیداف با قاف نوشته.

کلاژه: که بازی آزمایات خوانند. این کلمه در همین فرهنگ معنی عکس یعنی سبزک و با زای عربی غلبه و آن پرند است، آمده. اما در قواسص ۶۲ غلبه و کلاژه مترادف اند و خود در زبان غلبه معنی سبزک است که بحر بی عکس گویند. ازین جهت واضح است که عکس و غلبه و سبزک مترادف اند و بنابرین در میان کلاژه و کلازه تفریق نمودن خطاست.

اما کلاژه بمعنی لغات دیده نشد، و معنی کلازه همانست که در زبان اولاً نوشته شده (رک: قواسص ۶۲، مویده ۲: ۱۳۰، جهانگیری ۲: ۱۶۴۰). در اصل کلاژه مصحف ملازه است که به معنی گوشت پاره ای شبیه بزبان کوچک آمده و لغات گوشتی است که بالای خنجره آویخته است. آنرا بکرمان لغات خوانند (خنجره خوارزمشاهی)، در دستورالافغان ص ۵۴۳ ملازه را مترادف لغات نوشته اند.

ورت: برهنه یعنی تنی از پوشش. مویده ۲: ۲۴۷، برهان ۴: ۲۲۶۴ ورت برهنه؛ واژه رت نیز به همین معنی آمده است، رشیدی ج ۱ ص ۷۳۱ می نویسد:

رت بالضم برهنه، عطف آگویی: سر آن کاجا با خاک بمواید. یعنی رت نه در مانده نه دیوار
در جهانگیری ۱: ۶۶۷ است: رت بالفتح برهنه و با اول مضموم تنی دست بود الخ

و اصفاً واژه صبح رت است و واو که واد عطف بوده جزو واژه شده، رشیدی همین طور قیاس کرده. رک: ج ۲ ص ۵۴۱، نیز رک: فرس اسدی ص ۳۴ و صحاح ص ۵۴ که فقط رت دارند نه 'ورت'

وازیج: معروف آنکه دختر گمان ریمان آویزند و دران بازی کنند الخ

اگرچه در جهانگیری و رشیدی و برهان و غیر آنها وازیج و بازیج هر دو به همین معنی آمده، اما این واژه — وازیج، وازیج، وازیج، وازیج — ظاهراً تصحیف وازیج = بازیج = وازیج است، در صحاح ص ۵۱ بازیج بمعنی وازیج آمده است. نیز رک: دیوانه تعلیلین فی الطب قش ۲، حاشیه برهان ص ۲۲۴، جهانگیری ص ۲۰۴ حاشیه ۱.

و بردک: لغز

در مویده ۲: ۲۵۳ بحال زفان گویا 'و بردک' بمعنی لغز درج است. در همین زمان بردک نیز بهین یعنی آمده، بردک افسانه لغز که جنسی از ماما ... و در فرینگ نام است نردک. بنون لغز و افشا؛ ظاهراً منظور از فرینگ نام، فرینگ قواس می باشد، قواس چاپی ص ۱۸۸ نردک و چرک بمعنی لغز و چستان. در هر حال بردک اصل است، و بردک مصحف که باضافه واو عاطفه ترکیب یافته است. و شرک: جامه دارو و بعضی بفتح را گویند.

اگرچه بهین شکل و بهین معنی این واژه در مویده ۲: ۲۵۳، جاگیری ۲: ۱۴۱۳ و برهان ص ۲۲۸۵ آمده است و بعلاوه آن در بعضی فرینگ با شکلهای و شرک؛ و شرک؛ و شرک دیده می شود (رک: برهان ص ۲۲۸۳ ح) اما اصل واژه شرک است چنانکه خود در زفان گویا (ذیل حرف شین) و قواس ص ۱۵۷، مدار ۲: ۵۵۸، جاگیری ۱: ۱۰۴۲ وجود دارد. بنابراین واضح است که و شرک، باضافه واو عاطفه ترکیب یافته. و گال: انگشت مرده که آهمنگران در کوزه اندازند.

در مویده ۲: ۲۵۴، جاگیری ۲: ۱۵۷۸، رشیدی ۲: ۱۴۶۵ این واژه بهین صورت و بهین معنی آمده است، اما چنانکه صاحب رشیدی حدس زده این کلمه تصحیف زگال است. باید علاوه نمود که در فرینگ معین زغال، زگال، زکال، زگال، شگال، شکال بهین معنی است، اما و گال نیامده.

خشینه: مرغی است سپید، وقت بهار در باغها نشیند.

این کلمه بهین شکل در مویده ۲: ۲۵۷، جاگیری، برهان قاطع آمده است، اما واضع این مصحف واژه خشینه است، و او عطف را جزو کلاذ افشاند، و ظاهراً این اشتباه نتیجه غلط خوانی مندرجات زیر از فرینگ قواس است:

ترمرنگ بود و کوچک خشینه یعنی سپید، وقت بهار در باغها نشیند، و صاحب فرینگ رشیدی بدین امر توجه شده می نویسد:

خشین و خشینه و خش سفید و کوه خشین یعنی سفید از برف، و خشینه ظاهراً و او عطف اصل کلمه پنداشت. اما نویسنده فرینگ جاگیری و خشینه را بد معنی آورده یعنی نام جانور و چیز سفید؛ و خشین و خشینه بمعنی رنگ سیاه و برای این معنی خیسر از بیت کسائی شاهده آورده:

کوه‌ها خشینه را به بهار که فرسته لباس روح البصیر
صاح این واژه را به‌طور شرح نموده:

خشینه مرغابی سیاه و رنگش میان سیاه و کبود باشد.

اما شعر کسائی این معنی را تأیید نمی‌کند، و شاید از همین جهت است که صاحب فرهنگ نظام
خشینه را فقط رنگی در میان کبود و سیاه دانسته، نه مرغابی و خود در زنان خشینه، یعنی سپید ضد
سیاه و سفید رنگ ناکرده آمده، و مویده ۱: ۳۷۹ همین معنی را مورد تأیید قرار می‌دهد. از تفصیلات
بالا برمی‌آید که در خشینه مصحف خشینه است. برای آگاهی بیشتر رجوع شوید به مقاله بنده در
مجله علوم اسلامی، علیگر، دسامبر ۱۹۶۷ میلادی.

شنگل و منگل: دزد و رهنزن

اگرچه در مصاح ص ۲۱۱ منگل یعنی دزد و رهنزن، و در ص ۲۰۸ شنگل همین معنی آمده، اما شنگل
در هیچ فرهنگ دیگر دیده نشده، بنابراین این را باید تصحیف شنگل یا منگل دانست. این قسم ممکن است
که از این هر دو یکی مصحف باشد.

۷- بعضی تشریحات درین فرهنگ اگر چه مورد تأیید اکثر فرهنگ نویسان قرار می‌گیرد؛ اما این خالی از
اشتباه نیست، مثلاً

سگزی: نام کوه در ستم‌دانان است، ساکنان ایشان را سگزیان گفتندی.

اودات: سگزی نام کوه در ستم‌دانان است که ساکنان آن کوه را سگزیان خوانند، جهانگیری ۲: ۱۵۶۹: سگزی
نام کوهی است از ولایت زابلستان میان کیچ و مکمران، و دریای سند از پهلوی آن گذرد، گویند
تولک در ستم در اینجا واقع شده لهذا ستم را سگزی گویند.

سگزی یا سگزان نام کوه دانستن اشتباه فاحشی است، در اصل سگزی منوبست به سیستان؛
و این سیستان که نام قدیم آن سگزیستان بود سکونت قوم سگ بود. این نام در تورات و کتیبه‌های
آشوری مغرب و در همین سفرستان تدریجاً بنام سگزیستان، سگستان، سگستان مشهور شده، و همین
سیستان کنونی است، سیستان عربی است، و همچنین بحر می‌سگزی باشد در چهل مقاله آمده؛
فرغی از سیستان بود پسر جولوغ ... شعر فرغی را شعری دید ترو غصب خوش و استادانه، فرغی را

سگزی دید بی اندام، جبه پیش و پس چاک پوشیده دستاری بزرگ سگزی وار در سر؛ نیز رک:
تاریخ سیستان ص ۱۳، ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۴۰ و غیر آنها که درین کتب هر دو نسبت سگزی و سگری آمده
است، نیز رک: فرهنگ معین ج ۵ ص ۷۷۵.

شوشتر: موضعی است در ترکستان، شوشتر نیز گویند شوشتری جامد است که آسجا بافند.
درین اقوال قول اول اشتباه فاحشی است، در اصل شوشتر که نام شوشتر و شوش نیز شترت
دارد در استان خوزستان است در جنوب ایران، و این شهر به ترکستان هیچ مناسبت ندارد، و
از فایده شهر احتیاج به هیچگونه شرح و توضیحی نیست.

شاپور: نام پادشاهی شهر جامع مصر.

در اصل شاپور نام سر شاه از شاهان خانواده ساسانی بود، شاپور اول از سال
۲۴۲ تا ۲۷۳ میلادی، شاپور دوم از سال ۳۰۹ تا ۳۷۹ میلادی و شاپور سوم از سال ۳۸۳ تا
۳۸۹ میلادی حکمرانی نمودند.

۸- بعضی نامهای اشخاص و امکنه که اکثر، بیچ شهرت ندارند، درین فرهنگ داخل شده اند
زو افکار: نام مضی است، همین است قول فرهنگ نویسان دیگر مانند ادات و مویده الفضلا: ۴۵۴، اما
در جابگیری بجای مضی مرئی است، ممکن است درست همین باشد.
سنجه: وزن ... و نام شخصی، همین است قول صاحب ادات، اما در جابگیری ۲: ۱۸۴۳ سنجه دیو مانده
است.

ساسو: نام مردی، همین اصطلاح ناکافی در مویده ۱: ۵۰۶، مدار ۲: ۴۱۳ یافته می شود.
شندوکس: نام مردی، همین است قول صاحب مدار الافاضل ۲: ۵۸۴، ظاهراً سندوکش غلط و
درست سیدوش است که یکی از نامهای مذکور در شاهنامه است. اگر این حدس صحیح باشد، این
نام معروف است و مشمول آن درین فرهنگ بیخود نیست.

شوتن: نام مردی، همین است در ادات، مویده ۱: ۵۴۲، مدار ۲: ۵۸۸ و این توضیح ناکافی است.
شیم: نام رودی است، صاحب ادات نیز همین اصطلاح داده، اما معلوم نیست که این رود کجاست
یرنگان: شهر قندهار گویند، مویده ۲: ۲۸۵، جابگیری ۱: ۱۱۸۶، برهان ص ۲۴۳ دارای همین اظهار
می باشند اما شری بدین نام در کن بهادیده نشده.

۹- در زفتان گویا مصاد فارسی مخصوصاً در بخش چهارم آمده، بنا برین آوردن افعال صیغه ۴

مختلف و نیز بعضی مصادر بار دیگر اساسی ندارد، اینست بعضی مثالها:

شکو خیدن	از	ماضی مطلق	شکو خید
شکردن	از	ماضی مطلق	شکزد
شکردن	از	مضارع	شکزد
شکردن	از	امر واحد حاضر	شکر
انگاشتن	از	امر واحد حاضر	انگار
شمیدن	از	ماضی مطلق	شمید
شکوبیدن	از	اسم مفعول	شکوبیده
شکو خیدن	از	اسم مفعول	شکو خیده
شمیدن	از	اسم مفعول	شمیده
شکودن	از	اسم مفعول	شکوده
نوردیدن	از	امر واحد حاضر	نورد
نباریدن	از	ماضی مطلق	نبارید
نشانختن	از	ماضی مطلق	نشاخت
کاخیدن	از	مضارع	کاخد

تکرار مصادر در گردن، خستن، خفیدن و غیر آنها نیز دیده می شود.

۱۰. بعضی واژه ها بصورت جمع درج شده و حال آنکه این بدستور زبان تعلق دارد نه بفرهنگ.

مانند فرهنگیان، گوان، لغتان.

۱۱. یکی از نقایص کتاب اینست که بعضی واژه ها که دارای دو یا بیشتر معنی دارند جدا جدا درج شده

مانند لر، لک، شغش، شرک، کراز، کرنیز، کبسد و غیر آنها، اما صدها واژه های دیگر که دارای معنی

زیاد باشد فقط یکبار آمده و همچنین تا تحت همین واژه درج شده

۱۲. یکی از نقایص کتاب اینست که در توضیح و شرح واژه ها اکثر بیان مولف غیر مضبوط و غیر واضح

است، مثلاً

نر: پیرکمن مند برنا، ازین جاست که زال سام را زال زر گویند از بهر موی سپید او ذهب.

درین بیان "از بهر موی سپید" بیخود است، نر را باید اینطور شرح داد:

زر: دو معنی دارد ۱- ذهب ۲- پیرکس که مویش سپید شده باشد، زال سام را زال زر بدین جهت گفتند که او بسیار پیرگشته و مویش سپید شده.

ژاژ: هر سبزه که باشد بی مزه و سخن بیوده را گویند و رستنی جا و حشیش خود روی. صحاح ص ۱۳۷: ژاژ دو معنی دارد، اول گیاهی باشد تلخ که تره دوغ از وی سازند، دوم سخن هنریمان و یاف بود، شرح صحاح مضبوط و روشن است و هیچ نقصی غیر این ندارد که باید معنی دوم را معنی اول قرار داد. اما طرز زلفان روشن نیست، و واژه ژاژ را باید بطور شرح باید داد:

ژاژ سخن بیوده را گویند، و سبزه بی مزه و رستنی جا و حشیش خود روی.

سروش: آهن ریزه و جز آن، براده هم آزا گویند.

این را باید اینطور نوشت:

آهن ریزه و جز آن، و هم آزا براده گویند.

شال: گلی خرد و فخر تو اس گوید: شال نمدی که زیر برگستان بکنند یعنی جل نمده که در زیر برگستان کنند.

درفر هنگ تو اس چایی این واژه شامل نیست، نیز در شرح فوق عبارت یعنی ... کنند هیچ فایده ای ندارد.

سبک و زبان این فرهنگ:

زفان گویا شامل مقدمه مختصری است به نثر، و از روی آن مختصات زبان و دستور فرهنگ بیادرج

می شود:

۱- در پیروی فرهنگ تو اس زبان فارسی سره بکار برده و از کلمات عربی کاملاً اجتناب نموده، و این

موضوع قبلاً مورد بحث قرار یافته.

۲- مولف اکثر سیج را بکار برده، مثلاً نگاه کنید عبارت ذیل:

پس هزار افزون از شمار و ستایش بی اندازه و بسیار برون از گردش روزگار.

نیاز بهین و آفرین پدید آورنده جان و گشاینده دل و روان را که زلفانای همه نیک زلفان

بنا نهاد بی پایان نامش گویان و دلهای همه آفریده گان نشانش چویان

در عبارت اول در واژه های هزار و شمار و بسیار و روزگار سیج است و در عبارت دوم چند تا سیج

بکار برده شد:

۱- بهین - آفرین

۳- گویان - چویان

۲- جان - روان

۴- نیک زلفان - بی پایان

۳- محاورات بیشتری بکار برده، مانند:

توسن بافتن	چنانک بایت توسن نباخته
روزبشب آوردن	پند پذیران روزبشب آوردند
به سود پیوستن	لیکن به سود نمی پیوست
بر آرزوگی شستن	پس گوش و بوش بر آن آرزو بگماشته
در استوه بر خود بستن	در استوه بر خود بست
بر آن کشیدن	و منش بر آن کشید
بر چیزی دل داشتن	دل بر آن کام و بست داشتیم
رسن گرفتن	رسن می گرفتند که برای آسانی مردمان فرنگ را بر دازید

۴- اینست فهرست واژه ها و فقره های فارسی سره:

نیاز (حمد)	برگزین (برگزیده)	پس و پیش
آفرین (حمد)	زکنا زنگنه زبان	بسگی
زفان	پرده کن جانیان	نام گردان
نهاد	سخن کیش	بر بسته
نام گویان	فرغیس	بر بست
نشان جویان	نهاد دل	جسته (مطلب)
گونه گونه	شب گیتی	بوش و گوش
فزه دین	بخش ریز	بر بسته (جمع)
خواست (آرزو)	چیستی	همدل و همراز
ترزفان شناس	چگونگی	هم نشین
غشگی (دل بسگی)	دل پریم	هم پرداز
ستود (نعت)	آهویگر (عیب جو)	بسته
میین و بهین	آهو (عیب)	استوه
پیشین سروران	دز براز	همنجار
پسین پیغیران	بی زبری و زبری	خستو و غیر آنها

۵- بعضی امور دستوری بدین قرار است :

۱- حذف را در حالت مفعول صریح

ب- صفت مقدم بر موصوف

ج- استعمال ضمائر شخص او، وی برای غیر ذوی العقول

د- فعل واحد برای فاعل جمع غیر ذوی العقول

ه- استعمال ماضی تملک برای ماضی استمرار و غیر آنها

مخطوطات زفان گویا

ازین فرہنگ دو نسخہ نقل کشوف شدہ ، یکی در کتاب خانہ خدابخش یا یکی پورپتنہ ، دیگری در تاشقند کہ خط شامل جزو اخیر این فرہنگ می باشد ؛

نسخہ یا یکی پورشامل ۱۷۲ ورق است ، از اسجملہ سہ برگ ۱۶۹ تا ۱۷۱ از کتاب دیگری است ، ہر صفحہ ۱۷ سطر دارد ، خط نسخ جلی روشن و خوانا ، عناوین با جوہر سرخ ، روی واژہ ہا کہ شرح شدہ خط ریز کشیدہ اند ، نسخہ خوب است اما بعضی جا کرم خوردہ ، بخش وگونہ عنوان دارد ، اما بہرہ ہا عنوان ندارد اما چون بہرہ ہا باعتبار الفبا آمدہ فقط صورت حرف عنوان بہرہ را تشکیل می دہد ، کاتب معلوم نیست اما تاریخ کتابت ۹۵۰ ہجری است چنانکہ از عبارات خاتمہ ظاہر می شود :

تمت الکتاب فی یوم الثلثا وقت ظہر الثالث من ذی القعدہ سنہ خمسین تسعمائة (۹۵۰)

تاریخ در لفظ دہیز دہندہ مندرج است . نسخہ ہذا در ملک شخصی بنام اسماعیل عثمان خطیب مسجد جامع مخدوم شیخ نصیر جمال الدین صیقلی ، و این نام در ابتدا و آخر کتاب دوبار آمدہ است .

خصوصیات اطالی بنسخہ برقرار است :

۱- التزام ج- ج- ز- ث- ک- گ- ب- پ در سراسر نسخہ شدہ است .

۲- آسج ، آنک ، بدانج بحذف ہای مخفی آمدہ است .

۳- کلمہ چنانچہ بحذف الف و ہای مخفی آمدہ ؛ مانند چنچ (= چنانچہ)

۴- چہ ، کہ بابای مخفی نوشتہ شدہ .

۵- در صورت جمع بستن کلمات مختم بہ ہای مخفی ، بحذف ہا آمدہ ؛ مانند گونسا (= گونہ ہا)

۶- حذف ہمزدہ اضافت در کلمہ مختم بہ ہای مخفی کہ تبدیل آمدہ ؛ مثلاً بجای مجرر اسب 'جورہ اسب'

ہمینین در کلمہ مختم بہ الف ہای اضافت حذف شدہ ؛ مانند بجای 'زای عربی' زاعربی .

۷ - بای اضافت پیوست به کلمه نوشته اند مانند با همشکل (= به همشکل)

۸ - حرف نفی 'بی' گاهی پیوست با سم و گاهی جدا نوشته اند، مانند بی فایده، بی باک، بی شوی

و نیز بیوشی، همچنین 'می' گاهی جدا از فعل و گاهی پیوست نوشته شده مانند می ماند، میماند نمی کند، نمیکنند. اما بای زینت با فعل پیوست آمده است.

درین نسخ در حاشیه عبارات اضافی گاهی بخط کاتب نسخ اصل و گاهی بخط بعد دیده می شود، بعضی

اضافه از روی موبد الفضلا شده.

نسخه تاشقند

ادراق ۵۴، هر صفحه دارای ۱۸ سطر، خط نستعلیق، خانه کتاب اینست:

"کتاب فرہنگنامه زفان گویا و جهان پویا، بیت و یکم ماه جمادی الثانی ۱۱۳۳

بخط بنده حقیق بنی بضاغت عرب نشی"

ممکن است تاریخ کتابت ۱۰۴۳ هجری باشد. آقای بایفسکی ۱۱۲۳ می نویسد.

نسخه افتادگی های زیاد دارد، از اینداتا واژه های حرف 'خ' کاملاً ندارد، از لفظ دارات ذیل

حرف دال نسخ شروع می شود، و از 'دغل' افتادگی شروع می شود بدین تفصیل:

۱ - ا تا خ کاملاً افتادگی دارد

۲ - دال تا ج رزی از ان افتادگی دارد

۳ - دارات تا دغل موجود است

۴ - رنگ تا سرپاس موجود است

۵ - شکر تا آخر نسخ موجود است

۶ - نهایت فرہنگنامه افتادگی دارد

۷ - کنایات در دو صفحه آخر که در نسخ بانکی پور افتادگی دارد.

این نسخ در کتابخانه دانشگاه تاشقند، از بکستان ذیل شماره B09/292 موجود است. نسخ

اشتباهات خیلی زیاد دارد و در بعضی جایها غلط های فاحش دارد، مثلاً هلیو بمعنی سبد، بازو بمعنی فرو

مانده و حیران در نسخ تاشقند بنصورت آمده:

هلیو: سبیلها، گویا بجای سبیل، و بازو که واژه دیگر است آن را جز بمعنی هلیو مترادف داده

تا گفته اند که در موبد ج ۲ ص ۲۷۳ هلیو بمعنی سبیل است، اما در جانیگری ۲: ۱۶۷۵، برهان ۲۳۶۱،

رشدی ص ۱۴۹۸ علیو بمعنی سبب است.

ینما بمعنی غارت و نام شهری، در نسخه تاشقند بمعنی عمارت آمده؛

یا و بمعنی یاری گرد و پشتیبان، در نسخه فوق بشکل یور درج است.

نشتاک بمعنی پیکاک چشم، در نسخه فوق نشتاک بمعنی پیکال چشم درج شده.

خلاصه اینکه نسخه تاشقند یکی از بدترین نسخه های (فرهنگ) فارسی می باشد.

روش تصحیح متن زفان گویا

نسخه های زفان گویا مانند بسیاری از نسخه های آثار ادبی و تاریخی دستخوش تحولات رد و برگزشت و از بین رفته، خوش بختانه دو نسخه ازین کتاب باقی مانده، یکی مقابله کامل دیگری ناقص و ناکامل و از طرف کاتب خیلی مغلوط استنساخ یافته، و از روی همین دو نسخه متن حاضر ترتیب یافته اما در ترتیب تصحیح متن از فرهنگ های فارسی مانند لغت فرس، فرهنگ فراس، صحاح العروس، دستورالافعال، اادات الفضلا، شرف نامه، موبد الفضلا، فرهنگ جهانگیری، فرهنگ شیدی و غیر آنها استفاده نموده شد و درین کار موارد ذیل د نظر گرفته شده است:

۱- اگر در عبارت کلمه ای افتاده است، آن از روی فرهنگها امسندوده و بین قلابین [] گذاشته شده، مثلاً سیام کوهی است، یا ذیل سمندر [سلامت]

۲- اگر واژه ای صراحتاً غلط است آن را از روی فرهنگ تصحیح نموده شد، مثلاً ذیل سع بجای اکراه گذارده. یا ذیل چلیب بجای طب صلیب.

۳- مطالبی که درین فرهنگ بجهت "فرهنگ دیگر نقل شده. از مندرجات فرهنگ با مقایسه و مقابله شده.

۴- موبد الفضلا در حدود صد جا ازین فرهنگ نام برده، همه مندرجات موبد را در تصحیح و انتقاد متن زفان بکار برده ام.

۵- از کتب تصوف مانند مقامات ننده ییل و کتب طب مانند هدایه المتعلمین فی الطب و کتب جغرافی مانند حدود العالم نیز استفاده شده است.

۶- مترادف واژه های عربی از روی فرهنگهای عربی تصحیح شده، ببینید: جبروق

۷- بعضی واژه های غلط که خود نتیجه اشتباه سلف کتاب است در متن همان طور گذاشته شده است و در حاشیه اشاره به الفاظ درست کرده شد. رک: چرویده، چرغله، چرنده، کیشک، ملاژه.

- ۸- واژه هایکه نتوانستام درست بکنم، همانطور در متن گذارده شده، رک: جاکلی
- ۹- واژه هایکه بعلت کرم خوردگی ناخوانا مانده از روی فرمبک تصحیح شده: رک: جزیره، خوار
- ۱۰- واژه های ناخوانا قیاساً درست کرده شد، رک: خشاده
- ۱۱- نسخه تاشقند اشتباهات زیاد دارد و بنابراین همه اختلافات بی معنی را در حاشیه درج نکرده ام.
- ۱۲- نسخه تاشقند عنوان هر بهره در یک عبارت آمده، از آن صرف نظر شده، فقط حرف عنوان بهره قرار داده شده.

- ۱۳- بعضی واژه هایکه در نسخه تاشقند زیاد است آنرا داخل متن کرده ام، مثلاً دستور
- ۱۴- عبارات که در حاشیه افزوده آنرا در قوسین گذاشته ام؛ مثلاً [درنگ]
- ۱۵- تصحیح واژه های هندی از مستابع دیگر شده، و چندی قبل یک مقاله تحقیق در مجله ارشد و ۱۹۶
- کراچی شامل همه واژه های چاپ نموده ام.
- ۱۶- در شرح بعضی واژه هایکه معروف نبودن اضافه است درج است، بنده 'است' را افزوده ام تا معلوم شود که معروف معنی نیست.

در آخر وظیفه خود می دانم که اقرار کنم که متن حاضر بدون شک از سهو و خطا خالی نیست، بنا بر این از خوانندگان محترم استدعا می کنم که هنگام برخورد خطا بنده را مطلع فرمایند تا از نظر اشتباه استفاده شود.

در پایان لازم میدانم مراتب امتنان خود را حضور آقای دکتر عابد رضا بیدار، رئیس کتابخانه مشرقی خدا بخش، بانکی پور بکنم که بنده را برای ترتیب تصحیح کتاب تشویق نمودند و وسایل برای چاپ و نشر این کتاب فراهم آورده اظهار دارم. آقای دکتر سید طارق حسن، استاد یار قیمت فارسی، دانشگاه اسلامی را که نسخه زلفان گوپارا را برای بنده رونویسی نمودند و در حروف چینی و فونت سازی کمک نمودند، سپاس گزار می نمایم. همچنین از همسر خود خانم آصفه احمد که برای تهیه و ترتیب کتاب فرصتی پیدا کردند تشکر و سپاسگزارم؛ از آقای پروفیسر شمیم احمد انصاری که بدقت و احتیاط تمام این نسخه را کتابت نمودند تشکرات صمیمی خود را ابراز نمایم، در آخر از کارکنان چاپخانه که در چاپ کتاب حاضر سعی و اهتمام وافر بکار بردند، تشکرات خود را اظهار می دارم.

پروفیسر نذیر احمد
دانشگاه اسلامی علیگره - هند

۳۱ دسامبر ۱۹۸۵

967 — Riva Ridge Dr.
Norcross, Georgia
30093
Atlanta, U.S.A.

فهرست کتب زبان گویان

(ورق ۱۰)

جهان پویان

فهرست فرهنگنامه

پدر ابراهیم
مرتب شده بدین ترتیب:

هفت بخش

و در هر بخش چند گونه دارد

و در هر گونه چند بهره هست - معنی -

آخر

بحر تبحر تبیین بیابند

بخش چهارم (ورق ۱۳۴)

در سخنان تازی - سیسی عربی، گونه ۱۱

بخش نخست (ورق ۴)

در سخنان پهلوی و دری که جداگانه است و پیوندی
دیگر ندارد و آن بر ساد و خفای همی است و گونه است

بخش پنجم (ورق ۱۴۳)

در سخنان آمیخته از تازی و ترکی و همی، گونه اول ۱

گونه پنجمت در سخنانی که آغاز آن الف است
بر بست و دو بهره، بهره نخست در سخنان که پایان آن

الف است چنانچه آسا مانند

بخش ششم (ورق ۱۴۸)

در لغات رومی و یونانی

بخش دوم (ورق ۱۰۹)

در سخنان پهلوی و دری که از دو سخن پیوند یافته است و
از پیوستن هر دو رازی انجامد بر بست و یک گونه است

بخش هفتم (ورق ۱۶۵)

در لغات ترکی

بخش سوم (ورق ۱۲۶)

نهایت فرهنگ نامه بر لغات متفرقه
(ورق ۱۶۷)

در سخنان پهلوی و دری که از آن کردار با بیرون آید یعنی
مصادر، گونه آن

پ

ل در خط بعد است.

۲
بسم الله الرحمن الرحيم
رب یستر و تتم بالخیر

(۲ ب)

مقدمه کتاب

سپاس هزار افزون از شمار و ستایش بی اندازه و بسیار برون از گردش روزگار و نیاز بسین و آفرین پدید آورنده جان و گشائنده دل و [روشن] را که [ز فغانهای] همه نیک و فتنان بانهاد بی پایان نامش گویان و دلهای همه آفریدگان، نشانش جویان، سخن و آواز گونه گونه و فره دین هر نمونه از توانائی او پیدا و بخواست او هویدا، تازان سخن گوی را از سخن او آراستگی و ترزوفان شناس را بسخن او دل بستگی و غلبگی، برزفان مردمان از نام فرخنده او شگفتگی، در سخن روان و سخن در نهاد جان انگنده دوست.

این دیباچه تحت تاثیر فرهنگ تواس نوشته شده بنابراین بعضی کلمات و فقرات در هر دو مشترک است.

تو اس: برون از اندازه و افزون از شمار

تو اس: سپاس و ستایش و نیاز و نیایش

تو اس: درود و آسودگی ستوده

تو اس: پدید آورنده گیتی

در محبت فکر و نظر: ژوئیه ۱۹۶۴ میلادی، این مقدمه توسط پروفیسر سید حسن و در کتاب فرهنگ زبان گویا

و جهان پویا، ماسکو ۱۹۶۴ میلادی، توسط آقای س. ا. بایفسکی کاملاً چاپ شده، اما هر دو از اشتباه

خالی نیست، فکر و نظر و زبان: دل با شاد

فکر و نظر و زبان: نیک فغانان

یک کله ناخوانا

کله است در اصل اما فکر و نظر و زبان ندارد.

فکر و نظر: هویدا است.

یک کله ناخوانا

کله است در اصل اما در فکر و نظر و زبان 'جان' ندارد.

و درود برترین و ستود بهترین بر همین پیام آوران و همین مہتران و پیشین سروران، پسین
پیغامبران، برگزین آفریدگار و برگشیدہ کردگار کہ بغزو فرہنگ بختاست و در ستغوری و زینت
و مہتری ناحت است، تازی زبان، ترک تاز گنگ لہ بانان، [۱۳] گویای جان، برودہ کن جہان بانان
جہاندار سخن کیش و جہانگیر خود و فرعیث^{۱۱}، فراوان از نناد دل و روان، و بر پیاران و یاوران و
بسیار... او، از آغاز روز آفرینش تا پایان روز رستخیز و از نخستین شب گیتی تا شب بخش ریز^{۱۲}
بیانی و دمام رسان باد.

آغاز فرہنگ نامہ در حیثیتی بر بستن و چگونگی آراستن :

پس از ستایش خدای بی نیاز و ستود محمد کیش نواز چنین گوید بندہ خوارترین چون خاک زمین
دل پرہیزیم بدرا برہیم ایزد در کار و گفتار اورا یار و از آہو گیران و دژ برازان نگاہدار باد کہ
فرہنگ نامہ بزبان پیروی و دری و پارس و جزآن، پراکنده و ہرپاکی آہوی آگندہ بود از بی زیری زہری
زیر و زہر و در پس و پیشی بیشتر، نہ کنی^{۱۳} دافش بگشتی می کشید و نہ چندان بر بستگی می رسید از آنک

۱۱ قواس: درود و آفرین ستودہ و برترین

۱۲ کذاست در قواس ۱۱ کذاست در قواس

۱۳ فکر و نظر و زخان: برگزیدہ؛ قواس: پسین و مسین کردگار

۱۴ فکر و نظر و زخان: زیب ندارد

۱۵ فکر و نظر و زخان: فرعیث؛ اما فرعیث بمعنی کہنہ و فرسودہ، رک: فرہنگ معین ۲: ۲۵۲۱

۱۶ فکر و نظر و زخان: نناد، ندارد

۱۷ فکر و نظر و زخان: 'و' ندارد ۱۸ یک داژہ ناخوانا

۱۹ اصلاً بخش زیر، تصحیح متن بر قیاس رستخیز در جلد قبل

۲۰ قواس: پی در پی و دم در دم ۲۱ پیستی بمعنی مہیت (فرہنگ معین ۱: ۱۳۲۷)

۲۲ فکر و نظر و زخان: برہیم

۲۳ فکر و نظر و زخان: آہو، قواس: از کام آہو گیران و نارائی دژ برازان یار و نگاہ دارش باد

۲۴ آہوگیر بمعنی عیب جو جاہگیری (۱: ۸۷۰)، آہو بمعنی عیب و نقص، بیماری و مرض، بدو ناپسند (فرہنگ
معین ۱: ۱۰۹)

۲۵ دژ براز بمعنی زشت خو، عیب جواست (فرہنگ معین ۱: ۱۵۲۳)

۲۶ فکر و نظر و زخان: پیستی

۲۷ کذاست در اصل

۲۸ کذاست در اصل

زفانها همه یکسان و نام گردان بی هیچ نشان بوده، سخن آئینه از پارسی و تازی (۳ب) آئینه و جداگانه در کالبد برشته و برخته و در پیوند و بر بست چنانک بایست تو من نباخته چنانچ شایست نساخته تا گروهی از جواب و سخن سرایان و دبیران و ... و پند پذیران پیشینان و پسینان روز مشب می آوند و شب را چون روز می گذرانند و در آن همه سخنان بسیار می خوانند و ترزفان آن نمی دانند و بفرهنگ نامه های بینند و در برون آوردن آن در می نشیند و لیکن بسودنی پوست و جوینده بگشته نمی رسد، و نیز گروهی را خرد بدان رسید و منش بران کشید که آنرا خوانند و هر سخنی را چنانچ اوست بدانند، پست پوش و گوش بران آرزو بگماشته دل بران کام و بست داشتند و بسوی یکدیگر می دیدند و بر بسته های آن می پرسیدند، کسی آن در باز نمی گشاد و داد سخنها بسزائی داد، برخی از دوستان همدل همراه و همنشین و علم پرداز بودند و این نمکین را در پیکار گمان می بردند و خست می کردند و بدانچ می رسیدند می پرسیدند، چون پاسخ می یافتند

- ۱ کذاست در اصل
- ۲ فکر و نظر و زفان: برشته
- ۳ بست بمعنی ضبط و ربط (فرهنگ معین ۱: ۵۲۸)
- ۴ کذاست در اصل
- ۵ فکر و نظر و زفان: بند پذیران
- ۶ ترزفان بمعنی ترجمان، ترجمه، گزارش، رک: قواس (تصحیح) پروفسور نذیر احمد، چاپ تهران) ص ۲ ستون ۲ سطر ۲
- ۷ جست بمعنی تقییش شده (فرهنگ معین ۲: ۱۳۲۹)
- ۸ قواس: و پوش و گوش بران گذشته تا آنچه از پوشیده های آن در دل داشتند پرسند، هم بسوی یکدیگر می دیدند و بر بسته های آن از یکدیگر پرسیدند، اما کسی آن در باز نمی گشاد و داد آن سخنها بسزائی داد.
- ۹ فکر و نظر و زفان: از
- ۱۰ فکر و نظر و زفان: جوفی
- ۱۱ فکر و نظر: هم آرد، زفان: هم آرد، قواس: یاران همدل و همنشین بی هیچ پیغاه و سرزنش (ص ۱-۲)، با بزرگان، همنشین و همراه و نامرغوان و علم پرداز (ص ۲ ستون ۲ سطر ۳-۴)
- ۱۲ خست بمعنی سزفت و معتر (فرهنگ معین ج ۲ ص ۱۶۱۹)
- ۱۳ قواس: آنچه برسد پاسخ آن بازگوید.

رس می گرفتند که برای آسانی (درق ۱۲) مردمان فرنگنامه پیرداوید و برهنجار که سودمند گردد بسازید چنانکه از حرفتانی بهری [بود] و سخنان هرزفانی را جداگانه ترزفانی بود و اندیشه بر درستی هر سخنی بگمارید، و بخشها و گونه‌ها پیدا آرید تا همسانان ازین بهره برند و خوش نشان که زیرک تراند و برهم نشینان بزرگان و همرازان زیردستان، چون پاسخ ناچار و انبوهی بسیار شده و خواهش بسی افزوده درخواست ایشان را پذیرفتم و خامه برگزفتم و در استتوه را بر خود بستم و سخن را در سخن پیوستم و فسخ بران داکشتم و از بدان گماشتم که فرنگنامه با هم و سخنان پراکنده را فراهم کنم و هرچه در زبان تازی و پارسی و پهلوی و دری و یونانی و ترکی و جزآن بود همه را فرونگویسم و بیکان بیکان در خانه نگار آوردم و بدانچ رسید [م] و توانستم دشنیدم و دیدم درست گردانیدم و ترزفانی جداگانه بسیار استم و از آن بخش بخش و گونه گونه و بهره بهره کردم و هر یکی را بدان سوی که سزاوار (۱۳) تراست بیاوردم و بکوتاهی کوشیدم نه بدرازی و بسود بگردانیدم نه بیازی و نام این فرنگنامه زخان گوینان و جهان پویان [ن] نهادم برین بهنجار، یزدان دانان تراست و بردستی و نادرستی آن از گمراهی و بی آگاهی نگاه دارد و بر بشتن توانائی داد.

اندازه فرنگنامه بر هفت بخش.

-
۱. قواس : و در بسته و استتوه را بر خود بستم . استتوه یعنی در مانده ، خسته ، عاجز ، افرده (فرنگ معین ۱: ۲۶۲)
۲. قواس : در زبان تازی و پارسی ترجمان کرده همه را فرونگویسم ، فکر و نظر و زخان : ز فرد نگویسم .
۳. قواس : و بیکان بیکان در خانه نگار آوردم .
۴. رک : قواس می ۳ ستون ۲ سطر ۱۱
۵. رک : قواس یعنی
۶. قواس : خدای عزوجل دانان تراست ، بردستی و نادرستی آن از نا آگاهی و گمراهی نگا دارد و بر راه درست و راست گذارد
۷. قواس : فرنگنامه بر پنج بخش است (بجذف اندازه)

بخش نخست

در سخنان پهلوی و درسی که جداگانه است و پیوند با سخن دیگر ندارد، و آن برهنه و حرفی بی بیست و (نه) گونه است:

گونه نخست

در سخنانی که آغاز آن الف است، بر بیست (و) دو بهره:

بهره نخست

در سخنانی که پایان آن الف است.

آسا: مانند، چنانکه گویند شیر آسا و حور آسا، هو فازه یعنی آنکه دهن از هم جدا شود یا از کاهنی یا از آمدن خواب، و آسایش چنانکه گویند دلاسا، و بعضی فرق کرده اند بعد آسایش مانند مراد باشد و بغیره فازه.

آوا: آواز، آخرین حرف از وی نقصان کرده اند چنانکه آرا و آرا و ستا یعنی آراینده و آراینده و ستاینده.

استا: بکسریمزه، شایش و بفتح همزه [ه] کتاب سخنان که آنرا تفسیر زند گویند چنانکه استا و زند و استازند گویند، اختراع زرتشت است.

۱. فرس: مانند بود چنانکه گویند شیر آسا و حور آسا، خنان گوید: بزم خوب و جنت المادی؛ مثل ساقی تو حور آسا صحاح: ششید لغتی: شود بدخواه تو رواج بد دل؛ چو شیر آسا تو بکسر امی بیدان
۲. کذات در صحاح: موبد این را گفته مشن نام نهشته.
۳. این معنی در فرس و صحاح نیامده، اما رک: موبد.

۴. موبد: دلاسا با کسر تکین خاطر و آسایش دل، و در بعضی نسخ دل آسا برین نظم استوار است یعنی آساینده دل.
۵. در موبد این اضافه گفته اداست آمده. ۶. در واژه با آراینده و آراینده و ستاینده فقط یک حرف حذف نشده بلکه علامت 'ینده' افتاده است. ۷. نسو اصل: از ا

۸. کذات در موبد: در فرس و صحاح بجای استا شایسته ستایش و در زبان ذیل حرف ستا یعنی شایش و ستاینده برود. ۹. کذات در صحاح؛ اما در موبد با تعضم بافتح.

۱۰. فرس: است و زند، دستا و زند صحت ابراهیم است و ابستا تفسیرش بود. صحاح ابستا بفتح همزه و کسریا و سکون سین تفسیر زند و ستا یعنی مصف ابراهیم. فراس ص ۱۲، زند و پازند کتاب سخنان است و نیز گویند ابضا ص ۱۹۳. زند و استا کتاب سخنان است تعصیف زردشت. زبان ذیل حرف زاء: زند کتاب سخنان، آن تعصیف زرتشت در آتش پرستی و آنرا زند استا نیز گویند، و اسدی آورده است: زند استا ←

ایلو: صبر که بنده می کند اگر گویند و نیز بفتح همزه.
 آشنا: ضد بیگانه، و رفتن بروی آب، بخدث همزه نیز گویند.
 آنکزوا: جای گوسپندان باشد و نیز گاوآنان، و زرای فارسی و بفتح کاف نیز گفته اند.
 ارژوا: مار ارژور، ارژورما جهان ارژواست، بتأثیری ثعبان خوانند.
 انوشا: مذهب گبران

تغیر زنده است و بعضی فرہنگ منہ گویند صوف ابراہیم صلوات اللہ و سلامہ است ... واضح است
 که تقریباً همه فرہنگ نویسان قدیم فارسی در بارہ اوستا و زند و پازند، حتی زرتشت اطلاعات غلط و ناقصی
 در اصل اوستا، استا، استا، وستان ب زرتشت است که بعقیدہ زرتشتیان کتاب آسمانی است و ز
 تصنیف زرتشت، زنده گوارش و ترجمہ اوستا بزبان پهلوی و پازند منہ زنده است بخط اوستائی نیز بخط پهلوی
 کذاست در اصل؛ اما رک: همین فرہنگ ذیل حرف زا، واژه زند.

بحر الغفایل: الوا صبر و آن داردی تلخ است، دار الوا بکسر رستن است تلخ، عرب آنرا صبر و ہند
 کنوار بضم کاف تازی؛ بریان: الوا بر وزن علوا و همین است در فرہنگ معین با حرف اول معسوج.
 یعنی شناسا کردن، در صحاح بیت زیر معنوی شاد یعنی مذکور:

مانند زنگی کہ بر آتش ہی تپد و بطنش در آب دیدہ ہی کرد آتشا

یعنی شناسا، مویہ: شناسا همان آشنا بخدث همزه، شناسا نیز بمعنی شناسی آید. صحاح: شناسا شناسا کردن
 باشد در آب، در وفائی بیت زیر از مہنیک شاد آید:

ای بدر بای غفلت کردہ شناسا و زہر نیک و بد شدہ آگاہ

در همان صحاح آشنا بمعنی شناسا کنندہ نیز آید، و در فرس آشنا فقط بمعنی شناسا کنندہ درج است، در ہر دو
 فرہنگ این بیت از ابوشکور شاد آید: کی گاہ را بیست آب شناساست از آب چو آتش نرسد ردا
 و فرس بیت زیر از معزی شاد دیگری دارد:

در چشمہ وزارت در بحر مملکت ماند بہ اشناہی پدر اشناہی تو

در فرہنگ معین آشنا بمعنی شناسا و مرد شناسا بمعنی شناسا آید؛ و معین آشنا نیز بمعنی مطلع بہ امری و عارف از کاری
 آورده و بمعین قاس آب آشنا بمعنی شناسا درج کردہ، در فرہنگ خان گویا (همین فرہنگ) شناسا بمعنی شناسا آید اما این
 معنی در هیچک از فرہنگ دیدہ نشد؛ معین آشنا، آشنا، اشنا و شناسا بمعنی شناسا و شناسا آید.

فرس و صحاح و قواس و معین ادن واژه ندارد؛ مویہ: آنکزوا، بفتح کیم و کسر سوم با کاف و زای فارسی جای
 گو سفند ان و قبل کاف فارسی فقط؛ همین است قول صاحب مدار باشنا، مطلب زیر:

و بمعنی الف و بکاف آید و در محل لغات است بمعنی فتنہ مویہ و در نیمتری است آفتاب پرست یعنی عربا الخ

اصل: باشند، اصل: نیز کان، این عبارت در حاشیہ افزوده شدہ.

فرس و قواس و صحاح و فرہنگ معین این واژه ندارد؛ اما رک: مویہ و مدار

بهره دوم ب

آشکوب: پوشش خانه، بنیر و نیز گفته اند.

آگب: بکاف فارسی، رخساره

آشوب: فتنه و غوغا

آسیب: پرتو، و دوشن که برهم سایندهم برسند و دوش بدوش بهم گویند با پهلویش، یکدیگر را آزادی و کوفتگی رسد، و ازینجاست که آسیب و مرگشته و دوش قریب یکدیگر اند.

فرس و صماج و قواس این واژه ندارد؛ مویده یا شین موقوف معنی آسمان: و سقف، دار: آشکوب بفتح و هم کاف و واد پاری یعنی آسمان و سقف و آشکوب نیز درست دانسته. معین: آشکوب، آشکوب و آشکوب هر سه واژه را همان معنی نوشته.

مویده: آگب یا بفتح کاف فارسی رخساره که افی زفان گویا و در ادوات العفلا، از اسلاف سپهین معلوم می شود که معنی این لفظ فارسی رخساره الخ، در مدار است: آگب بفتح الف و سکون و فتح کاف پاری رخساره و در ظرف نام این لفظ را ترکی آورده و بانه نیز چنانکه درین بیت است:

ردان گشته دایم دو چیز از نسلان ز دوش چشم نوری ز آگب لالی

فرس: آسیب چون دوش بهم رسند و دوش برهم زنند آنرا آسیب خوانند، فزنی گفت:

اندو هم از آنست که یروز سفا جا آسیبی ازین دل بفتد بر جگر آید

صماج: آسیب دو معنی دارد، اول پهلوی زدن دوش باشد که بهم رسد ... دوم نکت باشد.

بهر الغضالی: آسیب پرتو، مویده: آسیب پرتو را گویند که افی لسان الشعراء در قنیه مذکور است چون

دوش بدوش برهم رسانند یا بهم رسند پس یکدیگر را آزادی و کوفتگی رسد، گویند آسیب رسید یعنی دگر رسیده و

در ادوات مذکور است که آسیب پرتو که دوش با دوش یا پهلوی با پهلوی بهم گویند ... بتأیید صدر،

هند و حکو گویند، نیز نظر زبیراج ازین معلوم می شود که پرتو صدر را گویند، پس که آگب، یکدیگر پرتو عکس

چیزی را گویند، شیخ صدی راست: عا همه نورا پرتو نور است، و در شفا پرتو روشنائی

نوشته ... کوسلم که پرتو همین روشنائی را گویند باز معنی آنست که پرتو را به دگر تغیر کند و تحقیق

آنست که آسیب عام است هم دگر را گویند بهم پرتو را آنکه مزاحمت دیو و پری را آسیب می گویند هم

بدین می گویند که آن پرتو ایشان است و بعضی این را دگر نامند با قضا و تعلق و مساس.

دار: آسیب یعنی پرتو و صدر یعنی دگر و مرگشته و دوش و بعضی نکت نیز.

معین آسیب را ده معنی نوشته اما معنی پرتو نیا در ده.

اندویش: درد که پوست آواره کند.

افراسیاب: نام پادشاهی از توران زمین.

ارجاسپ: نام مردی، نام پادشاه توران که دختران گشتاسپ را اسیر نموده بود.
ارماشپ: نام گیاهی.

بهره چهارم ت

انفت: پرده دهنه عکبوت.

ل قواس: انزوب بریون و کواردن: سردی، انزوب جرب باشد و آزا بریون و کواردن نیز گویند، افضل الدین کرمانی گوید: تراکی ره بود در پیش محبوب: که داری بر همه اندام انزوب موبد: انزوب دردی که پوست را آواره کند که آنی الادات و در شرف نامه مذکور است دردی که از فتنه خارش الخ: و در همین لغت ذیل انزوب نوشته نقل هر تخی که روغنش بر آواره باشد... و صاحب زلفان گویا نوشته انزوب شلم است الخ اما در زلفان ذیل بخش پنجم انزوت است نه انزوب: چنانکه انزوب و اندوب و اندوج هر سه را همین معنی آورده و گفته آزا بنازی قوبا گویند: دار: انزوب طنی است که پوست آدمی را آواره کند، هندیش داد گویند و در تبحری است انزوب بوزن محبوب معنی مذکور است تراکی ره بود در پیش محبوب: که در اندام داری بهی انزوب و بریون که مترادف انزوب و قواس، و در بار معنی دردی که پوست را آواره کند، و در برهان معنی داد و قوبا آمده، و در مقدمه الادب زعفرانی قوبا و بریون مترادف و در زلفان کواردن که پوست را آواره کند.

ل سوید: ارجاسپ نام پهلوان افراسیاب و نام پادشاه توران زمین که پسر گشتاسپ شاه را در جنگ کشت و آسنسین را که دختر گشتاسپ شاه بود اسیر کرد و در دژ روشن مجوس ساخت؛ آفرالامر دست اسفندیار بن گشتاسپ هزیت خورد و کشته شد، رک: لغت نامه دهخدا ذیل ارجاسپ و ارجاسپ.

ل نام دختران آسنسین و هما بود که برادرشان اسفندیار ایشان را از رویین دژ آزاد نمود، (برهان)

ل این واژه در فرهنگها دیده نشد؛ اما در تفسیر حکیم همن ارما اردشیر دارد، و در لغت نامه ارمات جمع گونه ای از رشت که نام گیاهی است در پادیه.

ل قوس و صحاح و سردی و رشیدی همین معنی بابت زیر از خسروی (سردی و رشیدی خسروانی): عکبوتی پلاش بر دل من: گرد برگرد بر تپید انفت، قواس بیت دیگر از خسروی.

آگفت: بلا و ریخ.

آبخت: طبع.

آبافت: جامه سفت.

آگفت: پاره [در ق ۵ ب] آتش که سیاه شده باشد و گویند زغال، هنگران.

بهره پنجم 'ج'

اولنج: سگ انگور، و بعضی بضم همزه گویند.

آگنج: باکاف فارسی، عصیبت و آن طعاسی است که روده ای را به برنج و جگر پز کرده

۱ رک: صماج و قواس و مویه و مدار و سروری و جایگیری و رشیدی؛ در صماج بیت زیر بدون نام شاعر شایه:

شایه ادبی کن خلک بدخورا؛ کاگفت رسانید رخ نیگورا

۲ فرس: یعنی امید بامیت شایه از کسائی:

جهان جای به تمیقت نمی برود پرداخت؛ جز این بودم طمع و جز این بودم آبخت

صماج آبخت چشم باز داشتن و طبع بود کسائی:

جز این دوشتم امید و جز این دوشتم آبخت؛ ندانستم کرده دور گوازه زندم بخت

مویه: آبخت باجیم و غا بوزن انغفت امید کذا فی لسان الشعراء فی الادوات باضم و الفتح جمع فارسی

طبع و فی شرفار بالفتح باضم فارسی طبع و قیل بالکسر.

۳ مویه: آبافت جامه است و جامه سفت و مطبر کذا فی الادوات و شرفار، و در فرهنگ حسین

آبغت و آبافت یعنی جامه مطبر و گنده و هم یعنی قیمتی آمده.

۴ مدار: آبگفت پاره آتش که سیاه شده باشد و در تخفزی است: گویند زغال آبنگران.

۵ قواس: اولنج سگ انگور، دستورالافاضل: سگ انگور یعنی لمسوره، نام دارویی است. مدار:

اولنج بوزن سوگند، بضم همزه نیز، نام میوه ایست که آن را سگ انگور نیز گویند الف

۶ در حاشیه اصل این مطالب افزوده: میوه ایست معروف که آن را سگ انگور خوانند و سگ پستان نیز گویند.

۷ فرس و صماج: اعمای گوسفند پر کرده از چیزی (گوشت)، کسائی:

عصیبت کرده بدون کن و زدن و زنج نورد؛ جگر بیازن و آگنج را با سامان کن

۸ قواس این مترادف بامیت کسائی آورده.

در تنویر بریان میکنند.
 آهنج : انداخته ، گویند با هنج یعنی بانداز.
 انج : روی که بیرون کشیده باشد.

صاحب مدار بگفته پنج بخشی مطالب درج متن را نقل نموده ، و اضماً از پنج بخشی زبان گویا مراد است و حال آنکه زبان در هفت بخش است اما فرنگی حواس شامل پنج بخش باشد و موزن الذکر را باید پنج بخشی گفت نه زبان را فرس آنگی را معزوف آگنج دانسته ؛ موید : آگنج بوزن آگند امعای کوسپند بگوشابه پُر کرده ، بتازیش عیب خوانند کذا فی شرح نامر ، و در لسان اشعرا که نزد کاتب است نیز هم بدین معنی آورده قال آگنج معیب که آنرا پارسی جبرگ آگند گویند ، اما در قفیه مذکور است . کلا میرا سدی گوید : آگنج قلابی آهمنین بود بر سر چوبی حکم کرده و بدان پاره های سیخ از یخندان بکشند ، و در ادات الفضلا آگنج با کاف تازی یعنی قلاب است و با کاف فارسی بدین معنی است ، هذا هو الصبح ، در اصل در اسدی (لغت فرس) آگنج یعنی قلاب و آگنج یعنی روده پر گوشت الخ ، در قفیه از قول اسدی آگنج نوشتن تسامح است ، همچنین در ادات نیز چنانکه بعد می آید .

مدار : آهنج بوزن آهنگ انداختن چنانکه گویند با هنج یعنی بانداز نیز بعضی انداز ، و در لسان اشعرا یعنی اول است ، صاحب موید از قفیه یعنی پوشیده نقل کرده و در قفیه آهنجیدن یعنی کشیدن گفته الخ
 کذاست در اصل : اما رک : مدار .

نفسه اصل : باندازه ، شاید بانداز و اندازه درست باشد ؛ اطای درست کلمه بانداز 'ببنداز' باشد .
 موید : انج بوزن پنج بیرون کشیدن کذا فی لسان اشعرا و در ادات و شرح نامر . بیرون روی نوشته بجای بیرون رفتن و بیرون کشیدن ... اما معنی آن بیرون روی از کدام قلیل باشد ، من نمیدانم ؛ شاید این تحریف کاتب باشد ، بجای رفتن 'روی' نبشته است و کتابت هر دو قریب است ، و این گمان ازان شود که در ادات الفضلا لغات لسان اشعرا کل آورده است و درین لغت بجای رفتن روی آورده است ، پس معلوم شد که خطای کاتب است . در مدار مطالب موید بابت شادی بدون نامشکر آمده است . اما حق اینست که انج تصنیف پنج است چنانکه در فرس و قواس و صحاح آمده بابت نیز بعنوان شاپ در اول دوفرنگ :

گفت من تیز دارم اندر کون * سبست برایشن موی پنج ترا
 اما بیشتر فرنگ نویسان متوجه این نکته نشده ، و حیف است که معنی انج و پنج هر دو را آورده ؛ چنانچه صاحب فسان گویا ذیل حرف 'ل' پنج را همین معنی آورده ، و هیچ متوجه نشد که ادقلاً انج را همین معنی نقل نموده است ، صاحب موید نه فقط همین کار را کرده است ، بلکه معنی بیرون روی را تصنیف بیرون رفتن بگفته لسان اشعرا قرار داده ؛ از قول فرنگ نویسان بسیار عجیب می آید که ایشان انج را مصدر قرار می دهند و حال آنکه در فارسی طاعت مصدر ذون یا تن باشد ، پس پنج را مصدر قرار دادن بر کم آنگی ایشان اصول و مقررات گواهی می دهد .

آکج^۱: قلابی بود آهینی که بر سر چوبی بسته باشد و بدان پاره های ریخ از یخدان کشند و در استخوانها را کج کرده است.

الفنج^۲: الفتن، و امر بالفاتن.

اوج: بلندی و هوا.

ارج^۳: اندازه و قدر.

ایرج: نام پسر مسریدون.

آرنج^۴: مرفق و آن بندگاه دست بود میان بازو و ساعد.

له در فرس این واژه دوبار آمده، اول: آکج قلابی آهین بود که سقایان بدان ریخ از یخدان بخار کشند، عصری گفت: بجستند تاراج و ستیش را * بر آکج گرفتند کشتیش را بار دیگر، آکج قلابی بود آهین بر سر چوب بست، عصری گفت: بجستند تاراج الخ. صحاح همین معانی و با همین بیت شاپه آورده، بنا برین واضحست که هر چه در مویذ ذیل واژه آکج بگفته اسدی نوشته باطل است.

نسخه اصل: چون

هه واضعاً این قول غلط است و مبنی است بر اشتباه کاتب که آکج را آگنج نوشته، اسدی آکج دوبار آورده، نه کج و آکج چنانکه در زبان و لسان و مویذ آمده است.

هه الفنج امر است از مصدر الفنجیدن بمعنی حاصل کردن و جمع آوردن چنانکه در همین فرهنگ زبان در بخش سوم آمده، و الفنجیدن مترادف الفتن و الفاتن بمعنی گرد کردن، رک: بخش سوم همین فرهنگ؛ فرس و صحاح: الفنج انداختن باشد، بر شکو گفت:

میلفنج دشمن که دشمن یکی * فراوان و دوست از هزاران یکی

باید علاوه نمود که در هر دو فرهنگ بالا معنی کلاه الفنج که امر واحد حاضر از الفنجیدن است، انداختن نوشته و حال آنکه معنی دست اندوز باشد نه انداختن، در مویذ است: الفنج بوزن از ریخ — الفتن و جمع کردن و جمع کرده شدن و گرد کردن، و در لسان اشترای معنی اول و در ادات بمعنی آفر، اول این صیغه مشترک است میان مصدر و فاعل، و امر مشتق است از الفنجیدن.

هه بظاهر سواست، الفنج امر است از الفنجیدن نه از الفاتن.

هه گذاست در مویذ، اما صحاح: اوج بلندی درج.

هه صحاح: این قدر مردم باشد، مویذ: ارج قدر اندازه.

هه فرس: آرنج بندگاه دست بود که پیوسته ساعد بود زیر بازو الخ.

هه مبنی همین معنی بدون تغییر الفاظ در صحاح مندرج است.

ارج : پرنده ایست که آثر آشکار کند.

آماج : آن خاک که نشانه تیر برود نمهند. **ششم 'ج'**
آخشیج : ناهتا.

بهره، هفتم 'خ'

ارخ : آسزین

آرخ : ثولول که مشا گویند.

له : هار : ارج لغتین بوزن فرج پرنده ایست که بدان شکار کنند.

له : کذاست در اصل : اما بآن باید درست باشد، رک : هار.

له : فرس : آماج خاکی باشد توده گردد کرده که نشانه تیر برومند، عماره گوید :

سرسک دیده برخار تو فروگذرد : هر آنکسی که بر آماج گاه او گذری

در مویده آماج بکسیم فارسی مانند زخان یعنی خاک بلند و نشانه و آلتی برزگران، و مترادف اوماج کذا فی

شرف نامه : و در مدار آولا آماج گاه یعنی نشانه تیر نوشته و بعداً آماج یعنی نشانه و تیر و توده خاک آلت

کشا و دران نوشته و ازین بیت سوزنی تمک جست :

بکشد روی زمین تیر تو در آماج گاه : برزگر را کشته پنداری بآماج و کند

له : نسو اصل : از

له : در قواس و دستور آخشیج یعنی ناهتا آمده : اما در صحاح آخشیج به دو معنی آمده، اول ضد و ناهتا و دوم

عناصر اربعه، و در فرس و سروری این بیت از پوشکورتا به معنی مخالف آمده :

کعب گوهری خیره شد زین چهار : یکی آخشیج بر آن برگار

و در صحاح و مدار بیت زیر از نظایمی شاهد معنی عناصر آمده :

توئی گوهر آمای چار آخشیج : مسلسل کن گوهران در مزج

و در قواس این بیت شاهد معنی اول است و این اشتباه است، آخشیج در اکثر فرهنگها باجیم

تازی است اما در زخان و مترادف باجیم فارسی.

له : در حاشیه نسو اصل این عبارت افزوده : آخشیج بیای پاری ناهتا و ضد و یک طبع از طباطبائی ارباب.

له : مویده : ارخ در فارسی یعنی آفرین تحسین استعمال کرده اند و مکرر آورده اند همچو پنج داغ ارخ.

له : در حاشیه نسو اصل افزوده شد : آفرین و ستایش و تحسین آفرینند

له : در فرس مصحح از ابیات کسائی و مرادی (مصالح نیز از بیت سوزنی) شاهد آمده، کسائی راست :

از راستی تو خشم آری دایم : بر بام چشم سخت بود آرخ

بکر الفصائل آرخ یعنی ثولول نوشته.

له : این کلمه هندی در مویده و هار آمده، بگفته آن در ادوات بازاری تازی و در شرف نامه برای فارسی است.

۱۴ بهره، هشتم، د

ایزد : خدای تعالی و تقدس .
 آژند : گل میان دوخت .
 آورد : کارزار ، و در سال نصیر جلگاه و در فردوسی کوشیدن را گویند ، و بعضی گویند جنگ کردن
 بمبارزت (۱۶) است .
 ایمنه : بکسر مزه و فتح میم سپار و آن آهن پاره ایست که بدان زمین زراعت پاره کنند که
 سبندوی پهای گویند .
 افند : شکفت و بعضی افند با تا گویند .

بحر الفضائل : آژند گل که میان دوخت است ، موبد : آژند بازی فارسی گل میانه آب و گل که میان
 دوخت باشد الخ و در مدار بردوشنی آمده . اما تلفظ آن بدو کسر نوشته : آژندیدن که در زبان
 موبد و مدار و غیره بسنی گل میان دوخت کردن ازین کلمه ساخته شد .
 فرس و قواس و صحاح بمعنی جنگ نوشتند ، اما بیت شایده در فرس مشعر بمعنی کوشش و حلیز باشد :
 ز بازور و آورد او در نبرد رسد تا بگردون گردنه گرد
 اما بیتانیکه در قواس و صحاح نقل شده شایده آوردگر است نه آورد (فردوسی) مثلاً :
 ندانند آورد کاهن بزرگ دو جنگی بگردار درنده گرگ (صحاح از فردوسی)
 موبد : آورد کارزار و جلگاه و جنگ بمبارزت و کوشش تمام . و در مدار آمده : کارزار و حمل و کوشش و
 قیل جنگ و بمبارزت و کوشش تمام در پنج بخش (زبان گویا) آورند . واضح است که در نقل معانی بظاهر
 صاحب مدار دچار اشتباه شده و این هم ممکن است که اشتباه کاتب باشد . بحر الفضائل آورد را بمعنی
 جنگ و حمل و در جنگ نوشته و این معنی شامل همه معانی مذکور در فرهنگها باشد . و دستور لافضل بمعنی جنگ
 آورده

درباره تلفظ این واژه اختلاف است ، قواس : ایمل ، موبد : ایر ، مدار : ایمد و ایر ، و کذاست
 در سرودس و رشیدی و برهان ، اما در جایگیری ایمد است بدین اضافه که بعضی از نسخ سجای دال لام مرقوم است .
 زبان : سپار چرخ انکار مول و گاد و آهن که بدان زمین زرعی پاره کنند و سبندوی پهای گویند الخ .
 در موبد ذیل ایر پهای و به ذیل سپار همین واژه نهاده و می نقل است و در متر فنامه ایر بمعنی پهای ، در ادوات :
 ایمد و ایر هر دو بمعنی پهای .
 موبد : افند و افند بالفتح شکفت که بتأریش عجب گویند ، نیز رک ، مدار

این واژه در فرس و صحاح و قواس شامل نیست .

اورند: فروزب و خداع و فریب.

افزند: مہتری و فرو نیکوئی.

آفند: خصومت و جنگ.

اند: نیف یعنی شاری محول، آنک از ده تا سه باشد، و سخن به شک گفتن چنانک آن

چیز چنانست یا چنین.

ایند: همان 'اند' است.

۱ فرس و صحاح: اورند یعنی فروبها و زیبائی آورده — بابت زیر از فردوسی بطور شاہد:

سیاوش مرا سپہ فرزند بود بد که با فسر و بایرز و اورند بود

در مویہ این واژه بمعنی فریب و دغا و فریب دادن آمده، اما در ہار بمعنی فریب و خلع و فرو زب است، و این معنی اخیر بگفتہ مویہ نقل نموده حال آنکہ در نسخہ چاپی مویہ این معنی وجود ندارد.

۲ این واژه در فرهنگهای قدیم مانند فرس و صحاح و قو اس و دستور و غیر آن اشارت مل نیست:

مویہ: افزند همان اورند یعنی فسر و زیبائی و مہتری و افزندہنہا. و ہمین لغت اورند بدین طور شرح شدہ: بالفتح فرو زیبائی و مہتری و نام کوی الخ، اما اصل اینست کہ در فرهنگهای قدیم معتبر اورند بمعنی جسد و الوند آمدہ، رک: فرس و صحاح اما در فرس اورند و اورنگ، و در صحاح اورند و اورنگ و اورنگ بمعنی فسر و زیبائی آمدہ، بنا برین واضح است کہ صاحب مویہ را اورند بمعنی فسر و زیبائی نوشتن سہوی دست دادہ، در مدار سجاولہ ابرکاهیسی اورند و امرند (صح افند) و اورنگ اورنگ بمعنی فسر و زیبائی آمدہ، اما واضحاً اورند تصحیف اورند است.

۳ این واژه در فرس و صحاح و قو اس شامل نیست؛ و در مویہ بگفتہ انسان الشعرا بمعنی جنگ و خصومت

آمدہ: و در ہار این بیت شاہد بقول است:

آورده پیامی کہ نیاید چو خوری می

مستک شوی و عریذہ آغازی و آفند

۴ صحاح: اند شاری بود کہ عدد آن معلوم نباشد، سوزنی:

صد ہزار و اند سال اندر جان باقی بمان

کس ندانست و ندانند در جان تفسیر اند

بنا برین اند را بمعنی عدد مجهولی از ده تا سہ قرار دادن بنظر درست نمی آید.

و ہمچنین قیاس صاحب قنید کہ اند پانصد قرن است درست نیست.

بر حال معنی اندا کہ در زمان است از مندرجات ادوات و مویہ و ہار و غیر آنہا تا میسر می شود.

۵ این واژه شامل مویہ است و بس.

آباد: آفرین، گویند آباد بر فلان یعنی برخلاف و ضد ایران.
اندود: گرفته بجزی یعنی ملع.

امردو: میوه ایست.

الوند: نام کوهی بلند.

آزاد: درختی است، گویند درخت نیم.

استاد: ماهر در کاری و آموزنده و مهتر.
انگوز: انگوزه.

آراوند: جبل را گویند.

اروند: جبل و نام کوهی.

له موبد: آباد آن ضد ویران و نیز آفرین.

له ایران صورت قدیمی ویران است.

له از مصدر اندودن که در همین فرهنگ در بخش سوم یعنی زیر آمده، اندودن بجزی گرفتن چنانک گویند
زرا اندود و گل اندود و اندامیدن که گل کردن و مالیدن گویند، گل اندای یعنی گل مالیده. در مدار آمده:
اندود کنگل کرد نیز به معنی ملع.

له همین معنی در موبد بگفته زفان دلج است؛ و درخت سرو و موسن و بکاشن را نیز آراوند گفته اند.
له این معنی در فرهنگمان ندیدم.

له موبد: انگزد بافتح و باکاف فارسی مضوم انگوزه که هندش هینگ خوانند؛ مدار: انگزد انگوزه که
هندش هینگ گویند، هفت پیکر:

خواجیه چین چو مشک بار کند

مشک از انگزد حصار کند

له موبد: آراوند بافتح نام کوهی که ذاتی زفان گویا، قال فی شرفنامه در پهلوی جبل را گویند
که رود مصر است، مدار: آراوند بزبان پهلوی جبل، در پنج بخشی است آراوند یعنی
دیده، و آراوند جبل و نام کوهی، و در ادوات آراوند به معنی اول آراوند و جبل اله؛
ناگفته نماند که صاحب موبد آراوند را بگفته زفان گویا برای نام کوهی آورده، و این اشتباه است
زیرا که این معنی در نسخ کتاب حاضر وجود ندارد؛ همچنین صاحب مدار بکوال زفان آراوند را به معنی
دیده آورده؛ در اصل دیده تصحیف و جبل است که در نسخ زفان موجود است؛ در فرس و
صحاح و قواس و آوۀ آراوند شامل نیست.

له در فرس و صحاح ازین بیت استشاد شده

اگر پهلوانی ندانی زبان چو بتازی تو آراوند را و جبل را

اهنود: اول روز از خوردیان.

اسفند مذ: سیوم روز از خوردیان.

ارد: بیست و پنجم روز از ماه.

اشناد: بیست و هشتم روز از ماه.

اورمزد: ستاره که آزارمشتی گویند، و اسد می گوید اورمزد اول روز پارسیان است یعنی اول روز از ماه، و اورا هورمزد و هرمزد و اورمز نیز می گویند.

ارجمند: عزیز و گرانی.

۹ ————— یعنی کوه الوند چنانکه در صحاح است و درین فرهنگ از ابیات عربی استشهدا شده. نیز رک: مویذ مدأ
 ۱۰ مویذ: اهنود بالفتح اول روز خوردیان الخ.

۱۱ مویذ: اسفند ارد.

۱۲ رک: مویذ و فرهنگ معین ذیل آرد و ارد.

۱۳ مویذ و مدار: اشناد: فرهنگ معین: اشناد نام فرشته است، روز بیست و هشتم از بهرام ماه می گذرند
 مذکور موکل بر اوست.

۱۴ در نسخ چالی پاؤل هورن ص ۲۰ فقط این معنی آمده: اورمزد و زاوش و برعس ستاره مشتری باشد؛
 پوشکور گفت الخ، اما در صحاح ص ۳۷ معنی دوم موجود است یعنی اول ماه است باصطلاح پارسیان
 دقیق گفت: بهرامی آنگی که بخشم انقی به برگاه اورمزد در فانی

و مدار: ۱۴ آمده: اورمزد ... اول روز از ماه و اورا هورمز و هرمزد و اورمز نیز گویند، چنانچه
 اسامی سی روز ماه موافق حکیم پارس دفاتر اکبرشاهی درین قطعه موقوف مندرج است لمؤلف:
 اولاً اورمزد و دیگر بنمن و اردی آبشت

بن ازان شهر گور و اسفند مذ حسودان

چون اردآ و دگر دیبا ذ آمد در شمار

آذر و آبان و خور آن گاه ماه و تبستر خوان

گوشش کن دیگر که آمد گوشش نام و دی بهر

بست تا این نصف مده و سر و ش و بعد ازان

رشن و مندرودی بی دان و دگر بهرام دارم

باد دیبا دین و دین دار و اشناد آسان

بعد ازان زمیاد و مار اسفند ایران یاد گیر

از حکیم پاریسی روز ماه ای نکته دان

بهره ششم از

اختر: منزل ماه: آن بیت هشت است و همرا اختران گویند.

آذر: آتش و آفتاب در قوس که آزا آذر ماه گویند.

اشکر: انگشت افروخته و سوزان که چون آب زنی زغال شود.

افسر: تاج.

آذر: روز ششمی جشن مغان.

آغار: زینتی که نم بدو فرو رفته باشد و آنچ نیک سرشته بود و حرکت، گویند بد آغازینی بد حرکت.

له قواس ۱۵: اختر منزل ماه است، خاقانی گوید: در طالع مولود تو دیدند ز صد تا

اختر شران رومی و یونانی و مانی، صحاح ۹۸، اختر:

قال دستاره: دستار ۶۰: اختر: قال و منزل ماه، ص ۵۵ اختر کوکب، مویده ۱: ۳۳: اختر قال نیک و ستاره و منزلی از منازل ماه الخ.

له ظاهراً صاحب زفان گوید پیری قواس از معنی بای دیگر معنی قال دستاره و غیره صرف نظر نموده.

له در قواس و صحاح، آذر یعنی آتش آمده: اما مویده ۱: ۳۳ فی الادات آذر آتش، و مدت ماندن آفتاب در برج حوت که فارس بیان یک ماه غمرند و آنرا آذر ماه گویند و در شرفا مرده کور است آتش کده و مدت ماندن آفتاب در برج قوس الخ و نیز نام عسم ابراهیم چه پدر ابراهیم سماخ نام داشت: معنی اخیر غلط فاش است که عسم ابراهیم آذر نام داشته آذر (با ذال)

له مویده ۱: ۹۵ آذر ماه نام نهم ماه است از سال شمسی. نیز رک: فرهنگ معین ۱: ۳۷، ۳۸، آذر نام روز نهم بر ماه و ماه نهم از سال شمسی.

له در مویده ۱: ۹۵ همین معنی گفته زفان نقل کرده.

له ظاهراً روز درست است زیرا که جشن مغان روز آذر قرار می گردد و این روز نهم است از بهر ماه، آن ماه برای جشن روز نهم از ماه نهم (آذر) قرار می گیرد، دین روز بزیارت آتشکده نامی روزند (فرهنگ معین ۱: ۳۷)

له قواس: آغاز نم باشد که زمین فرو رود، صحاح ۹۷: آغاز دو معنی دارد اول فرو شدن نم بر زیر زمین باشد، دوم چیزی باشد هم سرشته و نم گرفته از آب یا از خون، غصری گفت:

عقیق رنگ شدست این زمین بسکه ز خون: برودی دشت و بیابان فرو شدست آغاز

قواس ۳۳: آغاز زمینی که نم باو فرو شده باشد، غصری عقیق رنگ شدست الخ. در مدار ۱: ۳۱ قول صاحب زفان گویا بدون ذکر ماحدش نقل شده است، اما مویده از معنی حرکت صرف نظر شده؛ باید علاوه نمود که بیت غصری در قوس صحاح و سرودی و مدار و رشیدی بطور شایسته نقل شده؛ اما معنی اول یعنی فرو شدن نم که ←

انبر: کلبستان یعنی سندا هی.
 آذیر: زیرک و هوشمند و پرمیز [کار] و هوشیار کردن لشکر و بانگ زدن.
 افر: برادر زاده و خواهرزاده.
 انبیر: پرکردن و گل تر و خشک، و گویند چیزی که در بام اندازند و میان دیوار برآرند.

در فرس و صحاح و حق در فرهنگ معین درج شده، در قواس و زبان و موی و مدار و غیره یافت نمی شود.
 له صحاح ۹۹: انبر کلبتین باشد، بنمیک گفت الخ، در موی ۱: ۳۶ و مدار ۱: ۱۲۸ انبر یعنی کلبستان یعنی سندا هی آمده؛ در موی انبر و انبر را غلط کرده و سنی دیگرش پر کردن نوشته. بایه علامه نمود که کلبستان و کلبتین هر دو بمعنی انبر آمده، رک: فرهنگ معین ۳: ۳۰۳۶
 له در قواس آذیر را دو جا آورده، در ص ۹۴ بمعنی زیرک و هوشمند، و از بیت زیر فردوسی آتشها شده: سپه را نگه دار و آذیر باش: شب و روز با نگارش و تیر باش
 و در ص ۱۶۴ بمعنی هوشیار کردن لشکر و بیت بالای فردوسی شاه آورده، بظاهر مولف دچار اشتباه شده زیرا بیت مذکور شاه بمعنی زیرک و هوشیار است و در فرس ص ۱۴۱ و صحاح ص ۹۷ بمعنی بیت فردوسی شاه بمعنی هوشیار آمده؛ اما در مدار ج ۱ ص ۱۸۲ موافق معنی لشکر و غلبه است این بیت شاهنامه: سپه را بیار و آذیر باش الخ و در صحاح آذیر بمعنی پرمیزگار نیز آمده و ازین بیت دقیقی آتشها شده:
 ترا نخواهم جز کافره و ستمگر از آنک

یا نمودن من کرده کار آذیری

موی ۱: ۳۲ آذیر آمده کردن لشکر و هوشیار و غلبه بانگ زدن و هوشمند و زیرک و در ادات بمعنی پرمیزگار.

له اصل: برادران، اما رک: فرس ۱۲۹، قواس ص ۹۹، صحاح ص ۹۹، و در فرس و قواس صحاح و مدار ۱: ۹ و سروری ص ۳۷ بیت زیر شاه آمده:

سلسله جعدی بغش عارضی

کش سیاهش افر و پرویز جد

له همین معنی بدون نقصان در مدار ۱: ۱۲۹ در جست، اما در قواس ص ۱۱۶ انبر بمعنی آگشش، و در دستور الافاضل بمعنی کیش و دین و درسان اشترا بمعنی آگشش، در دستور کیش در اصل تصیف آگشش است، برای آگاهی بیشتر رجوع کنید بقواس ص ۱۱۶ حاشیه ۷.

آگور: خشت پنجه، چنانک گویند گچ آگور کرده یعنی بالای خشت گچ مالیده.
 اوبار: خانه و امر [اوباریدن بسنی] بقیکندن [و فرد بردن]، اوبار یعنی بقیکن و فرد بر.
 آمار: پت جامه که جولان کند، هندوی بان گویند و آن چیزی باشد که در جامه مانند تا رنگ و صیقل (ورق ۱۷) دید.

ایدز: اینجا.

آور: یقین و صاحب چیزی [چنانک] دلار [و] جنگ آور.

مویه ۱: ۳۲ آگور پاکت و واو فارسی خشت پنجه را گویند چنانک گویند گچ آگور کرده یعنی بالای خشت گچ مالیده
 کذانی الادوات الخ، در هار ۱: ۱۶ آور و آور خشت پنجه و گویند گچ آور کرده یعنی بالای خشت گچ کرده
 و در مویه و ابراهیمی و جای دیگر از اسکندری است آگور باین معنی الخ، در فرهنگ معین ۱: ۷۸
 آگور یعنی خشت پنجه - آجر آمده. اما کله آور و آور درین فرهنگ نیامده ممکنست آور تصیغ باشد
 زیرا که در فارسی امروز آجرات، و درین کله 'ج' عربی بجای گاف آمده.

این معنی در صحاح ص ۹۹ و فرهنگ معین ۱: ۳۹۸ نیامده، اما قواسم ص ۱۲۰: اوبار و کده خانه و گاه چاه
 شب گاه، آبخا که شب کنند، نیز رک: مویه ۱: ۳۷ و بریان ۱: ۱۸۰. در هار آمده: اوبار بفتح خانه
 امر اوباریدن ... مویه معنی اول است این بیت:

مگو کن کزین گوشت شد کارشان ÷ که یکبار شد بجای اوبارشان
 رک: قواسم ص ۱۸۳ باین بیت شایه (عنفری):

سوار بود بر اسبان چشیه بر سر کوه ÷ پیاده جلد بخون داده جامه را آمار
 و همین بیت در صحاح ص ۹۸ بنام عنفری و فرس ص ۴۴ بنام عماره درج است.

این کله بیای عربی و فارسی هر دو طور آمده: در زلفان اینجا بیت، و نیز در گونه 'با' بهره ت آمده:
 بت آمار جولا به؛ و بریان ۱: ۳۶۸: پت آمار باشد که بر کاغذ و جامه کنند؛ مقدمه الادب ص ۲۸
 بخیر آمار بت کرباس الخ، در فرهنگ معین بت ۱: ۳۷۱ و پت ۱: ۶۹۷ و مویه ۱: ۱۱۵ و ۱: ۱۹۳ هر دو
 آمده، هار ۱: ۱۸۳ بت آورده.

کذاست در ادات؛ اما مویه ۱: ۱۱۵ بت بافتح آمار جولا به ... که آنرا تا و تان نیز گویند، معلوم نیست که
 این واژه کلام زبان است.

رک: قواسم ص ۱۹۵، صحاح ص ۹۹

کذاست در صحاح ص ۹۸ باین بیت شایه:

کرده دیگر گفتند نی که این بت را ÷ بر آسمان برین بود جایگاه آور

در این معنی بدون ترکیب نمی آید (مویه ۱: ۳۳)

انگار: تصور کن.
 استر: بطانه که زیر صدره و قبا زنند.
 آخور: علف گاه سوز و جای بستن دی.
 افزار: آلت چیزی، گویند دست افزار که بواسطه آن دست کار تواند کرد و پای افزا [ربنخنین] و دیگر افزار که بدان دیگر خوشبوی گردد.
 آچار: معروف.
 اسفندار: آفتاب در حوت و این را اسفندار مذ ماه گویند و پنجم روز از ماه که آنرا اسفندار مذ روز گویند.
 آمار: حساب.
 آوار: همان حساب که رفت.
 اسپندیار: پسر گشتاپ بن لهراسپ است، اسفندیار نیز گویند.
 اردشیر: نام پادشاهی.

-
۱. امر از انگاشتن و انگاردن است.
 ۲. برای معنی بطانه رک: فرہنگ معین ۱: ۵۴۶
 ۳. ایزار و اوزار و افزار یکی اند (رک: فرہنگ معین ۱: ۱۲۵)
 ۴. روشن نیست که این کلمه فی الحقیقت چیست زیرا بنحین جمع چاه را گویند. و در این جای خود نظر می آید در اصل پای اسفندار آنچه در پای کنند مانند تعلین و کش، چنانکه در این فرہنگ زمان گویا در بخش سوم پای اسفندار یعنی تعلین و کش و بر چ در پای کنند آمده.
 ۵. فرہنگ معین ۱: ۱۲۵ و یک ایزار آنچه طعام بدان خوشبو کنند.
 ۶. رک: مدار ۱: ۹۰
 ۷. رک: تواس ۱: ۱۲
 ۸. رک: موی ۱: ۳۳ و مدار ۱: ۳۶ برای ششهای مختلف مانند آمار، امار و آواره و آواره و آوار و آمار.
 ۹. نام دوتن از شاهان خانوادہ یمنی منشی که از ۴۶۶ تا ۴۲۴ ق.م، و ۲۸۳ تا ۲۷۹ ق.م. حکمرانی نمودند، و نیز نام سرتن از شاهان ساسانی که از آنجله اردشیر بابکان مؤسس این سلسله باشد که از ۲۲۴ تا ۲۴۱ هجری حکمرانی نمود. رک: فرہنگ معین ج ۵ (اصلاح) صفات ۱۱۶ تا ۱۱۷

بهره دهم 'ز'

اندوز: وصیت
اندوز: حاصل کننده و کرده و چیزی دور کننده، گویند فلان عشم اندوز است یعنی غم دور کننده است.

نبار: شریک.

فروز: روشن و تابان کننده.

آز: حرص.

رز: قیمت.

البرز: نام کوهی است میان هند و ترکستان در غایت بلندی.

آغاز: بنحمت.

اورمز: بیشتری.

س دستور ۶۲:۱ اندوز کتاب و وصیت، دار ۱: ۱۳۲ اندوز وصیت و نصیحت و تنبیه و نیز نام کتابی، معنی اخبر در اکثر فرهنگها یافته نمی شود، موید ۱: ۳۹ آمده ... و در دستور معنی کتاب نیز مذکور این معنی مجاز نیست، می گویند مواظظ و نصائح در کتب است.
ع فرهنگ معین ۱: ۳۷۶ در ترکیب معنی اندوزنده آید، مال اندوز، و نیز در ترکیب معنی اندوزنده آید، غفلت اندوز.

س موید ۱: ۳۹ آمده: اندوز ... و فی القیاس چیز دور کننده چنانکه گوئی فلان عشم اندوز است یعنی غم دور کننده است، اقول اندوز مأخوذ از اندوختن است و معنی اندوختن دور کردن یافته نشد الخ... و در زمان گویا در بخش سوم اندوختن بمعنی گرد کردن آمده نه دور کردن.

س این معنی در ترکیب حاصل آید مانند جهان اسنوز و غیره.

س ارز و ایج مهم معنی است، و بعلاوه معنی بجا و ارزش به معنی های قدر و رتبه، عزت و آبرو، بهره و فایده، کام و آرزوی آید فرهنگ معین ۱: ۱۹۸.

س در سپولی Harbor، برسی کوه و برز بمعنی بالا و بلند، جمعه کوه بلند و بزرگ فرهنگ معین ۱: ۱۶۹.

س این توضیح درست نیست، البرز در اصل رشته کوه های شمالی ایران که سراسر شمال ایران از مغرب بمشرق کشیده شده است و مرتفع ترین قله آن دماوند است (فرهنگ معین ایضا).

س رک، اورمزد، فرهنگ معین ۱: ۳۰۰.

اسپروز: نام کوس است.

مهره 'ش'

آیتر: سرشک آتش و بو مادران که نام دارد و است.

مهره 'س'

المکس: گوهری است، هندوی هیرا گویند.

آبنوس: چوبی است معروف سیاه و دام.

اسپریس: میدان و اسپریز را هم گویند، و بفتح همزه نیز گفته اند و بعضی بضم همزه.

له کوهی میان ری و مازندران، شاهنامه:

همی رفت کاوس لشکر فروز : بزنگاه برپیش کوه اسپروز

فرهنگ معین ج ۵ ص ۱۳۲، و مدار ۱: ۸۳

له در فرهنگ معین ۱: ۱۱۲ آییز و آیزه و آیزک یعنی شزاده و شر آتش، مدار ۱: ۴۳ آییز سرشک و شزار آتش و نام گیاهی که آترا بو مادران گویند، اما سید ۱: ۴۰ اژنیر، یعنی دارو شیکه آترا ایلم و بضم خوانند هندوی بیخه، قیل بوی مادران و نیز ستر آتش.

له همین فرهنگ ذیل کیش دوم بو مادران: نام دارویی است و بو ماران نیز گویند. همین دو صورت در فرهنگ معین ۱: ۶۰۶ درج است؛ اما در مدار ۱: ۲۵۶ بعلاوه آن بو در مان نیز آمده است. اما در توضیح این واژه گفته میوه قول قواس نقل کرده، اما میوه نام قواس دج نیست و در فرهنگ قواس کل: بو مادران دیده نشد، برکی توجع کل: بو مادران رک: فرهنگ معین ج ۱ ص ۶۰۶.

له رک: میوه ۱: ۴۱، فرهنگ معین ۱: ۲۶

له لغت فرس ص ۱۹۵، قواس ص ۱۳۳، صحاح ص ۱۴۰، اسپریس یعنی میدان نوشته باین بیت شاید از شاهنامه:

نشانه خداوند بر اسپریس : سیاوش نکر، آنچه با کس کیس

مدار ۱: ۸۳-۹۴، اسپریس بفتح و ضم همزه و با و یا هر دو پارسی، میدان و قیل کسر سوم، دو گوید است. از فرهنگ قواس بشین مجرایان که در قافیه کیش و فتح شده است چنانکه درین بیت سکنه نام:

نشانه خداوند بر اسپریس : نکرده دران کار با کس کیش

و اضما در قواس اسپریس است و صاحب مدار را سه دوست داده، و او بیت شاهنامه را از سکنه زمانه داشته و نیز قوافی را غلط نقل نموده، بعلاوه ضبط کل: اسپریس در فرس و قواس و صحاح در متن شاهنامه ص ۶۰۳، اسپریس و قافیه در صراح دوم کبکب است نه کیش؛ در فرهنگ معین اسپریس و اب ریز و اب رس و اب ریز هر چهار صورت نوشته و این را ما خود از کل: هملوی asprās و asprēs دانسته یعنی راه اسب و میدان تاخت و ناز است، گویا از لحاظ اشتقاق این کلمه مرکب است و باید در بخش دوم آرد.

آس: آسیاد درخت مورد که بهندی موزو گویند.
بهره بخش

اندیش: کا بهگل که بالند.
آغاش: شورش و کسی را بر شو رانیدن یعنی مردمان را گرم کردن بجنگ.
آگوش: کنارد آغوش هم گویند.
آرخش: مردمان دنی و عوام.
آگنش: پر کردن دیوار و جز آن.
آرش: نام مردی که تیر او دور تر رفتی و بی خطا بودی.
آذرخش: صاعقه.

- ش: چون در اسپ بیس جزو اول اسپ است، این کلمه بضم هزه دست نخواهد بود. امارک: ۸۳:۱
- ش: برای این کلمه رک: مورد در همین فرهنگ.
- ش: رک: قواسم ۱۳۳، دستور ص ۴۶، موبد ۴۴:۱، دار ۱۳۲:۱. در اصل اسم مصدر است از مصدر اندامیدن یعنی که گل کردن و مالیدن، گویند گل اندای یعنی گل مالیده (زخان گو یا بخش سوم)
- ش: رک: فرس ص ۲۱۵، صحاح ص ۱۴۷، قواسم ص ۱۶۶. در اصل اسم مصدر است از مصدر آفاییدن یعنی تیر کردن، بورغلانیدن، سخت بر شو رانیدن، گویند برده آفال کرده اند یعنی یکدیگر بشو رانند و تنگ فرارفتند، (رک: همین فرهنگ بخش سوم ذیل آفاییدن)
- ش: دستور اصل ناخوانا؛ موبد ۴۳:۱: اربش زیرک و هوشیار که انی الدستور.
- ش: دارای این معنی، کلمه ادبش (عربی، و جمع) است، موبد ۴۳:۱: ادبش مردم عوام و کمین.
- ش: اسم مصدر از آنگدن یعنی پر کردن، در شرفنامه آگنش بالغت یعنی بر آوردن و پر کردن دیوار آده؛ اما صاحب موبد ۴۲:۱ ایراد نموده و گفته که آگنش بالغت درست نیست زیرا که در مصدر الف مصدر است. و اعضا آگنش معنی عمل پر کردن باشد، غیر از اینکه دیوار باشد یا چیزی دیگر، قید دیوار درست نیست. رک: فرهنگ معین ۷۸:۱
- ش: آرشش پهلوانی که از لشکر منوچهر پیشدادی، در آخر دوره منوچهر قرار بران شد که دلاوری ایرانی تیری را کند و هر جا که تیر فرو آید مرز ایران و توران باشد، پهلوان ایرانی از قلعه کوه دماوند بقولی از اسل تیری بچکاند که از بامداد تا بیروز برفت و بکند همچون، بقولی مرو، فرد آده و آسجما مرز شناخته شد، در اوستا آرش (آرش) سخت کمان ترش ساخته شده است، رک: فرهنگ معین ج ۵ ص ۲۸. توضیح فرهنگ - نامه های فارسی مختلف است مثلاً رک: موبد ۴۳:۱ و دار ۴۴:۱
- ش: دستور اصل آرشش غلطاطائی است؛ آذر که در پهلوی آتر است یعنی آتش است؛ صورت اطائی دیگر این کلمه آذرخش است، رک: فرهنگ معین ۳۶:۱ - ۳۷

بہرہٴ رغ،

آزغ: آسج از دخت خرمابرند و آزوغ بواو و آزغ نیز گویند، برای پارسی.

ایمپریل: آئینہ۔

آمرغ: قدر و قیمت۔

آرغ بی باد کی باواز پری جانب دہن آید۔

انبیاؑ: مزاحم زنی دیگر باشد کہ آنرا سوکن گویند.

۱. درموبد ۱: ۴۷ و مدار ۱: ۲۶، آرنج و آرنوخ آمده، اما مصین صورتهای زیر را بهمین معنی آورده:

آزغ و آژغ، آزغ و آژوغ، ازغ و ازگ، ریشته هر سبلی A_{7g} است.

۱۷:۱ آسغ آئیش و آسخته و همین دو معنی است در ۱:۷. اما در رنگ معین یعنی آئیش

است، و همین آسنگه فقط در مرکبات آمد مانند نوستر آسینگ، غنم آسینگ، گوبر آسینگ (۱: ۹۳)، اما در مصاح

[illegible]

۱۔ ک۔ فوس، ص ۲۳۲، فوس، ص ۱۹۵، صحاح ۱۶۱، دیگر فرسنگ۔ وازن، ص

جائگہ ۸۱۰۱، شری م ۱۵۲ (و صحاح نام کساں) استشاد شد:

نزد آنکه دل آرم غمزد دستش از آنکه که دوست کارش نیست

میں نے آ کر غنہ آروغ، آروغ سمیں، انکا فرشتہ

[illegible]

گہر جو صبح آروغ از مستر آفتاب : آزا کہ تو بخوان کرم مہمان کنی (کمال ہمایل)

فونیکس معبر آروغ، آروغ، روغن، و روغن آروق، میز استراحتی، از کله (۱) - ۳-۵) و صبح

اندر حکایت آمده بانگ شتر کند : آرد و نما کند چو خرد ترب و گندنا (بیس)

ز امتلا حقائق بھی زند آروغ ۽ ز خوان خود وی از بیک خورده معده آرز (کمال اسماعیل)

۴۵ بظاہر ہمیشہ انباز یا ہمباز است، رک: معین ۱: ۳۶۰

عے بمعنی رنج و دہندہ ، باعث زحمت ؛ دستورالافغان : ہفترہ بمعنی انباغ و المضرہ بمعنی زن یا انباغ آوردہ ،

۵۷ ۲: ۸۱۶؛ اما واضحاً مزاجم مترادف انبار
سیکندر است (۱۱)؛ که در کتاب ۱۲۸۱

آزمیغ: سردی که از کسی در دل افتد.
 آنجوخ: ترنجش و ترنجیده و کوفته و گرفته روی و شکنج اندام، و آنجوخ بخانیز گویند
 بهره: 'ک'

اکاک: بی

اک: بی

آک: بی

[ورق ۱۸] اشک: آب دیده و نمی که بر زمین و گباه نشیند.

اسک: بریدی یعنی قاصدی.

آشک: کرم شب تاب، و زحمتی است که خردگان را بر لب دهد.

س مویه: ۱: ۲۷: ۱ آزمیغ، مدار: ۱: ۲۶: ۱ آزمیغ، رشیدی ذیل کله زلیغ، آزمیغ بازاد دست و آرمیغ بار غلط قرار داده: اما معین: ۱: ۳۵: ۱ کله آزمیغ را که از میسلوی aravkhā مأخوذ است بمعنی کراهت و نفرت و کینه صبیح دانسته و آزمیغ را محرف قرار داده است. مدار: آزمیغ بمعنی سردی که از کسی در دل افتد از سخن ناخوشایند یا از دہشت و بغیر یا نیز.

س مویه: ۱: ۳۷: ۱ آنجوخ شکن اندام، گرفته روی و کوفته و ترنجیده؛ مدار: ۱: ۱۳۱: ۱ آنجوخ و آنجوخ را بهرین معانی آورده: اما صحاح ص ۶۲ آنجوخ بمعنی آب دهان و شکن و چین که در روی و تن و پوست افتد، رودکی: شدم بر پیرسان و تو خودم نه جوانی: مرا سیند پر آنجوخ دو چون چمنه کمانی

شرفا و رشیدی: ۱: ۱۵۸: ۱ آنجوخ و آنجوخ هر دو، معین: ۱: ۳۶۸: ۱ آنجوخ و آنجوخ و آنجوخ از مصدر آنجوخیدن بمعنی درهم کشیدن پوست بدن... واضح است که اصل کله آنجوخ است و آنجوخ تغییر صوتی و معنی گرفته روی و مجازی است.

س اسم مصدر از ترنجیدن بمعنی سخت درهم کشیدن، گرفته شدن، درخت گشتن، چین بهم رسانیدن، رک: معین: ۱: ۱۷۳: ۱ و زلفان بخشش بیوم؛ معین: ۱: ۳۶۸: ۱ آنجوخیدگی بمعنی چین خوردگی.

س کذاست در مویه: ۱: ۵۲، مدار: ۱: ۱۱۶، سروری ص ۵۸، اما خاسر ص ۱۶۱، جابگیری ۲: ۳، معیار جالی: اکمال بمعنی قی و استغناء، بریان ص ۱۵۵ اکمال و اکمال و همین است رشیدی: ۱: ۱۴۱، ۱۵۱.

س این کلمه بدین معنی دیده نشد؛ اما در ترکی اک بمعنی علت، کذاست در زلفان بخشش بیوم (لغات ترکی) رک: قواس ص ۱۶۳ بدین بیت شاهد:

آکی نرسیده بر تو از من: صد بار مرا ز تو رسد آک

س مویه: ۱: ۵۲ این معنی بگفته زلفان آورده.

س رک: مویه: ۱: ۵۲، مدار: ۱: ۹۱.

س مویه: ۱: ۵۱

اسپرک: می‌بای است معروف که بدان جامه را رنگ کنند
اتابک: پادشاه پارس را گویند.

اندک: باشد که.

از دهاک: نام ضحاک ماران.

آذیراک: بانگ ستوران در جنگ، و گویند بانگ ستوران.

بهره‌نگ

آونگ: رسی که بدان خوشه‌های انگور آویزند، بتازی معلاق گویند یعنی یلگنی.

له مویده: ۵۲: ۱، مدار ۸۳: ۱ اسپرک را رنگ معروف تریر دانند؛ اما اسپرک می‌بای است که
عربی اکلیل الملک خوانند (مویده: ۵۲: ۱)؛ شاهسفرم و وزیر مترادف فارسی اکلیل الملک (۵۱: ۱)
بندوی اسپرک و گهموی خوانند (ایضا). البیرونی در کتاب العیون اسپرک را اکلیل الملک
داند و اول الذکر را بگفته‌اند الخشکی هندی داند. عذالهند انر اسپرک و ایضا برنگ؛ و اکلیل الملک را
مترادف شاه‌پسند و شاه‌افرمی داند و وزیر و اسپرک را نیز مترادف می‌نویسد (رک: کتاب العیون
ص ۶۳، ۶۴، ۲۸۸)؛ ازین تفصیلات واضح است که اسپرک، اسفندرک، اسپرک صورتهای
مختلف است، و این کلمه در فارسی و هندی یک شکل مشترک دارد یعنی اسپرک.

له اتابک کلمه ترکی مأخوذ از اتا = پدر، یک = بزرگ، و اتابک و اتابیک لغبی بود که از اوایل دوره
سلجوقی به کسانی که امور تربیت شاهزادگان بودند، داده می‌شد، و این اتابکان حمایت آن‌ها
را بر عهده می‌گرفتند و همین امر بتدریج موجب دخالت آنان در امور سیاسی می‌شد، بعد از عهد
ملک شاه سلجوقی دسته‌ای از اتابکان و امرای سلجوقی فرصت یافتند که هر یک در قسمتی از ممالک پهنادر
ترکمانان سلجوقی علم قدرت را برانداختند و سلسله‌های اتابکان در خط‌های مختلف تشکیل دادند مانند
اتابکان آذربایجان، اتابکان فارس، اتابکان لرستان و غیره. رک: تاریخ ادبیات ایران
۲: ۲۶-۲۹.

له رک: مویده: ۵۱، مدار ۱۳۲: ۱.

له ضحاک از دهاک، پادشاه داستانی که پس از جمشید به سلطنت ایران پرداخت، چون برشته
او دو مار پیدا شدند او را ضحاک ماران گفتند.

له رک: نفوس ۱۶۷، مویده: ۵۲: ۱، مدار ۲۷: ۱

له در اکثر فرصت‌ها شخص خوش‌های انگور است، اما این درست نیست؛ فرس ص ۲۸۷: برشته‌ای
که از انگور دیگر میوه‌ها بنهند و آویزند، رودکی:

چو برگ لاله بوده ام اکنون به چوسیب پژمریده بر آونگ

له بگفته مویده: ۵۵ در ادوات یدین معنی آونگ آورده و در آخر گفته که عرب معلاق و هنر یلگنی

آذرنگ: هلاکی و رنج.
 آهنگ: قصد و آواز.
 افزنگ: زیبائی و فرخندگی.
 آژنگ: بازای پارسی، شکنج روی و اندام یعنی چین روی و چین دوگونه، و پیمانۀ پای
 باشد، و گویند که آژین دوم برای عربی است.
 آژنگ: میوه ایست.
 اورنگ: تخت بلند.
 اوشنگ: معلاق و آن آونگ است.
 اوزنگ: نام کتاب مانی در نقوش و اشکال.

→ مانند، خود در مویده گفته هندی الکنی.

له آذرنگ و آوزنگ هر دو معنی هلاکی و آفت، اصلاً آذرنگ بود، بعداً بتحول زمانی بنا بر حذف ذال
 مجه آوزنگ شده، قواسم ۱۶۲ و صحاح ص ۹۲ آذرنگ یعنی دمار و هلاک و رنج، ابوشکور:

زمنزند بر جان و تنست آوزنگ: تو از مرا در روز و شب چون تنگ (صحاح)
 له صحاح ص ۱۹۴: افزنگ زیبائی و نیکوئی، شبید:

ای از رخ تو تافته زیبائی و افزنگ: افزوده از طاعت تو مسند اورنگ

له فرس ص ۲۵۹، قواسم ص ۸۱، صحاح ص ۱۹۲: آژنگ شکنج روی و چین پیشانی، اما دستور ص ۷،
 مویده: ۵۳: ۱، دمار: ۸۱: ۱ آژنگ بالفتح.

له مویده: ۵۴ همین معنی از روی ادوات دارد.

له شاید منظورش این باشد که برای معنی دوم آژنگ برای عربی.

له مویده: ۵۴ آژنگ یعنی میوه بجوانه زنان گویا آمده؛ اما در همین فرهنگ آژنگ و اژنگ یعنی
 شکنج روی نوشته.

له کذاست در دمار: ۱۳۴، اما اکثر فرهنگها معنی تخت و تخت شایانه.

له سروری ص ۶۲ و برهان ص ۱۸۶: اوشنگ و آونگ و ونگ: مویده: ۵۵ ذیل اونگ نوشته:

در ادوات بدین معنی اورنگ... که عرب معلاق و هند تلکنی: قواسم ص ۱۳۵: اوشنگ اورنگ؛
 مویده: ۵۵، دمار: ۱۳۶: اوشنگ اورنگ. پس واضح نیست که اورنگ یعنی آونگ یا اورنگ ضعیف
 آونگ است.

له نیکم بیانی بعضی استای مختلف مانند اوزنگ، ارننگ، ارشنگ، ارچنگ، اردنگ، ارشنگ، رک: فرس

۲۴۱، صحاح ۱۹۲، قواسم ص ۱۱، دستور ص ۸۱، مویده: ۵۵، همین: ۵: ۱۱۵ و غیره. اما بصورت ←

استرنگ: مردم گيا و آن گيا هي است بر صورت مردم تمام، در زمين چين رويد، هر كه از آن
بر كند ببرد.

بهره 'ل'

اوژول: شتاب، و بفع همزه نيز گويند.

آخال: سقط يعني انگندي.

آجل: اروغ

آغال: تيز كردن و تضييب و فر.

اسفول: معروف است.

آمل: نام شري.

بهره 'م'

آزرم: انصاف و جانب حق نگا داشت و داد و شرم.

— اوزنگ ديده نشد. بظاير تصيف و تحريف اوزنگ است.

در حاشيه نسخ اول افزوده: استرنگ مردم گيا كه آنرا يروج نيز گويند، هندی آنرا لكعيا و لكعيا لك
دعاها... گويند. فرس ص ۲۶۷، قواس ص ۵۴، مصاح ص ۱۹۳ استرنگ با بفع همين معنی، عسجی:

هند چون دريای خون شد چنین چو دریا باراد زین قبل روید بچین بر شب مردم استرنگ
اسدی، گرثا سپ نامه ص ۱۶۹:

همه خاک او نرم چون توتیا : برود مردی رسته، همچون گلب

سرو روی موی تن پا و دست : چو اندام همدم بر انسان که هست

هم از آن گلب های بابوی درنگ : شناسنده خوانده و را استرنگ

برای حصول آن گياه و تاثیر آن، رک: مصاح ص ۱۹۳.

کذاست در مویه ۱: ۵۹، اما قواس ص ۱۶۷ با بازی عربی.

مصاح ص ۲۰۴: آخال سقط باشد یعنی انگندي.

سین ۱: ۳۲: آجل بادی که با صدا از گلو بر آید، آروغ، آروغ.

در مویه ۱: ۵۸ آخال یعنی تيز كردن و تضييب و فرجوا الزفان. در اكثر فرهنگها معنی آخال تيز كردن بر کارای

رک: مصاح ۱: ۲۰۴: مدار ۱: ۳۲ برشورانیدن کسی را، و همين معنی برای مصدر آخالیدن است (رک: زفان)

گویا بخش سوم. پس آخال یعنی آفالش باشد چنانکه سین ۱: ۶۷ دارد اما در زفان آفالش یعنی شورش و آخال

بمعنی تيز كردن الخ ۱: ۵۴: چاپ کاپور ۱۲۳۵: تضييب بر آخالیدن. ۵۵ قواس ص ۹۷، آزرم دل

و انصاف. ۵۶ برای اين معنی رک: مویه ۱: ۶۳ بجا الزفان.

استیم: ربی که از جراحت چون فراهم آید درون پُر شود، سستیم نیز گویند.
اوستام: معتد.

انجام: عاقبت کار
اشتم: ستم و چیزی برادر ستمی و بی همزه نیز گویند.
اسپرغم: ریجان و بی همزه نیز آمده است.
آدرم: معروف، ازان پشتم می سازند.
بهره: ن،

آئین: رسم.

آبان: آفتاب در عقرب، آبان ماه گویند، و یازدهم روز از ماه.
انگدان: بسباس و آن بسباس جابری است، والان و انگزد است، و گویند انگدان بذال معبر
درخت انگدان است، بتازی انجدان گویند.

- ل موید: ۱: ۶۴ معانی مذکور در زفان بحواله انسان اشعراء نوشته. اما رک: صحاح ص ۲۱۵.
له رک: موید: ۱: ۴۹۸. نیز صحاح ایضاً.
لج رک: موید: ۱: ۶۴. مدار: ۱: ۱۴۹، و در صحاح ص ۲۱۵ یعنی معنی لگام، آمده
لح نسخ: اصل: استیم، رک موید: ۱: ۶۴ و مدار: ۱: ۹۶
له رک: مدار: ۱: ۱۴۹ و موید: ۱: ۵۳۸
لج رک: موید: ۱: ۶۴
له رک: ایضاً: ۱: ۴۹۸
لج در فرهنگ معین: ۱: ۳۶ آدرم و آدرم، آدرم و آدرم یعنی ندرین و درفش و شمیر و تیر و کمان آمده.
اما آنچه در زفان گویا آمده از هیچ فرهنگ تایید نمی یابد.
لج موید: ۱: ۶۷
له والان داروست و آن بر دو گونه می شود. والان بزرگ را بتازی رازیاج و هندوی سونپ
(سولف) گویند و والان خرد را بهندوی سوی (سویا) و بتازی شبت نامند (زفان گویا دیل
والان) نیز موید: ۲: ۲۵۵. اما انگدان پدین معنی هیچ فرهنگها دیده نشد.
له انگزد و انگوزه و انگدان بهندش هینگ و تازی علینیت، رک مدار: ۱: ۱۳۷ و فرهنگ معین
۱: ۳۸۹، انگدان یعنی بسباس یعنی جابری نیز آید، رک: ایضاً و در بعضی فرهنگها بسباس انسانس
خوانده است و این خنده آور است (رک: موید: ۱: ۸۴)
له انگدان و انگدان تفاوت اطلاعی است. در معنی هیچ تفاوت ندارند.
له رک: موید: ۱: ۸۴ و مدار: ۱: ۱۳۰

انجمن: گردوی از حلق.

آهرن: ممدو و غیر ممدو، دیو و نیز گویند دیوی که بالا رود، و شهاب دی را بزند و بسوزد و گویند دیو مطلق.

ارمان: حسرت، گویند ارمانخوا یعنی حسرت خوار.

ایرمان: چیزی عاریت.

آهون: نقب یعنی ششی که در زمین باشد.

ایوان: صفه و طاق و نشستگاه و جایگاه بلند، بکسر حمزه نیز (دورق ۱۹) گویند.

ایران: نام دلایتی که برین طرف آب آمون است، در بخش ایچ پسر سربیدون آمده بود.

آمون: پُر، و نام دریائی است که میان خراسان و مادراء النهر است، زیر

ل۱ شکلهای مختلف این واژه: آهرمن، آهراس، آهرید، آهرین، اهراس، اهرن، آهرن، هرید است (فرهنگ معین ۱: ۴۰۹)

ل۲ در آئین زرتشتی اهرمن شنا بدی، زشتی، پیدی، تاریکی، جمل بونم و در آئین اسلام دی معادل شیطان و ابلیس است. (فرهنگ معین ۵: ۲۰۳)

ل۳ قواس ص ۱۱۴: اهرمن دیو بود که بالا رود، شهاب اورا بزند و بسوزد الخ. جموید ۱: ۷۴، گفته زقان گویا عینا نقل کرده است صحاح ص ۲۳۰ آهرمن: دیو باشد.

ل۴ رک: فرس ص ۳۶۶ و صحاح ۲۳۰: قواس ص ۹۲: ارمان خور: حسرت خوار: ارمان: حسرت

ل۵ گذاشت در مدار ۱: ۷۶، اما قواس و موید ۱: ۳۴: ارمان خور.

ل۶ قواس ص ۱۳۷: سپنج دایرمان: خانه عاریت، ص ۶ ایرمانخانه و سرای سپنج: این جهان الخ.

ل۷ رک: فرس ص ۳۶۲، صحاح ص ۲۳۰، قواس ص ۹۳.

ل۸ سمیعین سج، معین ۲: ۱۹۱۶.

ل۹ عینا همین معنی در قواس ص ۱۱۷ یافته می شود.

ل۱۰ رک: معین ۱: ۹۳

ل۱۱ آهونام قدیمی رودخانه جیحون است که از کوههای شمال افغانستان (پایمر) سرچشمه گیرد و سابقاً بدریای خزر می ریخته ولی امروز مصب آن دریاچ ارال است، طول آن ۲۶۵۰ متر می باشد. (معین ۵: ۶۱)؛ باید علاوه نمود که آموی و جیحون هر دو نام در سابقاً متداول بوده است، رک: تاریخ هفتی و زین الاخبار ذیل نامهای آموی و جیحون.

ل۱۲ در کتب تاریخ و ادب فارسی نام رودخانه به سلاوه جیحون آمو و آموی و آموی می آید؛ آمون فقط در بعضی فرهنگهای فارسی آمده، مانند مدار ۱: ۳۶.

ترنم و خوارزم می رود، و آموغیرن نیز گویند.

ارغون: سازی است رویان را، و گویند جمیع مزامیر را گویند و ارغن هم استعمال کرده اند.

آزین: آرایش، و گویند قبه باشد که در شهر بنند، بدان شهر و سرایا بیارایند.

ایدون: اکنون و این چنین، و بعضی بکسر هزه گویند.

آفرین: ستایش و تحسین و آفریننده:

بنام جهاندا حبان آفرین حکیم سخن در زبان آسنرین

اردن یا اورن: یعنی تنگ بیز، بام نیر گویند.

انگلیون: نقش و گویند کتاب ترسایان است.

له شهری در ماوراءالنهر در نزدیکی ساحل رود جمن، امام ترندی جاح ترندی از همین جا بوده، امروز جزو جمهوری تاجیکستان شوروی است.

له خوارزم یا فیه شهری در آسیای مرکزی از بکستان، پای تخت قدیم حکومتی نیرومند. (معین ۵: ۴۹۱).

له همین است در قواس ص ۱۹۰، صحاح ارغون سازیت که معنیان قوازند؛ نیز رک: دستور ص ۶۰.

له جمیع مزامیر مثل رباب، چنگ، بربط، بطور (موید ۱: ۷۷)

له رک: موید ۱: ۷۷، مدار ۱: ۷۴؛ معین ۱: ۳۰۳ ارغن و ارغون.

له آدین و آئین از ریشه Advēn و Advēnak (پهلوی) یعنی زیب و زینت، رسم و قاعده (معین ۱: ۳۸)، و در فرس ص ۳۸۳، قواس ص ۱۹۵ یعنی آرایش و آئین (قواس ایضاً همین رسم آورده).

له رک: مدار ۱: ۲۳. له قواس ص ۱۹۵: همین.

له رک: موید ۱: ۸۷. له رک: موید ۱: ۷۳

له این از بوستان سعدی است در حاشیه 'نسخه' اصل بخط کاتب نسخه افزوده شد.

له این واژه شامل فرهنگهای قدیم مانند فرس و قواس و صحاح و دسترنیت؛ اما رک: سرمد سلیمانی ص ۸۱

اردن و آردن کلمه بود و آنرا پالون و پالادون گویند و پالوانه نیز گویند.

له این صورت در فرهنگها دیده نشد. له رک: همین فرهنگ ص ۹۱ ذیل پالادان.

له در مدار ۱: ۱۳۹ این واژه بهر دو معنی آمده، اما در صحاح ص ۲۳۱ همین کتاب ترسایان درج شده و بدین بیت سنائی تمسک جسته شده:

تا دم میسی چلیگر شد اکنون ببلان + بهر انگلیون سیراییدن بزرگائی شده

در موید ۱: ۸۵ این واژه، بمسئله های مختلف مانند کتاب نصاری و کتاب مانی نقاش و قتلون

آورده. فرهنگ معین ۵: ۱۹۰ انگلیون [شکل مانوی ماخوذ از یونانی euyyelion مرده

بشارت، هریشته انجیل. عرب]

۱. انجیل ۲. نام کتابی از مانویان الخ.

ارغوان: نام گلی است سرخ و گویند گیاهی است لعل.
 ارزن: نام غله است یعنی چینه.
 آبشتن: نمفتن جای.
 اسایون: تخم کرفش، گوهری است که بتازی فطسه گویند.
 ایزان: سزاوار و مستحق و خاندان.

در اکثر فرهنگها این کلمه یعنی «دخت است که محل او سرخ باشد مثلاً رک: صحاح ص ۲۳۰ و فرهنگ معین ۲: ۲۴۰ بمعنی دختی نوشته که برای زینت هم کاشته می شود؛ ارغوانی، برنگ ارغوان، سرخ مایل بنفش الخ. در مویده ۱: ۷۷ بمعنی بای افکوس و حرت، چیز عاریتی، نام شهری در ایران، نام گلی، نام گیاهی، اما صحیح دختی است که شخای باریک دارد، و بحر الفضا ل بمعنی گلی و ساز مطرب نوشته؛ بظا هر درین فرهنگ در ارغوان و ارغون القباس شده.

این واژه هست دستانی در فرهنگهای دیگر مانند بحر الفضا ل و مویده درج شده.

مویده ۱: ۶۹ آبشتن بمعنی نهفتن و جای خرمی و نمفتن الخ. و آبشتگاه بمعنی قدم خانه و خلوت خانه و بگفته اودات بمعنی جای نهفتن و قدم جای و محل پنهان شدن آورده؛ و در نواس ص ۱۲۷ و صحاح ص ۲۶۱ آبشتگاه بمعنی خلوت گاه آمده؛ در فرهنگ معین ۱: ۱۹۱ آبشتن بمعنی نهفتن و پوشیده داشتن نوشته شده؛ در زنان گو یا آبشتگاه بمعنی خلوت خانه آمده؛ آبشتن مصدر است، اما در زنان این مصدر شامل بخش سوم (مصادر) نیست؛ در هر حال بمعنی آبشتن، نهفتن و پوشیده داشتن است؛ اما نمفتن جای فقط در یکد و فرهنگ دیده شد.

کذاست در مویده ۱: ۷۹، مدار ۱: ۸۲

مویده و مدار: کرفس؛ اما کرفس و کرفش هر دو صورت صحیح است رک: هدایة المتعلمین ذیل کرفس و کرفش.

مویده و مدار: سحتر اما مویده ۱: ۸۶ اودا اسایون یونانی کرفس گوهری را گویند و تخم آن را فطراسایون خوانند؛ رک: هدایة المتعلمین ذیل فطراسایون.

مویده ۱: ۷۵؛ ایزان با لغت با ذال مجهول خاندان و دودمان و سزاوار و مستحق و خیر دادن؛ این کلمه در فرهنگها غیر از مویده دیده نشد؛ اما معنی اخیر که در مویده است معنی واژه ایزان عربی است نه فارسی؛ در مدار ۱: ۱۵۱ معنی ایزان عربی آمده اند آمده، و این کلام صحیح است.

نمونه اصل خانه دان.

اکسون: جامه‌ایست افروشی.
 آدیش: گیاهی است که بزلفی ماند، بستازی سحرترگویند.
 آرون: صفت‌های خوب.
 افسون: کلماتی که معزنان و ساحران و بچه‌شکان در کار بندند در حصول اغراض غولیش.
 انیزان: نام ولایتی از ترک.
 آران: نام ولایتی است.
 ارسن: نام شهری.
 آبسکون: نام دریائی است.
 انبان: آوندی که دران هر چیزی کنند.

۱. اکسون یعنی نوعی از دیبای سیاه نیز آمده، و در زمان ازین معنی صرف نظر شده. حال آنکه در فرهنگ
 این معنی درج است، مثلاً رک: صحاح ص ۲۳۱، مویده: ۸۲: ۱، در صحاح این بیت شام آمده:
 برسم غنمی اندر پی جنبیت تو فگنده دهر ز روز طلعت شب اکسون
 رک: مویده: ۷۰: ۱، مدار: ۳۹: ۱، فرهنگ معین: ۱۰۳: ۱.
 ۲. رک: مویده: ۷۱: ۱، ۷۶: ۱؛ بظاهر در آنجا اردن و آردن است. ۳. یعنی پزشک، رک: مویده: ۲۰۸: ۱
 ۴. اگرچه این واژه بدین معنی در فرهنگ دیده نشده اما در فرهنگ معین: ۳۹۶: ۱ ایران بعضی غیر ایران و خارج
 از ایران آمده؛ ایران نام ایزد است، دین زرتشتی، و نام روزی ام است از هر ماه شمس
 نام روز سوم چنانکه در مدار: ۱۳۱: ۱ هست.
 ۵. سرزمینی در شمال غربی ایران و مغرب بحر خزر در قفقاز که اکنون آذربایجان مشهور است، شهری عده
 آن باکو، گنجه، شامخی و غیره است (فرهنگ معین: ۱۱۴: ۵)
 ۶. این واژه بدین معنی دیده نشده؛ و در فهرست چاپی هم نیامده ممکنست ارمن باشد.
 ۷. آبسکون جزیره بر ساحل طبرستان که تا اگرگان تقریباً ۲۴ فرسخ فاصله دارد، دریای خزر را بمنا
 نام این جزیره دریای آبسکون گویند، آبسکون (فرهنگ معین: ۴: ۵)
 ۸. بعضی کسبه بزرگ، هیان، و نیز پوست بزغال خشک کرده که قلندران در میان بندند و ذخیره درو
 نگاه دارند؛ مشهور است که حضرت ابوهریره از صحابه پیغمبر صلی الله علیه و سلم انبانی داشت که در آن نان
 خشک می‌خورد و هیچ گاه آنرا از خود دور نمی‌کرد و آنرا انبان ابوهریره می‌گویند. (فرهنگ معین
 ۹۶: ۵)، سنائی گوید.

ابوهریره و ابی باری باید اندر اصل و منبع گاه دل در دین و گاه دست اندر انبان داشتن
 نیز رک: دیوان سراجی ص ۸۴ و تعلیقات.

آششیان: عناصر اربعه اند و اما بعضی نیز گویند.

آشیان: خانه پرنده.

آذرهایون: نام ساحره سپایان.

افغان: گریه باواز.

اردوان: نام پادشاهی.

مهره 'و'

ارغاو: جوی آب

اشتو: انگشت، بعضی بفتح گویند.

انزرو: پازهر.

آمو: پُر.

آهو: عیب (را) گویند، آهوگیران یعنی عیب گیران.

رک: جمود: ۷۰:۱، در این فرهنگ این هر دو معنی بجهت تفسیر آورده: و نیز رجوع کنید: آخسج در همین لغت (زبان گویا).

رک: مدار: ۲۲:۱.

نام پنجمین از پادشاهان اشکانی (رک: فرهنگ معین: ۵: ۱۱۹).

نسخه اصل: اوغاو؛ متن تصحیح قیاسی: کذاست در قواسم ص ۲۶، جانگیری: ۳۰۳:۱.

رشدیدی ص ۹۰ اما در دستورالافاضل و بحر الفضائل: ارغا؛ در مدار: ۳۱:۱، ارغا و

ارغاف و ارغام و ارغاد بمعنی آب جوی آمده. در فرهنگ معین: ۲۰۲:۱ ارغا و ارغاب و

ارغاد آمده و از ارغاف صرف نظر شد و ارغام بمعنی دیگر درج شده.

رک: قواسم ص ۸۴، موبد: ۸۹:۱، مدار: ۹۶:۱، برهان: ۱۳۸:۱، مجله تحسیر دہلی

ص ۴۷ ببعد.

رک: موبد: ۸۹:۱، مدار: ۱۳۲:۱.

آمو از مصدر آمودن بمعنی پر کردن.

صحاح ص ۲۹۳ و مدار: ۴۱:۱ آهو بمعنی عیب و زیاد نوشته: و در اکثر فرهنگها بمعنی

عیب آمده، در جمع جانگیری: ۸۷:۱ شایسته معنی عیب بیت زیر از خاقانی آمده:

دیدم آن جاناور که زاید مشک به نیش آهو وادهمه بهزاست

قواسم ص ۱: ایزد تعالی در کار این پی روی از کاهه آهوگیران الح. نیز رجوع کنید.

مقدمه فرهنگ حاضر.

اوسو: ربایش یعنی ربودن. و بعضی بشین معجم گویند.
 آرزو: کشت خاطر.
 آگشتو: طعمی است، گویند مایده.
 آلو: میوه است.

مهره 'ه'

آمه: دوات
 ایارده: تفسیر زنده، و نیز گویند از صحت منزل است.
 آنسته: مشکلی زیر زمین که آزارت از سیاحت خاند و بهندوی موته، و بعضی بفتح
 نون گویند.
 آسه: کشت و زراعت.

- له: مویه ۱: ۹۰ اوسو بافتح و انقسم روده و ربایش و بعضی بشین معجم گویند و بعضی ماتم و عزا و ۱:
 ۸۹ اوسو یعنی ربودن و ربایندگی و ربایش، مدار ۱: ۹۴ اوسو بفتح و ضم همزه ربودن و ربایش
 و نیک بشین معجم، در شرف نام اوسو با واد است. معلوم نشد که اوسو و اوسو چطور اسم مصدری
 واقع شده، در سرمد سیلانی ص ۲۰ اوسو یعنی ربودن است.
- له: رک: قواسم ص ۱۴۴، مویه ۱: ۸۹، مدار ۱: ۱۳۸، برغان ص ۱۷۷.
- له: رک: مویه ۱: ۸۸ و مدار ۱: ۳۶.
- له: قواسم ص ۹: آمد و خواستان دوات، نیز رک: دستور الافاضل ص ۶۴.
- له: قواسم ص ۱۳ و صحاح ص ۲۶۳: تفسیر پازند: اما فرس ص ۳۷۵: ایارده یعنی پازند است
 و پازند تفسیر زنده و اوستاست.
- له: رک: مویه ۱: ۱۰۲.
- له: رک: قواسم ص ۱۲، مویه ۱: ۹۸، مدار ۱: ۳۸ در هر دو فرهنگ اخیر همان معانی با مترادف
 عربی و هندی آمده.
- له: زفان: بست مشکلی زیر زمین که بهندوی موته، برای مست رک: قواسم ص ۴۲، دستور
 الافاضل ص ۲۳۹ مشت و ابسته، مشکلی زیر زمین، زخم شری سعد یعنی مشکلی زیر زمین
 نوشته (بیشتر ادب ۱: ۳۲۷).
- له: رک: قواسم ص ۵۵، مویه ۱: ۹۷ آسه کشت راست کرده بجهت زراعت و در ادوات بدین
 معنی آسته آورده و در دستور الافاضل آسته، به سرمد سیلانی آسه و آسته.

آشینه: بیضه مرغ.

آکشته: در محکم بسته.

آغشته: [ورق ۱۰۱] آلوده و ترک کرده و زمین بود آب داده.

ایشه: جاسوس کردار، و در سنده دوی است ممدود جاسوس [.....] ساخته باشد.

اسفذه: بهیزم نیم سوخته و بلغتی ممدود است.

استوه: تنگ آمده و کاهلی گرفته و بی بهره نیز گویند.

ایسه: سیاهی و هر چه آگین بسته شود و بدشواری حل گردد.

آسمانه: سقف.

آسیمه: شیفه و خیره و شوریده گویند، سراسیمه یعنی سرشوریده مغز.

له دستور ص ۷۷ آستینه بیضه مرغ. موبد ۹۶:۱ آستینه در فارسی بیضه مرغ و قیل باشین مهر، اما

مدار ۲۹:۱ آستینه، فرنگ معین ۵۸:۱ آستینه و آسینه و آستینه هر سه معنی تخم مرغ.

له موبد ۹۷:۱ آگته، ممدود و مکسور، در محکم بسته، مدار ۳۴:۱ آگشته یعنی در محکم بسته (و آغشته نیز)؛

اما دکتر معین آگستن و آگستن معنی بستن و محکم کردن (بدون قید دم) آورده (فرنگ ۷۷:۱).

له برای این معنی رک: موبد ۹۷:۱

له گذاشت در اکثر فرنگها، مانند فرس و دستور ص ۷۲ و ادات و بحسب الفضائل؛ اما در قواس

ص ۱۰۹ ابسته و شرف نام نیز ابسته؛ صحاح ص ۲۶۲ انیش و امیش؛ موبد ۹۹:۱ آیش

یعنی جاسوس و جاسوس کردار و در شرف نام یعنی چاپلوس، ۱۰۲:۱ آیش بوزن شیش

جاسوس کردار و چاپلوس که از فی الادات و الشرف نام و لسان الشعرا، برای آگاهی بیشتر

برای معانی و قرأت مختلف این واژه رک: لغت نامه دهخدا و مجله تحویر، دلی، ص ۴۳-۴۸.

له اصل ناخوانا.

له رک: موبد ۹۶:۱، ۱۰۰.

له در موبد بهر دو صورت یافته می شود.

له رک: موبد ۱۰۰:۱، مدار ۸۸:۱، استوه و سته و استه دست را مترادف قرار داده.

له رک: موبد ۵۱:۱؛ زنان گو یا سته را بمعنی ناخوش طبع نوشته، و صحاح ص ۲۸۰ سته

بمعنی خسته و عاجز. معین استوه، سته، سته صورت نوشته (فرنگ معین ۲۶۲:۱).

له موبد ۱۰۲:۱ انیسه بافتح هاد و هر چه بسته که بدشواری حل گردد و آنرا انیشه نیز گویند که از

فی شرف نام، لحن. صحاح ص ۲۶۲ ابسته چیزی باشد چون هاد و خون که بسته باشد و حل نه شود.

له گذاشت در موبد ۹۶:۱

له صحاح ص ۲۶۱ آسیمه تحویر و دهوش و شیفه؛ مدار ۳۰ آسیمه تحویر و شوریده و دیوانه مزاج.

آگنده: پُر کرده و آخر اسپان.
 انجیره: در کون را گویند، بعضی حبثیم عربی گفته اند.
 اوسه: ربایش، و بضم همزه نیز گفته اند.
 انبره: اشتراکیش، و گویند اشتراکیش و شتر بود که از ریج بارکشیدن موی ریخته بود، پُستش لی موشده، و شکم را انبره گویند و دره کوه، و بضم بانیز گویند.
 اهیانه: کاسه سرد و بعضی کام را گویند، آنک بپندی آزار تا تو خوانند.
 افکانه: بچای که از شکم برود از آدمی و چهار پای، و بغیر همزه و بکسر فانیز گویند.
 آشفته: دیوانه.
 انوشه: با همزه مفتوح و نون مضوم و واو ساکن و شین منقوط، پادشاه نود جوان،

- له صحاح ۲۶۱: آگنده بضم کاف اصطبل و آخر باشد، ابوالعباس گفت:
 روز به آگنده شدم یا نسیم: آخر چون پاتند و سفگان
 چون آگنده یعنی پُر کرده بافتنه گفت است معنی آن آخر نباشد، اما در مویده ۱: ۳۵ آگنده و آغنده
 هر دو معنی پُر کرده و آخر اسپان؛ نیز رک: مویده ۱: ۹۷.
 له رک: فرس ص ۴۵، قواس ص ۸۹، صحاح ص ۲۶۲، مویده ۲: ۱۰۱.
 له گذشت در فرس و قواس و صحاح و مدار.
 له مدار ۱: ۱۴۶ اوسه بفتح و چشم ربایش و بضم و یا شین مجر گیاهی است که کمان گران بکار برند؛ مویده ۱: ۱۰۲ اوسه با بفتح و بضم ربایش، اوش یا ضم و یا شین گیاهی الخ کذا فی زتن گویا؛ اما در نسخه حاضر این توضیح ندارد.
 له رک: صحاح ص ۲۶۲، قواس ص ۷۳.
 له مویده ۱: ۱۰۱، شرف نامه اشتراکیش و ادات آسیاکش، نیز رک: مدار ۱: ۱۲۸.
 له رک: مویده و مدار.
 له رک: قواس ص ۷۸؛ اما مویده ۱: ۹۸؛ مدار ۱: ۴۲؛ آهیانه یعنی کاسه سرد کام آورده.
 له این واژه هندی در مویده و مدار درج شده.
 له رک: قواس ص ۸۹ و صحاح ص ۲۶۲، اما فرس ص ۸۷؛ فکانه. در مویده ۱: ۹۷ آگانه و ۱: ۱۰۱ افکانه بهمین معنی.
 له قواس ص ۹۸ پادشاه بود جوان، اما در دستور ص ۵۵ انوشه پادشاه نود جوان، ص ۷۵ انوشه نام عورتی که عده شاپور در ولایت اصطرخ؛ و در کسر الفاضل انوش شامل هر دو معنی است. در مویده ۱: ۱۰۲ است که بهمنه، اخر واژه انوشه است نه انوشه، سرور سلیمانی: پادشاه جوان.

و نیز گویند خوشا او را یعنی طوبی ل.

ایفده: پیوده گوی و بکار.

آواره: دیوان و حساب و دور شدن از جای.

آماره: هتمان آواره است.

ارزه: گاه گل. و نام درختی است که چلغوزه میوه اوست.

آماوه: ساخته و پرداخته.

آموده: آراسته و تمام آمیخته و پر کرده.

آزده: رنگ کرده، و آزده محدود با زای فارسی نیز گویند.

امنه: پشتواره همیزم.

خسته: گویند شرابی که از جو و ارزن سازند.

له در مویه این معنی هینا از ادوات العظما نقل شده.

له قرآن سوره الرمد آیه ۲۹: طُوبَى لِمَنْ هُوَ وَحْدَهُ عَابٍ، سرمد سلیمان: فوخا... طوبی لك.

له رک: فرس ص ۴۸۸، تواس ص ۱۰۹، صحاح ص ۲۶۳، مویه ۱: ۱۰۲ باید علاوه نمود که در تواس صحاح و مویه و دارمین کلمات زغان گویا منزع است.

له رک: مویه ۱: ۹۸ و دار ۱: ۳۸.

له رک: مویه ۱: ۹۸.

له نسخه اصل: چور کرده میوه ایست! متن بر طبق ادوات و مویه ۱: ۹۹، دار ۱: ۷۲.

له مویه ۱: ۹۶ آزده، محدود و متصور، رنگ کرده و نیز بهمن خلانیدن سوزن و امثال آن

آیه الخ: معین: آزدن، آزدن، آزدین، آزدین، آجدین یعنی فرو بردن سوزن در چیزی و

خلانیدن سوزن و مانند آن آورده؛ اما زان گویا بخشش سوم ازین مصدر بهمن رنگ کردن

دارد، بهمن مناسبت ازیده یعنی رنگ کرده؛ و باید ازدن و آزدن مصدر باشند.

له دار ۱: ۳۷ آمنه و آمنه یعنی پشتواره همیزم مویه بدین بیت:

هزار آمنه همیزم ز کوه خشک هر

نماده اند به انبار من چو انبارم

و در صحاح ص ۲۶۲: امنه بهمن توده همیزم شکافته آمده.

له شکلهای دیگر این واژه آخشته و اخشته و آخسه و آخشه و اخسه است. رک

فرنگ مسین ۱: ۳۵

له در اصل نیامده، اضافه قیاسی، رک: شرف نامه و مویه ۱: ۹۵

انچه: مهر دم.

انگوزنه: گویک گریان یعنی ماده جوزگره.

انگله: جوزگره یعنی از آنک گویک درو کنند در پیراهن [و] فرجی و قبا.

آرینه: آسیا زنه یعنی آلتی که بدان آسیا را دندان راست کنند، و در فرنگ نامۀ
آرینه منشار آسیا.

انگشبه: برزگری پرمایه و صاحب خدمت کاران و بعضی انگشته بتا گفته اند که با سرمایه نیک
بود و در میان و کارکنان بسی دارد.

آغاده: نوعی از شاز [ورق ۱۱] کفش کران.

آغزده: جامه تنک و تازه.

دار ۱: ۶۲ انچه مهر دم [کذا] که از نقره و زر سازند؛ موبد ۱: ۹۹ انچه مهر زر و نقره کذا فی شرفنامه

دنی الغیه مریت سین: فرنگ معین ۱: ۱۷۰ ریزه زر، سکه زر و مهر دم، مطلق زر و سیم، یوپس.

فواسس ۱: ۱۵۴ انگوزنه و چوسک: گویک گریان؛ زنان چوسک: گویک گریان، موبد ۱: ۹۹ انگوزنه

جهان انگله: گویک زنه گریان و گویک گریان و نیمه کلاه و درادات جوزگره.

صباح ۳: ۲۶۳ انگله بند باشد که برگریان پیراهن و فرجی و قبا کنند الخ.

موبد ۱: ۹۶۱ آزینه منقار آسیا که بدان دندان آسیا تیز کنند و آزا آسیا زنه نیز نامند.

مراد فرنگ فواسس است، رک: نسخ چالی ص ۱۷۹.

موبد ۱: ۱۰۲ انگشبه بالفتح و بالکسر کاف فارسی، آن مزایع که خدمت گاران بسیار دارد که انی الشرفنامه

فی الادات ایضاً و قال فی لسان اشتر انگشته مزایع پرمایه، اقول در نسخ شرفنامه و ادات بعدشین بای

بجبه قوم است و در لسان اشتر آباء قرشت. در میان فرنگ نویسان درباره قرأت این واژه اختلاف

رو نمائده است. رک: فرنگ فواسس ص ۱۸۰ حق و عاشیه.

نسخ اصل، زرگری

کذاست در فواسس ص ۱۸۱، موبد ۱: ۹۷، دار ۱: ۳۲، جاگیر ۱: ۷۳، بران ۱: ۳۷؛ اما در

سرودی ص ۹۸، رشیدی ص ۱۳۹: آغاره.

برای همین سخن رک: فواسس و موبد و دار و جاگیر و بران؛ اما در سرودی و رشیدی بعضی دوالی کفش گران

میان چرم و روی کنش گذارند.

رک فواسس ص ۱۵۲، موبد ۱: ۹۷ و سرودی ص ۱۰۷ و دار ۱: ۳۲.

کذاست در اصل و موبد، و سرودی علاوه نموده: در موبد الفضلا سطور است که در فرنگ فقر فواسس بجای تذه

پاره آمد [در نسخ چالی موبد این اضافه نیست] در فرنگ فواسس ص ۱۵۲ و دار ۱: ۳۲ ←

آهنج: پهنکس جام، آنک وقت بافتن جولاهاگان در جامه کشند.

انباردۀ: پُرد بانمعت.

اساسه: التفات یعنی واپس بگریستن.

آگاه: [با] خبر و دانش.

ارغده: مرد جنگ آور و گویند ارغده مرد خشناک.

افروشه: نام حلوائی و دلیده گندم.

پاره: و همین دست بنظمی آید؛ رشیدی ص ۱۲۹ آغزده را مخفف آخارده نوشته یعنی

نرم شده و ترشده؛ در زنان گویا بخش سوم آخاریدن یعنی فرو شدن نم بزمین و نیک مرشتن

و در مدار: ۳۲ آخاریدن و آخاردن یعنی پای در زنان آمده. اما دکتر معین در فرهنگ فارسی ۱: ۶۷

آغزون و آغشتن و آخاریدن یعنی خمیدن و خساندن، نوشیدن نوشته.

رک: قواسم ص ۱۸۳، مویده ۱: ۹۸، مدار ۱: ۳۰.

در اصل کرم خورده

رک: سرمد سیلانی ص ۲۲.

رک: مویده ۱: ۱۰۰، مدار ۱: ۸۲؛ اما این واژه در اکثر فرهنگها خصوصاً در فرهنگهای قدیم یافته

نشده؛ و در فرهنگ معین هم مثل نیست.

عینا همین الفاظ در مویده ۱: ۹۷ یافته می شود؛ ازین میتوان قیاس کرد که فرهنگیان فارسی

در ترتیب فرهنگ اکثر از فرهنگهای قدیم عینا نقل نموده اند.

مویده ۲: ۹۶ آغده جنگ آور و خشناک و حریص در چیزها، مدار ۱: ۲۳ معنی اخیر را ندارد؛ اما

معین (فرهنگ ۱: ۲۳) هر دو معنی یعنی حریص و غنبناک داده و آغده و ارغده و آغده سه

صورت نوشته.

قواسم ص ۱۶۹: ارغده یعنی جنگ آور بدین بیت شاهد آورده:

خساند آورده گاهی بزرگ و دوجنگی بگردار ارغده گرگ

مدار ۱: ۷۴ ارغده یعنی مردم دلیر و خشناک با دو بیت شاهد از شاهنامه نوشته. معین (فرهنگ

۱: ۲۰۳) ارغده و آغده را یعنی غضبناک و خشم آلود نوشته، و علاوه نموده که فرهنگها بخطا

ارغده را دلیر معنی کرده اند. بنظم غضبناک و خشم آلود با دلیری مطابقت دارد، بنابراین ارغده

و ارغده و آغده ظاهراً هم ریشه اند و از لحاظ معنی مترادف.

رک: مویده ۱: ۱۰۰ و مدار ۱: ۱۱۰؛ در فرهنگ معین ۱: ۷۲ آغزوش و اسندوش به معین معنی

آورده.

انپاشته: پُر کرده.

الفندۀ: کسب کرده.

انگاره: جریده شمار، و چون سرگذشتها بگویند، گویند: انگاره می کند، [بسی گوید]:

زان روز که پیش آمدت آرد پُر از چول

بخشین و تن اندر ده و انگاره پیش آر

آرامیده: آرام گرفته و آرمیده هم گویند.

ایوره: آراسته.

آخته: کشیده و بر آورده.

آگزنه: پنبه که در میان استر و اوره در آرند.

انجبره: انگشتی که تنگم آن طبیبان بکار می برند.

ل اسم فاعول از مصدر الفندن بمعنی کسب نمودن. رک: زنان بخش سوم؛ صحاح ص ۲۶۲ ح ۲: الفندۀ

اندوخته و کسب کرده بود، مویده: ۱۰۱ و مدار: ۱۲۰: الفندۀ و الفندۀ هر دو معنی آوردند: زنان بخش سوم
الفنجیدن بمعنی جمع آوردن، الفتن و الفاقن بمعنی گرد کردن و الفندن بمعنی کسب نمودن؛ بعین
۱: ۳۳۹ الفتن، الفاقن، الفندن، الفنجیدن هر چهار بمعنی اندوختن و گرد آوردن.

ل صحاح ص ۲۶۲: انگاره دومی دارد، اول جریده محاسبات را گویند، دوم باز گفتن سرگذشتها
باشد الخ؛ مویده ۱۰۱: انگاره دارد و برای این قرأت توجیه عجیب دارد؛ بازمی نویسد: ۱۰۲: انگاره
همان انگاره یعنی افسانه و سرگذشت. نیز رک: مدار: ۱۳۶.

ل نسخۀ اصل: گزشتها، اما رک: صحاح.

ل صحاح نیز همین عبارت را دارد.

ل در اصل ندارد؛ اضافه از روی فرس و صحاح.

ل این بیت در نسخۀ اصل بسیار مغلوط است؛ از روی فرس و صحاح تصحیح دست داده.

ل نسخۀ اصل: آرامیده؛ اما رک: صحاح ص ۲۶۰-۲۶۱.

ل رک: مدار: ۱۵۵، مویده: ۱۰۳، الوزه، و این تصحیف است

ل مدار: ۲۰، بیت زیر شاهد:

ایک شمشیر جفا بر سر من آخته: صلح کردیم که ما را سر بکشد نیست (سعدی):

مانند مدار در زنان بخش سوم آفتن و آفتن مترادف.

ل رک: مویده: ۹۷، مدار: ۳۵.

ل برای این کلمه هندی رک: مویده: ۱۰۱، مدار: ۱۳۰.

بتازی سترتین گویند.

اوره: توی بالائین در لبانچ و قبا.

انداده: ماله که آلت اندایش است.

اشنه: میا هی است که هندوی چیلیری گویند.

انبوه: بسیار و بافته.

استانه: ستانه در را خوانند.

آره: بدانچ چوب را پاره کنند، بتازی فشار گویند.

اندسواره: پشتی و آن که پشت در پشت بدو باز گذارند و حصار.

مهره می

آبی: میوه ایست که بتازی سفرجل گویند.

النی: چوب بازوی در، و بکسر مزه نیز گویند.

لک: رک: مدار ۱: ۱۳۰، معین ۱: ۳۶۸، انچه و انچک مترادف مرزنگوش و آذان الفار آورده، و در

مدار ۱: ۶۶ آذان الفار و مرزنگوش مترادف کلمه هندی موس کنی، و در زبان موس کنی ذیل واژه

آذان الفار آمده (بخش چهارم)

لک: مویده ۱: ۱۰۳ آورده همان آبره مذکور یعنی توی بالین 'لج' ۱: ۹۲ آبره توی بالائین در لبانچه و

قبا که انی القنیه 'لج'.

لک: مشتق است از اندودن.

لک: عین این عبارت در مویده ۱: ۱۰۱ درجهت: مدار ۱: ۱۳۲ انداده آلتی که بدان که گل کنند.

لک: مدار ۱: ۹۹ اشنگیا هی است خوشبوی، هند چوڑیل خوانند.

لک: ظاهراً واژه هندی که در زبان آمده مترادف چوڑیل = چوڑیل باشد.

لک: این سخن در فرهنگها دیده نشد.

لک: آستان و استان و آستانه و استان و ستانه هم معنی اند، رک: مدار ۱: ۸۵.

لک: رک: دستور الاخوان ص ۶۱۳.

لک: فتوحات ص ۱۳۳ و بحسب الفضائل و مدار ۱: ۱۳۲، و جاگیر ۲: ۱۷۵۳، از مصدر اند فیدن،

نیز رک: زبان بخش چهارم، ۱۶ مویده ۱: ۹۸ اندر خواره.

لک: رک: دستور ص ۶۰ و مویده ۱: ۱۰۶.

لک: فتوحات ص ۱۲۵، بحسب الفضائل، مدار ۱: ۱۲۱، و جاگیر ۲: ۳۱، برتان ۱۵۹.

اسپری: به آخر آمده.

آموی: پرکرده.

آشقی: صلح.

گونه^۸ (دوم) که آغاز آن با است.

بهره الف

بسا: از اصداد است، بسیار و اندک و کم کردن و چیزی زیاده تری.

بنا: [بگذارد] و گذارنده.

بکیاس: تعلیت، بگیم.

بازاریا: تصغیر بازاری یعنی ماهور.

بهره ب

بوب: بساط و فرش.

بهره ت

بیدخت: زهره.

له: رک: مدار ۸۳:۱

له: مویده ۱۰۶: آموی پرکرد کذا فی القنیه؛ اقول اموی امر آمودن است و بمعنی فاعل هم آید، اما بمعنی ماضی یافته نشد، بنظم آموی بمعنی آمودن است یعنی پر، مصلو، لبالب.

له: در مویده ۱۱۳: بگفته زخان گویا این معنی که در اکثر فرهنگها یافته نمی شود، آمده. نیز رک: مدار ۱: ۲۱۹ که بگفته سکندری این معنی آورده است.

له: در اصل ناخوانا، اما رک: سرمد سلیمانی ص ۲۴.

له: قواس ص ۱۵۵: بکیاسا تعلیت نیز بگیم، مویده ۱: ۱۱۳: بکیاسا تعلیت ای کلیم؛ مدار ۱: ۲۳۵: بکیاسا نمد کلیم باین بیت استاد شایه:

فور بر طور دیده چون عوسی ترک زر کرد و طسرح بکیاسا

در سرودی ص ۱۱۸ آمده: در ادوات الفضلا بمعنی تعلیت باشد یعنی بار اندک و بمعنی کلیم نیز آمده. و تعلیت بمعنی بار اندک باشد رک مویده ۱: ۲۳۳.

له: مویده ۱: ۱۱۲: بازار یا تصغیر بازاری کذا فی القنیه؛ مدار ۱: ۱۷۱: بازار یا تصغیر بازاری است الف.

له: کذاست در اصل شه: رک: مویده ۱: ۱۱۵

له: رک: مویده ۱: ۱۱۸، مدار ۱: ۲۷۰؛ فرهنگ معین ۱: ۵۶۲؛ ۳۰۸: بدخت را اصلاً ←

بیخست^۱؛ محبوس یعنی بندی و چیزی که ازین یکبارگی برکنده باشد، و بفتح خانیز گویند.
بست^۲؛ گرته.

بروت^۳؛ سبست یعنی موی لب.

بت^۴؛ معروف است.

برگشت^۵؛ معاذ الله یعنی مبادا باشد و بعضی با بای فارسی گویند.

بخشت^۶؛ آواز هر چپیزی.

بت^۷؛ آبار جولاها.

برغشت^۸؛ تره ایست بهاری، و درغشت هم گویند.

→ بخ دخت یعنی دختر خدا قرار داده.

توا^۹؛ ۹۵: ۱ بیخست بندی؛ موبد ۱: ۱۸: ۱ بیخست چیزی که آزا از بیخ کنده باشند و بندی که به پای محبوس کنند؛ اما در سرودی ص ۱۲۳ بیخست باشین لفظ دار و برهان ۳۳۲ بیخست و بیخست یعنی چیزی که از بیخ برکنده باشند آمده. در برهان بیخست یعنی بندی آمده؛ اما در زقان، موبد ۱: ۱۸۴: ۱: ۲۶۹: ۱ سرودی ص ۱۹۵ بیخست یعنی در مانده است، و در مدار و سرودی این بیت خروانی شاه آمده:
دل خسته و محروم و بیخسته و گمراه : گریان به سپیده دم و نالان و بچه گاه

نیز رک: مجله علوم اسلامی، علی گڑھ، ۱۹۶۷، ص ۳۹ بهجد

موبد ۱: ۱۱۷: ۱ بست با بفتح کوه و این معنی از زقان گویاست. اما اصل اینست که در زقان گره است که کوه خوانده شده و از همین جاکه صاحب مدار بست را بمعنی کوه آورده، (مدار ۱: ۲۲۰) برای بست بمعنی گره رک: خرمنگ معین ۱: ۵۲۸.

رک: موبد ۱: ۱۱۷: ۱: مدار ۱: ۲۱۳: ۱ این بیت انوری شاه آمده:

فلکش گفت بر بروت مخند : که هجایت ریشخند کند

رک: موبد ۱: ۱۱۷: ۱: مدار ۱: ۲۰۹: ۱ همین معنی با بیت زیر شاه آمده:

کسی چون او بود در ملک هیبات : شش چون او بود در دهر برگشت

نیز رک: مدار: ذیل برگس، و سرمد سلیمانی ص ۲۸.

رک: موبد ۱: ۱۱۷: ۱: همه سلیمانی ص ۲۴: بحث

رک: مدار ۱: ۱۹۳: ۱: فرنگ معین ۱: ۴۷۱: ۱ موبد ۱: ۱۹۳: ۱ بیت همین معنی دارد.

رک: جواکس ص ۳۶: مدار ۱: ۲۰۷: ۱ موبد ۱: ۱۱۷: ۱ برغشت با بفتح تره ایست بهاری که چهار پایان خویش کذا فی الشفه فامده، و در زقان گویا بمعنی بسته که همد پنهانی گویند نیز آمده. اما در نسخ زقان اصلا این معنی نیست؛ مدار شامل این معنی است اما در نسخا اسمی از زقان گویا برده نش.

بهشت : باغ و گلزار که در جمیع آرزو مهیا باشد.

سخت : چرم موزه و کفش و پای اسنزار.

برنجاست : بوی مادران.

بلنجاست : همان [ورق ۱۱۲] برنجاست.

بهره 'ج'

بوغنج : سیاه دانه.

بنایج : انباغ یعنی دوزن یک مردی را باشند، و بیشتر بیای پاری و بعضی بحسیم پاری.

بانج : چیزی که زبردستی از زبردستی قبول کند و بدید، برای فارسی نیز گویند.

بنشنج : تاب روی.

برذوج : پیدا کردن.

برخنج : دیو سنبه یعنی سخت بد و گرانی که در خواب بر مردم افتد و این را بتازی کابوس خوانند.

→ در قواس و رفت و بزند مترادف آمده چنانچه در زفان است : بزند گیاهی است خوشبوی بهاری که آترا بهشت نیز گویند بعضی بیای پاری و زای پاری مفتوح گفته اند؛ و در همین فرهنگ ذیل در غنت آمده : بزند و آن گیاهی است بهاری.

له : کذاست در مدار ۱ : ۱۹۰.

له : این واژه به شکل های زیر آمده : برنجاسب، برنجاسپ، برنجاست، بلنجاست، برنجاسف ؛

رک : مدار ۱ : ۲۱۱، فرهنگ معین ۵۱۳۱۱ فقط برنجاسپ و برنجاسف آورده.

له : موبد ۱ : ۱۲۰، مدار ۱ : ۲۵۵.

له : رک : قواس ص ۱۰۱ : موبد ۱ : ۱۲۰ بنایج و بنج هر دو را بهین معنی آورده ؛ مدار ۱ : ۲۴۶ بنایج و بنج و

بنایج و بنی و بنایج هر پنج را بهین معنی بیان نموده، اما در دستور و زفان گویا بنج معنی دیگر دارد چنانکه می آید

له : رک : موبد ۱ : ۱۳۰، مدار ۱ : ۱۷۲ ؛ چنان نظری رسد که اطلاع قدیمی این کلمه باژ است چنانکه در فرهنگهای

قدیم مانند قواس ص ۱۱۰ و صحاح ۱۳ باژ است نه باج.

له : رک : قواس ص ۱۶۰ که بهین کلمه توضیح نموده نیز رک : موبد ۱ : ۱۲۰.

له : رک : موبد ۱ : ۱۲۰، مدار ۱ : ۲۱۹ ؛ بظا هر کسم مصدر باشد اما مصدر بزرگچیدن متداول نیست.

له : رک : فرس ص ۵۴ و صحاح ۵۱، اما در قواس ۱ : ۱۶۴ بنج ؛ مادرین بر سر فرهنگ از

بیت آفاجی استشاده نموده شد ؛ در زفان گویا، مانند موبد و برهان و مدار بر خنج و خنج هر دو

آمده. در مدار ۱ : ۲۰۱ مترادف های این واژه و خنج و خنج و خنج و دپوسنبه و سکاچ و سرنه باژ

و فرنجک و فردونجک آمده. له برای این معنی رک : مدار ایضا.

بلیج : غوی که بوقت سخن بیرون افتد.
 بلون : آن پاره گوشت باشد که بر سر خرگوس رسته بود، آنج بر سر طاق و ایوان و آن کنند.
 بلنج : قدر چیز ی.
 بک : اندرون دبان باشد.
 برسج : آن باشد که برای تاریکی یا کوری بدست بردن و در آوردن بینند.
 بنج : زخ ، بعضی بفتح باگویند.

له رک بریدلعلی فرنگ معین ۱: ۵۵۴، اما در مویده ۱: ۱۲۰، مدار ۱: ۲۳۱، بلیج یعنی آب دهن و لب ستر
 قواس ۸۱ بلیج خط یعنی لب ستر است بابت زیر ستر دوی :

خوشان ز زاول می رفت زال : فرودشته بلیج و بر آورده یال
 و همین بیت شاهنامه را بلیج یعنی لب ستر در فرس ص ۶۱ و صحاح ص ۵۹ وجود دارد ؛ خود در ش
 ج ۱ چاپ محمد مصطفی ۱۳۵۳ ش ق بجای بلیج قواس بلیج فرس و صحاح بلیج آمده اما این غلط چاپی
 و کرمین بلیج لب حیوانات و لب ستر و گنده و گوشت بی استخوان گفته شود بلیج از شاهنامه :
 گسته لکام و گوسفار زین : فرود برده بلیج و بر آورده کین
 فرودشته بلیج و بر آورده کینج : بگردار تیر شبیه کینج و بلیج
 در مدار شاه بلیج یعنی لعاب دبان :

می افخت آزا که سر و رویش تو بیند : زان علم و زان بلیج چکان بر سر و بر روی
 خلاصه اینکه بلیج یعنی لعاب دهن و بلیج یعنی لب ستر ، در قواس بلیج تصنیف بلیج است و صاحب
 صاحب مدار بلیج را بمعنی لب ستر غلط نوشته اند.

له رک : مویده ۱: ۱۲۰، مدار ۱: ۲۴۳، در مویده دو معنی دیگر نوشته ، از آن میان یک معنی
 نیز یافته می شود ؛ اما در مدار این واژه با جسیم فارسی است.

له نسخه اصل : کینج اما رک مویده ۱: ۱۲۰، مدار ۱: ۲۴۲، فرنگ معین ۱: ۵۷۱.

له رک : مویده ۱: ۱۱۹، مدار ۱: ۱۸۶، سهروری ۱: ۱۲۳، برهان ۱: ۲۲۵، فرنگ معین

اما در قواس ۸۱ بمعنی رخ است

له مویده ۱: ۱۲۰ بگفته زفان گویا نوشته انچه برای تاریکی و یا کوری برد واری یا جای گنه
 یا بد. مدار ۱: ۲۱۱ برنج آن باشد که برای تاریکی یا کوری بدست آوردن و برد
 و اصفا صاحب مدار عیناً عبارت زفان را نقل نموده است. این واژه در فارسی
 قدیم شامل نیست ؛ حتی و کرمین نیز این واژه را در فرنگ جانی نداده.

له در مویده ۱: ۱۲۰، مدار ۱: ۱۴۰، بنج و بناج بمعنی انباغ آمده ؛ و در مویده بگفته زفان

بهره'یج

بسیج: قصد و آهنگ.

برج: زشت.

بازرسیج: رسی باشد که دو تا بیا و زنند و بر نشینند، بهندوی پنگه گویند.

بلنج: زاک سیاه که بدان خضاب کنند.

→ بنج یعنی رخ نوشت و قیاس کرده این تصیف رخ یعنی ثولول است و نیز علاوه نمود که در دستور هم بدین معنی آمده. دستور ص ۸۹ بنج: رخ؛ بظا هر رخ غلطیت، صبح رخ است چنانکه در بحر الفضائل آمده. رخ در زنان نیز بمعنی ثولول درج است.

له مویه ۱: ۱۲۰. بسیج (بای و جیم هر دو تازی)، نیز رک: فرهنگ معین ۱: ۵۳۸؛ اما معین بسیج و بسیج هر سه را درست خیال می کند البتاً ۱: ۷۹۰؛ نظامی گنجوی در بیت زیر با بسیج قافیه نموده:

درین دم که داری بشادی بسیج: که آینه و رفته مجت بسیج
رک: مویه ۱: ۱۲۱؛ در هزار ۱: ۲۰۱ (هزار ۱: ۲۲۲) برج و فرنج و درنج سه شکل مزج است
در فرس ۵۰ و صحاح ص ۵۸ فرنج بهین معنی آمده و از بیت لبیبی استشهد شده. و در
تو اس ۱۰۵، فرنج و درنج هر دو، برای فرنج بیت لبیبی شاهد آمده. و در دستور ص ۲۴۴ و
رشدی ص ۱۴۵ بهین معنی درج است؛ زنان درنج نیز بهین معنی آورده اما فرنج بمعنی
کفل اسب نوشت.

له صحاح ص ۵۱: با دینج رسی باشد که کودکان بر درخت بنهند و در آسباف نشینند و آینه و
روند، بابیت ابو المثل شاهد با دینج؛ مویه ۱: ۱۲۰-۲۱ با دینج بمعنی رسی الخ؛ هزار ۱: ۱۷۲،
۱۷۳، بازینج و بازینج هر دو بهین معنی، داین هر دو مصحف با دینج، رک: حاشی بر آن.

له اصل: بابیا.

ه رک: مویه و مدار.

ه شنبه اصل: بلنج، اما رک: تو اس ص ۱۸۷، مویه ۱: ۱۲۱، مدار ۱: ۲۳۸، بران ص ۱۲۷،
فرهنگ معین ۱: ۵۶۶. در اکثر فرهنگها بلنج و بلنج هر دو معنی زاک سیاه آمده، رک: مویه ۲:
۱۵۹، بران ص ۱۸۹۲، و خود زنان گویا ذیل ل. اما در فرس ص ۱۶۰، صحاح ص ۵۹۰،
جایگزینی ص ۲۸۲، رشدی ص ۱۲۸۷ فقط بلنج بهین معنی. باید علاوه نمود که در فرس صحاح
بیتی که شاهد بلنج آمده، در تو اس شاهد بلنج است؛ و نظر بر بنده ایست که در "بلنج" به حرف
اضافه است، بیت مذکور ایست:

بین آن زلفین او چون چنبر بالا نجم: گر بلنج اندر زنی ایون بود چون آبجس

بهره^۱ رخ.

بلغ : نام شهری از بلاد خراسان ، و آوند شراب چون صراحی و مسترابه .
 برخ^۲ : شبنم
 برخ^۳ : بهره یعنی بعضی از کل .

بهره^۴ دو.

بزند^۵ : گویا هی است خوشبوی بهاری که آنرا بر غلت نیز گویند ، و بعضی بیای پارس و زای پارس مفتوح گفته .

بنداد^۶ : بنیاد

بیباد^۷ : کربا ، و بیجاده بهمانیز گویند .

بند : کمر مردان باشد .

بردش^۸ : گویند از راه دور شو ، و بردا برد بهمن را گویند .

بدرد^۹ : وداع و بکسر با نیز گویند .

بودش^{۱۰} : خف و آن آنست که آتش از سنگ و آهن درو افتد سوخته گردد ، و

۱ رک : قواسم ۱۳۸ ، مویده ۱۲۲ : ۱ ، و مدار ۲۳۸ : ۱ .

۲ رک : قواسم ۲۰ ، مویده ۱۲۲ ، مدار ۲۰۱ : ۱ ؛ اما دستور ص ۸۴ : برخ سرشک آتش

و نیز رک : بحر الفضائل .

۳ رک : مویده و مدار که در آنها معنی دیگر برخ بهره و بعضی از کل نوشته .

۴ رک : قواسم ص ۳۶ ؛ مویده ۱۲۶ ، مدار ۲۱۹ : ۱ ، پزند ، فرس و صحاح ص ۱۰۵

و دستور ص ۸۱ نیز پزند بهمن معنی آورده .

۵ رک : قواسم ص ۱۱۵ . ش رک : مویده ۱۲۸ : ۱ .

۶ در فرهنگ معین ۱ : ۵۸۲ - ۵۸۳ بند بهمن می کنند ، میان بند .

۷ در اصل نیامده ، در حاشیه افزوده ، رک : مویده ۱۲۵ : ۱ ، مدار ۲۰۲ ، سرمد سلیمانی ص ۲۶ .

۸ بدرد و بدرد بهمن معنی می آید رک : فرهنگ معین ۱ : ۴۸۲ .

۹ مویده ۱ : ۱۲۴ بد جامه نیم سوخته و بجفت کند و سودا که در آن آتش زود در گیرد و نیز گویا هست

آبی که زیر چاقان نهند تا آتش زود گیرد الخ . نیز بود ایضاً ص ۱۲۷ ، فرس ص ۱۰۹ پود

بتازی خف باشد یعنی آنکه آتش از سنگ بر آید و درو گردد الخ ، قواسم ص ۱۷۷ پود بهمن معنی

نوشته . فرس و قواسم ' پده ' مترادف پود قرار داده .

بنیرواوه هم گویند ، بعض پوژ بای پاری گویند .

بخروته : مرد دانا و هوشیار .

بلکفده : رشوت .

بیوده و برمود : جامه ای که از نقش آتش رنگ زرد نماید [گویند برمود] .

برازد : زیبد .

بالادش : اسب جنبیت .

بید : درختی است ، برگ او بمنزله تیغ باشد و آن هفده نوعست ، و آن درخت بارنداز

چنانکه قائل : بیت :

این پنج درخت است که می نارد بار : بید و پده و سر و سپیدار و چنار

باورد : نام شهری است از بلاد خراسان .

له یعنی بید .

له رک : دستور ص ۸۲ . موبد ۱ : ۱۲۴

له ص ۸۶ : برمود یعنی نزدیک شد که بسوزد و چون جامه از تاب آتش زرد رنگ شود گویند برمود .

ص ۸۷ : بیود ، سر و سیلانی ص ۲۷ : برمود و بیود ،

له رک . صحاح ص ۸۶ .

له مضارع است از مصدر برآزیدن ، رک : موبد ۱ : ۱۲۵ .

له فرس و صحاح ص ۸۷ : بالاد جنبیت باشد ، دارا ۱ : ۱۷۷ بالاد پالاد هر دو صورت

صحاح و از اربعیت فرا لادی استشهاد شده :

من روی سپهرست پای شدم : توان رفت راه بی پالاد

قواس ص ۷۲ : بالای اسب جنبیت ، نیز رک : همین فرهنگ بهره می .

له ادات و موبد ۱ : ۱۲۸ : بیدار هفده نوع قرار داده .

له زفتان : پده درختی است چوب سخت بار ندارد ، موبد ۱ : ۲۲۳ گفته بای تازی و فارسی
هر دو شکل آمده .

له باورد و ایورد نام شهری بود ، در دشت خاودان در شمال خراسان کنونی نزدیک بدرگز . اکنون ویران
است و جزو ترکمانستان شوروی است (مصین) یعنول یا قوت در میان خرمن و نساء واقع بود . دانشمندان
و شاعران بسیار ازین خط برخاسته ، گویند معروف انوری به ایورد انتساب دارد . رک بختنامه دهمذیل
ایورد و ایوردی . گفته مگر دیزی زمین الانصار ص ۱۱ باورد بنا کرده میگو بود .

زرد: داروئی است بریز[ه] نیز گویند و بستازی کنند.

د: معروف که [ورق ۱۳] بسند و بی بنوال گویند، بسند بشندیدم آمده است.

یاد: بنا و پنج و ماده.

نکیه: یعنی نشان درخت و برناخن و انگشت در انگشت.

د: معروف، و بیت و دوم روز از ماه، و بیشتر بذال میگویند.

شد: یعنی برفت.

بوگند: بیفکند.

مهره 'ر'

باختر: مغرب و بعضی برعکس مشرق را گویند.

له: نسخ: اصل: بید، اما رک: مدار ۱: ۲۱۵ و معین ص ۶۲۳، بریزد معنی است مانند معشکی بدبوی، شکلی دیگر این واژه: بیزه، بریزه، بریزی و غیره، نیز رک: هدایة المستعین.

له: دستور الاغان ص ۵۰۷: الغز: بریزد. له: مویده: ۱۲۶: بنوالی، مدار ۱: ۲۲۰: بنوالی.

له: ماضی مطلق است از مصدر بشکیدن یعنی رخ: در انگشتن رک: زبان بخش سوم، اصحاح ص ۸۸ بشکیدی یعنی نشان و رخ: در انگشت برناخن و انگشت، کسائی:

باسم بسل پوشش سوسن کوه فروش: برنخ پیلنوشش فقط زرد و بشکیده

نیز رک: مویده: ۱۲۶، مدار ۱: ۲۲۴-۲۲۵.

له: رک: معین ۵: ۲۳۶، مویده: ۱۲۳ بجای بیت و دوم 'دوم' غلط چاپی است.

له: هر دال که پیش آن یکی از حرفهای علت (مضوّه) باشد بغاری بنا بر قواعد تفریق میان دال و ذال فارسی ذال است نه دال: پس این تخصیص فقط به دال باذ نیست بلکه همه دالها که قبل شان حرف مضوّه می آید ذال است نه دال.

له: مدار ۱: ۲۷۶ ج، ازین بیت استشاد شده:

چو بچه که ترغت از سخت کرد: هموار کرد موی و بگند موی زرد (بوگور)
در اصل بوگند شکل قدیمی از بیگند باشد (رک: خرس)

له: باختر یعنی مشرق و مغرب برده، رک: قواسم ص ۱۶، اما اصحاح ص ۹۹ باختر یعنی مشرق و ازین بیت انوری استشاد نموده:

خورشید را چون پست شد در جان غدا علم: پیداشد اندر باختر بر آستین شب ظلم
و خاور یعنی مغرب یا بیت شاه زیر (ص ۱۰۳):

مردیم با مدادان چون بتافت: از خراسان سوی خاور می شنافت

برخور: خداوند برخ و جواغرد.
 بنخور: غرنده یعنی آنچه بغرد، ازین رو بعضی بنخم باگویند.
 ببر: دده ایست معروف
 بستر: فرشته باران [و نبات] و گویند نام میکائیل علیه السلام.
 بالار: فرسب و ستون را گویند که بالاب پست باشند.
 بهار: فصل معروف که آفتاب در محل بود، و نام بت خانه در ترکستان، و نام رود باری در
 هندوستان، و نام جزیره و گیباهی که آن را گاوچشم گویند.
 بادبر: چوبی را گویند که میان دیوار برآورد و بسبای پاری نیز گویند.
 بخار: دود عفوشت و گرمی که از دمان و از آبهای روان در زمستان برآید.

- له رک: صحاح ص ۱۰۰، برخوردارینی بهره در. ۲۰ رشیدی ص ۲۱۶ برخ یعنی بهره.
 له رک: قواسم ص ۱۱۱.
 له کذاست در فرس و صحاح ص ۱۰۱، دار ۱: ۲۲۳، جاگیری ۲: ۱۳۴۵، رشیدی ص ۱۰۳۱۳، اما
 برهان و آندراج و مجسم الاطبا: قشتر؛ معین بستر را صحف قشتر قرار می دهد، یعنی نام
 یزدی دسیز معین روز هرامه شمی بنام ایزد مذکور. صاحب لغت نامه نیز بستر را تصحیف قشتر
 می داند.
 ه در اصل ناخانا، متن مطابق جاگیری
 ه کذاست در صحاح و دیگر فرهنگ ها.
 ه رک: فرس ۱۲۹، قواسم ص ۱۱۷، صحاح ص ۱۰۰.
 ه صحاح ص ۱۰۰: بالار فرسب باشد یعنی چوبی که سقف خانه بدان پوشند. الخ.
 ه رک: موبد ۱: ۱۳۵ و درین فرهنگ مطالب زفان با ذکر نام نقل شده.
 ه بظاهر مراد نوبهار بلخ باشد.
 ه بظاهر این اطلاع غلطت، خیلی عجیب است که با وجود آنکه نویسنده زفان هندی است او
 از نام رود باری هندوستان اطلاع ندارد.
 له کذاست در بحر الفضائل اما بهار اسم جزیره مشکوک منظری آید؛ نام استان در شرق یو. پی. در
 هندوستان، و نیز نام یکی از جایهای معروف درین استان.
 له رک: فرهنگ معین ۱: ۶۰۸.
 له صحاح ص ۱۰۱، سر سیمانی ص ۵، پادرجی یزدانی ۱: ۱۶۱، موبد ۱: ۱۳۱ بگفته زفان معنی
 بادبر فزوه نوشته.

بادور: راست گوئی، راست داشتن.

بدر: بیرون.

برور: پیوند.

بناور: دمل و بنسم بازگویند.

برآور: برآر.

بشتر: دمیگی در اندام.

بلخور: عصبیت و آن طعایت محروف یعنی کاجش، و بعضی گویند بنضم با و واو پارسی.

باستار: چنانست که گویند فلان و بهمان، و بستار هم گفته اند.

بر: بالایی تن و نزدیکی و میوه و نفع و پخت.

بار: میوه، کرت و حمل و باریدن و تنگی جامه و جز آن و بزرگ چنانک گویند بار خدایه و برعام پیدا شدن چنانک گویند سلطان بار داد، و ملاقات و در آمدن برکس،

له مویه ۱۲۲:۱ باور یعنی استوار و راست و نیز استوار داشتن کذا فی زبان گویا! اما این معنی در نسخ زلفان یافته نمی شود! مدار ۱: ۱۸۱ استوار و راست.

له مدار ۱: ۲۱۳ بروز و پرور و بروز و براوز و فراوز یعنی پیوند جامه نوشته. فرهنگ معین ۱: ۷۶۳ پرور: پیوند؛ اما در زبان بروز و فراویز و فرویز یعنی پیوند جامه نوشته. قواس ص ۱۵۷ و وزنگ و بروز و فراویز مترادف قرار داده است. اما صاحب زلفان بروز و فراویز و غیره را بهیچ معنی آورده، سرمد سلیمانی ص ۱۸۰، ۵۱ پرور و سجاف جامه.

له رک: قواس ص ۱۶۲، مویه ۱: ۱۳۵، مدار ۱: ۲۴۶ و غیره.

له امر از مصدر بر آوردن ۵ رک: مدار ۱: ۲۲۳، سرمد سلیمانی ص ۲۹.

له رک: قواس ص ۱۳۳، مویه ۱: ۱۳۳، مدار ۱: ۲۴۱

له نسخ اصل: عقیقه اما مویه ۲: ۱۶ عصبیت، جگر آگند، ادات این مترادف عربی را دارد.

له رک: قواس و ادات و مویه و مدار

له رک: صحاح ص ۱۰۰ باستار یعنی است مانند فلان و بهمان.

له رک: مدار ۱: ۱۷۲، سرمد سلیمانی ص ۲۸.

له رک: مویه ۱: ۱۳۳، سرمد سلیمانی ص ۲۹.

له شرفنامه: پشاهی چیزی

له در مویه ۱: ۱۳۱ و مدار ۱: ۱۶۸ همه مندرجات را میست نقل نموده اند.

چنانک گویند: فلان کس بار یافت یعنی در آمد، پر کردن، چنانک گویند صمک بار کرد،
و یکنم اشهریه مطربه چنانک گویند: بار کبني، و حاجت چنانک گویند: در بار و عمد
و حواله، و نیز چیزی بود که نویسندگان می نویسند و آنچه می خورند.
بور: تدریج و اسب که رنگ او نزدیک اشقر بود و فش و دنب او سپید بود، گویند
بور بهمن اشقر است.

با پارت: با نزدائ و آن آوندی است که بتازی و عاء گویند.
بلغار: نام ولایتی است در ترکستان که آسجا خوبان باشند و آن زمین سرسبز است

که است در بحر الفضائل و ادات که هر دو نقطه یک معنی دارد: ادات: بور کبک که عرب آنرا
اشقر خوانند. ممکن است که درین جا چند لفظ افتاده باشد، اما رک بمید: ۱۳۵:۱ و مدار

۲۵۳:۱

زنان ذیل بخش چهارم (سخنان تازی) اشقر بهمن اسب سرخ بس که رنگ سرخ بزرگی و سیاهی
زند و فش و دم او به رنگ بود.

این واژه در اکثر فرهنگها دیده نشد: اما رک: موبد: ۱۳۲:۱، مدار: ۱۸۱:۱، یا بار بار دان
(کذا) و آن آوندی است که بتازیش و عاء خوانند.

زنان: باژدان آوندی که محصل دروسیم [باج] می اندازند، نیز رک: مدار: ۱۸۲:۱؛ موبد
۱: ۱۶۳، معنی باژدان بجای زنان بدینطور می آورد: بازاری فارسی موقوف آوندی که درو
محصل سیم باج می اندازند و نگاه دارند باج هم باشد کذاتی زنان گویا. بنظرم کلمه بار دان صحیح
معلوم می شود زیرا که و عاء باژدان نیست بلکه بار دان باشد نیز در فرهنگ معین بار دان است
باژدان نیامده.

دستور الاخوان ص ۶۰: الواء بار دان، ای آوند چیزی الوعیه جامعه. برای و عاء رک: قرآن
سوره یوسف آیه ۷۶.

بلغار دو بودن، یکی در شمال بحسب خزر و دیگری در غرب بحسب سیاه، یادداشتی قزوینی ج ۴
ص ۵۱-۵۲، و مقاله بار تولد در دایرة المعارف اسلامی و فرهنگ معین: ۲۷۶-۲۷۷. در
ادبیات فارسی برای تعیین حد اقصای شرقی و برای زیبایی و برای اجناس مخصوص مانند جرم تبر
و نیزه و باز رک، تعلیقات دیوان سراجی مقلد نگارنده ص ۴۱۸-۴۲۰. بنا بر تفصیلی که در ادات درجست
در اصل بن فار بود بعداً بلغار شد، بنا بر آن در دور ذوالقرنین واقع شد. نیز رک: موبد: ۱۳۴:۱. در
همین فرهنگ، بحواله زنان، این واژه را ترکی قرار داده، اما در نسخ حاضر این اطلاق نیست.

طولی [۱۴] نژید و پستی است مخصوص که آنرا نیز بلع را گویند.
بر : تمام زمین در مغرب، جای خوابان، مردمان آن دیار سبز رنگ باشند.

[مهره ز]

برز : زیبایی، و مال که بدان گل کنند و بالای مردم و کشت درزی.
باز : بازو و گشاده و بسته و نام شکره است و رجب و آرش که بتازی باغ گویند
و باج که از تاجرستانند و رشوت و خراج که متطلب بر عاجز نهند.
برزنه : بلندی، بالای مردم و تنه درخت و بلندی مجرد، و پاره زمین، بسندوی مینی گویند.
بندرز : جال دوز و بعضی بضم با گویند.

- له رک : مدار ۱۱۲۴۰ طه رک : ادات و مویه و مدار.
له شهری است در سوادان واقع در ساسل رود نیل، این شهر در واقع کلبه آن کشور بشاری آید و نیز
بربر قومی باشد که در افریقای شمالی سکونت داشت، مرکز آن لیبا، تونس، الجزایر و مراکش
باشند، نیز سابقاً این نام برای افریقای شمالی که در مغرب مصر واقع است، داده می شده.
رک فرنگ مبین ج ۵ ص ۲۵۲-۲۵۳؛ اما دستور ص ۹۲ بمبنی ولایت ملک نیمروز.
له رک مویه ۱: ۱۳۳، مدار ۱: ۱۹۹
هه نضو اصل : سرانگ ؛ اما رک شرف نامه و مدار.
هه همین معنی می باشد در مدار ۱: ۲۰۴ درج ست.
هه قواس ص ۸۳ : باز بازو و ارشش. النج نیز رک : مویه ۱: ۱۳۷ و مدار ۱: ۱۷۱
هه مویه ۱: ۴۳ ارشش مسافت دور دست و نیز ۱: ۱۳۷ باز نیز مسافت دور دست چون فرازش
کنی، بتازیش باغ خوند و بغاری آرشش و ارشش. دستور ص ۹۰ باز : بازو و دوشش و
یک بند انگشت.
له مدار ۱: ۱۷۱، باز... خراج که متطلب نهند.
له رک : مویه ۱: ۱۳۸ و مدار ۱: ۲۰۴ ذیل 'برز'، در سرمد سلیمانی ص ۳۰ برز و یرز مترادف.
له این نظر فرستگار دیده نشد.
له ادات، مدار ۱: ۲۴۷، جاگیر ۲: ۱۰۴، سروری ص ۱۴۷، رشیدی ص ۳۴۵ : بندرز جال
دوز؛ اما در سامی فی اللسانی بندوز بود و بمعنی ریسمانی که بدان جال دوزند؛ در برهان ص ۱۲
: بندرز بمعنی جال دوز، ص ۳۰۷ بندور بر دوزن پر زور بمعنی ریسمانی باشد که بدان جال و توبره
و استال آن دوزند. واضحاً بندور ضعیف بندوز است که باید به دو معنی باشد یکی جال دوز،
دوم ریسمانی که بدان جال دوزند. بندرز بظاهر بندوز باشد، نیز رک : سرمد سلیمانی ص ۳۰.

بگماز: مهانی شراب دنبید و غم داندوده و این در رساله نصیر است، و نیز گویند یکی باشد و نیز گفته اند بگمازه بها.

برموز: علف و بعضی بیای پاری گویند.

برواز: زیبا

بچیز: کبیر

بروز: جام پوشیدنی و یا گسترده‌ای که لونی پشت از لونی بود.

بروز: پیوند که در جامه کنند و جامه به رنگی که بگرد جامه بدوزند یعنی وصل و پیوند، و بعضی بیای پاری گویند.

بشینز: بومادران، بهند و می بومار را گویند و طیار یا یا نیز گویند.

بز: گوسپند.

کذاست در ادات: دستور و بحر الفضائل و فرهنگ قوی: مهانی شراب. رک. مویده ۱: ۱۳۹.

مدار ۱: ۲۳۴ بگماز و طیار هر دو صورت آورده.

این رساله که در تأخذ جاگیری است، اکنون نسخه‌ای از آن موجود نیست.

بعضی شراب مثلث، رک: دستور، ادات و بحر الفضائل و فرهنگ معین ۲: ۱۹۸۰.

در اصل پرو، متن تصحیح قیاسی.

کذاست در قواسم ۱۴۳، و مویده ۱: ۱۳۸ با مهانی دیگر و برهان ص ۲۶۳ و ۳۸۸.

این معنی در فرهنگها دیده نشد؛ مویده ۱: ۱۳۸: بروز از ششیم باز و شاهین ... جای قرار و آرام.

مویده ۱: ۱۳۸. بچیز: کبیر و کوچک.

کذاست در مویده ۱: ۱۳۸.

بروز و بروز از لحاظ معنی اول مترادف اند.

مدار ۱: ۳۰۰. پروز بهین معنی آورده.

قواسم ص ۴۰، ادات، مویده ۱: ۱۳۹، مدار ۱: ۲۲۶.

مویده ۱: ۱۳۹ بومادران و بوماران هر دو نوشته، و نیز در همین فرهنگ (زفان) ذیل رکت

آمده: بومادران نام دارویی است که بوماران نیز گویند؛ بنابراین 'بومارا' را هندی

قرار دادن بظاهر درست نیست.

کذاست در نسخه اصل: تصحیح این کلمه دست نداد.

بیواز: مرغ شب پرک و اجابت.

بهره: شر.

بزش: زمین پشته؛ بلند یعنی دگ بلند و گویند دکی که جوی دلب آب پاره می کند؛ بیرون می آید و بعضی بای پاری گویند.

بهره: اس.

برجیس: مشتری.

بلکس: سر دیوار.

بالوس: کافور خشوش، و بای پاری و شین معج نیز گویند.

برجاش: تیری که بلند برآرند برنی نیزه یا چوبی یعنی آماج.

باس: پای بسته چیزی نه بین گردن چنانکه گونی فلان پای بسته است یعنی بسبی از حالها از آنجا که نه خوش باشد رفتن و نه بتواند بودن، بکسریم نیز آمده.

۱. شرف نامه، مویه: ۱۲۰، مدار: ۱: ۲۷۶، جابگیری: ۲: ۲۲۳، بیواز یعنی شب پرک: رشیدی: بیواز شپرک و اجابت (کذا در متن)، صحاح ص ۱۲۴ بیواز یعنی اجابت.

۲. در اصل کرم خورده و ناخوانا.

۳. در اکثر فرهنگها پز آمده، چنانکه در همین فرهنگ زبان گویا نیز، مدار: ۱: ۲۱۶، فرهنگ معین: ۱: ۵۱۹، نیز رک: قواس ص ۳۰، صحاح ص ۱۳۶: پز سر عقیده بود، خسروانی: سفر خوش است کی که با مراد بود: اگر سراسر کوه و پز اندر آید پیش

۴. دگ زمین سخت که پی دره بگرد (زنان ذیل دال)

۵. قواس ص ۱۲۴، ادات، مویه: ۱: ۱۴۲، مدار: ۱: ۲۴۱، در مویه افزوده که در دستور الافاضل با شین قرشت نوشته، و نسخ حاضر از دستور قول مویه را مورد تایید قرار می دهد.

۶. قواس ص ۱۸۶ بالوشش، نیز رک: مویه: ۱: ۱۴۱، برهان ص ۲۴۷.

۷. در نسخ اصل ناخوانا، اما رک: صحاح ص ۱۴۱، مویه: ۱: ۱۴۰، مدار: ۱: ۲۰۰.

۸. صحاح ص ۱۴۰: باس پای بسته و بیچاره بود و آمدن و رفتن نتواند، اما مویه: ۱: ۱۴۱ در پیروی زنان مطالب ساده اش را مبهم نموده. باس بفتح یکم و کسر سوم پای بسته نه بند بلکه زمینی که خوش نباید رفتن از آنجا و نتواند بسای دیگر رفت و در قیافه مذکور است: پای بسته بغیر بند چنانچه گویند فلان پای بسته فلان است الخ.

بخس: پزمرده شدن چیزی است که غزتم بودی.
 بسباس: دارویی است که بسندوی جابتری گویند.
 بوس: بوسانه بردن و فروتنی کردن و بزبان کسی را فرسائیدن و بعضی بیای پارسی نیز گویند.
 بلوس: فزب

بهره 'ش'

بوش: کر [و] فررا گویند.
 بریش: یعنی پریش، و بیای [ورق ۱۵] پارسی نیز گویند.
 بندش: پاغند.

۱ ادات: بخس پزمردن چیزی که در حش بود؛ رک: موبد ۱: ۱۴۱، بحس الفضائل بخش زبان و چیز ناقص.

۲ غزتم و غزب: غزش انگور. رک: قواس ص ۵۰.

۳ رک: موبد ۱: ۱۴۲.

۴ ادات: پسانه فروتنی گرفتن و بزبان کسی را فریفتن. کله بوس بهین معنی است.

۵ موبد ابن معنی را بجا از قنیه نقل نموده است.

۶ مدار ۱: ۲۴۳؛ بوس بفتح فزب، اما غالب آنست که به زاید است، بوس است که بمعنی مذکور است. زنان: بوس فزب دهنده و مسروتنی کننده؛ در اصل بوس بمعنی فروتنی کردن و بزبان مردم را فریفتن. و رک: صحاح ص ۱۴۶ و موبد ۲: ۱۶۲؛ صاحب زنان چهار اشتباه شده که بوس را که معنی مصدری دارد به معنی فاعلی آورد، و در بوس مای اضافرا جزء کله پنداشته.

۷ ادات: بوش کدفر، مدار ۱: ۲۵۵؛ بوش بمعنی کدفر، و غوغا و همیستی بسیار، موبد ۲: ۷۱۱؛ بوش بهین معنی آورده؛ بحر الفضائل: بوش غوغا و جماعت مردمان و چیزی که پیش منظر بخشند.

۸ فرس ۲۰۵، قواس ص ۱۰۶، بحر الفضائل؛ پریش فروشاندن (وازم باشیدن بود)، دستور ص ۹۱؛ برش بهین معنی آورده و موبد هم بجا از دستور این قرأت نیز درج نموده ۱: ۱۴۳؛ زنان گو یا بخش سوم برایشیدن بمعنی فروشاندن، و پریشیدن بمعنی فروشاندن و پاشیدن و بجا گذاشتن و به حال گردانیدن، و پریشاندن بمعنی پریشیدن. صحاح ص ۱۴۸؛ بریش و بریکش دارد.

۹ رک: موبد ۱: ۱۴۴، مدار ۱: ۲۴۷.

۱۰ پاغند: خلوت پذیر حلاج کرده، موبد ۱: ۱۹۷؛ پاغند و پاغنده را بسندوی گار گویند.

موبد ۱: ۱۴۴ و مدار ۱: ۲۴۷.

بخشش: نرمه بینی دبیتی.

بزارش: گدازش.

بریش: بریدن شکم که پیچیده و برآند.

برخاش: کارزار بینی جنگ و شور و فریاد، و بعضی بابائی پاری گویند.

بشش: بند آهین و یا سیم و سیم که برصند و قهقهه کنند و بر درازند و به سماره و زنده از بهر سکی.

بشش: موی گردن اسب، و فرومایه و ناقص.

له مویده ۱: ۱۴۳؛ بخش نرمه بینی و سستی؛ کذاست در مدار ۱: ۱۹۲ در جایگیری بخش (باسین ص ۱) بهین معنی آمده.

له کذاست در اصل؛ اما در مویده و مدار و جایگیری؛ سستی.

له قواسم ۱۶۰: بزارش گدازش، مویده ۱: ۱۴۲ بزارش گدازش و در علی بزارش بمعنی زیبائی، مدار ۱: ۱۹۸، برازش و برارش بمعنی گدازش و برآیدن بمعنی زیبا نمودن نوشته و نیز ۲۱۷: ۱ بزاختن و بزاختن بمعنی گداختن، مویده ۱: ۱۶۸ بزاختن و بزاختن (زای مجسمه) بنظر بزارش غلط و صحیح کلمه بزارش است که اسم مصدر است از بزاختن و بزاختن، در زفا نیز بزاختن بمعنی گداختن که در بنیاد بزاختن بود چنانکه گداختن گدازیدن. ظاهر در قیاس بزاختن از بزاختن صاحب زفان چهار اشتباه شده، زیرا برطبق گدازیدن از گداختن بزاختن و بزاختن بزارش درست بود نه بزارش چنانکه در قواسم و زفان و غیره است و بزارش یا برارش که در بعضی لغات یافته می شود.

له در اصل: گدازش

له رک: قواسم ۱۶۱

له کذاست در مدار ۱: ۲۱۷؛ اما مویده ۱: ۱۴۳ بحال زفان بریش بمعنی شکم که سبج از و برآید؛ و اضماً این عبارت در نسخ حاضر نیست.

له بیشتر بهین صورت متداول است.

له فرس ۲۰۷، صحاح ص ۱۴۷، مویده ۱: ۱۴۳، جایگیری ۲: ۱۳۴۴، سروری ۱: ۱۵۵ بخش سبج بند آهین؛ صحاح ص ۱۴۸ پیش بمعنی بشش نیز دارد. اما قواسم ص ۱۷۴، زفان (ذیل ح پ)، مویده ۱: ۲۰۷ پیش طوف باشد که بر بند کمر و برجین کنند.

له صحاح ص ۱۴۷: بشش موی گردن و قهای اسب بود؛ ادات: پس فرومایه از بهر چیز و ناقص طوطی که بر کمر زنده و موی گردن اسب.

له پس ازین در حاشیه نسخ اصل افزوده: برزنوش، برشگر، برناش: ولایت ترکستان.

بالش^۱: مسند و بالشت.

بهره^۲ رخ

بناغ^۳: دبیر و ماشوره زنان.

برغ^۴: رود آب و گویند بند آب.

بزغ^۵: رنگ آب و غوک.

بشترغ^۶: اسپرک و آن گیاهی است که جامه را را بدان رنگ نیز کنند، بضم بایز گویند.
بالغ^۷: قدحی که از سرون گاو و یا از چوب پاک کرده سازند و بدان شراب خورند یعنی شراب مثلث،
و گویند شاخ گاو باشد پاک کرده چون پیمان یا طاسی، بفتح لام نیز گویند و ببا^۸ی پارسی هم

۱ رک: مدار ۱: ۱۷۷

۲ در حاشیه نسخه اصل: وزن چراغ؛ دستور ص ۹۲ و بحر الفضائل: بناغ؛ دبیر اما در ادات کذا فی المتن، نیز رک: مویده ۱: ۱۴۷.

۳ قواس ص ۲۴، جمابگیری ۱: ۳۰۸، رشیدی ۱: ۲۷۰، برهان ۱: ۲۵۸، برغ بند رود آب؛ دستور ص ۹۷، بزغ بند رود آب؛ قواس ص ۲۴ و رخ مترادف برغ و در زخان و رخ یعنی بند آب و رود آب الخ.

۴ کذاست در ادات و بحر الفضائل و مویده ۱: ۱۴۷؛ اما دستور ص ۸۹، بزغ غوک؛ ص ۹۰ سیرنگ آب.

۵ رنگ آب چیزی باشد سبز که بر روی آب ایستاده بهم رسد (برهان ص ۱۱۶۸).

۶ در حاشیه نسخه اصل: وزن افشرد؛ ادات: بشترغ درختی است که آنرا اسپرک گویند، و تیل گیاهی که جامه را بدان رنگ کنند.

۷ رک: مدار ۱: ۸۳، نیز مویده ۱: ۱۴۷.

۸ مویده بفتح با و ضم سوم نوشته و بگفته دستور یعنی پاره ای از خشم انگور آورده و همین معنی در نسخه چاپی دستور ص ۸۸ یافته می شود.

۹ بظاہر بکسر لام آمده، نیز رک: رشیدی ص ۲۰۹ و شرفنامه.

۱۰ صحاح ص ۱۰۱ بالغ بضم لام، سرگاد پاک کرده بود یا کاسه چوبین که بدان شراب خورند.

۱۱ معلوم نیست چرا این را با شراب مثلث مخصوص کرده.

۱۲ شرف نامه بحواله مویده العواد بابای فارسی و فتح سوم آورده، نیز رک: رشیدی ص ۲۰۹ که مانند صحاح بضم نیز نوشته.

۱۳ رک: شرفنامه و رشیدی.

گفته اند.

بوانخ: تخت بستن مرزن را
بالغ: نام ولایتی است در بلاد شمال.

بهره‌ک

بک: بی‌هنری و رعنائی.

بشک: ژاله و برف و عشوه، بمعنی باشد که [می‌آید] و درخت است معروف.

له کذاست در اصل؛ اما در شرف نام و مویده ۱: ۱۳۷ و مدار ۱: ۲۵۱: بوارغ و همین قرأت در Steingass و Johnson نیز یافت می‌شود.

له کذاست در اصل؛ اما در شرف نام: مرز را و در مویده و مدار: تخت بستن رز را. لغت نام: بوارغ تخت (شرف نام)، تختی است که برای زن حامله موقع وضع حمل ... (شوری)، تخت را می‌نمان (Steingass). این اختلاف در معنی فقط از تصحیف خوالی لفظ زن و رز پیدا شده؛ بنظر بنده 'رز' درست است و زن تصحیف است. و معنی تخت برای وضع حمل اشتباه است.

له شرف نام لام مفتوح نوشته.

له کذاست در شرف نام؛ رشیدی ص ۲۰۹ نوشته: نام ولایتی از ترکستان که خان بالغ نیز گویند اما قول درست اینست که خان بالغ و خان بالغ یا خان بالغ اسم قدیمی شهر یکی که پایتخت کشور چین است. رک: فرهنگ معین ج ۵ (۲-۳)

له پیش ازین دو کلمه در حاشیه افزوده: بوبک دزن خوبک بد؛ بوبک دزن چوبک گر به.
له رک: شرف نام، مویده ۱: ۱۵۱، مدار ۱: ۲۳۳؛ اما در جاگیری ۲: ۵۰۲ بک با اول مفتوح بی و خود آرا و همین است در رشیدی ص ۳۳-۳۳۱. و لک نیز همین معنی آید و خود در زبان تحت لک پک آورده نه بک، و پک از اتباع لک شمرده. صحاح ص ۱۷۴ پک و لک از قبیل توابع جمع رعنائی و بهتری (تصحیف بی‌هنری) و ص ۱۷۵ پک بمعنی رعنائی.

له لغت فرس ص ۲۷۵ بشک بشنم، صحاح ص ۱۸۷ بشک بمعنی ژاله و شرف نام بشک بمعنی ژاله و عشق دل آویز و نام دختی النج، مویده ۱: ۱۵۱ بشک بمعنی ژاله و برف و عشوه و غزه و دل آویز النج جاگیری ۲: ۱۳۴ بمعنی عشوه و غزه و بشنم آورده، معنی عشوه را بدین بیت تمسک جست. نزار
کرشای کن و بشکی بز چ باشد اگر
بگوشه لب همچون شکر منسود خواندی
و رشیدی ص ۳۱۴ عیناً مطالب جاگیری را آورده.

له کلمه عشق که در شرف نام و مدار آمده تصحیف عشوه است.

له رک: شرف نام.

له در بعضی فرهنگ معنی درخت است، اما موکد به شهرت نیست.

بردرک^۱: افسانه و لغز که جنسی است از معما، و بعضی بعضم با گویند و [در] فرهنگ نامه است:
نزدک بنون، لغز و افسانه.

بوک^۲: مگر، کله، استشنا و غلزاری که بجائی پنهان کنند و بر سر خاشاک اندازند.

برندرک^۳: پشته، کوه خرد که در میان دشت بود.

بسک^۴: گیاهی است که آن را اکلیل الملک خوانند.

بشک^۵: جو و گندم در دوده.

بشتک^۶: خره و بفتح با نیز گویند.

بلشک^۷: چوب^۸ بریان یعنی چوبی که بریان کنند و تنور نهند، بسین ممله نیز گویند.

بساک^۹: تاجی که از کله و اسپکها بافند، بهند دی سهره گویند.

بسجک^{۱۰}: طبیب و گیاه فرخش، و کبکیم و با نیز گویند

بلونک^{۱۱}: شمشیر چوبین و بعضم نیز گویند.

۱۰ قواس م ۱۸۸: کردک و بردرک: افسانه، نزدک و چربک: لغز و چیستان، نیز رجوع کنید:
قواس حاشیه م ۱۸۸.

۱۱ بظا هر مراد فرهنگ قواس است که نزدک بمعنی لغز و چیستان نوشته.

۱۲ از لحاظ این معنی بوک مرکب است از بوک، امیدک، کاششک، کاش، مگر رک: فرهنگ
معین ۱: ۵۹۶ ذیل بو- امید، آرزو،
آقای دکتر معین کلامنا و استشنا قرار داده ۱: ۱۰، ۶۰۵.

۱۳ رک: مویده ۱: ۱۵۲، مدار ۱: ۲۵۶.

۱۴ رک: قواس م ۳۱.

۱۵ رک: قواس م ۴۳.

۱۶ در بحر الفضائل و شرف نامه و مویده ۱: ۱۵۱ بسک با سین ممله است.

۱۷ رک: قواس م ۱۳۷.

۱۸ بلسک و بلشک بهر دو صورت آمده، رک: مویده ۱: ۱۵۱، مدار ۱: ۲۳۹، بریان م ۲۹۷.

۱۹ قواس م ۱۴۰ بلسک: چوب با بزن، اما رک: مویده ۱: ۱۵۱ و مدار ۱: ۲۳۹: سروری:
چوبی باشد که بآن بریان در تنور نهند.

۲۰ رک: مویده ۱: ۱۵۱، مدار ۱: ۲۲۰.

۲۱ که است در اصل: اما در مویده ۱: ۱۵۰، مدار ۱: ۱۸۷، با شین قرشت، و بای فارسی.

۲۲ رک: مدار ۱: ۱۸۷.

۲۳ مدار ۱: ۲۴۳ بلونک و بکونک هر دو به همین معنی دارد.

بنجک^۱: پاغند بزرگ از آن پنبه یعنی گاله.
 باک^۲: التفات یعنی واپس نگرستن.
 بنجشک^۳: کنجشک خانگی که بتازی عصفور گویند.
 بیلک^۴: نیز نیم شکاری.
 بهرک^۵: ربم و گره [کر] در تن افتد.
 بندک^۶: پاغنده.
 بوک^۷: ربوا [ورق ۱۱۰] پارس، پشه باشد که بد آتش زنند و بعضی بیای پارس فاژه^۸
 و بعضی بیای پارس گویند.
 بلک^۹: کنجشک طرفه^{۱۰}
 باسک^{۱۱}: بفتح سین فاژه^{۱۲} و بعضی بیای پارس و فتح و ضم سین گویند.

- ۱- قواسم ۱۸۲: پنجک بندوی گاله را گویند و پاری پاغنده است ازک: ادات الفضلا.
 ۲- موبد ۱: ۱۵۰. باک را بمعنی التفات یا باز پس نگرستن بحواله شرف نامر نوشته. نیز رجوع کنید: مدار ۱: ۲۸۲ (ذیل پاک).
 ۳- ادات بنجشک کنجشک خانگی که عرب آنرا عصفور خوانند؛ نیز رک: صحاح ص ۱۸۶.
 ۴- کذاست در ادات: موبد ۱: ۱۵۳. بیلک پیکان شکاری... این لغت هندی است مستعمل در فارسی؛ مدار ۱: ۲۷۴. بیلک نیزه و نیم شکاری الخ.
 ۵- رک موبد ۱: ۱۵۳، مدار ۱: ۲۶۲، برهان چرک دریم.
 ۶- موبد ۱: ۱۵۲؛ مدار ۱: ۲۴۷. نیز رک: زفان بنجک.
 ۷- ادات بوک گیاهی آبی که نیک نرم بود. در ته حقیق نهند تا زود آتش افتد و خف نیز گویند. کذاست در موبد ۱: ۱۵۳؛ مدار ۱: ۲۵۶.
 ۸- پده بمعنی دشتی که بارش نبود و باضم گیاهی است نرم و سبک الخ (موبد ۱: ۲۲۳) اما در زفان پده بمعنی اول آمده و در اینجا باید معنی دوم که در موبد آمده مراد باشد.
 ۹- این کلمه در اینجا زاید بنظر می آید. ۱۱- کذاست در اصل.
 ۱۰- ادات: کنجشک طرفه، موبد ۱: ۱۵۲. بگفته قنیه این معنی آورده، اما جاگیری ۱۵۹۰، سرمه سلیمانی ۳۴، فرنگ جعفری ۹۷ بلک نوباده و چیزی نو و تازه.
 ۱۱- دستور الاخوان: طرفه چیزی نو.
 ۱۲- قواسم ص ۱۶۰، باسک و آسا فاژه بود، نیز رک: موبد ۱: ۱۵۰.
 ۱۳- زفان: فاژه آسا بود، دمان دره.

برمک: نام مردی.

برک: ستارهٔ سهیل، و ولایتی است که قطب جنوبی آنجا نود می شود، گویند ستارهٔ برک و آن قطب و کرید و بعضی سهیل را گویند.

بهرهٔ کاف

برگ: کاه و ورق درخت و ساختگی و اسباب و توشه.

بشنگ: سوراخ کن سنجار را گویند یعنی نهانی، در و دران بدان سوراخ کنند.

باجنگ: در بچهٔ خرد، بتنگ و پتنگ نیز گویند.

بیناسگ: در بچه.

برنگ: درای یعنی جرس و کلند و ذخیره، و بعضی برنگ که کله است. برای معجزه گویند

و برنگ که ذخیره است بد و منت گویند.

بهرهٔ 'ل'

بشکول: مرد جلد و قوی و سختی کش و حریص بر کار.

بشل: در آویزه.

ل: رک: مدار ۱: ۲۱۰

ل: در موبد: ۱۵۰: معنی برک بحوالهٔ زمان نقل شده: مدار برگ و برگ و برگ هر سه صورت نوشته

(۲۹۶: ۱)، عید بویکی (دوان ص ۱۸۰) (مصرط). نور محیط بسته گرد ستارهٔ برگ.

ل: کذاست در اصل، سرمد سلیمانی ۳۵ برنگ نام ولایتی که قطب جنوبی از آنجا طلوع کند.

ل: در اکثر فرهنگها این معنی دیده نشد؛ رک: موبد: ۱۵۴، فرهنگ معین: ۵۰۸

ل: در اکثر فرهنگها بای فارسی، مثلاً رک: فرس ص ۳۰۰، صحاح ص ۱۹۵، جابگیری ص ۳۷۶،

سرودی ص ۴۴۲ و غیره.

ل: اداست 'نهانی' واژهٔ هندی گفته.

ل: فرس ص ۱۷۴، صحاح ص ۱۹۴، دستور ص ۹۳، موبد: ۲۱۱، و در همه اینها پاچنگ با

بای فارسی.

ل: رک: موبد: ۲۰۸، ۲۱۱. که پتنگ و پتنگ دارد.

ل: رک: قواس ص ۱۲۴، دستور ص ۹۴؛ در اکثر فرهنگها با کاف عربی.

ل: قواس ص ۱۷۵، موبد: ۱۵۴، مدار: ۲۱۲.

ل: قواس ص ۱۶۷.

ل: کذاست در موبد: ۱۵۷، اما قواس ص ۱۰۷؛ بشل جلد و در آویز، نیز رک مدار: ۲۲۵.

بجالت: انگشت افروخته.

بال: بازوی آدمی و شهر مرغان.

بشول: دیدن و دانستن.

بشکل: کزک کلبیدان.

بیل: آن چوبی که بدان کشتی رانند یا کلوخهای کشت بکشند، و آلتی است مانند میتن

سرپین و دسته او راست است، هینته بیل کشتی.

بل: یعنی بیل یعنی بگذار.

بلکل: آب شیر گرم، و بعضی بلکل بدو کات گویند.

بهره ام

با قدم: عاقبت کار.

دار ۱: ۱۸۶، بجالت انگشت افروخته و در ادات بجالت. مویده ۱: ۱۵۶: بجالت (واژه از چاپخانه)

باجیم فارسی و عربی بهین معنی.

کذاست در مویده ۱: ۱۵۷ و دار ۱: ۲۳۶: اما بشول امر است از مصدر بتولیدن و معنی آن بهین و

بدان باشد، چنانکه در جاگیری ص ۲۵۰ است. بدین میت شاید:

زرد گشت از فراق فقر بشول: روی سرخ من ای سیاهمه دل: در صحاح ۲۳۴۴ بتولیدن معنی بیاد

مویده ۱: ۱۵۷، فرهنگ معین ۱: ۵۳۲: بشکل کجک کلبیدان، دار ۱: ۲۳۶: کزک کلبیدان

رک: مویده ۱: ۱۵۷.

زفان: میتن کلند و آن تبری است که بدان چاهها و زمین کنند، و بیل را نیز میتن گویند.

کذاست در اصل، ممکنست بیل باشد.

رک: مویده ۱: ۱۵۷، دار ۱: ۲۳۶: بل مخفف بیل است (جغیری)، و در بیل بای زمین است

کلله اصل از مصدر بلبیدن است. پس بل را تحت حرف ب آوردن بر نقص ترتیب دلالت

می کند.

رک: ادات، مویده ۱: ۱۵۷، دار ۱: ۲۳۲.

فواصص ص ۲۳ همین صورت را دارد، نیز رک: دار ۱: ۲۳۲، سرودی ص ۱۶۰، رشیدی ص ۳۷

صحاح ص ۲۱۶: با قدم عاقبت کار، رودکی:

همچنان سسرد که دخت خو بروی: بهم بسان گرد بردارد از وی

گرچه هر روز اندکی بردارد و کش: با قدم روزی بسپایان آردش

نیز رک: مویده ۱: ۱۵۸، دار ۱: ۱۷۵.

بادرم^۱: بسوده و از کار بازمانده باشد.
 بهرام^۲: مرغ و روزی از ماه پارسیمان، گویند بیستم روز از ماه.
 بلغم^۳: فلاخن.
 بوم^۴: که شب بیند و روز کور باشد، و زمین نارائده از بنیاد.
 بزم^۵: که مهمانی و مجلس شادی و شراب.
 بستر^۶: دمیدگی اندام.
 بخم^۷: نام دلائی است که آنجا مشک شود.
 بشتالم^۸: دمیدگی.
 بام^۹: بامداد، و بالای سقف.
 بدرام^{۱۰}: همیشه.

-
- ۱ صحاح ص ۲۱۶ بادریم چون بسوده کار الخ.
 ۲ نسخ اصل: کارباده؛ متن مطابق مویده: ۱۵۸، دار: ۱: ۱۶۳.
 ۳ رک: صحاح ص ۲۱۷، مویده: ۱۶۰، دار: ۱: ۲۶۱.
 ۴ رک: قوأس ص ۳۱، مویده: ۱۶۰، دار: ۱: ۲۳۸؛ سروری ص ۱۷۲، رشیدی ص ۲۷۸ بدین
 بیت شایه: گلک بانان او نهند از قدر ین مهر و مهر را چو سنگ در بلغم
 ۵ دو کلمه در اصل ناخوانا (جاس نشانه؟) رک: قوأس ص ۳۳، دار: ۱: ۲۵۷.
 ۶ این کلمات در قوأس و دار یافته نمی شود. رک: مویده: ۱۶۰، دار: ۱: ۲۴۹.
 ۷ مویده: ۱۶۰، دار: ۱: ۲۲۰ بستریم و بستریم هر دو.
 ۸ که است در مویده: ۱۵۸، دار: ۱: ۱۹۴، اما واضحاً این ولایت معروف نیست.
 ۹ رک: قوأس ص ۱۹۱.
 ۱۰ رک: مویده: ۱۵۹، دار: ۱: ۱۷۹: بام بامداد و بالای سقف و رود سطرکه بتازی بم خوانند.
 ۱۱ مویده: ۱۵۹: بدرام آراسته و خرم و با آسایش و جای آرام ... و در زنان گویا یعنی همیشه
 مرقوم است، نیز رک: دار: ۱۹۴ بدرام بمعنی بدخوی و بد مهر و بیای پاری آراسته و
 خرم الخ، و خود در زنان ذیل پ بدرام بمعنی آراسته و خرم نوشته، صحاح ص ۲۱۶
 بدرام و بدرام هر دو معنی آراسته و خرم آورده، عنصری:
 چرا بگریه زار ارنه غمگست غمام
 گریستنش چه باید که شد جهان بدرام

بم لث: رود ستر و بانگ بلند.

بهره 'ن'

برمایون لث: نام گا و اسنریه دن و آترا برمایه هم گویند.
برمگان لث: موسی زمار.

بهرمن لث: آفتاب در دلو که آترا بهمن ماه گویند، و نام پادشاه که پسر اسفندیار بود، و نام گیاه که آترا بهمن چینی گویند و آن دو گونه است، سپید و لعل، بهندی اسکندر ورق و ادا گویند، زنان و مردان بخت قوت و فریبی بخورند. و در اندام مانده، و نیز بهمن دوم روز از ماه را گویند.

بنوان لث: خرمن بان یعنی نگهبان خرمن، و بفتح با نیز گویند.

برزن لث: کوچو یعنی کوچ و محلت و صحرا نیز.

بکوجان لث: خرشته، و بودا عربی نیز گویند و بعضی بفتح 'با' گویند.

لث: موبد ۱: ۱۵۸، مدار ۱: ۲۳۴، بم راعی دانسته: اما صحاح ص ۲۱۶ این کلمه را دارد و حال آنکه این فرهنگ فارسی است.

لث: مدار: رود سطر رباب، موبد رباب ندارد. لث: مدار: بهمن یعنی بکواله پنج بخشی (زخان) نوشته.

لث: رک: موبد ۱: ۱۶۷-۱۸۰، مدار ۱: ۲۱۰، رک: موبد ایضا، مدار ایضا.

لث: رک: موبد ۱: ۱۷۲، مدار ۱: ۲۶۴، صحاح ص ۲۳۴ یعنی گل و پسر اسفندیار و ماه یازدهم آورده.

لث: نسخ: اصل: اسپندیار، این کلمه هندی در موبد و مدار یافته می شود.

لث: مدار: بنم روز از ماه، و پس ازان علاوه نموده: در ابراهیمی دوم روز از ماه و تحقیق همانست چنانکه در قطعه موقوف زیر آورده آمده.

لث: قواسم ص ۵۶، دستور ص ۸۸، بنو: خرمن، بنوان: خرمن بان.

لث: در اکثر فرهنگها یعنی کوچ و محلت آمده، مثلاً رک: قواسم ص ۱۲۱، صحاح ص ۲۳۳، اما در

موبد ۱: ۱۶۶ برزن بکواله رساله النصیر یعنی صحرا و در مدار بدون حواله بدین معنی نیز آمده.

لث: درباره قرائت این واژه اختلاف است: قواسم ص ۱۳۳ بکوجان قی در متن است، دستور

ص ۸۱: بکوجان در موبد بکواله این فرهنگ همین صورت درج شده، و در ادات الفضلا:

بکوجان اما در موبد بکواله این فرهنگ بکوجان، بحر الفضائل: بکوجان: موبد ۱:

۱۶۹ بکوجان: خرشته گذاشتن نام، و در سان لشعرا و ادات الفضلا با غای مجر و

در دستور بکوجان الح: مدار ۱: ۲۳۴، ۲۳۵: بکوجان و بکوجان بهمن خرشته.

بابزن: گردنابی بریان کرده باشد یعنی سیخ کباب آهینین.

برغان: اثر در یعنی مار بزرگ.

بیشن: نام پسر کهنه و.

بریون: در دکه پوست را آورده کنند، و بعضی شبای پارسی گویند.

باستان: کهن و قدیم.

بخشان: گدازان.

سبین: تو انگری و یافت.

بتکن: سرباز زدن از خوان از غایت سیری و در فرنگ آمده است، بتکن نوعی از ساز

له زفان: گردنا بابزن را گویند یعنی سیخ کباب رک: سررسلیمانی ۲۱۴.

له این واژه در فرهنگهای قدیم مانند قواس و صحاح و دستور و بحر الفصائل شامل نیست؛ اما در مویده ۱: ۱۶۷ و مدار ۱: ۲۰۷ و جهانگیری ۸۵۶ همین معنی یافت می شود.

له این غلط است؛ بیشن پسر گویو خاها زاده رستم که عاشق فیشه دختر افراسیاب بود، داستان بیشن و فیشه یکی از مشهورترین داستانهای شاهنامه است. رک: فرهنگ معین ج ۵ ص ۳۱۰؛ در مویده ۱: ۱۷۲ و مدار ۱: ۲۷۲ نیز بیشن پسر گویو قرار داده شده.

له در مویده ۱: ۱۶۸ و مدار صیغه همین معنی آمده. و سحراللسان الشعرا متبادل لغت هندی داد، نوشته و در جهانگیری متبادل عربی قوبا و هندی داد درج است (ص ۸۷).

له رک: مدار ۱: ۲۱۶. اسم حاله از بخسیدن بمعنی گدازیدن و گدازیدن، رک: صحاح ص ۲۳۳ که بدین بیت عنفری تمسک جست:

ای ترک بخرمت سلمانی: کم بیش بود با یحسانی

رک: مویده ۱: ۱۶۶، مدار ۱: ۱۹۱. در زفان گویا بخسیدن و بخسانیدن بمعنی گدازیدن آمده است.

له در اصل معنی اش: خوب، نیکو، برگزیده، برگزیده ترین است، رک: فرهنگ معین ۱: ۶۱۵؛ اما در مویده ۱: ۱۷۲، بمعنی تو انگری و یافتن و نیز انتخاب و بهترین، و در مدار ۱: ۲۶۶ بمعنی تو انگری و یافت، همتری آمده.

له رک: مویده ۱: ۱۶۴، مدار ۱: ۱۸۴؛ در مویده بتکنان و بتکنیدن، بمعنی سرباز زدن از خوردن بسیار کذا فی زفان گویا و در شرفیاء بدین معنی بتکن مذکور است. و بتکن امریاز زدن از خوردن سخت از بسبب غایت سیری الخ. در اصل بتکن باید امر باشد از مصدر بتکنیدن یا بتکنیدن، یا ممکن است اسم مصدر نیز باشد زیرا که زفان معنی مصدری بیان کرده است؛ در زفان بتکنیدن بمعنی سرباز زدن از خوردن آمده و نیز بتکنیدن. ه معلوم نیست که ام فرنگ است، ظاهراً فرنگ

قواس مراد نیست زیرا درین فرنگ این واژه شامل نیست. اما در مویده ۱: ۱۶۵ بتکن بمعنی آمده،

نیز رک: مدار ۱: ۱۸۴.

بر زگری است یعنی تختۀ پارس که پندوی بروته گویند، صبح آنست که نیکن مال است و نیز بکاف پاری و مکسور گویند.

بوکان: زاهدان.

بلکن: سردیوار.

بروسان: گروهها [ی] آدمیان.

بوسن: زلزله.

برریان: نام قبای رستم دستان است و گویند برریان دیبائی نقشش که هر زمان رنگی دیگر نماید، در روم بافند، و فردوسی گوید خفتان رستم یعنی جشن رستم که پلنگوشت بود.

یزمان: درم یعنی نگین و اندوگمین و آرزومند و ببا و زای پارسی هم گویند و بعضی یکی ازین دو عربی و یکی پارسی گویند.

بریزن: غریال. بازبان: طایفه اند و ایشان را ترکمان نیز گویند.

له نسخۃ اصل: زهدان اما موبد ۱: ۱۷۱: بوکان زاهدان یعنی جسم.

له رک: موبد ۱: ۱۶۹، ادوات: بلکن باکاف فارسی سردیوار.

له این کلمه بصورت های مختلف آمده، مانند برسان، بروسان، برروشان، پردوشان، بردوشان و غیره؛ اما اصلش کلمه پهلوی "درویشیک" Warwishnik، جمع Warwishnikan یعنی مومنان، صورت قدیم این کلمه در فارسی بردوشنان Berawishnan جمع Berawishn است که در شرح دقیق آمده:

شعیب باش بر شمرادین زلت: چه مصطفی برادراد بر دروشنان را کلمه پهلوی بردی سکه ای که در دارابگرد فارس بنام عبدالله زبیر در سال ۶۵ هجری ضرب شده بود به این صورت موجود است: 'Apdula Amir Warwishnikan' رک: دکتر سمین حاشیه بر همان قاطع، وزیر حائیه دار: ۳۰۰-۳۰۱، این کلمه بصورت جمع در فرهنگها آمده است.

له این کلمه بصورت بومین و بوسین بهمین معنی آمده؛ رک: صحاح ص ۲۳۴. اما در موبد بوسین را خطا کاتب شمرده ۱: ۱۷۱، این قیاس از اعتبار ساقط است.

له رک: موبد ۱: ۱۶۴

له رک: فرهنگ معین ۱: ۸۱۰ که پلگین دارد.

له موبد ۱: ۱۶۸ یزمان محمود و نگین: مدار ۱: ۳۰۵ پزمان: نگین و اندوه زده و محمود و آرزومند؛ جو آس ص ۹۵: پزمان و درم: محمود بود؛ اما صحاح ص ۲۳۷ پزمان یعنی نگین آمده.

له رک: موبد ۱: ۱۶۸؛ اما صورت متداول پرویزن است.

له کذاست در شرقا و موبد ۱: ۱۶۳ و مدار ۱: ۱۷۲؛ اما این اطلاع ناقص است.

برشجان: نام مقامیت میان ایران و توران.
 بنجران: نام ولایت است.
 بارمان: نام مردی از پهلوانان.
 بشیون: سمین یعنی فربه.
 برین: بزرگ و بالاترین.
 بکتوشن: نام مردی.
 بی آبان: طایفه‌ای که اعتبار ندارند.

له این تصنیف برسخان است و این برسخان یکی از شهرهای خطایع است. چنانچه در حدود
 الم طمس کابل، ص ۳۸۳ آمده:

برسخان شهریت بر کران دریا آبادان و بانعت و دهقان از غلغ است الخ.
 در زین الاخبار گردیزی نیز یاد داشت جداگانه در باره این شهر وجود دارد (ص ۲۶۵-۲۶۶).
 بقول محبم البلدان قریه است از بخارا بدو فرسنگی از آن. در هر حال توضیحی که درباره این
 شهر در فرنگها مانند مویه ۱: ۱۶۷، مدار ۱: ۲۰۶ و غیره که بدون تحقیق از یکدیگر نقل کرده،
 اعتبار را نشاید.

له بنجران که در متن است تصنیف بنجران و این بنجران تصنیف بنجران است. بنجران یکی از جمهوری
 های قفقازیه در جنوب شرقی مجاور رود ارکس، از جنوب به ایران و از شمال غرب به ارمنستان
 محدود است و اکنون جزئی از آذربایجان شوروی است، پایتخت آن شهر بنجران و از شهرهای
 قدیمی قفقازیه است. بنجران و بنجران نیز گفته می‌شود (معین ۶: ۲۱۱۱)، فرنگ صحاح الفرس که یکی
 از فرنگهای قدیم فارسی است و مولف آن محمد بن حسن و شاه بنجرانی بوده. رک: مویه ۱: ۱۶۵؛
 مدار ۱: ۱۹۱؛ نام این جای را بنجران بخواره زفان نوشته بهمین علت باید بنجران را تصنیف دانست.
 رک: مویه ۱: ۱۶۳.

له مویه ۱: ۱۶۹، مدار ۱: ۲۲۷ بشیون بروزن افیون: فربه.

له رک: مدار ۱: ۲۱۵.

له مویه ۱: ۱۶۹ بخواره زفان بکتوشن و مدار ۱: ۲۳۴ بخواره پنج بخشی (زفان) بکتوشن
 دارد؛ مدار اصلاً بکتوشان دارد، و بهین صورت در سرمد سیستانی و جعفری وجود دارد.

له گذاشت در ادات الفضل؛ اما در نسخ اصل و مدار: سیابان،
 مویه: سیابانان.

له بهین عبارت عیناً در ادات یافته می‌شود.

بون : تاپدان که بتازی رحم گویند و گردپی گویند روده گو سپندان آنک جای سرگین بود.
 بان : دارنده و صاحب چیزی در محافظت و غنایاری ، در آخر کلمه پیوند و گویند سیل بان و سگبان
 و باداو نیز بدل کنند و گویند سیلوان ، چنانک بک و [ناک] و زار و سار و ستان
 و مند و گرد و در ، گویند دابک و رستانک و گلزار و شاخار و گلستان و خردمند
 (ورق ۱۱۸) و کمانگر و سرور و دلاور ، و همچنین [علامت] فاعل در آخر اسم فعل بیفتد
 [رنگ ریز] رنگ ریزنده ، کفش دوز کفش دوزنده .
 بهره 'واو'

بنو : خرم ، بضم و فتح با .
 بتو : فتح و آن رومن ریز است یعنی دبه و گلابدان ، بدان گلاب در آوند کنند و آنچه
 بطریق قبه بر سر چیزی باشد خنخ بر سر تازیانه و عصا و بر بادبجان و آنچه مانند آن
 باشد و بکسر با نیز گویند .
 بر موه : انتظار .
 بانو : عروس خانه آزا که ترکی خاتون گویند .
 بالو : زنج و بعضی بیای پارس گویند .

-
۱. مدار : ۲۵۷ بون روده گو سپند جای سرگین ، نیز رک : مویده : ۱۷۱ .
 ۲. نسخه اصل : ردد .
 ۳. اصل : جای ندارد ، رک مدار .
 ۴. صحاح : ۲۳۲ ، مویده : ۱۳۴ .
 ۵. نسخه اصل : سیل بان .
 ۶. گذاشت در اصل .
 ۷. گذاشت در قواسم ص ۵۹ ، دستور ص ۸۸ ، ادات : بنو و بنوه هر دو همین معنی .
 ۸. رک : مویده : ۱۷۵ ، مدار : ۱۸۵ ، معین : ۴۷۲ بتوسنگ درازی که بدان
 دارو با سبند ، مطع ، قیف ، قبه و گوی سرعصا و قهی . اما فتح بمعنی لوله مخروطی که بدان
 وسیله مایعات را از ظرف تنگ دانه داخل کنند (معین : ۲۷۲۸) ، گویا در زفتان
 از سمی که معین دارد فقط دو معنی آمده .
 ۹. مویده : ۱۷۵ ، مدار : ۲۱۰ .
 ۱۰. رک : مویده : ۱۷۵ ، مدار : ۱۸۰ .
 ۱۱. ایضا
 ۱۲. رک : مویده : ۴۵۱ .

بهره 'ه'

بروازه: خوردنی باشد که بعد از رفتن قومی برند، آتشش که پیش عروس السندوزند.
بروازه: رمی که برای در آمد در خانه بغیر در بود و حجره بالاترین حجره دیگر داین را
برباره نیز گویند.

بیل: زمین شکسته [میان] دوشاخ آب رودبار و بیای فارسی نیز گویند.

بخنوخ: برق و بضم با و نون نیز گویند.

باشامه: سرپوشش چون دامنی و چادر.

بلاده: فاسدکار.

بلایه: نابکار و دشنام ده.

بسفده: سازواری و مرد ساخته شده.

له رک: صحاح ۱۲۶۷، مویه: ۱۸۱، هار: ۲۹۸ (ذیل پروازه)؛ اما در فرهنگ معین: ۱: ۵۱۵ پروازه، ۱:
۷۵۹ پروازه، سر و سلیمان: ۵۶: پروازه.

له این واژه بشکلی مختلف آمده است مانند برباره، بروار، برداره، فروار، پروار،
پرواره، پر بال، پر باله، فربال، فرباله، فرواره و غیره رک: فرهنگ معین: ۱: ۷۵۹،
نواس ص ۱۲۲ برباره، برداره، فرواز سه صورت دارد. در زبان 'درواره' بمعنی غزل
آمده و آن نیز از همین ریشه.

له مویه: ۱: ۱۸۱: پروازه بمعنی باخته معنی را بی که بغیر راه متعارف در آمدن خانه بود که انی ترغیبه
و در لسان الشرا ذکر است بمعنی حجره بالاترین الخ، نیز رک: جهانگیری ص ۸۶۶.

له ادات، مویه: ۱: ۱۸۵.

له رک: ایضا ص ۲۲۷.

له در باره تلفظ و معنی این واژه اختلاف بسیار است، رک: نواس ص ۲۰ متن و حاشیه؛
نیز رک: زبان ذیل بنموز.

له رک: مویه: ۱: ۱۷۳، مویه: ۱: ۱۸۲، معین: ۱: ۵۶۳.

له صحاح ص ۲۶۶: بلایه زنی نابکار و دشنام ده؛ همین عبارت عیناً بعلامه متن در مویه
۱: ۱۸۲، هار: ۲۳۶ یا فرمی شود. و ازین جهت واضح است که اکثر فرهنگ نویسندگان نقل
انده محقق. مویه و مدار بجای بلایه دارد؛ نیز رک: جهانگیری: ۲: ۵۸۷ و معنی مع این
شاید آورده است.

له فرس: ۴۵۸، صحاح: ۲۶۸، بسفده ساخته شده؛ نواس ص ۱۰۸، مویه: ۱: ۱۸۱، هار: ۲۲۱، بسفده بمعنی

سیخته^{۱۵} : در مانده.

بنه^{۱۶} : اتباع و رخت خانه را گویند چنانکه بنگاه یعنی جای رخت و بنده خانه دار.
بنفشه^{۱۷} : رستینه است ، سبز خوشبوی و خم دار ، بر کوع و سجود و گوش و چشم نبت کنند ،
و بدو تازی و کبودی نیز گویند گلی [کبود] رنگ .

باسره^{۱۸} : زمین کشت زار .

بابونه^{۱۹} : شکوفه ، هندوی کونپله گویند و بتازی بابونج .

بزرگم^{۲۰} : آسپه شاخ بر دافکند .

باره^{۲۱} : اسب و مشهور شده و حجره و حجره بالا .

بله^{۲۲} : دراز [ریش] .

برنجیده^{۲۳} : فرزند عاق .

۱۰ صحاح ص ۲۶۶ : بخت در مانده ، نیز رک : موبد ۱ : ۱۸۴ ، مدار ۱ : ۲۶۹ .

۱۱ رک : مدار ۱ : ۲۵۰ .

۱۲ کذاست در نسخه اصل ، اما رک : ادوات و مدار . ادوات بمنعنی اتباع و رخت خانه .

۱۳ موبد ۱ : ۱۸۳ بنگاه و بنگه آنها که رخت نهند .

۱۴ موبد ۱ : ۱۳۵ بنده یعنی رخت خانه .

۱۵ نسخه اصل : عم دار .

۱۶ رک : موبد .

۱۷ تصحیح قیاسی .

۱۸ رک : قواسم ص ۲۸ ، موبد ۱ : ۱۷۸ ؛ مدار ۱ : ۱۷۳ ؛ قواسم و مدار بیت زیر بعنوان شاهد :

گفتی بدو سه بار مرا باسره کارید ؛ این باسره بازی نه همی زود بکشنی

۱۹ رک : موبد ۱ : ۱۷۷ .

۲۰ نسخه اصل : بره ، اما رک : قواسم ص ۵۳ .

۲۱ عیناً همین عبارت در قواسم آمده ؛ نیز رک : دستور ص ۸۸ ، مدار ۱ : ۱۸۱ .

۲۲ رک : دستور ص ۹۲ ، موبد ۱ : ۱۷۸ .

۲۳ دستور ص ۹۰ ، مدار ۱ : ۱۸۳ ، سرمد سلیمانی ۴۴ .

۲۴ زفان و بحسب الفضائل : مخجیده و برنجیده هر دو بمعنی فرزند عاق ولی فرمان ؛ حتی در زفان
برنجیدن بمعنی بی فرمانی نمودن ، و مخجیدن بمعنی خزدیدن و صحاح ص ۹۳ مخجیده بمعنی خسبیده . قواس
ص ۹۹ مخجیده فرزند عاق ولی فرمان و مخجیده بمعنی خزنده (ص ۹۹) ؛ رک : قواسم ص ۹۹ ح .

باخره: برادره، آنک از غیر راه جای در آمدن بود، بیای پارسا نیز گویند.
[بزیشت]: کنج آرد کرده و گویند گنجاره، بیای پارسا گویند.

بوره: بشکریه.

بندیکه: گویند گریبان، بندم نیز گویند.

بیلده: بیای عربی ریم که از خون [پیدا] شود و بعضی بیای پارسا گویند.

بازه: چوب دستی.

بخیده: پنبه دیشم زده و از هم جدا کرده.

بوزمه: گیاهی است خوشبوی

بشنجه: مال آمار یعنی کوچ، و فصح ششین نیز گویند.

س نواس ص ۱۲۲ باخر را مترادف برادره و بر باره یعنی حجره بالا آورده بدین دو بیت شایه:

یکی است کده دیده ساده رنگ : چل باخره سر یکی بیست رنگ

بهر باخره بر چیل لاد نیز : ز جع و رح نام و ز هر گونه چیز

س رک: مویده ۱: ۱۷۷، مدار ۱: ۱۵۹. راه غیر در برای آمدن خانه بود.

س رک: مویده ۱: ۲۲۱.

س مویده: بزیشت باضم کنج آرد کرده و قبل حرف کیم فارسی کذا فی اشرف امر، و در زبان گویا یعنی گنجاره و در ادات کنج آرد کرده یعنی گنجاره.

س در مویده ۱: ۱۸۳ این معنی بحواله لسان الشعرا آمده.

س نسخه اصل: بندغه: اما در ادات و مویده ۱: ۱۸۲، مدار ۱: ۲۳۸ بندید یعنی گویند گریبان آرد.

س نیز رک: فرهنگ معین ۱: ۵۸۹.

س رک: مویده و مدار، اما در فرهنگ معین و سرمد سلیمانی بندم، بندید و بندینه هر سه صورت آمده است.

س رک: مویده ۱: ۱۸۵، مدار ۱: ۲۷۳، بیل و پیل.

س ادات: پیل باباء فارسی ریم و کرم افریشم الخ، بیل باباء فارسی زمین کشاده و خشک که در میان دو شاخ لب آب بود الخ.

س مویده ۱: ۱۷۸.

س برای همین معنی رک: نواس ص ۱۸۲، مویده ۱: ۱۷۹.

س رک: ادات، و مدار ۱: ۲۵۳.

س ادات: بشنجه مال آمار؛ مدار ۱: ۳۱۰: پشنجه مال آمار یعنی کوچ جولا و فصح ششین

مجموعه.

زنده: مرد با آهستگی، و بفتح با و واو نیز آمده.
رکنه: ذریه که از خوشبوئی است [درق ۱۹] بر عطاران. و بکاف پارسی نیز آمده
است و بکسر باگفته اند.

ره: بجه گو سپند.
ویه: آرزو میشد و گویند آرزو مندی.
نیاره: بلا و فتنه و محنت و چیزی که دشمن دارند.
لوانه: مرغی است مقدار کجشک، سپید و سیاه و کوتاه پای، بر درخت و دیوانشین
و اگر بر زمین نشیند بدشواری پرد.
سته: مرغی نقش، آنک عطاران مشک درو بندند.
سوده: دست زده را گویند.

- له مدار ۱: ۲۵۸ بوند، بونده: مرد با آهستگی، با و واو هر دو بفتح، نیز رک: ادات و سدید
۱: ۱۸۳، جهانگیری ۱۹۳۶ بوند مرد آهسته، جعفری ۱۱۲ مرد باهستی.
- له تواس ص ۱۸۶: برکنه: ذریه، رک: مدار ۱: ۲۹۶، مویه ۱: ۱۸۰: برکنه با بفتح و الکسر:
ذریه (مدوره غلط چاپی)، آن عطریات است، و قبل با کاف فارسی، و ایضا با باء فارسی
... و این صحیح است که انی الشرفنامه و در لسان الشعرا برکنه بوزن سلسله ذریه (دایره غلط چاپی)
له نسخه اصل: ذریه ۵: اما رک: فرهنگ معین ۲: ۱۶۰۹: ذریه ۱- داروی خشک، ۲- نوعی
بوی خوش، عطر. مویه ۱: ۱۸۱.
- له ادات: بویه با و واو فارسی آرزو مندی، نیز رک: مویه ۱: ۱۸۳، مدار ۱: ۲۵۹.
این واژه بدین معنی دیده نشده، فقط بمعنی آرزو مندی و طبع آمده است.
- له فرس ص ۳۳۵، پنیاره: بلا باشد و چیزی که دشمن دارند؛ صحاح ۲۶۵ پنیاره: بلا باشد و
چیزیکه الخ؛ تواس ص ۱۰۸: پنیازه، فتنه و بلا، اما در ادات: بیناره (یا مقدم تا) بمعنی معنی.
له فرس ص ۴۰، صحاح ص ۲۴۰، بحر الفضائل: بالوانه کذاست در قن: اما تواس ص ۶۱:
بالوایه؛ دستور ص ۸۹، مویه ۱: ۱۷۸: پالوایه، ۲۲۳۱۱ پالوانه و بالوانه، مدار ۱: ۱۷۸، ۱۸۴،
سروری ص ۲۶۰، بالوانه، پالوانه، پالوایه بشکلی مختلف آورده؛ مویه ۱: ۲۲۲، پالوانه و
پالونه؛ در ادات است پالوانه بابای فارسی مرغیست سیاه و سفید مقدار کجشک کوتاه پای الخ.
مویه ۱: ۱۸۱، مدار ۱: ۲۳۰.
- له رک: مویه ۱: ۱۸۲، مدار ۱: ۲۲۲؛ زفتان مصدر بسودن را بمعنی دست زدن
نوشته.

برسه: نام دارویی است، بتازی اکیلل الملک خوانند.

بریزه: نام دارویی است.

برزه: زمین پشته، و میوه ایست خوشبوی که مزه دارد، و بسند دی به شکل گویند، و خر برزه از اینجا گویند یعنی برزه کلان.

بادامه: جامه ایست که پیرکالهای خرد خرد میدوزند و خرقمی سازند.

برمه: سوراخ کن درودگران.

بخته: میش، و چیزی پوست باز کرده.

بیشه: دشت و بیستان و چنگ و سازبست چون چنگ.

بسجیده: ساخته.

باده: شراب.

۱ اصل: بسنه اما رک: موبد ۱: ۱۸۲، مدار ۱: ۲۲۲، بسنه شکل بسک نیز آمده.

۲ رک: موبد ۱: ۱۸۱، مدار ۱: ۲۱۵. ۳ رک: موبد ۱: ۱۸۱، خرنگ معین ۱: ۵۲۳.

۴ قواسم ۳۶، دستور ۱۱۷، موبد ۱: ۳۶۴ این کلمه هندی سزادف خرچوک است، چنانچه خود در همین خرنگ زفان ذیل خرچوک این کلمه هندی آمده است، و در موبد نیز ذیل خرچوک این کلمه هندی بجا از زفان است نیز رک: مدار ۲: ۱۲۶. ۵ نسخه اصل: خر برزه.

۶ موبد ۱: ۱۷۷: بادامه آن خرقه که از پیرکاله های سه گوشه یا چهار گوشه خرد خرد کرده بدوزند الخ؛ مدار ۱: ۱۶۱ بادامه هر برخط و جامه ایست که پیرکاله های خرد خرد میدوزند الخ؛ نیز رک: معین ۱: ۴۳۸.

۷ درودگر بمعنی ستار.

۸ موبد ۱: ۱۷۹: بخته بافتح میش و هر چیزی که پوست باز کرده بود و نیز دنبه منبریه و پرورده، نیز رک: مدار ۱: ۱۹۱.

۹ موبد ۱: ۱۸۴: بیشه... و در زفان گو یا مرقوم است نیز سازبست مثل چنگ و رباب؛ خرنگ معین ۱: ۶۲۸ سازبست از فی که شبانان می نوازند

۱۰ موبد ۱: ۱۸۲: بسجیده سوم و چهارم فارسی، ساخته و قصه کرده؛ نیز رک موبد ۱: ۲۲۳؛ زفان: بسجیدن قصه و آهنگ کردن و آراستن.

۱۱ نسخه اصل: بادره؛ این واژه در هیچک از خرنگها یافت نشد؛ بطن قوی خطای کاتب است.

باحه: جانور است آبی، بسندوی کچوه گویند.

بنه: قمع.

بنوه: غرس.

سهره می

برخی: غذا یعنی آسج بدل جان کسی دهند، و بعضی برای شیشه پوز و نیز برای پارسی گویند.
بفتری: هفت، آنک بافندگان را باشد و آن چوبی است که بهنگام بافتن جامه می زنند.
بارگی: اسب را گویند بعضی گویند اسب بارگیر، و خبگی، گویند روسی بارگی یعنی شاد بازی.
بالای: اسب.
بغی: دفع.

له رک: مویده: ۱۷۷، مدار: ۱: ۱۶۰.

له مویده: کچ، مدار: کچوه.

له که است در اصل: اما کله درست بره است مترادف بتو ص ۷۱ همین فرهنگ.

له که است در ادات و مویده: ۱: ۱۸۳.

له مویده: ۱: ۱۸۸، در مدار: ۱: ۲۰۴ و جهانگیری ۸۳۸ این بیت سده نقل است:

همی رفتی و دیدما در پیش: دل دوستان کرده جان خویش

له اصل: بمعبره: اما رک: مویده: ۱: ۱۸۸.

له تو اسس ص ۱۸۳: بفتری هفت، رک: مویده: ۱: ۱۸۹ و درین ضمن قول زلفان گویا موجود است.

له زلفان: هفت بفتری یعنی کارگاه بافنده و مخسر تو اسس گوید هفت چوبی است که در بافتن بر جامه زنند. اما این توضیح در نسخ چابی تو اسس یافت نمی شود.

له مویده: ۱: ۱۸۷: بارگی یعنی اسب آمده و بعضی گویند که اسب بارگیر، و نیز روسی و خبگی را گویند و این هر دو معنی اخیر از زلفان گویاست.

له نسخ: اصل: محنگی؟ واژه بارگی یعنی خبگی آمده رک: مویده: ۱: ۲۲۴، مدار: ۱: ۲۸۰، فرهنگ معین: ۱: ۶۵۵.

له نسخ: اصل: است. متن تصحیح قیاسی: برای بالای یعنی اسب رک: تو اسس ص ۷۲.

له مدار: ۱: ۲۷۴ یعنی دفع.

گونهء [۲۰] پ

بهرهء ۱۱

پروا : پرداز و فراغت و قصد و پرداخت و پرورش ، و بعضی بائى عربى گویند.

بهرهء ۱۲

پشکوب : چاشنى که از شیر و جفرا مى سازند و دران جوز مغز نیز اندازند ، ترشتر مى باشد ، و گویند طعامى است که [از] گوز مغز و سیر و ماست مى کنند.

بهرهء ۱۳

پلشت : پلید ، و بعضی بفتح لام گویند.

پردخت : فراغ ، گویى مختصر پرداخت .

پخت : کج را گویند یعنى لگد زدن .

پست : کوتاه ، و چیزى بود بازین [پست] کنند.

له مویده ۱ : ۱۹۱ این معنی بحواله لسان الشعر نوشته .

له در مویده این سه معنی اخیر بگفتن زفان آورده ، و حال آنکه این فرهنگ شامل پنج واژه است که بعنوان معنی پروا آمده نیز رک : مدار ۱ : ۲۹۸ .

له در مویده و مدار بیاء فارسى است .

له قواسم ص ۱۴۷ ، صحاح ص ۳۵ ، سردى ص ۱۱۹ ، جانیگیرى ص ۴۱ ، رشیدی ص ۴۳ برهان ص ۲۳۴ : پشکوب : مدار ۱ : ۲۸۹ ، مویده ۱ : ۱۹۳ پشکوب .

له کذاست در قواسم و مویده و مدار : اما در فرس و جانیگیری و رشیدی و برهان : ریچار صحاح : ریچار ، و ریچار طعامى است که از جفرا پزند (مویده)

له در مدار ۱ : ۳۱۲ پلشت بعضی پلید با این بیت شاعر :

بادلى پاک مرا جاسه ناپاک رواست . مدبران را که دل و جاسه پلست و پلشت

له مویده ۱ : ۱۹۴ .

له مویده ۱ : ۱۹۳ : پخت باضم پخش را گویند یعنى لگد زدن کذا فی زفان گو با . ۱ درسخه حاضر بجای پخش کج است . و کج بمعنی لگد زدن رک : زفان ذیل را (جیم عربی)

له مویده ۱ : ۱۹۴ ... و چیزى که بازین برابر بود و نشیب الخ .

له در اصل : ناخوانا .

بهره 'ج'

پازاچ: دایه، و در نسخه ای باجمیم پارس دزای محمد یعنی پازاچ و این درست تر است.

بهره 'ج'

پنج: پنجش یعنی هر چه پس شود بر زمین چون میوه پخت که پای بردنند، گویند: پنج شد.

بهره 'خ'

پاسخ: جواب.

پنج: آبی غلیظ باشد که بر مره چشم پدید آید، و پخیال نیز گویند.

بهره 'د'

پازند: کتاب مغالست و اسدی گوید: صف ابراهیم علیه السلام، و گویند آن تفسیر زند است.

پژاوند: بازای پارس، چوبی که پس در انقضد تا کسی باز کردن نتواند.

له رک: قواسم ص ۸۵ متن حاشیه: در مویده ۱: ۱۹۵ ذیل پازاچ زیر قول زخان اعتقاد نموده و در باره قزاقهای مختلف بحث کرده.

له رک: مویده ۱: ۱۹۵

له رک: مویده این معنی بحواله لسان الشعر است.

له رک: مویده ۱: ۱۹۶، مدار ۱: ۳۲۶.

له مدار ایضا

له صحاح ۷۴: پازند اصل کتاب صف ابراهیم علیه السلام است و ابستا گزارش آن یعنی تفسیرش.

له فرس: پازند اصل کتاب است و ابستا گزارش: قواسم ص ۱۲: زند و پازند کتاب میخان

است و ابستا نیز گویند. مؤرخان و فرهنگ نویسان در باره زند، پازند، اوستا حتی زردشت

اطلاعات ناقص دارند. اوستا [ایستا، استا] کتاب زردشت است، و زبان مخصوص

زبان اوستایی، و زند گزارش و ترجمه آن بر زبان پهلوی بخط پهلوی باهروار شها، و پازند همان

زند است بخط اوستایی که از بهروار شها پاک است. در پازند لغات آرا می بلغات ایرانی

تبدیل شده، و جای خط پهلوی را خط اوستایی گرفته است:

ای خوانده کتاب زند و پازند: زمین خواندن زند تا کی و چند

(نامشروع)

له رک: قواسم ص ۱۲۷، نیز فرس ص ۸۰، صحاح ص ۷۵: و درین فرهنگ میت زیر

شاهد آمده: بردار دل از دنیا بنشین و بستانه خویش: بر بند در خانه بطنج و به پژاوند

پادشاه: پادشاه که نگهبان گویند، پادشاه یعنی نگهبان بزرگ و جهان‌بان، گویند رمز و گاو ان.
پرنده: گوهر شمشیر و حریر قتی بی نقش.

پودش: ضد تار و خفت.

پندش: غلیو از و نصیحت.

پسند: پسندیده.

پانید: شکر برگ و آن شکر میست که در کستان برگ شکل راست می‌کنند و شکر قلم همان شکر برگ را گویند و آن حلوائی است از آن قد یعنی عصاره چمن شود پانید از اوسازند و بتازی فایند گویند.

پولاد: گوهر آهن.

پزغند: نام درختی است و بعضی بیا و زای عربی گویند.

له موبد ۱: ۱۹۶. پادشاهی پاس و پاسبان و نگهبان و پانیدن باشد؛ فرهنگ معین ۱: ۳۳۶
پادرا از پت پهلوی مستفاد می‌داند که بمعنی حامی و نگهبان باشد؛ گویا واژه پاد اسم فاعل است
نه اسم مصدری.

له پاس از پهلوی pās، بمعنی نگهداری و پاسبان برد می‌آید، فرهنگ معین ۱: ۶۵۷.

له این توضیح درست نیست زیرا پادشاه از کلمه پهلوی پاتخشاه است که معادل آن در فارسی
باستان patkhashāh (فرمانروا) است، رک: فرهنگ معین ۱: ۴۴۸ و لغت نامه حرف پ.
و کلمه شاه در پهلوی شاه است که از کلمه اوستائی خشته و در سانسکت کشته و در فارسی
باستان khushaya ya است. کلمه کشتی، از همان ریشه آمده.

له رک: مدار ۱: ۲۷۸، درین فرهنگ در آئینه این واژه آمده: و در پنج بخشی است که می‌توان
بذل معجزه گویند؛ اما این اشاره در زفان (= پنج بخشی) در ذیل باد است نه پاد؛
گو حق اینست که قبلاً در باد و پاد امثال این کلمه حرف آخر ذال معجزه بود نه دال مملد.

له رک: موبد ۱: ۱۹۷.

له رک: بود در همین فرهنگ و موبد ۱: ۱۹۸.

له خف رکوی نیم سوخته که زیر چمن نهندش تا آتش زود گیرد و نیز گویا هست نرم که
زیر چمن نهند (موبد ۱: ۳۶۲)؛ نیز رک زفان گویا ذیل حرف خج؛

له رک: خزس ص ۹۲، قواس ص ۵۹، صحاح ص ۷۹؛ پند غلیو از.

له زفان: غلیو از یعنی مرغ گمشد ربای.

له رک: موبد ۱: ۱۹۸.

له در موبد ۱: ۱۹۷، این توضیح بکواله قفیه و زفان گویا آمده.

له رک: موبد ۱: ۱۹۷.

پرمود: جامه‌ای که از نقش آتش رنگ زرد نماید و هر چه نزدیک سوختن رسد زرد گردد و بعضی بپای عربی گویند.

بهره 'ر'

پسند: پسر زن.

پیکر: صورت

پور: پسر.

پنار: فانه یعنی چوبی که میان چوب‌بند و بازیرستنی برای آنک بکشاند و بعضی بکبر باگویند.

پرمش: انتظار، و بعضی بزای مجله گویند

پرواز: پرورش و خانه تابستانی.

[۱۲۱] پیلور: طیب و دار و فروش.

پندار: تکبر، و امر پنداشتن.

پیور: ده هزار و شبای عربی نیز گویند، و این پهلوی است.

[پرگار: پرگر]

له: رک: برمود و سیود درج: فرنگ ذیل بلوتازی.

له: رک: مویده: ۲۰۱.

له: درباره تلفظ این واژه اختلاف است؛ فرس ص ۱۶۹، قواس ص ۱۱۶، صحاح ص ۱۲۳،

مویده: ۱۳۹، سروری ص ۱۴۷؛ بغاز: اما رشیدی ص ۳۲۵؛ بغاز: و برهان: بغاز

بغاز (برود): اما جاگیری ص ۴۹۸؛ بغاز: و مدار: ۲۱۱؛ بغاز.

له: زقان: فانه چوبی که میان چوب‌بند و بازیرستنی بوقت پاره کردن برای آنک بکشاند الخ.

له: مدار: ۲۱۰؛ بروم، ۱: ۲۹۷؛ پرم و پرمو یعنی انتظار، و نیز زمو بزای مجله نیز: مویده: ۲۱۱

پرم و پرم یعنی انتظار، سرمد سیستانی ۵۰ پرم.

له: مویده: ۲۰۱، مدار: ۲۹۸.

له: قواس ص ۱۴۵؛ پیلور دارد و فروش: مویده: ۲۰۳؛ پیلور.

له: رک: مویده: ۲۰۳، معین: ۶۳۹؛ پیور ده هزار.

له: فارسی Bost، پهلوی Bost (معین ایضا).

له: پرگر و پرگر یعنی پرگار، مویده: ۲۰۱.

پرگر : همان پرگا است .

[پیکار:] جنگ .

پنیر : شیربسته

پار : روزهای گذشته ، وگویند پار سال .

پیرا^۱ : پیش از سال گذشته .

پریر^۲ : پیش از دی .

پرنده^۳ : شوی مادر .

پاسبار^۴ : گلد .

پاسار : همان گلدست .

بهره^۵ 'ز'

پوز^۶ : گرد برگرد لب ، میان مینی و زرخ . وگویند پوز دهن از بیرون سوی .

پالیز : کشت خربزه و مانند آن .

۱ نسخه اصل : پرگار ؛ در اینجا متن مغلوست : پرکر همان برگراست ، پرگار جنگ .

۲ نسخه اصل : پیوار متن تصحیح قیاسی ؛ باید علاوه نمود که در فرهنگهای فارسی مانند بریان و جهانگیری و رشیدی کلمه پیوار (نه پیوار) مترادف پیور و بهمنی ده هزار و در جهانگیری ۲ : ۲۶۳۲ ، و رشیدی ص ۳۷۷ بدین بیت سراجی تمسک جسته :

از همت تو کی رسد آخر که بنده را : هر سال عشرالاف زیوار می رسد

اما در دیوان سراجی که به توسط راستم اسطوره تصحیح شده در بیت فوق بجای زیوار دلیوار است ، و بهمن درست بنظری آید ، و از همین جهت است بنظم وجود کلمه پیوار در فارسی سابقه ندارد . رک : مقاله بنده نامواره دکتر افشار ۲ : ۷۹۵ .

۳ در اصل کرم خورده و ناخوانا ، تصحیح قیاسی .

۴ رک : موید ۱ : ۲۰۱ .

۵ رک : مدار ۱ : ۲۹۰ .

۶ رک : موید ۱ : ۱۹۹ ، مدار ۱ : ۲۸۱ .

۷ فتاوس ص ۸۱ ، دستور ص ۹۰ : پوز گرد لب ، در فرس ص ۱۹۶ ، صحاح ص

۱۲۵ بازای تازی و باز در فرس ص ۱۸۰ بازای پارسی یعنی میان لب یا مینی و

در صحاح ص ۱۳۶ بازای فارسی پیرامون دهن .

شیر: یک مایه دانگ یعنی پیکه و بتازی فلس و بجای درم رود.
 روز: مبارک و خزه کننده و مظفر.
 خوزه: که و گرداگرد دمان و آن مرغان را منفار بود و مردم و جانوران دیگر را بیرون
 از دمان و بیا، عربی نیز گویند.
 واز: جای آرام، و آن است که از چوب برای کبوتر و باز راست کنند و آنرا اذّه
 خوانند و بعضی بیا، عربی گویند.
 پرواز: همان پتواز است.
 پرواز: پرورش و پریدن و جای آرام.
 پرواز: گرداگرد دهن.

مهره در

ایتر: آفتاب در سرطان، پایز ماه را گویند یعنی تیر ماه و بعضی بیا، عربی گویند.
 پز: کند و نرم و سرکوه و زمین پست و بلند و سر عقبه و گویند نیز یعنی نرم بیا، عربی.
 له: مدار: ۳۱۱ ربع دانگ، پیشیز و پیشیزه (مهره) که گذشت در اصل، اما در دستور الاخوان
 ص ۶۷۸ فلس یعنی سیله، و پسید در فرنگها بدین حتی دیده نشد.
 له: مویده: ۲۰۵ فیروزه کننده، ادات: خزه کننده یعنی مظفر.
 له: قواسس ص ۸۳: بتفوز گرداگرد دمان و روی، مویده: ۱۳۸ بتفوز، ۲۰۳ بتفوز
 گرداگرد کلاه و گرداگرد دمان، و قیل مرغان را منفار الخ؛ دستور ص ۵۳: ۲
 بتفوز (اشباه و تحریف و تصیف مصنف) رک: مقدمه دستور الافاضل چاپ تهران ص ۳۳.
 له: رک: مویده: ۲۰۳ که در آنجا بتفوز زمان آورده، جعفری: ۹۰ بتواز نشین باز.
 له: رک: مویده: ۲۰۳، مدار: ۱۹۶، سرطانی: ۳۰: بدواز، بتواز، پرواز.
 له: مدار: ۲۹۸: پرواز پرورش و جای آرام.
 له: گذشت در مویده: ۲۰۳: اما قواسس ص ۸۱، دستور ص ۹۰: پرواز گرداگرد دهن؛
 در اصل بتفوز، پرواز، پرواز، بدواز و غیره همیشه است.
 له: مدار: ۲۹۸: پاییز و پاییز آفتاب در برج سرطان، پایز ماه نیز گویند، بادزا و پارسی،
 نیز رک: مویده: ۲۰۵: فرنگ معین: ۹۶ پاییز (زای عربی)؛ فصل سوم سال، مایه
 آفتاب در برج میزان و عقرب و قوس، خزان. له: صحاح ص ۱۳۶: پز سر عقبه باشد؛
 قواس ص ۳۰: پز پشته بلند بود، نیز رک: فارس ص ۱۷۸ در فارس و صحاح ابن بیت شاه آمده:
 سفر خوش است کسی را که با مرد بود، اگر سر اسرکوه و پز آید اندیش

۸۵
بهرهٔ 'س'

پیش: مجذوم.
پنخس: عشوّه و [گدازش، بعضی شین] متعجب گویند پنخس.
پرواس: بسوختن و پرداختن و بستن.
پلاس: پشمینه، وبت که از شنی سازند.

بهرهٔ 'ش'

پش: طوطی که بر بند کمر سخت کند و بلغتی بای عربی است.
پش: بضم با، جفت را گویند.
پاداش: جزا.

— شله برای این همه معانی رک: شرفنامه و مویده ۱: ۲۰۵، مدار ۱: ۲۱۶.

شله نشو: اصل: سرخه، حق تصحیح قیاسی.

شله رک: شرفنامه، مدار ۱: ۲۱۶ بابای و زای عربی. صحاح ص ۱۳۲: پنخس فرو پز مردن، عشوّه و گداز: پنخس پشته بلند؛ در فرس ص ۱۷۸ و صحاح بیت خسروان شاه آمده.

شله رک: مویده ۱: ۲۰۶.

شله صحاح ص ۱۷۱ پنخس پز مرده بود از میستی یا از عشم. شرفنامه: پنخس فرو پز مردن، عشوّه و گداز درج الخ، نیز رک: معین ۱: ۷۰۴ که پنخس و پخسان و پخسانیدن و پنخسیدن و پخسیده به معانی مذکور در فرهنگها دارد.

شله صحاح ص ۱۳۸ پنخس یعنی پز مرده و ست، نیز رک: مویده ۱: ۳۰۶، در جاگیری ۱: ۱۴۱ عشق بجای عشوّه بجای زفان، واضحاً این صورت یعنی است بر اشتباه کاتب در نسخ زفان.

شله رک مویده ۱: ۲۰۶، مدار ۱: ۲۹۹، سرمد سلیمانی ۵۱.

شله در مویده این معنی بجای زفان اشعار آمده.

شله زفان و مویده مدار: بسیار، و این اشتباه کاتب نسخ زفان است که پیش صاحب مویده و مدار بوده.

شله مویده ۱: ۱۹۶، آباری باشد. ۲۰۶: پلاس در زفان گویا مکروهیل و طزد و روش... وبت گویند یعنی آماری الخ؛ واضح است که صاحب مویده در اینجا اشتباه شده. بت یعنی لیم.

شله نواس ص ۱۷۴ البش طوطی باشد که بر بند کمر و برجین کنند، رک: صحاح ۱۴۷-۱۴۸ البش و پیش هر دو را بمعنی بند آهین و سیمین آورده. اما طرف بمعنی بند نقره و آهن که بر کمر بندند (مویده

(۲۰۷: ۲)

شله مویده ۱: ۲۰۷ چنده؛ اما رک: مدار ۱: ۳۰۷، معین ۱: ۷۹۰.

پوزش: عذر یعنی بهانه و معذرت گویند که محبت است.
 پژوش: نصیحت و بازجست.
 پریش: زهر و خرمای اوجیل.
 پخش: ریختن کرد.

پیغوش: گلی است از جنس سوسن که آسمانگون نیز خوانند و برکناره او نقطه سیاه و بر
 کناره رخنه کوچک و آنرا پیغوش نیز گویند.

بهره دغ

بزدوغ: مصفد یعنی بد استیج زنگ بزدایند و بضمیم با هم گویند.

بهره دک

پیوک: عروس.

پکوک: هجبه و بعضی پکول [درق ۲۲ ا] گفته اند بلام آفر و او پارسی ،

له رک: مویده ۱: ۲۰۷. نه سنو اصل: حب؛ رک: مویده ایضا.

نه کذاست در اصل؛ مویده ۱: ۲۰۷ پیش و پیش همین معنی آمده، نیز رک: مدار ۱: ۲۲۸-۲۲۹؛

قواسص ۵۳، دستورص ۸۸ پیش آنچه از خرمای رسن سازند؛ ادات پیس: پسیده و بروس و

خرمای اوجیل که از پوست رسن سازند، و زهر. پریش یعنی پریشان، برمه سیلانی ص ۵۲.

له سرودی ص ۲۳۳: پیس خرمای اوجیل باشد که از پوست رسن سازند.

ه ریح و ریح هر دو خوانده می شود؛ اما این معنی در فرستگاه دیده نشد؛ ریح بمعنی فضل حیوان باشد.

ه پیغوش اصل و پیغوش مقلوب، در فرس ص ۲۱۰ و صحاح ۱۴۸ همین صورت درج است.

قواسص ص ۴۵، دستورص ۸۷ پیغوش مانند قن؛ مویده ۱: ۲۰۷-۲۰۸ پیغوش، پیغوش،

پیگوش و نیز در مدار ۱: ۳۳۵ و برهان ص ۱۴۴ هر سه صورت؛ اما در ادات پیغوش گلی

از جنس سوسن و پیگوش نیلوفر.

له رک: ادات؛ مویده این خاصیت بحال ادات آورده.

ه قواسص ص ۱۷۹، سرودی ص ۱۵۶، رشیدی ص ۳۰۰، جابگیری ۱: ۱۱۱ بزدوغ مصفد.

ه این کلمه بصورت پیوک، پیوک، پیوک آمده؛ رک: فرس ص ۲۷۸، ۵۲۸،

صحاح ص ۱۷۵، ۱۹۴ و غیره.

ه کذاست در دستور و حجر الفضائل و رشیدی ص ۳۳۱، اما قواسص ص ۱۲۴: پکول،

ادات، مویده ۱: ۲۱۰-۲۱۲، مدار ۱: ۳۱۱-۳۱۳ پکول و پوک هر دو.

چمچه و خایسک^۱.

پلک^۲: مرکبان.

پشک^۳: سرگین گوسپند و شتر و بز.

پادچک^۴: ولیکن واو در میان زیاد است یعنی آنچه از سرگین زنند.

پتک^۵: کدین آهنگران.

پلک^۶: بزرگ.

پلاک^۷: جنسی از پولاد گوهر دار و بلغتی پلارک بار اگویند و مشهور بهین است.

پک^۸: بند انگشت، و نیز گویند پاشند پای، و بعضی بکسر با گویند.

پوک^۹: پد، و با دوم پاری نیز گویند.

پوشک^{۱۰}: گر به، بلغت ماوراء النهر.

۱ شرفنامه، جهانگیری ۲: ۱۵۹۸، پلک و پلک یعنی عزت و خایسک (پتک آهنگران)

۲ کذاست در اصل، واژه و معنیش هر دو مشکوک.

۳ رک: ادات و بحر الفضائل و مویده ۱: ۲۲۵، هار ۱: ۳۰۹.

۴ کذاست در قواسم ۱۴۱ و ادات؛ سردری ص ۲۴۱ پاچک و پادچک هر دو؛
جهانگیری ۱: ۲۲۳ پاچک سرگین گاو را گویند که خشک شده باشد، یا بدست آنرا پس گرفته
خشک کرده باشند... بسندوی آنرا اوپلی نامند... هار پاچک و پادچک هر دو.

۵ مترادف این کلمه در فرهنگ معین ص ۶۹۸ اینست: آهن کوب، کوبن، کوبسیازه، مرزبه، گزین
پلک، پک، مطهریه، کدین، خایسک.

۶ رک: جهانگیری ص ۸۰۹ - ۸۱۰ بابت شاهد از حکیم نزاری

۷ کذاست در اصل، و ظاهراً این اشتباه است.

۸ صحاح ص ۱۷۵: پلارک و پلاک جنسی از فولاد گوهر دار؛ اما مویده ۱: ۲۰۹، هار ۱: ۳۱۲
بعضی شیخ تیز.

۹ برای این دو معنی رک: هار ۱: ۲۳۲.

۱۰ معین ص ۸۰۳ پک بالکسر یعنی بند انگشت دست و پای آورده.

۱۱ رک: مویده ۱: ۲۱۰، هار ۱: ۲۵۱، جهانگیری ۲: ۱۹۳۷

۱۲ رک: مویده ۱: ۲۰۹، جهانگیری ۲: ۱۹۴۲

۱۳ این تخصیص دیده نشد؛ پوشک در فارسی متداول است، ممکن است اصلش ماوراء النهری باشد.

کچو اک : ترجمان یعنی بیان کننده .
پیارک : گیاهی که از آن بوریابافند ، هندوی گوذگویند .

پیک : قاصد .
پشتنگ : پس افتاده .

پلک : سرپوش چشم .

میره نگ

پاسنگ : خوشه انگور ، و خیاری که بخت تخم بزرگ کنند .
پاشنگ : خوشه خرد انگور نارسیده و خیاری بزرگ که از بختسم بار گیرند .

پالنگ : پای انزجار چرمین .

پگ : غوک .

پلنگ : زرافه و شیر است و پرنده است .

له رک : مویده ۲۰۹ : ۱ ، جاگیری ۷۳۴ : ۱ .

له مویده ۲۱۰ : ۱ همین معنی گفته زفان گویا نوشته : اما کاهی بجای گیاهی نیز رک : مدار ۳۲۵ : ۱ .

له شرفنامه ، مدار ۳۰۹ : ۱ پشتنگ (کاف فارسی) پس افتاده ، مویده ۲۱۱ : ۱ پشتنگ بمعنی پس افتاده

و ناقص و موجب ، جاگیری ۱۳۵۳ : ۲ ، ۱۳۵۵ پشتنگ و پشتنگ را بمعنی ناقص و میوب و

هرزه و بی معنی ، نیز رک : رشیدی ص ۳۱۹ .

له رک : بشرفنامه ، مویده ۲۱۰ : ۱ ، مدار ۲۸۵ : ۱ .

له رک : صحاح ص ۱۹۴ برای هر دو معنی ، و برای هر دو شادی آورده .

له ادات ، مویده ۲۱۰ : ۱ ، مدار ۲۸۳ : ۱ پالنگ بمعنی پای انزجار چرمین و در بچه خرد ، اما گویا

ص ۱۵۵ : پالنگ بمعنی پای انزجار چرمین . در باره اطاء این واژه اختلاف است : فرس ص

۲۷۷ ، سروری ص ۲۳۸ : پالیک ، صحاح ص ۱۷۴ : پالیک ، برطان ۳۵۸ - ۳۵۹

پالنگ و پالیک . جاگیری پالنگ بمعنی پای انزجار چرمین و پالیک بمعنی پانابه آورده ، در فرس

و صحاح و سروری بیت زیر از رودگی شاد آمده و همین بیت ، در رشیدی شاد پالنگ است :

صاحب لغتنامه پالنگ را تصحیف پالیک می داند :

از خضر و پالیک آنجای رسیدم که همی : موزه معینی سیخو ام و اسب تازی

له فرس ص ۲۵۴ : پک ، قراس ص ۶۸ صحاح ص ۱۷۳ : بک ، مدار : بک ، پک ، پگ هر سه بمعنی پنی : ۳۱۱ .

له رک : مویده ۲۱۱ : ۱ .

له ادات و مویده : دشمن مشیر .

پاچنگ : پایی سزار چرمین ، و دریکه خرد .
پالنگ : تودکش یعنی دوال .

بهره 'ل'

پرغول : گندم نیم نیم کرده یعنی دلبده ، دحلوائی است آنرا افروشته گویند . و به پنجوان فروت
گویند و اگر چه باشد و بیای عربی نیز گویند .
پلیل : معروف .

بهره 'م'

پدرام : آراسته و خرم و نیکو چون باغ و مجلس و خانه آراستن و در فرهنگ نامه است :
پدرام بفتح اول جای آرام و این را بدواز نیز گویند .
پیام : پیغام گویند ، پیام آوردن یعنی پیغامبران .
پرچم : معروف .

له در مویده ۱ : ۳۱۰ ، مدار ۱ : ۲۸۳ پالنگ و پاچنگ مترادف است ؛ اما در فرس ص ۲۶۳ ،
توأس ص ۱۲۴ ، صحاح ۱۹۴ پاچنگ فقط یعنی دریکه یا سوراخ دریکه آورده . جغری ۶۲ پاچنگ
و پالنگ و پاژنگ و ریکه کوچک و کفش .

له توأس ص ۱۷۴ پالنگ تودکش .

له زفان و مویده ۱ : ۳۱۲ چنبور : تودکش ، برهان ص ۶۲ : چنبور پالنگ .

له نسخه اصل : از دوال ؛ اما رک : مویده ۱ : ۲۱۱ .

له فرس ص ۳۲۱ : برغول گندم نیم نیم کرده بود .

له توأس ص ۱۴۵ : برغول دلبده گندم و افروشته .

له توأس ص ۱۴۴ : آفروده نوعی از حلوا بود .

له مدار ۱ : ۲۹۵ : پرغول که عرب آنرا فروط گویند و فروط در مویده ۲ : ۵۶ بدینطور شرح شده :

فروط بالفتح دلبده و گندم کوفته و دو نیم کرده و حلوائی که آنرا افروشته نیز گویند ،
کذا فی القنیه .

له صحاح ص ۲۱۶ پدرام و پدرام جای خرم و آراسته و نیکو .

له معلوم نیست که این کدام فرهنگ نامه است .

له توأس ص ۱۲۷ : بدواز جای آرام باشد ، زفان بدواز و پتواز جای آرام و آن است که
از چوب برای کبوتر و باز راست کنند الخ .

بهره‌ن

پرن^{له}: پروین.

پیش^{له}: آنچه از غرامتس سازند یعنی کباک پیش نیز گویند.

پوزن^{له}: زمین پاک کرده، و زای پارسی نیز گویند.

پرچین^{له}: خارست گردگشت و باغ و درخت و بارگاه.

پایندان^{له}: مسابنجی یعنی ضمان کردن.

پرویزن^{له}: عزبال آن آلت بختن آرد است که بهندوی چلی گویند.

پریرن^{له}: همان پرویزن است، و بیای عربی نیز گویند، و بیزنده را پریرن^{له} گویند.

[دوق ۲۳] پرریان: حریر منقش.

پریون^{له}: دیبای تنک، و بعضی بیای عربی و زای پارسی گویند.

له قواسم ۱۴: پرن پروین را گویند، فزنی گوید:

تا چ خوشید نتابد ناهید : تا دو سپر نبود همچو پرن

له کذاست در مویده ۱: ۲۲۰، امار ۱: ۳۲۱ پیش و پیش و پرن، جعفری ۲۸۱ کباک ریسانی از لطف غرام.

له قواسم: پوزن: امارک: مویده ۱: ۲۱۹، مدار ۱: ۳۲۱، سروری ص ۲۴۹، ۱: ۲۱۶، بران ۱:

له قواسم ۵۶، دستور ص ۸۸ خارست گردگشت، امار مویده جواله همین لغت یعنی زان آمده: د

زان گو یا ندکورست پرچین باجم فارسی ماری که بر بند کمر سخت کنند.

له این معنی محل نظر است. مدار ۱: ۲۷۷ پایندان: امار اکثر فرهنگ

پایندان مثلاً رک: مویده ۱: ۲۱۵، جاگیری ص ۱۲۱، سروری ص ۲۵۰، بران ص ۳۶۵، ۱:

در رشیدی ذیل پایندان آمده: صاحب جاگیری این لفظ را تصحیف خوانده بحج معانی، و مصحح

بای موده است بدل یای مثلاً تحفیه، و سامانی گوید ضامن را ازان پایندان گویند که کفال

پایند ضامن و مضمون هنر دد باشد... اما در نسخ معتبره فتوی مولوی پایندان (بیا) دیده شد.

دستور ص ۹۱ بجای پایندان پایزان دارد.

له رک: مویده ۱: ۲۱۷، فرهنگ معین ۱: ۷۷۲.

له کذاست در اصل.

له درباره تلفظ این کلمه اختلاف است. در اکثر فرهنگها پرنون مثلاً رک: مویده ۱: ۷۷۱، بران

مدار ۱: ۳۰۳، پریون و پرنون: فرهنگ معین ۱: ۷۵۸ و لغتنامه دهخدا پرنون، دیوان

منوچهری، دبیرسیاقی ص ۱۸۲: پرنون: اما دیوان سراجی ص ۱۳۰، ۵۲

بزیون.

پیغون^۱: ہرزہ و پیمان و [عهد] و شرط.
 پالادان^۲: آنک بدن چیزی پالایند یعنی تنک بیز کہ ہندوی آنرا ہانک گویند.
 پیمان: عہد و سوگند.
 پرپسن^۳: همان گبہی است، تخم اورا کلنگ گویند.
 پایان: آخر کار.
 پروین: ستارہ از منازل کہ اورا ثور گویند بتازی و آن شمش ستارہ است.
 پلندی^۴: پیرامون در، و بعضی بسائی عربی و مضموم گفتہ اند.
 پارگین^۵: حوض و ناودان و گرما بہ کہ غسالہ دران جمع شوند.
 پیکان: معروف [است].
 پوشنگان^۶: نام مقامی است نزدیک نیشاپور.

- ۱ درمویہ ۱: ۲۲۰، ہمین معنی بحوالہ ہمین فرہنگ (زفان) نقل نمودہ: اما مدار ۱: ۲۸۳: پالادان.
 ۲ دراصل کرم خوردہ.
 ۳ درمویہ ۱: ۲۱۴ این معنی را بحوالہ ہمین فرہنگ (زفان) نقل نمودہ: اما مدار ۱: ۲۸۳: پالادان.
 ۴ رک: ہمین فرہنگ ذیل اردن ص ۳۲. ۵ مویہ: ہانک، مدار: پونہ.
 ۶ مویہ ۱: ۲۱۶ پرپسن... همان گیاہ است کہ تخم اورا کلنگ گویند.
 ۷ زفان: کلنگ تخم خضر یعنی لونک، و در ہمین فرہنگ (زفان) ذیل خضر آید: گیاہی است کہ بتازی بقلۃ الحقاہ گویند یعنی لونک.
 ۸ رک: مویہ ۱: ۲۱۷ ذیل 'پرن'. ۹ نسخہ اصل: بتازی خوانند.
 ۱۰ ادات: پلندیں بابا و فارسی پیرامن در: اما درمویہ ۱: ۲۱۸ بگفتہ ادات پلندی نوشتہ.
 ۱۱ فرس ص ۳۶۳، صحاح ص ۲۳۴، قواس ص ۱۲۴: بلندیں (ببای عربی).
 ۱۲ رک: مویہ ۱: ۲۱۴، مدار ۱: ۲۸۰. ۱۳ مویہ: غسالہ در آن گرد آید.
 ۱۴ چنانکہ معلوم است فرہنگ نویسان نامہای جغرافیائی را بدوینہ پیچ تحقیق در فرہنگ خود داخل می کنند، و این نیز یکی از آنہاست؛ پوشنگان یا پوشنگان نام پیچک از شہرهای ایران نیست؛ اما بوزگان و پوشنگ دوشہر است در خراسان، و پوشنگ کہ بنام پوشنگ و خوشنج نیز شہرت دارد از ہرات دہ فرسخ راہ دارد (بحم البلدان)، نیز رک: حدود العالم چاپ کابل ص ۳۸۸، پوشنگ یکی از شہرهای معروف خراسان بود مانند طسین و آمل و سا و باورد و ہرات و پوشنگ، رک: زین الاخبار ص ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۱، و بوزگان از نواح نیشاپور، مغرب آن بوزجان است نہ بوزگان. رک: مراد ص ۲۲۹، زین الاخبار ص ۱۷۵ - امیر نصر از نیشاپور بہ بوزگان آمد - نیز رک: حدود العالم ص ۳۸۸ -

پایون: پیرایه.
 پرپرون: آرایش و نیز [دایره گرد ماه و آفتاب]
 پریشان: آرزو و بعضی بیای و زای عربی گویند.

بهره 'و'

پوپوت: بدبد، و بود و پارس نیز گویند.
 پینوت: جزات چکیده، و بعضی گفته اند جزاتی که چک زده باشد و مسکه از و نکشیده باشند.
 پهلو: نام مرد دشت و بزرگ و ضابط و خان شاه.
 پرنوت: جامه باریک.

بهره 'ه'

پاره: رشوت، و در اسدی طوطی است که شتر است و قلعه و حصار و مانند آن.

— خلاصه کلام: معلوم نیست که منظور نویسنده یوزگان است یا پوننگ.

له رک: مویده ۱: ۲۱۵؛ مدار ۱: ۲۸۸. ه رک: مویده ۱: ۱۶۹ (برپون) ۱: ۲۱۷، برپون

فرهنگ معین نیز برپون و پرپرون مصدر دهمین معنی نوشته رک: ۱: ۵۱۷، ۷۶۸.

له نسخ اصل: برز، متن تصحیح قیاسی.

له اضافه از روی مویده الفضلا.

ه رک: مویده ۱: ۲۱۷، مدار ۱: ۳۰۶.

ه مویده ۱: ۱۶۸، مدار ۱: ۲۱۹ بزبان (بای عربی و زای فارسی).

ه مویده ۱: ۲۲۱ پوپ و پوپک: هدهد، سرز سلیمانی ۱۶ پوپ.

ه مویده ۱: ۲۲۱ (پوپ فلف چایی)، مدار ۱: ۳۳۶.

ه مدار: جزاتی که چک کرده باشند مسکه کشیده باشند.

له رک: ادات، مویده ۱: ۲۲۱، مدار ۱: ۳۲۳.

له این معنی در مدار درج شده.

له در مویده ۱: ۲۲۱: پر نو جامه باریک کذاتی زفان گویا و در ادات الفضلا باباع تازی یعنی بزبانی

منقش در نهایت نزاکت و لطافت. رک: پرپون درهین فرهنگ.

له رک: صحاح ص ۲۶۶، مویده ۱: ۲۲۲، و درین لغت اخیر این معنی بوجه شرقی آمده و گفته زفان معنی دیگر نوشته.

له فرس و صحاح ص ۲۶۶ باره باروی شهر و قلعه.

ه یعنی معنی کله شتر است، نه نام شهر.

له این معانی واژه باره است، نه پاره، رک: توأس ص ۱۳۸، صحاح ص ۲۶۶

پنجه: طره موی که عورات برکله بانمند و پیشانی، و گیاهی است که آنرا نوینج گویند.
 پذیره: رفتن در پیش و باز آمدن.
 پوره: تنه درخت، بعضی بیای عربی گویند.
 پیسته: بیای عربی نیز گویند، رخساره.
 پیغاره: طعن و سرزنش و بستان.
 پالکانه: دریچه و آن در کوچک باشد، در دیوار که از و پنهان می نگرند، و بود که مشکبک

له بظاہر واژه دست باید پیچ باشد زیرا در همین فرهنگ مترادف نوینج پیچ است نه پنجه؛ اما برای پیچ
 بعضی طره موی و گیاه رک: مویده ۱: ۲۲۶، مدار ۱: ۳۲۵، در مویده بحواله زفان ترجمه کوئین شتر،
 اما نسخه حاضر این قول را مورد تأیید قرار نمی دهد.

له معین ۱: ۸۲۰ پنجه معنی ۱. پیشانی ۲. موی که از سر زلف ببرند و آنرا پیچ حشم داده بر پیشانی
 گذارند، و در همین فرهنگ ۱: ۸۷۶ پیچ معنی ۱. قسمی روی بند. ۲. عصا که زفان بر پیشانی بندند.
 ۳. پیرایه مرصع که بر سر عروس بندند. ۴. زبی که زفان و پسران بر روی گذارند. ۵. گیس عاریه.
 ۶. طره زلف و کاکل که پیچند و بر یکدیگر گره زنند. ۷. پیشانی الخ؛ از تفصیلات بالا روشن است
 است که پنجه و پیچ هر دو صورت در فارسی سابقه دارد.

له زفان: نوینج بلبل و آن گیاهی است که بردخت پیچ ... و آنرا پیچ نیز گویند. الخ.

له رک: مویده ۱: ۲۲۳، مدار ۱: ۲۹۱، سر سیلانی ۵۷ پذیره استقبال و قبول کردن.

له کذاست در ادات، مویده ۱: ۲۲۵، رشیدی؛ اما دستور و بحواله الفضائل و مدار ۱: ۳۲۱
 پوزه و پوزه همین معنی. ادات بوز نیز همین معنی دارد، جهانگیری ۱۹۴۱، پوره تنه درخت.
 له نسخه اصل: بای پارسی.

له قواسم ص ۸۰، ادات، مویده ۱: ۳۳۴، بریان ص ۳۴۷، سروری ص ۲۷۳ پیسته
 (که است در متن) اما پیسته بیای عربی معنی دیگر دارد،
 رک: قواسم ص ۸۰ ج.

له نسخه اصل: فارسی، متن تصحیح قیاسی.

له صحاح ص ۲۶۹: پیغاره طعن و سرزنش و علامت، مویده ۱: ۲۲۶ سرزنش کذا فی القندیه
 و در ادات و زفان گویا بمعنی بستان نیز هست: نسخه ادات که پیش بند است فقط
 سرزنش و طعن. مدار کذا فی المتن.

له کذاست در مدار ۱: ۲۸۳؛ اما صحاح ص ۲۶۴ بایگانه به همین معنی، سر سیلانی ۴۲ پالکانه و پالکانه.
 له نسخه اصل: برگرد. له صحاح: مشکبک نیز باشد.

است و گویند پالانچه چجه یعنی بام بلند.
پیژله: گوشه خانه و دیده، و در بنیاد همان گوشه است که بتازی زاویه و بیای پارسی
کنج گویند.

پیواسنه: برج فسیل حصار.

پدرزه: چیزی که در جامه و ازار بندند.

پیرزه: همان پدرزه است.

پده: رکوی یعنی پاره جامه سوخته که آزار خفت گویند و بیای [ورق ۱۲۴] عربی و مفتوح گفته اند.

پرگنه: یکاف فارسی معادل یعنی تختی زمین.

پاغنده: پنبه زده یعنی ندف کرده و غلوط ساخته.

پهنه: گوی بازی کردن که بسندوی لشو خوانند، و گویند که کفچه باشد که برومگویی بازی کنند و در گان

شده مدار قبل پالانچه چجه، مویده: ۱: ۳۲۱ پالانچه بام بلند که افعی الافان گویا؛ تواس ص ۱۲۴، مویده: ۱۷۷ بادگان در بچه (مویده: هندی در بچه).

شده فرس ص ۴۵۷، دستور ص ۱۲۸، صحاح ص ۲۶۹ پیژله گوشه خانه، اما در ادات و مویده ۱: ۲۲۷، مدار ۱: ۳۳۲ پیژله یعنی گوشه خانه و گوشه چشم.

شده رک: تواس ص ۱۲۸. شده صحاح ۲۶۵: پدرزه خوردنی را گویند که در ازار یا در رکو بندند، نیز رک: مویده ۱: ۲۲۳، مدار ۱: ۲۹۰.

شده ادات: پیرزه بیای فارسی، آن چیسز که در جامه یا در ازار بندگره بندند، نیز رک: مدار ۱: ۳۲۷. شده فرس ص ۳۲۶: پده رکوی بود سوخته و پوده هراق بود.

شده تواس ص ۱۷۷: سوخته خف را گویند.

شده تواس ایضا پده هم خف باشد.

شده صحاح ص ۲۶۵.

شده ادات: پرگنه یکاف فارسی پاره زمین که ازان باج و حشر باج یک ساله بگیرند؛ نیز رک: مویده ۱: ۲۲۳-۲۲۴، مدار ۱: ۲۹۶.

شده کذاست در اصل.

شده رک: صحاح ص ۲۶۱، ۲۶۷، مویده ۱: ۲۲۲.

شده رک: مویده ۱: ۲۲۶، مدار ۱: ۲۶۶، ۳۲۵.

شده این کلمه در مویده موجود است.

و غازیان ، و این رابت ازی طباطبائی گویند.

پدیده: بهره
پسید: اصل افزیش و اسدی بنشته است پسید آن باد آنچه باشد که تخم افزیش اندر و باشد و بیل
بیای عربی گیاه دارو و ریم که از خون شود.

پسید: قدح می.

پاره: بشکسته.

پیمیه: بیای پاری ، الملق یعنی سپید و سیاه پوشیده شده و آما سیده.

پژوه: باز جست و تفحص و باز پرس و جمیع پیرایه آرایش.

پروانه: آن که در میان آید برای نفاذ حکم ، و کرمی که بر چراغ افتد.

پالونه: پالاولن ، و گویند پالونه کف گیر حنویان ، آنچه بدان شکر صاف کنند.

له: تخمه و گوی بازی است ، فرخی :

له: زهبت تو دل دشمن تو اندر بر : چنان طپید که طپد گوی گرد بر طباط

له: رک: مویده ۱: ۲۲۳، سرمدیسمانی ۵۸. له: رک: قواس ص ۱۸۵، صحاح ص ۲۶۹

له: مویده ۱: ۲۲۷، در ادات است: بابای فارسی ریم و کرم افزیشم که تخم افزیشم است.

له: فرس چاپ مجتبیائی ص ۲۱۶ پسید آن باد آنچه که تخم افزیشم درو باشد الخ.

ع: اصل: باد بچه، تصحیح از روی فرس اسدی. ه: همین است در شرفنامه، رک: مویده ۱: ۲۲۷.

ع: رک: ادات ، مویده ۱: ۲۲۶.

له: در مویده بحواله زنان گویا بمعنی زاده نوشته ، پاره در همین لغت بمعنی رشوت است که گذشت

له: رک: ادات و مویده ۱: ۲۲۶، مدار ۱: ۳۲۹.

له: صحاح ۲۶۸ پژوه باز جست بود و عرب تفحص ، جاگیری ۱۲۳۰ باز جست و تفحص بمعنی پژوهش

له: نوشته ، معین ۷۷۸ پژوه بمعنی پرشش و بازخواست.

له: نسخ: اصل: باز جست: متن تصحیح قیاسی.

له: این معنی منظر نیامده. بظاهر معلوم می شود که واژه که بعینش پیرایه آرایش باشد در اینجا افتاده.

له: معین ۱: ۶۸۰ پالونه ، پالاولان بالاون ، پالونیه آلتی که بدان چیز نازا صافی کنند ، جها

له: ۱: ۲۳۹ پالونه ، پالاولن ، پالوانه دارد.

له: نسخ: اصل: پالان.

له: مویده ۱: ۲۱۴ ذیل پالاولان :

اما در زنان پالاولان آنکه بدان چیسری پالایند.

پاده : گوبان و نگهبان ، و گویند رزمگاهوان ، و اینجاست که گوبان را پادبان گویند.
پژوهنده : متفحص .

پراشیده : از هم جدا کرده .

پریشیده : پریشان و پراشاده را گویند .

پالوایه : فراشتک ، بعضی بیای عربی گویند .

پهنانه : بوزنه ، و بعضی بیای عربی گویند .

پله : اقسام و دروغ [گفتن و متمم] کردن .

پاینده : همیشه .

له موبد ۱ : ۲۲۲ عین همین مطالب را بگفته قفیه آورده .

له مدار الافاضل ۱ : ۲۷۹ همین معنی درج نموده ، فرینگ معین ۱ : ۴۵۰ پاده معنی گله و چرگان و چوپستی ، و پاده بان را بمعنی گله بان و چوپان نوشته .

له کذاست در موبد ۱ : اما در فرینگ معین پاده بان .

له صحاح ص ۲۶۸ : دانشمند را بسبب آنکه دانش می جوید "پژده" خوانند . ظاهراً بجای پژده پژوهنده درست باشد .

له موبد ۱ : ۲۲۳ : پراشیده از هم جدا شده و پریشان شده و بجزو گردیده و بر باد داده .

له اسم مفعول از مصدر پریشیدن یعنی منهد و نشانیدن و پاشیدن و بسجود گشتن و بد حال گردانیدن (زنان گویا) : فرینگ معین پاشیدن ، پراشیدن ، پریشیدن ، پاچیدن ، مترادف اند (رک ۱ : ۴۶۵ ، ۷۱۴) .

له این واژه بشکل بالوانه و بالوان و بالوایه و پالوایه و پالونه و نیز بالواه به فرینگ آمده است .
رک : موبد ۱ : ۱۷۸ ، ۲۲۲ (پالونه اشتباه چاپی ، اصلاً پالوایه)

له خود قسم دین فرینگ ذیل بالوان آمده : مرنگی است مقدار کجشک سپید و سیاه الخ ، در ادات پالوانه همین معنی آمده ، اما در شرفنامه پالوایه مذکور است (موبد ۱ : ۷۸) و ضیاء فراشتک همان مرنگی است که ذیل پالوایه مشروح است چنانچه خود صاحب زلفان گویا ذیل فراشتک نوشته .

له رک چوبید ۱ : ۲۲۵ ، ۱۸۴ ، قواس ص ۷۶ .

له رک : موبد ۱ : ۲۲۵ . درجه انگریزی ۲ : ۱۵۹۶ ، پله بمعنی تخته و لوح نیز نوشته و از همین بیت عبید لویکی تمک جمته :

نخست چون پدم پله در کثرتناد : چو طعم که نخواندم از اینغبیر زیان

پنجه: پای نردبان.

پیروزه: سنگی است بزرگ بر انگشتین نمند.

پژولیده: بسوده و پژمرده.

پاشنه: عقب پای.

پرونده: بسته قاش یعنی سب و گویند بقیچه جامه و بعضی پرونده و بعضی پرونده گویند.

پیواره: غریب و تنها، و بعضی بیای عربی گویند و این درست تر است و پیوه نیز ازین است.

پده: درختی است چوب سخت، بار ندارد.

پروازه: آئینک اورا چراییده و فر به کرده باشند، بتازی مستمن گویند.

له مویه ۱: ۲۲۳: پنجه پای زینه و نردبان: جهانگیری ۱۴۲۲ بدین بیت شهاب مبره متک جسته:

پنجه بام دولتت باشد: این چهار آشیخ و مفت فلک

له یعنی فیروزه. له اسم مفعول از مصدر پژولیدن که در همین فرهنگ

(زفان گویا) یعنی بسودن و پژمرده شدن آمده: و در جهانگیری ۱: ۱۲۲۰ همین دهم شدن و پریشان

گردیدن. له مویه ۱: ۲۲۴ پرونده: بسته قاش و بقیچه جامه

کذافی الشرفنامه و در زفان گویا بدین معنی بر وزن غلطیده. اما در نسخ حاضر پرونده است، نه

پرویده. و اصحاً نسخ که پیش صاحب مویه بوده، اشتباه کاتب داشته بود.

له نسخ اصل: سک، اما رک: مویه. له در جهانگیری بیای فارسی است اما در فرس

ص ۴۲۷ پرونده است و بیت آغاجی شایده آمده.

له در مویه ۱: ۲۲۷ همین توضیحات بحواله ادات آمده.

له در جهانگیری ص ۲۲۲۲ پیواره نوشته و بیتهای شاه داعی شیرازی و حکیم اسدی شایده آورده:

در حاشیه جهانگیری ص ۲۲۲۳ بیتهای اسدی (گرشاپ نامه) و سنائی افزوده شده.

له رک: مویه ۱: ۲۲۷، دار ۱: ۲۷۵ بیوه زنی.

له رک: مویه ۱: ۲۲۳، نیز رک: توضیحات ذیل 'بده':

له کذاست در اصل: اما اصل کلمه پرواره است چنانک ازین شواهد بوضوح پیوند:

نبرد شیر مست بفساری: مایه تازره مرغ پرواری (هفت پیکر: ۲۵)

اسب لاغر میان بکار آید: روز میدان نه گاو پرواری (سعدی گلستان)

سودای تو از برای مست بمان: مست زمانه را بسپردار (سروری ص ۲۳۴)

کس مرغ را که داشت سپردار ندید آب: من مرغم دار آب. سپردار می بود (مناقصاتی، دیوان ۸۹۸)

در جهانگیری ۸۹۲-۸۹۳ ذیل پروار و پرواری آمده: جانوری که در خانه خنک بندید که فر به شود بدین جهت

پرواری خوانند و مردم بغلط خیال نموده اند که پرواری یعنی پروارش داده است و حال آنکه ←

پاتله : یعنی کراچی .
 پاخره : بسندوی آویخته گویند ، برای نشستن راست می کنند برستانه در .
 پیشیزه : که در کار و جزو آن بخت می کنند .
 پژه : استر ضد آوره .
 پره : دایره که برگرد چیزی کنند ، و چیز است که از ساز در و دو گران و دندان کلیدان باشد .
 پنجره : قفص .
 پرستنده : خدمت کار .
 پیراه : آرایش [۱۲۵] و زیب و نکونی .
 پیان : تقییز و کیل که بدان هر چیزی پیایند .
 پشه : موته گویند ، بتازی بعوض .

→ پرورش داده پرورده است نه پروری الخ . و در همین فرهنگ ذیل پرورده آمده : جافاری گویند
 که در پرور بسته فریاده باشند الخ .
 ۱۲۰ مویده : ۲۳۴ ؛ همین معنی بحواله قفص نوشته .
 ۱۲۱ رک : مویده : ۲۳۱ .
 ۱۲۲ مویده : ۲۳۴ ؛ پیشیزه چیزیکه در دامن نیمه دوزنه درستانی که دردی کشند و چیزی که میان نیخ دوزنه
 کار و وصل کنند .
 ۱۲۳ مویده : ۲۳۴ ؛ پژه استر قبا و جز آن .
 ۱۲۴ یعنی اجه .
 ۱۲۵ نسو اصل : پنجه اما رک : مویده : ۲۳۴ ؛ پره دایره لشکر ... دایره کلید و برگ کاه ... کذا
 فی القفص و در زبان گو یا همین ترنجیده آورده است ؛ واضح است که نسو ای از زبان که نزد
 صاحب مویده بوده از نسو حاضر متفاوت بوده .
 ۱۲۶ رک : جابگیری ص ۸۹۹ که در آن فرهنگ پره به معنی بای حلقه زدن لشکر ، دامن و کتاره ،
 جزوی از نقل ، برگ کاه آمده یا میتسای شابه . برای معنی جزوی از قفص این بیت سیف
 اسفنگل شابه است :

ناطقه لی اختیار مدح تو سازد : پره قفص سخن کلید زبان را

۱۲۷ مویده : ۲۳۶ ؛ پیرایه و پراه آنچه بدان زیست افزایند و زیب و نکونی .
 ۱۲۸ در مویده : ۲۳۷ ؛ همین معنی یگفته زلفان نقل نموده . زلفان : موسه زبور و هم میز گویند ، نیز
 رک : سرر میلمان ص ۲۳۵ .
 ۱۲۹ دستر والاخوان ص ۱۰۹ : البعوض پشه .

پالوده: بر زدود [ه] یعنی مردق کرده و نام حلوائی.

پله: کفه ترازوی.

پرزه: ابریشم پاره باشد که از جامه دیبای فرسوده بردارند.

پوشنه: سرپوش هر چیزی چون چادر و جز آن.

بهره می

پی: پیش و نشان پای و پای پس و قصد.

پالای: اسب جنبیت.

پیوستگی: وسیلت.

پیروزی: ظفر، روانی حاجت.

پوی: عروس.

۱ اسم مفعول از مصدر پالودن؛ خلاصه چیزی کردن و صاف کردن.

۲ یعنی فالوده.

۳ مویده: ۲۲۳: پرزه ابریشم که از جامه دیبای کنند و نو بردارند.

۴ نسخا اصل: ابریشم کار، قن تصحیح قیاسی.

۵ نسخا اصل: پوشنه؛ اما رک: مدار: ۳۲۲، جهانگیری ۲: ۱۹۴۳؛ مویده: ۲۲۵.

پوشینه بهین معنی، نیز رک: سرزمینهای ص ۵۸.

۶ در مویده: ۲۲۸ پی یعنی سینه و قدم و نشان پا و قصد آمده؛ اما در جهانگیری ص ۲۲۶

پی را بهشت معنی آورده از آنجمله است پای و نشان پای و دنبال و تعاقب، بهر و برای بار و مرتبه.

۷ بظا هر در پی کسی بودن در نظر است؛ اما سعدی درین بیت معنی دنبال نوشته:

سگ اصحاب کف روزی چند: پی نیکان گرفت و مردم شد

۸ در مویده بالای و پالای، ۱: ۱۸۷، ۲۲۷ یعنی اسب جنبیت. اما در جهانگیری ص ۲۲۶

'پالاست نه پالای، حکیم اسدی گوید:

ز دروازه تا درگش دو میل: در روی سپ بود پالا و پیل

۹ مویده: ۲۲۹: پیوستگی وسیلتی که انی القنیه منقول از زبان گویا.

۱۰ رک: مویده: ۲۲۹؛ معین: ۸۹۸: پیروزی = فیروزی، ظفر و غلب، کامیابی و روانی حاجت.

۱۱ در اصل کرم خورده، اما رک: مدار: ۳۳۷ ذیل پیروزی، معین: ۸۹۸ معنی دوم.

۱۲ مویده: ۲۲۹ بهین معنی بگفته زبان نوشته رک: مدار: ۳۳۸.

پیوگانی: عروسی است .
 پیزی: رخت و اسباب پیزی فروشان .
 پری: معروف (است) .
 پائیدانی: میانه‌گری .
 پزوی: کمینت و فرومایه از مرمان که بتازی ارذل گویند .

گونه‌ت

بهره الف

تراشه: دیوار، و گویند دیوار باشد که در وی گلابه سخت کرده باشند .
 تیلایه: خیزدوک منقش .

توتیه: سنگی است که سر مدسته زند و گویند سنگ بصری باب انگور آتش کرده .

له رک: مویده: ۲۲۹: ۱، مدار: ۳۳۸، مویده: ۱۹۰: ۱ پیوگانی بهمین معنی دارد اما صاحب مدار این را غلط می‌داند .

له نسخه اصل: پیزی، مویده: ۲۲۸: ۱ پیزی بهمین معنی: مدار پیزی و پیزی: ۱: ۳۲۷، ۳۳۷ یعنی رخت و اسباب که می‌فروشند، اما این هم اشتباه است، معین: ۹۰۱ پیزر (Pizer) نوعی جگن که در آب رویه: پیزی (Pizon) فسوب به پیزر، آنکه پیزر می‌شود .

له رک: مویده: ۲۲۷، معین: ۶۹۵: ۱، پائیدان در همین فرهنگ (زنان)

له مویده: ۲۲۸ پزوی، جهانگیری: ۱۲۳۰: ۱ پزوی، معین: پزوی و پزوی: ۱: ۷۷۵، ۷۷۸ بهمین معنی: مدار: ۳۰۶: ۱ پزوی: بظاهر اشتباه .

له معین: ۱۰۵۸: ۱ ترا... دیواری که با کاهگل و گلابه استوار کنند .

له مویده: ۲۳۱: ۱ تیلایه خیزدوک منقش و جهانگیری: ۲: ۲۲۶۲ یعنی اول .

له زفان: خیزدوک کرمی است منقش که آنرا سرگین غلط آنک گویند، و بعضی هزاربایه، نیز رک: مویده: ۳۶۴: ۱، جهانگیری: ۱: ۵۸۱ .

له مویده: ۲۳۰ ذیل عربی آمده .

له در مویده بگفته مشرفنامه و زفان گویا آمده .

له مدار: ۴۰۲: ۱... قبل بصری را به پیشیره انگور است می‌سازند .

بهره 'ب'

تاب: فروغ یعنی تابش و نقش یعنی گرمی آتش و آفتاب و تاب نیز گویند، و طاقت و رنگ و آنچه در رشته درس و جزآن از تافتن افتد، چنانکه زلف نیکوان، یعنی پیچ که درین چسبنا افتد آن را تاب گویند، و جوق را هم گویند یعنی نوح، و رنج نیز باشد. ترب: تربیت و مکرم. تیب: شیب و برگشته یعنی مدبوش. تراب: رقیق آب بود به بالا اندک اندک و روغن نیز که از آوند بالا شدن گیرد و گویند از آن روغن غسل می ترابند. توب: دیده.

بهره 'ت'

تبت: چیزی از کار افتاده یعنی تباه شده. تبت: نام شعری است که آنجا مشک خیزد در بلاد ترکستان و گویند شهر خشن. تر: تر و مرط: بزبان [آمده] را گویند.

- له جاگیری ۱: ۲۵۵ طاقت و توانائی. هه نسخ: اصل: رونج، اما در مویده ۱: ۲۳۲ گفته زلفان فوج، نیز رک: مدار. هه رک: مدار ص ۳۳۹ ذیل تاب. هه رک: سرمد سلیمان ص ۶۰. هه مویده ۱: ۲۳۳: تیب: تیب یعنی سبب، و بقرار و برگشته و مدبوش، اما جاگیری ۲: ۲۲۵۳ معنی اول ندارد؛ نیز رک: مدار ۱: ۳۰۹. عه در اصل سبب؛ اما سرمد سلیمان شیب، و شیب یعنی مدبوش، جاگیری ۲: ۲۳۱. عه مویده ۱: ۲۳۲، مدار ۱: ۳۶۰، جاگیری ۱: ۹۰۳. هه از مصدر ترابیدن و تراویدن، رک: زلفان بخش سوم. هه رک: مویده ۱: ۲۳۲ که همین معنی گفته زلفان درج شده، نیز رک: مدار ۱: ۳۰۱. هه در اصل افتاده؛ اما رک: صحاح ۱: ۴۳ با شاه بیت سوزنی: اگر نه عدل ششستی و نیک رانی او: یقین خدستی کار جهان تباه و تبت مویده ۱: ۲۳۳: تبت. هه تبت از بلاد چین باشد و از خشن، هیچ علاقه ندارد. اما در ادبیات فارسی مانند ختن شک تبت شهرت دارد. هه نسخ: اصل: تر: تر و مرط؛ بظاهر صورت درست تر: تر (لفظ) و مرط (تایع). هه رک: صحاح ۱: ۴۴ که بزبان آورده دارد؛ جاگیری ۱: ۹۰۷: ناخفت و تاراج، زیر و زبر.

تعلیت: بار که بر پشت سوری بندند، تعلیت نیز گویند.
بهره 'ج'

تلاج: بانگ و مشط یعنی غلبه.
ترنج: افشردن و فراموش شدن، گویند ترنج یعنی فراموشی.
ترنج: فراموشی افشردن.
ترنج: راه باریک و دشوار باشد.
تاراج: غارت و از یکدیگر جدا کردن.

بهره 'ج'

نیماج: چرمی است رنگین و خوشبوی، آن شب که طلوع سبیل شود بزرگ [۱۲۶]
بوی حامل شود چنگ

بهره 'خ'

تشلیخ: مصلا یعنی سجاده.
تاخ: درختی است که میزم او زود بسوزد.

در مویده ایضاً تفصیص اندک باری است، و همچنین است در جاگیری ۱۶۸۲ تعلیت
بار اندکی را گویند که برابر بزرگ بندند. ص حفی ۱۹۹ تعلیت بار کم باشد.
مویده ۱: ۲۳۴ تلاج و تلاجج هر دو بهیمن بانگ و مشط، فرس ۵۴ تلاج بدین
بیت شایه:

شب بیاید بر دم دربان باج: در بجنبانید با بانگ و تلاج
رک: ادات: مویده ۱: ۲۳۶ و مدار: ۳۹۳، حیث عبارت هن آمده: از مصدر ترجمیدن؛
اما این مصدر در زبان و مویده نیامده.

از مصدر ترجمیدن بهیمن گرفته شدن و درشت گشتن رک: زبان و نیز رک: سر و سیلانی ۶۱.
رک: قواسم ص ۳۴، صحاح ص ۵۱، مویده ۱: ۲۳۶.

در مویده ایضاً این معنی گفته همین فرنگ (زبان) درج شده.
ادات: نیماج چرمی... که سبیل طلوع شود آن چرم دارنگی و بونی حاصل شود. عه کذاست در اهل.

مویده ۱: ۲۳۹: تشلیخ، اما رک: جاگیری ص ۱۶۶، قواسم ص ۱۵۸.

جاگیری ص ۲۵۷: تاخ نام درختی است که چوب آنرا میزم سازند، آتش آن
از میزهای دیگر بیشتر ماند و آنرا تابغ نیز گویند. و در حاشیه جاگیری بیت

ترخ: نام گیاهی است.

بهره: د

ترفند: بغین نیز گویند.

ترکند: همان ترفند است یعنی مکر و حیل و تزویر.

تکند: خانه مرغ و بعضی بکسر تا گویند.

تند: توانا و فربه و جنبان.

تربد: نام داروئی است چون فی میانه خالی، تربد نایزه [را] گویند.

بهره: د

تیر: عطارد و نام ماه که آفتاب در برج سرطان باشد و آنرا تیر ماه گویند و آنچند در سقف بود و تیر و کمان و نام شمعی است و فصل خزان و نصیب و تیر کشتی و سیزدهم روز از ماه.

→ سوزنی درج است که موبد معنی ناکور در جهانگیری است:

سوال من بتو گفتم از دست میدانم

از آنکو آتشی افزوده بهیستم تاخ

نیز رک: فرهنگ نظام ۱۷۷/۱.

ل ۱: ۲۳۹: ترخ بالفتح نام گیاهی است و قبل ترخ.

ل ۲: ۲۴۰: ترفند و ترکند و تروند یعنی مکر و حیل، اما صحاح ۷۶، تواس ۱۶۰: ترفند؛

جهانگیری ص ۹۱۲ ترفند و ترفنده دارد. ع ادات و جعفری ۱۲۱ ترفند و ترکند.

ل ۳: رک: تواس ص ۱۳۳، موبد ۱: ۲۴۱، جهانگیری ۲: ۱۵۰۶.

ل ۴: موبد ۱: ۲۴۱ تند بکمال و شرف از بعضی جنبان و جنبنده و بکمال زن گویا توانا و فربه نوشته.

ل ۵: موبد ۱: ۲۴۰ همین معنی بکمال ادات و زنان درج نموده.

ل ۶: زنان: نایزه ساز جولایان، جهانگیری ۱: ۵۳۱ نایزه فی میانه تنی باشد چنانکه جولایگان دارند.

ل ۷: موبد ۱: ۲۴۴؛ در جهانگیری ۲: ۲۲۵۴-۵۷ بیت و چهار معنی این کلمه درج شده.

ل ۸: گذاشت در موبد و هار ۱: ۴۰۹؛ و جهانگیری ۲: ۲۲۵۷ تیر: جنسی از مرغ بود.

ل ۹: تیر ماه ... روز سیه دهم آن روز تیر است و عیدی است تیرگان، جهانگیری ج.

تندر: بلبل در عهد غزنده، بعضی بزائی معجم گویند.
تبر: نام مرغی است.

تار: تاریکی و تار رشته یعنی ضد بود، و تارک سر را گویند.
توار: رستی بود که چون بار بر چهار پای نمیشد بدان بندند.
تیمار: غنوخاری و نگاهداشت.
تندپور: برجستن.

تتار: نام زمینی است از ترکستان که آسنباش مشک خیزد.
تنکار: سبهاگا.

تور: نام دلایتی است که توران زمین گویند، و نام مردی و نام گیاهی است که ترش گویند.
ترشیر: نباتی است که ازورژ حاصل شود.
تباشیر: داروئی است سپید و روشنی آدل صبح.

له جابگیری ص ۱۷۸۲ تندر و تند در بعضی رعد نوشته اما در موبد ۱: ۲۴۴ این هر دو کلمه را به معنی رعد نوشته و بعد بکواله زبان گویا یعنی بلبل نیز آورده، و مدار ص ۳۹۷ تند به معنی بلبل در عهد غزنده. نیز رک: ادات و جعفری ۱۲۳.

له این صورت در سیج فرنگ دیده نشد.

له رک: موبد ۱: ۲۴۳ و جابگیری ص ۵۷۱ بکر مرغیست.

له رک: موبد ۱: ۲۴۲.

له موبد ۱: ۲۴۴ عین همین معنی بکواله لسان اشعرا نوشته؛ و در زبان و دیگر فرهنگها مانند صحاح و ادات نوار همین معنی دارد، و همین درست است، و توصیف نوار است

له رک: ادات موبد ۱: ۲۴۴؛ اما مدار ۱: ۳۹۴ و جابگیری ۲: ۱۷۸۲ تند بوز همین معنی.

له در موبد ایضا، این کلمه "هندی" آمده؛ نیز رک: مدار ۱: ۳۹۴ ذیل تنکار و جابگیری ۲: ۱۷۸۶.

له ظاهراً مراد یکی از سه پرنسپیدون است.

له موبد ایضا: ترش، جابگیری ۲: ۱۹۵۰: ترس؛ مدار ۱: ۴۰۳ ترس؛ نیز رک: ایضا ص ۳۶۸ کلمه ترس و ترشش.

له جابگیری ص ۹۱۶: ترشیر گویند داروئی است از اجزای اکسیر.

له رک: موبد ۱: ۲۴۳ که تریاک دارد، نیز رک: مدار ۱: ۳۶۸.

له یعنی در مرکبات مانند تباشیر صبح بطور اضافت نقشیش.

بهره 'ز'

ترز^۱: مرغی است سپید و کوچک، دقت بهار در باغها نشیند و آواز خوش دارد و بلون خشینه بود و بر جلد و نیک تواند پرید.

توز^۲: آنج در کاهها پیچند.

توز^۳: بواو پاری حاصل کننده، و گویند کین توز است و فخر قواش گوید آنچه از کسی کسی رسیده باشد بد و باز رسانیدن و در ساله نصیر بسته است کشیدن و دوختن را گویند.

بهره 'ث'

ترث^۴: اول برگ گیاه در بر آمدن.

تکثر^۵: دانه انگور و درست تر آنست تا بکاف پاری گویند.

بهره 'س'

ترس^۶: دانه انگور آنک در میان غشتم [بود].

ترس^۷: زمین سخت.

۱. رک: قواسم ۳۳ متن حاشیه. در مویده ۲۴۲: ۱ تر بمعنی مندرج معنی: در ص ۲۴۷ تر بمعنی صموه.

۲. زفان: خشینه سپید ضد سیاه گویند سپید رنگ الخ مویده ۲۴۷: ۱ توز چیزی که بر کاهها پیچند.

۳. امر از مصدر توختن و توزیدن بمعنی کشیدن و حاصل کردن و انداختن و جمع نمودن (رک: مویده

۲۶۸: ۱)

۴. سنخو قواس چالی نیامده! اما خود در زفان گویند مویده ۲۶۸: ۱ توختن بمعنی چیزی که از کس رسیده

باشد باز بد رسانیدن.

۵. نیز رک: مویده ایضاً. مویده ۲۴۷: ۱ جانگیری ص ۱۲۲۱: ترز دو

معنی دارد: اول برگ گیاه نوبر آمده دوم: مرغی باشد کوچک جثه. در اصل در زفان 'ترز'

بمعنی دوم آمده. سنخو اصل: بر برگ.

۶. رک: قواسم ص ۵۰، ۵۵.

۷. رک: تکثر؛ نیز قواسم ص ۵۰.

۸. غزم خوشه انگور... و حسن گویند صره انگور بود که شیر و نکش اندر میان دی باشد (زفان).

۹. رک: قواسم ص ۲۹، مویده ۲۶۸: ۱، مدار ص ۳۶۴.

بهره بخش

تش ^{له} : تیش ^{له} بزرگ در دگر آن که درخت بدان بشکافند و بشکنند.
 تاش ^{له} : یار و خانه ، گویند خواجه تاش یعنی خواجه خانه است.
 نوش ^{له} : بود پارسی ، توانائی و قوت.
 توخش ^{له} : کشیدن.

تراش ^{له} : تراشیده و گرفتن و سدن.

بهره رخ

توغ ^{له} : هیزم سخت یعنی هیزم که آتش [درق ۱۲۷] او تیز باشد.
 تیغ ^{له} : شجاع دادن شمشیر و ماهتاب و آفتاب و آنچه بدان ماند و همان شمشیر که دم
 شیر دارد و سر کوه و راه ، نیز ^{له} سومی دارد و شمشیر.
 تاغ ^{له} : درختی است که آزارت از می غضا گویند.

له رک : تواس ص ۱۱۵ ، صحاح ص ۱۴۹.

له صحاح : درخت را بدان بشکافند و بشکنند.

له موبد ۱ : ۲۴۹ : تاش خواجه و خداند کبار و خانه الخ.

له موبد ۱ : ۳۶۰ : خواجه تاش یعنی خداند خانه و نیز غلامان و چاکران یک خواجه الخ.

له رک : صحاح ص ۱۴۹ ، در موبد ۱ : ۲۵۰ این معنی بحواله شریفنامه آمده.

له در موبد ایضاً این معنی بحواله زفان آمده.

له در ادوات یعنی براده و گرفتن و سدن.

له رک : صحاح ص ۱۶۲ ؛ جابگیری ص ۱۹۵۴ : توغ هیزمی است که آتش آن دیر

بماند و آزارتاغ و تاغ نیز خوانند.

له صحاح ص ۱۶۲ : تیغ شجاع ماه و آفتاب.

له رک : مدار ۱ : ۴۱۲ ، همان شمشیر که دم شیرماند.

له کذاست در اصل.

له تاغ و تاوغ و توغ بمعنی هیزم سخت و بدین اعتبار ، مترادف ، صاحب زفان بدین متوجه

نشده ، هر سه را جدا جدا معنی نوشته.

له نسخه اصل : غضا ؛ اما در صحاح غضا مترادف تاغ ؛ و معین ۲ : ۲۴۱۹ تاغ مترادف غضا.

بهره اف

تف: گرمی و عفونت.

ترف: پنبه دگویند که ترشی است، دوع را چند آن می جوشانند که بسته شود و خشک می کنند، وقتی که در آب حل شود ترشی خوب می شود.

بهره اک

تبوک: طبعی مثل دف، بقالان [را] باشد که اسنجه [اجناس] بود بدان اندازند. تابوک: بر دهن داشت در عمارت.

تنک: تنی باشد و برهنه، گویند تنی و تنک اتباع اند چنانکه اسم در رسم. ترک، خود یعنی مغفرو کلاه.

تنبک: چنای زین و در سبزه زین مرکبان باشد.

تنبک: همان تنبک است.

تاک: درخت انگور.

تلوک: صراحی سفالین و یا زرین و یا سیمین بر صورت آوند چینی یعنی بر صورت چسبزی از اجزای نوران سازند چون شیر [و] گاو و ماهی، و شراب بدان خورند.

له کذاست در ادوات. له رک: صحاح ص ۱۶۸، مویه: ۲۵۶، جاگیری

ص ۹۱۱. له همین ترتیب در مدار: ۳۶۶، اما در صحاح

نوشته که چیزی مانند کشک است که آنرا خرد بسیارند الخ.

له رک: مویه: ۲۵۸، مدار: ۳۵۱، تورا که نیز یعنی دف می آید. رک: صحاح ص ۱۷۶:

تورا که بدست دمن یکی بر بطن چنگ! معین: ۱۰۲۵ فقط تورا که دارد، و بمعنی پس که بقالان دارند الخ مانند متن.

ه در اصل کرم خورده! اما رک: معین! نیز رک: مدار: ۳۵۱ که از روی آن خراکی باشد.

ه رک: مویه: ۲۵۸، مدار: ۳۳۹، جاگیری: ۲۵۸ تابوک محتاج عادت.

ه رک: صحاح ص ۱۷۷. ه صحاح: بطریق اتباع.

ه در اصل 'اسم' افتادگی دارد.

ه رک: مویه: ۲۵۹، مدار: ۳۶۷.

ه جاگیری بابت عمید لویی شاه حسن اش (ص ۱۷۸):

بر کمان چسب پیش پیک مسرخ را: هم کمان تنبک نیم شیر ساطور آمده

تموک: نشان

تلمک: ادرک^۱، و در فرسنگنامه فردوسی است: تلمک دانه باشد که بتازی آزار جلیان گویند.
 ترندک: صموه یعنی سرخه^۲، و در فرسنگ نامه رای مهمله است و بعضی بدو کسر گویند.
 ترنگ^۳: تدر و تورنگ^۴ نیز گویند.
 تردک: کرم گندم و در فرسنگنامه زاسی معجمه است.
 تریاک: پا زهر و هر آنچه مضرت دفع کند.
 تبوراک^۵: آوندی که بتازی کر^۶ بال گویند، و گویند تبوراک بدانچه آرد و بیزند.
 ترشک^۷: پرند ه ایست بیزوام.
 تارک: فرق سر و خود^۸.
 تباک^۹: نام مردی.

اما این خرد قبول نظم نموده و قافیه اش کول آورده، رک: ایضا.

۱ رک: مویده ۱: ۲۶، مدار ۱: ۳۹۳. ۲ رک: قواسص ص ۱۳۸، صحاح ص ۱۷۷.

۳ رک: صحاح ۱۷۷، ادات، مدار ۱: ۳۹۲، تموک نشانه تیر.

۴ رک: مویده ۱: ۲۶۰، جاگیر ص ۱۶۰، مدار ۱: ۳۸۹.

۵ ادات تلمک لوبیا که عرب آزار جلیان خوانند و قیل ادرک، دستور الاخوان ۱۹۸ جلیان لوبیا.

۶ پرند ه ایست سیاه دم دراز نول و آزار ترندک و بتازییش صموه و بیزد موله نامند (مویده ۱: ۵۱۲).

۷ اصل: گویند ترندک.

۸ رک: مویده ۱: ۲۵۹، سر و سیلانی ۶۵، ادات ترترک و تورنگ.

۹ رک: مویده ۱: ۲۶۲، جعفری ۱۲۷.

۱۰ رک: مویده ۱: ۲۵۹، جاگیر ص ۹۱۰.

۱۱ رک: ایضا.

۱۲ رک: مویده ۱: ۲۵۸، جاگیر ص ۵۷۶-۵۷۷؛ تبوراک رسمی دارد:

طبلک یادف، غریال، طبعی پس

دستور الاخوان ۵۱۷ اگر یال تبوراک؛ ادات تبوراک آوندیست و قیل آنچه بدان آرد و بیزند، نیز رک: مدار ۱: ۳۵۱.

۱۳ مویده ۱: ۲۵۹؛ ترسک، اما رک: مدار ۱: ۳۶۵.

۱۴ در مویده ۱: ۲۵۸ این معنی بحواله زبان گویا درج شده.

۱۵ در مویده ایضا این واژه به معنی بحواله قفیه آمده و مدار ۱: ۳۶۸ بمعنی نام مردی.

تاژیک : نام^ش ولایتی و طایفه .
 تنگ : رستینه است سبز و ام ، ترش طعم .
 بهر^ه آگ

تلرگ : تراله .

تنگ : بفتح و کسر ، بن حوض و قعر دریا یعنی تنه آب .

توزنگ : تدر و ، و بجم^ب بضم تاد و او پارسی گویند و بعضی بواو عربی .

ترنگ : تارک سرد و غرقاب .

تلنگ : بضم^ت بن و سکون نون ، حاجت ، و گویند بضم تاد و فتح لام .

تنگ : ضد فراخ و آنچه اسب را بمیان دو زین ، بندند و جوال و خردار چیزی و دره کوه و مایه

گردآورده چنانک [ورق ۲۸۸] گویند تنگ^ش یعنی مهر .

ترنگ : آواز کمان و زخم .

تونگ : گنجینه ، و بعضی توپک ببا و کاف^ل عربی گویند .

له از اغلب فرهنگها تایید این معنی نمی شود ؛ فقط در مدار ۳۴۳ تاژیک نام ولایتی .

له جابگیر ص ۱۶۸۲ : تمیک نوعی از رستنی که طعم آن ترش بود . و در بعضی از فرهنگها بجای پنجستانی

نون مرقوم است ، مدار ۱ : ۳۹۲ تنگ ، تحت الحاحه تنک و تمیک ، شرفنامه تمیک

(رک : مدار حاشیه)

له رک : مویده ۱ : ۲۵۹ تنک و فرهنگ تواس ۲۴ : تنک بن حوض

له رک : تواس ص ۶۹ ؛ نیز رک : ترنگ در همین فرهنگ .

له رک : مویده ۱ : ۲۶۱ ، درین فرهنگ این معانی گفته ادا^ت درج شده ؛ نیز رک : جابگیری ص ۹۱۸ .

له رک : تواس ص ۹۲ ، مویده ۱ : ۲۶۱ له رک : مویده ۱ : ۲۶۱ ، سرسلیمانی ۶۵ .

له جعفری ص ۱۴۱ تنگ مقداری از درم مس .

له رک : صحاح ص ۱۹۵ ؛ مویده ۱ : ۲۶۱ ، ترنگ یعنی آواز کمان و زخم بجواز ادا^ت و آواز کمان قوت

تیر انداختن بگفته^ت لسان اشرا ؛ جابگیری ص ۹۱۸ - ۹۱۹ بمعنی تارک سر ، آواز کمان ،

انگیز و جنت و خیز ، غرقاب نوشته

له رک : مویده ۱ : ۲۶۰ ، ۲۶۲ .

له جابگیری ص ۱۹۴۶ : توپک گنجینه را گویند ، و ادا^ت الفضلا بجای بانای فوقانی و در شرقنامه

بنون آمده .

مهره 'ل'

تزدال: برگ گیاه.

تا پال: بیای پارسی، تنه دخت، تا پان نیز گویند.

تگل: باکاف پارسی، دنبه سوزن که بتازی کبش گویند، دگویند تگل جوانی که هنوز غلظت تمام ندیده بود، بعضی گویند این یکاف عربی است.

تا دل: خرد و گاو جوان.

تویل: پیشانی از سنرا سر.

تنبیل: فریب و حرکت و سخر، و گویند فرمبده.

مهره 'م'

تیم: وزن سیم، سرای و خانه و کاروانسرای.

تسم: بی همتا بزرگی و قامت.

تتم: تتری و آن ترشاده است معروف.

س ۲۶۳:۱: تزدال و تزدال برگ گیاه و در زبان گویا بازای تازیست، تزدال بوزن هلایل برگ گیاه کذافی سان اشعار و در دستور بازای فارسی است. جهانگیری ص ۹۲۰ تزدال آورده و گفته:

زبان تزدال نوشته. س رک: مویا: ۲۶۳:۱، جهانگیری ص ۲۵۶

س در مویا: ۲۶۶:۱ این واژه همین معنی بگفته زبان آمده.

س در مویا ایضا بگفته زبان هر دو معنی نوشته. س نواسس ص ۸۲ و صحاح ص ۶۰۶ و شرفنامه نخط همین معنی آمده: و در جهانگیری ۵۶۲ تگل با اول و ثانی مفتوح بعضی غوج جنگل و با اول مفتوح و ثانی مکس بعضی نوحه و با اول مکس و ثانی مفتوح پارچه بود. س مویا: ۲۵۸:۱ تاوک، ۲۶۳:۱ تاوک، هر دو معنی خروگاه و جوان و جهانگیری ص ۲۷۷ تاوک و تاوک هر دو همان معنی.

س مویا: ۲۶۳:۱: تویل بوزن جمیل پیشانی و فرق و سرو تاوک سرانج، دار تویل پیشانی از فراز سرانج.

س مویا ایضا تنبیل مرد هیچکار و سخره، و نیز مکرو حیل، جهانگیری ۱۷۸ هر دو معنی آورده با شواهد شعری برای مکرو حیل.

س رک: مویا: ۲۶۵:۱ صحاح ص ۲۱۸: تیم کاروانراشته. رک: صحاح ص ۲۱۷.

س مویا: ۲۶۵:۱ تتم بهشتین ترشاده است که آنرا سماع نیز گویند و در فریبک علی است که این لغت ترکی است و در جعبانگیری ص ۴۴۴ تتم سماع باشد.

س مدار: ۲۷۷:۱ تتری بافتح ترشاده است معروف که در دیگر اندازند، صحاح ص ۳۰۰ و جهانگیری ص ۴۴۴ تتری سماع باشد.

س نسخه اصل: ترشاده.

مهره 'ن'

ترین: زمین سخت.

ترن: گل نسرین.

تان: دهن از درون سوس، دگویند تان یعنی شتا.

ترشکان: ایوان حمام یعنی آنجا که آتش سوزند یعنی آتشدان گرما به، و در فرهنگ نام فرخ قواس
ترشکان آتشدان گرما به.

تریان: نوعی از سبید بید بافته باشد.

ترینان: طبقی که آنرا همان تریان گویند و گویند نوعی از سبید است.

توبان: ازار کوتاه کشتی گیران یعنی شلوار تنگ و چابک، و توبان بضم و فتح نیز
گویند.

ترزفان: ترجمان.

توران: نام دلاستی است که بدان طرف آب آموست و این آمو آبی است که در
زیر خوارزم می رود.

۱ رک: مدار: ۳۶۳، جعفری ۱۳۲ اما رک: ترس در همین لغت؛ بظا بر تصحیف ترس.

۲ رک: قواس ص ۴۴، و مویه ۱: ۲۶۷ ۳ رک: مویه ۱: ۲۶۶.

۴ نسخ: اصل: شمار. ۵ در اصل حرف دوم و منبع نیست، متن تصحیف قبا:!

۶ مدار ۱: ۵۱۳ توشکان و ترشکان بر دو. ۷ قواس ص ۱۳۱ توشکان دارد نه ترشکان؛ واضح
است که نسخ قواس که پیش صاحب زلفان بوده از نسخ چالی تفاوت داشته.

۸ قواس ص ۱۳۴، مویه ۱: ۲۶۸. اما ادوات توشکان به همین معنی.

۹ قواس ص ۱۳۴، تریان و ترینان سبیدی که از بید بافتند.

۱۰ رک: فرخ ص ۳۶۷، صحاح ص ۲۳۸، قواس ص ۱۵۴، ادوات، مویه ۱: ۲۶۸، سردری ص ۱۳۷
برهان ص ۵۲۷. ۱۱ در مویه و برهان توبان به همین معنی آمده.

۱۲ رک: مویه ۱: ۲۶۷ و مدار ۱: ۳۶۴ و جهانگیری ۱: ۹۱۰ که ترزفان را بمعنی مترجم دارند؛ اما در مقدمه قواس
ص ۲، ترزفان بمعنی ترجمه آورده: ترزفان: نویسی - ص ۳: در زبان تازی و فارسی ترجمان کرده.

۱۳ یعنی ماورا و النهر.

۱۴ رک: آمو در همین لغت؛ آمو، آموی، آموی یکی است: رک: فرهنگ معین ۵: ۶۰ - ۶۲.

۱۵ رک: فرهنگ معین ۵: ۸۷.

توسن^{له}: کړه نارنده و نارام .
 ترکمان^{له}: طالبه ای از ترکان است .
 تهمتن^{له}: نام مردی ، و گویند رستم است و بعضی گویند آن بهمن است .
 تاوان^{له}: غرم^{به}

مېره 'و'

تگوشه^{له}: باکاف پارس ، جده زنگیانه و موسی زنگیانه .
 تیو^{له}: طاقت .

تترتو^{له}: لاغ و سخر ، و بعضی بدو فتحت و سکون و او پاری .
 تېنگو^{له}: زنبیل و تغار و سبد ، و حجام را نیز گویند .
 تینگو^{له}: بفتح و ضم همان حجام .

له ۱: ۲۶۸: توسن ... و در قیلم میان قاضی شه از زفان که یا بمعنی آب دبنده نیز مرقوم است ، اقول شاید از باب سوکات باشد که بجای اسب آب مرقوم شده .
 له ۲: ۳۸۷: رک: فرینگ معین ۵: ۳۸۷. له این واژه مرکب است از تهم بمعنی بزرگ و عظیم و لی همت + تن یعنی عظیم البخت ، چون رستم در دلاوری بی همتا بود ، او را ازین لقب ملقب نمودند (رک: جباگیری ۲: ۲۱۶۳).

له ۳: ۴۰۸: تهمتن نام مردی که آزار رستم نر گویند. له در مویده ۱: ۲۶۹ تهمتن ... در زفان که یا بمعنی فرمان کردن است . اما نسخ حاضر از زفان از این مندرجات هیچ ندارد ؛ مدار ۱: ۴۰۸ بمعنی فرمان برداری کردن . له نسخ اصل: تهمتن تصحیف بهمن ، رک: مویده ۱: ۲۶۹ ، مدار ۱: ۴۰۸ .

له ۴: نسخ اصل: تاران. اما تاوان بمعنی غرم ، غرامت ، رک: سرمد سلیمانی ص ۶۷ .
 له ۵: دستور الاخوان ص ۵۵ الغرم: تاوان ، معین ۴: ۲۴۰ غرم بمعنی تاوان ، غرامت .

له ۶: مویده ۱: ۲۷۰ . مدار ۱: ۳۸۶ .

له ۷: تیو و تنو بمعنی طاقت ، رک: مویده ۱: ۲۷۰ . در فرینگ جباگیری ص ۲۲۶۳ تیو بمعنی تاب و طاقت آمده دبیت زیر شاهد رج است :

له ۸: فنادند بر خاک بی پوشش و تیو : همی داشتند از عسمن دل غریب و (اسدی)
 له ۹: رک: توآس ص ۱۱۳ ، فرس ۱۲۴ .

له ۱۰: رک: توآس ص ۱۳۵ ، فرس ۱۲۴ ، صحاح ۲۹۴ ، ۲۹۹ قیسکو باکاف عربی .

له ۱۱: در اصل واد عطف بعد از سبب اشتباه ثولف است ؛ سبب حجام درست است . رک: مدار ۱: ۳۵۱ .
 له ۱۲: این کلمه در فرینگها دیده نشد ، اما در تانگو باشد . ممکنست تصحیف تینگو باشد .

تیهو: جانوریست بزرگتر از چفتک.
تنو: طاقت.

تدرو: دراج، دگویند جانوری است سرخ دام خوش رفتار و بعضی بذال معجم گویند
تگاو: زمینی که درو [درق ۲۹] آب زود کم شود و جابجاست ماند
تسو: چهارپای، بستازی طسوج گویند.
تربو: جاسه باریک و سفت، و بعضی بضم تا گویند.
تاگو: حجام.

بهره 'ه'

تواره: خانه ای که سرگین و روفته درو بود، و پرچین یعنی باره خار بست و نشستن گاه را
نیز گویند تواره.

- له موی ۱: ۲۷۰ خود ترا کنجشک.
له زبان: چفتک کاروانک، پرند است معروف. موی ۱: ۲۹۵ چفتک جانوریست خود ترا:
تیهو که آنرا کنجشک نیز گویند و کاروانک که افی زبان گویند. سه رک: تیهو.
له در موی ۱: ۲۷۰، این معنی بگفته زبان آمده.
له طبق دستور تفریق میان دال و ذال فارسی تذرو، درست تر صحت تر صورت است.
له در موی ۱: ۲۷۰، همین معنی درج شده؛ جهانگیری ص ۱۵۶ اکتاب و تگاو همین معنی
آمده.
له که است در موی ۱: ۲۷۰؛ اما در جهانگیری ص ۱۲۷۸ توهو را گویند از بیت و چهارصد گز و
سیر و روز و شب و غیره الخ کمال اسماعیل
گرچه مراحت بخند و در فضل: نیست ز دانگانه مرا یک تسو
نیز رک: دستور الاخوان ۴۰۹ طسوج چهارپو.
له رک: قواس ص ۱۵۳، موی ۱: ۲۷۰، جهانگیری ص ۹۷۰.
له رک: قواس ص ۱۸۵، موی ۱: ۲۶۹، ۲۷۰، جهانگیری ۲۶۹: تانگو و تونگو را بدین معنی
آوردند. و ادات فقط 'تونگو' دارد.
له صحاح ص ۲۷۱: تواره خانه باشد که در آن جز سرگین و پلبیدی و گاه بهیج نبود.
له مدار: ۴۰ سرگین روفته. موی ۱: ۲۷۵ روفته و همین است در ادات و لسان الشعرا، در اول
الذکر هر سه معنی و در لسان اول دوسمی آمده.
له جهانگیری ۲: ۱۹۳۵ خانه و دیواری که از گاه و علف سازند.

تفسه: طعنه زدن، و بعضی به سینه ممله گویند.
 تنوره: پوششی است همچو جوشن و لکن جیبهای دراز دارد.
 ترعه: بغتین، گرفته رد و ترنجیده، و عضوی که از درد حرکت نتواند کرد، گویند ترعه شده است، و بعضی بفتح تا و سکون را گویند.
 تروه: جفت ضد طاق، و در فرهنگ نام است تروه: طاق.
 تبیره: طبل و دمامه.
 تروه: راه پشته.
 تنده: غنچه‌ای که برگ بیرون زند.
 تلوسه: غلاف کارد، و بفتح تا نیز گویند، و در فرهنگ نام است: تلوسه خلاف کارد و توره آن الله باز حرما می تر است.
 توره: شکال و آن جانور نیست که بشب بانگ کند، بسندوی گذر گویند.
 تله: دام، فتح.

- له رک: صبحاح ص ۲۷۰. شه رک: مویه ۱: ۲۷۴.
 سه رک: مویه ۱: ۲۷۵، مدار ۱: ۳۹۹، جهانگیری ۲: ۱۷۹۱ در آخرد فرنگ بیت نظامی گنجوی شاه آمده.
 شه رک: مویه ۱: ۲۷۳؛ در جهانگیری ۱: ۹۱۱ بیت زیر مخیک شاه است:
 ز بس کوب از زمانه یافت بخت به اعضای او گشته ترعه
 شه رک: مویه ۱: ۲۷۳، جهانگیری ۱: ۹۲۰. شه رک: مویه ایضا، جعفری ۱۳۷ ترده.
 شه مویه ۱: ۲۷۲ مینا همین معنی دارد؛ تبیر نیز همین معنی می آید، رک: صحاح ص ۱۰۲.
 شه صحاح ۲۷۰ و جهانگیری ۹۲۴. تروه راه پشته پشته؛ بابیت شاه از شهید.
 شه رک: مویه ۱: ۲۷۴، محب‌انگیری ۲: ۱۷۸۵.
 شه قواس ص ۵۲؛ مویه ۱: ۲۷۴ تلوسه بوزن سبوسه غلاف کارد و تیغ ... و در ادوات هست:
 غلاف دانه حرما و در دستور الافاصل غلاف کارد یعنی شکوفه.
 له ادوات: غلاف دانه حرما نیز.
 شه رک: مدار ۱: ۳۰۳، جهانگیری ۲: ۱۹۵۱.
 شه یعنی گیده.
 شه رک: قواس ص ۷۷.
 شه مدار ۱: ۳۹۰ تله دام عرب آنرا فح خوانند.
 فح غلظت فح واژه مصحیح می باشد، دستور الاخوان ۴۶۸ الفح دام.
 رک: نصاب الصبیان ص ۴۳: منقبت مته شرک چه بود دام فح تله.

تندیله: صورت.
 تنخه: اصل و نام زحمتی است که در آسب باشد.
 تماخره: سخره.
 تزه: برای پارسی، دندان کلیدان و غنچه درخت.
 تابه: بدایج بریان کنند، بتازی مقله گویند.
 تفته: خانه عنکبوت یعنی پرده او.
 توانچه: طهراق و تماچ نیز گویند.
 تشه: پیمانۀ رودن.
 تلنه: حاجت یعنی نیاز.
 تفشید: گوشت و گندم و گندنا و جوز مغز و بیض یجا بدیگ کرده و پخته یعنی ازین همه خوردنی پزند آنرا تفشید گویند.
 تجله: نعلین و عصا و بلغتی خانیز آمده است.
 تفسمه: کلفه.

له قواسص ۸۴: تندید و پیکر صورت باشد. آسب قید است نیست بلکه این مرض آدمی و حیوانات دیگر را بهم رسد. نوعی از بیضه است: رک: مویده ۱: ۲۷۲ و جاگیری ۱: ۷۳۳.
 له جاگیری ۲: ۱۶۸۱ تماخره: هزل و مزاح و ظرافت و سخر.
 له جاگیری ص ۱۲۲۱ تزه یعنی غنچه گل و مویده ۱: ۲۷۳ تزه (صح تزه) یعنی دندان کلید و غنچه نوشته: فرس ۴۴۲، صحاح ۲۷۰ تزه زای طری، قواسص ۱۲۵، بریان ۴۹۵ تزه زای فارسی، سروری ص ۳۳۴ تزه یعنی دندان کلید.
 له رک: مویده ۱: ۲۷۱ تابه آنچه بران نان پزند و تاده نیز گویند شش. عه دستور ۱۶۰۲ القلاء تابه.
 له مویده ۱: ۲۷۴ و جاگیری ص ۱۳۶۸، صحاح ۲۷۰، بیت شام:
 عشق او عنکبوت را ماند ... بتنیده است و تفته کرد دلم
 له مویده ۱: ۲۷۲، ۲۷۵، توانچه و تپانچه بتازیش طهر. له رک: قواسص ۱۳۶ تن و حاشیه.
 له رک: مویده ۱: ۲۷۴، مدار ۱: ۳۸۹ نیز ببنید: تلنگ و تلنگی در بین فرنگ.
 له رک: مویده ایضاً. جاگیری ۱۳۶۷ تفشید و تفشیده برود آورده؛ نیز رک: فرس ص ۴۴۴ صحاح ۲۷۰.
 له لذات در اصل؛ اما در بعضی فرنگها بنجا آمده است. رک: فرس ۴۲۸، قواسص ۱۵۶، صحاح ۲۷۰، سروری ص ۳۲۶.
 له جاگیری ۱۳۶۷: تفسه سیاهی بود که بر بشره پدید آید ... بتازی کلفه و بسندی چسائی.

تاسه: سیاه‌ی روی و بی‌قراری.
 تالواسه و تلواسه: اندوه و بیقراری.
 ترده: مرد آسیا و اجرت آسیا را ست کردن.
 ترنجیده: گرفته و درشت را گویند.
 توکله: گنجینه.
 ترفیده: هرزه و بفرهنگ [شه]
 تفیله: نام جامه است.
 ترانه: گونه‌ای از سرود و نواخت است.

۱. رک، موبد: ۲۷۱؛ اما در جهانگیری ص ۲۶۴ تاسه و تاسا و آسرسی بی‌قراری.
 ۲. موبد: ۲۷۲؛ تالواسه... در ادات بعضی بیست‌اری است و عوام آنرا تلواسه نیز گویند؛ و حال آنکه جهانگیری ۲: ۱۶۰۳ تلواسه و تلوسه یعنی اضطراب نوشته و برای هر دو شاید آورده؛ زبسن تلواسه کاندز جان من بود؛ توگفتی مرد من در مان من بود (استهزی)
 در تلوسه امی چنین جیگر سوز؛ می دید عقوبتی دوسه روز (امیر خسرو)
 و تالواسه شامل این فرهنگ نیست؛ ازین توضیحات روشن می‌شود که تلواسه بگفتگوی عوام نیست چنانکه در موبد آمده. موبد: ۲۷۴؛ تلواسه و تلوسه هر دو را بعضی بیست‌اری آورده.
 ۳. موبد: ۲۷۳؛ جهانگیری ص ۹۱۰ ترده یعنی اول نوشته؛ و در مدار: ۱: ۳۶۴ ترده اجرت آسیا راست کردن، برای مجله نیز.
 ۴. موبد: ۲۷۳؛ ترنجیده 'زبان درشت شده'... زبان؛ ترنجیدن گرفته شدن و درشت گشتن (ذیل بخش سوم)، سر در سلطانی ۹۹ ترنجیده سخت تنگ در هم آمده.
 ۵. اصل - توپه؛ اما در اکثر فرهنگها توپک یا توپک همین معنی آمده؛ مدار: ۱: ۴۰۱ توپک... در اینجا توپک گنجینه و یعنی بجای بانون؛ در سکندری در باب لام همین پیشانی الخ؛ جهانگیری ۲: ۱۹۴؛ توپک گنجینه را گویند و در ادات الفضلا با تاء فوقانی و در زبان بانون، سلطانی ۷۰ توپک گنجینه.
 ۶. لذت در اصل؛ ترنده درست است؛ جهانگیری ۱: ۹۱۲ ترنده و ترنده یعنی تزیید و دروغ و مکر. اکثر فرهنگها ترند دارند ترنده یا ترفیده. رک؛ تواس ص ۱۶۰، اصحاب ص ۱۶۰، و نیز همین فرهنگ.
 ۷. مدار: ۱: ۳۶۷؛ ترند و ترنده هرزه و دروغ و محال.
 ۸. در اصل کرم خورده، ممکن است ترنده بانون باشد.
 ۹. ادات تفیله نوعی از جامه پاک برای زیست یافت؛ نیز رک؛ جهانگیری ۲: ۱۳۶۷.

ترین: طعمی است که بتازی [ورق ۱۳۰] عویش گویند.
تروش: میوه ایست.

تازیانه: چابک.

تازه: جدید و پالایند.

تغاره: آوند بزرگ روگشاده.

تواچه: گوشت نرم پخته، و تباچه و تماچه نیز گویند.

تاه: توی باشد یعنی پرده، گویند دو تاه یعنی دو توی، و نیز کنایت از اعداد، گویند تاه می چنبد.

تیش: نام شهری که فسریدون در آن بود.

تشارچه: تیری است که بر پرندگان اندازند.

۱ رک: ادات و مویده: ۲۷۳. جاگیری: ۹۲۳؛ قواس ۱۴۳ یعنی کنجد آرد کرده.

۲ دستور ۴۴ العویش ترین؛ معین ۲۴۵۲ غوث نوعی ادطعام که آتزا ترین سازند؛ نیز رک: بهین

فرنگ ص ۱۰۷۶: زغری، مقدمه الادب ص ۳۴۵ عویش، ترین، ترغین، ترغانه آب کشک.

۳ رک: ادات و مویده: ۲۷۳. مویده: ۱۲۷۱ این معنی بگفته زغان نوشته.

۴ مویده: ۲۷۵

۵ رک: مویده: ۲۷۵، مدار: ۱: ۴۰۱.

۶ برای صورتهای کلد: تباچه، تماچه، تباهید رک: مدار: ۱: ۳۴۸، مویده: ۲۷۲ تباچه،

تماچه، تباه، تواه چهار صورت دیگر نوشته.

۷ رک: مویده: ۲۷۲.

۸ جاگیری: ۲: ۱۹۵۶ توی معنی توه و تاه دلای نوشته.

۹ مویده این معنی بگفته زغان آورده؛ نیز رک: مدار: ۱: ۳۴۷.

۱۰ مدار: تالی چند.

۱۱ نسخه اصل: تمشیت: مویده: ۲۷۴ تمیش، تمیش و تمیش دارد، جاگیری: ۲: ۱۶۸۲

تمیش. حدود العالم ص ۱۴۵: تیش شهرکیت (از طبرستان) خرد، گردوی باره و

نعت بسیار و اندکوه و دریا نهاده است و حصاری دارد استوار و اندروی پشته بسیار

باشد اندر همه شهر مگر مکرک (= مسجد) جامع که پشته اندروی نرود.

۱۲ این طور بیان افسانه ایست و اهمیت کتاب می که به؛ مویده: ۲۷۵ تمیش نام شهری که

فریدون در آن بود کذا فی الادات.

۱۳ رک: مویده: ۲۷۲.

توباره: بجز نباشد.
تبخاله: تبشی باشد که بر روی برآید.
توده: انبار.

بهره‌ی

تشی: روباه ترکی، روباه خانداز، داین جانوریت از خزندگان.
تلی: دست انضار حجام یعنی دست افزار دان و این درست تراست.
تلمکی: حاجت مند.

توالی: طمانجه.

تس: خالی.

تتری: ترشاده است که در دیگ اندازند.

[.....] است چنانکه مدور و ملمع و معرج.

تودری: نام گیاهی است، دو گونه باشد، لعل و سپید.
تالکی: کشنیزاشتی.

گونه‌ی جسیم بهره‌ی

جلب: نامستور.

له: رک: مویده: ۲۷۵، مدار: ۱: ۴۰۰؛ اما اداوت توپاره با و داد فارسی: بجز نر.

له: اصل کرم خورده. اما رک: مویده: ۲۷۷ و در این فرهنگ بگفت زفان معنیش بیان شده.

له: تواسس ص: ۱۸۵: تلی دست انضار کارگران؛ در مویده معنی کله بگفت زفان بیان شده.

له: رک: تواسس ص: ۹۲ اداوت، و میده: ۲۷۸؛ رک: تلمک و تلمه در همین فرهنگ.

له: رک: مدار: ۱: ۴۰۱، در مویده معنی کله بگفت زفان نوشته شده.

له: رک: مویده: ۲۷۶، مدار: ۱: ۳۵۲، زفان گویا ذیل 'تتم':

له: رک: اداوت و زفان ذیل 'تتم':

له: اصل داژه و جزئی از معنی اش در نسخ 'اصل کرم خورده و ناخوانا.

له: رک: مویده: ۲۷۸، مدار: ۱: ۴۰۲؛ در مویده کسی از زفان برده شده.

له: رک: مویده: ۲۷۷، مدار: ۱: ۲۴۵. له: صحاح ص: ۳۸: جلب نامستور.

بهره 'ت'

بفتوت^۱: حشو آگنده یعنی پنبه آگنده ، و ضم جیم و سکون غین لغتی است ، و بعضی فرمکنان
جیم پاری مفتوح و غین ساکن است .
بفت^۲: جوهری است فرومایه ، کبودی که برخی زند .
جرست^۳: آواز برهم سودن چیزی .
بفت^۴: نوعی از انگور .

بهره 'ج'

جوج^۱: آن پاره گوشت باشد بر سر خروس و بر سر ترکها کنند و بر سر طاق ایوان و
مانند آن .

بهره 'خ'

جوخ^۱: گران و فوج .

بهره 'د'

جلوند^۱: چسبناغ .
جاورد^۲: خارسپید ، بعضی بزای معجه گویند .

۱ رک: تواس ص ۱۵۱ ، موید: ۲۸۵ .

۲ در موید بختین .

۳ رک: فرس ص ۴۱ ، صحاح ص ۴۴ . ۴ رک: تواس ص ۱۵۹ ، صحاح ص ۴۳ که مندرجات

عیناً بر طبق متن است

۵ جهانگیری ۱: ۹۲۶ جرست آواز برهم زدن دندان . کشف الاسرار ۶: ۴۱۰ جلد طاعات و عبادات و
اعمال و اقوال اولاد آدم در مقابل کمال و جمال الهی جرست دوک پیر زنان نیست (حاشیه جهانگیری) .

۶ رک: مدار ۲: ۱۹ ، مدار ۲: ۱۹ .

۷ موید ۱: ۲۸۵ ذیل فصل عربی ، مدار ۲: ۳۳ .

۸ موید ۱: ۲۸۶ ذیل فصل عربی ، و در زبان گویا جوخ بافتح فوج گران ، اما جهانگیری ۲: ۱۹۵۸ :
جوخ یعنی گروه ، عرب آن جوق .

۹ مدار ۲: ۳۳ جوخ گران و فوج النج . ۱۰ رک: موید ۱: ۲۸۷ ، مدار ۲: ۲۴ .

۱۱ رک: موید ۱: ۲۸۷ ، مدار ۲: ۷ ، جهانگیری ۱: ۳۷۹ .

۱۲ نسخ اصل: سپید خار ، اما رک: مدار و جهانگیری .

جمشید: نام پادشاه.
مهره در،

جذرت: شتر چهار ساله و نیز استر چهار ساله را هم گویند.
جبروت: غار پشت.
جزر نور: اشپی که روی شکم و دست و پای رو سپید باشد، و اگر شکم او سپید نبود جزر نور نمکوبند.

مهره نر

جلوینر: غار و شرط یعنی جبار.

- ۱۶۸۲: ۲: جهانگیری
۱۶۸۲: ۲: جهانگیری
۲۸۸: ۱: ذیل فصل عربی، معنی اول (کذا است در متن) بگفته زفان گویا، نیز رک: مدار ۲: ۱۳.
۱۶۸۲: ۲: ۱۸۸: ۲: ۲۸۹: ۱: جبروت یعنی غار پشت، بجا از زفان نوشته: جهانگیری ۵۷۸، سررسلیمانی ۷۵، مجفری ۱۶۳ جبروت (چپروت) غار پشت. ۱۶۸۲: ۲: ۲۸۹: ۱: جبروت، مدار ۲: ۲: جبروت، سررسلیمانی ۷۵ جبروت.
نسخه اصل: اسبی که بود که (بود که) بعدش افزوده شده).
معنی این کلمه از روی فرهنگ با وضع نمی شود، مثلاً:
درفس ص ۱۷۳ بدینطور آمده: جلوینر مفید، طایر فضل
روانه بود بزندان و بند بسته تنم: اگر نه زلفک شکین تو بدی جلوینر
تو اس ص ۱۱۱ جلوینر شرط بود یعنی جبار این کس، طایر فضل گفته الخ.
صحاح الفرس ص ۱۲۵ جلوینر یعنی غار، طایر فضل گفته الخ.
دستور ص ۱۰۹ جلوینر مطر لون (صحح عنوان) یعنی چنانک اینکس.
ادوات الفضل جلوینر عنوان و شرط یعنی خیار این کس.
بحر الفضائل جلوینر مردم گزیده و اختیار.
معیار جمالی ص ۱۶۶ جلوینر مفید و غار باشد:
بعده او نبودت در ظالم و مفید: بدور او نبود کلام جابر و جلوینر
موبد الفضل ۲: ۲۹۰: ۲: جلوینر (صحح جلوینر) دو معنی دارد اول کس بتازی مقود، دوم غار و مفید و برگزیده.
مدار الافاضل ۲: ۲۴۰: ۲: جلوینر شرط کردن بخیار این کس و معنی سرهنگ و ظالم و پیاده قاضی، استاد روان بود بزندان الخ.
جهانگیری ۲: ۱۶۰: ۲: جلوینر دو معنی دارد اول کس و آنرا جلوینر نیز خوانند و بتازی مقود ←

جواز: بادون چوبین که بدان غله کوبند.

→ ظاهر فضل گفته روان بود برندان الخ. دوم مفسد و غماز باشد، شمس فخری:

بمسد او نبود کام ظالم و جابر: بدور او نبود قدر مفسد جلویز

رشدی ص ۵۳۱ بر شهاب اول جهانگیری ایراد نموده و گفته در آن تامل است چه معنی اول (یعنی غماز) نیز راست می آید اما دکتر معین در برهان ص ۵۸۳ (ج) بیت ظاهر را برای سنی کند اصح دانسته است. برهان: جلویز یعنی کند باشد که بر بنی خود خوانند و معنی مفسد و غماز هم آمده است. و برگزیده و انتخاب که را نیز گویند. آندراج: جلویز و جلویز یعنی غماز و مفسد و در قاموس جلواز با کسر پیاده کو تو ال و چا و س که مردم را غمازی کنند آمده.

فرهنگ معین ۲: ۱۲۳۹ جلویز (= جلویز = جلوز) ۱ کنت، مقود ۲- مفسد، غماز ۳- برگزیده، منتخب. اما جلویز و جلویز فقط معنی اول و دوم.

بنظم معنی کند از بیت ظاهر فضل استفاده نموده شده و حال آنکه معنی مفسد بر او نیز راست آید؛ ممکنست معنی شرط نیز از آن گرفته شده زیرا که یکی از خواص شرط و عوان سخت گیری باشد که منتهی به فساد شود؛ و شاید همین مناسبت است که صاحب قاموس اضافه نموده که چا و س که مردم را گیرند و غمازی کنند. و معنی گزیده و منتخب که در فرهنگ نقل نموده شد نظیرا معنی شرط گرفته شده، در مقدمه الادب زنجیری ج ۱ ص ۲۴۸ حاشیه: الشرط خیرة الجند الواحد شرط و الشرطی صاحبهم، و در همین فرهنگ در متن آمده:

شرط شرطی یعنی سرهنگ بازار، سردار بازار یا لشکر، سردار گزیده سپاه. چون شرط
یعنی سردار گزیده نوشته بعد از معنی شرط و همین واسطه معنی جلویز گزیده نوشته شده.

راجع به قرائت جبار در قوا س و چنانکه در دستور الافاضل یافت می شود باید گفت که شاید این مصحف خیار باشد و خیار جمع خیر است که معنی آن برگزیده و منتخب است و این کس یا این کشش شاید تصحیف لشکر است. یعنی سردار گزیده سپاه چنانکه در مقدمه الادب آمده.

بنظم غماز مصحف عوان است، و این کلمه مترادف مفسد است که در فرس است و نه مترادف شرط چنانکه در مصحاح آمده، و چنانکه معلوم است صاحب لغت فرس کلمه غماز نیاورده، صاحب صحاح این کلمه را مترادف شرط قرار داده و چهار اشتباه شددی شده، غماز مترادف شرط نیست بلکه عوان است چنانکه در ادات و زفان آمده، بنا برین معنی کلمه جلویز یعنی مفسد است و عوان و شرط است، نه غماز.

ش نسیه اصل: عفران، عفران، شاید مصحف غماز.

ه این واژه در نسخه اصل کرم خورده.

ه در اصل کرم خورده و ناخوانا، رک: مویده ۱: ۲۹۰، جهانگیری ۲: ۱۹۵۷.

سهره 'ش'

جمنش^ش: فرسخ در حلق بود، بیشتر بگردن مردم جیلان [درق ۱۳۱] و سرنان
و آن دیار، چون باد سجان بزرگ از تن مردم بروید و بریدن مخاطره بود.

جماش^ش: جادو و مست.
جاش^ش: توده و انبار غله پاک کرده در فرسخ و بعضی بحسبم پاری نیز گویند.

سهره 'غ'

جغ^غ: چوبی که بدان برگردن سستو جغنی و گردن کش بند یعنی یوغ.
جش^غ: زین رکاب.

سهره 'ف'

جاف^ف: قجر بدکاره و زنی است که بربک شوی آرام نگیرد، زود زود از آن بدین همی بوز
و بعضی فرنگنامه جاف مرکب گویند.

جلف^ف: سخره و لی پاک و سفید و سی.

جوشک^ف: بلبله یعنی کوزه بانول، و بعضی بفتح جیم گویند.
جوسک^ف: گو یک گریبان یعنی ماده جوز گره.

له رک: قواسم ص ۱۶۵، صحاح ص ۱۴۹؛ جهانگیری ۱: ۷۴۴ جمنش و جمنج هر دو.

عه نسخ اصل: عکر؛ رک: ادات. غرعلتی در اعضا که مانند گلوله در زیر گلویم رسد (فرنگ معین ۲۳۹۴).

له صحاح: ابالی ختلان و فرغانه؛ بسیار جامی ص ۲۱۰؛ گیلان و فرغانه. له که است در صحاح.

له موبد ۱: ۲۹۱ جاش یعنی دیر و مست و جادو ذیل فصل عربی، نیز رک: جهانگیری ۲: ۱۶۸۴، مدار ۲: ۲۵.

له رک: موبد ۱: ۲۹۱. له موبد: از. له موبد ایضا.

له رک: موبد ۱: ۲۹۳، جهانگیری ۲: ۱۳۲۴؛ مدار ۲: ۵۵ جغ و جغ هر دو صورت.

له رک: جهانگیری ۲: ۲۱۴۱، فرس ۲۲۹. له رک: موبد ۱: ۲۹۳، جهانگیری ۲: ۱۷۹۵.

جناغ: دامن زین، سلیمانی ص ۷۵. له رک: موبد ۱: ۲۹۴.

له یعنی جاف جاف: رک: قواسم ص ۱۰۶، جهانگیری ۱: ۲۷۲. له مدار ۲: ۲۳.

جلف ع کسر سخره و بیباک و کینه الخ. له رک: قواسم ص ۱۳۷؛ جوشک: بلبله یعنی کوزه.

بانول، نیز رک: موبد ۱: ۱۸۲. له دستور الفضائل ص ۱۵؛ بلبله کوزه بانول.

له قواسم ص ۱۵۴ اغوش و جوزک: گو یک گریبان، نیز رک: ادات و جهانگیری ۲: ۱۹۶۰.

له جهانگیری ۲: ۲۰۶۲ گو یک نمکه؛ زلفان گو یک ماده جوز گره.

جلانک: کوزه گردانک که دو کوزه یکی بر سرنی بگردانند و دوم پرشته و در فرنگ نهد است
جلانک گوی گردانک.

چیلک: سخت شدن چیزی بچیزی یعنی ازوب.
جنگلک: کسی که دست و سر فرواز تو نهد و بنشیند.

بهره 'ل'

جوال: تنگی که از شنی سازند.

بهره 'م'

جم: نام بادشاه است که نین داشت و آن هم جمشید را گویند و مسم سیمان
را علیه السلام.

جام: پیاله

ل مدار ۱: ۱۱، مویه ۱: ۲۹۵: جدانک کوزه گردانک که دو کوزه یکی الخ جاگیری ۱: ۷۸۹: جدارک
با اول مضوم نام بازی است که آنرا کوزه گردان نیز گویند؛ و در همین فرهنگ ص ۱۶۰۷: جلانک
با اول مضوم، دو سنی دارد، اول بازی است که آنرا کوزه گردان نیز گویند، دوم سرکین
گردانک. اما در مویه ۱: ۳۱۷ جلانک یعنی سرکین گردانک.

ل کذاست در مویه ۱: ۲۹۵

ل مویه: جدانک.

ل جاگیری ص ۲۰۹۳: گوی گردان و گوی گردانک: گوکار، ایضا ص ۲۰۸۶ گوکار و گوکار
و گوگردانک: جانوری است که سرکین را گلوله کرده بگرداند، خیزدوک.

ل جاگیری ص ۵۷۶، مویه ۱: ۳۱۶ چیلک ناشایسته آلوده و پلید و در زنان گویا
پلید و ناپاک؛ و اضحاً صاحب مویه را اشتباه دست داده.

ل کذاست در اصل؛ و دهب انگیری نیامده.

ل مویه ۱: ۲۹۵: جنگلک آنکه سر و دست بر کسی نهد و بنشیند؛ اما در دهب انگیری
ص ۱۸۰۲ جنگلک آدمی یا حیوانی که دست و پای او کز و ناراست باشد.

ل مدار ۲: ۶۶: سر و دست فرازند.

ل صحاح ص ۱۹۵: تنگ تنگ باشد و تنگ هر باری را نیز گویند.

ل رک: دهب انگیری ۱۶۸۲ - ۱۶۸۳.

ل عمید لویی گوید: یعقوب را نشاط ز یوسف فزوده اند. داود را بشارق از جم نموده اند.

بهره 'ن'

جیلان: کجند و گویند گردگانی بود، و بعضی فرهنگیان بحسب پارسی گویند.

جوشن: نوعی از پوشش سلاحی.

جیتین: انباجه مزین را گویند.

جترین: همان جینین، و جدتین نیز گویند.

بهره 'و'

جملو: مشتک و لکت.

جو: جو غلا است، بتازی شیر گویند، و عیار زر را نیز جو گویند.

جو جو: و این آن باشد که جو و جو و ذره ذره، و جو جو نیز گویند.

بهره 'ه'

چشینه: آنک خنک رنگ بود.

هـ در مویده ۱: ۳۰۰، جیلان یعنی کجند و غناب، و در جهانگیری ۲: ۲۲۶۶: جیلان یعنی غناب آمده.

هـ رک: مویده ۱: ۳۰۰، جیتین: انباجه مزین و ص ۲۹۹ جترین و جدتین کنانی الدستور. و در

جهانگیری ص ۷۸۹: جترین با اول مفتوح انباجه باشد که آزار مزین ساخته باشند؛ ادات

جترین و جیتین هر دو یعنی انباجه مزین. هـ تواس ص ۱۸۹: جملو مشتک و لکت (نوعی

از بازی) در اکثر فرهنگها جملو یعنی جینی از غلا آمده؛ مثلاً در جهانگیری ۲: ۱۶۸۵، و در بیان ص

۵۸۸: جملو یعنی از غلا که آزار مشتک خوانند و بهندی کلاو و بعضی مشتک خوانده اند و گفته اند

جملو از بازی است. نیز رک: مویده ۱: ۳۰۰، مدار ۲: ۲۸؛ برای آگاهی بیشتر درباره

معنی این کلمه رک: مقال بنده در مجله علوم اسلامی، علی گهر، دسامبر ۱۳۷۹ ص ۷۹.

هـ که است در اصل: اما رک: تواس ص ۱۸۹ و مویده ۱: ۳۰۰: لکت.

هـ مویده ۱: ۳۰۰ جو... نو دوشم مرتبه از گوهر و زر که بتازیش عیار خوانند. هـ در اصل کم خورده.

باید بطور شج کرد: جز و جز و ذره ذره باشد. هـ جهانگیری ۲: ۱۹۵۸: جو جو دو معنی دارد. اول نام

شهری باشد از ملک خطاکه در آنجا جامه های ابریشی و مشک و کافور بسیار خوب می شود... عمید لویکی:

در شام خرده کافور جو جو بارند. عین تر کاروان بر کاروان آمده پدید

دوم ریزه ریزه و پاره پاره. هـ رک: ایضا در شواهد شعری.

هـ رک: مدار ۱: ۱۸؛ مویده ۱: ۲۵: چشینه، جهانگیری ۱: ۳۶۳: چشینه و چشینه رنگی باشد مخصوص

اسب و استر، و آزار خنک خوانند از این تفصیل واضح است که چشینه رنگی مخصوص است نه که اسب یا

استر که دارای رنگ باشد چنانکه در زبان است. هـ ادات و مدار ۲: ۱۸: خرما رنگ.

جامه^۱: مانند کوزه باشد و شراب در وی کنند و آنج بنوشند.
جفاله^۲: گله مرغ.

جوشه^۳: کوشک، و آنج بیرون^۴ بدارند.
جسته^۵: پیمانه روغن.

جهودانه^۶: چرب روده و گویند چربه^۷ روده بریان کرده، و نام درختی است که بار نمی
آرد و کلک^۸ خوردنی [درق ۱۳۲] صمغ اوست.

جزدوره^۹: آنج از دنب و پیه گذاخته بماند، و بعضی زائنی^{۱۰} پاری گویند جزدوره.
جفرسته^{۱۱}: ماشوره، و بلغتی جسیم یاری است.

جیوه^{۱۲}: سیماب

جیوه^{۱۳}: جمع شدن گردپی.

جله^{۱۴}: سماروغ و آوند خرما.

جنبده^{۱۵}: جانور.

۱ رک: صحاح ص ۲۷۱، مویده ۱: ۳۰۲، مدار ۲: ۵.

۲ رک: فرسخ ص ۴۳۰، صحاح ص ۲۷۰؛ اما قواس ص ۶۵: جفاله گله مرغان. نیز رک:

دستور ص ۱۰۹، اادات، مویده ۱: ۳۰۳ (جفاله باقا).

۳ گذشته در اصل؛ اما قواس ص ۱۲۱، مدار ۲: ۳۵ جوشه کوشک.

۴ شاید بالاخانه مراد باشد، رک: بحین ص ۱۲۵۳ ذیل جوشه.

۵ رک: قواس ص ۱۳۶، مدار ۲: ۱۵؛ اما دستور ص ۲۴۴ و جبهه تصحیف است.

۶ رک مدار ۲: ۳۹.

۷ نسخه اصل: کلک؟؛ جهانگیری ۲: ۲۱۶۵ صمغ او را کلک و کوزده گویند؛ مدار: علق.

۸ رک: مویده ۱: ۳۰۲، مدار ۲: ۱۶.

۹ مدار جیم و زاهد و پاری.

۱۰ مویده ۱: ۳۲۶ جفرسته، جهانگیری ۲: ۱۴۲۷، ۱۴۷۲ جفرسته و جفرسته یعنی ماشوره.

۱۱ گذشته در اصل و اادات؛ اما رک: مویده ۱: ۳۰۲: جبیره و جبیره، جهانگیری ۱: ۵۸۰: جبیره:

بغرمودشان تا جبیره شوند؛ هزار زبان را پذیره شوند (فردوسی)

۱۲ صحاح ص ۲۷۲ جل: سماروغ بود. مویده ۱: ۳۰۳: آوند شراب و سماروغ؛ و در اادات و مدار

۲: ۲۴ جل: سماروغ و آوند شراب و جزدان.

۱۳ در مویده (ایضاً) این واژه بکوال زنجان آمده.

چکاشته: خارپشت.

ججه: کفش تاجی.

جرمه: اسب خنگ.

جره: بازهین.

ججه: یعنی آنک برای جوی بسته می شود و بعضی مردمان می دوند، از خشکی

دران جوی افتند و هیچ حرکت نمی کنند و پایهای ایشان نمشان می رود.

جوزینه: شوربای جوز.

جفته: طاق که در بنه ها کنند، و بعضی گویند گونه ای از تخت است و در فرسنگانه

فرقواست جفته طاق انگور.

جرده: اسب خسی که بتازی آزار می بیند.

۱ ادات: چکاشته خارپشت؛ اما رک: مویده ۱: ۳۰۳.

۲ که است در مدار ۲: ۲۵-۲۶؛ اما در مویده ۱: ۳۰۴. ججه نوعی از کفش و پای افزار که ا فی زغان گویند.

۳ واضح است که ججه تصحیف کاتب است. قواسص ۱۵۶ و ادات و مدار و مویده ۱: ۲۹۸. ججه بمعنی

کفش جایی که در دریشان سازند. ۴ نشو: اصل: پاگی.

۵ رک: مویده ۱: ۳۰۲؛ مدار ۲: ۱۹. جرمه سبز رنگ و اسب خنگ: شایه نامه:

پرازشم و از کینه سالار نو: فشت از جرمه تیز رو

۶ دستور ص ۱۱۰: جره زین، ادات: باز سپید؛ جهانگیری ص ۹۲۷: جره نرباز، فرنگ معین

۱: ۱۲۶ جره باز تر. ۷ نشو: اصل: با: بین (حق تصحیف قیاسی)

۸ در مویده ۱: ۳۰۲ معنی ججه بیان شده، و نیز ۱: ۳۲۵: ججه؛ در مدار ۲: ۴۵: ججه اما در

معنی بجای یک تخت نقل شده، و آزار تصحیف باید دانست، و نیز رک: جرمه میلانی و ججه.

۹ رک: مدار ۲: ۳۵؛ اما در ادات: جوزینه لوزینه، مویده ۱: ۳۰۳: جوزینه و لوزینه در زغان

گو یا بمعنی شوربای جوز.

۱۰ در مویده (ایضا) این معنی بحواله قبیله نقل است.

۱۱ رک: قواسص ص ۱۳۲.

۱۲ دفعه اول معنی شاخ انگور ذیل بر رسته (مستافانه) است.

۱۳ چایی افتاده) و دفعه دوم ص ۱۳۲ (معنی تخت. دستور ص ۱۱۰: جفته شاخ درخت.

۱۴ رک: مویده ۱: ۳۰۲، معین ۱: ۱۲۲ جرمه (بالفتح) اسب زرد رنگ، زرده و جرمه (بالضم)

اسب خسی. ۱۵ دستور الاخوان ص ۶۶۸: معین اسب پرنده آنکه مادرش بنده باشد

جوبینه (صح جوبینه) : مرغی است بزرگ و سپید، با گردن دراز، بتازی آنرا گردان گویند.
 جلفوزه : نام میوه ایست معروف مانند پسته.
 جبهه : دارویی است که بسندوی چوکه گویند.
 جوانه : جوانی دیده.
 جفته : گلد.

و پدرش آزاد. بنا برین واضح است که همین مترادف جرده نمی باشد. جرده و زرده در یک معنی مترادف اند چنانکه در فرهنگ معین ۱: ۱۲۲۴ آمده و زرده در فرهنگ زبان گویا یعنی اسب زرد رنگ، و آنک میان کیت و پور بود و گویند بزرگ اوس ماند و بیشتر بزرگی گراید. جباگیری ۱: ۹۹۸ زرده اسبی را گویند که رنگ آن زرد باشد:

زرده شام و نقره خنک سحر : چرخ را زیر ران نبایستی
 چون زرده یعنی اسب زرد رنگ است، و همین معنی اسب بد نژاد، پس هر دو مترادف قرار دادن بظاهر اشتباه است.

موبد ۱: ۳۰۴ جوبینه مرغی است بزرگ و سپید با گردن دراز که بتازی آنرا گردان گویند کذا فی زبان گویا. ازین پیدا است که خود صاحب زبان جوبینه نوشته : اما قرأت درست این واژه جوبینه است چنانکه در فرهنگ آمده، بعلاوه آن خود در همین فرهنگ زبان ذیل حرف چ جوبینه یعنی کاروانک و آن پرند است بزرگ و سپید با گردن دراز، جباگیری ۲: ۱۹۶۵ جوبینه نام پرند است که آن را کاروانک نیز خوانند، و در موبد ۲: ۱۱۰ کاروانک یعنی پرند آبی دراز گردن سپید آمده.

زبان گویا گردان مرغی است که ببط ماند شبها نخسید. فرهنگ معین ۲: ۲۹۵۸ گردان کبک، پرند است از راسته پابندان که در حدود ۱۳ گونه آن در سر اسر کره زمین می زیند، رنگ پرهای زرد مخلوط با خرمائی و خاکستری است. ازین تفصل واضح است که جوبینه یا جوبینه با مترادف گردان نیست.

رک : موبد ۱: ۳۰۲، ۲: ۹ جبه : نام دارویی است ترشش هندس چوکه نامند.

کذاست در موبد ۱: ۳۰۲ و در پلانش : Cuk Sort چوک، Rumev Vestcarus

or R. Montinus

موبد ۱: ۳۰۲ جوانه : همان جوان به زیادتی تا چنانکه در کلام نظامی آمده :

رخ زن پیر از نفسهای جوانه . بیرم خان معنی بچه کبوتر نظم نموده :

جوانه تا که به گردد او همی گردند : به از هزار جوان است هر جوانه او

و محمد معین : فرهنگ ۱: ۱۲۵۰ جوانه یعنی جوانی و مرد جوان آورده.

جداکاره: راههای مختلف.

سره دوی

جادوی: چیزیکه دران مردم حال بگردانند.

جامگی: رزق و سربرد.

جالی: درخت پیلو که بتازی اراک گویند.

گونه 'بیج'
بره 'الف'

چلیپ: صلیب که بر اهره و نصاری در زنا را اندازند یعنی کُستی.

→ عه مویده: ۳۰۳: ۱ جسته بالضم هر دو لگد اسب و سرین مردم و غیر آن وادات: جفته هر دو سرین مردم و غیر آن و هر دو لگد اسب. عه کذاست در فرس ص ۵۱۳، صحاح

ص ۲۷۱، دستور ص ۱۰۸، وادات، مدار ۲: ۱۲، سروری ص ۳۶۳، اما در جاگیری ۱: ۲۸۹،

رشدی ۱: ۴۹۵، بران ۲: ۵۶۶ جداکاره. عه کذاست در قو اس ص ۱۰۸ دستور ص ۱۰۸،

ادات، شرف نامه، جاگیری، رشدی و غیر آنها، اما در فرس و صحاح و مدار و سروری پای

مختلف. و در قو اس بیت زیر برای شایسته راههای مختلف و در صحاح بمعنی راههای مختلف آمده:

جهانان را دیدم بسی ز بر میب: بسی بدیدم از گونه گونه جداکاره

عه کذاست در مویده: ۳۰۴: ۱ وادات: این جادوی بمعنی جادویی است که سحر و ساحری باشد و

جادو - ساحر، رک: فرهنگ معین ۱: ۱۲۰-۱۲۰۳. عه وادات و مویده: چیزیکه بدان حال مردم بگردانند؛

واضح است که معنی این از یک فرهنگ قدیمی نقل شده است بتکرار.

عه مدار ۲: ۴۴ جامگی: علوفه و وجامه و ماهیان و سالیان؛ چاکران الخ. عه کذاست در اصل.

عه وادات: جالی و جلی که عرب آنرا اراک و اهل هند پیلو گویند.

عه نشو واصل بطیب، صلیب عرب چلیپاست. عه چلیپا چوب چهار پرده نشانه دار میس است که

مسیحیان برگردان آویزند یا در کلیساها و نقاط دیگر برپا کنند، صلیب مخصوص است به مسیحیان،

بر اهره و زر کشتیایچ را ربط ندارد. عه رشته ای که مسیحیان متصل صلیب در گردن آویزند؛

و زنا را نصاری و زردشتیان و هندوان هر سه گروه می بندند. اما چلیپا مخصوص است به مسیحیان.

عه کُستی زنا را یا کمر بندیت زردشتیان را و آن از ۷۲ نخ از ریشتم سفید که سفند تمهید می گردد و

بدست زن موبدی بافته می شود، فرهنگ معین ۳: ۲۹۷۱. بنا برین واضح است که توضیح

صاحب زلفان درست نیست.

چو خا: جامه پشمین و گویند جامه است کونه که ترسایان می پوشند و آن دکه ترسایان.
چاروا: اسپ و جرآن، هرچه از مواشی باشد.

بهره 'ت'

چرخشت: چرخ انگور مال و آن بزبان مادراء النهر است و بتازی شجر گویند و بعضی
بحیم عربی گویند.

چست: چالاک و تنک و استوار.

بهره 'ج'

چلوج: سنبه تیز کردن آسیا و بعضی بحیم پارسی گویند.
چج: بد اسبچه غله افشانند.

بهره 'چ'

چاچ: نام شهریت از بلاد فرغانه.

بهره 'خ'

چمناخ: چمن یعنی آتش زنه و چمناخ نیز گویند.

له ادا: چو خا جامه است پشمین و نوعی از پوشش ترسایان که کوتاه است و در هند و گیلان پوشند و اهل هند
آزگنتفا خوانند. ۲۵ دکه نوعی از جامه است.

۳۵ کذاست در قواسص ص ۱۴۰، صحاح ص ۴۴؛ اما مویده: ۲۸۵ چرخشت (سنی گلفه زدن)
و: ۳۰۸ چرخشت و چرخشت (هردد). ۳۵ این تخصیص در فرهنگها که مورد احتیاج بنده هست دیده
نشد. ۳۵ رک: دتورالاخوان ص ۵۹۴ الحصر چرخشت.

۳۵ نسخه اصل: چشت. ۳۵ کذاست در قواسص ص ۱۷۹، بریان ص ۵۵۴

اما مویده: ۳۰۸، سروری ص ۲۷۳، رشیدی ص ۵۲۹، نیز بریان ۶۵۲: چکوچ افزاری برای
سنبه تیز کردن آسیا؛ ادا: چکوچ آن سنبه که بدان آسیا تیز کنند.

۳۵ رک: مویده: ۳۰۸، هار ۲: ۴۶.

۳۵ شهری است از مادراء النهر در کناره سیحون که اکنون تاشکند نامیده می شود و مرکز جمهوری
ازبکستان است.

۳۵ رک: ادا: و نیز هار ۲: ۴۷.

۳۵ مویده: ۹۵ آتش زنه ترکیش چمناخ گویند.

۳۵ این شکل در فرهنگهای مورد استفاده بنده دیده نشد.

چرخ: فلک [آنج] [ورق ۱۳۳] ازان آب کشد و دایره جامه و آزا زمان چرخ
کشد و بد آنچ شیره و روغن بیرون آرند یعنی روغن گران و نیشکر که بسندوی کوه
گویند و هر چه مد و برگزیده آن نیز چرخ است. چون چرخ انبر و چرخ زمیری.
بهره 'د'

چکاد: میانه تارک سر دو کوبند پیشانی است و نیز سر کوه را چکاد گویند.
چند: جانوری شوم گیرند، و گویند که آن ماده بوم است دکنگره حصار.
چرخند: چرخ و گویند چراغدان.
چند: شماری که کم از ده باشد و گویند غیر معین.

بهره 'ر'

چور: تدر و، و بعضی گفته اند، چور مرکب است.
چنار: نام درختی است، برگهای آن مثل پنجه دست بنا برین پنجه نیست کند

- له یعنی گریان رک: صحاح ص ۶۴. له نسخ: اصل: از آن.
له موبد: ۱: ۳۱۰، مدار ۲: ۵۹ چکاد بر سر سخن مذکور در متن: اما در صحاح ص ۸۸ چکاد یعنی میانه
سر قلعه آمده و در جانیگری ۲: ۱۵۱۰ چکاد و چکاده یعنی تارک سر و سر کوه.
له رک: اذات و موبد: ۱: ۳۱۰ و مدار ۲: ۵۶، و جانیگری ۲: ۱۴۲۷.
له بحواله فضائل چند یعنی بوم نر نوشته. له قواس ص ۱۴۰: چرخند چراغ است، سوزنی:
آورد پسای برین تا تو برفتی: در خانه من میش نه دود است نه چرخند
ادات: چرخند باجیم خاری چراغ و چراغدان و مگر آگنده که آنرا عصب خوانند، نیز رک: مدار ۲: ۵۱۰،
رشیدی ص ۵۰۳. موبد: ۱: ۲۸۷ چرخند، (بحواله ان اشتر) چراغ الخ.
له رک: موبد: ۱: ۳۱۰، اما اذات: چند نام شهری، شمار غیر معین و شمار کم از ده، و شمار اندک.
له قواس ص ۶۲: چور بور: تدر و اما اذات: چور بور پرند است کوهی تیز پر خوب رفتار آتش خور
گروهی آنرا لک نیز گویند، همان معنی در مدار ۲: ۳۴ دجست: نیز در مدار ۲: ۶۸ چور و چور بهین
معنی: اما موبد: ۳۱۲: چور و چور تدر و و بعضی گفته اند چور مرکب معنی تدر و، و در زبان گویا
در جیم خاری و رای مصله آورده، اما در شرفنامه در باب جیم تازی (و فصل راه مصله مرکب) چور بوزن نور تدر و
له عفری دیوان ص ۹۹: چنار کرد مسا تا مگر بولیس: از آن چنجه مردم شده است بزرگ چنار
منوچری دیوان ص ۳۰: برداشت تاجای همه تارک من: برداشت پنجه بای همه ساعد چنار
نیز رک: دیوان انوری ص ۲۷، سنائی ص ۱۰۹، فرخی ص ۱۷۵، مسعودی سکه سلمان ص ۲۲۲، برشید
وطواط ص ۱۰۶، خاتانی ص ۱۸۵ و غیره.

چغز: التفات.

چغز: حلقه.

چار: طاق خیمه است.

چنگار: پنج پایه یعنی سرطان و بعضی بحسب عربی گویند.

چکندر: میوه است که آزاری خورد بعد بختن، و چغندر و چغندر نیز گویند، بهندوی
تندشش گویند.

چنبور: قودکش.

چیر: تواناد و لیر و بیای پارسی و عربی نیز گویند.

چغز: غوک و گویند آنکه در آب بانگ کند و درست تر آنست چغز بسکون غین آواز غوک
است.

۱۰ ادا: چغز التفات نمودن و ترسیدن نیزک: مویده ۱: ۳. ۲. رک: مویده ایضا، مدار ۲: ۶۴.

۱۱ صاحب زلفان در اینجا و چار اشتباه شد؛ اصل واژه چار طاق است یعنی نوعی از خیمه؛ بنا برین این را باید
در ذیل مرکب نوشت؛ برای چار طاق رک: مویده ۱: ۳۱۵، مدار ۲: ۷۰-۷۱.

۱۲ چکار جیم و کاف هر دو فارسی جانوری است آبی... عرب آنرا سرطان و فارسیان پنج پایک و اهل هند
کیکره خوانند؛ مویده: چکارا: ۲۸۹ و چنگارا: ۳۱۲. همین معنی آورده. ۱۳ کذا است در مویده
۱: ۲۸۹، اما در ادا: پنج پایک. ۱۴ واضعاً چکندر سبزی است نه میوه چنانکه در ادا
و مویده دیگر فهمیده آمده. ۱۵ رک: مویده ۱: ۳۱۲؛ بعلاوه این هر سه چغز

هم بدین معنی آمده، رک: مویده ایضا و جهانگیری ۲: ۱۷۹۹.

۱۶ مویده ۱: ۳۱۲ بحواله زلفان و دیس و دیندس نوشته، رک: رساله اردو، کراچی، ۱۹۶۷، مقاله
راقم این سطور. در ادا: کله هندی کونگود و بار آمده. ۱۷ رک: ادا: مویده ۱: ۳۱۲.

۱۸ بعضی پانگ و مقود است که بهندوی باگ و دور خوانند، رک: آندراج.

۱۹ مویده ۱: ۳۱۲ چیر و چیره هر دو همین معنی آورده. ۲۰ نسخه اصل: دائر.

۲۱ در مویده و مدار ۲: ۷۴ بای فارسی نوشته. و صاحب مدار همین قطعه خودش نقل نموده:

فیضا صلح کن بخصم توی جنگ ناخوش بود پیشمن چیر
نزد من هیچ عاتلی هرگز پنج بادشیر و دست بانگر

۲۲ در قرأت این کلمه اختلاف است، در قواسم ص ۶۸ و دستور ص ۱۰۹ و بحر الفضائل جزای چغز چانک
در متن است اما در فرس و صحاح ص ۱۲ چغزو درین هر دو فرهنگ با شاد بیت زیر:

هر چند که درویش پسر فغ زاید در چشم تو انگران به چغز آید

بهره 'ز'

چوز: پرنده است از شکره.

بهره 'س'

چاپلوس: فریبنده و فروتن.

چرس: چرخ است که بدان انگور می‌بندند.

بهره 'ش'

چمش: علت.

چالش: خراش و بناز رفتن.

چادش: نقیب.

بهره 'غ'

چصح: آنچه بدان جزرات زنند و دوع گویند و این را شیرزنه نیز گویند.

چباغ: نوعی از ماهی.

چرفاغ: شکره است.

— [در همین قرائت اخیر در ادات و مدار و دیگر فرمها آمده].

۵۵ درمید ۱: ۲۱۳ ذیل چز قول صاحب زفان در جبت.

۵۶ رک: موبد ایضا.

۵۷ درمید ۱: ۲۱۳ مدار ۲: ۶۸ چوز و چوز یعنی تذرو یا کبک آمده، اما در جاگیری ۲:

۱۹۹۶ چوز یعنی تذرو و چوز یعنی جانور شکاری که سالی برونگدشته و گریز نخورده باشد.

۵۸ اصل: چوس؛ اما درمید ۱: ۳۱۴: چرس بالفتح حوضی است که در آن انگور مالند و کذا

فی زفان گویند، جاگیری ۹۳۷ چرس حوضی باشد که در آن انگور مالند.

۵۹ رک: ادات موبد ۱: ۳۱۴، مدار ۲: ۱۴۷، نیز رک: چمش در همین فرم ۱۳۲.

۶۰ ادات: چالش با جیم فارسی رفتار باناز و بناز رفتن؛ رک: موبد ۱: ۳۱۴ و مدار ۲: ۱۴۷.

۶۱ رک: ادات، موبد ۱: ۳۱۵، مدار ۲: ۵۵.

۶۲ زفان و مدار ۲: ۵۹۷: شیرزنه آنچه جزرات بدان دوع کنند و شیرزنه نیز گویند.

۶۳ ادات: چباغ جیم و باهر دو فارسی نوعی از ماهی نام، رک: موبد ۱: ۳۱۵.

۶۴ رک: ادات و موبد ۱: ۳۱۵.

بهره یک

چکاوک: سرخاب و آن نوعی است گله دار، و نام ساز است از آن مطربان.
چلوک: گیاه، و نیز سرخاب را گویند، و بعضی بواد پارسی گویند.
چنگ: کاروانگ، پرنده ایست معروف، و بعضی بحسبیم عربی و مفتوح، خنگ
بخای محبه نیز گویند.

چنوک: قبره یعنی مانورک و بسندی آنرا متره گویند، و بواد پارسی [درق ۱۳۴] نیز گویند.

- ۱ رک: قواس ص ۵۸، صحاح ص ۱۷۸، در اول معنی سرخاب و در دوم معنی چکاوک آمده. تواریخ بیت هردان
صفی صلیل و سخن چکاوک و قمری: غیر فاخته و نقشه هزار آرد
۲ برای این معنی رک: مویده ۱: ۳۱۷ و مدار ۲: ۶۰، در موزن الذکر باین بیت شام:
نواگر نوازی چکاوک بود: چو دشمن زند تیسر نادک بود
۳ قواس ص ۳۵: چلوک: گیاه! ادات و مویده ۱: ۳۱۷: چلوک گیاه و سرخاب.
۴ در صحاح ص ۱۷۸ چلوک معنی سرخاب بدین بیت شام:
چون ماهی شیم کی بود غوطه خوگ: کی دارد جفده خیره سر سخن چلوک
۵ رک: قواس ص ۶۰، ادات، مویده ۱: ۳۱۷، مدار ۲: ۵۸.
۶ رک: برهان ج ۳ ص ۱۵۶. ۷ رک: مدار ۲: ۵۸
۸ رک: مویده و مدار: ادات مانند زلفان مفتوح و مضموم هر دو صورت دارد.
۹ کذاست در مدار.

۱۰ قواس ص ۶۰: چنوک و مانورک: قبره: ادات: چنوک جم و واو هر دو فارسی، پرنده ایست که عرب
آنرا قبره و اهل هند متره گویند، نیز رک: مویده ۱: ۳۱۷. اما جم انگیزی ۲: ۱۳۲۸-۱۳۲۹ چنوک و چنگ
بمعنی کبختک باین بیت شام:

ز زعفران و زعفران و مغز چهلنوزه: بشک و غنبره منز چنوک آمیزد
نیز رک: حاشیه جم انگیزی ص ۱۴۲۹، و معین چلک، چلوک، چنوک، چنگ، چنوک معنی کبختک آورده
رک: فرهنگ ۱: ۱۲۹۶-۱۲۹۷. ۱۱ دستور الاخوان ص ۴۸۸ و فرهنگ معین ۲: ۳۳۴
قبره چکاوک. ۱۲ زلفان: مانورک قبره و آن پرنده ایست معروف، مانوک نیز گویند و جم انگیزی
۱: ۵۰۲ مانورک چکاوک بود. چکاوک و چلوک و چکاوک و چکاوک در جم انگیزی ۲: ۱۵۱ مترادف معنی پرنده از
نخنگ اندر بزرگتر بود و آنرا اهل نیز گویند و بتازی قبره و ابوالملیح الخ: اما در زلفان گویا ابوالملیح را چکاوک
معنی قبره نوشته و در مویده ۱: ۲۱ نیز آمده که ابوالملیح را سرخاب نیز گویند. خلاصه کلام ایست که درباره معنی
چنوک و چلوک و مانورک و قبره در میان فرهنگ نویسان اختلاف وجود دارد.
۱۳ کذاست در ادات الغضلا. اما در مدار ۲: ۵۸ چرا تصنیف 'متر' است.

چرک: غار پشت و آن خزنده است معروف.

چرک: ریم اندام.

چالاک: جلد و [نیک] جنبان.

چایک: چالاک و زیب و تیز و قوی و تاز باشد.

چرک: لغز و معما و این را چستان گویند و طنز.

چک: عمل که [در] بستان باشد، و بعضی بدو سر گویند و نیز بعضی جیم نخستین گفته اند.

چنگ: منفار مرغ.

چک: فشر و قبله و آواز ز جسم تیغ و آواز چیزی خاستن و چکاچک و چکاچاک ازین

است، و نام سلامی هستند و می جگر گویند.

چکاک: فشر نویس و مره مساک

چلوک: رسی که برگردن آسیا بود. چوک: تانی که در پاشچ نهند.

۴ رک: قواس ۷۰ و دستور ۱۰۹، ادات و مویده ۱: ۳۱۶؛ در مویده ۱: ۲۹۵ چرک همین معنی ذیل
ترکی آمده. ۵ رک: ادات و مویده ایضا.

۶ قواس ۹۸؛ چالاک چایک و جلد بود، ادات: چالاک نیک جنبان و سختی کش و جلد، نیز رک:
مویده ۱: ۳۱۶، مدار ۲: ۴۳. ۷ اضافه از روی ادات و مویده.

۸ این معنی در فرهنگ دیده نشد. ۹ رک: قواس ۱۸۸ و ادات.

۱۰ در اصل بدون نقطه؛ اما در مویده ۱: ۳۱۶ چرک و در زبان گویا همین طنز است.

۱۱ ادات: چک رخساره و خال و گل که آنرا در خوانند، مویده ۱: ۳۱۶ چک سختین خال و رخساره
و در زبان گویا معنی گل که در بستان باشد و بعضی بکترین گویند و نیز بعضی اول در شرفا میری
گل در ترکی آورده است.

۱۲ نسخه اصل تا بستان. ۱۳ جهانگیری ۲: ۱۸۰۰ چک با اول کشور خاچا و

و نوک سنان و بیکان. در فرهنگ معین ۱: ۱۳۱۶ چک بکسر و قسم همین معنی، نیز رک: سلیمان ۸۳.

۱۴ مویده ۱: ۳۱۷؛ چک بافتح قبله و بیضا و در قفیه فشر و آواز ز جسم تیر و آواز چیزی خاستن.

۱۵ نسخه اصل فشر نویس.

۱۶ در مویده ۱: ۳۱۷، همین کلمه هندی بحواله زبان گویا آمده

۱۷ در مویده ایضا، این معنی بحواله زبان درج شده. ۱۸ ادات و مویده ۱: ۳۱۷.

۱۹ معنی همین معنی در ادات مذکور است، اما در متن و در ادات یک کلمه ناخوانا. جهانگیری ۱: ۹۴۱ چرک،
و بعضی فرهنگ آفرشته اند که آن باشد، و بعضی چنان مرقوم است که تانی است که طب خان آنرا

چاک : پاره و شکاف.
 چلک : مرغی است خرد و بعضی چلک گویند.
 چلونک : درخت خربزه و بعضی بحسبیم عربی گویند.
 چشک : پرنده ایست که سینه بلند دارد.
 چلک : بد و ضمت ، دوال ایریشم و کفچه و یک زن ، و بعضی بسکون لام کفچه و یک زن گویند
 و بعضی آنرا بکسریم گویند.

بهره نگ

چشک : کفش و بلغتی جیم عربی و کان ، نیز گویند.
 چنگ : ساز معروف و چنگال درندگان و دست.
 چشگ : همان چشاک است و چنگ گویند.

بهره ال

چال : مرغی است بقدر زاغ و گوشتش چون گوشت بط ، و خرالم و کوهی ، پاری هندوی شود
 — تریت کنند و فردا کل پاچه بگذارند و در تنور نهند تا نیک بپخته شود.

در ادات : چلک و چلک هر دو بمعنی مرغی است خرد آمده . ۵۴ رک : دستورس ۱۰۸ : ادات و
 مویه ۱ : ۳۱۷ . ۵۵ رک : مویه ۱ : ۲۹۵ .

چشک بمعنی خابشت قبلاً آمده ؛ و این واژه بمعنی پرنده دیده نشد .
 ۵۴ خواس ۱۸۴ : چلک دوک ایریشم ، مویه ۱ : ۳۱۷ چلک دوال ایریشم در لسان اشعار با دو همضم دوک
 ایریشم . ۵۵ رک : خواس ۱۶۱ ، مویه ۱ : ۳۱۷ ، سروری ص ۳۸۹ ، برهان ص ۲۵۵ .

اصل : زان . ۵۵ ادات : چشاک و چشک بمعنی کفش ؛ مویه ۱ : ۲۹۵ چشاک ، ۱ : ۳۱۷
 چشاک و چشک بمعنی پای منساز ؛ جابلیکی ۲ : ۱۶۸۸ - ۱۶۹۰ چشاک ، چشک ، چشاک ، چشک
 چشاک ، چشک بمعنی کفش . مدار ۲ : ۶۳ چشک و چشاک و چشک بمعنی کفش دوز ؛ در مویه ۱ : ۳۱۷
 چشک و چشاک بمعنی بگفتن زان گویا نوشته و حال آنکه در زان بکاف فارسی است بکاف عربی .
 در هیچیک از فرهنگها که تحت مطالعه نگارنده است بکاف فارسی چشاک در زان است دیده نشد .

برای این معنی رک : ادات : اما در مویه ۱ : ۳۱۸ پنجه و انگشتان مردم و در همین لغت بحواله فرهنگ علی
 چشک بمعنی دست مردم است . ۵۵ ادات و بحر الفضائل : پرنده ایست همچو زاغ و
 گوشتش چون گوشت بط است و حرام است . واضح است که این معنی از یکدگر نقل شده است ؛ و صحاح ص
 ۲۰۶ : چال مرغی باشد چند زاعی و گوشتش بطم گوشت بط باشد ، نیز رک : مویه ۱ : ۳۱۸ .

این معنی در مویه ۱ : ۳۱۸ بحواله قفیه و نیز زان آورده . اما خود صاحب مویه بحواله شیخ خفیه —

و نوعی از رنگ اسب و اسب گلگون و عنابی.
 چنگال: میانهٔ باریک و ناخن درنده.
 چکل: نام شهرست در ترکستان که آنجا خوبان باشند.
 بهرهٔ دم:

چشم: خرام.
 چشم: پای اسنزار جاگی یعنی کفش جاگی که در ویشان می سازند، و جیم عربی نیز لغتی است و چیمت نیز گویند.

بهرهٔ ان

چیستان: لغز یعنی مرموزانی که پرسند و چرک.

→ نوشته که چال مخصوص است به بازی. در جاگیری یعنی آن گروه قمار نوشته (۲۸۶: ۱) به اشتداد این دو: میج می دانی که اینجا با حریف مهره دزد. جان همی بازی: محضلی تو بهر چال قمار فلک تنهٔ نزد دستیاره مهره. زمین جسد چال قمار است گویی. کد است: نسخهٔ اصل: بظا هر گوی در بست باشد. مثلاً جاگیری ۱: ۲۸۶ چال گودال. شد دل خسته من بسته به چال نرخت. زانکه انباشته شد تالب آن چال بشک. رک: جاگیری ایضا. چال دو مونی را گویند عموماً و آسی را ک موی آن سرخ و سفید و در هم باشد خصوصاً شیر حسکتی: در سرگزنده با لفظ کلک اصفت. گلگون آسمان چوس چال و ابرشی نیز رک: موی ۱: ۳۱۸.

این سخن در چپک از فرهنگ دیده نشد؛ اما موی ۱: ۳۱۹ در زبان گویا معنی چنگال باریک میان آمده.

چکل ناحیتی است و اصل او از خلغ است و لکن ناحیتی است بسیار مردم و مشرق او و جنوب او حدود خلغ است، مغرب وی حدود تخس است و شمال وی ناحیت خزیز است (حدود العالم ص ۵۲).

در جاگیری یعنی خرام و امر از خراسیدن (۱۶۸۵: ۲). و در ادا ت جم یعنی رفتن به باناز آمده.

رک: جمیع در همین لغت؛ و اسس ص ۵۷. چشم کفش جاگی که در ویشان سازند. جاگیری ۲: ۱۶۸۸-۸۹ چشم نوعی از پای اسنزار که از جامه کنه بسازند و آراگیده نیز خوانند. در حاشیهٔ فرهنگ پیا اسنزه شده: دیگر روز جم جم در پای کردم در خانقاه بوز جان می گشتم، شیخ الاسلام چشم بر آن افتاد (مقامات زنده پیل ص ۸۲). نسخهٔ اصل: چچو اما این واژه بصورت جمجم درست، چچ یعنی دیگر آید. رک: جاگیری ۲: ۱۶۸۹. چک چرک در همین فرهنگ ص ۱۳۴.

چمن: حصن باغ بارسینها و گل، و گویند راه میان باغ دبستان و درختان چنانکه از هر دو طرف درختان باشد.

چندن: صندل.

چرخون: زبان بره.

چین: شکج یعنی گولگامی پیشانی که در روی ترشش کردن پیدا شود، و نام ولایتی [درق ۲۵]

ترکستان است که چین ماچین گویند.

چندان: سرموزه که بتازی جرثوق گویند. چوپان: شبان.

چولین: آبیج بدان دانه پنبه کشند و بعضی بحسبیم عربی گویند

له رک: اداات دمویده: ۲۲۲. ۵ اداات دمویده: ۳۲۱، ۳۱۸. چرخول و چرخون

بمعنی زبان بره: نیز رک: فرهنگ معین: ۱: ۱۲۸۱ که همین دو صورت دارد بمعنی لسان اکل و زبان بره.

اما در دستور ص ۱۰۸، و بحر الفضائل: چرخول بمعنی زبان بره. و همین است در حبسگیری: ۱:

۹۲۹. اما چنان بنظری رسد که چرخول و چرخون هر دو مصحف واژه خرخول است. و خرخول در

اداات و زفان گویا بمعنی زبان بره آمد. و نیز در مویده: ۱: ۳۶۷ خرخول گویا که اطلاق شکم باز دارد. و ذیل

زبان بره (۱: ۳۶۳) آمده: گویا که اطلاق شکم باز دارد، و در زفان گویا است که آنرا اسپنول گویند و

بتازی لسان اکل؛ در نسخه حاضر از زفان گویا زبان بره مترادف اسپنول و لسان اکل قرار داده شده

چنانکه در مویده آمده. اما در جاگیری: ۱: ۹۱۶ خرخول و خرخول مترادف بازنگ و لسان اکل بیان شده

که در پاکیزه ساختن جراحت بسیار سودمند است. و در نسخه مؤمن نیز خرخول را لسان اکل و بازنگ

قرار داده شده. یعنی طبیب خرخول را نظم نموده و در مصحف سده مفید قرار داده (رک: جاگیری: ۱: ۹۶۱)

اگرچه در نسخه مؤمن لسان اکل با بازنگ مترادف قرار داده شده، اما در زفان گویا لسان اکل و زبان

بره را اسپنول نوشته و این درست است زیرا که ابو بکر اخوینی در اواخر قرن چهارم در پاریه ایتعلیین

لسان اکل را اسپنول بخاری هزار داده است، رک: هدایه چاپ مشهد ۱۳۴۴: ص ۳۳۷، ۳۰۷.

۵۲۷ و غیره.

۵ چمن ماچین یک کلر نیست، چمن و ماچین درست است؛ غرض قدما از چمن نقطه بلاد مجاور کاشتر

وختن بود (رک: فرهنگ معین ج ۷ ص ۱۸۶۱) و ماچین چمن بزرگ، چمن خاص باشد. (ایضاً)

در اداات الفضل چمن نام شهر فتره داده شده. ۵ که گذشت در نسخه اصل: ۱: ۷۴۱ چیدان.

۵ در مویده: ۳۲۱ همین بگوالت قفید درج شده. ۵ دستور الاخوان ص ۱۹۳: الجرموقی سرموزه

۵ مویده: ۳۲۳ چوبکین و چولین هر دو همین معنی آورده، و محمدتهدیه چوبکین را اصل و چولین را تحفیف

قرار دهد: حاشیه برمان قاطع تصحیح دکتر معین.

چیز و؛ خارپشت و چیز و نیز گویند.

چامه: شعر و نظم بر زبان سپلوی و با جیم عربی نیز آمده.
چوبینه: کاروانک و آن پرنده ایست بزرگ و سپید با گردن دراز.
چلباشه: کرفش، دبای پارس نیز گویند.
چنان: سازیت معروف مثل کمانچه.
چفت: خمیده و کژ و دو تا گشته.
چوزه: بچه مرغ که بتازی فرخ گویند.
چمانه: کدوی خالی خشک برای شراب خوردن و سیکی داشتن.
چرویده: چاره جسته و دونده.

- له دستور ص ۱۰۹؛ چرک و چیز و، موید ۱: ۳۰۰؛ ۳۲۴؛ جز و چیز و، چرک (ترک)، ادات: چرک و چیز و
معنی خارپشت. اما قواسم ص ۷۰: ریکاب و چرک و جزع بهین معنی.
له رک: مدار ۲: ۷۴؛ در موید ۱: ۳۲۴؛ جز و اشتباه چالی است.
له رک: فرس ص ۴۳۵، قواسم ص ۱۰، صحاح ص ۲۷۲، ادات، موید ۱: ۳۲۵.
له چون در فارسی چارمته اول است، این تخصیص بی خود است، و در هیچک از فرهنگها مورد استفاده بنده یافت نشود.
له کذاست در موید ۱: ۳۲۵؛ اما در هیچک از فرهنگها دیده نشد.
له رک: جوینت در همین فرهنگ ص ۱۲۷.
له رک: فرینگ جهانگیری ۲: ۱۹۶۵.
له قواسم و ادات و موید ۱: ۳۲۶؛ چلباس؛ دستور ص ۱۰۹، بحر الفضائل: چلبای بهین معنی
له برغان ۳: ۱۶۲۱؛ کرفش چلباس؛ نیز رک: ۱: ۵۵۵.
له رک: صحاح ص ۲۷۳.
له رک: صحاح ص ۲۷۳؛ چفت خیده، رک: موید ۱: ۳۲۴؛ کیت بهین معنی دارد.
له دستور ۴۱۲؛ الفخ: در رک: مدار ۲: ۶۸.
له و خشک کرده که بان سیکی خورده، پال.
له اسم فاعول از مصدر چویدن یعنی چانه چسبیدن و دیدن؛ رک: بهین فرهنگ بخش سوم؛ موید ۱: ۳۲۰.
له اصل: چاره جستن.
له اصل: دوند.

چیره^۱: دیر و قوی و زبردست.

چرخ^۲: کرم شب تاب.

چزنده^۳: ترسیده.

چاره^۴: حیل و لابد.

چزو^۵: چزیست که آنرا بسندی سوال گویند، در میان آب باشد.

چیره^۶: صورت تراشیده.

چچرخ^۷: کمره تازیانه.

بهره‌ی

چاپاتی^۱: نانی که آنرا بتازی رعیف گویند.

چروبی^۲: چربی.

چاشنی^۳: دلیل و نمودار و صفت و مزه.

چکلی^۴: چیز بدانچه آسیاگرد یعنی خرآسیاگرد، از اینجاست که حدخانه را [چک] گویند.

۱ رک: چیردین فرهنگ ص ۱۳۱. ۲ رک: مویده: ۱: ۳۲۱.

۳ کذاست در اصل اما دستور ص ۱۰۹، ادات، مویده: ۱: ۳۲۵: چراغ، دار ۲: ۳۸: چراغ و چپراغ.

۴ اسم قائل از مصدر چیریدن بمعنی ترسیدن و انتفاع نمودن، رک: بخش سوم درین فرهنگ.

۵ اصل: ترسیده، متن تصحیح قیاسی.

۶ صحاح ص ۲۷۲: چاره تدبیر و حیل، یک باره.

۷ کذاست در جایگیری: ۲: ۱۴۲۸، اما در ادات و مویده: چزو واره، مویده چزپاره نیز، دار ۲: ۵۷: چزو واره.

۸ نسخه اصل: و شیت. متن مطابق مویده: ۱: ۳۲۷، دار ۲: ۷۳.

۹ ادات: چچرخه رشته و تازیانه، مویده: ۱: ۳۲۶ جنس از تازیانه معروف، نیز رک سلیمان: ۸۶.

۱۰ رک: دار ۲: ۴۱، جهاگیری: ۱: ۲۸۰.

۱۱ مویده: ۲: ۳۲۲ زحیف نان کرده و نازک. ۱۲ رک: مویده: ۱: ۳۲۴.

۱۳ چرو (ذیل حرف واو)، دار ۲: ۴۹: چرو و چروبی هر دو بهین معنی.

۱۴ مویده: ۱: ۳۲۷، دار ۲: ۴۳: بهین چهار لفظ بهین ترتیب بصورت معنی واژه چاشنی، بنابراین نخست که فرهنگ نویسان از یکدیگر بدون تحقیق نقل نموده اند.

۱۵ رک: مویده: ۱: ۳۲۷، دار ۲: ۶۱. ۱۶ کذاست در اصل.

۱۷ دار: حد را نیز چک گویند.

۱۴۰
گونه 'خ'
بهره 'الف'

حقیا: سرود و طب.
خارا: به جامه ابریشمی که آنرا صاحب می گویند، گفته اند خارای عتابی جامه مخطط و خناری
شستری همان عتابی است، و سنگ سخت، گویند سنگ خارا یعنی [سنگ] سخت و درشت.
خلویا: آنچه همه تصرف کنند.
خواس: بضم و کسر نیز، مزه طعام و لذت.

بهره 'ب'

خنب: به صفه.

بهره 'ت'

خشت: به ژوپین و گل راست زده.
خوست: راه مالیده و کوفته، جزیره.

له خارا و خار به معنی جامه ابریشمی و سنگ سخت آمده، و در اسفند شخرای فارسی بشکار آمده؛ رک:
لغتنامه دهخدا - خازن ذیل خارا. له در موبد ۱: ۳۳۵ قول زخان گویا صفت نقل شده
له موبد ۱: ۳۷۷: صاحب و عتاب نام مردی که واضح آنست. نیز رک: مدارج ۲ ص ۱۰۱، و فرهنگ معین.
له در موبد ۱: ۳۳۶، مدارج ۲: ۱۹۰ سیلانی ۸۹: خویا: اما جایی که ۲: ۱۶۱: خویا با اول و ثانی مضموم و
و او مجهول دومین دارد، اول بی شرم و بی باک و دیوانه مزاج، و دوم چیزی بود که هر کس که خواهد آنرا
متصرف شود و مانع نداشته باشد، جعفری ۱۷۱: خویا.

له قواس ص ۱۴۳: خوا لذت، مدارج ۲: ۱۷۶: خوا بضم آنچه بدان روز بگذرانند و مزه و بعضی لذت
بکسر نیز، در ادوات است: بعضی معنی اول و بکسر معنی ثانی، و در موبد بکسر و ضم معنی ثانی و بعضی معنی اول.
در جایی که ۲: ۱۹۷: خوا بضم معنی قوت و بکسر معنی لذت و مزه، همین است در برهان.

له رک: موبد ۱: ۳۳۷.

له که ذات در موبد ۱: ۳۳۸ و مدارج ۲: ۱۴۳، در موضح الذکر بابت شهادت زیر:

له ستان بر سر خشت عمارت کشف: برون رفت از فلک پشت ناف
یعنی خشت که در ساختمانها بکار برده می شود.

له رک: موبد ۱: ۳۳۸، مدارج ۲: ۱۸۷

له نشود اصل: خرزهره: قن صبیح قیاسی بر طبق موبد و مدارج، نیز آنچه خواست معنی جسنیزه،
رک: مدارج ۱: ۱۱، معین ۱: ۱۲، و فرهنگ معین و لغت نامه دهخدا همین را مورد تأیید ←

بهرهٔ ج

خفج: گیاهی است که بتازی بقلة الحقاء گویند یعنی لونک
 خفج: دیو شسته و گویند خفج بسکون فاجیم پاری و آن گرانی بود که در خواب مردم را فرو گیرد و
 بتازی کابوسش گویند.
 خفج: نفع و ناز | ورق ۱۳۶ | و طرب.
 خفج: ابق یعنی دورنگ.

بهرهٔ ج

خروج: خودس.

→ قاری گویند و در مداریت زیر و در غنسانه همین مبت از جمله دیگر ابیات بطور شایسته درج است:
 تنی چند از موج دیا بخت : رسیدن نزدیک این آبگوست (عنبری)
 رک: مویه ۱: ۳۴۹، مدار ۲: ۱۵۸، جهانگیری ۲: ۱۴۷۶.

همین کلمهٔ آبی و هتبی در مدار و کلمهٔ آبی فقط در مویه یافت می شود. زفان بقلة الحقاء یعنی خرد آورده
 و کلمهٔ متبادل هتبی لونک است که ذیل خفج در زفان موجود است. و انصحت که این لونک از
 لونک (خفج) جداست بلکه متبادل هتبی در مویه "لوسیا" است و بظاهر لونک و لوسیا هم معنی
 اند. معنی خفج در جهانگیری خرد آورده.

رک: برخج در همین فهرست، برای خفج رک: قواس ص ۱۶۴، مویه ۱: ۳۴۹، مدار ۲: ۱۵۶،
 جهانگیری ۲: ۱۴۷۵، فرس ص ۵۳، صحاح ص ۵۱ برخج به همین معنی بایستد. و عجیب است
 که بیت آغازی که در فرس و صحاح شاید برخج است، در قواس و مدار شایسته خفج نقل است.
 اما در مویه و مدار و جهانگیری ۱: ۸۳۷ به علاوه خفج برخج نیز آمده. جهانگیری ۱: ۱۰۶۹ ذیل ک نیز
 همین معنی دارد بدین بیت شایسته:

فرنگ دارشان بگرفته آن دیو : که سر یائیش نامش خورنیمون

در زفان همین واژه ذیل برخج نیز یافته شود. شایسته کذا است در قواس ص ۱۶۴.

اصل: جواب.

مقدمت الادب ص ۱۶۵: کابوس سلاچ، آنچه مردم را در شب فرو گیرد. و دستور الاخوان ص
 ۵۱۱ کابوس مترادف فرنگ قرار داده است.

در مویه ۱: ۳۴۹ همین سه لفظ و در صحاح ص ۵۲ فقط ناز و نفع بطور معنی واژه خفج
 درجست. رک: مویه ۱: ۳۴۹، مدار ۲: ۱۶۴.

رک: جهانگیری ۱: ۹۶۷، مویه ۱: ۳۴۹ این واژه را ذیل ترکی نقل نموده.

خوج: تاج خروس.

خلج: گردوی از گسان.

نخج: جانوری.

بهره 'خ'

خلج: ولایتی است در ترکستان، مشقت و خبان خیزند.

بهره 'و'

خرداو: آفتاب در جوا که آنرا خرداو ماه گویند، و منقسم شود روز از ماه.

خردو: گل که بتازمی طین گویند یعنی خره گل باشد و آن توده است.

۱ رک: فرس ص ۶۵، صحاح ص ۵۴، قواس ص ۶۴.

۲ جابگیری: ۱۹۷۶ تاج خروس یعنی گوشت پاره سرخ بر سر خروس و نیز یعنی گل بستان افزودن آورده

و برای بردو یعنی میت شاید دارد. ۳ موید: ۱: ۳۴۹ خلج نام ولایتی از ترکستان و نیز

اصلی است ترکان را. ۴ دارد: ۲: ۱۶۲ خلج (بفتح): اصلی از ترکان، (بضم) گردوی از عرب الخ.

۵ در اصل: نخج و نخج بردو خوانده می شود؛ اما در موید: ۱: ۳۴۹ و مدار: ۲: ۱۱۸ نخج و در هر دو بحواله زلفان

گویا یعنی جانور درج است.

۶ خلج: ناحیتی است در ترکستان، مشرق وی بعضی از حدود تبست و حدود یغنا و حدود تغز و غز و جنوب وی

بعضی از حدود یغنا و ناحیت ماوراء النهر و مغرب وی حدود غور و شمال وی حدود نخس و چگل و تغز و غز،

و این ناحیتی است آبادان و بانعت ترین ناحیت است از نواحی ترک (رک: حدود العالم چاپ

کابل ص ۳۸۳).

۷ صحاح ص ۴۴ خلج شهریت که خبان بسیار از آن خیزند، اما رک: موید: ۱: ۱۴۹-۱۵۰.

۸ رک: موید: ۱: ۳۵۱، دارد: ۲: ۱۲۷.

۹ در موید این معنی بحواله زلفان بیان شده.

۱۰ رک: فرس ص ۹۴، قواس ص ۳۳، صحاح ص ۷۷.

۱۱ کند است در موید: ۱: ۳۵۱ بحواله شرف نامه؛ نیز رک: دارد: ۲: ۱۲۷. و اما بنسخه اصل طیره

۱۲ رک: خره ذیل 'ه' در همین فرهنگ.

۱۳ در موید این معنی بحواله زلفان و در مدار بدون حاله همین معنی آمده.

خاد: غیلواز و در فرنگ نام اسدی طوسی بذال سجد زغن یعنی کویل، و خراذ نیز گویند بزباد
رای مصله.

خرند: گیاهی است مانند اشنان.

خود: ترک: بتازی مغفر گویند، آنکه بوقت جنگ بر سر نهند و آن از چرم خام و آهن نیز
باشد.

خرد: عقل.

نجند: نام شهریت در بلاد سمرغانه.

له قواسم ص ۵۹: خاد غیلواز.

له لغت خراسان اسدی چاپ پال برون ص ۳۳: خاد مرغ گوشت ربای باشد، و چای عباس اقبال
ص ۱۰۴: خاد: زغن باشد یعنی مرغ گوشت ربای، و بعینه همین است در صحاح ص ۸۹.
در اصل حسب قاعده تغریق میان دال و ذال فارسی خاد باید خاذ باشد. اما زغن را مترادف کویل قرار دادن
ازین حیث درست نظر نمی آید که در فرنگ قواسم ص ۵۸: زغن و غیلواز مترادف است و در زبان گویا
غیلواز و غیلواز یعنی مرغ گوشت ربای آمده، و در قواسم ص ۵۸: زغن و غیلواز مترادف است و در زبان گویا
در زغن و غیلواز مرغ گوشت را مترادف اند. مویده: ۱: ۳۵۱: خاد: آنرا غیلواز نیز گویند که افی شرف نام، و در
فرنگ مولانا خرم الدین کاکر مذکور است که باز را گویند و در فرنگ اسدی طوسی است: خاد بذال سجد
زغن یعنی کویل و آنرا خراذ نیز گویند بزبادت راء مصله، اقول فی نظر زیر آنچه تفسیر زغن بکویل یافته نشد. باید علاوه
نمود که صاحب مویده در فرنگ قواسم دیده و نه فرنگ طوسی: قواسم خاد یعنی غیلواز نوشته و هر چه به
اسدی اقتساب داده آنرا از زبان گویا گرفته، در فرنگ اسدی خاد یعنی زغن یعنی مرغ گوشت را حفظه
اضافه کویل و صورت دیگر اصل واژه بزبادت را یعنی خراذ در زبان است نه در اسدی. مصحح مدارالانفال
و کتبه مدینه با سطر در حاشیه ج ۲ ص ۱۰۰ متوجه این نکته شده اما چون او زبان گویا را ندیده بود، فقط همین
قدر نوشته که "اسدی طوسی زغن یعنی کویل نوشته و مولف مویده اشتباه کرده است."

له حیث همین عبارت در قواسم ص ۱۲۰، مویده: ۱: ۳۵۱، مدار: ۱: ۱۳۵ و غیره یافته می شود، و ازین جهت
پیدا است که چه اینها از قواسم نقل نموده اند و قواسم بجای خود از اسدی طوسی گرفته و همین اسدی ماخذ
صحاح هم بوده است. فرنگ نویس آن قدیم بر ناقل بوده اند و هیچ تحقیق ننموده.

له فرنگ معین: ۱: ۱۰۷۰: ترک: کلاه خود، مغفر.

له خجند از شهرهای معروف ماوراءالنهر است که در ساحل چپ رودخانه سیحون و در سوی رودخانه خواجه یارگان
و یکصد و چهل هزار گزی جنوب شرقی تاشکند (رک: قاموس الاعلام ترکی) بقول یافت در مجسم البلدان
خجند از سمرقند ده روزه راه است.

خرسند: خوش و قناعت^{له}.

خرند^{له}: بمعنی تند است، گویند خند و تری و مرت و تار و مار این همه یک معنی است.

خوید^{له}: بکشتزار باشد.

خورد^{له}: دوازدهم روز از ماه است.

بهره^{له} ز

خور: آفتاب، و خورنده، و امراز خوردن، و سزاوار و درین کلمه 'در' اول انضمام کنند چنانکه گویند در خور.

خاور: مشرق و برعکس مغرب نیز گویند، و اصح اول است، در بنام بهترین بحث است.

خشیشار^{له}: مرغی است تیره کون، آبی سرسپید و بزرگ و بعضی خشنار بجای یا نون گویند.

خنیور^{له}: قیامت^{له}، قائل گوید:

له مویا: ۲۵۱.

له مدار ۲: ۱۳۴-۱۳۵ خرد و خوند: به بعضی معنی تند... و در بنامی است خوند یعنی تند و در سکنری و پنج بخشی از فان) است: خرد و تری و مرت و تار و مار مترادف.

له خوید بر وزن رسید است، و صحاح ص ۸۹ یعنی آن کشته از جو نوشته و همین است در شرف نام، اما در مویا: ۳۵۲ خایمی دختان حام ج است و همین معنی در برهان و غیره درج است اما نایب معنی کشت زار از اشعار می شود، مثلاً عماره گوید:

رویش میان حایسب اندرون پاید: چون لاله برگ تازه شکفته میان خوید (صحاح مخفی)

نیز رک: لغت نامه شماره مسلسل ۱۷۰ (شماره خوف خ ۱۰) ص ۹۵۵.

له رک: لغت نامه شماره مسلسل ۱۶۹ (شماره خوف خ ۹) ص ۸۸۲.

له رک: قواصص ص ۱۶: خاور مشرق، مستشهد بآیت شمس طیبی.

له رک: صحاح ص ۱۰۳: خاور مغرب، مستشهد بآیت رودکی.

له کذاست در قواصص ص ۶۳، استور ص ۱۱۹، بحر الفاضل، اما فرس ص ۱۲۴: خشنار مرغ

آبی سرسپید و خشن سپید، صحاح ص ۱۰۳ نیز خشنار. اما در مویا: ۳۵۵، مدار ۲: ۱۳۴،

سروری ص ۳۳۲ بر دو شکل دارد: سروری نیز علامه نموده در ترجمه صید ابی ریحان بیرونی خشنار.

بنظر رسیده و برین قول اعتماد بیشتر است. اما در صید (نه در متن عربی و نه در ترجمه پارسی)

خشنار اندراج جداگانه ندارد. ممکن است دشمن بحث در باره خواص اشیا آمده باشد.

له کذاست در فرس و صحاح ۱۰۴ و در اکثر فرهنگها، اما این لغت در اصل جیمه و چیونیت —

بپول خنیور که چون تیغ تیسز : گذار است بهم نام هم رستخیز
یعنی پل خنیور و آن صراط قیامت است که بروی دوزخ است.
خنبیر : کسی که بتوانگری لاف زند و مفلس بود ، چنانکه گوید :
باسراخی است ولی سخت می تنگ زید
آنچنان شد که چنوم هیچ خنبیر نشود

خنور : کند و گویند رخت دکالا و آوند های مطبوع چون خنبیر و آنچه ماند از کاسه سفالین و
آبگینه ، و تازیان همه آوند با خنور بشدید نون گویند .
خوار : آنچه بخورند ، و مزه [ورق ۱۳۷] و نام خط نزدیک ری . و در فرهنگ آمده است :
خوار بار آنچه بخوراند و گندم نیز ، و نام کوشک بهرام گور که نعان مندر ساخته بود .

— بوده (رک : بمقاله "چینودیل" و مقدمه چاپ جدید "گکاهت" گزارش استاد پور دادود . نشریه
انجمن زرتشتیان بمبئی ۱۹۵۲ صفحه بیت - یح - ۱) این کلمه بعد از تصحیف چنبود ، چنور ، جنیور ، خنیور ، خنبیر
خنور و غیره ضبط شده (رک : مقدمه بر بیان دست طبع ص ۴۷) .

۹ اگر چه این معنی ، بعضی ذمه گما یافت می شود مانند قواس ص ۱۷ : اما معنی اصلی کلمه پل صراط است نه قیامت . رک .
قواس ص ۷ ج ۱۳ . ۱۴ .

۱۰ رک : قواس ص ۱۱۲ ، دکنه ص ۱۲۰ و غیره .

۱۱ این بیت از ابوالعباس است و در فرس ص ۱۴۹ . قواس ص ۱۱۲ . مصباح ص ۱۳ . سرریز
ص ۳۳ و رستیدی ص ۵۹ دست هدا .

۱۲ دکنه ص ۳۰۳ و سرریز و رستیدی . یکایک بستم یک یه . زفان : ولی بی شک ص ۱۰ و ۱۱ ج ۱ از
فزان .

۱۳ قواس و زفان آنچنان است که

۱۴ مار ۱۳۴۲ : خنور کند و گویند رخت دکالا و آوند های مطبوع و طبال . [تا : بان] همه اما با خنور
گویند . غنیری .

همای لطف تو بر کسی کسای شکست : و با بعضی زرد و نقره اش زمانه خنور

۱۵ رک : قواس ص ۱۴۲ . مویه ۳۵۶۰۱ . ۱۶۸۰۲۰۱۰ .

۱۶ مویه : خورنده .

۱۷ رک : قواس ص ۱۳۲ : خدا و خوار مزه .

۱۸ خوار گشتی است و جنوب شرقی تا این . برادره خوارسان از سمت ص ۱۰ ج ۷ ص ۸۷

۱۹ مراد از ذمه گما نه قواس . رک ص ۱۴۲ . لک صاحب مویه ۳۵۶۰۱ و ۱۶۸۰۲۰۱۰ هم نام کوشک بهرام نوشته

خنجر: بوی و دود چربی و گوشت بوقت سنج [کردن] کباب.

خنجر: دشند.

خشار: پاک کردن باغ و کشت از گیاه های خود رو.

خر: گل تریب طین، و خره بهائیز.

خستر: خرنده.

خواستار: خواهند.

خر: کلان و لاشه.

خوار: خرنده، و ضد عزیز.

خزر: نام ولایتی است از آن ترکان که مردمان سپید پوست باشند، و در آن زمین قنار

می شود، و خزران نیز گویند.

خسر: پدر زن و پدر شوی.

له رک: فرس ص ۱۴۰ و قواس ص ۱۴۶.

له در مدار ۲: ۱۴۳-۱۴۴، خشار و خشاره و خشاوه هر سه بهین معنی آمد: و در زبان خشاره یعنی پاک کردن باغ الخ آمده؛ اما در قواس ص ۱۸۱ و صحاح ص ۲۷۹ خشاوه آمده نه خشاره نوکند یا بیت ابوالعباس:

که خود شام و خود پرورم خود آب دهم: ز خود خشاوه کنم شان بوک دوسره دس

له رک: فرس ص ۳۷، قواس ص ۳۳، صحاح ص ۱۰۳، مدار ۲: ۱۲۱.

له موبد ایضا.

له رک: قواس ص ۶۹، دستر ص ۱۲۰، مدار ۲: ۱۳۰، و در مدار و موبد ۱: ۷۵ خستو بهین معنی

آمده؛ اما در صحاح ص ۲۹۵ خستو بهین معترف است.

له رک: موبد ۱: ۳۵۶.

له موبد ۱: ۳۵۴ بهین معنی را بکوال زبان آورده.

له نسخ: اصل: خواهد؛ اما رک: موبد ۱: ۳۵۶.

له بهین تفصیل در موبد ۱: ۳۵۵ یافته می شود؛ و در هکستین ۶: ۴۷۸: خزر قومی که سابقاً در

حاشیه بحر خزر و شمال جبال قفقاز سکونت داشتند، که و بی از آنان بطرف قسمت جنوب غلی

قفقازیه، شب به شب آمده قدم (گرفت) شمال بجزا سود روی آوردند و تا قرن چهارم هجری قدرتی داشتند.

بای تخت آنان در اهل اسلام، عصب فتوحات مسلمانان ببلخ بود.

له رک: دهک معین ایضا.

بهره‌ز

خازنه: ریم اندام.

خوزنه: نام ولایتی که خوزستان گویند.

بهره‌اس

خس: خاشاک و مزدکوهی و [... بهش] را خس گویند.

خدیش: کدبانوی خانه، بعضی شعرا در استعمال بمعنی خداوند آورده اند.

بهره‌اش

خلالوش: غلغل و غلبه و مشغله.

خراشش: نابکار و انداختنی یعنی سقط و خراشیدن.

له رک: مویده ۱: ۳۵۷ به خوز در اصل نام قوم، و خوزستان محل این قوم

بود، ایالتی است در جنوب غربی ایران استان ششم و مرکز استان اهواز است.

له رک: مدار ۲: ۱۴۰، جهانگیری ۱: ۱۲۸۲ خس بهندی قومی است از کفار که در کوهستانی ... ساکن اند.

له اصل کرم خورده، خس بمعنی مردم فرومایه و دنی و رذیل نوشته اند.

هه رک: مدار ۲: ۳۱، مویده ۱: ۳۵۹ بمعنی اولی بمعنی کدبانوی خانه بحواله زبان نوشته و خدیش نیز

بهین بمعنی آورده است. مویده و مدار ایضا، نیز فرہنگ معین ۱: ۱۴۰۳ که خدیش بمعنی کدخانه، بانوی خانه،

پادشاه آورده. جهانگیری ۱: ۷۹۳ بمعنی کدبانو، باین بیت شایه:

دارد کمر کسی بتا باندازه خویش در خانه خود بنده و آزاد خدیش

رودکی: چه خوش گفت آن مرد با آن خدیش: مکن بدیکس گر نخواهی خدیش (ایضا)

امامین بیت صاحب صحاح ص ۱۵۰ بنام حکیم سوزنی نقل کرده توضیح خدیش بمعنی کدبانو، دستور ص

۱۲۰ نیز خدیش دارد.

هه درخس ص ۲۱۰ و صحاح ص ۱۵۰ خلالوش آشوب و غلغل و مشغله و آواز بوی. اما مویده ۱:

۳۶۰ خلالوش و مدار ۲: ۱۶۱ خلالوش و خلالوش هر دو: در فرهنگ قواس در نسخه اصل خلالوش

(رک: ص ۱۰۶).

له صحاح ص ۱۵۰: خراشش دومی دارد، اول خراشیدن، دوم سقط و نابکار،

رودکی گوید:

بت اگر چه لطیف دارد نقش

نزد رخساره تو هست خراش

شه رک: مویده ۱: ۳۶۰: اما نسخه اصل: انداختی.

خوش بضم خ و ش، خوشنوعین مادر زن و خشک
خلیش: غلاب.

خروش: فریاد . و فردوسی است بانگ مردم دون .
خیش: جامهٔ پنبه آکنده بافته .

بہرہٴ ف

خف: کوئی سوختہ یعنی پارہ جاد سوختہ.

بہرہ ناک

خدا کو: طیرہ شدن یعنی خجل شدن و کسی که طیرہ شدہ باشد یعنی خجل شدہ گویندش خدا کو است.
 خیک: فشرودن گلو.

خنجک^{۱۳}: بفتح و کسر خا، خا، خشک، و دانۀ او، ابزاریست جهت انقباض^{۱۴} و بطم^{۱۵} و غروب^{۱۶}

۱۰ کذاست در اصل؛ اما جعفی ۱۵۹۲۰۲ خوش هماد این بیت شایه:

خاموش شو خاموش شو، عشق! مدہوش شو

ارحال خود بی جوشش تو مار آ ز ذکر ماضی

جہانگیری ایضا خوش ما، شوی و ما، زن، صحاح ص ۱۵۱ خوش خبر باشد یعنی مادر زن و پدر زن؛ مؤید: ۱۔ ۴۳۸ خوش ما، تہذیب ۱۔ ۲۰۷ ما، ختمہ مادر شوہر ۱۔ ۶۰۹ زن: ۱۔ ۱۰۰۱ مادر: ۱۔ ۱۰۰۱ خوش ما، شوی و زن.

۱۵۱ خٹک، دستار، نصیب، خستیدان، معنی:

عزیز ترین رفیق ہاں قدیم .. مانا آب بحر آب چشم تسم

۱۰۲۔ رک : فاسس نم، ۱۰۳۔ ستہ نم، ۱۰۴۔

مؤید: امام عقیق اسلم در حدیثی در بیان تاریخ یزیدی ص ۱۰۱: «که تکبیر اعلیٰ فرمود تا خدا ای برآوردند خواب قیوم را و آنرا مژگانا ساجده و مستحضر آن بخند

۷ صحاح ص ۱۶۸ حنف کون و نیز۔ ۸ نزلان و کوی پاردو جابر۔

مولیٰ: ۱۰۰، ۲۰۰، ۳۰۰، ۴۰۰، ۵۰۰، ۶۰۰، ۷۰۰، ۸۰۰، ۹۰۰، ۱۰۰۰، ۱۱۰۰، ۱۲۰۰، ۱۳۰۰، ۱۴۰۰، ۱۵۰۰، ۱۶۰۰، ۱۷۰۰، ۱۸۰۰، ۱۹۰۰، ۲۰۰۰، ۲۱۰۰، ۲۲۰۰، ۲۳۰۰، ۲۴۰۰، ۲۵۰۰، ۲۶۰۰، ۲۷۰۰، ۲۸۰۰، ۲۹۰۰، ۳۰۰۰، ۳۱۰۰، ۳۲۰۰، ۳۳۰۰، ۳۴۰۰، ۳۵۰۰، ۳۶۰۰، ۳۷۰۰، ۳۸۰۰، ۳۹۰۰، ۴۰۰۰، ۴۱۰۰، ۴۲۰۰، ۴۳۰۰، ۴۴۰۰، ۴۵۰۰، ۴۶۰۰، ۴۷۰۰، ۴۸۰۰، ۴۹۰۰، ۵۰۰۰، ۵۱۰۰، ۵۲۰۰، ۵۳۰۰، ۵۴۰۰، ۵۵۰۰، ۵۶۰۰، ۵۷۰۰، ۵۸۰۰، ۵۹۰۰، ۶۰۰۰، ۶۱۰۰، ۶۲۰۰، ۶۳۰۰، ۶۴۰۰، ۶۵۰۰، ۶۶۰۰، ۶۷۰۰، ۶۸۰۰، ۶۹۰۰، ۷۰۰۰، ۷۱۰۰، ۷۲۰۰، ۷۳۰۰، ۷۴۰۰، ۷۵۰۰، ۷۶۰۰، ۷۷۰۰، ۷۸۰۰، ۷۹۰۰، ۸۰۰۰، ۸۱۰۰، ۸۲۰۰، ۸۳۰۰، ۸۴۰۰، ۸۵۰۰، ۸۶۰۰، ۸۷۰۰، ۸۸۰۰، ۸۹۰۰، ۹۰۰۰، ۹۱۰۰، ۹۲۰۰، ۹۳۰۰، ۹۴۰۰، ۹۵۰۰، ۹۶۰۰، ۹۷۰۰، ۹۸۰۰، ۹۹۰۰، ۱۰۰۰۰، ۱۰۱۰۰، ۱۰۲۰۰، ۱۰۳۰۰، ۱۰۴۰۰، ۱۰۵۰۰، ۱۰۶۰۰، ۱۰۷۰۰، ۱۰۸۰۰، ۱۰۹۰۰، ۱۱۰۰۰، ۱۱۱۰۰، ۱۱۲۰۰، ۱۱۳۰۰، ۱۱۴۰۰، ۱۱۵۰۰، ۱۱۶۰۰، ۱۱۷۰۰، ۱۱۸۰۰، ۱۱۹۰۰، ۱۲۰۰۰، ۱۲۱۰۰، ۱۲۲۰۰، ۱۲۳۰۰، ۱۲۴۰۰، ۱۲۵۰۰، ۱۲۶۰۰، ۱۲۷۰۰، ۱۲۸۰۰، ۱۲۹۰۰، ۱۳۰۰۰، ۱۳۱۰۰، ۱۳۲۰۰، ۱۳۳۰۰، ۱۳۴۰۰، ۱۳۵۰۰، ۱۳۶۰۰، ۱۳۷۰۰، ۱۳۸۰۰، ۱۳۹۰۰، ۱۴۰۰۰، ۱۴۱۰۰، ۱۴۲۰۰، ۱۴۳۰۰، ۱۴۴۰۰، ۱۴۵۰۰، ۱۴۶۰۰، ۱۴۷۰۰، ۱۴۸۰۰، ۱۴۹۰۰، ۱۵۰۰۰، ۱۵۱۰۰، ۱۵۲۰۰، ۱۵۳۰۰، ۱۵۴۰۰، ۱۵۵۰۰، ۱۵۶۰۰، ۱۵۷۰۰، ۱۵۸۰۰، ۱۵۹۰۰، ۱۶۰۰۰، ۱۶۱۰۰، ۱۶۲۰۰، ۱۶۳۰۰، ۱۶۴۰۰، ۱۶۵۰۰، ۱۶۶۰۰، ۱۶۷۰۰، ۱۶۸۰۰، ۱۶۹۰۰، ۱۷۰۰۰، ۱۷۱۰۰، ۱۷۲۰۰، ۱۷۳۰۰، ۱۷۴۰۰، ۱۷۵۰۰، ۱۷۶۰۰، ۱۷۷۰۰، ۱۷۸۰۰، ۱۷۹۰۰، ۱۸۰۰۰، ۱۸۱۰۰، ۱۸۲۰۰، ۱۸۳۰۰، ۱۸۴۰۰، ۱۸۵۰۰، ۱۸۶۰۰، ۱۸۷۰۰، ۱۸۸۰۰، ۱۸۹۰۰، ۱۹۰۰۰، ۱۹۱۰۰، ۱۹۲۰۰، ۱۹۳۰۰، ۱۹۴۰۰، ۱۹۵۰۰، ۱۹۶۰۰، ۱۹۷۰۰، ۱۹۸۰۰، ۱۹۹۰۰، ۲۰۰۰۰، ۲۰۱۰۰، ۲۰۲۰۰، ۲۰۳۰۰، ۲۰۴۰۰، ۲۰۵۰۰، ۲۰۶۰۰، ۲۰۷۰۰، ۲۰۸۰۰، ۲۰۹۰۰، ۲۱۰۰۰، ۲۱۱۰۰، ۲۱۲۰۰، ۲۱۳۰۰، ۲۱۴۰۰، ۲۱۵۰۰، ۲۱۶۰۰، ۲۱۷۰۰، ۲۱۸۰۰، ۲۱۹۰۰، ۲۲۰۰۰، ۲۲۱۰۰، ۲۲۲۰۰، ۲۲۳۰۰، ۲۲۴۰۰، ۲۲۵۰۰، ۲۲۶۰۰، ۲۲۷۰۰، ۲۲۸۰۰، ۲۲۹۰۰، ۲۳۰۰۰، ۲۳۱۰۰، ۲۳۲۰۰، ۲۳۳۰۰، ۲۳۴۰۰، ۲۳۵۰۰، ۲۳۶۰۰، ۲۳۷۰۰، ۲۳۸۰۰، ۲۳۹۰۰، ۲۴۰۰۰، ۲۴۱۰۰، ۲۴۲۰۰، ۲۴۳۰۰، ۲۴۴۰۰، ۲۴۵۰۰، ۲۴۶۰۰، ۲۴۷۰۰، ۲۴۸۰۰، ۲۴۹۰۰، ۲۵۰۰۰، ۲۵۱۰۰، ۲۵۲۰۰، ۲۵۳۰۰، ۲۵۴۰۰، ۲۵۵۰۰، ۲۵۶۰۰، ۲۵۷۰۰، ۲۵۸۰۰، ۲۵۹۰۰، ۲۶۰۰۰، ۲۶۱۰۰، ۲۶۲۰۰، ۲۶۳۰۰، ۲۶۴۰۰، ۲۶۵۰۰، ۲۶۶۰۰، ۲۶۷۰۰، ۲۶۸۰۰، ۲۶۹۰۰، ۲۷۰۰۰، ۲۷۱۰۰، ۲۷۲۰۰، ۲۷۳۰۰، ۲۷۴۰۰، ۲۷۵۰۰، ۲۷۶۰۰، ۲۷۷۰۰، ۲۷۸۰۰، ۲۷۹۰۰، ۲۸۰۰۰، ۲۸۱۰۰، ۲۸۲۰۰، ۲۸۳۰۰، ۲۸۴۰۰، ۲۸۵۰۰، ۲۸۶۰۰، ۲۸۷۰۰، ۲۸۸۰۰، ۲۸۹۰۰، ۲۹۰۰۰، ۲۹۱۰۰، ۲۹۲۰۰، ۲۹۳۰۰، ۲۹۴۰۰، ۲۹۵۰۰، ۲۹۶۰۰، ۲۹۷۰۰، ۲۹۸۰۰، ۲۹۹۰۰، ۳۰۰۰۰، ۳۰۱۰۰، ۳۰۲۰۰، ۳۰۳۰۰، ۳۰۴۰۰، ۳۰۵۰۰، ۳۰۶۰۰، ۳۰۷۰۰، ۳۰۸۰۰، ۳۰۹۰۰، ۳۱۰۰۰، ۳۱۱۰۰، ۳۱۲۰۰، ۳۱۳۰۰، ۳۱۴۰۰، ۳۱۵۰۰، ۳۱۶۰۰، ۳۱۷۰۰، ۳۱۸۰۰، ۳۱۹۰۰، ۳۲۰۰۰، ۳۲۱۰۰، ۳۲۲۰۰، ۳۲۳۰۰، ۳۲۴۰۰، ۳۲۵۰۰، ۳۲۶۰۰، ۳۲۷۰۰، ۳۲۸۰۰، ۳۲۹۰۰، ۳۳۰۰۰، ۳۳۱۰۰، ۳۳۲۰۰، ۳۳۳۰۰، ۳۳۴۰۰، ۳۳۵۰۰، ۳۳۶۰۰، ۳۳۷۰۰، ۳۳۸۰۰، ۳۳۹۰۰، ۳۴۰۰۰، ۳۴۱۰۰، ۳۴۲۰۰، ۳۴۳۰۰، ۳۴۴۰۰، ۳۴۵۰۰، ۳۴۶۰۰، ۳۴۷۰۰، ۳۴۸۰۰، ۳۴۹۰۰، ۳۵۰۰۰، ۳۵۱۰۰، ۳۵۲۰۰، ۳۵۳۰۰، ۳۵۴۰۰، ۳۵۵۰۰، ۳۵۶۰۰، ۳۵۷۰۰، ۳۵۸۰۰، ۳۵۹۰

مجلسه ۱۳۴۳

[illegible]

خشک: سرد نفس زدن و خوشی یا ذکر فتن، بتازی طوبی لک گویند.
 خایسک: مطرقة آهنگران و برآن که پسند وی هستوره.
 خشک: نان بزرگ.
 خاشاک: نابکار، و ریزه هائی خشک از چوب و کاه و خاک بهم آمیخته و آسپه بدین ماند.
 خشک: بکوبان.
 خشک: آواز بانگ.
 خراک: بانگ خفت.
 خراک: هراچ دیواری را سوراخ کنند، و چوبی که بدان جنایت کننده رادده زند، و چوبی بر بطا که تدا
 نمند.
 خشک: بد نفس.

۱. عینا همین معنی در مویده ۱: ۳۶۵ و مدار ۲: ۱۷۳ یافته می شود.
 ۲. گذشت در مویده و مدار، صحاح ص ۱۸۰: خشک یعنی خوشا و عرب طوبی گوید.
 ۳. طوبی لک: خشکی یا دتر، رک: دستور الاخوان ص ۴۱۳. دستور آن ۱۳: ۲۹ طوبی لهم و حسن
 قناب (برای ایشان خوش حالی و نیک انجایی است).
 ۴. صحاح ص ۱۷۹: خایسک مطرقة.
 ۵. دستور الاخوان ص ۵۹۰: مطرقة غنچ و خایسک.
 ۶. رک: مدار ۲: ۱۱۲.
 ۷. رک مویده ۱: ۳۶۴، جهاگیری ۱: ۶۲۹، عیبه لوبکی:
 از جگر تور شرق امر تومی برآورد: قوسه زر مغربی از پس سیگون خنک
 (رک: دیوان ص ۱۸۰)
 ۸. در اینجا بقدریک کل کرم خورده: این سنی در خهنگما دیده نشد.
 ۹. رک: مویده ۱: ۳۶۳ و مدار ۲: ۱۰۴.
 ۱۰. این واژه بدین معنی دیده نشد.
 ۱۱. مویده ۱: ۳۶۵، مدار ۲: ۱۶۸، جهاگیری ۲: ۱۶۹۴.
 ۱۲. رک: مویده ۱: ۳۶۴، مدار ۲: ۱۶۸، نیز رک: جهاگیری ۱: ۹۳۷.
 ۱۳. رک: مویده ۱: ۳۶۴ و مدار ۲: ۱۲۳، جهاگیری ۱: ۹۶۲ معنی اول ندارد و برای معنی سومیت
 زیرشاهد دارد:
 کاس رباب را چنقش گرگله بر خرد: تار بریشی برویا برآیدش خراک
 (دیوان عیبه لوبکی ص ۱۸۶)
 ۱۴. رک: مدار ۲: ۱۷۴، و بر بیان: خشک بفتح اول بدذاتی و بد نفس.

خنک: مشک بزرگ که بسندوی بکمال گویند.
 خدنگ: چوبی است هموار که خار و گره ندارد، از وی تیر سازند در ترکستان.
 خنگ: اسب سپید و آن بر چند گونه است، سبز خنگ و سرخ خنگ و یکس خنگ و خنگ ریو
 و خنگ بور و خنگ ذبابی.

بهره دل

خول: در عاج سپید که آنرا کبک انجیر گویند، و خول بضم خا و سکون و او نیز گویند و در محل است
 که خول مانند عصفور است، بتازی شجوه گویند.
 خول: کز، یعنی ضد راست و گویند کز پای باشد.

- ۱ رک: موید ۱: ۳۶۶، مدار ۲: ۱۹۹.
 ۲ کذاست در اصل، اما موید: بکمال و مدار بکمال.
 ۳ مدار ۲: ۱۲۰: خدنگ چوب درختی از وحشی زمین و ترکش و تیر سازند، و از خدنگ تیر مطلق
 اراده کرده اند الخ.
 ۴ رک: موید ۱: ۳۶۶.
 ۵ موید، سبج خنگ. اما در برهان است: خنگ چون سرخی مائل باشد سرخ خنگ گویند، یک
 خارا حذف کنند سرخ خنگ خوانند.
 ۶ قواسم ص ۶۲، دستور ص ۱۱۹: خول کبک انجیر، موید ۱: ۳۶۷ و مدار ۲: ۱۸۹ خول در عاج
 سپید که آنرا کبک انجیر خوانند الخ.
 ۷ زنان: کبک انجیر در عاج سپید.
 ۸ درین معنی تلفظ خول مختص آمده. رک: موید ۶ مدار ۱: اما در جهانگیری ۲: ۱۹۸۴ با قول مضموم و بواو
 پارسی درج است. نیز رک: جندی ص ۱۸۵: خول یوزن غول چکاوک ... و در عاج الخ
 ۹ مثلاً دسکندی (رک: موید ۱: ۳۶۷) مانند کج خنگ است.
 ۱۰ اصل: صغور، متن مطابق مدار ۲: ۱۹۰، اما مصین ۱: ۱۲۹۷ چنو بمعنی کج خنگ دارد. برای
 'خول' رک: دیوان منوچهری ۱۸۷:

خول طنبوره تو گویی زند و لاسکوی

از درختی بد درختی شد و گوید آه

۱۱ در فزس ص ۲۱۲، ص ۲۰۷ خول بمعنی کز باین بیت شایه:
 پس از تاز و خول آوری پیش من: همت خول به پاسخ دبد پیروز

۱۲ کذاست در مدار ۲: ۱۹۱، موید ۱: ۳۶۷

خم : خوشی و طبع و جرات [و ریزش رودگانی دشمنه ، و در فرهنگ نام است
خم جرات]
خام : ضد پخته و کسند و پوست را نیز گویند .
خم : ریم چشم و جز آن .
خرم : خوش .
خرام : رفتن بناز .
خلم : آب بینی ستر .

بهره 'ن'

خواستان : دوات و خواسته نیز گویند .

- له در جابری ۲: ۲۲۷۱ بدین بیت سنائی استنسا شده :
مردشوت پرست را در خم : بدتر از بت پرست خواند حکیم
نیز رک : صحاح ص ۲۱۹ .
- له در فرس ص ۳۴۲ و صحاح ص ۲۲۰ بدین معنی و بابت زیر :
بسی نیمها کرده بود او درست : و ز آن خیم های در چارچوب
اما صاحب جابری خیم را بدین معنی درست نمی داند و آنرا تصحیف 'خم' قرار دهد (۲: ۲۲۷۱) .
- له در اکثر فرهنگها همین کلمه ریزش آمده ؛ رک : مویده ۱: ۳۶۸ ، مدار ۲: ۲۰۰ ، اما واژه صحیح رندش
کدامت در فرس و صحاح ص ۲۲۰ و شمس غری ص ۳۲۱ (متن ، حاشیه ، ریزش) .
- له از ریزش تا آخر جمله ، حاشیه افزوده شده ، بقول انجلی شیرازی در عربی نیز بمعنی خوی و طبیعت است .
- له نسخ اصل . بکنده ؛ اما ؛ جابری ۱: ۲۹۹ بدین بیت شاهد :
گر این جبت لین و گداز جبت نام : گر این تیغ بر کف گداز جسم خام
برای معنی خیم دباغت نکرده مع بیت شاهد رک : صحاح ص ۲۱۹ ، جابری ۱: ۲۹۸ .
- له نسخ اصل : خم ؛ اما رک : صحاح ص ۲۱۹ - ۲۲۰ : خم رص باشد . متعجب :
دو جوی روان در آبش زخم : و در خرمن زده برداشتش زخم
معین ص ۱۷۷۴ رص چوک خنک کنج خیم .
- له بود معدول ، اما اطالی جدید خرم .
له رک : صحاح ص ۲۱۹ ، مویده ۱: ۳۶۸ .
له مویده ۱: ۳۸۰ : خواسته .

غزوان؛ هشتم روز شهر یور که آفتاب در سنبل بود، روز جشن پاریسان است، و در فرهنگ نامدار است که غزان سوم روز شهر یور است و درست تر آنست که غزان هفدهم روز از شهر یور ماه باشد.

خان: خان و کاروانسرای پادشاه ملک سمرقند و در ترکستان پادشاهی که فروترین مرتبه بود و نام ولایتی است در ترکستان.

خرمن: انبار غله ناماییده یعنی توده گندم و جو و جز آن که از میان گاه پاک نکرده باشد و بر باد ندهد. خشن: غزیدن.

۱۴۹ [خشان: به فتح، مبارک و بعضی فرهنگیان کسر فا و سکون نون گویند. خدستان: سخره و فسوس. خفیدن: بر جستن.

۱. قواس ص ۱۷: غزان هشتم روز از ماه شهر یور (روز جشن پاریسان)؛ در مدار ۲: ۱۳۷ همسین قول زفان بدون ذکر ماخذ عیناً شامل شده.

۲. رک: موبد ۱: ۳۰۸: خان (فصل عربی)، مدار ۲: ۱۰۹: خان (ع) کاروانسرای و درباری القاب پادشاهان الخ. مکاتب سانی ص ۷۸: آن باز رک آن که در خان خرس در بند خانه داشت الخ.

۳. در موبد گفت: زفان آمده: پادشاه ملک سمرقند، و در زفان گویند که در ترکستان پادشاهی که فروترین مرتبه بود و او را خان گویند و پادشاهی که بزرگترین مرتبه بود او را خاقان نامند و نیز نام دلا است در زمین ترکستان.

۴. رک: لغت نامه دهمدا - جزو خ - خانه. ۵. رک: موبد ۱: ۳۷۱.

۶. رک: موبد ایضاً، مدار ۲: ۱۴۱: خشن مجروح کردن و خفیدن (صح خفیدن). گذاشت در زفان گویند (ذیل مصاد)؛ ناگفته ماند که در این فرهنگ مصاد در بخش جداگانه آمده؛ پس در اینجا این مصدر بی محل نظری آید. ۷. نسخ اصل: خزیده یا خزنده.

۸. رک: موبد ۲: ۱۷۳، جهانگیری ۲: ۱۸۰۷: خشا و خشان با اول مضمون مبارک. رودکی: باد بر تو مبارک و خشان: جشن نوروز گوسپند گشان.

۹. رک: موبد ۱: ۳۷۲ و جعفری ص ۱۸۹؛ مدار ۲: ۱۷۳: قیل بضم و کسر نون.

۱۰. موبد ۱: ۳۷۲: خدستان یعنی سخره و فسوس و سخره اما مدار ۲: ۱۷۲: یعنی سخر خانه و جای بازی و جهانگیری ۲: ۱۸۰۷: یعنی مجلس سخرگان آمده. اما در جمله زیر خدستانی یعنی سخر آمده:

"موسی می آمد لای در بر، کلاهی بر سر، چوبی در دست بارون نهاده، و در قهای وی خلق خند ستانی می کردند" (قصص قرآن سوره ابادی بحواله جهانگیری ۲: ۱۸۰۷ حاشیه ۲).

۱۱. رک: موبد ۱: ۳۷۲، مدار ۲: ۱۷۰.

خرغون^{له}: شهریت.

خدا یگان: خداوند.

خماهن^{له}: مهره سنگی است سیاه و پاره سرخی زند و گویند مهره یمانی و او کبود است و گویند که سیاه و سپید، و به لغتی خامضوم است.

خفتان: قبای سلمی است و خندان نیز گویند.

خیزران^{له}: نام درختی است ازنی که ازان گلدان راست کنند و تازیانه و آن سرخ است یعنی^ع ثبت.

ختن^{له}: نام ولایتی است در ترکستان که مردمان آن به پیشی منسوب اند، و مشک خوب آنجا شود.

خنبان^{له}: جنبان.

ختلان^{له}: نام ولایتی است در ترکستان که آنجا اسب خوب خیزد، ختل^{له} نیز گویند.

له کذاست در مویه ۱: ۳۷۱، مدار ۲: ۱۳۱. ع رک: مدار ۲: ۱۶۷. ع جعفری ۱۸۸.

له رک: مویه ۱: ۳۷۲، مدار ۲: ۱۵۵. ع برهان: خیزران نوعی از چوب دنی باشد که بخم شدن نشکند و از آن تازیانه سازند، غیاث: خیزران درخت بید که بهندی بیت خوانند.

له کذاست در اصل. ع رک: مویه ۱: ۳۶۹، اما از فرهنگ معین ۱: ۴۶۹ واضح است که خیزران از بید جداست. در اکثر فرهنگها این واژه را عربی قرار داده اند اما در شرق فارس دانسته شده.

له در حدود العالم است: ختن میان دو رود است، اندر حدود وی مردمانی است دشتی... و بر حدی است که میان چین و تبت است... و ازین شهر هفتاد هزار مرد جنگی بیرون آید و سنگ بستم از رود پای ختن خیزد (چاپ کابل ص ۳۷۵). ع مانند چگل برای خوبرویان شهرت دارد، فرخی:

گردوی ما برویان ای بخت دست برهن خواند: نگاری از چگل خواند نگاری از ختن خواند

له مویه ۱: ۳۷۲ این کلمه را بجای قضیه آورده. و اصلاً این کلمه اسم حاله از مصدر خفتیدن بمعنی جفتیدن است.

له در حدود العالم ص ۳۹۸ آمده: 'ختلان ناحیتی اندر میان کوه های بزرگ نهاده... و ازین ناحیت اسپان یک خیزد بسیار'. مولف لغت نامه ختلان را ولایتی بمادر اء النهر نزدیک بدخشان ذکر می کند، میان آن و چغانیان سی فرسنگ راه است الخ.

له رک: لغت نامه دهمذ شماره ۹۱ ص ۲۷۶-۲۷۷.

بهره 'و'

خسرو: پادشاه و نام پردیز.

خدایو: خداوند و قوی.

خو: گیاهی است که از گشت برکنند و دور اندازند.

خستو: مقرب یعنی استراحت آرنده.

خدو: اثر چسبندگی از مرز.

ختو: شاخ افنی یا ماهی که او را واک گویند.

خیرو: گیاهی است که بهندوی پستین گویند، گلی بزرگ دارد.

خرگاو: نام زمینی است.

بهره 'ه'

خجسته: مبارک.

خشتجه: خشتک ازار، و اسدی گوید خشتجه زیر کش جامه پوشیدنی بود و آن را خشتک

گویند و مردم عامه سوزه و کوزه گویند.

خله: هرزه و گم شده. و چوبی که بدان سفینه را زنند، و دردی که ناگهان خیزد.

له در موبد ۱: ۳۷۵ خدیو یعنی وزیر گنجان آمده. ه مدار ۲: ۱۲۱ خدیو یعنی پادشاه قوی نیز آورده.

له موبد ۱: ۳۷۵ عیناً این معنی بجا و لسان اشعرا نوشته.

له رک: فرس ص ۴۰۶، صحاح ص ۲۹۵، جهانگیری ۱: ۱۲۹۴.

له رک: مدار ۲: ۱۲۰؛ در جهانگیری ۱: ۷۹۲ خدیو یعنی آب دهن، خدیو و تقو آمده.

له برای ختو رک: الصیدیه بیرونی چاپ کراچی، ص ۱۷۴ و الجواهر ص ۲۰۸ - ۲۰۹.

له رک: مدار ۲: ۱۹۵ و در موبد ۱: ۳۷۵ همین معنی بجا و لسان گو یا آمده.

له مدار الافاضل ۲: ۱۳۲، ۱۵۹ خرگاو و خگاو همین معنی نقل شده.

له صحاح ص ۲۷۴ خشتجه: زیر بغل جامه و به معنی از زبان خشتک نیز گویند. عماره گفت و بجای خشتجه

گرزشت نام نه بردوزی الخ؛ موبد ۱: ۳۷۹: خشتجه: زیر کش جامه پوشیدنی که فی الشرف مدور

قد خشتک ازاد مردم عام سوزه گویند، نیز رک: مدار ۲: ۱۴۴.

له مدار ایضاً خشتک پاره جامه که در بغل برند. نیز رک: صحاح ص ۲۷۴. ه فرس ص ۲۱ چاپ: پال

هورن خشتجه زیر بغل بود از جامه؛ واضح است که ضمیر لغت فرس اسدی که پیش صاحب زخان بود از نسخ

پال هورن اختلاف داشته. ه برای این معنی رک: موبد ۱: ۳۷۹؛ صحاح ص ۲۷۵: خدیو یعنی خا و لام مفتوح مخفف.

معق و هرزه گفتن. ه در صحاح بدین معنی خدیو خا و لام مفتوح مخفف.

خله: خلک که از مینی بیرون آید.
 خستوانه: پوشینه و پاره های کرباس و برده، پوشینه که درویشان و پلادریان پوشند،
 مویهای آویخته باشد.
 خسته: منقلب و بی باک.
 خامه: قلم.
 خبه: فشردن گلو و تاسه و تلواس.
 خازه: گل سرشته.
 خرده: تفهیه زند که آنرا پازند نیز گویند.
 خار: سنگ سخت و نوعی از پوشینه و خارابعن جامه ابریشمین که صاحبی گویند.

- ۱ صحاح ص ۲۷۵: خل بضم خا و لام مشد، یعنی ظلم یعنی آب سطل از مینی بر آید.
 ۲ فرس ص ۴۸: خستوان پوشینه ای باشت یله و ریان دارند و موی از آویخته باشت، معروفی.
 نلرز سنگ چه مایه بست کوه سنج: ز خستوان چه مایه بست شوشتی
 نیز رک: قواس ص ۱۵۵ و صحاح ص ۲۷۴، مویه ۱: ۳۷۹.
 ۳ برد نوعی از جامه های پوشش زمستان (مویه ایضا) اصل: پلادریان، امارک: فرس، قواس.
 ۴ رک: مویه ۱: ۳۷۹ و مدار ۲: ۱۴۴. مویه و مدار: بی برگ.
 ۵ خبه و خده مترادف است. رک: آندراج، و نیز مویه ۱: ۳۷۷، ۳۷۹، مدار ۲: ۱۱۵.
 ۶ تاسه و تلواس یعنی بی قرار است رک: مویه ۱: ۲۷۱ - ۲۷۲.
 ۷ مویه ۱: ۳۷۷: خازه گل سرشته که بتالش طین کوبند.
 ۸ صحاح ص ۲۷۴: خرده تفهیه اجزای پازند است، و قبی گفته است:
 ببینم آختر روزی بکام دل خود را: گسی ایارده خاتم شفا گسی حسره
 نیز رک: مویه ۱: ۳۷۸: اما خرده بدین معنی در سفت: اصل کله خرده اوستا و آنهم بخش
 پنجم است از اوستا، نه تفسیر زند: خرده اوستا بزبان اوستائی است و پازند هیچ علاقه ای ندارد.
 ۹ خار و خارابره یعنی مشک است: رک: جابجی ۱: ۲۹۳ - ۲۹۴، و مویه ۱: ۳۷۷، ۳۷۸.
 صحاح ص ۲۴: خارابعن سنگ سخت و جامه حریر نوشته متمسک بدین بیت بمخلد چند ابیات دیگر:
 دفع یا جوج ستم را در بسط مملکت: عدل تو سدی همین چون کوه خاراسا خه

بجای صدره خار و چو بطریق: پلاسی پوشم اندر سنگ خار
 برای شاد خار به بدین دو معنی رک: جابجی ۱: ۲۹۴ متن و حاشیه.

خوره^{۱۰}: گل [۴۰۱] یعنی طین.
 خاشه^{۱۱}: ریزه های سرگین و کاه و مثل آنکه خاشاک گویند.
 خرفه^{۱۲}: پرپسین که بقله و حقا گویند یعنی لونک.
 خشاره^{۱۳}: پاک کردن پاییز از سبزه و پاک کردن باغ و پاییز و کشت زار بود از گیاه خود روی.
 [خشاوه^{۱۴}]: پاییز خشاوه کردن.
 خرو^{۱۵}: خروس که بعربی دیک گویند و خره نیز گویند.
 خب^{۱۶}: طاق و صف.
 خشینه^{۱۷}: سپید خندسیاه، و گویند سپید رنگ ناکرده.
 خوچه^{۱۸}: تاج [خروس]

→ ۱۰ در موبد ۱: ۳۴۵ همین معنی بکواله زبان نوشته، رک: خا: ۱: ۱۰ همین فرزندک.
 ۱۱ موبد ۱: ۳۷۹: خوه بالفتح و الـث یاء کل ترک بتازیش طین خوانند و نیز توده گل: صحاح ص ۲۷۴
 خوه بمعنی گل تروسیاه. رک: صحاح ص ۲۷۴؛ در موبد ۱: ۳۷۷
 ۱۲ همین معنی بکواله زبان گویا بیان شده، و نیز رک: مدار ۲: ۱۰۴.
 ۱۳ در موبد ۱: ۲۱۶ پرپسین را خرفه نوشته: اما در همین فرزندک پرپسین را گیاه قرار داده که تخمخش کلک
 باشد. اما صاحب زبان خرفه را بقله احتیاج و لونک، و بقله احتیاج مترادف خرفه و لونک قرار داده.
 ۱۴ در قواسم ص ۱۸۱، صحاح ص ۲۷۴ و معیار جمالی: خشاوه بمعنی آمده، و در اول دو
 بدین مبحث شاید:

که خورث نم و خود پرورم خود آب دسم: ز خورثاوه که نم نشان بنوک دوسره داس
 اما در مدار ۲: ۱۴۳-۱۴۴ خشار، خشاره، خشاوه مترادف قرار داده شد. و بر بیان اصلاً
 خشاوه آمده، و اشاره به خشاره هم شده. موبد ۱: ۳۷۸ خشاره را بکواله شرفنامه ذیل فصل عربی بیان نموده
 نسخ^{۱۹} اصل: پاکیز.
 نسخ^{۲۰} اصل: پاک کردن و زرد کشت بود الخ.
 نسخ^{۲۱} اصل کرم خورده.
 ۱۲ رک: صحاح ص ۲۷۴، مدار ۲: ۱۳۶.
 ۱۳ نسخ^{۲۲} اصل: خینه، اما رک: مدار ۲: ۱۷۰: صحاح ص ۲۷۵: خنبه چهار دیواری که غلذ آن کنند.
 ۱۴ موبد ۱: ۳۷۹: خشینه سپید و قیل سپید خود رنگ، صحاح ص ۲۷۵: خشینه مرغابی سیاه و رنگش
 میان سیاه و کبود باشد.
 ۱۵ رک: مدار ۲: ۱۸۱، و نیز خوج در همین فرزندک.

خزّه: یعنی خروس.

خسته: خزانده.

خاتوله: دغا بازنده و مکرو دونی یعنی مرد دونی و دغائی.

خروپه: مرغی است که بردام بندند تا مرغان برو جمع آیند یعنی کجشکی که صیاد برکنار دام
آنها بندد، بستازی آنها را ملو اوج خوانند.

خیره: جمع حساب و توده ریگ.

خاوه: چوبی که بدو چاروب بندند و بدان سقف و خانه و دیوار پاک کنند.

خفه: شرف و فخر دان گو.

خیزیده: نام بازی است که می بازند و این را دو داله و دو دله و خاک نمک و

له رک: خزده. ۵ مویده: ۱: ۳۷۹، مدار ۲: ۱۴۱: خسته خزانده که

بتازیش نامد گویند. ۳ در اصل: خزانده گان.

۵ قواسص ۱۱۰، صحاح ص ۲۷۳، دستور ص ۱۲۲ خاتوله یعنی دونی و دغائی: ادات: دو دونی
و دغا و مکرو دغا باز: بحر الفاضل: دغا باز: مدار ۲: ۱۰۰ خاتوله و مکرو دغا بازی و دونی
کننده. درجه انگیزی: ۲۹۱ یعنی مکرو حیل با این بیت شایه:

گر تو خاتوله خواهی آوردن این چه مکر است و تنبل و دستان

و در صحاح و قواسص و سروری ص ۴۷۳ و رشیدی ص ۵۶ بیت از ابوالعباس شایه یعنی مکرو دونی آمده.

۵ رک: قواسص ص ۷۷، بهج انگیزی: ۱: ۳۴۰، سروری ص ۴۹۴.

۵ رک: مویده: ۱: ۳۷۷، مدار ۲: ۱۱۵، خیره و خیره برد و بهین معنی.

۵ رک: قواسص ص ۱۳۰ و مویده: ۱: ۳۷۷، درجه انگیزی: ۱: ۲۹۲ خاوه یعنی چوبی بلند و چوبی بدان دار ساز
نیز آمده. ناگفته خانه که معنی که در قواسص آمده معنی در زمان درج شده.

۵ بعینه همین معنی در مویده: ۱: ۳۷۹ یافته می شود. قواسص ص ۱۶۱ خفه: سرف.

۵ از لحاظ این معنی خفه و خبه مترادف است، رک: خبه در همین فرهنگ.

۵ مدار ۲: ۱۹۷ خیزیده نام بازی که ادرا دو دله و خاک نمک و کوه ناموی نیز گویند نیز بجای
یا نون نیز: رک: قواسص ص ۱۸۷.

۵ اصل: دو دله، اما در همین فرهنگ دو داله بازی است و آن گرد بر گشتن است در بازی و این را
دو دله نیز گویند، نیز رک: قواسص ص ۱۸۷.

۵ زمان: خاک نمک نام بازی است که آنها خیزگیر و کوهان موسی و دو داله و خیزیده و مزیده
گویند، نیز رک: قواسص ایضا.

کوبایی موی نیز گویند و بعضی بجائی یا نون گویند.

خیزنده: خاک نمک.
 خنبیده: دانا در سرود و خوب گوی یعنی بسرد و ستوده و مرد مشهور و معروف و دانا.
 خبوه: بحکم یعنی استوار و خبوش نیز گویند و بعضی خنبوه بکسر خاد داد نیز ذکر کرده است بمعنی استوار
 خبار: اندک، و بضیم خانیز گویند.
 خدره: پاره پاره آتش که میان دغان رود یعنی ششاره.
 خنبه: خره را گویند.
 خواره: کله

- له قواسم ص ۱۸۷: مزیده؛ خیزگیر، خیزیده، خاک نمک، کوبهای موی، دو داله (نام بازیها)
 رک: مویده: ۱: ۳۸۰، مدار ۲: ۱۹۷. له مویده: ۱: ۳۷۵ خنبیده باضم مرد مشهور و دانا بکار
 سرود و بسرد و ستوده. این واژه متعلق است از خنبیدن بمعنی جرس و برهم زدن دست باصول، خنبک نیز
 بهین معنی آید، رک: جهانگیری ۲: ۱۸۰۵. له این کله در اصل درست خوانده نمی شود: اما واژه
 خنبه بمعنی مشهور و شهرت یافته است نه خنبیده، رک: جهانگیری ۲: ۱۸۱۰، مدار ۲: ۱۵۹ (شاید
 خنبیده تصحیف خنبه باشد)؛ چنانکه صاحب زفان خنبیده را بمعنی مشهور نوشتن دچار اشتباه شده،
 صاحب مدار دیگران خنبه را بمعنی دانا بکار برد نوشتن اشتباه نموده اند. خنبیه بمعنی بکار سرود
 شهرت یافته و خنبیده بمعنی مجد شهرت یافته، رک: مصباح ص ۲۷۵
 جهانگیری ۱: ۵۸۲ خبوش و خبوه بحکم و استوار و آنرا خبره نیز گویند؛ نیز رک: مویده: ۱: ۳۷۷، مدار ۲: ۱۱۴.
 مویده: ۱: ۳۴۴ معنی خبوش گفته قواسم نوشته. له مویده: ۱: ۳۷۷، مدار ۲: ۱۱۵ خنبیه و خنبوه را
 مترادف نوشته اند، و همین است قول جهانگیری ۱: ۵۸۲. له کذاست در مویده: ۱: ۳۷۷ و مدار
 ۲: ۱۱۵؛ جهانگیری ۱: ۷۰۸ خبواره بمعنی اندک، مختاری:
 بنگر بزمی و سپاه دشمن: کمان هست فراوان و این فجاره
 نیز رک: تاریخ سیستان ص ۳۸۹. له مویده: ۱: ۳۷۷ معنی خدره بمعنی زفان آمده:
 در جهانگیری ۱: ۷۹۱ خدره بمعنی ریزه هر چه بیه باجیت زیر سنائی شاپ:
 نه دران محده خدره میده: نه دران ویده قطره پانی
 فرهنگ مصین ۱: ۱۴۰۲ خدره بمعنی ریزه و ششاره آتش آمده.
 رک: مویده: ۱: ۳۷۹.
 له خواره بدین معنی در مویده: ۱: ۳۸۰ و مدار ۲: ۱۷۸ بحواله خنبه آمده:
 اما معنی دیگر خواره نان باشد،
 چنانکه در خشتات خانی آمده، ص ۱۱۷

خفته: کز شده.

خواسته: مال.

خسته: محبوح.

خرده: بکته را گویند، و نکته باریک علم را گویند. خرده نیز عیب را گویند، خرده گیر یعنی عیب گیر: مصراع: خرده از خود دان [و] مسکین در گذار

خیره: شوخ و بی باک و سرکش را گویند، خیره سری یعنی سرکشی، و تار یک و ریم و آشکارا کردن چیزی و دست شدن و در خواب شدن [ورق ۱۴۱] اعضا.

خرزه: آلت لاشه و مرد.

خیازنه: خواهر زن.

خوشه: خصومت و مجادله.

خروسته: پوست بالای رز که در کف، بتازی بظهور گویند.

خواجه: دستور و صاحب و حاکم.

له مویده: ۳۷۹، مدار ۲: ۱۵۸ عین همین معنی دارد؛ اما در آن دراج خیده و خم شده.

له فرنگ معین: ۱: ۱۴۰۹.

له در اصل: خرده قن تصحیح قیاسی.

له مدار ۲: ۱۹۶ خرده شگفت بسیار و بیوده، ضعیف و شوخ و بی باک و کسرش چنانکه گویند خیره سری یعنی سرکشی، خیره کشی یعنی ضعیف کشی و تار یک و غبالت و ریم و آشکارا کردن و دست شدن و در خواب شدن اعضا.

له در مویده: ۳۸۰ این معنی بحواله زنان آمده.

له نسبی اصل: در خراب شدن.

له نسخه اصل: خریزه تصحیح از روی مویده: ۳۷۸، مدار ۲: ۱۲۸، فرنگ معین: ۱: ۱۴۱۰.

له رک: مویده: ۳۸۰.

له ایضا ص ۳۷۸.

له مویده: ۳۷۸ معنی کله را بحواله زنان نیز آورده؛ محب انگیزی: ۱: ۹۶۷: خرده و خروسک. گوشت پاره بلند بود که بر لب فرج زنان باشد و آنرا بتازی بظهور گویند و زن بزرگ خروسه را بظهور خوانند.

له دستور الاخوان ص ۱۰۸: البظر خروسه زن، البظره زن بزرگ خروسه.

خوره: علتی که بدان موی میسر یزد.
خواره: طعام است بزبان افسانان.
خوابانیده: خسپانیده.

مهره ای

خانی: حوض آب و گویند حوض خرد.
خوی: خود آهین که بر سر نهند در وقت کارزار.
خوالی: رودبار یعنی رود آب و مطبعی و بعضی فرهنگن مرگویند دود آتش.
خوی: سرشت و خاصیت و فصلت و طبیعت.
خوی: عرق که از اندام چکد.
خسروانی: سرود است.
خدای: صاحب و دارنده چیزی و فرمانفرمای و سر و پادشاه. و این لفظ تنها استعمال نکنند مگر باری عزوجل را و در مخلوق که خدای گویند یعنی خوابه خانه و خدای کشور و خداوند خدایگان گویند.
خیری: گل است، و گویند خیر و است و آفرایند وی مورون گویند.
خشی: سپید.

له رک: مدار ۳: ۱۸۶، موی ۱: ۳۸۰ (خوزه اشتباه چاپی) له رک: موی ۱: ۳۸۰ و مدار ۲: ۱۷۸.
له در اشعار خاقانی و مشتاقش خواره یعنی نان آمده. بنا برین واضح است که این کلمه در فارسی نیز مستعمل بوده، رک: جهانگیری ۲: ۱۹۷۲ متن و حاشیه. له رک: موی ۱: ۳۸۱، مدار ۲: ۱۱۲، جهانگیری ۳: ۱۰۳، این بیت در جهانگیری شاید آمده:

ز شرم آب آن خشنده خانی : شده و ظلمت آب زندگانی

له رک: صحاح ص ۳۰۰ خوی عادت و طبیعت، و دم خود بودا یعنی ترک که بر سر نهند، و قسیمی:

سیاوش است پنداری میان شهزادی : فریدون است پنداری میان درخ و خوی

له موی ۱: ۳۸۲ همین معنی بجز الی قفیه نقل کرده. له رک: موی ایضا، مدار ۲: ۱۴۲.

له موی ۱: ۳۸۱ معنی مزاج متن بجز الی قفیه درج ننوده. له رک: موی ایضا و مدار ۲: ۱۹۶.

له رک: مدار ایضا: اما جهانگیری خیر و خیری را دو گل جدا گانه قرار می دهد. رک: ۲: ۲۳۶۸.

له که است: موی ایضا: معین ۱: ۴۲۵ خشی یعنی کبود رنگ و سیاه رنگ، و خشین همین معنی آورده، جهان

۲: ۱۳۷۰ خشین و خشین رنگ سیاه، صحاح ص ۲۳۹ خشین یعنی سپید، و دوباره رنگ باز نه سپید

سبز نه سرخ، اما قواس ص ۶۳: ترز رنگی بود کوچک و خشیند یعنی سپید، نیزک: قواس همان صفو حاشیه نره

۱۶۲
گونه د
بهره الف

دارا : دارنده همه و نام پادشاهی.
دروا : حاجت و نمون یعنی بازگوئند آویخته و در با و دلو نیز گویند.
دغاصه : ناراست و فریب و بازی.
دندانه : مکر و فریب.

بهره ب
داب : خلعت و شان و روش و جشای و پیدا کردن کرد و فر.
بهره و ت
دارات : داب کردن.

۱. کذاست در ادات ، قواس ص ۵ : دارا دارنده باشد . منظومی :
۲. دروای زمین و آسمان اوست : دارنده انس و جان اوست
در مویده ۱ : ۳۸۳ این معنی را سحر الزخقان نوشته ، نیز رک : دار ۲ : ۲۳۰ . جهانگیری ۱ : ۹۸۶ :
۳. دروا چیزی ضروری باشد ، اسدی :
۴. ز دروای ما هر چه بایست نیز : نوشتنت بر ماره گنج و چیز
در حاشیه جهانگیری : و لکن همه اجزای جهان از من خری دارند از تغییر و تبدیل و دروای هر جزوی
از خنکا و گرما . معارف بقاء و لد ۴ : ۸۵ . خاقانی گوید :
۵. چه سنگر ماند از آنستش که وقتی : غلیل الله در آن افتاد دروا
رک : جهانگیری الضا در با و د بایست و دروایت نیز گویند ، اما معنی ضرورت و حاجت .
۶. ادات و مویده ۱ : ۳۸۳ : دغنا ناراستی و ناراست و فریب .
۷. رک : مویده ۱ : ۳۸۴ .
۸. در مویده ۱ : ۳۸۴ معنی اول این کلمه بحواله زخقان ذیل فصل عربی نوشته .
۹. دار ۲ : ۲۰۲ : روش جباری .
۱۰. کذاست در ادات که فقط یک معنی دارد . اما جهانگیری ۱ : ۳۰۵ داب بمعنی کرد و فر ، یا این بیت
مطرشاه :
۱۱. گر ببینی آن همه دارات و داب داروگر : که بامرثاه و رسم باستان آورده اند
نسخه تا شفت (ل) از این جاب شروع می شود .
۱۲. ادات : دارات پیدا کردن کرد و فر .

دخت: ^{له} دختر.

دوست: یار.

درست: چیز می استوار.

دشت: زمین میان و نام ولایتی در ترکستان.

دست: چهار باش و بنا برین وزیر را دستور گویند.

بهره: ^ج بخر.

داج: تاریکی و سیاهی شب.

دوچ: گیاهی است.

درج: آنچه دران پیرایه عروس باشد. درج: خط نقش آمیز.

بهره: ^ج بخر.

دوخ: آنچه که بچکان شب برات سوزند و آن گیاهی است نرم که در مسجد با افکنند و ازو بویا و فرشها بافند، بهندی پتیره گویند، بو او عربی و بغیر او نیز گویند.

له این واژه در نسخ بانکپور افتادگی دارد. ^{له} در ایران چند جا به بدین نام اشتباه دارد، رک: لغت نامه شماره ۱۸۱ دشت - دل، ص ۵۰۴. در جاگیری ۲: ۱۳۷۱ دشت را دشت بیاض قرار داده که در خراسان است. ^{له} مویه ۱: ۳۸۶: دست: و در قفسه یعنی چارباژ یعنی سند و وزیر را که دستوری گویند هم بدین معنی که او صاحب سند است. جاگیری ۱: ۹۱-۱۲۹۰ است صدر و مسند طوک و صدور و اکابر و وزرا را گویند و آنرا چارباژ است نیز خوانند. حکیم انوری: زبیدی دست وزارت از تو دستور: چنان که پای موسی پای طور

له: بهره چهارم در آنکه جیم است. ^{له} ادات: داج سیاهی شب و تاریکی آن: نیز رک ^{له} رک: مویه ایضا.

مویه ۱: ۳۸۷ و مدار ۲: ۲۰۲.

له رک: ادات: ۱: مویه ۱: ۳۸۷ درج باضم سین معنی عربی است: دستور الاخوان ص ۲۶۹: الدّر عطران زنان. ^{له} رک: ادات: ۱: مدار ۲: ۲۲۲ بدین معنی

دانست: دستور ص ۲۶۹ الدّر ج طوما و بیج نام. ^{له} ل: بهره پنجم در آنکه خاست.

له برای این معنی رک: ادات و مدار.

له فوس ص ۸۰: دوخ: گیاهی بود نرم در مسجد افکنند و ازو بویا و فرشها بافند.

له کذاست در ادات و شش فام ذیل دخ

له رک: فرس و مدار ۲: ۲۱۷.

در دواخ: آنکه از بیماری [۱۴۲] پشه شده باشد و برخاسته و به درستی رسیده.
و وزیخ: جای بند و عذاب و سختی و درستی و گرفت و ریخ.

مهره^{۱۴۳}

دند^{۱۴۴}: ابله و بی باک و خود کانه، و نام گیاهی است.
داشاد^{۱۴۵}: عطار.

دیون^{۱۴۶}: نام دارویی است.
درد^{۱۴۷}: [شراب] تیره.

۱۴۸ رک: فرس ص ۷۸، صحاح ص ۴۴، قواس ص ۱۴۴: آنکه از بیماری برشته باشد و برخاسته (قواس)، ... که از نالندگی و بیماری به رآ آمده باشد و بدرستی رسیده (فرس).

۱۴۹ نسخ^{۱۴۸}: اصل ناخونا، نسخ^{۱۴۹}: ل: برایش تصحیح قیاسی.

۱۵۰ نسخ^{۱۵۰}: اصل: بدشتی.

۱۵۱ رک: مویده: ۳۸۸.

۱۵۲ بهر ششم در آنکه دالت.

۱۵۳ ادات: دند مردم بی باک و خود کامر و ابله و نام گیاهی است؛ نیز رک: مویده: ۳۹۰؛ در جهانگیری ۲: ۱۸۱۲ دند به نه معنی آورده از آنجمله همین دو است که در متن آمده.

۱۵۴ ل و جهانگیری: خود کام.

۱۵۵ نسخ^{۱۵۵}: اصل: و گیاهی است.

۱۵۶ نسخ^{۱۵۶}: اصل: درشاد، نسخ^{۱۵۷}: ل: دانا.

۱۵۷ نسخ^{۱۵۸}: اصل: عطار، ل: عطار، مویده: ۳۸۸ داشاد خوشبوی فروش بنابریش عطار؛

برهان: داشاد و خوشبوی فروش و عطار نیز گویند اما در صحاح الفرس ص ۸۹، ادات، معیار

جالی، جهانگیری: ۳۱۴ معنی عطا بخشش. و در جهانگیری بیت زیر از منوچهری شایه:

ز ریخ و ز کینت حزین شد عدو، ز داشاد تو شاد گردد ولی

و در صحاح بیت زیر از عنصری شایه:

خواستم با شاد و داشادش، پدر اینخا بمن فرستادش

تا گفته نماند که بیت منوچهری که در جهانگیری شایه داشاد بمعنی عطا آمده، در مجمع الفرس سرودی

شایه داشاب بمعنی دشمن درج شده بدینطور:

ز کین تو غمناک گردد عدو، ز داشاب تو شاد گردد ولی

بظاهر چنان منظری رسد که لفظ عطار تصحیف عطاست، سرمد اسمیانی ۱۰۵ و جعفری ۲۰۲ داشاد دیش.

۱۵۸ رک: ادات و مویده: ۳۹۰. ۱۵۹ ل: دود. ۱۶۰ ل: تیره و نسخ^{۱۶۱}: اصل: ←

دزد : شکل و ستان

دماوند : کوهی است بلند که چاه هاروت و ماروت آنجاست.

داد : عدل و راستی.

بهره ریشه

داور : آنکه میان نیک و بد یکسو کند یعنی حاکم و داورى حکومت است.

دادار : دهنده و این نام خدای تعالی [است].

دسمره : نوعی است از غله و گویند که آن شاتل است که بهندوی ازهرم گویند.

داور : برادر و دوست بزبان ماوراءالنهر.

دستور : بفتح دال وزیر و اعتماد جائی . و بنسب در عربی استعمال کنند .

→ تیر : متن تصحیح از روی ادات و مدار ۲: ۲۲۳.

له ادات و مدار ۲: ۲۲۹ : شکل و ستان . نشوال : دشتکل و برادر .

له مدار : در پنج کشی (زخان) است : شکل و برادر .

له کوهی است که در شمال تهران است

له همین است در ادات و در مویده ۱: ۳۹۰ دماوند ... نام کوهی بحدود ری که چاه بابل در آنست.

له : بهر هضم در آنکه راست .

له قواسم ص ۵ ، ادات همین معنی دارد . چنان بنظرم آید که یکی از دیگری بدون تحقیق نقل کرده .

له ادات و مویده ۱: ۴۱۶ داورى میان نیک و بد یکسو کردن برب آنرا حکومت خوانند ، اما در قواس

ص ۹۷ ، صحاح ص ۳۰۱ ، جامیگیری ۱: ۳۲۳ داورى بمعنی جنگ و خصومت مکرر به اشعار :

ز پشما و فسق ما چون همه حکم داور است ÷ داور تان خدای باد این همه صیبت داورى (خاقانی)

تا بود در کارگاه عالم کون و فساد ÷ چار ارکان را بمس گد صبح و گاهى داورى (انوری)

آب و آتش را اگر در مجلسش حاضر کند ÷ از میان هر دو برادرشکو، هوش داورى (انوری)

له قواسم ص ۵ : دادار دهنده ، ادات : داور اسم باری تعالی است بمعنی دهنده .

له رک : قواسم ص ۵۶ و ادات و مویده ۱: ۳۹۲ .

له رک : قواسم و ادات و مویده .

له برای این کلمه هندی رک : مویده و مدار ۲: ۲۴۸ .

له این واژه با همین معنی در مویده ۱: ۳۹۱ آمده .

له این واژه از نسخ اصل افتاده ؛ اضافه از روی ل . له مدار ۲: ۲۴۷ دستور جای اعتماد ؛ اما

دستور کسی باشد که برود اعتماد کنند رک : ادات و مویده ۱: ۳۹۲ ؛ برای اعراض کلمه رک : مویده و مدار .

بهره بخش

در شش: بد و خشم، و در اسدی است: خشم بد.

بهره بخش

در یواس: چوبی که گرد در نهند برای عکلی یعنی آلتی که از چوب بود و در دیوار استوار کرده بود و فرسوده می نوشتند: گرد برگرد خانه را در یواس گویند.

داس: دهره و آن آلتی است معروف، بهندوی در انتی گویند.

ویس: مانند و همتا و شکل و سان.

بهره بخش

در خش: برق و صاعقه، بهندوی بجلی گویند.

در نش: علم که بر کنند.

در نش: آنچه بدان چشم را سوراخ کنند برای دوختن.

دانش: تنور خشت پخته و کاسه.

ل: بر نیم در آنکه 'ژ' است.

لک: قواکس ص ۹۳، صحاح ص ۱۳۶، ادات، مویده: ۳۹۵، مدار: ۲: ۲۳۵.

لک: در لغت فارس اسدی ص ۴۶۵: در آگاه یعنی بد آگاه و بخش آمده.

لک: بهر دم در آنکه سین است.

لک: قواکس ۱۲۶ در یواس یعنی قول آورده، مویده: ۳۹۶ و صحاح ص ۱۴۳: در یواس بهر دو معنی.

لک: مدار: ۲: ۲۳۴ از قول منبر دوی همین معنی نوشته.

لک: صحاح ص ۱۴۳، انوری:

لک: گاوگردون هرگز اندر خرمن عرت مباد. تمامه نوکشت زار آسمان راهست داس.

لک: صحاح ص ۲۷۷: دهره داس کوچک باشد. لک: قواکس ص ۱۱۸، صحاح ص ۱۴۳.

لک: مویده: ۳۹۶، مدار: ۲: ۲۸۳: ساز و آن اشتباه است.

لک: ل: بهر باز دم در آنکه شین است.

لک: مویده: ۳۹۶ این کلمه هندی دارد.

لک: ل: در دوش، اما در نش دوم معنی دارد، اول علم رایت در نشان دوم آنچه که کشگران و

دوزان دارند، رک: صحاح ص ۱۵۱، ادات، مویده: ۳۹۶ و غیر آنها.

لک: قواکس ص ۱۳۱: دانش تنور، اما ادات که در حقن.

درویش: کلک که حجام زند.

دخش: آغاز کار.

دوش: کتف و شب گذشته.

دویش: فقیر یعنی مفلس حال و اصل معنیش در چمی است.
بهرهٔ رخ

دراغ: نشان و آنکه دراع کنند.

دغ: آسبی که موی نباشد ورق ۱۴۳ یعنی لغ، گویند دغش یعنی لغش.

دربخ: اندوه و دشوار، و این کلمه را در محل تاسف استعمال کنند.

بهرهٔ ف

درخف: زنبور سیاه.

بهرهٔ ک

دسوک: همیزم باریک و بعضی بواو پاری گویند و فتح دال.

دروک: همان دسوک است و بعضی بخضم دال گویند.

۱. رک: تو اس ص ۱۸۵، ادات، مدار ۲: ۲۳۱؛ مویده: ۳۹۷ دروش وزن سرکش یعنی نشان و درغ

۲. رک: ادات و مویده: ۳۹۶، مدار ۲: ۲۱۸ و خش و خش هردو؛ شمس فخری بدین بیت
استشهاد نموده:

بنام شهنشاه اعظم کنند به سود کواکب هر کار خش

۳. درویش از پهلوی dravosh مأخوذ است؛ اما ادات: درویش یعنی جوینده از دریا و مویده:

۳۹۷: درویش خواهند از دریا کذا فی القیاب.

۴. ل: بهر دوازدهم درانگ نیست است.

۵. رک: مویده: ۳۹۹، مدار ۲: ۲۵۱، جاگیری ۲: ۱۴۲۰.

۶. تو اس ص ۸۹: لغ یعنی بی موی. درنخوال ندارد؛ مدار ۳: ۲۵۱ دغسرری موی؛

بربان: دغسرکسید سرش کپل دبی موی باشد.

۷. رک: مویده: ۳۹۹. نخوال اصل ناخانا، قن مطابق نخوال.

۸. رک: ادات و مدار ۲: ۲۲۴؛ مویده: ۳۹۹ درجف اشتباه چاپی.

۹. رک: مویده: ۴۰۰.

۱۰. رک: مویده: ۴۰۰ و مدار ۲: ۳۳۱.

دک: زمین سخت که بران پیدا نشود و از سختی پی نمیبرد.
دیلک: خبز دوک منقش.

دشک: رشته درزی که برای جامه دوختن سازند و بعضی سین موله گویند.
دژک: گره که در رشته افتد.

دوک: پدایچه ریسمان تابند.

دیوک: دیوچه که از زمین خیزد.

بهره دگ

دنگ: نقطه و نشان، و گویند که دنگ دیوانگی دیهوشی.

دشنگ: بند آب، و آنچه شاخ خرما بر او باشد.

له رک: قواس ص ۲۹، دستور، ادات، بحر الفضائل، مویده ۱: ۴۰۰ (ذیل فصل عربی)، مدار ۲: ۲۵۳ (نیز عربی).
له نسخ، اصل: بدان (یک کلمه افتادگی دارد).

له قواس دومیه: نی؛ نسخ، اصل: کی.

له رک: قواس ص ۶۶، مویده ۲: ۱۵۷.

له برای خبز دوک رک: زقان: خبز دوک گرمی است منقش که آنرا سگرین غلطانک گویند و بعضی هزارآه را گویند، ادات: دیلک جانوریست خزنده و گردپی آنرا سگرین غلطانک گویند و عرب آنرا جصل خوانند.

له در قواس ص ۱۷۸، مویده ۱: ۴۰۰، ادات: دسک بمعنی رشته و ختن. اما مدار ۲: ۲۴۹ دشک با سین موله نیز.

له رک: قواس ص ۱۷۸، ادات، مویده ۱: ۴۰۰، جانگیری ۱: ۴۳۴، رشیدی ص ۶۷۷ اما مدار ۲: ۲۳۷ دژک و دشک را مترادف نوشته.

له مدار ۲: ۲۷۳: دوک آلت آئینین رسیدن.

له رک مدار ۲: ۲۸۹؛ اما ادات: دوک گرم چوب خوراک که از زمین خیزد. و دیوچه در همین فرهنگ (ادات) چوب اندام خاکر که آنرا چوبک خوانند و جانوریست که بدان خون زایده بکشاند و اهل هند آنرا جوک خوانند.

له رک: مویده ۱: ۴۰۱ دنگ برای هر دو معنی.

له در ادات دشنگ، بهر دو معنی مذکور در متن آمده؛ در مویده ۱: ۴۰۱ دشنگ و دلنگ بطلاده هر دو بمعانی دیگر آمده.

[درنگ: آهستگی.]

دنگ: بند آب و آن شاخ که خرما برو باشد [و گویند دنگ میتین یعنی سبیل.

بهره دل

داهل: علامتهائی است که بر زمین اندازند و از بالای آن دام اندازند و بگسترند تا نخچیر از داهل نرسد و آهنگ دام کند و بدام افتد و در تاجین داهول دزن معمول نباشد.

دگل: ابله و نادان.

دلال: ناز و حسن.

دمل: غلوه بیماری یعنی رسولی.

دغل: آنچه بیاورند یا چیزی، و گویند که دغل جنگل است یعنی درختان انبوه.

دغل: دولا ب و مرد سفد.

۱۰ ادا ت: درنگ آهستگی و توقف.

۱۱ ادا ت: دنگ با کاف پاری بند آب و آن شاخ که خرما برو باشد و آن آلت آهینی دراز که سنگ شکنان دارند، گروهی آن را میتین و گردپی سبیل خوانند. زنان، میتین کلند و آن تبری است که بدان چاهها و زمین کنند و کلند خوانند و سبیل را نیز میتین گویند. بزرگ: مدار ۲: ۲۵۵.

۱۲ از درنگ تا اینجا در اصل افتاده و در حاشیه افزوده شده.

۱۳ رک: ادا ت و مویده ۱: ۴۰۲ و مدار ۲: ۲۱۳ و جهانگیری ۱: ۳۲۴.

۱۴ در مویده و مدار و جهانگیری داهل و داهول هر دو صورت آمده.

۱۵ نسخه اصل: داهول نرسد.

۱۶ ادا ت: دنگل ابله و بی اندام و نادان.

۱۷ ادا ت و مدار ۲: ۲۵۴.

۱۸ در اکثر فرهنگها این واژه عربی مترادف داده شده، رک: مویده ۱: ۴۰۲، مدار ۲: ۲۵۸، فرهنگ معین ۲: ۱۵۶۱.

۱۹ در ادا ت فقط معنی اول آمده؛ برای معنی دوم رک: مدار ۲: ۲۵۱، اما درین فرهنگ اخیر این واژه را عربی نوشته اند.

۲۰ دغل یعنی مزور و حیل گر آمده است: رک: فرهنگ معین ۲: ۱۵۴، جهانگیری ۲: ۱۴۳۰. دغل مکروهیل و نارسا بود، کسی را که دغلی کند نیز دغل گویند.

۲۱ کله درست باید دول باشد، رک: جهانگیری ۲۰۰، مدار ۲: ۲۷۴، سرمد سلیمانی ص ۱۱۰.

بهرهٔ م.

دیسیم: چتر پادشاه و در فرہنگنامہ است و در اسدی است دیسیم: تاج و انفر.
دایسیم: کلاه مرصع بجواہر.

درم: اندوگین و سر حرث فرود افکنده، اندیشہ مند و مخمور را گویند.
درم: نقش، گویند نقش سکہ.

دام: پنجرہ، و گویند جانوری نادرندہ چون شگال و روبہ و بدانچہ جانوری بندند.
دایلم: نام زمینی است کہ مردمان آنرا سوی درہم باشد و پیمان چون برگ بنفشہ.
در غم: نام مقامی است.

بهرهٔ ن.

دالان: دہلیز، و دالانہ بہانیز گویند.

- ۱۵۰: دیسیم چتر پادشاہان، صحاح ص ۲۲۰: دیسیم تاج باشد الخ، دستور ص ۱۲۴: دیسیم تخت و کرسی، اذات: دیسیم چتر و تاج. عہ چاپ بمبائی ۱۳۶۵ این کلاہیت.
- ۴۰۴: دایسیم کلاه مرصع بجواہر کہ آنرا دیسیم نیز گویند الخ، فرس: دایم کلاہ بجواہر مرصع.
- ۹۵: پشمان و درم: مخمور بود، صحاح ص ۲۲۰: درم غلگین و آشفہ و پشمان باشد. اذات مخمور و غلگین.
- ۴۰۴: سرست و فرود افکنندہ.
- ۲۲۰: دام گتہ صیادان باشد جمت صید و پارسیان پنجر خوانند و عرب شبکہ. اذات: دام آنچہ صیادان بدان مرغان را صید کنند و جانور نادرندہ چون شگال و روباہ و آہو و امثال آن. نیز رک: دستور ص ۱۲۵، مویدا: ۳۰۳.
- ۲۲۸۱: ۲ (جہانگیری) اکثر و اغلب مرہبہ آنها تیر و زدہین بود. در قرن چہام تمام گیلان و ولایات کویستانی کہ در مشرق گیلان و در سواحل دریای خزر قرار داشت یعنی طبرستان و جرجان و قوس جزء ایالت دیلم بود (جزافیای تاریخی ص ۱۸۴). دیلم و دیلمان و طہستان مترادف اند، برای تفصیل رک: فرہنگ معین ۵: ۵۵۰ - ۵۵۱.
- ۵۲۳: خروانی لغت: قتادہ در میان لالہ زار بوستان ثالہ: چنان کہ سوغصافی شفقگون بادہ در غم

۲۱۶: رک: جعفری ۲۱۶.

مدار ۲: ۲۲۶ - ۲۲۷.

دستان^۱: مکرو حیلت یعنی شیوه و فن، و نام پدر رستم، و سرود.
دودمان^۲: خاندان و اصل.

درزن^۳: سوزن گویند، و درزن^۴ ترس یعنی سوزن ترس.
درغان: شهریت نزدیک سمرقند ازین سوی.

داستان^۵: حکایت و فسانه و مثل.

در نشان^۶: روشن و تابان.

دوستگان^۷ [۴۴ ۲]: معشوق و محبوب که بر خط و جان خویش، دی را بگزیند.

دمان^۸: تند و سخت حد است.

دین^۹: بیت و چهارم روز از ماه.

۱ ادات: دستان سرود و مکرو حیل و نام پدر رستم.

۲ رک: ادات و مویده: ۴۰۹.

۳ رک: خوئس ص ۱۷۹، ادات، مویده: ۴۰۷، مدار: ۲: ۲۲۵، جهانگیری: ۱: ۹۷۸.

۴ خاقانی گوید:

چون موی نوک درزن ترس بود چرا پتار ردای روح بدرزن در آوریم

دیوان ص ۲۱، همین بیت در قوئس و جهانگیری و رشیدی ص ۵۵۵ شاید درزن آمده.

۵ همین جای وقوع در اسدی و مویده: ۴۰۷ بیان گردیده: درغان شهری بود بر کنار آمو که اول

حدود خوارزم شمرده می شد (مراصد ص ۵۲۳)، بگفته جزافیای تایجی ص ۴۸۰ و ممالک و ممالک

ص ۲۳۵: در یک منزلی شمال طاهریه نزدیک تنگ رود جیون شهر درغان است که بقول مقدسی

باندازه جرجانیه است، نیز رک: مجمل البلدان که مؤلفش در سال ۶۱۷ هجری آن شهر را دیده بود.

۶ مویده: ۴۰۶: داستان حکایت و مثل و شهرت و افسانه.

۷ در نشان و درخشان هم معنی اند، مویده: ۴۰۷ معنی درخشان بگفته زفان نقل نموده.

۸ نسخه اصل: دوستان، دوستکام و دوستگان یعنی محبوب و معشوق است. رک: فرهنگ معین: ۲:

۱۵۷۷-۷۸، نیز ادات، مویده: ۴۰۵، ۴۰۹، مدار: ۲: ۲۷۰، اما جهانگیری: ۲: ۱۹۹ دوستکام

دوستکامی، دوستگان، دوستکافی یعنی مثرابی نوشته، دوستان با دوستان یا بیاد دوستان

بنوشند.

۹ کذاست در اصل: اما ادات: دوستگان آن که او را از جان و تن عزیز دارند و مرادات او

بر مرادات خویش بگزینند.

۱۰ مویده: ۴۰۸: دمان تند و تیز رفتن و سخت حد کردن، و استعاش اکثر مرکب است چنانکه پیل مان

مدار: ۲: ۲۵۶: دمان تند و سخت حد و مت و این لفظ به ترکیب متعل است چنانکه پیل دمان النج.

۱۱ مدار: ۲: ۲۸۶ معنی: ۲۱، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲

داو: دشنام و دیوار و نوبت نردبازی.

داه: ده یعنی عشره، و دایه و کنیزک.

دستینه: توقع و مثال و گویند مثال او یعنی، و دستوانه نیز باشد.

دوله: گردباد و پیمانه شراب.

دسته: بضم دال، سنگ و بفتح بقضه شمشیر است.

دمه: برف و می که از غایت سرما بریزد.

دوسنده: بضم دال و بلغتی دال مفتوح، زمین چرب و نمشان.

دوڑه: گیاهی است که بجامه آویزد و سگ نیز گویند.

دیوچه: چوب اندام خارک یعنی دیوتج و آنکه بدان خون کشانند، و کرمی است که در آب باشد و کرمی است که در گل میگردد.

له: رک: ادات و مویده: ۱: ۴۱۰، مدار ۲: ۲۱۳.

له: ادات: داه دایه و کنیزک و عدد ده که عرب آنرا عشر خوانند.

له: مویده: ۱: ۴۱۳: دستینه یاره که آنرا دست برنج نیز گویند و توقع و مثال.

له: یک کلمه در اصل ناخوانا. مکلفت دسته تیغ باشد، رک: جهانگیری ۱۳۰۳.

له: جهانگیری ۱: ۱۲۰۰: دستوانه دست برنج بود و آنرا دستیانه و دستینه نیز گویند؛ بنابراین

و واضح است که از لحاظ معنی دست برنج دستوانه و دستینه مترادف اند، نه از لحاظ فرمان و

مثال؛ و اضماً معنی دست برنج از نسخ اصل زفان افتاده است.

له: ادات: دوله پیمانه شراب و گردباد، نیز رک: مویده: ۱: ۴۱۵.

له: رک: ادات و مویده: ۱: ۴۱۳ و جهانگیری ۱: ۱۳۰۲.

له: رک: قواسم ص ۲۱، مویده: ۱: ۴۱۴، مدار ۲: ۲۵۹.

له: قواسم ص ۴۱۵: دوسنده زمین چرب و چشان، مویده: ۱: ۴۱۵: دوسنده زمین چرب

و نمشان و چشان و چفیده ۱۰ اما ادات: دوسیده همین معنی.

له: رک: ادات، مویده: ۱: ۴۱۵.

له: رک: مویده: ۱: ۴۹۴.

له: نسخ اصل خوب اندام اما رک قواسم ص ۴۹ و ادات و مویده: ۱: ۴۱۵.

له: در ادات و مویده: چوبک.

دوشیزه: بکر یعنی دختری شوی ناپوسته.

دخمه: گورخانه و مدفن گبران، و گویند گنبد که بر سر گور بود و گویند دخمه جایگاه بود چهار گوشه
کاویده، زیر او پوشش کرده، و نردبانی و دری درونشاده، هر آدمی که بمیرد در تابوت کنند
و در آن نهند، و این را سدره نیز گویند.

دوره: پیمان، شراب.

دله: مشدد و غیر مشدد، دلق و آن جامه است، و نیز گرچه دشتی، بتازی دلق.

دزیه: خدود و بعضی دزیه.

دروشه: کمان نذاف.

دنه: نعمت گویند، دنه پشته یعنی نعمت پسند.

له: رک: ادات و مویا: ۱۴۱۲ و مدار: ۲: ۲۱۸. له مدار چهل چهار گوشه. عه رک: مدار.

له: رک: قواس ص ۱۳۷ و ادات و مویا: ۱۴۱۴ و مدار: ۲: ۲۶۹.

له: قواس ص ۱۵۴: کول و دله و جامه گاه الخ.

له: رک: ادات و مویا: ۱۴۱۴ س ۲. له: فرنگ معین ۲: ۱۵۵۲-۵۳ دلق بفسخ لام،

(Dalaq) مررب دله یعنی گریه مسرائی، یعنی جامه دلق بسکون لام است.

له: قواس ص ۱۶۲: دزیه، ادات: دزیه، مویا: ۱۴۱۳: دزیه و دزیه بزرگ: ریشی ص ۱۶۴.

له: رک: فرس ص ۴۴، قواس ص ۱۸۲، صحاح ص ۶۷۷، مویا: ۱۴۱۳ و غیره.

له: ادات: دنه: بفتح دال نعمت و بنعم نعم، مرثه سلیمان ۱۱۳ دنه نعمت و شادی.

له: بگفته مویا همین مثال در ادات است، اما نسخ حاضر این را مورد تایید قرار نمی دهد، نیز رک: مدار

۲: ۲۶۲ دنه یعنی نعمت، دنه پسند یعنی نعمت پسند. بظاهر چنان نظری آید که در ضبط معنی دنه فرنگ

نویسان دچار اشتباه شده اند، در اصل نعمت تصحیف نعمت است، دنه پسند یعنی نعمت پسند

یعنی چه: جهاگیری ۲: ۱۸۱۶ دنه یعنی صدا و ندا و زمزمه از غایت خوشی و نشاط و بیت نوچری:

تا توانی شهریارا روز ام دزی مکن: جز بگرد چشم خرمش جز بگرد دل دنه

و بیت کمال اسماعیل شاه آورده:

حاش الله گر کند پیوند باسبع تو علم: طبع عجم را از نشاط آن پدید آید دنه

نیز رک: دیوان نوچری تعلیقات ص ۸۷، ۸۸. دکتر معین فرنگ ج ۲ ص ۱۵۶۶ دنه یعنی

خوشحالی- شادی، زمزمه از خوشحالی، آهنگ مخصوص آورده و اسم مصدر از مصدر دنین

بمعنی دیدن از نشاط و خوشحالی نوشته.

دغذغه: غلغغ یعنی گدگدی.

دوژنه: نیش پشه و کنه.

دره: دهان و شکنبه، و تنگنای مبان دوکوه.

دوده: خاندان و فرزندان مهین پسر.

دبیله: غلوه و آن جستی است، و بعضی دبیله بفتح دال و کسر با گویند.

دسته: گستاخی کردن و گستاخ گردانیدن مردم.

دبیره: طنبور و آن ساز است که می زنند.

درسه: عفو.

دستگاه: مایه را گویند و قوت و قدرت، مصراع: زمانه بخشش و کمان دستگاه و بحر نوال

در خاله: راه کوه.

در پوزه: جستن از دریا (درق ۱۴۵) یعنی گدائی.

درمنه: گیاهی است در خراسان که اسبان می خورند و گویند که مرده است بتازی آنرا شیخ گویند

له عینا همین معنی همراه مترادف هندی در ادات آمده. نیز رک: مویده: ۱۳۱۲، مدار: ۲: ۲۵۱: اگر غلغغ و غلغغ، غلغغ درست نوشته اند (رک: جانیگری: ۲: ۱۴۳۱) اما در فارس ۶۲ و صحاح ۵۸ غلغغ یا شبیه آن

له رک: قواس ص ۶۷، دستور ص ۲۳، ادات، مویده: ۱: ۳۴۱. سه نسخ: اصل: کند؛ اما کنه یعنی نازا یعنی کلنی، رک: قواس ص ۶۷، دستور ص ۴۰، نیز زبان ذیل ن. سه قواس ص ۹۶، ادات،

مویده: ۱: ۴۱۳. سه ادات و مویده: ۱: ۴۱۴، مدار: ۲: ۲۶۷: قواس ص ۹۸: ۹۰۵: پسر.

له رک: قواس ص ۱۶۲، ادات، مویده: ۱: ۴۱۳، این سینا در قانون دبیله الکید آورده، بنابرین این را عربی باید دانست، رک: قواس ص ۱۶۲ ح ۶. سه رک: مویده: ۱: ۴۱۳.

له رک: مویده: ۱: ۴۱۴ و مدار: ۲: ۲۶۰. اما تبیره معنی دهل است، منوچری گوید:

تبیره زن بر ذ طبل نخستین شتر بانان هسی بنده محمل

له رک: ادات و مویده: ۱: ۴۱۴. سه رک: ادات و مویده: ۱: ۴۱۳.

له رک: ادات و مویده: ۱: ۴۱۴ و مدار: ۲: ۲۶۶.

له ادات: در پوزه جستن از دریا ای گدائی گردن الخ.

له ادات: درمنه بفتح و کسر دال گیاهی است که اسبان را می خورند.

له مویده: ۱: ۴۱۲ همین معنی را بجا از ادات نوشته اما در نسخ ادات که مورد مطالعته بنده است، یک کی فرق دارد.

له مویده: شیخ و در دستور الاخوان ص ۳۷: الشیخ درمنه، اما نسخ: اصل: سیجو.

دودله: آنکه خود را چپسزمی داند و مکر درزد.

درخشنده: تابان.

دبدبه: آوازۀ بزرگی و زردن طول و سازها برای اظہار بزرگی.

دربہ: پیوند.

دہرہ: دشمن و تیغ سرسبزین.

دوشہ: آوندی که دران گاو و گوسپند بد دشمنند.

دودله: بازی است که بتازی قلہ گویند و این را دودالہ و دادوالہ و دادلہ نیز گویند.

دیزہ: اسب که نزدیک سبز اندام بود.

دسیچہ: مرضی است.

لہ رک: ادوات، مویہ ۱: ۳۱۵، مدار ۲: ۲۷۴، لہ رک: مویہ ۱: ۳۱۳.

لہ در مویہ ۱: ۳۱۷ بہمن معانی عینا بحوالہ شرف نامہ درج شدہ.

لہ جاگیر ۱: ۹۷۵ در پ پارچہ پیوند، مویہ ۱: ۳۱۳: در پ پیوند و بارہ درخت.

لہ نسخہ اصل: دیزہ: اما رک: مدار ۲: ۲۷۷: در مویہ ۱: ۳۱۵ دہرہ بمعنی داس بحوالہ زبان گوہا

آمدہ: اما از نسخہ حاف تا یہ این معنی نمی شود.

لہ رک: مویہ ۱: ۳۱۵.

لہ رک: نو اسس ص ۱۸۷ بہمن زبان در بخش دوم دودالہ را بمعنی بازی و آن برگشتن است در

بازی و این را دودلہ نیز گویند، و دہمین بخش دوم خاک نمک را مترادف دودالہ نوشتہ

مویہ ۱: ۳۱۴. دودوالہ و دودالہ و دودلہ سہ صورت نوشتہ.

لہ در برہان نوشتہ کہ درین بازی دو چوب بکار می برند، چوب کوچک را بعربی قلہ و چوب بزرگ را

مقلہ خوانند، دستور ۴۵۰ القلہ دودلہ. عہ گذشت در اصل.

لہ مویہ ۱: ۳۱۵ دیزہ با بازی فزاری: اما مدار ۲: ۲۷۴: دیزہ رنگ اسب کہ نزدیک بہ

سبزی بود. جاگیری ۲: ۲۳۷۸ دیز بمعنی رنگ و لون، رنگ سیاہ، رنگ خاکستری

سیاہی مائل کہ مخفص بود بہ اسب داشت و عذر. اما در فرہنگ معین ۲: ۱۵۹۳ دیزہ بمعنی

اسبی کہ قوا یم آتش سیاہ باشت.

لہ نسخہ اصل: است.

لہ مویہ ۱: ۳۱۴ دسیچہ جہیم فارسی. اما جاگیری ۲: ۱۶۹۹ دسیچہ پرندہ ایست کہ بعربی صعوہ

خوانند حکیم غافانی:

چو موسیچہ بر سر ہواکش : چو دسیچہ دم بر زمین زن

بهره 'می'

دمی^{له}: زمستان و آفتاب در جدی که آزادی ماه گویند، ونهم روز از ماه.
 درخی^{له}: بفتح دال و بلغتی کسور دال، گرفته روی و در فرهنگ نامه است بندان^{له}.
 درای^{له}: جرس یعنی آنکه در گردن شتر بندند، هندوی گهانی^{له}، و بفتح دال نیز گویند
 دورای^{له}: نامی و گویند نوعی از ساز طرب است.
 دشنگی^{له}: بد و فحش، روزگار و بعضی بفتح دال و سکون شین گویند.
 دولی^{له}: دغا باز.
 داوری^{له}: حکومت گری.

دیلی^{له}: قوم اند ترک، موبهای ایشان ایستاده و پرخم باشد چون موی حبشیان و ایشان
 بسرداری نسبت کنند.

گونه 'ر'

بهره 'الف'

رخشا^{له}: رخشان بخذف نون.

روهینا^{له}: پولاد.

رعنا^{له}: سست و گل زرد.

له رک: مویده ۱: ۴۱۹. ۲ برای همین معنی رک: قواسم ص ۹۵، ادات، مویده

۱: ۴۱۷، مدار ۲: ۲۳۶. ۳ این معنی در فرهنگ نامه مورد استفاده بنده است

دیده نشد. فقط در مویده این معنی بجا ال زفان درج شده.

له مویده ۱: ۴۱۷ همین معنی بجا ال شتر فنام و بگفته زفان فقط جرس نوشته. نیز رک: ادات.

له ادات: قیل بکسر دال.

له رک: ادات، اما مویده ۱: ۴۱۸ و مدار ۲: ۲۶۹ دوزای و دورای هر دو را به همین معنی آورده.

له رک: قواسم ص ۹۵، دستور ص ۱۲۹، ادات، مویده ۱: ۴۱۷، مدار ۲: ۲۵۰.

له مویده ۱: ۴۱۹: دولی یعنی دغا بازی: مدار ۲: ۲۶۷: دولی بمعنی دغا بازی نوشته.

له داوری بمعنی جنک و خصوصیت است، رک: قواسم ص ۹۷.

له مویده ۱: ۴۱۹ همین معنی را کاملاً بدون حواله نوشته.

له رک: مویده ۱: ۴۲۳، مدار ۲: ۳۱۳. ۴ روهینا. روهینا نوعی از پولاد بران و قیستی

له ادات: رعنا زنی سست و گلیست زرد، معین رعنا اعرابی زن احمق، سست، زیبا.

بهره رب

رباب^{له}: نام مردی که عاشق دعد بود، و نام سازیت معروف.

بهره ات

رشت^{له}: گرد و خاک.

رست^{له}: رسته یعنی صف، و رها شده.

رخت^{له}: اسباب و بنه و ساز.

رماست^{له}: گونه ای از علك رومی. [رعونت^{له}: رعنائی و سرکش و نادانی کردن و خودی].

بهره ج

رونج^{له}: عصب، و در بعضی فرهنگنامه ها است رونج^{له} بفتح را و کسر واد و سکون باء، عصب و روده.

ریواج^{له}: گیاهی است که بتازی ریباس گویند [ءء ا] و هندوی چکری.

بهره خ

رخ^{له}: نام جانوری که رخ شطرنج بدان وضع کرده اند، و عمان سب و جانب روی که رخاره گویند.
رخ^{له}: معروف.

له رک: ادات و مدار ۲: ۳۰۷. و اصفاً این عربی است.

له اگرچه شغری فارسی رباب و دعد را عاشق معشوق قرار داده مانند مجنون بیلی، اما اصلاً دعد و رباب نام دوزن بود، رک: تعلیقات دیوان سراجی ص ۵۴۵-۵۴۷.

له رک: ادات و مویده ۱: ۴۲۵.

له مویده ۱: ۴۲۵: رست بافتح خلاص یافت و رسته ای صف و رها شده الخ.

له رک: مویده ۱: ۴۲۵، مدار ۲: ۳۱۲. له مویده ۱: ۴۲۵: رماست نوعی از علك رومی.

له زفان: علك کندور، مدار: نوعی از علكی که در هند ازین جاتا آخر در حاشیه افزوده.

له برای ابن معنی رک: فرهنگ معین ۲: ۱۶۶۲. له خود بینی، خودپسندی درست است.

له ادات: رونج جگر آگنده که عرب آنرا عصب خوانند، مویده ۱: ۴۲۶: رونج به فتحین امعاء گوسپند بگوشته به پر کرده کنه فی شرفنامه و در بعضی فرهنگنامه ها است رونج الخ.

له مدار ۲: ۳۳۹: رونج قیل بکسر واد و بجای نون یا.

له رک: ادات و مویده ۱: ۴۲۶: مدار ۲: ۳۴۸: ریواج.

له که است در مویده و مدار له رک: مویده ۱: ۴۲۷.

مهره 'د'

اود: بفتح واو وضم لغتی است، جایی که آسجا پشته بود، و فراز و نشیب بسیار باشد و تیرگی آب روان و سبزه ها که بدان رسته بود.
رد: دانا و خردمند و حکیم و بخرد و پهلوان نیز.
راد: سخی یعنی جوانمرد.
رود: جوی و تارهای ساز.
ریوند: دارویی است، سردی آورد.
زند: منکر باشد.
رشناود: نام مردی.

مهره 'ر'

رامر: نام شهریت که ابریق را بدان نسبت کنند؛ گویند ابریق را رمی.
روار: آنرا گویند که کسی که بندی یا زندانی باشد، او را خدمت کند.
ر: قواسم ص ۳۰: رادو جانی باشد پشته پشته با سبزه و آب عسجدی گوید:
الاما زمین از کوه پدید است و ده اژده: بکوه اندر ز راست و بره بر شخ و رادو و در صحاح افزوده: در بعضی از نسخها زاود برای محم نویسنده، مدار ۲: ۳۰۴ رادو و رادو و زاود و زاود هر چهار آورده، در صحاح این بیت شایده درج است:
فیله به رادو همی داشتی: شب و روز بردشت بگذشتی
قواسم ص ۸۸: رد یعنی دانا و حکیم و خردمند.
مویه: ۳۲۷ و بعضی پهلوان نیز آمده.
مویه: ۳۲۸ در بعضی کتب طب است که سردی آورد.
ادات: رند منکری که انکار او از زیرکی و کیاست بود نه از مجمل و حاق...
جانبگیری ۲: ۱۳۷۹: رشناود نام یکی از اسپهبدان های نبت بهمن است... فردوسی:
یکی مرد بد نام او رشناود: سپهبد بدو هم سپهبد نژاد الخ
ادات: را مر نام شهریت که ابریق مارا بدو نسبت کنند و گویند ابریق را رمی.
کذاست در ادات، اما مویه: ۳۲۹: روار خدمت گار بندگان و قیل با زاء معجمه. در اصل این واژه بازای تازی است، چنانچه خود در همین فرهنگ زقان ذیل گونه "ز" آمده: زوار خدمتکار بندگان و زنده خدمت مرده الخ؛ و در فرس ص ۱۳۰ و صحاح ص ۱۰۶ و قواسم ص ۹۴ و مدار ۲: ۳۹۳ نیز زوار یعنی خدمتکار بندگان بابیت شایده.

بهره 'ز'

راوینز: شترغار و این نام گیاهی است که شتران خورند و از بیخ اچار کنند.
رز: انگور.

رختخیز: قیامت و رستاخیز نیز گویند.

ریماز: جامه.

رازد: سخن نمان، و کل گر که بتازی طبعان گویند.

ریز: مراد و هوا و کام.

بهره 'س'

رس: گلوبند زنان.

روس: ولایتی در ترکستان.

بهره 'ش'

خش: نام اسب رستم پهلوان، مثل گویند: رستم را هم خش رستم کشد.
خش: قوس الله آنکه اورا خلق از جایی بجان رستم گویند و قوس مطلق را نیز خش گویند و در اسدی است خش عکس باشد.

له قواس ص ۴۲: راوینز شترغار، دستور ص ۱۴۰: راوینز وراویج شترغار، ادات: راویرگیاهی است ... و این غذای شتران است و شترغار نیز گویند.

له که ذات در قواس و دستور و ادات و غیره، اما در همین فرهنگ زبان واژه مخصوص شترغار و شتر غار است نه شتر فار که در اینجا آمده، از بریان واضح می شود که شتر غار و شتر فار و شتر غار و شتر غاری است، رک: فرهنگ قواس ص ۴۲ ح ۱. له رک: ادات و مویده: ۱: ۴۳۱، مدار ۳: ۳۴۷. له مویده: ۱: ۴۳۰ این معنی بواله زبان نوشته.

عه دستور ۴۱۴ طین گل گر. ه رک: ادات و مدار ۲: ۳۴۴.

له رک: ادات و مویده: ۱: ۴۳۱ و ۲: ۳۱۶. له برای این معنی رک: مدار ۲: ۳۱۳، سکندری: قوس الله که جمله اورا قوس الله گویند. ه لغت فارس ننوا پاول پورن ص ۱۵ خش بمعنی قوس قزح، چاپ مجتبیائی که در قم. ه معین ۲: ۱۶۴۴ خش بمعنی عکس نیز، رک: مدار ۲: ۳۱۳ بکفته معین واضح است که خش از مصدر رخشیدن بمعنی درخشیدن مشتق است: صحاح ص ۱۵۲ خش بضم را بمعنی عکس و شجاع بابیت عفری بطور شایسته، نیز فرس:

ز خون دشمن او شد بجز مغرب چو ش: فکند تیغ بپایش خش در عمان

ش : مسافت میان دودست چون فراز کنی و آنرا بتازی باغ گویند یعنی آگوش فراز کرده و سرشک باران خود قطره دیشودهم روز از ماه .

اش : انبار غله .

اش : سرو و د شادی و طرب .

بهره 'دغ'

اغ : دامن کوه بجانب صحرا که فرود رود و در فرسنگنامه است : صحرا گویند ، و در فردوسی است : بن کوه و گویند زمین گشت .

بهره 'دف'

اف : جابتری .

له معنی اول یعنی در ادات و مویده ۱ : ۴۳۲ در جست .

له معین ۱ : ۴۶۱ : باغ طول از سرانگشت دست راست تا سرانگشت دست چپ .

له کذاست در ادات و بحر الفضائل ، و درین معنی این کلمه عربی است ، رک : جهانگیری ۲ : ۱۳۷۶ ، ماده رس یعنی تراویدن . سرانگشت یعنی قطریای باریک از باران (مادر ۲ : ۴۵۸) .

له رک : جهانگیری ۲ : ۱۲۷۵ ، عنصری :

در آمد دران خانه چون بهشت : بروز رکش از ماه اردی بهشت

له کذاست در ادات و مویده ۱ : ۴۳۲ و جهانگیری ۱ : ۳۲۹ : در مویده افزوده که عوام الناس را ش گویند ، (در استان اتر پردیش بعضی جایها انبار غله که در خرمن باشد را سس گفته می شود) . در حاشیه جهانگیری بیت زیر از سنائی شاهد درج است .

خاک را تخسلی دهی که رکش : از یکی صد دهی پادکش

بگفته جهانگیری رکش و راژ هر دو مترادف اند و در فرس ص ۱۸۰ و صحاح ص ۱۳۸ راژ بمعنی توده غله و بیت لبیبی شاهد آمده . و درین فرهنگ از رکش صرف نظر شده چنانکه از "راژ" در ادات و زلفان و غیر آنجا .

له ادات ، مویده ۱ : ۴۳۲ ، مادر ۲ : ۳۰۳ یعنی سه لفظ را آورده ، بدینجست واضح است که فرهنگ نگاران از یک دیگر نقل نموده اند .

له ادات : راغ دامن کوه بجانب صحرا و صحرا و بن کوه و کشت ، و در مویده ۱ : ۴۳۳ 'بجانب صحرا که فرو رود' ، بر ادات اضافه دارد .

له این لغت که در مآخذ جهانگیری آمد ، آلمان پیدا نیست .

له مویده ۱ : ۴۳۵ : راف جابتری که آنرا بسباس گویند .

رفت: آنچه در دیوار با برون داشت جای نشست [درق ۱۴۷] و این در عمارت های خراسان است.

بهره نگ:

رک: کسی که با خود از تندی چشم آلودگی نرم نرم سخن گوید، گویند فلان می رکد.

راک: دبه مسرزن، و گانه که بتازی جفته گویند.

رمرک: بفتح زای پارسی ضمیم است، شخیصین یعنی گناه کردن و لغزیدن.

ریشک: بکسر را، ریم و ژولیدگی.

ریشک: بفتح را، غیرت و حسد و کرمیت که بتازی صواب.

ریدک: کودک و نام مردی.

ریک: سخی است که بجای و یک باشد.

بهره نگ:

رنگ: بزکوبی و گوزن و آهوی و آنچه در دشت باشد و کمر و گونه و شکل و در فرنگنامه

اداد ۱: ۳۳۴: رفت آنچه در دیوار عمارت برون داشت برای نشست مردم کنند
این نوع عمارت در ملک بالا بود. ۲: نسخه اصل: نشیب.

معنی این کلمه عیناً در ادات و مویده ۱: ۴۳۵ و دارع ۳۲۶ یافت می شود.

فواکس ص ۷۵، دستور ص ۱۴۱، ادات، دارع ۲: ۳۰۳. راک: دبه مسرزن.

نسخه اصل: کار.

دارع ۲: ۲۰: جفته کار بزرگ نیز دستور الاخوان ۱۹۷.

فواکس ص ۱۸۹: رمرک: شخیصین، و در زبان شخیصین معنی لغزیدن و از جای مسر

خریدن و گناه کردن الخ. ادات: ریشک با زای فارسی از جای مسر و خریدن و لغزیدن و گناه کردن.

۳: مویده ۱: ۳۳۵: ریشک با بفتح غیرت و با کسر

ریم و ژولیدگی که زانی شرفنامه و در قفیه ریشک با کسر کرمی بتازی صواب خوانند و نیز غیرت و

دین معنی بفتح راست، و در ادات ریشک آن چیز... عرب آنرا غیرت خوانند و کرمی است

بتازی صواب گویند. دارع بکسر معنی ریم و ژولیده و کرمی نوشته و معنی خسیه محل نظر است.

صاح ص ۱۸۱: ریدک غلام و کزنک و کودک. جهانگیری ۲: ۲۲۸۹: ریدک معنی پسران امرد.

اما مویده ۱: ۴۳۶ و دارع ۲: ۳۴۴: ریدک معنی کودک و نام مردی که است در متن.

رک: مویده ۱: ۴۳۶، و در دارع لاده معنی نیک بخت. بوالربیع بخش معنی دین حق است.

رک: مویده ۱: ۴۳۶، دارع ۲: ۳۳۱: در جهانگیری ۲: ۱۸۱۹: رنگ بسی و یک معنی آمده.

است: جلاجل و بعضی برای معجزه گویند.

رچک: آروغ

بهره 'ل'

رسیل: پیرو.

بهره 'م'

رزم: نبرد جای یعنی جنگ جای.
رام: فرمان برو و نرم گردن و نام هادی است از زمین هند، و بهیئت و یکم روز از ماه.

بهره 'ن'

روان: جان و بعضی بفتح را گفته اند.

رین: سرکش و زین استوار.

رخبین: بایای پاری، دوش ستر مانند پیر.

له: رک: مویده: ۱: ۳۶.

له: مدار: ۲: ۳۱۹: رسیل (عربی) همراه و همرو در تیراندازی و پیغام فرستاده و قیل پی رو؛ نیز رک: بعین: ۲: ۱۶۵۵ درین فرهنگ این کلمه عربی قرار داده شده.

له: کذاست در ادات اما در اکثر فرهنگها رزم بمعنی جنگ و نبرد است، در مویده: ۱: ۴۳۷ آمده: رزم بافتح جنگ کذا فی شرفنامه و در ادات و زفان گویا بمعنی جنگ و جدال و در لسان اشعار بمعنی جای جنگ و نبرد، اما در ادات و زفان بمعنی جنگ جای آمده نه جنگ و جدال.

له: دو معنی اول در ادات آمده. ۵ کذاست در مویده: ۱: ۴۳۷؛ مدار: ۲: نام وادی.

له: رک: مویده: ۱: ۴۳۶ ۷ فرس ص ۳۷۸، صحاح ص ۲۴۲: رین بمعنی

مکار و کینه ور، و در جاگیری میتهای سانی و اسدی شاید این معنی درج شده، بیت سانی:

ای بطریق باطل پایان تو در دوزخ: داده عسان خویش بشیطان ز رینی

و بیت خاقانی که در قوس ص ۹۰ شاید معنی سرکش آمده، شاید بمعنی دغا باز و مکار است:

ازین برین آید کرم، فی نیایه: ز ریم آهن اقلیمیالی نیایی

رین بمعنی اسب سرکش نوشته و این نیز غلط و اشتباه است، دستور ۲۴ مانند قواس رین سرکش.

له: در ادات و مویده چون معنی متن عینا درج شده بنا برین واضح است که تاخذ همان فرهنگها یکی بوده است. اما در صحاح ص ۲۴۳ که در ایران نوشته شده عبارت مختلف است: رخبین چیز باشد که از کشک سرکش و دوش کشند.

ربون: آن سیم که پیش از اجرد مزدور را دهند و امروز ربون میخانه را گویند.
روین: روی ناس و آن گیاهی است که بدان جامه را رنگ لعل کنند، بهندوی منجیخته گویند.
رخشان: روش.

رهبان: زاهد ترسیان.
راسن: گیاهی است، و گویند سبزه که در پیاز و سبزی کارند آنرا راسن گویند.
رشن: گزیدن و گزیدگی.
ران: درخت انگزد و انگزد را نیز ران و راو ماده گویند.

بهره ه

رومه: موی زمار.
ریکاسه: خارپشت و آن خرنده است، و بعضی به شین معجه گویند.
رکوه: پاره جامه.
رنه: رشته که برو هر چیزی اندازند، و برای معجه نیز گویند.

له: ادات ربون آن سیم که پیش از مزد بزدوران دهند و بیخانه: صحاح ص ۲۴۳: ربون آن باشد که پیش از مزد بزدوران دهند چیزی، و فرخی:

برده دل من بدست عشق زبونست: سخت زبونی که جان دلش ربون است

معین ۲: ۱۶۳۷ مترادف ربون اربون، اربان، ارمون و معرب عربون.

له: اصل: ربون آن سیم که از اجرد مزد دهند. له: صحاح ص ۲۴۳: روین: رویناس.

له: ادات بهین معنی همراه کله هندی دارد. نیز رک: موی ۱: ۴۴۱. ه: این کله عربی است شتی از رهبان یعنی ترسیدن. ه: رک: موی ۱: ۴۳۹: در این فرنگ مطالب زقان درج شده.

له: رک: موی ۱: ۴۳۰ و مدار ۲: ۳۲: موی هر دو معنی را بگفتن شرفنامه درج نموده است. رشن در اصل یکی از ایزدان آئین مزنیستی است، نیز روز بهیجیم همراه شنی و در عربی معنی ناخوانده همان گردیدن و سرگردن سک در کاسه، رک: جهانگیری ۲: ۱۳۷۹، معین ۲: ۱۶۵۸.

له: رک: ادات و موی ۱: ۴۳۹ و مدار ۲: ۳۲. ه: اصل: راو ماده: اما رک: ادات و موی ۱: ۴۴۳ و مدار ۲: ۳۰۴: قواس ۴۲: راو ماده انگز، جهانگیری ۱: ۳۳۷، نیز ۱۷۵۸: انگز، انگزه، انگزه حلیت

له: رک: قواس ص ۸۹، ادات و موی ۱: ۴۴۵ و مدار ۲: ۳۳۸، دستور ص ۱۴۱ و رو بهیجی موی نوشته.

له: کذاست در قواس ص ۷۰، دستور ص ۱۴۱ این کله با شین معجه و ممل و مخاف یا نیز آمده، رک: مدار ۲:

۳۴۴، صحاح ۲۷۸ و موی ۱: ۴۴۵ با شین بر د صورت، و فرس ص ۴۲۳ با شین معجه فقط، در زقان چکاشه

نیز بهین معنی آمده. له: رک قواس ص ۱۵۸. له: رک: قواس ص ۱۸۳.

ربوذه: خوشی و ذوق جماع تا هر که بر وقت جماع بخوشی [درق ۴۸۸] رسد گویند ربوذه شده است.
 ریشیده: ریشه دستار که چشمه چشمه کند یعنی کبود و سبز و سفید [سازند].
 رافه: گیاهی است که بوی همجو سیر بریان کند و بخورند.

ریذه: با ذال مجع کودک.

رفوشه: بفتح را، برچیدن پی و گیاه و سخن.

رنبه: موی زبار، و بزبان هندی آهن را گویند که از برای زمین کافتن کنند.

رده: صفت و برج.

رنده: گیاهی است بهاری، و آلتی که بدان چوب را بر تراشند، مشت رنده یعنی رنده، بیت:

کرده کارا مشت رنده ده جهان را خوش تراش

تا که از قومی که هم ایشان و هم ما تیشه ایم

روده: آنجا که طعام در شکم باشد.

رشاشه: قطره باران باریک، هندوی پھوئی گویند.

روه: سیرت و پارسائی و گرایش برینگی، و از اینجا است که زاهد ترسایان را رزمیان گویند.

له رک: فرس ص ۴۳۳، فرس ص ۱۱۳، صحاح ص ۲۷۸ و غیر آنها. له در مویده ۱: ۴۴۳ این معنی بکار

زبان گویند درج است. له صحاح ص ۲۷۸، مدار ۲: ۳۴۵: ریشیده ریشه دستار سر رنگ. ادات:

ریشیده ریشه دستار که چشمه چشمه کند گویند و سبز و سفید سازند. له رک: مویده ۱: ۴۴۳، مدار ۲: ۳۴۵

ه در اکثر فرهنگ ریک سجای ریه همین معنی آمده. له ادات: رفوش پی برچیدن و گیاه و قبل بفتح الراء سخن،

مویده ۱: ۴۴۴: رفوشه برچیدن و گناه کذافی لسان اشوا و در ادات رفوش پی برچیدن و گناه قبل بفتح الراء

سخن و در شرف نامه هر معنی بفتح. مدار ۲: ۳۴۴ رفوشه برچیدن پی و گناه و سخن، همین معنی بکار ادات درج

است. بعد بکار مویده نوشت که در فخری سخن تصحیف سخن است. اما در مویده این قول آمده و نه فخری دین باره

همچ اطلاع داشته. له برای معنی اول رک: صحاح ص ۲۷۸، ادات و فخری ص ۴۰۵-۴۰۶، مویده ۱: ۴۴۴.

ه این معنی در فرهنگ دیده نشد. ه در صحاح ص ۲۷۸، فخری ۴۲۴ رده یعنی صفت. جاگیر ۱: ۷۹۵ رده یعنی

رسته و صفت، و چوبی که برگردان گاو بندند. مویده ۱: ۴۴۴ یعنی برج و رسته که بتازی صفت خوانند. و همین است در

در مدار ۲: ۳۱۴، ادات: رده رسته بتازی صفت. له ادات و مویده ۱: ۴۴۴ رنده نوعی است از رسته

در و گردان که بدان چوب تراشیده را هموار کنند و این رامشت رنده نیز گویند و گیاهی است بهاری.

له نشو و اصل: کوشش. له نشو و اصل رنده. له این بیت در هیچک از فرهنگ که پیش بنده است دیده نشد

ظاهر خود از صاحب زبان گویا باشد. له نشو و اصل: رندی، متن تصحیف قیاسی. له ادات: رشاشه و رشو

ریش قطره باران خرد که نیک باریک بود و اهل هند آنرا پھوئی گویند. و اصفیاء این کلمه عربی است. رک: —

رخنه: سوراخ و دریچه

رخساره: معروف [است].

رودابه: نام مادرستم.

رزومه: تنگی

بهره 'ی'

روی: مس باقلی آمیخته که بندگان می‌بندند و بندگان گویند.

روسی: قبیله که می‌بندند یعنی زنی که قبیله بود.

رهی: بنده و ناله.

رکوی: پاره جامه.

روسی: نسبت به روس و جامه است سرخ.

راهوی: نام پُرده، چنانکه حجاز و عراق و سپایان و نهانند و خراسان.

→ مویه: ۱: ۴۴۳ و فرنگ معین ۲: ۱۶۵۶. ماده کله رشتن معنی چکیدن باران اندک.

عله مویه: ۵: ۴۵ روه باو او فارسی سیرت و پارسائی و گرایش نیک و نیز نام مقامی الخ. مدار ۲: ۳۳۹: روه سیرت و در جستجری است: پارسائی ترسایان و گرایش نیک الخ. عله این توجیه غلط است زیرا که کله رهبان عربی است و از رهب بمعنی تربیدن و ترس مشتق است. رک: معین ۲: ۱۶۹۸: نیز مویه: ۱: ۴۴۱.

له مویه: ۱: ۴۴۳ این معنی بحواله زبان آورده: معین ۲: ۱۶۴۵ این معنی دارد.

له این واژه عربی است. بمعنی پشتواره جامه، در شرفنامه معنی تنگی و بقیه آمده. عله بمعنی جوال.

له ادات: روی باو او فارسی چیز است که اهل هند آنرا تنکار خوانند، نیز رک: مویه: ۱: ۴۴۷ و مدار ۲: ۳۴۰.

له قچه درست است نه قبیله، رک: مدار ۲: ۳۳۶. عله ادات: رهی بنده: مویه: ۱: ۴۴۷: رهی با کله بنده و ناکس کذافی زبان گویا و در ادات بمعنی بنده و چاکر، (واصفای سنخ زبان و ادات که در پیش صاحب مویه بود از سنخ من اختلاف داشت).

له ادات: رگوی کاف و او و هر دو فارسی پاره جامه گنند و ریزیده و چادر یک تخت. عله مویه: ۱: ۴۴۷ و مدار ۲: ۳۳۶ روسی بمعنی نام جامه نیز آمده.

له در مدار ۲: ۳۰۶ بدین بیت انوری استشهاد شده:

من غزل ساسی خود می‌خوانم: درخشاوند و راه ری و عراق

نیز قس: رباعی. عله درباره نام دوازده مقام موسیقی اختلاف است مثلاً مقاصد الالحان ص ۵۶ این

نام نوشته: عشاق، نوی، بوسلیک، راست، حسینی، حجازی، راهوی، رنگول، عراق، اصفهان، زیر انگند

بزرگ: معین ۲: ۱۵۶۸: راست، اصفهان، بوسلیک، عشاق، زیر بزرگ، زیر کوچک، حجاز، عراق، زنگول،

حصینی، رباعی، نو. عله رک: جالگیزی: ۲: ۲۲۰۶. عله مدار ۲: ۱۲۳، روسی و راهوی در سنخ روسیه افتادگی دارد.

روشنی: آهمن گوهر دار.
رستی: حلوا و نیز نان را گویند.

گونه 'ز'
بهره 'الف'

زیبا: نیکو و آراسته.

بهره 'ب'

زیب: نیکوئی و زینت.

زکاب: سیاهی که بدان نویسد و بعضی بضمم ز گویند.

زباب: چشمه و قعر و عمق آب و نیز آبی باشد که از سنگی یا از زمینی و جایی می آید اندک و بسیار.

بهره 'ت'

زفت: بخیل و گرفته روی، و زفتی بخیل است و قیر را نیز گویند.

له در مویده ۱: ۴۴۷ روشنی با واد فارسی روشنائی و آهمن گوهر دار و معنی اخیر از زبان گو یاست.

له نسخه رومی: رسی. دار ۲: ۳۱۸ رستی بمعنی نان و حلوا نوشته بدین بیت شایه:

رستی خوردم بخوانی زین آسمان: آدازه صلا به سیما در آورم

له ادات: زیبا با بای فارسی بر هر چه خوب با طاعت بود و نیکو و آراسته. له رک: فرس ص ۲۴، صحاح معجم

قوس ص ۹. هه فرس: زباب جانی بود که آب زاید، صحاح ص ۳۸: زباب آبی باشد که از سنگ یا از

زمین بر آید اندک و بسیار الخ. جهانگیری ۲: ۲۱۷۷ زباب بمعنی تراویدن آب آورده، برهان بمعنی تراویدن آب

و موضع چشمه و آبیکه قعرش پیدا نباشد نوشته معین ۲: ۱۷۶۳ زباب بمعنی آب که تراوش کند، موضع

چشمه، آبیکه قعرش پیدا نباشد، چشمه آورده. مویده ۱: ۴۴۹ زباب بهر دو معنی مذکور در متن نوشته.

له دار ۲: ۳۹۶ این معنی بحواله زبان گو یان نوشته. له قوس ص ۹۵، زفت: بخیل، صحاح ۴۵: زفت

بفتح زابخیل. عنصری:

صعب چون بسم و تلخ چون غنم جفت: تیره چون گور و تنگ چون دل زفت

ادات: زفت بضم بخیل و گرفته روی، و همین قرائت است، در مویده ۱: ۴۴۹ ذیل فصل عربی، و در

دار ۲: ۳۷۷: زفت (عربی) بضم گرفته روی و بخیل.

له در مویده ایضاً و دار ایضاً: زفت بالفتح بهمین معنی. اما در جهانگیری ۲: ۱۴۷۸-۷۹ زفت

بضم بمعنی بخیل و مسک و دار و دی حسبنده که از صنوبر حاصل شود. اما در معین ۲: ۱۷۴۲ زفت

با کسر بمعنی قیسر و صمغ نوشته.

و همین قرائت در آندراج است.

زفت^۱: فریبی سستبر و پیر و تنادر و زفتی فریبی است.
 زهشت^۲: نفس یعنی دم، بکسر یا نیز گویند.
 زخمت^۳: چیزی درشت و سخت [درق ۴۹ ا] و گره بسته.
 زردشت^۴: نام مردی ساحر که دین منی پیدا کرد و زردشت و زرادشت و زراشت نیز گویند
 و آنک گویند زردشت ابراهیم علیه السلام است مخفی و زندیق باشد.

مهره^۵ 'ج'

زاج^۶: زاک یعنی پشکری و اجناس آن.

زمج^۷: زمجک و آن پرنده ایست که در هوا پرواز کند.

مهره^۸ 'ج'

زاج^۹: زجه.

زچ^{۱۰}: بلور که بهندوی پشکری گویند.

زچ^{۱۱}: شکره ایست معروف که بر کبوتر افتد.

۱ رک: اادات و موید و مدار و جهانگیری ۳: ۱۷۴۸ زفت گنده و سستبر و پیر و نالال.

۲ رک: اادات و مدار ۲: ۳۹۷. ۳ برای اعراب رک: موید و مدار و جهانگیری ۲: ۲۱۷۸.

۴ رک: اادات، موید ۱: ۴۵۰، مدار ۲: ۳۸۴، جهانگیری ۲: ۱۷۰۶ زخمت طبعی و گریخت.

۵ و اینکه در موید بحال^{۱۲} قواس زخمت یعنی نیکو نوشته، اما در قواس این واژه شامل نیست.

۶ اگرچه زردشت با سین همدا آمده همه معانی را در ذیل زردشت نوشتن خالی اشتباه نیست.

۷ معرب زاک یا زاک است، رک: موید ۲: ۳۵۵، معین ۲: ۱۷۱۲؛ ۱: ۴۵۰، ذیل فعل عربی

زاج - در زبان گویاست: زاج همان زمج یعنی پشکری و اجناس آن.

۸ قواس ص ۵۹: زمج و زمجک: استخوان ربا، دستور ص ۱۴۸: زمج و زمجک، جهانگیری ۲:

۱۷۰۷ زمج نام جانور است شکاری... بتازی زمج، بحر الفضائل: زمج و زمج و زمجک پرنده درنده

ایست از علی و از کلان تر. ۹ رک: قواس ص ۸۵.

۱۰ موید ۱: ۳۵۱ زمج (زمج اشتباه چاپی) و در زبان گویاست زمج بالغ و پیر بهندوی پشکری، نیز رک:

جهانگیری ۲: ۱۷۰۶ و معین ۲: ۱۷۴۶.

۱۱ موید ۱: ۴۵۱ ذیل زمج گفته صاحب زبان آورده: و بالکسر شکره ایست معروف که بر کبوتر افتد. اما در

جهانگیری ۲: ۱۷۰۶ زمج یعنی پشکری نه شکره. یعنی شکره زمج است! موید ۲: ۳۸۳ - ۳۸۴ زمج را

عربی نوشته و مترادف زمج فارسی یعنی پشکری و شکره. اما در موید ۱: ۴۵۰ بجای زمج، زمج

زمج آمده.

زنج: لاغ و سحر و راه نفس و رشتہ بتا و آنک برای تقویم می سازند یعنی رصد که اوقات استخراج تقویم کنند.

بہرہٴ خ

زخیم: ثلول و آن معروف است و آواز حزین.

زخ: معروف [است] و بی نفع.

برہم

زند: کتاب مخان و آن تصنیف زرتشت در آتش پرستی و آن را زند استمانز گویند

واسطی آورده است : زنداستا تفسیر زنداست وبعضی فرہنگنامہ گویند صحف

ابراہیم صلوات اللہ علیہ و سلمہ است، و آتش زہ آرزو چھتق گویند.

زوهمنده: کشت بالیده و افزوده، و بعضی وادیاری گویند.

زغند: بانگ سخت و جستن.

۱۱۳. برای این معنی رک: قواس ص ۱۱۳.

دستور ص ۱۴۵: زنج سحر و لاغ و کتابی است در حکمت. مؤید: ۴۵۱: زنج بالکسر آن کتاب که از تقویم استخراج کنند و نیز مرد لاغر و راه نفس و نیز رشتۀ بنا که بآن اندازه طرح عمارت کنند.

۵ رک: صحاح ص ۶۶، مؤید: ۴۵۱ و مدار ۲: ۳۶۳، قواس ص ۱۹۰، شرح آواز حزمین.

۳۵ رک: سوید: ۱: ۴۵۱، مدار: ۲: ۲۸۹.

۷۷ رک: قواسم ص ۱۲، ۱۹۳، دستور ص ۱۴۵، ادات.

۵ لغت فرس چاپ پال ہورن ص ۲۹ : زند تفسیر یا زند و استا و استاود۔ مازند اصل کتب

عہ برای آتش زنہ و چہقاق ژندا است نہ زندہ رک : معین ۲ : ۱۷۷۷.

۷ نسخہ اصل: آتش زن۔ ۷ قواسم ص ۵۵، دستور ص ۱۴۸: زودھنکشت

مالیہ؛ اما اداات، بحر الفضائل، موید: ۴۵۲، جہانگیری ۲: ۲۰۲، ربان ۲: ۴۶، لغتہ ازقان را مورد تأکید قرار دہند.

۷ اصل: بالمبدء.

۹ ادات: ز غنجد بانگ تند و بر جستن، در بحر الفضائل سجای بر جستن حمد و دارد.

زرنباد: دارویی است که بتازی رجل الجراد گویند، بهندوی کچور.
 زباد: خوی گربه مشکین.
 زامیاد: بیت هشتم روز از ماه.

مهره زر

زر: پیرکن، ضد برنا، ازین جاست که زال سام را زال زر گویند از بهرموی سپید.
 و ذهب.
 زفر: کله دهن.
 زوار: خدنگار بندیان، و زنده ضد مرده، و بعضی بضم زا گویند، و در فردوسی است: زوار بیمار.

۱ رک: اادات و بحر الفضائل و مویده: ۴۵۲.
 ۲ همین کلمه عربی در اادات مذکور است، و در زبان سخنش چهارم و اژه های عربی، مترادف رجل الجراد زرنباد مندرجست؛ اما در کتاب الصیدیه بیرونی اسم بهندی کچور موجود است و درین کتاب عربی رجل الجراد درج شده؛ اینکه اسم زرنبار، متداول بوده نه رجل الجراد، از بدایه المستعین نیز ثابت می شود.
 ۳ نسخ اول: کچور گویند؛ این کلمه بهندی غیر از اادات و بحر الفضائل در صیدیه بیرونی نیز آمده (رک: کتاب الصیدیه چاپ کراچی ص ۲۰۰).
 ۴ اادات: زیاد نوعی از خوشبویهای خوب و آن از گربه پیدا آید، بحر الفضائل عطری است بنهایت خوشبوی از گربه مشکین خیزد. معین ۱۷۱۸-۱۹ زباد ماده معطری که از غده مشک جانوری (نمر) استخراج می شود، این حیوان باندازه یک گربه است و بنام گربه زباد و قط الزیاد و ستور الزیاد ذکر شده. معین این را عربی قرار داده.

۵ کذاست در مویده: ۴۵۲؛ ل: خایه.
 ۶ رک: اادات و مویده: ۴۵۲.
 ۷ رک: لغت فرس ص ۱۳۰، صحاح ص ۱۰۵، مویده: ۴۵۴، صبحا انگری: ۹۹۵.
 ۸ رک: بیت دقیق:

همی نوبهار آید و تیر ماه : جهان گاه برنا شود گاه زر

۹ رک: مویده: ۴۵۴، مدار: ۲: ۳۷۷.
 ۱۰ ل: دبان.

۱۱ لغت فرس چاپ پاول هورن ص ۳۶: زوار خدشگر و یاری ده، قواسم بحر الفضائل خدشگر بندیان صحاح ص ۱۰۶ زوار بمعنی زندانیان و خدشگر زندانیان، اما تأیید معنی اول نه از بیت شایده و نه از قول لغت نویسان می شود. بعلاوه آن زوار کلمه واحد است و زندانیان معنی اش جمع چگونه جائز باشد ←

زغار^{۱۲}: نعره و فریاد.

زبر^{۱۳}: زنبلی یعنی آنچه بدان گل کشند و بتاری منقل گویند، و نیز زبر انگشت دان را گویند، مرعیی است بادو بازو.

زاور^{۱۴}: زنده و نیز زهره را گویند و سیاه.

زریز^{۱۵}: مایه صفرای یعنی یرقان، و اسپرک که بدان رنگ کنند، و آن بسز و کبود است و بعضی گویند زریز زعفران نیز باشد و گویند بضم است.

— درادات زواری یعنی خدمتکار بندیان و زنده آمده. موبد ۱: ۴۵۴ بهر معنی مذکور در متن آمده، نیز رک: مدار ۲: ۳۹۳، جهانگیری ۲: ۲۰۱۶ - ۱۷.

۱۲ نشو اصل: خدمتکاران بندیان. ۱۳ این معنی در موبد درج است.

۱۴ ادا: زغار نعره و فریاد و قیل بازای فارسی نعره سهندک و همین است در بحر الفضائل، در مدار ۲: ۳۷۵ زغار یعنی نعره و فریاد و زغار یعنی سهندک و سختی، جهانگیری ۲: ۱۴۲۲ زغار یعنی سختی دارد.

۱۵ در نشو اصل افتاده، اضافه از روی نشو اصل برای همین مترادف رک: قواس ص ۱۷۵.

۱۶ اگر چه در هر دو نشو همین طور آمده؛ اما واضحاً در این عبارت پس و پیش شده؛ باید این طور باشد، و نیز زبر انگشت دان گمانی منقل گویند، نیز لاتی مرعیی است بادو بازو، رک: مدار ۲: ۳۸۷.

۱۷ صحاح ص ۲۰۵: زاور زهره باشد از آن هر چیز، دوم سیاه بود، ادا: زاور زنده، موبد ۱:

۴۵۳: زاور معنی زنده و سیاره زهره و سیاه، معنی اخیر گفته زقان؛ اما نشو حاضر از زقان بمعنی را

دارد. مدار ۲: ۳۵۶ زاور یعنی ستاره زهره و در بعضی فرهنگها زهره و یارا، و درادات یعنی زنده و در

پنج بخشی (زقان) یعنی سیاه. جهانگیری ۱: ۳۴۸: زاور هفت معنی دارد، خادم، ستاره زهره،

قدرت و یارا، راحله، زنده، رنگ سیاه یا علی که آب سیاه آورده باشد، زفت و بنجیل بمعین

۲: ۱۷۱۴: زاور یعنی خدمتکار، زور و قوت، بارکش و راحله، علت آب سیاه، ستاره زهره.

۱۸ اصل: اهره.

۱۹ ادا: زریز مایه صفر، و سب و کبود، و نام گیاهی که بدان جامه با رنگ کنند و آن گیاه را اسپرک

نیز خوانند، و گیاهی است زرد و گردوی زرد چوبه را گویند و زعفران.

۲۰ رک: مدار ۲: ۳۷۴؛ واضح است که مایه صفر و یرقان مترادف نیست بلکه زیادتی صفر موجب

یرقان است.

۲۱ ل: زریز زرد چوبه است. زرنک نیز بمعنی زرد چوبه آمده (زقان)

۲۲ موبد ۱: ۴۵۴، مدار ۲: ۳۷۴ بضم و کسر تین نام برادر گشتاسپ. اما در جهانگیری نام برادر

گشتاسپ بالغش است ۱: ۳۰۳ - ۱۰۰۴.

زنجیر: تخمه سپاری.

زاعتر: حوصله مرغ که بندوقی داشته گویند و بعضی گفته اند زاعتر سنگ [۱۵۰] دان است و در اصطلاح غین مضموم گویند و بعضی زای پارسی گویند.

زینبار: امان و عهد.

زاستر: جدا و دورتر دیکو.

زار: چاهی چیزی که چیز از آنجا خیزد، و نالش و زاری.

زغیر: تخم کتان و این تازی است، بندوقی السی گویند.

زیر: تار بست در ساز یعنی رود باریک و ناله باریک.

زبور: پیرایه.

زگیر: آنک کسی باند در دهن انگند از هر سوی، دیگر سرانگشتان برای جای بادش زند تا باد [ببرون رود].

۱۰ ادا ت: زنجیر تخمه سپار... و ابل بت آنرا بر و تمه گویند، نیز رک: مویده ۱: ۴۵۴ و مدار ۲:

۳۸۸. (در هر دو: تخمه شیار) ۱۰ در ادا ت و زقان مترادف بندوقی سپار پهل

آمده. ادا ت: سپار آن آهنی که بدان زراعت پاره کنند و کا و آهن نیز گویند و ابل بندوقی پهل

خوانند و همین مطلب در حاشیه زقان افزوده. ۱۰ ادا ت: مویده ۱: ۴۵۳، مدار ۲: ۳۵۵:

زاعتر چنین دان مرغ که آن را حوصله خوانند. ۱۰ مدار: پو ش.

۱۰ در زقان سنگدانه یعنی حوصله مرغ آمده: پس اضافه مکملات و بعضی گفته اند بی خود است.

۱۰ رک: مویده ۱: ۴۵۳. ۱۰ ادا ت با زای پارسی و در مویده نیز با زای عربی پارسی.

۱۰ رک: ادا ت، مویده ۱: ۴۵۴. ۱۰ رک: ادا ت: مویده ۱: ۴۵۳، بیلانی ۱۲۶ زاستر زانستر.

۱۰ برای این معنی رک: مدار ۲: ۳۵۳.

۱۰ رک: ادا ت اما در مدار ۱: ۳۵۳ یعنی عجز و اندوه آمده.

۱۰ رک: ادا ت، مویده ۱: ۴۵۴، مدار ۲: ۳۷۶، جعفری ۲۵۰.

۱۰ ل: نام تار بست در باب و ناله باریک.

۱۰ رک: مدار ۲: ۳۹۹.

۱۰ رک: مویده ۱: ۴۵۵.

۱۰ ادا ت: دیگر با کاف فارسی، کسی که باند در دهن انگند، دیگری سرانگشتان بر هر دو که آورند تا باد بآواز صعب

از دهن او بیرون رود، نیز رک: سرسلیمانی ۱۲۶.

۱۰ این دو در اصل افتاده.

زبار^{له}: عانه یعنی شرمگاه.

زمرته: بادی عظیم.

زکوره: زفت.

زواغار^{له}: نام منی است.

مهره^{له} ش

زاوش^{له}: مشتری و بعضی بسین مصله گویند.

زوش^{له}: تند و گرفته روی و ترنجیده و زودخشم و سخت طبع.

مهره^{له} ع

زبغ^{له}: بوریای نج و بلغی یا عربی است.

زاخ: معروف [است].

مهره^{له} ک

زاک^{له}: زاج ، و نام گیاهی است.

زمجک^{له}: و آن پرنده ایست در هوا پرده.

له رک: مویده: ۴۵۵: ۱ زبار با کمر شرمگاه. له فرنگ معین ۲: ۲۲۷۱: عانه موسی زبار پست

له زبار: نشئه^{له} 'ال' این کلمه و سه کلمه بعد را ندارد. له این کلمه بدین معنی دیده نشد. در نشئه^{له} ل این واژه شامل نیست. له زکور بمعنی گرفته و بخیل و دزد. رک: ادوات و همین فرنگ ذیل زکور.

له رک: ادوات و مویده: ۴۵۴: ۱ اما در چهار نگری ۲: ۲۰۱۷: زواغار نام مرغی است.

له رک: فرس ص ۲۱۳، قواس ص ۱۳: و متر الا فاضل ص ۱۴۱: راوس برای مصله و برمان زادش و راوش هر دو بدین معنی نقل نموده. له رک: مدار ۲: ۳۵۷: شد ل این واژه ندارد.

له رک: فرس ص ۲۱۰، قواس ص ۱۰۵، صحاح ص ۱۵۲.

له قواس: ورنجیده ، اما رک: ادوات الفضل.

له فرس ص ۲۳۱، صحاح ص ۱۶۳، قواس ص ۱۹۲: زبغ بوریاک از دوخ با فند الخ.

له زفان: نج کاه بوریای الخ. دوخ و از بوریای است و از بوریای با فند ، رک: فرس ص ۲۳۱، قواس ص ۱۹۲، صحاح ص ۵۵: قواس ص ۵۷ دوخ بمعنی نج نوشته.

له رک: صحاح ۱۸۱، مویده: ۴۵۷.

له مویده: ۳۵۷ بحواله مطب خائف الاشياء زاک بمعنی تیج نوشته.

له قواس ص ۵۹: زمجک.

بہرہ نگ

ز رنگ: ز چوب و گلاب و درختی است کوهی، بار نیارد و هیزم را شاید و عجب سخت
چوب باشد که آتش او دیر ماند تا گویند اگر وی را بسوزند، و در خاکستر بدارند آتش
او یازده روز بماند و بعضی بگویند.

زرننگ ہے : خرد دل کہ بہندوی رانی گویند۔

زنگ: نگار که در آهمن و جز آن گیرد، و دلایق که زنگبار گویند و بیحال چشم که از بخار چشم خیزد، و روشنی ماهتاب، گویند آنچه چون زنگ جلاجل است.

زغنگ: فواق یعنی ہلک ، بعضی گویند زغنگ بکاف عربی .

زراعت : زمین ریگناک ، و زراعت بغیر کاف نیز گویند .

سہ ماہی

زنگال: انگشت سوخته که بتازی خنجم گویند، و گفته اند که لفظ زنگال از زبان اعرسی است، و بزبان اعرسی پارسى نیز گویند.

۷ قواسم ص ۳۸، ستور ص ۱۳۸، درختی است سخت چوب الخ، نیز رک: فوس ص ۲۶۲، صحاح ص ۱۹۷.

۵۷ رک تو اس ص ۱۴ (بدون متبادل ہندی) . ۵۸ این دائرۃ ہندی در اوقات و مہمید : ۴۵۸ موجود است .

ادوات : رنگ : پیالہ چشم کہ از بخار چشم خیزد ، در روشنی ماه و زنگار کہ بر آہن و آب و امثال آن نشیند . و ولایت زنگبار ، و جلاجل کہ اہل بند آن را گھگر و عرب آن را جلیل و جلاجل خوانند . و سراب .

نسخہ اول: آبی چون زنگ و جلاطل یعنی زنگہ و بعضی گویند زنگ بازای پاری جلاطل۔

۷ در نسخہ اصل افتادگی دارد.

۵. هاجری ۲: ۱۴۳۲-۱۴۳۳ زنگ مستقیم باشد، آنرا کیج و هک نیز گویند و بازی فواق و هندی
بجای گویند.

۵ ادات : زراعتی زمین ریگناک .

۵ رک : ادات ذیل زراغن .

نہ رک: ادوات۔

۳۶۸ : الغم انکشت مرده ، همین عربی مترادف در معین ذیل زکال یافته می شود.

۲۷ معلوم نشد که این اطلاع بر چه مآخذی مبنی است.

۳۷۸: ۲ رک: ۲: ۳۷۸.

زاول^ش: راز یعنی برآزنده عمارت.

زال^ش: پیرکس و نام پدرستم.

زاول^ش: نام شهری است.

زنبل^ش: آلت جنگ، و آن مرتع است باد و بازو گیتی و یا شکی از دوسرچوب در بسته و بدان گل کشند، و تن یکی در پیش و یکی در پس، و آن [ورق ۱۵۱] زنبراست.

زاخل^ش: درخت آک.

بهره^م

زم^ش: بچ بود، چنانک گوشت و بان از درون بیرون رود.

بهره^ن

زنیان^ش: ناخواه یعنی جو این^ش و بعضی زنیان بتقدیم یا گویند.

ش رک: قواس ص ۱۱۵. ش رک: فرس ص ۱۷۷: زفان: راز کلا که بتازی

بطان گویند. ش نسخه اصل در حاشیه عبارتی مفصل راجع به زال افزوده و این بدینطور شروع می شود: زال پرفروت و پدرستم، چون زال با موی سر آویز و مژه سپید زاده شد، پدر او فرمود تا او را در کوتهی دور دست اندازند، همچنان کردند، سیمرخ او را دریافت و پرورد، بعد هفت سال در خواب دید: کسی او را بگوید پسر تو در فلان محل زنده است، طلب کرد، سیمرخ زال را باز داد و پدر او زال را درستان نام کرد و زال لقب نهاد و خلق او را زال زر گفتندی. ش زاول نام شهری است در افغانستان، رستم را به آنجا منسوب می کنند، فردوسی محمود غزنوی را نیز زادلی می نویسد:

نخسته در گد محمود زاولی در یاست. ش رک: ادا و مویده ۲: ۳۸۷ که تقریباً همین تفصیل ذیل زنبردار.

ش سرمد سلیمانی ۱۲۶ زنبیر گیتی. ش معین ۲: ۱۷۴۹ زنبیر یعنی مشکي نوشته که بر دو سر آن

و دچوب تعبیر کنند و آب کشند. ش نسخه اصل: زن پیر. ش رک: ادا و مویده ۱: ۴۵۸.

ش ادا و: زم بچ آنک گوشت اندرون دبان او بوقت سخن گفتن بیرون برود. جهانگیری ۲: ۱۷۸۴-۵.

زم طفل باشد که در چنگام سخن کردن آب از دهانش بیرون افتد (بدون مثال).

ش زفان و مویده ۱: ۱۱۹ بچ اندرون دهن.

ش رک: قواس ص ۱۴۱.

ش کذاست در دستور ص ۱۴۳ ادا و: اما و مویده ۱: ۴۶۱ و مدار ۲: ۳۹۳: ادا و، نسخه اصل: جوانی.

ش کذاست در ادا و. ناگفته نماند که در فارسی نام ناخواه که مترادف زنیان است بیشتر متداول است.

ش رک: البرونی کتاب العیون ص ۳۵۹ و درین کتاب مترادف ناخواه در سندی "جوان" است.

برای ناخواه نیز رک: پادشاه تسلیم ص ۸۶۰ (فرست)

زغن^{له}: غلیواز، وگویند خشکی سیاه است.
 زمین: آنکد پشته پای زنند.
 زلیفن^{له}: تهدید، و به لغتی یا عربی است، و بعضی بفتح ز را گویند. بیت^{له}
 ازلب تو مرا هزار امید است. و ز سر زلفت^{له} مرا هزار زلیفن
 زکان^{له}: از خویش^{له} رسیده، و در فردوسی است: زکان کشی که در خود رمد.
 زیبان^{له}: زیبا، گوئی در زیبا نون زیادت کرده اند.
 زو پین^{له}: نیزه، بهندوی آنرا سبیل گویند.
 زبون^{له}: شتر لک زن مردوشنده راست، و راغب دخریدار و گرفتار و اسیر و جفت^{له}
 و زبردست و بیچاره.

- له ادا ت: زغن غلیواز، اما در مویده: ۴۶۰: ۴۶۱ سحنی زغن هینا طبق مندرجات متن بحواله زغان.
 له کذاست در ادا ت و مویده: ۴۶۱: ۴۶۲؛ اما در مدار: ۳۹۹: ۳۹۸ زمین یعنی پشت پای زدن، برهان بعضی شخصی نوشته که عالم را پشت پا زده.
 له ادا ت: زلیفن با یاء فارسی ترسانیدن و قیل بفتح ز اصحاب ص ۲۴۴: زلیفن تهدید کردن و ستم دادن باشد، نیز رک: جهانگیری ۲: ۱۶۲۱، زلیف ترس و بیم باشد و زلیفن ترسانیدن.
 له این بیت از فرخی است و در صحاح و جهانگیری بطور شا بد نقل شده.
 له نسخ: اصل: زکف تو.
 له رک: ادا ت و مویده: ۱: ۱۶۴.
 له ل: خود.
 له ل: بود که در خود همی رمد.
 له رک: صحاح ص ۲۴۴، ادا ت و مویده: ۴۶۱: ۴۶۲ در فرس ص ۲۲۵ بیت زیر از معروفی شاهد آمده.
 له آن نگار پری رخ زیبان. و خوب گفتار و متر خوبان
 له در مدار: ۲: ۴۰۵، و ژوپین.
 له در مویده: ۴۶۱: ۴۶۲: سبیل و جهانگیری ۲: ۲۰۱۸ کذا در متن؛ ادا ت و مدار: سبیلره. و در ادا ت قباله عربی "ش" و در جهانگیری "ش" نوشته اما نوشته که عربی است یا فارسی.
 له ادا ت: زبون گرفتار و راغب دخریدار. و در مویده: ۴۵۹: ۴۵۸ زبون عربی قرار داده شده.
 له برای این معنی رک: مویده.
 له ل: مضت؛ این معنی در فرهنگها دیده نشد.

زرفین: آهنی باشد که بر درها زنند و هله در او افکنند، زرافین همان زرفین است.

سبزه 'و'

زنجیره: انزروت، و آن گیاهی است مشهور، و بعضی بفتح جیم گویند.
زرود: دیوچه آبی.

زمو: گل ترو خشک، بلغتی و او عربی است.

زیلو: شطرنجی، و زیلوی بسیار گویند.

سبزه 'ه'

زبوده: گندنا، و آن سیر است که میان پیاز می کارند.

زله: کرمی است که در گلاب باشد و فزاید کند.

زکاشه: روپاه ترکی که خار اندازد، و بلغتی را و شین مجده است، و آن را سکرته و سفرته و

له نسخ: اصل: زوفین اما صحاح ص ۲۴۴ و ادات و موید ۱: ۴۶۰ و مدار ۲: ۳۷۲.

له قواسم ص ۴۳: کنجده و زنجیره: انزروت، له البیرونی در کتاب الصیدنه می گوید: انزروت را عنزروت گویند بسبب قرب مخرج، اورا بلغیت سریانی عزرو: ازروی و ازروی و انزروتا هم گویند و بزبان هندی جیجر گویند و بهجری زنجیرود و پیازی کنجده و کونزده الخ، رک: جن عربی ص ۷، و ترجمه فارسی.

له رک: قواس ص ۶۹، دستور ص ۱۴۸. ه قواسم ص ۴۹ و همین فرہنگ.

له رک: قواس ص ۱۱۶، نیز رک: مقالہ بنده در مجله علوم اسلامی، دسامبر ۱۹۶۷، ص ۶۶، اندوایر نیکا

ج ۲۰، دسامبر ۱۹۶۷ ص ۳۹ - ۴۰.

له رک: قواسم ص ۱۵۶. موید ۱: ۴۶۲ و ۴۶۴.

له رک: قواسم ص ۴۰، موید ۱: ۴۶۳، مدار ۲: ۳۶۱.

له موید: پیاز و ترب.

له رک: فرس ص ۹۴ و صحاح ص ۲۷۹ و ادات. در ادات قبال هندی بهینگر درج است.

له در بعضی فرہنگها بازای فارسی و شین مجده مثلاً در موید ۱: ۴۶۴، زکاشه و زکاشه هر دو، و همین است در

رشیدی ۱: ۷۸۹؛ بریان ۲: ۱۰۲۵؛ زکاشه و زکاشه.

له ادات سین مصلح دارد.

له این مطالب از قواسم ص ۹۹ گرفته شد. بخلاف کله سکرته.

له رک: جهانگیری ۱: ۵۰۳، ۲: ۱۴۳۷، بریان ۲: ۱۱۴۲.

له زفان: سفر جانوی که بر پشت او تیرا باشد، و سفرته روپاه ترکی که خار اندازد.

سیخول و تسی نیز گویند ، و بتازی قنقد گویند و بسندی سید گویند ، و این جانور از خزندگان است که خار دارد چون دوک تیز و رنگین ، چون خود را بفشانند آدمی را بدان خسته کند و خار پشت نیز گویند .

زمووه : نگار و نقش .

زخاره : نان گاوسین ، در نسخ ای زای میجو است .

زغونه : ماشوره .

زکاره : گران بوج یعنی ستینده ، و بعضی فزنگیان زکاره برای پاری و مضموم گویند .

زوالانه : تخت بند و آن پاره [ورق ۱۵۲] آهین است [که] برگردن و پای زندانیان زند ، زوالانه نیز گویند .

زنگه : بنیر بنایز آمده است ، جرس خرد که بچکان بندند .

زاره : زاری کردن .

زرافه : قح ، و بر تشدید را نیز گویند .

زواله : طعامی است ، بتازی مرزوقه گویند .

له : زخان : سیخول روباہ ترکی که خار اندازد . له : زخان : نشی روباہ ترکی الخ .

له : برای عربی و هندی متبادل رک : ادات ذیل سفر و مدار ۲ : ۴۷۵ .

له : برای عین آهین معنی رک : تواس ص ۱۳۴ . له : رک : تواس ص ۱۴۵ .

له : نسخ اصل : گاوسین بجذف نان . له : گذاست در ادات .

له : تواس ص ۱۸۲ : ادات . له : رک : ادات : اما جانگیری ۱ : ۴۹۷ ماشوره فی میان تسی که برو

ریشان پیچند ، و زغنه گردوهر ریشان خام که بروک پیچند (جانگیری ۲ : ۱۴۳) بنا برین زغونه و ماشوره

یکی نیستند . له : صحاح ص ۲۷۹ : زکاره بوج و گران و ستینده . له : صحاح : زکاره ، ادات : زکاره و

زکاره هر دو . له : رک : صحاح ص ۲۷۹ . له : گذاست در نسخ اصل : ل : زلاله : بظا هر

زوالانه درست است ، رک : معین ۲ : ۱۷۱۴ .

له : در ادات زنگ و زنگه و زنگوله صورت است .

له : رک : جانگیری ۱ : ۲۴۴ ، سدید ۱ : ۴۶۳ .

له : سدید ۱ : ۴۶۳ زرافه بمعنی قح بکاره زخان ذیل عربی آمده . این کلمه در اصل عربی است رک : دستور الاخوان

ص ۳۱۷ ، مدار ۲ : ۳۶۷ ، معین ۲ : ۱۷۲۹ .

له : سدید ۱ : ۴۶۵ مدار ۲ : ۳۶۷ معین ص ۳۶۷ متبادل بکواله پیچ کشی (زخان) آمده . له : در وجه .

زردہ: اسب زردہ گویند آنکہ میان کیت و بور بود و گویند آنکہ بزرگ ادیسٹ ماند و بیشتر بہ زردی گراید.

زہرہ: تلمخہ.

زہ: بچہ و گویند آنجا کہ بچہ باشد یعنی آبستہ کہ زہدان بود و آن رحم است.

زخارہ: شاخ درخت باشد.

زچہ: نفاس.

زوارہ: نام مردی.

بہرہ: می

زمی: نزدیکی، و امر بزیستن یعنی زندگانی کن.

گونہ: شر

بہرہ: رخ

شرح: آواز جرس، و گویند آواز حزین و بانگ زار.

سہ: جہانگیری ۱: ۹۹۸ زردہ ابی را گویند کہ رنگ آن زرد بود: نسجہ: زردہ رنگ اسب و گویند الخ.

سہ: مویہ ۲: ۹۳: کیت چیزی کہ بہ سیاهی ماند.

سہ: جہانگیری ۲: ۱۹۳۱: بور اسب سرخ رنگ.

سہ: کذاست در اصل؛ ممکن است اوکن باشد.

سہ: رک: مویہ ۱: ۳۶۵.

سہ: رک: ادات و مویہ ۱: ۳۶۵ و مدار ۲: ۳۹۵-۳۹۶.

سہ: رک: مویہ ۱: ۹۴، معین ۱: ۱۸.

سہ: مویہ ۱: ۳۶۳، مدار ۲: ۳۶۳، نیز رک: زخارہ، مدار ۲: ۳۶۵.

سہ: جہانگیری ۱: ۷۲۵: زچہ عورت نو زائیدہ را گویند تا چہل زور.

سہ: دستور الاخوان ص ۱۴۴ النفاس: زاج شدن و زاجی: زاج زنی کہ تازہ زائیدہ.

سہ: زوارہ برادر رستم بود، رک: جہانگیری ۲: ۲۰۱۷.

سہ: نسجہ اصل کن، ندارد؛ اما رک: معین ۲: ۱۷۶۶؛ ناگفتہ نگذریم کہ جہانگیری ۲: ۲۲۹۴ زی باؤل

مفتوح بمعنی جان و زندگانی.

بہنہ است خیزومی آزادی چراغ زی: تا بر جہنیم گوہر شادی رنگ می

سہ: فرس ص ۷۹، ص ۶۶: خرخ بانگ زار و حزین باشد، نیز رک: توس ص ۱۹۰. در ادات و جہانفضل

و مویہ ۱: ۴۶۶: خرخ بافخ بارہ گوشت کہ بر تن مردم برآید، ٹول، ہندوستان، ویدای ہن آواز حزین فرخ است.

بهره 'دو'

ژرد^۱: بسیار خوردن.

ژند^۲: چیزی عظیم و منکر بود، هم ازین پیل را ژنده پیل گویند و پاره نیز گویند.

ژند ژند^۳: پاره پاره.

ژکور^۴: زفت یعنی نخیل و پیچیده و دزد باشد، بعضی بزای عربی گویند.

ژغار^۵: بانگ سمناک.

بهره 'ش'

ژاژ^۱: هر سبزه که باشد بی مزه، و [سخن] بهیوده را گویند، و رستن^۲ خاردار و خیش خود روی.

بهره 'ف'

ژرف^۱: قهر و علق و غور، در فردوسی: عظیم و دور اندر بود چون مخاکی و چاهی، و معنی باریک.

بهره 'ن'

ژریان^۱: تیز تند خشم آوده، و بیشتر باشیر و از دما ویل و دده و مانند آن استعمال کنند.

له رک: ادات، مویده: ۴۶۷: ژند پُر خوی.

له ادات: ژند بازای فارسی چیزی عظیم و منکر و چیزی نیکو کن شده.

له ژنده نیز بمعنی عظیم و بزرگ است، پس ژنده پیل بمعنی پیل عظیم و بزرگ بود، و این لقب شیخ احمد جام است.

له رک: مدار ۲: ۴۰۵. شه رک: ایضا.

له رک: فرس ص ۱۳۹، قواس ص ۹۵، صحاح ص ۱۰۴.

له رک: قواس ص ۹۵. شه ادات: گزته، مدار ۲: ۴۰۴: پیچیده روی.

له رک: مویده ۱۱: ۴۶۶.

له ادات: ژغار نمره و فریاد و قیل بازای فارسی بانگ سمناک. نیز رک: ژغار در قواس ص ۱۶۹.

له صحاح ص ۱۳۷: ژاژ و بمعنی دارد، اول گیاهی باشد تلخ که تیره و دوح از وی سازند، دوم سخن پزبان و یا فزود.

له در مویده ۱: ۴۶۷ این بمعنی سجاول قنیه آمده.

له این عبارت در سنن^۱ ال یافته نمی شود.

له ادات و مویده ۱: ۴۶۷: ژرف بن چاه که عرب آنرا غور خوانند و مخاک که دور اندر بود و عرب آنرا عمیق خوانند و بمعنی باریک.

له مراد فرنگ نهدوی که تباب است.

له گزشت در سنن^۱ اصل اما رک: صحاح ص ۲۴۴ و ادات و مویده ۱: ۴۶۸.

بهره 'ه'

ژاله: سنگ باران یعنی تگرگ، و قطره باشد که با دانه از خنکی بر چیزها نشیند و مشک باد و میدهد که در وقت آشنا کردن در آب بر خود گیرند و آنرا سناهی خوانند.
ژنده: کشته گشته و ستر.
ژولیده: یکدیگر آمیخته و گرد آورده.

بهره 'ی'

ژی: آبگیر و آب دان.

گونه 'س'

بهره 'الف'

سروا: حدیث.

سینا: سوراخ کننده. و نام آن کوه که خدای عزوجل بامتر موسی علیه السلام بران کلام کرد.
سالت: خراج و گزیده.

- له رک: صحاح ص ۲۷۹، ادات هوید ۱: ۴۶۸. له از باشد تا مشک در سنا اصل افتادگی دارد.
له گذاشت در ادات دمید و دارد ۲: ۴۰۴. له صحاح ص ۲۷۹: ژنده جامه دریده و کسن گشته.
له ادات: ژولیده یکدیگر آمیخته و بدست مایده شده، جاگیری ۲: ۲۰۲: ژولیدن یعنی پریشان شدن و درهم رفتن. له رک: دارد ۲: ۴۰۵.
له رک: فرس ص ۵۱۷، قواس ص ۳۵، صحاح ص ۳۰۳.
له رک: فرس ص ۷، صحاح ص ۲۵، قواس ص ۱۹۳.
له سینا یعنی سوراخ کننده در دستور ص ۱۶۱، ادات، بحر الفضائل، هوید الفضائل ۱: ۴۷۰ ذیل عربی بر بان و غیره یافته می شود؛ اما این اشتباه است، این کلمه باید سنا باشد اسم مصدر از مصدر سنبیدن بمعنی سوراخ کردن، رک: حاشیه بر بان نوشته محمد حسین، نیز مصدر دستور الفاصل بعلم نگارنده این سطور ص ۳۴. له معنی طور سنا، و این کلمه عربی است نه فارسی با سنین مفتوح.
له صحاح ص ۲۴: سا خراج باشد، صبحی:
تا همنه ز روم لاجرم شاهان گیتی همه زیر باج و ساکردی
ساوای نیز بهین معنی آمده.
له گزیده و گزیت بمعنی خراج و جزیه است:
گر دهن از لقب نخواهد مرید معده ز دندان نستاند گزید
رک: جاگیری ۱: ۱۲۱۴.

ستایش

سودا: اندیشه و خیال.

سکینه: نان خورش که گوشت با سرکه می کنند.

سمیرا: آلت گرامی.

سارا: خالص، گویند [ورق ۱۵۳] عنبر سارا یعنی خالص و سپید.

بهره 'ب'

سدا ب: و آن گیاهی است مثل پودنه که دایگان عورت حاطر را از بهر اسقاط دهند، و نیز آنرا

آش می کنند و بالای نان خورش می اندازند.

سیب: معروف (است).

بهره 'ت'

سرشت: مایه طبع یعنی آفرینش.

سپست: بیزه که تنه ندارد، و بتازی رطب گویند و بعضی گویند بکسر بای پارس.

سموت: فزاک زین.

سویست: غلط.

سوغات: ره آورد.

سفت: کتف یعنی دوش.

۱ رک: ادات و جاگیری ۱: ۶۶۹. ۲ رک: ادات و مدار ۲: ۴۸۲.

۳ رک: ادات و مویده ۱: ۴۷۱ و مدار ۲: ۴۹۶: سمیرا آلت حتام.

۴ نسخ: اصل: گرد، اما قواسص ۱۸۵: گرامی و تانگو و توگو یعنی حجام.

۵ ادات: سارا نام حرم ابراهیم علیه السلام و نومی از عنبر خالص، نیز رک: مویده ۱: ۴۷۱.

۶ رک: مویده ۱: ۴۷۰ ذیل عربی: جاگیری ۱: ۷۹۹ سدا ب را عربی و فارسی هر دو نوشته.

۷ ل: سبب. ۸ رک: قواسص ص ۱۸، دستور ص ۱۵۰.

۹ رک: ادات و مویده ۱: ۴۷۴ و جاگیری ۱: ۶۳۸.

۱۰ نکذاست در ادوات و مویده: اما جاگیری: رطب. — و از زمین ... بدین باران و سپست رویانیدم

زیتون رویانیدم، تفسیر کبیرج، حاشیه جاگیری.

۱۱ رک: ادات و مویده ۱: ۴۷۵. ۱۲ رک: ادات و مویده ۱: ۴۷۵ و جاگیری ۲: ۲۰۳۳.

۱۳ نکذا ترکی است. رک: مویده ۱: ۴۷۶. ۱۴ همین معنی در رشیدی درج شده.

۱۵ ادات و مویده ۱: ۴۷۵، مدار ۲: ۴۷۳.

ساخت: دوآل رکاب.

بهره 'ج'

سارنج: شاربک.

سارنج: مرغی است ضعیف و کوچک.

سارنج: مرغ کنبه خوارک.

سج: رخ و رخساره.

سج: سرین.

سغج: تنگی نفس، و بفتح سین نیز گویند و بعضی بحمیم پاری نیز گویند.

سغج: خربزه خرد نارسیده که آزار بشکنند و در آن شراب خورند و سیکن، و بعضی بحمیم پاری گویند.

سینج: چیزی عاریت، و گویند سپنجی یعنی عاریتی.

له کذاست در مویده: ۴۷۴، اما جاگیری: ۳۵۵: ساخت بند و بارزین.

له ادات: ساراج جانوریت پرند، اهل هند آنرا شاربک خوانند الخ، ازین شاید قیاس کرد که شاربک کلمه هندی است.

له رک: جهانگیری: ۳۸۹، شاربک نام جانوری که آنرا شاربک نیز گویند: ۳۸۸: شارب جانوریت مانند طوطی و در دیار هند وستان بسیار است و آنرا شاربک و شارو نیز گویند، ۵۳۹: ساراج جانوریت خوش آواز و آن را سار نیز خوانند، ۳۵۷: سار جانوری است خوش آواز الخ. ازین توضیحات واضح می شود که سار و ساراج و شار و شاربک و شارو مترادف اند.

له جهانگیری: ۳۶۰: ساراج مرغیت کوچک و ضعیف و سیاه رنگ که در آذربائیجان سوران گویند.

له جهانگیری: ۳۵۴: ساراج ماده مرغ کنبه خواره. له رک: ادات و هار: ۴۴۰: جهانگیری: ۷۱۱.

له کذاست در ادات و مویده: ۴۷۴؛ هار: ۴۹۹: ایرادی دارد بر صاحب مویده. جهانگیری و معین و سنج را بدین معنی نیاورده، اما رک: سررأسیلیانی ص ۱۳۶.

له رک: قواسم ص ۱۶۱، مویده: ۴۷۴، جهانگیری: ۱۸۴۴.

له رک: جهانگیری.

له صحاح ص ۵۷: سغج خربزه نارسیده باشد و در ماوراءالنهر آنرا بشکنند و از آن شراب خورند، نیز رک: سغج: در زلفان سغج را بدین طور شیخ کرده: سغج خربزه خام یعنی خربزه نارسیده باشد که بدان شراب خورند و سغج نیز گویند، در بعضی فرسنگ سغج و سغج مرقوم است، رک: هار: ۴۷۴؛ مویده: ۴۷۶.

له سیکنی یعنی شراب مثلث.

له رک: قواسم ص ۱۳۲، صحاح ص ۵۳.

بهره 'ج'

سج: نعت یعنی حفره کردن و سچه حفره زده، بر زیر زمین آکنده و چون خانه نیز باشد.

بهره 'خ'

ستخ: راست ایستاده یعنی چیزی راست بقدر چون ستون و قد و قامت و مانند آن.
سناخ: راست.

بهره 'و'

سرود: شعر و نظم بر زبان عجم، و اسدی بذال مجله گوید، سرود نیز گویند.
سرنه: میاهمی دراز است میان آب که در پای آویزد و ریسمانی که در بازیمای پای اندازند و مفتح را نیز گویند و بعضی سرید میا گویند.
سفرود: سنگ خوارک و آن مرغی است.
سابود: طوق ماه یعنی خرمن ماه.
سند: حرام زاده که از کوی برگیرند.
سپهبد: سپه سالار.
سجده: سرمای سخت تا اگر کسی را سرمازند گویند سجد شده و مسجد و گویند روزی سجاید یعنی نیک مرد میشود، و بعضی بشین مجله گویند.

-
- له: فرس ص ۶۷، قواس ص ۱۲۱، صحاح ص ۵۳، مجمع عربی و موید ۱: ۴۷۷، باجم فارسی. نیز رک: مدار ۲: ۴۹۳.
له: نسخ اصل نقت ندارد. له: رک: صحاح ص ۶۶، ادات، موید ۱: ۴۷۷.
له: کذا در نسخ اصل: اما در نسخ دال، نیامده، نیز این کلمه در مراجع بنده دیده نشد. جهانگیری ۶۷۰ شاخ درخت نوچه.
له: رک: فرس ص ۱۰۷، قواس ص ۱۰، صحاح ص ۹۰، دستور ص ۱۵۸. له: قواس و دستور: بزبان پارسی.
له: چون در سرود ما قبل دال، الف است و بقاعده تقریب میان دال و ذال و بیجا ذال باشد نه دال.
له: صحاح ص ۹۰: سرود سماع و شعر. له: نسخ اصل ندارد. له: رک: قواس ص ۵۷، دستور ص ۱۶۰.
له: برای این معنی رک: ادات و موید ۱: ۴۷۹-۴۸۰. له: رک: موید ۱: ۴۸۰.
له: قواس ص ۲۰، دستور ص ۱۶۰: سفرود سنگ خواره.
له: رک: ادات، موید ۱: ۴۷۸، جهانگیری ۱: ۳۵۳-۳۵۴. در هر سفره بنگ باعتبار معنی رستی که اطفال بدان بازی کنند، مترادف سرنه است، نیز رک: جهانگیری ۱: ۱۳۰، جعفری سلو و بالا ماه.
له: رک: قواس ص ۹۳. له: رک: صحاح ص ۹۰.
له: ادات، و در موید ۱: ۴۷۹، همه مندرجات بحواله زبان گویا آمده.

ستاوند: صفه بزند.

سجده: میوه است، تازی [۱۵۴] عتاب گویند، طریق کنار باشد، گرد و خرد و سرخ چون انگشت خود و آزار اسجد جیلان و سجده میلان گویند.

ستود: ستایش و درود.

سپرد: تحمل و گوشه نشینی و فروتنی.

سمند: اسب که رنگ او بسیاهی و زردی زند، و گویند آنکه رنگ و موی او بزرودی زند و فشن و ذنب او سیاه باشد.

سبید: سازی است بر شکل نای و نام حصاری در ایران زمین.

ساد: ساده.

مهره در

سپهر: آسمان.

سکار: انگشت افروخته، و در فرسنگنامه است: سکار طعایست، گویند ماییده.

سنار: زمینی که آب او تنک بود و بگل نزدیک و کشتی را بگیرد و بایستد.

۱ رک: اداوت و مویده: ۴۷۹. ۲ رک: اداوت و مویده: ۴۸۰.

۳ اداوت: مثل کنار، مویده: مانند کنار، و کنار بالضم و التشدید میوه در غایت شمرت (مویده: ۲: ۱۰۳).

۴ مدار: ۲: ۵۰۰: سجده میلان (صح جیلان) و سجده میلان یعنی عتاب، مویده: ۲: ۱۶: عتاب بالضم و التشدید سجده جیلان و آن میوه ایست مانند کنار، گرد و لعل بود، به انگشتان خوابان او را تشبیه کنند.

۵ مویده: ۱: ۴۷۹ همین معانی بوجه زلفان آمده.

۶ اداوت: سپرد بابای فارسی گوشه نشینی و قناعت و تحمل و فروتنی و راه سلوک.

۷ در اصل نیامده. ۸ شغل: رنگ اسب که بسیاهی و زردی زند و فشن و دم او سیاه باشد.

۹ رک: مدار: ۲: ۴۹۵. ۱۰ فشن بالفتح دم است و بالضم موی گردن اسب (مویده: ۲: ۵۶)

۱۱ ذنب یعنی دم ایضا.

۱۲ مدار: ۲: ۴۲۸: سبید سازی است بر شکل نای و نام حصاری در ایران زمین، جعفری پبیز نام قلعه و کوی الخ.

۱۳ رک: مدار: ۲: ۴۰۹. ۱۴ رک: قواسص ص ۱۸.

۱۵ در بعضی فرسنگنامه مانند اداوت و شرفنامه و مدار و سروری و برهان و غیره سکار و سکار مترادف قرار داده شده

و حال آنکه سکار یعنی انگشت افروخته و سکار و بعضی ماییده باشد. رک: مقاله بنده، تعصیفات و لغات

فارسی جلد ۱ علوم اسلامیه ۱۹۶۷ م ص ۴۶. ۱۶ رک: فرس ص ۱۲۶، قواسص ص ۳۲، صحاح ص ۱۰۸.

سائر: فلک یعنی خامه .

سائر: شارک .

سرسته: بکفشی که از پیشینه و موی و ریسمان سازند .

سار: مانده ، و جایی [و] سارک را نیز گویند .

سمر: مالء خرد آمار .

سنگور: بادریسه دوک و در اسدی است که مرغی است .

سمندر: مرغی یا جانوری که در آتش باشد و نسوزد ، و گویند موش آتشکده و از پوست او روای

می سازند ، ریم و چربش دومی کنند و چون ریکین مگردد در آتش اندازند . ریم او بسود

و او [سلامت] بماند ، و بلغتی سمندر و سمندر نیز گویند .

سبار: چرخ انگور مال و کاو آهن که بدان زمین زری پاره کنند ، بسندوی پتالی گویند ، و بعضی

فرهنگیان بکسر سین گویند .

له : رک : قواس ص ۵۷ ، ادات ، مویده : ۴۸۴ .

له : مویده : ۴۸۲ و مدار ۲ : ۴۱۳ : ساسر یعنی سارج ؛ و سارج یعنی شارک ، رک : زبان .

له : مویده : ۴۸۴ سر بالغم یعنی مذکور دهن آمده . له : نسخه اصل : آن .

له : رک : ادات . له : قواس ص ۸۵ : سان و سار آساکل را گویند الخ . مانده نگون سار .

له : مثل در کلمه کو سار و مانده آن .

له : قواس ص ۶۳ : سارج و سار : شارک . صحاح ص ۱۸۲ : شاگ و سارک پرنده .

له : 'باز نیز گویند' از روی نسخه ل افزوده شده .

له : مویده : ۴۸۵ : سمر بالفتح ثانی و مشد مفتوح مالء آمار . ادات : مالء آمار که ملوک و اکابر و صدور

پوشند . اما مالء دست افزار جولا به و آمار مانده می است .

له : قواس ص ۱۸۴ : سنکرک و سنگور بادریه ، مدار ۲ : ۵۰۵ سنگور بادریه دوک ، هندش پهرکی

نامند و آن راشنگرف ، سنکرک ، شوکلک نیز گویند .

له : زبان : بادریه آنچه ریسمان بر دوک کنند ... و آنرا بتازی فلک گویند ؛ مقدمه الادب ص ۳۲۵ :

فلک بادریه .

له : در نسخه لغت فارس اسدی این لفظ شامل نیست .

له : رک : ادات .

له : که است در ادات . له : رک : ادات ، نیز جعفری ص ۲۷۱ .

له : نسخه اصل : سبالی ؛ ادات : بهال .

سر سیر: قوس الله که نادانان کمان رستم گویند، و سریر بتازی سخت و کرسی است.
 سفر: جانوریت که بر پشت او تیرها باشد، و بتازی سفر خانه گذاشتن و بجای رفتن.
 میر: شش نیم درم سنگ.
 میر: ضد گرسنه و وزنی است معین و آن شش نیم درم سنگ است. در زمین بالا دست
 و در بلاد ما هتقاد و دو درم سنگ است.
 سینب: عقی که بگوشش ماند و گویند گیاهی است خوشبو که زهر کرشمه خود آورد.
 سوفار: حروف که در تیر باشد.
 سپیدار: درخت [ورق ۱۵۵] است بار ندارد.
 ستور: اسب.
 سالار: بزرگ و سر قوم و صاحب.
 ساعر: پیاله.
 سفر: جانوریت چون سگی میان باشد، خار یا برتن او رسته بود چو کمان، آنرا میندازد و
 همچو تیر بر هر که قصد گرفتن او کند.

بهره نر

سپرز: عضوی از اعضای درونی، آنکه بسند وی تلی گویند.
 سپرز: بیای پاری، تیر که از کمان بالا بفرستند، و بعضی بیای عربی گویند.

- له: ادوات: سر بر قوس الله که جملای عرب قوس قزح و فارسیان کمان رستم خوانند.
 له: در ادوات و زلفان سفر و سفره و همین معنی، اما واضح است که یکی آنها تصحیف است. رک: مویده: ۲: ۴۷۵.
 له: رک: مدار: ۲: ۵۲۲. له: رک: مویده: ۱: ۴۸۶. مدار: در خراسان چهل سیر یک من.
 له: نسخ: اصل: سیر، اما رک: ادوات و مویده: ۲: ۵۲۴. له: نسخ: اصل: بگوشه.
 له: ادوات: سوفار دبان تیر. له: مویده: ۱: ۴۸۳: ستور اسب و چار دای دیگر.
 له: ادوات: سالار بزرگ و سر قوم و دیگره یعنی لشکر. له: نسخ: اصل: سر قوم بخفت قوم آمده.
 له: صحاح ص ۱۰۸: سفر جانوریت از سگ کوچکتر و خارهای چو تیر دارد، نیز رک: معسر در همین فرهنگ.
 له: رک: ادوات و مدار: ۲: ۴۳۱.
 له: درباره قرائت کلمه اختلاف است، قواسم ص ۱۷۲، مویده: ۱: ۴۸۷، برهان ص ۱۲۵ سیز (بیای)
 یعنی تیز. نیز همین است در ادوات، و بظاهر درست همین است.
 له: از روی 'ال' افزوده شد، اما معنی کلمه سیر تیز است، رک: برهان، رسیدی و غیره.

ستیزه: ستیزه بخذف با، و آن ستیش است.
سرز: مال.

مهره: س

سوس: بیای پاری، غفلت، و سوسیت بتانیز گویند.
سالوس: فریبنده و مزور.

سکس: بیای پاری، قوس الله تعالی.
سبوس: استغول.

سپاس: منت و در استعالی بضم سین می آید.
سادیس: چیزی که درو پنب نهند و بدان جنگ کنند.

سپس: پس و پستر.
سندروس: مهره ایست معروف و از آن روغن نیز سازند.
سوس: درختی است.

سرپاش: نخت باشد و آن عمودی است که آلت جنگ است.

ل این واژه و واژه بعد از نسخ 'ال' افزوده شد. طه اصل: شاهش: اما رک: مویده ۴۸۸، معین
ستیهیدن یعنی ستیزیدن آورده (۲: ۱۸۳۸). طه جهانگیری ۱: ۱۰۲۲. سرز مال را گویند که بتایان بر آن
گج و آبک و کنگل بر دیوار مانند، نیز رک: مدار ۲: ۵۷. طه رک: مویده ۱: ۴۸۸.

طه رک: مویده ۱: ۴۷۵. طه رک: مویده ۱: ۴۸۸. طه ادات: سکس مانند کان ملون که در ایام
بشکال بر آسمان بر آید و عرب آنرا قوس الله و قوس قزح و پاریسیان کمان رستم خوانند.

طه کذاست در ادات الفضلا مویده ۱: ۴۸۸، و در مویده بگفته زفان سپس نوشته.

طه کذاست در ادات الفضلا. طه ادات: سادیس و آن پنب آئنده که از آن سلاح سازند در جنگ.

طه ادات: سندروس چوبی که روغن از او کشند. طه برای این معنی رک: مویده ۱: ۴۸۸.

طه رک: ادات، و در مویده ذیل عربی (۱: ۴۸۷) آمده: سوس در مشرقا مدیعی درختی و در زفان گویاست بمعنی سوسها
و گیاهی که بوند و منطقی گویند. و اضی نسخ زفان که نزد صاحب مویده بود، از نسخ حاضر متفاوت بوده است.

طه نسخ اصل: سرپاش؛ قواس ص ۱۷۰، سرپاش، مویده ۱: ۴۸۸-۸۹ و برهان ص ۱۱۶ سرپاس و سرپاش
هر دو بمعنی آلت جنگ نوشته. اما در فرس ص ۱۹۱، ادات، جهانگیری ۱: ۳۵۷، رشیدی ص ۸۳۸ فقط

سرپاس (بسین مملد). طه قواس ص ۱۷۰: نخت عمودی باشد که بدان جنگ کنند، درین فرهنگ سرپاش
از نخت جدا بیان نموده، نیز رک: ادات. طه ازین پس نسخ 'ال' افتادگی دارد.

مهره 'ش'

سروش: فرشته، و در بعضی فرهنگهاست: مترجمن علیه السلام، و سروش بهایز گویند، و سروش به خدمت ارم است.

سیرش: دامن زمان و بعضی نسخ بای ش موحدت پاری یعنی سپرش.
سوشش: آهن ریزه و جز آن، و براده هم آزا گویند، هندوی 'لچن'.
سرشش: معروف [است].

ستایشش: دعای نیکو و آفرین.

مهره 'غ'

سماروغ: رستینه است که تخم ندارد و از جایگاه غضن و شوره و نمناک روید چون مزبله با، و پسگوی
جوسها و چاهها و دیوار گرمابه و شورشانا و جز آن، سپید مانند چتر، خلق آزا چتر مار خوانند،
و گوهی کعبه نیز خوانندش هندوی سائیکه چتر، و زماروغ برای نیز گویند.

سپرغ: بای پاری، خوشه های انگور پر بار، و بفتح سین و سکون بای پاری نیز گویند.
ستاع: بکره اسب شیر خواره زین ناکرده، و گویند ستاع شتر شیر آور [درق ۱۵۶] و جز آن است
و سروغ را نیز گویند.

۱. رک: قواس ص ۶. ۲. ادات و مویده ۱: ۴۸۹ سروش فرشته و جبرئیل علیه السلام؛ صحاح ص

۱۵۳: سروش نام جبرئیل است علیه السلام خصوصاً و نام فرشته عموماً. ۳. رک: مویده ۱: ۵۱۲.

۴. رک: مدار ۲: ۴۶۵ و معین ۵: ۷۵۲. ۵. کذاست در مویده ۱: ۴۸۹.

۶. همین است در ادات. ۷. رک: ادات و مویده ۱: ۴۸۹. ۸. رک: ادات.

۹. رک: مویده ایضاً. ۱۰. رک: ایضاً. ۱۱. رک: ادات.

۱۲. کذاست در ادات و مویده ۱: ۴۹۰. ۱۳. مویده: کسوه.

۱۴. تصحیح این کلمه میسر نشد. ۱۵. رک: مدار ۲: ۳۸۳، جهانگیری ۲: ۱۷۰۵، ۱۷۰۹.

۱۶. رک: فرس، و قواس ص ۴۹ و صحاح ص ۱۶۳ و ادات و غیره.

۱۷. این تلفظ در جای دیگر بنظر نیامده.

۱۸. رک: فرس ص ۲۳۷، صحاح ص ۱۶۳، قواس ص ۷۳، مویده ۱: ۴۹، مدار ۲: ۳۳۷.

۱۹. نسخه اصل: نازین کرده.

۲۰. رک: قاس ص ۷۴، دستور ص ۱۶۱، ادات.

۲۱. بحر الفضائل: شیر دلادر؛ بظاہر این تصحیف شیر آور باشد.

۲۲. مویده ۱: ۴۹۰ این معنی را بحواله ادات نوشته اما در نسخ ادات که نزد بنده است این معنی یافت نمی شود.

سغ^{له}: پوشش گنبد و سقف بی تیر و گدازه چون گنبد و سرون گاد، و بعضی اول کبسر گویند و بعضی بفتح.
سینغ^{له}: راست ایستادن بقدر چون ستون و مانند آن و آسمان را نیز گویند.

مهره 'ف'

سرف^{له}: درد مگو که از سر زبوی و اصح بضم سین است.
مهره^{له}: ک.

سنگ^{له}: تصغیر سنگ، ژاله باشد آنکه مگر گویند.

سیک^{له}: زردی کشت.

سولک^{له}: نیز، زردی کشت.

سارنگ^{له}: پشته^{له}.

سترک^{له}: بزرگ و ستیخته و بوج و تند و بزرگ جسته گویند و خشتناک، و بعضی بکاف پارسی گویند.

سونانک^{له}: نفس بینی، بعضی سونانک گویند.

سپک^{له}: کتخ شیر، و بفتح سین نیز گویند و درین لغت معنی دوم هلمک است.

سنکرک^{له}: بادریسه دوک و سنکو^{له} نیز گویند. سپتاک^{له}: سپیده، و بفتح سین نیز گویند.

له: رک: قواس ص ۱۲۲، ادات، موبد ۱: ۴۹۰، هار ۲: ۴۷۱. هـ: صفحی تحت پوشش بام، موبد ۱، هار: گزاره.

له: گزاره: موبد بحواله ادات. هـ: رک: شیخ درجهین فرنگ، هـ: رک: ادات و موبد ۱: ۴۹۰.

له: رک: موبد ۱: ۴۹۱.

له: گزاره: در ادات، اما قواس ص ۵۵ و در موبد ۱: ۴۹۴ سنگ بمعنی شنگ یعنی کلا و نیز آمده.

له: رک: قواس ص ۵۵، موبد ۱: ۴۹۴.

له: رک: ایضاً، در قواس ص ۵۵ سیلک بمعنی زردی کشت آمده.

له: رک: قواس ص ۶۷. لله نسخه اصل: پشته.

له: رک: هار ۲: ۴۳۸، سترک و سترک هر دو.

له: قواس ص ۱۶۱: سوناک؛ ادات، موبد ۱: ۴۹۴، سروری ص ۷۶۶، جهانگیری ۲: ۲۰۴۲،

رشیدی ص ۱۸۹۲، ایران ص ۱۱۹۳: سونانک نفسی که بینی بر آید. اما سونانک مورد تأکید قرار نمی گیرد.

له: ادات و موبد ۱: ۴۹۳: سپک فتح جیم فارسی هلمک که عرب آنرا فواق خوانند و آن مشیر که بدو دوشند.

له: قواس ص ۱۶۱: سپک: هلمک. زقان هلمک دم بالا، هلمک تصغیر هلمک است.

له: قواس ص ۱۸۴: سنکرک و سنکور: بادریسه.

له: در موبد ۱: ۴۹۴ سنکوک بحواله ادات آمده اما رک: سرزمینی ص ۱۳۳.

له: رک: قواس ص ۱۸۶، ادات و موبد ۱: ۴۹۳.

سرک^۱: سپیده و سرخی.
 سرک^۲: بضم سین، حصه است.
 سنک^۳: شاخ نوکه از بن ریاحین و درخت روید.
 سروتک^۴: شورش، و در فرنگ نام سروتک افتاده است و بعضی سروتوک گویند.
 سرشک^۵: آزاد درختی است که گلهاش سپید بود و لطیف و کوچک، بر سخی گراید و مثل قطره اش باریک از باران و آب چشم که بخیزی رسد، گویند سرشک آب.
 سلک^۶: ناودان یعنی موری، و بعضی سلک گویند.
 سباروک^۷: بوا و پارسی، کبوتر و بعضی بضم سین و بآئی عربی گویند.
 سینگ^۸: کرم گندم خوار و بعضی این کرم را سینگ خوانند.
 سنک^۹: مشک و آن نام غده ایست که بپندوی بتوره خوانند و بعضی بکسرین و بعضی سنک گویند و در نسخ و سنگل کرده است.
 سینگ^{۱۰}: کرم گندم.
 سیامک^{۱۱}: نام پسر کبوتر است.

-
۱. قواس ص ۱۸۶: سرک سرخی و سپیده. ۲. قواس ص ۱۶۳: سرک حصه.
 ۳. رک: ادات و مویده ۱: ۴۹۳، دار ۲: ۳۷۴.
 ۴. رک: ادات و مویده ۱: ۴۹۳، دار ۲: ۳۶۵، مویده: سروتک و سلیمانی ص ۳۳: سروتک و سروتک و سروتک.
 ۵. شایه فرنگ قواس مراد باشد ۳. دار: سروک، مویده: سروتک.
 ۶. رک: ادات و مویده ۱: ۴۹۳، صحاح ص ۱۸۱: سرشک چند معنی دارد، اول اشک، دوم درختی است در نواحی بلخ برگش چون ارغوان باشد و گاه بلون بنفشه ماند و گاه سفید باشد، سوم گل باشد سرخ، چهارم قطره باران.
 ۷. رک: مویده ۱: ۴۹۴. ۸. رک: ادات و مویده ۱: ۴۹۳ (سماروک غلط چاپی)، عه رک: سلیمانی ص ۳۳.
 ۹. ادات: سینگ کرم گندم خوار که اهل هند آنرا گهن خوانند.
 ۱۰. قواس ص ۶۴: سینگ کرم گندم خوار.
 ۱۱. قواس ص ۵۵: سلک مشک، ادات: سینگ کرم گندم خوار و نام غده ایست که آنرا سینگ خوانند و اهل هند کلاد و بتوره گویند، رک: مویده ۱: ۴۹۴، دار ۲: ۵۰۴، بظاهر کلاه درست سلک است.
 ۱۲. در فرنگهای که مراجع آمده اند، این دو صورت دیده نشد.
 ۱۳. سیامک نام پسر کبوتر است که بردست دیو کشته شد، نام پهلوان تورانی، نام کوهی (معین ۵: ۸۳۴).

سکته: رعنائی و بهتری.

سوسکه: تیهو.

بهره بگ.

سزنگ: پستی است سخت لعل.

سوک: مصیبت و تعزیت.

بهره نل.

سینول: روباه ترکی که خار اندازد.

سندل: کفش.

سفال: معروف [ورق ۱۵۷] که از گل پخته بود، و استخوان جوی یعنی خسته جوی و فندق و پسته و مانند آن.

سگال: اندیشه و حیل، و کرده گفت است، گویند: بد سگال بد گوشتی و بد اندیش.

سبل: ملتی است و آن آنست که موی بر دیده برمی آید.

سنبیل: گیاهی است خوشبوی بخط نسبت کنند، و در فردوسی است: سنبیل ریحان گویند، بمندوی آرزو چهره گویند.

سل: داغ. سکل: گیاهی است که در جامه آویزد و بعضی سکل گویند.

له: رک: ادوات و مویده: ۴۹۲ (ذیل عربی) له: رک: ادوات و مویده: ۴۹۴.

له: کذاست در اصل؛ اما ادوات: سزنگ: پستی است سخت لعل.

له: ادوات واد وکاف بر دورا فارسی نوشته. له: رک: ادوات و مویده: ۴۹۷.

له: رک: قواصص ۱۵۵. له: رک: ادوات و مویده: ۴۹۶.

له: برای این معنی رک: مدار: ۴۸۶. له: کذاست در اصل؛ بظاهر این درست نیست زیرا سگال امر است.

له: در زبان سگالیدن یعنی اندیشیدن و خواستن است، پس بد سگال یعنی بد اندیش و بد خواه درست باشد.

له: رک: مویده: ۴۹۵ (ذیل عربی)؛ این کلمه عربی است اگرچه در ادوات شامل است، رک: دستور الاخوان ص ۳۳.

له: رک: ادوات و مویده: ۴۹۶ (ذیل عربی).

له: مویده نیز بگفته فردوسی نقل نموده. له: کذاست در ادوات، اما در مویده: بال چهره.

له: در مدار: ۴۸۷ سل یعنی داغ بواله مسکنده در رج شده.

له: رک: مویده: ۴۹۶.

له: رک: ادوات؛ بعضی سکل نوشته اند، رک: مدار: ۴۸۳.

مهره 'م'

سیام: [کوهی است] در مادر و المنر [که] این مقنع بدروغ از آن ماه برآورده بود و آن ماه را ماه سیام و ماه کاشغور و ماه نخب و ماه مقنع و ماه کش نیز گویند که چهار شهر را روشن کردی. ستیم: ریش که بر دسرما زند و بیاسام، و غرقواش گفته است؛ ستیم سرما که بر ریش زند و بیاسام و در استی آمده است: آن ریم که بر جراحت گاه فراهم آید و خون درو پر گردد، استیم نیز گویند. ستام: ساخت اسبان و استران که از سیم یا از زر بود.

سوتام: اندک و بعضی بواد پاری گویند.
سم: خانه که زیر زمین کنده و راست کرده باشند.
سنگم: کریمیت که می پرد.
سیم: نوعی از ساز بزرگتری است که بکن گویند.
سرسام: علقی است یعنی خلل دماغ.
سهم: سیم و ترس و هیت.
سلم: نام پسر سیدون.

مهره 'ن'

سان: مانند و رسم و سنی که بدان کار و جز آن تیز کنند.

ل در ادات همان تفصیل است که در متن آمده؛ اما این از قول مؤلفان متفاوت است. رک: مجمل التواریخ و انقص ص ۲۳۵، تاریخ بخارا ص ۷۷، نیز جاگیری ذیل نخب و سیام.

ل رک: ادات. ل رک: قواسم ص ۱۶۴.

ل در نسخ پادشاهان ص ۹۴ آمده: ستیم آن آب بود که در ریش جراحت بود، اول خون بود پس ریم گردد، ستیم خوانندش.

ل رک: ادات و قواسم ص ۱۷۵.

ل صحاح ص ۲۲۲: سوتام بزبان طوسی اندک و کوچک باشد، فرخی:

آنچه کردست و آنچه خواهد کرد: سخت اندک نماید و سوتام

ل رک: صحاح ص ۲۲۱. ل رک: موید: ۱: ۴۹۸.

ل رک: ایضاً. ل نسخ اصل: بزرگری.

ل رک: معین ۲: ۱۹۶۳. ل رک: معین ۵: ۷۹۰.

ل رک: ادات و موید: ۱: ۵۰۰. ل نسخ اصل: ریم.

سترون: نازاینده و آن زنی است که از زادن باز ماند یعنی عقیمه و استردن کبیر همزه نیر گویند.
 ستودان: خانه ای باشد که گبران گورستان خود کنند و مردگان را آنجا نهند.
 سفین: نام ولایتی که آنجا مشک و غویان باشند.
 سوزیان: سرمایہ و غنوار.

سمان: بیت و معتم روز از ماه.

سوی: آبدان سگ یعنی او شگ.

ساوین: سیدی که درو پنبه کنند.

سرشکوان: پرده عروس و جز آن [ورق ۱۵۸] یعنی مجله، و بضم کاف نیز گویند. و سرشکون هم آمده است.

ساربان: شتر بان، ساروان نیز گویند.

له: رک: ادات و مویده: ۵۰۱.

له: کذاست در ادات.

له: رک: فرس ص ۳۵۶، قواس ص ۱۳۰.

له: رک: ادات و مویده: ۵۰۳ و مدار ۲: ۴۷۴. اما خط ای بدین نام در ترکستان دیده نشد. در حدود العالم این نام مطلق نیست اما در مقدمه بار تولد ص ۳۱۰ شهری بنام سفین آمده: کلمه شایسته شکل اصلی سفین است، جزایانوسان در ده مغول آرا شهری می گفتند در کنار رود بزرگ و معمولاً آن را با دو کلمه بلغاریجای آوردند. نیز رک: حاشیه ص ۳۱۰. در مویده الفضل سفین را از سفین جدا قرار داده.

له: نسخا اصل: سوزبان اما ادات و مویده: ۵۰۴؛ جاگیری ۲: ۲۰۲۷ سوزیان یعنی نفع و سود، زرومربای: سخن راز، مرکشی، غنوار، ارمخان آورده.

له: رک: ادات و مویده: ۵۰۴.

له: قواس ص ۱۳۹، مویده: ۵۰۴، مدار ۲: ۵۱۵: سویان آبدان (آبدستان) سنگ؛ اما ادات و رشیدی ص ۸۹۳، بریان ص ۱۱۹۳ سویان آبدان سنگ. جاگیری ۲: ۲۰۳۳ سویان یعنی دیگ و چوب و کار آمده مترادف آورده اند.

له: کذاست در اصل؛ ممکن است آورده. آوند یعنی ظرف است، رک: جاگیری ۱: ۱۶۲. آبدستان که در قواس است یعنی آفتاب.

له: رک: قواس ص ۱۳۳.

له: رک: قواس ص ۱۵۷ و جاگیری ۱: ۱۰۳۴.

له: رک: مویده: ۵۰۰.

سامان^ش: اندازه و حد و در خورد و قرار و پذیرفت .
 مسرین^ش: یکسر و ضم سین ، نای ترکی است .
 سرو^ش: آنچه از بالای رانها باشد یعنی سرین و بضم نیز گویند ، و درین لغت شاخ نیز باشد .
 سوبان^ش: بدانچه آهمن براده کنند .
 سالیون^ش: تخم کرفش کوهی .
 سمنگان : نام شهری در توران^ش زمین .
 ساسان^ش: نام مردی [که ملوک عجم از تخمه او] بودند .
 سائکین^ش: پیاله و خمره .
 سندان^ش: بدانچه آهمن کوبند .

مبهره 'و'

ساد^ش: باج که از سوداگران ستانند و خراج و مرسوم ، و خالص و سونش زر و جزآن و زر خلاصه .

- ۱ رک : اداات و مویده : ۱ : ۵۰۰ ، مویده ۲ : ۱۸۱ : اما در جاگیر ۱ : ۳۶۸ - ۳۶۹ : سامان یعنی اندازه
 کار ، میسر ، قرار و آرام ، قصب و شهر ، مفت و عصمت ، قوت و قدرت ، نشان گاه مرز .
 ۲ نسخ اصل : برگین : اما رک : قواسص ۱۷۵ ، اداات ، مدار ۲ : ۶۰۰ ، جاگیر ۱ : ۲۵۰ ، در آخر الذکر
 و در بیت از فردوسی شاه آمده .
 ۳ رک : صحاح ص ۲۴۵ ، مویده ۱ : ۵۰۳ ، مدار ۲ : ۴۶۶ .
 ۴ معلوم نیست کدام است . اما برای معنی شاخ رک : مویده و مدار .
 ۵ اداات : سوبان آن آهمن دراز و کش که بدان خشونت از آهمن دیگر برند و پیکان و اشال آن نیز کنند .
 ۶ رک : اداات ، مویده ۱ : ۵۰۰ ، مدار ۲ : ۱۷۷ .
 ۷ کذاست در اداات و مدار ۲ : ۴۹۵ ، جاگیر ۲ : ۱۷۱۲ . سنگان شهری است در افغانستان میان
 خلم و مزار شریف و بلخ . همین شهر است که بروایت شامنامه رستم تمیمنه دختر سنگان را بزی گرفت و
 سهراب ازین پیوند متولد شد .
 ۸ ساسان از نجیبای فارس بود ، بایک پسر اوست ، و خاندان ساسانی بدو منسوب است ، رک : سین
 ۷۰۰ : ۵ .
 ۹ سائکین و سائکین بر دو قدحی باشد که بدان شهاب خورند ، جاگیر ۱ : ۳۵۴ .
 ۱۰ اداات : سندان آنچه بر آهمن و زر و دس ، اشال آن کوبند .
 ۱۱ قواسص ص ۱۱۰ ساد یعنی باز و خراج نوشته و ص ۱۷۹ یعنی سونش آورده . اداات ساد را بسائی
 مذکور در متن بجز خالص نوشته .

سکارو: پاتش پخته نان و جزآن ، و بعضی بفتح سین گویند.
 سکارو: انگشت و آن طعامی است چنانکه انگشت و بعضی بکسر سین گویند، و ستم نیز گویند.
 سکو: بدانچه غله افشانند که بازی آنرا مدری گویند.
 ساسو: نام مردی.
 سرو: درختی است هموار و بلند، و آن چند گونه است چون پیاده و ساده و سی و سرو و جبار.
 سفندو: طعامی است.

بهره ده

سامه: سوگند و عید.
 سده: دهم روز از بهمن ماه، و آن جشن معان است.
 سنگچ: ژاله.
 سرویس: قوس الله که آنرا نادانان کمان رستم گویند.
 سسم: مال خرد که بدان آहार کنند.
 سفره: بفتح و ضم غین، روباہ ترکی که خار اندازد.

- س: رک: قواس ص ۱۴۳، ادات و مویده: ۵۰۷.
 س: قواس ص ۱۴۴: سکارو، انگشت، چکال خست مایده. س: برهان ص ۱۷۷: انگشت چنگالی و مایده.
 س: انگشت عروس بجای المشرق نام در مویده: ۵۰۷ آمده.
 س: کذاست در اصل: اما ستمو در ادات و مویده: ۵۰۷ طعام آشامیدنی است، نیز رک: دار ۲: ۴۹۶.
 س: رک: مویده: ۵۰۷، دار ۲: ۴۸۴، جابگیری: ۲: ۱۵۲۶.
 س: نسخ اصل: بذری، رک: مویده و جابگیری. س: رک: مویده: ۵۰۶، دار ۲: ۴۱۳.
 س: دار ۲: ۴۶۴ سرو را سر نوع بیان کرده سرو آزاد، سرو ناز، سرو سی، نیز رک: سیلانی ۱۴۸، جعفری ۲۸۷.
 س: رک: مویده: ۵۰۷، دار ۲: ۴۷۲: برهان یعنی سفندو نوشته چوب روده با گوشت و مصالح پر کرده باشد.
 س: رک: ادات و مویده: ۵۱۰، س: رک: ادات.
 س: ادات: سنگچ، کات و جیم هر دو فارسی ژاله.
 س: قواس ص ۲۲: سرویس کمان: اما ادات: سرویس کمان رستم یعنی قوس قزح، نیز رک: مویده: ۵۱۲، دار ۲: ۴۹۶، جابگیری: ۱: ۳۶۵ و غیره.
 س: رک: ادات و زغان (ذیل سیر) س: ایضاً.
 س: رک: قواس ص ۱۸۳.
 س: رک: ادات، مویده: ۵۱۲ اشتباهاً سفند، نیز رک: سفره در زغان و ادات.

سماخچه: سینه بند زنان، و بضم سین نیز گویند.
 سفیحه: خربزه خام یعنی خربزه نارسیده باشد که بدان شراب خورند و سفیج بغیر از آن نیز گویند،
 و در فرهنگنامه آمده که آنرا سبز کالک نیز گویند.
 سفته: سوراخ کرده مردارید و بسته و جز آن.
 سپاسه: منت [ورق ۱۵۹] نمادان بر کس.
 سیکله: فواق یعنی هلک، بکسر سین نیز گویند.
 سوخته: خضی یعنی جامه پاره سوخته، و هر چه وی را سوختگی و درد رسیده باشد.
 سنبه: آلت تیز کردن آسیا برای آس کردن و در بعضی فرهنگنامه است: سنبه میتین
 آنکه آسیا برد و آنرا گرد بر آسیا زنه نیز گویند.
 سنیره: فی که بدان تنسته بافند یعنی در آن تنسته در کشند.
 سنده: بجای حرامزاده و آنکه از کوی برگیرند.
 سرخده: حسب، علت دیدگی که بچکان [را] برون آید، و در فرهنگنامه است [ن] افاده است.

۱. رک: قواسص ۱۵۰، ادات، مویده ۵۱۳.
 ۲. رک: قواسص ۴۹، ادات، مویده ۵۱۳. ۳. کالک خربزه نارسیده، جعفری ۳۸۱.
 ۳. مویده ۵۱۳ سفته باضم حلقه زرین و سمن و آهمنین و امثال آن که در گوش نهند، و هر چه سوراخ کرده بود از مردارید و بسته و جز آن الخ.
 ۴. رک: ادات و مویده ۵۱۰. ۵. رک: قواسص ص ۱۷۷.
 ۶. رک: قواسص ذیل هک و هکک. ۷. رک: قواسص ص ۱۷۷.
 ۸. زفان: خف رکوی سوخته یعنی پاره جامه سوخته.
 ۹. در مویده ۵۱۴، این معنی بجای زفان آورده شده.
 ۱۰. رک: ادات و مویده ایضا. ۱۱. رک: ادات و مویده ۵۱۳.
 ۱۲. زفان: میتین کنند و آن تبری است که بدان چاهها و زمین کنند و کنند خوانند، و سبل را نیز میتین گویند. ۱۳. ادات و مویده: سنبه گرد برخیا م.
 ۱۴. آلتی آهمنین یا فولادین که سنگ آسیا را بدان تیز کنند.
 ۱۵. رک: ادات و مویده ۵۱۴. ۱۶. رک: ادات و مویده ۵۱۳؛ نیز رک: سند در همین فرهنگ.
 ۱۷. قواسص ص ۱۶۳ سرخده. اما رک: ادات؛ مویده ۵۱۲، سرخچه، جاگیری ۱: ۱۰۱۹؛ سرخده، سرخچه، سرخه، سرخه بهمن معنی. ۱۸. معلوم نشد که کدام فرهنگ مراد است. بطن غالب سرخه که در اصل است تصحیف است. ۱۹. یک کلمه افادگی دارد.

ستنبه: بوج و ستینده و گویند ستنبه دیوی است که در خواب مردم را فرود گیرد.
سخته: آماده.

سیده: گله اسبان.

ساده: سونش زریعی ریزه زر، و نام قصبه.

ساره: چادر که هندو پوشند.

سنه: لعنت، و بعضی بشین میگویند.

سبوشه: سبوس گندم.

سراینده: سرود گوی.

سخره: بیکاری و لاغ.

سرپوشه: سرپوش چون دامن و جز آن.

سکیزنده: اسب و ستور برجسته

سباده: سنگی که بدان تیز کنند سلاح را، گویند سنگ سباده

سرواله: کاپی است که نوک دارد.

سکرفنده: اسب در سر آینه و سکرفیده نیز گویند.

له ادا ت و مویده: ۵۱۱: ستنبه ستینده، و آن دیوی که در خواب الخ. نیز رک: جاگیری: ۶۸۱.

اما صاحب ص ۲۸۰ ستنبه یعنی مرد قوی بازو آمده. له رک: ادا ت و مویده: ۵۱۲.

له رک: ادا ت و مویده: ۵۱۵ (قول صاحب مویده که در ادا ت با کاف است درست نیست).

له رک: ادا ت و مویده: ۵۱۰ و ۴۲۰. ه رک: ادا ت و مویده: ۵۱۰.

له مویده: ۵۱۴: سنه بالغه لعنت، و قیل باشین قرشت و بالضم زن پسر. له رک: مویده: ۵۱۱. هار

۱: ۴۲۹. شه رک: قوا س ص ۱۵۰، ادا ت، مویده: ۵۱۲

له رک: قوا س و مویده: ۵۱۳، اسم فاعل از مصدر سکیزیدن یعنی برجستن ستور.

له رک: ادا ت، و مویده این معنی بحواله زن ان نوشته.

له رک: هار ۲: ۴۲۳.

له رک: مویده: ۵۱۲.

له مویده: سکرفنده و سکرفیده اسب سر آینه که فی زغان گویا.

له اصل: است.

ستوه: ناخوشی طبع، گویند ستوه آمده است یعنی تنگ آورده، و استوه نیز گویند.
سوک: سوراخ آلت.

سپاه: لشکر، و اسپاه بکسر همزه است و در اصطلاح سپاه، بضم سین گویند.
سوده: کنه و مالیده.

سره: پاکیزه و راست و بی عیب.

سکاجه: آنکه تازی آنرا کاپوس گویند.

سکنه: کرد بر، بتازی بیرم گویند.

سنجه: وزن چون درم و مثقال و سیر، و نام شخص.

ستاره: قیامت که برای خفتن زنند، و نام سازی از جنس رباب، و دفشده آسمان و آستانه.

سغبه: [...] و چیزی فریفته.

سرسچ: کجشک خرد که بتازی احرار اس گویند.

له رک: ادات، در مویده ۵۱۱: ستوه بکسریم و فتح دوم معنی رنجور بحواله زغان نوشته، حالانکه در دهستان بر وزن کوه آمده.

له ستوه آمدن نیز محاوره است چنانکه در بیت زیر از بوستان:

زمین از تب لرزه آمد ستوه فرد کوفت بر دانش میخ کوه

له ادات سوک سوراخ بن و سوراخ آلت. له رک: ادات.

له رک: مدار ۲: ۴۳۰. له مویده ۵۱۴: سوده نیک کنه و زده و مالیده شده.

له مویده ۵۱۲: سره به معنی شعله حریر سپید که افی زغان گویا و تفسیر و در ادات و غیره معنی

راست و بی عیب و پاکیزه؛ و اضما صاحب مویده در بردن نام زغان اشتباه کرده.

له سکاجه یعنی سنبه است، مویده ۵۱۳. و در آخر الذکر سنبه و کاپوس (عربی) مترادف (۵۱۱: ۵۱۱)

له رک: ادات و مویده ۵۱۳.

له نسخ اصل: مگره بر؛ مویده: کرد بر بخار، کرد بر اشکنه یا برمای درودگری، مویده ۲: ۱۰۲.

له دستور الاخوان ص ۱۱۹: البریم: سکنه.

له ادات: سنجه آن سنگ که بدان وزن کنند چون درم و مثقال و نام شخص

له جانیگری ۲: ۱۸۴۳: سنجه نام دیو مازندرانی. له ادات و مویده ۵۱۱

له سرمه سیلانی ۱۵۰ آستان در.

له در اصل کرم خورده و ناخوانا، رک: مدار ۲: ۴۷۲، جانیگری ۲: ۱۴۳۶: سغبه فریفته و چیزی خوب.

له مویده ۵۱۲: سرسچ پرنده است سیاه دم دراز نول، تاریش صوه، رک: مدار.

ستاه: نام پرده ایست در سرود.
 سبوسه: پوست گندم که در بختن بردن می آید و بغا علی که در (ورق ۱۶۰) سر می شود.
 سته: رنجور.
 ستوده: مدح کرده.
 سفینه: کسی را چیزی بجائی بدهند و جایگاه دیگر بازستانند، بسندوی آنرا هستی می گویند.
 سامانه: پرنده ایست.
 سارچه: شارک.
 سسه: رنگ آب.

بهره می

ساستی: گدای.
 سمارتی: کشتی آب.
 ساسی: ساینده و [امراز] سودن.
 سپری: تمام شده یعنی بسر رسیده، و نیز جنسی [از تیری] معروف بی پیکان آهستی.
 سوری: نام گلیست.
 سبزی: سخنی و رنج و درد.
 سیکی: شراب مثلث.

-
- له: همین معنی در مویده: ۵۱۱ بحواله زفان درج شده.
 له: جاگیری ص ۵۹۲ سبوسه مردم هندوستان بغا گویند، رک مدار ۲: ۲۹۹ علی که در مر باشد.
 له: در مویده: ۵۱۱ سته (چاپی محذوف) یعنی رنجور بحواله زفان نوشته شده.
 له: رک: ادات و مویده: ۵۱۳ (سته غلط چاپی)
 له: کذاست در مویده. له: رک: مویده: ۵۱۳. له: مویده: ۵۱۰.
 له: رک: مویده: ۵۱۳.
 له: رک: قواس ص ۹۴، دستور ص ۱۶۱. له: رک: قواس ص ۱۷۸، ادات، مویده: ۵۱۸.
 له: رک: ادات و مویده: ۵۱۶.
 له: ادات: سوری نام گلی است که بی پیکان تشبیه کنند.
 له: رک: ادات و مویده: ۵۱۸. سبزی. این واژه، مثل سپری، سبزی، سبزی آمده، دکتر معین سبزی را درست می دانند. برای تفصیل رک: حاشیه برهان و جعفری ص ۲۹۳ قس حاشیه ص ۲۹۴.

سایری : جامه ایست تنگ .
 سگری : نام کوه رستم دستان است ، ایشان را سگریان گفتندی .
 سمرنای : نای ترکی .
 سپوزی : روغن کنجد .

گونه 'ش' بهره 'الف'

شفا : تیردان و ترکش ، و بعضی فرہنگیان بفتح شین گویند .
 شکیبا : صبوری .

شیدا : دیوانه و والد .
 شوا : ریم اندام و خوشگی دست و پا .

بهره 'ب'

شوب : دستار .

له : کذاست در اصل ؛ اما میاید : ۵۱۵ : سایری ؛ در ادات حرف سوم و مضع نیست ؛ مدار ۲ : ۳۷۷ :

له : ادات : سگری نام کوه رستم دستان که ساکنان آن کوه را سگریان خوانند . همین معنی است در مویده
 ۱ : ۵۱۸ ، مدار ۲ : ۳۸۶ . جمائگیری ۲ : ۱۵۶۹ : سگر نام کوهی است از ولایت زابلستان میان
 کیچ و مکران ، و دریای سند از پیسوی آن گذرد ، گویند تولد رستم در آنجا واقع شده ، لذا رستم را
 سگری گویند . نسبت سگری به کوه سگر محض افسانه ایست ؛ سگری منسوب به سگرستان که سکونت
 قوم سکه بود که در تورات و کتیبه های آشوری سگر نام داشتند ، همین سگرستان بنام مختلف مانند
 سگرستان ، سگستان ، سگستان ، سگقان یاد شده ، اکنون سیستان نام دارد ، بجهت جویب
 است . (رک : فرہنگ معین ۵ : ۷۷۵) .

له : رک : ادات و مویده ۱ : ۵۱۷ . له : رک : مدار ۲ : ۵۳۳ .

له : تواس ص ۱۷۳ : شفا ترکش .

له : ادات : شیدا دیوانه ، مویده ۱ : ۵۲۰ : شیدا دیوانه و والد .

له : تواس ص ۸۴ : شوا : ریم اندام و خوشگی دست و پا ، ادات : شوا : ریم اندام و خوشگی دست و پا از کثرت
 کار ستر و سخت گردد ، اہل ہند آنرا گرہ خوانند .

له : تواس ص ۱۴۹ و ادات : شوب دستار .

ثیب: تازیانه، وفود چیزی است، و در اسدی است ثیب بای عربی و بیای پارسی
چنانکه تازیانه یعنی رشته تازیانه باشد.

ثیب و تیب: از اتباع اند یعنی فراز و نشیب، یک معنی است.

شاذاب: بذال مجمه، سیراب.

شربت: پلنگ.

شکیب: صبر و شکیبائی، نیز صبوری است.

شرب: جامه ایست از شعرهای افروشی.

بهره 'ت'

شفت^۱: پوشش خانه یعنی سقف و بلندی، و بفتح شین نیز گویند و بعضی شفت^۲ هم گویند.
شویت^۳: همان شبت.

۱. تواس ص ۱۷۶: ثیب: تازیانه، صحاح ص ۳۹ و ادات: رشته تازیانه، جاگیری ۲: ۲۳۱۴.

ثیب و ذبال تازیانه. ۳. فرس نسخ پاول بورن ص ۸: ثیب رشته تازیانه بود، معری گوید الخ.

۴. فرس این کلمه را ندارد؛ کذاست در نسخ زفان.

۵. ذس ص ۹، صحاح ص ۳۹: ثیب و تیب درگشته و مدپوش بود، رودکی:

ثیب تو بهر از و دِراز تو با ثیب ÷ فرزند آدمی تو اندر ثیب و تیب

۶. صحاح: از قبیل توابع اند. ۷. کذاست در اصل: بظا هرماند فراز و نشیب. ۸. صاحب زفان

فقط چند کلمه را بذال مجمه نوشته و حال آنکه بنا بر قاعده تفریق میان وال و ذال بزرگ کلمات ذال مجمه داشته اند.

۹. رک: مویه ۱: ۵۲۰، مدارک ۲: ۵۵۰. ۱۰. نسخ اصل: صبر. اما رک: مدارک ۲: ۵۷۵.

۱۱. رک: بحر الفضائل، مویه ۱: ۵۲۰، مدارک ۲: ۵۵۶، شعر حافظ شاد:

دامن کشان همی شد در شرب زر کشیده ÷ صدامه نوز شفتش جیب قصب دریده

۱۲. کذاست در دستور ص ۱۷۰ ح، اما تواس ص ۱۲۱، ادات، بحر الفضائل، مویه ۱: ۵۲۱، جاگیری ۱: ۲۶۷،

برهان ۱۲۵۴: شفت. ۱۳. رک: مدارک ۲: ۵۶۶، امامیت شاد که درین فرهنگ آمده، در تواس شاد

شفت است. ۱۴. ادات و بحر الفضائل: شویت فنون و علاج، پراگندگی، اما در مویه ۱: ۵۲۱ آمده

شویت بوزن شوخت فنون و علاج و شویت پراگندگی و در لسان اشعار یک معنی هر دو نقطه تصحیح کرده است،

فاما در ادات بدین طریق تمیز کرده است الخ، مدارک ۲: ۵۹۲: شویت بوزن شوخت فنون و علاج و

بفتح یکم و کسر سوم پراگندگی، و در بهترین شویت بوزن شوخت همان شملت مذکور الخ، جاگیری ۲:

۲۰۳۴: شویت فنون و علاج، ۲: ۳۰۴۱: شویت پراگندگی: نظر بنده کلمه اصل شویت است.

۱۵. شویت و شویت و شویت هم معنی اند، یعنی والان خود.

ثبت^{له} : والآن خرد.
 شست^{له} : گرفتن سوار تیز بر زه کمان ، و عددی که بتازی ستین گویند ، و دایم ماهی یعنی آهن
 ماهی گیران و نشتر رگ زنان .

بهره 'ج'

ششخا^{له}ج : گردک گلین گرد و گویند گردک گلین ، و بعضی بحیثم پارسى .
 شكنج^{له} : علتی است بهندوی بده گویند .
 شكنج^{له} : چین که بهندوی جهری گویند .

بهره 'خ'

شخ^{له} : زمین سخت برکوه و جزآن ، و مینی و باره کوه .
 شكنوخ : باواو [ورق اء ۱] پارسی کی کپایش بچیزی اندر آید و از کوچه بمراند رافتد .
 شوخ : ریم اندام و هر رمی که باشد در تن و جامه ، و بغیر واو نیز گویند شخ ، باو نیز در د و بی شرم و

له رک : ادات و بحر الفضائل و مویده ۵۲۰ : ۱ (ذیل عربی) ثبت رستنی که بندی سویا گویند و در سان اشوا
 ثبت و دلیز خود و کوچه ، مدار ۵۴۵ : ۲ : ثبت والآن خرد و رستنی همنش سویا . عه اکثر فیهلکنا : والآن .
 له رک : ادات و مویده ۵۲۱ : ۱ . له رک : ادات ، مویده ۵۲۲ : ۱ : ششخا^{له}ج گردک گلین که بتازی
 خدر نامند ، این در زبان گویاست . اما این قول صاحب زبان نیست بلکه صاحب ادات است . جملگی
 ۱۳۸۱ : ۲ : ششخان و ششمانه خیمه گرد را گویند و آنرا گنبد نیز نامند ، و معرب آن ششخا^{له}ج باشد .
 له رک : مویده ۵۲۲ : ۱ . له رک : ادات و مویده ایضاً .

له این کلمه هندی در ادات و مویده یافته می شود .

له رک : ادات و مویده ایضاً .

له فرس ص ۷۸ ، قواس ص ۳۰ ، صحاح ص ۶۷ : شخ زمین سخت برکوه ، ادات : زمین سخت
 که بی برگردد و چوک اندام و جامه . و در ادات و مویده ۵۲۲ : ۱ : سنج بهیمنی آورده شد .

له در سنخو اصل ناخوانا ، ادات : ساده کوه (ذیل سنج) ، بحر الفضائل : باره کوه ، مویده : سی
 ساده کوه ؛ معین ۲ : ۲۰۳۱ : مینی کوه ، سرکوه . اما جمالیگری ۱ : ۷۶۱ : شخ یعنی کوه یا شعار شاه آورده .

له اصل بشوخ ، صحاح ص ۶۷ : بشوخ آن باشد که پای بچیزی در افتد و مردم بسر در آیند ، گویند
 فلان کس بشوخید ؛ ادات : بشوخ لغزش و افتادگی و بسر آمدگی اسب ؛ بشوخ مشتق است
 از مصدر بشوخیدن یعنی بسر آمدن و سبیت زدن ، (زبان) .

له کذاست در اصل . له شوخ برای معنی اول رک : فرس ص ۸۰ ، قواس
 ص ۱۵۸ . له رک : مدار ص ۵۵۴ : شخ یعنی چوک اندام . له رک صحاح ص ۶۸ .

رندست .

شاماخ : نام غلایست خرد دانه چون کال .

مهره 'د'

شید : روشنی و آفتاب که مقصود از وی روشنی است ، و در فردوسی است : شید چرخ آفتاب .
شکو خید : لغزید و افتاد .

شکرد : شکست ، گویند شکرد یعنی شکنند ، شکر یعنی بشکن و شکن .

شخود : چیزی که بدان ناخن بزنند .

شمید : بی پوش [شد] .

شاورد : خرمن ماه و آفتاب ، یعنی آنک از ابرو بخار گردد ماه و آفتاب برآمده باشد .

شادورد : همان شاورد است .

شند : متعارف مرغ .

شمشاد : سین مهله هم آمده . درختی است که قدر بدان تشبیه کنند .

شاکمند : ند بزرگ که از وی برگستوان سازند .

له مویده ۱ : ۵۲۳ : شاماخ غلایست که دانه های خرد دارد چون کاکن ، هندی ش سانه خوانند .

له رک : قواسم ص ۱۳-۱۴ . له اصل بقصور ! برای همین نقره رک : ایضا .

له همین معنی است در صحاح ص ۹۱ . مویده ۱ : ۵۲۵ این معنی را بحواله زفان نوشته .

له ماضی مطلق از شکو خیدن . له ماضی مطلق از شکردن یعنی شکستن (زفان) .

له کذا در اصل ، شخود ماضی مطلق از شخودن یعنی ناخن کردن ، رک : ادات و جانگیری ۱ : ۷۶۳ .

له ازین بری آید که اسم نکره است ، اما ماضی مطلق هم چنانچه در ادات الغضلا شخود یعنی ناخن برید ، و آنچه

ناخن برید ، هر دو است . له ماضی مطلق از شمیدن بی پوش شدن ؛ قواسم ص

۱۱۰ شمشید بزم رسید و بیوشش شده . له کذا است در قواسم ص ۲۲ ، اما در فرس ص ۸۷ ،

صحاح ص ۸۰ ، مویده ۱ : ۵۲۴ و غیره ؛ شاورد . نیز رک : ادات و دستور ص ۱۷۲ .

له رک : قواسم ، ادات ، دستور و غیره . له رک : فرس ص ۹۱ ، قواسم ص ۴۴ ، صحاح ص ۸۰ .

له رک : قواسم ص ۴۷ .

له مویده ۱ : ۵۲۹ بحواله زفان نوشته که سین دوم مهله باشد ؛ اما در شرف نامه این را غلط قرار داده .

له در مویده ۱ : ۵۲۴ همین معنی بحواله زفان نقل شده .

شبلید^۱: معروف و شملت بتانیز گویند ، و آنرا بسندوی میخی گویند .

شلید^۲: همان شبلید است .

شکنده^۳: جانور است از خزندگان .

شکاد^۴: نام برادر رستم ، شهاد نیز گویند .

مهره^۵ 'ر'

شاکار^۶: بیگار که مجرب خواندش و بلغنی با حالت شین است هم بوزن بیگار .

شنار^۷: آشنای در آب کردن و جانی بود که آشنجاسی بایستد .

شبیگیر^۸: صبح و نیز شبگیر آخر شب را گویند .

شهر نور^۹: آفتاب در سبده که شهر پور ماه و چهارم روز از ماه که شهر پور روز گویند .

شمشار^{۱۰}: درختی است سخت چوب میانه بالاسخت بلند است ، پیشه واران از و آلات سازند و بلغنی شین مفتوح است .

شکر^{۱۱}: شکن یعنی شکنده ، گویند دل شکر است یعنی دل شکنده است ، و از اینجا است که پرنده درنده را شکره گویند و صید را شکار .

ش^{۱۲} : ادات : شبلید تخم معروف که اهل هند آنرا میخی گویند . ش^{۱۳} : رک : مویده ۱ : ۵۲۱ ، صورتسای دیگر شبلید و شنبلیله و شملید است . ش^{۱۴} : رک : مویده ۱ : ۵۲۵ . ش^{۱۵} : رک : ادات و مویده ۱ : ۵۲۴ و جاگیری

۲ : ۱۵۲۷ ، باین بیت شایه :

در کوی این رباط ز عقبی نشان بجوی : هرگز بود مزاج سقنقور در شکنده

ش^{۱۶} : ادات : شکاذ و شهاد هر دو صورت دارد ، اما معین ۵ : ۹۰۵ ، نام برادر رستم فقط شهاد نویسد .

ش^{۱۷} : صحاح ص ۱۰۹ : شاکار و برداتی شاه کار بیگار باشد و مجرب نیز خوانده الح . ش^{۱۸} : قواس ص ۱۰۲ ، زفان

و مویده ۲ : ۱۹۲ : مجرب خور بیگار . ش^{۱۹} : رک : مدار ۲ : ۵۳۷ . ش^{۲۰} : برای معنی اول رک : صحاح ص

۱۱۰ ، اما جاگیری ۲ : ۱۸۵۲ شنار بهی شنار نوشته . ش^{۲۱} : اما رک : ادات و مویده ۱ : ۵۲۹ ، مدار ۲ :

۵۸۳ . ش^{۲۲} : ادات : شبگیر صبح و پیش از صبح ، متاخران یعنی رفتن استعمال کنند ، رک : جاگیری ۱ : ۱۰۱ .

ش^{۲۳} : رک : مدار ۲ : ۵۹۳ .

ش^{۲۴} : رک : ادات و مویده ۱ : ۵۲۸ که مندرجات هر دو عیناً بر طبق قن باشد .

ش^{۲۵} : در ادات و مویده نیست . ش^{۲۶} : تا این جا در سنو'ال' افتادگی دارد .

ش^{۲۷} : امر از مصدر شکردن یعنی شکنستن .

ش^{۲۸} : مویده ۱ : ۵۲۸ بحواله زفان این معنی افزوده : شکر یعنی مرکش و شکنده و شکاد کن نیز

آمده کذا فی زفان گویا .

شغز^ش: گره که در اندام بسبب بسیار کار کردن افتد.
 شیار^ش: زمین پاره کردن بگا و آهن و شکافتن [ورق ۲۷۱] گویند، فلان دشت و فلان
 کوه شیار زده است.
 شاورغر^ش: ولایتی است برکنار ماوراءالنهر و از آن سوئی کافر است و دروچولایان بسیار اند.
 شمر^ش: حوض خود یعنی از آن آب که آنرا آبیگر و آبدان خوانند.
 شدیار^ش: زمین زراعت پاره کرده یعنی زمین پاره کرده و رانده بهر زراعت که بندوقی بوقی گویند
 شبهر^ش: نول صغیر.
 شبانور^ش: شب پره.
 شیمور^ش: نوعی است از بوق و شیور نیز گویند.
 شار^ش: بنای بلند و خوب و نامور.
 شلوار^ش: ازار.

شوشه^ش: موضع است در ترکستان، ششتر نیز گویند، ششتری جامه ایست که آسجافند.
 شخی^ش: قلی پشت که گار و رنگ نیز نگاه دارد، و آن چیزی است که بندوقی بقی و کهار

- شک : رک : ادات و مویده : ۵۲۸. شک : رک : صحاح ص ۱۱۱، مویده : ۵۲۹؛ شیارین
 و زمین حفت راندن (زغال). شک : رک : صحاح ص ۱۰۹، ادات، مویده : ۵۲۷.
 شک : رک : ادات و مویده. شک : رک : صحاح و ادات و مویده.
 شک : رک : فارس ص ۳۰؛ فارس ص ۲۵، صحاح ص ۱۱۱؛ شکار آلوده، مار ۲۰۲؛ ۵۵۵؛ شدیار
 و شدکار هر دو دارد. زغال : شدیارین معنی زمین پاره کردن. شک : رک : مویده : ۵۲۷؛ مار ۲۰۲؛ ۵۳۸.
 شک : نول یعنی منقار، صغر یعنی چرخ.
 شک : رک : مویده : ۵۲۷، مار ۲۰۲؛ ۵۳۴، جایگی : ۵۹۳.
 شک : رک : ادات و مویده : ۵۲۷، معین ۲۰۱؛ ۲۱۰. شک : ادات و مویده : ۵۲۷؛ شیمور.
 شک : رک : ادات : اما در صحاح ص ۱۰۹؛ ششتر یعنی نام حبش و بنای بلند و اسم پادشاه غرجهستان
 و فراج آمده، نیز رک : مویده : ۵۲۶. شک : در اصل شوشه و شستر و ششتری.
 شک : این اشتباه است؛ شوشه در غرجهستان است، شوش نیز گویند.
 شک : رک : ادات ۲۰۲؛ ۵۶۰. شک : مویده : ۸۹؛ قلی شخار که بندش سخی نامند؛
 شخوال، لگی. شک : شخوال، صابونگر، اما ادات، مویده : ۵۲۷، مار ۲۰۲؛ ۵۵۴ ←

گویند، و این را اشخار نیز گویند.
شور: آشوب و غوغا.
شاپور: نام پادشاهی شهر مصر جاح.

بهره 'ز'

شومیز: مزایع، گویند شومیز زمین پاک کرده و رانده یعنی شديار.
شوریز: همان شومیز است و نام دارونی است.
شنگویز: دارونی است که بندوقی سندی گویند، و بیای عربی نیز گویند.
شیراز: شیر که برد می دوشند، بندوقی کوچکی گویند و نام شهری است در فارس.

→ ۱. ادات، مویده، مدار، ساجی، اما در مویده ۲: ۸۹ مترادف قل (شخار) سبی نوشته و در ۱: ۳۵ ذیل اشخار ساجی دارد. ۲. شخار اصل: کلکار، برای این کلمه هندی رک: مویده ۱: ۳۵ ذیل اشخار.
۳. رک: مویده ۱: ۳۵. ۴. که است در اصل، در اصل سلسله ساسانی سرتن بدین نام پادشاهی کردند شاپور اول و دین پادشاه ساسانی (۲۴۲-۲۷۳ م)، شاپور دوم و دین پادشاه ساسانی (۳۰۹-۳۷۹ م)، شاپور سوم پسر شاپور دوم (۳۸۳-۳۸۹ م)، ساسانیان در ایران از ۲۲۴ تا ۶۵۲ م سلطنت کردند، کانون خاندان ساسانی ایالت فارس بود و پای تخت ایشان تیسفون (هامن) بود، ساسانیان حکومتی ملی تأسیس کردند که متکی بدین زردشتی و تمدنی بود که شاید از جنبه ایرانیت در مرکز تاریخ ایران نظیر نداشته است. (رک: معین ۵، ذیل ساسان و شاپور)

۲. صحاح ص ۱۱۱: شومیز (ممنوم به را) یعنی زمین شکافتن، اما اصل کلمه شومیز (باز است) "بجایگاهی افتاد شومیز کرده... اسپ از آن شومیز نتوانست آمدن" سک یکار، رک: صحاح ص ۱۱۱ حاشیه ۱. تو اس ص ۵۶: شومیز یعنی شديار و ادات: شومیز یعنی زمین که از برگشت پاره کرده باشند. جالگیری ۲: ۲۰۴۱ شومیز، شومیز، شیر بر سر یعنی زمینی که بجهت زراعت آراسته باشند، شومیز بدین معنی زراعت کردن. رک: زقان. ۳. ادات و مویده ۲: ۵۳۰ و جالگیری ۲: ۲۰۳۷ شومیز یعنی مزایع است. ۴. مویده ۲: ۵۳۰ این معنی بگفته زقان آورده. اما رک: مدار ۲: ۵۸۹. اما شومیز نام دارونی معروف است. رک: هدایت المتعین ص ۲۵۹، ۲۶۴ و غیره. ۵. بگفته رشیدی ص ۵۷ و شنگویز و شنگویل و شنگیل بوزن و معنی زنجبیل که عرب آنست. ۶. در نسخه اصل افتاده: رک: ادات و مویده ۱: ۵۳۰، مدار ۲: ۵۸۶. اما در جالگیری ۲: ۱۸۵۷: شنگویز و شنگویل یعنی شراب خرما نوشته که بندوقی سندی گویند، و معنی دیگر زنجبیل البرونی کتاب الفصیح ص ۲۰۶ می آورد: زنجبیل رطب، بالندی ادب، زنجبیل یا بس: سنده، بالفارسیه: شنگویل و ایضا زنجبیل و شنگیل: و بالفارسیه: زنجبیل، بالفارسیه: شنگیل. اما در ترجمه فارس بجای شنگویل و شنگویل: اما از صورتی دیگر مانند زنجبیل و زنجبیل می توان قیاس کرد که شنگویل نیز اصلی دارد. ۷. رک: ادات. —

بهره 'س'

شند و س: نام مردی.

بهره 'ش'

شفس: بی نداف که بدان پنبه گرد کنند.
 شفس: شاخسار هر درختی که باشد، شفس بضم شین و سکون فایز گفته، شفش بهاء نیز آمده است که شاخ درخت را گویند.

شفس: فرد غزیده بود یعنی خوریده، و پوستین و جامه کند.
 شش: پستان هست و نام عضوی معروف از شکبه.

بهره 'غ'

شغ: سرون گاو که بدان جنگ کنند، و بلغی شین مفتوح است، و شغه بهاء نیز گویند.
 شغ: آن پوست که بر تن سخت شده باشد از کار کردن.

بهره 'ف'

شگرف: کرم کشت خوار، [ورق ۱۶۳] و رنگی معروف است که بتازی زنجرف و شجرف گویند.
 شف: شب، گوئی با بقا بدل کرده اند.

— ش ادات: کو جا.

ش رک: مدار ۲: ۵۸۴.

ش رک: مویده ۱: ۵۳۱، مدار ۲: ۵۶۶. ادات: شنش؛ مویده دار "شش" را بهین معنی نوشت؛ اما جاگیری ۲: ۱۴۸۷ شفش و شش را مترادف نوشت.

ش رک: قواسص ۴۷. ش رک: مویده ۱: ۵۳۸، مدار ۲: ۵۶۷.

ش رک: ادات و مویده ۱: ۵۳۱. ش زفان: شخید لغزین و از جای فرو غزین الخ.

ش رک: ادات و مویده ۱: ۵۳۱. ش این کلمه در نشو اصل افتاده.

ش رک: قواسص ص ۱۷۳، ادات، بحر الفضائل، مویده ۱: ۵۳۲، اما در فرس ص ۲۳۵ اصلاح ص ۱۶۴: سرودی گاو.

ش رک: مدار ۲: ۵۶۴، سف. ش رک: مویده ۱: ۵۳۸. ش ل: شوخ.

ش رک: در اکثر فریهنگها مانند فرس ص ۴۹۲، قواسص ص ۸۴، ادات شخ بهین معنی آمده نه شخ.

ش رک: قواسص ص ۵۵، دستور ص ۱۷۴ و ادات و مویده ۱: ۵۳۳ برای معنی اول فقط.

ش رک: در نشو اصل افتاده، رک: مویده ۱: ۵۳۲. ش صاحب مویده این قول را بحواله زفان نقل کرده.

شگرف^۱: بزرگ و باحمت و لطافت ، و هر چیزی بود خواهی کار بود خواهی مردم ، و شکفت^۲
و زیبا [را] نیز گویند .

شندف^۳: دهل و طبل .

شکاف^۴: رخنه و شکافته .

بهره نک

شک^۵: گل سیاه و ام ، و خطاب که از دی پای بدخواهی توان کشید .

شک^۶: نابکار و جلف یعنی تهی و نادان را نیز گویند .

شک^۷: دوک و در فریبگاه ششک بفتح با [بیان] کرده است [بمعنی] دوک .

شولک^۸: گردۀ دوک .

شبتک^۹: آنکه بازی کند بر سینۀ زنند .

شوشک^{۱۰}: رباب چهار تارۀ ، و مرغی که آواز تپو گویند .

شاشک^{۱۱}: همان شوشک .

شکانک^{۱۲}: سنگدان مرغ ، و بمعنی بکسر شین گویند .

شاک^{۱۳}: بزرگ .

ش^{۱۴}: رک : فرس ص ۲۴۵ ، قواس ص ۹۸ ، ادات ، مویده ۱ : ۵۳۳ .

ش^{۱۵}: رک : مویده مدار ۲ : ۵۷۵ . ش^{۱۶}: رک : فرس ص ۲۴۶ ، قواس ص ۱۷۴ ، صحاح ص ۱۶۹ .

ش^{۱۷}: رک : قواس ص ۲۶ . ش^{۱۸}: کذاست در فرس ؛ اما قواس ص ۱۰۳ و صحاح ص ۱۸۲ : ششک ؛

مویده ۱ : ۵۳۵ ، برهان ص ۱۲۷ : ششک و ششک هر دو . ش^{۱۹}: رک : مدار ۲ : ۵۶۷ .

ش^{۲۰}: ل : ششک . ادات : ششک : دوک و گردۀ دوک .

ش^{۲۱}: رک : قواس ص ۱۸۳ : ششک : دوک .

ش^{۲۲}: رک : قواس ص ۱۸۴ ، مویده ۱ : ۵۳۵ ؛ سروری شولک : بادریشۀ دوک .

ش^{۲۳}: رک : ادات ، مویده ۱ : ۵۳۴ ، مدار ۲ : ۵۴۵ .

ش^{۲۴}: صحاح ص ۱۸۳ ؛ شوشک چهار رود یا چهار تار ؛ قواس ص ۶۱ : شوشک و شیشک تپو . ادات

و مویده ۱ : ۵۳۴-۵۳۵ . شوشک و شاشک بمعنی رباب چهار تارۀ و تپو هر دو . اما قواس ص ۱۹۰ :

شاشک و شاشک رباب چهار تار . نیز رک : قواس ص ۱۹۰ حاشی .

ش^{۲۵}: رک : ادات و مویده ۱ : ۵۳۴ . ش^{۲۶}: رک : قواس ص ۶۴ و ادات .

ش^{۲۷}: رک : قواس ص ۷۵ .

شکلک: ناودان، و بعضی فرمهایان گویند: شکلک بدوکاف در آخر: ناودان، هندی مورخی گویند: شاماگ: سینه بند.

شجک: هک یعنی هک، شجک بکسر شین نیز گویند.

شرک: حصه که آنرا بندوق سپیل گویند، و بعضی بفتح شین گویند.

شیشک: سبزرک یعنی عک و در فرنگنامه است: شیشک تیهواست.

شرک: جامه دارو، و شرک دام.

شنگ: خوشه.

شنگ: شاخ نوک از ریاحین و درخت برآید و نازک و تازه بود و خوردستان نیز گویند.

شوالک: پرندۀ است سرخ، و گویند که معنی است که هر زمان رنگ بگرداند و بتازی آن را ابو براقش گویند.

شرفاک: آواز دم شتر و است و جز آن در رفتن.

له نسخ: اصل: شنگ، ل: شکلک؛ اما رک: ادات و مویده: ۱: ۵۳۵. له همین کلمه در جاگیری ۲: ۱۶۲۶ یافت می شود. له شاماگ و شک و شاماخ و شاماگو یعنی سینه بند زنان، رک: جاگیری ۱: ۳۹۱.

له رک: ادات و مویده: ۱: ۵۳۵ و مدار: ۲: ۵۵۲، قواسص ۱۴۸ شجک یعنی کنج، اما در زنان سبک یعنی کنج است نه شجک. له رک: مویده: ۱: ۲۶۷. له رک: ادات و مویده: ۱: ۵۳۵.

له نسخ: اصل: پیل، ل: سبک؛ ادات: بودری، مویده: بودری و سپیل. له رک: مویده: ۱: ۵۳۵.

له رک: ایضا ص ۴۹۳. له زنان: بکد جانوریست که بتازیش عقق گویند، سیلانی ۱۴۳ بزرگ عک.

له رک: قواسص ۱: ۶. له رک: جاگیری ۱: ۱۰۴۲. شرک باؤل مفتوح بانی زده یعنی جامه دارد.

له شرک هر دو مفتوح یعنی دام عربی است نه فارسی، رک: دستور الاخوان ص ۳۶۴.

له رک: مویده: ۱: ۵۳۵. له رک: ادات و مویده: ۱: ۵۳۴. له مدار: ۳: ۱۸۴ خوردستان شاخ نوک: ادات خورد و دستان، مویده: خورد و دستان. له رک: مویده: ۱: ۵۳۵، مدار: ۲: ۵۸۸.

له سیلانی ۱۵۱ بویرق، مدار: بویراقش. له فرس ص ۲۹۶، صحاح ص ۱۸۲: شرفاک آواز پای مردم.

له جاگیری ۱: ۱۰۴۱: شرفاک یعنی هر آواز عموماً آواز پای را خصوصاً گویند. فرس و صحاح بدین بیت تمسک جسته: توانگر بنزدیک زن خفته بود. زن از خواب شرفاک مردم شنود

و در جاگیری ازین بیت:

تامره دل گرفت تا پاک. در طاس فلک فناد شرفاک

بنابرین معنی شرفاک که در زنان و مویده و مدار درج است محل نظر است.

له نسخ: اصل: آب.

شارک^{۱۱}: مرغی معروف.

بهره^{۱۲} بگ

شرنگ^{۱۳}: زهر، و گویند گیاه و خربزه تلخ، بفتح شین لغتی است.

شنگ^{۱۴}: درخت سرو، و شوخ و دزد را هزن و مکابره گرد و خوب.

شتانگ^{۱۵}: پاشنه پای، بتازی کعب خوانند.

شملنگ^{۱۶}: رسن تاب.

شانگ^{۱۷}: گروگان.

بهره^{۱۸} 'ل' [ورق ۱۶۴]

شنک^{۱۹}: دزد و راهزن، و بضم کاف نیز گویند.

شاغل^{۲۰}: نوعی از غله که بسند می آرهر گویند، و بعضی بضم خا گفته اند.

شمل^{۲۱}: پای اسنذر چرمین.

شکول^{۲۲}: جلدی.

شال^{۲۳}: گلمی خرد، و فخر قواش گوید: شال ندی که زیر برگستان بکشد یعنی جل نمید که در زیر برگستان کند.

۱۱ در نسخ اصل افتادگی دارد؛ از نسخ 'ل' افزوده، ادات و مراد سلیمان ۱۵۸ مرغی کوچک خوش آواز.

۱۲ قواسص ۱۴، ادات شرنگ یعنی زهر نوشته. ۱۳ رک: مدار ۲: ۵۵۹. ۱۴ مویده ۱: ۵۳۶: خربزه

تلخ، دانه خربزه تلخ. ۱۵ قواسص ۱۴: شنگ و شنگ شاخ درخت سرو؛ اما ادات،

بحر الفضائل، مویده ۱: ۵۳۶ که است در متن. اصل: شانگ. ۱۶ رک: ادات و مویده ۱

۲: ۵۸۵. ۱۷ رک: ادات و مویده ۱: ۵۳۶. ۱۸ صحاح ص ۱۹۸: کعب پای.

۱۹ رک: مویده ۱: ۵۳۶. ۲۰ در 'ل' افتادگی دارد. رک: ادات و مویده ۱: ۵۳۶، (شاهنگ اشتباه پایی)

جانبگیری ۱: ۳۹۲: شانگ چای معنی دارد، اول: گرد، گروگان، دوم: بستم و اشتم، سوم: مکروجه،

چهارم: سرکش. ۲۱ گروگان با اول مکسور میون باشد؛ یک برادر دشمن باز گرفت گروگان تا ایشان

باز آید و آن برادر کمتر بیاورند، تاریخ طبعی ص ۳۰۵. ۲۲ صحاح ص ۲۰۸: شنگل دزد.

۲۳ رک: مویده ۱: ۵۳۷. ۲۴ رک: قواسص ص ۵۶، دستور ص ۱۷۳، ادات، مویده ۱: ۵۳۷.

در قواسص و زفان کشاغل همین معنی است. ۲۵ رک: زفان ذیل کشاغل، نیز این کلمه هندی

در ادات و مویده و جانبگیری ۱: ۳۸۰ یافته می شود. ۲۶ رک: قواسص ص ۱۵۵.

۲۷ رک: قواسص ص ۱۶۸. ۲۸ رک: صحاح ص ۲۰۸. ۲۹ در قواسص این واژه افتادگی دارد. —

مهره دم

ششم: پای افزارچرین، و رمیده یعنی دم خوانده، و در فرنگنامه است: ششم بضم پای افزار مسافران آذربایجان است.

ششم: آفت که از سرما رسیده و جز آن، و سرمای سخت.
ششم: ماهی است سیگون یعنی نقره گون، و نام رودی است، و بعضی سین مطلق گویند.
ششم: گیاهی است معروف، بتازی آزارفت گویند، بسندی کونگلو گویند.

مهره ان

شتران: باران تند، و رای مشدد نیز آمده است.

شان: زنبور خانه.

شایگان: مال بسیار و گنج فراوان، آنگاه علم گشت گنج خسرو پرویز را، و از معابد اشعار آنکه جمع آوردن برای قافیه مفرد چنانکه در قافیه آسمان و زمان و مردگان.

نمونه ۱: ۵۳۷: شال گیم خرد و ندی که زیر برگسوان بود.

برای معنی اول رک: فرس ص ۳۴۰، قواس ص ۱۵۶، صحاح ص ۲۲۲.

نسخه اصل: پای افزار خوریده یعنی دم خوانده؛ صحاح ص ۲۲۲: ششم بفتح ریدن بود چنانکه گویند ششم یعنی رم الخ، جابگیری ۲: ۱۷۱۴؛ ششم اول مفتوح یعنی رم و آشفته و پریشان، از مصدر شیدن یعنی ریدن. ششم معلوم نیست که کدام فرنگنامه است، اما در صحاح آمده: ششم بضم شین پای افزار مسافران بود، روستای آذر بایسان نیز دارند و آزار چایخ گویند. جابگیری است: برکی چارق.

فرس ص ۳۴۵، صحاح ص ۲۲۲: ششم یعنی سرمای سخت، مویه ۱: ۵۳۸ و مدار ۲: ۵۵۲ ششم برده یعنی.

فرس ص ۳۴۸، قواس ص ۶۸، صحاح ص ۲۲۲ یعنی اول.

ادات: ششم نام رودی است و ماهی سیگون.

رک: مویه ۱: ۵۳۸. ششم یعنی بج گیاهی است خوردنی. رک: دستور الاخوان ۵۳۹.

ادات و مدار ۲: ۵۷۶، مویه ۱: ۵۳۸: کنگلو.

رک: قواس ص ۱۹، دستور ص ۱۷۲. ششم رک: مویه ۱: ۵۴۰.

رک: قواس ص ۲۰. ششم گنج بزرگی که لایق شایگان بود (جابگیری ۱: ۴۰۵)

رک: ایضاً.

نسخه اصل: آرد؛ این شایگان حل است و شایگان غنی الف و نونی بود که در آخر کلمات

بعن فاعل آید چون گردان و خندان بازبان و کمان قافیه کردن، رک: ایضاً.

اصل: مرده.

شش^۱: ششی که از او پت سازند.

شیون: ماتم و زاری.

شمن: بت پرست.

شاپن^۲: جانوری معروف که صید گیرد، و دسته ترازو.

شیان^۳: جزا و مکافات.

شگون^۴: جانوری از جنس شگالان است، و بعضی بضع شین گویند.

شروان: نام ولایتی.

شکن: پیچ یعنی خم در هر چه افتد.

شوتن^۵: نام مردی.

شابران^۶: نام ولایتی.

شادروان^۷: بساط و پرده که بزرگ باشد.

مهره^۸ 'و'

شیشو^۹: تیسو.

شاشو^{۱۰}: گیاهی است، تخم او بدارو کار آید.

۱ رک: ادات و موبد ۱: ۵۴۲، مدار ۲: ۵۸۳.

۲ موبد بندی سننی نوشته. اما از ادات واضح می شود که سنی فارسی است. مدار ششی کذا در متن.

۳ ادات و موبد: ریسمان سازند.

۴ صحاح ص ۲۳۸: شاپن یعنی دسته ترازو و جانور شکاری؛ اما در موبد ۱: ۵۳۸ و مدار ۲:

۵۴۲ عربی دانسته شده.

۵ رک: صحاح ص ۲۳۷.

۶ قواسم ص ۷۶: شگون جانور است. ادات: شگون نوعی از شگالان، نیز رک: موبد ۱: ۵۴۱

و مدار ۲: ۵۷۴.

۷ رک: ادات ۱، موبد ۱: ۵۴۲، مدار ۲: ۵۸۸. ممکنست پشوتن پسر شتاب باشد.

۸ ادات و موبد ۱: ۵۳۹: شابران نام ولایتی است و نام شهری. نیز رک: لغت نامه دهخدا

ذیلی شابران. رک: قواسم ص ۱۵۷.

۹ موبد ۱: ۵۳۸ این معنی بحواله قنیه نوشته. بظاہر قنیه چنان از زبان نقل نموده.

۱۰ رک: ادات و مدار ۲: ۵۹۹-۶۰۰. رک: ادات و موبد ۱: ۵۳۳.

- شکافه: زخم که بدان رود زند.
- شخانه: مرغی است مقدار غیلواز، چهار رنگ دارد.
- شخولیده: پژمرده.
- شکوه: حشمت یعنی بزرگی بسیار، میکیل و قوت و مهابت.
- شکوه: محلت خود را گویند. و بعضی شکوه دینه نشیب را گویند چنانکه کلات دینه بلند را گویند.
- شوره [ورق ۵۶]: خجل و بعضی بفتح شین گویند.
- شیشله: سست.
- شنوشه: عطسه، و بلغتی سین دوم مهله آمده است.
- شوکاسه: ژاله.
- شته: انگور، دشینه را نیز شته گویند، بسین مهله نیز آمده است.
- شیدانه: عتاب و آن میوه است، فندق نیز گویند.
- شکوخیده: اسی که در سر آید و جز آن چهار پایان؛ و شکوخده نیز گویند و درست تر گویند.
-
- له: رک: ادات و مویده: ۵۳۸. له: رک: ادات و مویده: ۵۴۸ و مدار: ۳: ۵۶۶.
- له: در ادات و مویده و مدار: بزرگتر از غیلواز. له: ادات و مدار: سرو چهار رنگ دارد.
- له: رک: ادات و مویده: ۵۴۷ و جعفری، شخولیده اسم مفعول است از شخولیدن که در ادات و زمان یعنی صغیر زدن و چیزی بناخن کردن است. پس معنی آن باید صغیر زده و بناخن کنده باشد.
- له: رک: قواسص ۸۵، ادات، مویده: ۵۳۸، مدار: ۳: ۵۷۴.
- له: ادات و مویده: میکیل با مهابت و قوت. له: رک: ادات، مویده و مدار.
- له: رک: مدار: ۲: ۵۷۴. له: رک: ادات و مویده: ۵۳۹. له: رک: ادات و مویده: ۵۵۰.
- له: رک: فرس ص ۴۹۰، صحاح ص ۲۸۲. اما در قواسص ص ۱۶۶: ششور.
- له: رک: قواسص ص ۲۱، ادات، مویده: ۵۴۷.
- له: برای معنی اول رک: قواسص ص ۴۹ و برای هر دو معنی رک: ادات و مویده: ۵۴۷ و مدار: ۲: ۵۵۲.
- له: رک: قواسص ص ۵۲، ادات و مویده: ۵۳۹.
- له: قواسص ص ۷۳ و ادات و بریان ص ۱۳۸۲: شکوخده. اما مویده: ۵۴۸ شکوخیده مانند من دارد. ادات شکوخیده یعنی اسی بسر آمده نوشته.
- له: نسخ: اصل: شکوخده.

شینه: آواز اسب و اشینه نیز گویند.
 شیه: آواز اسب و اشیه بجزه نیز.
 شینه: گره که در پای افتد.
 شمنده: بوی ناک یعنی بوئی که از اندام مردم آید و بفتح شین نیز گویند.
 شاپیده: صالح.
 شیده: بیم زده و بیوش شده.
 شله: جامه عورت یعنی جامه ای که در مشرگاه عورت باشد، و سرگین دان و جای خاک و لمبیدی بود در کویها.

شیشه: دیوانه مزاج.
 شانه: کاشانه کوبی، کاف حذف کرده اند، و شانه خانه زنبوران شده را گویند، و آلت چوبین معروف که موی را بدان از یکدیگر جدا کنند.
 شمه: چربی سرشیر که بندوقی ملائی خوانند و بتخفیف نیز خوانده اند.

له: رک: قوس ص ۳۷، قواس ص ۷۳، صحاح ص ۲۸۲. له: رنحو اصل نیست، از رنحو ال افزوده شد.
 له: رک: قواس ص ۷۳، ادات، مویده: ۱: ۵۵۰، مدار: ۲: ۶۰۲.
 له: رک: قواس ص ۸۴، نیز رک: همین فرینگ زبان ذیل شغ و شخر.
 له: اصل: کرده. له: رک: ادات و مویده: ۱: ۵۴۹. له: رنحو اصل نیامده؛ اضافه از روی رنحو ال.
 له: ادات و مدار: ۲: ۵۴۲: شاپنده و شاپیده نیکوکار، اما مویده: ۱: ۵۴۶: شاپنده نیکوکار و صالح.
 له: ادات: شمیده بیم زده و بیوش؛ اما مویده: ۱: ۵۴۹: شمنده بیم معنی آمده.
 له: قوس ص ۴۲۹ و قواس ص ۸۹ و ادات: شله بمعنی مشرگاه زنان آورده.
 له: برای معنی دوم رک: صحاح ص ۲۸۲ و ادات. اما در مویده: ۱: ۵۴۹ بجای شله شنگ آمده و مخاش بگفته زبان نوشته.
 له: رک: قواس و صحاح ص ۲۸۲.

له: مدار: ۲: ۵۳۸: شانه بمعنی کاشانه و خانه زنبوران نوشته، و مویده: ۱: ۵۴۸ بگفته زبان معنی این واژه آورده. قواس ص ۱۲۰، شانه: شان بمعنی خانه و زنبورخانه هر دو.
 له: در مویده: ۱: ۵۴۹ شمر بکر یکم منفع دوم شده و بتخفیف نیز آمده؛ اما در جاگیری: ۲: ۷۱۹: با اول و ثانی مفتوح و مشدود عربی است و به فارسی بتخفیف، و گذشته در مدار: ۲: ۵۸۲ و برهان.
 له: قواس ص ۱۴۸: چربی شیر.

له: این کلمه متبادل در ادات و مویده و جاگیری موجود است.

شنگله: ریشه داسنی و خوشه و شنگله تکه را گویند یعنی دانه انگور.
 شاره: جامه لعل و تنک [که] گرد شمع کشند تا باد نکشد.

شکاه: تیردان.

شاه: مرد آشنا کننده.

شوشه: سونش و ریزه.

شرزه: جنسی از دوگان است، و گویند شرزه شرزه شیر را گویند که در دهم او مار باشد.
 شکافته: کافه.

شکاونه: کاونده یعنی نباشش، و او را گورشکاونه نیز گویند.

له: قواس ص ۱۵۰: شنگله ریشه، ادات: شنگله با کاف فارسی دانه انگور و ریشه داسنی اموید؛
 ۵۴۹ شنگله یعنی ریشه داسنی، مدار ۲: ۵۸۶: شنگله ریشه و ریشه یعنی ریشه دستار، جاگیری
 ص ۱۸۵۸ شنگله به معنی ریشه دستار و خوشه؛ و برای معنی خوشه بیت ناهر خرو آورده:
 درخت نر با صد خشک خار دارد زشت: اگر دو شنگله خرمای خوب تر دارد.

له: تکه و تمکس دانه انگور باشد. رک: قواس ص ۵۰.

له: رک: قواس ص ۱۵۲-۱۵۳، در موید ۱: ۵۴۶ علاوه نموده: شاره جامه است لعل رنگ
 مخصوص پوشش اهل هند. در زقان و مدار ۲: ۴۱۲، ۵۳۵ برای پوشش هند ساره آمده نه شاره.
 اما در صحاح ص ۲۸۱ شاره یعنی دستار و چادری مخصوص به اهل هند آمده و از بیت بنجک تمک
 جسته، و در جاگیری ۱: ۳۸۹-۳۹۰ شاره اول یعنی دستار اهل هند و دوم چادر رنگین که زنان
 از آن لباس سازند سوم به معنی کمره فانوس و برای معنی اول دویست فردوسی شاره آمده. نیز
 رک: بهیقی ص ۴۱۷: "صد غلام هند و صد کنیز که هند و بغایت نیکو و شاره های قیمتی پوشیده".

له: رک: ادات و موید ۱: ۵۴۸، ۵۵۰ ادات: شناه آشناگر در آب، اما در صحاح ص ۲۸۲
 شناه یعنی شنا کردن در آب و آشنائه یعنی شنا کردن و شنا کننده هر دو دارد، و در موید آشنائه
 شناه و آشنائه هر دو معنی شنا کردن آمده.

له: رک: ادات و موید ۱: ۵۴۹.

له: ادات و موید ۱: ۵۴۷: شرزه درنده است غالب تر از شیر؛ صحاح ص ۲۸۱: شرزه خیر برهنه
 دندان و خشک بود. اما در جاگیری ۱: ۱۰۴۱: شرزه یعنی خشکین و پرفت و بسیار نیرو نوشته.

له: این معنی در فرسنگها دیده شد.

له: موید ۱: ۵۴۸: شکافته باطن کافه کذا فی القیة اما معنی مشهورش شده است.

له: ادات: شکاونه کاونده و هم بدین معنی کفن دزد را گورشکاونه خوانند.

له: نباشش یعنی گورشکاف و کفن دزد باشد رک: خربنگ مین ص ۴۶۱-۴۶۲.

شکوفه: شکفته نیز گویند، غنچه، بهندوی کونبلی خوانند.

شمسه: قرص که در مساجد و طاق و غیر آن می کنند.

شبه: مهره یمانی و این سیاه است، بتازی سبج و بهندوی شوه گویند.

شاه: بزرگ و آشکارا، و ازینجا است که جهاندار و جهانبان را پادشاه گویند و مهره همین

شطرنج راسه گویند و راه کشاده [را] که بسیار راهها ازو گشاید و عامه و حشلق

دران بگذرند شاه راه گویند، و داماد از انکه وی را عزیز و بزرگ [درق ۶۶ ا]

دارند شاه گویند، و نیز شاه نام جامه است که از هندوستان آرند.

شخوده: بناخن کنده و خلیه.

شکرنده: اسب که در سر آید.

له مویده: ۵۴۸- شکفته برگ و گل دبان بسته که از شاخ برزند، ادات همین معنی برای شکوذا آورده.

له این کلمه در مویده آمده. له ادات: شمسه آن قرص که در مساجد بر سر محراب و بزرگیای

طاق راست کنند؛ نیز رک: مویده: ۵۴۹، مدار ۲: ۵۸۰.

له مویده: ۵۴۷: شبه مهره ایست سیاه که بر سر سلک مردارید تنظیم میدهند، و در ذینگ مولانا

نخوتوا پس است که هندی رهنمی نامند و در ادات مذکور است که آن مهره یمانی ست بتازیش شج

(صح سبج) و هندی پوتنه نامند. اما در ادات نقط یعنی اول آمده نه معنی سوم؛ و در فرینگ قواس

این کلمه نیامده. مدار ۲: ۵۴۸ شبه مهره سیاه یمانی... و در اصطلاح مهره سیاه باریک که هندی

پوت خوانند الخ.

له سبج معرب شبه است، رک: فرینگ معین ۲: ۱۸۱۵، مدار ۲: ۴۲۳ من و حاشیه.

له نسخ اصل: پشتوه؛ شبه و شوه بر دو فارسی است، رک: فرینگ معین ذیل شبه و جاگیری ا:

۵۹۹ ذیل شبرنگ. واضحا صاحب زفان دچار اشتباه شده. قبادل کله هندی پوتنه یا پوت است.

له مویده ۲: ۵۴۶، معانی شاه بحواله ادات و زفان نقل نموده؛ اما در نسخ چالی بر دو عبارت

مخلوط شده. له این معنی در فرینگها دیده نشد.

له بظا هراین توجیه درست نیست؛ این کلمه بدین معنی برشته مخصوص دارد که در پسولی شکل شاه است.

له صحاح ص ۲۸۱: شاه چهار معنی دارد، پادشاه، شاه شطرنج، شاهراه، داماد.

له رک: مویده ۲: ۵۴۶، مدار ۲: ۵۳۹.

له که است در ادات، اما در صحاح ص ۲۸۱: شخوده کاویده باشد (بدون قید ناخن).

له ادات: شکرنده اسبی بسر آئیده

شیرینه: نوعی از عسل که بتازی شعله می‌گویند.

شیرازه: معروف.

شمنده: شرمند و بهوش.

شادویه: دارویی است.

شاما کچ: سینه‌بند [زنان] و شاما خچه نیز گویند.

مهره 'می'

شوی: والان خرد که بندوی سویی گویند.

شبی: نوعی از پوستیناست و گویند گونه از جامه و پوستین است و بفتح شین نیز گویند.

شکپویی: شک شک پای رونده.

شغلی: خار گیاه و سج گیاه.

شیرودی: نام مردی.

له نسخه اصل: شیرین؛ اما شیرین و شیر و نه هر دو بهین معنی آمده، رک: مویده: ۵۵۰ و مدار: ۲: ۵۹۹ و در فرهنگ معین و آنندراج شیر و ننگ نیز. له نسخه اصل: غله، در اکثر فرهنگها بیماری سر قرار داده شده. اما در فرهنگ معین ۲: ۲۱۱۰-۱۱، شیرین و شیرینک زرد زخم، و زرد زخم بیماری جلدی که در پوست دانه های زرد رنگ و ریز آیدار پدید آید.

له نسخه اصل: شعله، دستور الاخوان ۳۳۷ اسفند شیرین، فرهنگ معین ۲: ۱۸۸۵ اسفند: ناخوشی جلدی مانند کپکپل الخ. ادات: شمشید، بیم زده و بهوش، مویده: ۵۴۹ شمنده و شمشید هر دو بهین معنی دارد. مدار: ۲: ۵۸۳ شمشید دارد همراه بیت زیر از فردوسی: شمشید دلش موج برزد به جوش الخ. و نیز بجلاده نمود که در پنج بخشی (زفان گویا) شمنده یعنی بهوش و شرمند آمده.

له در نسخه اصل: بهوش، تصحیح از دی فرهنگها.

له کذاست در اصل اما در مویده: ۵۴۶ و فرهنگ معین ۲: ۱۹۹۵ و بهین درست است زیرا که شاد و نج مهرب آنست اما جعفری ۳۳۱ شاد و شادیه برد، نیز رک: مویده و فرهنگ معین؛ جاانگیری: ۱: ۳۸۶ شاد و نه با ذال نوشته.

له نسخه اصل: شاما خچه؛ اما ادات شاما کچ و شاما خچه و جاانگیری بجلاده آنها شاما کچه دارد، رک: ۲: ۳۹۲. له رک: ادات و مویده: ۵۵۱ و مدار: ۲: ۵۹۱.

له ادات: شبی نوعی از جامه و پوستین؛ نیز رک: مدار: ۲: ۵۴۸.

له رک: ادات و مویده: ۵۵۱ و مدار: ۲: ۵۷۱. له نسخه اول: شغلی.

له رک: ادات و مویده: ۵۵۱. له رک: مویده: ۵۵۱ و مدار: ۲: ۵۹۸، سرمد سلیمانی: ۱۶۶.

گونه غ

بهره الف

غوغا: آشوب بود و طغ که پرش برآمده باشد.

بهره ب

غزب: خشم انگور و گویند انگور است، و بیشتر فرنگیان برای پاری گویند.
غاب: حدیث یهود و آنچه از کار بازمانده باشد و آنرا بتازی سقط گویند، و بیشه
چنانکه گویند شیران غاب.

غغب: جای زخ.

غب: غغب.

بهره ت

غوش: برهنه مادر زاد.

غلت: غلبین و بفتح لام نیز گویند.

غرشت: آواز اسب.

۱ این کلمه عربی است، رک: دستور الاخوان ص ۴۶۲، فرهنگ معین ۲: ۲۴۵۳ و موبد ۲: ۳۴.

۲ فرس ص ۲۷، صحاح ص ۳۹: غزب دانه انگور، قواس ص ۵۰: غزب: خشم انگور، موبد ۲: ۳۵:

غزب انگور و دانه انگور، ادات: غزب خشم انگور، دانه انگور.

۳ ادات: غاب سخن یاده و یهود و چیزی از کار بازمانده که عرب آنرا سقط خوانند و بیت. جهانگیری ۱:

۴. ۸. غاب سخن دارد، بقیه خوردنی، یهود و هرزه، چیزی از کار مانده، و برای هر دو معنی

اول مثال آورده، برای معنی سوم بیت شاهد در حاشیه افزوده شده.

۵ از روی این معنی 'غاب' عربی است، رک: دستور الاخوان ص ۴۵۱، جهانگیری ۱: ۴۰۸.

۶ غغب و غب هر دو عربی است، رک: دستور ص ۴۵۳، موبد ۲: ۳۴، معین ۲: ۲۳۸۷-۸۸:

اما جهانگیری 'غب' را فارسی دانسته یعنی گوشت زیر زخ مترادف عربی غغب (۱: ۶۰۵).

۷ موبد ۲: ۳۴ این معنی را بگفت صاحب زفان نقل نموده.

۸ رک: فرس ص ۴۰، قواس ص ۱۰۵، صحاح ص ۴۴، ادات، موبد ۲: ۳۵.

۹ رک: ادات و موبد ۲: ۳۵.

۱۰ تخصیص اعراب در فرنگها دیده نشد.

۱۱ رک: ادات و موبد ۲: ۳۵.

مهرهٔ راج

۱. سندان، جیم پاری ^{عنه} بهم آمده است.
 ۲. قنج یعنی کرشمه و سرسین مردم و جز آن از چهار پای، و گویند آنکه که مراد کرشمه دارند
 بضم غین گویند.
 ۳. کرشمه و ناز کردن.

۴. راج: شرابی که بوقت بامداد خورند و بتازی صبح گویند.
 ۵. غلیج: آنکه پسروی یا زیر بغل کسی بسراگشت بگیرند و بدان بخندانند، پسندوی آنرا گدگی
 گویند و بعضی هر دو غین را کسرت دهند و بعضی غین دوم را به میم بدل کنند و گویند «غلیج»
 و در بعضی فرمینگانمه با جیم پاری است.
 ۶. راج: خلایق و خلیش.

۱. رک: قواس ص ۱۷۸، ادات: قنج سندان.
 ۲. کذاست در ادات، موبد ۲: ۳۶ با جیم تازی و فارسی هر دو صورت دارد.
 ۳. ادات: غنج بضم غین سرسین مردم و غیر آن، غنج بضم غین کرشمه.
 ۴. رک: موبد ۲: ۷۰. ^{هه} نشو'ل: و.
 ۵. نشو'ل: اصل: گویند که مراد کرشمه دارند الخ: من برستق نشو'ل.
 ۶. دستور ص ۴۶ ذیل الفخ (عربی) نوشت: الفخ ناز کردن و کرشمه و خراش، موبد ۲: ۳۶ این
 کله را عربی دانسته.
 ۷. از نشو'ل، افزوده شده، از اینجا تا بتازی در نشو'ل اصل افتاده.
 ۸. از روی نشو'ل، اضافه شده. ^{له} رک: فرس ص ۶۶، قواس ص ۱۴۶، صحاح ص ۵۷، ادات،
 موبد ۲: ۳۶. ^{له} کذاست در موبد ۲: ۳۶؛ اما ادات غلیج و غلیج (با جیم فارسی) همین معنی صحاح
 ص ۵۸: غلیج دغغه باشد که کسی را پسروی یا زیر بغل بخارند و بخندد، بیهی: چنان بدام من
 جای غلیج گشت الخ.
 ۹. ل: کسی را. ^{له} یعنی غلیج

ل: در فرمینگانمه.

از روی نشو'ل، افزوده شد. در نشو'ل اصل این واژه بعد از غلیجواج آمده، و بدینطور شرح
 شده: گر میش که آسان نگشاید و بعضی جیم عربی گویند. واضح است که واژه غلیج از قلم افتاده
 و معنی اش سخت کله غریض نقل شده.

۱۰. رک: ادات و جاگیری ۱: ۵۱-۱۰؛ جاگیری غریضه نیز دارد؛ نیز رک: موبد ۲: ۳۶.

غلیواج^{۱۰}: غلیوازی یعنی مرغ گوشت ربای.

بهره^{۱۱} 'بج'

غلیج^{۱۲}: گری که آسان نگشاید و بعضی بحجم عربی گویند.

بهره^{۱۳} 'د'

غوشاد^{۱۴}: درختی است بلند و جایگاه کاروان و گادان و گوسپندان.

غزید^{۱۵}: زنی که بشرط بکارت بخوانند [ورق ۱۶۷] و نباشد و در فرهنگ^{۱۶} مرغی زنی که دشنیزه عروس کند و نباشد.

غند^{۱۷}: چیزی با هم شده، و گرد^{۱۸} باز هم آمده.

غزف^{۱۹}: خانه تابستانی.

بهره^{۲۰} 'ز'

غز^{۲۱}: آنکه در گوی مردم بر آید که واری، بیشتر در حلق مردم فرانسه بود.

۱ ص ۵۴: غلیواج زغن باشد یعنی مرغ گوشت ربای و بنوش گیر، مویده ۲: ۳۶ غلیواج بابای فارسی جانوبست معروف سالی ماده و سالی نر بود، انوری در بیت زیر زغن را همین صفت بیان کرده: چون زغن تا چن سالی ماده و سالی نری. ۳ رک: ادات. ۴ رک: مویده ۲: ۳۶؛ نسخ^{۲۲} اصل: غزینج گزیش آسان نگشاید و بعضی بحجم عربی گویند. ۵ مویده ۲: ۳۷ یعنی درخت بلند و جایگاه دیوان و جای کاروان و گوسپندان نوشته، و همین معانی در ادات نیز درج شده. ۶ در فرس ص ۱۱۷ و صحاح ص ۹۱ غوشاد یعنی جایگاه کاروان و گوسپندان آمده و در تو اس ص ۱۲۹ غوشاد جایگاه کاروان همراه بیت زیر بعنوان شاهد: سبح و مرکب بهمان گرفت و دیزه فلا. ۷ ما چو گادان گرد آمده بنوشادی واضح است که کاروان و دیوان تصحیف گادان است، رک: حاشیه تو اس ص ۱۲۹ و مجله علوم اسلامیة: تصحیفات و لغات فارسی، و سامبر ۷، ص ۴۹ بعد.

۸ در میان فرهنگ نویسان درباره قرأت این کلمه اختلاف است، فرس ص ۹۶، معین ۲: ۲۴۰۵ غزند، صحاح ص ۸۰: عزید، تو اس ص ۱۰۰، ادات: غزید. در اکثر فرهنگها بیت شاد یکی است. رک: تو اس حاشیه قبل

۹ از اینجا تا آخر در 'ل' ندارد. ۱۰ ادات و مویده ۲: ۳۷ غند باضم چیزی با هم شده: جهانگیری ۲: ۱۸۶۲ غند با اول مضموم گرد شده و جمع آمده را گویند (بابیت شاد). ۱۱ نسخ^{۲۳} اصل: گره باز

۱۲ رک: تو اس ص ۱۱۹، ادات و مویده ۲: ۳۶. ۱۳ نسخ^{۲۴} اصل: بلستانی.

۱۴ رک: ادات و مویده ۲: ۳۷، جهانگیری ۱: ۱۰۴۴-۴۵. ۱۵ نسخ^{۲۵} 'ل' ندارد؛ اما ادات: بشل کدو.

۱۶ این تخصیص همس فرهنگ موجود است در هندوستان بانخصوص در ناحیه مشرق هند این علت معمول است، پس معلوم نیست صاحب زمان چرا فقط مردم فرانسه را ذکر نموده.

غنجار: سرخی که زنان مالند در روی و آنرا گلگون نیز گویند.
غز: دبه خایه.

غیار: جامه زرد که جووان بر جامه خود می دوزند.
غار: کایان.

بهره ز:

غز: قومی از ترکان ظالم که بر خراسان دست یافته بودند و بزور گرفته.

بهره س:

عرس: خشم و غراشیده، خشم آلوده، و بشین بجه هم گفته اند.

بهره ش:

غراش: خشم.

غاش: فتنه و پلید طبع و کسی که کس را دوست دارد، گویند عاشقی غاش است.

غوش: چوبی است سخت که مطربان از آن زخم سازند و سلاحان تیر سازند.

غاوش: خنثاری بود که برای تخم بدارند تا بزرگ شود.

له رک: فرس ص ۱۲۳ و قواس ص ۱۸۶. ۵۰ رک: ادات و جهانگیری ۱: ۱۰۴۴.

له این کلمه عربی است چنانکه از مویده ۲: ۳۷ و جهانگیری ۱: ۱۱۲۸، ۲: ۲۲۱۰ واضح است؛ در جهانگیری کلمه متبادل فارسی یهودانه و گرده است.

له که است در نسخ اصل؛ دل: کابل؛ و همین معنی پیمازه نوشته که معادل صد قفیز الخ (۲: ۳۷۲).

له رک: فرهنگ همین ج ۶ ص ۱۲۳۸-۵۰. ۵۰ ادات: غراس و غرس: خشم و غراش.

له در اصل: غراشیده؛ اما غراشیده باغین درست است. چنانکه قواس ص ۱۰۲: غراشیده بمعنی خشم آلوده، باید علاوه نمود که در اینجا غراشیده باسین مناسب بنظرمی آید.

له در نسخ اصل وادیش از خشم آلوده، چنان بنظرمی آید که در اصل کتاب همین طور بود، بنا برین غراشیده و خشم آلوده شامل معنی غرس بود، رک: مویده ۲: ۳۹.

له رک: قواس ص ۱۰۲.

له رک: ادات و مویده ۲: ۳۹.

له ل: بلطبع.

له رک: ادات و مویده ۲: ۳۹. ۵۰ تبر نیز خوانده شود.

له رک: ادات و مویده ۲: ۳۹.

غیش^۱: بد حال و بیشه و ده و اندوه بسیار
مهره^۲ بک

غالوک^۳: گروهی معنی مهره^۴ کمان گروه باشد، و بعضی فرنگیان غالوک: کمان گروه^۵.
غزنک^۶: بانگ نرم در گلو وقت گریه.

غساک^۷: گیاه عشقه که بر درخت پیچید و پزمرده گرداند.

غسک^۸: کرمی است که در خوابگاه باشد یعنی اود^۹ش.

غدرک^{۱۰}: سلاحی که غازیان پوشند و کدر را و کدرنگ نیز خوانند.

مهره^{۱۱} بک

غنگ^{۱۲}: چوب بزرگ عصاران که از چوبی و سنگی در آویزند تا گران گردد و روغن ازان بیرون آید که آنرا بهندوی^{۱۳} گویند.

غدنک^{۱۴}: بی اندام و ابله.

غزنک^{۱۵}: ناله و فریاد. و گویند بمعنی غزنک است یعنی آواز نرم باشد بگریه در گلو. بعضی بدو فتح^{۱۶} گویند.

۱ غیش: غیش بایای فارسی بد حال و بیشه و غم و اندوه بسیار و انبوه، نیز رک: مویده ۲: ۳۹.

۲ جانگیری: بد حال مستردان (۲: ۲۳۲۳). جانگیری: هر چیز انبوه را گویند مانند بیشه و غیر آن. و در حاشیه این بیت اسدی افزوده: جزیری پر از بیشه یا بود و غیش الحج.

۳ فرس ص ۲۷۱، ۵۰۳، صحاح ص ۱۸۳: غالوک: مهره^۴ کمان گروه. قواس ص ۱۷۲: غالوک گروه^۵ کمان؛ مویده ۲: ۴۰. غالوک و غالوک بررد دارد.

۴ کذاست در ادات و مویده.

۵ فرس ص ۲۶۰: غزنک بانگ نرم بود در گلو از گریه، صحاح ص ۱۹۹: غزنک اول آواز نرم بود که از گلو برآید دوم گریه و زاری باشد، قواس ص ۱۰۳: غزنک آواز نرم بود. واضح است که کاف عربی خالی از اشتباه نیست.

۶ رک: ادات، سرمد سلیمانی ۱۷۴. ۷ رک: ادات، سرمد سلیمانی ایضا.

۸ کذاست در ادات. همین کلمه (اود^۹س) در بعضی جایها در اصطلاح شرقی و استان بهار، بجای کشش بکار برند. ۹ ادات: غدرک نوعی اسلحه پوشیدنی که اهل هند آنرا گدر خوانند.

۱۰ رک: مویده ۲: ۴۰. ۱۱ ادات: غنگ چوب بزرگ عصاران، و روغن نیز گویند.

۱۲ ادات و مویده ۲: ۴۱: لاقه. ۱۳ رک: ادات و مویده ۳: ۴۱.

۱۴ رک: حاشیه ذیل غزنک.

بهره دل

غول: دیو بیابانی و نشگاه گوسپندان در دشت.

بهره دم

غرم: خوشه انگور بخشم آمدن، و بعضی گویند صُره انگور بود که شیر و تلمش اندر میان وی باشد.

غرم: میش دشتی و گوسپند کوهی و گوسپندی که کودکان بر دوش سوار شوند، [درق ۱۶۸] هندوی ارکه گویند.

بهره ان

غلبکن: دری چون پنجره و یا جفای، در و هر که باشد بنماید، و در اسدی است: دری باشد از چوب بافته بود چون پنجره مشبک که در و نگاه کنند هر که در سرای آید و در سرای و بهقانان و باغبانان بسیار بود، و در فرنگ نام کاف پاری است و مکسور و غین مضموم کرده است.

غرویزن: غریال و خلاب، و غریزن بفتح و کسر غین نیز گویند و در فرنگ نام است: غریزن برای پاری خلیش سیاه که [بگندد].

غرن: چوب بزرگ عصاران یعنی غنگ عصاران.

له از لحاظ معنی آدل عربی است، رک: سوبه ۲: ۴۱، معین ۲: ۲۴۵۴، اما از لحاظ معنی دوم فارسی است، رک: ایضاً. له رک: ادات و موبد ۲: ۴۲.

له برای تلمش و تکرز رک: قواسص ص ۵۰. قواسس بجای تلمش نیز دارد.

له رک: قواسص ص ۷۵، ادات و موبد ۲: ۴۱.

له ادات و موبد: سواری آموزند. له ادات: ادک، ایرک، تصحیح کلا میسر نشد.

له رک: فرس ص ۳۶۴، صحاح ص ۲۴۷، قواسص ص ۱۷۵.

له در اسدی نسخ پال پورن ورق ۶۶: غلبکن دری باشد که از چوب بافته باشند پنجره کردار که از بیرون همه چیز از خانه بیفتد و در سرای روستائیان و در رزبا بیشتر چنان باشد.

له در نسخ دل: و در بهقانان... بود افتاده.

له ادات: غریزن و غرویزن... غریال و خلاب سیاه که بگندد.

له در نسخ دل: و غریزن... گویند افتاده.

له خلیش یعنی خلاب، رک: قواسص ص ۲۷، دستورالافاضل ص ۱۲۳، زفان گویا و غیر آن.

له رک: ادات و موبد ۲: ۴۳. له نسخ اصل: تنک عصاران، اما رک: غنگ.

غلیون^۱: گل سیاه که در زیر آب بود.

بهره^۲: 'و'

غرو^۳: خالی و بی معنی قصب^۴ آنکه میان تپی باشد و آنرا بزنند.

غریو^۵: فریاد و گریه با دواز.

غوب^۶: غلبه.

غیو^۷: بیای پاری، غلبه.

غالو^۸: گردیده کمان و گویند کمان گردیده.

بهره^۹: 'ه'

غنده^{۱۰}: غمگین.

غیشه^{۱۱}: میایی است که بتابند و ازان جوال بافند، و گویند همانند کبال^{۱۲} و حصیر است و جوال

کاکشان^{۱۳} و بعضی بسین مهند گویند.

غوشه^{۱۴}: گیاهی است که بتری بخورند و بخشکی ایشان سازند یعنی دست شوی، و گویند غوشنه

نوعی از سمارغ است.

۱ رک: ادات و مویده ۲: ۴۳. ۲ قواسم ص ۳۹: غزونی را گویند که میان تپی باشد.

۳ دستور الاخوان ص ۴۹۸: قصب کلک و بی.

۴ سنو^۱: ندارد. در حاشیه سنو^۱ اصل بخط کاتب سنو^۱ افزوده: غزد دزن سرود که بازی یراع خوانند.

۵ یراع جمع، و لغت یراع قصب و گس که بشب بپرد چنانستی آتش است و مرد بد دل.

۶ ادات: غریو بابای فارسی فریاد با گریه کثیر الخ. نیز رک: مویده ۲: ۴۴.

۷، ۸ رک: ادات و مویده ۲: ۴۴. ۹ مویده ۲: ۴۳: غالو را ذیل عربی دُج نموده و قول

زفان گویا را نقل نموده: نیز رک: فالوک.

۱۰ سنو^۱: گویند کمان (بجذف گردیده) رک: ادات و مویده ۲: ۴۶.

۱۱ ادات: غیشه گیاهی است مانند حصیر و آن را بتابند و جوال بافند و دستور آن نیز خوانند، رک:

قواسم ص ۳۸.

۱۲ از اینجا تا آخر در سنو^۱ نیامده. سنو^۱ رستی را گویند از لیف خوا سازند (جهانگیری ۱: ۶۰۶)

۱۳ مویده ۲: ۴۶: جوال کاکشان را بحواله قنیه نوشته رک: قواسم ص ۳۸.

۱۴ سنو^۱: آنرا بتری؛ متن مطابق سنو^۱ اصل و قواسم است. سنو^۱ درختی است خاص نواحی گرم

و کویری (فرهنگ معین ۱: ۳۸۸). سنو^۱ رستینه است که تخم ندارد (رک: زفان).

غلبه: بزرگ که آنرا بازی مکه و عقیق نیز گویند و آنرا شوم گیرند.
 غنده: عنکبوت بزرگ و پاغنده یعنی گاله.
 غوزه: بار پنبه.

غزّه: مره و چشم برهم زدن بنا بر معنی چشم بر یکدیگر زدن بود و آن چشمک است، و اصل
 بستن و کشادن چشم را گویند.
 غتقره: پلید طبع یعنی ابله و عجمی را گویند.
 غراشیده: خشم آلوده.
 غداره: پیکان بزرگ، و این را غزاده و غزاره هم گویند، و گویند دبه برنجین، و در فرهنگنامه
 فقره قواسم است: غزاره برای همه شرایط.

۱. رک: قواسم ص ۶۲، ادات، موبد ۲: ۴۶.
 ۲. زفان (ذیل بخش چهارم): مکه جانور است که بازی عقیق گویند و گفته اند که آن زارغ دشتی است.
 ۳. نسو'ال: ندارد.
 ۴. رک: قواسم ص ۷۱.
 ۵. زفان: پاغنده پنبه زده یعنی ناف کرده و غول ساخته.
 ۶. رک: ادات ذیل غنده، موبد ۲: ۴۶.
 ۷. ادات: غوزه بازی فارسی بهمن معنی.
 ۸. جهانگیری ۲: ۲۰۴۲ غوزه پنبه ناشکفته بود که در خلاف باشد.
 ۹. صحاح ص ۲۸۳: غزّه دو معنی دارد: اول مره بود، دوم چشم برهم زدن معشوق و عرب نیز این را
 غزّه گویند، نیز رک: قواسم ص ۷۹ و ادات.
 ۱۰. ادات: غتقره ابله و پلید طبع و زبون گیرالجه.
 ۱۱. نسو'ال: جمه؛ عجمی یعنی غافل و بیخبر، رک: فرهنگ معین ۲: ۲۲۷۹.
 ۱۲. رک: ادات و موبد ۲: ۴۶.
 ۱۳. قواسم ص ۱۳۷: غداره پیکان؛ اما رک: حاشیه صفحہ مذکور. ادات: غزاره پیکان بزرگ
 و دبه برنجین و چیزی مانند شرایط، جهانگیری ۱: ۸۰۲: غداره پیکان بزرگ
 ۱۴. رک: موبد ۲: ۴۶ ذیل غزاره یعنی نوعی از سلاح جنگ پوشیدگی و غزاده یعنی خود آهنگین؛ اما در
 این صورت غزاره و غزاده مترادف غداره نیست.
 ۱۵. نسو'ال: دبه روغن.
 ۱۶. نسو'ال: فرهنگ قواسم چاپی این را مورد تأیید قرار می دهد.

غبارَه: چوبی که بدان خرا رانند و آن باریک بود یعنی چوب دستی باریک و این را [۱۶۹]
گوازَه نیز گویند، و بعضی بضم غین نیز گویند.

غازَه: گلگونه بود که زنان در روی مالند یعنی سپیدی و سرخی زنان.
غنجِه: گل ناشکفته.

غوره: انگور خام یعنی ترش و ناپخته.

غرنِبَه: بانگ به تشنّج و بخشم زدن.

غرواشَه: گیاهی است که آنرا کفشگران و جلاّیان در لیف مالند.

غوئَه: سرآب فرو بردن باشد، بتازی غوطه و غوصه گویند.

غناوَه: ساز است، و نام بازی است که بتازی ارجحه گویند.

غرچَه: نادان.

غنوده: خفته.

غیدَه: میانه خلقه.

له: که است در ادات و مویده ۲: ۴۶ و سرودی ص ۹۳۹. اما این اشتباه است زیرا که در فرس
ص ۴۷۸، قواس ص ۱۷۰ غبارَه است؛ در مدار ۲: ۱۴۳-۱۴۴ بازه را مختصر غبارَه نوشته؛
بازه یعنی چوب دستی است. رک: قواس ص ۱۷۰، جاگیری ۱: ۶۰۵: غبار یعنی چوب دستی بامیت نام خرد
آورد. له: جاگیری ۲: ۲۰۷۶: گواز و گوازَه چوب دستی باشد که بدان خرد گاو و سائرسوران برانند و
آنرا خرد گواز نیز گویند.

له: مویده ۲: ۴۶: غوره انگور نارسیده که هنوز ترش بود.

له: رک: ادات، و صحاح ص ۲۸۳، در جاگیری غرنِب بانگ و شغل بود و آنرا غرنو نیز گویند (۱: ۱۰۴۹) از
مصدر غرنیدن، اسدی لغت فرس ص ۴۴۹: دو چیز برکن و دو بشکن ینیش ز غلغل و غرنِب.

له: صحاح ص ۲۸۳: غرواشه گیاهی باشد که جلاّیان دست بندند و بر جامه مالند.

له: نسخه اول: 'است که آنرا' ندارد. له: نسخه اول: کیف، برای لیف رک: صحاح ص ۳۷.

له: رک: ادات مویده ۲: ۴۶ غوش، سره سلیسائی ۱۷۶ غوته غوطه است.

له: غوص به آب فرو بردن.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۴۶ له: ادات و مویده ۲: ۴۶: غرچ مخف و نادان

له: ادات و مویده ۲: ۴۶.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۳۵، فرهنگ معین ۲: ۲۴۵۷: غیب دایره های در سپر.

مهره 'می'

غوشای: سرکین ستوران که در دشت خشک گردد و آنرا پاجک دشتی گویند.
غاجی: صبوحی، و در بعضی فرهنگ نامه باست: غاجی برای ممله، صبوحی.
غرنجی: سرمارا گویند در عراق.

گونه 'ف'

مهره 'الف'

فاد: نخل.

فراخا: فروخی و کشادگی.

فنجبا: دمه و آن زحمت است.

فراشه: بالا و پیش، گویند فراتر یعنی بالاتر و پیشتر. و میان، گویند آن را فرا آب ده یعنی در میان آب بینداز، و گنج، گویند فراخانه یعنی گنج خانه، و یعنی بر و در نیز باشد چنانکه گویند فراهم آری یعنی در هم آر و بر هم آر، و مختصر فراخ باشد، گویند فراکن یعنی فراخ کن، بخف خا، و نیز می افتد، گویند فرا پوشند یعنی پوشنده، و تمام، گویند فرا پوشش یعنی تمام پوشنده، و گویند این کلمه یعنی بر و در و نزدیک و دور آمده است.

مهره 'ب'

فرسب: جامه ای باشد که بدان بام را پوشند، و بعضی بیانی پاری گویند.

له رک: فواس ص ۱۳۱ و مویده ۲: ۴۷. له رک: جانیکی ۱: ۲۲۳. له درهین فرهنگ مانج یعنی

صبوح آمده، پس غاجی درست است نه فادجی، مویده از قول زفان غاجی نیز آورده (۳۷۰-۲)، فواس

ص ۱۴۶ غارج: صبوح، غارجی: صبوحی. له ادات و مویده ۲: ۴۷: غرنجی سرمارا گویند در عراق.

له ادات: فاد: شرمند. له ادات: فراخی و کشادگی. له ادات: فنجبا کمفرا دمه.

له ادات: فرا بالا و پیش چنانکه گوی فراتر یعنی بالاتر شو و پیشتر رو، و یعنی میان آید، و بعضی گنج نیز آید

و یعنی بر و در استعمال کرده و بعضی نزدیک و دور استعمال کرده اند؛ در مویده ۲: ۴۸ معانی فرا گفته

خود از زفان نقل نموده، اما مندرجات آن یک کی فرق دارد.

له مویده ۲: ۴۸: فرسب بختین جامه که بدان بام را پوشند و در شرف نامه بدین معنی بابای فارسی و در

زفان گویا هر دو لغت است.

له مویده ایضا: فرسب همان فرسب مذکور و آن چوبی استبر که بدان سقف کنند و بعضی نزدیک و دور نیز

آمده، ادات نقطه معنی اول دارد؛ صحاح ص ۳۹: فرسب چوبی است که بام را بدان پوشند.

مهرهٔ 'ت'

فرت^{له}: جادویی.

فرتوت: پیرسال خورده یعنی سخت پیر.

فرت^{له}: تار که مناسب بود باشد، بعضی بضم فایز گویند.

فخت^{له}: مانتاب.

مهرهٔ 'ج'

فرنج^{له}: پیرامون دمان یعنی گرداگرد، و در بعضی فرنگنامه هاست فرنج بدو فخت و جیم پاری،

پیرامون دمان.

فنج^{له}: دبهٔ خایه و زشت یعنی قبیح.

فلج^{له}: کلیدان در یعنی غلق در.

فنج^{له}: فروشته لب.

فرنج^{له}: دیوستنبه^{له}.

مهرهٔ 'ج' [ورق ۱۷۰]

فراخج^{له}: شاخ بزرگ که درو شاخ دیگر دهد.

له صحاح ص ۴۶ و ادات: فرتست: جادویی.

له ادات: فرت تار که ضد بود است. 'فرتوت': فرتاب بجای فرت.

له که است در 'فرتوت' اصل: اما 'فرتوت': فخت: و در مویده ۲: ۴۸ فخت بمعنی مانتاب ذیل فصل عربی نقل شده، ادات فخت مانتاب.

له رک: فرس ص ۵۸، قواس ص ۸۱، صحاح ص ۵۴، ادات و غیره.

له ادات: فنج دبهٔ خایه و زشت، قواس ص ۸۹: فنج دبهٔ خایه.

له رک: فرس ص ۵۵، صحاح ص ۵۴، قواس ص ۱۲۶.

له صحاح ص ۵۴: فلج خلق در باشد یعنی کلیدان. له رک: ادات و مویده ۲: ۴۹، جابگیری ۱:

۷۱۲. له رک: ادات: فرنج پیرامون دهن و دیوستنبه که مردم را در خواب فرو گیرد، مویده ۲: ۳۹: فرنج پیرامون دهن و در زقان گو یا فرنج بعضین دیوستنبه (در 'فرتوت' حاضر اعراب مذکور نیست).

له جابگیری ۱: ۶۷۹ ستنبه در بعضی فرهنگ با نوشته اند که دیوی باشد که در خواب مردمان را سحر میگرد.

له 'فرتوت' اصل: فراخج، 'ال': فراخج، قواس ص ۵۳: فراخج شاخ بزرگی که پی کند تا شاخ دیگر دهد.

فرخ: کفل اسب .

فرغانج: ماده گاو خرد فربه .

بهره رخ

فرخ: دام .

فرخ: مبارک بنیاد ، فرخ بود زیبا رخ .

فرکاخ: شیری که بر خور دنی ریزند .

بهره دو

فرزو: سبزه که در میان آب باشد و همه وقت تازه بود .

فرغند: گیاه عشقه ، و آن گیاهی است و گندیشی یعنی آنکه بوی ناخوش دهد ، و چون بر درخت پیچید درخت را زرد و خشک گرداند ، وی را قعند نیز گویند .

فسرد: باسین مملو شکاری و بعضی بشین جمع گویند .

فرزند: جای گذر آب چه [بر] دیوار و چه بر زمین .

له ادات : فرخ زشت و کفل اسب ؛ ادات ۲ : ۵۰ : فرخ کفل اسب و رشوت ، اما قواسم ص

۱۰۵ و صحاح ص ۵۴ : فرخ یعنی زشت و پلید . جهانگیری ۱ : ۱۰۱۳ : فرخ اول کفل اسب و دیگر

چهار پایان - پرخش و فرخ نیز ، دوم یعنی زشت و نازیبا ، سوم رشوت .

له ادات : فرغانج : ماده گاو و خرد که نیک فربه شده باشد . موید ۲ : ۵۰ : فرغانج (ذیل ترکی) ماده گاو که نیک فربه باشد .

له رک : ادات ؛ در موید ۲ : ۵۰ : فرخ یعنی دام ذیل عربی بحواله قنیه نوشته .

له موید ۲ : ۵۰ : همین اصل بحواله قنیه نوشته .

له رک : ادات و موید ۲ : ۵۰ (نکاح اشتباه چابی است) .

له رک : قواسم ص ۳۸ ، صحاح ص ۸۱ ، ادات ، موید ۲ : ۵۱ .

له رک : فرس ص ۹۷ ، قواسم ص ۵۴ .

له کذاست در اصل ؛ صحاح ص ۸۱ : فرغند گنیده باشد ، موید ۲ : ۵۱ : فرغند نیز یعنی گندی آید که بوی گنده دهند .

له ادات و موید ۲ : ۵۱ : فرود شکاری و ماضی از فرودن ؛ اما قواسم ص ۷۶ : فرود شکاری ، فرود

نیز یعنی شکاری آید ، رک : زفان ، موید ۲ : ۶۷ ، جهانگیری ۱ : ۳۶۱ ، رشیدی ۲ : ۱۰۳۸ ، برهان ۲ : ۱۱۸۸ .

له رک : قواسم ص ۱۲۵ ، ادات ، موید ۲ : ۵۱ .

فلغنه: پرچین یعنی خابست گرد باغ و گرد گلزار باشد و بعضی بفتح غین گویند.
فغنه: بد و فحش و بخلی بد و کسرت، زغند زدن یعنی بر بستن.

فغود: فریفته و غره شده.

فلغود: پنبه دانه [از پنبه کشیده].

فلغیده: [پنبه دانه از] پنبه کشیده.

فغرد: دریدن، دریده و دریده.

فراوند: چوبی که از پس در نهند.

فغود: سخت سوده و کمنه شده.

فغود: زیر.

فرهمنده: دانا و خردمند.

فروپزمرید: فرو نشست و تیز ریش رفت.

بهره 'ر'

فر: زیب و زیبائی و شکوه و وقتی 'را' را تشدید دهند چون زر و کر و فر.

له رک: فرس ص ۴، صحاح ص ۲۷، قواس ص ۱۲۹. له نسخ: اصل: گرد بر گرد. له رک: صحاح ص ۸۱.

له بعینه: همین معنی در ادات آمده اما در مویده ۵۲: ۳ آمده: در زلفان گویا فغند یعنی فرغند است یعنی عشقه. واضح است که نسخ از زلفان که نزد صاحب مویده بود، اشتباه داشته.

له صحاح ص ۹۲ فغود چند معنی دارد، اول فریفته و غره شده باشد چون کسی فریفته شود گویند فغود یعنی فریفته و غره شد.

له سرمد سلیمانی ۱۷۹ فغود یعنی فغید، و فغید پنبه دانه از پنبه دور کردن.

له فغود و فغید هر دو هم معنی است، رک: صحاح ص ۹۲، و از مصدر فغود و فغیدن بمعنی پنبه دانه از پنبه بیرون کشیدن، رک: زلفان بخش سوم مصدر، و ادات: در آخر الذکر و مویده ۵۲: ۲: فغود و فغید بمعنی پنبه دانه نوشت و این اشتباه است.

له مویده ۵۱: ۲: فغود بافتح درید و دریده و دریدن! اما صحاح ص ۸۱: فغود چیزی باشد که از بیم بدردن، خسروی: خود طرازی باز خود بفغود الخ.

از این بیت واضح است که بفغود، فغود فعلی است.

له از 'ل' افزوده. له ادات و مویده ۵۱: ۲: و جابگیری ۱: ۵۸: ۱۰.

له ادات: فرهمنده دانا و خردمند. له نسخ: اصل: فرو برید یعنی فرنش و تیز ریش رفت، اما رک مویده

۵۲: ۲. له ادات: فرزیبائی و شکوه. له نسخ: اصل: وقتی را گویند تشدید دهند (بجذف چون).

فرغ^۱: زمین نگاه باشد یعنی زمینی باشد که درو آب رود و آب او کم شود و جای بجای آب بماند.

فرغار^۲: چیزی را که آب ترکرده و نیک تر شده و سرشته گشته.

فرخار^۳: آراسته و نام بت و بت خانه و نام شهری که درو خوبان بسیارند.

فیادار^۴: شغل، و بعضی بکسر فا گویند.

فروار^۵: خانه و تابستانی که بر بالا باشد.

فریر^۶: گیاهی است خوشبوی، فریر و بعضی 'رای' اول مجعده گویند و آن را کززه و سرریزه و بوزمه گویند.

فریر^۷: فسوس و سحر.

فریر^۸: آنکه راه راست دارد اندر دین، و گویند فریوری و فریورکیش و فریر دین.

فرور^۹: پیشوا.

فور^{۱۰}: لقب پادشاه هندی.

فغفور^{۱۱}: لقب پادشاه چین.

۱ رک: قواسم ص ۳۲. ۲ زغان: مکار و زمینی که درو آب رود الخ.

۳ رک: قواسم ص ۱۹۴، ادات، موبد ۲: ۵۳. فرغار از مصدر فرغاریدن یعنی چیزی بآب نیک نرکدن.

۴ رک: قواسم ص ۱۹۴، ادات، موبد ۲: ۵۳ که یعنی شهر بت خانه و آراسته آورنده، و از بت صرف نظر نمود.

۵ رک: موبد ۲: ۵۴ و جانی ۲: ۲۳۲۴. ۶ رک: ادات و موبد ۲: ۵۳.

۷ ادات، موبد ۲: ۵۳: فریر: گیاهی است خوشبوی.

۸ ادات و موبد ۲: ۵۳: فریر دارند یعنی کباب قدید گیاهی است خوشبوی. اما قواسم ص ۳۶: کززه، سرریزه.

فریر، بورم یعنی گیاه خوشبوی آورده، و در ص ۱۴۴ فریر یعنی قدید نوشته.

۹ زغان: کززه گیاهی خوشبوی، نیز رک: دستور الا فاصل ص ۲۰۳ کززه سرریزه.

۱۰ زغان: سرریزه گیاهی است خوشبوی (ذیل بخش دوم).

۱۱ رک: است در مدار ۲۵۴، سروری ۱: ۱۹۷، برهان ۱: ۳۱۶؛ اما قواسم ص ۳۶: بورم.

رک: موبد ۲: ۵۴. ۱۲ ادات و موبد ۲: ۵۳: فریر آنکه راه راست دارد در دین.

۱۳ نسخ اول: در. رک: ادات. ۱۴ در اصل مغرس یا مغرب پورس است که نام پادشاه هند معاصر

سکندر رومی بود، از شاهانده واضح شود که نام رای قنوج بود:

زمیلاد چون باد لشکر براند ÷ بقنوج شد گنجش آسجبا باند

چو آورد لشکر بنزدیک فور ÷ یکی نامه فرمود پر جنگ دشور

فرز: ^{له} جگه دروان .

بهره از

فغیاز: [ورق ۱۷۱] مزدگانی و شاگردانه و عطای شعر یعنی ازین چیزها که یکسی دهند ،
آزاد ارانی نیز گویند ، و بعضی برای ممله .

فرواز: گدازه چهارپلو و بعضی به رای ممله .

فریز: وزن تریز ، گوشت قدید ، و در بعضی فرهنگنامه بافتح ف و یای پارسی است ، و در
نسخه ای زای بجه و پارسی است .

فراوینز: پیوند جامه و جزآن و آرایش پوستین که بردامن و سرآستین و گریبان و درزهای دیگر
دوزند ، و فریز نیز گویند .

فراز: بلند و نشیب و بستن و گشادن و گستردن و بالای چیزی و نزدیک .

فلرز: چیزی خوردنی که در جامه یا ازار بند یا در رکوی گره بندند و در کستان این را بده و سرزه
گویند و در ماورالنهر فریز و فلرزنگ گویند .

فریز: نام عورتی است و نام مردی .

→ رک : جاگیری ۲: ۲۰۴۸ و فرهنگ معین ۶: ۱۳۸۳ .

له ادات : فرز یاد زنه ، جاگیری ۱: ۱۰۷۴ فرز زود زود ، سخن به تعبیل گفتن ، چرم دور . اما موبد ۲:
۵۳ ، ذیل فرز قول زنان گویا نقل نموده . عه ل: جگه دروان .

له فرس ص ۱۷۶ ج ، صحاح ص ۱۲۹ و جاگیری ۲: ۱۴۴۲: فغیاز و بغیاز ، قواس ص ۱۱۱ :
فغیاز ، ادات و موبد ۲: ۵۳-۵۴: فغیاز و فغیاز بهمن معنی آورده .

له رک : فرس و صحاح و جاگیری ۲: ۲۱۱۵. نوردانی بمعنی زری باشد که بشعرا و کسی که مزه و خبر خوش آورد بدهند .

له رک : ادات و موبد ۲: ۵۴ فروار بافتح گدازه چهارپلو و خانه تابستانی . اما ادات : فرواز گدازه چهارپلو .

له رک : قواس ص ۱۴۴ ، موبد ۲: ۵۴ ، دار ۳: ۲۱۱ ، بریان ۱۴۸۳ .

له رک : قواس ص ۱۵۷ ، ادات ، موبد ۲: ۵۴ . در قواس مترادفا دیگر دژنگ و پروزد درج است .

له رک : ادات و موبد ۲: ۵۴ .

له رک : ادات و موبد ۲: ۵۴ و جاگیری ۲: ۱۶۳۶ .

له نسخه اصل : فرزنگ ، اما رک : ادات و جاگیری ۲: ۱۶۳۶ . سرژ سلیمانی ۱۸۰ .

له که است در ادات و موبد ۲: ۵۴ ، نیز رک : جاگیری ۱: ۱۰۶۰ .

له نام پسر یکاوس ، رک : فرهنگ معین ۶: ۱۳۵۹ ، نیز جاگیری ایضا .

بهره‌اش

رژ: گیاهی است تلخ که در دشکم برود.

بهره‌اس

سوس: سحر و حسرت، و بهره مفتوح نیز گویند افسوس.

رناس: نیم خواب باشد و مرد غافل و نادان طبع.

بهره‌اش

رغیش: موئی که از دامن پستین بیرون آید.

ریش: بریان.

اش: پراکنده و مشهور شده.

ش: پوزاسب و خزان و مانند دنباله دستار.

ش: دم، آنکه او را بنازی دلب خوانند و بعضی گویند موی گردن است، بیای پارسی آمده است گویند پیش.

رویش: کاهلی و ملتوی شدن کاری.

رنگیش: نام عورتی.

بهره‌اش

فخ: دوست و معشوق و بت تراشیده و در فردوسی است: بت رنگین فخ گویند و گویند دوست

له: ادات: فرژ بازی فارسی گیاهی است تلخ دافع درد شکم.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۵۵، و جابگیری ۱: ۱۳۱۵، له: رک: ادات و مویده ۲: ۵۵.

له: رک: صحاح ص ۱۵۴، ادات، مویده ۲: ۵۵، له: رک: ادات.

له: مویده ۲: ۵۶ این سخن بجا اقلید درج نموده، له: ادات، فاش پراکنده و آشکارا و گشاده.

له: این واژه از سنخ اول افزوده شد؛ رک: صحاح ص ۱۵۴، ادات و مویده ۲: ۵۶.

له: فرهنگ مجزی ۳۲۵ فاش شبیه و مانند طره دستار و پوزاسب، له: رک: جابگیری ۲: ۱۲۸۳.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۵۵، له: اصلاً فرنگیش است که دختر افراسیاب که در جبال سیاهوش

بن کیکا، سس بود رک: مویده ۲: ۵۵ و فرهنگ معین ۶: ۱۳۴۶.

له: رک: قواس ص ۱۰۷، صحاح ص ۱۶۳: فخ دوست و معشوق بود، بزبان فرغانه صنم و بت را

گویند، ادات: آن دوست که او را بجای معشوق دارند و صورت تراشیده و بزبان فرغانه

بت، نیز رک: جابگیری ۲: ۱۳۴۱.

که بجای مشوق زند فغ گویند و بزبان مسرغانه صنم و بت باشد .
 فراغ : باد سرد و مهتر و فرصت .
 فروغ : تاب یعنی روشنائی و درخشانی که بهندی جھلک گویند .
 بهره 'ک'

فخاک : ابله و حرامزاده بود .
 فرنجک : دیوستنبه است و فرنجک بد و ضمت نیز گفته و بغیر کاف هم گویند ؛ فرنج دیوستنبه .
 فدرنجک : بفتح و کسر فای دیو خانه .
 فراشتک : مرغی است [ورق ۱۷۲] سیاد و سپید ، به خانه یا خانه کند و بنگ و بچه در میان مردم کند ، بتازی آنرا خطاف و بهندی چچرک گویند .
 فرخاک : گوشتابه .
 فتراک : معروف یعنی سموت زین .
 فراشتک : فراشتک است ، گویی در فراشتک او زیادت کرده اند .

- ۴۰ ادات : فراغ باد سرد و خوش دلی و فرصت . صحاح ص ۱۶۴ : فراغ : باد سرد .
 ۴۱ رک : موبد ۲ : ۵۷ فراغ (ذیل عربی)
 ۴۲ از نسخ 'ل' افزوده . و در نسخ 'اصل' بجای فرصت : بهندی جھلک گویند ، واضح است که درین نسخ از کلمه فرصت ... درخشانی افتادگی دارد .
 ۴۳ صحاح ص ۱۶۴ - ۵۵ : فروغ شاع آتش و آفتاب و امثال این یعنی روشنی و درخشندگی .
 ۴۴ رک : ادات و موبد ۲ : ۵۹
 ۴۵ نسخ 'ل' : فرنجک دیو خانه . بفتح نیم یز گفته اند و در فرنگنامه فرنجک دیوستنبه است ، قواس ص ۱۱۴ : فرنجک و فدرنجک . دیو خانه ، صحاح ص ۱۸۳ : فرنجک کابوس یعنی گران شدن مردم در خواب ، ادات : فرنجک و فدرنجک دیوستنبه که مردم را در خواب فرو گیرد ، نیز رک : جاگیر ۱ : ۱۰۷۴ ، ۸۰۴ ، رشیدی ۱۳۰۴ .
 ۴۶ رک : ادات و موبد ۲ : ۵۹ .
 ۴۷ موبد ۲ : ۵۹ چرک و این متبادل کلمه بهندی را بجا ال ادات نوشته ، نسخ ادات که پیش بنده است این کلمه ندارد . رک : ادات و موبد ۲ : ۵۹ . در موبد علاوه شده : و در زخان گویا با قاف آورده . اما نسخ ما این را مورد تأیید قرار نمی دهد .
 ۴۸ ادات : دو الهای زین که بچپ و راست و در پس کوه آدینجه باشد .
 ۴۹ رک : جاگیری ۳ : ۱۷۱۴ ، جعفری ۲۶۵ سموت فتراک . ۴۹ رک : ادات .

فدرونک^۱: مترس آنکه در حصار گیریهامی کنند و در وقت جنگ می اندازند.

فیلک^۲: تیرید خسانی و شاخه.

فرموک^۳: گرد آنک، بزبان هندی لٹو گویند.

فلنجک^۴: خر نفل بستانی بهند وئی سلسی گویند.

فرانک^۵: نام مادر اسیریدون.

بهره'لک

فرسنگ^۱: کرده که بهند وئی کوس گویند، و درست تر آنست که فرسنگ سر کرده زمین است.

فدرنگ^۲: چوبی باشد که پس در نند بخت محکمی و دستور را نیز گویند و بفتح فایز آمده است.

فرهنگ^۳: ادب و دانش، گویند فرهنگیان یعنی ادیبان و مودبان.

فلرزنگ^۴: آنکه در جاسه یا ازار بند گره بندند.

بهره'ال

فرخال^۱: موی راست فرو بهشته.

فرغول^۲: تاخیر خلاف تقویم، یعنی خلاف در کار و تن زدن.

۱ ادات فدرونک آن سنگ که بر سر کنگره حصار برای دفع غلبه خصم نهند و عرب آنرا مترس خوانند.

۲ رک: قواسم ص ۱۷۳ و صحاح ص ۱۸۴. ۳ رک: ادات و مویده ۲: ۵۹.

۴ در نسخ اصل افتادگی دارد؛ که است در نسخ 'ال: مویده ۲: ۵۹: فرهنگ: رستنی است که بوی خوش دارد و آنرا پلنگ موش نیز گویند، بهندش سکی نامند.

۵ رک: ادات، مویده ۲: ۵۹، جهانگیری ۱: ۱۰۵۸، شاهنام فردوسی ۱: ۴۱ (حاشیه جهانگیری)

اما در مجمل التواریخ و الفصص ص ۲۷: فری رنگ. فرهنگ مصحح ۶: ۱۳۲۷: فرانک نام دختر بزرگ و زن بهرام گور.

۶ نسخ اصل: فراسنگ؛ اما رک: نسخ 'ال: ادات: فرسنگ سر کرده.

۷ رک: فرس ص ۲۸۲، قواسم ص ۲۶، صحاح ص ۱۹۹، فدرنگ برای معنی اول.

۸ رک: ادات و مویده ۲: ۵۹. ۹ نسخ اصل: فرهنگ نام.

۱۰ رک: ادات و جهانگیری ۲: ۱۶۲۶، ببینید 'فلرز' در همین لغت.

۱۱ ادات و مویده ۲: ۶۰: فرخال موی فرو بهشته، در لسان اشعرا موی راست.

(رک: مویده: ایضا).

۱۲ مویده ۲: فرغول و فرغوک: تاخیر در کار و تن زدن؛ جهانگیری ۱: ۱۰۷۴: فرغول درنگ و غفلت و تاخیر.

قتال^۱: زره قتال و مردم قتال، از هم بازگستن و بردیدن و از هم شکستن چیزی بود.
فل^۲: چوب درخت آبی است، بعضی بنخ نیلوفر را گویند.

بهره^۳ 'م'
فرم^۴: دل تنگی و فزوماندگی است و گویند فلان فرم شده.
فام^۵: مانده و رنگ.

فرجام^۶: عاقبت کار.
فخم^۷: چادری که بازیگران در هوا بگیرند تا نثار دران افتد.
بهره^۸ 'ن'

فروردین: نام ماهیست، آنکه آفتاب در محل باشد فروردین ماه گویند و جمیع ماههای
فارسین درین نظم است:

ز سروردین چو بگذشتی مه اردی بهشت آید
همان خرداد و تیر آنکه که مرداوت همی آید
پس از شرنوبور و مهر و آبان آذر و دی دان
چو بر بهمن جز اسفند آرد ماهی بهمنزاید
بیت^۹

ز سروردین رنجی دان تا شریویش و آنکه
ز مهرش تا باسند از جمله از خریفش دان

۱ فرهنگ معین ۲: ۸۳، ۲۴: قتال از هم گستن، جدا کردن، بردیدن، شکستن، در ترکیب بمعنی
قتانده (مصدر فقتلین) بمعانی ذیل زره قتال، گهر قتال، مغز قتال (قسم مردم قتال).

۲ ادات و مویده ۲: ۶۰ فل چوب درخت آبی و نیلوفر.

۳ رک: ادات و مویده ۲: ۶۰ و جهانگیری ۱: ۱۰۷۶.

۴ در سخن 'ل' افتادگی دارد. ۵ سه نسخ اصل: فرکن. ۶ رک: ادات.

۷ رک: مویده ۲: ۶۰. ۸ سه رک: مویده ۲: ۶۰ و جهانگیری ۱: ۷۶۵.

۹ معلوم نیست که قائل این نظم خود صاحب زبان است یا خیر.

۱۰ ازین بیت واضح است که شاعر دوازده ماه در دو فصل ربیع و خریف قسمت نموده است؛ اما
در ایران چهار فصل بشمار می آید، بهار، تابستان، پاییز، خزان، زمستان و هر یک شامل سه ماه باشد.

فوردیان^{۱۰}: پنج روز است آخرین از آبان ماه یعنی آفتاب در عقرب و آن روزها جشن مغاست
که تعرب فوردجان گویند، و آن ایام مسترقه است ایشانرا که از دوازدهم ماه بشمرند.

فسان: سنگی که بدان کارد و تیغ و امثال آن تیز کنند.

فرکن^{۱۱}: جوی.

فرزان^{۱۲}: حکمت.

فغان: نفیر و بانگ و نعره و فریاد.

فلاخن^{۱۳}: محروف، و آن آلت شبانان است، آنکه بدان سنگ اندازند، هندوی گوشتن گویند.

فرکن^{۱۴}: بلند.

فرهنگیان^{۱۵}: ادیبان.

فشان^{۱۶}: ریزان.

فوردین: همان فوردین^{۱۷} است و نوزدهم روز از ماه.

فراسیون^{۱۸}: گیاهی است که اورا گند نامی کوهی نیز گویند و بتازی صدف الارض خوانند، و بعضی
گویند علقم^{۱۹} است.

۱۰ رک: تواس ص ۱۷، متن و حاشیه، مویده ۲: ۶۴: جهانگیری ۱: ۱۰۸۳. ۱۱ رک: فرهنگ معین ۲: ۲۵۸۴.

۱۲ فوردگان - فوردگان، پنج روز آخر سال غیر مسترقه (فرهنگ معین ۲: ۲۵۳۲).

۱۳ صحاح ص ۲۴۸: فرکن و فرخن جوی بود.

۱۴ رک: صحاح ص ۲۴۸.

۱۵ رک: ادات و مویده ۲: ۶۳.

۱۶ این کلمه هندی در ادات و مویده درج است.

۱۷ رک: ادات و مویده ۲: ۶۱.

۱۸ این کلمه جمع فرهنگ است و صورت جمع را بطور لغت جداگانه داخل فرهنگ نمودن درست بنظر
نمی آید و عجیب است که همین صورت در ادات و مویده ۲: ۶۲ یافته می شود.

۱۹ ادات و مویده ۲: ۶۳: فشان ریز و ریزنده و ریزان.

۲۰ رک: مویده ۲: ۶۴.

۲۱ فرهنگ معین ۲: ۲۵۳۳: فوردین نام روز نوزدهم از ماه شمسی.

۲۲ رک: ادات و مویده ۲: ۶۱ (در آخر الذکر فراسیون اشتباه است).

۲۳ نسخ اصل: گندنا کوهر، نسخ اصل: گندنا و گوهر، متن مطابق مویده ۲: ۶۱.

۲۴ که است در ادات و مویده. ۱. نسخ اصل: عقده، علقم، زیتون تیغ (معین ۲: ۲۳۴۰).

فریون^۱: صمغ مازیون که بهندوی انجروت گویند.

فراوان: افزون و بسیار.

فرزین^۲: مهره در شطرنج که وزیر گویند.

فریدون: نام پادشاهی.

فستان^۳: بتخانه.

فزون: زیادت و بسیار.

فازرستین^۴: سپندان.

فریون^۵: نام مردی.

بهره^۶ 'و'

فرشتو^۷: فراشتک.

بهره^۸ 'ه'

فرسته^۹: پیغامبر یعنی فرستاده و رسول.

۱ رک : ادات : مویده ۲ : ۶۲ زبان گویایمی گوید که نام داروفی است ، هدایة التعلین فریبون ص ۳۹ ،

۲۳۴ ، ۲۳۰ . عه گذاست در اصل اما در هدایة التعلین ۳۵۷ ، ۳۵۸ مازیون . ه رک : ادات .

۳ رک : مویده ۲ : ۶۲ . ه نسخ 'ل' : بکه در شطرنج است .

۴ نسخ 'اصل' : فستان ، اما رک : فغ درهین لغت ، نیز مویده ۲ : ۶۳ .

۵ نسخ 'ل' : فازرستین ، نسخ 'اصل' : فازرستین . اما در ادات و جهانگیری ۱ : ۴۱۵ ، فرهنگ

معین ۲ : ۲۴۶۵ فازرستین . در مویده ۲ : ۶۱ فازرستین ، فازرستین و در جهانگیری

بطلاده فازرستین ، فازرستینی و فاشرستینی آمده .

۶ فریون شخصی بود که در خوارزم حکومت یافت و آل فریون بدو نسبت دارند ، و ایشان

عبارت اند از احمد بن فریون و محمد بن فریون ، ابوالخارث احمد بن محمد . حکومت این سلسله

۲۷۹ ه تا ۴۰۱ ه ادامه داشت (فرهنگ معین ۶ : ۱۳۶۲) . نیز رک : مقدمه حدود العالم که

مؤلفش باین خانواده انتساب داشته .

۷ مویده ۲ : ۶۴ فرشتو بمعنی فراشتک و فرستو بمعنی مرئی است سیاه . اما در شرفنامه فرستو بمعنی

فراشتک . ادات : فرستو مرئی است که آن را فراشتک گویند .

۸ مویده ۲ : ۶۰۰ : فرسته پیغامبر که انی لسان اشعار و در شرفنامه فرستاده و پیغمبر و رسول ، فرشته روحانی علوی ،

فرشته نیز گویند . رک : معین ۲ : ۲۵۱۸ که هر سه صورت یعنی فرسته و فرشته و فرشته دارد .

فسیله: گله اسب دستور.
 فرخته: نیکو روی و مودت، فراهمته نیز گویند.
 فرزانه: حکیم و دانایان.
 فرّه: بازای پاری زشت و پلید.
 فلاده: سیوده یعنی بی فائده و بلفق بضم فاست.
 فردره: چونی که پس در نهند تا باز نتوان کرد و در فرنگنامه برای ممله است و آن اصح است.
 فرواره: گدازه چارپلو که در عارت نهند و گنجینه.
 فرخته: قطاقف، نانهای است آنکه از نشاشته بجمت لوزینه بر سنگ می پزند.
 فلایه: حلوی شیر و بفتح فایز گویند.
 فله: بیل چوین آنکه در کشتیا باید و بعضی فرنگیان بفتح فا گویند.
 فریه: لعنت و نفرین.

-
- ۱۰ رک: موبد ۲: ۶۷. ۱۱ رک: موبد ایضاً.
 ۱۲ رک: موبد ایضاً.
 ۱۳ نسخه اصل: پلید یعنی عنذلیب. نسخه 'ال': بلبل یعنی عنذلیب. در اصل معنی فرّه: زشت و پلید است. و بلبل تصحیف خوانی است. رک: صحاح ص ۲۸۴: فرّه پلید. پلشت. رودکی: این فرّه پیر زیر تو مرا خواهر گرفت. برباناد ازو ایزد جب را مرا
 ۱۴ رک: صحاح ص ۲۸۴.
 ۱۵ رک: قواس ص ۱۲۷ که فردره همین معنی دارد؛ موبد ۲: ۶۶ ذیل فردره قول زقان را نقل کرده.
 ۱۶ ادات: فرواره گنجینه و گدازه چارپلو و خانه تابستانی. ۱۷: ۸۱۷: گدازه بالاخانه تابستانی باشد و آنرا پروار و پرواره و ذوار و فرواره نیز گویند.
 ۱۷ قواس ص ۱۳۳: فرواره گنجینه. ۱۸ رک: فرس ص ۳۳۷، قواس ص ۱۴۵، صحاح ص ۲۸۴.
 ۱۹ مقدمه الادب زنجیری ص ۳۴۹ قطاقف نان گردکان و کلوچه شکر باشد.
 ۲۰ نسخه 'ال': و آنرا بزبان ماوراءالنهر قطاقف گویند.
 ۲۱ رک: قواس ص ۱۴۸.
 ۲۲ رک: ادات، جهانگیری ۲: ۲۱۸۷: فوج بر سپینی باشد که بدان کشتی را برانند.
 ۲۳ جهانگیری ۲: ۲۲۲۹: بیل تخمه ای باشد بر پشت بیل که بر سر چوب نصب کنند و کشتی را غلاب و امثال آنرا برانند.
 ۲۴ رک: صحاح ص ۲۸۴، این واژه در نسخه اصل نیامده.

فرخنده : مبارک .

فره : بلبند دپلشت و غالب شدن و زیادت .

فله : بضم فا ، ماستی یعنی جغزاقی که زود بندد و دارویی که بسند وی بپلی گویند و بتنازی لباء ، بعضی بفتح فا گویند .

فرقره : آنکه بچکان بازند و آن چوبکی بود در رشته در میان کرده و بسند وی پهری گویند .

فانه : [ورق ۷۴] ایچوبی که میان چوب نهند و زیر ستونی بوقت پاره کردن برای آنکه بشکافند و در فرنگنامه فانه آنست که چوبی در درامی خلانند تا کس در راه تعجیل نتواند شکست ، و اسدی گوید : فانه بخار است یعنی چوبی نو که در شکاف چوبی شکافته نهند تا محکم کند .

فکانه : بجه ای که از شکم برود از آدمی یا از دواب .

فرسوده : کنه و خلل پذیرفته .

فراسوده : فرسوده .

فرومایه : نادار باشد و از دل فرو بسته .

فاژه : آسا بود آنکه دبان دره گویند .

له : فره : یعنی زیادت و سبقت و افزون و بسیار ، رک : صحاح ص ۲۸۴ ، موید ۲ : ۶۷ ، جهانگیری ۱ :

۱۰۸۶ اما سنی با که در متن آمده مورد تأیید از هیچک از فرهنگها قرار نمی گیرد ، در اصل کله اصل فره است که بلا گذشت .

له : این واژه شامل حاشیه نشو اصل است و صحاح ص ۲۸۵ : فله ماستی بود که بساعتی کند ، نیز رک : ادات و موید ۲ : ۶۷ .

له : در موید بحواله قنیه آمده .

له : رک : صحاح ص ۲۸۴ : موید ۲ : ۶۶ .

له : نشو اصل : بجان است ، رک : قواس ص ۱۱۶ متن و حاشیه نمره ۱۱ .

له : نشو اصل : کنند .

له : رک : صحاح ص ۲۸۵ و موید ۲ : ۶۷ .

له : نشو اصل : نادان ؛ اما ادات و موید ۲ : ۶۷ : فرومایه بی هنر و فقیر و آنکه کارهای دنی کند .

له : ادات : فاژه آنکه دهن از هم باز شود از کاهلی و از آمدن خواب ، صحاح ص ۱۳۷ : فاژ آسا بود یعنی آنکه دبان باز شود از غلبه خواب یا از کاهلی .

له : فرس ص ۳ : آسا دبان دره باشد آنکه دبان باز شود . الخ .

فشرده: بسته.

فسله: شکاری، و در اسدی است: اسب و گویند گله اسب و ستور.

فرشته: روحانی علوی، فرشته نیز گویند.

فسرده: شکاری.

فلخوده: پنبه دانه.

فاغره: نوعی از عطر است و آن دانه است مقدار نخود، پوست شکافه و سخت.

فاغیه: گویند گل حنا، بعضی گویند حنا چون خوشه با بیرون آرد گلهها بشکافد فاغیه گویند.

فیدافه: نام عورتی است.

بهره می

فیروزی: روانی حاجت.

فرومانی: یعنی متخیر شوی و درمانی و بسته گردی.

له: ادات: فشرده بر بسته ای منجمد شده (بجاء مویده ۲: ۶۷). رک: فشرده و فسرده.

له: رک: مویده ۲: ۶۷، فسله و فسله مترادف، و فسله یعنی گله اسبان و شکاری، رک: ادات و مویده
ایضا. اما در همین فرهنگ زفان گویا فسله یعنی گله ستور آمده.

له: رک: فرس ص ۱۴۵. و نیز قواسم ص ۷۳ و صحاح ص ۲۸۵.

له: همین معنی در مویده ۲: ۶۶ درج است. ه: رک: مویده ۲: ۶۷، نیز رک: فشرده و فسرده.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۶۷ که فلوخده و فلفیده هر دو همین معنی آورد، نیز رک: فلوخده و فلفیده
در همین فرهنگ زفان.

له: ادات و مویده افزوده: از پنبه جدا کرده. ه: رک: ادات.

له: ادات: فاغیه گل حنا و خاک گل کرده و شکوفه. اما در مویده ۲: ۶۶ فاغیه بجاء ادات یعنی گل چنپا
نوشته و جایگزینی ۱: ۱۴۶؛ فاغیه و فاغره هر دو یعنی گل رای چنپا آورده. فرهنگ معین ۲: ۲۷۷۵؛
فاغیه یعنی شکوفه و خا نوشته. بنا برین واضح است که چنپا تصحیف خناست.

له: فتح اصل: فیدانه، ادات: فیدافه نام عورتی است که آمره و ولایت سمت مغرب بود الخ؛ مویده ۲: ۶۸؛
فیدافه (فیلاذ اشتباه چاپی) نام زنی و ولایت برزخ. اما اصل نام فیدافه است نه فیدافه، این
فیدافه معاصر اسکندر بود، رک: شاهنامه فردوسی چاپ موسسه خاورج ص ۳۰، ۳۳،
۳۴، نیز رک: فرهنگ معین ۶: ۱۴۸۳.

گونه‌نگار

بهره‌الف

کند^۱: حکیم و منجم یعنی ستاره‌شمار و کاهن که اخترگویی باشد و فیلسوف یعنی دانا و آگاه باشد.
 کرپا^۲: بپای پارسی، گیاهی است که آنرا هلند و نیز گویند و بعضی گویند بپای عربی است.
 کیا^۳: نوعی از علکهاست رومی و کیلکز گویند.
 کانا^۴: پاره خوشه انگور و خرما، و درست تر آنست که کانا چوب بن خوشه خرماست، و البته و نادان
 کلیسا^۵: پرستش جای گبران یعنی معبد مخان.
 کمر^۶: جای گوسپندان و طاق دیوار.
 کیت^۷: ناطف و آن نانی بود که از کنبه و شکر پزند و آن شیرینی است.

۱ رک: قواس ص ۹۱.

۲ نسخ^۱: کاهن که آخری از خویشان گویند، صحاح ص ۲۷: کند کاهن بود اعیانک چیزی از خود گوید و فیلسوف و دانا.

۳ نسخ^۱: آگاهنده، نسخ^۱ اصل: آکاش. رک: قواس ص ۳۷.

۴ این را هلند و نیز گویند، فرس متن ص ۱۱، موبد ۲: ۹۱: هلند و: فرس حاشیه، قواس ص ۳۷: هلند و: برهان ص ۱۳۵۹: هلند و: گیاهی است که آنرا در دوانا بکار برند باری بی نقطه نظر آمده: زفان ذیل 'را' می آورد: هلند و: کرپا و آن دارویی است.

۵ موبد ۲: ۹۲: کیا را بحواله زفان آورده.

۶ زفان: گیاهی است و در فرهنگنامه است کیلکز بدو کاف مکسوره و یای اول پارسی: رستینه است زیبا. نیز رک: قواس ص ۳۸.

۷ در لغت فرس و صحاح و معیار جالی و جامگیری و رشیدی: کانا معنی احمق و نادان است که در بعضی فرهنگها بصورت کانای آمده. اما کله ای که بعضی چوب بن خرما آمده کاناز است نه کانا، اما در قواس و زفان: کانا بمعنی چوب بن خرما و البته و نادان هر دو آمده و کاناز فقط بمعنی چوب بن خرما، برای آگاهی بیشتر رک: قواس ص ۵۲ ح ۲.

۸ برای این معنی در قواس ص ۵۲ واژه بیتک است.

۹ ادات: کلیسا پرستش جای گبران و ترسیان.

۱۰ قواس ص ۱۳۹، صحاح ص ۲۷: کمر جای گوسپندان! اما ادات: کمر جای گوسپندان و طاق دیوار.

۱۱ قواس ص ۱۴۳، صحاح ص ۲۷: گیتا ناطف بود. ۱۲ نسخ^۱ اصل: ناطق. دوتا ناطف ملوای خزین.

کُنا: جامه منقش و ساده و جز بیک رنگ نقش بسته.

کُنا: سختی و درنج باشد که بکسی رسد.

کردنا: مرغ و یا چیزی که بر آتش بریان کنند و بگردانند و بلغنی کاف پارسی است. بعضی بکسر کاف و دال گویند.

کُنا: طبائع اربعه بزبان فلاسفه.

کُنا: راف یعنی ترشی و گویند جابتری

کُنا: محام را گویند که بدان کُنا کشیدند.

کُنا: [ورق ۱۷۵] حیل را گویند.

کُنا: حجام، بعضی بکاف پارسی گویند و این درست است، و بعضی گویند بکاف عربی حجام است و بکاف پارسی غلام هندوی یعنی کُنا.

کُنا: رک: قواسص ۱۵۳. کُنا: رک: فرسص ۱۱۳. قواسص ۱۹۴، صحاحص ۲۶.

کُنا: صحاحص ۲۷: گردنا یعنی مذکور، و ادات: گردنا و گردنا بردو، رک: مویده ۹۱. کُنا: رک: بمحاجص ۲۷، ادات، مویده ۹۲. کُنا: ادات: کُنا راف ای ترشی است جابتری. در همین ادات: کُنا بمعنی آستین رفته، و برای آستین رفته، رک: جاگیر ۱۷۲۱: ۲ ذیل کُنا.

کُنا: زفان راف بمعنی جابتری، جاگیری ۱: ۳۳۰ راف بزبان، بسباسه.

کُنا: ادات: کُنا محام که آنرا کُنا کشیدند، نیز رک: جاگیری ۱: ۶۰۷. در اصل این واژه کُنا است نه کُنا، الف اضافی است که در قدیم در کُنا با اضافه شده مانند 'رودا' درین صراع: آهوی کوهی در دشت چگون رودا. کُنا بمعنی کُنا کشید است که بدان چیزی پیوندند، رودکی: مرابکار نیاید سریشم و کُنا، برای آگاهی بیشتر رک: قواسص من و حاشیهص ۱۹۲. فرسصص ۸۵، صحاحص ۸۲.

کُنا: محام آنچه که بوسیله آن چیزی را محیم کنند، آنچه که بدان سیم و زر و غیره را پیوند دهند. (فرهنگ معین ۳: ۳۵۷۰)

کُنا: آنچه که بدان شکستگی ظروف مسین و برنجین را محیم کنند (ایضاً ۳: ۳۰۰۷).

کُنا: صحاحص ۲۷: کُنا دومی دارد اول حیل باشد، و دوم ترکیب ادویه، نیز رک: مویده ۹۲: ۳.

کُنا: ادات: کُنا بمعنی حجام، و اکثر فرنگها مانند قواسص ۱۸۵، صحاحص ۲۷، جاگیری ۱: ۱۱۱۵.

کُنا یا گُنا: دارند و مویده ۹۱: ۲ و ۱۳۵: ۲ گُنا همان یک معنی.

کُنا: مویده ۳۵: ۲ این معنی بواله زفان نوشته.

کُنا: گُنا است در اصل و مویده.

کیبایه: بزبان شیرازیان عصب را گویند.

کیایه: بکسرکاف ویای پارسی خط.

کنا^{۱۰}: مرز یعنی زمین.

کوادا^{۱۱}: چوب زیر در.

کسیلا^{۱۲}: دارویی است که بهندوی کسلا گویند.

کونیایه: سازی است از آن درودگران.

بهره ب

کنب^{۱۳}: شتی که ازو ریمان سازند، و بلغتی بیای پارسی است.

کب^{۱۴}: اندرون رخ، و بلغتی بیای پارسی است.

کمخواب^{۱۵}: جامه ایست معروف و آن کمخاست.

کلب^{۱۶}: متقار مرغ، و بلغتی بیای پارسی.

بهره ت

کنشت: پریش جای جودان و گبران، و جای بشن خوکان^{۱۷}.

له رک: ادات. اما در مویده ۲: ۱۳۶ گپ طعانی است. عه دستور الاخوان ۴۳۷ جگر آن.

له مویده ۲: ۹۰ کیا یعنی خواجه ده و مقدم ده. سه ادات: کنا زمین، اما مویده ۲: ۹۱ معنی مندرج

تن بجواله زنان آورده. در فرس ص ۲۰۶، قواس ص ۸۸، صحاح ص ۲۰۰: کنا رنگ یعنی مرزبان

و صحاح کن بعضی مرز نیز نوشته. عه جعفری ۴۰۰ کوادا بهمن معنی.

له رک: ادات. عه این کله هندی در ادات یافته می شود.

له رک: مویده ۲: ۹۲، اما در جالگیری ۲: ۹۱: گونیاست.

له رک: ادات و مویده ۲: ۹۳. عه نسخ اصل: شتی.

له ادات و مویده: که از لیف آن رسن سازند.

له ادات: کب اندرون رخ و قیل بابای پارسی، رک: مویده ۲: ۹۳.

له رک: مویده ۲: ۹۳ که بجواله زنان معنی اش را نوشته.

له از روی نسخ اصل افزوده شده.

له دستور ۲۰۷ کلب؛ ادات و مویده ۲: ۹۴ کلب دارند نه کلب.

له در اکثر فرهنگها مانند فرس ص ۵۱، قواس ص ۱۱، ادات: جای جودان. اما در قواس کنیه

پریش جای گبران قرار داده شده.

له این معنی فقط در ادات است، و در مویده ۲: ۹۵ بجواله زنان آورده. عه نسخ اصل: خوکا.

کبست^۱: پوست نیشکر و خرزهره تلخک یعنی حنظل، و در فردوسی حنظل را کبست افاده است.
 کدست^۲: یک بدست یعنی بدست که بتازی آنرا شبر گویند، و کسر دال نیز گویند.
 کویست^۳: کوفتگی، و بعضی بکاف پاری گویند.
 کبت^۴: نعل انگبین یعنی کس، و بعضی فرہنگیان بد کسر گویند.
 کلات^۵: دیوی باشد بالای بلندی و کوهی اگر چه بران شود، و بعضی گفته اند کلات دیسهای کوچک است.
 کفیت^۶: از هم باز شده.
 کاشت^۷: گردانیدن.
 کافت^۸: شکافت.
 کوت^۹: سرین.
 کت^{۱۰}: تاج و تخت، و در فرہنگنامه فقر قواس است: کت تخت ہندوان باشد میان بافت،
 گوئی تفریس کت^{۱۱} است.
 کاست^{۱۲}: کم شده و کمی پذیرفته.
 کیمخت^{۱۳}: پوشینی است ترنجیدہ و گویند دانہ، و کیمخت گویند یعنی پوست پیراستہ.

-
- ۱۔ قواس ص ۳۷، صحاح ۴۷، دستور ص ۲۰۳، ادات: کبست یعنی حنظل نوشته؛ اما مویہ ۲: ۹۵ ہر دو معنی دارد.
- ۲۔ قواس ص ۸۴، دستور ص ۲۱۴: کدست بدست. رشیدی ۲: ۱۱۱۰: کدست بدست کہ بحرلی شیر گویند.
- ۳۔ برہان ۱: ۲۴۴: بدست و جب را گویند و عربی شیر.
- ۴۔ کذاست در مویہ ۲: ۹۵؛ اما در ادات کویست کاف و یا ہر دو فارسی.
- ۵۔ رک: ادات و مویہ ۲: ۹۵ (کیت اشتباه چالی).
- ۶۔ رک: فرس ص ۳۶، قواس ص ۱۳۳، دستور ص ۲۱۰.
- ۷۔ از مصدر کفیتن بمعنی کفیدن: از هم باز شدن.
- ۸۔ رک: مویہ ۲: ۹۴ کاشت ماضی از کاشتن، روی برگردانیدن.
- ۹۔ رک: مویہ ۲: ۹۵.
- ۱۰۔ رک: قواس ص ۱۳۲: کت تخت ہندوان باشد میان بافت.
- ۱۱۔ بظاہر تاج از کت بیج علاقہ ندارد. نسخہ اصل: کمن.
- ۱۲۔ رک: ادات و مویہ ۲: ۹۴.
- ۱۳۔ در مویہ ۲: ۹۵ ہمین معنی بحوالہ زفان آمدہ است.

بهره‌وج

کونج: سیاه دانه.
 کلونج: نان ریزه.
 کنج: بیرون کشیدن و احمق و خودستایی و بعضی فرنگیان بکاف و جیم پاری، احمق و خودستا را گویند.

کونج: قونج و آن نام عطی است از باد.
 کولانج: حلوائی است که آنرا سایبر و لابرلا و لابران نیز گویند.
 کلنج: سبد گرما یا بنان و گویند سبد کناش، و بعضی بکمرکاف و فتح لام گویند [ورق ۱۷۶] و در اسدی بکیم پاری گفته.

ککج: قلاب آهنین بر سر چوب کرده که بدان سج کشند و مانند سخ.
 کنج: پیچک یعنی گوشه ای از جانی بود.
 کلاج: همان حلواست که آنرا لابرلا گویند، و بکاف و جیم نیز پاری گویند.

له: قواس ص ۹۰: کونج و بونج: سیاه دانه؛ نیز رک: ادات.
 له: رک: قواس ص ۱۳۹.
 له: این کلمه بصورت های ذیل یافته می شود، کنج و گنج و کنج و گنج، رک: فرس، قواس، دستور، صحاح، موید، برهان قاطع. دکتر معین در برهان ص ۱۸۳۷ گنج را صورت صحیح و دیگر صورتهارا مصحف قرار می دهد.
 له: موید ۲: ۹۶: کنج: بیرون کشیده. ادات: گنج بافتح احمق و خودستا و کنج بمعنی بیرون کشیده نوشته.

له: نسخه اصل: خودستایی. له: رک: جهانگیری ۲: ۲۰۷۰، فرهنگ معین ۳: ۳۱۳۱.
 له: ادات: گولانج کاف و واو و جیم هر سه فارسی حلوائی است که اهل هند آن را لابر خوانند، موید ۲: ۹۶: کولانج را بدین معنی می نویسند، یا مترادف هندی لابر.
 له: کذاست در اصل. اما این همه بظاهرا اشتباه است، و صحیح لابرلاست چنانکه در فرهنگ معین ۳۱۳۱: ۱ درج است نیز معین ذیل لابرلا (فرهنگ ۳: ۳۵۱۷) می نویسند: لابرلا (۱) تو بر تو (۲) نوعی نان شیرین، تنگ و تو بر تو، تو برت، کلاج.

له: رک: فرس ص ۶۱، قواس ص ۱۳۴، صحاح ص ۵۹.
 له: موید ۲: ۹۶: له: رک: موید ایضا.
 له: قواس ص ۱۲۸: پیچک گوشه بود از خانه. له: رک: فرهنگ معین ۱: ۳۱۳۱.

کرکج^ش: زهر و خرمای ابو جیل.
 کرکج^ش: زخمه گریبان و بضم کاف نیز گویند.
 کبج^ش: خردم بریده و چارپائی که زیر دهنش بیاماسد آنگاه گویند کبج شده است از ستور
 و خر، و بعضی یکم پارس گویند.

مهره 'ج'

کاچ^ش: کاچک یعنی تارک و سیلی که پس تفازند.
 کبج^ش: پراکنده و جامد بود.
 کوچ و بلوچ: یعنی کوچ و بلوچ مرکب و در هر دو واو پارس، دزدان را گویند، و مجرد کوچ احوال
 باشد و چخته و پیاده و دزد و زند. و بعضی بحکم عربی گویند.
 کالوچ^ش: خرد، و گویند انگشت خرد پای یعنی کسین انگشت پای.

- ۱۰ رک: ادات؛ مویده ۲: ۹۶ کرکج اشتباه چاپی است.
 ۱۱ ادات: کرکج باجم فارسی زخمه گریبان.
 ۱۲ رک: فرس ص ۵۱۰، صحاح ص ۵۴، ادات؛ مویده ۲: ۹۶.
 ۱۳ ادات، مویده، فرهنگ معین ۳: ۲۸۸۵: گویند کبجچه شده است - کبج، کبجچه، کبج - همین معنی دارد.
 ۱۴ رک: صحاح ص ۵۸.
 ۱۵ رک: ادات و مویده ۲: ۵۷، این فرهنگ اخیر بگفته زخان معنی درج نموده. فرهنگ معین ۳:
 ۳۱۴۹ کبج یعنی پراکنده، اندک، خرد نوشته.
 ۱۶ کن است در ادات؛ اما کوچ و بلوچ بگفته صحاح ص ۵۹ موضعی است میان کرمان و اصفهان و بگفته
 جابگیری ۲: ۲۰۵۵ کوچ و بلوچ نام طایفه است از صحرائین که در اطراف و نواحی کرمان متوطن اند
 و کار و حرفه آنها جنگ و خونریزی و دزدی و راهزنی باشد الخ. و مسالک و ممالک ص ۱۴۱:
 این دو قوم را کوچ و بلوچ خوانند و کوچ از کس نرسد الا بلوچ و مردمانی صحرائین باشند الخ -
 حکیم قطران نظم نموده:

بهنده اهل پارس هراسان ز کارسن: زن سان که اهل کرمان ترسان ز دزد کوچ

نیز رک: فرس ص ۶۳.

- ۱۷ رک: ادات، جابگیری ۲: ۲۰۵۵. ۱۸ رک: ادات.
 ۱۹ این معنی را مویده ۲: ۹۶ بحواله زخان آورده.
 ۲۰ ادات و مویده ۲: ۹۷: کالوچ کبوتر و انگشت کسین پا. اما در فرس ص ۶۴، قواس ص ۸۴،
 صحاح ص ۵۸: کالپنج یعنی انگشت کسین پای. در ادات کالپنج و کالوچ هر دو آمده.

کلنج: ریم اندام یعنی شوخ و چریک بر دست و اندام باشد و در فرهنگ ادراست: کلنج احمق و محب و خوشن است!
 کوچ: رحلت یعنی روان شدن از منزل و غرامیدن، و کوفت یعنی چند شوم.
 کر تیج: خانه کوچک و خانه خرمن بان که در خرمن سازد و گوشه خانه.
 کلوچ: کلوچ: تان ریزه، کلوچ [با جیم فارسی] بدل کرده.
 کلیوآج: پشه باشد.

بهره خ

کتخ: ترش شیر مثل پنیر که جغزات را با شیب می کنند و گویند کشک یعنی پنیر.
 کالوتخ: گیاهی است و در فرهنگ فخر قواس کا کوخ بدو کاف است.
 کیر تخ: تخمه چوب باشد و دفتر و کتاب بر آن ننند، بتا زیش رحل خوانند.
 کرج: آستخ کو دوکان را بدان بترساند یعنی چیزی باشد صورت زشت درش بنگارند و کو دوکان را که طفل باشند بترسانند یعنی کھو کھر، و کج زنده دیوار را گویند
 کاخ: گوشک و خانه و روزن، و بعضی گویند: کاخ خانه باروزن است.
 کوخ: خانه بی روزن.
 کوخ: آتش دان.
 کلوخ: پاره گل خشک کرده.

- له رک: قواس ص ۸۹، صحاح ص ۵۹.
 له ادات هر دو معنی دارد، و نسخ اول از زفان نقطه معنی دوم دارد. اما در صحاح ص ۵۸ کج و در زفان کج و جباگیری ۲: ۱۶۵۶ کلیج دارای همین معنی است. له رک: صحاح ص ۵۹.
 له رک: ادات. له رک: ادات. له جباگیری ۲: ۱۶۵۸: کلیوآج غلیوآج، نیز رک: فرهنگ معین: کلیوآج غلیوآج، زمین (۳: ۵۲). له که است در اصل، نسخ اول: پس ادات: کلیوآج پس عربی شش، مدار ۱: ۳۰۷ پیش مختصر پشه کلیوآج، موبد ۲: ۹۷ بگفته زفان بشن نوشته. له رک: قواس ص ۱۴۷. له رک: فرهنگ معین ۳: ۲۹۸۸.
 له رک: قواس ص ۳۸ که کالوخ دارد نه کا کوخ. له رک: قواس ص ۱۲. له رک: قواس ص ۱۱۱.
 له که است در اصل. له رک: فرهنگ معین ۳: ۲۹۱۹.
 له رک: ادات. له رک: ادات.
 له در ادات و موبد ۲: ۹۶ کو کج: اما در لسان استخرا بگفته موبد: کو کج که در متن (زفان).
 له ادات: کلوخ: پاره گل خشک شده الخ.

بهره‌آو

کبیده: مرد کوه نشین از زباده و رهبانان، و در [دوق ۱۷۷] اسدی و فردوسی است: کبیده دهمقان.
 کبیده: درم گزین پادشاه باشد یعنی ناقه که سیم و زر سلطان بدو سپارند و او بخزان سپارد.
 کراو: جاشه کمنه و پاره پاره نیز گویند.
 کبیده: گوشت آوری یعنی خر به.
 کلونده: مرسله باشد از گوز و انجیر و آسنج بدین ماند.
 کرمنده: شتاب.
 کافده: شکافده.
 کمنده: بیل باشد سراندر جفته، برزگران را بود، در ماوراءالنهر بیشتر بود.
 کمنده: طناب.
 کرد: کشت شالی و ترکاریها و نام قومی.
 کروو: چاهی که آب از او بدشواری کشند.
 کلنده: میتین یعنی بسل^{۱۷}.

- له رک: قواس ص ۸۷؛ ادات: کبیده کوه نشین از زباده و عباد و قیل دهمقان.
 له کبیده را بدین معنی نیز باضم نوشته اند (رک: جایگیری ۲: ۲۱۸۹). اما تحقیق دکتر معین اینست که اصلاً این گاه بد = گبیده است. و محراب آن جبنده، رک: فرهنگ معین ۳: ۳۱۴۱، ۳۱۴۹۲.
 له رک: قواس ص ۸۷. له رک: ادات و مویده ۲: ۹۹. له رک: ادات و مویده ۲: ۹۹.
 له ادات و مویده ۲: ۱۰۰ کلونده نام کوهی است و مرسله (مویده: گلوبنده) که از گوز و انجیر بکنند، قیل باکاف پارسی. در مویده باکاف فارسی و عربی بهر دو طور؛ اما چون مرسله با گلو علاقه دارد بنا بر این کلمه باید گلوبنده باشد نه کلونده. له رک: ادات و مویده. نسخه اصل: گوز و انجیر و گوز.
 له صحاح ص ۸۲: کرمنده شتاب در کارها باشد، نیز رک: ادات و مویده ۲: ۹۹ (کردمنده غلط، کرمنده درست).
 له مویده ۲: ۹۹: کافده شکافده و شکافده شود.
 له کمنده و کلنده مترادف اند. رک: جایگیری ۲: ۱۶۵۰.
 له رک: ادات و مویده ۲: ۱۰۰. له ادات: طناب که ازان آلت جنگ سازند. له رک: ادات.
 له رک: جایگیری ۱: ۱۱۰۹. له رک: جایگیری ۲: ۱۶۵۰؛ مویده ۲: ۹۹.
 له رک: ادات. درین فرهنگ میتین و کلنده مترادف اند، نیز رک: مدار ۲: ۲۰۳، جایگیری ۲: ۲۳۴۲، صحاح ص ۲۵۳. زفان میتین را مترادف کلنده و بسل نوشته.
 له ادات و مویده: سببال (هنی)؛ زفان بسل (ذیل میتین).

کرته: توان و مراد.

کبودته: کرمی خرد است، درشت باشد، و گویند کرمی خرد است که ماهی خورد، و در اسدی است: کرمی باشد که بخود اندر آب رود.

کوارته: سیدی که بدان خاک و میوه و جز آن بردارند.

کزارته: بازای پارسی، حوصله.

کدو ته: کشاورز و دهقان را گویند، مزایع نیز گویند.

کویرته: زمین سراب یعنی کوراب و آن زمین شوره است و سیابان که بی آب و نبات باشد بعضی فرنگیان گویند کویر بکاف و یای پارسی.

کیفرته: پشیمانی و سنگ سرکنگره و مرگ دروغ، و گویند آلتی بود دوغبانرا که اندرو دروغ و ماست کنند، مانند تغاری باشد لیکن دیوارش از آن برتر باشد و نایزه دارد چون نایزه بلبله، و بعضی این را بکاف پارسی گویند، و در فردوسی است: کیفر حیف باشد.

کدو ته: برزگر و دهقان و باغبان و خانه دار.

کشورته: اقلیم یعنی رکنی بخشی از زمین و آن هفت است باقسام هفت سیاره، پس کشور هفتم حصه زمین باشد از ربع مسکون.

له: ادات و موید ۲: ۱۰۲: کر توان و مراد، صحاح ص ۱۱۲: کر توان باشد، و کام و کر: مراد و تولی و پشت و پناه.

له: صحاح ص ۱۱۲: کبود در کرمی باشد خرد در آب و ماهی آنرا خورد.

له: رک: ادات و موید ۲: ۱۰۲. له: رک: موید ۲: ۲۰۳.

له: رک: صحاح ص ۱۱۳. له: رک: صحاح ص ۱۱۲.

له: رک: قواس ص ۲۸، صحاح ص ۱۱۵. له: قواس ایضا.

له: ورنه اصل: از زمین ... بعضی افتادگی دارد.

له: صاحب ادات، بکاف و یای پارسی آورده.

له: رک: فرس ص ۱۳۱، قواس ص ۳۱ و ۱۳۰، صحاح ص ۱۱۵.

له: رک: قواس ص ۱۳۰. له: رک: ادات. له: نعل آوند (موید ۲: ۲۴۲)

له: در هر دو نسخه زنان این واژه دوباره آمده. له: رک: صحاح ص ۱۱۲.

له: رک: ادات.

کوکنار^۱: خشخاش .
 کستر^۲: خاریسپاه ، و بعضی بکاف پارسی گویند .
 کراکر^۳: کلاغ ، و بعضی بضمت هر دو کاف .
 گنگار^۴: مار پوست افکنده . و بلغتی کاف مفتوح است .
 کیار^۵: کاهلی و گیاهی باشد .
 کریر^۶: پای کار یعنی پیشکار .
 کنور^۷: کندهای غله آن چیزی است همچو خم و کانور نیز گویند ، و بلغتی کاف مفتوح است .
 کنار^۸: موز که میوه است .
 کلاور^۹: غوک .
 کاشغر^{۱۰}: نام شهری است در ترکستان و کازاغرا نیز گویند .
 کنر^{۱۱}: نام درخت است که بد رخت پسته ماند ، اورا میوه و تخم نباشد . [ورق ۱۷۸]
 بتازی لبان^{۱۲} گویند .

-
- ۱ صحاح ص ۱۱۵ : کوکنار خشخاش بود با پوست رسته ، اما ادات . کوکنار خشخاش .
 ۲ ادات : گستر یا کاف فارسی خاریسپاه و گسترده .
 ۳ رک : قواس ص ۵۸ . رک : قواس ص ۷۱ .
 ۴ ازین جاتا کنور در نسخ اصل افتادگی دارد .
 ۵ این واژه و واژه بعد در نسخ اصل افتادگی دارد . صحاح ص ۱۱۵ : کیار کاهلی ؛ اما ادات و موبد ۲ : ۱۰۳ : کیار کاهلی و گیاه .
 ۶ جهانگیری ۱ : ۱۱۲ : کریر با اول مفهوم و ثانی مکسور و یاسی معروف پایکار و پیشکار .
 ۷ نسخ اصل : کانور .
 ۸ رک : قواس ص ۱۴۱ ؛ صحاح ۱۱۴ : کندور و کنور ظرفی باشد بزرگ مانند خم که غله را دران ریز و کندول و کن و خنانه . کن و بعضی ظرف بزرگ گلین که هندوی کوشی گویند . (جهانگیری و رشیدی)
 ۹ کنز است در نسخ اول ؛ اما این صورت در فرهنگها دیده نشد .
 ۱۰ رک : ادات و موبد ۲ : ۱۰۳ . رک : ادات و موبد ایضاً .
 ۱۱ کاشغر که بشکل بای دیگر مانند کاجغر ، کاجخر ، کازغر آمده ، شهر مرکزی ترکستان شرقی واقع در ۷۰ کیلومتری شمال غربی یارکنه (فرهنگ معین ۶ : ۱۵۳۴) ؛ نیز رک : جهانگیری ۱ : ۲۲۵ .
 ۱۲ رک : ادات و موبد ۲ : ۱۰۳ و فرهنگ معین ۳ : ۳۰۹۱ .
 ۱۳ رک : فرهنگ معین ایضاً .

کرگسار: نام ولایتی است.

کاخر: یرقان.

کردر: دشت وکوه. وگویند دره کوه.

بهره نر

کاریز: جوی سرپوشیده و سر بسته یعنی آنکه بطریق مسج کاهند، و در اسدی است: آبی باشد زیر زمین که از جایها بجایها برند.

کارز: صومعه بر سر کوه و صمیم گویند کاف پارس است.

کرز: گوشه خانه.

کراز: کوزه سرتنگ و تب، ولیکن تبی که زنان را وقت ولادت بیشتر باشد.

کیز: نم.

کشاورز: مزارع.

کرور: طب و نشاط، و بواو پاری نیز گویند.

له نسخ اصل: کرگنار، اما رک: جاگیری ۱: ۱۱۰۵ نیز حاشیه: شامبار:

سوی کرگسار و سوی باخر: درفش نجسته براذاخت مر

در چاپ دیگر: سوی کرگساران سوی باخر، و در محل التوایج و القصص ص ۴۴ بصورت کرگساران آمده.

له رک: جاگیری ۱: ۴۲۶. ادات: کردر دشت وکوه و دره کوه و زمین سخت:

نیز رک: قواس ص ۳۱. له رک: قواس ص ۲۵.

له کذاست در قواس، زفان: مسج یعنی حفزه کردن و سمج حفزه کرده الخ.

له فرس چاپ پاول هورن ص ۳۹: کاریز آبی باشد در زمین بجائی بدون برند الخ. اما در صحاح ص

۱۲۹: کاریز آب روان باشد زیر زمین که بجایها برند.

له کذاست در صحاح ص ۱۲۹، اما قواس ص ۱۲۳: کاز.

له کذاست در قواس: اما صحاح: موضعی باشد که در کوه و بیابان برگشتد الخ.

له در هر دو نسخ: کوز: و شاید همین جهت است که در مویده ۲: ۱۰۵ این واژه بهمین شکل آمده،

واضح است که این تصحیف است. اما در قواس ص ۱۲۸، صحاح ص ۱۳۰، ادات، دستور

ص ۲۱۰، مویده ۲: ۱۰۴، جاگیری ۱: ۱۱۲ کریز یعنی خانه کوچکی یا گوشه خانه آمده.

له قواس ص ۱۳۴، صحاح ص ۱۳۰: کراز کوزه سرتنگ. له رک: ادات و مویده ۲: ۱۰۴.

له رک: مویده ۲: ۱۰۵. له رک: صحاح ص ۱۳۰، مویده ۲: ۱۰۴.

له مویده: بازای پاری.

کاناز^۱: بن خوشه رطب .

کناز^۲: همان کاناز .

کیکیز^۳: گیاهی است ، و در فرهنگنامه است : کیکیز بدو کاف مکسوره دیای اول پارسی ، ریشینه است زیبا .

کریر^۴: پر رختن بازو مثل او ، و فریقه^۵ و معنی فریقه باصا و مهله آنست که دستهارا زیر پایابندند

یادست و پایبندند .

کوز^۶: دوتا یعنی کنگ و چفته^۷ .

کنیز^۸: پرستار .

کراز^۹: بیل باشد بدو رشته بسته و دو کس می کشند و زمین راست می کنند .

بهره^{۱۰} اثر^{۱۱} .

کرش^{۱۲}: بیخ درخت هر چیزی .

کاثر^{۱۳}: کلک بود یعنی احوال .

کرش^{۱۴}: خوبل یعنی ضد راست .

۱ رک : صحاح ص ۱۳۰ ، موید ۲ : ۱۰۴ ، و نیز قرآس ص ۵۲ ذیل کاناز ، و حاشیه نموه ۲ .

۲ رک : سرمد سلیمانی ۱۹۷ . ۳ فرهنگ جهانگیری : کیکیز ، نیز رک : قرآس ص ۴۰۲ .

۴ کذاست در قرآس ص ۳۸ ، موید ۲ : ۱۰۵ قول زفان را عیناً نقل نموده .

۵ رک : ادات و موید ۲ : ۱۰۵ .

۶ کذاست در ادات و موید ایضاً و سرمد سلیمانی ۱۹۷ .

۷ همین معنی عیناً در موید بگفته ادات درج نموده ؛ اما نسخه ادات که پیش بنده است یک کمی

فرق دارد ، در دستور الاخوان فریقه بدینطور شرح شده :

گوشت بازو و میان شانه و پهلوی از بیم بلرزد .

۸ صحاح ص ۱۳۰ و ادات و موید ۲ : ۱۰۵ : کوز چفته و دوتا شده .

۹ نسخه اصل : خفته .

۱۰ موید ۲ : ۱۰۴ : کراز و صحاح ص ۱۳۱ : گراز بدین معنی نوشته .

۱۱ برای این معنی رک : ادات و موید ۲ : ۱۰۵ . ۱۲ رک : صحاح ص ۱۳۷ .

۱۳ کلک بمعنی احوال ، رک : صحاح ص ۱۸۵ .

۱۴ خوبل بمعنی کرش ضد راست ، رک : صحاح ص ۲۰۶ .

بهره‌س

کرس: موی پیچیده و ریم تن و جامه، و بعضی کاف مضموم گویند و بلفتی کاف پارسی است.
کالوس: مردم خربط یعنی مسخره، مشهور و مستهزأ.

کوس: طبل، آنکه بشکرها و مرکبها دارند و معروف است، ویرا بزنند از جنت حشمت بزرگان
و ملکان را بود، و زبان و مانند، گویند این بران کوس می زند یعنی بدان می ماند، و آنکه
دو تن برهم رسن یعنی فراهم رسند و سپلو و دوش سخت در یکدیگر کوبند.

کابوس: دیو ستنه

کاس: کوزهای پن بر مثال کشف چه از چوب و چه از سفال، چنانکه خواهند از زیر بغل در
آویزند.

کیوس: کره.

کیس: گیاهی است که بدان گوهر پولاد پیدا آید.

کرگس: پرنده مردار خوار.

کس: فرج عورت.

له قواس ص ۷۸، دستور ص ۲۱۳: کرس و کورس: موی پیچیده، و مویده ۲: ۱۰۶: ریم اندام. ادا:

کرس بافتح ریم اندام، و کرس موی پیچیده. زنان: کورس همان کرس یعنی موی پیچ و ریم اندام
جانگیری ۱: ۱۱۰۲، کرس، کرسه، کورس یعنی چرک و ریم و موی مجعد.

له رک: قواس ص ۱۵۸، صحاح ص ۱۴۵.

له قواس ص ۱۱۲: کالوس مردم خربط. صحاح ص ۱۴۵: کالوس: مردم خربط و ابله.

له خوبط بمعنی سخنگی و خربط بمعنی مسخره، رک: مدار ۲: ۱۲۴.

له کذاست در نسخ اصل و ادات، اما نسخ اول: مشهور، مویده ۲: ۱۰۶: مقبور.

له کذاست در نسخ اصل و ادات، و نسخ اول: مستهزأ و مویده: غناک.

له ادات: کوس طبل و دمار و زبان و مانند.

له رک: مویده ۲: ۱۰۶، درین فرهنگ این معنی بگفته ادات نوشته؛ اما نسخ ادات این را ندارد

له رک: ادات. له رک: صحاح ص ۱۴۵ و ادات.

له رک: صحاح ایضاً. له رک: ادات.

له ادات: چیزی است. له ادات: بیارایند

له ادات: کرگس پرنده ایست درنده... و عرب آنرا نسر خوانند.

ش: همان کرس است یعنی موی پیچیده و ریم اندام.
بهره ش

ش: دین و مذہب [درق ۱۷۹] و آنچه دران تیراندازند مثل قربان یعنی ترکش، موی زلف را نیز بکیش گویند.

ش: صفت و کاف مضموم لغتی است و بعضی بکاف پارسی گویند.

ش: آوند دوع، و بعضی بکاف پارسی گویند، و کادیش نیز گویند.

ش: بضم فتح دال پاغنده، و بعضی بکسر دال گفته اند و بعضی بفتح کاف نیز گویند.

ش: بضم قاف، و بعضی کاف پارسی گویند.

ش: جانور است چون مار کوتاه ولیکن دست و پای دارد و سبک رود و بیشتر به دیرانه ها باشد، هر که را گزد دنان او در زخم گاه ماند.

ش: بکرفش.

ش: چرخ روغن گران یعنی کشتی، آنچه بدان روغن می کشند.

ش: چهاردهم روز از ماه.

له: رک: کرس. ش: رک: صحاح ص ۱۵۵، ادات و موی ۲: ۱۰۸. ش: این معنی در ذریعکام دیده نشد.

ش: قواس ص ۱۷۰، کواش و گون و دام: صفت، ادات: گواش؛ جباگی ۲: ۲۰۵۱: کواس و کوار
 بعضی صفت و گون و در بعضی از فرہنگها بایشین منقوط.

ش: ادات: کویش آوند دوع و قیل باسین مملد، رک: و موی ۲: ۱۰۸.

ش: رک: ادات و موی ۲: ۱۰۸. ش: زقان: پاغنده پنج زده.

ش: نسخ: اصل: کورش. اما رک: نسخ: ال: و موی ۲: ۱۰۷ (کورش اشتباه چاپی) ادات: گورش.

ش: رک: ادات، و موی کرش اشتباه چاپی، ۲: ۱۰۷.

ش: رک: ادات و موی ۲: ۱۰۷.

ش: رک: ادات، و موی ۲: ۱۰۷: کادوش و این اشتباه است.

ش: کذاست در اصل. از اینجا تا آخر در نسخ: ال: افتادگی دارد.

ش: موی ۲: ۱۰۸: کوش چهارم روز از ماه کذافی ش قنار. اما در اکثر منابع این گوش است.

ذریعک معین ۳: ۳۴۵۲: کوش روز چهاردهم از هر ماه شمسی:

به روز کوش اسفند ماه. بگاد یزدجر از حسن شمشاد

بقول بیرونی در گوش روز از دی ماه جشنی بوده است موسوم به "سیه سور" الحج. نیز رک: مدار

۱: ۱۴۱: نقطه ای که نام سی روز از ماه در ج نموده است.

بهره 'غ'

کُغ : پیچال چشم یعنی آب و سحار چشم که پیچال بندد.
کن غ : بضم کاف ، تار ابریشم ، و بعضی کون اصل ابریشم یعنی پیسند و گویند کن غ یعنی تار ریشمان
و بعضی بفتح کاف گویند.

کر غ : اوشه ، و این گیاهی است که کمنگران بر بازوی فرود آمده بندند ، بتازی اشق گویند.
کلاغ : زارغ سیاه دشتی .

کارغ : آوازی که در کله جنبانیدن گاو بر آید که بهندوی آئرا جگال گویند.

بهره 'ف'

کوف : جنسی است از مرغان ، و اصح آنکه پندشوم است .
کشف : باضه .

کر ف : سیم سوخته و بعضی بکاف پارسی گویند .
کاف : شکاف .

بهره 'ک'

کاواک : میان تپی یعنی خالی ، و بعضی بکاف پارسی گویند .
کاک : مرد ، بلغت ماوراءالنهر . و قرص و مردم چشم .

- | | | | |
|----|---|----|----------------------------------|
| ۱ | له : قواس ص ۷۹ . رک : سروری ۱ : ۲۴۴ . | ۳ | له : رک : قواس ص ۱۸۵ . |
| ۲ | له : از اینجا تا گویند کلاغ در نسخ اصل افتادگی دارد . | ۴ | له : رک : قواس ص ۱۸۵ . |
| ۳ | له : قواس ص ۴۳ ، دستور ص ۲۰۴ : کرغ اوشه . | | |
| ۴ | له : مویده ۱ : ۱۰۲ : اوشه گیاهی است که کمنگران بر بازوی فرود آمده بندند . | | |
| ۵ | له : رک : ادات و مویده ۲ : ۱۰۹ . | ۶ | له : رک : مویده ۲ : ۱۰۹ . |
| ۷ | له : رک : مویده ۲ : ۱۰۹ . | ۸ | له : رک : ایضاً ص ۱۱۰ . |
| ۹ | له : رک : قواس ص ۶۷ . | ۱۰ | له : رک : مویده ۱ : ۱۷۷ . |
| ۱۱ | له : رک : قواس ص ۱۹۱ . برای شکلهای دیگر این کلمه رک : قواس ص ۱۹۱ ح . فرس و صحاح : | | |
| ۱۲ | له : رک : ادات و دکتر معین همین را درست قرار می دهد : حاشیه بر همان ص ۱۶۳۶ . | | |
| ۱۳ | له : رک : ادات : کاف شکاف و بکاف فارسی نیز . | ۱۴ | له : رک : مویده ۲ : ۱۱۰ . |
| ۱۵ | له : رک : صحاح ص ۱۸۴ ، جهانگیری ۱ : ۴۴۰ - ۴۴۱ . | ۱۶ | له : رک : صحاح ایضاً . |
| ۱۷ | له : جهانگیری ایضاً نانی بود . | ۱۸ | له : رک : قواس ص ۸۰ ، صحاح ص ۱۸۴ |

کابک^۱: خانه کبوتر و مرغ خانگی و چیزی مانند زنبیل که آدمیان در خانه آویزند تا کبوتراندر وی بچه کند.

کابوک^۲: همان کابک است.

کلک^۳: کار چشم یعنی احوال.

کوک^۴: با واد پاری، تره است، از خوردن آن خواب آید و طبعش سرد تر است چنانکه از خوردن خشکش، بتازی آنرا خش و بندوقی بهشت گویند.

کوک^۵: بوداو عربی، کمان، و بعضی کاف پاری گویند.

کلیک^۶: کرتیج، خرمن دان یعنی جای نگاهبان، خرمن دان خانه [ورق ۱۸۰] ایست که در خرمن گاه اندازند.

کلنک^۷: تخم خرفج یعنی لونک^۸.

کراک^۹: جانوری است از مرغان سیاه و سپید دراز دم، بر کرانه آب نشیند و دم بگرداند، مقدار فراشنگ است، کرک^{۱۰} نیز گویند.

۱ رک: صحاح ۱۸۴. ۲ ایضاً. ۳ رک: صحاح ص ۱۸۵ و دستور ص ۲۰۴.

۴ صحاح ص ۱۸۵: کوک کاهو باشد که بعضی تره خوانند، طبعش سرد و تر است.

۵ تواس ص ۳۸: کوک تره ایست و کوکنار خشکش، خورنده هر دو را خواب آید. سنائی:

پاس خود خود دار زیرا پاسبانان ترا. تره شان کوک هست و میوه شان کوکنار

۶ رک: جهانگیری ۲: ۲۰۶۶ و فرهنگ معین ۱: ۱۴۰۹. ۷ نسخه 'ال: بهل.

۸ رک: تواس ص ۱۷۲.

۹ تواس ص ۵۷: کلیک و کرتیج: خرمن بان. دستور ص ۲۰۶ کلنک: کرتیج خرمن بان، ادب:

کلیک خرمن بان که خرمن برد اندازند.

۱۰ زفان: کرتیج خانه کوچک و خانه خرمن بان که در خرمن سازند و گوشه خانه.

۱۱ رک: تواس ص ۴۰ و ادات، مویده ۲: ۱۱۲، (خرفج غلط چاپی)، اما دستور ص ۲۰۴: کلنک تخم خرفج.

۱۲ زفان: خرفج گیاهی است که بتازی بقله الحقا گویند یعنی لونک، در همین فرهنگ بقله الحقا بدینطور

شرح کرده: خرف و ادرا بقله مبارکه و بقله زهرانیز گویند، بندوقی لونک گویند.

۱۳ این کلمه هندی بعلاوه زفان در مویده ۲: ۱۱۲ نیز یافته می شود.

۱۴ رک: فرس ص ۲۵۲، تواس ص ۵۹. ۱۵ نسخه 'ال: کوکنار.

۱۶ نسخه 'ال: ادات، بلرزانند. ۱۷ در دیگر فرهنگها دیده نشده.

۱۸ مویده ۲: ۱۱۱ برای این معنی کردک دارد، و نیز کرک.

کریشک: چوڑہ ہر چیز، و در فرہنگ نامہ نمشتہ: کریشک مرد جنگی و پہلوان.
کشتک: بشین محمد خیزدوگ نقش.

کرک: مخلوق یعنی سرکش، و بعضی بفتح کاف گویند: مردم چشم.
کملک: بغل یعنی ابط و کاف مضموم، ملکی است.

کوچک: بواد پارسی و عربی نیز گویند، خرد.

کنڈک: نان ریزہ، و بفتح دال.

کیشک: سنبہ تیز کردن آسیا، و بعضی بفتح کاف کسرا و در فرہنگ نامہ فخر قواس کیشک کرده است.

کورک: بواد پارسی، سنگ گازر.

کردک: افسانہ و گویند لغز.

کبک: پرندہ است چون فاختہ سپید باشد در نگاہ خوب دارد، انکشت می خورد، رفتار خوب

دارد، گویند کبک درمی در درہ کوہها باشد.

کلک: بی موی و بیشتر یعنی زخم بیشتر و دندان.

۱۱۱۳. ادات و جاگیری: ۱. رک: قواس

۲. معلوم نیست منظور مؤلف کدام فرہنگ است.

۳. در نسخہ اصل این جا تا پہلوان افتادگی دارد.

۴. رک: قواس ص ۸۳، ادات، ۳: ۸۵ اما در ہر دو نسخہ: کشتک.

۵. در اصل افتادگی دارد. رک: قواس ص ۷۹، برہان ۲: ۱۶۶۵.

۶. زخان: بگل سرب میوی. رک: مویہ ۲: ۱۱۱ کہ بحوالہ زخان این معنی نقل شدہ.

۷. رک: قواس ص ۸۳، جاگیری ۲: ۱۶۴۶.

۸. الابط بالسکون و بالکسر: بغل، رک: دستورالخوان ص ۷.

۹. کذاست در نسخہ اول؛ نسخہ اصل: بغلی. رک: قواس ص ۱۴۹: کلوج و کنڈک: نان ریزہ.

۱۰. نسخہ اول: کیشک.

۱۱. ادات: کبک، مویہ ۲: ۱۱۰. کبک. اما در جاگیری ۱: ۶۱۰، و فرہنگ معین ۳: ۲۸۹۴:

کیشک آگهی کہ آسیا را بدان تیز کنند، زخان: سنبہ آلت تیز کردن آسیا.

۱۲. در فرہنگ قواس چاپی ص ۱۷۹ این کلمہ افتادگی دارد و بجای آن جلوج یعنی سنبہ تیز کردن آسیا.

۱۳. رک: قواس ص ۱۸۴ و ادات.

۱۴. قواس ص ۱۸۸: کردک و برودک افسانہ، نزدک و چریک لغز و چستان. رک: ادات و مویہ

۱۵. ۱۰۱: ۲. رک: فرہنگ معین ۳: ۳۰۳۲ کلک معنی شمارہ ۱۵۱.

۹: کز چشم یعنی کاز.

۱۰: نی یعنی قلم.

۱۱: مشک در، جانور است آبی که مشک درازد.

۱۲: کتخ شیر که با جغزات می کنند و بعضی شین میجو گویند.

۱۳: جانور است خود از جنس کرم که می خورد، هندی پیو گویند.

۱۴: آسوخ از خرما رسن سازند، و بعضی آخرین حرف لام گویند.

۱۵: خدمتگار و بنده و پسر که به بلاغت نرسیده باشد و آزاد بود، بر سبیل ترحم وی را کودک گویند.

۱۶: استخوانی است، بتازی آنرا غضروف گویند.

۱۷: قلاب.

۱۸: پشیند است معروف.

۱۹: کار د خرد که نوک او کژ باشد.

۲۰: رنجک: خیار باد رنگی که سبز نبود هنوز.

۱: رک: صحاح ص ۸۵ الکلی معنی احوال. ۲: رک: ایضا. ۳: رک: موبد ۲: ۱۱۲.

۲: رک: موبد ۲: ۱۱۱، ادات: کجل.

۳: کذاست در هر دو نسخ. اما فرهنگ معین ۳: ۲۹۸۸: کتک نوعی از لبنیات که عبارت است از دودی مات یا دودغ که پس از جوشانیدن خشک کنند الخ.

۴: رک: ادات. ۵: در ادات این واژه هندی موجود است.

۵: رک: موبد ۲: ۱۱۰.

۶: جاگیری ۱: ۶۰: کبال رسی را گویند که از لیف خرما سازند و در بعضی از فرهنگها بجای لام کاف مرقوم است.

۷: موبد ۲: ۱۱۲: بعینه همین شرح بدون ضبط نام فرهنگ آمده.

۸: رک: جاگیری ۲: ۱۰۹۹، ۱۱۰۵: کرکرانک و کرکری با هر دو کاف مفتوح بعضی کرجن است، کرجن استخوان نرمی را گویند که توان خایند مانند استخوان گوشت و سر استخوان شانه و سر استخوان پسلو و امثال آن و آن را کرکرانک و کرکری نیز گویند و بتازی غضروف و غضروف خوانند.

۹: رک: جاگیری ۱: ۱۲۴۳. ۱۰: کذاست در نسخ اول، نسخ اصل: کپیک.

۱۱: رک: موبد ۲: ۱۱۱. ۱۲: کذاست در هر دو نسخ اما رک: صحاح ص ۱۸۵.

۱۳: جاگیری ۱: ۴۵۴ که کادونجک دارند.

کلونگ^۱: کدینه گازر.

کناک^۲: پیچاک شکم.

کوژانوک^۳: بازای پارسی، پرده کلیدان.
بهره^۴ لگ،

کلنگ^۵: کلند یعنی بستین، و بعضی بکاف عربی گویند.

کدنگ^۶: کار و بعضی کرنگ [در ق ۱۸۱] برای مهمله گویند.

کوهنگ^۷: برجستن و برجست، و بلغتی بکاف مضموم آمده.

کدنگ^۸: چوب گازر که بدان جامه می گویند.

کنازنگ^۹: مرزبان و شخت و ولایت.

بهره^{۱۰} دل،

کول^{۱۱}: خزینه آب و چند معنی بوم و دوش یعنی کتف، و کول^{۱۲} بکاف و واو پارسی نیز گویند

کشاخل^{۱۳}: نوعی از غدا و گویند که آن همان شاخل است و بعضی خارا نیز صفت دهند.

کاکل^{۱۴}: کللم که در میان آب روید، بسندوی کافس گویند، و بلغتی کاف دوم مضموم است.

کلال^{۱۵}: سیانه تارک سر از بالای پیشانی، و در بعضی فرهنگ نامه با آخرین حرف کاف است، ای کلاک

۱ رک: ادات، مویده ۲: ۱۱۳.

۲ ادات: کرینه؛ امارک: مویده ۲: ۳۵۹، قواس ص ۱۸۴: کدنگ کدینه گازر.

۳ جهانگیری ۲: ۱۸۶۸: کناک که پیش شکم عربی زجیر. ۴ که است در ادات و مویده ۲: ۱۱۲، اماجنگ

۵ ۲: ۲۰۶۱ کوژانوک بهین معنی. ۶ رک: مویده ۲: ۱۱۳ و جهانگیری ۲: ۱۶۵۱.

۷ این واژه بدین معنی در فرهنگها دیده نشد. ۸ ادات و مویده ۲: ۱۱۳ و جهانگیری ۲: ۲۰۷۱:

کوهنگ بمعنی برجستن است. ۹ رک: قواس ص ۱۸۴ متن و حاشیه.

۱۰ رک: قواس ص ۸۸، صحاح ص ۲۰۰. ۱۱ رک: ادات و جهانگیری ۲: ۲۰۶۹.

۱۲ نسخه اصل: و گویند کول بکاف و فتح واو و واو پارسی نیز بوم گویند؛ نسخ^{۱۳} دل: کوف بکاف و فتح واو و واو پارسی نیز گویند.

۱۴ کشاخل و کشاخل هر دو بهین معنی آید، رک: جهانگیری ۲: ۱۲۸۶.

۱۵ رک: ادات و مویده ۲: ۱۱۴ و جهانگیری ۱: ۴۴۳.

۱۶ رک: فرس ص ۳۱۸، قواس ص ۷۸، صحاح ص ۲۰۹، ادات، مویده ۲: ۱۱۵.

۱۷ در فرهنگهای مورد استفاده بنده این صورت را ندارند.

کاجال: متاع یعنی آلات خانه از هر لونی، و بعضی بیکیم پاری گویند.
 کول: دلق، و بعضی کاف پاری گویند.
 کیل: آرزو و میل.
 کنجال: نقل هرغزی که روغنش بیرون آید و آنرا کنجاره نیز گویند و بعضی بیکیم پاری گویند.
 کل: سرسره و بی موی.
 کابل: نام ولایتی.
 کوپل: شکوفه.

بهره دم،

کرم: اندوه و غم و دل کوفتنی و زخم و رنج و سبزه که بر سر جوی رود.
 کرم: زحمت و رنج و کمان رسم که آن قوس الله است، و بعضی بکاف پاری هم گویند.
 کام: مراد، گویند کامران یعنی مراد راندن، و چاره، گویند ناکام ای ناچار، و آنچه درون دهن نزدیک خلق است یعنی تالو.
 کنام: بیشه سباع و وحش و طیور.
 کرم: درخت.

-
۱. فرس ص ۳۱۹، قواس ص ۱۳۹ کاجال دارند. ۲. رک: قواس ص ۱۵۴.
 ۳. رک: ادات، موبد ۲: ۱۱۵: کیل آرزو مند. ۴. رک: صحاح ص ۲۰۹، ادات.
 ۵. این اضافه از روی نسخ 'ل' شده. ۶. رک: موبد ۲: ۱۱۵.
 ۷. جاگیر ۲: ۲۰۵۳، صاحب دار کوپل راهبندی دانسته که اصلش کوپل است (۲: ۱۱۵).
 ۸. در موبد ۲: ۱۱۶، ۱۴۶ کرم بکاف فارسی و عربی؛ اما در قواس ص ۱۶۳، صحاح ص ۲۲۵، ادات
 جاگیر ۱: ۱۱۳۶، گرم بکاف فارسی است.
 ۹. گذاشت در موبد، اما این تصحیف زحمت است، بهمانی ۲۰۲ زخم، سردی زخم و زحمت، برهان زخم
 ادات برای این معنی کرم باضغ دارد. و برای زحمت و دلنگی گرم بالضم چنانکه در جاگیر است.
 ۱۰. در هر دو نسخه بشکرا؛ اما این همان کرم است بشکرا.
 ۱۱. اگرچه در موبد ۲: ۱۴۸ گرم شامل این معنی است، اما بنظر من این خود واژه جداگانه است
 و برای این واژه رک: موبد ۲: ۱۱۶.
 ۱۲. موبد ۲: ۱۱۶ این تفصیل بجای 'ل' قهیه نوشته. ۱۳. رک: موبد ۲: ۱۱۶: کرمندوی تالو.
 ۱۴. رک: قواس ص ۳۲. ۱۵. موبد ۲: ۱۴۶: کرم دختی؛ اما جاگیر ۱: ۱۲۱۳

که کلمه: آواز کاویدن.
که کام: داروئی است که بتازی صرع گویند و بعضی افواه الطیب خوانندش.
بهره 'ن'

کیوان: زحل که آن بر فلک هفتم است.
کنودان: شاه دانه، و بفتح نون نیز گویند.
کرکرن: غده درمل که بهندوی اشی گویند و کاف دوم مضموم و مکسور نیز آمده، و بفتح هاء و کاف پاری و بعضی کوکرن گویند.
کلان: بزرگ و بلند و افزون.
کشخان: قلعابان.
کرازان: خرمان.
کیان: خیمه عرب و کرد و کردطاعت اند.
کون: تخت.
[ورق ۱۸۲] کرستون: ترازوئی حکمت یعنی کپان.

- گرم درخت گز: برای عربی درست بنظر می آید.
۱. موبد ۲: ۱۱۶: کم کم آواز کافتن نقب الخ. نیز رک: جاگیری ۲: ۱۷۲۷.
۲. فرهنگ جاگیری ۲: ۱۷۲۷: کم کام با اول مفتوح داروئی است که آنرا بتازی ضرر و افواه الطیب خوانند.
۳. کذاست در نسخه اصل و در بعضی از نسخ جاگیری ۱۱ اما برای ضرر رک: نسخه حکیم موسی دمنغانی و مخزن طلاویه (جاگیری ۲: ۱۷۲۷ حاشیه)
۴. رک: قواسص ۴۰. ه. رک: قواسص ۵۵، دستور ص ۲۰۶.
۵. برهان ص ۸۴۱: درمل. دلیل غلغوب نرسیده که آنرا بریان کنند و بخورند.
۶. برای این کلمه هندی رک: موبد ۲: ۱۲۰.
۷. رک: موبد ایضا که گفته لسان الشعرا این صورت را ذکر کرده.
۸. رک: موبد ۲: ۱۲۱.
۹. رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۰، قواسص ۱۹۷: کشخان قربان. ۱۰. رک: ادات.
۱۱. رک: قواسص ۱۳۰، صحاح ص ۲۵۰. ۱۲. رک: جاگیری ۲: ۲۰۷۱، فرهنگ معین ۳: ۳۱۳۴.
۱۳. رک: فرس ص ۳۴۳، قواسص ۱۴۲. ۱۴. نسخه اصل ندارد، متن مطابق نسخه اول.

کرزن^۱: نیم تاج از دیبا بافته و جواهر نژانده. و گویند تاجی گران بار بود. و گویند که پیسترانی^۲
 فرق است که بندی مانگ گویند، و در بعضی نسخ به کاف پارسی.
 کشکین^۳: طحامی است و آن آنست که از باقی و نخود و گندم و جو از هر گونی یکی کرده بپزند.
 کلن^۴: بفتح و ضم لام. باغره و آن زحمت است.
 کواردن^۵: درد که پوست را آواره کند. و بعضی برای معجزه گویند.
 کدین^۶: چوب گاز که بران جامه کوین^۷.
 کوکان^۸: ساز گازرست، و بواو پارسی هم گفته اند.
 کیاخن^۹: استوار و محکم. و گویند که آهستگی و نرمی در کار و استوار کاری، و بعضی بکاف پارسی و خا^{۱۰}
 مضموم گویند.
 کانون^{۱۱}: آتش دان روئین یا آه نین. و مردی که مردانش گران دارند وقت حدیث و ماه دی^{۱۲}.

۱ در فرس ص ۳۵۸، قواس ص ۱۵۰. ادات، جهانگیری ۱: ۱۱۳۰: کرزن (با کاف فارسی)؛ اما صحاح
 ص ۲۴۹، موبد ۲: ۱۱۹، ۱۴۸ کرزن و کرزن بر دو صورت.

۲ این معنی در موبد یافته شود.

۳ رک: موبد ۲: ۱۲۱، در صحاح ص ۲۸۷ کشکین و در جهانگیری ۲: ۱۲۹۲-۹۳: کشکند، کشکین
 و کشکیند هر سه بهین معنی.

۴ نسخ^۱: طحامی است که از الخ. نسخ^۲: ال: یکی کرده.

۵ رک: ادات. موبد ۲: ۱۲۱ این معنی بجای زغان نوشته. برای باغره رک: زغان (ذیل باغره).

۶ موبد ۲: ۱۲۲: کواردن علت درد که پوست را آواره کند و در ادات با کاف فارسی مصحح است و بعضی
 برای معجزه. جهانگیری ۲: ۲۰۷۵ گوارون دارد.

۷ نسخ^۱: بکاف پارسی و زای معجزه.

۸ رک: ادات و موبد ۲: ۱۱۹. کدینه بهین معنی، رک: قواس ص ۱۸۴ ذیل کدنگ و حاشیه نو ۸.

۹ نسخ^۱: اصل: کو به.

۱۰ رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۳: جهانگیری ۲: ۲۰۶۷: کوکان دست افزاری باشد مرگازران را.

۱۱ رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۳. نسخ^۱: ال: بضم خا.

۱۲ ادات: کانون آتش دان و ماهی از ماههای رومیان ... و شغل.

۱۳ این معنی در فرهنگهای مورد استفاده دیده نشد.

۱۴ ایضاً.

۱۵ شاید منظور مؤلف یکی از ماههای رومی باشد. در هر حال این معنی درست بنظر نمی آید.

کوبین^۱: پنجه.
 کورابین^۲: همان پنجه است.
 کلتان^۳: بازوی در.
 کابین^۴: مهر زنان و اهر دست پیمان.
 کودن^۵: اسب کند رو و پلید طبع و پالانی.
 کپان^۶: ترازوی بزرگ که دران بارها سنجند، و به تشدید با نیز آمده، و به تازی آنرا قسطاس گویند.
 کوبین^۷: از آلت روغنگران است که بتازی مثل گویند، و آن چیز است چون کفه ترازو از
 خوص^۸ بافته و بزرگ آس کرده درو کنند و در تنگ تیر عصار آن نهند تا روغن ازو بیاید.
 کوبن^۹: همان کوبین است.
 کتابون^{۱۰}: نام عورتی و نام مردی.

- ۱ این واژه بدین معنی دیده نشد، و در همین فرهنگ بعد از چند واژه "کوبین" بمعنی معروف درج شده.
 ۲ موبد ۲: ۱۲۳ کورابین بمعنی کوبین است.
 ۳ نسخ اصل: کلسان، جابگیری ۲: ۱۶۴۴ کلتان از جلد چهار چوب در.
 ۴ رک: صحاح ص ۲۴۹، ادات، موبد ۲: ۱۱۸.
 ۵ نسخ اصل: بیان، ۱: ۱، پیمان، اما دست پیمان: اسنجه از نقد و جنس و زبور آلات که داماد
 پیش از عروسی بخانه عروس فرستد (فرهنگ معین ۲: ۱۵۳).
 ۶ ادات: کودن اسب کند رو؛ موبد ۲: ۱۲۲ کودن کند و کمیند و کور؛ جابگیری ۲: ۲۰۵۷ کودن
 اسب پالانی کم راه را گویند و مردم کند نعم را باین اعتبار کودن خوانند.
 ۷ جابگیری ۱: ۶۵۰: کپان ترازوی بود بزرگ که یک پله داشته باشد و بر جانب دیگر سنگ از شاخین
 بیادیزند. در حاشیه آن افزوده: "نیز گفته اند کپان عدل و قسطاس، بزبان رومی کپان باشد و آنرا
 بزبان تازی آورده اند" بحواله نقیب کبیرج ۲۳۱/۱.
 ۸ رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۲ و فرهنگ معین ۳: ۳۱۰۹.
 ۹ در نسخ اصل، بعضی از عبارات اینجا ذیل کپان آمده. نسخ نسخ اصل: کندل اما رک: فرهنگ معین.
 ۱۰ انحصار برگ خرما باشد (دستور الاخوان ص ۲۶۰) - فرهنگ معین: کوبین را از برگ خرما یا از نی سازند.
 ۱۱ بزرگ، بزرگ: دانه گیاه کنان که از آن روغن گیرند، ایضا - ۵۲۱: ۱.
 ۱۲ تیر: خشکجه عصاره فرهنگ معین ۳: ۳۱۰۹. رک: ادات.
 ۱۳ جابگیری ۱: ۶۹۵: کتابون زن گشتاسپ که دختر قهر روم بود، نیز رک: مجمل التواریخ و القصص ص ۲۰.
 ۱۴ کذاست در اصل؛ و نیز در موبد ۲: ۱۱۹ بحواله زلفان آمده.

کران: کناره و حد.
 کتران: روغن درختی است مانند عود، بعضی گویند از درخت صنوبر متولد شود و بتازی قطران
 گویند و آن دارویی است قاطع رم.
 کرگدن: جانور است و گویند سیل آبی.
 کزمازون: نام دارویی است.
 کونیان: خواب باشد.
 کوهان: پشت که بالای دم شتر باشد.
 کبکین: نام مردی.
 کیکن: تاریکی شب.
 کرن: روستائی است که در روز عاشور آنجا خلق بسیار جمع آید.
 کچن: بیای پاری، میل.
 کینان: ایشان.

بهره 'و'

کیکو: خزینه [ورق ۱۸۳] آب.

۱. رک: مویده ۲: ۱۱۹. ۲. نسخ 'ل': داروی سیاه است براندم شتر بجهت گرمی مانند و آن قاطع رحم است. ۳. ادوات: کرگدن (کاف دوم فارسی) پرنده ایست بزرگتر از سیرخ که پیل را پلاک می کند. ۴. نسخ 'ل': معروف و
۵. همین معنی بحواله زفان، در مویده ۲: ۱۱۹-۱۲۰ یافته می شود. ۶. مویده ۲: ۱۲۰: گزمازون را همین معنی بحواله زفان آورده؛ اما در هدایه المتعلین فی الطب ص ۸۵: کزمازو (بنیزنون).
۷. همین معنی در مویده ۲: ۱۲۳ دج است، اما اصلش معلوم نیست.
۸. این واژه بدین شکل در فرهنگها دیده نشد. نسخ 'ل': کسین.
۹. رک: مویده ۲: ۱۲۳ نسخ اصل: تاریک.
۱۰. ادوات و مویده ۲: ۱۱۹: کدن.
۱۱. رک: مویده ۲: ۱۲۳؛ این واژه و واژه بعد در نسخ 'ل' افتادگی دارد.
۱۲. کذاست در اصل.
۱۳. کذاست در ادوات و لسان الشعراء، اما در قواس ص ۲۳، مویده ۲: ۱۲۴: کیکو: در جانیگری ۲: ۲۲۳۱: کیکو نام میوه.

کنش^۱: شنی که از د ریمان بافند یعنی از پوست تنه او رشته سازند.
 کنش^۲: انگور خام و در فرنگ نامه کنش^۳ است بسکون فون و ضم سین بغیر تا.
 کنش^۴: باد و صفت، سنگ خوارک و آن مرغی است معروف، و بفتح کاف نیز گویند.
 کنش^۵: باخ، و شنی که از آن ریمان بافند.

کلاو^۱: عوگ.

کرش^۱: کرفش.

کرباش^۱: همان کرفش.

کیو^۱: دینار سر، مرغی است که در هوا پرواز کند.

کندو^۱: غول بیابانی.

کا^۱: جنازه مخان و کوک یعنی گیاه خواب آورنده.

کار^۱: گیاهی است که می خورند و گویند بار خرمای تراست، و بعضی بکاف پارسی گویند.

۱۰ رک: ادات، فرنگ معین ۳: ۳۱۰۳: ۳ ذیل کنو و کنف.

۱۱ رک: قواس ص ۴۹، ادات. ۱۲ کنش^۱: کنشو.

۱۳ معلوم نیست که منظور مؤلف کدام فرنگ است، اما برای کنشو رک: جهانگیری ۲: ۱۸۷۹ و برهان

۱۴ ۳: ۱۷۰۹. در قواس بیت شاهی نقل است و اسنم کنشو دارد نه کنشو.

۱۵ رک: قواس ص ۶۰، جهانگیری ۱: ۶۹۷، فرنگ معین ۳: ۲۹۰۷؛ ادات: کیتو، مویده ۲: ۱۲۳: کنو و کینو.

۱۶ قواس: سنگ خواره، معین: سنگ خواره و سنگ خوارک. ۱۷ رک: قواس ص ۶۷.

۱۸ رک: مویده ۱: ۱۷۷، مویده ۲: ۱۲۳ کنشو گیاهی که از پوست او رسن سازند الخ. اما در همین فرنگ

۱۹ کنو، همین معنی آمده؛ شاید کنشو تصعیف باشد.

۲۰ رک: ادات و مویده ۲: ۱۲۳. اما قواس ص ۶۸ کلاوه یعنی عوگ، سلیمانی ۲۰۶: کلاو، کلاو.

۲۱ رک: مویده ۲: ۱۲۳، در جهانگیری ۱: ۱۰۹۷: کر باسو و کر باس و کر بایس و کر بس و کر بر و کر بر

۲۲ سین منقوط نیز همین معنی، صحاح ص ۲۸۶: کر باس، ص ۱۵۵: کرش دارد.

۲۳ رک: فرنگ معین ۳: ۲۹۶۶، نیز رک: هدایه المستعین ص ۸۵ که کرفس و کرفش هر دو دارد.

۲۴ رک: ادات و مویده ۲: ۱۲۳.

۲۵ رک: مویده ۲: ۱۲۳؛ اما در ادات و مویده ۲: ۱۳۱ کنده بدین معنی نیز آمده.

۲۶ رک: ادات و مویده ۲: ۱۲۳. ۲۷ ادات و مویده: گبران.

۲۸ فرنگ معین ۳: ۲۸۰۶: کار دو گیاه شکوفه نختین خرمای - کار دوی آن.

۲۹ نازکست و نرم الخ.

کنند رو: مصطلکی و آن بیخ است که آزمای خایند، بتازی عکث گویند.
کشکو: کشکا و آن طعاشی است معروف.

مهره ۵۰

کاخه: باران و یرقان.

کوکله: هید.

کوپله: با واد پارسی، شکوفه.

کوپله: سوارگان آب و موی کله، و گویند این دوم کوپله است.

کمانه: کاریزکن، و بفتح کاف نیز گویند.

کنخاله: نام کوهی است بخراسان، و قجلی یعنی زنجلی و شاهد بازی که آنرا روپی بارگی هم گویند، و بفتح کاف نیز آمده است.

کارتنه: شنبلیله یعنی شملیت، و بعضی را ساکن و تامفتوح گویند.

کاثریره: دانه معصفر.

۱ه رک: قواس ص ۱۸۶ ادوات. ۲ه زفان عکث را مترادف کند رو نوشته (ذیل عکث).

۳ه رک: موبد ۲: ۱۲۴؛ جهانگیری ۲: ۱۲۹۱-۹۳ کشکو، کشکا و، کشکاب.

۴ه نسخ: دل: کرز کاو. ۵ه جهانگیری: آتش جو.

۶ه دستور ص ۲۱۴. ادوات: کاخه باران، اما رک: موبد ۲: ۱۲۶.

۷ه رک: ادوات و موبد ۲: ۱۳۲. ۸ه ادوات: کوپله واد و با هر دو فارسی: شکوفه و

وقفل و سوارگان آب. رک: کوپل در همین فرهنگ (زفان).

۹ه ادوات و موبد ۲: ۱۳۱: کوپله. ۱۰ه نسخ: اصل: موی (سجذف کله).

۱۱ه کوپله معنی کامل یعنی موی سراسر است، رک: جهانگیری ۲: ۲۰۷۳.

۱۲ه رک: قواس ص ۲۵، موبد ۲: ۱۳۰. ۱۳ه در نسخ: دل، این محذوف است.

۱۴ه رک: قواس ص ۳۲ و موبد ۲: ۱۳۱. ۱۵ه نسخ: دل: در خراسان.

۱۶ه جعفری ۲۵۹ زنجی زن قاحش.

۱۷ه فرهنگ حسین ۳: ۳۰۹۸، ادوات: روپی بارگی (قس غلام بارگی)؛ در قواس و موبد روپی و بارگی

بظا هر اشتباه است.

۱۸ه قواس ص ۴۰، دستور ص ۲۰۳، موبد ۱: ۱۲۶ کارتنه: شنبلیت.

۱۹ه جهانگیری ۲: ۱۸۵۴: شنبلیله و شنبلیت (مترادف).

۲۰ه رک: فرهنگ حسین ۲: ۲۰۸۱. ۲۱ه رک: قواس ص ۴۱.

کنجده: بضم و فتح جیم، عززوت، و آن دارویی است، و در فرهنگنامه است: کنجده بکسر جیم پا زهر، و گویند که آن انزروت است.

کاکره: عاقر حا.

کفه: آسپخ درو دانه بود.

کوالیده: و بعضی کاف مفتوح گویند، غلا مالیده و بعضی گویند: کوالیده کشت مالیده.

کوبسته: غلا کوفته و بیای پارسی نیز گویند.

کوزه: برای فارسی گویند. پنبه نرم و بعضی کاف پارسی و واو پارسی گویند.

کرته: اشترخاری یعنی جانواژه و گیاه جاروب.

کرته: قرطه و آن پیراهنی است.

کرایه: مرغی است سیاه.

کلازه: با زای پارسی، عله یعنی بزرگ و با زای عربی غلبه و آن نیز پرده ایست، و گویند که غلبه همان عله است و بعضی بضم کاف گویند.

۱۴ قواس ص ۴۳: کنجده انزروت. انزروت و عززوت بهر دو صورت آید، رک: هدایه المستعین ص ۸۱۹، ۸۴۶.

۱۵ موبد ۲: ۱۳۱: کنجده در فرهنگ فخر قواس پا زهر را گویند: اما فرهنگ قواس چاپی این را مورد تأیید قرار نمی دهد.

۱۶ کذاست در قواس: اما نسخ 'ل': عززوت. عله ادات و موبد ۲: ۱۲۶.

۱۷ فرهنگ معین ۳: ۳۰۱۰: کفه خوشه و گندم و جوی که هنگام خرم کوفتن آنها کوفته نشده باشند - مرترا از ایشان جدا کرد چنانکه کفه را از گندم جدا کنند - تفسیر کبیر ترجم.

۱۸ قواس ص ۵۵: کوالیده، موبد ۲: ۱۳۱: کوالیده غلا مالیده و کشت مالیده.

۱۹ نسخ 'ل': کولسه؛ رک: ادات و موبد الفضلا ۲: ۱۳۲.

۲۰ ادات: گوزه کاف، واو و زاهره فارسی بمعنی تار پنبه که عرب آنرا جوزق گویند؛ جابگیر ۲: ۲۰۸۴: گوزه غنچه پنبه و کونار و پیل ابریشم و امثال آن و آنرا غوزه و کوزه نیز نامند.

۲۱ رک: فرس ص ۴۶۴، قواس ص ۵۷. عله رک: ادات.

۲۲ رک: ایضا. عله ایضا.

۲۳ رک: ایضا. عله رک: قواس ص ۶۲.

۲۴ زفان: غلبه بزرگ که آنرا بتازی عله گویند.

۲۵ قواس ص ۶۲: کلازه دارد و غلبه را مترادف نویسد.

کافه: عرومک و آن کرمی است سرخ، و بانقشهای سپید و سیاه پرنده است.
کوش خبّه [ورق ۱۸۴] گوش خرک.
کربشه: کرفش.

کر باشد: همان کرفش، و بعضی هر دو سین مهند گویند.
کله: حیوان دم بریده، و در [استی] حیوان پیراز چهار پای.
کلوت: حلقه دام و دامک که در جامه پا باشد، و بعضی بکاف پارسی گویند.
کالیده: موی و موی در هم شده.
کلندره: بفتح و ضم لام، مرد درشت.
کایوه: حلق و دیوانه و آسبیده و سرگشته و بتازی اورا ارغن تانیت او رغناء.
کچیده: بفتح جیم پارسی، پیشوا، و بعضی بکسر جیم و یای پارسی گویند.

۱۰ رک: قواس ص ۶۶، دستور ص ۲۰۷. ۱۱ رک: مویید ۲: ۲۵: عرومک رکلی است که بشب چون آتش نماید... و نیز پرنده است که بشب بانگ کند. ۱۲ رک: ادات.

۱۳ کذاست در اصل؛ اما در جاگیری ۲: ۲۰۸۸ گوش خبّه میگی باشد که بدان گوش را بخارند و دم نام جانوری است و آنرا گوش خرک و هزار پانیز گویند. ۱۴ جاگیری ایضا: گوش خرد و گوش خرک: هزار پا و گوش خبّه، بنابرین واضح است که گوش خبّه را باید ذیل کاف آورد، و این سهواست.
۱۵ رک: جاگیری ۱: ۱۰۹۷. و نیز همین فرسنگ ذیل کر باشد و کربشو.

۱۶ رک: فرس ص ۴۰۶، قواس ص ۷۴، صحاح ص ۲۸۷.

۱۷ در نسخ 'ل' از خب تا آخر افتادگی دارد.

۱۸ در نسخ اصل نا خواناست؛ صحاح: کله چا. پای پیر باشد و گویند چهار پای دم بریده نیز باشد و در و دام از کار مانده.

۱۹ ادات: کله حیوان دم بریده و پیر از در و دام چهار پای.

۲۰ رک: قواس ص ۷۷ و ۱۵۰: ادات: کلوت حلقه دام، و دامک یعنی سرپوش دختران نارسیده.

۲۱ رک: قواس ص ۷۹.

۲۲ رک: صحاح ص ۲۸۵؛ قواس ص ۹۰: کلندره مردم درشت خلقت و قوی. ادات: کلندره مرد درشت اندام.

۲۳ رک: قواس ص ۹۱ و صحاح ص ۲۸۶.

۲۴ نسخ 'ل'، سر اسید؛ نسخ اصل: آسید، اما برای آسید رک: صحاح ص ۲۸۶.

۲۵ دستور الاخوان ص ۲۶: الارغن کایوه، والانشی رغناء.

۲۶ رک: قواس ص ۱۰۰، و ادات.

کبدله: نادان مزاج و امق.
 کاتوره: سرگردانی و سرگشتگی.
 کوازه: بازی پاری، مرد مزاج و طیب کننده و طعنه زن، و طعام نیم پخته، بلفغی کاف
 پاری است.
 کله: بضم و فتح کاف، کس باشد که با کسی بسربرد و با دیگری شود.
 کوباره: کله و گاو و خر یعنی رمه.
 کبچه: خردستور که زیر دانهش بیابانند، گویند کبچه شده است، و بعضی گویند خردستور دم
 بریده بود و کتج.
 کنده: پاره چوب و غول بیابانی و امرد قوی.
 کده: خانه و کلیه دان.
 کاشانه: خانه زمستان و گویند خانه [مرغ].

- له رک: فرس ص ۳۵۶، قواس ص ۱۰۸.
 ه قواس ص ۱۰۸: کاتوره مردان؛ اما رک: فرس ص ۳۵۱، صحاح ص ۲۸۵.
 ه دستور ص ۲۰۹: سرگردانی کنده است در متن، رک: قواس ص ۱۰۸ حاشیه نمره ۱۹.
 ه این واژه کوازه و گوازه بهر دو صورت آمده، رک: قواس ص ۱۰۹، گوازه، صحاح ص ۲۸۸:
 کوازه، ادات: گوازه، مویده ۲: ۱۳۰، ۱۵۳، کوازه و گوازه.
 ه در معنی این واژه هم اختلاف وجود دارد. قواس و صحاح بمعنی طعنه زدن آورده، و ادات و مویده
 بمعنی طعنه زدن و طعنه زن هر دو دارد. ه این معنی در مویده ۲: ۱۵۳ بگفته لسان الشعراء درجست.
 ه رک: ادات و مویده ۲: ۱۳۰.
 ه رک: ادات: مویده ۲: ۱۳۰ گوازه غلط چاپی است. جهانگیری ۲: ۲۰۷ ص ۲ گواره و ۲:
 ۲۰۷۸ گوباره بمعنی گله و گاو و گاو میش و امثال آن.
 ه رک: ادات و مویده ۲: ۱۲۷ کبچه بمعنی خردم بریده و چارپائی که زیر دانهش آماسیده باشد.
 ه نسخه 'ل': بیابانیده. ه رک: صحاح ص ۲۸۷ و ادات و مویده ۲: ۱۳۱.
 ه رک: صحاح و ادات: امرد.
 ه رک: ادات و مویده ۲: ۱۲۷.
 ه رک: صحاح ص ۲۸۵ و ادات.
 ه مویده ۲: ۱۲۶ این معنی بوالزلفان نوشته؛ جهانگیری ۱: ۴۳ ص ۴ کاشانه بمعنی خانه محقر
 و خانه مرغ آورده.

کوبیده: قفل.

کنده: خندق.

کرته: دندان کلیدان یعنی چوبک که بکلیدان فرو افتد تا در نتوان گشاود، و بعضی برای مملد گویند کره، دندان کلیدان و گویند این درست تر است، و بعضی گویند کره کلیدان.

کره: دوکان و بعضی بفتح کاف گویند.

کلاته: دیه خرد و محلت را نیز گویند، و به نسخه ای بلند و پست.

کسته: کوزه پر آب یعنی تالب پُر و بعضی باسین معجمه و بضم کاف و فتح ها گویند.

کبیده: ولیده و درشته و بعضی بضم کاف و فتح با گویند.

کلاژه: که بتازی آنرا لهات گویند.

کسائیه: کوزه شبانان، یک سوگرد و یک سوپهن، و بعضی کاف بضم خوانند.

کندوله: کند و یعنی غلده دان.

کفنبه: لَدَو.

۱. رک: قواس ص ۱۲۵ و موبد ۲: ۱۳۱. ۲. رک: صحاح ص ۲۸۷.

۳. رک: ادات. و در موبد ۲: ۱۲۹ بگفته زفان معنی اش نوشته شده.

۴. در نسخه 'ل' از بنجا تا آخر افتادگی دارد. و نسخه اصل: کره دندان کلید: تصحیح از روی موبد.

۵. ادات: کره نانی است که میخورند و دوکان.

۶. قواس ص ۱۳۳: کلاته برکوه دیه بلند و پست.

۷. همین معنی در موبد ۲: ۱۲۹ درج است. ۸. رک: قواس ص ۱۳۳.

۹. رک: موبد ۲: ۱۳۲: اما در ادات کشته و کسته بهر دو صورت.

۱۰. در نسخه اصل سین معجمه ندارد. ۱۱. رک: موبد ۲: ۱۲۷.

۱۲. اصل: ملاژ، و در بنجا مؤلف دچار اشتباه شدید شده، در اصل ملاژ معنی بن زبان است که عبری لماء خوانند، چنانچه در دستور الاخوان ص ۵۴۳ ملاژ را مترادف لماء نوشته. چون این کلمه باسیم

است این را ذیل 'م' آورده ذیل 'ک': ظاهراً مؤلف ملاژ را کلاژه پنداشته، و اینجا آورده

و حال آنکه در نسخه اصل ملاژ است نه کلاژه. و هم چنین است در فرهنگ معین ۳: ۳۶۴ و همین

است در فرهنگ هذا. ۱۳. نسخه اصل: کلاه امال: لماء، رک: دستور ص ۵۴۳.

۱۴. رک: قواس ص ۱۳۹. ۱۵. رک: ادات. ۱۶. رک: جهانگیری ۲: ۱۸۷۶: کندو،

کندوک، کندوج، کندوله معنی ظرفی مانند خم بزرگ برای غل، هندی کوملی.

۱۷. رک: قواس ص ۱۴۸. ۱۸. این واژه هندی در قواس آمده.

کواشتمه: دامن، و بعضی کاف پارسى گویند بکسر و سکون شین.
 کسه: آسانی، و بعضی مشد گویند و بعضی بفتح کاف.
 کشته: [ورق ۱۸۵] مشد، فکندۀ پالان، و بکسر کاف نیز آمده است و بتخفیف نیز گویند.
 کوفشانه: جولاہ.
 کیسنه: ماشوره یعنی ریمان که بردوک رسیده باشد و مانند بیضه کرده، ہندوی لکڑی گویند.
 کپنه: شیشہ و حجام یعنی مجھ.
 کنبورہ: فریبنده یعنی فریب دہندہ.
 کرشیدہ: کارتباہ و پریشان شدہ.
 کامتہ: خواست، و نیز کامہ طعائست کہ بتازی کا مخ گویند.
 کرشمہ: عنج.
 کفیہ: از ہم باز شدہ.
 کفہ: تر قیدہ.

۱. قواس ص ۱۵۰: گوہر بمعنی دامن. و دامن مقننہ زنان است (برہان ص ۸۱۸).
 ۲. رک: قواس ص ۱۶۱. ۳. کشر چار معنی دارد: ۱. خط ۲. خط بطلان ۳. نواری کہ بر زمین و پالان دوزد، تنگ چاروا ۴. گدائی. فرہنگ معین ۳: ۲۹۹۳-۹۴، نیز رک: صحاح ص ۲۸۶، ادات، مویہ ۲: ۱۲۹، در آخر د سر معنی نوار پالان، خط و آسانی.
 ۴. نسخہ اصل: باران. رک: صحاح ص ۲۸۸، و مویہ ۲: ۱۳۲.
 ۵. رک: قواس ص ۸۲ کیسنہ، ادات و مویہ ۲: ۱۳۲.
 ۶. صحاح ص ۲۸۹: ماسورہ؛ اما رک: قواس ص ۱۸۲. ۷. رک: قواس ص ۱۸۳.
 ۸. برای این واژه رک: ادات و مویہ ایضاً.
 ۹. رک: فرس ص ۴۵۷، قواس ص ۱۸۵، صحاح ص ۲۸۶.
 ۱۰. رک: قواس ص ۱۹۶. ۱۱. رک: صحاح ص ۲۸۶، مویہ ۲: ۱۲۸.
 ۱۲. رک: ادات و مویہ ۲: ۱۲۶ و جاگیر ۱: ۴۴۹-۵۰.
 ۱۳. صحاح ص ۲۸۷ ریچاری، جاگیر: ناخو رش کہ زنان پزند.
 ۱۴. معرب کامہ، رک: فرہنگ معین ۳: ۲۸۶۹. ۱۵. نسخہ اصل: عنج. مویہ ۲: ۳۶، عنج کرشمہ.
 ۱۶. رک: صحاح ص ۲۸۷. از مصدر کفیدن بمعنی تر قیدن = ترکیدن = از ہم باز شدن رک: بخش مصادر (زبان).
 ۱۷. بمعنی تر قیدہ یعنی از ہم باز شدہ. رک: صحاح ص ۲۸۷، ادات، مویہ ۲: ۱۲۹.

کو دره: بضم و فتح، مرغی است که در آب تیز نشیند.
 کوره: بواد پاریسی، سیلاب کنده بود و زمین گوشده و گل درو مانده، و نیز آنجا که سمنگران آتش کنند.

کاسیل: باون.
 کاینه: امر کردن بدانچه از چشم مگردان.
 کوپه: گیاهی است شیرین، می خورند.
 کواره: بضم و فتح کاف، سبد که بدان خاک و میوه و جز آن برشند، و خانه زنبور.
 کشته: بعضی شده گویند، خطا.
 کاوته: عروسک، کرمی پرنده که کاغذ گویند.
 کونسته: دو گونه آدمی.
 کویشته: آوند دوغ.
 کواشته: گونه یعنی صفت.
 کدنگ: چوبی که بدان جامه را کویند.

- له رک: ادات دومید ۲: ۱۳۱ و صحاح ص ۲۸۸. ه نسخه اصل: مرشید.
 سه رک: ادات دومید ۲: ۱۳۱. ه رک: صحاح ص ۲۸۵.
 ه رک: ادات دومید ۲: ۱۲۷ که عیناً هر دو همین معنی دارند، اما صحاح ص ۲۸۷ کاینه دارد یعنی چشم. فرهنگ معین ۳: ۲۷۷۸ کاینه دارد. ه ادات: برانکه از سن.
 ه کذاست در اصل، اما ادات: کزیه نباتی است که می خورند، و دوکان، باید علاوه نمود که در همین فرهنگ زبان معنی کزیه دوکان نوشته: بنا برین واضح است که ازین دو فرهنگ نویسان یکی در اینجا اشتباه نموده است، سلیمان ۲۱۲ کوپه یعنی گیاهی.
 ه رک: صحاح ص ۲۸۸. ه نسخه اول: بردارند.
 ه رک: ایضا ص ۲۸۶.
 ه رک: موبد ۲: ۱۲۷، اما قواس ص ۶۶ کاغذ دارد.
 ه نسخه اصل: کونسته، اما رک: قواس ص ۸۶، موبد ۲: ۱۳۲.
 ه رک: برهان ص ۱۷۳۸: گونه کفیل و سرین آدمی.
 ه رک: قواس ص ۱۳۶. ه کذاست در نسخه اصل: اما نسخه اول: موبد ۲: ۱۳۱: کواکه گونه یعنی صفت.
 ه موبد ۲: ۱۲۷ کدنگ و معنی اش بگفته زبان نوشته. اما قواس ص ۱۸۴: کدنگ: کدینه و گازر.

کوا^{له} : چوب زیر در .
کنی^{له} : پریش جای گبران .
کلبی^{له} : خانه و گوشه
کر^{له} : محل ، کجایه نیز گویند .
کش^{له} : تشنه .
کالم^{له} : زنی باشد که یک شوی کرده .
کو^{له} : پیش آهنگ زین و پس آهنگ .
کنا^{له} : یعنی کنه .
کنا^{له} : کیش یعنی تیردان ، ترکش نیز گویند .
کف^{له} : پله و آسپ^{له} دانه درو بود .
کن^{له} : جانوری باشد که در چهار پای افند^{له} .
کلا^{له} : گلوله ریسمان ، و فردوسی گوید : چرخه جولایان بود ، ریسمان برو زندتا ازو بکار برند .
کراس^{له} : مصحف جامع .

-
- له رک : مویده ۲ : ۱۳۱ . له فرنگ معین ۲ : ۳۱۰۵ : کنیسه معبد یهود و نصاری .
له رک : مویده ۲ : ۱۳۰ . له معنی کجاده . له رک : جهانگیری ۱ : ۷۱۴ .
له مویده ۲ : ۱۲۹ کشته را بدین معنی بکواله زبان نوشته .
له نسخ^{له} اصل : کلام . متن مطابق نسخ^{له} اول ، نیز رک : صحاح ص ۲۲۴ : کالم زنی که یک شوی کرده باشد ،
و جهانگیری ۱ : ۴۴۶ : کالم و کاله : زنی که شوهر مرده باشد . له رک : جهانگیری ۲ : ۲۰۷۲ .
له ادات : کنه کنه و کاریز کن . برای معنی اول نگاه کنید بفرنگ معین ۳ : ۳۰۸۳ ، جضری ۴۰۰ .
له رک : ادات .
له کذاست در ادات ! اما از محاظ این معنی واژه گفته (مشدد) عربی است ، رک : جهانگیری ۲ :
۱۴۹۲ ؛ نیز رک : فرنگ معین ۳ : ۳۰۱۰ .
له رک : ادات ، و فرنگ معین ایضا ؛ در ادات کف بدون تشدید ، بمعنی آسپ^{له} دانه درو بود واژه
جدالگاه قرار داده شده .
له رک : صحاح ص ۲۸۷ ، ادات ، مویده ۲ : ۱۳۱ . له کذاست در صحاح و ادات .
له نسخ^{له} اول : که در گوش سگ چسبد ، بسندی کلنی گویند . و این کله هندی در ادات و مویده یافته می شود .
له در مویده ۲ : ۱۲۹ معنی کلاه بکواله زبان گویا درج شده .
له این قول در مویده محذوف است . له مویده : چرخ جولایان . له ادات : —

کشته: دارویی است که بتازی کشیده گویند، و بعضی گویند: نوعی از سماروغ است.
 کره: بچه اسب و گوی.
 کشته: میوه ایست.
 کدواره: بنیاد.
 کلپتره: چیزی نادر و بویگر ربابی را نیز گویند.

- کراسه مصحف، صحاح ص ۲۸۶: کراسه به تخفیف را دفتر بود، و عرب کراسه گویند به تشدید.
 ۱. رک: جهانگیری ۲: ۱۲۹۴. ۲. نسخه اصل: کشیج.
 رک: مدار ۲: ۱۲۹، جهانگیری و هدایه المتعین ص ۱۵۷.
 ۳. سرمد سلیمانی ۲۱۰ کشته گیاهی بود به سماروغ مانده، یا دارویی است، و گفته اند نوعی از سماروغ.
 ۴. کره بضم و تشدید را بمعنی بچه اسب است، رک: اداات و فرهنگ معین ۳: ۲۹۶۰.
 ۵. کره بضم و تخفیف رای مفتوح بمعنی گوی عربی است، رک: فرهنگ معین ایضاً و دستور الاخوان ص ۵۱۸.
 ۶. رک: فرهنگ معین ۳: ۲۹۸۱. ۷. جهانگیری ۱: ۸۰۸: کدواره: بنای خانه و عمارت نسخه اصل: کدوا
 ۸. برای هر دو معنی مندرجین رک: اداات و مویده ۲: ۱۳۰، اما در جهانگیری ۲: ۱۶۴۳ و فرهنگ معین ۳: ۳۰۲۷، کلپتره بمعنی سخن بیسوده یا بیعتی شاید از انوری.
 ۹. نسخه اصل: ربانی! اگرچه در اداات و مویده اسم این شخص آمده معلوم نیست که منظور مؤلفان کیست،
 بهر حال در دیوان منوچهری ص ۱۴۰ ذکری از ابوبکر ربابی شده:
 روزگاری کان حکیمان و سخنگویان میدند: بود هر یک را به شعر لغز گفتن اشتی
 اندرین ایام ما بازار هنرست و فوس: کار بویگر ربابی دارد و طنز جمعی
 و در حواشی این دیوان اضافه شده:
 ازین بویگر ربابی در رساله دلگشای عبید زاکانی (ص ۱۲۷ و ۱۷۶) دو حکایت آمده است و ادیب
 صابر در اشارت بدو گوید:
 چو شتر نیک بیابانی نظر نباید کرد: به هنرهای ربابی و طنزهای جمعی
 و مولوی نیز در همه قصه حاسدان بر غلام سلطان گوید:
 شاه از اسرارشان واقف شده: بهیچ بویگر ربابی تن زده
 و در حاشیه مثنوی آمده: ابوبکر ربابی یکی از مشایخ و صاحب جذب بوده است... اما آنچه از شرم منوچهری
 و ادیب صابر دو حکایت مذکور در رساله دلگشا برمی آید آنست که ابوبکر ربابی مردی بذله گوی و هزل بو
 است همچنان که جمعی و ظاهراً نیز در عصر غزنویان میزیسته است (دیوان منوچهری تصحیح سیاقی ص ۲۹۹-۳۰۰)
 اما در باره رشته کلپتره با ابوبکر ربابی غیر از بعضی فرهنگنامه ها منابع دیگر بدست نیامده.

کینه: گونه ای از علکهای رومی است یعنی مصطلکی.

کمانه: آلت سوراخ کن.

کندوال: گنگ و فربه.

[درق ۱۸۶]: کاسکینه: مرغیت بزرگ که آزار بزرگ گویند، و بعضی بشین معجمه گویند.

کشکینه: نانی باشد از جو و گندم و باقلی دلیده کرده.

کوبیاره: میخ کوب.

کرزه: مار اژدر.

کاله: کدوی سبکی.

کلیج: قرص و آفتاب.

کینه: کمتر.

کینه: کمتر.

کالفه: آشفته.

کانه: آنکه کسی با کسی سری و بلندی کند و بایکدیگر کوشد، گویند کانه همی کند.

کنگره: شرف دیوار و منظرها و گوشکها و برجهای حصار

ل رک: موبد ۲: ۱۳۳، جهانگیری ۲: ۲۳۳۵. سه رک: موبد ۲: ۱۳۰ و جهانگیری ۲: ۱۷۲۵ (معنی سوم). سه ادات: کندوال و کندوال: کند و فربه. موبد ۲: ۱۳۱ گنگ و فربه، فرهنگ معین ۳: ۹۳ کندوال و کندوال قوی بیگل و بلند و بالا.

له رک: است در نسخ اصل و موبد: نسخ 'ال'، کبک. اما کنده درست باشد یعنی درشت و سترگ: معین. رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۶.

له رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۹، نیز رک: کشکین در معین فرهنگ. نسخ اصل: کشکینه.

له رک: موبد ۲: ۱۳۱. سر و سیلانی ۲۱۰، جغری ۱۰۱ کو بیازه مطوق آهنگران. رک: جهانگیری ۱: ۱۱۳۰ و فرهنگ معین ۳: ۳۲۵۸: کرزه (با کاف فارسی) یعنی مار بزرگ. اما در موبد ۲: ۱۲۸ کرزه 'مار دراز' اشتباه چاپی است.

له رک: صحاح ص ۳۸۶: جهانگیری ۱: ۴۴۸: کاله که در گویند عموماً و کدوی را که در آن شراب خورند خصوصاً.

له رک: فرهنگ معین ۳: ۳۰۴۸ برای پرونی. له جهانگیری ۲: ۱۶۵۶ کلیج معنی چراغ نوشته.

له رک: فرهنگ معین ص ۳۱۳۶. سه ایضا کینه و کین معنی کمتر و کمترین.

له رک: صحاح ص ۲۸۶. سه رک: ادات و موبد ۲: ۱۲۶.

له موبد ۲: ۱۳۱ کنگره آن محل که بر وزن دیوار و منظرها و گوشکها و برجهای حصار است که کدانی زبان گویند.

بهره‌ی

کستی: زنار و آن ریمان است که کشتی گیران خراسان در کمری بندگان آنرا از تار گویند در عرف و نیز آنک ترسایان دارند.

کرامی: حجام، بکاف پارسی نیز گویند.

کافوری: انخوان یعنی گل لعل.

کی: پادشاه جبار را گویند که از همه پادشاهان او بزرگ بود، ستانده خراج هفت کشور.

کرنامی: بوق که بندگان بهیر گویند.

کپی: بوزنه روسیه.

کیانی: جبارگی و کیانی نسبت بدوست.

کشتی: جنگل یعنی درخت انبوه.

کاکوتی: گیاهی است که بتازی سحر گویند.

کوزگانی: برای مجسمه، سخنیان و بلغتی کاف و او پارسی ست و رای مسمله.

۱. نفوس: کسی، اما اداات: کستی زنار. ۲: ۱۳۴. رک: موبد ۲: ۱۳۴.

۲. موبد ۲: ۱۳۳، کرامی و قواس ص ۱۸۵، کرامی یعنی حجام. ۳: رک: قواس ص ۱۴۵، موبد ۲: ۱۳۲.

۳. رک: قواس ص ۹۸. ۴: نفوس: باشد.

۴. رک: اداات، قبال عربی و هندی هر دو درین فرنگ یافته می شود.

۵. رک: قواس ص ۷۶.

۶. نفوس: بوزنه و گویند روسیه. موبد ۲: ۱۳۴: کپی بوزنه سیاه (زخان گویا).

۷. همین معنی در موبد ۲: ۱۳۵ بحواله زخان درج است. اما بنظرم کیانی نسبت بکیان است، درست باشد.

۸. موبد ۲: ۱۳۴-۳۵: کشتی جنگل یعنی درخت انبوه کذا فی زخان گویا؛ این واژه بکاف فارسی

یعنی کشتی درست باشد و کشتی بمعنی انبوهی، فراوانی، بسیار (معین ۳: ۳۳۳) ماخوذ از گشتن

بمعنی انبوه لشکر و شاخه درخت و غیره (ایضاً ص ۳۳۲۹).

۹. نفوس: اصل: جنگ.

۱۰. رک: موبد ۲: ۱۳۴ (کاکوتی اشتباه چاپی)، جانیگری ۲: ۴۴۳، معین ۳: ۲۸۵۷.

۱۱. این واژه کوزگانی و کوزگانی هر دو شکل آمده، و آن منسوب است به کوزگانان، برای آگاهی

بیشتر رک: قواس ص ۱۸۱ متن و حاشیه.

۱۲. سخنیان پوست بز دباخت یافته (رک: آندراج).

گونه و رنگ

بهره الف

گردا: چرخ گردان، گونی نون حذف کرده اند، چرخ گردا گویند.
گردنا: گردانگ.

گیا: دهقان و خوشه را گویند و بزبان دیلمیان پهلوان باشد و در پارسی گیاه را گویند.
گیسا: ریاز، پارسی جامه باشد.

گردنا: بابرنگ را گویند یعنی سبک باب.

گندنا: سبزه است چون سیر و پیاز، و گویند سیر که در پیاز کارند.

بهره ب

گوداب: طحاسی است.

گورب: موزه نندین.

بهره ت

گست: رای و زشتی و بمعنی دیدن باشد.

- له رک: صحاح ص ۲۷. ته نسخ: اول: گران.
- سه رک: موبد ۲: ۱۴۵ و معین ۳: ۳۲۴۵ (معنی سوم)، در موبد اضافه شده: در زخان گویا بکسرکاف و دال است؛ اما از نسخ حاضر تأیید این امر نمی شود. سره سیلانی گردانگ باب.
- ته این واژه باعتبار معنی اول و دوم در بعضی فرهنگ بکاف تازی است، رک: قواس ص ۹۷، موبد ۹۲، برهان ۳: ۱۷۴۹ اما در ادوات بکاف فارسی چنانکه در متن است.
- هه رک: دستور ص ۲۰۸ و ادوات و بحر الفضائل. ته نسخ: اول: باشد محذوف است.
- یاه نسخ: اصل: گیاه ندارد، رک: صحاح ص ۲۹.
- هه کذاست در اصل؛ اما در موبد ۲: ۱۳۶ و جانیگیری ۲: ۲۲۹۲ و ۲۳۳۸: یکبیا بمعنی ریماز که نوعی از جامه است. در موبد ۲: ۱۳۵ یکبیا بکسرکیم و سوم ریماز که نوعی از جامه است و پارچه لطیف است کذاست فی زخان گویا، اما در نسخ حاضر موبد این معنی و این اطلاق نیست.
- هه نسخ: اصل: ربمان. ته رک: ادوات و موبد ۲: ۱۳۵.
- هه نسخ: اصل: باب زده. ته رک: ادوات. ته رک: ادوات و موبد ۲: ۱۳۶. اما کلمه صحیح کوزاب است، رک: سیلانی ۲۱۴. ته رک: ادوات و موبد ۲: ۱۳۶، عرب آنرا جورب گویند.
- هه در صحاح ص ۴۷ و جانیگیری ۱: ۳۲۱ گست بمعنی زشت نوشته با شواهد اشعار. اما در ادوات بمعنی رای و زشتی و در موبد ۲: ۱۳۷ هر سه معنی و معنی اخیر بگفته زخان.

گورست: دیمین چوب، و این نام بازی است و در بیشتر فرهنگ نامه کورشت بکاف عربی
و شین معجمه و کسر را افتاده است.
گشت: خربزه.

بهره: ج.
گرنج: برنج یعنی ارز، و گویند گرنج بشیر یعنی شیر برنج.
بهره: ج.

گنج: احمق و خودستا.

بهره: ج.
گستاخ [درق ۸۷]: دلبر و تند و شوخ.
بهره: د.

گلگون: گلوبندی که زنان از انجیر و جوز بسازند.

گرو: پهلوان.

گزید: چیزی که از رعیت بستانند، و بعضی خراج و جزیه و رشوت و هدیه گویند.
گزند: آفت.

گولاد: نام مردی.

جانبگیری ۲: ۲۰۵۹ کورشت دو چوب باشد یکی دراز بمقدار یک گز و دیگری کوتاه بمقدار یک وجب که
بدان کودکان بازی کنند و آنرا جالیک و دست چلک و عوک چوب و دیمین چوب و لاده و پل و
جفته نیز گویند.

در مویده ۲: ۱۳۷ همین معنی بواله زقان نوشته

رک: مویده ۲: ۱۳۷، جانبگیری ۱: ۱۱۳۸

دستور الاخوان ۲۵ الازر برنج.

در قواسم ۱۰۶ و دستور ص ۲۰۸: کنج، فرس: گنج، صحاح: کنج، نیز رک: مویده
برهان، ادات: گنج یعنی پراکنده و احمق و خودستا؛ نیز رک: مویده ۲: ۱۳۷ و جانبگیری
۲۳۳۶.

در مویده ۲: ۱۳۹ این معنی بواله زقان نوشته. رک: مویده ایضا.

رک: قواسم ص ۹۰. رک: ادات و مویده ۲: ۱۳۹.

رک: مویده ایضا. نام یکی از پهلوان ایرانی، رک: جانبگیری ۲: ۲۰۸۹.

مهره 'ر'

گبر: خود و ختاق و آنچه بدان ماند از آهن، و نام گیاهی است در خراسان و آن چیز است
مانند زنجبیل که از زمین بیرون می آرند و برای سردی می خورند، و بعضی بسکون با گویند
و بعضی بکاف عربی گفته اند.

گبر: مخ بدین، و ختاق را نیز گویند.
گرگر: نام خدای عزوجل یعنی صانع الصانع ای جبار و جاندار، و بزبان چینیان گرگر تاج را
گویند، و گرگر نیز گویند.

گستر: خارسپاه، بعضی بضم کاف نیز گویند، نیشتر زدن، و بکاف عربی نیز گویند.
گردیز: سنبه یعنی آنچه بدان نایزه می کوبی و جز آن سوراخ نکند.
گنجور: خازن.

گزیر: چاره.

گوهر: اصل و نژاد و حسب.

گوهر: پایکار یعنی پیشکار.

گرگر: باقی، و بعضی کاف عربی گویند.

له رک: ادات. ه رک: موید ۲: ۱۴۰.

له همین تفصیل بحواله زفان در موید ۲: ۱۴۰ در ج شده.

له نسخ اصل: و بعضی ختاق را نیز گویند تکرار این معنی پیچود است.

له رک: ادات، موید ۲: ۱۴۰، جاگیری ۱: ۱۱۳۵.

له این واژه در ادات و موید و جاگیری یافته می شود.

له موید: باج بحواله شرق نام نوشته ه رک: جاگیری ۱: ۱۱۳۹.

له کذاست در ادات و دستور ۲: ۱۴۱؛ اما در دستور ص ۲۰۴ کستر با کاف تازی و در قواس
ص ۶۵ و بحر الفضائل: کستره همین معنی.

له این معنی در فرهنگها دیده نشد.

له رک: ادات. ه نسخ اصل: بایزه.

له نسخ اصل: افزوده: یعنی کریدگی. ه رک: ادات و موید ۲: ۱۴۲.

له ادات: گرگر هر دو کاف فارسی مکسور، باقی.

له رک: موید ۲: ۱۴۰.

نور: با داد پاری، قبر و خردشتی که آنرا گور گویند و لقب پادشاه ساسانی که بهرام گور گویند.
گور: سازنده چیزی.

لیگیر: تره تیزک، بتازی جرجیر گویند

بهره: زر

گراز: خوک نر، و در اصطلاح مرد دلاور و بیلی از چوب که بدورشته بسته باشد و دو کس بکشند و زمین راست کنند، و کوزه آب سرتنگ و گویند جز در خوک کاف عربی است و آن برین گونه: گراز بکسر کاف، بیل است که آلت بزرگتری است و گراز بفتح کاف کوزه سرتنگ، و گراز بضم کاف، تبشی بود سخت در تن که زنان را وقت ولادت بیشتر [باشد].
گوریز: کنج و گوشه خانه.

گوریز: مرد دلیر و زیرک و مکاره و بکاف عربی نیز گویند.

له نسخه اول: آنرا ندارد. له نسخه اول: از نسخا تا آنجا ندارد. له این علامت پسوند فاعلی است در آخر کلمه آید مانند زرگر، کاسرگر، آهن گر، رک: جانیگری ۱: ۱۱۴.

له جانیگری: سازنده و کفنده.

له مویده ۲: ۱۴۲: لیگیر تره میر که (صح تره تیزک) بتازی جرجیر گویند، و قیل با کاف تازی و رای مهله و زای مجه (زای عربی). چنان معلوم می شود که کیکیگز و لیگیر مترادف هستند بلکه یکی از دیگری مستقادمی باشد. جانیگری ۲: ۲۳۳-۲۳۲ کیکیگز و تره تیزک را مترادف نوشته و همچنین در همین لغت ۲: ۱۹۱۲ و نده را بمعنی تره تیزک نوشته و مترادف عربی آن جرجیر قرار داده شده: بدین جهت واضح است که کیکیگز بمعنی جرجیر و شاید آن معرب لیگیر باشد؛ در حاشیه جانیگری ۲: ۱۹۱۲ بحواله تحفه مومن جرجیر را مترادف تیره تیزک قرار داده است. له گراز در همین فرهنگ (زفان) بمعنی کوزه سرتنگ و تب آمده. له عیناً همین معنی در ادوات است، نیز رک: صحاح ص ۱۳۱.

له نسخه اصل: جز در خوک نیز کاف است. له در اصل این توضیح است و اژه جداگانه نیست.

له صحاح ص ۱۳۱: گراز جز بمعنی دارد، اول خوک نر...، دوم بیل باشد و رشته بر آن بسته و کش و در زن زمین را بدان راست می کنند، سوم تمشی باشد سخت که در تن مردم افتد، و بیشتر زنان را بوقت زادن.

له اضافه قیاسی.

له در مویده ۲: ۴۲: این معنی بحواله مشرقنامه نوشته. سره سلیمانی ۱۹۷ کریر بهین معنی.

له رک: ادوات و مویده ۲: ۱۴۲.

له رک: جانیگری ۱: ۱۱۸، مویده این معنی را بحواله زفان نوشته.

له رک: مویده: ایضاً.

گوز: جوز، و بدینجاست که گویند بانغزان نغزی و باگوزان گوزی. و بعضی بضم کاف و واو
پاری گویند و بدین لغت نیز بادی می مراد است که از دُبر رها [درق ۱۸۸] میشود.
گاز: نیش دندان و موسی چینه.
گواز: چوبستی بود که بدان خران را برانند و گاو و چهار پای را.
گشینز: گیاهی است خوشبوی، بسندی دهنیه گویند.
گرز: چهار و عمو.
گرن: درختی است که بسندی جهاد گویند.
گودرز: نام مردی.

مهره دس

گاورس: کال و گویند ارزان یعنی چینه که بتازی آنرا جادرس گویند.

مهره دس

گش: رفتار باناز و کبر و شادمانی.

گش: بلم، و بعضی کاف عربی گویند.

گیش: جانوری است کوتاه ولیکن دست و پای دارد.

۱ رک: فرهنگ معین ۳: ۳۴۴۱. ۲ مویده ۱۴۳: ۳. ۳ ایضاً و نیز فرهنگ معین ۳: ۳۴۴۲.

۴ رک: فرهنگ معین ۳: ۳۱۶۵: دندان نیش، ناب (معنی سوم)

۵ ایضاً معنی چهارم (ج) گاز موچین موچینه، ناخن پیرای. ۶ رک: صحاح ص

۷ چهار و چوقر (ترکی) گرز، مویده ۱: ۳۱۲.

۸ رک: جهانگیری ۲: ۱۵۱۵ چکیده بعضی گرز تازی عمود.

۹ نام دو پادشاه از ملوک اشکانی، و دو پهلوان ایرانی، یکی پسر قارن بن کاوه آهنگر و دوم پسر

کشوار، رک: جهانگیری ۲: ۲۰۷۹ - ۸۰.

۱۰ رک: قواس ص ۵۶. دستور ص ۲۰۲.

۱۱ مویده ۲: ۱۴۳ این را بحواله زبان آورده؛ اما غلط مندرج بحواله قواس نوشته؛ اما نسخ چایی

از فرهنگ قواس قول مویده را مورد تأیید قرار نمی دهد.

۱۲ صحاح ص ۱۵۶: کش نازان و شادمانی. ۱۳ نسخ اصل: شادی و بغل.

۱۴ رک: قواس ص ۱۶۱؛ اما رک: فرهنگ معین ۳: ۳۳۲۱؛ مویده ۲: ۱۴۴ این معنی بحواله زبان

نوشته. ۱۵ رک: ادات و مویده ۲: ۱۴۴.

بہرہٴ ف

گرفت: قیر و سیم سوخت آنکه بالای کار بدوانند.
بهره دک

گلیکٹ : گریج خرمن بان .

گلشنک: بازوی در .

بہرہ نگار

گنگ: نام شہریت، گوئذ بیت المقدس است مرفی اللہ تعالیٰ ہذا، و نام رودی است

له نسخہ 'ال' : گرایش. ۵۲ ادوات و موید ۲ : ۱۳۴ : گرایش بالغ در خورد و همیش و قبل بالغم. فرہنگ
جہوی ۳۵۲ : گرایش ہمیش و میل. معین گرایش معنی میل و توجہ و رو بھجی کردن (۳ : ۳۲۲۵).

۳ رک: مویہ ۲: ۱۴۴، دستور ص ۲۱۱، بحر الفضائل: کریغ جستن و گریختن.

۷۱ ادات: گزاف، سیوہ گوئی و مقال دروغ۔ ۷۲ کذاست در اصل۔

۷ در ادات کاف و زاء هر دو فارسی؛ نیز رک: موبد ۲: ۱۴۴. ۸ نسخ، 'ل': 'قیر' محذوف.

۵۷ همین است در مویذ عیناً (کار غلط جای). ۵۸ نسخ 'ال' : است .

نسخہ اول: کلنگ: اماغوس ص ۵۶، دستور نسخہ خطی ص ۳۵، مویہ ۲: ۱۱: کلیک (کاف عربی)؛
نیز در زمان نیز کلیک (کاف عربی) تقریباً همین معنی.

سفر: 'کریجو! اما قوس، دستور، ادات، موید: کریجو، در زمان ذیل کلیک: کریجو؛
جانگری ۱:۱۱۲: کریجو و کریجو در نزد کرنه خانه کوکل کی در مقامان در کناره زراعت خود ساند از نی

۱۲ زفان : خرمن دان (رک : ذیل کلمک) .
 علف .

۱۳ رک: مؤید ۲: ۱۴۵، اداۃ بکوک جوزگرہ و مادہ جوزگرہ.

علاء رک : ادات و مومد ۲ : ۱۴۵ .

۱۵۷ رک : قواس ص ۱۱۷، صحاح ص ۲۰۰، ادات، مؤید ۲ : ۱۴۵.

۱۶ نسخہ اصل: رودی و لب آبی.

در هند و نام بهارخانه و ترکستان و کوشکی است که یکاوش ساخته و بعضی بخانه رانیز گویند
 و شهرست بهندوستان و دیگر جزیره است و چیزت که پست بر آید .
 گنگ : لال بود که زبان ندارد .
 گرشنگ : مخاک یعنی گو .

مهره دل

گوپال^۱ : گرز ، و اسدی و فردوسی گویند تخت آهنین و چوبین باشد .
 گسیل^۲ : دفع ، گویند گسیل کرد یعنی دفع کرد ، گسل یعنی دفع کن .
 گول^۳ : احمق .
 گال^۴ : غدا است که بهندوی آنرا انگشتی گویند .

مهره دم

گوتم^۵ : گیاهی است مثل کبسل^۶ ، خوشبوی است ، و گویند آن گیاهی تنک است در شد یا رکاوید
 و نیش^۷ پیچون نی باشد ، باو او پارسی نیز گویند ، بلغتی کوم آمده است .

له : فقط در مویده آمده . ۵ از نیجاتا آخردر نسخ اول افتادگی دارد . ۳ مویده : نام هر چه پست بداند .
 ۴ این واژه بشکل گریسنگ ، کریشک نیز آمده . مثلاً قواس ص ۱۳۳ ؛ دستور ص ۲۱۰ : کریشک ؛ ادات :
 گرسنگ ؛ مویده ۲ : ۱۴۵ ؛ گرشنگ ، نیز رک : فرهنگ معین ۳ : ۳۲۹۶ .

۵ رک : ادات ، مویده ۲ : ۱۴۶ معنی گوپال بجا از زبان نوشته (هندی و فارسی غلط چاپی) .
 ۶ فرس چاپ پاول هورن ص ۷۹ : گوپال تخت آهنین بود تازیش عمود الخ . ۳ نسخ اول : اسدی
 و فردوسی باو او پارسی گرز را گویند و غیر این تخت آهنین و چوبین الخ . ۵ این غلط فاحش است ،
 اصل لفظ تخت باشد چنانکه خود در زبان در گوته^۸ دل موجود است . ۴ چوبین نیز درین محل بخود است .
 ۳ رک : ادات و مویده ۲ : ۱۴۶ . ۲ دستور ص ۲۰۷ ، ادات و مویده ۲ : ۱۴۶ : گول

بمعنی بوم یعنی شب پره است ؛ اما فرهنگ معین ۳ : ۳۴۷۰ گول بمعنی احمق و ابله .
 ۲ رک : ادات ، مویده ۲ : ۱۴۶ ؛ جهانگیری ۱ : ۴۵۹ . ۳ نسخ اول : یکیکنی .

۴ فرس ص ۳۴۵ ، صحاح ص ۲۲۵ ، مویده ۲ : ۱۱۶ ، جهانگیری ۲ : ۲۲۳ : کوم یکاف تازی ،
 قواس ص ۳۶ ، دستور ص ۲۰۳ ، بحر الفضائل : کوم ؛ ادات : کوم و کودام .

۵ برای این کلمه رک : قواس ، دستور ، بحر الفضائل ، ادات ؛ مویده ۲ : ۱۴۷ ، کیده ، و آن تصحیف
 کبیل یا کبیل است (که است در نسخ زفان) .

۶ رک : رشیدی ص ۱۲۳۸ .

۷ این اطلاع در فرهنگها نیافتم .

گرم: دختی است که بازی هیس گویند.
بهره: ن.

گیهان: این جهان.
گرمزمان: عرش، و این پارسیان گویند و نزدیک شعرا آسان.
گردگان: جوز.
گون: صفت و مثل.
گریان [ورق ۱۸۹]: فدا، و این زبان سیستان است، و بکاف عربی نیز گویند، فخر قواش
گوید: گریان فدا.
گزدون: چاره شدن.
گوزن: شکاری است، شاخ بسیار دارد و دراز، هندوی جهنمکال گویند و در فردوسی است
گاو کئی.
گوان: مبارزان.
گردون: چرخ.
گشن: بسیار و انبوه، بیت:

بهم جمع خویش یکی گشن شکرم اینک سبوی پیاپی و اینک قح سوار

- ۱۰ رک: گرم در همین فرهنگ. عه جانگیری بجزه البق. ۱۱ قواس ص ۱۶: گیهان: جهان.
۱۲ رک: قواس ص ۱۳. ۱۳ قواس ص ۱۶: کواش و گون و وام را بمعنی صفت نوشته.
۱۴ رک: مویده ۲: ۱۴۸.
۱۵ مویده نیز بواله زبان نوشته است. ۱۶ رک: ادات.
۱۷ مویده بواله شرفنامه قول قواس را آورده؛ اما نسخ چایی گریان ندارد.
۱۸ مویده ۲: ۱۴۸: گزاردن آورده؛ اما رک: زبان بخش مصادر.
۱۹ ادات و مویده ۲: ۱۵۰: گاو دشتی.
۲۰ جمع گو است؛ و گو بمعنی پسلو؛ مویده ۲: ۱۵۰: گوان بمعنی پهلوانی با مسبب و شکوه نوشته
اما این را واحد قرار دادن محل نظر است.
۲۱ کذاست در نسخ 'ال' اما در نسخ اصل یک لفظ قبل ازان ناخوانا.
۲۲ رک: مویده ۲: ۱۴۹، سلیمانی ۲۲: انبوه، انبه، گشن مردم بسیار.
۲۳ این بیت در نسخ 'ال' آمده.

گلخن: رنونه باشد آنجا که در حمام نجاست سوزند.

مهره 'و'

گو: مغاک و پهلوان و مبارز.

گلنو: بزرگ بزبان شیرازیان است.

گیو: پهلوان و نام مردی پسر گودرز داماد رستم، و بعضی شوهر خواهر رستم گفته اند.
گیسو: موی تافته.

مهره 'ه'

گریوه: دک بلند را گویند و گویند دکی که جوی و آب باران را پاره می کند و بیرون می آید.

گازنه: برای عربی و پارسی، آنچه صیاد از شاخهای درخت و گاه سازه و پس آن نشیند و

دام اندازد، و غرض آن دارد که مرغان او را نبینند، و گویند گازه نوعی از دام صیاد است

و گویند آفتاب خانه صیاد؛ کاشته صیاد هم گویند آنرا که در پس او صیاد پنهان شده کنجشکی

صید کند، و نیز گویند گازه جای و صومعه بر سر کوه و نشسته گاه چوبین باشد، و بعضی بکاف

عربی گویند و بعضی فرنگیان گویند گازه برای پارسی جائی باشد، باقی برای عربی است.

گاه: جای و وقت و تخت آراسته و کرسی زرین.

گرته: گیاهی است.

۱- فرہنگ معین ۳: ۳۳۶۵-۶۶ گلخن ۱- نوعی از آتش دان که در آن غله را بریگ گرم بریان کنند

۲- اجاق حمام ۳- مزبله اجاق حمام ۴- جائی که خس و خاشاک در آن ریزند.

۵- کنده است در نسخ اصل؛ نسخ 'ال': الون.

۶- ادات: گو مغاک و پهلوان و مرد جنگی.

۷- گلنو بدین معنی در فرہنگ ما ندیدم، حتی در جغتوی که مولف خود شیرازی بود این کلمه را بیان نه نموده

است. در موبد ۲: ۱۵۰ همین معنی بجا الہ زفان نقل نموده است.

۸- رک: فرہنگ معین ۶: ۱۷۶۰. ۹- نسخ اصل: مردی پهلوان.

۱۰- اضافه از روی نسخ 'ال'. ۱۱- قواسم ۳۰: گریوه دک بلند را گویند که جوی و آب باران را

پاره می کند و بیرون می آید. ۱۲- اسبان باران. ۱۳- رک: ادات و موبد ۲: ۱۵۱.

۱۴- نسخ 'ال': کانه اما رک: ادات. ۱۵- رک: ادات، برهان ۱۷۶۳.

۱۶- رک: ادات و موبد ۲: ۱۵۱.

۱۷- رک: کرته در پیم فرہنگ. مگر به نیز گیاهی است، رک: ادات و موبد ۲: ۱۵۲.

گدازه: یعنی آن که برکه با تخت در سقف نهند.
گلّه: موی.

گللاه: هم موی باشد.
گسواره: مهند که آنجا بچکان خرد را بخلطانند.
گروهه: غلوله گل و جز آن.

گلّه: رمه.
گزره: سرریزه، گیاهی است خوشبوی.
گوته: غلوله بزرگ سنگین که بران بمغینق سازند.
گوزنه: دوتابه.

گاله: غلوله پنبه.
گوزینه: طعام است.
گرده: نان سبزه و قرص.

گومّه: آن که از بهر باران و سایه از کاه بندند یعنی طشی، و خرپشته که از جفت پناه سازند.

له نسخه اصل: گزازه؛ اما رک: ادات و مویده ۲: ۱۵۱ و جهانگیری ۱: ۸۱۱.

ته ادات و مویده: گدازه بجا کاف فارسی برکه که با تخت در سقف نهند.

سه رک: ادات ۲: ۱۵۳، نیز رک: کله (ذیل کاف).

له رک: گللاه بجا کاف عربی، مویده ۲: ۱۳۰. سه رک: مویده ۲: ۱۵۲ (ذیل گروهه).

ته ادات و مویده ۲: ۱۵۲: گززه.

ته رک: زفان گویا بخش دوم گوزنه: سرریزه گیاهی است خوشبوی.

ته رک: فرهنگ معین ۳: ۳۴۷۲. سه مویده ۲: ۱۵۴ این مطالب بجا زفان نوشته.

ته نسخه 'ل': گوزه؛ ادات: گوزنه، جهانگیری ۲: ۲۰۸۴ و مویده ۲: ۱۵۳: گوزه بمعنی غلاف

پنبه، پیلای ابریشم (فرهنگ معین، جهانگیری)، تارپنبه (مویده) گذاشت در نسخه اصل؛ اما نسخه 'ل':

دوتاباه:

له همین معنی اخیر در مویده بجا زفان آمده. جعفری ۳۶۰ گوزه غوزه پنبه.

ته حلوانی که از مغز گردگان بپزند، جهانگیری ۲: ۲۰۸۴.

سه ادات و مویده ۲: ۱۵۲: گروهه کلیچ و نان. سه رک: مویده ایضا.

له این واژه هندی در مویده موجود است. سه مویده 'تبا' اشتباه چایی.

گاده: نام آهنگری که در سپاهان بود، بر ضحاک [درق ۱۹۰] ماران خروج کرد.
گو به: جانوری است معروف و نیز گیاهی باشد که بخورند.
گوساله: گاو بچه.

بهره می

گیتی: روزگار و جهان.
گشتی: رفتار باناز یعنی خرامش و بناز رفتن.
گزنه: بل تر و خشک و بعضی بکاف عربی و کمرون گویند.
گرامی: عزیز و محبوب و بزرگ.
گیلی: نام طایفه از ترکها نسبت بگیل.
گسنی: گیاهیست معروف که کشیج گویند و بتازی هند با که برای تب دهند.
گروی: نام گردی یعنی پهلوان.

گونه اول

بهره الف

نجا: کفش و گویند سرموزه.

- له اگرچه در مویده ۲: ۱۵۱ گاده بکاف فارسی آمده؛ اما صورت صحیح این کاده است، رک: فرهنگ معین ۱۵۳۲-۴۳. له برای معنی دوم رک: ادات.
- له برای هر دو معنی رک: مویده ۲: ۱۵۶. له ادات: گشتی باکاف فارسی بناز رفتن و رفتار باناز نیز گشت باکاف فارسی نازان و رفتار باناز و شادمانی. له رک: قواس ص ۱۱۶: دستور ص ۲۰۹: گزنی: تر و خشک (بجذب گل). له کذاست در مویده ۲: ۱۵۶-۱۵۷.
- گیل فسوب است بگیل و گیل گیلان را گویند ناحیه ایست در ایران در جنوب غربی بحر خزر، رک: فرهنگ معین ۱۷۵۵: ۶. له سنو: کستی؛ اما کستی درست بنظر می آید، و کسنی و کاسنی گیاهی است معروف، رک: کسنی-کاسنی در بدایة المتعلین ص ۲۷۲، ۴۰۵، ۴۴۲ ج، ۴۴۴ ج. جانیگری ۱: ۱۳۲۱ کسنی را حلیت گوید. له کذاست در اصل؛ بظا هر کسبج درست است.
- له بدایة المتعلین کسنی را از هند با جدا گانه قرار می دهد، رک: ص ۳۸۶، ۴۷۳، ۴۷۷.
- له در دایه هند با در مرض و فواق و طحال مفید دانسته شده.
- له سنو: بگروی؛ گروی نام پهلوان ایرانی، جانیگری ۲: ۲۳۳۷، در فرهنگ معین می رود گروی پهلوان ایرانی بود، و گروی پهلوان دیگری، ۱۷۵۳، ۱۴۹۹: ۶.
- له رک: قواس ص ۱۵۶، مویده ۲: ۱۵۷، جانیگری ۱: ۲۸۲.

لکا: سخیان سیاه و لک سرخ.
للا: دانه است مانند کنجد.

بهره 'ب'
بلباب: معرشی که عزیمت خواند، دگیاهی است که عشقه گویند.
بهره 'پ'
لهراسپ: نام پادشاهی، پدر گشتاسپ.
بهره 'ت'

لیرت: خذاره، از جنس ادایست.
لخت: عودی که بدان حرکت کنند، و چرم نوزه و کفش.
لت: قلع کتان و پاره، گویند لت یعنی پاره پاره و سرگز گویند و لخت [زدن] یعنی عود زدن.
لغت: بخت، دختران که صورتها از جامه کنند.
لوت: نان و طعام.

بهره 'ج'
لج: بیرون روی چون بینی و رخ و زرخ، و مرد دست بیکار.

- له: رک: قواس ص ۱۸۱ و ادات. له رک: ادات و موید ۲: ۱۶۴. له این معنی در موید ۲: ۱۵۷ (ذیل فصل عربی) بحواله زخان درج است. له این کلمه عربی یعنی عشقه آمده، رک: دستور الاخوان ص ۵۳۳، فرهنگ معین ۳: ۳۵۶۰، و نیز موید ۲: ۱۵۷ این معنی عشقه و عزیمت خوان. له نسخا: به نظم و عظمت.
له نسخا: اصل: عشقه، معین الجلاب را نیلوفر قرار دارد و عشقه و پیچ را درست نمی داند.
له نسخا: اصل: لهراسپ (ذیل ت). له نسخا: لهراسپ نیز گویند. له رک: ادات و موید ۲: ۱۵۸، جاگیر ۲: ۲۳۴۰ لیرت: خود و نوعی از سلاح غزازه. له جاگیری و فرهنگ معین ۳: ۳۶۶۵ غزازه: اما خذاره دست تراست. له قواس ص ۱۷۰: لخت عودی باشد که بدان جنگ کنند.
له از پنج تا آخو در نسخا اصل نیامده. له برای این معنی رک: صحاح ص ۴۸ و ادات.
له این واژه در نسخا اصل نیامده، رک: ادات و موید ۲: ۱۵۸. له رک: صحاح ص ۴۸.
له موید: سرگز یعنی گرز. له رک: صحاح ص ۴۸. له قواس ص ۱۹۱: لغت دارد.
له نامری لغت را مصحف بخت می داند، رک: برهان ص ۱۹۱۸ - ۱۹ قن و حاشیه.
له رک: موید ۲: ۱۵۸ که در آن معنی اش بحواله زخان آمده.
له برای معنی اول رک: قواس ص ۸۱، و در جاگیری ۲: ۱۸۹۹. باقل مفتوح یعنی بیرون روی.
له رک: جاگیری ۲: ۱۸۹۹ لیج باضم یعنی شل.

لنچ: بضم وفتح لام، ساز گازر و چیز بست به ساز گازران تعلق دارد.

لچ: لگد باشد که بزنند و آنچه بیرون کشند.

لفج: بسکون فا، فرومشته لب و سبیرب، و کسی که بخشم باشد، و بعضی بدو فحمت گویند و بلغتی

جیم پاری.

لنج: بسکون خا، زاک سیاه که رنگ رزان دارند، و بعضی بدو فحمت گویند، و بلغتی جیم پاری.

بهره 'لج'

لوج: احوال یعنی کار.

لج: رخ و گویند رخ.

بهره 'خ'

لاخ: جای، گویند دیو لاخ یعنی جای دیو، و سخت و سیاه، گویند سنگ لاخ زمین سنگستان.

لخ: کاه بوریا که بهندی بتیره و گویند گویند.

له قواسم ۱۸۴: لنج جام: درین فرهنگ پیش ازین دو کلمه دیگر یعنی کدنگ یعنی کدینه گازر و کوردک
یعنی سنگ گازر و بعد ازین گرای، تاگو. توگو نیز یعنی جام. بنا برین واضح است که معنی کله جام
درست بنظر می رسد، و سازگار و سازگار و سنگ کارد و غیره غلط و بعضی از نتیجه تضعیف خوانی است، رک:

مجله علوم اسلامی، دسامبر ۱۹۶۷ ص ۵۵ و قواسم ص ۱۸۴ حاشیه نمره ۱۱۰.

له رک: فرس ص ۶۵، صحاح ص ۵۹ (لج) ادات، مویده ۲: ۱۵۹.

له این معنی در فرهنگها بنظر نیامده. مویده ۲: ۱۵۹ بحواله زفان لنج آورده.

له رک: صحاح ص ۵۹، ادات، مویده ۲: ۱۵۹.

له در مویده فحمتین، اما جانگیری ۱: ۷۷۰ باؤل مفتوح بثنائی زده.

له صحاح، ادات، جانگیری باجیم فارسی و مویده باجیم عربی و فارسی بهر دو طور.

له رک: صحاح ص ۶۰. لجه کاژر یعنی احوال، رک: صحاح ص ۱۳۷.

له ادات: بالضم لام و جیم فارسی، رخ.

له کذاست در نسخه اصل؛ اما در نسخه 'ل' این نیامده، نیز در مویده ۲: ۱۵۹ لچ بالضم معنی رخ است
(زفان) بعلاوه این کتاب هیچ فرهنگ این معنی دیده نشد.

له در مویده ۲: ۱۶۰ این معنی لاخ بحواله زفان نوشته؛ ادات: لاخ زمین سنگستان و جای بیابان، جانگیری ۱:

۱۶۷ لاخ یعنی جان نوشته و علاوه نموده که بدون ترکیب استعمال نمی شود، و فقط در کله یعنی سنگلاخ و دیو-

لاخ و رود لاخ (یکبار) دیده شد. رک: ادات و مویده ۲: ۱۶۰.

له ادات و مویده: بتیرا. له این کله هندی در بعضی جایها متداول است.

مبهره 'د'

لاذ: دیبای تنگ و بنای دیوار و گویند دیواری که از گل برهم نهاده بود یعنی لوی از دیوار لادی

باشد.

لوند: پسر و طفیل.

لویذ: بفتح لام و کسر، دیگ مسین بزرگ.

لاجورد: سنگی معروف [ورق ۱۹۱] که از آن رنگ سازند، هندوی رقی.

لاژورد: همان لاجورد است.

مبهره 'ر'

لر: بره گویند و میش دشتی و نیز بره کوچی را گویند، و نام شهرست، و در فرهنگ آمده است: لر توان و کام باشد، و از سیلاب زمین گوشده باشد.

لور: هم معنی لر است، و چکیده یعنی آنچه از جزرات بعد چکیدن بماند و نام زمینی و زمین نشیب. لرنبر: مرد بسیار خوار و کاهل.

ل ادات و مویذ ۲: ۱۶۰ لاد یعنی دیبای تنگ و بنای دیوار، اما جاگیری ۱: ۴۷۲-۷۳ لاد یعنی بنای دیوار، رده از دیوار گل پنجه و دیبای تنگ و غیره آورده.

ل رک: جاگیری. ل نسخه اصل: بومی؛ قوی یعنی توه، تاه و لای، جاگیری ۲: ۱۹۵.

ل صحاح ص ۸۳: لوند مردم کابل و تنبل و هرجائی باشد.

ل ادات و مویذ: اهل خرابات را همان طفیل، برهان ۱۹۱۶ پسر و کاره و همان طفیل الخ.

ل رک: قواس ص ۱۳۶ و ادات. ل رک: مویذ ۲: ۱۶۰.

ل نسخه 'ال': رنگی معروف که از سنگ سازند؛ مویذ ۲: ۱۶۰ لاجورد و لاژورد: رنگی است که از سنگ مخصوص

گشند. ل نسخه 'ال': رادت گویند. ل رک: ادات و مویذ ۲: ۱۶۱ و جاگیری ۱: ۱۱۴۵.

ل ادات و مویذ: بره. ل از تاریخ گزیده معلوم می شود موضعی بنام لر است، و

از تاریخ و صاف واضح می شود که دو خط بودند، یکی لر بزرگ و دوم لر کوچک، جاگیری ص ۱۱۳۵

حاشیه ۱، و در ادات و مویذ و جاگیری: نام طائفه و صحرائین.

ل گذاشت در ادات و مویذ. ل رک: جاگیری. اما بدین معنی بافتح است.

ل در جاگیری لر بافتح یعنی زمین گوشده آمده، و لور یعنی زمین سیلاب کند یا لضم نوشته ۲: ۲۰۹۶.

ل فقط از لحاظ دو معنی یعنی زمین سیلاب کند، و نام طائفه.

ل ادات و مویذ ۲: ۱۶۱.

ل رک: قواس ص ۱۱۲.

لوراور: دبه برنجین بزرگ .

لرزیږ: زیرک و پریزگار .

لر: زمین نشیب و جوی خرد .

لنگر: بدانچه کشتی بدانند ، و مدار هر چیزی . بنا برین خانقاه را نیز لنگر گویند .

بهره 'ز'

لغز: فروغزیدن باشد .

لیز: آمیخته و دست افزار کشیدن چیزی .

بهره 'س'

لوس: فرب و دهنده و فروتنی کننده .

لاس: ابریشم .

بهره 'ش'

لوش: غلیش و گویند زمین خلاب ، (و) کژدبان و بعضی بواو عربی گویند .

لاش: کم خورد و بی اعتبار .

له قواس ص ۱۳۶: لوراور دبه روغن ، اما مویده ۲: ۱۶۱ لوراور بمعنی دبه برنجین بزرگ ، دبه روغن .

له رک: مویده ۲: ۱۶۱ . تکرار این واژه پیچود است .

له در مویده ۲: ۱۶۱ مطالب مندرج متن را بحواله زفان آورده .

له این معنی و توجیه در پیچک از فرهنگهای مورد استفاده دیده نشد .

له فرهنگ معین ۳: ۳۶۳۲-۳۳ از جمله معنی های دیگر این سه معنی آورده ۱- لنگرکشی . ۲- جایی که همه روزه بفقیران طعام دهند . ۳- خانقاه .

له رک: مویده ۲: ۱۶۱ که همین معنی بگفته زفان نوشته ؛ اما ادات: لغزیدن دارد نه لغز .

له در مویده ۲: ۱۶۱ همین دو معنی بحواله زفان آمده ؛ اما جانگیری ۲: ۲۳۱۰ لیزه بمعنی آمیخته ، دست افزار نوشته ، از مصدر لیزیدن بمعنی آمیختن .

له برهان ۱۹۲۰ دست افزار کشیدن بر چیزی .

له در اکثر فرهنگها لوس بمعنی فرب دادن و فروتنی کردن است ، اما برای این معنی رک: فرهنگ معین ۳:

۳۶۵۰ . صحاح ص ۱۴۵ . له رک: ادات و مویده ۲: ۱۶۲ .

له رک: صحاح ص ۱۵۶: لوش کج دبان . له رک: مویده ۲: ۱۶۲ .

مهره 'غ'

لغ: بی موی، گویند لغ سر یعنی سر کل.
لوغ: بواو پارسی؛ دو شیدن و آشامیدن و دوشنده و آشامنده.

مهره 'ف'

لاف: کلام فضول و عبارت گشاده و خوشن استائی، بتازی صلف گویند.

مهره 'ک'

لک: مرد آحق و خام درای و یاده گوی، و صد هزار، و یک بابای پارسی از اتباع، و بعضی
بهر چیزی قلیل، گویند: لک و یک آورده است، و بی هنری و تگاپوی.
لشک: بکتخ شتر.

لک: غلوله، و آنکه کسی فریب خورده زودتر در چیزی افتد، و نیز لک شئی معروف است و آن
سرخی است که بدان هر چیزی را رنگ کنند و گویند رنگ لکی است، و در آسیدی است
لک: بن لاک و لکا باشد که آن پس مانده باشد و در بن دسته کارد و مانند آن نشانند
تا آهین را سخت گیرد.

-
- له رک: تواس ص ۷۹. له کل: سر بی موی، رک: زغان.
له صحاح ص ۱۶۵ نوع بزبان ماوراءالنهر نوشیدن و آشامیدن بود، نیز رک: ادات.
له این سخن در موید ۲: ۱۶۳ یافته می شود و نیز رک: برهان ۱۹۱۴.
له در موید ۲: ۱۶۳ معانی مذکور در متن بحواله زغان نوشته.
له صحاح ص ۱۷۰: لاف بتازی صلف و بیپارسی خوشن استائی.
له نسخ: اصل: صلق، موید ۱: ۱۵۵: صلف لاف.
له رک: تواس ص ۱۰۸، دستور ص ۲۲۰، فرس و جانیگری ۲: ۱۵۴ لک پنهان و هرزه بود.
له صحاح ص ۱۸۶ لک: مرد رعنا و آحق و پنهان گو بود.
له درای سراینده سخن، برهان ۲: ۸۳۱.
له ادات و موید ۲: ۱۶۴ لک و یک بابای فارسی بی هنر و بضاعت مزاجات چنانکه گویند لک و یک
آورده است.
له رک: فرس نسخ: پاول پورن ص ۴۶. له رک: موید ۲: ۱۶۴، فرسنگ معین ۳: ۳۶۲۵.
له رک: ادات و موید ایضاً.
له رک: فرس نسخ: پاول پورن ص ۶۷ لک بن لک باشد و لکا باشد الخ.
له نسخ: اصل: بسر مانده. له فرس ایضاً: در دستهای کارد بکار برند.

لورک: لکان نداف، و بودا عربی نیز گویند و تیر نیز مراد باشد و این بعضی مراد داشته اند.
لاک: همان لک که بدان هر چیزی رنگ کنند [درق ۱۹۲] و کاشه.

لشک: پاره پاره.

لینک: ضعیف.

لنک: نام مردی که سقا بود.

بهره 'گ'

لگ: بند و زنج و ل.

لگلک: پرنده ایست معروف.

بهره 'ل'

لکل: امرو، بتازی مرود گویند.

بهره 'ن'

لیان: تابش و فروغ دهند بود که از پس یکدیگر می درخشند.

لگن: مثل طبقی بزرگ راست می کنند دیوارش بلند از سیم و یا از زر و جز آن، دشت و شمع از هر چه باشد.

له: رک: قواس ص ۱۸۱. له نسخ: ل: سره، موید ۲: ۱۶۴: شستیر: فرننگ

معین ۳: ۳۶۳۷: لورک لکان حلاجی و نوعی از تیر پیکان دار.

له نسخ: ل: این را ندارد.

له: رک: قواس ص ۱۸۷ (فقط معنی اول)؛ موید ۲: ۱۶۳، هر دو معنی بحواله زفان نوشته.

له: رک: موید ۲: ۱۶۴ و جاگیری ۲: ۱۴۰۱.

له: جاگیری ۲: ۲۳۳۹ و فرننگ معین ۳: ۳۶۶۴: لینک بی سروپا و مفلس و بی چیز.

له: جاگیری ۲: ۱۸۹۷: لنک نام سقایی است کریم که در زمان بهرام گور بود و صمانی بهرام کرده، رک: شاهنامه

۲۱۲۲: ۷ (حاشیه جاگیری)، له: رک: موید ۲: ۱۶۴.

له: ادات: لگلک (برد کاف فارسی) و موید ۲: ۱۶۴ کاف اول عربی.

له: موید ۲: ۱۶۴ لکل امرو و بتازیش مرود. له نسخ: اصل: مرود.

له: رک: فرننگ معین ۳: ۱۴۰۴۹. له: رک: ادات و موید ۲: ۱۶۷.

له: 'بود کر'، دشو: اصل نیامده. له: موید: درخشند.

له: رک: ادات و موید ۲: ۱۶۷. له: کذاست در اصل؛ موید: و آنرا دشت شمع نیز نامند.

لادن: جنسی است از مهنات عطریات مانند دوشاب سیاه و خوشبوی و گویند آن عنبر صلی است که جنسی از عنبر است و گویند لادن مشکلی است.

لشن: بخشان.

لغتان: لغتان دخترگان.

لورین: آنچه بدان دانه پنبه کشند.

لان: گوی باشد در زمین و در هر چه افتد.

لغان: نام شهری است نزدیک غزنین.

مهره: ۵۰

لنبه: مردم فرجه.

لویشته: غله کوفته.

لکانه: عصب و زوئج.

لوره: سیلاب کند و زمین گوشده.

لتره: دریده و پاره پاره و کینه.

لامه: چیزی که از بالای سر تا دم پیچیده و این پوشش را لامک نیز گویند.

۱ موید ۲: ۶۶۰ معنی لادن بگفته زخان آورده. ۳ موید: عطر.

۴ نسخ: اصل: و سیاه و خوشبوی از مهنات. ۵ موید: نعل، برهان عسل.

۶ فرہنگ مین ۳: ۳۵۸۸ لشن نرم و لغزنده. ۷ لغتان بمعنی لغزان (ایضاً ۳۵۷۵)

۸ رک: لغفت در بین فرہنگ. ۹ نسخ: ل: بعت.

۱۰ رک: موید ۲: ۱۶۷. ۱۱ ایضاً ۱۶۶.

۱۲ ایضاً، و حدود العالم ص ۲۸ و چهار مقال، مقالہ اول. ۱۳ رک: صحاح ص ۲۸۹.

۱۴ رک: اادات و موید ۲: ۱۶۹؛ اما برهان ۱۹۰۹، سرمد سیلانی ۲۲۵، فرہنگ جعفری ۴۱۴ لوبش

درین معنی. ۱۵ صحاح ص ۲۸۹، اادات: لکانه بمعنی عصب و جگر آگنده، جاگیر ۲: ۱۵۳۷

لکار و لکانه هر دو بمعنی عصب و آله تناسل، اما ابیات توضیح لکانه دارند نہ لکار.

۱۶ کذاست در اصل. در بین فرہنگ روح و روح بمعنی معنی؛ سیلانی ۱۲۵ زوئج.

۱۷ رک: صحاح ص ۲۸۹، در موید ۲: ۱۶۹ بگفته زخان معنیش آورده.

۱۸ رک: صحاح ایضاً و موید ایضاً. ۱۹ نسخ: اصل: رسکین.

۲۰ نسخ: اصل: لامه اما جاگیر ۱: ۴۸۴ لامه و لامک چارگزی را گویند کہ بر بالای دستار پیچند. ۲۱ اصل پیچید

لايه: بازي کردن و چاپلوسی و خوشی و چیزی است که از بالای سر تادم بچند یعنی لایه.
لايه: کاهل و بیکار.

لخته: شعله آتش و سرشک آن.

لوشانه: چرب و شیرین و فریفتن و فروتنی کردن، و بعضی بواو پاری گویند و بلغنی مسین
معله است.

لاله: گلی است در کسار باشد چون سرخ.

لغونه: آرایش.

لادنه: گیاهی است که بسندوی رانته گویند.

لاغیه: درختی است که آب او بالای آن بدرج فرود آید و جمع شود.

لوزینه: طعامی است معروف.

لبیسه: دانه که اسب را کنند.

بهره می

لاسی: خلاب و غلیش و آب باران که در کوچه با روان شود، و جامه صنی از ابریشم تنگ رنگین.

له: رک: صحاح ص ۲۸۹، وادات و موبد ۲: ۱۶۸. له برای این معنی رک: جهانگیری ۱: ۴۷۰.

له: همین است در موبد. و نیز رک: صحاح ص ۲۸۹ لایه یعنی دستار بالای دستار. ممکن است این معنی
بر بنای غلط خوانی لایه باشد. له: رک: صحاح ایضاً.

له: رک: موبد ۲: ۱۶۹.

له: فرس ص ۴۹۶، قواس ص ۱۴۶، صحاح ص ۲۸۹: لوسانه یعنی چاپلوسی کردن. موبد ۲: ۱۶۹:

لوشایه، بریان ص ۱۹۱۳ لوشایه و لوسانه را مترادف نوشته. اما اصل کلمه لوسانه است که از لوس

ساخته شده و لوس یعنی فروتنی و چرب زبانی و فریفتن و لایه کردن است، رک: صحاح ص ۱۹۶.

له: کذاست در اصل؛ ظاهراً فریفتن درست است. له: کذاست در نسخ اصل و ل: چو سرخ.

له: رک: قواس ص ۱۸۶، موبد ۲: ۱۶۹.

له: در موبد ۲: ۱۶۸ احسنی لادنه بجای لادنه آورده؛ جهانگیری ۱: ۴۷۵ لادنه گیاهی است که از پوست

ساق آن ریسمان سازند، در هندوستان سن گویند.

له: کذاست در موبد. له: رک: فرهنگ ص ۳: ۳۵۳۰، لایه مترادف لبانه: رک: ۳: ۳۵۵۶.

له: رک: موبد ۲: ۱۶۹.

له: موبد ایضاً لبیسه و لبیسه هر دو دارد.

له: رک: قواس ص ۲۶ و ۱۵۳، موبد ۲: ۱۶۹ لای را ذیل فصل عربی آورده.

لایستی: جامه سوزنی که درویشان و صوفیان را باشد.
 لوری: پرسی یعنی [درق ۹۳] جذام، و بودا پارسی نیز گویند
 لولی: مطرب و کوچگرد.
 لونی: گردون بازی.

گونه عم بهره الف

مروا: فال نیک زدن.
 مرغوا: فال بد زدن.
 مانا: پنداری و مگر.
 مینا: شیشه.

بهره ب

مکیب: بازداشتن، از راه کژ کردن یعنی از راه کژ بردن، چنانکه گویند از راستی بکژی یا بجای دیگر فلان را مکیب یعنی مکش.

بهره ت

ماست: یعنی جغزات، و گویند آنچه جغزات بد و بسته شود، نیز علق رومی را ماست گویند.

- له نسخ اصل: لانی، رک: مویده ۲: ۱۶۹، جهانگیری ۱: ۳۸۸؛ در حاشیه جهانگیری مثلاً از قصص قرآن،
 سوره آبادی ص ۲۵۳ و کشف الاسرار ۱: ۷۶۱ آورده. له رک: قواس ص ۱۶۳، مویده ۲: ۱۷۰.
 له رک: مویده ۲: ۱۷۰. له در قواس ص ۱۸۸ و زبان (گونه ده) هیلوی: گردون بازی.
 له رک: قواس ص ۱۹۳، ادات، مویده ۲: ۱۷۱. له ایضاً. برای این دو واژه بیت زیر از سحرز
 شاه آمده: آری چه پیش آید قضا مردا شود چون مرغوا: جای شجر گیر و گیاهای طرب گیر دشمن
 له برهان ص ۱۹۴۹: مانا گوئی و پنداری (دمانند).
 له در جهانگیری ۲: ۲۳۴۶-۴۷، برهان ۲۰۸۲ مینا یعنی آبگیند و آبگینه الوان و کیما: اما ادات مینی
 سبز آورده: مویده ۲: ۱۷۱ مینا را ذیل عربی یعنی شیشه بجا از قنیه آورده.
 له ادات: مکیب بایای فارسی یعنی از راستی بکژی بر و بکژی مکش و از راه بی راه مبر و بی راه مرو،
 نیز رک: مویده ۲: ۱۷۳. له نسخ اصل: بازداشتن است.
 له رک: ادات و برهان ص ۱۹۴۱. در مویده ۲: ۱۷۴ معنیش بجا از زبان نوشته.
 له رک: مویده و برهان.

مست^{۱۶}: مشک زیر زمین که هندی موته^{۱۷}، گویند کچور است، و بعضی بشین^{۱۸} معجم گویند.
مفت^{۱۹}: اسیر و زیر دست.

بهره^{۲۰} 'ج'

مشج^{۲۱}: گمی که بر گوشت نشیند و تباہ کند، و بضم میم نیز گویند.
منج^{۲۲}: نخل انگبین و گویند زنبور و ریوند و آن داروئی است.
مج^{۲۳}: راوی یعنی آنکه روایت کند و نام راوئی.

بهره^{۲۴} 'ج'

ملج^{۲۵}: ریوند و آن گیاهی است، مستی آورد.
مخلج^{۲۶}: گوبازی و گویند گوی که درد جوز بازند یعنی خطف^{۲۷}، و بلغی جیم عربی است.
بهره^{۲۸} 'خ'

مح^{۲۹}: زنبور و لگامی که بر سر اسب سرکش ببنند تا نرم شود و گویند لگامی است سنگین که اسبان و
شتران بی فرمان را کنند.
ماخ^{۳۰}: مرد احمق و منافق و سیم نهبره^{۳۱}.

-
- ۱ رک: ادات و مویده: ۲: ۱۷۴ و جاگیری: ۱: ۱۳۲۴.
۲ رک: ادات و جاگیری: مویده: موته، و این اشتباه است.
۳ که است در نسخ اصل؛ اما در نسخ دل: نیاده. ۴ رک: مویده و جاگیری.
۵ رک: مویده: ۲: ۱۷۴. ۶ ادات و مویده: ۲: ۱۷۵.
۷ نسخ اصل: مسنج؛ اما رک: فرس ص ۵۸، قواس ص ۶۶، صحاح ص ۴۷، ادات، مویده: ۲: ۱۷۵، برهان ص ۲۰۳۸.
۸ نسخ دل: کل. ۹ برهان و جاگیری منج بالضم معنی زنبور و بالفتح معنی ریوند.
۱۰ رک: مویده: ۲: ۱۷۵ و برهان ص ۱۹۶۶-۶۷. ۱۱ نام راوی شعرو دلی، رک: جاگیری، برهان، بیمانی و
۱۲ رک: ادات و مویده: ۲: ۱۷۵، برهان ص ۲۰۳۱. ۱۳ این مترادف فقط در ادات است.
۱۴ رک: قواس ص ۱۸۸، ادات، مویده: ۲: ۱۷۵، جاگیری: ۲: ۱۴۲۴. ۱۵ نسخ دل: حطن.
۱۶ قواس و جاگیری و برهان: مغللاج و مغلخ، ادات: مغللاج، مویده مغللاج و مغللاج هردو.
۱۷ برای معنی دوم رک: قواس ص ۱۷۶؛ اما برای هردو معنی رک: ادات، جاگیری: ۱: ۷۷۱، مویده: ۲: ۱۷۶، برهان ص ۱۹۷۲.
۱۸ رک: صحاح ص ۶۹، ادات، مویده: ۲: ۱۷۶، جاگیری: ۱: ۴۸۹.
۱۹ نهبره معنی ناسره، رک: فرهنگ معین: ۴: ۴۶۶۸. نسخ دل: بی بهره.

ملح: سنگ فلاخن.

بهره 'د'

مرداد: آفتاب در اسد و هشتم روز از ماه.
 منده: خداوند چیزی که با او مرکب شود چنانچه دو نمند و حاجتمند.
 موبد: دانشمند و دیردار و حاکم معان.
 میزد: مجلس خانه و عشرتگاه و مهمانی، و در فردوسی است: مهمان خانه.
 مستمند: حاجتمند و غلگین.
 مانید: بعضی ماند.
 مورد: درختی است که بسندوی مور لگویند.
 مد: ششم روز از ماه.

بهره 'ر'

مهر: آفتاب و آفتاب در میزان، و آن را مهر ماه گویند، و شفقت و عشق، و سنگ سرخ،
 و شانزدهم روز از ماه.
 مر: حساب، و گویند که حساب گذشته را گویند.

له: کذاست در موبد ۲: ۱۷۶؛ اما جاگیری ۲: ۱۶۶۹، برهان ص ۲۰۳۱: ملح: سنگ فلاخن.

له: جاگیری ۱: ۱۱۴۹ ستون اول سطر سوم.

له: در زخان گویا همین است چنانکه از موبد ۲: ۱۷۸ برمی آید، اما این غلط است. رک: جاگیری
 ۱: ۱۱۴۹، ترجمه آثار الباقیه ص ۲۵۰، مرداد، هفتم روز از ماه هست.

له: این فقط در مرکبات بطور پسوند آید، لفظ جداگانه نیست.

له: موبد ۲: ۱۷۹ همین معنی بجوای زخان نوشته، رک: قواس ص ۸۷.

له: برای این دو معنی رک: قواس ص ۱۲۷. له: رک: موبد ۲: ۱۷۹.

له: رک: موبد ۲: ۱۷۸.

له: رک: جاگیری ۲: ۲۱۰۲، برهان ص ۲۰۴۹ - ۵۰.

له: این نام در فرهنگها ندیدم. له: رک: برهان ص ۱۹۷۵.

له: رک: ادات، موبد ۲: ۱۸۳، برهان ص ۲۰۶۱ - ۶۲. له: رک: موبد و برهان.

له: ایضا.

له: فرهنگ معین ۴: ۳۹۷۶ مرشاه و حساب، ادات: حد و شمار، نیز رک: موبد ۲: ۱۸۱، جاگیری ۱: ۱۴۶۰.

مندور: [ورق ۱۹۴] غمگین.

منادور: شهرت نزدیک فتن.

مرغزار: آنجا که سبزه رسته باشد.

مهاسر: چوبی که در مینی شتر کنند و بر درسمان بر بندند یعنی مینی بند شتر.

ماخور: خرابات.

مستار: دارویی است و آن را مرده نیز گویند.

مایندر: زن پدر.

میره 'تر'

مرز: زمین رانده و کشت و آبادان.

مُرز: مخزج آدمی و جز آن یعنی کون.

ماز: شکاف که در دی چیزی افتد از چوب، در دیوار و مانند آن.

مهاسر: سیخ آهن بود که درون جناغ محکم کنند تا چون رکاب زنند اسب برون جلد و روان شود.

و این را میمیز نیز گویند.

میز: اسباب مهمانی، گویند میزبان یعنی مهمانی دارنده.

۱. مویده ۲: ۱۸۴، جهانگیری ۲: ۱۹۰۴-۵: مندور مغلوک، بی دولت و سیاه بخت. ۳. صحاح ص

۱۱۶: مندور غمگین. ۴. رک: فرس ص ۱۳۷، ادات، مویده ۲: ۱۸، جهانگیری ۲: ۱۹۰۱، برهان

ص ۲۰۳۷. ۵. فرس: چین. ۶. رک: برهان ص ۲۰۵۹.

۷. رک: مویده ۲: ۱۸۲، برهان ص ۱۹۳۳. ۸. رک: جهانگیری ۱: ۱۳۲۵، برهان ص ۲۰۰۷.

۹. که است در اصل و جهانگیری اما مویده ۲: ۱۸۳: مرد. ۱۰. برهان ص ۱۹۳۴: ماند ر بدین معنی.

۱۱. رک: قواس ص ۳۳. ۱۲. ایضا ص ۵۴.

۱۳. رک: مویده ۲: ۱۸۵، اصحاب ص ۱۳۲: مرز سرحد. ۱۴. قواس ص ۸۶.

۱۵. صحاح ص ۱۳۲: ماز اول شکاف باشد در دیوار و دم شلج باشد که در چوب افتد و مانند آن.

۱۶. رک: برهان ص ۲۰۶۹. ۱۷. جناغ: دامن زمین، جهانگیری ۲: ۱۷۹۵، زفان: زیر رکاب.

۱۸. نسخ 'ول': کند. ۱۹. رک: برهان ایضا.

۲۰. رک: مویده ۲: ۱۸۵، برهان ص ۲۰۷۶. واژه میز و بهین معنی است، رک: ادات و برهان.

۲۱. نسخ 'ول': گویند ندارد. برهان 'میز' بمعنی میزبان نیز آورده، رک: ایضا.

۲۲. نسخ 'ول': مهمان.

موز: میوه ایست که بتازی طلح و سهند وی کیدل گویند.
مهووز: گیاهیست که آنرا بتازی بزاق القهر گویند.

مهره: شتر،

مرثه: ابرو و تار مریخ را گویند یعنی آنکه هوا را تار یک کند، و مرثه چشم، و از اتباع کژ است، گویند
کژ و مرثه آنکه هر بار کژ گردد.
مرثه: خرگس.

مهره: اس،

مس: پای بند بجزی که از آن جای بسبب آن نتوان رفت.

مهراس: هاون.

مرس: نام مغانی است.

مترس: چیزی است که در حصارهای بندند در وقت جنگ.

مهره: شش،

منش: طبع و همت.

منیوش: مشنو.

له کذاست در اصل؛ اما در مویده ۲: ۱۸۵: موز، برهان ص ۲۰۷: موز، دکتر معین این را تصحیف
مهو (عربی) می داند چنانچه بیرونی در جاهای آورده (حاشیه برهان). در مویده ذیل 'ر' (فصل فارسی) آمده
بدین شرح: مهو گیاهی است که وقتی ماه در نقصان باشد آنرا بگیرند و آن در زمین عرب بود بتازیش
بزاق القهر و بساق القهر و زبد القهر نامند کذا فی زبان گویا، در نسخ موجود این فرهنگ کلمه مهو شامل نیست.
له نسخ 'ل' آنرا ندارد. له بیرونی: بساق القهر و زبد القهر، زبان ذیل بساق القهر بزاق

القهر و بساق القهر و زبد القهر آورده، فارسی مهو. برهان: بساق القهر، بساق القهر، بزاق القهر: بیرونی آنرا حجر
ایضاً گوید. له رک: مویده ۲: ۱۸۵ و برهان ص ۲۰۰۳. له ایضاً.

له نسخ 'ل' گذشت. له برهان: کژ و مرثه کج و مج نقیض راست.

له رک: قواس ص ۶۷، مویده ۲: ۱۸۵. له رک: قواس ص ۱۰۱، زبان مس و باس هر دو
دارد بنیز رک: قواس ص ۱۰۱، ح ۱۴. له نسخ 'ل' اصل: 'آن' ندارد.

له رک: ادوات و جهانگیری ۲: ۲۱۹۸. له رک: فرس ص ۲۰۰، ادوات، مویده ۲: ۱۸۶.

له رک: مویده ایضاً و برهان ص ۱۹۶۶. له رک: مویده ۲: ۱۸۷، برهان ص ۲۰۴۲.

له فعل نمی از مصدر نیوشیدن یعنی شنیدن، رک: مویده ایضاً، برهان ص ۲۰۴۷.

بهره مرغ

میخ: ابر.
 ماخ: مرغی است سیاه و دم بیشتر در آب نشیند.
 مرغ: طایفه آتش پرست و محرم خواه و شراب فروش.
 مرغ: سبزه و رستینه، گویند مرغزار یعنی سبزه زار.
 مرغ: گو و ذرف.

بهره نک

مشکک: بیج گیاهی است که موته گویند.
 مینک: گیاه جاروب.
 مانورک: قبره و آن پرند است معروف. مانوت نیز گویند.
 مشکک: جانورست همچو کبک، و در فرهنگ نامده است: مشکک بکسر جانورست خرد که کرمی می برد.
 مک: زوپین و گویند گونه از زوپین است و [امراز] مکیدن یعنی [ورق ۱۹۵] مزیدن.
 مخاک: گو زمین و در هر چه گو افتد چنانکه سیند و جز آن که مخاکچه گویند.
 میزک: بول بود.

- | | | |
|----|----|---|
| ۱ | ۴ | رک: ادات و مویده ۲: ۱۸۹. سلیمان نوحی از مرغانی. شک: رک: صحاح ص ۱۶۵، ادات، مویده ۲: ۱۹۰. |
| ۲ | ۳ | رک: مویده. در فرهنگهای دیگر این معنی نیافتم. شک: رک: ادات و مویده. |
| ۳ | ۵ | رک: مویده ایضاً. شک: رک: مویده ایضاً، جاگیر ۲: ۱۴۴۳، برهان ص ۲۰۲. |
| ۴ | ۷ | رک: ادات. شک: رک: ادات: همین کلمه زیر واژه 'است' در همین فرهنگ آمده. نسخ: 'ل' موته ندارد. |
| ۵ | ۹ | رک: قواس ص ۵۷. |
| ۶ | ۱۰ | قواس ص ۶۰. چونک و مانورک: قبره، رک: چونک در همین فرهنگ. |
| ۷ | ۱۱ | نسخ: 'ل'، فزه. شک: رک: مویده ۲: ۱۹۲، برهان ۱۹۵۱. |
| ۸ | ۱۲ | نسخ: 'ل'، مشکک. رک: ادات و برهان ص ۳۰۱۵. شک: در نسخ: اصل همچو کبک نیامده. |
| ۹ | ۱۳ | نسخ: 'ل'، در فرهنگ نامده جانوری خرد مانند کبک. شک: نسخ: اصل: کرمی است که. |
| ۱۰ | ۱۴ | رک: ادات و مویده ۲: ۱۹۳. شک: 'امراز' نسخ: اصل ندارد. |
| ۱۱ | ۱۵ | برهان ص ۲۰۲۱: مخاک بمعنی گودال است خواه در زمین خواه غیر زمین. شک: نسخ: 'ل'، معالج. |
| ۱۲ | ۱۶ | رک: دستور ۱۸۰. مشخوه مخاکچه میسند. شک: رک: مویده ۲: ۱۹۳، برهان ص ۳۰۷۷. |

۳۲۴ بهره‌نگ

مانگ^۱: ماه یعنی ماهتاب.
منگ^۲: اندام شکستن و فازه، و قمار و دزد و راهزن و منگل و منگ بهانیز گویند فازه اندام.
منجک^۳: آن بود که بازگیران چون قلم از دوات و سنگ از طاس بد و بر جانند.
مجرک^۴: بیگار بود و سخره یعنی بیغاره و سخره باشد، چه بقهر چه بخوشی.
مدنگ^۵: پره قفل یعنی دندان کلیدان.
مشتنگ^۶: دزد و راهزن و بنیم نیز گویند.
مشنگ^۷: غداست، بندوقی کلاه گویند.
ستنگ^۸: قمار و گویند قمار باز باشد، و گویند دزد و راهزن و رند.

بهره‌ال

مل: شراب و بنید.
منگل^۹: دزد و راهزن.
مشنگل^{۱۰}: دزد و راهزن.
مالول^{۱۱}: غلام بزرگ بمرتبه یعنی گلوبند [ه].

-
۱. رک: قواس ص ۱۴. ۲. قواس ص ۱۶۰: منگ فازه و اندام شکستن.
۳. برای این دو معنی رک: مویه ۲: ۱۹۳. ۴. نسخ اصل: و منگل و منگ، منگل یعنی دزد.
۵. رک: ادات و مویه ۲: ۱۹۲ و برهان ص ۲۰۳۹. ۶. نسخ اصل: طادوس.
۷. رک: فرس ص ۲۷۸؛ قواس ص ۱۰۲ و صحاح ص ۲۰۱: مجرک بیگار و سخره بود چه بقهر چه بخوشی.
۸. نسخ اصل: سخن. ۹. رک: قواس ص ۱۳۶؛ نسخ اصل: قفل تا آخر مخذوف.
۱۰. برهان ۱۹۷۶ دندان کلید و پره قفل.
۱۱. رک: ادات و مویه ۲: ۱۹۳. ۱۲. در نسخ اصل هر جا دزد راهزن بدون واو.
۱۳. رک: ادات و مویه ۲: ۱۹۳ در اکثر فرهنگها یعنی دزد و راهزن نیز آمده، رک: صحاح ص ۲۰۲، ادات، برهان ص ۲۰۱۷. در نسخ دیگر صحاح 'درد و سخن' نیتیه غلط خوانی است، رک: حاشیه برهان و حاشیه صحاح.
۱۴. رک: مویه ۲: ۱۹۳ (کلاه غلط چاپی). ۱۵. کذاست در اصل؛ گویا زیل مستنگ یعنی نای منگ و مشتنگ جمع شده.
۱۶. رک: ادات و صحاح ص ۲۱۱. ۱۷. رک: رشیدی، بظاهر شکل مصحف فاضل باشد، (شکل یعنی درد صحاح ص ۲۱۱). برهان ص ۲۰۱۷: مشتنگ یعنی دزد و راهزن. ۱۸. این واژه شکل مالول و ماکول هر دو آمده؛ مثلاً مویه ۲: ۸۹۵ و جابگیری ۱: ۵۰۰ و رشیدی: مالول کذاست در سخن؛ افاقر ص ۳۱۶، صحاح ص —

مندل: خط که معرمان کشند یعنی خط عزیمت.

مرغول: زلف پیچیده و نشاط.

مقبل: بد اعتقاد، و گویند من اورا منبلم یعنی معتقد نیستم.

مهره، م

ملغم: مرهم.

مرهم: خسته بند یعنی پتی که بر شکسته بزنند.

مریشم: چیزیست که بازی اورا غرأ گویند.

مهره، ن

مهرگان: شانزدهم روز همراه یعنی آفتاب در میزان، و آن روز جشن مغان است، بتعریب مهرگان گویند.

مرزبان: زمین دار و شهردار که شهریار گویند.

موثران: چشمی خوب و نیکو که بلطاف اندک اندک متحرک بود و خواب آلوده باشد.

میسن: پسر و خانمان و جای زاد بود و خوش خبر و مسکه آن که ازان روغن شود، و در فرسنگ نامه بشرط

→ ۲۱۰، ادات: ماکول، برهان ماکول و ماکول هر دو؛ همچنین در معنی هم اختلاف است، بجلاده غلام بزرگ مرتبه، یعنی رسن و بسیار غرأ آورده اند، و این هم ضعیف خوانی الفاظ است؛ مثلاً گویند که بمعنی غلام بزرگ مرتبه (گلو بمعنی بزرگ) است یا گویند تبدیل کرده اند. رک: برهان قاطع ۱۹۳۵ حاشیه ۶.

۱۱۵ ادات: مندل خط دور که اصحاب عزیمت کشند. ۱۱۵ ادات فقط معنی اول دارد. مویده ۲: ۱۹۶ ص ۱۹۶ معنی دوم بجا از زبان آورده؛ جایگیری ۱: ۱۱۵۹ برای معنی دوم این بیت شاید آورده:

آن دمی که سخن سکره مرفول کند از خجالت زتن سکره بگشاید غوی

۱۱۶ رک: مویده ۲: ۱۹۶، برهان ص ۲۰۳۷. ۱۱۶ همین مثال در هر دو فرهنگ آمده. ۱۱۶ رک: قواس ص ۱۸۵

۱۱۷ رک: مویده ۲: ۱۹۶. ۱۱۷ در نسخ اصل از معنی تا آخر افتادگی دارد؛ اما رک: مویده (ذیل عربی).

۱۱۸ جایگیری ۱: ۱۱۶۱: مریشم خسته بند را گویند و آن چیزی باشد که بر جراحت بزنند.

۱۱۹ نسخ اول: غرأ؛ و در تالافخوان ۳۵۴ غرأ مریشم؛ رک: قواس ص ۱۷. برهان ص ۲۰۶۵-۶۷.

۱۲۰ جایگیری ۲۱۹۹ مهرگان مهر روز از همراه باشد و آن روز شانزدهم است.

۱۲۱ برهان، مهرجان. ۱۲۱ رک: قواس ص ۳۳. ۱۲۱ رک: ایضاً ص ۸۰.

۱۲۲ قواس ص ۹۸: میسن پسر بود. ۱۲۲ نسخ اصل: خوش خبر؛ اما در مویده ۲: ۲۰۳: خوش غوی.

۱۲۳ مویده این معنی را بجا از زبان آورده، بظاهر ضعیف پسر باشد.

میتین^۱: کُند و آن تبرست که بدان جاها و زمینها کُند و کُنگ خوانند، و سِل را نیز میتین گویند.
ماکیان: مرغ خانگی.

من: انبار چیزی معنی توده و کنایه از خود.

مازون^۲: چیزست که بسندوشی مائین گویند و آن میوه درخت گز است.

مازیون^۳: گیاهی است [درق ۹۶] که اطبا کاربندند و آن بعضی مورد زرد را گویند و بعضی پیدام را گویند.

مایون^۴: نام علمی است.

مان^۵: مارا بگذاری می امر از گذاشتن، و اسباب درخت و توابع، و درین معنی این کلمه را باخان استعمال کنند، خان و مان.

مهره^۶ و

ماشو^۷: تنگ بیز و گیسیم.

مازو^۸: چوبکی که در میان پشت بود و چوبکی که بدان کشت ماله دهند، و نام دارویی که بدان جامه رنگ کنند.

مینو: بهشت.

۱ رک: کُند و کُنگ، بین فرهنگ ص ۲۷۰، ۲۸۱. ۲ نسخه اصل: کُند.

۲ رک: مویده ۲: ۲۰۳.

۳ رک: مویده ۲: ۲۰۰، جایگیری ۱: ۳۹۶، برهان ص ۱۹۴ مازون و مازو را در یک معنی مترادف دانند.

۴ مویده بحواله زفان آورده اما این واژه افغانی دارد. نسخه اصل: من انبار چیزی که بسندوشی مائین گویند الخ. نسخه اصل: میوه ندارد.

۵ رک: مویده ۲: ۲۰۰، چنانچه در مویده آمده، از هدایه المتعلین نیز بری آید که مازیون در مرض استفا مفید است، رک: ص ۴۵۷، ۴۵۸ و غیره.

۶ رک: مویده ایضاً. و نیز هدایه المتعلین ص ۸۵۸.

۷ در همه فرهنگها مانند ادات مویده ۲: ۲۰۰ و جایگیری ۱: ۵۱۰، برهان ص ۱۹۶: مایون نام گاؤ فریدون. کذاست در اصل؛ و این اشتباه است، علتی تصحیف گاوی.

۸ رک: مویده ۲: ۲۰۰ و جایگیری ۱: ۵۰۱ سان یعنی بگزار و خانه و اسباب خانه آورده.

۹ رک: مویده ایضاً.

۱۰ رک: ادات و مویده ۲: ۲۰۳. ۱۱ جایگیری ۱: ۴۹۷: ماشو غریبال باشد و تنگ بیز نیز گویند.

۱۲ رک: سرسریلانی ۲۳۴. ۱۳ رک: فزاس ص ۸۳ مازو: چوبک پشت.

۱۴ رک: جایگیری ۱: ۴۹۱، مویده ۲: ۲۰۳، نیز رک: فرهنگ معین ۳: ۳۷۷. ۱۵ رک: مویده ایضاً.

ماکو^١: از سازجلاهلگان است که بتازی آزار فلعلم گویند.
 مرو^٢: گل کبود است بر سر شاخ نبات و آن دو بسته شکوفه است.
 بهره^٣: ٥

موسه^٤: زنبور، و بعضی میم نیز گویند.
 مخنده^٥: خزنده یعنی حشرات زمین.
 ملازه^٦: بازای پارسی، گوشت اندرون حلق آویخته یعنی کام دبان و گویند که بن زبان باشد، و بعضی بکسر میم گویند.
 میره^٧: خواجه، و میر نیز گویند.
 مرزه^٨: چراغان و بعضی مرزه رای دوم معجم گویند.
 مسه^٩: طعمه شکره یعنی خورش شکره.
 میلاوه^{١٠}: شاگردانه و مزدگانی و نودارانی.
 میانه^{١١}: جوهر بزرگ که آزار بتازی واسطه العقد گویند.
 مرسله^{١٢}: مخلویند.
 ماشه^{١٣}: انبر آهنگران و زرگران که بدان انگشت بردارند، هندوی سنداسی گویند.

-
- ١ جابگیری: ١٤٩٩، بریان ص ١٩٤٥: ماکو دست افزار جولاهلگان برای جامه بانی.
 ٢ هر دو نسخه: چاهگان، اما این غلط است، متن بر طبق جهانگیری و بریان و فرهنگ معین.
 ٣ نسخه اصل: فلعلم، ال: ملهم، متن بر طبق دستورالاخوان ص ٤٧٩ که فلعلم مترادف ماکو نوشته.
 ٤ بریان ص ١٩٩٤: مرو گیاهی باشد خوشبوی که آزار مرو خوش گویند.
 ٥ رک: قواس ص ٤٤، دستور ص ٢٢٥.
 ٦ رک: قواس ص ٤٥.
 ٧ رک: موبد ٢: ٢١٠.
 ٨ رک: قواس ص ١٤٠، موبد ٢: ٢١٠.
 ٩ رک: قواس ص ١٤٥.
 ١٠ نسخه 'ال': 'جوهر بزرگ' افزوده و آن معنی داشته بعد است.
 ١١ نسخه اصل: نودارانی: ادات: نودارانی مزدگانی و عطا. و صحاح ص ١٢٩١: نودارانه یعنی شاگردانه و میلاوه.
 ١٢ رک: ادات و موبد ٢: ٢١١.
 ١٣ رک: ادات و موبد ٢: ٢١١.
 ١٤ رک: قواس ص ١٧٨.
 ١٥ نسخه 'ال': 'مگویند' محذوف.

اشوره: ریمان که بر دوک رسیده باشد و مانند بیضه گردد، هندوی لکڑی گویند، و نام بازی دیگر هر چیزی که بهم در آمیخته بود.
 زبده: نام بازی که آراخیزگیر و خیزه گیر و خاک نمک نیز گویند و گیرنده نیز باشد.
 رخشه: پنجنس یعنی شوم.
 و سیج: مرعی است پشید شبیه قری.
 شخو: حلوائی باشد صافی درشت بتازی آزمایش گویند.
 خنده: چیزی بود که بر اندام در گوشت چو دتلی بر آید.
 شخه: فریاد و فتنه و فغان.
 هم: برمه درودگران.
 رانم: غلظیدن خر و اسب.
 ه: هر حرف که سیاره فلک است.

- ه موبد ۲: ۲۰۸ (معنی مندرجہ متن بحوالہ مشرقیاد نوشته. اما صحاح ص ۲۸۹ ماسوره و جاگیری ۱: ۴۹۷ ماسوره یعنی بی که چو لاهگان دارند. ه این کلمه در موبد آمده.
 ه رک: بران ص ۱۹۳. ه رک: ایضاً، ماسور و ماسور نیز بدین معنی آمده.
 ه رک: قواس ص ۸۷. ه رک: زفان (ذیل خ). ه رک: زفان: خاک نمک (ذیل خ).
 ه کذاست در هر دو شخه؛ اما کلا در دست خیزه است، رک: زفان. ه رک: صحاح ص ۲۹۰.
 ه نشو: اصل: موشچو؛ اما صحاح ص ۲۹۰ موشچو مرغی است سپیدگون مانند قری.
 ه نشو: ل: سپید تا آخر افتاده.
 ه نشو: ل: مشخو؛ اما صحاح ص ۲۹۰ مشخو حلوائی صاف و بتازی میاشش خوانند، چین در چین. نیز رک: فرس ص ۲۷۵، ادات و موبد ۲: ۲۱۰، جاگیری ۲: ۱۴۰۴؛ بران ص ۲۰۱۳: مشخو و مشخو هر دو.
 ه نشو: ل: 'درشت ندارد؛ صحاح: نشو' اصل صافی است، رک: حاشیه.
 ه نشو: ل: مشابه. ه رک: صحاح ص ۲۹۰، جاگیری ۲: ۱۴۴۴؛ بران ص ۲۰۲۲.
 ه کذاست در بران اما صحاح: دلی. ه رک: ادات.
 ه رک: قواس ص ۱۷۹. ه موبد ۲: ۲۰۱ بحوالہ قواس مسته نوشته و آن درست نیست.
 ه رک: صحاح ص ۲۹۰، ادات، موبد ۲: ۲۰۹، بران ص ۱۹۸۰ مراغه یعنی غلظیدن نوشته اند. جاگیری ۱: ۱۴۷ مراغه را عربی دانسته و آن درست است، رک: دستور الاخوان ۵۷۰ المراغه جای غلظیدن ستور، نیز رک: فرهنگ معین ۳: ۳۹۸۳. ه نشو: ل: ستاره.

مازه: چوبک پشت که آزار پشت مازه گویند یعنی صلب.

مرزه: [ورق ۱۹۷] موتی پلک، جمع مرهگان آید.

مره: لذت.

مویه: نوحه و زاری، گویند مویه گر یعنی نوحه گر.

مرزده: بشارت و خبر خوش.

فیشره: نام دختر افراسیاب، عشقه بیژن پسر کیخسرو.

جره: آسمان دره.

متر: همان ماهه است.

ماریره: دایه و مادر خوانده.

مازیاره: چیزی است خوردنی.

مسکه: خلاصه شیر که بازی زبده گویند.

مهینه: بهتر.

ماله: ستمه جولایان باشد که تار جامه را بدان آهار کنند و در مالند از لیف کرده.

مایه: ماده و بنیاد چیزی و سرمایه و دستگاه.

مخیده: فرزند عاق و بی فرمان.

له رک: مویه ۲: ۲۰۸ و جهانگیری ۱: ۳۹۶، مازو، مازون، مازن بر سر بدین معنی.

له برهان ۳۰۸ پشت مازه و پشت مرزه سلک استخوانهای میان پشت عربی صلب.

له نسخ: اصل: یعنی: اما مویه ۲: ۲۱۰: موی پلک. له نسخ: اصل: خوش خبر! اما رک: مویه ۲: ۲۱۰.

له این غلط است، بیژن پسر کیخسرو بود. له این عربی است، رک: فرهنگ معین ۳: ۳۸۷۵.

له رک: ادوات، مویه ۲: ۲۰۹. له نسخ: اصل: ماه؛ اما ماهه بر سر را گویند.

له رک: مویه ۲: ۲۰۸، جهانگیری ۱: ۳۹۵، برهان ص ۱۹۳۹.

له رک: برهان ۱۹۴۱؛ جهانگیری ۳۹۷: ماد یاره.

له ادوات: مهینه گرانمایه و بزرگترین.

له رک: قواسص ۱۸۳ و ادوات. له رک: قواسص ایضا.

له ایضا. له نسخ: اصل: کتف کرده و نسخ: ال، لیف کرده کرده.

له مویه ۲: ۲۰۹ همین معانی بحواله زفان آورده.

له رک: قواسص ص ۹۹.

مهره می

مشکوی: بتخانه و نام قصر شیرین، و گویند کو شک مطلق است، و در رساله نمشته است: حرم پادشاهان.

مانی: بیای پاری، نام نقاش که در روم استناد بود، نسبت به دمانوی آید، گویند از تنگ مانوی، و آن کتاب نقش است که مانی ساخته است.

مزدگانی: آنکه در مشرب نوبت خویش بدوشی ایشار کند و خبر خوش و بشارت که بر کسی رسانند و از چیزی بخواهد، آنرا مزدگانی گویند.

میشائی: گیاهی است که بتازی آنرا حی العالم گویند.

موری: نادوان.

ماغی: اسب گزاردنه که بتازی برزئون گویند، و آن اسب پاری است، و گویند ترکی مغلی بعضی

گویند: اسب هندوی که پاکوب باشد.

مومیائی: دارویی است نافع و دافع زیادت خون یعنی خون چین.

۱- قواس ص ۱۱۸: کو شک یعنی بتخانه و کو شک شیرین. ۲- ادات: حرم پادشاه.

۲- نسخ اول: نقاش چین. ۳- نسخ اصل: مانی است که مانی الخ. ۴- مزدگانی یعنی اول نظر نیاده.

در مویده ۲: ۱۴۱ این معنی بجای زقان آمده. ۵- نسخ اول: 'درا' ندارد.

۶- اریجاتا آخر معنی کله در نسخ اصل نیاده. ۷- در اکثر فرهنگها معنی انعامی که شونده به آورنده خبر خوش دهد.

۸- در مویده ۲: ۲۱۶ معنی این واژه بجای زقان درج است: امارک: برهان ص ۲۰۷۸ که میشا و میش

بهار را نیز همین معنی آورده. ۹- رک: برهان ایضاً.

۱۰- رک: صحاح ص ۳۰۸؛ مویده ۲: ۲۱۵ معنی موری بجای زقان نوشته.

۱۱- نسخ اصل: نانوان. ۱۲- رک: ادات و مویده ۲: ۲۱۳، جاگیری ۱: ۴۹۰، برهان ص ۱۹۳۳.

۱۳- مویده معنی کله اش یعنی همان آورده که در متن است. اما ادات: ماغی آن اسب ازجائی تازی و

ازجائی ترکی؛ نیز رک: جاگیری ص ۴۹۰ و برهان ص ۱۹۳۳.

۱۴- کز هست در مویده.

۱۵- برای این کله رک: برهان، نیز دستور الاخوان ص ۱۰۲: برزئون اسب ماغی ای ترکی.

۱۶- مومیائی بدین معنی در هیچک از کتب مورد استفاده بنده دیده نشد، مومیا و مومیائی دارویی است

که در شکسته بندی بکار برده شود یا دارویی که بدان مرده را حیات بخشد. رک: صحاح ص ۳۸، مویده

۲: ۲۱۵؛ برهان ص ۲۰۵۵؛ نیز هدایة المتعین فی الطب ص ۶۲۸.

۱۷- نسخ اصل: نافع خا.

مری: داروئی است که آبگامه گویند.

گونه 'ن'

بهره 'الف'

نیا: خال و جد یعنی پدر پدر و پدر مادر و بزرگ و قدر چیزی.

ناشتا: ناهار، آنکه هنوز چیزی نخورده باشد.

نغوشا: مذهب بکران.

نوا: نام پرده و سرود و نوختن یعنی نوای خفیاگران و بسیار معنی اسباب سپاه، و نام مغل، و آنکه کسی را

در بر کسی بگردانند، گویند فلان نواست یعنی نوای آنست.

ناخدا: که بتازی آفرانویی گویند.

بهره 'ب'

ناب: چیزی خالص یعنی صافی و صرف بی غش و بی عیب، گویند مشک ناب و زهر ناب و نوش

ناب، [دوق ۱۹۸] و گو که درشت اسب از قریبی افتد، و بتازی ناب یسک را گویند

یعنی دندان پیش که بسندوی کوچکی گویند.

ل ۲: ۱۳۴ ص ۲ مری بکواله زفان آورده؛ و بران ص ۱۹۹۹: مری در عربی با تشدید ثانی آبگامه را گویند و آن خورش است مشهور خصوصاً در صفایان؛ دستور الاخوان ص ۵۷۵ الفری: آبگامه.

ل ۳: زفان و مویه ۱: ۹۴ آبگامه آشامی است و نیز داروئی (که بسندوی کاخی گویند). در هدایه المتعلین این دوایمکرار بکار برده شده، رک: ص ۲۰۹، ۲۲۴، ۲۵۶، ۲۵۸ و غیره.

ل ۴: صحاح ص ۳۱: نیا جد باشد یعنی پدر پدر و پدر مادر.

ل ۵: بران ص ۲۲۲۱: نیا یعنی برادر مادر (خالو) و برادر بزرگ هم بنظر آمده.

ل ۶: مویه ۲: ۲۱۷. ه: رک: مویه ۲: ۲۱۶.

ل ۷: نسخ اصل: بیج. ه: رک: صحاح ص ۳۰ و مویه ۲: ۲۱۷.

ل ۸: رک: صحاح ص ۳۰، مویه ص ۲۱۷، بران ص ۲۱۷۴-۲۱۷۷. ه: رک: بران ۲۱۷۴، جایگزینی.

ل ۹: دستور الاخوان ص ۶۰۴: اُنْوَیْ شِیْ شِیْ بَان؛ در ادات 'ربان' و 'ربان' یعنی ناخدا، رک: دستور ص ۲۹۴.

ل ۱۰: ادات: ناب هر چه بی آمیزش و خالص باشد، و یکی از چهار دندان پیشتر که آنرا یسک خوانند، و آن گو

که بر فرخ اسب از قریبی افتد. اما قواس ص ۱۹۳، صحاح ص ۴۰: ناب یعنی اول، یعنی خالص و بی آمیزش.

ل ۱۱: درایت: نواری یا قوت ناب، رک: صحاح ص ۴۰. ه: رک: بران ص ۲۰۸۶: حن و حاشیه ۷.

ل ۱۲: قواس ص ۸۲: یسک چهار دندان پیش باشد، نیز رک: حاشیه نموده ۲، و نیز مجله علوم اسلامی، دسامبر ۶۷.

ص ۵۷-۵۸. ه: بران: نیش. ه: این واژه در فرهنگها بنظر نرسیده.

نمیب : ترس و هیبت و گرانی .
نشست : پست و فروخته شده .

بهره 'ت'

نشاخت : نشاند یعنی اجلاس کرد .
نشیت : خوشی .

ناخواست : آن باشد که بیای کوفته باشد .

بهره 'ج'

نشکج : نیک بود که با گشت گیرند تا بد و ناخن گیرند و گویند نیک زدند بود و فراز گرفتن ناخن ،
و بعضی بکسر نون گویند .

بهره 'ح'

نمچ : نم یعنی تری .

نویج : بلباب و آن گیاهی است که بر درخت پیچد ، چون چیزی از او بترزند شیر روان شود ، و
خاموش آنست که چون چیزی از وی بر درخت اندر پیچد درخت [را] خشک کند ،
آبش بخورد و طراوت و نازکی ببرد ، برگهایش زرد کند و آنرا پیچ نیز گویند و بتازی عشقه

له موبد ۲ : ۲۱۸ این معنی را بحواله زفان نوشته ، نیز رک : برهان ص ۲۱۳۷ .

له نسخ 'ل' : نساخت ؛ اما رک : موبد ۲ : ۲۱۹ ، نشاخت فعل ماضی مطلق از مصدر نشاختن ، رک : برهان
ص ۲۱۴۲ .

له نسخ 'اصل' : نشست ، کذاست در موبد ۲ : ۲۱۹ بحواله زفان ؛ متن مطابق جابگیری ۲ : ۱۴۰۹ و
برهان ص ۲۱۴۵ . و درین فرم نگاشت معنی خوش و نشستی یعنی خوشی (بدون شاد) .

له ادات و موبد ۲ : ۲۱۹ : ناخواست بمعنی بیای کوفته ؛ اما برهان ص ۲۰۹۱ ناخواست و ناخواست
هر دو بدین معنی آورده

له رک : فرس ص ۵۶ ، صحاح ص ۵۵ ، قواس ص ۱۰۷ ، دستور ص ۲۳۷ .

له رک : قواس ص ۲۶ ، صحاح ص ۶۰ .

له نسخ 'ل' : نویج ؛ موبد ۲ : ۲۲۰ : نویج ؛ اما ادات : نویج باجیم فارسی گیاهی است که بر هر
درخت در پیچد آنرا خشک گرداند ، عرب آنرا بلباب و عشقه خوانند .

له نسخ 'اصل' : ندارد
له نسخ 'ل' : نیک

→ وبلاب گویند، وبلغتی نون مکسور ویا پارسی است.
نسیج: حریر زر بافته.

بهره: رخ.

نخ: شطرنجی و ابریشم و نهالچه و گویند نخ جامه است، و در اسدی است: تار ریسان را نخ گویند
و نیز زیلو باشد.
ناپح: نام سلاحی است.

بهره: د.

ناهید: زهره که از سیارات است در فلک.

نرد: تنه درخت و نام بازی معروف.

نارو: گله که پشت سگ گیرد.

ناورد: کارزار، و نورد نیز گویند.

نوند: اسب و پیک خبر برنده و خبر گیر، و نام مقامی.

نبرد: جنگ یعنی کارزار.

نژند: زای پارسی، فرود افکند یعنی خوار، و بعضی بکسرون گویند، غلگین، و ضد بلند یعنی نشیب.

نهاد: رسم و بنیاد و تقی.

۱. موبد ۲: ۲۲۰ بحواله زفان گو یا نسج (جم تازی) آورده. برهان ص ۲۱۴۱ نسج (جم فارسی) دارد.

۲. رک: فرس ص ۷۹-۸۰، صحاح ص ۶۹، ادات، موبد ۲: ۲۲۱، برهان ص ۲۱۲۰.

۳. ادات: نوعی از جامه های گرانمایه. رک: فرس ص ۷۹-۸۰. شه نسخه اصل 'را' ندارد.

۴. این معنی در نسخه 'ل' یافته نمی شود؛ برای زیلو رک: فرس و صحاح.

۵. رک: موبد ۲: ۲۲۱. شه نسخه 'ل': از سیارات فلک است.

۶. رک: موبد ۲: ۲۲۲. نله رک: قواس ص ۶۷، دستور ص ۲۳۷. لله رک: قواس.

۷. نسخه 'ل': در گوش. لله رک: قواس ص ۶۷ ناورد و آورد جنگ بود.

۸. رک: موبد ۲: ۲۲۲. لله قواس ص ۹۳: نوند اسب و پیک.

۹. موبد ۲: ۲۲۲ نام مقامی که آتشکده بر زمین آسجا بود.

۱۰. رک: موبد ۲: ۲۲۲ که معنی اش بحواله زفان آورده.

۱۱. نسخه 'ل': نژند به زای پارسی غلگین. لله رک: برهان ص ۲۱۳۵.

۱۲. موبد ۲: ۲۲۳ این معنی بحواله زفان نقل نموده.

نورد: در خورنده و پسندنده و نوشتن و بیچیدن.

نواند: بفتح نون، نالنده.

نهارید: بترسید و نیز بزرای میجو.

نوید: آگاهی دادن و وعده عظیم و بیکران، و نوان گشته باشد.

نوشاد: تام شیرست.

نژاد: اصل و تخم و نسب.

نشید: بایای پارسی سرود.

له صحاح ص ۸۴: نورد اول در خورد و پسندنده، دوم چو میت که جولایان جامه بران بپیند. ادات: نورد در خورد و پسندیده و پنج هر چیزی.

له نسخ: ل: در خورنده. له ل: پسندیده. هه برهان نوشتن بمعنی در نوردیدن.

هه باید بمعنی پنج باشد نه بیچیدن که معنی کله نوردیدن است.

هه مویده ۲: ۲۲۲: نواند نالنده و آگاهی کدانی زفان گویا. باید علاوه نمود که در نسخ با یکی نواند بمعنی نالیده و آگاهی درج است اما از مقاضه نسخ: ل: واضح می شود که در میان نالنده و آگاهی دو لغت افتاده است یعنی نهارید و نوید؛ و آگاهی معنی کله نوید است نه نواند. بظاهر چنان بفرمی رسد که صاحب مویده از نسخ با یکی پور استفاده نموده بود.

له در اصل نوان بمعنی نالنده است، رک: برهان ص ۲۱۸۰. هه از اینجا تا نوید در نسخ با یکی پور افتاده؛ نهارید ماضی مطلق از مصدر نهاریدن بمعنی خوف کردن. رک: زفان ذیل مصادر.

هه آقایی دکتر عین نهاریدن را مصحف نهاریدن قرار داده. رک: حاشیه ۷ برهان ص ۲۱۲۲. ادات: نهار ترس.

له برهان ص ۲۲۰۹ وعده کردن بخدمت دیوانی و کارهای بزرگ، نیز رک: مویده ۲: ۲۲۲-۲۳۳ که معنی مذکور در برهان بحواله زفان نوشته (نسخ چایی بغداد غلط چاپی).

له نوید بروزن گوید بمعنی بلرز و بنالند برهان ص ۲۲۰۹، نوان بمعنی لرزنده.

له نوشاد که در ادبیات فارسی بنام شهری حسن خیز ذکر شده و نیز بهار نوشت و بت نوشاد شهرت داشته، نزدیک بلخ بوده که داود بن عباس والی بلخ در بنای آن بیت سال مشغول بوده. چنان گویند که در سال ۲۵۶ هجری چون یحیوی لیث بلخ را گرفت نوشاد را ویران کرد؛ بقبول آقایی همی نوشاد در قدیم نوشال بود که در کتاب بغلان حدود سال ۱۶۰ میلادی آمده، رک: فاضل بلخ ص ۲۰ متن و حاشیه.

له مویده ۲: ۲۲۲ این معانی بگفته زفان نقل نموده.

له رک: مویده ایضاً.

مهره زر

نسر: سایه گاه و بعضی بدو تحت گویند و [بعضی فرنگیان] نسر را گویند.

نهار: بسیار و بی اندازه و عجب و عظیم کاری باشد.

ناگوار: تنگ.

ناهار: [درق ۱۹۹] ناشائی بی اندازه یعنی گرسنه از آغاز روز.

نهار: کاهش و گداختن و گدازش و ناشائیز گویند.

نگار: نقش.

نخچیر: شکاری و شکار کننده و شکارگاه.

نوبر: نو برآمده.

نیلوفر: گیاهی است در آب بود و آفتاب پرست نیز گویند، هندوی کنول گویند.

نیمر: ذکر مردم یعنی کیر چنانکه سوزنی گوید: بیت

من این نیمر خود را وقف کردم: علی صبیانکم یا آیت الناس

نوار: رسی که چون بار بر چهار پای نهند، بدان بندند.

نشر: بدانچه رگ گشایند.

له رک: صحاح ص ۱۱۷ و ادات: ۲ مویده: ۲۲۳: نسر یعنی سایه کلاه بواله قواس نوشته؛

لاکن در قواس ص ۱۲۳ نسر یعنی سائبان آمده. له نسخ: دل: بدو دعت.

له رک: برهان ص ۲۱۳۸: نسر یعنی سائبان، و نیز برهان ص ۲۱۳۷.

له رک: صحاح ص ۱۱۷ و مویده: ۲۲۶.

له صحاح ص ۱۱۶: ناگوار تنگ باشد یعنی امتلاء، نیز رک: ادات.

له ادات و مویده: ۲۲۵: ناهار یعنی گرسنه و گداختن و کاهش؛ نیز رک: برهان ص ۲۱۱۲.

له رک: برهان ص ۲۰۹۹. له نسخ: دل: ندارد.

له صحاح ص ۱۱۷ نهار کاهش. له از روی این معنی مترادف "ناهار" است: رک: ادات و مویده.

له رک: مویده: ۲۲۵ و برهان ص ۲۱۲۲. له رک: مویده: ۲۲۶.

له در مویده: ۲۲۶ معانی کلمه بگفته زنان آمده. له رک: صحاح ص ۱۱۷.

له رک: دیوان چلی ص ۳۹۴: این بیت در قواس ص ۸۷ و صحاح ص ۱۱۷ بطور شاهد آمده.

له رک: صحاح ص ۱۱۷ و ادات. له در هر دو نسخ اقتاده، اضافت قیاسی.

له از اینجا تا آخر در نسخ: دل: اقتاده.

نوک: چاکر، و نام مردی از پادشاهان.

نهار: گوشت که پیش و گد بود و گوشت گوشتنر که بسندوی بوکر گویند، و مقدا یعنی باستعاره این نام بر پیش روان نهند و بعضی بکسرون گویند.

نخیز: باغای مجسمه کین.

نماز: پرستش و خدمتگاری و نواز بود.

نیاز: حاجت و احتیاج و دست و قوط، و این را نوازن نیز گویند.

نغز: خوب و پاکیزه و چابک و نیکو و بدیع.

نار: کشت.

نواز: نواختن.

مبهره نثر

نار: نام درختی است معروف، و گویند که آن صنوبر است، و بلغتی زای عربی.

- ۱ این واژه منوی است، رک: فرهنگ معین ۴: ۴۸۵۶ و برهان قاطع ص ۲۲۰۵ حاشیه ۲.
- ۲ کذا است در موبد ۲: ۲۲۶؛ اما رک: رشیدی و برهان ص ۲۲۰۵ حاشیه ۱. ۳ برای معنی اول رک: فرس ص ۶۷، قواس ص ۷۶، صحاح ص ۱۳۳. ۴ نسخ 'ل': رده.
- ۵ ادات: نهار گوشتنر که بر پیشوان قوم اطلاق کنند، نیز رک: موبد ۲: ۲۲۷. ۶ نسخ 'ل': بوک.
- ۷ نسخ 'ل': بر ندارد. ۸ ادات: نخیز کین، اما موبد ۲: ۲۲۵: نخیز و نخیز بعضی کین و بجای ادات: کین اگر چه در نسخ ادات که پیش بنده است بجای کین کین است. اما رک: برهان ص ۲۱۴ قن و حاشیه ۹. در اصل کدر نخیز است، رک: فرس ص ۱۷۰ و صحاح ص ۱۴۲.
- ۹ در برهان ۲۱۴ نخیز و نخیز هر دو صورت و معنی اشش مردم فرومایه و کین (کین گاه).
- ۱۰ رک: موبد ۲: ۲۲۷ که معانی نماز بجای زفان آورده.
- ۱۱ نسخ 'ل': نواز. ۱۲ کذا است فی لغت فرس ص ۱۸۶؛ اما صحاح ص ۱۳۳: درست، در بعضی نسخهای این فرهنگ 'درشت'. نیز رک: برهان ص ۲۲۲.
- ۱۳ رک: صحاح ایضاً و موبد ۲: ۲۲۷. ۱۴ نسخ 'اصل': نوازل؛ اما رک: نسخ 'ل': موبد ۲: ۲۲۷.
- ۱۵ نسخ 'ل': چیزی پاکیزه.
- ۱۶ موبد ۲: ۲۲۷: نار کشت معشوق از عاشق. ۱۷ نسخ 'ل': کش.
- ۱۸ نسخ 'اصل': نواخت. ۱۹ موبد ۲: ۲۲۷: نار درخت صنوبر.
- ۲۰ نسخ 'ل': معروف ندارد.

نوشه: درختی است معروف و آن درخت برشیده سدره است و بار او چون ترنجبلی باشد و چون غنچه خوش، و بلنتی زای عربی است و بعضی وادپاری گویند و نیز نوز برای عربی و وادپاری هنوز را گویند، پس بنیاد هنوز همان نوز است و بای زانده است.

بهره: 'س'

نفس: گرد دهن یعنی بوز که بیرون و درون دهن است.

نسناش: دیو، و گویند دیو ستنبه، هندی اتهاره و اجهاره گویند.

عکس: سر دیوار.

نرگس: گلی است سپید میانه زرد، خرد و کرد، و این را بچشم نسبت کنند.

ناوس: عبادت جای مغان.

نتاس: خوشی، گویند عمر نتاسان گذاشتم یعنی بخوشی گذرانیدم.

بهره: 'ش'

نش: سایه [ورق ۱۱۰۰] کلاه.

نیایش: زاری کردن یعنی دعا و آفرین کردن.

له: رک: مویده ۲: ۲۲۷. له: اضافه از روی نسخ 'ل' و مویده.

له: نسخ 'ل': عیبی. له: نسخ 'ل': هنوز گویند پس بنیاد الحج.

له: رک: ادات و مویده. له: رک: مویده ۲: ۲۲۸. له: نسخ اصل: دهقان.

له: ادات: نسناش دیو مردم، نیز رک: مویده ۲: ۲۲۸ و برهان ص ۲۱۴ قن و حاشیه.

له: این هر دو کلمه هندی در فرهنگ دیده نشد. مویده ۱: ۱۲۰. برنج دیو ستنبه هندی اجهاره. بهیر

کلمه اجهاره تحت ستنبه نیز در مویده ۱: ۵۱۱ آمده.

له: نسخ 'ل': عکس: این کلمه بصورت عکس در اکثر فرهنگها آمده است، رک: قواس ص ۱۲۴

ادات: اما: زخان و مویده ۲: ۲۲۸ و برهان ص ۲۱۶ هر دو صورت دارد.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۲۲۸. له: نسخ 'ل': نا: ایس. مویده ایضا: نادوس. رک: جاب

له: در اکثر فرهنگها نتاس یعنی خوش و خرم، رک: مویده ۲: ۲۲۸، جهانگیری ص ۷۰۳، برهان ص ۸

در موهرا الذکر از مصدر نتاسیدن؛ فرهنگ نظام: نتاشش.

له: همین مثال در مویده آمده. له: نسخ 'ل': ندارد. له: نسخ اصل ندارد.

له: ادات و مویده ۲: ۲۲۹؛ اما برهان ص ۲۱۴ سایه گاه و سایه کلاه.

له: مویده ۲: ۲۲۹ همین معنی بواله زخان نوشته.

نامش: از جهان چیزی ندیده.
 نوش: تریاک یعنی پازهر و آب حیات و شیرین و لذیذ
 نبوش: بکسر و ضم نون، گوش کردن سخن.
 نگویش: سرزنش

بهره نغ

نغانغ: پیانه، بزرگ یعنی محفی که بدان شراب خورند یعنی قدح.
 نغغ: قفیز یعنی پیانه غله

بهره ف

نوف: بانگ صدا که بگوید [صدائی] که از کوه باز پس آید.
 نکاف: موزه دست یعنی دستوانه که شکره داران بردست می پوشند.
 ناف: میانه چیزی.

بهره ک

نسک: جزوی است از کتاب اخبار گبران و گویند که کتابی است ایشان را و آن را سورت سورت و
 جز جز خوانند، و غله ایست معروف که بتازی عدس خوانند بعضی بضم نون گویند.
 نفوشاک: از کیش لکیش شونده و شدن و گویند که از مذہب گبران مذہبی است.

له نسخ'ال: نامیش؛ موبد ۲: ۲۲۸: نامیش بر اهای کردن. له نسخ'ال: چیزی بریده. له رک: موبد
 ۲: ۲۲۹ و برهان ص ۲۱۹۶. له این معنی مصدر نیوشیدن است و نبوش فعل امر است، نه اسم
 مصدر، رک: موبد ایضاً و برهان ص ۲۲۳۸.

له کذاست در فرس ص ۲۳۴، جاگیر ص ۵۱۵، رشیدی ص ۱۰۱؛ اما در صحاح ص ۱۶۲، قواس ص
 ۱۳۸، حار: ۳۸۰، سرودی ۱: ۳۰۲: تغاغ، برهان ص ۵۰۰: تغاغ، ص ۲۱۵۴: تغاغ.

له این واژه به سه شکل آمده: تغغ (فرس ص ۲۳۷، قواس ص ۲۳۷، برهان ص ۲۱۵۱)؛ تغغ (جاگیر
 ص ۴۹۹، سرودی ص ۳۰۲، رشیدی ص ۵۳۴)؛ تغغ (صحاح ص ۱۶۲)؛ موبد تغغ همین معنی ذیل فصل
 عربی آورده. له رک: صحاح ص ۱۷۰ و موبد ۲: ۲۳۰. له موبد ایضاً معنی کله بجواز زنان نوشته.

له رک: قواس ص ۹، صحاح ص ۱۸۸. له نسخ'اصل: آن نام کتابی الخ. له نسخ'اصل: بعضی اول.
 له صحاح بهر دو معنی مفتوح دارد. له فرس ص ۵، صحاح ص ۳۰، نفوشا و نفوشاک یعنی دوم، اما در قواس

ص ۱۰، دستور ص ۲۳۶، موبد ۲: ۲۳۱، جاگیر ص ۵۰۴، رشیدی ص ۱۱۵۹، برهان ص ۱۵۲ یعنی
 اول. برای اسکا همیشتر رک: برهان ص ۲۱۵۲ حاشیه و مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات فارسی —

نشک^{۱۰}: درخت نازک که دراز همچو سرود بود، و در فرهنگنامه است: نشک بضم نون درختی است معروف.

نشک^{۱۱}: چیزی سرخ مانند مرجان یعنی بسد.

نشاک^{۱۲}: بیچاک شکم.

نشک^{۱۳}: قرص دارو و در بعضی فرهنگها است: نیکشک^{۱۴} قرص دارو و بعضی بسین مملد گویند.

نیلک^{۱۵}: آنکه بدو انگشت و بدو ناخن بگیرند، بهندوی جنبستی گویند.

نموسک^{۱۶}: نام مرغی است، بعضی بشین^{۱۷} میگویند.

ناک^{۱۸}: مشک یا کافور مغشوش و گویند که آن مشک مغشوش کند بحکم سوخته، و صاحب چیزی که لفظ

ناک در آخر او آید چنانک خشم ناک و غمناک.

نلک^{۱۹}: ادرك و دانه حله یعنی شملت.

نمشک^{۲۰}: کنخ شیر.

→ ص ۳۲۱، قواس ص ۱۰ حاشیه ۵. ۱۴ در نسخ^{۱۰} 'ل' ندارد.

۱۰ رک: فرس ص ۱۴۷ و ۲۶۴، قواس ص ۴۸، صحاح ص ۱۸۸ (در نسخ^{۱۰} چالی ناز نعل چالی است).

۱۱ نسخ^{۱۱} اصل: درخت نازک. ۱۲ معلوم نیست منظور مولف که ام فرنگ است، قواس: ناز و نور و

نشک در خان معروف اند. ۱۳ بظا^{۱۳} یعنی کد از قواس ص ۱۵۹ گرفته شده.

۱۴ نسخ^{۱۴} اصل: نشک، اما در سبزه فرهنگها مانند متن، رک: قواس ص ۱۶۱، موید ۲: ۳۳۱.

۱۵ نسخ^{۱۵} 'ل': بیچال چشم. ۱۶ رک: قواس، ادات: نشک و نیشک قرضدار، همین معنی در

موید و جهانگیری و سردری و بریان نیز دیده می شود؛ قرضدار تصحیف قرص دارو است.

۱۷ رشیدی: ناشنک و نشک نیز دارد؛ در نسخ^{۱۷} اصل ناخوانا. ۱۸ این واژه در نسخ^{۱۸} اصل نیامده؛ رک: موید

۲: ۲۳۲، جهانگیری ص ۲۳۵۴، بریان ص ۲۲۳۱.

۱۹ این کلمه بهندی در فرهنگها دیده نشد. ۲۰ نسخ^{۲۰} 'ل': نوشک؛ قواس ص ۱۶۱، دستور ص

۲۳۶ نموسک؛ ادات نموشک یعنی تیهو؛ موید ۲: ۲۳۲ نموسک و نموشک هر دو.

۲۱ نسخ^{۲۱} 'ل': بسین مملد. ۲۲ رک: قواس ص ۱۸۶ و ادات و موید ۲: ۲۳۱.

۲۳ نسخ^{۲۳} 'ل': آن را ندارد. ۲۴ نسخ^{۲۴} 'ل': بدون نقطه، ادات: حشک بدون نقطه، موید ۲: ۲۳۱؛ جگر.

۲۵ نسخ^{۲۵} اصل 'ک' ندارد.

۲۶ رک: صحاح ص ۱۸۸، موید ۲: ۳۳۱، هدایة المتعلین ص ۴۳۷ ح.

۲۷ رک: ادات و موید ۲: ۳۳۱.

ناوک^۱: آنکه درو تیر خرد بفرستند.

نوگ^۲: سر قلم و تیغ و سنان و تیر و همه سلاحها.

نغاک^۳: ابله بود، و گردوی حرامزاده را گویند.

بهره^۴ بگ.

نیزنگ: جادویی و طلسم و سحر و افسون گری، و [ورق ۱۰۱] در تعریب کاف پارسی را بجم عربی بدل کنند و در کافیه پیچ نیز پیچ آرند، نیز نجات جمع اوست.

نارنگ: میوه ایست، نارنج گویند.

بهره^۵ دل.

نال^۶: فی میانه تنی، و نام پرنده، بعضی آنرا توتی گویند.

نشل^۷: دو چیز باشد که بر یکدیگر گیرند یعنی در آویزند.

نخل^۸: نیلک که با گشت گیرند یعنی نشل^۷ که بتازی قرص^۹ گویند.

نغول^{۱۰}: پوشش نردبان و نغول^{۱۱} بهانیز گویند.

نشیل^{۱۲}: بپای پارسی و پایی عربی گویند، شست ماهی گیر و نیز بپای پارسی گویند.

نول^{۱۳}: مقدار مرغان، و سوراخ آوند.

له صحاح ص ۱۸۸: ناوک تیری کوچک که آنرا در غلاف چوبین یا آهنین که مانند ناوی باریک باشد کنند و بعد از آن در مکان نمند الخ. مویده ۲: ۲۲۱: ناوک آلت چوبین خالی که میان آن تیر ناوک داشته اند الخ.

له رک: صحاح ص ۱۸۹، مویده ۲: ۲۳۲. له رک: ادات و مویده ۲: ۲۳۱.

له رک: برهان ۲۲۲۴.

هه صحاح ص ۲۱۱: نال فی میان آگنده: مویده ۲: ۲۳۳ نال فی که درون خالی باشد؛ برهان ص ۲۱۰۴ نال نامی میان خالی و میان پر.

هه رک: ادات و مویده. له که است در ادات؛ مویده: نولی (فعلط چایی).

هه رک: ادات و برهان ص ۲۱۴۶؛ مویده ۲: ۲۳۴ نشیل اشتباه چایی.

هه رک: فرس ص ۳۱۶، قواس ص ۱۰۷، صحاح ص ۲۱۱، دستور ص ۲۳۷ له رک: فرس، قواس، صحاح، دستور. له رک: صحاح ص ۲۱۱. له رک: قواس ص ۱۲۲، دستور ص ۲۳۷، ادات.

لهه برهان ص ۲۱۵۳: نول، بسنی زلف آورده و در رشیدی بیت نظامی شاه آمده، نول^{۱۴} یعنی من یافته نشد.

لهه که است در فرس ص ۳۱۵، قواس ص ۱۷۷، اما صحاح ص ۲۱۱ نشیل.

هه قواس ص ۶۴، دستور ص ۲۳۶: نول مقدار مرغ. له رک: مویده ۲: ۲۳۴، برهان ص ۲۲۰.

نهال: درخت نونشاده.

بهره م

نژم: شرک هوا تار یک کند و آن بخارا است، چون ابر بود پدید آید و به زمین نزدیک باشد و آزار تار شیخ نیز گویند.

نظام: تیره گون و زشت.

نسریم: بضم و فتح را، جایی که آفتاب نیفتد.

نیرم: نریمان را گویند و آن پدر سام است جد زال پدر رستم.

بهره ن

نسترن: بجای است سپید و بعضی گل نسرین را گویند و بعضی فرنگیان گلزار را و بعضی باغ را نسترین گویند. نسترون: همان نسرین است.

نرگان: بتشید را و تشه فتحت، گدایان شوخ.

نشین: نشسته گاه و مقامی که کسی مدام باشد، و آشیان مرغ را نیز گویند.

نفرین: لعنت.

نون: در حال و تنه درخت.

له فرس ص ۳۴۳، قواس ص ۱۹، صحاح ص ۲۲۵: نزم: دستور ص ۲۳۶: نژم، برهان: نژم و نژم و نژم هر چهار صورت آورده، نیز رک: رشیدی.

له نسخ'ال: مرثه. له نسخ'ال: بخاری است که. له نسخ'اصل: تاریخ گویند ندارد.

له کذاست در لغت فرس ص ۳۳۷، صحاح: نظام. و اما در فرس و صحاح در هر دو از بیت قبلی استنباط شده. موبد ۲: ۲۳۵: نظام زشت و تیره گون، و در لسان اشعراء و فرهنگ فقر قواس نظام باقاف و مرقوم است اما ادوات مصحح با فمین است. باید ملاده نمود که فرهنگ قواس شامل این کلمه نیست. برای آگاهی بیشتر رک: برهان ص ۲۱۵۴ حاشیه ۲.

له رک: قواس ص ۱۲۴ و موبد ۲: ۲۳۵. له رک: موبد ۲: ۲۳۵ و برهان ص ۲۲۲۴.

له رک: قواس ص ۱۴۴ و صحاح ص ۲۵۱۴. این واژه بشکلهای زیر آمده: نسر، نسترون، نسترون (برهان)، ترن (قواس). له نسخ'ال: بعضی گویند گل نسرین را که نسترین است.

له رک: ادوات و برهان ص ۲۱۳۷. له رک: فرس ص ۳۵۵، قواس ص ۱۰۳، صحاح ص ۲۵۴.

له نسخ'اصل: فتحت. له قواس ص ۱۲۷: نشین نشسته، صحاح ص ۲۵۵: نشین جای و مقامی باشد. برهان ص ۲۲۰۶: نون در حال و تنه درخت.

نوان^۱: نالیدن و جنبیدن بر خود مانند جودان روز شنبه^۲ و گویند نوان^۳: میلان و لرزان و خمار و آگاهی باشد.

نارون^۴: درختی است بلند و راست، و این به نسبت کنند، چوب سخت باشد، پیشه وران از آن افزار سازند.

نهنبن^۵: سرپوش چیزی.

نیاکان^۶: جدان و مهران.

نیستان^۷: بیشه.

ننچوان^۸: نام ولایتی.

نسرین^۹: گللی است معروف.

ناردین^{۱۰}: سنبل رومی است زرد.

نگون: خمیده و فرود افکنده که نگونسا گویند.

بهره^{۱۱} و

نوو^{۱۲}: خرما [ورق ۱۰۲] تربیع^{۱۳} ترخما و نوو نیز گویند.

نیرو: قوت یعنی توانائی و زور، گویند نیرومند یعنی مرد با زور.

نیو^{۱۴}: پهلوان و دلیر.

۱ رک: صحاح ص ۲۵۵: نوان جنبیدن بر خویشتن ... روز شنبه ضعیف و لاغر. ادات: نالیدن و جنبیدن ... روز شنبه و آگاهی و دو تو و کوژ و نگون شده و خمیده.

۲ نشو^{۱۵}: اصل: ر شنبه. ۳ که است در اصل: نشو^{۱۶} 'ل': میدان.

۴ رک: بریان ص ۲۱۸ و واژه 'نواند' در همین فرهنگ زفان. ۵ رک: موبد ۲: ۲۳۶.

۶ از اینجا تا آخر در نشو^{۱۷} 'ل' افتاده.

۷ رک: صحاح ص ۲۵۵؛ موبد ۲: ۲۳۹ معنی واژه بحواله زفان آورده.

۸ موبد ایضا معنی که گفته زفان نوشته. ۹ ادات: نیستان بیشه که عرب آنرا غاب و اهل هند بجل خوانند.

۱۰ شهری است در ایران در شمال رود ارس، فرهنگ صحاح الفرس که یکی از منابع پر ارزش بنده است تالیف محمد بن بزرگوار و شاه نخبه خوانی است.

۱۱ این که معرب است از نستر فارسی، رک: فرهنگ معین. ۱۲ رک: موبد ۲: ۲۳۶.

۱۳ رک: قواس ص ۵۲ و دستور ص ۲۳۶. ۱۴ نشو^{۱۸} 'ل'، یعنی ترخما، ندارد.

۱۵ نشو^{۱۹} 'ل': نو. ۱۶ قواس ص ۹۶.

نشو: نام مردی.

نشو: لشن و نیشان یعنی آنکه برد هر چه نهند بپشت و برد نماند، و بعضی بواو پارسی گویند، و بعضی بکر نون و سین مسمی گویند.

نیسو: نشتر حجام که بدان رگ زنند.

بهره: ۵

نوسه: قوس الله عزوجل که نادانان کمان رستم گویند، و بعضی بواو عربی گویند.

ناوه: چوبی که در پشت اسب و آدمی بود و آن چیز که در آن خیره کنند یعنی تغار و نام مقامی و چادر سرکنده بزبان یشاپوریان و برنج.

نبیره و نبیسه: یعنی فرزند فرزند، و در اصطلاح نبیره از جانب دختر بود و نبیسه از طرف پسر.

نوده: فرزند عزیز.

نژاده: اصل یعنی صرف و خالص.

ل رک: برهان ص ۲۱۴۴، جاگیری ۲: ۱۴۰۹. در نسخ 'دل' معنی لک و نشو و واژه 'نشو' افتاده، و معنی نشو یعنی نشو قرار گرفته. ل برهان ص ۲۱۴۶: نشو بهوار و صاف و ساده و نرم و لغزنده الخ.

ل کذاست در صحاح ص ۲۹۵، موید ۲: ۲۴۰، اما فرس ص ۴۱۶ و قواس ص ۱۸۵: نیشو.

ل رک: قواس ص ۲۲، صحاح ص ۲۹۱، ادات. ه رک: ادات و موید ۲: ۲۴۱-۴۲ و برهان ۲۱۱۲.

ل ناو نیز بدین معنی آید، برهان ص ۲۱۱۰. ل این تشخیص در فرهنگها دیده نشد.

ل این معنی در موید و برهان و ادات نیامده؛ موید ۲: ۲۴۲ نام مقامی و چادرکنه را هم گفته اند و نیز

گویند که قالب روح باشد، هر دو معنی اخیر از زلفان گویاست. و ضمناً این غلط است، معنی قالب

روح در زلفان نیست، اما در برهان هست و آقای معین آن را بر ساخته 'فرقه آذر کیوان' دانده، برهان

ص ۲۱۱۲ ج ۵. درین صورت این معنی در موید الحاقی می باشد.

ل موید ۲: ۲۴۲ نبیسه پسر دختر، اما در هند نبیسه پسر پسر را گویند و نبیره پسر دختر را؛ اما بظا هر این

درست نیست زیرا که نبیسه و نواسه از یک ریشه است و نواسه پسر دختر باشد. ادات نبیره را برود

معنی آورده اما صحاح ص ۲۹۰، جاگیری ۱: ۶۱۹ نبیره پسرزاده است. نیز رک: برهان ص ۲۱۱۸.

ل رک: قواس ص ۹۹، صحاح ص ۲۹۱، موید ۲: ۲۴۳، برهان ص ۲۱۸۵ نوده یعنی فرزند زاده

و فرزند عزیز آمده.

ل رک: قواس ص ۹۹.

ل نسخ: اصل: اصل، و هانست در ادات، نیز رک: برهان ص ۲۱۳۴.

ل رک: کلاب در همین فرهنگ ص ۳۳۱.

نیوه: نالاش و نوحه و غروش.

نرغه: نیرسقف.

نواسته: خشت چفته زده یعنی کز و خمیده، و بعضی بفتح نون گویند و بشین مجه نیز گویند آنرا.

نبرده: مرد مبارز و مردانه.

نیوخته: گوش داشتن بود یعنی و گریستن بگلو، و در فرنگی امر است: نیوخته فریاد و گریه بگلو باشد.

نیسته: نیست را گویند، بزیادت های اسکته.

نرله: سخت و درشت و گردنکش و گدای شوخ، و تره بشدید هم گویند، جمع نرگان آید.

نکثرده: بازای مجه، کوزه و شرابه، و بعضی کاف پارسی نیز گویند.

ناره: زبانه پکان.

نورده: تنه پیراهن و در اسدی است، نورده: قباله.

نهاله: کاژوه میاد یعنی کمین گاه بود، صیالان از برنجیر اندر پنهان باشند.

نسبیه: کله اسب و ستور، و بضم و فتح نون نیز گویند.

نمونه: نایکار و باز گونه و مانند.

نسخکله: گوز سخت، آنکه مغز او را جوز مغز گویند.

له: رک: قواس که همان سرلفظ در تفسیر این کلمه دارد. له نسخ'ول: واو ندارد.

له: رک: مویده: ۲: ۲۴۲. له قواس ص ۱۳۹ و مویده: ۲: ۲۴۳: نوشته. اما در موزن ذکر قواسه با سین هم.

له: رک: مویده: ۲: ۲۴۲. له رک: ادات و مویده: ۲: ۲۴۴: صحاح ص ۲۹۱ فقط معنی اول آورده.

له: نسخ'اصل: نوشته، نسخ'ول: نوسر. له رک: ادات و مویده: ۲: ۲۴۴.

له: نسخ'ول: نیس. له نسخ'ول: شکسته، مویده (چاپی): شکسته.

له: رک: مویده: ۲: ۲۴۲. له رک: قواس ص ۱۰۳.

له: رک: قواس ص ۱۳۷. له رک: ایضاً ص ۱۴۲.

له: قواس ص ۱۵۴ و ادات: نورده یعنی تنه پیراهن؛ جایگیری ص ۲۱۱۸ نورده یعنی پیراهن و قباله.

له: رک: صحاح ص ۲۹۱، مویده: ۲: ۲۴۳.

له: کذاست در مویده. له رک: مویده: ۲: ۲۴۲ و برهان ص ۲۱۴۲ نسبه مصحف فیله.

له: نسخ'اصل: ستوران. له نسخ'ول: فون ندارد.

له: مویده: ۲: ۲۴۳ معنی کلمه بحواله زفان نوشته. له نسخ'ول: مانند ندارد.

له: رک: مویده: ۲: ۲۴۲. له نسخ'اصل: سخت سخت.

جیبہ: سیلاب.

امہ: کتاب و نمشتہ.

شکوہ: جنگ آور و ستیندہ و زشت^{تہ} رود، و بعضی بسین مہلہ گویند.
شکرودہ: [درق ۱۰۳] آنکہ بازی شفرہ و غمرا گویند.

خایہ: درم نامرہ.

ششرہ: نقش کہ سرخ و زرد کنند.

مرگشتہ: آنکہ گل در سقف و دیوار نقش سازند.

مایترہ: از ساز جولایان است.

نواجستہ: باغ فونشانہ.

نفوشہ: دل بکی، ہم شکستن و گویند دل بکی نسکین دادن.

نرمورہ: لک گلین کہ گردو پس باشد یعنی گردک و فندق بزرگ

بہرہ می

نوی: تازی.

۱۔ رک: صحاح ص ۲۷۱؛ این کہ محل توجہ نیز آمدہ . رک: فرہنگ قواس ص ۲۵، بریان ص ۲۱۸۴ حاشیاء.

۲۔ رک: مویہ ۲: ۲۴۲ کہ نشوہ و نشوہ ہر دو آمدہ . اما فرس ص ۳۵۰، قواس ص ۱۶۹، صحاح ص ۲۹۱: نشوہ.

۳۔ بریان ص ۲۱۳۸ زشت . ۴۔ رک: فرس ص ۵۰۷، مویہ ۲: ۲۴۲، جاہگیری ۲: ۱۲۱۰.

۵۔ این مترادف در بریان ص ۱۳۴۶ وجود دارد، الشفرۃ کارد بزرگ، رک: دستور الاخوان ص ۳۶۹.

۶۔ نشو'ل' بدون نقطہ؛ فصیح این کلمہ میسر نشد . جاہگیری و بریان مترادف عربی از میل است؛ کہ در دستور الاخوان یعنی نشکرودہ آمدہ (ص ۲۸).

۷۔ نشو'اصل: خایہ، اما خایہ یعنی درم نامرہ عربی است، رک: جاہگیری ۲: ۱۳۹۶، بریان ص ۲۱۵۵.

۸۔ رک: بریان ص ۲۱۳۵. ۹۔ نشو'ل'، لک' ندارد.

۱۰۔ رک: جاہگیری ۳: ۱۶۹ و بریان ص ۲۱۲۹. ۱۱۔ رک: جاہگیری ص ۵۳۱.

۱۲۔ رک: صحاح ص ۲۹۱. ۱۳۔ اداۃ معنی اول دارد و مویہ ۲: ۲۴۳ معنی اول و دوم.

۱۴۔ نشو'اصل: یک.

۱۵۔ صحاح ص ۲۹۱: نرمورہ باوپیچ. و باوپیچ رسی باشد کہ کودکان برداشت بندند و در آنجا نشینند

(صحاح ص ۵۱). اما جاہگیری ۱: ۱۱۶۵ یعنی نیز لک و گندہ. بریان ص ۲۱۳۱: نرمورہ یعنی گردگان و فندق

بزرگ نوشتہ. ۱۶۔ فرہنگ بسین ص ۳۳۱ گردک بسین گردو دور، جہلا عروس، تانی براز نخر با دام و غیرہ.

نپی: بیای پاری و بد و کسرت، قرآن، و نوی نیز گویند.
نارانی: منکر و ناشایسته.

نامی: نامدار و نامور.

نامی: ساز معروف و حلقوم.

نرسی: بیای پاری، نام پادشاهی.

گونه و بهره الف

والا: زبردست و بزرگ سباه و بلند ی یعنی بقدر و مرتبه، و جامه ایست افروشی که آنرا والا گویند.
ویدا: نقصان یعنی کم باشد.

ورا: اورا، گوئی همزه حذف کرده اند و واو مفتوح.

وستا: ستایش خدای عز و جل.

بهره ب

وریث: کز [ی] یعنی بزغبی.

بهره ت

ورت: برهنه یعنی تنی از پوشش.

له برای نپی و نوی رک: فرهنگ قواس ص ۷، جاگیری ص ۶۵۴ و غیره. ۵ ادات و موبد ۲۴۴، جاگیری ص ۵۱۷، بریان ص ۲۰۹۲: نارانی منکر. ۵ نسخ اول: نام آور.

له پسرگودرز از طوک اشکانیان، رک: جاگیری ص ۱۱۷۱ متن و حاشیه. ۵ برای معنی اول رک: توکاس ص ۹۸، دستور ص ۲۴۰؛ اما ادات و جاگیری ۱: ۵۴۰ بردوشی دارد. ۵ صحاح ص ۳۲: ویدا کم باشد بفتح کاف. اگرچه در بعضی فرنگها ویدا یعنی کم شده آمده؛ اما صحیح لفظ کم (کاف تازی) بفتح است. رک: صحاح ص ۳۲ حاشیه و بریان ص ۲۲۹۷ حاشیه. ۵ و ستا بسن ادستاست؛ اما در بعضی فرنگها یعنی ستایش خدا آمده، رک موبد ۲: ۲۴۷ (وسطا اشتباه چاپی) بریان ص ۲۲۸۱: واین معنی براساسی نیست رک: بریان ایضا حاشیه ۴. ۵ فرس م ۲۶۱، صحاح ص ۴۰: وریب کجی و ناراسی (برغولی) ادات: کز و برغولی موبد ۲: ۲۴۷ و بریان ص ۲۲۷۸: وریب کز. ۵ برغولی یعنی کجی است، رک: بریان ص ۲۲۷۸ حاشیه ۱. باید علاوه نمود که برغولی اسم کیفیت است و کز نصف. بنا برین در متن کز می اصلاح شده.

له که است در موبد ۲: ۲۴۷ و بریان ص ۲۲۶۴، اما این تصحیف رت است، رک: فرس ص ۱۴۹، صحاح ص ۴۵، جاگیری ۱: ۶۶۷.

فشت^{۱۰}: بزند و آن گیاهی بهاری است.
شت^{۱۱}: چهارم روز از فوردیان.

مهره 'نچ'

رتاج^{۱۲}: نیلوفر، و گویند و رتاج گیاهی است هم در آب روید؛ اسدی می گوید: پنبه^{۱۳} را گویند و آن گیاهی است سبز، برگش او گرد و این برگ هر جایی که آفتاب گردد آن سوی بوی کند.
ادبج^{۱۴}: چیزی که بر او انگوری اندازند، جایی که انگور رسته باشد و گویند جای انگور آویختن و بعضی بهجم پاری گویند.

بیرج^{۱۵}: دارویی است که بهندوی آزارنج گویند.
رتبج^{۱۶}: پرنده از در آنج غر تر یعنی دلج، و گویند جز دلج است، بتازی سسانی گویند.

مهره 'نچ'

دازنچ^{۱۷}: معروف، آنکه دختران ریمان آویزند و در آن بازی کنند، و اسدی ببا گوید.

له^{۱۸}: رک: فرس ص ۳۶، صحاح ص ۴۲، تواس ص ۳۶. ده در اصل کل و صبح و هشت (وزن شست) یکی دشت یعنی روز پنجم است از خد و ستر و قدیم، رک: برهان قاطع حاشیه ص ۲۲۶۰، ۲۲۹۵، و فرهنگ ص ۴۰۶۳. ده رک: فرس ص ۵۴، صحاح ص ۵۶، تواس ص ۳۸.
عه^{۱۹}: نسخ اصل: بزرگ اما رک: فرس و صحاح. ده رک: صحاح. عه نسخ اصل: از آن سوی روی جانب افتاد. کند. ده فرس ص ۶۰، و ادبج رسته انگور؛ تواس ص ۵۱، دستور ص ۲۴۳، و ادبج چیز است که انگور بر او اندازند؛ صحاح ص ۵۵؛ و ازنج جای انگور رسته باشد.

هه^{۲۰}: رک: نوید ۲: ۲۴۸، برهان ص ۲۲۹۹.

هه^{۲۱}: فرس ص ۶۷، صحاح ص ۵۶، و رتبج سانه؛ تواس ص ۶۰، صحاح ص ۵۶، دستور ص ۲۴۴ و رتبج دلج.

هه^{۲۲}: بعضی تیمو نوشته اند، رک: جاگیر ۱: ۱۱۶۸ و برهان ص ۲۲۶۵.

هه^{۲۳}: از فرهنگهای مورد استفاده این قول مورد تأیید قرار نمی گیرد.

هه^{۲۴}: نسخ اصل: سیمانی، اما ادوات و جاگیری: سلوی، نیز رک: جاگیری حاشیه ۱۱ برهان: سلوی و سمانی. درلسان التنزیل ص ۱۳۹ سلوی را مترادف و رتبج، و در دستور الاخوان ص ۳۴۵ سلوی مترادف دلج، ص ۳۴۶ سسانی مترادف و رتبج.

هه^{۲۵}: که است در ادوات؛ اما در جاگیری ص ۵۲۸؛ و ازنج، و ص ۲۰۴: بادیج در همین معنی. اما این لفظ مصحف بادیج است، رک: صحاح ص ۵۱، ص ۲۹۱ ذیل نموده؛ نیز جاگیری ص ۲۰۴ حاشیه ۱، و هدایت المتسلین ص ۲۸۹.

هه^{۲۶}: نسخ اصل: ندارد؛ بیا یعنی باز نچ. رک: فرس چاپ بمبائی ۱۵ قن و حاشیه.

دریخ: زشت.

دریخ: پرنده معروف، خرد که بهندی شیر و لاده گویند و بتازی سمائی و سلوی.

مهره 'د' [ورق ۱۰۴]

والاد: دار بگل یعنی عمارت گل.

ورستاد: وظیفه، و راستاد نیز گویند.

وید: پیداد بزرگ و بسیار، و هویدا ازین گرفته اند، گویند: ویدا و هویدا.

ورستاد: بسیار، و بعضی بفتح واو گویند.

ورد: لشکر و رخت.

مهره 'ر'

وانگتر: پوستین دوز.

وخشور: پینا بمر خدای تعالی.

وزیر: زرجوبه، و بتازی دستور را گویند یعنی آنکه بار ملک و مملکت کشد.

وار: مانند و صفت.

مهره 'ز'

ورز: و زرنده و لب آب ماوراء النهر.

له رک: قواس ص ۱۰۵. له رک: دریخ. له کذاست در نسخ اصل: نسخ اول، ندارد. له نسخ اصل

امارک: قواس ص ۱۱۰ اادات. له رک: اادات و موید ۲: ۲۴۹ و برهان ص ۲۲۷۲.

له رک: موید ایضا، برهان ص ۲۲۷۳ درشتا و نیز دارد. له موید ۲: ۲۴۹. برهان ص ۲۲۹۷: دیدم یعنی کم

چیز، غنص، چاره و علاج. له این معانی کلا دیده است. له این معنی نیز در فرهنگها یافته نشد.

له رک: اادات و موید ۲: ۲۴۹. له و در بعضی گروهی از لشکر عربی است، رک: فرهنگ معین ۴: ۵۰۰۱

برهان ص ۲۲۶۷ ح ۵. و در برهان در بعضی شاکر و مرید درج است.

له این معنی در هیچ یکی از مآخذ بنده دیده نشد. له رک: صحاح ص ۱۱۹، اادات، موید ۲: ۲۴۹.

له رک: فرس ص ۱۰۱-۶۵، قواس ص ۷، صحاح ص ۱۱۹. له نسخ اول: عز و حق.

له رک: اادات (برای معنی اول)، برهان ص ۲۲۷۹: آقامی حسین وزیر را مصحف زیر می دانند، رک: ایضا حاشیه

له موید ۲: ۲۴۹، برهان ص ۲۲۴۵: وار مانند و نظر، و خداوند. له رک: اادات (برای معنی دوم)، موید ۲: ۲۴۹.

امابرهان ص ۲۲۶۸ یعنی رود ماوراءالنهر و خود ماوراءالنهر آورده، جهانگیری ص ۱۱۶۶ در رود، و راز رود، و

رود را ماوراءالنهر دانست، نیز رک: ص ۱۱۷۱. برای آگاهی بیشتر درباره اختلاف قرأت و معانی این کلمه

بهرهٔ 'س'

درس: بند و رشته عریسمان، و بعضی بدو فحش گویند.
و س: همانا پرنده است.

بهرهٔ 'ش'

و ش: بسیار و انبوه، و ملغی و او مفتوح و یای پاری، و بعضی بیای عربی گویند، و این لفظ بر مال و بیشه و تخم و چیزها که بی جنبش بود، توان گفت، و بر جانوران استعمال کردن نشاید.
و ش: مانند و دنباله دستار.

بهرهٔ 'غ'

و ر غ: بند آب و رود آب، و در فرهنگ نامه است: و ر غ کشت.
و ر و غ: آروغ، و بعضی بفتح واد گویند.

→ رک: برهان ص ۲۲۶۳ حاشیه ۳. س: نسخ 'ل': و زنده.

س: فرس ص ۲۰۴ درس چولی که در مینی اشتر کنند: قواس ص ۱۷۸: درس بند و رشته. رشیدی ص ۱۴۵۶

درس عریسمان و چولی که در مینی اشتر کنند. برهان ص ۲۲۷۱ درس در هر دو معنی. ادوات برای بند و عریسمان

'درس' دارد نه درس، نیز رک: برهان ص ۲۲۷۲: شاید مصحف رس باشد، رک: ایضاً ح

س: ادوات: و س پنداری: مویده ۲: ۲۵۰: و س در شرفنامه پنداری و در تفسیر است همانا یعنی که پرنده است

معنی اخیر از زبان گویند. باید علاوه نمود که و س مصحف و س است که معنی همانا مانند است، رک:

صحاح ص ۱۴۳: نیز قواس ص ۱۱۸. فرس ص ۱۰-۱۱، صحاح ص ۳۱: پنداری بود.

س: نسخ 'ل': همان پرنده.

س: و س یعنی پرنده از هیچک از فرهنگهای مورد استفاده مورد تأیید قرار نمی گیرد.

س: رک: فرس ص ۲۱۲ و قواس ص ۱۰۶ و صحاح ص ۱۵۸.

س: صحاح و برهان: عمر، اما ادوات و مویده کذا در حق (۲: ۲۵۱). س: نسخ 'ل': واد ندارد.

س: صحاح ص ۱۵۸: و ش بمعنی فش یعنی مانند، جایگیری ص ۱۴۶۲: فش بمعنی شبیه مانند، و شمله دستار

و آترافش نیز خوانند. صحاح ص ۱۵۶: فش مانند، بضم بش چارپای، جایگیری ص ۳۸۳: فش بمعنی

کاکل اسب (بش)، شبیه و مانند، سر دستار.

س: قواس ص ۲۴، صحاح ص ۱۶۱، ۱۶۶: و ر غ بند آب.

س: در هیچک از فرهنگها این معنی دیده نشد، بظاهر "بند رود آب" عبارت صحیح می باشد چنانکه در دستور ص

۲۴۳ هست. س: که است در ادوات، در اصل و ز غ بمعنی کشت است، رک: قواس ص ۵۴، دستور ص ۳۳

س: رک: ادوات و برهان ص ۲۲۷۷. س: آروغ بمعنی بادی که از گلو برآید ص ۱۶۱.

و رارغ : شعله آتش .
و ارغ : بدانچه زرباف بندند .

بهره ف

واف : هزارستان .

بهره ک

ورکا ک : شیرکُنجشک .

وردوک : چپتر ، و بعضی دال و بعدوی واو هر دو مفتوح گویند .

و شرک : جامه دارو ، و بعضی بفتح را گویند .

ویند انک : ناغہ ، و بلغتی ویدانک آمده است .

ویک : این سخن در خطابه ها گویند یعنی نیک بخت چنانکه بتازی و یکک .

۱۴ رک : جاگیری ص ۱۱۶۷ ، برهان ص ۲۲۶۳-۶۴ ؛ موبد ۲ : ۲۵۲ واغ اشتباه چالی .

۱۵ نسخہ اول : ولاغ ، موبد ۲ : ۲۵۲ و ازغ بدین معنی آمده ، و در جاگیری و برهان و ازغ بمعنی دُرغ است .

۱۶ در هر دو نسخہ ناخوانا ؛ متن تصحیح قیاسی ؛ رک : موبد ایضاً ، زرباف بمعنی زربفت است . نیز رک : برهان .

۱۷ رک : موبد ایضاً و جاگیری ۱ : ۵۳۹ .

۱۸ رک : فرس ص ۲۶۹ ، قواس ص ۶۰ ، اما صحاح ص ۱۸۹ مرئی بزرگتر از باز .

۱۹ شیرکُنجشک پرندۀ درندہ ، مردار خوار ، رک : موبد ۲ : ۲۵۳ و صحاح ذیل دُرکا ک .

۲۰ قواس ص ۱۳۳ ؛ وردک بمعنی چپتر ، اما موبد ۲ : ۲۵۲ وردوک بمعنی مذکور آمده ؛ و رشیدی ص ۱۴۵۵

وردوک و ورد بمعنی چپتر آورده .

۲۱ رک : موبد ۲ : ۲۵۳ ، جاگیری ۲ : ۱۴۱۳ ، برهان ص ۲۲۸۵ ، ۲۲۷۳ و شرک و درشک هر دو بهمین

معنی آورده ؛ اما در بعضی فرهنگها و درشک و و شرک آمده ، رک : برهان ص ۲۲۸۵ ، ۲۲۷۳ حاشیہ

۲۲ . بایاد علاوه نمود که در قواس ص ۱۵۷ و مدار ۲ : ۵۵۸ و خود در زفان شرک بمعنی جامه دار و نوشته

اند

۲۳ برهان ص ۱۴۶۴ : جامه دار و جامه ای باشد که در آن دارو بندند .

۲۴ نسخہ اصل : ویند انک ، رک : موبد ۲ : ۲۵۳ ، جاگیری ص ۲۳۶۴ ؛ ویند انک بمعنی مشک ناغہ ،

و برهان ص ۲۳۰۲ ویند انک بمعنی ناغہ و ناغہ هر دو ، ناغہ را مصحف ناغہ قرار دهند .

(رک : برهان ایضاً ص ۷) .

۲۵ رک : ادات و موبد ۲ : ۲۵۳ .

۲۶ رک : صحاح ص ۱۸۹ ، ادات ، موبد ۲ : ۲۵۳ ، جاگیری ص ۲۳۶۲ .

دبردک^۱: لغز.
 وشمک^۲: پایی است از چرمین.
 ویکک^۳: رنگ.

بهره‌نگ

دنگ^۴: آنچه بر دوشه های انگور اندازند.
 دنگ^۵: گدا و درویش.
 وژنگ^۶: بازائی پارسی وضم وفتح آن، پیوند جامه و در فرسنگانه: وژنگ آرایش پستین که در دامن و سر استین و گریبان و درزهای دیگر دوزند از قندز و سمر و جز آن.

بهره‌ل

وال^۷: مایه درم دار.
 وبل^۸: فرصت یافتن بکاری بامراد و ظفر.
 وژول^۹: بازای پارسی، شور و بضم و او نیز گویند.
 وشمکول^{۱۰}: [ورق ۱۰۵]: جلدی در کار نمودن، و بضم و او نیز آمده است، و بعضی و او دوم پاری گویند

له رک: موبد ۲: ۲۵۳ که این واژه را بحواله زفان آورده: اما این مصحف بردک است که در همین فرسنگ (زفان) ذیل گونه‌ب آمده. در اصل و او را جز کل پنداشته، رک: قواس ص ۱۸۸ متن و حاشیه.

له رک: ادات و موبد ۲: ۲۵۳ و جانیگری ۲: ۱۴۱۴ و برهان ص ۲۲۸۶. در قواس ص ۱۵۵ و همین فرسنگ (زفان) مثل معنی پای افزار چرمین آمده: ممکن است وشمک مصحف باشد.

له این کلمه در فرسنگها دیده نشد، موبد ۲: ۲۵۳ می‌آورد: "ویکک بالفتح باجم فارسی رنگ که انی زفان گویا" سرایسلهانی ص ۲۵۱ ونگ چوب خوشه انگور است که خوشه از آب غرد و معنی سرتاک بریده آمده و ریسکانی که انگور از او آویرند و آنرا آونگ گویند. نیز رک: قواس ص ۵۱ متن و حاشیه.

له رک: قواس ص ۱۹۴. رشیدی ص ۱۴۶۷.

له رک: قواس ص ۱۵۷، ادات و موبد ۲: ۲۵۳. در نسخه اصل از پنج تا وژنگ افتاده.

له نسخه 'ل': بهم پیوند جامه. ه نسخه 'ل': و رنگ. متن تصحیح قیاس.

له ادات و موبد ۲: ۲۵۳ هر دو معنی را داده اند: و در موهرا لکر بگفته زفان آمده.

له رک: قواس ص ۶۸، ادات و موبد ۲: ۲۵۴.

له رک: فرس ص ۳۱۳، صحاح ص ۲۱۲، قواس ص ۱۰۳. له رک: قواس ص ۱۶۷.

له رک: موبد ۲: ۶۴. برهان ص ۲۲۸۶، قواس ص ۱۶۷ و زفان همین فرسنگ: بشکول مزجند و قوی و سختی کش (و حریص بر کار).

و کال: انکشت مرده که آهنگران در کوره اندازند.

بهره 'م'

و شمم: بخار.

و اتم: مانند دین و صفت و رنگ.

و رم: آماس.

بهره 'ن'

و رستان: بد و فحش، است.

و ارن: آرنج و بند دست، آنکه میان دست و بازو است.

و رقان: به رنخت و رای شده، شفیق.

و اردون: بدخوی و نخس یعنی بد بخت و شوم و بازگوشت و واژگون و سنانیز گویند.

و الان: دارویی است، دوگون: والان بزرگ که بتازی آنرا رازیانج و هندی سنوئ گویند و

دیگر آنکه خود است، بهندی آنرا سوتی و بتازی شبت گویند.

و ادیان: گیاهی است بوستانی و گویند آن والان است.

له رک: مویده ۲: ۲۵۴ و جاگیر ۲: ۱۵۷۸. بظا تصیف زغال یا زغال است که معنی انکشت سوخته آمده.

فرهنگ معین و غال مطلقاً ندارد و بجای آن زغال، زغال، زغال، شغال، شکار دارد، ۲: ۱۷۴۰.

له رک: مویده ۲: ۲۵۴ و جاگیر ۲: ۱۴۱۳. له رک: ادات و مویده ایضاً.

له کذاست در ادات؛ اما برای این کلمه صورتهای مختلف آمده، مانند ورستان، ورستان، ورستان،

ورستان، بر پریشان، بردستان، بردشیان و غیره اما بغول دکتر معین در حاشیه برهان ص ۴۴۹

را تصیف بردوشان قرار می دهد و همین صورت در فرس ص ۳۵۸ نقل شده. برای آگاهی بیشتر رک: قواس

ص ۸۵ ج ۵. له رک: فرس ص ۳۷۷، قواس ص ۸۳، صحاح ص ۲۵۷.

له رک: فرس ص ۳۵۴، قواس ص ۱۰۳. له برای معنی اول رک: فرس ص ۳۶۶، قواس ص ۸۷.

له رک: برهان ص ۲۲۴۶. له مویده ۲: ۲۵۵ معنی این کلمه بکواله زبان آورده.

له نسخا اصل ندارد.

له اصل نامخوانا و نسخا: واریانج؛ واریانج معرب رازیانه است که مترادف والانست، رک: جاگیر

۱: ۵۴۱؛ برای رازیانه رک: بدایه المتعلین ص ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۸۲ و غیره.

له نسخا: ل، سونپی، مویده، سونف. له ازینجا تا آخر در نسخا: ل، افاده له مویده: سوبا.

له جاگیر ۱: ۵۳۵ و ادیان بادیان باشد، و والان یعنی بادیانست؛ دستور الاخوان و ادیان را مترادف

النبته نوشته (رک: ص ۳۵۹).

ورخین: جانور است آبی که چشم ندارد، گردن دراز و باریک، و دندان دارد، در آب تیره و شور قرار گیرد، پسند و می بوبو گویند

مهره 'ه'

وشکله: دانه انگور.

ولانه: ریش یعنی جراحت، و بعضی بفتح واو گویند.

ورپوشه: سرپوش چون دامن و چادر.

وشنگه: عورت مرد یعنی کیز.

وشکرده: بفتح واو، چست و ساخته.

وشکرده: بکسر واو چیزی باجد و کوشش، و گویند با توش و پوش یعنی کز و فر و توانائی.

وسیده: جوشن و آن گونه است از پوشش سلاحی.

ولغونه: سرخی و سپیده زنان.

والغونه: همان و لغونه است.

ویره: بیای پارسی، خالص و خاص را گویند، بعضی بیای عربی گویند.

ویده: چاره جستن.

وروده: برج [کبوتر].

وله: بعضی بنشدید لام، خشم

له: مویده ۲: ۲۵۵ معنی واژه بحواله زفان نوشته، برهان ۲۲۶۲ و تخمین. له کذاست در برهان ۲۲۶۲.

له: رک: مویده ۲: ۲۵۸ و جهانگیری ۳: ۱۴۱۳. له رک: قواس ص ۸۳، مویده ۲: ۲۵۸، جهانگیری

۲: ۱۶۷۱. له نسخ اصل: و کاله؛ رک: مویده ۲: ۲۵۷، برهان ۲۲۶۴.

له: نسخ اصل: و سنگه. رک: برهان ص ۲۲۸۷. اما در مویده ۲: ۲۵۸ و سنگه بحواله زفان، و و سنگه بحواله ادات؛

جهانگیری ۳: ۱۴۱۳-۱۴ و سنگه و و سنگه هردو بعضی آلت تناسل آورده. سلیمان ۲۵۳ و سنگه عورت مرد.

له: رک: ادات و مویده ۲: ۲۵۷. له رک: ادات و برهان ص ۲۲۸۵.

له: نسخ اول: با لولوش و لوش. له ادات: و سینه جوشن؛ در مویده ۲: ۲۵۷ بجای این کلمه، و

بعضی جو بدست بحواله زفان نوشته. برهان ۲۲۸۷، سرمد سلیمان ۲۵۳ و شینه جوشن.

له: رک: مویده ۲: ۲۵۸، برهان ص ۲۲۹۱. له برهان ایضاً. له رک: مویده ۲: ۲۵۸.

له: رک: ایضاً؛ اما برهان بعضی 'چاره جسته' از مصدر ویدیدن (ص ۲۲۹۸).

له: رک: فرس ص ۴۷۴، صحاح ص ۲۹۲. له رک: برهان ص ۲۲۹۱.

ویره: درخت خربزه.

ورواره: غره یعنی چمجه.

وخشینه: مرغی است سپید، وقت بهار در باغها نشیند.

ولوله: آشوب.

وسمه: سنگی است بمنزله ترکان ابرو بدان کشند.

وسه: عارض خانه.

وایه: مایحتاج یعنی بایسته.

بهره می

وسنی: انباش، و بعضی بفتح واد گویند و بفتح و کسرین [ورق ۱۰۶] نیز گویند.

گونه ه

بهره الف

هرا: ساخت زین، و آواز ددگان را نیز هرا گویند.

هویدا: آشکارا و روشن بغایت.

همجا: ملاست.

همانا: پنداری و مانند.

له رک: موبد ۲: ۲۵۸، برهان ۲۲۹۹ درختی که ساق نداشته باشد و بر زمین بین شود الخ.

له رک: جهانگیری ۱: ۱۱۷۵ و برهان ص ۲۳۷۷ متن و حاشیه! صحاح ص ۲۹۲: و روازه، و این اشتباه است.

له رک: موبد ۲: ۲۵۷، برهان ص ۲۲۶۱. در اصل این واژه مصحف خشینه است. رک: برهان یعنی

حاشیه! صحاح ص ۲۷۵: خشینه مرغابی سیاه و رنگش میان سیاه و کبود.

له موبد ۲: ۲۵۸: و لوله شور و غوغا. هه رک: ادات و موبد ۲: ۲۵۶.

له نسخه مل: رنگی بمنزله در بنا گوش، برهان ۲۲۸۱ سنگی است که باب آمانید و برابری مانند الخ.

له کذاست در نسخه 'ل'! اما معنی دسر در بعضی فرهنگها جویدستی است، نسخه اصل و ده.

له رک: موبد ۲: ۲۵۷ و برهان ص ۲۲۵۶. هه رک: فرس ص ۵۲۳، قواس ص ۱۰۱.

له زفان: زن دیگر باشد که آزارا سوکن گویند. له رک: قواس ص ۱۷۶، ادات (معنی اول).

له رک: جهانگیری ۱: ۱۱۷۸ هرا باؤل مفهوم آواز میب مانند آواز سباع و وحوش.

له رک: قواس ص ۱۹۳. هه رک: ادات و برهان ۲۳۶۷.

له رک: فرس ص ۱۰-۱۱، صحاح ص ۳۱، برهان ص ۲۳۶۴.

مهره 'ت'

هنگفت^ت: جامه سفت، و بعضی بفتح ها گویند.

هلمخت^ت: پای افزار.

هرات: نام شهری از خراسان که آنرا هراتی و هرلو نیز گویند.

مهره 'ج'

هچ^ج: بضم و فتح ها، راست باز کردن چنانچه علم و نیزه، و بعضی نصب نیزه و علم مانند آن گویند یعنی هچ کرد، و اگر چیزی بزمین افکند راست و بر زمین راست بایستد گویند هچ کرد.

مهره 'خ'

هیدخ^خ: اسب نیک خنکی که تند بود.

مهره 'د'

هرمز^د: مشتری، سیاره فلک.

هورمز^د: همان هرمزد است.

هنگار^د: تندی.

هیربد^د: خادم آشکده و قاضی گبران.

هید^د: مال که بدان کشت راهبوار کنند و بعضی بذال مجمر و بعضی بیای پاری گویند.

له رک: قواس ص ۱۵۳، ادات، مویده ۲: ۲۶۳.

له رک: فرس ص ۳۸، قواس ص ۱۵۶، صحاح ص ۴۸، ادات و غیره.

له رک: برهان ص ۲۳۲۹. هه ایضاً ۲۳۳۰، هراد هریده نیز گویند، رک: ایضاً.

هه رک: ادات و مویده ۲: ۲۶۱؛ فرس ص ۶۷، قواس ص ۱۷۴، صحاح ص ۵۵، هج بعضی راست کردن علم بود.

هه رک: فرس ص ۷۶، صحاح ص ۷۰، نیز ادات، مویده ۲: ۲۶۱؛ ادات: هیدج و مویده هیدج و هیدخ هر دو دارد.

هه فرس و صحاح: بصلتی، سلطانی، جزئی: جنگی. هه رک: صحاح ص ۸۵ و ادات.

هه رک: ادات. هه رک: ادات و مویده ۲: ۲۶۲. هه رک: مویده ۲: ۲۶۲، برهان

ص ۲۴۰۵؛ برای آگاهی بیشتر درباره این کلمه رک: برهان ایضاً حاشیه و فرهنگ معین ۵۲۳-۳۲.

هه رک: مویده ۲: ۲۶۲، برهان ص ۲۴۰۴. هه چون ماقبل دال می است بنا بر قاعده تفریق بین

دال و ذال اصل کلمه هید است نه هید. مولف زفان پیچود این را بیان نموده است.

بهزند: نام لب آبی بگرگان.

بهره: زر

هور: آفتاب.

هیر: آتش.

هندور: کربا، و آن دارویی است.

هزیر: بازای پارسی، نیکو و فرخ.

هود: زشت یعنی قبیح، بفتح هاء نیز گویند و بلغتی ذال معجمه و واد پارسی.

هیکر: اسب سیاه بود که بسرخ زبند.

هجیر: نام مردی.

هخار: راه، و گویند کس باشد که راه نگذارد و برابر آن راه همی رود.

بهره: زر

هرز: مشتری فلک.

هیر: مخت.

هنیز: اکنون و زیادت.

له این واژه در نسخ اول افتادگی دارد. ر: جابگیری ۱: ۱۱۸۲، بریان ص ۲۳۲۷. در جابگیری

بهزند نام قصبه از توابعی اصفهان نیز: در حدود العالم است که بهزند رودی است بحدود خراسان، از طوس برود بحدود آستو و جرمکان برود و میان گزرگان برود و بیشتر آبسکون رود و بدریای خزران افتد (ص ۳۲).

له قواس ص ۱۴. ر: ادات و مویده ۲: ۲۶۴. ه: فرس ص ۱۱: کرپاگیابی است که آنرا بلندوز خوانند،

ادات و جابگیری ۲: ۱۶۷۴ بلندوز (بازای عربی)؛ اما در مویده ۲: ۲۶۴، ۶۵ بلندوز و بلندوز هرزد، همین است در بریان ص ۲۳۵۹. ر: فرس ص ۱۰، قواس ص ۹۴، صحاح ص ۱۱۸.

له نسخ اصل: فرج. ه: ر: ادات و مویده ۲: ۲۶۴، بریان ص ۲۳۸۹؛ رشیدی هوزر با ذال فارسی.

ه: ر: مویده ۲: ۲۶۴، جابگیری ص ۲۳۶۷، بریان ص ۲۴۰۷. ه: نسخ اول: سیاه بود ندارد.

له جابگیری ۱: ۷۲۰: هجیر هرگز در برادر گو است. سهراب اورا زنده گرفت.

له ر: فرس ص ۱۴، صحاح ص ۱۱۸، ادات. ه: فرس و صحاح: راه بگذارد و برابر راه همی رود.

له ر: صحاح ص ۱۳۴. ه: نسخ اول: نام مشتری.

له صحاح ص ۱۳۴: هیز نیز بود یعنی مخت.

له مویده ۲: ۲۶۵: هنیز اکنون و زیادت؛ بریان ص ۲۳۸۴ بمعنی هنوز است؛ فرهنگ معین ص ۵۲۱۱،

هنیز هنوز مترادف اند، برای شاپرک: هدایه المتعلین ص ۱۶۹، ۱۷۴، المعجم چاپ مدرّس ص ۲۳۱-۳۳۲.

بهره 'ش'

بازش: حیران و فرمانده و درمانده.

بهره 'س'

هراس: بیم و ترس.

بهره 'ش'

هراش: قی.

هوش: هلاک، و این پهلوی است، و خرد یعنی عقل و زیرکی، گویند هوشمند یعنی بخرد و هوش
بغیر و او هم گویند.

هشتویش: پنجم روز از فور دیان.

بهره 'ف'

هف: هفتی یعنی کارگاه بافنده، و فخر قواس گوید: هف چوبی است که در بافتن بر جامه زنند.

بهره 'ک'

هساک: تارک سر، و بعضی بیای پاری گویند.

هزاک: ابله و نادان که آسان فریفته شود.

هولک: گردون بازی و آن بازی خراسان است.

له: رک: قواس ص ۱۱۲، صحاح ص ۱۲۸. ه: قواس ص ۱۶۱، صحاح ص ۱۵۷.

س: رک: فرس ص ۲۱۱، قواس ص ۱۶۳، صحاح ص ۱۵۷.

ه: جاگیری ۲: ۱۴۱۶ و بران ص ۲۳۳۹: هشتویش نام روز پنجم است از خمد سترقه، نیز رک: خرده ادا
ص ۲۱۱ و کله و هشت (دشت).ه: نسخه 'ل': فروردین، موبد ۲: ۲۶۶: هشتویش (هشتوش اشتباه چاپی) یعنی مندرج در متن بحواله زلفان.
در نسخه اصل بعد این کلمه جزدی کرم خورده.ه: رک: موبد ۲: ۲۶۷: هف بافخ کارگاه جلاپه که آنرا هفتی گویند و فخر قواس گوید الح، این معنی اخیر از
زلفان گویاست، مقدمه الادب ز هفتی ص ۳۸۷: هف هفتی بافنده الح؛ فخر قواس این واژه را ندارد.
رک: فهرست کتاب چاپی. اما هفتی یعنی هف آورده (ص ۱۸۳).

ه: رک: فرس ص ۲۵۳، قواس ص ۷۷، صحاح ص ۱۸۹.

ه: قواس ص ۱۰۴: عینا معنی مندرج در متن دارد.

ه: رک: قواس ص ۱۸۸. ه: قواس این تخصیص ندارد.

هسک: بدوخت، غدا نشان که آرزای بندی [ورق ۱۰۷] به حج گویند، و بعضی بکسر با گویند، و بسکون سین نیز آمده است.

هیرک: شتر بچه چنانک بره: گو سپند بچه.

هگک: دم بالا.

بهره'گ

هنگ: زیرکی و زکام و قوم و سپاه.

هوشنگ: نام پادشاهی است از باستانیان.

بهره'ل

هال: آرام و قرار.

همال: انباز و همت.

هیکل: جثه یعنی پیکر چیزی و بتخانه ترسیان و بهار خانه.

بهره'م

هر دُم: نام شهری.

هنگام: وقت.

هر توُم: تخم اسپنول، و بعضی با نیز گویند.

له قواسم ۱۴۰: هسک غدا نشان. له ادات و موید ۲: ۲۶۷: هجاج.

له رک: موید ۲: ۲۶۸، بریان ص ۲۴۰. له رک: موید ۲: ۲۶۷، بریان ص ۲۳۵. له رک:

موید ۲: ۲۶۸، بریان ص ۲۳۸-۸۲. له موید این معنی که بحواله زخان نوشته مورد تأیید قرار نمی گیرد.

له هوشنگ پرسیا یک بود، جدش کیومرث نام داشته، رک: بریان ص ۲۳۹. له رک: فرس ص ۳۱۷.

قواسم ۱۰۳، صحاح ص ۲۱۲. له رک: صحاح ص ۲۱۲. له ادات: هیکل بهار خانه و جثه

بزرگ و بتخانه ترسیان، صحاح ص ۲۱۲: هیکل بهار خانه باشد به پهلوی یعنی بت خانه. اما این کلمه عربی است،

رک: دستور الاخوان ص ۶۷۲، موید ۲: ۲۶۹. له نسخه اصل: بیک.

له جاگیری ۱: ۱۱۸۳: هر دُم نام شهر زنان است، فسر دوسی:

همی رفت با ناهاران روم ÷ بدان شارسانان که خوانی هر دُم

که آن شمس بکسر زنان داشتند ÷ کسی بر در شمس نگذاشتند

له که است در دستور الافاضل (ص ۲۵۰ حاشیه ۶): اما این اشتباه است، در اصل کلمه صبح هر دُم است،

رک: قواسم ص ۴۰، ادات، بحر الفضائل، موید ۲: ۲۷۰، جاگیری ۱: ۱۱۸۳ و غیره.

بهره‌دن

هامون^۱: دشت وزمین هموار، وگویند زمین سخت که باران قبول نکند.
هیون^۲: اسب و اشتر، وگویند شترجازه یعنی تنده بسیار رود، هندوئی ساندۀ گویند.
هارون^۳: نقیبت و قاصد.

هون^۴: بدوخت، زمین کشت باکلوخ، و بسکون وادیز گویند.

همایون^۵: مبارک.

هاون^۶: جواز و آسپه در آن دارو یا کوبند.

هین^۷: بشتاب و سیلاب و بگذارد.

هرزمان^۸: گوئی را را حذف کرده اند.

همیدون^۹: وقتی از اوقات چنانک گویند درین میان، ناگاه، و همدون هم اکنون است.

هان^{۱۰}: هوشدار.

هرین^{۱۱}: آواز.

هومان^{۱۲}: نام مردی از پهلوانان ترکان که برادر پیران بود.

بهره‌و

هو^{۱۳}: ریم و زرد آب.

۱۳ رک: قواس ص ۲۸، صحاح ص ۲۵۵، ادات. (معنی اول). ۱۴ در مویده: ۲: ۲۷۰ این معنی بحواله زفان نوشته.

۱۴ رک: قواس ص ۷۴، صحاح ص ۲۵۶، ادات. ۱۵ نسخ اصل: شتر بچه.

۱۵ مویده: ۲: ۲۷۳ این معنی بحواله زفان نوشته. ۱۶ مویده: ساند.

۱۶ رک: ادات و مویده: ۲۷۰. ۱۷ رک: ادات و مویده: ۲: ۲۷۳. ۱۸ رک: ادات و برهان ص ۲۳۱۲.

۱۸ رک: ادات و مویده: ۲: ۲۷۳. ۱۹ رک: صحاح ص ۲۵۶. ۲۰ مویده: ۲: ۲۷۲ معنی کله بحواله

زفان نوشته، صحاح ص ۲۵۶: همیدون، همچنین، برهان ص ۲۳۷۴: همیدون یعنی همین دم، همین

ساعت، همین جا، این زمان، این چنین، همچنین، بیک ناگاه.

۲۱ در نسخ اصل افتادگی دارد. ۲۲ رک: برهان ص ۲۳۱۲.

۲۳ در اصل: هوشدار و اکنون؛ واضح است که اکنون معنی کله سابق است.

۲۴ در نسخ اصل کرم خورده، مویده: ۲: ۲۷۱، جاگیر ص ۱: ۱۱۸۴: هرین آواز میب، هرا نیز خوانند.

۲۵ جاگیر ص ۲: ۲۱۳۸: هومان برادر پیران ویر. ۲۶ از یخبنا تا آخر در نسخ اصل افتاده.

۲۷ رک: جاگیر ص ۲: ۲۱۳۱.

ملیو: سبد.

مازو: فرومانده و جبران.

مستو: مقرر.

هرود: مرد دلیر.

مهره: ۵

مویه: کتف یعنی دوش و حمایت، و بعضی بضم ها گویند.

مده: حق دفع و فایده، بود نیز گویند، بهیوده یعنی باطل و ناحق و لایق دفع.

مروانه: بیمارستان.

هرکاره: دیگر آهشی که درو حلو کنند، بتازی طنخیر و بسندوی تتر و کراهی گویند.

میسیمه: هیزم و بعضی بیای پارس، بلغی های مفتوح است.

هزینه: نفقه یعنی آنچه بدان روز گذارند و روزگار بگذرانند.

هماره: بهشتی همواره.

بایره: ناچار جستن.

له رک: رشیدی ص ۱۳۹۸، جاگیری ۲: ۱۶۷۵، برهان ص ۲۳۶۱؛ اما مویده ۲: ۲۷۳؛ ملیو سبل، و نسخ: ۱.

سبلمازو، معنی کله ملیو را با دازه باز و جمع کرده؛ یکی از شمالی بهترین غلط خوانی است.

له جاگیری ۱: ۵۴۳، برهان ص ۲۳۰۷؛ مازو و ماژ (ماژه) یعنی جبران و فرومانده، نیز رک: ماژ در همین فرهنگ (زبان).

له رک: جاگیری ۱: ۱۳۳۵ و برهان ص ۲۳۳۶. خسو نیز همین معنی آمده، رک: فرس ص ۴۰۶، صحاح

ص ۲۶۵، جاگیری ۱: ۱۲۸۴.

له نسخ: اصل: دیر. رک: جاگیری ۱: ۱۱۸۲، برهان ص ۲۳۲۸.

له رک: قواس ص ۸۴؛ اما مویده ۲: ۲۷۵؛ بویه نوشته. له رک: جاگیری ۱: ۸۱۵.

له رک: فرس ص ۴۶۴، قواس ص ۱۲۸، صحاح ص ۲۹۲، جاگیری ۱: ۱۱۸۲.

له جاگیری ۱: ۱۱۸۰؛ هرکاره: دیگ سنگی، برهان ص ۲۳۲۳؛ هرکاره دیگ سنگی و آهنی؛ نسخ: ۱؛ دیگ آهین.

له برهان: پزند. له دستور الاخوان ص ۳۱۲؛ الطخیر هرکاره.

له قواس ص ۱۳۷؛ هرکاره: تتر. له این کلمه در نسخ: ۱؛ افزوده شده.

له رک: قواس ص ۱۴۱. له قواس ص ۱۴۳؛ هزینة آنچه روز بروز بگذرانند.

له مخفف همواره، رک: جاگیری ۲: ۱۷۳۵.

له جاگیری ۱: ۵۴۹؛ بایینه و بایینه مخفف برآینه و برآینه باشد.

له مویده ۲: ۲۷۴؛ این معنی بجا از مشرق نامد نوشته.

بالله: خرمن ماه و آفتاب یعنی دور که برگردان باشد.
 هرزه: بی فایده و بیوده و روان گفتن، گویند هرزه درازی یعنی بیسوده مگوی.
 هراسه: آلت ترسانیدن [درق ۱۰۸] یعنی بدآنچه کسی را برترسانند و برمانند و آنرا در کشتی نصب
 کنند، بتازی مخدّر گویند.

هپاسه: بدآنچه تنگ زین کشند.
 هرلوه: شیبند که تعین کنند برای زنجیر را.
 هسگاسه: جای جمع شدن خلق.
 هرآینه: قطع ویشک یعنی آنکه گویی ناچار چنین بود.
 بهره می

هکری: کشتی که از باران آب خورد.
 هیلومی: گردون بازی که بازی خواسان است، بعضی بیاه و واد پاری و بلغی با مفتوح است.
 هلوی: حیران.

- له
 ۵۴ رک: جهانگیری ۱: ۵۴۶. در مویده ۲: ۲۷۳ و در دستورالافغان ص ۶۶۷ مال را عربی قرار داده شده و در
 اکثر فرهنگها معنی مال خرمن ماه است فقط؛ اما در ادات مانند شمن.
 ۵۵ نسخ اصل ندارد. ۵۶ نسخ اصل: هریره، رک: صحاح ص ۲۹۲.
 ۵۷ کذاست در مویده ۲: ۲۷۴. ۵۸ نسخ اول: طای، و این هم درست است، رک: برهان ص ۲۳۲.
 ۵۹ رک: جهانگیری ۱: ۱۱۷۹. ۶۰ نسخ اصل: آنچه کسی را برترسانیدن.
 ۶۱ رک: برهان ص ۲۳۱۹. ۶۲ رک: مویده ۲: ۷۵، برهان ص ۲۴۰.
 ۶۳ کذاست در مویده ۲: ۲۷۴؛ در نسخ اول این واژه بدون نقطه. ۶۴ کذاست در اصل.
 ۶۵ رک: مویده ایضا و برهان ص ۲۳۸۳. ۶۶ رک: مویده ۲: ۲۷۴ و برهان ص ۲۳۲۰.
 ۶۷ نسخ اصل: بیشکی.
 ۶۸ رک: قواس ص ۵۵، دستورالافغان ص ۲۴۹، مویده ۲: ۲۷۶، درین هر سه فرهنگ معنی
 معنی مندرج در متن درج است.
 ۶۹ رک: قواس ص ۱۸۸؛ اما در مویده ۲: ۲۷۶ هیلوی بدین معنی آمده. ۷۰ نسخ اول: گردان.
 ۷۱ این تخصیص در فرهنگها دیده نشد. ۷۲ نسخ اول: بیای پاری.
 ۷۳ کذاست در اصل؛ اما کذا درست 'هکوی' است، رک: ادات و مویده ۲: ۲۷۶ و جهانگیری ۲:
 ۱۵۵۳ و برهان ص ۲۳۵۷.

هوارى: بارگاه.

همای: نام عورتی است و نام جانوری که مبارک گرفته

گونه: می

مهره: الف

بنما: غارت، و نام شهری که مشک استجا خیزد در ولایت ترکستان.

یکتا: یکتو.

یارا: زهره و قوت.

مهره: ب

یب: پیر باشد.

مهره: ج

یغنج: ماریست زرد که در باغها بود و نگزد و زهر ندارد، و یغنج نیز گویند.

یوج: جانور نیست از خزندگان.

یج: لفظی است که [چون شتر را] برزانو آزند گویند یج یج، و گردوی گویند که سخنی باشد که

نشان گویند [چنانکه کسی معلوم نکند که چمی گویند] مردم عام یج یج می کنند.

۱. رک: مویده: ۲۷۶، جهانگیری: ۲: ۲۱۳۲ و برهان ص ۲۳۸۵.

۲. همای دختر بسین بود، رک: جهانگیری: ۲: ۱۷۲۷، برهان ص ۲۳۶۵ نفس و حاشیه.

۳. نشو'ال: عمارت. ۴. این عبارت در نشو'ال افتادگی دارد: این معنی در فریگها دیده نشد؛ معنی

کله نوشت: خوابان از استجا خیزند، رک: صحاح ص ۳۳، مویده: ۲: ۲۷۷.

۵. ادوات: یکتا یکتوی از جامه ۶. مویده: ۲: ۲۷۸ بحواله زفان یب بمعنی پیر نوشته.

۷. کذاست در اصل: نشو'ال: پیر بدون نقطه؛ فرس ص ۲۹: یب تیر بود بزبان سمرقندی، بابت شاهد از

منجیک، نیز رک: جهانگیری: ۱: ۶۲۱، برهان ص ۲۳۲۴.

۸. این کلمه بشکلهای مختلف در فریگها ضبط شده مانند یغنج (برهان، قواس)، یغنج (ادوات)، یغنج (امعیا رجمالی،

مدار، سروری، برهان: ۱: ۲۹۱)، یغنج (سروری، مویده، زفان، برهان)، یغنج (مویده، زفان، برهان).

۹. رک: مویده که بحواله همین زفان معنی کله نوشت، نیز برهان ص ۲۳۵۶.

۱۰. رک: ادوات، و در مویده: ۲: ۲۷۹ ذیل فصل عربی. ۱۱. از روی ادوات تصحیح شده.

۱۲. ادوات: نشانند. ۱۳. کذاست در نشو'ال.

۱۴. تصحیح از روی ادوات و مویده.

بهره 'نچ'

پنج : لعاب دهن .
یا سچ : تیر ، و بعضی بضم سین گویند .

بهره 'نخ'

نخ : اشک زمستان .

بهره 'د'

بارد : یعنی تواند .
یا کند : یا قوت ، و بعضی بفتح کاف گویند .

بهره 'ر'

یا در : یاری گرد و پشتیبان باشد .
یا در : دهم روز از ماه .

بهره 'ز'

یوز : دده است معروف ، و آن جانور شکار کننده است که هندوی چیده گویند ، و چشن چنانکه گویند
راه یوز و چاه یوز و جنگ یوز و رزم یوز ، و در بسی ولایت پاری گویان سگ خرد را گویند

ل رک : ادوات ؛ این کلمه بصورت پنج در همین فرهنگ ذیل گوته 'ب' آمده ؛ و نیز در فرس ص ۶۳ ، دار ۱ :
۲۳۱ ، جاگیر ۱ : ۵۰۶ ، سردی ص ۱۲۳ ، رشیدی ۱ : ۳۲۷ ؛ پنج ؛ و در قواس ص ۸۳ ، دستور ص
۲۵۳ ؛ پنج ؛ اما در برهان پنج و پنج و در مویده پنج و پنج هر دو . سه سر صورت این کلمه در فرهنگ یاد شده
شد ، یا سچ در ادوات و زفان ، یا سچ و یا سچ جاگیر ۱ : ۵۵۵ ، یا سچ برهان ص ۲۴۱۸ .

س در ادوات باضم و کسر . سه در نسخ 'اصل' این کلمه افتاده .

ه رک : مویده ۲ : ۲۷۹ . سه نسخ 'ال' : یوز . سه جاگیر ۲ : ۵۵۸ : یاد یاری ده و ده کار .

ه جاگیر ۱ : ۵۵۱ ، برهان ص ۲۴۱۳ : یاد دوازدهم تیر ماه باشد و آنروز جشن است ؛ برهان ذیل یاد
نوشته : نام روز دهم است از هر ماه . اما بظاہر این درست نیست زیرا نام روز دهم هر ماه آبان نام بود ،
رک : دار ۱ : ۱۴۴ ، نیز رک : حاشیه برهان نمره ۳۰ - ص ۲۴۱۳ .

ه این جمله در نسخ 'ال' افتادگی دارد .

ه در مویده ۳ : ۲۸۱ معنی کلمه تا این جا بحواله زفان گویا آمده .

ه نسخ 'ال' بجای چنانکه ... رزم یوز آمده است : یعنی گردن چنانکه بزرگی گوید ، بیت :
یوز از چشم آهوانه او : گر کند عاشقی بود آه

که چون کبک در سوراخ شود اندر فرستند تا کبک را از سوراخ بدر آرد، آنرا یوزک گویند.
در فرستادن لفظ یوز برای گریختن هم آمده است.

یازنه: قهقهه.

یغز: رنگ است معروف.

بهره بخ.

یوخ: آن چوب که برگردن گاو در جفت و گردن بندند، و هندوی آنرا جوه گویند.

بهره بک.

یشک: چهار دندان تیز یعنی دندان پیشتر، و آن دندان بزرگ ترین بود که پیش باشد از آن مار و
دده و دالم و مانند آن از جانوران.

یوت: آنچه پروانان نهند و در تنور زنند.

یوزک: سگ بچه ای که در سوراخی که در آن کبک در آید، در رود و بکشد.

یزک: [درق ۱۰۹] چند سوار که بجهت خبر آوردن از لشکر بروند.

یلک: کلاه پادشاه، و آن کلاه ای است با جعد و گوش.

له در مویده تا آخر معنی کله از زبان گرفته شده اما نام فرنگ درج نیست. در نسخ 'ل' بجای این جمله عبارت زیر
است یعنی گریختن چنانکه بزرگی گوید:

یوز از چشم آهوانه او الخ.

له نسخ 'ل': نام لفظ. له امر واحد حاضر از مصدر یازیدن بمعنی قصد کردن، و نیز اسم فاعل مرخم یعنی یازنده.
مویده ۲: ۲۸۰ یاز بمعنی قصد و قصدکن نوشتن. برای یاز رک: برهان ص ۲۴۱۶ و برای یازیدن بخش مصادر
دجاگیری ۱: ۵۵۴ و برهان ص ۲۴۱۷.

له کذاست در ادات و مویده. له مویده ایضا: یغز یک نوع رنگ اسب.

له رک: فرس ص ۲۲۹، صحاح ص ۱۶۶، مویده ۲: ۲۸۲، اما قواس ص ۱۸۱ یوغ بمعنی تخته سیاه و برزماله نو.

له نسخ اصل: جومره 'ل' و ادات: جوا. له رک: فرس ص ۲۶۵، قواس ص ۸۲،
صحاح ص ۱۹۰، دستور ص ۲۵۴.

له نسخ 'ل': بوند. له نسخ 'ل': باشند. له نسخ 'ل': 'و دام' ندارد.

له معنی این کلمه در قواس ص ۱۴۹ عین مانند تن است. له نسخ 'ل': ندارد.

له رک: مویده ۲: ۲۸۳، برهان ص ۲۴۵۷. له نسخ اصل: سوراخ کبک.

له رک: مویده ۲: ۲۸۳. له رک: مویده ایضا که معنی مندرج در متن را بجا از جا

نقل نموده، نیز رک: برهان ص ۲۴۳۸ متن و حاشیه.

ینگ: شکل.

بهره‌دل

پال: گردن اسب، و گویند گردن هر که باشد و نیز سر اسب را گویند.
یل: پهلو و مبارز و شیر.

بهره‌م

یشتم: سنگی است سبز و ام، از او انگشتری کنند دفع برق را.
یجکم: خانه تابستانی و نام ترکستان بزرگ، و گروهی جعفری گویند.

بهره‌ن

یزدان: خدای جل جلاله و عم نواله.

یون: نمد زین.

یاسمین: نام گلی است

یونان: نام مقامی است که در مردمان هکتناک و صاحب عقل باشند و خیزند.

یکران: اسب که همچو اشقر بود، اما ذنب و فاش او سپید بود و اگر سپید نبود بور بود.

یرنان: شهر سمرقند را گویند.

له رک: قواس ص ۱۹۵؛ ادات: ینگ شکل و مانند، رک: موبد ۲: ۲۸۳؛ جاگیری ۲: ۱۹۱۸؛ ینگ آئین

روش. له دستور ص ۲۵۳، ادات، جاگیری ۱: ۵۵۷؛ پال موی گردن اسب.

له رک: قواس ص ۸۳، صحاح ص ۲۱۳، جاگیری ۱: ۵۵۷، برهان ص ۲۴۲۰. له کذاست نسخ اول

نسخ اصل: ست. له برای این معنی رک: ادات و موبد ۲: ۲۸۳. له رک: ادات و

۲: ۲۸۴؛ یم اشتباه چاپی، برهان ص ۲۴۳۵؛ نسخ اول: یشتم سنگی است معروف دفع برق.

له نسخ اصل: انگشترین. له این واژه در اکثر فرهنگها شامل نیست؛ ادات بحکم از نامهای ترکستان است

خانه تابستانی بادبازای شبک و گروهی آنرا جعفری گویند؛ موبد ۲: ۲۸۴ این کلمه را ذیل فصل ترکی با معنی درج

آورد. له نسخ اول: عز و جل. له رک: صحاح ص ۲۵۸، و ادات و موبد ۲: ۲۸۵.

له نسخ اول: مردمان ندارد. له رک: صحاح ص ۲۵۷.

له موبد ۲: ۲۸۵ معنی مندرج معنی را بدون ذکر ماضی نوشت. له رک: موبد و برهان ص ۲۴۴۳.

له کذاست نسخ اصل، نسخ اول: بدون نقطه؛ موبد ۲: ۲۸۵، جاگیری ۱: ۱۱۸۶، برهان ص ۳۱

اما شری بدین نام در کتاب دیده نشد.

یخچله: ژاله.
 یاده: سر درگم و گم گشته و بیوده و بخش.
 یشته: چرم خام دبی چربی چن شیرم.
 یلمه: قبا.
 یوبه: آرزو.
 یله: رها شده و گم کرده و هرزه.
 یافه: هرزه و هذیان یعنی بیوده.
 یاره: دست و سخن یعنی دستوانه و طوق.
 یاخته: حجره و خمره.
 یمرده: میا هی است که آنرا سایه برگ نیز گویند، و بتازی بیرق خوانند.

مهره 'ی'

یارگی: توانائی.

یادری: یاری.

-
- له رک: موبد ۲: ۲۸۵. له رک: جاگیر ۱: ۵۵۹، ۵۵۶، برهان ص ۲۴۲۳. له نسخ: اصل: سرگم؛ اما رک: جاگیر ۱: ۵۵۶ ذیل یافه. له رک: قواس ص ۱۳۵. له نسخ: اصل: سیم.
 ه رک: قواس ص ۱۵۰؛ ملق بعزت، رک: مقدمه الادب ص ۳۵۹. له رک: فرس ص ۱۴۵۶، صحاح ص ۲۹۲، موبد ۲: ۲۸۶؛ برای آگاهی بیشتر درباره اطلاق قرائت واژه رک: برهان حاشیه ص ۲۴۵۳-۵۵.
 ه رک: صحاح ص ۲۹۲، ادات، جاگیر ۲: ۱۶۷۶. ه رک: جاگیر ۱: ۵۵۶؛ درین فرهنگ و در برهان یافه و یاده مترادف قرار داده شده. له صحاح ص ۲۹۲؛ یاره دست آورنجن. موبد ۲: ۲۸۵ یاره دست برنجن. له نسخ: 'ل' بدون نقطه؛ رک: موبد ۲: ۲۸۵، جاگیر ۱: ۵۵۱ (یاخت بجای یاخته)، برهان ص ۲۴۱۲. له رک: موبد ۲: ۲۸۶، جاگیر ۲: ۱۷۴۱، برهان ص ۲۴۵۰.
 له جاگیر و برهان: مردم میا. له نسخ: اصل: بیرق، برهان: بیرق الصنم. اما جاگیر: بیرق الصنم.
 ه رک: موبد ۲: ۲۸۶، برهان ص ۲۴۱۵؛ یارگی از یاره بمعنی یارا و توانائی، برهان حاشیه.
 له ادات و موبد ۲: ۲۸۶؛ یادری یارگری؛ اما در صحاح ص ۱۱۹ یادری بمعنی یاری دهنده.

فہرست

فهرست واژه‌های الفبائی

آباد ۱۶	آردخ ۳۵	آغالش ۲۴	آمیغ ۲۵	ایج ۱۲
آبافت ۱۰	آز ۲۲	آغزده ۴۰	آنجوغ ۲۶	ایج ۱۳
آبان ۳۰	آزاد ۱۶	آغشته ۳۷	آنسته ۳۶	ارجاسب ۹
آبگون ۳۴	آزرم ۲۹	آفرین ۳۲	آوا ۶	ارجند ۱۷
آبشن ۳۳	آزغ ۲۵	آفند ۱۵	آوار ۲۱	ارغش ۲۴
آبوس ۲۳	آزنگ ۲۸	آگ ۲۶	آواره ۳۹	ارد ۱۷
آبی ۴۳	آزین ۲۶	آکج ۱۲	آور ۲۰	اردشیر ۲۱
آتشک ۲۶	آزغ ۱۳	آکشته ۳۷	آورد ۱۴	اردن ۳۲
آجل ۲۹	آزنگ ۲۸	آلب ۸	آدنگ ۲۷	اردوان ۵
آچار ۲۱	آزیر ۱۹	آلاه ۴۱	آبار ۲۰	ارز ۲۲
آخال ۲۹	آزیراک ۲۷	آگفت ۱۰	آبرن ۳۱	ارزن ۳۳
آخته ۴۲	آس ۲۴	آگنج ۱۰	آبج ۱۱	ارزه ۳۹
آخیش ۱۳	آسا ۶	آگنده ۳۸	آپنجه ۴۱	ارسن ۳۴
آخشیان ۳۵	آسمان ۳۷	آگنش ۲۴	آپنگ ۲۸	ارغاد ۲۵
آخور ۲۱	آسه ۳۶	آگن ۴۳	آپو ۳۵	ارغنون ۲
آدرنگ ۲۸	آسب ۸	آگور ۲۰	آبون ۳۱	ارغوان ۳
آدرم ۳۰	آسید ۳۷	آگوش ۲۴	آئین ۳۰	ارماپ ۹
آدرش ۳۴	آشتی ۴۴	آلو ۳۶	آبیر ۲۳	ارمان ۳۱
آذر (دوبار) ۱۸	آشتیند ۳۷	آماج ۱۳	آتابک ۲۷	اروند ۱۶
آذرش ۲۴	آشفته ۳۸	آماده ۳۹	اخ ۱۳	اره ۴۳
آذرهایون ۵	آشکوب ۸	آمار ۲۱	اختر ۱۸	ازده ۳۹
آذین ۳۲	آشنا ۷	آمرغ ۲۵	انچ ۴۰	ازد ۷
آرایند ۴۲	آشوب ۸	آمل ۲۹	انگر ۱۸	ازد ۷
آراوند ۱۶	آشیان ۳۵	آمو ۳۵	انگوژند ۴۰	ازند ۱۴
آردن ۳۴	آغار ۱۸	آموده ۳۹	اخ ۳۹	ازین ۵۰
آرزو ۳۶	آغاز ۲۲	آمون ۳۱	اردن ۳۲	اساسه ۶۱
آرش ۲۴	آغازده ۴۰	آموی ۳۴	ارتم ۳۰	اسالیون
آرنج ۱۲	آغال ۲۹	آمه ۳۵	اران ۳۴	اسپرغم ۰

اسپرک ۲۷	افسون ۳۴	اندايش ۲۴	اوزول ۲۹	باد ۵۱
اسپروز ۲۳	افغان ۳۵	اند حمراه ۳۳	اوسو ۳۶	بادامه ۷۷
اسپری ۲۴	افغانه ۳۸	اندوز ۴۲	اوسر ۳۸	بادير ۵۲
اسپریس ۲۳	اک ۲۶	اندوب ۹	اوشنگ ۲۸	بادرم ۶۶
اسپنول ۲۹	اکسون ۳۴	اندود ۱۶	اولنج ۱۰	باده ۷۷
اسپندیار ۳۱	اککاک ۲۶	اندوز ۲۲	اېنود ۱۷	بار ۵۳
استا ۶	البرز ۲۲	اندیک ۲۷	اېسانه ۳۸	بارگی ۷۸
استاد ۱۶	اېنخت ۱۰	انزرد ۳۵	ایارده ۳۶	بارمان ۷۰
استانه ۳۳	الفغده ۴۲	انفت ۹	ایدر ۲۰	باره ۷۳
استر ۲۱	افضج ۱۲	انگشت ۱۰	ایدون ۳۲	باز ۵۵
استرگ ۲۹	الماس ۲۳	انگار ۲۱	ایذان ۳۳	بازاربا ۴۴
استیم ۳۰	المنی ۴۳	انگاره ۴۲	ایران ۳۱	باز نیج ۴۸
استوه ۳۷	الوند ۱۶	انگدان ۳۰	ایرج ۱۲	بازه ۷۴
اسفده ۲۷	امرو ۱۶	انگزد ۱۶	ایرمان ۳۱	بازیان ۷۹
اسفندار ۲۱	امن ۳۹	انگژوا ۷	ایزد ۱۴	باستار ۵۳
اسفند ۱۷	انبارده ۴۱	انگشبه ۴۰	ایش ۳۷	باستان ۶۸
اسک ۲۶	انبار ۲۲	انگشتو ۳۶	ایفده ۳۹	باسره ۷۳
اشاد ۱۷	انباغ ۲۵	انگله ۴۰	ایلوا ۷	باسک ۶۳
اشتم ۳۰	انبان ۳۴	انگیون ۳۲	ایمد ۱۴	باشامه ۷۲
اشتو ۳۵	انبر ۱۹	انوشا ۷	ایفند ۱۵	باشگونه ۷۶
اشک ۲۶	انیره ۳۸	انوشه ۳۸	ایوان ۳۱	باغره ۷۶
اشنه ۴۳	انبوه ۴۳	انیزان ۳۴	ایوره ۴۲	باندم ۶۵
اقد ۱۴	انبیره ۱۹	انیسه ۳۷	ب	
اقد ۱۹	انپاشته ۴۲	اوبار ۲۰		
افراسیاب ۹	انج ۱۱	اوج ۱۲	بابزن ۶۸	بال ۶۵
افزند ۱۵	انجام ۳۰	اورمز ۲۲	بابونه ۷۳	بالاد ۵۰
افزنگ ۲۸	انجوه ۴۲	اورمزد ۱۷	باج ۴۶	بالای ۷۸
افروز ۲۲	انجن ۳۱	اورند ۱۵	باجنگ ۶۴	باش ۶۰
افروسه ۴۱	انجیره ۳۸	اورنگ ۲۸	باختر ۵۱	بالغ ۶۰، ۶۱
افزار ۲۱	اند ۱۵	اوره ۴۳	باخته ۷۴	بالو ۷۱
افسر ۱۸	انداده ۴۳	اوزنگ ۲۸	باخ ۷۸	بالوانه ۷۵

پالوس ۵۷	پدر ۵۳	برک ۶۴	بزیشه ۷۴	بشنگ ۶۴
پام ۶۶	پدرام ۶۶	برمگان ۶۷	بش ۵۷	بشینیز ۵۶
پاس ۵۷	پدرود ۴۹	برمو ۷۱	بشوج ۴۶	بشول ۶۵
بان ۷۱	بر ۵۳	برموز ۵۶	بسا ۴۴	بشیون ۷۰
بانو ۷۱	برآورد ۵۳	برمر ۷۷	بساک ۶۲	بغتری ۷۸
بادر ۵۳	براده ۷۶	برنج ۴۷	بسباس ۵۸	ببج ۴۷
بادرد ۵۰	برازد ۵۰	برنگجات ۵۶	بست ۴۵	بک ۶۱
بابار ۵۴	بربر ۵۵	برنگ ۶۲	بست ۷۵	بکتوش ۷۰
بر ۵۲	برجاس ۵۷	برنگ ۶۴	بشد ۵۱	بکوجان ۶۷
برریان ۶۹	برجیس ۵۷	برواره ۷۲	بسفده ۷۲	بکیاسا ۴۴
بت (دوبار) ۴۵	برخ (دوبار) ۴۹	برواز ۵۶	بسک ۶۲	بگماز ۵۶
بکن ۶۸	برخاش ۵۹	بروازه ۷۲	بسوده ۷۵	بل ۶۵
بتو ۷۱	برنج ۴۸	بروت ۴۵	بسده ۷۷	بلاده ۷۲
تیاده ۷۵	برخنج ۴۶	برور ۵۳	بسجیده ۷۷	بلایه ۷۲
بج ۴۷	برخور ۵۲	بروز (دوبار) ۵۶	بسج ۴۸	بلنج ۴۹
بجبال ۶۵	برخی ۷۸	بروسان ۶۹	بش (دوبار) ۵۹	بلنج ۴۸
بچک ۶۲	برد ۴۹	بره ۷۵	بشالم ۶۶	بلنم ۶۶
بجیز ۵۶	بروک ۶۲	برهود ۵۰	بشتر ۵۳، ۱۵۲	بشک ۶۲
بغار ۵۲	برز ۵۵	بریزن ۶۹	بشترخ ۶۰	بلغار ۵۴
بخت ۴۶	برزن ۶۷	بریزه ۷۷	بشترم ۶۶	بلغور ۵۳
بختور ۵۲	برزه ۷۶	بریش ۵۸	بشنگ ۶۲	بلک ۶۳
بخته ۷۷	برشجان ۷۰	بریش ۵۹	بشد ۵۱	بلکس ۵۷
بنچران ۷۰	برخ ۶۰	بریون ۶۸	بشک ۶۱، ۶۲	بلکفده ۵۰
بگرد ۵۰	برغشت ۴۵	بز ۵۶	بشکل ۶۵	بلکل ۶۵
بنس ۵۸	بروغان ۶۸	بزارش ۶۹	بشکل ۷۶	بلکن ۶۹
بنسان ۶۸	برک ۶۴	برزخ ۶۰	بشکلید ۵۱	بله ۷۳
بنخت ۴۵	برکنه ۷۵	برزه ۷۳	بشکل ۶۴	بلنج ۴۷
بنخش ۵۹	برگ ۶۴	بزم ۶۶	بشل ۶۴	بنجاست ۴۶
بنم ۶۶	برگت ۴۵	بزمان ۶۹	بشمر ۷۶	بلوج ۴۷
بنخوه ۷۲	برایون ۶۷	بزند ۴۹	بشنج ۴۶	بلوس ۵۸
بنخیده ۷۴	برخیده ۷۳	بزه ۷۷	بشنجه ۷۴	بلونک ۶۲

بم ۶۷	بوکان ۶۹	پ	پایز ۸۴	پرمر ۸۲
بنا ۴۴	بوم ۶۶	پابندان ۹۰	پابندانی ۱۰۰	پرن ۹۰
بنارخ ۶۰	بومسن ۶۹	پانک ۹۸	پاینده ۹۶	پرنده ۸۱
بنایج ۴۶	بون ۷۱	پاچنگ ۸۹	پایون ۹۲	پرندر ۸۳
بنادر ۵۳	بونده ۷۵	پاخره ۹۸	پتنوز ۸۴	پرنو ۹۲
بنج ۴۷	بویه ۷۵	پاد ۸۱	پنک ۸۷	پرنیان ۹۰
بنجره ۷۶	بهار ۵۲	پاداش ۸۵	پنکوب ۷۹	پردا ۷۹
بنجشک ۶۳	بهرام ۶۶	پاده ۹۶	پتواز ۸۴	پردوار ۸۲
بنجک ۶۳	بهرک ۶۳	پار ۸۳	پچوک ۸۸	پردوار ۸۴
بند ۴۹	بشت ۴۷	پارگین ۹۱	پخت ۷۹	پردازه ۹۷
بناد ۴۹	بسم ۶۷	پاره ۹۲، ۹۵	پنچ ۸۰	پرداس ۸۵
بندرز ۵۵	بسنه ۷۶	پازاج ۸۰	پنخس ۸۵	پروانه ۹۵
بندرش ۵۸	بسین ۶۸	پازند ۸۰	پنخش ۸۶	پرونده ۹۷
بندرک ۶۳	بی آبان ۷۰	پاسار ۸۳	پدرام ۸۹	پرویزن ۹۰
بنریمه ۷۴	بیسجاد ۴۹	پاسبار ۸۳	پدرزه ۹۴	پردین ۹۱
بنفشه ۷۳	بیخت ۴۵	پاسخ ۸۰	پدر ۹۵	پره ۹۸
بنو ۷۱	بیخت ۷۲	پاشنگ ۸۸	پدواز ۸۴	پرپود ۸۲
بنوان ۶۷	بید ۵۰	پاشنه ۹۷	پده ۹۴، ۹۷	پرپون ۹۲
بنوه ۷۸	بیخت ۴۴	پاغنده ۹۴	پدیره ۹۳	پری ۱۰۰
بنه ۷۳، ۷۸	بیرزد ۵۱	پالوان ۹۱	پیشیده ۹۶	پریر ۸۳
بنیاد ۵۱	بیزن ۶۸	پالای ۹۹	پربوز ۸۴	پیزین ۹۰
بوازغ ۶۱	بیشه ۷۷	پالان ۹۳	پیزین ۹۱	پریش ۸۶
بوب ۴۴	بیتی ۷۸	پالنگ ۸۸	پرجم ۸۹	پریشیده ۹۶
بود ۴۹	بیل ۶۵	پالویه ۹۶	پرچین ۹۰	پریون ۹۰
بور ۵۴	بیلک ۶۳	پالوده ۵۹	پردخت ۷۹	پزداغ ۸۶
بوره ۷۴	بیل ۷۳، ۷۴	پالونه ۹۵	پرز ۹۹	پزوی ۱۰۰
بوزمه ۷۴	بیناسک ۶۴	پالنگ ۸۹	پرستنده ۹۸	پژ ۱۴
بوس ۵۸	بیزاز ۵۷	پانید ۸۱	پرغول ۸۹	پژاوند ۸۰
بوش ۵۸	بیکنده ۵۱	پادچک ۸۷	پرکر ۸۳	پژغنده ۸۱
بوخنج ۴۶	بیودود ۵۰	پاچنگ ۸۸	پرگار ۸۲	پژولیده ۹۷
بوک ۶۳، ۶۴		پایان ۹۱	پرگز ۹۴	پژوده ۹۵

ترا ۱۰۰	تازه ۱۱۷	پیشن ۹۰	پند ۸۱	پژدهش ۸۴
تراب ۱۰۱	تازبان ۱۱۷	پیغاره ۹۳	پندار ۸۲	پژدهنده ۹۴
تراش ۱۰۶	تاژیک ۱۰۹	پیغوش ۸۶	پنیر ۸۳	پژده ۹۸
ترانه ۱۱۶	تاس ۱۱۶	پیغول ۹۴	پوپک ۸۷	پژبان ۹۲
ترب ۱۰۱	تاش ۱۰۶	پیغون ۹۱	پوپ ۹۲	پست ۷۹
تربد ۱۰۳	تاغ ۱۰۶	پیک ۸۸	پود ۸۱	پسند ۸۱
ترین ۱۱۱	تاگ ۱۰۷	پیکار ۸۳	پور ۸۲	پسندر ۸۲
تربو ۱۱۳	تاگی ۱۱۸	پیکان ۹۱	پوره ۹۳	پش ۸۵
ترنگ ۱۰۸	تاواسه ۱۱۶	پیکر ۸۲	پوزش ۸۶	پشک ۸۷
ترت ومرت ۱۰۱	تان ۱۱۱	پیسته ۹۳	پوزن ۹۰	پشنگ ۸۸
ترخ ۱۰۳	تاگو ۱۱۳	پیل ۹۵	پوشک ۸۷	پشه ۹۸
تروک ۱۰۸	تادان ۱۱۲	پیان ۹۱	پوشگان ۹۱	پشیز ۸۴
ترده ۱۱۶	تامول ۱۱۰	پیانه ۹۸	پوشن ۹۹	پشیزه ۹۸
ترزفان ۱۱۱	تاه ۱۱۷	پینو ۹۲	پولاد ۸۱	پغار ۸۲
ترس ۱۰۵	تابشیر ۱۰۴	پیوارا ۹۷	پسلو ۹۲	پغذ ۹۷
ترشک ۱۰۸	تبت ۱۰۱	پیور ۸۲	پسانه ۹۶	پک ۸۷
ترشکان ۱۱۱	تبخاله ۱۱۸	پیواسه ۹۴	پسنه ۹۴	پکوک ۸۶
ترغده ۱۱۴	تبر ۱۰۴	پیوشکی ۹۹	پلی ۹۹	پکول ۸۶
ترف ۱۰۷	تبت ۱۰۱	پیک ۸۶	پیازک ۸۸	پک ۸۸
ترفنج ۱۰۲	تبنگو ۱۱۲	پیوگانی ۱۰۰	پیال ۹۵	پلاس ۸۵
ترفند ۱۰۳	تبوراک ۱۰۸	پیوی ۹۹	پیام ۸۹	پلاک ۸۷
ترفیده ۱۱۶	تبوک ۱۰۷		پیخ ۸۰	پلیل ۸۹
ترک ۱۰۷	تبیره ۱۱۴	ت	پیزار ۸۳	پشت ۷۹
ترکان ۱۱۲	تتار ۱۰۴	تاب ۱۰۱	پیراه ۹۸	پلک ۸۸، ۸۷
ترکند ۱۰۳	تتارچه ۱۱۷	تابوک ۱۰۷	پیروزه ۹۴	پله ۹۶
ترم شیر ۱۰۴	تترو ۱۱۲	تابه ۱۱۵	پیروزی ۱۰۰	پلندین ۹۱
ترن ۱۱۱	تتری ۱۱۸	تاپال ۱۱۰	پیروز ۸۴	پلنگ ۸۷
ترنج ۱۰۲	تتم ۱۱۰	تاخ ۱۰۲	پیروزه ۹۷	پلنگ ۸۸
ترنجیده ۱۱۶	تتله ۱۱۵	تار ۱۰۴	پیروزی ۹۹	پله ۹۹
ترندک ۱۰۸	تنخه ۱۱۵	تاراج ۱۰۲	پیس ۸۵	پنجره ۹۸
ترنگ (دوبار)	تدرو ۱۱۳	تارک ۱۰۸	پیه ۹۵	پنجه ۹۳

تربیان ۱۱۱	نگو ۱۱۲	توب ۱۰۱	تیهو ۱۱۳	جفت ۱۲۶
تروش ۱۱۷	تکاج ۱۰۲	توباره ۱۱۸		جهرسته ۱۲۵
تروه ۱۱۴	تلک ۱۰۸	توبان ۱۱۱	ج ۱۲۷	جفت ۱۲۷
تریاک ۱۰۸	تلک ۱۰۹	توبک ۱۱۶	جادوی ۱۲۸	جکاش ۱۲۶
تریان ۱۱۱	تلنگی ۱۱۸	توتیا ۱۰۰	جاش ۱۲۲	جلانک ۱۲۳
تریمنه ۱۱۷	تلنه ۱۱۵	توخش ۱۰۶	جاف ۱۲۲	جلب ۱۱۸
تریوه ۱۱۴	تلور ۱۱۴	تودری ۱۱۸	جالی ۱۲۸	جلنوزه ۱۲۷
تر ۱۰۵	تله ۱۱۶	توده ۱۱۸	جام ۱۲۳	جلف ۱۲۲
ترزال ۱۱۰	تفی ۱۱۸	تور ۱۰۴	جالی ۱۲۸	جلوند ۱۱۹
ترژ ۱۰۵	تملیت ۱۰۲	توران ۱۱۱	جاره ۱۲۵	جلویز ۱۲۰
تره ۱۱۵	تمک ۱۰۹	تورنگ ۱۰۹	جادر ۱۱۹	جله ۱۲۵
تسو ۱۱۳	توک ۱۰۸	توره ۱۱۴	ججمله ۱۲۶	جم ۱۲۳
تش ۱۰۶	تیش ۱۱۷	توز (دوبار) ۱۰۵	جبرور ۱۲۰	جماش ۱۳۲
تشلیغ ۱۰۲	تینک ۱۰۷	توسن ۱۱۲	جبلک ۱۲۳	جمجه ۱۲۲
تش ۱۱۵	تغیل ۱۱۰	توش ۱۰۶	جبه ۱۲۷	جمرور ۱۲۰
تشی ۱۱۸	تنبوک ۱۰۷	توغ ۱۰۶	جپیوه ۱۲۵	جمست ۱۱۹
تغاره ۱۱۷	تتج ۱۰۲	تونگ ۱۰۹	جخش ۱۲۲	جمشید ۱۲۰
تف ۱۰۷	تند ۱۰۳	تویل ۱۱۰	جذمین ۱۲۴	جسلو ۱۲۴
تفت ۱۱۵	تندر ۱۰۴	تنک ۱۰۷	جکاره ۱۲۸	جناغ ۱۲۲
تفس ۱۱۵	تنده ۱۱۴	تنم ۱۱۰	جذر ۱۲۰	جنبنده ۱۲۵
تفسیل ۱۱۶	تندیس ۱۱۵	تنهتن ۱۱۲	جدره ۱۲۶	جنگلوک ۱۲۳
تفش ۱۱۴	تندپور ۱۰۴	تشی ۱۱۸	جدرست ۱۱۹	جو ۱۲۴
تفشیل ۱۱۵	تنکار ۱۰۴	تیب ۱۰۱	جدر ۱۲۶	جواز ۱۲۱
تکثر ۱۰۵	تنک ۱۰۹	تیر ۱۰۳	جده ۱۲۶	جوال ۱۲۳
تکس ۱۰۵	تنو ۱۱۳	تیغ ۱۰۶	جدره ۱۲۵	جوانه ۱۲۷
تکنده ۱۰۳	تنوره ۱۱۴	تیل ۱۰۰	جش ۱۲۵	جوج ۱۱۹
تکوک ۱۰۷	توار ۱۰۴	تیم ۱۱۰	جشین ۱۲۴	جوج ۱۲۴
تک ۱۰۹	تواره ۱۱۳	تیاج ۱۰۲	جخ ۱۲۲	جوخ ۱۱۹
تکاو ۱۱۳	توالی ۱۱۸	تیمار ۱۰۴	جخال ۱۲۵	جوزینه ۱۲۶
تکمرگ ۱۰۹	توانچه ۱۱۵	تینکو ۱۱۲	جقبوت ۱۱۹	جوسک ۱۲۲
تکل ۱۱۰	تواچه ۱۱۷	تیو ۱۱۲	جفت ۱۱۹	جوشک ۱۲۲

خدره ۱۵۹	خ	چلونک ۱۳۵	چرس ۱۳۲	جوشن ۱۲۴
خدنگ ۱۵۱	خاتول ۱۵۸	چلیپا ۱۲۸	چرخ ۱۳۲	جوش ۱۲۵
خدر ۱۵۵	خاد ۱۴۳	چم ۱۳۶	چرخند ۱۳۹	جوبینه ۱۲۷
خدوک ۱۴۸	خاده ۱۵۸	چانه ۱۳۸	چرخند ۱۳۰	جودانه ۲۵
خدیش ۱۴۷	خارا ۱۴۰	چچرخند ۱۳۹	چرخون ۱۳۷	جعتین ۱۲۴
خدو ۱۵۵	خاره ۱۵۶	چچم ۱۳۶	چرک ۱۳۶	جیلان ۱۲۴
خرد (دوبار) ۱۴۶	خاز ۱۴۷	چشاک ۱۳۵	چروک ۱۳۴	جیوه ۱۲۵
خراش ۱۴۷	خازه ۱۵۶	چشک ۱۳۵	چردیده ۱۳۸	چ
خراک ۱۵۰	خاشاک ۱۵۰	چشک ۱۳۵	چرک ۱۳۴، ۱۳۵	چاک ۱۳۴
خرام ۱۵۲	خاش ۱۵۷	چمن ۱۳۷	چست ۱۲۹	چاپانی ۱۳۹
خرفشه ۱۶۰	خام ۱۵۲	چنار ۱۳۰	مغ ۱۳۲	چاپوس ۱۳۲
خرد (دوبار) ۱۴۳	خامه ۱۵۶	چنبر ۱۳۱	چنانه ۱۳۸	چاق ۱۲۹
خرداد ۱۴۲	خان ۱۵۳	چند ۱۳۰	چند ۱۳۰	چاروا ۱۲۹
خرده ۱۵۶، ۱۶۰	خانی ۱۶۱	چندان ۱۳۷	چندر (دوبار) ۱۳۱	چاره ۱۳۹
خرسند ۱۴۴	خاور ۱۴۴	چندن ۱۳۷	چغزنده ۱۳۹	چاشنی ۱۳۹
خرغون ۱۵۴	خایسک ۱۵۰	چنک ۱۳۶	چنوک ۱۳۳	چاک ۱۳۵
خرفد ۱۵۷	خبوه ۱۵۹	چنگ ۱۳۵	چخته ۱۳۸	چال ۱۳۵
خرک ۱۵۰	خبه ۱۵۶	چنگار ۱۳۱	چنتک ۱۳۳	چالاک ۱۳۴
خراگد ۱۵۵	خبیره ۱۵۸	چنگال ۱۳۶	چک ۱۳۴	چالش ۱۳۲
خرمن ۱۵۳	خپاک ۱۴۹	چوبلین ۱۳۷	چکاد ۱۳۰	چامه ۱۳۸
خزند ۱۴۳، ۱۴۴	خپک ۱۵۰	چوبینه ۱۳۸	چکاک ۱۳۴	چادش ۱۳۲
خزودج ۱۴۱	ختلان ۱۵۴	چوفا ۱۲۹	چکادوک ۱۳۳	چباغ ۱۳۲
خروسه ۱۶۰	ختن ۱۵۴	چور ۱۳۰	چلک ۱۳۵	مچ ۱۲۹
خروش ۱۴۸	خنبر ۱۴۵	چوز ۱۳۲	چکندر ۱۳۱	چپک ۱۳۴
خروک ۱۴۹	خنو ۱۵۵	چوزه ۱۳۸	چلک ۱۳۳	چمش ۱۳۲
خروه ۱۵۷	خنباره ۱۵۹	چار ۱۳۱	چلک ۱۳۹	چمنخ ۱۲۹
خروهر ۱۵۸	خنچ ۱۴۲	چیر ۱۳۱	چکل ۱۳۶	چربک ۱۳۴
خره ۱۵۸	خنمته ۱۵۵	چیره ۱۳۹	چلباسه ۱۳۸	چروی ۱۳۹
خره ۱۵۷	خنجد ۱۴۳	چیزد ۱۳۸	چلک ۱۳۵	چرخ ۱۳۰
خزان ۱۵۳	خدای ۱۶۱	چیستان ۱۳۶	چلوج ۱۲۹	چرشت ۱۲۹
خزر ۱۴۶	خدیگان ۱۵۴	چمین ۱۳۷	چلونک ۱۳۴	

خس ۱۴۷	غولیا ۱۴۰	خوچ ۱۵۷	دادر ۱۶۵	دزون ۱۷۲
خستر ۱۴۶	خله ۱۵۵، ۱۵۶	خود ۱۴۳	دارا ۱۶۲	درست ۶۳
خستن ۱۵۳	خیش ۱۴۸	خور ۱۴۴	دارات ۱۶۲	دره ۱۷۵
خستو ۱۵۵	خاهن ۱۵۴	خورک ۱۴۹	داس ۱۶۷	درغاله ۱۷۵
خستوانه ۱۵۶	خک ۱۵۰	خورند ۱۴۴	داستان ۱۷۲	درغان ۱۷۲
خسته ۱۵۸، ۱۶۰	خنب ۱۴۰	خورم ۱۵۲	داش ۱۶۷	درغم ۱۷۱
خسر ۱۴۶	خنبان ۱۵۴	خوره ۱۶۱	داشاد ۱۶۴	درفش (دوبار) ۱۶۷
خسرو ۱۵۵	خنبه ۱۵۹	خوز ۱۴۷	دارغ ۱۶۸	درفشان ۱۷۲
خسروانی ۱۶۱	خنب ۱۵۷	خوست ۱۴۰	دالان ۱۷۱	درم ۱۷۱
خسوک ۱۵۰	خنبیده ۱۵۹	خوش ۱۴۸	دام ۱۷۱	درمنه ۱۷۵
خشار ۱۴۶	خنج ۱۴۱	خول ۱۵۱	داد ۱۷۳	درند ۱۶۵
خشاده ۱۵۷	خنچیر ۱۴۶	خوبل ۱۵۱	داور ۱۶۵	درنگ ۱۷۰
خشت ۱۴۰	خندستان ۱۵۳	خوی (دوبار) ۱۶۱	داوری ۱۷۷	دروا ۱۶۲
خشتمه ۱۵۵	خندان ۱۵۳	خوید ۱۴۴	داه ۱۷۳	درواخ ۱۶۴
خشته ۱۵۶	خنک ۱۵۰	خیازنه ۱۶۰	داهل ۱۷۰	دروش ۱۶۸
خشوک ۱۴۹	خنک ۱۵۰، ۱۵۱	خیرد ۱۵۵	داهیم ۱۷۱	دروک ۱۶۸
خشی ۱۶۱	خنور ۱۴۵	خیره ۱۶۰	دابه ۱۷۶	درونه ۱۷۴
خشیار ۱۴۴	خنیا ۱۴۰	خیری ۱۶۱	دبیر ۱۶۶	درویش ۱۶۸
خشیدن ۱۵۳	خنیدن ۱۵۳	خیزران ۱۵۴	دبیره ۱۷۵	دره ۱۷۵
خف ۱۴۸	خنپور ۱۴۴	خیزنده ۱۵۹	دبیلد ۱۷۵	دریغ ۱۶۸
خفتان ۱۵۴	خو ۱۵۵	خیزیده ۱۵۸	دخت ۱۶۳	درپواس ۱۶۷
خنج ۱۴۱	خوا ۱۴۰	خیش ۱۴۸	دختندر ۱۶۶	دیروزه ۱۷۵
خنده ۱۶۰	خوابانیده ۱۶۱	خیک ۱۴۸	دخش ۱۶۸	دز ۱۶۶
خفروج ۱۴۱	خواج ۱۶۰	خیک ۱۵۱	دخده ۱۷۴	دژ ۱۶۷
خفه ۱۵۸	خوار ۱۴۵، ۱۴۷	خیم (دوبار) ۱۵۲	درای ۱۷۷	دژخی ۱۷۷
خلاوش ۱۴۷	خواره ۱۵۹، ۱۶۱	۶	دریه ۱۷۶	دژک ۱۶۹
خلج ۱۴۲	خواستار ۱۴۶		درج ۱۶۳	دژم ۱۷۱
خلج ۱۴۲	خواست ۱۶۰	داب ۱۶۲	درخش ۱۶۷	دژی ۱۷۴
خلک (دوبار) ۱۳۹	خواستان ۱۵۲	داج ۱۶۳	درخشده ۱۷۶	دست ۱۶۳
خلم ۱۵۲	خوالی ۱۶۱	داد ۱۶۵	درخت ۱۶۸	دستان ۱۷۲
خلنج ۱۴۱	خوج ۱۴۲	دادار ۱۶۵	درد ۱۶۴	دستگاه ۱۷۵

سور ۱۶۵	دوخ ۱۶۳	دویند ۱۶۴	رد ۱۷۹	رودابه ۱۸۶
بسته ۱۷۳، ۱۷۵	دودله ۱۷۶	دیسیم ۱۷۱	رده ۱۸۵	روده ۱۸۵
بشیار ۱۶۶	دودمان ۱۷۲	ر	رز ۱۸۰	روس ۱۸۰
بشینه ۱۷۳	دوده ۱۷۵		رزم ۱۸۳	روپسی ۱۸۶
بهر ۱۶۵	دورای ۱۷۷	راد ۱۷۹	رزمه ۱۸۶	روسی ۱۸۶
دسوک ۱۶۸	دوره ۱۷۴	راز ۱۸۰	رزه ۱۸۴	روشنی ۱۸۷
دشت ۱۶۳	دوزخ ۱۶۴	راسن ۱۸۴	رس ۱۸۰	رومه ۱۸۴
دشک ۱۶۹	دوزه ۱۷۳	راش ۱۸۱	رست ۱۷۸	رونج ۱۷۸
دشک ۱۶۹	دوژنه ۱۷۵	راغ ۱۸۱	رختنیز ۱۸۰	روه ۱۸۶
دشکی ۱۷۷	دوست ۱۶۳	راف ۱۸۱	رستی ۱۸۷	روپینا ۱۷۷
دغ ۱۶۸	دوستگان ۱۷۲	رانده ۱۸۱	ریل ۱۸۳	روی ۱۸۶
دغا ۱۶۲	دوسنده ۱۷۳	راک ۱۸۲	رش ۱۸۱	روین ۱۸۴
دغدغه ۱۷۵	دوش ۱۶۸	رام ۱۸۳	رشاشه ۱۸۵	رهبان ۱۸۴
دغل (دوبار) ۱۷۰	دوشه ۱۷۶	رامر ۱۷۹	رشت ۱۷۸	رهی ۱۸۶
دک ۱۶۹	دوشیزه ۱۷۴	رامش ۱۸۱	رشک (دوبار) ۱۸۲	ریدک ۱۸۲
دلال ۱۷۰	دوک ۱۶۹	ران ۱۸۴	رشن ۱۸۴	ریزه ۱۵۸
دلنگ ۱۷۰	دوله ۱۷۳، ۱۷۶	راود ۱۷۹	رشناود ۱۷۹	ریزه ۱۸۰
دله ۱۷۴	دولی ۱۷۷	راوینز ۱۸۰	رعنا ۱۷۷	ریشیده ۱۸۵
دمان ۱۷۲	دباز ۱۶۶	راهوی ۱۸۶	رف ۱۸۲	ریک ۱۸۲
دماند ۱۶۵	دهره ۱۷۶	رباب ۱۷۸	رفوشه ۱۸۵	ریکاسه ۱۸۴
دماسز ۱۶۶	دی ۱۷۷	ربوخه ۱۸۵	رک ۱۸۲	ریماز ۱۸۰
دمسجه ۱۷۶	دیر ۱۶۶	ربون ۱۸۴	رکوه ۱۸۴	رکین ۱۸۳
دمل ۱۷۰	دیزه ۱۷۶	رچک ۱۸۳	رکوی ۱۸۶	ریواج ۱۷۸
دمر ۱۷۳	دیس ۱۶۷	رخ (دوبار) ۱۸۰	ربامست ۱۷۸	ریوند ۱۷۹
دنبه ۱۶۶	دیلیم ۱۷۱	رخبین ۱۸۳	رمرشک ۱۸۲	ر
دند ۱۶۴	دیلک ۱۶۹	رخت ۱۷۸	رنبه ۱۸۵	
دندا ۱۶۲	دیلمی ۱۷۷	رخساره ۱۸۶	زند ۱۷۹	زاج ۱۸۸
دنگ ۱۶۹	دیر ۱۶۶	رخش (دوبار) ۱۸۰	زنده ۱۸۵	زاج ۱۸۸
دنگل ۱۷۰	دین ۱۷۲	رخشا ۱۷۷	زنگ ۱۸۲	زاغل ۱۹۵
دنه ۱۷۴	دیوچ ۱۷۳	رخشان ۱۸۴	ردوار ۱۷۹	زار ۱۹۲
دوج ۱۶۳	دیوک ۱۶۹	رخنه ۱۸۶	ردان ۱۸۳	زاره ۱۹۸

زاسر ۱۹۲	زغنگ ۱۹۴	زواره ۱۹۹	ژکور ۲۰۰	سالیون ۲۱۵
زاغ ۱۹۳	زغونه ۱۹۸	زواغار ۱۹۳	ژنده ۲۰۰	سامان ۲۱۵
زاغر ۱۹۲	زغیر ۱۹۲	زواله ۱۹۸	ژنده ژنده ۲۰۰	سامر ۲۱۶
زاک ۱۹۳	زفت ۱۸۷، ۱۸۸	زوپین ۱۹۶	ژنده ۲۰۱	سان ۲۱۳
زال ۱۹۵	زفر ۱۹۰	زوش ۱۹۳	ژوئیده ۲۰۱	ساد ۲۱۵
زاسیاد ۱۹۰	زکاب ۱۸۷	زوهمند ۱۸۹	ژی ۲۰۱	ساده ۲۱۸
زادمر ۱۹۱	زکاره ۱۹۸	زه ۱۹۹	ژیان ۲۰۱	سودین ۲۱۴
زادوش ۱۹۳	زکاسر ۱۹۷	زهاب ۱۸۷		سای ۲۲۰
زاول ۱۹۵	زکان ۱۹۶	زهار ۱۹۳	س	سایری ۲۲۱
زاولانه ۱۹۸	ژکور ۱۹۳	زهیره ۱۹۹	سا ۲۰۱	ساده ۲۱۸
زاول ۱۹۵	زگال ۱۹۴	زهشت ۸۸	سابود ۲۰۴	سبار ۲۰۶
زباد ۱۹۰	زله ۱۹۷	زی ۱۹۹	سانگین ۲۱۵	سبزی ۲۲۰
زبوده ۱۹۷	زلیغن ۱۹۶	زیب ۱۸۷	ساج ۲۰۳	سبل ۲۱۲
زبون ۱۹۶	زرم ۱۹۵	زیبا ۱۸۷	ساخت ۲۰۳	سبوسه ۲۱۸، ۲۲۰
زچ ۱۹۹	زجک ۱۹۳	زیمان ۱۹۶	ساد ۲۰۵	سبید ۲۰۵
زخ ۱۸۹	زج (دوبار) ۱۸۸	زبین ۱۹۶	سادیس ۲۰۸	سپاردک ۲۱۱
زخاره ۱۹۹	زحمت ۱۸۸	زج ۱۸۹	سار ۲۰۶	سپاس ۲۰۸
زر ۱۹۰	زمر ۱۹۳	زیر ۱۹۲	سارا ۲۰۲	سپاسه ۲۱۷
زراغنگ ۱۹۴	زمنج ۱۸۸	زطغ ۱۹۳	ساربان ۲۱۴	سپاه ۲۱۹
زرافه ۱۹۸	زمو ۱۹۷	زگیر ۱۹۲	سارج ۲۰۳	سپرد ۲۰۵
زردست ۱۸۸	زموده ۱۹۸	زطو ۱۹۷	سارچه ۲۲۰	سپرز ۲۰۷
زرده ۱۹۹	زبر ۱۹۱	زینهار ۱۹۲	سارنگ ۲۱۰	سپری ۲۲۰
زرفین ۱۹۷	زنبل ۱۹۵	زیور ۱۹۲	سارنج ۲۰۳	سپریخ ۲۰۹
زرنباد ۱۹۰	زنجبرو ۱۹۷	ش	ساره ۲۱۸	سبز ۲۰۷
زرنگ (دوبار) ۱۹۲	زنجیر ۱۹۲	ش	سامان ۲۱۵	سپس ۲۰۸
زرد ۱۹۷	زنج ۱۸۹	ژاژ ۲۰۰	ساسر (دوبار) ۲۰۶	سپست ۲۰۲
زیر ۱۹۱	زند ۱۸۹	ژاله ۲۰۱	ساسو ۲۱۶	سینج ۲۰۳
زغار ۱۹۱	زنگ ۱۹۴	ژخ ۱۹۹	ساسی ۲۲۰	سپوزی ۲۲۱
زغاره ۱۹۸	زنگله ۱۹۸	ژرد ۲۰۰	ساغر ۲۰۷	سپید ۲۰۴
زغن ۱۹۲	زنیان ۱۹۵	ژرف ۲۰۰	سالار ۲۰۷	سپهر ۲۰۵
زغده ۱۸۹	زوار ۱۹۰	ژغار ۲۰۰	سالس ۲۰۸	سپیتاک ۲۱۰

میدار ۲۰۷	مراينده ۲۱۸	مغز ۲۱۶	سج ۲۰۴	سوخه ۲۱۷
تا ۲۰۲	مرياس ۲۰۸	مقال ۲۱۲	سمر ۲۰۶	سودا ۲۰۲
تاغ ۲۰۴	مروش ۲۱۸	سفت ۲۰۲	سک ۲۱۲	سوده ۲۱۹
تاره ۲۱۹	مروخه ۲۱۷	سفته ۲۱۷، ۲۲۰	سمنده ۲۰۵	سوري ۲۲۰
تاغ ۲۰۹	مرز ۲۰۸	سفتين ۲۱۴	سمندر ۲۰۶	سوزيان ۲۱۴
تاگو ۲۱۱	مرياس ۲۱۳	سج ۲۰۳	سنگان ۲۱۵	سوسن ۲۰۸
تام ۲۱۳	مرشت ۲۰۲	سج ۲۱۷	سوت ۲۰۲	سوسک ۲۱۲
تاوند ۲۰۵	مرشک ۲۱۱	سفر ۲۰۷	سمه ۲۱۶، ۲۲۰	سوفات ۲۰۲
تاه ۲۲۰	مرشکوان ۲۱۴	سفرود ۲۰۴	سمير ۲۰۲	سوفار ۲۰۷
تايش ۲۰۹	مرفين ۲۱۵	سلاچ ۲۱۹	سنار ۲۰۵	سوک ۲۱۹
سزک ۲۱۰	سرف ۲۱۰	سکار ۲۰۵	سنبل ۲۱۲	سوک ۲۱۲
سرتون ۲۱۴	سرک (دوبار) ۲۱۱	سکارو ۲۱۶	سنبه ۲۱۷	سولک ۲۱۰
سنبه ۲۱۸	سرنای ۲۲۱	سکايو ۲۱۶	سج ۲۰۳	سونامک ۲۱۰
ستود ۲۰۵	سرنه ۲۰۴	سکبا ۲۰۲	سجده ۲۰۵	سوفش ۲۰۹
ستودان ۲۱۴	سرو ۲۱۶	سکوفنده ۲۱۸	سجده ۲۱۹	سوبان ۲۱۵
ستوده ۲۲۰	سروا ۲۰۱	سکل ۲۱۲	سج ۲۰۳	سويس ۲۰۸
ستور ۲۰۷	سرواد ۲۰۴	سکته ۲۱۹	سند ۲۰۴	سویت ۲۰۲
ستوه ۲۱۹	سرواله ۲۱۸	سکو ۲۱۶	سندان ۲۱۵	سوین ۲۱۴
سته ۲۲۰	سرویک ۲۱۱	سکيزنده ۲۱۸	سندروس ۲۰۸	سهم ۲۱۳
ستغ ۲۰۴	سروش ۲۰۹	سکيد ۲۱۷	سندل ۲۱۲	سیام ۲۱۳
ستيز ۲۰۸	سرون ۲۱۵	سگل ۲۱۲	سند ۲۱۷	سیاک ۲۱۱
ستغ ۲۱۰	سرويه ۲۱۶	سگزی ۲۲۱	سزنگ ۲۱۲	سیب ۲۰۲
ستيم ۲۱۳	سره ۲۱۹	سل ۲۱۲	سنگر ۲۱۰	سیدوس ۲۰۸
سج ۲۰۳	سویچه ۲۱۹	سلک ۲۱۱	سنگچ ۲۱۶	سیجول ۲۱۲
سجده ۲۰۴	سویر ۲۰۷	سلم ۲۱۳	سنگ ۲۱۰	سیر (دوبار) ۲۰۷
سپک ۲۱۰	سیريش ۲۰۹	سم ۲۱۳	سنگم ۲۱۳	سیرش ۲۰۹
سخره ۲۱۸	سج ۲۱۰	سماچي ۲۱۷	سنگور ۲۰۶	سیسک ۲۱۱
سداب ۲۰۲	سغیه ۲۱۹	سماروخ ۲۰۹	سنگ ۲۱۱	سیک ۲۱۰
سدکيس ۲۰۸	سغود ۲۱۶	سماری ۲۲۰	سند ۲۱۸	سیکی ۲۲۰
سده ۲۱۶	سغده ۲۱۸	سمان ۲۱۴	سنيره ۲۱۷	سیک ۲۱۱
سره ۲۰۶	سفر ۲۰۷	سمانه ۲۲۰	سوتام ۲۱۳	سیله ۲۱۸

سیم ۲۱۳	شایمین ۲۲۳	شروان ۲۲۳	شکوه ۲۳۴	شکل ۲۳۱
سینا ۲۰۱	شایگان ۲۳۲	شت ۲۲۳	شکب ۲۲۲	شنگ ۲۳۱
سینبر ۲۰۷	شاپور ۲۲۶	شش ۲۲۸	شکیبا ۲۲۱	شگرف ۲۲۸
ش	شبت ۲۲۳	ششخانچ ۲۲۳	شگرف ۲۲۹	شگل ۲۳۶
	شبنک ۲۲۹	شخ (دوبار) ۲۲۸	شگون ۲۳۳	شگور ۲۲۷
شابران ۲۳۳	شک ۲۲۹	شفا ۲۲۱	شلغم ۲۳۲	شلک ۲۳۰
شاپورد ۲۲۴	شکیر ۲۲۵	شفانه ۲۳۴	شک ۲۲۹	شنوشه ۲۳۴
شاپور ۲۲۷	شبه ۲۳۷	شفر ۲۲۶	شلک ۲۳۰	شنه ۲۳۵
شاض ۲۲۳	شبر ۲۲۶	شغو ۲۳۵	شلوار ۲۲۶	شوا ۲۲۱
شادروان ۲۳۳	شی ۲۳۸	شف ۲۲۸	شله ۲۳۵	شوالک ۲۳۰
شادغری ۲۲۶	شناک ۲۳۰	شفش (دوبار) ۲۲۸	شم ۲۳۲	شوب ۲۲۱
شادورد ۲۲۴	شناک ۲۳۱	شک ۲۲۹	شبلید ۲۲۵	شوق ۲۳۳
شادی ۲۳۸	شتر ۲۲۲	شکاد ۲۲۵	شمر ۲۲۶	شوخ ۲۲۳
شاذاب ۲۲۲	شته ۲۳۴	شکاف ۲۲۹	شمسه ۲۳۷	شور ۲۲۷
شار ۲۲۶	شجم ۲۳۲	شکافه ۲۳۶	شمشاد ۲۲۴	شوریز ۲۲۷
شارک ۲۳۱	شک ۲۳۰	شکاف ۲۳۴	شمشار ۲۲۵	شوشتر ۲۲۶
شاره ۲۳۶	شخ ۲۲۳	شکانک ۲۲۹	شمغذه ۲۳۵	شوشک ۲۲۹
شاشک ۲۲۹	شخار ۲۲۶	شکاذنه ۲۳۶	شعل ۲۳۱	شوشه ۲۳۶
شاشو ۲۳۳	شنش ۲۲۸	شکاه ۲۳۶	شمید ۲۲۵	شولک ۲۲۹
شاک ۲۲۹	ششکار ۲۳۴	شکپوی ۲۳۸	شمن ۲۳۳	شومیز ۲۲۷
شاکار ۲۲۵	ششلی ۲۳۸	شکر ۲۲۵	شمند ۲۳۸	شوی ۲۳۸
شاکند ۲۲۴	شخود ۲۲۴	شکرد ۲۲۴	شمره ۲۳۵	شویست ۲۲۲
شال ۲۳۱	شخوده ۲۳۷	شکوفنده ۲۳۷	شمید ۲۲۴	شهریز ۲۲۵
شالنگ ۲۳۱	شخولیده ۲۳۴	شکن ۲۳۴	شمیده ۲۳۵	شهلنگ ۲۳۱
شلمانخ ۲۲۴	شدیار ۲۲۶	شکنج (دوبار) ۲۲۳	شن ۲۳۳	شیار ۲۲۶
شماک ۲۳۰	شران ۲۳۲	شکنده ۲۲۵	ششار ۲۲۵	شیان ۲۳۳
شماکچه ۲۳۸	شرب ۲۲۲	شکوخ ۲۲۳	ششاه ۲۳۶	شیب ۲۲۲
شان ۲۳۲	شرزه ۲۳۶	شکوخید ۲۲۴	شند ۲۲۴	شیب و تیب ۲۲۲
شانه ۲۳۵	شرفاک ۲۳۰	شکوخیده ۲۳۴	شندف ۲۲۹	شپور ۲۲۶
شاه ۲۳۷	شرک (دوبار) ۲۳۰	شکوفه ۲۳۷	شندوس ۲۲۸	شید ۲۲۴
شاهیده ۲۳۵	شرنگ ۲۳۱	شکول ۲۳۱	شفت ۲۲۲	شیدا ۲۲۱

شیدانه ۲۳۴	غراش ۲۴۲	غنده ۲۴۵	ناغره ۲۶۲	فرت ۲۴۹
شیراز ۲۲۷	غراشیده ۲۴۶	غن ۲۴۴	ناغیه ۲۶۲	فروت ۲۴۹
شیرازه ۲۳۸	غریه ۲۴۱	غناده ۲۴۷	نام ۲۵۷	فرجام ۲۵۷
شیرودی ۲۳۸	غرچه ۲۴۷	غنچ (دوبار) ۲۴۰	فانه ۲۶۱	فرخ ۲۵۰
شیرینه ۲۳۷	غرد ۲۴۱	غنهار ۲۴۲	فاوا ۲۴۸	فرخار ۲۵۲
شیشک ۲۲۰	غرس ۲۴۲	غنچه ۲۴۷	فتال ۲۵۷	فرخال ۲۵۶
شیشله ۲۳۴	غرشت ۲۳۹	غند ۲۴۱	فترک ۲۵۵	فرخج ۲۵۰
شیشو ۲۳۳	غرم ۲۴۴	غنده ۲۴۶	فترد ۲۵۱	فرخش ۲۶۰
شیفته ۲۳۵	غربه ۲۴۷	غنک ۲۴۳	فنج ۲۴۹	فرخنده ۲۶۱
شیم ۲۳۲	غربک ۲۴۳	غنوده ۲۴۷	فنج ۲۵۰	فرخاک ۲۵۵
شیون ۲۳۳	غربک ۲۴۳	غو ۲۴۵	فخت ۲۴۹	فرزان ۲۵۸
شیه ۲۳۵	غره ۲۴۵	غوزه ۲۴۷	فغم ۲۵۷	فرزانه ۲۶۰
غ	غرداش ۲۴۷	غوره ۲۴۷	فدرشک ۲۵۵	فرزد ۲۵۰
	غردیزن ۲۴۴	غوژه ۲۴۶	فدرنگ ۲۵۶	فرزین ۲۵۹
غاب ۲۳۹	غریبج ۲۴۰	غوش ۲۴۲	فدرونک ۲۵۶	فرژ ۲۵۴
غار ۲۴۲	غریو ۲۴۵	غوشاد ۲۴۱	فر ۲۵۱	فوب ۲۴۸
غارج ۲۴۰	غز ۲۴۲	غوشای ۲۴۸	فرا ۲۴۸	فرسته ۲۵۹
غازه ۲۴۷	غزب ۲۳۹	غوشت ۲۳۹	فراخا ۲۴۸	فرنگ ۲۵۶
غاش ۲۴۲	غزنجی ۲۴۸	غوشت ۲۴۵	فرار ۲۵۳	فرسود ۲۵۱
غاول ۲۴۵	غزرم ۲۴۳	غوفا ۲۳۹	فراسوده ۲۶۱	فرسوده ۲۶۱
غاولک ۲۴۳	غساک ۲۴۳	غول ۲۴۴	فراشک ۲۵۵	فرشته ۲۶۲
غادجی ۲۴۸	غک ۲۴۳	غیار ۲۴۲	فراشتو ۲۵۹	فرغار ۲۵۲
غادوش ۲۴۲	غنچ ۲۴۰	غیبه ۲۴۷	فراشوک ۲۵۵	فرغاج ۲۵۰
غابه ۲۴۷	غلبکن ۲۴۴	غیش ۲۴۳	فراشیمون ۲۵۸	فرغر ۲۵۲
غب ۲۳۹	غلبه ۲۴۶	غیشه ۲۴۵	فراغ ۲۵۵	فرغند ۲۵۰
غبنب ۲۳۹	غلت ۲۳۹	غیو ۲۴۵	فراکن ۲۵۸	فرغول ۲۵۶
غغره ۲۴۶	غلج ۲۴۱	ف	فرانک ۲۵۶	فرغش ۲۵۴
غداره ۲۴۶	غغلیج ۲۴۰		فراوان ۲۵۹	فرز ۲۵۳
فدرک ۲۴۳	غلیواج ۲۴۱	فاژه ۲۶۱	فراونه ۲۵۱	فرزه ۲۶۱
فدنک ۲۴۳	غلیون ۲۴۵	فاسرستین ۲۵۹	فراوین ۲۵۳	فرور ۲۵۲
غرا ۲۴۱، ۲۴۲	غره ۲۴۶	ماش ۲۵۴	فراخته ۲۶۰	فرغون ۲۵۹

فرکاخ ۲۵۰	فرور ۲۵۲	فلزنگ ۲۵۶	کاررد ۲۸۷	کاتا ۲۶۳
فرکن ۲۵۸	فریه ۲۶۰	فلغند ۲۵۱	کارشک ۲۸۰	کاتاز ۲۷۴
فرکنه ۲۵۰	فرزده ۲۶۱	فلنجک ۲۵۶	کاریز ۲۷۳	کانون ۲۸۴
فرم ۲۵۷	فزون ۲۵۹	فله ۲۶۱	کار ۲۷۳	کانه ۲۹۷
فرموک ۲۵۶	فزه ۲۶۰	فنج ۲۴۹	کاژ ۲۷۴	کاداک ۲۷۷
فرناس ۲۵۴	فسان ۲۵۸	فنجا ۲۴۸	کاژیره ۲۸۸	کادنه ۲۹۴
فرنج (دوبار) ۲۴۹	فسود ۲۵۰	فئود ۲۵۱	کاست ۲۶۶	کاجو ۲۸۷
فرنجک ۲۵۴	فسوده ۲۶۲	فور ۲۵۲	کاسکینه ۲۹۷	کاینه ۲۹۴
فرنگیش ۲۵۴	فسله ۲۶۲	فوردیان ۲۵۸	کاشانه ۲۹۱	کب ۲۶۵
فردار ۲۵۲	فسوس ۲۵۴	فوردین ۲۵۸	کاشت ۲۶۶	کباک ۲۸۰
فرواره ۲۶۰	فسیل ۲۶۰	فد ۲۶۰	کاشتر ۲۷۲	کبت ۲۶۶
فرداز ۲۵۳	فش (دوبار) ۲۵۴	فیادار ۲۵۲	کارغ ۲۷۷	کچ ۲۶۸
فروپزیرید ۲۵۱	فشان ۲۵۸	فیدانه ۲۶۲	کاغذ ۲۹۰	کچو ۲۹۱
فرو ۲۵۱	فشوده ۲۶۲	فیر ۲۵۲	کاف ۲۷۷	کبد ۲۷۰
فروردین ۲۵۷	فغ ۲۵۴	فیروزی ۲۶۲	کافت ۲۶۶	کبدرا ۲۶۴
فروغ ۲۵۵	فغاک ۲۵۵	فیلک ۲۵۶	کافه ۲۷۰	کبت ۲۶۶
فرومانی ۲۶۲	فغان ۲۵۸	ک	کافوری ۲۹۸	کبک ۲۶۹
فرومایه ۲۶۱	فغانستان ۲۵۹	کاک ۲۷۸	کاک ۲۷۷	کبودر ۲۷۱
فرویش ۲۵۴	فغفور ۲۵۲	کابل ۲۸۲	کاکره ۲۸۹	کبیتا ۲۶۳
فره ۲۶۱	فغند ۲۵۱	کاپوس ۲۷۵	کاکل ۲۸۱	کبینک ۲۸۰
فرهاج ۲۴۹	فغیاز ۲۵۳	کاپوک ۲۷۸	کاکوتی ۲۹۸	کبیده ۲۹۲
فرهست ۲۴۹	فگلانه ۲۶۱	کابیل ۲۹۴	کافنه ۲۹۷	کیا ۲۶۵
فرهمن ۲۵۱	فل ۲۵۷	کابینه ۲۸۵	کاله ۲۹۵	کیان ۲۸۵
فرهنگ ۲۵۶	فلاته ۲۶۰	کاکوره ۲۹۱	کالوج ۲۶۸	کچکن ۲۸۶
فرهنگیان ۲۵۸	فلاخن ۲۵۸	کاج ۲۶۸	کالوخ ۲۶۹	کچه ۲۹۳
فرهبریز ۲۵۳	فلاده ۲۶۰	کاجال ۲۸۲	کاپوس ۲۷۵	کچی ۲۹۸
فریدون ۲۵۹	فلج ۲۴۹	کاخ ۲۶۹	کاج ۲۹۷	کت ۲۶۶
فریر ۲۵۲	فلخود ۲۵۱	کاخر ۲۷۳	کایده ۲۹۰	کتاپون ۲۸۵
فریز ۲۵۳	فلخوده ۲۶۲	کاخر ۲۷۳	کایوه ۲۹۰	کتخ ۲۶۹
فریش ۲۵۴	فلغید ۲۵۱	کاخر ۲۸۸	کام ۲۸۲	کتران ۲۸۶
فزیون ۲۵۹	فلز ۲۵۳	کارت ۲۸۸	کامه ۲۹۳	کتو ۲۸۷

کج ۲۶۷	کرت (دوبار) ۲۸۹	کزغ ۲۷۷	کفا ۲۶۴	کلوت ۲۹۰
کچک ۲۸	کرج ۲۶۸	کزف ۲۷۷	کفته ۲۹۳	کلوج ۲۶۷
کچیرده ۲۹۰	کرد ۲۷۰	کزنگ ۲۸۰	کف ۲۸۹، ۲۹۵	کلوج ۲۶۹
کنج ۲۶۹	کردر ۲۷۳	کرزم ۲۸۲	کفیت ۲۶۶	کلوخ ۲۶۹
کدست ۲۶۶	کردک ۲۸۹	کزنارون ۲۸۶	کنفیده ۲۹۳	کوند ۲۷۰
کدننگ (دوبار) ۲۸۱	کردنا ۲۶۴	کرز (دوبار) ۲۷۴	کلب ۲۶۵	کلونک ۲۸۱
کدننگ ۲۹۴	کرزش ۲۷۶	کرزار ۲۷۱	کل ۲۸۲	کل ۲۹۱
کدواره ۲۹۶	کرزن ۲۸۴	کزاده ۲۹۵	کلابه ۲۹۵	کلیچ ۲۹۷
کده ۲۹۱	کرزه ۲۹۷	کرشک ۲۸۰	کلات ۲۶۶	کلیسا ۲۶۳
کدین ۲۸۴	کرس ۲۷۵	کرشم ۲۸۲	کلات ۲۹۲	کلیک (دوبار)
کدیور (دوبار) ۲۷۱	کرستون ۲۸۳	کرزه ۲۹۲	کلاج ۲۶۷	کلیواج ۲۶۹
کر ۲۷۱	کرشته ۲۹۳	کس ۲۷۵	کلارزه ۲۸۹، ۲۹۲	کک ۲۶۳
کرا ۲۶۴	کرک ۲۷۹	کستر ۲۷۲	کلاغ ۲۷۷	ککس ۲۷۵
کراو ۲۷۰	کرکرتک ۲۸۰	کستی ۲۹۸	کلال ۲۸۱	ککسه ۲۹۲
کراز ۲۷۳	کرکن ۲۸۳	کسه ۲۹۳	کلان ۲۸۳	ککانه ۲۸۸، ۲۸۹
کرازان ۲۸۳	کرگدن ۲۸۶	کیس ۲۷۵	کلاو ۲۸۷	ککنا ۲۶۴
کراسه ۲۹۵	کرگس ۲۷۵	کیلا ۲۶۵	کلادور ۲۷۲	ککواب ۲۶۵
کراشیده ۲۹۳، ۲۷۴	کرگسار ۲۷۳	کشغل ۲۸۱	کلبه ۲۹۵	ککرا ۲۶۳
کراک ۲۷۸	کرم ۲۸۲	کشاورز ۲۷۳	کلیتیره ۲۹۶	ککام ۲۸۳
کراکر ۲۷۲	کرمند ۲۷۰	کشک ۲۷۹	کلطان ۲۸۵	ککم ۲۸۳
کران ۲۸۶	کرن ۲۸۶	کشته ۲۹۵، ۲۹۶	کله ۲۹۰	ککک ۲۷۹
کراوش ۲۷۶	کرنای ۲۹۸	کشخان ۲۸۳	کلیج ۲۶۷	ککند ۲۷۰
کرای ۲۹۸	کرنج ۲۶۸	کشف ۲۷۷	کلیچ ۲۶۹	ککینه ۲۹۷
کرایه ۲۸۹	کرود ۲۷۰	کشکو ۲۸۸	کک (دوبار) ۲۸۰	ککن ۲۶۵
کرباش ۲۷۶	کرور ۲۷۳	کشکین ۲۸۴	کک ۲۷۹	ککنار ۲۷۲
کرباشو ۲۷۷	کره ۲۹۶	کشکینه ۲۹۷	ککلنگ ۲۷۸	ککنارنگ ۲۸۱
کرباش ۲۹۰	کرپچ ۲۶۹	کشنه ۲۹۶	ککن ۲۸۴	ککناز ۲۷۴
کربش ۲۷۶	کریر ۲۷۲	کشنی ۲۹۸	ککنبه ۲۹۲	ککناغ ۲۷۷
کربشو ۲۷۷	کریز ۲۷۳، ۲۷۴	کشو ۲۸۷	ککلند ۲۷۰	ککنک ۲۸۱
کربش ۲۹۰	کریشک ۲۷۸	کشور ۲۷۱	کلندر ۲۹۰	ککنام ۲۸۲
کریا ۲۶۳	کریه ۲۹۲	ککشه ۲۹۳، ۲۹۴	ککلنگ ۲۸۱	ککنانه (دوبار)

نمب ۲۶۵	کواژه ۲۹۱	کوفشان ۲۹۳	کیار ۲۷۲	گاله ۳۰۸
لنبوره ۲۹۳	کواش ۲۷۶	کوک (دوبار) ۲۷۸	کیان ۲۸۳	گادرس ۳۰۳
کچ (دوبار) ۲۶۷	کواشم ۲۹۳	کوکان ۲۸۳	کیانا ۲۶۴	گاده ۳۰۹
لنجال ۲۸۲	کواش ۲۹۴	کوکله ۲۸۸	کیانی ۲۹۸	گاه ۳۰۷
لنجه ۲۸۹	کوالیده ۲۸۹	کوکنار ۲۷۲	کیبا ۲۶۵	گبر (دوبار) ۳۰۱
لندا ۲۶۳	کوباره ۲۹۱	کول ۲۸۱، ۲۸۲	کیپو ۲۸۷	گداره ۳۰۸
لندر ۲۷۲	کوبیاره ۲۹۷	کولانج ۲۶۷	کیچ ۲۶۸	گر ۳۰۲
لنرد ۲۸۸	کوبن ۲۸۵	کوخ ۲۶۹	کیرخ ۲۶۹	گراز ۳۰۲
لنرش ۲۷۶	کوبین (دوبار) ۲۸۵	کونج ۲۶۷	کیز ۲۷۳	گرامی ۳۰۹
لنک ۲۷۹	کوپل ۲۸۲	کون ۲۸۳	کیسنه ۲۹۳	گریز ۳۰۲
لندو ۲۸۷	کوپله ۲۸۸، ۲۹۲	کونج ۲۶۷	کیش ۲۷۶	گرت ۳۰۷
لندواله ۲۹۷	کوت ۲۶۶	کونسته ۲۹۴	کیشک ۲۷۹	گرد ۳۰۰
لندوله ۲۹۲	کوچ ۲۶۹	کونیا ۲۶۵	کیخ ۲۷۷	گردا ۲۹۹
لنده ۲۹۱، ۲۹۲	کوچ و بلوچ ۲۶۸	کونیان ۲۸۶	کیفر ۲۷۱	گردکان ۳۰۶
لشت ۲۶۵	کوپک ۲۷۹	کوبان ۲۸۶	کیک ۲۸۰	گردنا (دوبار) ۲۹۹
لشتو ۲۸۷	کوخ ۲۶۹	کوبنگ ۲۸۱	کیکن ۲۸۶	گردون ۳۰۶
لخاله ۲۸۸	کودر ۲۹۴	کویر ۲۷۱	کیکو ۲۸۶	گرده ۳۰۸
لکار ۲۷۲	کودک ۲۸۰	کویست ۲۶۶	کیل ۲۸۲	گردید ۳۰۱
لنگره ۲۹۷	کودن ۲۸۵	کویسته ۲۸۹	کیلیز ۲۷۴	گرز ۳۰۳
لند ۲۷۰	کورابین ۲۸۵	کویش ۲۷۶	کیمنت ۲۶۶	گرزمان ۳۰۶
ن ۲۸۷	کورس ۲۷۶	کویشه ۲۹۴	کیمن ۲۸۶	گرگر (دوبار) ۳۰۱
نودان ۲۸۳	کورک ۲۷۹	کوپله ۲۸۸	کیمیا ۲۶۴	گرچ ۳۰۰
نر ۲۷۲	کوره ۲۹۴	کویه ۲۹۴	کینان ۲۸۶	گروهه ۳۰۸
نیز ۲۷۴	کوز ۲۷۴	کبد (دوبار) ۲۷۰	کیوان ۲۸۳	گریان ۳۰۶
یسه ۲۹۵	کوزگانی ۲۹۸	کبد ۲۹۱	کیوس ۲۷۵	گریز ۳۰۲
یاد ۲۶۵	کوزانوک ۲۸۱	کسک ۲۸۰	کیه ۲۹۷	گریش ۳۰۳
یاده ۲۹۵	کوزه ۲۸۹	کست ۲۹۲	گ	گریشنگ ۳۰۵
یار ۲۷۱	کوس ۲۷۵	کیننه ۲۹۷	گ	گریخ ۳۰۴
ارون ۲۸۴	کوش ۲۷۶	کی ۲۹۸	گاز ۳۰۳	گریوه ۳۰۷
اره ۲۹۴	کوش خبه ۲۹۰	کیا ۲۶۳	گازه ۳۰۷	گرز ۳۰۳
	کوف ۲۷۷	کیخن ۲۸۴	گال ۳۰۵	گراف ۳۰۴

گزنیش ۳۰۴	گو ۳۰۷	گیو ۳۰۷	نخا ۳۰۹	لوری ۳۱۸
گزردن ۳۰۶	گودز ۳۰۳	گیهان ۳۰۶	نخت ۳۱۰	لوزینه ۳۱۷
گزنف ۳۰۴	گوان ۳۰۶	گیسیا ۲۹۹	ننج ۳۱۱	لوس ۳۱۳
گزنه ۳۰۰	گوبه ۳۰۹	ل	نخشه ۳۱۷	لوش ۳۱۳
گزنی ۳۰۹	گوپال ۳۰۵	لابه ۳۱۷	ر ۳۱۲، ۳۱۳	لوشانه ۳۱۷
گزنید ۳۰۰	گوداب ۲۹۹	لاجورد ۳۱۲	لریر ۳۱۳	لویخ ۳۱۴
گزیر ۳۰۱	گودرز ۳۰۳	لاخ ۳۱۱	لشک ۳۱۵	لولی ۳۱۸
گزره ۳۰۸	گور ۳۰۲	لاد ۳۱۲	لشن ۳۱۶	لوند ۳۱۲
گزرم ۳۰۶	گورب ۲۹۹	لادن ۳۱۶	لغ ۳۱۴	لومین ۳۱۶
گستاخ ۳۰۰	گورمت ۳۰۰	لادنه ۳۱۷	لغز ۳۱۳	لوید ۳۱۲
گست ۲۹۹	گوز ۳۰۳	لازورد ۳۱۲	لغونه ۳۱۷	لویشه ۳۱۶
گستر ۳۰۱	گوزن ۳۰۶	لاس ۳۱۳	لغج ۳۱۱	لوی ۳۱۸
گسنی ۳۰۹	گوزه ۳۰۸	لاش ۳۱۳	لک (دوبار) ۳۱۴	لیراسپ
گیل ۳۰۵	گوزینه ۳۰۸	لاغیه ۳۱۷	لکا ۳۱۰	لغت ۱۰
گش (دوبار) ۳۰۳	گوساله ۳۰۹	لاف ۳۱۴	لکانه ۳۱۶	لغقان ۶
گشت ۳۰۰	گول ۳۰۵	لاک ۳۱۵	لکل ۳۱۵	لنج ۳۱۱
گشینز ۳۰۳	گولاد ۳۰۰	لالا ۳۱۰	لکک ۳۱۵	لیان ۱۵
گشن ۳۰۶	گوله ۳۰۸	لاله ۳۱۷	لک ۳۱۵	لیتک ۱۵
گشی ۳۰۹	گوم ۳۰۵	لامر ۳۱۶	لگن ۳۱۵	لیرت ۱۰
گلاد ۳۰۸	گومه ۳۰۸	لان ۳۱۶	لشک ۳۱۴	لیز ۳۱۳
گلغن ۳۰۷	گون ۳۰۶	لانه ۳۱۷	لغان ۳۱۶	م
گلشاک ۳۰۴	گوهر ۳۰۱	لای ۳۱۷	لنک ۳۱۵	
گلو ۳۰۷	گویر ۳۰۱	لایینی ۳۱۸	لنبه ۳۱۶	ماخ ۳۱۹
گلوند ۳۰۰	گویک ۳۰۴	بلابل ۳۱۰	لنج ۳۱۰	ماچی ۳۰
گله (دوبار) ۳۰۸	گواره ۳۰۸	بیسه ۳۱۷	لشکر ۳۱۳	ماخور ۲۱
گلیک ۳۰۴	گیا ۲۹۹	لت ۳۱۰	لوت ۳۱۰	ماریره ۹
گنجشک ۳۰۴	گیتی ۳۰۹	لتره ۳۱۶	لوچ ۳۱۱	ماز ۲۱
گنجور ۳۰۱	میروی ۳۰۹	لتنبر ۳۱۲	لور ۳۱۲	مازیون
گنج ۳۰۰	گیسو ۳۰۷	لج ۳۱۱	لورآور ۳۱۳	مازوع
گندتا ۲۹۹	گیگیر ۳۰۲	لج ۳۱۱	لورک ۳۱۵	مازون
گنگ ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۹	میلی ۳۰۹	لج ۳۱۱	لوره ۳۱۶	مازه ۹

مازیاده ۳۲۹	مراغه ۳۲۸	مشتنگ ۳۲۴	مشگل ۳۲۴	میسن ۳۲۵
مات ۳۱۸	مرخسه ۳۲۸	مشنه ۳۲۸	فیژه ۳۲۹	
ماشو ۳۲۶	مرداد ۳۲۰	مشغل ۳۲۸	فیوش ۳۲۲	ن
ماشوره ۳۲۸	مرز (دوبار) ۳۲۱	مشگل ۳۲۳	موبد ۳۲۰	ناب ۳۲۱
ماش ۳۲۷	مرزبان ۳۲۵	مشگل ۳۲۳	مورد ۳۲۰	ناج ۳۲۳
ماغ ۳۲۳	مرس ۳۲۲	مشکوی ۳۲۰	موری ۳۲۰	ناخدا ۳۲۱
ماکو ۳۲۷	مرسل ۳۲۷	مشنج ۳۱۹	موز ۳۲۲	ناخوت ۳۲۲
ماکیان ۳۲۶	مرغ ۳۲۳	مشگل ۳۲۴	موشان ۳۲۵	نارای ۳۲۶
ماول ۳۲۴	مرغزار ۳۲۱	مشگل ۳۲۴	موسه ۳۲۷	نارد ۳۲۳
مال ۳۲۹	مرغوا ۳۱۸	مخ (دوبار) ۳۲۳	موسیج ۳۲۸	ناردین ۳۲۲
مان ۳۲۶	مرغول ۳۲۵	مغاک ۳۲۳	مومیائی ۳۲۰	نارنگ ۳۲۰
مانا ۳۱۸	مرد ۳۲۷	مغلاچ ۳۱۹	مویه ۳۲۹	نارون ۳۲۲
مانگ ۳۲۴	مردا ۳۱۸	مغذه ۳۲۸	مهار ۳۲۱	ناره ۳۲۴
مانورک ۳۲۳	مراهم ۳۲۵	مفت ۳۱۹	مهر ۳۲۰	نار ۳۲۶
مانی ۳۲۰	مری ۳۲۱	مک ۳۲۳	مهروس ۳۲۲	ناژ ۳۲۶
مانید ۳۲۰	مریشم ۳۲۵	مکب ۳۱۸	مهرگان ۳۲۵	ناشتا ۳۲۱
ماهه ۳۲۸	مرزه ۳۲۷	مل ۳۲۴	مهاز ۳۲۱	ناف ۳۲۸
مایندر ۳۲۱	مره ۳۲۹	ملازه ۳۲۷	مهور ۳۲۲	ناک ۳۲۹
مایون ۳۲۶	مزیده ۳۲۸	ملنج ۳۱۹	مسینه ۳۲۹	ناگوار ۳۲۵
مایه ۳۲۹	مشر ۳۲۲	ملنج ۳۲۰	میانه ۳۲۷	نال ۳۲۰
مترس ۳۲۲	مخرده ۳۲۹	ملغم ۳۲۵	میتین ۳۲۶	نامر ۳۲۵
مته ۳۲۹	مژدگانی ۳۲۰	من ۳۲۶	میره ۳۲۷	نامی ۳۲۶
مچ ۳۱۹	مژشر ۳۲۲	مناور ۳۲۱	میزر ۳۲۱	نامش ۳۲۸
مچک ۳۲۴	مژه ۳۲۹	منبل ۳۲۵	میزد ۳۲۰	ناورد ۳۲۳
مجره ۳۲۹	مس ۳۲۲	منج ۳۱۹	میزک ۳۲۳	ناوس ۳۲۷
مخ ۳۱۹	مست ۳۱۹	منجک ۳۲۴	میشائی ۳۲۰	ناوک ۳۲۰
مخذه ۳۲۷	مستار ۳۲۱	مند ۳۲۰	میخ ۳۲۳	ناده ۳۲۰
مخیده ۳۲۹	مستند ۳۲۰	مندل ۳۲۵	میلاوه ۳۲۷	ناهار ۳۲۵
مد ۳۲۰	مشنگ ۳۲۴	مندور ۳۲۱	مینا ۳۱۸	ناهدید ۳۲۳
مدنگ ۳۲۴	مسته ۳۲۷	منش ۳۲۲	مینک ۳۲۳	نای ۳۲۶
مرد ۳۲۰	مسک ۳۲۹	منگ ۳۲۴	مینو ۳۲۶	نایزه ۳۲۵

نبرد ۳۳۳	نسائس ۳۳۷	تکاف ۳۳۸	نوک ۳۴۰	نیو ۳۴۲
نبرده ۳۴۴	نسج ۳۳۳	نکومش ۳۳۸	نوک ۳۳۶	نیوش ۳۳۸
نبیره ۳۴۳	نسیرم ۳۴۱	نگار ۳۳۵	نول ۳۴۰	نیوشه ۳۴۴
نبیه ۳۴۲	نسیده ۳۴۴	نگزده ۳۴۴	نون ۳۴۱	نیوه ۳۴۴
نپی ۳۴۶	نش ۳۳۷	نگون ۳۴۲	نوند ۳۳۳	و
نتاس ۳۳۷	نشاخت ۳۳۲	نلشک ۳۳۹	نوؤ ۳۴۲	
نخ ۳۳۳	نشیل ۳۴۰	نلک ۳۳۹	نوی ۳۴۵	وایگر ۳۴۸
نخبل ۳۴۰	نشت ۳۳۰	نلکس ۳۳۷	نویج ۳۳۲	وادیان ۳۵۲
نخجوان ۳۴۲	نشر ۳۳۵	نماز ۳۳۶	نویده ۳۳۴	وادبج ۳۴۷
نخچیر ۳۳۵	نشره ۳۴۵	ننک ۳۳۹	نهاد ۳۳۳	وار ۳۴۸
نخلک ۳۴۴	نشو ۳۴۲	ننچ ۳۳۲	نهار ۳۳۵	وارخ ۳۵۰
نخیز ۳۳۶	نشوه ۳۴۵	نمشک ۳۳۹	نهایده ۳۳۴	وارن ۳۵۲
نرد ۳۳۳	نشک ۳۳۹	نموسک ۳۳۹	نهایز ۳۳۶	واردن ۳۵۲
نرسی ۳۴۶	نشکنج ۳۳۲	نمونه ۳۴۴	نهمال ۳۴۱	وازنیچ ۳۴۷
نرگان ۳۴۱	نشکرده ۳۴۵	نوا ۳۳۱	نهماله ۳۴۴	واف ۳۵۰
نرگس ۳۳۷	نشل ۳۴۰	نواجسته ۳۴۵	نهمار ۳۳۵	وال ۳۵۱
نرگسه ۳۴۵	نشو ۳۴۲	نوار ۳۳۵	نهنبین ۳۴۲	والا ۳۴۶
نرموره ۳۴۵	نشیب ۳۳۲	نواز ۳۳۶	نشیب ۳۳۲	والاد ۳۴۸
نره ۳۴۴	نشید ۳۳۴	نواست ۳۴۴	نیا ۳۳۱	والان ۳۵۲
نژاد ۳۳۴	نشیمین ۳۴۱	نوان ۳۴۲	نیاز ۳۳۶	والخوز ۳۵۳
نژاده ۳۴۳	نفاک ۳۴۰	نوانده ۳۳۴	نیاکان ۳۴۲	وام ۳۵۲
نژم ۳۴۱	نظام ۳۴۱	نوبر ۳۳۵	نیایش ۳۳۷	وایه ۳۵۴
نژند ۳۳۳	نفر ۳۳۶	نوجه ۳۴۵	نیرم ۳۴۱	وایدک ۵۱
نژره ۳۴۴	نفتخ ۳۳۸	نوده ۳۴۳	نیزگ ۳۴۰	وختور ۳۴۸
نس ۳۳۷	نفوشا ۳۳۱	نورد ۳۳۴	نبرد ۳۴۲	وخشینه ۵۴
نستاک ۳۳۹	نفوشاک ۳۳۸	نورده ۳۴۴	نیستان ۳۴۲	ورا ۳۴۶
نسترن ۳۴۱	نفوش ۳۴۵	نوژ ۳۳۷	نیسته ۳۴۴	وراخ ۳۵۰
نستردن ۳۴۱	نفول ۳۴۰	نوسه ۳۴۳	نیسو ۳۴۳	درپوشنه ۱۳
نسر ۳۳۵	نفاغ ۳۳۸	نوش ۳۳۸	نیلک ۳۳۹	درت ۳۶
نسرین ۳۴۲	نقاب ۳۴۵	نوشاد ۳۳۴	نیلوفر ۳۳۵	درتاج ۴۷
نسک ۳۳۸	نفون ۳۴۱	نوف ۳۳۸	نیمور ۳۳۵	درنیچ ۴۷

۳۵۹	هون	هشتمیش	۳۵۷	۳۵۹	بامون	۳۵۲	دشم	۳۴۸	درغ
۳۵۴	هویا	هف	۳۵۷	۳۵۹	بان	۳۵۱	شنگ	۳۵۳	درغین
۳۶۰	هویه	هکری	۳۶۱	۳۵۹	بادون	۳۵۳	دشنگ	۳۴۸	ورد
۳۶۱	هیساه	هنگ	۳۵۸	۳۶۰	باینه	۳۴۹	دغیش	۳۵۰	وردوک
۳۵۵	هید	هاندور	۳۵۶	۳۵۷	هباک	۳۵۲	وکال	۳۵۳	ورده
۳۵۵	هیدخ	هوی	۳۶۱	۳۵۶	هبحیر	۳۵۳	ولانه	۳۴۸	ورز
۳۵۶	هیر	هيو	۳۶۰	۳۵۵	هبح	۳۴۸	ولچ	۳۴۹	ورس
۳۵۵	هیرد	هواره	۳۶۰	۳۶۰	هده	۳۵۳	ولغونه	۳۴۸	ورستاد
۳۵۸	هیرک	هجال	۳۵۸	۳۶۱	هیرآینه	۳۵۴	دولر	۳۵۲	ورستان
۳۵۶	هیز	هانا	۳۵۴	۳۵۴	هترا	۳۵۳	در	۳۴۹	ورغ
۳۵۸	هیکل	ههای	۳۶۲	۳۵۵	هرات	۳۵۱	دنگ	۳۴۷	ورغشت
۳۵۶	هیکر	ههاون	۳۵۹	۳۵۷	هراس	۳۵۱	دنگ	۳۵۲	ورغان
۳۶۱	هیلوی	ههجا	۳۵۴	۳۶۱	هراسه	۳۴۷	دهشت	۳۵۰	ورکاک
۳۶۰	هیمه	ههنگفت	۳۵۵	۳۵۷	هراش	۳۵۱	دیکک	۳۵۲	ورم
۳۵۹	هین	ههیدون	۳۵۹	۳۵۸	هرنوم	۳۴۸	دید	۳۵۴	وزواره
۳۵۹	هیون	ههتار	۳۵۶	۳۶۱	هرزه	۳۴۶	دید	۳۴۹	وروغ
		ههتاراد	۳۵۵	۳۶۰	هرکاره	۳۵۳	دید	۳۴۶	وریب
ی		هنگ	۳۵۸	۳۵۶	هرز	۳۴۷	دیرج	۳۴۸	وزیر
		هنگام	۳۵۸	۳۵۵	هرزد	۳۵۴	دیره	۳۵۱	وزنگ
۳۶۶	یاخته	هنگامه	۳۶۱	۳۵۶	هرند	۳۵۳	دیره	۳۵۱	دژول
۳۶۳	یادر	هنگفت	۳۵۵	۳۶۰	هرو	۳۴۹	دیس	۳۴۶	دستا
۳۶۲	یارا	ههیز	۳۵۶	۳۶۰	هروانه	۳۵۰	ویک	۳۴۸	وستاد
۳۶۳	یارد	هو	۳۵۹	۳۵۸	هردم	۳۵۱	دیل	۳۵۴	وسه
۳۶۶	یارگی	هواری	۳۶۲	۳۵۹	هرین	۳۵۰	دیندانگ	۳۵۴	دسنی
۳۶۶	یاره	هردر	۳۵۶	۳۶۱	هریه			۳۵۴	دسه
۳۶۴	یاز	هور	۳۵۶	۳۵۷	هزاک	۵		۳۵۳	دسینه
۳۶۳	یاسج	هورزد	۳۵۵	۳۵۹	هزمان	۳۵۹	بارون	۳۴۹	دش
۳۶۵	یاسمین	هوش	۳۵۶	۳۶۰	هزینه	۳۶۰	بازد	۳۵۰	دشک
۳۶۶	یافه	هوشنگ	۳۵۸	۳۵۶	هزیر	۳۵۷	باز	دشکرده (دوبار)	۳۵۳
۳۶۳	یاکند	هولک	۳۵۷	۳۶۰	هستو	۳۵۸	بال	دشک	۳۵۳
۳۶۵	یال	هومان	۳۵۹	۳۵۸	هسک	۳۶۱	بال	دشکول	۳۵۱

یاد ۳۶۳	یخ ۳۶۳	بشمه ۳۶۶	یل ۳۶۵	یوج ۳۶۲
یادری ۳۶۶	یخه ۳۶۶	یغنیج ۳۶۲	یلک ۳۶۴	یوز ۳۶۳
یاده ۳۶۶	یزنان ۳۶۵	یغز ۳۶۴	یله ۳۶۶	یوزک ۳۶۴
یب ۳۶۲	یزدان ۳۶۵	یغما ۳۶۲	یله ۳۶۶	یوغ ۳۶۴
یج ۳۶۲	یزک ۳۶۴	یغج ۳۶۳	یمرده ۳۶۶	یوک ۳۶۴
یج یج ۳۶۲	یشک ۳۶۴	یکتا ۳۶۲	ینک ۳۶۵	یوبان ۳۶۵
یجکم ۳۶۵	یشم ۳۶۵	یکران ۳۶۵	یوبه ۳۶۶	یون ۳۶۵

فهرست نامهای اشخاص و اماکن، سیارگان و بروج و غیره

آبان/آبان ماه	۲۵۸، ۲۵۷، ۳۰	اژدیاک	۲۷
آبگون	۳۴	اسپروز	۲۳
آخشیان	۳۵	اسندیار	۲۱
آذر/آذرماه	۲۵۷، ۱۸	اسد (برج)	۳۲۰
آذرهایون	۳۵	اسفندار/اسفندارندروز	۲۱، ۱۷
آراوند	۱۶	اسفندارماه/اسفند	۲۵۷
آرش	۲۴	اسفندیار	۶۷، ۲۱
آفتاب	۱۸، ۲۱، ۳۰، ۵۲، ۶۷	اشاد	۱۷
	۸۴، ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۳۲	افراسیاب	۲۲۹، ۹
	۱۳۴، ۱۵۳، ۱۷۷، ۲۲۴	افریدون	۶۷
	۲۲۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۹۷	البرز	۲۲
	۳۲۰، ۳۲۵، ۳۵۶، ۳۶۱	الوند	۱۶
آمل	۲۹	امهات سفل	۳۵
آمو/آمون	۳۱، ۳۲، ۱۱۱	انوشا	۷
آهرمن	۳۱	انیزان	۳۴
ابراهیم	۳	اهنود	۱۷
ابراهیم	۸۰، ۱۸۸، ۱۸۹	ایارده	۳۶
ابریق/ابریق رامری	۱۷۹	ایام مسترقه	۲۵۸
ابن مقفع	۲۱۳	ایران	۶۹، ۳۱
اتابک	۲۷	ایرج	۱۲، ۳۱
ارجاسپ	۹	ایزد	۱۴
ارد	۱۷		
اردشیر	۲۱		
اردوان	۳۵		
اردی بهشت	۲۵۷		
ارسن	۳۴		
ارمنی	۱۹۴		
اروند	۱۶		
باد	۵۱		
بارمان	۷۰		
بازبان	۶۹		
بالغ	۶۱		
بادرد	۵۰		
بنجوان	۷۰		
بنم	۶۶		
بدر ابراهیم	۳		
بربر	۵۵		
برجیس	۵۷		
برشجان	۷۰		
برک	۶۴		
برمایون	۶۷		
برمایه	۶۷		
برمک	۶۴		
بشتر	۵۲		
بکوشن	۷۰		
بلخ	۴۹		
بلخار	۵۴، ۵۵		
بوکر بابی	۲۹۶		
بهرام	۶۶		
بهرام گور	۱۴۵، ۳۰۲		
بهشت	۴۶، ۳۲۶		
بهمن/بهمن ماه	۱۱۲، ۱۱۳، ۲۵۷		
بیت المقدس	۳۰۴		
بیدخت	۴۴		
بیژن	۶۸، ۳۲۹		
پ			
پارس	۲۷، ۲۲۷		
پارسیان	۱۵۳، ۳۰۶		
پایز/پایز ماه	۸۴		

ث

پرویز ۱۵۵

پروین ۹۱

پوشنگان ۹۱

پهلو ۹۲

پیران ۳۵۹

ت

تازی ۳

تازیان ۱۴۵

تازیک ۱۰۹

تبت ۱۰۱

تتار ۱۰۴

تناک ۱۰۸

ترسایان ۳۵۸

ترک/ترکان ۱۱۲، ۶۹، ۳۴، ۱۱۲

چین/ماچین ۱۳۷، ۳۰۹، ۲۴۲، ۱۷۷، ۱۴۶

چینی ۳۱۷، ۶۷، ۳۵۹، ۳۵۴

ترکستان ۱۰۱، ۵۴، ۵۲، ۲۲

۱۱۴۲، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۰۴

ح

حبشیان ۱۷۷، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۶۳

حجاز ۱۸۶، ۳۰۵، ۲۷۲، ۲۴۶، ۱۸۰

حل ۲۵۷، ۵۲، ۳۶۲، ۳۴۵

حوت ۲۱، ۱۱۲، ترکمان

ترکی ۱۹۷

ترنم ۲۲

تیمش ۱۱۷

تور ۱۰۴

توران ۹، ۷۰، ۱۰۴، ۱۱۱

۳۱۵

تصقن ۱۱۲

تیر/تیرماه ۲۵۷، ۱۰۳، ۸۴

خ

خارا/خارای عثابی { ۱۵۶، ۱۴۰

خارای ششتری

خان ۱۵۳

ختل ۱۵۴

ختلان ۱۵۴

ختلی ۳۵۵، ۳۳۰

خشن ۱۰۱، ۱۵۴، ۳۲۱

خنجد ۱۴۳

خدای/خدای عزوجل { ۲۰۱، ۱۴۰، ۳

خدای تعالی { ۲۴۵، ۳۴۶، ۳۰۱

خراسان ۳۱، ۴۹، ۱۷۵، ۱۸۲

۱۸۶، ۲۴۲، ۲۸۸، ۲۸۹

۳۰۱، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۵۸

خرداو/خردادماه ۲۵۷، ۱۴۲

خرغون ۱۵۴

خرگاد ۱۵۵

خریف ۲۵۷

خران ۱۵۳

خزر ۱۴۶

خزران ۱۴۶

خسرو ۱۵۵

خسرو پرویز ۲۳۲

خسروانی ۱۶۱

خلج ۱۴۲

خوار ۱۴۵

خوارزم ۱۱۱، ۳۲

خور ۱۴۴

خوزند ۱۴۴

خوز ۱۴۷

خوزستان ۱۴۷

خیزیده ۱۵۸

د

دادار ۱۶۵

دادله/دادواله/دودله/دوداله ۱۸۶

دارا ۱۶۲

دجله ۱۶

درغان ۱۷۲	ز	سینا ۲۰۱
درغم ۱۷۱	زال/زال زر/زال سام ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۱	
دستان ۱۷۲، ۱۲۱، ۶۹	زادش ۱۹۳	ش
دهر ۱۷۸	زاول ۱۹۵	شابران ۲۳۳
دلو ۹۷	زرتشت/زراشت/زراشت ۱۶، ۱۸۸	شاپور ۲۲۷
دماوند ۱۶۵	زردست/زردشت ۱۸۹	شادغر ۲۲۶
دنبه ۱۶۶	زستان ۵۲	شایگان (مخ) ۲۳۲
دودال/دودل ۱۷۶	زواره ۱۹۹	شردان ۲۳۳
دورخ ۱۳۵	زداغار ۱۹۳	شستر ۲۲۶
دی/دیماه ۲۵۷، ۱۷۷	زهره ۳۳۳، ۴۴	شستری ۲۶
دلم ۱۷۱	س	شهاد ۲۲۵
دلمی ۱۷۷		شکاد ۲۲۵
دین ۱۷۲	ساسان ۲۱۵	شمال ۶۱
	سامو ۲۱۶	شندوس ۲۲۸
	سام ۱۹۰، ۳۴۱	شوتن ۲۳۳
	سپایان ۳۵، ۱۸۶، ۳۰۹	شوشتر ۲۲۶
	سده ۲۱۶	شهرلور/شهرلورماه ۲۵۷، ۲۲۵، ۱۵۳
	سرطان ۱۰۳، ۸۴	شیراز ۲۲۷
	سفین ۲۱۴	شیرازیان ۲۶۵
	سلم ۲۱۳	شیردن ۲۳۸
	سلیمان ۱۲۳	شیرین ۲۳۰
	سنان ۲۱۴	شیم ۲۳۲
	سمرقند ۱۵۳، ۱۷۲، ۳۶۵	ص
	سمگان ۲۱۵	صاحبی ۱۴۰، ۱۵۶
	سنبه ۱۵۳، ۲۲۵	ض
	سنجه ۲۱۹	ضخاک ماران ۲۷، ۳۰۹
	سوزنی ۳۳۵	
	سیل ۱۰۲، ۶۴	ع
	سیام ۲۱۳	عجم ۲۱۵، ۲۰۴
	سیاک ۲۱۱	عجمی ۲۴۶، ۶
	سیستان ۳۰۶	عراق ۱۸۶
رام ۱۸۳		
رامر ۱۷۹		
راهوی ۱۸۶		
رباب ۱۷۸		
ربیع ۲۵۷		
رخش ۱۸۰		
رستم/رستم دستان ۱۷۲، ۱۱۲، ۶۹		
۱۸۰، ۱۸۶، ۱۹۵، ۲۰۷، ۲۱۶		
۲۲۱، ۲۲۵، ۲۰۷، ۳۴۱		
رشنواد ۱۷۹		
رودابه ۱۸۶		
رودس ۱۸۰		
رودم ۳۳۰		
رودی ۳۵۸		
ری ۱۴۵		
ریک ۱۸۲		

عرب ۲۸۳	کتابون ۲۸۵	مازی ۳۳۰
عرش ۳۰۶	کرد ۲۸۳، ۲۷۰	مافی ۳۳۰، ۲۸
عطارد ۱۰۳	کرگسار ۲۷۳	بادراوانتر ۳۱، ۸۷، ۱۲۹، ۱۶۵
عقرب (برج) ۲۵۸، ۳۰	کمان رستم ۱۸۰، ۲۸۲، ۲۴۳	۲۷۰، ۲۵۳، ۲۲۶، ۲۱۳
غ	کیخسرو ۶۸، ۳۲۹	۳۴۸، ۲۷۷
غزنین ۳۱۶	کیکادوس ۳۰۵	ماه / ماهتاب ۲۱، ۱۰۶، ۱۰۲۲، ۳۲۴
ف	کیمین ۲۸۶	ماه سیام / ماه کاشغر / ماه کشی { ۲۱۳
فرخار ۲۵۲	کیومرث ۲۱۱	ماه نخب
فرغانه ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۴۳، ۲۴۱		محد ۳
فردین / فردین ماه ۲۵۸، ۲۵۷	گ	مرداد ۲۵۷، ۳۲۰
فنگیش ۲۵۴	گاده ۳۰۹	مرس ۳۲۲
فرنگ نامرئسری طوسی ۱۴۳	گبران ۲۴۵، ۳۳۸، ۳۵۵	مربخ ۶۶
فربرز ۲۵۳	گرگان ۳۵۶	مشرقی ۱۷، ۲۲، ۵۷، ۱۹۳، ۳۵۶
فردون ۱۲، ۳۱، ۱۱۷، ۲۱۳، ۲۵۹	گرگر ۳۰۱	مشرق ۵۱
فریخون ۲۵۹	گشتاب ۹، ۲۱، ۳۱۰	مصر جابح ۲۲۷
فغفور ۲۵۲	گنگ ۳۰۴	مخان ۶، ۸۰، ۲۵۸، ۲۸۷، ۳۲۰
فور ۲۵۲	گودرز ۳۰۳، ۳۰۷	۳۲۵
فوردجان ۲۵۸	گور ۳۰۲	مغرب ۵۱، ۵۵
فوردیان ۱۷۰، ۲۵۸	گولاد ۳۰۰	منار ۳۲۱
فوردین ۲۵۸	گیردی ۳۰۹	فیثره ۳۲۹
فیدانه ۲۶۲	گیلی ۳۰۹	موسی ۲۰۱
ق	گیو ۳۰۷	مهر / مهرماه ۲۵۷، ۳۲۰
قطب جنوبی ۶۴		مهرگان ۳۲۵
قوس (برج) ۱۸	ل	میزان ۳۲۵
قوس الله ۱۸۰، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۶	لاجورد / لاژورد ۳۱۲	مینو ۳۲۶
۲۸۲	لر ۳۱۲	میکائیل ۵۲
	لغان ۳۱۶	
	لنگ ۳۱۵	ن
	لراسپ ۶۱، ۳۱۰	ناهید ۳۳۳
	م	نخجوان ۳۴۲
	ماروت ۱۶۵	نرسی ۳۴۶
کابل ۲۸۲		
کاشغر ۲۷۲		
کاشغر ۲۷۲		

۳۶۲	های	و	۳۴۸	ورز	نریمان ۳۴۱
۳۰۵، ۱۸۳، ۵۲، ۲۲	هند هندوستان	۵	۱۶۵	باروت	نشو ۳۴۳
۳۵۶	هور	۵	۳۵۶	هجیر	نعمان منذر ۱۴۵
۳۵۸	هوشنگ	۳۵۵	۳۵۵	هرات	نفوشا { ۳۳۸
۳۵۹	هومان	۳۵۶	۳۵۶	هرمز / هرزد	نوا ۳۳۱
ی	یجکم ۳۶۵	۳۵۵	۳۵۵	هورزد	نوشاد ۳۳۴
۳۶۵	یرتان	۳۵۶	۳۵۶	هرند	نوکر ۳۳۶
۳۶۵، ۵	یزدان	۳۵۸	۳۵۸	هردم	نوند ۳۳۳
۳۶۲	یغا	۳۵۵	۳۵۵	هری	نهادند ۱۸۶
۳۶۵	یوتان	۳۵۵	۳۵۵	هریو	نیرم ۳۴۱
					نیشاپور ۹۱

فهرست نامهای کتب و زبانها

- ارتنگ مانوی ۳۳۰
است/استازند/استادزند ۶
اسدی/فرزنگ نامر اسدی ۱۲، ۱۷، ۸۰، ۹۲، ۹۵، ۱۴۳، ۱۵۵، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۸۹، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۲۲، ۲۳۴، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۳، ۳۰۵، ۳۱۴، ۳۳۳، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۴۸
- انگیون ۳۲
اوزنگ ۲۸
پازند ۸۰، ۱۵۶
خرده ۱۵۶
رساله نصیر ۵۶، ۱۰۵
زنان گویان جهان پویان ۵
زند/زنداستا ۶، ۳۶، ۸۰، ۱۵۶، ۱۸۹
نخوتواس/فرزنگ نامر نخوتواس ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۲۶، ۲۱۳، ۲۳۱، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۹، ۳۰۶، ۳۵۷
- فردوسی/فرزنگ نامر فردوسی ۳۷، ۶۹، ۱۰۸، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۶۷، ۱۸۱، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۱۲، ۲۲۴، ۲۵۴، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۶، ۲۹۵، ۳۰۵، ۳۲۰، ۳۰۶
- قرآن ۳۴۶
نسک ۳۳۸
تازی/عربی ۳، ۴، ۵، ۷، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۳، ۳۶، ۴۳، ۴۴، ۵۱، ۵۴، ۵۵، ۶۸، ۶۹، ۷۳، ۷۴، ۷۷، ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۸۵، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۶
- ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۸، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۶
- هندوی ۷، ۱۱، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۳۶، ۳۸، ۴۳، ۴۸، ۵۱، ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۶۰، ۶۲، ۶۷، ۶۹، ۷۳، ۷۷، ۷۸، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۹۷، ۱۱۱، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۴، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۶

۲۸۱، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴	۳۲۴، ۳۲۲، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۱
۲۹۳، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۳، ۲۸۲	۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶
۳۰۷، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۴	۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۳۷
۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۷، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۱	۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۰
۳۵۱، ۳۴۹، ۳۴۶، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۰، ۳۳۷	

پارسی/فارسی

۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۳	۳، ۴، ۵، ۷، ۸، ۲۸، ۳۹
ترکی ۵، ۷۱، ۱۹۷، ۲۱۵، ۲۲۱، ۲۲۱، ۳۳۰، ۳۳۰	۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۲، ۵۶، ۵۷، ۵۸
۳۶۵	۶۳، ۶۸، ۶۹، ۷۲، ۷۴، ۷۵، ۷۸
پهلوی ۳، ۵، ۶، ۸۲، ۱۳۸، ۳۵۷	۸۰، ۹۰، ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۱۰۵، ۱۰۶
دری ۳، ۵، ۶	۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۴
زبان ارمنی ۱۹۴	۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۱
زبان دلمیان ۲۹۹	۱۶۸، ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۸
زبان سیستان ۳۰۶	۲۰۳، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۲۲، ۲۲۳
زبان شیرازیان ۳۰۷، ۲۶۵	۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۳
زبان نیشابوریان ۳۴۳	۲۵۴، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲

[illegible]

کو یا جہان بردہ کن چہ بمانان بہشتدار
 مستغنی کیش و جہانگیر خزر و فرغین خزان
 لایزال دل و روان و بر باران و باران
 و بر باران و بر باران و بر باران
 تا میان روز استغنی و از خستین شب
 کیتی تا شب بخشن بر زمین و در دایم
 برستان پاک از ملک نام درستی برستان
 و جگہ نکی در این بن از تالیخدر
 بی نیاز رہتود تحمیر کیش نواز چین کوید
 بندہ خوار ترین چون خاک زمین دل بر تلم
 بدر ابراهیم از در کار و گفتار و ریا و از
 زہو و زہر بران نکاہ دار با کر نکاہا
 بزبان بیاد و دردی و اسرار و حیران
 بر آئین و ہرچی باہوی آئینہ بردازی
 کہ بزی و زری و زری و زری و زری
 بیشتر کنی تا منش با شنی می کشد و شنی
 چندان برفتگی می رسید از انک ز فانی
 ہمہ یکسان و نام کردان و ہمہ نمان
 بردہ مستغن از راز یاری و نامی

V No 6943
 Khuda Khan's Libary

Pm 36300

«فمنك زمان گویا» نسو خدا بخش کا آخری ورق

مام من لیت ومن الحمر والحمر والخمر
 مثل من جری علی یاری والحمر لیس لیس
 رسولی من عیون وعیون وعیون وعیون
 فیمن عیون انداز اذ اخرجت وعیون فین طوی
 لانی عیون فین عیون لیس لیس ولیس لیس
 ومن عیون عیون عیون عیون عیون
 حوا من عیون بر دن طعام الدعوة یکی
 حوا من عیون بر الدعوة عیون
 ومن عیون عیون عیون عیون عیون
 رو من عیون عیون عیون عیون عیون
 باشد ما من عیون ومن عیون عیون عیون
 والمنقط بر من عیون عیون عیون عیون
 من عیون عیون عیون عیون عیون
 جوا من عیون عیون عیون عیون عیون
 رت من عیون عیون عیون عیون عیون
 ولید من عیون عیون عیون عیون عیون
 ان لیس من عیون عیون عیون عیون عیون
 حاجتی من عیون عیون عیون عیون عیون

تان
 صاب
 ت
 ۱۱۹۰

ی
 ع
 تان

مذهب راه دلایب را بزرگ بر توبه لم خلق
 خواجهان او بامد محبت در مسافت
 باکی فخر گزینان هاست در انبیا سر
 رزمنان بجهاد کوشید و هوایان در کائنات
 بهر کای مایات سره نایب گزینان حقو ازین
 وزن شکا یدلک بر سر طار ازین سر
 زبیری در آینه مایه بر کرد حقون
 رسته حنون بشعاع مرقد مقوم ضعی
 بر رهن جیاهی دیده کرد و طمانینکی
 وحشت سر خندک و درازی در پی و اسبق
 بلند و قن ساز و زاری و آری آینه حلاک
 یا تر کردند
 کتاب فیوم الثانی و ثلث
 المائت من ذوالقعد من جمیع شعائر

بسم

و ابرقار

کتاب فیوم الثانی و ثلث
 المائت من ذوالقعد من جمیع شعائر

Paper No. 36300
 Khuda Bakhsh O.P. Library
 PATNA

ڈاکٹر شریعت حسین قاسمی

شعبہ فارسی
دہلی یونیورسٹی، دہلی

بھگوان داس ہندی۔ احوال و آثار

بھگوان داس ہندی فارسی شاعر کے اپنے تذکرے 'سفینہ ہندی' کی وجہ سے فارسی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کے احوال و زندگی جو اب تک شائع ہو سکے ہیں وہ 'سفینہ ہندی' میں اس کی خود نوشت سوانح 'اور انیس الاحبا' میں منقول اس کے احوال پر مبنی ہیں۔ ان دو آئینہ کے علاوہ اس کی زندگی کے حالات کسی دوسرے ذریعے سے دستیاب بھی نہیں ہوتے تھے۔ خود بھگوان داس کے بقول اس نے اپنے مفصل حالات زندگی اپنی تصنیف 'حدیقہ ہندی' میں 'طرب نامہ نسب' کے عنوان سے نظم کیے ہیں۔ 'حدیقہ ہندی' کا غالباً اب تک سراغ نہیں ملا تھا اور اسے بھی 'سفینہ ہندی' کے سوا بھگوان داس کی دیگر تصانیف کی طرح مفقود الاثر سمجھا گیا۔ خوش قسمتی سے راقم حروف کو 'حدیقہ ہندی' کا ایک قلمی اور غالباً واحد دستیاب نسخہ ملا ہے جس میں ۸۹ آیات پر مشتمل 'طرب نامہ نسب' شامل ہے۔ بھگوان داس نے یہ منظوم سوانح اپنی عمر کے چونتیس برس گزرنے کے بعد یعنی ۱۱۹۸ھ/۱۸۰۵ء میں مرتب کی تھی۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'سفینہ ہندی' 'اور انیس الاحبا' میں ہمارے اس مصنف کے جو احوال و زندگی درج ہیں وہ مکمل نہیں۔ اس وجہ سے 'حدیقہ ہندی' میں منقول 'طرب نامہ نسب' 'سفینہ ہندی' میں مصنف کی بیان کردہ خود اپنی سوانح اور انیس الاحبا میں لے اس کا واحد قلمی نسخہ اور یہ نثری ہنگ لائبریری پڑے، بہار میں محفوظ ہے۔ اسے سید شاہ محمد عطار الرحمن علیا کاوی صاحب ادارہ تحقیقات

عربی و فارسی پڑے ۱۳۵۸ھ/۱۹۵۸ء میں شائع کیلئے ۲ سوڑن مل نہیں لایے تذکرہ بھگوان داس ہندی کے حالات کے لیے اس وجہ سے اہم ہے کہ انیس بھگوان داس کے معاصر ہیں۔ خود بھی کالیہ تھے۔ بھگوان داس ہندی کی طرح فاضلین کے شاگرد ہیں اس لیے یہ بھی کہ ہندی سے ملے ہوں اور ان سے دریافت کرنے کے بعد بھی ان کے حالات اپنے تذکرے میں لکھے ہوں۔ 'انیس الاحبا' ۱۱۹۷ء میں مکمل ہوا یعنی 'طرب نامہ نسب' کے پاس زمانے میں۔

۲ مطبوعہ 'سفینہ ہندی' میں درج ہے کہ: تمام ایں حالات شروع و آخر و قعیدہ نامہ نسب بنو خدا آرد و قعیدہ نامہ نسب غالباً اشتباہ ہے اسے 'طرب نامہ نسب' ہونا چاہیے جیسا کہ اس منظومے کا عنوان 'حدیقہ ہندی' میں آیا ہے: خاتم نامہ این قعیدہ در عقل بطرب نامہ نسب گفتا اس کا ایک قلمی نسخہ راقم حروف کو شخصی

کتابخانہ میں موجود ہے اور یہ آئینہ نزدیک میں ترتیب دینے کے بعد تازین کرانے کی خدمت میں پیش کیا جا گا کہ بھگوان داس ہندی چونکہ ۱۱۹۳ھ/۱۷۸۰ء میں پڑا ہوا اس لیے ۱۱۹۳ھ/۱۷۸۰ء میں وہ چونتیس سال کا ہوتا ہے۔ طرب نامہ نسب پہلے یہ عبارت ہے: مخفی نامہ کا جاع این محمود لطیف و مولف اہم حدیقہ ہندی و انیس الاحبا خود قلم کیا کہ شریعت حسین قاسمی نے یہ نام دیا کہ نام ایک دہریہ مقام ہی نکالو عالم متوجہ شکر و شائستہ و احوال ازیں قعیدہ پیدا ست۔

مذکور اس کے حالات کی بنیاد پر فارسی کے اس معروف ادیب و شاعر کی زندگی کو بہتر اور مفصل طور پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے؛
 بھگوان داس ہندی سری داستان کا کتھہ خاندان کے شرم چرچ تھے۔ ان کے والد اور والدہ دونوں سری داستان تھے۔ ان کے
 اجداد کا اصل وطن کا پٹی تھا جہاں سے ان کے ایک جدا علی لال من سوندھا منتقل ہو گئے :
 لال من جد ششیں منست کوانر انجار سیدہ در سہوندا^۳

لال من نے سوندھامیں دلکش باغ لگوا یا اور اپنے لیے ایک خوبصورت عمارت تعمیر کرائی۔ ان کی عمر عیش و عشرت میں گزری
 ان کا ایک خوب روڑا کا تھا چند رہین چولنے والد کی موت سے اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ عام زندگی کی گہا گہی سے دل برداشتہ ہو کر
 اس نے محرومی اختیار کی۔ اس نے جنگل ہی میں زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ چچ پھاڑوں کی طرف نکل جاتا اور شام کو واپس
 ہوتا یہاں تک کہ ایک روز وہ انہی پہاڑوں میں گم ہو گیا اور اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ چند رہین کا ایک لڑکا کپال داسی صاحب
 عقل و فہم و ذکا تھا۔ اس نے اپنے والد کے گم ہو جانے کے بعد دہلی کا رخ کیا جہاں شاہ جہاں (۱۶۲۸-۱۶۵۹) :
 سرور اسے سلطنت تھا۔ کپال داس شاہ جہاں کے دربار میں حاضر ہوا اور بادشاہ نے منصب لائق اور خلعتوں سے سزا کر کیا۔

شاہ عالم پناہ شاہ جہاں سایہ کرد کار جل و علما
 شاہ ادسا بمنصب لائق کرد مت از دودا خلعتہا

کپال داس کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا بدلیداس اپنے والد کی جانشینی حاصل کرنے کے لیے دربار میں حاضر نہیں ہوا۔ اس
 سلسلے میں اس نے کوئی کوشش بھی نہیں کی۔ اس نے اپنے مستقبل کو خدا کے سپرد کر دیا کہیں پردہ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے
 اسی شناسی بادشاہ نے اسے بلا بھیجا۔ بدلیداس جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے خلعت اور رائے کے خطاب سے
 نوازا۔ اسے جاگیر بھی عطا کی گئی۔ دستیاب اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھگوان داس ہندی کے خاندان میں بدلیداس پہلا
 شخص ہے جسے دربار وقت سے رائے کا خطاب عطا ہوا۔

بدلیداس کے چار لڑکے تھے۔ پہلا سہرمل صاحب علم و فضل و علم و حیا تھا۔ سہرمل کے تین لڑکے تھے۔ ان میں سے
 ہر ایک فن انشائے واقع تھا۔ ان میں سے پہلے کا نام کیسری سنگھ دوسرے کا دیوان سنگھ اور تیسرے کا سہاسنگھ تھا۔
 دیوان سنگھ خوش قد و رغبا ہوا تھا۔ سہاسنگھ افتخاروں کے ساتھ جنگ میں بلا گیا۔ سہاسنگھ کا ایک لڑکا تھا لالادھی لال جو بیٹھا
 اکنون یادگار علم منست یا الہی ہمیشہ خوش بادا

لے سفینہ ہندی میں بھگوان داس لکھتا ہے: سری باترم دوسرا یہاں دوسرے خاندان میں ملو ہے کہ اس کے والد اور والدہ دونوں سری داستان تھے۔ اے حریف ہندی اور عزیز بزرگا
 انکی تعریفی جوتی پڑکین نہیں الا جہاں کیا ہے کہ وطن بزرگان ایشان کہہ (۱)؛ لے بھر صاف صوبہ لالو است۔ سفینہ ہندی: سوندھا۔

ان کے چاکے ایک لڑکے کا نام بلاتی داس تھا جو نہایت 'زیرک و دانہ' شخص تھا۔ یہ برہان الملک سعادت خاں کے دور نظامت (۱۱۳۶/۱۲۲۳ء - ۱۱۵۱/۱۲۳۸ء) میں مشرقی عرفی سپاہ کے عہدے پر فائز تھا۔ یہ نواب برہان الملک بہادر کے دور سے نواب آصف الدولہ بہادر کے دور تک (۱۱۸۹ھ - ۱۲۱۲ھ / ۱۷۷۵ء - ۱۷۹۶ء) امتیازی حیثیت میں حکومت سے وابستہ رہا۔ ہمیشہ یا دہلی میں مشغول رہتا۔ برج بھاشا میں اس نے محمد باری تعالیٰ میں شریک بھی کہے ہیں۔ کینز حلال سے ان کا ایک لڑکا سنان تھا جس کے لڑکے کا نام مکھن سنگھ تھا جو عالم جوانی ہی میں فوت ہو گیا۔

بھگوان داس کے دادا کا نام ہرنس داس تھا۔ یہ جو دوسخا میں مشہور تھے۔ یہ اپنے بھائی بلاتی داس کی حکومت پر اپنے لڑکے دلپت داس (بھگوان داس ہندی کے والد) کے ہمراہ نواب برہان الملک بہادر (سعادت خاں) کے دور نظامت میں لکھنؤ آگئے اور اپنے ایک دوسرے بھائی لالاموئی لعل کو بھی لکھنؤ لایا۔ اس طرح:

تقدہ کوتاہہ جملہ می بودند اندرین شہر لکھنؤ یکجا

کچھ عرصے کے بعد یہ سب راہی ملک عدم ہوئے۔

بھگوان داس کے دادا کے چار لڑکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک ہوش و خرد میں یکتا رہے روزگار تھا۔ لال لیکراج اور ستاہت، بھگوان داس ہندی کے صاحب تقویٰ چچا تھے۔ یہ دونوں ہی فوت ہو گئے۔ ہندی کے تایا کا نام موہن لعل تھا جو صاحب زہد تھے۔ ہندی کے والد دلپت داس دیوی مال و مقام سے بے نیاز رہے۔ عموں کے یہ بھی آصف الدولہ (متوفی: ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء) کے دربار سے وابستہ تھے، لیکن انھیں موا کیا دہلی کے دربار سے لگاؤ نہ تھا۔ جب بھگوان داس کے تولد کا وقت قریب آیا تو ہندوستانی رسم کے مطابق ان کی والدہ کو ان کے والد کے گھر بھیج دیا گیا۔ ان کا نام لالہ رام غلام تھا جو صدر پور موضع سیک کے قانون گو تھے۔ بھگوان داس ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء میں اپنے نانا کے گھر صدر پور میں پیدا ہوئے۔ "میں جو آن بخت سے یہ سال برآمد ہوا ہے، نوے کی بددلتی پرانا بچھوڑے نہ سکتے تھے۔

پدر مادرم ازین شادی می نگیند در میان قبا

نانا نے منجھون سے نواسے کا نام دریافت کیا اور ان کی تجویز پر بھگوان داس منتخب ہوا۔ بھگوان داس دوسرے تک اپنے نانا کے گھر رہے۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے پاس لکھنؤ آگئے۔ کچھ عرصے بعد ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے والد نے نہایت شفقت و محبت سے ان کی پرورش کی۔

پد شفق نمی پرورد دربر و دوش ہر صبح و صا

بھگوان داس جب نو برس کے ہوئے تو والد نے انھیں ایک فاضل و کامل استاد کے سپرد کر دیا جن کا نام مولوی یوسف سہا نپوری تھا اور جو بھگوان داس کے بقول افضل الفضلاء تھے:

کامل استاد مولوی یوسف آنکہ او بود افضل فضلا

بھگوان داس نے ان کی خدمت میں چار سال تحصیل علم کیا اور فن فارسی میں یکتا ہو گئے:

بندہ در چار سال از فیضش در فن فارسی شدم یکتا

صالحات اخلاق صرف و نحو انھیں استاد سے پڑھے۔ جب بھگوان داس ہر فن میں ماہر ہو گئے تو ان کے استاد نے سفارت باندھا۔

بھگوان داس کی قسمت نے رماوری کی اور وہ اپنے استاد مولوی یوسف کی وفات کے بعد فائز کین (موتوی):

۱۳۴۳ھ/۱۸۰۶ء کی خدمت میں کسب فیض کے لیے پہنچے۔ ہندی اپنے استاد فائز کین کی توفیق میں طلب اللسان بن کر:

باعث فخر آسان وزمین عارف کامل اکمل شعرا

وصفت او در دہان نمی گنجید می نگنجد بکوزہ ای دریا

بھگوان داس نے فن تاریخ میں بھی مہارت بہم پہنچائی اور اس فن پر تقریباً سو کتابوں کا مطالعہ کیا:

فن تاریخ تاکہ خوش کردم خواندہ ام صد کتاب این فن را

بھگوان داس پہلے بسل تخلص کرتے تھے، لیکن ان کے استاد فائز کین نے ان کے لیے ہندی تخلص تجویز کیا جس کی برکت سے ان کی طبیعت میں گویائی پیدا ہوئی:

تاکہ ہندی تخلصم فرمود طبع من گشت در سخن گویا

اپنے ہندی تخلص کے بارے میں بھگوان داس کے یہ دو اشعار قابل توجہ ہیں:

در میان سخنوران انا م نظم من مخفر خود مند یست

ہندو ام، ہندو لاؤں بوم غمت زیر دوبات تخلصم ہند یست

بھگوان داس نے طب نامہ نسب میں اپنی شخصی زندگی کے بارے میں زیادہ اشارے نہیں کیے ہیں، لیکن یہی سفید

ہندی سے پوری مرہباتی ہے جہاں وہ اپنے بارے میں لکھتا ہے کہ آغاز جوانی میں نواب مختار الدولہ بہادر کی طرف سے اسے تہ

صوبہ آباد کا میر بحر بنایا گیا۔ اس کے بعد وہ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے وابستہ ہو کر میرزا راجہ جندپ سنگ

بہادر کا دیوان مقرر ہوا۔ راجہ جندپ سنگ صاحب نوبت وجاگیر اور سرکار خیر آباد و سبک کے مالک خدمات تھے

یہاں بھگوان داس صاحب دستخط ہوا اور پانچ سو سوار اس کے دستخط سے ملازم سرکار ہوئے۔ راجا صاحب کے

نقال کے بعد بھگوان داس راجا پڑ چند بہادر کے مصاحب ہو گئے۔ یہ راجا حضور پر نورؐ کو اب مرحوم (آصف الدولہ) کے لک سپاہ و کار خانات اور خانہ سالار تھے۔ راجا کے سورگ باش ہونے کے بعد بھگوان داس کو آصف الدولہ کے یوان و نائب معتمد الدولہ شیر الملک مہاراج ادھیراج مہاراج ٹکلیت رائے نادر بہادر صلابت جنگ (متوفی: ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) کا مصاحبی کا شرف حاصل ہوا۔ اسکے بعد راجا جے سنگھ رائے نے ان پر نظر کرم کی اور ان کی قدر و عزت میں اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے امراء و وزرائے بھی ان پر شفقت و عنایت کی باتیں کی۔

جب بھگوان داس ہندی کا ایک قصیدہ (معروف بر آفتاب) حضرت آسمان جاہ غلام اللہ علیہ السلام کی نقابہ کی نظر سے گزرا تو اسے دربار میں طلب کیا گیا اور رائے کے خطاب اور پائندہ ذات و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کیا گیا۔ اس قصیدے کے یہ دو بیت سفینہ ہندی میں نقل ہوئے ہیں:

ایک مجھ دم جمال تو میں گر آفتاب از جیب صبح سر نکشد دیگر آفتاب
تا خطبہ تنہای جمالت بیان کند ہر صبح می رود بسر منبر آفتاب
بھگوان داس کا ایک اردو کا مادھورام سات سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گیا۔ اپنے اسی لڑکے کی وفات کا ذکر کرتے
کے بعد بھگوان داس نے ”طرب نامہ“ نسب میں غزل کے عنوان سے درج ذیل ہر شہ لکھا ہے:

ایں ہمد داستان چو بشنیدی گوش کن تازہ ایں غزل حالا
چند سازی مرا ز خویش جدا از رہ لطف زود خیز و بیا
در گستان ز رشک رنگ دخت میکند گل ہمیشہ جہاں مر قبا
چند میرم بشوق دیدارت پردہ بردار و روی خود بنما
رفت از سر ہوا می خوباش دیدہ کس کہ آں قد و بالا
دم مرگ از سرم شان مویہ تا کنم جان و دل فدای شما
تا تو اید و ست از برم رفتی من چکویم چہ رفت بر سرا
در فراق تو داد حبان ہندی دای فریاد حسرتا دردا

مادھورام کے انتقال کے بعد غلام بھگوان داس کا ایک دوسرا لڑکا پیدا کیا۔ اس کا نام کشن پشاور رکھا گیا۔ بھگوان داس نے
”طرب نامہ“ نسب جس کی بنیاد پر اس کے درج بالا احوال زندگی بیان کیے ہیں جو تیس برس کی عمر میں نظم کیا تھا:
سال عمر گذشت چون سی و چہار غنیمت امیں داستان بھدق و صفا

مصحفی نے اپنے تذکرے عقد شریا میں ایک راجا بھگوان داس کا ذکر کیا ہے، وہ غالباً ہی بھگوان داس ہندی ہیں جنہیں لکے کا خطاب ملتا ہوا تھا راجا کا نہیں۔ مصحفی کے بقول یہ کتھیر کے صوبے دار تھے۔ یہ اطلاع خود بھگوان داس نے بہم نہیں پہنچائی ہے۔

انیس الاحا کا مؤلف بھگوان داس کا معاصر ہے۔ وہ ان کی علوات و اطوار کے بارے میں لکھتا ہے کہ ستونہ صفات، نیکو خصال ہیں۔ باعزت و وقار، میرزا و ضعیف پاکیزہ گفتار ہیں۔ مزاج درد کے آشنا اور طبع رسا کے مالک ہیں۔ جو کچھ آج کل نظر کرتے ہیں، اسے اپنے دیوان و ذوقیہ میں شامل کرتے ہیں۔ فصیح و بلیغ کی روشنی سخن کے پیر ہیں ان کے کلام میں شستگی اور روانی ہے۔ بھگوان داس کا سال وفات کسی ذریعے سے معلوم نہیں ہو سکا۔ بھگوان داس نے حدیقہ ہندی اور سفینہ ہندی میں اپنی درج ذیل ادبی کاوشوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) دودلیوان: (الف) شوقیہ (ب) ذوقیہ

بھگوان داس نے قصاید، ترجیع بند اور دوسری اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

(۲) تین مثنویاں: (الف) نولالین عبدالرحمن جامی رشتوی: ۸۹۸ھ کی سلسلۃ المذہب کے وزن پر سلسلۃ المعبت، تقریباً ایک ہزار آیات پر مشتمل اس مثنوی میں چت گیت (جس میں فارسی عطار دیکھتے ہیں) کے حوالہ بیان کیے ہیں۔ اس کے اکثر آیات میں شاعر نے گوہر معانی پر رونے ہیں۔ (ب) نطائی گنجوی کی مخزن الاسرار کے وزن پر منظوم اللہاء (ج) یوسف وزلیخا کے وزن پر دھاکوت مسمیٰ یہ مہر ضیاء۔

(۳) حدیقہ ہندی: ہندستان میں مسلمانوں کی آمد سے اس کی تالیف کے سال ۱۲۰۰ھ تک ان کا ذکر شعرا کا تذکرہ جو ہندستان میں پیدا ہو گیا جنھوں نے اس سب سے پہلے پڑھنا پائی۔ بقول مصنف یہ تذکرہ بھی ہے اور تاریخ بھی۔ (۴) رسالہ سوانح النبوة: پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ و روزگار ائمہ کی سوانح پر مشتمل یہ رسالہ سید خیرات علی کی فرمائش پر لکھا گیا۔

(۵) سفینہ ہندی: شاہ عالم کے عہد (۱۱۷۳/۱۱۷۴ھ) سے اس تذکرے کے سال تصنیف ۱۲۳۳ھ تک ہندستان میں نشوونما پانے والے فارسی شعرا کا تذکرہ ہے۔

درج بالا تصانیف میں سے فی الحال بھگوان داس کی صرف دو تصانیف کے وجود کا علم ہو سکا ہے۔ ایک

سفینہ ہندی جو شائع ہو چکا ہے اور دوسرے حدیقہ ہندی جو زیر طبع ہے۔

۱۔ سفینہ ہندی: ضمیمہ مطبوعہ ۱۳۲۷ھ میں انیس الاحا، بحوالہ مقدمہ مرتبہ سفینہ ہندی ۱۲۰۰ھ کا ذکر عبد اللہ نے اپنی ادبیات فارسی میں کیا ہے۔ ۲۔ حدیقہ ہندی: ۱۲۰۰ھ کا تذکرہ ہے۔ ۳۔ حدیقہ ہندی: ۱۲۰۰ھ کا تذکرہ ہے۔ ۴۔ حدیقہ ہندی: ۱۲۰۰ھ کا تذکرہ ہے۔

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن

سینٹ لائبریری خواتین لائبریری

پٹنہ - ۳

خدا بخش لائبریری میں مشاہیر کے آٹو گراف

خدا بخش لائبریری پٹنہ دنیا کی اہم ترین شرقی کتابخانوں میں شمار ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں نادر قلمی نسخوں اور نایاب مہمند خطوط کے علاوہ اسلامی دنیا کے نامور مصنفین اور حکمرانوں کی خود نوشت تحریریں (AUTOGRAPHS) بھی محفوظ ہیں۔ درج ذیل طور پر فارسی کے کچھ معروف مصنفین اور حکمرانوں کی خود نوشت تحریروں کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ یہاں کیسے کیسے نادر اور اہم قلمی نسخے موجود ہیں:

شیخ حسین معز بلخی [شیخ حسین معز بلخی (۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء تا ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) نویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ ہیں۔ یہ دراصل حضرت مخدوم بہاری کے ارشد خلیفہ حضرت مظفر شمس بلخی (۸۰۳ھ/۱۴۰۰ء) کے بھتیجے ہیں۔ جن سے انھوں نے دینی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی اور پھر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ انھوں نے اپنی دینی خدمات اور روحانی کمالات کی وجہ سے صوفیائے بہار میں بڑا نام پیدا کیا۔

مکتوبات صدی حضرت مخدوم بہاری کے خطوط کا ایک اہم مجموعہ ہے جس میں رشد و ہدایت، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی باتیں بتائی گئی ہیں۔ اس کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ جو نویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے اور پرنسپل سر جیسن کی تحقیق کے مطابق شیخ حسین معز بلخی کا خود نوشت ہے۔ اس میں بابا جعفر حواشی اور نوٹس ملتے ملتے ہیں جو حضرت مظفر شمس بلخی کی ہدایت پر تحریر کیے گئے ہیں اور یہ بھی انھیں کے قلم سے ہیں۔ اس میں ۳۲۳ اور اق ہیں کہ آیت خط نسخ میں ہے ایک سیشن نمبر ۲۱۷ ہے۔

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتب نمبر ۱)

علامہ عبدالرحمن جامی [علامہ عبدالرحمن جامی (۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) کی شخصیت علمی دنیا میں انتہائی مشہور و معروف ہے۔ یہ نویں صدی ہجری کے ہیں۔ ان کی ایک منظوم تصنیف سلسلۃ الذہب کے نام سے ہے جس کا ایک قدیم نسخہ یہاں محفوظ ہے جو ۸۶۵ھ کا مکتوبہ ہے اور علامہ عبدالرحمن جامی کا خود نوشت ہے اس میں اس کے صرف دفتر اول اور دیوان جامی کے اشعار ہیں۔ اس کے ۲۴۶ اور اق ہیں۔ ہینڈ لیسٹ نمبر ۴۹ اور کٹنگ نمبر ۱۸۵ ہے۔

اس نسخہ کے شروع صفحہ پر علامہ الرحمن جامی کی مزید ایک خودنوشت تحریر ملتی ہے۔ جو دراصل ان کے لڑکے ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں ہے۔ انکی ولادت ۹ شوال ۸۸۲ھ کو بروز بدھ بوقت آغوش ہوئی تھی تحریر ملاحظہ کیجئے:

”ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف ابنہ اللہ تعالیٰ بنا ما احسان فی الاخرین لیلة الاربعاء التاسع من شہر شوال سنۃ اثنین وثمانین وثمانمات۔ والکتاب ابوہ الفقیہ عبدالرحمن بن احمد الجامی عفی عنہ“

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۳۷۸)

اس کے علاوہ علامہ الرحمن جامی کی ایک اور تصنیف منتخب انیس المطالبین وعدۃ السالکین کے نام سے ملتی ہے جو ان کی آٹو گراف کا پی ہے۔ یہ دراصل انیس المطالبین وعدۃ السالکین کی تلخیص ہے۔ کتابت ۸۵۶ھ کی ہے۔ اس میں ۵۵۵ اوراق ہیں۔ خط نسخ میں تحریر کردہ ہے۔ ہینڈ لٹ نمبر ۱۳۴۰ اور کیٹلاگ نمبر ۱۳۷۷ ہے۔

اس کے آخری صفحہ پر مذکورہ ذیل ترقیم کی عبارت ملتی ہے جس کا شرح ہوتا ہے کہ اسکی کتابت خود مصنف نے ۸۵۶ھ میں کی ہے۔

”تم یون اللہ تعالیٰ فی شہر جمادی الاول سنۃ ست وثمانین وثمانمات علی يد العبد الفقیر عبد الرحمن الجامی تائب علیہ۔“

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۳۷۸)

پہاویں (۹۳۷ھ-۹۶۳ھ) ہندستان کا مشہور نسل بادشاہ ہے۔ جو ایک حکمران ہونیکے علاوہ براعظم دوست اور نیک مزاج آدمی تھا۔ خدا بخش لائبریری میں اس کی مندرجہ ذیل خودنوشت تحریریں موجود ہیں۔

۱۔ اس کی پہلی تحریر اس وقت کی ہے جب وہ ۹۴۵-۹۴۴ھ میں بنگال کی سرزمین پر فتح پانے کے لیے کوشاں تھا۔ اس وقت اس نے دیوان حافظہ کے ایک نسخے سے فال نکالا۔ یہ وہی نسخہ ہے جو خوش قسمتی سے خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ اور جس پر پہاویں کے علاوہ جہانگیر بادشاہ کی بھی تحریریں ملتی ہیں۔ یہ نسخہ ۱۲۰۱ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہینڈ لٹ نمبر ۳۱۸ اور کیٹلاگ نمبر ۱۵۱۷ ہے۔ ۹ ویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے۔

پہاویں نے فال نکالنے کے بعد مندرجہ ذیل نوٹ اپنے قلم سے لکھا ہے۔ جو مذکورہ نسخہ کے ورق ۱۳۵ الف پر موجود ہے اور وہ اس طرح ہے :

”روز سہ شنبہ دولت ۱۳ محرم انتخاب بریر بیت کرتا جہاں باشندہ نیکی درجہانت کا باد۔ صورت یافت
والسلام در موضع منکر“

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۳۷۸)

۲۔ پہاویں کی دوسری تحریر اس وقت کی ہے جب اس کو اپنے بھائیوں (مرزا کامران مرزا عسکری مرزا ہندال) کی بغاوت چال کی وجہ سے ہندستان چھوڑ کر بھاگ بھاگنا پڑا۔ اور پھر اسے ۹۶۲ھ میں انتہائی جدوجہد کے بعد دہلی پر دوبارہ

ہوا جس سے اس کی کامیابی قریب نظر آ رہی تھی۔ شہر
عزیز مصر پر غم برادران خیور
از قعر چاہ برآمد با وجہ ماہ رسید
اس کے بعد اس نے یہ لکھا:

”اس غزل خاصا میں بیت تغال ہمایوں شد چند بار“ یہ تحریر ورق ۳۸ الف پر ملتی ہے۔

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۶)

۳۔ ہمایوں ۹۱۲ھ میں جب دہلی پر دوبارہ قابض ہو گیا تو کچھ دنوں بعد پھر نکال پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنا لگا۔ اس منصوبہ بندی کے زمانے میں اس نے مذکورہ دیوان حافظ سے فال نکالا اور فال کے بعد مندرجہ ذیل نوٹ تحریر کیا جو ورق ۶۷ ب پر درج ہے اور یہ اس کی تیسری تحریر ہے۔

”از فال مصحف کہ ربک برآمد از دیوان حافظ امیں شاہ بیت آمد و چندیاں بار ابیات مناسب آمدہ کہ اگر شرح آہنا شود کہ کتابی شود ان شاء اللہ تعالیٰ۔ چون فتح ولایات شرقی و مبارزان امیں دیار باہر کر دکشا شود و نذر خوبی بخواجه لسانی الغیب فرستادہ شود۔ و جمع آن تغالات نیز رقم کردہ شود بمحذوف و فقیہ شب و دشمن بہ جہد ہم دی جرمہ ۹۱۲ در شہر دیں پناہ تحریر یافت والسلام۔ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۶)

جہانگیر | نور الدین جہانگیر (۱۵۶۹-۱۶۰۷ء) اپنے عدل و انصاف اور حکمرانی و علم دوستی کی وجہ سے مغل بادشاہوں میں خاص اہمیت کا حامل ہے یہ بھی دیوان حافظ سے فال نکالتا اور اس کو صحیح سمجھتا تھا۔ اس نے دیوان حافظ کے مذکورہ نسخے مختلف بار فال نکالے۔ اور پھر اپنے قلم سے اس پر جابجا نوٹ لکھا ہے۔ اس طرح اس کی مندرجہ ذیل خود نوشت تحریریں ہیں اس نسخہ پر ملتی ہیں۔

۱۔ ۱۰۱۲ھ میں جہانگیر الہ آباد میں مقیم تھا۔ اسے خبر ملی کہ اس کی خبر گیری کی غرض سے اکبر بادشاہ وہاں آنے والا ہے لیکن کسی مجبور کی بنا پر نہ آسکا۔ جہانگیر بہ خبر سننے ہی اپنے والد سے ملنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اور پھر الہ آباد سے آگرہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ درمیان سفر اس نے مذکورہ دیوان حافظ سے فال نکالا اور اس کے بعد اپنے قلم سے یہ عبارت لکھی۔

”وقتی کہ از الہا باس بقصد طاعت حضرت والد بزرگوار خواہش مند آگرہ بودم۔ در اثنای ماہ بخاطر رسید کہ تغال بدیوان حافظ باید نمود۔ این غزل برآمد و ہم سعادت خدمت و رضا ہوئی و حاضر بودن در واقعہ ناگزیر دست داد و ہم دولت موردی روزی گشت کہ بعد از مضمون امیں غزل بود۔ در حیدر الہائی کشودہ شد۔ راجعہ نور الدین جہانگیر کہ بکرا لکھا تھی۔ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۶)

یہ عبارت ورق ۱۱۵ الف پر ملتی ہے۔

۲۔ جہاں گیر کو کچھ معتبر ذرائع سے ایک روز معلوم ہوا کہ حکیم فتح اللہ نور الدین شریف اور کچھ دوسرے لوگ خسرو کو جیل سے نکال کر جہانگیر کو جگہ بیٹھانا چاہتے ہیں اور جہانگیر کو اس کی بادشاہت سے ہٹا دینے کی سازش کر رہے ہیں۔ جہانگیر کو یہ بات نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ اور اس بنا پر اس نے انھیں گرفتار کر کے قتل کر دیے۔ حکم دیا۔ اسی دوران میں فتح اللہ کے سلسلے میں مذکورہ دیوان سے فال نکالا۔ جب اس کی معافی کے لیے فال نکلا تو اس نے اس کو معاف کر دیا فال کی عبارت ملاحظہ ہو:

”بجہت خلاص فتح اللہ سپہ جگر ابو الفتح برآمد گناہ اولاً بخشدیم۔ ۱۰۱۸ھ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے عکس نمبر ۳)۔ ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۳ء میں جہانگیر راجہ گیا تاکہ وہاں کے حالات کا بخوبی جائزہ لے سکے اور اس کی سیاسی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کر سکے۔ اس زمانے میں وہ ایک روز شکار کرنے کی غرض سے نکلا کہ جنگل میں ایک نہایت قیمتی تعوید گر ہو گیا وہ اس سے نہایت رنجیدہ ہوا۔ اس نے اپنی رنجیدگی دور کرنے اور تعوید تلاش کرنے کے مقصد سے دیوان حافظ کا سہارا لیا اور اس سے فال نکالا فال نکالنے کے بعد اس نے مندرجہ ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھی جو ورق ۶۷ ب پر درج ہے۔ اور وہ بہایوں کی تحریر کے نیچے ہے۔

”در اجیر بر سر آنا فتم بودم۔ در شکار تعوید الماس تراشیدہ از سر من افتاد۔ شگون این لا خوب ندانستہ تفال بدایان خواجہ نمودم۔ این غزل برآمد و روز دیگر تعوید پیدا شد۔ حرہ نور الدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ غازی فی عمر ۲۳“ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے عکس نمبر ۴)

۴۔ اسی ورق (۶۷ ب) پر جہانگیر کی ایک دوسری تحریر ملتی ہے جو اس تعوید کے واقعہ گمشدگی سے متعلق وہ یہ ہے: ”فال کہ بجہت الماس کشودہ بودم“ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے عکس نمبر ۵)

۵۔ اسی پہلے (معموم ۱۰۲۳ھ) میں جہانگیر نے خرم کو اجیر بھیجا کہ وہ رانکے خلاف محارز لڑائی کر کے اودے پور پر قبضہ کرے خرم نے اپنی فوج کی مدد سے اودے پور کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ رانکے نے مجبور ہو کر اس کے سامنے SURRENDER کر دیا اور اس طرح وہ جہانگیر کا محکوم ہو گیا۔ اسی زمانے میں جہانگیر نے مذکورہ دیوان حافظ سے فال نکالا اور اس کے بعد یہ عبارت لکھی جو ورق ۶۲ الف پر درج ہے۔

”فرزند خرم لا بر سر آتین نمودہ خود در اجیر نزول اجلال داشتیم۔ چون کار بر تختگ شد اختیار بندگی نمود۔ ہنوز خبر دیدن او نرسیدہ بود کہ تفال بر لسان الغیب حافظ نمودم۔ این غزل برآمد و بعد از دو روز خبر رسید کہ رانا خرم را طاعت کرد۔ در خرم ۱۰۲۳ھ حرہ نور الدین جہانگیر“ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے عکس نمبر ۶)

۶۔ عثمان افغان بنگال کا سردار تھا۔ اور مغل بادشاہ کا سخت دشمن بھی۔ اس وقت مغل بادشاہ کی طرف سے اسلام خاں بنگال کا گورنر تھا۔ اس نے اپنی فوج کو شجاعت خاں کی قیادت میں عثمان افغان کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ ان دونوں میں گھسان کی جنگ ہوئی اور عثمان افغان بڑی طرح زخمی ہوا اور پھر انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کے لڑکوں بھائی اور دوسرے رشتہ داروں نے شجاعت خاں کے سامنے SURRENDER کر لیا اور انھیں معاف کر دیا گیا۔

جب جہانگیر کو عثمان افغان کے انتقال کی افواہ سننے میں آئی تو اس نے مذکورہ دیوان حافظہ سے خاں کا اس کی تصدیق کی۔ پھر چند روز بعد اسکو مصدقہ طور پر معلوم ہوا کہ عثمان افغان انتقال کر گیا۔ فال میں یہ شعر نکلا۔
خوردہ ام تیر نظر بادہ بدہ تاسرست عقد در بند کمر ترکش جو ز افگنم
اس کے بعد اس نے یہ شعر تحریر کیا جو ورق ۱۲۱، الف پر پایا جاتا ہے:

”بہت کشتہ شدن عثمان از حفاظتال نمودم این بیت برآورد و چند روز بعد ازاں خبر قتل آن معہود رسید حرہ نورالدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ۔“

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ ۱۱)

۷۔ جہانگیر کی ایک تحریر اس وقت کی ملتی ہے جب اس نے اپنے ایک قریبی دوست خاں عالم کے ملازم حافظ حسن کی آٹھ کے سلسلے میں دیوان حافظہ سے فال نکالا اور پھر اپنا نوٹ لکھا جو ورق ۸۱ پر اس طرح موجود ہے:
”بہت کس خاں عالم حافظن نام داشت کشارہ بودیم خاں عالم را پیش دارای ایلان بلنجی گری فرساده بودیم“
(۱) اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ ۱۲

۸۔ جہانگیر نے اپنے ۱۱ویں سال جلوس (۱۶۲۵ء) میں سلطان خرم کو شاہ خرم کا خطاب سے کر دکن پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر اس نے مذکورہ دیوان حافظہ سے فال نکلنے کے بعد اپنے ہاتھ سے یہ عبارت لکھی:
”برای نور چشمی شاہ خرم کاشادیم۔ ایسا کلا تفرقہ امان آید۔ یہ عبارت ورق ۲۴۴ ب پر موجود ہے۔“

(۱) اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ ۱۲

شاہ جہاں بادشاہ | شاہ جہاں ۱۶۰۳ء - ۱۶۲۷ء (۱۰۶۸ھ - ۱۰۷۸ھ) ہندوستان کا شہنشاہ و مہم جو مغل بادشاہ تھا۔ اسکی ایک خودنو تحریر تاریخ فاندان تہمورید کے شروع صفحہ پر ملتی ہے جو فدا بخش لائبریری کا اہم ترین مصدقہ قلمی نسخہ ہے اور اکبر بادشاہ کے ۲۲ سال جلوس میں اس کے دربار میں لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ ۱۶۳۸ء وراق پرنٹشل ہے۔ ہینڈ لیسٹ نمبر ۱۰۷ اور کیٹلاگ نمبر ۵۵ ہے۔ اب شاہ جہاں کی تحریر ملاحظہ فرمائیے لکھتا ہے:

”ایں تاریخ کوشتمل است برمجل احوال حضرت صاحبقران گیتی ستان واولاد اجماد آنحضرت و سوانح پیام
حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ تا سال بست و دوم در عہد دولت شاہ بابا تعین شدہ حرر شاہ جہاں“

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۱۱۴)

محمد سلطان | محمد سلطان (متوفی ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰ء) اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کا سب سے بڑا اور کاٹھا۔ اس
کی ایک خود نوشت تحریر جہانگیر نامہ کے شروع صفحہ پر ملتی ہے جولائبریری کا ایک اہم نسخہ ۱۰۲۰ھ کا مکتوب ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۹
اولیٰ قہرستان عہد سلطنت نمبر ۱۱۳ اور کیلنگ نمبر ۵۵۵ اس نے لکھا ہے کہ یہ نسخہ اس قطب الملک حیدر آباد کے ہاں تکمال کیا گیا کی عبارتوں پر ہے۔
”ایں کتاب جہانگیر نامہ کہ حضرت جنت مکانی خود تصنیف نمودہ اند۔ در دارالافتح حیدر آباد از کتابخانہ

قطب الملک گرفتہ شدہ۔ حررہ محمد سلطان“ محمد سلطان کی بہر کے علاوہ اس مندرجہ پر دو قطب شاہی مہر ہیں
(سلطان محمد قطب شاہ اور عبد اللہ قطب شاہ) بھی موجود ہیں۔ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۱۱۵)

ظفر خاں قدسی | مرزا حسن اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۷۰ء) کا تخلص حسن تھا۔ عہد جہانگیر کے ۱۹ ویں سال
(۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء) میں کابل کے گورنر مقرر ہوئے اور ظفر خاں قدسی کا خطاب حاصل کیا۔ پھر شاہ جہاں کے عہد کے ۵ ویں
سال (۱۰۴۱ھ/۱۶۳۱ء) میں کشمیر کے گورنر بنائے گئے اور کافنی عرصہ تک اسی عہد پر مامور رہے۔

یہ ایک اچھے شاعر تھے۔ کشمیر میں طالب کلیم، طالب علی اور محمد جان قدسی کے ساتھ ان کی صحبت رہتی تھی۔
ان کا ایک مجموعہ اشعار کلیات حسن کے نام سے خدابخش لاٹریری میں موجود ہے جو ۱۲۳۰ اوراق پر مشتمل ہے
اور جس کی کتابت ۱۰۵۳ھ کی ہے۔ ہیڈر لٹس نمبر ۶۶۶ اور کیلنگ نمبر ۳۲۹ ہے۔ مندرجہ ذیل ترقیمہ کی عبارت سے
واضح ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مرزا حسن اللہ حسن کا خود نوشت ہے۔

”راحم حسن اللہ بن ابوالحسن المصطفیٰ بن ظفر خاں“ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۱۱۶)

مرزا عبدالقادر بیدل | مرزا عبدالقادر بیدل (متوفی ۱۱۳۳ھ) فارسی زبان کے مشہور صوفی شاعر ہیں۔ ان کا ایک
مجموعہ رباعیات یہاں محفوظ ہے جو ۱۶۱ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہیڈر لٹس نمبر ۶۶۵ اور کیلنگ نمبر ۳۸۶ ہے۔ یہ مرزا بیدل کا
خود نوشت نسخہ ہے کیونکہ اس کی کتابت ۱۱۱۵ھ میں ہوئی ہے۔ جو ان کی وفات سے اٹھارہ سال قبل ہوتا ہے اور
اس کے علاوہ اس کے شروع صفحہ پر مندرجہ ذیل تحریر قدیم خط میں ملتی ہے جس تصدیق ہوتی ہے کہ یہ نسخہ مرزا بیدل کے خط میں ہے۔ تحریر یہ ہے۔
(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۱۱۷)

”بخط مرزا بیدل مرچوم“

تقی الدین محمد کاشی | ابن شرف الدین علی تقی الدین محمد کاشی (متوفی ۱۰۶۰ھ) فارسی زبان کے مشہور فاضل و مؤرخ و تذکرہ نگار

ہیں۔ ان کی ایک ایسا تصنیف علامۃ الاشعار ذبیحۃ الانکار ہے۔ جس میں فارسی شعری حالات تحریر کیے گئے ہیں۔

اس کا ایک نسخہ یہاں موجود ہے جس میں ۳۹۵ اوراق ہیں۔ ہینڈلسٹ نمبر ۲۱۸ اور کیٹلاگ نمبر ۲۸ ہے۔ اس نسخہ پر مصنف نے خود ہی نظر ثانی کی ہے اور جا بجا اپنے قلم سے حواشی اور ضروری نوٹس لکھے ہیں۔ ورق ۳۱۸ ب کے حاشیہ پر مصنف نے کافی الذکر بہتہ اللہ ابراہیم الشہیر کا فی ظفر براہ حق خود اپنے قلم سے کیلے اور اپنا تعارف خود ہی اس طرح کر لیا ہے :

”امادیر ایام اشعار وی مہجور و نایاب است و دیوان اشعار او در میان نیست و تفصیل حالاتش نیز در کتاب تذکرہ وقاری کی مذکورہ لاجرم جاساں خلاصہ معنی تقی الدین الحسینی ابن قصیدہ را بانکہ اشعار وی کرد سغایین و مصنفات دیگران بنظر رسیدہ بود در این نسخہ خیروال در آخر مجلد و چہام در تلو شاعر کہ بہیں شعرا از ایشان نوشتہ شدہ مسطور ساخت ---

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے نمبر ۱۸)

اندرا من | اندرا من لاریٹیک چند بہار کے خاص شاگرد ہیں انھوں نے لاریٹیک چند بہار کی تصنیف بہار عجم کا انتخاب کیا جس کا ایک نسخہ یہاں موجود ہے۔ جو ۱۴۲۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہینڈلسٹ نمبر ۱۸۷ اور کیٹلاگ نمبر ۸۱ ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل ترقیم سے مترشح ہوتا ہے کہ نیز خود اندرا من کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

”الحمد للہ والحمدۃ کہ باتام رسید منتخب کتاب بہار عجم تالیف استاد دی محمد علیک چند خطا فقر حقیر ---

اندرا من اولی روز پنج شنبہ شہر شوال سند و اندہ از جلوس شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی موافق سال ہزار و چہشتاد و چہا“

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے نمبر ۱۹)

آزاد بگلرامی | غلام علی آزاد بگلرامی (متوفی ۱۳۰۰ھ) علوم دینیہ کے مشہور عالم اور فارسی کے معروف ادیب اور تذکرہ نگار ہیں ان کی ایک اہم تصنیف یہ بیضا ہے۔ جو فارسی شعرا کا تذکرہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ یہاں موجود ہے جو ۱۳۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہینڈلسٹ نمبر ۲۴۴ اور کیٹلاگ نمبر ۱۹۱ ہے۔ اس میں ورق ۱۶۰ — ۲۲۲ نیم منکشتہ رسم الخط میں ہیں اور آزاد بگلرامی کے خود نوشت ہیں۔ بقیہ اوراق کسی دوسرے کا تہجے لکھے ہوئے ہیں۔

اس نسخہ کے شروع صفحہ پر ایک مستشرق J.H. BLOCKMAN کی مندرجہ ذیل تحریر ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس نسخہ کا تذکرہ حصہ (ورق ۱۶۰ — ۲۲۲) خود آزاد بگلرامی کا کتبہ ہے۔ بلاک مین نے یہ ۱۸۷۵ء میں لکھا تھا۔

"THE BOOK IS / CHIEFLY IN THE HANDWRITING OF THE AUTHOR,

WHO LIVED IN BILGRAM (BOUGHT IN BILGRAM). GHULAM ALI AZAD'S HANDWRITING IS THE SMALL CLOSE HANDWRITING TOWARDS THE END OF THE BOOK, FROM میر عبد الجلیل. THIS I INVESTIGATED IN BILGRAM ITSELF. J.H.B.

اس تحریر سے دو بات واضح ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ J.H. BLOCKMAN نے ۱۸۷۷ء میں یہ نسخہ خود بلگرام میں خرید لیا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہاں کے اہل علم نے خود اس بات کی تصدیق کی کہ اس نسخہ کے مخصوص اوراق آزاد بلگرام کے خود نوشت ہیں۔
(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۳)

شیخ محمد علی حزمی شیخ محمد علی حزمی اصفہانی (م ۱۱۸۰ھ / ۱۷۷۹ء) قادری کے اہم شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا ایک دیوان یہاں موجود ہے۔ جس کے پہلے صفحہ پر ان کی ایک تحریر ملتی ہے جس میں ۳۹۶ اوراق ہیں کہ کتابت ۱۲۱۲ھ صدی ہجری کی ہے۔ کتاب کا نام عبدالصمد ہے۔ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ ہینڈ لیسٹ نمبر ۱۹۰ اور کیٹلاگ نمبر ۱۹۲۵۔
(اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۳)

اس کے علاوہ یہاں مرزا محمد تبریزی متخلص بہ مجذوب کا ایک مجموعہ نکلا (دیوان مجذوب کے نام سے ہے جس کے شروع و آخری صفحہ پر شیخ علی حزمی کا دستخط موجود ہے۔ مخطوط ۱۴۴۴ اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت ۱۲۱۲ھ ہجری کی ہے۔ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے۔ ہینڈ لیسٹ نمبر ۱۹۱ اور کیٹلاگ نمبر ۱۹۰۹۔ اس دیوان میں مجذوب کے قصائد، غزلیات، غمسات، مثنویات اور ترجعات وغیرہ درج ہیں۔ (اصل تحریر کے لیے دیکھیے مکتبہ نمبر ۳)

غلام حسین طباطبائی غلام حسین طباطبائی ۱۳۱۳ھ ویر ہدی ہجری کے مشہور فاضل اور مورخ تھے۔ ان کی ایک مشہور کتاب "سیر المتاخرین" کے نام سے ہے۔ اس کا ایک نسخہ ۲۲۲ھ کا لکھا ہوا ذخیرہ بخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ جو خود ان کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ۴۱۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہینڈ لیسٹ نمبر ۱۳۵ اور کیٹلاگ نمبر ۵۸۲ ہے۔ اس کے شروع صفحہ پر مندرجہ ذیل تحریر ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مصنف کا خود نوشت نسخہ ہے۔

"کتاب ہذا بتاریخ بستم شہر ریج الثانی سنیک ہزار و دودھ دوی ہجری با تمام ریدہ نوشتہ خاص سید غلام حسین خاں ثور" است
اس کے علاوہ ایک اور تحریر ملتی ہے جو اس طرح ہے:

"نسخہ ہذا بکاش بابا رقیقت یک صد و پنجاہ روپیہ چونکہ دست خاص نواب صاحب مرحوم بود بنا بر خیال قیمت نکر دم"

"ان دونوں تحریروں کی روشنی میں یقینی طور سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مصنف کا خود نوشت نسخہ ہے

لیکن جب تک اس کے مقابلے میں کوئی دوسری تحریر سامنے نہیں آجاتی تب تک یقین کے ساتھ اس کو رد بھی نہیں کیا جاسکتا۔
(اصل تحریر کے لیے دیکھیے نمبر ۳۳)

منظر حسین مظفر حسین المصطفیٰ بہارت خاں ابن حکیم غلام محمد خاں ۱۲ ویں صدی ہجری کی قابل ذکر ہستیوں میں ہیں۔ ان کی ایک اہم تصنیف جام جہاں نما ہے جو دراصل ایک انسائیکلو پیڈیا ہے اور تاریخ، جغرافیہ اور ذکر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ یہاں محفوظ ہے جو مظفر حسین کا خود نوشت ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس میں جامعہ مفید حواشی اور نوٹس پر کیے گئے ہیں جو تصنیف کے قلم سے ہیں اس کی پہلی جلد میں ۲۳۹ اور دوسری جلد میں ۳۰۸ اوراق ہیں۔ کتابت ۱۱۸۰ھ کی ہے خط نستعلیق میں ہے۔ ہینڈ لکسٹ نمبر ۴۴۲ اور کیٹلاگ نمبر ۵۲۷ ہے۔ کتاب کے آخری صفحہ پر ترقیم کی مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے جو کسی دوسرے شخص کی ہے اور جس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ پوری کتاب مظفر حسین کی کتابت کی ہوئی ہے:

”تمام شد کتابی بمسما جہاں نما من تصنیف افضل السانین محمد مظفر حسین الطیب المصطفیٰ بہارت خاں متخلص بہ مصطفیٰ حسن کبیر از ویک مدد بہشتاد من السنۃ النبویۃ بفضل الوہاب در بابہ فافزہ عمر آباد نارسا بید الخلف تخریص
(اصل تحریر کے لیے دیکھیے نمبر ۳۳)

خاقان محمد مرزا خاں یہ حکیم محمد یوسف خاں کے لڑکے ۱۳ اور ۱۲ ویں صدی ہجری کے مشہور حکیم ہیں۔ انھوں نے طب پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان کی ایک اہم تصنیف قرا بادین کافی ہے۔ اس کا ایک نسخہ خلائش لاہوری میں موجود ہے جو مصنف کا خود نوشت ہے۔

یہ ۲۵۴۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا ہینڈ لکسٹ نمبر ۹۹۹ اور کیٹلاگ نمبر ۴۱۱ ہے۔ ۱۲۳۴ھ کا کتابت ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل ترقیم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

”تکمیل این کتاب مستطاب بعون الملک الوہاب رسید با ختم در ۱۲۲۴ھ یک ہزار و دو صد و دست چہار ہجری آخوہ فی الحج المرام التماس از ناظران عطا پاش و خطا پوش آنکہ چوں سہوی دخطا می یا بند در اصلاح آنکہ کو شند و اگر نتوانند انگشت طعن بر آن نہما دند...

و دعای خیری نقیر مؤلف را یاد آزند والسلام علی من ابنا فیہ التبع الہدی

(اصل تحریر کے لیے دیکھیے نمبر ۲۵)

(شیخ حسین مغربی کی تحریک)

باشد که خداوند خود را به بینندگان علانہ کند و هر که بدید
 برسد از محفل خداوند کدشت و از مقام بقا و کدشت در سبحات
 وجهه محبوب سوخته کند: **أَوْ قَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَفَقُوا لِلْبَاطِلِ**
 هر که در حال بوی اسارت کند گویند **صَالِحُ الضَّلَالِ**
 و هر که درین حال بوی اسارت کند گویند **أَعْمَى مِنَ الْغُيَّانِ**
 عزیز می گفته است **مثنوی**

بس مجبی که را ن مطلق گفت شوات جنبید که انا الحق گفت
 در کتب مجرب است که روزه بن را بلا بود و در اصفا بود جان را
 و لا بود و سر را قابود چون دل صفا یافت و جان و لا یافت
 و سر را یافت بعد از آن اگر تن ملایم بود هم ازین معنی اشارت
 حضرت عیسی است علیه السلام **خَالِكًا عَنِ اللَّهِ تَعَالَى كُلَّ**
عَمَلٍ إِنَّ آدَمَ يَصْأَعِي فِي سَبْعِينَ أَلْفَ السَّنَةِ وَأَنْ يَرَى
وَأَنَا أَجْزَى بِدَارِ عَمَلِي که فرزند آدم کند که چو صاعق
 بود تا از یکی بهفتاد برسد مگر روزه که مریض را مستحب است
 بود و هر کس که اندام الصوم **وَكَانَ فِي وَأَنَا أَجْزَى بِدَارِ عَمَلِي**
السَّابِقِ که در عیب و نادر کنند و موصوف خواهند اگر
 او را گفتند که هر که در این درخت را چای بنویسند فلکین

این را در اطفال آنکه از او سبقت
 در مجرب است که روزه بن را بلا بود و در اصفا بود جان را
 حالات از اطفال و بالغین
 ملاحتی هم

این الصوم مجرب است که در اطفال آنکه از او سبقت
 در مجرب است که روزه بن را بلا بود و در اصفا بود جان را
 حالات از اطفال و بالغین
 ملاحتی هم

این را در اطفال آنکه از او سبقت
 در مجرب است که روزه بن را بلا بود و در اصفا بود جان را
 حالات از اطفال و بالغین
 ملاحتی هم

(مُلا عبد الرحمن جامی کی تحریر)

و بعد از لحظه بیرون آمدند و گفتند پیش از آمدن اندوایح درین خانه بود
برده اصحاب چون آن حالت مشاهده کردند و میخواستند بدینسان و حال خود
آن خانه بیایند و رفتن بود باید از حضرت اجازه آن حال را میخواستند و میخواستند
او فرساده گفتند که در و نشان شد برین وضع و میخواستند برین حال
و افت شد و حال را از زبان آن گرفتند بعد از حضرت خواهی که ملا آمد
را گفتند اگر او است این قصه را قبول نکردی حکایت بسیار در کتابی شد
او قوی آمد شد و بعد از این واقعه سبب رسید و بعد از این شد
که در خدمت امیر شد کمال حجت الله در بیاد آن حال حضرت خواهی که ملا آمد
تشریفات فرمودند خاتم نقل اینها که گفتند بسیار برای تو حجت کرده ام
و تو بریت تمام بکای آورده ام تا مرغ دو حاجت تو از منجه بشریت بیرون آید
تا مرغ تمت تو بلند پرواز افتاده است و اجازت دعوت خلق کنی شما
دادند و در حضور خود بتصرف باطن فرزند خود امیر بران امر کردند و آن
امر را تکرار کردند و خواه امتثال امر ایشان بودند در خصوص ایشان جانب
گذاشت اما بیکم آنک نهایت مقامات السائرن الی الله عزوجل محبت
محبت محبت موهبت است و بنا بر جمیع احوال عالیه که بواسطه محبت امیر
جنگل تمام جمیع مقامات السائرن الی الله عزوجل بر تو نیست و گفته اند
سنة الطائفة و عنوان الطريقة ای علامه طائفة السائرن الی الله عزوجل
و پیامبر با یعرفون و الیها یسبون و المحبة الذائنة مع قطب مدالیشان
ای السلوک الی الله عزوجل علامه از این الطرقة لان العدة فی السلوک

مکونه نمبر ۳۸۹

(بہایوں کی تحریر)

یہ نہارای دل کن انکار صاحب دستان	د کاندین سپو ای کی جو جلی کرد و گویم
شرح احوال تو بر حق ر و نیت	بندہ یارب کی تواند کرد مشکین نیم
باہم محو بود آذر آستان در گشت	در دیش در دودیم و ندیمان نیم
اشما انخلاص کر کس جت تیر نیت	علم آصف دیدہ باشد حالما در غام نیم
ما جان باشد برین کی در جانت با کلام	دین و عار پائس در جانت از دل و جان نیم
ساقی کرت حوای مای	جز با وہی سار پیش مای
سجود و خرقہ و زربابا	بغروش و پار پیا عی
از زردہ ولی شہنچوستان	در کنبہ جان صدای مای
اپر اردیست در در عشق	بہتر حسد ار حاتم سی
پہلطان منت آن بت پریش	می آمد و خلق شہر در پی
مردم مکران بروی خوش	در شرم کز قد عارضش خوی
حافظ رستم تو جند نالد	آفرین دل شکستہ تا کی
نیشینم و باغشم تو سازم	جان در پسر و کار عشق بازم

روز سر نشین دولت کاظم
و محراب بر سر بیت کرنا جان
بیشک ز جہات کام باد صبا
بانت والسلام و موسی کا

(همایون کی تحمید)


۷۷

دوسرے دن کل رات راق بود	شعر حافظ در زمان آمد بن جند
اولہ نور اللہ مرشد	
دو نویل شمع و شربت بہر دما رسید	پاک رایت منور پا و شاد رسید
و کمال عدل منیر یاد و ادخا رسید	جہاں بخت زرد و نیل طرباب انداخت
و توان دل دانش کہ مرد را رسید	ز سلطان طریق این مان شود این
و رقصہ چاہ برادر با نوح ہا رسید	غیر ز سہ بر غم برادران نیور
و جان بکام دل کنون پس کہ شاد رسید	پسہ روز خوش کنون زندہ گاہ اند
و بگو بوز کہ مہدی دین پناہ رسید	بکایت صوفی و جانی صلح کد کیش
و ز آتش دل سوزان و دوا رسید	ببا بگو کہ جبار پر ہم زین غم عش
و سمان رسید کہ آتش بر دی کا رسید	ز شوق روی تر شاہ بدین سینہ راق
و زور زخم شب و در صبح بجا رسید	مرد غراب کہ حافظ بار کا قبول
بعد ازین دہت و دامن آب و بندہ	
کہ بیالای جان ازین و چم بر کند	حاجت مطلب دہت تو بر تع بجا
کہ برقص و در آتش ریت جو پسند	ہج روی نشود ازین روشنی بخت

اس غزل حاضراں ملیح
تمثال ہمایون شہر صند بار

(جہانگیر کی تحفہ)

دیکھی کہ زائرِ اہلسن قصدِ حجاز
حضرت والدِ برکات کو
اکرہ لودم در آسای را
پرسید کہ نقالِ جلیلی
بایں نمود این عمل را مد
تم پسا دستِ خدیمہ
و در صاحبِ دھانہ
درد آفتِ ناگزیر دست
و ہم دولتِ موروں
روزی کہ کشتہ بکشید
غزلِ نود و صدیِ عاشق
کشتہ شد لاله در لاله
اس المشرقا بادشاہِ عالم

بشیر خود روم و خسرینا خود باشم	غم غری و غمت جبرنی تا بم
کر روزہ آید پیشِ نکاح خود باشم	بہ کارِ حسنہ نہ بدستِ باری تا بم
نہ شہد کان خداوند کا خود باشم	نہ بخانِ پسر اوردہ وصال تا بم
اگر کیم سلا باز داخود باشم	نہ بہت سخت کر انخاب و کاری تا بم
اگر کیم شمشول کا خود باشم	یشہ پیشِ من عاشق و زنی بود
اگر نہ تا باد شہرِ سار خود باشم	و کہ لطفِ ازل رہنمون شود حافظ
	
کر کارِ ان پسرِ نمانِ کترین ختم	جن عالی نہ پیشِ کس لاف نہ ختم
پہلوئی نہ ز می صاف رہ شتم	سرگزینِ حافظِ پیرِ سیر و شتم
پو پستہ مدد دیکھا بود پکشم	از جادوئی دولتِ زندانِ بکشم
کاکا تو دیکشت خرقہ ولی پاک د ختم	در شانِ من بد روکشی من بد بکشم
از یاد بردہ اند سوای نشینم	شہنازِ دستِ پادشہم یارب از بد
باین لسانِ مذہب کہ خاشاکِ بکشم	یختِ جلی جوئی کی دل دینِ من
اگر کمدی کو خیمہ ازین خاکِ بکشم	آبِ سوئی ہا پس عجب پندِ بکشم
دورِ زم خواجہ پورہ کا کہ بکشم	حافظِ زیرِ خنجرِ قوتِ بکشم

(جہانگیر کی تحریر)

ای دیت دیت ماطتوید پریم خست	یارب کہ ختم ازادر گزشت جلال
<p>اگر بر خیزد از دل پریم کما دل پریم شراب غصنی سوز پندم بخا پریم مکر دیوانه خواهم شد که از عشق تو شمع دارم شب رحمت تو بستم درم بر صحرایین جو سرنگی که با آواز زلفی تو از انصاف نیز که شد غنی کلاشش دلپذیر آید اگر باور میداری روز سوختن کپری پس منو ز عشق پرستی نمی شنود ز غنا ظ و فاداری و حق کوئی که امر کی باشد</p>	<p>ز جام و سلی تو شمع باغ غلغل کل پریم ایم رب ندای پاتی و پستان جان پریم پرخا با میسکوم پری در خواب کی پریم اگر در وقت جان اندن تو باشی شمع دارم ز حال بسند و یاد او که در تنگای پریم شیرین فریسی که کجا کت می بینم کوئی نایب میخواند تو که کلک شکینم اگر با جام و قوح مرثب حریف ما و پریم ظلام آصف دوران جلال حق و الدینم</p>
<p>خاک می بوسم و غنچه رخسار تو ام با که منتقد و بند دولت تو ام ترجم ای دو پست که بادی برزاکام</p>	<p>اگر با مال جنت که در خاک دلم من با تو که خود از تو بر خیم عاشق نزد خاکم از کوئی تو ام وقت خروپست</p>

جوف المیم

محمد علی بن محمد
محمد علی بن محمد
محمد علی بن محمد
محمد علی بن محمد

(جہانگیر کی تحریر)

نکست کہ سدی شکار
حال محمد بن حسن
و حمد و حمد و حمد
میل احمد و حمد
حمد و حمد و حمد
حمد و حمد و حمد

خوردہ ام تیرہ نظر باد بن پیرت	عقد در بند کز ترکش و زاف گنم
چرخ جام برین شست روان فاشم	نعلن یک دین کسب بند فاشم
دین خوش ملی با چاکت که دلدار با چاکت	یس گنم سکی که خود را کز با چاکت
بختابند بجا ای ز خورشید کلا	آجر زلفت پر سودا دود و پیکم
حافظ کتب بر ایام جو سپهرت خطا	من و امرت امر و زین و زاف گنم
دور غمت و من غم دور دران تیرم	که دم حاصل سی روز و پنا و کرم
بند و زینت که دورم می سپهر جام	بن بخت که پدید آمد ازین تیرم
من غمت و نشینم من ازین و پیشل	زاد و صومعه بر پای بند تیرم
پند و پند باز و دوا خط شرم یکم	من و ام که در کسند کسی بند تیرم
یک شمشاد و بخت و صومعه و دوش	و ای که غلظ شود و آفت ازین تیرم
نعلن که بند که حافظ پنن با نیوش	نشترم را که بود و دوا و صافی تیرم
دو کاه و شمشاد که دین خا و حد تیرم	در بخت پس ترک را اهل دولت تیرم
که اندر و ام و من ام و زنی شرم	دیکم و اخطار دقت و زمت تیرم

نصرت و نصرت

(جهانگیر کی تحریر)

۱۶۴

مطر مجلس انرا پست غزل و ان سپرد	چند گوی که جنس منت دغا می باشد
هه شعبان نواز دست قوج نمی کشید	از نظر آب میسر رضا می باشد
ما خط از بعد تو آمد روی آفرید وجود	آه می زود و خوش کردی را می باشد
نظم	
صد صوفی ز سر صافی و پیشش باشد	ای ساغر که شایسته آتش باشد
بنوی مگر زده دجری پست شدی	حاشا کشش ز کمانش سر خوش باشد
خوش بود که ملک بخرید آید معان	آسید روی سودگر در خوش باشد
نار سر و دهم نبرد راه بدو پست	عاشق شیده زندان پاکش باشد
غم زبانی و پست خند خوری و بخور	یغ باشد دل آگاه خوشش باشد
خط ساقی که ازین گونه زده شش بر آب	ای سپایک که بخوابد شمش باشد
دل و سخا و حافظ سرو با ده خوشش	کمر شرب از لسان ساقی بوشش باشد
نظم	
واغظان کین طبع در عوایب و بیکند	چون بکویت یزد و دمان کار دیکند
شکل دارم ز دانش مجلس پرست	آه به فرمایان چه با خود بکند
کرم یا با و نیش از زرد و زرداری	کین قریب و غادر کار دایکند

ای کس که جان عالم را بکشد
یا هر که در دستش کلاه بود
یا هر که در دستش داری
یا هر که در دستش کلاه بود
یا هر که در دستش کلاه بود

(جہانگیر کی تحریک)

۵۰

ای نور حسن شاہ
ہویم امید کہ از تیرہ
امان آید

۱	طلح نامور دولت ماحذرت	۱	بشم دور کران شوق خوش را آورد
۲	جای غم با مران کی نخواهد شاد	۲	شادی بپایان از عدم دولت تپت
۳	دور طوفان حوادث پیر دعوات	۳	حافظ از دست من صحت کی گشتی نوح
۴	رومی پیکر او پسیدم دیدم در بخت	۴	سیری ارباب نفس شیدم در بخت
۵	یار بربت و بکر بخشیدم در بخت	۵	کوی از صفت یا نیک بگفت آمد در بخت
۶	دور پیش پورہ اخلاص دیدم در بخت	۶	بس که مافاقد و حسرتیانی خواندیم
۷	با بانیہ دی از خود پسیریدم در بخت	۷	گشت کر خود بر در کہ و مصالح طلبد
۸	در کلبستان و صالحین خیم دیدم در بخت	۸	شد جان در بر حسن و لطافت و انک
۹	دیدم کی انور کہ بان عشوہ خسیریدم در بخت	۹	عشوہ میداد کہ از کوی را دست زردم
۱۰	بکای در دنیا و صالحین پسیریدم در بخت	۱۰	بحر حاطہ عرشہ ناز و زاری دیدم
۱۱	صلای سحر خشی صبر دانات پر بخت	۱۱	سکوت کل چرا گشت بل بخت
۱۲	چن کہ جام زجاجی بکزد اشک بخت	۱۲	ایا پس تو کہ در کلبی چو بک نمود
۱۳	چرا با سببان و در بطنای تو سبب بخت	۱۳	یار با وہ کہ با رکابہ اپستنا

(شاہ جہاں کی تحریر)

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 ان تاریخ طرشتیت بر محل احوال حضرت صبیح قرآن
 کیتی شان و اولاد امجاد انحضرت و سوانح ایام
 حضرت عرش آستان امارت برآئے تالیف
 بسیت و دوم در عہد دولت شاہ بابا تصنیف شدہ
 حرر شاہ جہاں بادشاہن جہانگیر شاہ بن اکبر شاہ

نمونہ تصدیق

(محمد سلطان بن اورنگ زیب عالمگیر کی تحریر)



۴۰۱
(ظفر خاں احسن کی تحریر)

را آئینہ شدہ و با فروغ و دست آفتاب چہ کتاب تحریر
درجہ از قیام رشید و در یاد و تہمت پت در یک ماندگار
در سہ جہات مشہور و معروف کشتہ بیخانیہ باز کردگار
ارباب نیازت بہ سہ سار قدرت و اللہ قادر بادیہ محض
بطاقہ بند پانصد و سہ پت کہ آئینہ امید کہ از کفر فکند
سب کیران مہمون ماندہ آئینہ عین و علی سہ پند

را از احسن الدین ابوالحسن الخوارزمی

HUDA
BANKIPORE

(مرزا عبدالقادر میل کی تحریر)

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر
 مرزا عبدالقادر میل کی تحریر

سقذ شرفه عاشقان تو کوئی نیت مست مگر دنیا و ملک آمن در روشن سلمان مساوی
 حل و قرار ندیم بدین حیران ترک یک نشینیم بدین شیوہ یک
 چہرہ کرکست ہیں ہمارا شکر یونیم ست، لفظ عدلیت باہر بلا
 بمعنی باوقار گشتی، نہ بہت پہل افشرد ہاںست باقر، بدعستان شدہ کو شہب سب افش
 عرفہ و قسطنہ، برقع و کمان کہت حسن آباد، محمد گاہ لیگا کر دیر دست تار و
 جزیرہ کو نقش و برف داشتہ شہ و جزیرہ کو نقش و برف بکشد، ملاقات شہید انالام بوس
 لجا بدو ای کو شہر بود عشق کوئی در صفرم غار دیر از دولتت، لفظ اعلیٰ از یادہ و فرود
 رخ ستاد از را بوسٹ لگا رکن درود و بار خاد را، کنی نہ از یادست ہے
 کردن سوی بوسٹ لجا، افشرد، دیگر کشتی حرف عشق و عاشق بکشد و غزل
 طفلان بود بوسٹ لجا بہتر، ماہضم و صبح فارسی را بہر دل میں ترکیب ادا بہتر
 ابھی ماہضم و دار غر ملغونہ و لون زوہ و حاف در عزای ہمہ نگاری کر از رو بہ از
 و بہین ملحق تار و ریمان نیز آمدہ چاکو لغز رفت در اسف و طیارہ گرفت بہر شرف
 شغاف و بردار تا بہر ایک از ہر دانش اگر کشتی بونہار
 جابہ سرد ہوا در فضل تابستان دران باشند مقابل شلاق کو لای تا شرف فضل سلمان
 مسیح کا شے سٹلکا ہوا می شد عدا رسیان سرد ہوا، از شش برج ملک جلافت
 محمد لاوہ کہ تا م رسیدہ منتخب کتاب باہر عم تاہن است دی گزوی سیکہ کچھ فہر عقبہ
 محو و فراموشی اور سن لہ و نور چشمہ بہر نوال سنہ دواز دہ از جلوست، غلام باہر باد
 غازی سوانق سہ ل ہزار یکصد ہشتاد و چہار در کل زمین کو بہر آباد در سہا اہر سنہ لہ وای
 اوقات صبح و آہا بیان و البرکات زمین

(شیخ علی حزیں کی تحریر)

رَبِّ اتَّاقُوا رَبَّكَ دَعْوَةً مِّنْ رَبِّكَ فَانظُرُوا

زُشُشِمْ بِكُمْ جَابِرٌ بِنَامٍ

اَوْفُوْذَهَا نُوْرُوْهُ كَلَامٍ

نَعْدُ الرَّاشِدُ بِرَبِّهِ

فَاشْتَرِزُوا

بِحَقِّهِ

خُلَاصَةُ الدِّيْنِ الرَّابِعُ



نمونہ نمبر ۲۱

(شیخ علی حزیں کا دستخط)

۵۵۹۷۸



بسم الله الرحمن الرحيم

زور بازوی ترا ابرو ابرو شاد است	گودل خیم تو منکر باش غریب است
همچو جسم آتشی نامت در جهان مکن گشت	ہر کہ شد در کار خود حیران و غوطہ نشاد
با تو صلاح چہ بر اثر باشد کو اہ	بلند از بلندی ادایم چہ بر شاد است
سر پیچید از غارت آفتاب نیم روز	اسمان کرد و بارت ہر نور شاد است
بہر بر کویت ملک از گردای عاریت	قصہ انکسری چون طوطی دلیلیات
بار بار کہ بہر آفتاب تو کار و انصاف	گر گواہ صل می خواند از دین شاد است
باک طیت کو ای بہر از بہر زینت	صاف دل را ابرو از وقت کو عیان است
کہ کہ کوہ است از روح بہت تانویہ	کافرت انکو تعمیر نیست دلیلیات
در بنات مرغ دہائی از سیمان نافند	باز اگر کہ پند مشہدی خود کہ بر شاد است

میں شاعر

نمونہ نمبر ۲۲

(خاقان محمد مرزا خان کی تحریر)

عباد ماندور کنند پسر اسرم جفا شده را جیم خواہند بر سفید گردانند از شہدائے
 درگاہ انصافند بر سر در آب کشیم کشتند و قدر قدر آب نوره قطره بر آن پشید و در آن
 نوره نصف شب یا فراتر موم کا کیفیت در روشن مابین کچھ بر داند و بر نوبت
 تمام شب در روشن مابین گذارند و بر سر خد شب دیگر حد کنند و آب نوره دیگر بار بنویسند
 ہر گاہ آب بر دوش و موم بالا بسته شدہ را بر میدانند مسجد کا خور میگردانیم عذر از صحت
 و کایران بہمان میدانند بارافادہ مفصل بقیم آمد نور و شمع و شمع و شمع و شمع
 معراج اللہ اب سیدنا ہمام در ۲۲ کنگرار و و صمد و صفت چہار ہجر آفرادہ در الح الحوا
 التماس از اطران عطا پشتر و خطا پشتر اندھیم مسہر و خطا پشتر یا بندہ در اصلاح فرم کنند و اگر
 نتوانند کشت طعم بر آن نہادہ بحکم الات و کتب فرم الطاء و فی سبک چشم عیادت در پشندہ
 و شایقان این فرم شریف ہر گاہ فائدہ از ہم بدین تالیف دارند موجب مسخرا و اصلاح
 الاچھا بخا محمد و عا فرم فرم و لایا آرد والسلام علیہم و علیٰ آہل بیتہ ۵۵۵۵۵۵

خدا بخش لائبریری کی چند اہم مطبوعات

قیمت

- ہندوستانی مسلمان عمری دستاویزات کے آرکائیو میں (علمی گوشہ تحریک ۱۵ - ۱۹۸۰ء) ۱۵/۰۰ روپے
- ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل بناب سید حامد ۳۰/۰۰ روپے
- مغربی تعلیم کا تصور اور اس کا نفاذ علی گڑھ میں ہندو شیدا اور صدیقی، مرتبہ مہرا لہی ۲۰/۰۰ روپے
- رقعات رشید صدیقی " " مرتبہ پروفیسر سعید حسین ۳۰/۰۰ روپے
- کانٹے (کشمیری انشائیہ) ڈاکٹر محمد نواز آزاد ۱۵/۰۰ روپے
- اورنگ زیب (ایک نیا زاویہ نظر) ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد ۱۵/۰۰ روپے
- قومی یکجہتی کی روایت مشرعی ابن - پانڈے ۱۵/۰۰ روپے
- مقدمہ طلسم ہوشربا ۲۰/۰۰ روپے
- طلسم ہوشربا (نوجلدیں) ۸۰۰/۰۰ روپے
- نوبت رائے نظر کے ماہنامہ "ادیب ٹیلیگراف" (۳-۱۹۱۰ء) کے مضامین کا انتخاب، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۰۰ روپے
- پیارے لال خاٹر کے ماہنامہ "العصر" (۱۴-۱۹۱۳ء) کے مضامین کا انتخاب، اشاریہ کے ساتھ ۳۵/۰۰ روپے
- برج نرائن چکبست کے ماہنامہ "صبح امید" (۲۱-۱۹۱۸ء) کے مضامین کا انتخاب ۵۰/۰۰ روپے
- قاضی عبدالودود کے ماہنامہ "معیار" کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۰۰ روپے
- مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ "پیغام" کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ ۲۵/۰۰ روپے
- خوشتر منگر ولی کے ماہنامہ "زبان" (۲۹-۱۹۲۸ء) کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۰۰ روپے
- تجدید فزگونیاز فتح پوری کے ۱۹۴۰ء کے نگارکاری پرنٹ، آؤگراف اور تصاویر کے اضافہ کے ساتھ ۳۵/۰۰ روپے
- داستان میری (سوانح اولہم معاصرین کا تذکرہ) ڈاکٹر اقبال حسین ۲۰/۰۰ روپے
- تذکرہ کالان رامپور { مولفہ حافظہ احمد علی خاں شوق، تصحیح و اضافہ }
{ شمس اللہ خاں و حکیم محمد حسین خاں شفا } ۵۰/۰۰ روپے

خدا بخش اورینٹل پبلیک لائبریری، پیرٹنہ

جناب ادیب سہیل
انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی

شادی خانہ آبادی

”شادی خانہ آبادی“ آٹھ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ یہ مطبعہ فیض عام میں علی سورج بل کے زیر اہتمام پانچ سو قعدہ میں ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۲ء میں چھپی۔ اس کی قیمت ایک آنہ رکھی گئی۔ کتاب کے آخر میں اس کی تکمیل کی جو تاریخ درج ہے وہ ۵ ماہ جنوری ۱۸۷۳ء ہے۔ ڈاکٹر منظر اقبال اپنی کتاب ”بہار میں اردو نثر کا ارتقا“ میں ”شادی خانہ آبادی“ کے مصنف کی پیدائش کا سال اکتوبر ۱۸۵۲ء بتاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت کے وقت مصنف کی عمر ۲۰ برس کے قریب ہوگی۔ مصنف نے کتاب میں اپنا نام منشی حسن علی لکھتے ہوئے اس کی لکھتے میں، ”باشندہ بھاگلپور“ لکھا ہے۔ بھاگلپور بہار کا ایک قدیم شہر ہے اور اپنا ایک علمی و تہذیبی پس منظر بھی رکھتا ہے۔ ہمیں کے ایک بزرگ شیخ رضی الدین، فاضل مولفین ”فتاویٰ عالمگیری“ میں شامل تھے۔ شیخ متبر عالم کے ساتھ ساتھ فی سپہ گری میں بھی کامل تھے۔ (ماثر عالمگیری ص ۱۷۱) اسی دیار کے نامور بزرگ مولوی محمد عالم علی، جن کا شمار اردو کے اولین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی اردو نثری تصنیف ”دہ مجلس“ ۱۲۶۱ھ میں ۱۸۴۴ء میں منظر عام پر آئی تھی۔

”شادی خانہ آبادی“ کی تصنیف کے پس پردہ جو محرکات و جذبات کارفرما رہے ہیں، ان کے متعلق منشی حسن علی لکھتے ہیں:

”جانتا چاہیے کہ آج کل ہمارے بہترے ملکی بھائی شادی کے اصل مطلب کو نہیں جانتے ہیں، اور لوگوں کی شادی کی بُرائیوں کو نہیں پہنچاتے ہیں۔ عورتوں کی جہالت باعث کتنی بُرائی کی ہے اس سے بھی بہت کم واقف ہیں۔ اس خاکسار کا ارادہ ہے کہ یہ کتاب ایسی لکھیے کہ جس سے ہر عوام الناس فائدہ پائیں اور بُرائیوں کو بچان جائیں۔“

مصنف کے ان تعارفی کلمات کے بعد یہ جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس کتاب کا موضوع و مطلع نظر کیا

ہے؟ پھر بھی یہ اعلاہ ضروری ہے کہ اس کا بنیادی موضوع عورتوں کی کم سنی کی شادی ہے جس سے ازدواجی زندگی میں دوسری بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کے علاوہ بائبل و جیکلی اس کا اثر آئندہ نسل پر برا پڑتا ہے۔ اس کتاب کا بھی رخ ایسے دوسری ہمعصر کتابوں سے تمیز کرتا ہے، ورنہ عام حالات میں اس کا موضوع وہی اصلاً نسواں ہے جو ”مرآۃ العروس“ کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی نذیر احمد دہلوی نے ”مرآۃ العروس“ کے ذریعے اس موضوع کو ایک تحریک کی صورت دیدی تھی۔ چنانچہ بہت دیر اور بہت دور تک بعد کے اہل قلم اس کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

”مرآۃ العروس“ کا سنہ تصنیف ۱۸۶۹ء ہے۔ اس کے چار سال بعد ۱۸۷۲ء میں ”شادی خانہ آبادی“ زیر طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی۔ اگر ایسے کوئی بڑا کام تصور نہ بھی کیا جائے تو بھی جس دور میں یہ کتاب شائع ہوئی اس وقت عورتوں کی اصلاح احوال کے نقطہ نظر سے اس کا منظر عام پر آنا وقت کا ایک اہم تقاضا پورا کرتا تھا۔ اس وقت یہ موضوع بڑا محبوب اور من بھانا کہنا تھا۔ ”شادی خانہ آبادی“ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ دو دوست عالم اور جاہل روز کی طرح صبح سویرے سیر کے لیے نکلے ہیں، راستے میں وقت گزاری کے لیے آج بھی ایک موضوع ہاتھ آجاتا ہے۔ ناگاہ انھیں اپنے ایک جاننے والے صاحب خاں کی کم سنی کی شادی کا خیال آجاتا ہے۔ چنانچہ عالم اور جاہل قدم بھی بڑھاتے جاتے ہیں اور خاں کے حوالے سے کم سنی کی شادی اور عورتوں میں حصول علم کی کمی کے نفع و نقصان پر مکالمے بھی کرتے جاتے ہیں، اور جب ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ مختلف موڑ کاٹھا ہوا ایک خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے تو جاہل عالم سے کہتا ہے :

”بھائی تمہاری باتوں سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ اب میرے دل سے سب وہ بات

خیال جاتی رہیں۔ اب اپنے دوستوں سے ان بڑائیوں کو کہوں گا اور حتی المقدور کوشش کروں گا کہ یہ بڑائی تمہارے ملک سے جاتی رہے۔“

ملکالے کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے :

”کچھ دن نکل آیا تھا۔ دونوں دوستوں کی رائے ہو گئی کہ لوٹ چلیں۔۔۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منشی حسن علی کی اس کتاب کو ”فسانہ مکالمات“ کہا جاسکتا ہے یا نہیں جس کا آغاز ملکالے سے ہوتا ہے اور ملکالے پر اختتام بھی ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے سنہ اشاعت ۱۸۷۲ء

ویش نظر رکھ کر اس کتاب میں مختصر کہانی کی تکنیک تلاش کی جائے تو یہ کتاب بتائی اور عام صورت میں ہی سہی، مختصر کہانی کی اولیت کڑی بھی جاسکتی ہے۔ ایسے زمانے میں جب کہ اردو میں مختصر افسانے کا دور ورتک سرعام نہیں ملتا تھا، اور پریم چند کو اس منظر میں داخل ہونے کے لیے تقریباً ربع صدی سے زیادہ کا عرصہ باقی تھا۔ کسی شخص کا اس طرف رجوع ہونا یقیناً نئے تجربے کی خواہش کا نگار ہا جاسکتا ہے۔

یہاں پھر ذہن میں ایک کڑید پیدا ہوتی ہے کہ منشی حسن علی کو ”فسانہ مکالمات“ کے طرز میں ”شادی خانہ آبادی“ لکھنے کی تحریک کہاں سے ملی ہوگی۔ تو اس کا سیدھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ لکھنے سے پہلے ہی ان دنوں بہار، بنگال کا مرکز تھا۔ بنگلہ ادب میں نکشن کا رواج بہت پہلے ہو چکا تھا۔ ۱۸۰۱ء کے آس پاس خود اردو میں مختلف موضوع پر فورٹ ولیم سے کتابیں چھپنے لگی تھیں۔

پروفیسر سید حسن اپنی تصنیف ”بہار کا اردو ایجنٹ اور ڈرامہ“ میں یہ اطلاع ہم پہنچاتے ہیں: ”بہار کے ایک شخص پنڈت بال کرشن بھٹ ۱۸۷۲ء میں لکھتے اور بعد ازاں پشتے سے ایک ہندی پار ”بہار بندھو“ نکالا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے معاون کار کی حیثیت سے منشی حسن علی کا نام بھی اٹھا۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۵۶ کی ایک عبارت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ منشی حسن علی ”بہار بندھو“ بار کے قائم مقام ایڈیٹر کے فرائض بھی انجام دیتے رہے تھے۔ گویا اردو کے ساتھ انھیں ہندی پر بھی دسترس تھی کہ جس کی بنا پر وہ کسی ہندی اخبار کی ادارت سنبھال سکیں۔ عین ممکن ہے کہ انھوں نے افنی ضرورت کے تحت بنگلہ زبان بھی سیکھی ہو، اور لکھتے کے قیام ہی میں نکشن کی طرف رجوع ہوئے۔ ان نکشن کی طرف رجوع ہونے کا ایک ثبوت ان کا ناول ”نقش طاؤس“ ہے جو ۱۸۸۱ء میں چھپا تھا۔ ”نقش طاؤس“ کا ذکر آگیا ہے تو یہاں قاضی عبدالودود کے مضمون مطبوعہ ”معاصر جنوری ۱۹۱۰ء“ قبلا نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں جو شادی خانہ آبادی کے مصنف کے بارے میں یہ معلومات کی فراہمی کا موجب بنا

”نقش طاؤس“ ایک پُرانا ناول ہے جس کی اشاعت ۱۸۸۱ء میں ہوتی ہے۔ اس کے برقی پر نام کے بعد یہ عبارت مرقوم ہے:

”بنگلہ نگری“ بنگلہ زبان کا ناول ہے نئے اور خوبصورت لباس میں منشی حسن علی

صاحب اور منشی محمد اعظم صاحب کی کوشش سے ناظرین کی خدمت میں ہدیہ ہے۔“

منشی حسن علی وہی بزرگ ہیں جنھوں نے ۱۸۸۰ء میں جو ن فورسٹر کی کتاب ”ڈسپنشن آف کیرکٹر“ (کذا) کا ترجمہ ”قوت فیصلہ کے نام سے کیا تھا اور اُس زمانے میں گورنمنٹ ایڈوایٹڈ اپر کلاس انگلش اسکول شہر پٹنہ میں معلم تھے، منشی محمد اعظم وہ بزرگ ہیں جو صورت انجیاں کے اصل مصنف ہونے کے مدعی تھے۔ ”نقش طاؤس“ لکھنے میں کس کا حصہ تھا۔ اس کی خبر نہیں نقش طاؤس چھوٹی قطع کی ۴۲+۴۳ صفحوں پر مطبع احسن المطابع کٹرہ شائستہ خاں شہر عظیم آباد میں طبع ہوا تھا۔ ”جنگل انگری“ کا مصنف کون ہے؟ اس کا سال اشاعت کیا ہے، اس کا مجھے علم نہیں آیا ہے کہ انیسویں صدی کے عشرہ ہشتم سے قبل کی نہ ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ”جنگل انگری“ سے صرف کہانی لی گئی ہے، اور اس میں تصرف بھی ہوا ہے۔ ناول کی ابتدا میں ایک دریا چہ ہے۔ غالباً یہ حسن علی اور محمد اعظم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا لکھا ہوا ہے۔ ”جنگل انگری“ کے مصنف کو اس سے سروکار نہیں۔ یہ اس زمانے کی تحریر ہے جب ”داستان امیر حمزہ“ اور ”بوستان خیال“ وغیرہ کا زور کم ہو چلا تھا اور اردو خوانوں میں ایسی کہانیوں کی مانگ پیدا ہو چلی تھی جس میں انوکھا ڈھولکین روزمرہ کی زندگی سے زیادہ دوری نہ ہو۔۔۔“

قاضی عبدالودود صاحب کے اس اقتباس سے یہ اطلاع فراہم ہوتی ہے کہ منشی حسن علی نے جو ن فورسٹر کی کتاب ”ڈسپنشن آف کیرکٹر“ کا ترجمہ ”قوت فیصلہ“ کے نام سے کیا تھا۔ ڈاکٹر مظفر اقبال نے اپنی کتاب ”ہمارے اردو نثر کا ارتقا“ میں منشی حسن علی کے ایک اور ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ یہ ترجمہ مشہور انگریزی مصنف مسٹر ”اسامیل“ (سمویل) کی کتاب ”سیلف ہیلپ“ Self help ہے جو ”تحریک“ کے عنوان سے کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے اپنی مذکورہ کتاب میں منشی حسن علی کی کتاب ”نقش طاؤس“ کے سلسلے میں مزید معلومات فراہم کی ہیں، قاضی عبدالودود صاحب ”جنگل انگری“ کے اصل مصنف کا نام معلوم نہ کر سکے تھے۔ ڈاکٹر مظفر نے اس گتھی کو سلجھا دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”... اس کا مصنف جنگل زبان کا مشہور ناول نگار عظیم چوڑی ہے اور کتاب کا صحیح نام ”جنگل

انگری“ ہے جس کے معنی جنگل زبان میں ”انگوٹھی کا ایک جوڑ ہے“۔

ڈاکٹر صاحب کی اس مرحمت سے مجھے اردو ڈراموں ”سجاد سنبل“ (۱۸۷۴ء) ”شمشاد سوسن“ اور ”اندھوں کو آنکھ“ (۱۸۸۰ء) کے مصنف پنڈت کیشورام بھٹ یاد آئے جاتے ہیں۔ پنڈت جی اپنے بڑے بھائی بال کرشن بھٹ کے ساتھ ”بہار بندھو“ میں کام کرتے تھے اور منشی حسن علی بھی اس اخبار میں معاون کار و مدیر کی حیثیت سے منسلک تھے۔ پنڈت جی کے ڈرامے ”اندھوں کو آنکھ“ کے سرورق پر ان کی دیگر تعانیف میں ”ایک جوڑا انگلوٹھی“ کا بھی ذکر ہے جو بہ زبان ہندی ہے۔ عین ممکن ہے کہ ”جنگلا نگریلو“ کو ہندی اور اردو میں منتقل کرنے کا ارادہ پنڈت کیشورام بھٹ اور منشی حسن علی نے ایک ساتھ کیا ہو، اس لیے کہ دونوں ایک ہی اخبار ”بہار بندھو“ سے وابستہ تھے۔

دوران مطالعہ یہ تقابل بھی سامنے آیا ہے کہ دہلی اور لکھنؤ میں لکھے جانے والے بالکل ابتدائی اردو ناولوں پر انگریزی ناولوں کا اثر ہے۔ مثال کے طور پر ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ”بنات النعش“ پر ٹامس ڈسے کے ناول The History of Standford and Method اور توبہ الفصول پر ڈیفو کے فیلی انسٹرکٹر حصہ اول Family Instructor, Part کے اور سرشار کے فسانہ آزاد ”پرسروانیٹر کے ”ڈن کوئیزوٹ“ کے اثرات ہیں۔ اس کے برعکس بہار کے ابتدائی ناول نگاروں کے پیش نظر نگلا ناول رہے ہیں مثال کے طور پر شاد عظیم آبادی کے ناول ”صورت الخیال معروف بہ ولایتی کی آپ بیتی“ (۱۸۷۶ء) پر بنگلہ کے مشہور ناول نگار بنگم چٹرجی ”اندرا“ اور منشی حسن علی کے ناول ”نقش طامس“ پر ٹامس مصنف کے ناول ”جنگلا نگریلو“ کے اثرات ہیں۔

لیکن منشی حسن علی کی کتاب ”شادی خانہ آبادی“ طبع زاد ہے۔ البتہ عورتوں کی اصلاح کے لیے ڈپٹی نذیر احمد کے توسط سے ناول ”مرآۃ العروس“ کی صورت میں جو لہر چلی تھی اُس سے ”شادی خانہ آبادی“ متاثر ہے۔ ”بہار میں اردو نثر کا ارتقاء“ میں منشی حسن علی کی اور کئی کتابوں مثلاً ”معراج المؤمنین“ (۱۸۷۳ء) ”سراج الکتاب“ اور ”تائید حق“ (۱۸۹۶ء) وغیرہ کے حوالے ملتے ہیں، لیکن ”شادی خانہ آبادی“ کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مظفر اقبال کی نظر سے یہ کتاب نہیں گزری۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب پردہ خفا میں ہے۔ اسے رکارڈ میں آنا چاہیے۔

”شادی خانہ آبادی“ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی خاریجین کی دلچسپی کے لیے پیش ہے۔

شادنی خانہ آبادی

جسکو

منشی حسن علی باشندہ ضلع بہاگل پور نے

برخا صوامع عام کے فائدے کے لئے تصنیف کیا

۱۵۔ اکتوبر ۱۸۷۲ء

مطبع فیض عام میں اتمام منشی سوہیل صاحب کے چھپ

جلد ۵۰۰

۱

پہلی بار

قیمت فی جلد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جاننا چاہئے کہ آج کل ہمارے بہترے ملکی بہانی شادی کے مسئلہ
مطلب کو نہیں جانتے ہیں + اور لڑکپن کی شادی کی برائیوں کو
نہیں پہچانتے ہیں - عورتوں کی جمالت باعث کتنی بُرائی کی ہے
اس سے بھی بہت کم واقف ہیں + اس خاکسار کا یہ ارادہ ہے
کہ یہ کتاب ایسی لکھنے کہ جس سے ہر عوام الناس فائدہ پائیں اور
برائیوں کو پہچان جائیں

آغاز بیان

کسی شہر میں دو دوست رہتے تھے + ایک کا نام عالم دوسرے کا
عاجل تھا + یہ دونوں دوست اکثر صبح کے وقت سیر کے لیے

شہرت باہر نکل جایا کرتے تھے + ایک دن یاد کر رہے کہ یہ دونوں دوست سب
 دستور کے لیے چلے جاتے تھے کہ اتفاقاً رستہ میں یہ بات نکل آئی یعنی جاہل
 کہنے لگا کہ بہائی محمد غافل کی جب سے شادی ہوئی ہے تب سے اونید پر ہوشہ غلام میں
 مبتلا دیکھتا ہوں + اس مصیبت کا سبب آپ کیا سمجھتے ہیں عالم نے کہا کہ میری ترجمین
 یہ آتی ہے کہ اونوں نے جسے شادی کہتے ہیں نہیں کی ہوگی یعنی شادی کی ملو کہ
 سمجھ کر شادی نہ کی ہوگی + شادی کی تین مرادیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ انسان دوست کا
 محتاج بہ دوسرے کو سکولائیک کی محبت طبعی ہے تیسرے جتنے اعضا خدا پرستوں
 کو دی ہیں سہوں سے یہ غرض ہے کہ اونوں کا درست استعمال کیا جاوے اور جو شخص ان
 اعضاؤں کا درست استعمال نہیں کرتا ہے وہ اسکی مدد و نکل می کرتا ہے + اور یہ اعضا
 علامت مرد اور عورت کس مصرف کے ہیں ضرور ہے کہ انوں کا درست استعمال کیا جاوے
 بہائی آجکل بہت کم ہیں جو شادی بخیال فرض ادا کرنے کے کرتے ہوں + محمد غافل نے
 ہی شاید ایسا ہی کیا ہوگا + دوسرے انکی عورت کم سن ہوگی یعنی عمر کی مثالہ برس
 نیچے ہوگی اسلئے دونوں کو موقع میں مطلب شادی کی معلوم کرنا نہ ملا ہوگا + اور اس میں
 زنگ ہی نہیں شادی حسب تورا باب کی مرضی پر ہوگی + اسلئے محمد غافل کو یہ موقع
 نہ ملا ہوگا کہ اپنے عورت کو خاطر خواہ چرن سکے تیسرے انکی عورت جاہل ہوگی یعنی زین
 دونوں سے بے خبر + بہائی محمد غافل کا نکلین ہونا غلط نہیں ہے + جب
 عورت جیسے ساتھ ساری عمر کاٹنی ہوتی ہے جاہل ہوتی ہے یعنی جب
 عورت مرآۃ العروس کی اکبری خانم کی طرح ہوتی ہے تو گھر درخ کا سا

معلوم ہوتا ہے + جیسا شاعر نے کہا ہے + خانہ دوزخ سے ہوتا ہے بدتر
 کہ میں الزجب عورت ہوتی ہے + بہائی اگر کسی دن موقع ملا تو بالکل برا بیوی
 جو عورت کے جاہل رہنے سے ہوتی ہیں تشریح وار کہیں گے ۔
 جاہلی نے کہا کہ میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر عورت پڑھی لکھی ہو شیار
 اور دیندار نہ ملے تو کیا شادی نہیں کرنی چاہئے اور کیا گناہ کے دریا میں
 باخوف تیرنا چاہئے + عالم نے کہا کہ اوس سونے کو ہینکے جو پہلے
 ٹوٹے کان + اسی صاحب شادی کس کام آئیگی جس سے ہمیشہ تکلیف
 اور ملنا اوار نہ رہی کاموں میں خلل ہو + گناہ کا آپ نے کیا نام لیا + شاید
 آپ مجھے ہونگے کہ شادی کرنے سے آدمی گناہوں سے بچتا ہے +
 یہ بھی آپ کے سمجھ کی خطا ہے + اسی نے پیچھے خود دیکھا ہے کہ بہتر ہے
 اس کے نہایت نیک سے شادی ہوتے دیر نہیں کہ واہیاتون میں مشہور
 ہو گئے + تم نے کیا یہ مثل نہیں سنی آدمی گھر ہی میں سیکتا ہے زیادہ
 کیا کہیں شرم کی بات ہے حیا مانع ہوتی ہے - کیا آپ نے ان فقیر کو
 نہیں دیکھا جو عمر کاٹ دیتے ہیں اور عورتوں کا منہ تک نہیں دیکھتے کیا
 ان لوگوں کو یہ واہیات خواہش نہیں ستاتی - جاہل نے کہا کہ
 آپ کا کہنا درست ہے پر اگر ما باپ کی مرضی ایسی ہی ہو تو کیا کرنا چاہئے
 عالم نے کہا کہ میں آپ کے سوال کا ایک دوسرے سوال سے جواب
 دیتا ہوں + یعنی آپ بہ تو خوب جانتے ہیں کہ ملکہ و کٹورا یا ہلوگوں کی

ملکہ ہے ہملوگ کو ہنگا حکم ماتنا بہت ضرور ہے + اور لارڈ صاحب ہمارا
 اسکے وزیر ہیں + اور ہملوگ کہہ سکتے ہیں کہ گورنر جنرل صاحب درجین
 ایک طرح سے اسکے برابر ہیں لیکن اگر گورنر موصوف ہملوگون کو کوئی نام
 ایسا کرتے کہیں جو برخلاف رائے ملکہ زمان کے ہو تو ہملوگ کو کس کا
 حکم مقدم رکھنا واجب ہے + ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کہیں گے کہ وکٹوریہ کا
 حکم مقدم ہے + تو وہی حال درمیان حکم خدا اور بابا کے سمجھنا لازم
 ہے اگر بابا ایسی بات کہیں جس سے خدا کے حکم ادا کرنے میں خلل آتا ہے
 تو صرف اسی حکم کو اسطے خدا کا حکم مقدم جاننا لازم ہے + لیکن لڑکے
 ایک حالت میں لاچار ہیں یعنی جب والدین بسبب جہالت کے لڑکوں کی
 شادی کم سنی میں کرتے ہیں + بہائی جب تک یہ برائی ہندوستان سے
 دفع نہوگی امن و صلح نظر نہ آئیگی + یہ سنکر جاہل نے کہا کہ ہمارے
 میں کم سن میں شادی ہونا بہتر ہے کیونکہ جب عورت جوان ہوتی ہے
 تو اسکو غرور رہتا ہے + اور سمجھتی ہے کہ مجھے بھی خدا نے عقل دی ہے
 اسلیئے شوہر کی تابعداری قبول نہیں کرتی لیکن کم سن عورت تو سب جان
 لکھنی سے جو سکھلایا جاتا ہے سیکھتی ہے اپنے شوہر کو اپنا مالک اور
 برتر سمجھتی ہے اور ہمیشہ تابعدار بنی رہتی ہے + اور بقول آپ کے بہت
 دنوں شامل رہنے کا موقع ملتا ہے اسلیئے محبت بھی از حد ہوتی ہے +
 عالم نے جواب دیا کہ جوان لڑکی کو غرور ہوتا ہے + تو ہم پوچھتے ہیں

کہ کم سن عورت کیا جوان نہیں ہوتی خواہ جوان ہوئی نہ سسرال میں یا باہر
 میں غور ہونا وہ دونوں حالتوں میں ہو سکتا ہے ہاں جب انسان کو علم ہو جاتا ہے
 تو غور زایل ہوتی ہے پردیکھئے جب کم سنی میں شادی ہوئی تو والدین
 کو علم دینے کا موقع بہت کم ملا اور سسرال میں یہ سبب شرم حیا کے
 علم سے محروم رہتی ہے + یہ تو آپ خوب جانتے ہیں کہ علم نہ ہونے سے
 ہنسان غور کیا بہت طرح کی بُرائیوں میں مبتلا ہوتا ہے - اور یہہ جو آپ
 کہتے ہیں کہ کم سن میں شادی ہونے سے عورت فرمان بردار ہوتی ہے
 یہ کہنا ہی غلطی سے خالی نہیں + ہاں اگر مان لیا جائے کہ فرمان بردار ہوئی
 تو یہ فرمان برداری یہ سبب خوف کے ہوگی نہ سبب علم کے اور جو
 ذہن برواری خوف سے ہوتی ہے وہ قائم نہیں رہتی + دیکھئے جب
 انسان جاہل رہتا ہے تو بہو تو نکلی یہ سبب چالاکت کے تا بعد اری کرتا ہے
 اور جب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان سے ڈرنا بیفائدہ ہے تو اسی وقت
 فرمان برداری سے ہاتھ اٹھاتا ہے + اور آپ جو کہتے ہیں کہ کم سن
 عورت کو جو سیکھلا جاتا ہے سیکھتی ہے + ہم کہتے ہیں کہ یہ سبب شرم
 حیا کے بہت کم سیکھتی ہے اور بہت باتوں کے سیکھنے سے محروم
 رہتی ہے - اب ہم آپ کو اون بُرائیوں کو جو کم سنی کے شادی سے
 ہوتی ہیں سناتے ہیں +
 برائیاں جو کم سن میں شادی کرنے سے ہوتی ہیں

(۱) اگر صرف عورت کم سن ہوئی یا صرف مرد کم سن ہو تو حکمت کی رو سے دونوں کی تندرستی میں خلل آتا ہے یعنی کم زوری ظہور میں آتی ہے اولاد بھی کم زور اور کم عقل ہوتے ہیں اور یہ کم زوری مسلماً بعد نسل چلی جاتی ہے + یہ تو آپ اکثر سنتے ہو گئے کہ جو عمر اگلے زمانے میں آدمیوں کی ہوتی تھی اب نہیں ہوتی اسکا سبب بھی یہی ہر بار سم ہے۔ دیکھئے بھاگلپور کے محلہ خیر پور میں ایک نو برس کی لڑکی کو لڑکا ہوا خیال کرنا چاہئے کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو اسکا پوتا بالشتی سے کیا کم ہوگا اس طرح کے لڑکے اکثر بہت جلد مر جاتے ہیں اسکا سبب یہ ہے کہ یہ مثل تو مشہور ہے د بے کو مارین شاہ مدار یہ سبب کم زوری کہ ہزار طرح کی بیماریاں اسکو گیر لیتی ہیں آخر چھپا رہ کسی نہ کسی کا شکار ہوگا (۲) همان لو کہ لڑکا آٹھ برس کا ہو اور لڑکی پانچ برس کی تو بعد دس برس کے لڑکا آٹھارہ برس کا ہو گا اور لڑکی پندرہ برس کی اور یہ تو خوب معلوم ہے کہ پندرہ برس میں آجکل لڑکی اچھی طرح جوان ہو جاتی ہے اور جوان لڑکی کو چوڑا شوہر ہرگز معنوم ہوتا ہے اور بچہ لڑکا شیر کے آگے پلے بنا رہتا ہے + ایسا اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ عورت غیر مردانہ آشنائی کر لیتی ہے زمین اکثر خوف جان کا ہوتا ہے اور ناحق کی ہانپتی ہے یہ قوم بومین جو بھاگلپور کے قریب ہے ایک لڑکے نے جبکی عورت جوان تھی اس ارادہ سے کہ مگر عورت مرجائیگی تو دوسری شادی کرنے

موقع طلاق اپنی عورت کو مار ڈالا آخر شش پڑا گیا تھوڑا دن ہوا کہ دایرا محبس ہوا
 کیون اس طرح کی بہلائیاں کم سن میں شادی کرنے سے ظہور میں آتی ہیں۔
 (۳) اگر گھر میں دو بہائیں ہوئے ایک بہائی تو نوکر ہے اور دوسرا
 پڑھتا ہے اور عورت جو ان سے ہو اسکی عورت کو اپنی گوتنی سے عداوت
 اور حسد ہوتی ہے نتیجہ اسکا ہمیشہ کا جھگڑا + دیکھنے پر سون کا ذکر ہے
 کہ امیر ٹٹی اور وزیر علی کی عورتوں میں جھگڑا تھا ایک دوسرے کا جھوٹا
 پکڑ کر دیتی تھی آئی اُٹی ہو رہی تھی + سارے ہمسایہ کی عورتیں جمع ہوئی
 نہیں۔ ایک کہتی تھی کہ تیرے بٹے کو کہا جاؤں دوسری کہتی کہ اسے
 کیا مار دار کیا ہونگتی ہے غرض عجب کھرام مچ رہا تھا ایسا بھی اکثر دیکھنے
 میں آتا ہے کہ عورت اپنے میان کو کہہ سنا کر چو لھا الگ کر دیتی ہے
 اور یہ تو آپ کو خوب معلوم ہے کہ جدا ہونے سے انسان کس کس
 طرح کی برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۴) ایک بُرائی کم سن کی شادی سے یہ ہے کہ عورت مرد میں
 ادب محاذ نہیں رہتا اور جب ادب نہیں تو باتوں میں اثر نہیں اسلئے
 جو جو فائدے ادب اور باتوں کے اثر کے ہیں ان سے انسان
 محروم رہتا ہے۔ غرض بہائی جاہل کم سن کے شادی کی برائیوں
 کو کوئی گمان تک بیان کرے اگر یہ بُرائی ہماری ہندوستان میں نہ ہوتی
 تو پہلو گون کی یہ حالت نہوتی + جاہل عالم کی ساری باتوں کو سُکر کہتے لگا

۱۱
۸
کہ بھائی تمہاری باتوں سے میری انگلیں کھل گئیں اب میرے دل سے
سب واہیات خیال جاتی رہیں + اب میں اپنے دوستوں سے ان
برائیوں کو کوٹھا اور حتی المقدور کوشش کروں گا کہ یہ بُرائی ہمارے
ملک سے جاتی رہے + کچھ دن نکل آیا تھا دونوں دوستوں کی رائے
ہوئی کہ لوٹ چلین غرض دونوں اپنے اپنے گھر پھر آئے فقط

فدوی خاکسار حسن علی باشندہ
تحریر نیرنگ
ضلع بھاگلپور
ماہ جنوری ۱۹۳۲ء

تمام شد

اردو صحافت کی دنیا میں۔ بے لاگ اور بے ہاک تجروں کا

ہفت روزہ سیح رنگ نئی دہلی

- جسے اردو کے نامور صحافی اور ادیب نجات اللہ انصاری کی سرپرستی حاصل ہے۔
- جو مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے، ہنڈکانے سے باز رہتا ہے اور سچ و حقیقت پسندی کی راہ پر چلنے کا پابند ہے۔
- جس میں وہ سب کچھ ہے جو ایک مکمل جریدے میں ہونا چاہیے۔
- سچ رنگ خاص طور پر نوجوانوں کا اخبار ہے۔ آپ کی ہر طرح کی تخلیقات اور رائے کا ہم استقبال کرتے ہیں۔

تو دیر کس بات کی

آپ ہماری اس ہم میں شامل ہو جائیے اور اپنی ہر طرح کی تخلیقات۔ غزلیں نظمیں کہانیاں مضامین۔ لکھنے۔ لکھنے کر سچ رنگ کو عوامی اخبار بنانے میں ہماری مدد کیجئے۔

مینجر۔ ہفت روزہ سچ رنگ ڈی۔ ۲، وکرم نگر۔ فیروز شاہ کولہ نئی دہلی ۲

عہد شاہجہانی کا فرس نامہ اد عہد عالم گیر کا بابو نامہ

ابھی دو تین قبل "فرس نامہ" سے موسوم عہد شاہ جہانی کا ایک قدیم مخطوطہ سامنے آیا ہے۔ جو یہاں ایک صاحب کی ملکیت ہے اور ان کے مورث اعلیٰ کی یادگار ترقیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مورث اعلیٰ "سید عبداللہ المصطفیٰ علیہ السلام" خاں بہادر فیروز جنگ دور شاہ جہاں میں ایک کوہستانی ریاست میں جنگی مہم پر گئے ہوئے تھے۔ جہاں فتح کے بعد انھیں کتابوں کا ایک بکس ملا جن میں سالو تری علم سے متعلق بھی "سنسکرت" ایک کتاب ملی جس کا موصوف نے فارسی میں ترجمہ کر لیا ہے فارسی ترجمہ کا نام فنڈے متعلق "فرس نامہ" رکھا۔

طبعی اعتبار سے یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس میں جتنی دواؤں لکھی ہیں وہ بھی ہندوستانی ہیں۔ اصل نسخہ غالباً آٹھویں صدی کے نظریات پر مشتمل ہو گا جسے فارسی میں یونانی طلبہ سے قریب کر لیا گیا ہے۔ اصل نسخے سے ترقیم کے علاوہ فرس میں کچھ اضافات بھی ہیں مثلاً غزنوی عہد کے کس فرس نامہ کی بعض فصلیں بھی اس میں شامل کی گئی ہیں۔ تتمہ کے کچھ اوراق غائب ہیں اس لیے سزا کتابت وغیرہ کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا پھر بھی کاغذ، کتابت، روشنائی وغیرہ سے مخطوطہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔

اپنے ذخیرہ کتب میں بھی عہد عالم گیر کا "باز نامہ" سے موسوم ایک مخطوطہ ملا ہے جو بطور و خوش کے شکار ان کی بہاریاں اور علاج ان کی حرمت و علت شکار کے آلات، ان کا طریقہ استعمال، اور دیگر جانوروں کے خواص پر مشتمل ہے۔ بندوق کی ایجاد کا سلسلہ حضرت داؤد علیہ السلام سے قائم کیا گیا ہے جو عہد نبہد احمد اساتذہ تک پہنچا ہے۔ بندوق دیوارت سازی ان کی انواع اس کی تفصیلی ذکر ہے۔

ترقیمہ تو انہی دور کا معلوم ہوتا ہے مگر بعد میں خطوط و قلم بدلے ہیں اور متعدد جگہ مختلف ہیں۔
تتمہ پر ۱۲۰۳ھ فصلی مدح ہے۔ جو بظاہر محض نظر ہے۔

رسول خدا نور حق القاب تمام باب چهارم
 مبرور و ثواب حکم او کرد و ما بر وفق قائم بر سر نوین
 شهر بازی که در کتب مختلفش برده از فیه فلک
 رختش کرده چون غزم را و دیگرانش لامکان
 ممکن جو بلانش در و ستان خدا فیصل و نبی
 و نبی و آخرت فیصل و نبی از ضراب و صد در و دو سلاک
 بودی آن در برقیات تمام باب اول برابر
 نقل و انجاف از نوشته شده نماید که کتاب در معرفت
 و علامات محمود و مذموم و دانستن بلال و ارض
 پیدا میکند و معالجه آن را حکما بند بر این کتب
 صبر و سلوک در زمان سابق تصویف و لذت
 بدنامان دانا نمی نمایند بنابر این خواند ان مستور مانده
 بود در ایام خلافت سید کمال حضرت حکایت نعت
 کتاب فضیلت شری صاحب کمال بر طوطی باد ساه
 اطلاق تیاره روح وین مجیدی تا بنهاد عادل الخاقان

بوالسلطان بن سلطان بن سلطان الوالد المظفر سمنه
 الذین محمد صحران فی شایعان و دین و غازی علیه السلام
 الملکه و سلطانه نذران که در علم دانستن برکت دانا بود
 جسم ساخته کتاب شاه نذران را که در سنه هجری
 در پنجمی کریم سده هجری در کاه حلقه بنایه
 الحاطب عبد الله خان بهادر فرزند خلیفان نذران
 ما جلتور که در آن زمان را نام نذران که در کاه
 این را نام او دی سکره سر رکی زبند در آن
 سرخوت مینزد و در برکت به جبات طاهره و باطنی
 دین بنایه فتوحات سعید و نصیب و کار این
 در کاه و خادم خلق اندر و بد جند صدق کتاب
 در نام اسکندر است غاربان لشکر شاه اسلام
 از انبیا کی سامانور اسان بود که عبادت او و سامان
 آن با نذران قادی نیز جبهه مؤلفه که در زمان
 در طریقه سرور است تا ندو اسکر موافق با نذران کتاب

و چون نوح علیه السلام با دستان اسلام و اسماعیل معصیان

این کرمه الدین با جز و او جابر و ابی جعفر علیهما السلام

نقشسم افطسم در حبه بند ابد و او ملک علم الفیرون

جد و جد و جاد و کفار و دشمنان دین سید برادر

و عدسرون است و این صیت منیل در تربت نام ناسان

خون خرام دارند با خود اما که بسیار بر روزگار

و کشتن مشتند در بابگاه خاصه و طبله نای مسموره ار اسبان

غری در فوج و خانی در کی و کجی پرستم قریب بر و ارد

بر زر انب موجود و حاضر می باشد بنده نازی برادر

بر کی زاد بر درشت نایه پس و نبات هر کی هم گونه در

سکوان ماکله کوه در سکوه مرزن مکنده بندی

و نری مکر و زنا و در یک خبر می از نعل شان کرد و نراد

بر و دیت سسده بزرع ماه همه کنی نور دنیا کم در

شان کسی نبرد با بر خدا و نران نعل و راست یوشند

منبت از این که در کشتن ناخت رب تامل و افق با کمال

ایسپس فیبلس کا نسخہ و بنخاش

ایسپس فیبلس کے تین نسخوں کا پتہ چلتا ہے۔ پہلے نسخہ کی نشاندہی اقبال کرشن کے یکم نومبر ۱۹۶۱ء کے ہفتہ وار ”ہماری زبان“ علی گڑھ میں شائع شدہ ایک مراسلہ سے ہوتی ہے۔ اقبال کرشن تحریر کرتے ہیں:

”یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ کل صفحات ۱۱۴ ہیں۔ اس میں ایسوپ کے پورے ایک سو قہصے ہیں۔ اصل انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ نہ سرورق کا پتہ ہے، نہ پشت ورق کا۔ لہذا میں آپ کو بتانے سے قاصر ہوں کہ کس نے چھاپی، کب چھاپی۔ اب اس لئے میں خود ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب کب چھپی کہاں بھیجی، کس نے ترجمہ کیا تھا؟ واضح رہے کہ اردو چھپائی، قدیم اردو ٹائپ میں ہے اور ترجمہ کی زبان بھی قدیمت کا پتہ دیتی ہے۔“

آخری ورق موجود نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ناقص الآخر ہے۔ دوسرے نسخہ کی نشاندہی یکم دسمبر ۱۹۶۴ء کے ”ہماری زبان“ میں ہی سلیم تمنائی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس کتاب میں ایسوپ کے پورے ایک سو قہصے ہیں۔ لیکن صفحات ۱۴۲ ہیں، جسے رام نارائن لال نے الہ آباد سے شائع کیا تھا تاکہ ان لوگوں کو فائدہ ہو جو اردو کی مدد سے انگریزی اور انگریزی کے ذریعہ سے اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ رمضان علی شاہ نے نیشنل پریس الہ آباد میں اسے چھاپا تھا۔ سرورق بالقویر ہے۔ کتاب پر تاریخ طباعت نہیں۔ یہ بہت بعد کی طباعت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے فی الحال اس نسخے کو زیر بحث لانا ضروری نہیں۔“

تیس اگراں دونوں نسخے سے قدیم اور ضخیم نسخہ خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس نسخہ کا پہلا رد و سرفاضل فائز ہونے کے باوجود صفحہ ۳۷ سے آخری صفحہ تک دیکھنے سے ساری ضروری معلومات حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کتاب میں اصل انگریزی کا ہی اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

اقبال کرشن نے قداد اوراق ۱۱۱۴ اور سلیم تمنائی نے ۱۴۲۲ صفحات لکھا ہے۔ نیز قصہ کی تعداد ایک سو بتائی ہے۔ لیکن خدا بخش لائبریری میں محفوظ کتاب میں ضخامت ۱۸۴ صفحات اور چھوٹی چھوٹی ۱۹۶ ہائیاں ہیں۔ اتنی کہانیاں ہی انگریزی حصے میں ہیں۔

صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے :

” الحمد للہ والحمدتہ کہ یہ کتاب مفید و آسان کہ ہر ایک اس کو پڑھ کر فائدہ پاوے، تمام ہوئی۔ مترجم منشی نظام الدین ہندوستانی“

نارتھ گیارہویں صدی اولیٰ ۱۲۶۶ ہجری بمطابق پھیسوس مارچ ۱۸۵۰ء عیسویہ چھاپ خانے میں فضل الدین صاحب لکھ کر کے چھاپائی گئی۔ ۴۴۴

اس کے بعد ۴ صفحات میں غلط نامہ (صفحہ، سطر، غلط، صحیح) ہے۔ غلط نامہ کے آخری صفحہ پر تمام شدہ درج ہے اور تمام شدہ کے نیچے ”منشی فضل الدین کے چھاپ خانے میں چھاپائی گئی اور ابراہیم صاحب بن محمد فتح نے چھاپائی۔ انگریزی حصہ ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں سبھی کہانیوں میں عنوان رکھا گیا ہے۔ جبکہ اردو میں صرف ”نقل نمبر“ فلاں کر کے درج ہے۔

انگریزی حصہ کے سرورق پر درج ہے :

ENGLISH AND HINDOOSTANEE
AESOP'S FABLES
TRANSLATED FROM THE ENGLISH
INTO HINDOOSTANEE
BY
MOONSHEE NIZAM-UD-DEEN
TRANSLATOR OF THE
HINDOOSTANEE AESOP'S FABLES
THE NEW ARTICLES OF WAR
AND THE INSHA-I-HINDEE
THIS WORK WAS REVISED AND APPROVED
BY THE LATE MAJOR GENERAL VANS KENNEDY
ORIENTAL TRANSLATOR TO GOVERNMENT

BOMBAY
 PRINTED AT THE DUPTUR ASHKARA PRESS
 FOR IBRAHIM FUTTA MOHAMMAD AND
 SOLD BY HIM AT MEADOW STREET
 BELOW MR. CANONN'S LIBRARY
 AND BY MOONSHEE NIZAM-UD-DIN
 AT POONA A.D. 1850 HJRIA 1266

انگریزی جتنے کے پہلے صفحہ پر اوپر لکھ کر انگریزی میں کنفیڈنس کی ایک سرٹیفکیٹ ہے :

CERTIFICATE

BOMBAY 4th Nov. 1846.

I DO HEREBY CERTIFY THAT I HAVE EXAMINED THIS
 TRANSLATION FROM ENGLISH INTO HINDOOSTANEE OF AESOP'S FABLES
 MADE BY MUNSHI NIZAM-UD-DIN AND THAT IT APPEARS TO ME THAT IT
 HAS BEEN EXECUTED CORRECTLY AND IN SUCH AN EARLY STYLE AS
 WILL FACILITATE THE LEARNING OF THE LANGUAGE.

(SIGNED) VANS KENNEDY
 ORIENTAL TRANSLATOR
 TO GOVERNMENT

اس کے بعد منشی نظام الدین کا ۱۹ صفحات کا انگریزی میں دیباچہ درج ہے، جس میں انھوں نے
 ایسپس فیبلز کی اشاعت پر تاریخی روشنی ڈالی ہے۔ پھر صفحہ ۲۰ سے ۸۵ تک انگریزی کی ۱۹ کہانیاں
 ہیں، اور پھر اردو ترجمہ۔



ہندستان کے کتب خانوں میں ترکی مخطوطات

ہندستان میں علی گڑھ، دہلی، حیدرآباد اور پٹنہ کے کتب خانوں میں محفوظ ترکی مخطوطات کے مطالعے کے دوران جو اہم ترکی مخطوطات میری نظر سے گزرے انہیں موضوع کے اعتبار سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے: ۱۔ منظوم و منثور لغت ۲۔ ادبی رسائل ۳۔ تراجم۔

منظوم و منثور لغت

- ① نصاب ترکی، ورق ۱۳۹، از خواجہ صاحب خواجہ محمد شاہ نقشبندی، لاہور محرم ۱۲۵۶ھ/مارچ ۱۸۴۳ء
- ② رسالہ در لغت ترکی، پچول کے لیے ایک رسالہ ہے، ورق ۱۹، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد لاہوری نمبر ۱۳۷۲۔
- ③ لبیب اللغات ترکی۔ فارسی ترکی کی ایک منظوم لغت، ورق ۶۳، خدائیش لاہوری پٹنہ ④ رسالہ لغت ترکی، فارسی کی منظوم لغت، ورق ۹، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد ۸۱۷ھ/۱۳۱۴ء ⑤ انشا منظوم فارسی، ترکی لغت از محمد رضا بخشی ۱۶۷۵۔ اورینٹل مینوسکرپٹ لاہوری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ ترنکڑہ حیدرآباد
- ⑥ نصاب ترکی، بہت اہم فارسی، ترکی کی منظوم لغت ہے۔ ورق ۳۳، اورینٹل مینوسکرپٹ لاہوری حیدرآباد
- ⑦ ترکی مصادر، بعض ترکی مصادر اور فارسی میں ان کے متبادل، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد۔ ⑧ ترکی مصادر، ورق ۳۲، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد ⑨ ترکی لغت، منظوم لغت از حاجی شہاب الدین ورق ۷۸، ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء سالار جنگ میوزیم حیدرآباد ⑩ نصاب ترکی، گوپال لعل، ورق ۵۹ ⑪ حرف و نحو، ورق ۶۲، اورینٹل مینوسکرپٹ لاہوری حیدرآباد ⑫ فرہنگ اسکندری، درعہ سلطان اسکند بن بھلول شاہ، اورینٹل مینوسکرپٹ لاہوری حیدرآباد ⑬ فرہنگ ترکی، جو ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۷ء میں محمد شاہ بادشاہ کی عہد میں ابوالعصم بیگ بن قوام الدین بیگ نے مرتب کیا اور اوراق ۱۱۸۳، اورینٹل مینوسکرپٹ لاہوری

ادبی کتبائیں

- ⑭ علی شیر لوائی کا دیوان، ورق ۱۵۳، خدائیش لاہوری پٹنہ ⑮ دیوان علی شیر لوائی، ورق ۳۴

کاتب محمودی کابلی ۱۰۲۰/۱۱۳/۶۱۶۱ (۱۶) دیوان علی شیر نوائی: ورق ۲۱۰، ترتیب: بندہ درگاہ شاہ محمد بیگ
 نیز الگ ۵۱۲۵۶ (۱۷) یوسف زلیخا نوائی: ورق ۸، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (۱۸) دیوان علی شیر نوائی:
 اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری حیدرآباد (۱۹) دیوان علی شیر نوائی: ورق ۳۳۳ (۲۰) کلیات نوائی: اس میں
 ۲۸ ورق کی ایک کتاب تاریخ سلاطین مجملہ بھی شامل ہے اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری حیدرآباد (۲۱) منطق الطیر
 (لسان الطیر): ورق ۱۸، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (۲۲) دیوان فضولی: از محمد حسین بن پہلوان طرغزان ورق ۶۳،
 سالار جنگ میوزیم (۲۳) دیوان فضولی: ورق ۱۳، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (۲۴) دیوان فضولی: اورینٹل
 مینوسکرپٹ لائبریری حیدرآباد (۲۵) مدنیۃ السویہ: ورق ۲۱۹ (۲۶) دیوان بابر شاہ: ورق ۵۱، اس میں ۲۱۲ نظمیں
 ہیں سالار جنگ میوزیم (۲۷) دیوان بابر شاہ: ورق ۵، سالار جنگ میوزیم (۲۸) رؤفۃ الاشعار: ۲۱۰ اشعار کا انتخاب
 ہے اس میں سید سلطان سلیمان سلطان مولائے نصیری حافظ ترکی، سلمیٰ حالی وغیرہ کے اشعار شامل ہیں ۱۱۲۸/۱۱۲۹ء
 اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری حیدرآباد (۲۹) دیوان حافظ خوارزمی: سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ان کا ایک
 ۵۸۶ ورق کا مجموعہ کلام موجود ہے (۳۰) دیوان راشد آفندی: محمد راشد آفندی کا دیوان سالار جنگ میوزیم
 حیدرآباد (۳۱) چہل حدیث: ۴۰ منظوم احادیث از علی شیر نوائی (۳۲) مجموعۃ الاشعار: ورق ۲۰ مولانا آزاد
 لائبریری، علیگڑھ، مسلم یونیورسٹی (۳۳) بیاض اشعار: ورق ۲۶، خط نسخ لائبریری، پٹنہ۔

تراجم: بعض تاریخی و دینی کتابوں کا ترکی ترجمہ

(۳۴) عجائب المخلوقات از زکریا بن محمد بن محمد القزوینی: ورق ۵، خط نسخ لائبریری، پٹنہ (۳۵)
 عقد الجمان فی تاریخ اہل زمن از ابو محمد ابوالفتح محمود بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بدر الدین العینی القنی
 ج ۱ ورق ۳۳۶، ج ۲ ورق ۳۱، ج ۳ ورق ۳۳۲، خط نسخ لائبریری، پٹنہ (۳۶) تقویم البلدان
 از ابوالہداسمعیل بن علی بن محمود بن محمد بن عمر بن شہنشاہ بن ایوب عماد الدین الایوبی (۳۷)
 ترجمہ رشحات العین الحیات: ورق ۴۱۸، از محمد عارف بن محمد شریف عباسی، خط نسخ لائبریری، پٹنہ
 (۳۸) بادعی الاسلوب از سلطان عثمان خان۔

جناب شبیر احمد خاں غوری
علیہ

خیام کا ایک عظیم ہندی شاہکار

شہر کا انشکلا من مصادرات اقلیدس

خیام ایک ریاضی گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ مگر اس شہرت نے حقیقی "خیام" کو نظروں سے بچھل چلے۔ شاعری کی دنیا میں اس کا کوئی مقام ہو یا نہ ہو، عالمی ریاضی و ہیئت کی تاریخ میں اسے ایک ممتاز مقام ضرور حاصل ہے۔ وہ رصد گاہ ملک شاہی کا سربراہ تھا۔ کارڈان (Cardan) سے کہیں پہلے اس نے "فصول مخروطی (Conic sections) کی مدد سے دوسرے درجے کی مساواتوں (Cubic Equations) کو منظم طور پر حل کیا تھا اور "اصول اقلیدس" کے "خطوط متوازی کے مصادرات" (Parallel Postulate) کو ثابت کرنے کی جو سلسل کوکشتش بطلیوس (Ptolemy) زمانہ ۱۵۰ مسیح کے قریب) کے وقت سے آج تک ہوتی رہی ہے، اس کے اندر وہ شگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بعنوان "فصل فی حل من مصادرات اقلیدس" لکھی تھی، جس کا واحد نسخہ لیڈن کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب طبع بھی ہوئی تھی، مگر مطبوعہ نسخے کیاب ہیں۔ سطور ذیل میں اسی کتاب کا ابتدائی تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر اس سے پیشتر اس کے موضوع کی وفادار متحکم معلوم ہوتی ہے۔ اس ضمن میں دو باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

۱۔ مصادرات کی حقیقت و ماہیت۔

۲۔ "اصول اقلیدس" کے "خطوط متوازی کے مصادرات" کے ساتھ اعتنا کا اجمالی جائزہ۔

۱۔ مصادرات مفہوم: "مصادرات" جسے انگریزی میں (Postulate) کہتے ہیں نئی

اصطلاح ہے، اگرچہ اس کا استعمال زیادہ تر علم ہندسہ (Geometry) میں ہوتا ہے۔ اس اصطلاح کا بانی مشہور یونانی حکیم و فلسفی ارسطو تیسرا جو علم منطق کا بھی واضع و بانی ہے۔ مصادرات کی توضیح اس نے اپنی منطق تصنیف "انالوطیقہ ثانی" (Analyticae Posterior) میں کی تھی۔ مگر معاصرین اس کے ترجمے یورپی زبانوں (دشمن انگریزی زبان کے) میں ہونے سے دیر سے پیش نظر (Jonathan Barnes) کا ترجمہ ہے جو

میں کلیرٹن پریس آکسفورسے۔ Aristotle Posterior Analytics (Translated by Jan-athen Barnes, Charendon Press, Oxford, 1975) کے نام سے

نشانے ہوا تھا۔

اس کتاب کے صفحہ ۱۰ پر ارسطو "مصادره" (Postulate) کی تعریف بدینہ طور کرتا ہے:-

"مصادره" وہ (دعویٰ یا مقدمہ) ہے جو متعلم کی رائے کی ضد ہو، اور ہر چند کہ وہ ثبوت طلب ہو اُسے ثابت کئے بغیر ہی مان لیا جائے اور استعمال کیا جائے۔

اس تعریف کی مزید توضیح ارسطو "مفروضہ" یا "اصول موضوعہ" (Supposition) اور مصادرہ میں امتیاز کر کے کرتا ہے:

"جو بات کوئی شخص بغیر خود اس کو ثابت کئے ہوئے فرض کر لیتا ہے، حالانکہ وہ ثبوت طلب ہوتی ہے (اس کی دو شکلیں ہیں)، اگر وہ ایسے دعویٰ کو فرض کرتا ہے جو متعلم کے نزدیک بھی صحیح ہے تو وہ اُسے (Suppose) کرتا ہے، لیکن اگر وہ اس بات کو اس حالت میں مان لیتا ہے کہ یا تو اس کے بارے میں اس کی کوئی رائے ہی نہیں ہوتی، یا اگر ہوتی تو ہے، مگر وہ دعویٰ کے اصل مدعی کے موقف کے خلاف ہوتی ہے تو وہ اُسے بطور مصادرہ کے پیش کرتا ہے، اور یہی وہ امتیازی فرق ہے جس کی بنا پر "مفروضہ" یا "اصول موضوعہ" اور "مصادرہ" ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ مصادرہ وہ دعویٰ ہے جو متعلم کی رائے کی ضد ہو اور ہر چند کہ ثبوت طلب ہو، اُسے ثابت کئے بغیر ہی مان لیا جائے اور استعمال کیا جائے۔"

ہر چند کہ "مصادرہ" منطقی اصطلاح ہے، مگر اس کا استعمال زیادہ تر اقلیدسی ہندسہ کے ماہرین نے کیا ہے۔ ان میں سے ایک اہم شخصیت پروفیسر (Proches) کی ہے۔ وہ اس (مصادرہ) کی تعریف میں کہتا ہے:

"اگر کوئی دعویٰ غیر واضح بالذات ہونے کے ساتھ متعلم کی رہنمائی کے بغیر تسلیم کیا گیا ہو، تو وہ مصادرہ کہلاتا ہے۔"

ارسطو کی تصانیف جہاں اسلام میں پہلے عربی میں ترجمہ کی گئیں اور پھر حکمائے اسلام نے ان کی مدد سے مستقل کتابیں لکھیں۔ ان حکماء میں اہم ترین شخصیت شیخ بوعلی سینا کی ہے، اور اس کی تصانیف میں تین کتابیں خصوصاً اہمیت رکھتی ہیں: "حفاظہ"، "نجاة"، اور "اشارات"۔

”کتاب الشفا“ کا پہلا حصہ منطق پر ہے جو ”فنون“ پر مشتمل ہے۔ پانچواں فن ارسطو کی ”اتالوطیکائے ثانی“ کا چرچہ ہے۔ اس کے پہلے مقالہ میں بارہ فعلیں ہیں۔ آخری فصل میں اُس نے ”مصادره“ اور اُس کی اخوات ”علوم متعارفہ“ (Axiom) اور ”اصول موضوعہ“ (Supposition) یا (Hypothesis) کی حقیقت و ماہیت کی توضیح کی ہے :

’ اصول موضوعہ وہ مقدمات ہیں جو اپنی ذات میں غیر واضح بالذات ہوتے ہیں مگر کسی دوسرے علم میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے، اور معلّم انہیں اس بنا پر کہ اُسے اپنے استاد کے ساتھ من مزن ہے اور اس بات پر اعتماد ہے کہ معلّم کی رائے اس باب میں صحیح ہے، تسلیم کر لیتا ہے۔“ مصادره بھی ایسا ہی (غیر واضح بالذات) مقدمہ ہوتا ہے۔ لیکن یا تو اس باب میں معلّم کی رائے وہ نہیں ہوتی، جو معلّم کی رائے ہے، یا پھر سرے سے کوئی رائے نہیں ہوتی۔“

اور اس (مصادره) کی بہترین مثال وہ ”اقلیدس کے خطوط متوازی کے مصادره“ کو بتاتا ہے کہ :

” اقلیدس کی کتاب میں جو بیان ہوا ہے کہ اگر ایک خط مستقیم دوسرے خطوط مستقیم کو قطع کرے اور خط قاطع کے ایک جانب کے دو داخلہ زاویے مل کر دو قائمہ زاویوں سے کم ہوں تو اس جانب دونوں خط بڑھائے جانے سے آپس میں مل جائیں گے، ایک ”مصادره“ ہے۔“

مصادره کی اسی طرح توضیح ابن سینا نے اپنی دوسری کتابوں ”کتاب النجاة“ اور ”کتاب الاشارات والتنبہات“ میں کی ہے، مگر اس کی تفصیل موجب تطلّوّل ہوگی۔

ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی مسیحی) میں کاتبی قزوینی نے ”شمسیہ“ کے نام سے منطق کا ایک معین متین لکھا جس پر بعد میں قطب الدین رازی نے شرح لکھی، جو ان کے نام پر ”قطبی“ کہلاتی ہے۔ اس کے آخر میں انھوں نے ”مصادره“ کی جو توضیح کی ہے، وہ بڑی صاف اور واضح ہے۔ فرماتے ہیں :

” ہر علم کے تین حصّے ہوتے ہیں۔ موضوع، مبادی اور مسائل۔۔۔ مبادی یا تفصیلات ہوتے ہیں یا تصدیقات۔۔۔ (تصدیقات کی تین شکلیں ہیں)۔“

(۱) یا تو وہ اپنی ذات میں (per se) واضح بالذات (Self-evident) ہوتی ہیں

وہ علوم متعارفہ (Axiom) کہلاتی ہیں یا غیر واضح بالذات ہوتی ہیں۔ دُاُس حالت میں ان کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔)

ہر شاگرد اساتذہ کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر انہیں صحیح تسلیم کرتا ہے تو وہ ”اُصول موضوعہ“

(Hypothesis) کہلاتی ہے، لیکن

(۳) اگر شاگرد ان کے تیئں انکار اور شک کے ساتھ پیش آئے انہیں تو ”مصادرہ“ کا نام

دیا جاتا ہے۔“

آخری زمانہ میں علامہ محمد بہار علی (المتوفی ۱۱۶۱ھ/۱۷۷۸ء) نے ”سلم العلوم“ لکھی جس کے ذریعہ نہ صرف ہندوستان، بلکہ عالم اسلام کی منطقی عبقریت اپنے ذریعہ کمال کو پہنچی۔ بعد میں مختلف علماء نے اس پر شرح لکھیں۔ ان شروع میں اہم ترین شرح مولانا عبدالحی علی بر العلوم کی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں: ”مبادی (First principles) ان امور کو کہتے ہیں جن سے دلیل مرکب ہوتی ہے۔۔۔ اگر وہ امور تصور کے قبیل سے ہوں تو انہیں محدود یا قیفاً تک نام دیا جاتا ہے، اور اگر از قسم قضایا ہوں تو:-

”اگر وہ ضروری ہوں اور بیان و توضیح سے مستثنیٰ، تو ”علوم متعارفہ (Axioms) کہلاتے ہیں۔ اور اگر نظری ہوں۔۔۔ اور اس انداز کے ہوں کہ متعلم ان کی صحت کو اس وجہ سے تسلیم کرے کہ اسے ان کی صحت کا ظن غالب ہے، یا اس وجہ سے تسلیم کرے کہ اپنے استاد کی اہانت رائے کے ساتھ حسن ظن ہے۔ تو انہیں ”اُصول موضوعہ“ (Hypothesis) کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر وہ امور اس انداز کے ہوں کہ شاگرد انہیں تسلیم تو کرے مگر دل میں ان کی صحت کا متکبر ہو تو انہیں ”مصادرہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے ”مصادرہ“ کی حقیقت و ماہیت متعقّب ہو گئی ہوگی جو مغرب میں ارسطو کے زمانہ سے پہلی صدی تک اور مشرق میں آج کے دن تک عام انداز فکر کا حاصل ہے، ایک ہی رہی ہے اور جس کی رو سے ”مصادرہ“ سے مراد وہ دعاوی یا مقدمات ہوتے ہیں جو:

(الف)۔ نہ تو اپنے بدیہی و واضح بالذات (Self-evident) ہوں کہ ثبوت ہی سے مستثنیٰ ہوں، اور (ب)۔ نہ ہی انہیں مخاطب (یا متعلم اگر وہ استاد کا حق طلب ہے) ہی بطیب خاطر تسلیم کر لیے کویتا ہو، بلکہ استاد یا دعوے کے مدعی کی جرات قدر سے مرعوب ہو کر وقتی طور پر انہیں تسلیم کر لیتا ہے (حالانکہ اس باب میں اُس کی رائے اکثر استاد کی رائے کے مخالف ہوتی ہے)۔

۲۔ اُصول اقلیدس کا خطوط متوازی کا مصادرہ :- مصادرہ کی بہترین مثال اقلیدس

کا مخطوطہ متوازی کا معاوضہ ہے۔ مگر اس کی تفصیل سے پہلے خود ”اصول اقلیدس“ کا اجمالی تعارف ضروری ہے۔
 ”اصول اقلیدس“ ہندسہ یا جیومیٹری کی مشہور کتاب ہے۔ ”جیومیٹری“ کی ابتدا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے بریائش زمین کے سلسلے میں مصروفیم میں ہوئی۔ بعد میں پر و بہت طبقہ خاص پائش کے بہت قاعدے دریافت کئے اور اس طرح ”جیومیٹری“ کے علم کا آغاز ہوا۔

پھر یونانی حکماء جیسے تالیس (Thales) اور فیثاغورث وغیرہ مرتبے اور وہاں سے دوسرے علوم کے ساتھ ہندسہ یا جیومیٹری کا علم بھی سیکھ کر آئے۔ خود انھوں نے بھی اپنی دریافتوں سے اس علوم کا ثروت میں اضافہ کیا اور اس طرح ان کی سہی پیہم سے اس علم کا وافر ذخیرہ جمع ہو گیا۔

اس وافر ذخیرہ میں سے بنیادی حیثیت کی اشکال کو منتخب کر کے ”اصول ہندسہ“ کا نام دیا گیا۔ اس قسم کا سب سے پہلا انتخاب بقراطیوس (Hippocrates of Chios) نے مرتب کیا۔ پھر اور لوگوں نے بھی اس انداز کی کتابیں مرتب کیں۔ آخری کوشش اقلیدس (زمانہ ۳۰۰ ق م کے قریب) نے کی اُس کی ”اصول ہندسہ“ (Elements of Geometry) کے سامنے اس موضوع کی سابق تصانیف گوشہ رنگت ہی میں جا پڑیں۔

بعثت اسلام کے بعد جب یونانی علم و حکمت کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں تو سب سے پہلے اقلیدس کی ”اصول ہندسہ“ ہی کا ترجمہ ہوا۔ مگر اس کا باقاعدہ ترجمہ حجاج بن یوسف بن مطر نے ہارون الرشید کے عہد (۱۸۰-۱۹۳) میں کیا۔ حجاج ہی نے اس کا دوسری مرتبہ ترجمہ ہارون کے بیٹے مامون کے زمانہ (۱۹۸-۲۱۸) میں کیا۔ بعد میں اور لوگوں نے بھی ترجمہ کئے جن میں سب سے مشہور اسماعیل بن حنین کا ترجمہ تھا، جس پر ثابت بن قرق نے اصلاح دی۔

تیرہویں صدی مسیحی کے وسط میں خواجہ فیروز الدین طوسی نے حجاج اور ثابت کے ترجموں کو سامنے رکھ کر ”تحفہ اصول اقلیدس“ کے نام سے اصول اقلیدس کا ایک نیا ایڈیشن مرتب کیا اور پھر اسی ایڈیشن کو قبول عام نصیب ہوا۔ بعد کے علما نے تدریس ہوا تصنیف دونوں ہی میں اسی کے ساتھ اعتناء کیا۔

اقلیدس کی ”اصول ہندسہ“ کی سب سے بڑی خوبی اُس کی متناسق ترتیب ہے۔ ہر شکل و کچلی اشکال کی مدد سے ثابت ہوتی ہے اور وہ اپنے سے پہلے کی اشکال سے۔ آخری اساسی شکلوں کی صحت کچھ تہذیبی

مقدمات اور چند مصطلحات (محدود ریاضیاتی تعاریف) پر موقوف ہوتی ہے، جنہیں ”مبادی“ (First Principles) -

کہتے ہیں، محقق طوسی کے یہاں انھیں ”محدہ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ پچھلی فصل میں مذکور ہوا، ان تہمدی مقدمات کی تین قسمیں ہیں: ”علوم متعارفہ“ اصول موضوعہ اور مصادر۔ محقق طوسی کی ”تقریر اصول اقلیدس“ میں پہلی قسم کو تو ”العلوم المتعارفہ“ کا عنوان دیا گیا ہے۔ لیکن باقی دو قسموں کو ان کے مصطلح عزائنات کے تحت بیان نہیں کیا گیا، بلکہ ایک ہی جگہ میں ”اوضاع“ (ان یوضیع) کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ انھیں میں حسب ذیل مقدمہ ہے:

”کل خطین مستقیمین وقع علیہما منحن مستقیم، وکانہ الزاویتان الداخلتان فی احد

البجتنین اصغر من قائمتین، فاختصا یلتقیان فی تلكہ الجہۃ ان اخرجا۔“

[اگر دو خطوط مستقیم کو دینسلا، خط مستقیم کاٹے اور (خط قاطع) کی ایک جانب کے دونوں داخل زاویے دو قاطعہ زاویوں (rt. angles) سے کم ہوں تو وہ دونوں خط اگر بڑھائے جائیں تو اُسی جانب میں (کہیں نہ کہیں جا کر) مل جائیں گے۔]

یہی اقلیدس کا ”خطوط متوازیہ کا مصادرہ“ ہے جو علم ہندسہ کی تاریخ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ہندسہ دنیا کی ہنگامہ رانیاں اسی مصادرہ کے محور پر گردش کرتی رہی ہیں اور اسی کے ثابت کرنے کی کوشش غیر اقلیدسی جیومیٹری (Non-Euclidean Geometry) کے وجود میں آنے پر منتج ہوئی۔ مگر اس کی تفصیل موضوع زیر بحث سے دور لے جائے گی۔ اس اہمیت سے قطع نظر ہی ”مصدرہ“ اقلیدس کا عظیم ترین کارنامہ ہے، کیونکہ اسی کے ذریعہ اس نے خطوط متوازی کے مسئلہ کو پائدار اور مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔

لیکن واقعات کی ستم ظریفی بھی قابل غور ہے کہ اقلیدس کا یہی عظیم کارنامہ کوئی دو ہزار سال سے ہدف تنقید بنا ہوا ہے، کیونکہ اقلیدس کے بعد آنے والے ماہرین علم ہندسہ نے اکثر اسے ”مصدرہ“ ماننے سے انکار کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ یہ صرف ایک ”مسئلہ اثباتی“ (Theorem) ہے، جسے زیادہ بیسٹ شکلوں کی مدد سے ثابت کیا جانا چاہیے۔ قدیم ترین ریاضی داں جس نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی بطلیموس تھا۔ بعد کے ریاضی دانوں میں برعکس (Proclus) اس حیثیت سے مشہور ہے کہ وہ اس ”مصدرہ“ کی مصداق حثیت کا بڑی شدت سے منکر تھا اور کہتا تھا کہ اس کو مصادرات کی فہرست ہی سے سافط کر دینا چاہیے، کیونکہ یہ ایک مسئلہ اثباتی (Theorem) ہے۔ جسے بطلیموس نے اپنی کتاب میں اور خود اقلیدس

نے اس کے ”عکس“ (Converse) کو عملاً مسئلہ اثباتی کی طرح ثابت کیا ہے۔ ہرقلس کا شاگرد (Simplicius) کہتا ہے کہ بطلیموس اور ہرقلس کے علاوہ اور ریاضی دانوں نے بھی اسے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

بہر حال جب ”اقلیدس“ عربی میں ترجمہ ہوئی تو پھر مسلمان فضلاء نے اس پر شروع لکھیں اور اس کے مشاغل وغوامض کو حل کرنے کی کوشش کی۔ ان مشاغل وغوامض میں سب سے اہم ”خطوط متوازی کا مصدرہ“ ہے۔ محقق طوسی نے ”المرسالہ الشافیہ“ میں ان میں سے تین فاضلوں کی کوشش کا تفصیل طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس علم کے (یونانی) متحرکین کے بعد متاخرین (فضلاء اسلام) کا زمانہ آیا۔ انھوں نے جب دیدۂ انصاف دیکھا تو صورت حال ان پر واضح ہو گئی اور انھوں نے اس (مصدرہ) کی دلیل و محبت تلاش کرنا شروع کی۔۔۔ کسی نے تو اس مصدرہ کا بدلہ پیش کیا جو وضوح وغوض میں اقلیدس کے بیان کردہ مصدرہ (کی مشکلات) کے قریب ہے اور وہ ابوعلی ابن العثیم ہے جو فون ریاضیاً میں تبحر رکھتا تھا۔ اور کسی نے اس مصدرہ کا ثبوت ایسے مقدمہ کے ذریعہ دیا جو اقلیدس کے مصدرہ سے زیادہ واضح نہیں ہے اور وہ حکیم عالم ابوالفتح عمر خیام ہے۔ اور کسی نے اس کی دلیل ایک مغالطہ آمیز مقدمہ پر قائم کی اور وہ فاضل عباس بن سعید الجوبہری ہے۔“

ان فضلاء میں سب سے پہلے عباس بن سعید الجوبہری نے ”أصول اقلیدس“ کے باقاعدہ ترجمہ کو کیے ہیں سال بعد اس مسئلہ کے ساتھ تعریف کیا۔ اس نے اقلیدس کی کتاب کی اصلاح لکھی اور اس کی اشکال میں تقریباً پچاس شکلوں کا اضافہ کیا۔ ان میں سے چھ شکلیں خطوط متوازی کے مصدرہ کے اثبات میں ہیں، مگر بقول محقق طوسی ان کی اساس ایک ایسے مقدمہ پر ہے جو مغالطہ آمیز ”مغالطیہ“ (Fallacious) ہے۔

چوتھی صدی کے خاتمہ پر ابن العثیم نے اقلیدس کے خطوط متوازی کے مصدرہ کا بدلہ دریافت کیا کہ ”ایک دوسرے کو قطع کرنے والے دو خط مستقیم (ایک وقت) ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں

ہو سکتے، یا "Two intersecting St. lines can not be parallel to one

and the same St. line."

ابن العثیم نے یہ بدلہ ہی کتاب ”شرح مصادر اقلیدس“ میں پیش کیا تھا، مگر محقق طوسی کو یہ کتاب نہیں

مل سکی۔ خوش قسمتی سے آج دنیا میں اُس کے تین نسخے محفوظ ہیں۔ ابن الحیثم نے اس کا حوالہ اپنی ایک اور کتاب ”مل شکوک کتاب قلیدس“ میں دیا تھا جو محقق طوسی کو مل گئی تھی۔ فرماتے ہیں :

”اور رہا ابن الحیثم تو اس نے اپنی کتاب مثنویہ ”مل شکوک کتاب قلیدس“ میں اس مقدمہ (خطوط متوازی کے مصادرہ) کے بجائے ایک دوسرا مقدمہ بیان کیا ہے اور اُس کا گمان ہے کہ یہ اقلیدس کے مصادرہ کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور ذہن میں جلد راسخ ہو جانے والا ہے۔ اُس نے اس مصادرہ اور اس جیسے دوسرے مصادرات کے ثبوت کے لئے اپنی ایک اور کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ جس کا نام اُس نے ”شرح المصادرات“ بتایا ہے (مگر) مجھے اس کا نسخہ نہیں ملا۔“

محقق طوسی ابن الحیثم کے مجوزہ بدل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

”اما المقدمة التي زعم انها من منطلحس و اوقع في النفس من هذه المصادر و

استعمالها في المواضع التي تحتاج فيها الى تلك المصادر و جلا عنها فحي ان الخطين

مستقيمين المتقاطعين لا يمكن ان يكونا خطأ واحداً مستقيماً۔“

[اور وہ مقدمہ جس کے لئے اس (ابن الحیثم) کا گمان ہے کہ وہ (اقلیدس) اس مصادرہ کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے والا ہے اور جسے اس نے ان مقامات پر جہاں اس کی ضرورت پڑتی ہے، اقلیدس کے مصادرہ کے بجائے استعمال کیا ہے حسب ذیل ہے : ”ایک دوسرے کو قطع کرنے والے دو خطوط مستقیم کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک ہی خط مستقیم کے متوازی ہوں۔“]

اور یہ وہی چیز ہے جسے ابن الحیثم نے کوئی آٹھ سو سال بعد برطانوی ریاضی دان پلے فیئر نے اپنایا۔ چنانچہ اس نے ۱۷۹۵ء میں ”اصول اقلیدس“ کا ہواڈیشن شائع کیا۔ اُس کے دیباچہ میں لکھتا ہے :

"A new axiom is introduced in the room of the 12th for

the purpose of demonstrating more easily some of the propo-

-rties of parallel lines."

[اقلیدس کے بارہویں علوم متعارفہ (خطوط متوازی کے مصادرہ) کے بجائے ایک نیا علوم متعارفہ داخل کیا جا رہا ہے، جس کا مقصد خطوط متوازی کے کچھ خواص کو زیادہ آسان طریقہ سے ثابت کرنا ہے]

اور یہ نیا علوم متعارفہ (Axiom) پلے فیئر کے لفظوں میں حسب ذیل ہے :

"Two St. lines which intersect one another cannot be parallel to the same St. line."

[دو خطوط مستقیم جو ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں، ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے]
 علم و حکمت کی تاریخ میں علمی اور سائنسی قزاقی اور ڈاکہ زنی کی اس سے زیادہ شرمناک مثال
 شاید ہی مل سکے۔ طرچہ دلاور است و زد دے کہ بکف چرانغ دارد۔
 اور پھر برطانوی ریاضی داں کیلے (Calay) نے اس سائنسی قزاقی پر ہر توشیح ثبت کر دی بچا بچہ
 موخر الذکر نے ۱۸۳۶ء میں سائنس دانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"My own view is that Euclid's Twelfth axiom in playfairs form of it does not need demonstration, but is part of our notion of space, of physical space of our experience, which is the representation lying at the bottom of all external experience."

یہ ہے "مغرب" کی انصاف پروری کہ مشرق کے گنہائے زور و ستم تو دور رکنا، اس کے فرزندوں نے جنی علمی اور
 سائنسی اکتشافات کیلئے خون جگر بہایا تھا، وہ بھی ان کی دستبرد سے بچ سکے۔ والی اللہ المشتکی۔

ابن العظیم کے بعد "مفہیم" (وفات ۵۶۳ھ/۱۱۲۹ء) کا زمانہ آتا ہے۔ اس نے اس خطوط متوازی
 کے مصادروہ کو اپنی کتاب "شرح مسائل من مصادرات اقلیدس" میں ثابت کیا ہے۔ اس کی تفصیل
 اگلی فصل میں آرہی ہے۔

محقق طوسی کو صرف انہیں تین فاضلوں (عباس بن سعید الجورہری، ابن العظیم اور خیام) کے نام ملے
 مصادروہ کے سلسلے میں کوشش کی کہیں زیادہ ہے۔ یوں تو ہر فاضل جس نے "اصول اقلیدس" کی شرح
 لکھی (اور ان شارحین کی تعداد خاصی طویل ہے)۔ خطوط متوازی کے مصادروہ پر کچھ نہ کچھ گفتگو ضرور کی ہے
 (مثال کے طور پر احمد بن عمر الکلابیسی نے اپنی شرح اقلیدس میں، جس کا واحد مخطوطہ خط خض اور ٹیٹل بلیک
 لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے) مگر ابن النذیم نے پچھ اور لوگوں کے تذکرہ میں اس موضوع پر ان کی تصانیف
 کا ذکر کیا ہے۔ یہ ثابت بن قرہ اور یوحنا الفس میں جن کی تصانیف تیرھویں صدی مسیحی تک موجود تھیں، انکو
 علم الدین قیصر نے محقق طوسی کے "الرسالۃ الشافیہ" پر جو تبصرہ لکھ کر انھیں بھیجا تھا، اس میں
 ان تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

اگلی تیرھویں صدی مسیحی میں جبکہ محقق طوسی نے ”الرسالۃ الشافیہ“ لکھا، پہلے اثیر الدین البہرہ نے ”خطوط متوازی کے مصادرہ“ کو ثابت کیا۔ اس کی تفصیل قاضی زادہ ردی نے جوانی بیگ کے استاد اور اُس کی رصدگاہ سمرقند کے پہلے متولی تھے۔ ”شرح اشکال التاسیس“ میں دی ہے۔ اثیر الدین البہرہ کے بعد محقق طوسی نے اس مصادرہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی، چنانچہ انھوں نے ”الرسالۃ الشافیہ“ میں پچھلے ماہرین علم ہندسہ (الجوبہری، ابن الحثیم اور خیام) کی کوششوں کے ذکر کے بعد اپنی کوشش کی تفصیل دی ہے کہ میں نے اسے سات شکلوں کی مدد سے ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

”و اما الطريقة التي اتفحصت بها بعد مطالعة كلام هؤلاء الافاضل فهي هذا“

التي ترتيبت في سبعة اشكال“

[بہر حال وہ طریقہ جو سابق فاضلوں کے کلام کے مطالعہ کے بعد میرے خیال میں واضح ہوا ہے، وہ حسب ذیل ہے اور جیسے میں نے سات شکلوں میں مرتب کیا ہے۔]

اس کے بعد انھوں نے ان اشکال ہفتگانہ کو ثابت کیا ہے، جس کا اعادہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ صرف اتنا بتا دوں ضروری ہے کہ محقق طوسی کی ان اشکال ہفتگانہ میں سے دوسری اور چوتھی شکل بعینہ وہی ہے جو خیام نے اپنے تجویز کردہ ثبوت میں دی ہیں۔ ان کی تفصیل آگے آئے گی۔ محقق طوسی نے انھیں اشکال ہفتگانہ کی مدد سے اپنی ”تحریر اصول اقلیدس“ میں اس مصادرہ کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ پہلے تو کتاب (تحریر اقلیدس) کے دیباچہ میں اس مصادرہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ”قضیہ“ (مصادرہ) نہ تو علوم متعارفہ میں داخل ہے اور نہ علم ہندسہ کے علاوہ کسی اور علم میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ یہ ایک قابل توضیح و ثبوت مسئلہ ہے جسے مبادی کے بجائے ”مسائل فن“ میں بیان کیا جانا چاہیے۔ لہذا میں اسے مناسب موقع پر بیان کروں گا۔ پھر اٹھائیسویں شکل ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

”هذا موضع بيان القضية التي صاد بها اقلیدس و وعدت بيانها في صدر الكتاب“

وقد بينتها بسبعة اشكال“

[یہ اس قضیہ (مصادرہ) کی توضیح کے لیے (مناسب) مقام ہے، جو اقلیدس نے بطور مبادی لکھے تھے۔ اور جس کی توضیح کا میں نے دیباچہ میں وعدہ کیا تھا۔ میں نے اس مصادرہ (خطوط متوازی کے مصادرہ) کو

مات شکلوں کی مدد سے ثابت کیا ہے۔]

یہ ہے ایک اجمالی جائزہ افاضل ریاضی دانوں اسلام کی کوششوں کا جو انھوں نے خطوط متوازی کے مصادرہ کو ثابت کرنے کے سلسلے میں کی ہیں۔ اسی جائزے میں ایک ممتاز مقام خیامؒ کا ہے، جس نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اسی کا مختصر تعارف آئندہ فصل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۳۔ مختصر تعارف شرح ما شکل من مصادرات اقلیدس : خیام کے احوال و آثار کا اہم

بریم ترین ماخذ نظامی عروضی سمرقندی کا ”چہار مقالہ“ ہے۔ اسی زمانہ میں یہ بھی ”فتح صوان الحکمة“ بھی، جس میں خیام کے تفصیلی حالات ملتے ہیں۔ مگر دونوں میں خیام کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ملتا۔ الجبر و اقبالہ کے علاوہ اُس کی اہم ترین ریاضیاتی تصنیف ”شرح ما شکل من مصادرات اقلیدس“ ہے جس کا بارف اس مقالہ کا مقصد ہے۔ خیام کی اس کتاب کا قدیم ترین حوالہ خواجہ نصیر الدین محقق طوسی نے اپنے ”الرسالۃ الشافیہ عن الشکک فی المخطوط المتوازیہ“ میں دیا ہے۔ نیز اس کا ایک طویل اقتباس غلطہ نقل کر دیا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ اقتباس ہماری اس پیش کش پر مشتمل ہے۔ ویسے خیام کی ”شرح ما شکل من مصادرات اقلیدس“ ہنوز موجود ہے، مخطوط بھی اور مطبوعہ بھی۔ اس کا واحد مخطوطہ لیڈن (ہالینڈ) کے کتب خانہ مشرقی میں ہے، جس کی فہرست سے براکلمن نے اپنی کتاب ”سائنس علوم عرب“ میں اس کا حوالہ نقل کیا ہے۔ براکلمن کے حوالہ سے محمد بن عبدالوہاب قرطوبی نے ”حواشی چہار مقالہ“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ زویہ بنی ہی کے حوالہ سے سید سلیمان ندوی نے انجمنیہ ناز تصنیف ”خیام“ میں اسے خیام کی تصانیف میں بیان کیا ہے۔ اس صدی کے وسط میں ”شرح ما شکل من مصادرات اقلیدس“ کو ایک فاضل نے لیڈن کے خطوط نیز محقق طوسی کے ”رسالہ شافیہ“ میں مذکور اس کتاب کے متعلقہ اقتباس کی مدد سے اکٹھا کر کے شائع کیا۔ مطبوعہ کتاب کا غالباً ایک نمونہ ایرانی تاجر کتب خانہ کمرہ ہا بھی آیا جسے ہم نے منگالیا تھا لیکن آج یہ نسخہ میری دسترس میں نہیں ہے۔ مگر غالباً کسی نے بھی خطوط کے مطالعہ کی زحمت نہیں کی۔ اس عاجز نے بھی مطبوعہ نسخہ کا مطالعہ نہیں کیا، یہ میں نہیں بتا سکتا کہ کس فاضل نے اسے کب اور کہاں سے اکٹھا کیا اور اس کے اندر خطوط متوازی کے مصادرہ کے علاوہ جس کی تصدیق محقق طوسی کے ”الرسالۃ الشافیہ“ سے ہوتی ہے ”أصول اقلیدس“ کے اور کس کس مصادرہ کے شکالات کی شرح و توضیح کی گئی ہے۔

طاہر محمد مجیب الرحمن

راجشاہی یونیورسٹی، بنگلہ دیش

بنگلہ دیش میں اسلام

فاضلہ البید میں سرزمین بنگال پر جو شخصیت حکمرانی کرتی تھی اس کا نام تھا پچھلے سین۔ گھمان کارن اور سوت ترین مذہبی بلکہ محض نوعہ تکبر کے ذریعہ جس شخص نے اس کا تختہ الٹ دیا تھا اس کا پورا نام تھا اختیار الدین بن بختیار خلجی۔ بنگال کے معروف شاعر عبداللہ اندوی نے کیا خوب کہا:

لما فتح البختیار بنگالۃ تنزلت البلاد ومسنۃ العرب
ہندو مسند و ملاؤ الشاؤ العرب الصیغ والافغان والیدان والغرب
ففتح من مسلم تلك البلاد لنا اوصافنا البطش والاقدام والغلب

یعنی (۱) بختیار خلجی نے جب فتح و ظفر مندی کا پرچم لہرایا تو پوری سرزمین تھر تھر کانپ اٹھی اور (پچھلے سین پر) رعیت اب یوں طاری ہو گیا کہ وہ گھر کے پچھڑے سے دم دبا کر بھاگا (۲) (صرف بنگال ہی نہیں بلکہ) سرزمین ہندو مسند مملکت عرب شام چین و افغانستان اور مغربی ممالک کے حصے بھی ان کے قبضہ قدرت میں آ گئے تھے کیوں کہ ان دنوں ان کے کرداروں کی خاصیت تھی آگے بڑھ کر غلبہ حاصل کرنا کہ پیچھے ہٹ کر شکست کھانا۔

بنگال کی سرزمین، اس کی کئی کئی کوچے اور چتے چتے میں عام طور پر بنگلہ زبان رائج تھی مگر صدافسوس کہ یہ صرف مسلمان اور ہندوؤں کے پہلے طبقوں کی زبان تھی۔ ہندوؤں کے اونچے طبقے کے گھرانوں میں سنسکرت زبان بولی جاتی تھی اور وہ بنگلہ کو پرندوں و چرندوں کی زبان سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ انسان بن کر بنگلہ زبان بولے ہوں گے وہ اس دوزخ کے لینڈ میں بن گئے جسے اور بنگ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سنسکرت زبان کا یہ مشہور و معروف ہے:

پستودس پرونی روبنگ دوزنگ ...

یعنی اسی دوران بنگال کا با اثر حکمران جین شاہ نے بانگ و ہل یہ اعلان کر دیا کہ عوام کی زبان ہی دراصل حقیقی

بان ہے۔ چنانچہ یہی زبان ہر جگہ بولی جائے اور ہر سمت وچے چپے میں اسے رواج دیا جائے۔ اسی شاہی فرمان کے اجرا پر لازمی نتیجہ تھا کہ اسی زمانہ میں بنگلہ زبان کا عظیم شاعر علاؤ الدین سید سلطان علی ہیکم شاہ غریب اللہ وغیرہ نے بنگلہ شاعری کی زبان میں ایسی نئی اصول و عظیم تصنیفات شائع فرمائیں کہ ان شاہکاروں کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔

ابھی بعد کے انھیں ادبا و مصنفین کے عظیم شاہکاروں کی سلیس زبان کا جہاں تک تعلق ہے تو ان میں بنگلہ کی نسبت دو عربی فارسی کی بھرمار ہوا کرتی تھی۔

انھیں بنگالی ادبا و شعرا کے نقش قدم پر گامزن ہو کر آنے والی نسل نے بھی اپنے حرافت کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں کافی کتابیں لکھ ڈالیں اور اس قدر زیادہ لکھ ڈالیں کہ مسلمان تو مسلمان ہندوؤں نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر دلچسپیاں لینا شروع کر دیں۔ مگر کس چندر سین کون گوپال سنھا امیر الدین باسو نی وغیرہ نام نامی اسم گرامی اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر بلکہ سرفہرست ہے۔ اس سلسلہ میں چاکا کے مولانا ذوالفقار صاحب رجوم کا ذکر بھی لازمی حتمی ہے جنھوں نے بنگلہ زبان کو عربی جوت میں تحریر کرتے ہوئے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔

ادھر مسلمان مصنفین قرآن و حدیث اور دیگر دینی کتابوں کو بنگلہ کا جاہر پہنانے میں کچھ گریز کی راہیں اختیار کیں۔ لیول کہ اس زمانہ میں کورٹ و عدالت کی زبان فارسی تھی اور اس زبان میں قرآن و حدیث کے ترجمے کی بہتات بھی تھی اور فرائدانی بھی۔ اور تقریباً مسلم قوم کے ہر فرد بشر کو فارسی و اردو زبان سے کچھ نہ کچھ شدید اور واقفیت ہو کرتی تھی، بلکہ شریف گھانوں میں تو اردو ہی عام طور پر بولی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر اس ضمن میں شیر بنگلہ فضل الحق صاحب ناظم الدین، نواب عبدالغنی، نواب سلیم اللہ وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے ہر وجہ سے کہ وہ سمجھتے تھے کہ بنگلہ زبان بن ترجمہ کی حیثیت ضرورت نہیں۔

مگر شہدے زمانہ کو دیکھیں کہ یہ وہی بنگلہ زبان ہے جسے مسلمانوں نے فروغ دیا پروان چڑھایا و بڑھتی ہوئی روز افزوں ترقیوں کے ذریعے پر اسے گامزن کیا اور اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری بھی کئی رفتہ رفتہ وہ خود ہی پیچھے ہٹتے گئے حتیٰ کہ وہ پسپائی کے آخری سرے اور انتہائی مرحلے کو پہنچ گئے۔ اس کے برعکس ہندوؤں نے بنگلہ زبان سے نفرت و ناک بھوں چڑھانے کے بجائے اب اس کی پوری آؤ بھگت کرنا شروع کر دی بلکہ اس کی بڑھتی اپنے ہاتھوں میں سمجھا لی اور اسے یوں اپنایا کہ گھر کی نوڑی بچھے لگ گئے۔

اسی قوم کا عروج و زوال اس کی تہذیب و تمدن کی بلندی کا انحصار زیادہ تر اس کی زبان پر ہوا کرتا ہے۔ یہ کونسا قدرت ہی تو ہے کہ قومی تمدن و تہذیب اسی طرح ایک قوم سے مشتعل ہو کر دوسری قوم تک جانتی ہے۔ جس طرح کا ماضی بعد

مسلمانوں کی تہذیب تمدن بلکہ ان کے علمی کلامائے میراث و ایجادات کو پوری طرح یورپ والوں نے اپنا کون دینی چوٹی ترقیوں کے نیچے پرچا پیچھے۔ اب ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ بنگلہ زبان کی باگ ڈور جب مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی تاہم انقلاب اردو عربی و فارسی سے ہے۔ اب جو بھی ہندوؤں نے اسے اپنا یا تو اس میں وہ منسکرت کو گھسیٹنے لگے حتیٰ کہ مسلمان بھی اس کی پیروی کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

۱۹۴۷ء میں اس برصغیر کے بٹ جلنے کے بعد بنگال کی پوری سرزمین دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ مشرقی اور بنگال، مشرقی بنگال کی زبان میں جس طرح اردو عربی و فارسی کی جہات و فزادانی شروع ہوئی میں اس طرح مغربی ال میں ہندی و منسکرت کے عناصر یوں غالب رہے کہ گویا اس کی ہر شاخ اور گوشے گوشے میں ہندی و منسکرت بھرا مشرق ہو گئی۔ لیکن جب آزاد بنگلہ دیش وجود میں آیا تو پھر مشرقی و مغربی بنگال آپس میں گھل مل گئے۔ پھر ان جوں وقت گذر گیا اس سرزمین میں نئی نئی تحریکیں انقلابات سراٹھاتے رہے ان میں سے قدیم ترین تحریکیں بنگال کے عظیم و مجاہد حاجی شریعت اللہ اور ان کے فرزند ارجند دو دویاں کی فرانسیسی تحریک تھی۔

اس تحریک کے بانی مہاتما حاجی شریعت اللہ نے ۱۹۷۸ء میں فریدپور کے ایک شریف گھرانے میں آنکھیں کھلیں اور تعلیم نگلی میں پائی۔ ۱۹۸۰ء میں جبکہ وہ ۸۵ سالہ جوان تھے حج کو جا کر وہاں کے بزرگ اور عالم و مشہرہ مفتاحی استاذ شیخ طاہر الملکی کے روبرو رانوائے ملنے لگا۔ اس دوران تقریباً ۲۰ سال تک حج کے موقع پر بنگال سے گئے ہوئے حاجیوں کو مذہبی و سماجی اصلاح پر بہت زور دیا۔ پھر انمول کتابوں سمیت وطن مالوت واپس لوٹنے لگے تو اشلے طریق میں راکوؤں کے ہاتھوں سب کچھ کٹ گیا۔ اب حاجی صاحب نے گھیر کا فقیر بن کر تہ دست گھر لوٹنے پر سود سمجھ کر راکوؤں کی صحبت و صحبت اختیار کر لی۔ بعد ازاں قلیل سی مدت بھی نہیں گذرنے پائی کہ آپ کے انتہائی زہد و تقویٰ سے غیر متوقع طور پر متاثر ہو کر گھیروں کی پوری جماعت ایک پارا وفدا ترس ٹوٹی میں تہذیب بن ہو کر رہ گئی۔

آپ پہلے انسان تھے جنھوں نے بنگالی مسلمانوں کو انگریزی سماراج میں فرانسیسی تحریک چلا کر اپنے بیروں پر کھڑے ہونے کا موقع دیا۔ پورے معاشرے کو حول میں پائے جانے والے رسوم بدلاؤ و شرک و بدعات کی قطع قیغ کیلئے ہم شروع کی۔ ساتھ ہی ساتھ سماج کے پس ماندہ گروہوں کی سماشی زبوں حالی کو سدھارنے کی بھی کوشش کی۔ آپ کا واحد مقصد تمام فرانڈھیوں کی اصلاح و اخلاص اسلامی تعلیم و تہذیب پر عمل پیرا و کا رہنما تھا۔ تو ہم پرستی اور غلط رسم و راج کو بیخ و بن سے اکھاڑنا بھی اس تحریک کا فرض اولین تھا۔ حاجی صاحب نے اس تحریک کے لیے چند

اصول و ضوابط بھی مرتب کیے۔

آپ نے گان امرزور جیسے ادنیٰ طبقے اور پسماندہ مسلمانوں کے درمیان رہ کر ان میں اصلاحی کام شروع کیا اور انھیں اسلامی طرز معاشرت کی دعوت دی، غریب کاشتکار آپ کی بے لوث دعوت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کی تعمیل ارشاد کو اپنے لیے وہ باعث صداقت قرار سمجھتے تھے، فرانسیسیوں میں آپس کی مداخلت، بھائی چارہ اور اتفاق و اتحاد کو دیکھ کر انگریز اور ہندو زمیندار طبقے میں کھلبلی مچ گئی۔ چنانچہ ابتدائی میں انھوں نے اس تحریک کا گلا گھونٹنا چاہا۔ ۱۸۳۱ء میں فرانسیسیوں کو ان دونوں سے برادرمانی بھی کرنی پڑی۔

تاہم اس تحریک کا غلغلہ اتنا زیادہ ہوا کہ بنگالی مسلمانوں کی آبادی کا چھٹا حصہ آپ کے پرچم تلے جمع ہو گیا اس طرح سید احمد شہید کے لیے بھی بنگال میں راستہ کھل گیا۔ حاجی صاحب نے ہندو زمینداروں کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔ لوگوں کی ایک زبردست تہمتیا کر لی تھی۔ آپ کا واحد مقصد غریب مسلمانوں کو ہندو مہاجنوں اور زمینداروں کے پیچھے استبداد سے نجات دلانا تھا۔ اس جماعت کو کچھ عوامی صادق پوری نے اپنی جماعت مجاہدین میں مدغم کر لیا۔ یہ سب کے سب جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر سرحد پار کی گھاٹیوں میں گھات لگا کر میٹھے ہوتے تھے۔ سرحد کی بازی لگانے میں انھیں کوئی بچکاہٹ نہیں تھی۔

ادھر ہندو زمینداروں نے حاجی صاحب اور ان کے متبعین و رفقاء کے کار کے خلاف کئی قسم کے جھوٹے مقدمات اٹھائے جو ۱۸۳۱ء میں ڈھاکہ محکمہ سٹریٹ کو رٹ میں چلتے رہے لیکن گواہوں کے ملنے پر بالآخر وہ خارج کر دیے گئے۔

فرانسیسی تحریک دراصل محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ”محمدی تحریک“ اور سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین“ کا ایک حصہ تھی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں بنگالی مسلمان کے بدترین حالات کو سدھارنے کی غرض سے یہ تحریک وجود میں آئی۔ اسی زبوں حالی پر روشنی ڈالتے ہوئے ”سردیلم ہنڈراپنی کتاب“ OUR INDIAN MUSALMAN میں یوں رقمطراز ہیں: ”لگ بھگ پونے دو سو سال قبل ایک بنگالی مسلمان کا قلاش ہونا ہی ایک ناممکن سی بات تھی مگر ان دنوں اپنے آپ کو خوش حال رکھنا ہی ناممکن ہے“

فرانسیسی حضرات اپنی اصلاح کے ساتھ معاشرتی اور معاشی الجھنوں سے بھی مسلمانوں کو نجات دلانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کو AGRARIAN MOVEMENT سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ فرانسیسی تحریک زمین سے تاہم بعد میں چکر یہ تحریک مجاہدین میں جذب ہو کر رہ گئی۔ ڈاکٹر این بی پودھری اس تحریک کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ”وہابی فرانسیسی حضرات سماجی و اقتصادی اعتبار سے مجبور کاشتکاروں کے طرفدار تھے جن کو وہ اپنے

بقول کے مظلوم سے بچانا چاہتے تھے۔“

حاجی شریعت اللہ نے برطانوی بنگال میں چاروں طرف سے مخالفت کے باوجود اصلاحی و تعمیری کام برابر جاری رکھا، عوام الناس اور غریبوں پر آپ کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ لپٹمانہ کسانوں اور عوام غریبوں کو متنبہ کرتے ہوئے انھیں خواب غفلت سے بیدار کیا اور احساس و شعور کے ماتے کو کوٹ کوٹ کر ان کے رگوں میں سمویا اور جانور مطالبات کو مانگنے کی ہمت پیدا کر دی۔

چونکہ عوام الناس پر آپ کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا اس لیے آپ کے اصلاحی پروگراموں میں بڑی کامیابی ہوئی۔ آپ کے معاصر مورخ ڈاکٹر جسٹس نے بھی اپنی کتاب ”MOHAMMADANS OF EASTERN BENGAL“ میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے :

”آپ ہی پہلے تھے جنہوں نے مشرکانہ رسم و رواج اور توہم پرستی کے خلاف برطانوی سرخ کی۔

چونکہ آپ راست باز و رحمدل انسان تھے اس لیے آپ کے کریمہ اخلاق اور نیک سلوک کا اثر غریب

کسانوں پر بہت زیادہ بڑا ہوا۔ آپ کی بے لوث اور مثالی زندگی نے فلاکت زدہ ہموطنوں پر جادو کا سا

اثر پیدا کر دیا کیونکہ آپ کی حیثیت ایک شفیق باپ جیسی تھی جو کہ آٹے وقت پر ہمیشہ کام آئے۔“

آپ کی ہر چیز مقبولیت، ہر دل عزیز اور فرانصی تحریک کی وسعت و پھیلاؤ کو دیکھ کر ایک نئے بھرپور مورخ جسٹس نے بھی ”TOPOGRAPHY AND STATISTICS OF DACCA“ میں بھی یوں تسلیم کیا ہے :

”گزشتہ دس سال میں ملک بنگال کا ایک سلم طبقہ امیر اور فیضی طور پر پورے بنگال کے طول و

عرض میں بڑی تیزی سے چھا گیا۔ اس تحریک کے بانی مہاتما ہیں حاجی شریعت اللہ جو فرید پور ضلع کے

”شمالی“ گاؤں کے باشندہ ہیں۔“

۵۹ عریس ۱۸۴۰ء بمابہ جنوری شامل میں ہی آپ کی آخری خواب گاہ بنی۔ پھر آپ کا سچا جانشین اور

لائق و فائق فرزند محسن الدین احمد معروف بدودو میاں نے اپنی قیادت میں اس تحریک کو اور بھی منظم و مستحکم اور نمایاں

کر دیا۔ سیاسیات میں ان کا حصہ نمایاں رہا۔ انھیں کہتے ہیں بادشاہ میاں نے ”خلافت تحریک“ اور ”عدم تعاون تحریک“

کے وقت فرانصی تحریک کو فعال و متحرک رکھ کر انگریزی سامراج کے خلاف ایک متحدہ قوت بنا دی تھی۔ غرضیکہ امتداد زمانہ کے

ساتھ ساتھ حاجی شریعت اللہ کا نام نامی و اسم گرامی برصغیر کی تحریک آزادی میں ایک روشن ستارہ کی طرح چمکتا رہے گا۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ بعد میں آنے والی تحریک مجاہدین کے بہت سے بنیادی اجزاء تحریک فرانصی میں موجود تھے۔

اس کی تبلیغ و اشاعت نے بنگال میں اپنی راہ ہموار کر دی۔ نیز یہ واقعہ بھی قابل غور اور معنی خیز ہے کہ بادا مٹیٹ کے فوج اور بنگال میں غنایت علی صادق پوری کے پہلے تبلیغی دورے کا زمانہ ایک ہی ہے۔ ان تحریکوں کا انقلابی پہلو بڑا نمایاں ہے۔ ساری تحریکیں دراصل وجود میں آئی تھیں ہندستان کو حکومتِ برطانیہ کی غلامی کی بیڑیوں سے نجات دلانے کے لیے؟ سرگزشت مجاہدین، ”کالا پانی“ تذکرہ علمائے صادق پور، وغیرہ کتابوں میں ان تحریکوں پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بنگلہ زبان میں بھی اس موضوع پر کافی سے زائد کتابیں قلمبند کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ اس موضوع کو سلنے رکھ کر ناول نگاری بھی وجود میں آئی۔ زبان کی سلاست، روانی اور ادبی پہلو کا یہ عالم ہے کہ قارئین پر مگو، ماحویت طاری ہو جائے گی۔ بنگلہ دیش کی سرزمین میں یوں تو سیاسی جھٹے اور فحشوں کی کوئی کمی نہیں بلکہ بہتات اور فراوانی ہے۔ فی الجملہ ان پارٹیوں کو دو حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو اسلام کے حامی و شیدائی۔ دوسرے اسلام سے بیڑی عداوت و بغاوت کے علمبردار، اول الذکر کے گروپ میں سے جماعت اسلامی، جماعت تبلیغ، نظام اسلام پارٹی، مسلم لیگ وغیرہ کے نام سرفہرست ہے۔ مؤخر الذکر میں عوامی لیگ، بی، این، پی، بکسال وغیرہ کے علاوہ خدا جلنے اور کبھی کتنی پارٹیاں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس دھڑے ہندی، تقریر بانڈی اور پُر آشوب دور میں اسلام کا نام لیوا اگر کوئی ہے نیز اسلام اگر زندہ ہے تو اول الذکر پارٹیاں اور ان کے حامی و قائدین کے دم قدم سے ہے۔

ایک علمی استفسار

اس موقع مجلہ کی وساطت سے محققین و ماہرین لسانیات سے استفسار کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں تصنیف ہونے والی قدیم ترین نثری اردو فارسی لغت (فرہنگ) کون سی ہے؟ (منظوم نصاب ناموں کے بارے میں سوال نہیں ہے)۔ مجھے حال ہی میں ایک فرہنگ موسوم بہ کمالِ عزت مولفہ محمدی بن میر عبداللہ شاہ نعمت اللہی متخلص بہ عزت کا مخطوط دستیاب ہوا ہے۔ یہ ۸۹۰-۱۱۹۰ھ میں تالیف ہوئی ہے اور نواب آصف الدولہ (۱۱۸۸ھ/۱۲۱۲ھ) کے نام مضمون ہے۔

- ۱: مصنف کے حالات (بطاویہ "روز روشن") کہاں سے دستیاب ہیں؟
- ۲: کیا اس فرہنگ کے دیگر مخطوطات بھی دستیاب ہیں؟ جواب ارسال فرما کر یا اسی جگہ میں چھپوا کر ممنون فرمائیں۔

عارف نوشاہی

۶۹۔ ماڈل ٹاؤن، بہنگ
اسلام آباد، پاکستان

کچھ سکوں کے بارے میں

جو چیز ایک عرصہ دراز سے لکھنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ میں جرنل کے مندرجات کی نوعیت اور ان کے انتخاب اور فراہمی میں جو IMAGINATION اور محنت کا فرما ہوں ان کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا، میں عموماً سماں اس قسم کے تواریفی جملے نہیں لکھتا کہ ایک تو کچھ آپ حضرات کی صحبت یا دیکھا دیکھی کہجے کچھ دشوار پسند طبیعت پائی ہے اور اپنا مسلک صائب کے اس شر کو بنایا ہے کہ :-

صائب دو چیز میث کند رشورا
تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

اس لیے بھی میرا فرض ہو جائیگا کہ طبعی میلان کے خلاف بھی دو ایک جملے آپ کے جرنل کی خوبی اور اس کے پیچھے سبب جانتے ہیں جن کی محنت اور جن کا DYNAMISM ہے، اس کے بارے میں لکھے جائیں، بہر حال یہ جرنل اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ بلکہ مجلہ ہے جیسا کہ اپنی نوعیت کا تحریر تھا، اس کے مضامین کے نوع کے ساتھ THEMATIC ہونا بہت ہی بڑی بات ہے، بلکہ اکثر و بیشتر مضامین تو ARCHIVES میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

البتہ شمارہ نمبر ۵۲ میں سکوں، پر جو مضمون ہے اس کو پڑھ کر یہ خیال ہوا کہ آپ اس اور اس قسم کے دیگر مضامین کو کسی ماہر سکوکات کو بھیج دیئے تاکہ وہ اپنی رائے دے جس کی روشنی میں اگر ضروری ہو تو مضمون میں اصلاح یا اضافہ کیا جائے، مجھے مضمون نگار موصوف کی ”جہاں پناہ“ لفظ کی تعبیر کچھ محل نظر معلوم ہوئی۔ لیکن سر دست چونکہ وقت نہیں ہے۔ کچھ عرض نہیں کر سکتا، ہاں یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ موصوف نے بڑی محنت سے یہ مضمون لکھا ہے اور بہت ہی اچھا مضمون ہے۔

ڈاکٹر افتخار مدنی۔ اور ڈاکٹر اقبال حسین کے بارے میں

آپ سے وعدہ تھا اور اس کا پاس بھی اس لیے ڈھاکہ دوبارہ سفر کرنا پڑا، آپ کو سن کر ستر ہنگامہ آخر میں "تاریخ شجاعتی" لے آیا۔ اس میں آپ کے نسخے کے علاوہ لندن کے دو نسخوں سے بھی مدد لی گئی ہے، اور پوری کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی کیا گیا ہے، مع ترجمہ تقریباً ۱۵۰ صفحے کی ضخیم جلد کتاب ہے آپ کے ہائی کمیشن کے ذریعہ بھیج دی جائے یا پھر کسی ہینڈ کار کا بہانہ ہو تو میں خود لے کر نفس نفیس آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں، میری یونیورسٹی ۸ اپریل سے ۲۱ مئی تک بند ہے گی، لیکن ڈھاکہ کے سفر میں ایک اہم چیز کھو دی یعنی "خدا بخش جرنل" کا نمبر ۵، پروفیسر عسکری صاحب کا مضمون بہار پر پڑھتا جا رہا تھا، اسے قیامتاً یا تعجباً جس طرح بھی آپ مناسب سمجھیں بھیج دیجیے تاکہ میری فائل مکمل ہو جائے اور علم بھی۔

مقالے کی تکمیل کی داستان اور مقالہ نگار کا نشاۃ انشاۃ کتاب کے وقت بھیج دوں گا۔

اب ملاحظہ کیجیے چند معروف خدا بخش جرنل نمبر ۵-۵۲ کے سلسلے میں: (الف) مقالہ جس زبان میں ہوا وہی زبان میں مقالہ نگار کا نام اور عہدہ بھی مذکور ہو تو بہتر ہے۔ "ایئر لی ہمدانی" کے مقالہ نگار کے نام اور عہدہ میں یہ مناسبت بہتر ہوتی، جب "خدا بخش فہرست خطوط فارسی کے مسامحات" کے عنوان کے تحت ڈاکٹر افتخار احمد مدنی صاحب مقالہ (ص ۵۸۲-۵۹۸) خود ہی مسامحات کتابت سمجھا رہے ہیں۔

اس میں کم از کم ۲۸ بار "سن کتابت" بجائے سال کتابت درج ہوا ہے۔ آپ کے جرنل کی ہر سطر سے تحقیق کا مظاہرہ اور صحت کا مشاہدہ ہونا چاہیے۔

پروفیسر اقبال حسین صاحب کی خود نوشت اپنے عہد کی سماجی سیاسی تاریخی اور تعلیمی دستاویز ہے اس پیری میں حافظہ اتنا قوی کہ رشک آتا ہے، ان کی ابتدائی تعلیم سہرام میں ہوئی، اس لیے اب ان کی خدمت میں حاضری کا شوق ہے۔

مخلص: کلیم سہراوی

نواب شروانی اور مثنوی

استاد شوبہ امدو

یونیورسٹی اور سنٹرل کالج، لاہور

شمارہ ۵۰۔ ۵۱ میرے پیش نظر ہے۔ میری ذاتی ترجیحات میں چونکہ مثنوی کو اولیت حاصل ہے اس لیے فطری طور پر نظر سب سے پہلے نواب رحمت اللہ خاں شروانی کے مقالے "مثنوی مولانا روم"۔ منتخب و زبان زد اشعار صحیح قرأت کے ساتھ پُر پُری مضمون ام ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا۔ اس مضمون میں ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں: "افسوس کہ علامہ اقبال کی رسائی نکلسن کے مرتبہ نسخہ مثنوی شریف تک نہ ہوگی، اس نسخہ زبان غلطیوں کو بھی بے نقاب کر دیا ہے جو علامہ سے مثنوی شریف کے اشعار نقل کرنے میں ہوئیں" ۴۹ء

معلوم نہیں صاحب مضمون کلاس ارشد کا کہ علامہ اقبال کی رسائی نسخہ نکلسن تک نہ ہوگی، مافذ کیلئے دوز حقیقت اس کے برعکس ہے۔ آپ کو علم ہو گا کہ اقبال یونیورسٹی میں موجود علامہ مرحوم کے مسودات و کتب متعلقہ اشیائے مطبوعہ کی تفصیل تک بھی کتاب صورت میں Relics Allama Iqbal Catalogue کے نام سے شائع ہو گئی ہے اس میں کتب ملوکہ اقبال کے ذیل میں مثنوی کے نسخہ نکلسن کی تمام جلدوں کا اندراج ہے ملاحظہ ہو ملاحظہ ہاں بات ہے کہ علامہ کے ذاتی کتب خانے میں مثنوی مثنوی کے نسخہ نکلسن کی موجودگی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ علامہ کے زیر مطالعہ بھی رہی ہوگی کیونکہ علامہ کے مطالعہ سے ایسی اہم کتاب چوک نہیں سکتی

رہا مثنوی کے بعض اشعار کا علامہ کے ہاں متنی یا تحریف متن کا مسئلہ تو اس کے تین اسباب ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ علامہ نے جس زمانے میں مثنوی کا مطالعہ شروع کیا اس وقت نوکثوری ایدیشن ہی دستیاب تھا اس لیے اشعار کی وہی صورت حافظے میں نقش ہو گئی جو متذکرہ نسخے میں موجود تھی۔ دوم یہ کہ اوائل عمر میں مثنوی کے اشعار اپنے بزرگوں مثلاً مولوی میر حسن یا اپنے والد مکرم سے جس طرح سننے کی طرح حافظے کا حصہ بن گئے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ بعض اوقات زبانی روایت میں نقل متن میں لاشعوری طور پر تحریف ہو جاتا کرتا ہے۔ تیسری اور اہم تر صورت یہ ہو سکتی ہے کہ علامہ چونکہ ایک غیر معمولی تخلیق ذہن رکھتے تھے اس لیے غیر شعوری طور پر ان کے یہاں بعض شواہد غلطی سے کسی قدر منقلب ہو گئے ہوں۔ یہ بات تو عام مشاہدے میں آئی ہے کہ زور و طبع افراد بعض اوقات بعض اشعار کو اصل متنی صورت سے کسی قدر متغیر پیر بن عطا کر دیتے ہیں ایسا تغیر پیر بن جو بعض اوقات اصل پیر بن سے الگ مگر جاذب تر ہوتا ہے بہر حال یہ مسئلہ گہری نفسیاتی تفتیش کا متقاضی ہے۔

Recent Publications of Khuda Bakhsh Library

1. Collected Works of Prof.S.H.Askari (1979-85)
p. 104, 1985 Rs. 10.00
2. Amir Khurrau: As a Historian (Second Volume of
Prof.S.H.Askari's collected works). Rs. 25.00
3. Islam & Muslims in Medieval Bihar (Third
Volume of Prof.S.H.Askari's collected works)
p. 135, 1989. Rs. 25.00
4. Medieval Bihar - Sultanate and Mughal Period
(Fourth Volume of Prof.S.H.Askari's Collected
works) p. 208, 1990. Rs. 25.00
5. An Overview of Sufi Literature in the Sultanate
Period (1206-1526 A.D.) p.76, 1977 by Dr.Bruce
Lawrence. Rs. 10.00
6. Maktub and Malfuz Literature as a source of
Socio-Political History by Prof. S.H.Askari,
p. 64, 1981. Rs. 10.00
7. Reflections on the Completion of the 1400
years of the Hijri Calender: The Hindu Muslim
Syndrome; Islam & the Modern World (Problems &
Prospects); by Badr-ud-Din Tayabji, p.54,1981. Rs. 10.00
8. Islamic Studies by Dr. Md.Zubayr Siddiqi 1986. Rs. 10.00
9. Muslim Thought in a changing world: Islam &
Modern Challenges; Islam: Problems and
prospects by Prof. S.Vahiduddin, p.41, 1982. Rs. 10.00
10. The Middle East: (Middle Eastern Studies,
North Africa; the Middle East) by Prof. Asaf
Ali Asghar Fyze, p. 66, 1986. Rs. 10.00
11. Interfaith Dialogue: As Historical Challenge &
As Religious Experience, by Dr. A. Roset
Crollius S.J., p. 14, 1985. Rs. 10.00
12. Islam and Indian Culture (The confluence of
Islam & Hinduism, Distortion of Medieval
Indian History & the Legacy of Islam: A
panorama of Composite Culture) by Mr.B.N.Pande
p. 80, 1987. Rs. 15.00

It is rather demonstratively interesting that this type of work was put under the term Farhang, that initially indicate: educativeness, intellectuality, scientific, culture, scholasticism. This old term is used, as is well known, not only for dictionaries of new Persian language. By this very word, in the form of Farhang, are named such lexicographic compositions, as Avesta-medieval-Persian glossories 'Farhang-e-Oim' (69) and medieval Persian dictionary of idioms, 'Farhang-e-Pehlavi. (70)

Early Persian dictionaries are not only a type of reading material for poetic texts, but also a type of text books of literary mastery. They have been also a type of reference books: dictionaries of onomastics (dictionary of nouns), encyclopaedic literature.

Earlier dictionaries undoubtedly played a significant role in the foundation and development of the literary language. They strengthened proper terminology and orthography, fixed the new metaphorical usage of words in literature and by this very act helped the perfection of polysemantic and phrasological possibilities of the Persian language.

The dictionaries were a type of text book of culture during the medieval period. Lexicography was included as one of the disciplines in the complex of sciences, expressed by the term 'Ulum-e-Adabi', that was an absolute necessity for any cultured person, including poets.

The dictionary Zufangoya wa Jahanpoya, like its predecessor Persian dictionaries, also complexly combines in itself different aspects of a text book of medieval cultured training, though undoubtedly, significantly large amount of attention is given to linguistic aspect of the Lexicography.

All this gives us the ground to state that Zufangoya wa Jahanpoya constituted in its time a new stage in the development of the dictionary tradition, completing in a definite manner the initial period of Persian Lexicography.

Phototype publication of the text of the dictionary is supplemented by listing of the words in the dictionary, introduction of the author of the dictionary, decipherment of the text of the two Bakhsh that are specially highlighted because it represents a new trend in the early Persian Lexicography: Bakhsh-III Persian infinitives, and Bakhsh-VII Turkish words. Text of the Bakhsh-VI, Rumi words (Facsimile, text decipherment, translation) has been published separately. (71)

We have published the introduction of the author to the dictionary Zufangoya "On a few Persian words that have different meanings".

Besides, we have given the list of words according to the Indian manuscripts from Bakhsh-I, that fill the lacuna in the Tashkent manuscript.

in earlier dictionaries the dialectal Lexicon. In the text of the dictionary is mentioned the dialects of Bukhara, Shiraz, Nishapur, Farhangs, Maveran-Nehar, Jilan, Azarbaijan. Sometimes the author cites these words from dialects as example of words (vocables), though in bulk of the cases these are mentioned in the text as equivalents. Here are some examples:

- f.10b نص: نصت وحقوق ویت تراشیده و در (د) فردوسی (دست) است و گین نخ گویند و بزبان قزاقان ضم ویت باشد
- f.11b زرش: ناناه (است) آن که از نشاشته بجهت نوزین بر سنگ می پزند و آنرا بزبان ماد و النهر تظاغت گویند
- f.14b کاک: بلفظ ماد و النهر (د) مقصود و در (م) چشم
- f.49b ؟: وین بزرگ و بزبان بخارا فردوسی باتیند
- f.12b گیا: بزبان مشیر انبیا مصیب را گویند
- f.19a گلو: بزرگ بزبان مشیر انبیا
- f.17b گیا: و در تظاغت و نوط را گویند و بزبان دیلمیان پهلوان (باشد)

Lexicography constituted one of the important areas of rich Persian culture of the medieval period. Earlier Persian Lexicographical Traditional Culture, that has come to us, as monuments of the beginning of 11th century, has its roots still earlier in time.

Dictionaries played an important role in the cultural life of the Persian speaking people. Significant part of the Lexicographical compositions, composed in century after century, by itself indicates wide demand and circulation of this type of scientific literature. Science of today has evidence that medieval Persian dictionaries were more than two hundred in numbers. Thus annotated chronological list of Persian dictionaries, those that have come to us as well as those that are known to us only through their references, that has been compiled by academician K.G.Zalemann in 1887, counted more than 160 names. List of dictionaries that have been published by Saeed Nafasi in 1951 contains more than 202 names; by this time this number may have increased further.

By itself the fact that to us have come relatively large number of manuscripts of Persian dictionaries speaks of big demand for this type of manuscript books and their wide circulation. In big manuscript collections of the world we normally can see whole collection of Persian dictionaries.

Comparative study of Persian dictionaries of 11th-14th centuries (Lughat-e-Furs, Farhang-e-Fakhr-e-Qavvas, Sihah-al-Furs, Ma'iar-e-Jamali, Dastur-al-Afazil) permits us to discern a few general and common features, Characterising the early stage of the Persian Lexicography. Early Farhangs, that are normally qualified as dictionaries, in reality represent a type of scientific literature, that complexly combine with different aspects: linguistics, literature studies, encyclopaedism.

alphabet 'ta' (Turki), in front of Persian dictionaries, sometimes but not always, separated Arabic and Turkish words, and put them in a separate section at the end of the section or chapter, as may be seen in the example of above mentioned Farhang-e-Ibrahimi and Mu'ied al-Fuzala.

The data available to us at the moment permits us to conclude that Zufangoya wa Jahanpoya was first in history of Persian Lexicography that deviated from the established tradition of using the last alphabet for classification and took to the first alphabet of the word for the same purpose. In the time to come this structural principle was used as more easy to use and was widely used in compilation of dictionaries. Such well known and big medieval dictionaries as Farhang-e-Ibrahimi, Tuhfat-as-Saadat, Mu'ied al-Fuzala, Tuhfat al-Ahbab, Madar al-Afazil, Majma al-Furs and others are structure on the basis of the first alphabet.

Wide coverage of words according to languages, marking out of words of foreign languages Arabic, Turkish, Rumi and their placement into separate dictionaries for convenience of utilisation and placement of words according to the first alphabet, inclusion of literal words as well as words used in conversational language all this Jahanpoya us to say that the author of the dictionary Zufangoya wa Jahanpoya fundamentally differs from earlier basic need, i.e. usage of dictionary as a help to the study of poetry, an object that was put before themselves by the earlier authors of Persian dictionaries, who primarily compiled dictionaries of rythm. The author of Zufangoya has put before himself different, more wide tasks that of preparing his dictionary, partly as a direct contact with foreign neighbours.

In this connection, as one may suggest, the author introduces a novility into Persian dictionaries-giving of pronunciational indicators of some words, sometimes even noting their various variations. e.g.

f.27b

تسیدن بفتح و کسر فاخامیدن

f.44b

بس بضم با و لام مدس

f.47a

طخون بضم ط و در حقی است

f.48a

تقنی بضم قاف و نون و مضی بمقام و داؤ و تقنوس و نیز ویر التقنی تقنی است بفتح قاف و جانوری است

f.45b

ضی بفتح ذال و شگوه داشت

The dictionary Zufangoya wa Jahanpoya may also be credited with identification of a number of words (vowels) according to their origin and their pronunciation, which was not met within earlier dictionaries. The author notes the 'Maaruf' and 'Majhul' vowel words while giving them his own names: 'Wao-e-Arabi' and 'Ya-e-Arabi', 'Wao-e-Farsi' and 'Ya-e-Farsi'.

In the dictionary Zufangoya is reflected more widely than

world" (65), meaning thereby Arabic, Persian and Turkish.

Organic interaction of these three languages may be seen in almost any Persian dictionary beginning with 14th century in which, along with the Persian words, a large number of Arabic and Turkish words are explained. Historically by this time the lexicographic traditions of the three languages have developed considerably.

By including Turkish Lexicon in his dictionary, dedicating to it one of the seven Bakhsh, the author of 'Zufangoya wa Jahanpoya' seems to have responded to a lively contact with the neighbouring Turkish environment that was especially noticeable in areas of northern and central India, an area to which the place of compilation of this dictionary belongs.

This part of the dictionary Zufangoya, which the author calls 'Dar Sukhanan-i-Turki', is specially interesting and may be looked upon as the earliest experiment in compiling a Turkish-Persian dictionary. If we may say so about the well developed traditions of 14th century, tradition of compiling Arabic-Persian dictionary, tradition that takes its origin from 9th century (e.g. Well known dictionary of Zauzevani Masadir; also As-Sami fi-l Asami etc.) (68) the practice of compiling Turkish-Persian dictionary may be traced only from 15th-16th centuries when we find a number of dictionaries using the work of Alisher Navai, that are written in old Uzbek language (e.g. one of the earliest among them, Badai-al Lughat, composed in 15th century) (67).

One should note that compiler of Zufangoya often gives examples of Indian equivalents for this or that word with the comment 'in Hindvi language'; apparently these words are from Urdu, for example;

f.21b

رذہ میوه معروف بتاری طبع عرب ہندوی کیلئے

f.24a

بلورنگا ہیست در آب و آفتاب پرست نیز گویند۔ بہ ہندوی کنول۔

f.46a

نہب لاک سپید کہ بہ ہندوی بھٹکری گویند

Over all Zufangoya includes more than hundred Indian words (in the Indian manuscript, according to the count of Sayed Hasan 133 words (68). These Indian words may be of interest to indologists and could form an area of special analysis.

The dictionary Zufangoya wa Jahanpoya appears before us yet in one important quality for Persian Lexicography as the first experiment of the compilation of a multi-lingual dictionary. This type of multi-lingual dictionary did not find further development in Persian dictionaries a large number of Arabic as well as Turkish words, but gave them, as a rule, a general list of words that were listed according to alphabets of Persian language. They put in front of Arabic words the alphabet 'Ain' (Arabic), and in front of Turkish words the

rest. In the author collected Persian expressions and word combinations, having derivative meanings. Separation of phraseological elements of Persian language in a separate section was not taken up, as one can judge from the monument that has reached us, in the preceding lexicographs, but it did find its place in the works of Lexicographers of later period.

Bakhsh-IV and partly V, author presents words from Arabic that had been used in Persian language. Arabic words in some cases, usually insignificant in volume, had been used in earlier Persian Farhangs also, but only in general context of alphabet and without any distinction whatsoever.

It was new for the times and in the history of Persian Lexicography and may be seen as innovation in Persian dictionaries to have a special section in the dictionary for words from 'Rumi' Lexicon. Inclusion of separate Greek words was also to be found in earlier dictionaries of 11 century, like Lughat-e-Furs. However, the author of Zufangoya significantly widened the circle of such Lexicon and created first of its type 'Rumi-Persian' dictionary.

Cultural contacts between Iran and Greek had been existing, as is well known, since ancient times; even during the epoch of Achmenides the Greek Culture, Art, Language had penetrated the East. Significant section of lexical exchange, that had taken place with Persian language and the West-Greek, Latin etc. had penetrated Persian language after the Arab conquest-through the agency of the Arabic language and partly in their Arabicised form. Exchanges with aramaic and syriac languages had taken place directly.

Meaning under the term 'Rumi' the Bazentine empire, the author of Zufangoya, under the name 'Rumi', brings together, as can be seen from the text of Bakhsh-VI, words that had entered the early Persian literature from the West. The author himself seems to be interested, as is manifested by his inclusion of words in the dictionary, in these words as indicators of the origin of a certain group of terms in christian religion, that were frequently used in Persian literature as in prose, so in poetry. One may postulate that significant part of the material for this section of the dictionary the author found from the work of the well known poet Khaqaani (514 A.H./ 1120 A.D. - 595 A.H./ 1198-99 A.D.), who often uses motifs and terms from Christianity.

In earlier Persian monumental dictionaries many of these words do not find entry.

The dictionary Zufangoya in its Bakhsh-VII, appears to be the first experiment to explain Turkish words in the Persian dictionary. Earlier Persian dictionaries we are unable to notice cases of inclusion of Turkish words for explanation alongwith Persian words. In later dictionaries we find explanation of Turkish words in Persian dictionaries. Academician V.V.Bertold has pointed out that "as early as 13th century we meet explanation in three literary languages of the Muslim

small section on Persian infinitives under direct influence of Zufangoya.

The material of Zufangoya wa Jahanpoya undoubtedly entered, as can be seen in textological analysis, in the composition of most authoritative and most complete among the dictionaries, Burhan-e-Qatai which was composed in India in 1062 A.H./1625 A.D. by Mohammad Tabrizi. It should be noted that in his short list of sources the author does not mention Zufangoya.

Latest critical edition of the dictionary is prepared under the guidance of Professor M.Moin. This edition includes a substantial preface describing the different characteristics of the dictionary. (63)

Use by Lexicographers of Zufangoya as source can be fully traced to the end of 17th century. For example, the big Persian Turkish dictionary, Farhang-e-Shuuri, compiled in 1075 A.H./1665 A.D. in Turkey by Hasan Shuuri, mentions Farhang-e-Zufangoya among the list of early Persian Farhangs, used in the compilation of the given dictionary. (64)

Zufangoya wa Jahanpoya as a Land Mark

The dictionary Zufangoya wa Jahanpoya, as is shown by the investigation, constituted in its time a definite stage in the development of Persian Lexicography.

Wide coverage of Lexicon alongwith the division of the dictionary presents substantial interest and provides the basis to consider this dictionary as one of the first in history of Persian Lexicography experiments in dividing the Lexicon to sharply bring out the words, as in Persian, so in Arabic, Turkish, Greek that were used in the then Persian language. It is not worthy that Persian Lexicon itself is also classified by the author into three sections. On the basis of type of word formation, the author brings out words that have a common root (Bakhsh-I) in Persian; words with two roots (Bakhsh-II); in a special section (Bakhsh-III) he puts Persian infinitives.

One should note that in the work of Lexicographers preceding him verbs, as a rule existed their individual form (for example, Maikuhad, Miravad etc.); infinitives were met with very rarely. There was no attempt at separating the infinitives as of special attention, as a special case. Similarly it was not paid attention to in the the dictionaries of later period. Infinitives in Zufangoya are primarily old ones and are usually given in two of three forms, basic and derivative, with special attention, with special attention to the basic form (See p.14 Supra).

Preface to the dictionary undoubtedly is of special inte-

It is not accidental that just like Zufangoya, Muaied al-Fuzala also provides Indian equivalents for a number of listed words. Just like the author of Zufangoya, the compiler of Muaied al-Fuzala also pays attention to metaphorical usage of words and idioms.

The manuscript of Muaied al-Fuzala is to be found in a number of world collections. It was published in 1899 A.D. (59)

The Persian poet and Lexicographer Muhammad Qasim Sururi Kashani, while compiling the well known dictionary Majma al-Furs (First copy was completed in Isfahan in 1008 A.H./1599-1600 A.D., second in India in 1028 A.H./1619 A.D.) used Zufangoya as one of the sixteen sources. The dictionary of Sururi lists a wide range of words from Persian, in the main as these are used in literature, including words that are not widely used during his time and those redundant by his times. It is possible to discern a few common features between the dictionary of Sururi and Zufangoya, e.g. placement of lexicographic material according to the first alphabet of lexicographic material according to the first alphabet of the word; indication of the pronunciation of individual word, specially those belonging to different dialects; separate entry of idiomatic expressions alongwith their meanings and explanations.

The dictionary of Sururi was, it seems, widely used. It has come to us in many copies and has been published. (60)

One of the most well known medieval dictionaries of Persian language, Farhang-e-Jahangiri, completed in India in 1017 A.H./ 1608-09 A.D., and according to its author Fakhruddin Hasan Shirazi, he used 43 authors as basic sources for the compilation of this dictionary, has a large number of direct citations of Zufangoya. As an appendix to the dictionary, the separate listing of idioms and metaphoric usage of words and compounds (though these are not many in the dictionary Jahangiri) with their Persian equivalents Turkish, Greek alongwith marks to indicate proper pronouncement of the sounds, all these characteristics of structure of the dictionary and characteristics of presentation of the lexicographic material brings the dictionary Farhang-i-Jahangiri to the dictionary Zufangoya wa Jahanpoaya.

Farhang-i-Jahangiri, that was very popular during the medieval period, has preserved a substantial number of words that are common with a number of other dictionaries in their manuscript form that are to be found in world collections. It has been published only in lithographic technique. (61)

Persian dictionary of the first half of 17th century, Faraid al-Fawa'id, is known to us through a single manuscript in the collection of the Institute of Oriental Studies, Academy of Sciences of the USSR, Moscow. This dictionary also mentions Zufangoya as one of its sources (62). In the text of Faraid al-Fawa'id there are many references to Zufangoya. It also directly cites from Zufangoya. It is possible to suggest that the author of Faraid al-Fawa'id included in his work a

Zufangoya in the Works of later Lexicographers

Farhang 'Zufangoya wa Jahanpoya' probably was one of the more authoritative Lexicographic compositions containing valuable dictionary material, easy to use due to its strict structure. Recognition of its authority is confirmed by the fact that Zufangoya was used repeatedly by the successor Lexicographers as one of their basic sources.

First dictionary in time to use Zufangoya was the Persian dictionary Bahr-al-Fazail, composed in 837 A.H./1433-34 (55), by Mohammad Ibn Qawwas Balkhi. He had also composed earlier in 837 A.H./ 1392-93 A.D. a literary commentary (Sharah) to the poem of Nizami titled Makhzan al-Asrar. The dictionary Bahr-al-Fazail has come to us in a number of its copies (56). It has been published so far.

Later on Zufangoya was included as source by Ibrahim Qawamuddin Farrukhi when he compiled the dictionary Farhang-e-Ibrahimi who's composition is dated as 878 A.H./1473-74 A.D. This dictionary, compiled in India, covers wide circle of Lexicon. Selected basically from earlier work of Persian poets. Turkish (old Uzbek) words are separated in the dictionary and are specially placed at the end of each section (Fasl); it is possible to postulate that this separation of Turkish words was taken up by the author on the basis of the example from Zufangoya.

Farhang-e-Ibrahimi has come to us in many manuscript copies but has not been published so far. (57)

Next in time the dictionary for which Zufangoya is a source is the big dictionary Tuhfat-as-Saadat of Iskandari. This dictionary was composed in 916 A.H./ 1510-11 A.D. in India by Maulana Mohammad Ibn Shaikh Ziauddin Mohammad.

Tuhfat-as-Saadat takes up the construction of a number of Persian words mainly through its usage in poetry; very rarely Arabic and Turkish words are mentioned.

Influence of Zufangoya may be traced in the succession of the classification of words into singles (Mafaradat) and in terms and compound words (Istilahat wa Murakkabat). Manuscripts of Tuhfat-as-Saadat, that have not been published so far, are rather rare. (58)

The dictionary Muaied-al-Fuzala, completed in 925 A.H./ 1519 A.D. in India by Shaikh Mohammad Ibn Lad Ibn Abd-al-Wahab ad-Dehlavi is next in chronological order.

The compiler of Muaied-al-Fuzala included in the text of his compositions a number of citations to Zufangoya as compared with other authors. One can notice a general similarity between Zufangoya and Muaied-al-Fuzala in the sequence of listing of words. In both the dictionaries Persian, Arabic, and Turkish words are given separately, in three special sections.

composed). Its author Naseer Qaziuddin Gunbazi. This dictionary has been fixed in the well known bibliographical work of 16th century by Khwaja Khalifi under the name of Risalat-an Nasiriya fi Lughat-al-Furs. (47)

More complete information about this early Lexicographical work is not known to science today.

Reference to Risala-e-Naseer-e-Ahmed in the text of Zufangoya is given on f.23a. The dictionary Risala-e-Naseer lost for science, was used by still later authors, may be not in oriental but through its use and reference in Zufangoya, as it is indicated by material cited above.

Fourth reference to source is given, as a rule, in the form of 'Dar Firdausi' (See ff.3a, 4b, 10b, 12b, 13a, 17a, 18b, 19a, 21b, 30a, 33a, 34b, 36a) character of these citations (comparing here that on ff.5b, 9a, 12a, 13a, 13b, 14a, 20b, etc. citing the dictionary Lughat-e-Furs in the same form as 'Dar Asadi ast), gives the basis to assume that the author of Zufangoya is citing material from some dictionary, that gives this or that word.

Sayed Hasan in his paper concerning the Indian manuscript of Zufangoya calls this source without any reservation as Farhang-e-Firdausi. (48)

In scientific literature one does not find reference in Lexicographical works to Farhang-e-Firdausi. No dictionary by the name is referred to earlier in chronological descriptions of Persian dictionaries compiled by K.G.Zelemann (49) nor in the introduction of Saeed Nafisi to the publication of the dictionary Burhan-e-Qate that contains a long list of Persian dictionaries. (50)

Besides, it is well known that Shah-Nama of Firdausi had special dictionaries built round it from very early times in Persian Lexicography. About the existence of some of such dictionaries, that have not come to us, we know only through their reference in one or the other early dictionary. For example, such an early dictionary of Shah Nama, like Fawa'id-i-Burhani wa Firdausi, composed in 822 A.H./1419 A.D. (quoted as source in Adat-al-Fuzala) (51). Among later dictionaries of this class one can mention Lughat-e-Shah Nama of Muhammad Tusi Alavi, composed in 950 A.H./1543-44 A.D. (52)

Among the Persian dictionaries published by Sayed Nafisi, citation of various dictionaries is given without the date of compilation or the name of the authors. (53)

It is worthwhile to note the fact that in some of the old manuscripts of the poems of Firdausi one meets a few pages of glossary giving redundant words used in Shah Nama. (54)

In the text of the dictionary 'Zafangoyan' itself there are many references to four Persian dictionaries Lughat-e-Furs, Asadi Tusi, Farhang-Name-e-Fakhr-e-Kavvas, Risala-e-Naseer-e-Ahmed and Farhang-e-Firdusi.

We now give basic information about these sources.

Lughat-e-Furs was compiled by well known poet Asadi Tusi in the second half of 11th century; It is the earliest as has been mentioned earlier, among the Persian dictionaries that have come to us. This dictionary has been used by a majority of the succeeding Persian Lexicographers. Lughat-e-Furs has three complete sections mentioned above; the dictionary has been discussed in detail by V.A.Kapranov in his special studies, who analyses the lexicol content of the dictionary.

In the text of 'Zufangoya wa Jahanpoya' there is reference to Lughat-e-furs on the following folios: 3a, 5b, 9a, 13a, 13b, 14a, 18b, 20b, 23d, 25b & 33a.

Farhang-e-Fakhr-e-Kavvas has come to us in its unique manuscript, now in India, in the library of the Asiatic Society in Calcutta. (45) The dictionary was compiled in 701 A.H./ 1301 A.D. in India by the well known poet Maulana Fakhruddin Mubarak Gaznavi Kavvasi, who by profession was a Kamangar. This dictionary is the oldest after Lughat-e-Furs, among the dictionaries of Persian that have come to us. Farhang-e-Fakhr-e-Kavvas is also known as 'Panjab Bakhshi' (of five parts) and is divided into five big parts (Bakhsh) that are further subdivided on thematic basis: Bakhsh-I includes Lexicon, related to heavens, Bakhsh-II explains understanding related to earth, Bakhsh-III is dedicated to flora, Bakhsh-IV to Fauna, Bakhsh-V to man. The parts (Bakhsh) are further divided into chapters (Gune), also according to thematical principle, so also are sections (Bahr).

The dictionary contains many citations from earlier poets of Persian group of languages: Rudaki, Daqiqi, Asadi, Tusi, Firdausi, Unsurī, Farrukhi, Suzani, Nizami, Khaqani etc. (46)

In the text of 'Zufangoya wa Jahanpoya' citations to Farhang-e-Fakhr-e-Kavvas are located on the following folios: 2a, 5a, 6b, 7a, 8a, 9a, 10b, 13a, 14a, 14b, 15a, 16a, 16b, 19a, 22a, 24b, 27a, 32b, 34a, 45a, 45b, 48a. Sometimes the citations give a secondary derivative. Name of 'Farhang-e-Fakhr-e-Kavvas' Farhang Name.

Third source of 'Zufangoya' Risala-e-Naseer-e-Ahmed' as it is referred to by the author of 'Zufangoya' has not come to us. It is known only through its reference in later dictionaries, e.g. Adat al-Fuzala (XVth), Kashf al-Lughat (XVIth), Majma al-Furs (XVIth), Sururi (XVIth), Farhang-e-Jahangiri (XVIIth).

Risala-e-Naseer-e-Ahmed was composed not later than 822 A.H./1491 A.D. (i.e. the year in which Adat al-Fuzali was

tion and putting into order (words)' : "Thus says the humble dust of the land, Badr Ibraheem".

God will help in his work and in his difficulties and save him from mistakes and loosing the way. There are many dictionaries of the Pahlavi, Dari, Persian and other languages, and each of them is full of mistakes because in the majority of them there is absence of marks on the words that indicate pronunciation. They are chaotic and without order and do not attain required structure because words from different languages are all given together and the rules are not explained and Persian and Arabic authors are all mixed up together, (explanation of words) are not arranged in required structure, as it should be.

Many authors, as it was earlier, so it is today spend days and night, and spend their nights and days, but fail to attain clarity. They try to look into dictionaries but fail.

One group got the desire to read and understand every word as it is. They directed all their souls to this end. Others ran in a different direction and asked each other but no one could open the door for them and shouts for help in understanding turned out to be of no use.

Group of friends near and dear to me did not encourage me in the beginning, thinking that I may not be able to be of any help to them. But (by chance) they came to me and asked. When they got the answer they decided 'To help people and compile a dictionary'. And construct it in a way that it is of help: that from each language was put in a section and for words from each of them there emerges a separate dictionary. Think deeply for the meaning of each word. Parts (Bakhsh) and sections (Gune) should be separate so that any one could get advantage from them: and it should be strong in thinking, and near to the great ones and their friends, as many dictionaries try to gather words and their meanings-words that are necessary and widely used.

Their request I accepted for fulfilment. I took the pen and without fear got down to collecting word after word. I had a strong desire to collect all dictionaries and words that were dispersed all over. And all that is there in such languages as Arabic, Persian, Dari, Pehlavi, Greek, Turkish and others, all this I collected separately and analysed them to put them under one cover. All that I could attain and could find, all that I heard and saw, I put into order; each dictionary I compiled separately, dividing the dictionary into Bakhsh, Gune and Bahr. I tried to find most suitable place for each of the collected word. I tried to be brief and not superfluous, trying to explain their use and not be bombastic.

I gave this dictionary the name 'Zafan-e-Guyan-e-Jahanpuyan' (Spoken language all over the world).

God knows best and saves us from mistakes, from loosing the way and gives strength to complete it".(44)

attention to.

Five confirmatory citations, mentioned above under numbers 1,2,4,6 and 7, i.e. belonging to the words Randa, Farvardin, Naimur, Bad Farvardin, and Shabistan, fully coincide in both the manuscripts; In the Indian manuscript these are located respectively on ff.48a, 72b. 99a, 111b, & 121b.

Citation number 10, Rubai to the word Tashrin, is given in the Indian manuscript only partly (f.159a). It gives only the first Bait of the Rubai.

Four citations from our lists (Nos.3,5,8 & 9) for the words Kashan, Iuz, Gushkhaba, Afshandan respectively, are absent from the Indian manuscript.

In the Indian manuscript, alongwith the 5 citations referred to above, there are some absent from the Tashkent Mss.

With the word Bid

(f.12b) این پنج درختست که می نارد یار بیدو بدو و سرو و سپیدان و چنار

With the word Khatanber

(f.36b) با فراخی ست و لے تنگ همی زید آنجا ست که چمن و بچ خنیر

With the word Khinabar

(f.36b) بول خنور که چو تیغ نیز که دانست هم نام و هم تر نیز

With the word Dastgah

(f.44b) زمانه بخش و کان در سنگاه و بحر نوال

With the word Zalifan

(f.51a) اذ لب تو حورا هزار امید است و از کز لاف تو مرا هزار زلیفن

Source for the Dictionary

On the basis of the preface to the dictionary, as far as it is possible to decide on the basis of the text published in the paper of Sayed Hasan, the author of 'Zufangoya' does not list the sources used by him. However, he makes definite judgements in his preface, and definitions, accumulated till his times and uses the values and experiences that had become standard till his days. Author of Zufangoya points to the deficiencies in the dictionaries popular in his times, that he generally calls as 'some dictionaries' or 'compositions of some of the Lexicographers'.

He tells the following in connection with the task of his dictionary and its links with the existing dictionaries. This he mentions in the section titled, 'On the (rules) of compila-

1-Zakr-1-Mardum, ..., This is how Suzani says (نمود)

من این محمود خود را وقت کردم
علی صبا بکم ایها الناس

5. Bakhsh-I, f.28a, for the word Iuz () a well known carnivorous animal, that in Hindustani is called Hate. () The word also means to jump and to run. This is how some one is cited; Bait,

یوز از جسم آهوانه او
گر کند عاشقی بود آهر

6. Bakhsh-II, f.29b, citation is given for the word 'Bad Farvardin' (باد فروردین) this is how the western wind is called. The poet says, Misra: (36)

باد و درین ست کن تواند عرب ریخ الدوره

7. Bakhsh-II, f.34a, citation is given for the word 'Shabistan' (شبتان) place where night is spent; also the bed room or bed. Bait: The Bait is given without citation of the name of the author (37).

من ماکان زغم هر شب
او خفا نبارد شبتان

8. Bakhsh-II, f.35a, under the word Gushkhaba (گوشخه) it is an animal with 40 legs (centiped). Poet says, Bait (38):

گر چه صدایش داد لے برادر گوش خ
لیک اندر گوش کسیک پانه تواند نهاد

9. Bakhsh-III, f.36b, citation is given for the word Afshandan, (افشانیدن) throw, for example legs or feet. When Hamza is shortened, it is shortened, it is pronounced as Fa. Bait:

اگر دستم دهد دوزی که انصاف از تو بستم
تفا' عهد فخی را شبی دسی برافشانم

Citation is without the name of the poet (39).

10. Bakhsh-V, f.50a, for the word Tashrin (تشرین) name of a month. There are two Tashrin:

تشرین الاخر and تشرین الاولی:

However, in the dictionary the meaning related to month was included Rubai:

در تشرین و دو کانون و پس انگ
شبا و آذر و صبا و یار است
خیزان و تموز و آب و ایلول
نگهدارن کرازن یا نگار است

The Rubai is given without the name of the author (40).

Characterising the Indian manuscript of the dictionary 'Zufangoya', Sayed Hasan focuses attention on the citations in his paper. In the Indian manuscript there are 11 citations in total. Comparison of confirmatory citations in Tashkent and Indian manuscripts shows some differences that should be paid

that has come to us. Among such big poets of the past whom we know only partially one can name Shahid Balkhi, Rudaki, Unsuri, Amaq etc.

The method of confirmational citation of Persian poetry is quite important also from the point of view of the knowledge of language. Presentation of confirmatory citation, that document this or that way of using a word, gives the possibility of investigating rather in detail the meaning of the word and its nuances and shades of a given word in its literary usage, especially in its rare usage that is not always very obvious, as metaphorical and other senses.

Author of the dictionary 'Zufangoya' gives a number of poetical citations, though in this case their number is small. In the given manuscript, in which part of the first Bakhsh, there are ten poetic citations; in the first, second, third and fifth Bakhsh, i.e. mainly in that part of the dictionary that deals with Persian words.

Below we give the poetic citations.

1. Bakhsh-I, f.2a. In the dictionary part dealing with the word Randa (رنده) - Spring grass; instrument that peels wood. Mushtranda is the same as Randa, Bait:

کز گهراوشب رنده ده جان را خوش تراش
نکاو تو می که هم الزان و هم باتشایم

The Bait is cited without the name of the author (31).

2. Bakhsh-I, f.11a. In the dictionary there is citation to the word 'Farvardin' (فروردین) - name of the month, when the Sun is in the zodiacal sign of Hamal. Citation.

ز فروردین جو بگذشتی مراد کی بهشت آید
همان فردا و تیر آنگ که مراد دات ای آید
پس از شهر یزد هر دایان آذر و دی دایان
جو بهمن جز اسفند دارند ماهی سیر آید
ز فروردین ربیع دایان تا شهر یزدش آنگ
ز بهمن تا تابا اسفند یا ربیع از خورشید دار

Citation is given without the name of the author (32).

3. Bakhsh-I, f.19a. In the dictionary the citation is given for the word Kashan (کاشن) - Many, Many in numbers Bait.

ما هم به جمع خویش یک نفس لشکریم
یک سو پیاده و یک قدم سوار

Bait is cited without name of the author (33).

4. Bakhsh-I, f.24a, citation occurs for the word Naimur-

The last folios of the dictionary (ff. 53b-54a) contain a small appendix explaining the title "Some Persian words having metaphoric significance". The same title is to be found in the Indian manuscript. In this appendix the author analyses the significance of some Persian words and word combinations having double meanings. Idioms are listed in alphabetical order based on the first alphabet.

Some examples

ساده دل نادان و کم دان (f. 54a)

یک چشم طاهرین و کم بین و ضائق (f. 54a)

سیاه شدن ناپدید شدن و دریدن است (f. 54a)

Some Poetic Citations in Support

Early Persian dictionaries were compiled primarily as dictionaries of rare and difficult words that were met with in poetic texts. These dictionaries were compiled as adjuncts to the reading of Persian poetry, and in reality were dictionaries of rare words giving rhythm and rhyme. These dictionaries could be used by poets as some sort of text books for mastering the poetic art.

It is not without interest to note that early Persian dictionaries were composed in the main by poets. It is well known that such famous poets like Rudaki, Farrukhi, Qatran were authors of dictionaries, that unfortunately have not survived and their works that have come to us, it is possible to name a number of poets: Asadi Tusi, Shams-i-Fakhri, Lexicographers of 16th century; Mohammad bin Shaikh Ziauddin author of a big dictionary called Tuhafat-as-Saadat, Hafiz Ubihi - author of the dictionary Tuhafat al-Ahbab, Mirza Ibraheem - composer of the dictionary Farhang-i-Mirza Ibraheem, Ilahdad-Faizi, author of the dictionary Madar al-Afazil etc.

Introduction of poetic citations in the preface of the dictionaries became a strong tradition in Persian Lexicography from the very early period of its development. For already there is a large volume of poetic citations. This tradition almost does not know exceptions in Persian Lexicography through out its entire history.

Inclusion of poetic examples with citation of the name of the poet, and rarely with citation of the composition, gives exclusive value to the Persian Lexicographical compositions, specially the early ones, specially because these dictionaries has been shown by investigations, in those early days were the only source, conserving fragments from lost literary compositions in the early days in the development of poetry in the new Persian language. Researchers in literature (P.Horn, E.A. Bertels) successfully used Persian dictionaries while collecting and restoring the literary inheritance of the days gone by

صنبد دم روزایام مجوز (f. 46b)

دانش نامردی مانشن دژا (f. 49b)

عجازه شتر اوت کبرکان قاصدک کفند (f. 45a)

نظرون بویه سرخست بعضی گویند نمک دریاست (f. 49a)

Bakhsh-VI. (ff. 50a-51a). Title-Words of Roman. The same title in the Indian manuscript. Contains 16 Gune. The Bakhsh represents a short dictionary of Greek, Latin and Syrian words. Here are listed the titles of Church hierarchy, names of scientists, and of big Christian Church dignitaries, recollection of well known Churches and monasteries, objects of Christian cult, names of months in Syrian calander, as well as names of plants, animals and birds, some understanding of the seals that have relation with ancient Greece and Bazentin. e.g.

اسطقسات ارکان یعنی طبایع اربعه (f. 50a)

افلاکون نام حکمی یونانی (f. 50a)

جائین عالم و علمه ترسیان (f. 50a)

سکوبان نام مردی از رومیان که دریا و معروفست (f. 50a)

شبا ماه رومیان و آن آخری ماه زمستانست (f. 50b)

Bakhsh-VII (ff. 51a-53b). Title Turkish words. The same in the Indian manuscript. It contains 17 Gune. The dictionary interprets a number of simple Turkish words; the words are old Uzbek language. These are basically terms of relationships, number-words, names of domestic objects, names of birds and animals, division verbs. As one may notice, these words are predominantly of non-literary nature but are used in living conversational language. e.g.

آبید (f. 51a) توت چهار (f. 52a) بشاق کفش (f. 51b) پورکی برگ (f. 52a)

انامدر (f. 51a) قون چیل (f. 53a) تاغ کوه (f. 52a) شمع فروختن (f. 52b)

آغا بلادر بزرگ (f. 51a) شمش هفتاد (f. 53a) تن زبان (f. 52b) کلدی آمد (f. 53a)

اچنی بلادر کبتر (f. 51b) توز نمک (f. 52a) التوبچی زرگر (f. 51b)

ntal (Bunyad or Asl). Some examples:

اندوختن انحصن وگرد کردن در اصل اندوختن بود (f. 36b)

انگاشتن و اسن و گمان بردن و بیاد انگاریدن (f. 37a)

In the dictionary are given quite a number of different onetical and orthographic variations for the given infinitive, e.g.

افزودیدن و اوژد و لیدن نیز گویند (f. 38b)

افزوشن بمعنی افزودن است در بغیا و افزا زیدن بود و نیز همزه از هم دو غسفت کنند و فارا کسر دهند (f. 36b)

Sometimes the author of the dictionary considers it rthwhile to cite in the text examples of the verb used in e personal form. e.g.

شخیدن نیزین و از جای فروزیدن و گناه کردن گویند فلان تخمیه بمعنی از تویش فروزید و بلغزید (f. 38a)

نیوشیدن بمعنی در گوش کردن بمعنی شنیدن که یوش بمعنی بشنود شناییدن و کسرتون نیز گویند (f. 39a)

Bakhsh-IV (ff.39b-43b). Title (the same as in the Indian nuscript) Tazi Words, i.e. Arabic words. It has 27 Gune. The ctionary gives explanation of Arabic words that were used the Persian language. These are basically words used in riculture geographical names and names of heavenly bodies d some of the war terms and words of domestic appliances e.g.

ترجمان بیان کننده نبطی زبان یا بگر (f. 40a) تخسین گمان (f. 40a) منشور فرمان بادشاه (f. 42b)

نیرباد نرم و خوش که انداز خرسب تا طلوع آفتاب برزد (f. 43a) عراق و لایق معروف و آن ایران زمین است عراق العرب که از آن سوی

دو جلاست یعنی دو بلبله و عراق عجم که آنای سوی است یعنی شیر (f. 41b)

Bakhsh-V (ff.43b-50a). Title "Miscellaneous Words: abic, Nabatic and Dari". In the Indian manuscript the same rds are given, though the word 'Nabatic' is replaced by the rd 'Turkish', apparently by mistake (30).

The Bakhsh contains 29 Gune. In this part the author plains basically words of Arabic that had entered the rsian language as well as some Nabatic (Aramic) words, that e used for the formation of reals and names of appliances of mestic use, dress, decorationals, musical instruments etc. ctionary explains a few words denoting ethnic terms, names diseases and medicaments, names of animals and birds, of ants, fruits, minerals, names of historical and literature rsonalities, geographical names, terms of war and armaments. g.

اصطقی نام شهر است و دیلا و پارس (f. 43b)

طون در دروم یافتند و این دیبا منقش است که هر زمان رنگ دیگر نماید (f. 43b)

ترقیب خطی که عرزان میان دو خط دراز میکشند و این بزبان نبطی است (f. 44b)

Indian manuscript provides more title "Pehlavi words and Dari words that consist of two words and the meaning of which is found by joining these two words" (28).

It contains 21 Gune. It includes words with two roots, from Persian, that are very frequently used in literature. Just as in Bakhsh-I, these words are most widely used: names of armaments, names of work implements, domestic utensils, diseases, medicines, names of countries and regions, names of plants and animals, names of minerals, names of authors etc.

اکنون بر کسی گویند که در دیوار و یا زمین نقب زند یعنی نقب ز (f. 29a) آهین را بپای است مودن بتازی مقایس هندی
کاسک گویند (f. 29a) شنگای میان دو کوه کفی دره که (f. 30b) دستار همان سفره که بدان طعام خوردند (f. 32b)
شب بوی گل است زرد (f. 34a). شاه بوی خضر (f. 34a) نیمروز ولایتی است در میان فراسان و قارس (f. 35b)
راه کلبشان را می است که در آسمان شب نماید آن را لوب جره خوانند و پارسایان آسمان دره و ره روسا کلب گویند (f. 32b)
دوست کافی یا شراب که دوست اند و خود دوست نیارند (f. 32b) هفت نخل را می است که هفت منزل میان ایران زمین و توران
زمین در آنرا هر دو کس نرفته اند یکی را هم دوم سفند یار (f. 36a)
گاؤ دوشه اوندی که در او شیر دوشند (f. 35a)

Bakhsh-III (ff. 36a-39b). Title-words of Pehlavi and Dari that form and give rise to words of action, i.e. those that are like Masdar. Indian manuscript gives a bit shortened Title-words of Pehlavi and Dari, from which words of action are formed, i.e. Masdar (29).

This Bakhsh contains 23 Gune. Exclusively infinites are explained, predominantly archaic words and only simple ones. Division of Bahr is absent, as all words are of the same infinitive ending.

Some more typical examples from this Bakhsh are.

افزاشتن بر آوردن و بر کشیدن و بالاتر بردن که در بنیاد افزیدن بود (f. 36b) پیر داشتن نگه داشتن و ترک اندن و آراستن و ساختن و
دور کردن (f. 37a) اگر گویند پذیرفتن و سر نهادن و بدل گردانستن و استوار داشتن (f. 39a)

As one can see from the cited examples, explanations given in this Bakhsh are constructed in a way that semantic of the major verb, taken as vocables, is opened up from various sides with the help of a number of infinitives, forming its own group of verbal synonyms.

Vocable-infinitives in this Bakhsh are given, as a rule are in two forms-basic and derivatives, formed from the basis of present tense and infinitive form-with corresponding funda-

terms that deal with relationships, objects of domestic use, parts of the body, names of the months, measures and weights etc. Alongwith these, it explains the proper names of the rulers and of literary personages, geographical names, ethic concepts and war terms.

Here are explained many rare, redundant words, in the main from 'Shah Nama' that were already not well known and well understood even during the time of Firdausi, trying to replace them by then becoming well known Arabic words by archaic Persian words.

Text of the first Bakhsh begins in our manuscript with Gune Dal, which according to count turns out to be 8th, with 3rd Bahr. First word - *دارات جاب کردن*

Here are some of the most characteristic words and their explanations:

- غاص شرفی کبر دقت بادا توخند و بتازی صبح گویند (f. 8a) / فزودین نام اما کک آفتاب در محل بود (f. 11a)
- موز بان زمین دار و شهر دار که شهر یار گویند (f. 22a) / میوه نام و خزان افراسیاب عقیقه یشن (f. 23a)
- هرات نام شهره از فراسان که آنرا بوی و بوی گویند (f. 27a) / مومن دشت و زمین همواره گویند زمین سخت کاران قبول کند (f. 27b)
- رستی حلوا و نیز نان ما گویند (f. 2b) / دروش آنچه بدین جرم سوراخ کند براسه و فتن (f. 1b)
- زوان دشت کاران بنیای (f. 1b)
- زرافه گز زمین ارگ و زرافه غنی لیب کات نیز گویند (f. 3b)

Alongwith explanations for early rare and antique words e.g.

- زکان از خود رسیده (f. 3b) / کبدر دکه نشین (f. 13a) / میز مجلس نماز و عشر نگاه و مهابان (f. 21b)

The dictionary gives frequent & very simple words with short explanation, e.g.

- نام کتاب و نهشته (f. 25b) / دوست مار (f. 1a)
- گوسال گاوی (f. 19b) / نام از ناشایستی گزافا سازد (f. 24a)

These examples may be seen as conscious attempt of the compiler of the dictionary to pay attention to synonyms and give practical help to poets. Some times the author builds up an interpretation on the basis of antonyms, e.g.

- زنده خدمت داده و بعضی لغت را گویند (f. 3a)

- سیر فداگر سده (f. 5b)

Bakhsh-II (ff. 28b-36a). It is titled "Dari Words". The

Besides, one observes differences in the citation of confirmatory poetical citations (see below).

Volume of the dictionary and its Construction

The dictionary 'Zufangoya wa Jahanpoya' was apparently, one of the first in the Persian language Lexicographical experiment of producing dictionaries with wide range of Lexicon. It includes, considering the data from both the known manuscripts of our times, approximately 5170 vocables. For comparison one may give the data from other early Persian dictionaries: 'Lughat-i-Fars' contains 1700 vocables, 'Sahih al-Furs' 2300, 'Maar-i-Jamali' about 1600.

The dictionary 'Zufangoya' comes out among the early Persian dictionaries for its originality of its internal structure. Early Persian dictionaries presented the entire Persian lexical material, as a rule, in the, in the content of one general dictionary with division in sections (Bab) according to the last syllable of the word; sections were organised according to the order of the Arabic-Persian alphabets. Arabic, Turkish and Greek lexics, represented in insignificant quantity, it was part of the general presentation of the Persian words.

The dictionary 'Zufangoya wa Jahanpoya' is divided in seven general sections (Bakhsh); each one of the Bakhsh represents in substance a distinct dictionary and as such headed by the author. In their turn Bakhshs are divided into Gune. These in their turn are further sub-divided according to the first letter of the word, i.e. each Gune contains its own words each beginning with its own respective alphabet. Gune are divided according to the order of Arabic-Persian alphabets. Gune is divided into Bahr. These are in their turn divided according to the alphabet at which the word ends.

Apparently the compiler of the dictionary 'Zufangoya wa Jahanpoya' was interested in terminology indicating sections, parts and chapters which seems to have been based on the dictionary 'Farhang-i-Fakhr-i-Kavvas' that preceded him, and was compiled in India in 701 A.H./1301 A.D. However, 'Farhang-i-Fakhr-i-Kavvas' included only words of Persian Lexicon; at the root of its sub-divisioning etc. lie Persian Lexicon. It was based on thematic principles.

Characteristics of Lexical Composition

Bakhsh-I (ff. 1a-28b). Title of the Bakhsh, as it is restored in the Indian manuscript "Words of Pehlavi and Dari. Simple and unrelated to other words" (27). First Bakhsh is the most voluminous in Lexicon and includes words of Persian origin. It lists words according to similarity of roots and deals mostly with commonly and frequently used words, mostly

gives a comparative account:

QUANTITY OF VOCABULS			QUANTITY OF GUNE (CHAPTERS)	
BAKHSB (Part)	IN INDIAN TEXT	TASHKENT TEXT	IN INDIAN TEXT	IN TASHKE TEXT
I	2947	1614	23	23 (2
II	484	505	21 (26)	21
III	269	248	23	23
IV	332	408	28	28
V	410	464	29	29
VI	51	54	16	16
VII	572	486	17	14

Comparison of the Tashkent text with some small gap with the Indian text, as published in the paper of Sayed Has and also with the photocopy of the Indian text shows coincidence of the larger part of the text. One observes on insignificant editorial differences expressed in a different order of the words in the given sentence, this or that grammatical formulation e.g.

Tashkent text, f.5a: سارنج فرنیست ضعیف و کوچک

Indian text, f.53a: سارنج فرنیست ضعیف و کوچک

Tashkent text shows very rarely complexity of text, e.g. in the Tashkent text on f.4b:

یگ باال یعنی کمر و قطره باشد که با او از خشکی بریزد و نشیند و مشک باده میدهد که در وقت آتش کردن در آب برنودد و آنرا ساقه خوانند

Corresponding Indian text on f.52b:

لینک باال یعنی کمر و قطره باشد که با او از خشکی بریزد و نشیند و مشک باده میدهد که در وقت آتش کردن در آب برنودد و آنرا ساقه خوانند

In the Tashkent text one may observe a few vocabulary absent in the Indian text, e.g. f.1a:

در برادر و دوست بریان ما و النهر و ستور یعنی دال و زیر و اعتماد جانی و بغیر و در بی استعمال کنند و بسیار یاری دهند

Corresponding Indian text f.42a:

در برادر و دوست بریان ما و النهر و ستور یاری دهند

There are sequential differences observable in the designation of Gune and Bahr of the dictionary. In the Tashkent text factually every Gune and Bahr has its own separate title while in the Indian text Gune and Bahr are indicated by the corresponding letters; e.g. In Tashkent text: f.4a.

نیاز دهم که در آنجا است بهر نخت و در آنجا است

In the Indian text corresponding part on f.52a: گوز دغ

Indian manuscript contains 189 leaves of the size 22x12 cm. Text is written in 17-19 lines per page of large thick Naskh script of non-calligraphic type with some elements of Nastaliq. Words are underlined. Pagination is of the European type. Folio 1b-2a is occupied by Fahrist, giving the name of the seven Bakhsh and their sequence in the text alongwith the number of leaves they occupy respectively; for every Bakhsh, the number of Gune is given.

Comparison of the two manuscripts of the dictionary 'Zufangoya' on the basis of their photocopy shows the following:

Indian manuscript compliments the gaps, observed in the Tashkent text as a result of the loss of the starting folios. It contains (ff. 2b-4b) the authors preface to the dictionary, that is absent in Tashkent text. Text of this introduction, unfortunately can not be read completely due to the damage done to the manuscript by the book worms. In his introduction author of the dictionary calls himself as Badruddin Ibrahim (f.3a); name of the dictionary is given as 'Zafanguyan-i-Jahanpuyan' (f.4a).

BAKHSH-I, represented in the Tashkent manuscript only in part, from the 3rd Bahr, of the eighth Gune, i.e. from the word beginning with Dal and ending on Ta (first words in Tashkent text is Darat), in Indian manuscript are given fully, with the exception of a few, even with large number of defects caused by the worms. Beginning of the Bakhsh-I according to the Indian manuscript is (f.4b).

Bakhsh-II begins in the Indian text on f.109b.

Bakhsh-III on f.126b, Bakhsh-IV on f.134a.

Bakhsh-V on f.143a, Bakhsh-VI on f.158b.

Bakhsh-VII on f.161a.

Beginning of the Tashkent manuscript corresponds with f.41b of the Indian text, line seventh from above. Indian text fills yet other two lacunae in the text of the first Bakhsh in the Tashkent manuscript: text of ff.43b-47a of the Indian text fills the lacunae in the Tashkent text after f.1b; text of the ff.55b-61b of the Indian text fills the lacuna in Tashkent manuscript on f.5b.

First Bakhsh in Indian text includes 2947 vocables. In Tashkent text, in the preserved part of the 1st Bakhsh there are 1614 words.

Some divergences are also noticeable in the number of words in the remaining six Bakhsh of the dictionary, represented in the full text in the two manuscripts. Following table

there is the inventory number 127366. On f.1a and 239b there is imprint of an oval seal of the Fundamental Library of Central Asian State University with inventory number 2140. In the margin on f.1a are written the names in the Arabic script, "Mulla Mohammad Lateef, Mulla Mohammad Shareef, Mu Baba Raheem" etc.; On the inside of the binding in Arabic script is written the name of either the owner or readers. f.1a there is a date seal 49 with print 'entered'.

Date of copying, given on f.54a, in the colophon is given as 21st Jamadi-II, 123, i.e. one of the four digits is left out. On the basis of paleographic characteristics it is possible to suggest that the manuscript can be dated as 1123 A.H. i.e. August 6th, 1711 (20) the copyist calls himself "A Nasafi from Khatai (21). The Nisba of Nasafi shows that copyist belonged to the central Asian city of Nasaf, Karshi of today.

Manuscript Discovered in India

In 1962, in the Indian journal Fikr-o-Nazar (22) published from Aligarh University, there was published a paper in Urdu language authored by Professor Sayed Hasan, titled, "Orest Persian Dictionary 'Zufangoya'". (23)

Author of the paper is head of the research centre in the field of Arabic and Persian languages in Patna. He announces that in the Oriental Library of Bankipur, Under No.3570 there is a unique, according to him, manuscript of the dictionary 'Zufangoya-o-Jahanpoya' and he gave a short description of it.

Indian text of the dictionary has no date of copying but, basing on paleographical characteristic of the text, Sayed Hasan takes it to 9th A.H., i.e. 15th A.D.

Sayed Hasan's paper made it possible to judge the completeness of the text of the dictionary in case of the Indian manuscript, quality of its words according to the Bakhshshah. The paper gave full text of the author's preface to the dictionary and large part of the poetic citation, and also sufficient formal description of the Indian copy.

In May, 1971 I got the possibility to get acquainted with the photocopy of the Indian text (24). This made it possible for me to have a more complete and concrete concept of the fullness of the Indian manuscript and of some of its characteristics.

Indian manuscript is extremely defective, eaten up right through by the book worms. Insects have destroyed many lines of the text completely, e.g. on ff.41-46, 56-70, 88-91, 101-109, 124-146. Significant damage has been done to the text on ff. 1-3, 7, 9-19, 22-31, 37-40, 77-85, 119-129, 155-166. Entire pages of the text have been lost.

Names of the sections and other headings of the sections in the dictionary 'Zafagoya wa Jahanpoya' (Gune, Bahr) are written in Jali hand. Sometimes these are not written at all. (e.g. f.42b). Words, though not every where, are underlined by a wavy line. The words are also written Jali. So are Nazm, Bait, Misra. Size of the written area is 19x11, 5 cm. Paper is oriental, fibrous, weak, glazed, slightly darkened with age, with a size of 25x19 cm.

On the borders of some folios there are corrections and comments of some readers related to the text. Diacriticals are often absent, often these are not fully put; there is one dot in place of two or three. In the text one meets distortion of pronoun-unciation as it is described by alphabets. It seems these words were not understood by the copier. There are rare orthographic mistakes. Obvious writing mistakes are seen on ff.48b, 49b, 51a. On f.45a the word is written but its meaning is not. On f.47a the word is missing; so are the meanings, number in serial, Gune. On f.41a the whole title is missing (Gune-17). On f.12a the heading of Gune-16 it is mentioned that this Gune contains 20 Bahr. However, in the following text there are 22; in the heading of the Bakhsh (part) 7 (on f.51a) is mentioned 14 Gune, but the text has 17.

As a characteristic of writing style (graphic) one may note differences in the writing of Kaf and Gaf(18), when these alphabet are used to designate Bahr.

The manuscript is defective, beginning is missing which normally contains author's preface and the beginning of the first Bakhsh (part), i.e. first seven Gune are lost fully, also first and second Bahr of the eighth Gune. Remaining text of the dictionary, beginning with third Bahr of eighth Gune of the first Bakhsh, is complete with the exception of the following lacuna, formed as a result of the loss of the folios in the middle of the text: after f.1b the beginning of the Gune-9 is lost (Bahr 1-14 to till Bahr 15-Gaf); after f.5b, the end of Gune-12, i.e. Bahr-II-22, and the beginning of Gune-13, i.e. Bahr 1-7 and beginning of Bahr 8-Ra.

The manuscript has suffered from humidity. The folios have markings and tearings. Due to age text has fallen and dimmed at many places. The writing has been partly restored. During restoration the text has been damaged at some places. Upper part of f.44a is pasted over during restoration of the margins. Corners of the paper are torn, cut or rubbed off e.g. ff.2-5, 19-20, 23, 34, 35, 44.

Binding is oriental, 24.5 x 18 cm. thick, of card board, covered by thin skin; board thickness used in binding is 6mm. Side binding is dark and granular, gummed, in all probability during the restoration. Binding is glazed and leathered in the three-fourth upper part and inside. Upper cover in part has been eaten up by insects.

On the f. 1a there is print of a small rectangular seal: 'Uzbek State University (Samargand)' (19); Inside the seal

the dictionary 'Farhang-i-Ibrahimi' composed in 878/1473. It should be noted that some Lexicographers, citing works of their predecessors, cite, as a rule, examples from Zafangoya before any other like 'Adat-al-Fuzala' (composed in 822/1419) or 'Muaiyad-al-Fuzala' (14).

Study of the manuscript of the now published dictionary showed that 'Farhang-i-Zufangoya wa Jahanpoya' could not have been composed before 701/1301, as it contains reference to the Persian dictionary called 'Farhang-i-Fakhr-i-Kavvas' finished in 701/1301. (Mss. ff. 2a, 5a, 6b etc.).

Description of the Manuscript

During the IVth All Union Scientific Conference on Iranian Philology, held in Tashkent during September 1964, I got introduced to the fund of Persian manuscripts in the main library of the Tashkent State University. My attention was drawn to one of the manuscripts, that was listed in the inventory as follows: "General Manuscript; Farhang Name: As-Surah Min As-Sihah, Inv. No. 214014 Shifr V-09/292".

'As-Surah min as-Sihah' is the name of a well known Arabic-Persian dictionary of 13th century, manuscripts of which are quite well known. So far as the name of the first part of the Farhang Name is concerned, that is bound in this volume, it was obviously one of the tentative names for some unknown dictionary. On the colophon of the Farhang Name the following was written: "The dictionary book 'Zafanguya wa Jahanpoya' was completed on the 21st of Jamadi II, year 123 by the hand of the mean and lowly slave Arab Nasafi of Khatai" (15).

From the contents of the colophon and from the text it became clear that the unknown Farhang is one of the early Persian dictionary 'Zufangoya wa Jahanpoya' about which science till now had known next to nothing except its name and an incomplete name of the compiler (16).

Text of the dictionary 'Zufangoya wa Jahanpoya' occupies ff. 1a-54a (17) collected in the manuscript volume, included in the 239 pages. Beginning is lost; consequently the consequent pagination on the present leaves, ff. 1 is indicated as 12. As a result one can conclude that eleven folios have been lost, i.e. one sixth of the total numbers have survived only on some folios.

Text of the dictionary is written in black ink with 18 words per line in calligraphic hand in Nastaliq writing (size of the alphabets 5 mm., Alif reaches 7 mm.) with some elements of Shikast. Other composition is the dictionary As-Surah min as-Sihah, which is written in a different hand-writing, in smaller alphabets, in Naskh style with 29 words per line; obviously the two have been mechanically put together in binding.

showing that other earlier dictionaries did exist that were used in their times on the basis of their popularity. One of such dictionaries that was supposed to have been lost during the later times, was 'Zufangoya wa Jahanpoya', that is the object of the present work(5).

This dictionary is often referred to in Lexicographical compositions of 15th-16th centuries and later period, e.g. 'Farhang-i-Ibrahimi' (878 A.H./1473 A.D.), 'Tuhfat-as-Saadat' (916/1510), 'Madar-al-Afazil' (1001 A.H./1593 A.D.), 'Muaid-al-Fuzala' (925/1519), 'Majma-al-Furs' (1008 A.H./1599-1600 A.D.), 'Farhang-i-Jahangiri' (1017/1608-09), 'Sharh-i-Gulistan' (1073 A.H./1662 A.D.), 'Fraid-al-Favaid' (not earlier than 984/1576 and not later than 1088 A.H./1677 A.D.).

Referring to the dictionary 'Zufangoya' as one of the sources, eastern Lexicographers summarily characterise it as follows: "among the older sources" or "...one of the authoritative compositions". For example the author of 'Madar-al-Afazil' writes, "In the dictionary 'Zufangoya', which is one of the authoritative Persian sources, is mentioned as ..." (6). Mentioning their sources, author of 'Madar-al-Afazil' puts 'Zufangoya' under the heading 'Kutub-al-Mutagaddemin' (Earlier sources) and puts it among the well know dictionaries like 'Adat-al-Fuzala' (composed in 822/1419) and 'Farhang-i-Ibrahimi' (composed in 878/1473-74). This heading or category of Earlier Sources, author counter poses with the category 'Kutub-al-Mutakherin' (compositions of later period), where he puts such dictionaries as 'Tuhafat-as-Saadat' (916/1510) and 'Muaid-al-Fuzala' (925/1519).

Most comprehensive reference to this dictionary, is given in 'Farhang-i-Jahangiri' in these words, "The dictionary Zufangoya wa Jahanpoya, also known as Of Seven Parts, composed by Badruddhin (8). Till the discovery of the manuscript of the dictionary 'Zufangoya', this information was the only one surviving evidence giving the name of the author of 'Zufangoya'.

Reference to this dictionary in the European literature is limited to short notices in the work of H.Blochmann (9) and in the work of C.Salemann(10) who mention the name of the dictionary 'Zufangoya' on the basis of its mention in 'Farhang-i-Jahangiri'. However, Salemann proposed that the dictionary 'Zufangoya' was composed before 822/1419 and Blochmann was inclined to put this date to still earlier period.

Indian Philologist, Professor of Aligarh University, Dr.Nazeer Ahmad in his paper dealing with early Persian dictionaries like Farhang-i-Fakhr-i-Kavvas(11) and 'Dastur-al-Afazil'(12) notes that 'Zufangoya wa Jahanpoya was composed before 837/1433, basing himself on the fact that 'Zufangoya wa Jahanpoya' was used as one of the sources for the Persian dictionary 'Bahr-al-Fazail', whose date of composition according to Nazeer Ahmed is 837/1433(13).

The dictionary 'Zufangoya' is mentioned as a source in

C.K. Bayafski

Translated by Dr. Javed Ashraf
Jawaharlal Nehru University
New Delhi.

Zufan i-guya wa Jahan i-puya

فرہنگِ فان گویا
تالیف
بدیع الزمزم

Date and Composition

Early Persian Lexicographical literature (11th-14th centuries) is represented in our times by isolated monuments. First Persian language dictionary, that has come to us, is the well known 'Lughat-i-Fars' of Asadi Tusi, composed roughly in about 457 A.H./1065 A.D. (1). Out of the Persian dictionaries of 12th-13th centuries, unfortunately none has been preserved (2). From 14th century only a few dictionaries have come to us, that too as a rule, in rare copies. Out of these, two are composed by Shams-i-Fakhri Isphani in 744 A.H./1343-44 A.D. (3) and 'Sihah-al-Fars' by Mohammad Ibn Hindushah Nakhchivani (date of compilation 728 A.H./1328 A.D.) (4). Out of dictionaries known only through their reference in manuscripts one can mention 'Farhang-i-Furs-i-Kavvas (701/1301) and 'Dastur-al-Afzali' (743 A.H./1343 A.D.).

Alongwith this, on the basis of references given in the monuments belonging to later period we may find references

During the entire medieval period, social gradation cut across the distinction between Hindu and Muslim. Poor Muslims were in the employment of rich or affluent Hindus, and vice versa. Muslim rulers and feudal lords ruled over and commanded the genuine loyalty and admiration of their subjects, Muslim and Hindu alike, and vice versa. Muslim rulers had enemies or rivals among the Hindus, and vice versa. Friends and foes did not belong to any religion or caste, nor did creditors and debtors. There were business and industrial partnerships between Hindus and Muslims who took the same risks and shared the same gains or losses. The common man, be he a Hindu or Muslim, had the same grievances against the Patwari, the Kotwal, the Sahukar, the 'Qazi', the aristocrat, the burglar, the artisan, the prostitute, who could be either Hindu or Muslim. And so on.

The best commentary on the tolerance and functional secularism of medieval India is provided by the growth of a common or composite culture reflected in the regional languages, architecture, painting, music, dress, entertainments, amusements, proverbs, folklore and folk-religions of India.

expanding group was played by the Arabs, Turks, Mongols. In the modern era the role was taken over by the Europeans.

It is also worth mentioning that the social paradigm of 'Muslim aggressor' and 'Hindu victim' (even if it were to be accepted, to begin with) breaks down after the first few episodes, since the aggressors and their victims no longer belonged to different religious groups. To give only a few examples of how the struggle for power and wealth cut across religious or racial distinctions, Babar fought against the combined forces of Ibrahim Lodi and Rana Sanga, Humayun struggled against Sher Shah, and both these contenders for supremacy had allies or supporters from both Hindus and Muslims. The power of the great Mughals flowed from a firm alliance between them and the Rajputs. The victims of Mughal imperialism or expansion were Muslim kingdoms no less than Hindu. The Hindu rulers of south India continually fought against each other even as the Rajas in the northern region before the advent of the Muslims. The entire artillery of Sivaji was manned by Muslims. The victims of Sivaji's lootings of the prosperous port of Surat were Hindus no less than Muslims, even as were the victims of the invasions by Nadir Shah and Abdali.

According to the Hindu Dharmshastras, every king or ruler was duty-bound to enlarge his dominions and fighting was the highest duty of the warrior caste. Territorial expansion was not evil so long as the ruler could win in battle and rule justly over his subjects in accordance with the Shastras. The Rajas fought, won or lost, but the Praja, "unmindful of the race or religion of the contenders for power, pursued their own peaceful vocations of life the 'purusharthas'. This social ethic was also applied to the Muslim rulers when they came on the scene. The Hindu populace, in general, did not grudge Muslim rule, provided the ruler did not interfere in his Dharma. The legitimacy of the ruler was not determined by or dependent upon his religion or race, but flowed from his victory in battle or the struggle for power. Such has been the basic social and political ethic of Bharat from times immemorial. Communalism, in the modern Indian sense of the term, was unknown earlier and emerged during British rule.

Coming to later times, exactly the same remarks apply to the shifting alliances and endemic warfare between the decadent Mughals, rising Marhattas, Rajputs, Pathans, Jats, Sikhs, Rohillas and others, all of whom got sucked into the vortex of the power struggle following the sudden collapse of the great Mughal empire soon after the death of Aurangzeb.

In the southern region, Tipu Sultan (d. 1799) emerged as the hero, alike of Muslims and Hindus, of Mysore (present Karnataka). The Nizam of Hyderabad emerged as the ruler over a mixed population whose loyalty never wavered till the very end of the British period. However, the Muslim rulers of Mysore and Hyderabad ever remained on opposite sides in the drama of the Indian struggle against British supremacy.

Coming to our own times, the semi-independent princely states, Gwalior, Indore, Baroda, Jaipur, Patiala, Kapurthala, etc., all ruled by Hindu or Sikh rulers, gave liberal patronage to Muslims of ability and integrity who rose to highest positions of power and trust in the state.

In conclusion, a few comments on the proper interpretation of medieval Indian history would be in order. As is well known, Mahmud Ghaznavi (d. 1030) attacked India several times in the 10th century, Muhammed Ghori invaded and conquered North India in the 12th century, Babar in the 16th century, and Nadir Shah and Ahmad Shah Abdali again invaded the country in the 18th century, and all these attackers or conquerers were Muslim. But it would be a totally perverse view to hold that the above historical processes were instances of Islamic aggression against Hinduism. All the above events flowed, essentially, from the struggle for ascendancy by rising and expanding groups at the expense of older and defensive groups, more or less on the decline, in terms of general human creativity and vigour. This has been the perennial rhythm of world history. In the ancient period, the creative and expanding groups were the Aryans, the Iranians, Greeks, Romans and Chinese, while in the medieval period the role of the creative

non-Muslims. While Aurangzeb did demolish a few temples, he endowed many more in different parts of the country. The plain truth is that both actions were motivated by political and administrative rather than religious considerations. The same remarks apply to the Emperor's dealings with the Sikhs and the Marhattas. It is significant that Aurangzeb did not hesitate to demolish a mosque at Golkunda for the same reasons.

The history of the several independent regional Muslim kingdoms in the medieval period, prior to their incorporation into the Mughal empire, also points to the tolerant character of the Sultans and of the functionally secular motivation of their policies and conduct of public affairs. Zaynul Abidin (d.1470) of Kashmīr, the most illustrious ruler of the region, was admired and loved by all Kashmiris, irrespective of their religion. He was the patron of Sanskrit no less than of Persian, of the Sant no less than of the Sufi. Husayn Shah (d. 1519) of Bengal played a similar role in the eastern region. His example was later on followed by the great Sher Shah (d. 1545) whose enlightened religious liberalism and administrative reforms are still remembered by all Indians, Hindus and Muslims alike.

In the southern region, the Bahmani Sultan, Tajuddin Feroze (d. 1472) gave preference to Dakhnis in state employment, irrespective of religion. His conflict with the neighbouring Hindu Raja of Vijaynagar was purely political. Mahmud Gawan (d. 1481), the illustrious Prime Minister of the Bahmani Kingdom followed the same policy. The Sultans of Golkunda and Bijapur and the rajas of Vijaynagar entered into pacts or fought among themselves in their own respective political interests, as they saw them, quite irrespective of their religious affiliations. Ibrahim Qutb Shah (d. 1580) of Golkunda greatly patronised Telegu culture, endowed Hindu temples and even discontinued the 'jizya'. Vijaynagar thought it fit, in its own political interests, to play one Muslim kingdom against the other. This game went on until Vijaynagar's eventual defeat in 1565. During this protracted period of shifting alliances, the Muslim ruler of Bijapur sought the help of the Raja of Vijaynagar against the Muslim kingdom of Ahmadnagar. In short, political, rather than religious considerations, were the leitmotif of the actors concerned.

persecution of Hindus and Sikhs. Incontrovertible historical evidence is increasingly piling up with the passage of years, thanks to objective and rigorous methods of research by Indian and western scholars. to expose the fallacy of the above extreme views.

It is clear that Akbar's chosen self-identity was Islamic and he was also regarded by his subjects (both Muslim and non-Muslim) as a Muslim ruler, It is also clear that Aurangzeb continued to enjoy the unquestioned loyalty and active support of a sizeable section of the Rajputs till the very end of his long reign. Aurangzeb's declared policy and practice were to employ efficient and honest persons, irrespective of religion or caste. The percentage of non-Muslims among high ranking mansabdars, no less than among lower or middle rank revenue officers, was higher in the time of Aurangzeb as compared to Akbar. Aurangzeb's Deccan and Marhatta policies were not dictated by religious, but rather by economic and political considerations, even as his fight against his father and brothers was not an exercise in Islamic piety but rather a vigorous search for power. His brothers also sought power, but they lost, while Aurangzeb won. This is not to say that differences in outlook did not exist. But they were not the crucial factor in the motivation of the contenders for power of their respective supporters from among the classes and the masses. If Dara was poetic and speculative Aurangzeb was puritanical and legalistic; if Dara came under the spell of the Upanisads, Aurangzeb remained in the grip of the *shariat*; if Dara stood for the essential unity of all religions and the universality of salvation, on the basis of good deeds, Aurangzeb stood for Islamic ethnocentricity. But the point is that religious bigotry was not the crucial factor in the motivation of Aurangzeb who was far from being an evil tyrant and temple-destroyer. His failure lay in the field of political insight and religious vision, rather than in religious persecution or hatred of non-Muslims. The reimposition of the 'Jizya', discriminatory tax structure for excise and customs duty, discouragement of music and other art forms and continuing wars of expansion were misconceived and harmful policies, not acts of hostility against

The policy of 'functional secularism' reached its full fruition and was sought to be transformed into a basic political principle, as it were, in the time of Akbar. Going beyond mere practical prudence, Akbar sought to bring about complete equality of status and of opportunity between his subjects, and also emotionally integrate Hindus, Muslims and others into one larger Indian family. Akbar's abolition of the 'Jizya' in 1564 (eight years after his accession to the throne) was the most significant reform or innovation, both psychologically and doctrinally, to bring about the desired emotional integration. However, from the purely fiscal or economic angle, the abolition of this discriminatory tax on non-Muslims did not amount to much. 'Jizya' was in lieu of the obligatory wealth-tax (*zakat*) which was a religious duty imposed on all Muslims having surplus wealth at the end of the year. Now whatever the theory of 'jizya' may have been, in practice, it was an exclusive tax on the non-Muslims, while the '*zakat*' was an exclusive tax on the Muslims, and the latter tax could far exceed the quantum of 'Jizya' paid by non-Muslims. Moreover, several categories of non-Muslims were exempt from the said tax. The discrimination involved was thus more formal rather than economic. Nevertheless, the discriminative nomenclature must have bred psychological distance between the two categories of tax assesses. And Akbar's administrative intuition and political insight led him to bring all his subjects on par, legally, administratively and fiscally. Unfortunately, Akbar's well-intentioned and far-reaching vision was misinterpreted by many of his Muslim contemporaries as a repudiation of Islamic *shariat*, or as a sinister move to impose a new religion in place of Islam. The coining of the term 'Din-e-Ilahi' and the over-enthusiasm of some of the Emperor's courtiers (for reasons more politically selfish than spiritual) conspired to give a semblance of truth to the above mentioned misinterpretation of Akbar's religious liberalism as the downright repudiation of Islam or as sheer political opportunism. This misinterpretation still persists, especially among those who glorify the achievements of Aurangzeb, and hold that he saved Islam from being totally destroyed by the follies of Akbar and Dara Shukoh. Numerous non-Muslims, on the other hand, condemn Aurangzeb for his supposedly religious fanaticism and

composition from the Muslim side. The upper class families of Turkish, Pathan, Turanian and Iranian descent looked upon themselves and were also looked upon by the rulers as the natural claimants or incumbents for higher positions of prestige and power, and even the Muslims of pure Indian origin had to struggle against stiff competition from nobles originating from the Islamic heartland, as it were.

The Hindu princes and chieftains who accepted the suzerainty of the central power were accorded high honour, retained their thrones and exercised vast powers, military and civil, in their own extensive territories under the feudal system. There was a common civil law of the land, apart from personal laws which were not interfered with. The law of the land was heavily influenced by the *shariat*, but the sovereigns claimed and exercised discretionary powers in all worldly matters. The sovereigns, firmly and consistently repudiated the claim of the Islamic jurists that the jurisdiction of the *shariat* was all embracing.

The sultans and emperors, with the sole exception of Akbar, did not presume to reinterpret Islam, but merely followed the policy of 'functional secularism'. This, in effect, amounted to a pragmatic separation between the jurisdiction of the state and of religion without formally raising technical religious or doctrinal issues, such as the status of India as 'dar ul Islam', or the de jure authority of the *khalifa* over India, and so on.

Many theologians and jurists disapproved of the above mentioned pragmatic approach of the sultans who, however, persisted in their de facto functional secular approach. The rulers got moral support from sufi saints who were, in general, inclined to religious liberalism and humanism and were also more in touch with the populace, Muslim as well as Hindu. Indeed, there was a measure of tension (which persists till today) between the humanism of the sufi and the legalism of the jurist or the theologian. The best Urdu and Persian poets in India and elsewhere express this tension and exalt the spiritual ecstasy of the sufi while decrying the empty legalism of the *mulla*.

As prudent statemen, the sultans and emperors adopted a policy of non-discrimination against their Hindu subjects who constituted the overwhelming majority. This fact rather than sheer force or the supposed degradation of the Hindus helped sustain Muslim rule in medieval India for successive centuries. The overwhelming majority of the Hindus did not look upon Muslim sovereigns as foreign tyrants, or the Muslim nobility and the military as agents of exploitation of the tyrant concerned. The king or the ruler, no matter what his race or religion, was given all love and loyalty, so long as he was victorious in the battlefield. The Hindu populace, no matter what it might have thought at the time of the very first confrontation with the Turk or the Pathan invaders, soon came to look upon the Muslims as a warrior caste, one among the several castes forming the rich mosaic of Indian society. There is no doubt that when the Muslims settled down in the land of their conquest, they became in their own eyes no less than in that of the Hindus, an integral part of the already much mixed population. True, intermarriage between the Muslims and the Hindus was an unthinkable proposition. But so was intercaste marriage within the Hindu fold as such. The significant point is that the vast majority of the Indian Muslims were ethnically of Hindu stock. The weaker and socially handicapped segments of an extremely hierarchial Hindu society, bedevilled by caste taboos, had found new hopes of vertical mobility under the umbrella of Islamic social egalitarianism. In addition, Islam being the creed of the ruling class, it offered extra avenues of political power.

The sovereigns (with just one or two exceptions) treated Hindus and Muslims with paternalistic impartiality. The Hindu populace enjoyed full freedom of belief and of conscience, and were free to carry on their individual and social life just as they chose. There was absolutely no state interference in matters religious, cultural, and social. Agriculture, industry, the bulk of the trade and administration (at the lower and intermediate levels) remained in the hands of the Hindus who, however, also had access to assignments at the highest level. But at this level their proportion was considerably less because of intense

scholars to wrong conclusions regarding the actual state of affairs in medieval India. These scholars tend to ignore the fact that the Sufi approach to the problem of tolerance was quite different.

Sufis, in general, are known for their ethics of tolerance and universal love and the doctrine of the essential unity of all religions and the oneness of the human family, notwithstanding diversity of symbols and forms. Some of the Sufi utterances, really, cut so deeply into the traditional fabric of religious belief as to invite the charge of misunderstanding or blasphemy. Though the great Sufis did attract people to Islam through their elevated moral and spiritual status, their emphasis was upon inner purification of the soul rather than upon conversion to Islam. It is highly significant that Muslim sovereigns were attracted more to the Sufis than to the theologians.

The point at issue has a great relevance to our own times. It is well known that several Hindu quarters are openly hostile to the non-Hindu segment of the Indian people. Now the spoken and written words emanating from such quarters should not make the impartial observer of the Indian scene today infer that the government of the day actually practice what the Hindu communalists desire or recommend. The declared wishes or inner attitudes of a particular section of the people should not be equated with the actual policy and practice of the government of the day. Unfortunately, this is, precisely, what some scholars, politicians and religious leaders do when they bemoan the plight of Hindu society under Muslim rule in the medieval period.

No matter what some custodians of the *shariat* may have thought, the Muslim rulers of medieval India refused to mix religion and politics and followed a policy which may aptly be called 'functional secularism'. Like rulers, in general, Muslim rulers were more interested in saving their own thrones rather than in saving the souls of others. When things do not go their way, rulers often turn to spiritual help or support from religious sources and symbols. But then this is merely a recipe in times of adversity, not the staple food, for rulers.

the eternity of the Quran. Mamun, reputed for his great contribution to culture and learning, sought to impose his own *Mutazalite* view upon the *Asharite* theology of the great jurist. Ironically, Muqtadir reversed the position and persecuted the *Mutazalites*, expelling them from public office. Self-appointed censors invaded homes and burnt objectionable literature. Under Mustanjid, the writings of Ibn Sina were burnt in 1150. In 1192 Abdus Salam, the noted scholar of Baghdad, was accused of atheism and his library was burnt. The persecution of the great mystic, Mansur Hallaj (d. 922) is well known.

Notwithstanding the above, the Muslims in history have shown far greater tolerance than the Christians or Jews in the same period. All impartial historians, including reputed non-Muslim scholars concede the atrocious behaviour of the Christian crusaders towards the Muslims and Jews in the territories the crusaders had temporarily conquered from the Arabs and which remained under Christian rule for an interregnum of approx. 80 years. The defenders of the Cross unleashed a reign of terror and incredible brutality, not only against the non-Christians of Palestine, but against the local fellow Christians themselves who were far happier under Islamic rule than under the Cross.

THE PRACTICE OF TOLERANCE IN MEDIEVAL INDIA

Let us now review the practice of tolerance in medieval India. We should avoid drawing hasty and sweeping conclusions from selective views and attitudes and take the totality of facts into account. We would be guilty of 'simplism' if we were to give undue significance to the views of a section of the *ulama* who bemoaned the friendly relations between Muslims and non-Muslims and the power and position of Hindu nobles and top administrators, on the ground that the *shariat* (as interpreted by them) prohibited friendly intercourse between Muslims and the polytheists. Some theologians were not even averse to the permissibility of coercion for saving the souls of heathens, even as a doctor may forcibly administer a bitter medicine for the patient's own good. The expression of such ideas in the writings of some Muslim divines has led some historians and

Abbasid Caliphs appointed Christians as Viziers (Prime Ministers), Ibn Sa'id Yaqut being the most famous. The Caliph Muttaqi (d.944) had a Christian Vizier. Caliph Mutazid (d.902) appointed a Christian as the head of the war office, and a Jew, Muhammad bin Ubaidullah, as the Vizier. The Fatmide Caliph, Aziz (d.996) appointed a Jew, Yaqub bin Killis, as the Vizier. Eventually, Yaqub became a Muslim. Aziz later appointed Isa bin Nestorius, a Christian, as a Vizier. The head of the Babylonian Jews in Baghdad was greatly venerated by the Muslims who viewed him as the direct descendant of David.

Abdur Rahman I (d. 788) of Muslim Spain continued the liberal tradition of the Damascus Caliphate. Hakam I (d.822), was opposed to the mixing of religion with politics. and stood for restricting the *shariat* to purely religious matters, Abdur Rahman II (d.852) showed the utmost tolerance to Christians who wielded great power in society. Abdur Rahman III (d.961), the greatest of all the Caliphs of Muslim Spain and one of the greatest rulers of the world, continued the liberal tradition at Cordova. Spain produced a galaxy of poets, thinkers scientists, historians, artists, architects, manufacturers who came from among the Jews and the Christians, no less than Muslims, and made a permanent contribution to the sum total of human civilisation and culture. The Ottoman Caliphs of Turkey also practised the same liberal tradition, throughout their very extensive multi-racial and multi-religious empire. The Jews and Christians (both Catholics and protestants) were given the highest posts in the realm and even dominated the industrial and commercial life of the state. Even the personal body guard of the Caliphs called the Jannisaries were Christians.

Coming to the dark side of the picture, several Caliphs (no matter what their other qualities and good points) deviated, in varying degrees, from the Islamic doctrine of tolerance, and discriminated against non-Muslims and some even persecuted doctrinal dissent within the fold of Islam itself. The most striking case of persecution of doctrinal dissent within Islam is Mamun's prolonged presecution of the great jurist, Imam Ibn Hanbal, concerning the theological doctrine of

rawn out affair extending to almost two centuries in Syria, Iraq, Iran, Egypt and other places. The Zoroastrians of Iran who migrated to India (and who came to be known as 'Parsis') on the alleged ground of persecution were only a tiny fragment of the Iranian population, the majority of which stayed behind, gradually taking to Islam. In a slow and prolonged process of cultural inter-action between the ancient and rich culture of the Iranians, and the Quranic and semitic concepts represented by the Arabs, several elements of Iranian thought and culture became an integral part of the growing Islamic tradition. The same process was repeated later on in India, and subsequently, in Malaysia and Indonesia, with respect to their pre-Islamic Sanskrit cultures.

The Prophet himself had set the tradition of tolerance and of inter-religious dialogue from the very beginning. On being forced to migrate to Medina, the Prophet's agreement with the local residents stipulated mutual friendship and aid for all citizens, irrespective of their religion. Political expediency and breach of solemn promises by the Jews impaired the inter-religious solidarity, friendship and harmony visualised by the Prophet. Indeed, the burden of the Prophet's Islamic message lay in continuity of the great Semitic tradition of the Jews as well as the Christians. The friendly relations between the Prophet and the Emperor of Ethiopia are well known.

Caliph Umar refused to pray inside the Christian Church at Jerusalem (despite requests by the Christians) lest this provide an excuse, later on, for its conversion into a mosque. Umar also had the sagacity and the moral courage to prohibit the Arab conquerors of Egypt from displacing the local farmers from their fertile lands in the Nile valley.

Coming to the Umayyad period we come across numerous instances of harmonious relations and friendship between Muslims and non-Muslims. The wife of Caliph Muawiyah (d. 680) was a Christian, as also his secretary of finance. Al-Jasri, governor of Iraq, under Caliph Hisham (d. 743) built a church at Kufa to please his mother who was a Christian. Hisham also appointed Zoroastrians to public office. The

movement, we would, in either case, be reductively simplifying a complex historical phenomenon.

The expansion of Arab power was the result of successful aggression against neighbouring states. In this sense, therefore, the Arabs were not tolerant. But once the power of the Caliph was established, on the basis of victory in battle or through voluntary submission, in the face of superior military might, the Arab Muslims immediately put the Islamic doctrine of tolerance into practice. The people in the conquered territory were invited to accept Islam and become partners, enjoying equal rights, in the task of world-Islamisation. Failing this, they could live and carry on their normal activities as '*dhimmis*', protected non-Muslims living in an Islamic state. Though the '*dhimmis*' had a lower status, it was certainly not a lowly status or a mere euphemism for slavery. In any case, there was no recourse to forced conversion of the conquered people. It is, precisely, in the treatment meted out to the '*dhimmis*' that Islamic tolerance came into full play. It may be held that Islamic tolerance falls short of the modern idea of tolerance implying complete equality of status, irrespective of religion. Yet, both in theory and practice, the Arab conquerors committed to Islam were ahead of the times in regard to humane rules of war, treatment of prisoners and of subjugated people who were unwilling to embrace Islam. Historians of repute, including eminent non-Muslim scholars, testify to the above.

The '*dhimmis*' had an honourable place in every sphere of life. Short of becoming the head of state, they rose to positions of eminence in the service of the state, business, industry, commerce, banking, medicine and the pursuit of learning. In the course of time, the majority of '*dhimmis*' got converted to Islam. But this was certainly not the result of force but of social psychological, political and ideological factors. The great achievement of the early Muslims and Islamic creativity in almost every field of human endeavour genuinely moved millions of Christians, Jews and others to embrace the new faith, as had happened earlier in the case of Christianity and Buddhism.

The process of formal conversion to Islam was a long

religion does so. The Islamic tradition permits marriage between Muslim men and non-Muslim women belonging to the 'people of the book' (*ahl-e kitab*). Muslim women are, however, not permitted to marry non-Muslim men. The 'people of the book' meant, in practice, only the Jews and the Christians, to begin with. Later on the Zoroastrians were also included, but not other religious groups.

ISLAMIC TOLERANCE IN PRACTICE :

The Islamic doctrine of tolerance found the fullest expression in the practice of the Prophet and the pious Caliphs, The Umayyad and Abbasid Caliphs also practised tolerance in the vast regions which gradually became a part of the Islamic Commonwealth, The term 'practice' should, however, be taken to mean 'usual behaviour' rather than 'invariable behaviour'.

The Prophet had brought about the political unification of the Arab tribes shortly before his death, This great achievement represented the combined victory of Arab nationalism over centrifugal tribalism, as also of Islam as the revised version of ancient Judaism and Christianity. The hitherto camel-drivers, petty traders and free-booters of the desert, emerged from the back-waters of history, on the world-stage of history. The almost unbroken chain of military victories against the then super-powers inevitably fostered a new self-image of the Arab emerging elite. In this self-image were inextricably mixed Arab nationalism and faith in Islam, as the final world religion—the completion of God's favours and blessings on mankind. Gushing springs of self-assertion and valour, born from the fusion of Arab pride and Islamic commitment, burst forth from the arid deserts of Arabia, taking the world by storm, as it were. The incredible momentum of the Arab-Islamic revolution of the 7th. century has, historically speaking, not yet been surpassed in the annals of world history. Arab expansion was the result of neither pure racial imperialism, nor of pure Islamic missionary zeal, but rather an inextricable combination of both. If we look upon the Arab expansion as nothing but territorial aggrandisement, or as nothing but a spiritual or missionary

doctrines are much later developments and have no place in the Quran or in the practice of the Prophet and the pious Caliphs.

DAR-UL-ISLAM & DAR-UL-HARB (LANDS OF ISLAM & LANDS OF WAR) :

The Islamic doctrine of tolerance presupposes the division of the world into the land of Islam and of non-Islam, and the desirability or duty of the entire world becoming the land of Islam, under the Fatherhood of God and the prophethood of Muhammad, and finally the duty of the Muslims to work for the consummation of the above ideal. The traditional Islamic doctrine affirms a state of continuing conflict between Islam and non-Islam. However, there is room, on a temporary basis, for a transitory truce, no-war pacts, or treaties of mutual aid. The sanctity of contracts and promises is greatly stressed by Islam as is the duty to be just and fair to all human beings, irrespective of their religion. Islamic jurists were the first to frame a code of conduct for Muslim participants in war and also for Muslims living in the land of non-Islam.

RESPECT FOR PLACES OF WORSHIP :

The Islamic doctrine of tolerance categorically prohibits desecrating any place of worship, or forcibly using it for Islamic worship. However, the Prophet did remove the idols from the *Ka'ba* at Mecca on the ground that the *Ka'ba* was, originally, a mosque built by Abraham. The Prophet viewed the 'cleansing' of the *Ka'ba* from idols as the restoration of a monotheistic place of worship to its original status. This is a solitary instance of a house of worship having been 'cleansed' in the life of the Prophet or the pious Caliphs. Syria was conquered during the caliphate of Abu Bakr, Iraq, Iran and Egypt during the caliphate of 'Omar, and Khurasan during that of 'Usman. No expansion took place during the caliphate of 'Ali. The combined period of the pious Caliphate amounts to approximately 30 years, and during this entire period no place of worship was desecrated, nor any icon destroyed or any encouragement given to iconoclasm.

PERMISSIBILITY OF INTER-RELIGIOUS MARRIAGE :

A unique feature of the Islamic doctrine of tolerance is that Islam permits inter-religious marriage, when no other

territory became part of 'the land of Islam' (*dar ul Islam*); those inhabitants who were not willing to embrace Islam, though willing to give up fighting (open as well as concealed) were entitled to full protection of life and property and to freedom of belief and of practice of their religion, and the carrying on of their normal means of livelihood, provided they paid '*jizya*', a special discriminatory tax on an annual per capita basis. Women, children, the aged and the infirm were exempted.

The concept of the '*jizya*' was patterned after the ancient practice in Iran and fully harmonised with the spirit of the times. The logic of '*jizya*' was that it was a substitute tax in lieu of '*zakat*' which was obligatory upon Muslims alone. Moreover, defence of the state against external attack was also obligatory upon the Muslims but optional for the '*dhimmis*'. *Dhimmis*, who opted for military or defence purposes got exemption from the '*jizya*', just like the Muslim citizens. It is significant that without the '*jizya*' the economic liability of the Muslims would have exceeded that of the '*dhimmis*'. In fact the '*jizya*' kept both categories on par, in economic terms. Moreover, the Islamic establishment actually protected the '*dhimmis*' against the land hunger of the Muslims themselves. In short, in actual practice, the '*jizya*' was not a penal tax, but merely a more or less functional substitute tax for a class of people, the non-Muslim citizens, who, by definition, could not attract all the rights and obligations associated with Islam, but wished to live in the land of Islam.

The '*dhimmis*' were not subject to any humiliating disabilities, either in theory, or in practice, mentioned in the so called 'Compact of 'Omar'. This document is attributed to the great Caliph 'Omar'. Modern research (thanks to the labours of reputed Western scholars, no less than Muslims themselves) has exploded the myth of the so called compact. 'Omar II (d. 702), the Ummayyad Caliph, who came on the scene more than half a century after the pious Caliph 'Omar, did put some restrictions upon the '*dhimmis*'. and, subsequently, some jurists did adopt a discriminatory approach against non-Muslims. But even 'Omar II did not issue any Compact at all, and he should not be held responsible for some subsifful juristic excesses. These

will never pardon them, nor will He guide them unto a way.
(an-Nisa, 4: 137)

O ye who believe ! whoso of you becometh a renegade from his religion, (know that in his stead) Allah will bring a people whom He loveth and who love Him, humble toward believers, stern toward disbelievers, striving in the way of Allah, and fearing not the blame of any blamer. Such is the grace of Allah which He giveth unto whom He will. Allah is a All-Embracing, All-Knowing. (al-Maidah. 5:54)

The above verses certainly do not lend themselves to the traditional Islamic sanction of death to the apostate.

APOSTASY :

Apostasy became a major issue after the death of the Prophet when some Arab chieftains who had earlier accepted the Prophet's call to Islam decided to repudiate Islam or the authority of the successor to the Prophet. It seems that two logically distinct issues, namely, repudiation of the Islamic creed proclaimed by the Prophet, and repudiation of the political authority or supremacy of the successor, to the Prophet were intertwined in the historical developments after the passing away of the Prophet. In other words, the ideas of apostasy and of rebellion were compresent in the response of the Arab chiefs concerned. The Islamic establishment deemed rebellion to be punishable by death without going into a depth analysis of the total situation. Had this been done at that early stage, the founding fathers of the Islamic jurisprudence may well have arrived at a distinction (valid and essential for the modern mind) between the repudiation of a religious commitment and the repudiation of political supremacy. Perhaps, it was extremely difficult for the persons concerned to make this distinction between apostasy and rebellion. In any case, the two were (most probably) mixed motivationally and functionally. And the law provided a common penalty for two human responses which, in the ultimate analysis, are qualitatively quite different from each other.

THE STATUS OF DHIMMIS :

The Islamic doctrine of tolerance prohibited force as an instrument of conversion. The doctrine held that once a

Allah forbiddeth you only those who warred against you on account of religion and have driven you out from your homes and helped to drive you out, that ye make friends with them (All) such are wrong-doers. (al-Mumtahanah, 60:7-9)

O ye who believe ! The idolaters only are unclean. So let them not come near the Inviolable Place of Worship after this their year. If ye fear poverty (from the loss of their merchandise), Allah shall preserve you of His bounty if He will. Lo ! Allah is knower, Wise. (al-Bara'at. 9:28)

He it is who hath sent His messenger with the guidance, and the Religion of Truth, that He may cause it to prevail over all religion, however much the idolaters may be averse. (al-Taubah, 9:33)

And whoso seeketh as religion other than the Surrender (to Allah), it will not be accepted from him, and he will be a loser in the Hereafter. (Al-i-Imran, 3:85)

A person who has an open mind and who reads the above two sets of Quranic verses, in their proper context, would, most probably, say that the Quran preaches tolerance in the modern sense of the term. However, the traditional Islamic interpretation, is different. According to the traditional interpretation, the clear and categorical Quranic text 'there is no compulsion in religion', and several other verses mentioned above, imply merely the prohibition of conversion by force. But this prohibition does not rule out the death penalty for apostasy, according to the *Shariat*. In other words, while use of force for conversion to Islam is prohibited, use of force is not deemed to be evil and abhorrent for preventing a Muslim from going over to another faith. Thus, Islamic jurists of all schools declare that once a person accepts Islam, he forfeits the freedom to repudiate his allegiance to Islam. Should he do so, he attracts the death penalty. But there appears to be absolutely no warrant for this extreme view in the relevant verses of the Quran. The Quranic verses are as follows :

Lo ! those who believe, then disbelieve and then (again) believe, then disbelieve, and then increase in disbelief, Allah

O ye who believe ! Choose not disbelievers for (your) friends in place of believers. Would ye give Allah a clear warrant against you ? (an-Nisa, 4 : 144)

O ye who believe ! Take not the Jews and Christians for friends. They are friends one to another. He among you who taketh them for friends is (one) of them. Lo ! Allah guideth not wrong-doing folk. (al-Maidah, 5 : 51)

O ye who believe ! choose not for friends such of those who received the Scripture before you, and of the disbelievers, as make a jest and sport of your religion. But keep your duty to Allah if ye are true believers. (al-Maidah, 5:57)

O ye who believe ! choose not your fathers nor your brethren for friends, if they take pleasure in disbelief rather than faith. Whoso of you taketh them for friends, such are wrong-doers. (al-Bara'at, 9:23)

Then, when the sacred months have passed, slay the idolaters wherever ye find them, and take them (captive), and besiege them, and prepare for them each ambush. But if they repent and establish worship and pay the poor-due, then leave their way free. Lo ! Allah is Forgiving, Merciful. (al-Bara'at, 9:5)

It may be that Allah will ordain love between you and those of them with whom ye are at enmity. Allah is Mighty, and Allah is Forgiving, Merciful.

Allah forbiddeth you not those who warred not against you on account of religion and drove you not out from your homes, that ye should show them kindness and deal justly with them. Lo ! Allah loveth the just dealers.

When they listen to that which hath been revealed unto the messenger, thou seest their eyes overflow with tears, because of their recognition of the Truth. They say : Our Lord, we believe. Inscribe us as among the witnesses. (al-Ma'da, 5 : 83)

Those unto whom we gave the Scripture before it, they believe in it.

And when it is recited unto them, they say : we believe it. Lo ! it is the Truth from our Lord. Lo ! even before it we were of those who surrender (unto Him). (al-Qasas, 28 : 52-53)

~ Here are those Quranic verses which, prima facie, contradict the spirit of humanism, but which do not really negate tolerance (as explained earlier) when their historical context is understood :

Let not the believers take disbelievers for their friends in preference to believers. Who so doeth that hath no connection with Allah, unless (it be) that ye but guard yourselves against them, taking (as it were) security. Allah biddeth you beware (only) of Himself. Unto Allah is the journeying.

(al-i-'Imran, 3 : 28)

O ye who believe ! Take not for intimates other than your own folk, who would spare no pains to ruin you; they love to hamper you. Hatred is revealed by (the utterance of) their mouths, but that which their breasts hide is greater. We have made, plain for you the revelations if ye will understand.

(al-i-'Imran, 3 : 118)

Those who choose disbelievers for their friends instead of believers, do they look for power at their hands ? Lo ! all power appertaineth to Allah. (an-Nisa, 4 : 139)

They long that ye should disbelieve even as they disbelieve, that ye may be upon a level (with them). So choose not friends from them till they forsake their homes in the way of Allah; if they turn back (to enmity) then take them and kill them wherever ye find them, and choose no friend nor helper among hem. (an-Nisa, 4 : 89)

And for every nation have we appointed a ritual, that they may mention the name of Allah over the beast or cattle that He hath given them for food; and your God is one God, therefore surrender unto Him. And give good tidings (O Muhammad) to the humble. (al-Hajj 22 : 34)

Unto each nation have we given sacred rites which they are to perform; so let them not dispute with thee of the matter, but summon thou unto thy Lord. Lo I thou indeed followest right guidance. (al-Hajj 22 : 67)

Say : O people of the Scripture ! Ye have naught (of guidance) till ye observe the Torah and the Gospel and that which was revealed unto you from your Lord. That which is revealed unto thee (Muhammad) from thy Lord is certain to increase the contumacy and disbelief of many of them. But grieve not for the disbelieving folk. (al-Maidah, 5 : 68)

Let the People of the Gospel judge by that which Allah hath revealed therein. Whoso judgeth not by that which Allah hath revealed, such are evil-livers. (al-Ma'idah, 5 : 47)

Naught is said unto thee (Muhammad) save what was said unto the messengers before thee. Lo : thy Lord is owner of forgiveness, and owner (also) of dire punishment.

(Ha-M m, 41 : 43)

Whoso bringeth a good deed will receive tenfold the like thereof, while whoso bringeth an ill deed will be awarded but the like thereof, and they will not be wronged.

(al-An'am, 6 : 161)

And Lo I of the People of the Scripture there are some who believe in Allah and that which is revealed unto you and at which was revealed unto them, humbling themselves before Allah. They purchase not a trifling gain at the price of the relations of Allah. Verily their reward is with their Lord, and Allah is swift to take account. (al-i-'Imrah, 3 : 199)

Lo : this your religion, is one religion, and I am your Lord, so worship me.

And they have broken their religion (into fragments) among them, (yet) all are returning unto Us.

Then whoso doth good works and is a believer, there will be no rejection of his effort. Lo ! we record (it) for him.

(al-Anbiya, 21 : 94)

Say : Obey Allah and obey the messenger. But if ye turn away, then (it is) for him (to do) only that wherewith he hath been charged, and for you (to do) only that wherewith ye have been charged. If ye obey him, ye will go aright. But the messenger hath no other charge than to convey (the message) plainly. (an-Nur, 24 : 54)

Remind them, for thou art but a remembrancer, Thou art not at all a warder over them. (al-Ghashiyah, 88 : 21, 22)

And they say : None entereth Paradise unless he be a Jew or Christian. These are their own desires. Say : Bring your proof (of what ye state) if ye are truthful. Nay, but whosoever surrendereth his purpose to Allah while doing good, his reward is with his Lord : and there shall no fear come upon them neither shall they grieve. (al-Baqarah, 2 : 111, 112)

And the Jews say the Christians follow nothing (true), and the Christians say the Jews follow nothing (true); yet both are readers of the Scripture. Even thus speak those who know not. Allah will judge between them on the Day of Resurrection concerning that wherein they differ. (al-Baqarah, 2 : 113)

The Jews and Christians say : We are sons of Allah and loved ones. Say : why then doth He chastise you for your sins ? Nay, ye are but mortals of his creating. He forgiveth whom He will, and chastiseth whom He will. Allah's is the Sovereignty of the heavens and the earth and all that is between them, and unto Him is the journeying. (al-Maidah 5 : 18)

Lo : those who believe and those who are Jews, and Sabaeans, and Christians — whosoever believeth in Allah and the Last Day, doth right — there shall no fear come upon them neither shall they grieve. (al-Ma'ida, 5 : 69)

And unto thee have We revealed the Scripture with the truth, confirming whatever Scripture was before it and a watcher over it. So judge between them by that which Allah hath revealed and follow not their desires away from the truth which hath come unto thee. For each We have appointed a divine law and a traced-out way. Had Allah willed, He could have made you one community. But that He may try you by that which He hath given you (He hath made you as ye are). So vie one with another in good works. Unto Allah ye will all return, and He will then inform you of that wherein ye differ. (al-Ma'idah. 5 : 48)

Had Allah willed, they had not been idolatrous. We have not set thee as a keeper over them, nor art thou responsible for them.

Revile, not those unto whom they pray beside Allah lest they wrongfully revile Allah through ignorance. Thus unto every nation have We made their deed seem fair. Then unto their Lord is their return, and He will tell them what they used to do.

(al-An'am, 6 : 107, 108)

And if thy Lord willed, all who are in the earth would have believed together. Wouldst thou (Muhammad) compel men until they are believers ?

It is not for any soul to believe save by the permission of Allah. He hath set uncleanness upon those who have no sense. (Jonah, 10 : 99,100)

Say : O mankind : Now hath the Truth from your Lord come unto you. So whosoever is guided, is guided only for (the good of) his soul, and whosoever erreth erreth only against it. And I am not a warder over you. (Jonah, 10 : 108)

Say (O Muslims) : We believe in Allah and that which is revealed unto us and that which was revealed unto Abraham and Ishmael and Isaac, and Jacob, and the tribes, and that which Moses and Jesus received, and that which the Prophets received from their Lord. We make no distinction between any of them, and unto Him we have surrendered. (al-Baqarah, 2:136)

Lo : those who disbelieve in Allah and His messengers, and seek to make distinction between Allah and his messengers, and say : We believe in some and disbelieve in others, and seek to choose a way in between : Such are disbelievers in truth, and for disbelievers We prepare a shameful doom

But those who believe in Allah and His messengers and make no distinction between any of them, unto them, Allah will give their wages; and Allah was ever Forgiving, Merciful (an-Nisa, 4 : 150-152)

The Messenger believeth in that which hath been revealed unto Him from his Lord and (so do) the believers. Each one believeth in Allah and His angels and His scriptures and His messengers—we make no distinction between any of His messengers—and they say, we hear, and we obey. (Grant us) Thy forgiveness, our Lord ! Unto thee is the Journeying.

(al-Baqarah 2 : 285)

Verily We sent messengers before thee, among them those of whom we have told thee, and some of whom We have not told thee; and it was not given to any messenger that he should bring a portent save by Allah's leave, but when Allah's commandment cometh, (the cause) is judged aright, and the followers of vanity will then be lost. (al-Mumin, 40 : 78)

Lo : those who believe (in that which is revealed unto thee, Muhammad), and those who are Jews, and Christians, and Sabaeans — whoever believeth in Allah and the Last Day and doth right — surely their reward is with their Lord, and there shall no fear come upon them neither shall they grieve. (al-Baqarah. 2:62)

concept of tolerance, at its best. But this fact should not depress the Muslim believer or surprise the historian of ideas.

The Quran also contains several injunctions which *Prima-facie*, negate the spirit of humanistic love and tolerance. But contextual enquiry and textual scrutiny of the relevant verses, scattered in different parts of the Quran, show, beyond any doubt, that these injunctions were temporary regulations during the state of war or belligerency rather than basic maxims of conduct. A comparative study of the Quranic texts, in the light of the situational context of the revelation, confirms the view that humanistic love and tolerance are the fundamental directive principles of the Quran, while mistrust of non-Muslims, social exclusiveness and harshness towards non-believers were merely temporary rules or security measures during the state of belligerency.

I shall now cite some Quranic texts which suggest and prescribe tolerance, inter-religious harmony, the essential oneness of all religions and the continuity of the Divine message to the human family as a whole, the equal importance of good deeds (together with faith) as the basis of salvation, a permissive approach to the diversity of religious faiths, and lastly, but not less importantly, verses which affirm that moral goodness cuts across groupings made on the basis of religion.

Says the Quran :

There is no compulsion in religion. The right direction is henceforth distinct from error. (Al-Baqarah, 2:256)

Unto you your religion, and unto me my religion.

(al-Kafirun, 109:6)

Say (O Muhammad) : We believe in Allah and that which is revealed unto us and that which was revealed unto Abraham and Ishmael and Isaac and Jacob and the tribes, and that which was vouchsafed unto Moses and Jesus and the Prophets from their Lord. We make no distinction between any of them, and unto Him we have surrendered. (al-i-Imran, 3:84)

as such, in such a subtle and unobtrusive manner that the distinction between the text and its interpretation virtually disappeared. This led, in the course of time, to a situation where the inevitable imperfections of fallible individuals and the limitations of the spirit of the age in which they lived came to be projected on the 'Word of God' or the 'Book' as such. The fall of the titular Abbasid Caliphate (1258) at the hands of the Mongol hordes put the last nail in the coffin of the Islamic creativity of the earlier days. The tradition lost, for centuries to come, its inner dynamism and creativity in an ever-changing human situation.

It is, therefore, imperative to make a clear distinction between the Quranic texts, as such, dealing with tolerance (or any other concept or belief for that matter) and the traditional understanding or interpretation thereof. According to the orthodox view, the traditional understanding is based upon the precepts and practice of the Prophet, the pious Caliphs and authoritative jurists. We must, however, realise that, firstly, all natural languages (including Quranic Arabic) are inevitably open to diverse interpretations, specially in the case of metaphysical, metaphorical, evaluative and directive uses of language. Secondly, whenever we act on the basis of a general statement or command, diverse interpretations of the 'real' meaning become unavoidable. In other words, the principle of plural interpretations is an in-built feature of the Quran no less than of other scriptures or of language in general. While the traditional interpretation of the Quranic texts is certainly worthy of respect by Muslims belonging to the tradition concerned, no individual, school or system can rightly claim absoluteness or finality in an ever changing human situation. The inevitable growth or movement of thought will inevitably and rightly suggest fresh interpretations of the scripture of Islam as of other religions.

Coming to the subject of tolerance, the Quran abounds in verses which suggest, rather prescribe, tolerance of a high order. It is quite another matter that the traditional interpretation of the texts concerned is not in full harmony with the modern

THE ISLAMIC DOCTRINE OF TOLERANCE:

The concept of tolerance in Islam is derived from the Quran and the practice of the Prophet. The core ideas set forth in the 'Book and the example' (of the Prophet) were developed by the great Islamic jurists and theologians who shaped the Islamic tradition between the 8th and the 10th centuries. The scattered Quranic verses revealed intermittently, over a period of 23 years, were collected and compiled, within a few years after the passing away of the Prophet, by Caliph Abu Bakr (according to one version), and by Caliph Osman (according to another version). If not by the Prophet himself. The reported sayings and doings of the Prophet were, however, put into writing, sorted and classified a little less than 200 years after the Prophet's passing away. Meanwhile, the four great jurists of Sunni Islam, and Imam Ja'far, (representing the Shi'ite school of law) had already produced full-fledged systems of Islamic piety and polity (*shari'at*) covering every aspect of life on the basis of their own reflective understanding of the Quran and the example of the Prophet and his pious companions. The different schools of law founded by Abu Hanifa (d. 767), Malik (d. 795), Shafi'i (d. 820), Hanbali (d. 855), and Ja'far Sadiq (d. 765) crystallised after the Umayyid Caliphate had been displaced by the Abbasid wing of the Prophet's family. The Umayyid Caliphs, who were more self-reliant or independent in their judgment on public matters, had adopted a more or less eclectic and pragmatic approach to Islamic polity, under the influence of Iranian and Roman ideas, which were adopted to promote the social dominance and economic interests of the Arab ruling class. During this period Islamic piety was focussed, more on the five pillars of the religion, rather than on the social aspect of the *shari'at*.

The flowering of thought and culture that took place in the middle Abbasid period, on the basis of the spadework earlier done under the Umayyid Caliphate, led to the full growth of the *shari'at* whose authority became almost indistinguishable from the 'Book' as such. The interpretations of the 'Word of God' came to be super-imposed upon the Quranic text,

to resort to a civil marriage. The Jews still have their problems of emotional distance or prejudice. In America the Catholics would not readily give full marks to the overwhelming Protestant majority on the issue of who should occupy the White House and other such issues. However, the movements of Unification Theology and Inter-religious dialogues, Human Rights and so on are all contributing to the desired goals.

The communications revolution of the late 20th century bears the promise of ushering in a multi-cultural global society. Almost every nation or linguistic and religious group, hitherto steeped into an ethno-centric outlook, has been exposed to multi-cultural stimuli and to the knowledge explosion. The tribals of a remote village in India mingle with the folk dancers from USSR, or listen to the music at St. Peter's; a Puritanical *mulla* of a mosque in the interior of Pakistan or Afghanistan watches the temple-dancers of India or Indonesia, and so on. The sheer force of technology has shattered the cultural insularity of the past. Great diversity and disparity certainly characterise the human situation, and there is, as yet, no common language, no common religion, political authority or economic system. Yet, the awareness of cultural plurality is steadily steering the human family in the direction of permissiveness and tolerance in all cultural matters including religious belief or faith. The phenomena of religious fundamentalism, violence and terrorism do raise fears of an impending catastrophe round the corner. However, in my thinking, though the fundamentalists or terrorists may win the battles, here and there, the humanists are going to win the war.

Secular Humanism, when not equated with atheism, does not destroy genuine religious feeling and spirituality, it merely rejects that form of religion which seeks to regulate the total behaviour of the believer and which, furthermore, divides humanity into 'we-they camps' with respect to every sphere of human activity. Religious tolerance, when not equated with indifference, is not the axe which destroys the tree of faith, but rather the fruit which grows upon it.

established in 1649, also ensured complete toleration, though the state had retained the traditional principle of 'jurisdiction' i.e., the jurisdiction of Christianity over the state.

The first large modern state, founded on the principle of separation of church and state, is the United States of America. The principle of separation was applied here even earlier than in the case of the French Republic after the Revolution. The secular constitution of the USA was, however, not the work of atheists, agnostics or materialists, but of committed Christians who sincerely and passionately had veered round to the belief that religion was essentially a personal matter which should be kept separate from the affairs of state and public issues, and the state, as a public corporation, should have no official religion. This philosophy of the nascent American Republic was the fruit of the sad and the bitter experience of the wars of religion, fanaticism and intolerance prevailing in the countries of the old world. The founding fathers of the American constitution held that the principle of jurisdiction enabled and encouraged one particular religion or sect to use the power and machinery of the state for promoting its own cause at the expense of the non-official sects or denominations. The constitution, therefore, declared the state to be neutral and equi-distant from all religions, and every citizen, irrespective of his religion or lack of religion, was guaranteed equal status, as an American citizen. The constituent states of the Federal Union were, however, granted the right to follow the principle of separation or of jurisdiction with respect to their internal matters. The principled separation of the state and the church by the founding fathers of the American constitution reflected the religious maturity of enlightened and sincere Christians who had certainly not repudiated spiritual or moral values, or even institutional religion, provided it did not over-step its proper sphere.

Mankind, however, is still far from the practice of tolerance, at its best, whether it be USA, Europe or other countries of the world. Tolerance, in the sphere of marriage between Catholics and Protestants, still does not come naturally or readily in the western world, and many sincere Christians are compelled

English sovereign proclaimed the principle of tolerance in his realm. The British Parliament passed the Act of Toleration in 1689. The philosopher, John Locke of Oxford, published in the same year his first Letter Concerning Toleration. Locke had great influence over the thinking of the period. The great philosopher was in favour of the principle of separation between church and state, but this separation, in the strict formal sense, never came about in his own country, even though it came to be implemented in the New World, as we shall shortly see. Interestingly, rather paradoxically, Locke did not extend the principle of tolerance to atheists.

Earlier the great English poet, Milton, had strongly championed the liberty of conscience. Milton declared in 1644, 'Give me the liberty to know, to utter, and to argue freely according to conscience, above all other liberties'.

The Act of Toleration of 1689, however, did not bring about complete tolerance in the modern sense of the term. It was only the first beginning of a long process of social and legal changes that eventually culminated in the establishment of full and unqualified tolerance and equality of status in the modern sense. Legal discrimination against the Jews and the Unitarian Christians continued. It is significant that the great physicist and philosopher of Cambridge, Newton (d. 1727) who was drawn to Unitarianism dared not air his views and conduct, in the open, his scholarly researches into Christianity. These disabilities were not removed until mid-19th century. Disraeli could not have become Prime Minister of England, had he been born a quarter of a century earlier.

I now turn to America which has given the greatest importance to complete religious tolerance and where the principle of separation between church and state was first applied in the history of mankind. This was done in the city state of Providence on the eastern coast of the USA. The city was founded by Roger Williams in the 17th century with a view to securing complete equality and dignity to all its citizens, irrespective of their religion. The Roman Catholic colony of Maryland,

principle of jurisdiction, thereby restoring the authority of the Pope over the French constitution. Napoleon thought that 'using the Pope as an instrument he could control the consciences of men and more easily carry out his plans of empire'. The Concordat lasted till 1905 when the principle of 'separation' (first applied in 1795) was restored in France.

The story of the birth of religious tolerance in Germany is far more consistent than the French experience, until the advent of Hitler's ideology implying racial as well as religious intolerance of the worst kind in human history. Germany, however, had to go into an incredibly prolonged and tragic baptism of fire and blood in the form of the Thirty Year's war which was occasioned and fed by religious intolerance. The famous Treaty of Westphalia of 1648, which ended the infamous war, stipulated religious tolerance and equality of status to Catholics and Lutherans though not to the Jews and others. Frederick, the Great, after his accession in 1740, extended full tolerance to all, including the Jews, though the principle of 'jurisdiction' was retained and Lutheran Christianity remained the religion of the State. The great emperor, who befriended Voltaire and who had a cosmopolitan outlook, even toyed with the idea of inviting Muslim settlers in his dominion and extending them equal rights. Frederick held that 'every one should be allowed to get to heaven in his own way.' The outstanding German thinkers, poets and scholars who ushered in the German Enlightenment of the 18th and 19th centuries—Kant, Schiller, Goethe, Hegel, Dilthey et al were all great champions of religious tolerance.

Coming to England, the turning point in the history of religious tolerance in the country is the Glorious Revolution of 1688 when Queen Anne and Prince Williams were raised to the English throne after the long period of instability, strife and uncertainty which followed the beheading of King Charles I in 1649. The horrors of the Thirty Year's war brought home to Englishmen, no less than to Germans and others, the utter futility of intolerance, thereby generating a sort of moral revulsion against bigotry. It is significant that the Treaty of Westphalia was signed in 1648, and exactly forty years afterwards, the new

Trinity, but held Jesus to be the perfect man and the exemplar for all times. Though Sozzini did not affirm the separation of church and state, he stood for complete tolerance of all views within and without the Church.

It was natural for the Catholic church to fight back the different reforms and liberal Christian movements from Luther to Sozzini. Pope Paul III severely punished free enquiry in religion and science. The most tragic episode was the burning of the great scientist and thinker, Bruno of Italy, in 1600. The massacre of French Protestants had earlier taken place on St. Bartholomew's Day, 1572. At least 7000 innocents lost their lives in cold blood. The conscience of France was shocked, and, to make amends, the Edict of Nantes, 1598, ensured bare tolerance to the Protestant minority of France for almost the next hundred years. However, in 1676 persecution of Protestant recommenced and this continued until the French Revolution of 1789.

Voltaire's contribution to freedom of conscience and tolerance is well known. Though far from demanding the separation of the church and the state, he championed free enquiry and complete tolerance, though not complete equality of all citizens in the modern sense. His great contemporary Rousseau (d. 1778) had no place for atheists in public office. The French Revolution despite retaining Catholic Christianity as the 'dominant religion' of the Republic, gave the right of public office to all French citizens with the exception of Jews. Absolute or unqualified equality of status of all French citizens was established, in theory and practice, only in 1795 when the modern principle of 'separation' between the church and the state was substituted in the French Constitution in place of the earlier principle of 'jurisdiction'. According to the constitution of 1795 'Theophilanthropy', i. e., Divine Love of Man was the new official philosophy or secular religion of the state. This 'Love of Man' was claimed to be 'the religion of Socrates, Marcus Aurelius and Cicero', a religion which cut across all religions in the conventional sense. Ironically, Napoleon who claimed to be an atheist and humanist entered into a pact with the Pope in 1801 (the Concordat) and re-established the

with the full range of Greek thought and culture, their attention being focussed on translated versions of some selected writings of Aristotle and others derived from Arabic sources. The western mind now, for the first time, came in contact with the Greek classics in the original. This triggered the great cultural revolution known as the Renaissance.

The independent states of southern Italy became the cradle of the new movement which, in the course of time, radiated to the whole of Europe and transformed the intellectual, cultural, religious, political and economic climate of the entire western world. The Renaissance was soon followed by movements of religious reform in several Christian communities by Wycliffe (d. 1384), Hus (d. 1415) and Martin Luther (d. 1546). Luther's Reformation proved to be the most effective and durable, but Luther was far from being a consistent champion of freedom of conscience. Having succeeded in repudiating papal authority, in the name of liberty of conscience, Luther tried to impose his own conscience on others with the help of force. He declared Anabaptist Christians as heretics who should be put to the sword. Likewise, Calvin (d. 1564) of Switzerland, the other outstanding Protestant reformer of the age, substituted his own brand of religious and political authoritarianism in place of the Pope. Calvin stood for the organic unity of the church and the state and of spiritual and worldly power in the manner of Islamic fundamentalism today. He is generally accused of the execution of the great Spanish religious liberal, Servetus, in 1553.

The real protagonists of Christian liberalism and religious tolerance were the Italian pioneers of the Unitarian version of Christianity—Sozzini (known as Socinus in English speaking countries), Castellio and others in the second half of the 16th century. These honest and brave souls were hunted out of Rome and fled to Switzerland, Transylvania and Poland to escape the wrath of Calvin. Eventually, they took refuge in Germany, Holland, England, and finally, in the New England state of the America. The Unitarians rejected the dogma of

France. Pope Innocent III set the precedent that the Pope had the right to coerce a Christian ruler in matters, both temporal and religious, on the principle of the supremacy of the spiritual over temporal power. Shortly afterwards Pope Gregory IX initiated the idea of the Inquisition, which idea was put into practice by Pope Innocent IV in 1252. Going far beyond the punishment of heretics, the objective of the Inquisition was to pry into the inmost depths of the human soul to punish the minutest doubt or deviation from the dogmas of the Church.

The work of the Inquisition was supervised directly by the Pope over the head of the Bishops who had no say in the secret workings of a super investigative net-work throughout the Western Christendom. The most ruthless agency of this Papal tyranny was the Spanish Inquisition which concerned itself not merely with Christian heretics but also with the persecution of Spanish Muslims.

In 1556 Philip II decreed that Muslims should abandon 'at once' their language, worship, institutions and manner of life. The final order of expulsion was given by Philip III in 1609, and more than three million Muslims were executed or banished from Spain.

Not less tragic than the persecution of heretics was the persecution of women dubbed as witches in medieval Christendom. As late as 1484 Pope Innocent VIII said in a Bull that plague and storms were the work of witches.

THE IDEA AND PRACTICE OF TOLERANCE IN THE MODERN AGE :

The capture of Constantinople by the Turks in the mid-15th century and the final collapse of the Eastern wing of the Roman Empire .(Byzantium) is another turning point in world history. Christian scholars who were exclusive custodians of the Greek classics in the original, migrated to the Italian mainland which was the seat of the Pope and an integral part of western Europe. Till that time Western Church fathers, scholastic thinkers and writers were not acquainted

point of the sword as, indeed, political expansions do in history. But Islam, as a religious faith, was certainly not forced down upon the throats of Jews, Christians and others concerned at the point of the sword. The latter view is a totally false and perverse interpretation of facts. The truth is that the political hegemony of Islam, on the basis of an almost unceasing chain of military victories against the then super powers, had created the social psychological space for the eventual peaceful conversion of the non-Muslim subjects of the Islamic commonwealth due to a combination of social, psychological, cultural, and political factors.

Islam ushered in a plural society based upon tolerance, though the tolerance was not perfect and fell short of the modern concept of tolerance. Inter-religious co-existence and tolerance prevailed for four centuries in the territories of Islam until they were attacked by the Christian crusaders at the fag end of the 11th century. These crusades continued, with interruptions, for almost the next three centuries. Impartial western scholars of repute have pointed out that the defenders of the Cross unleashed a reign of terror, not only against the Muslims and Jews, but also the local Christians of the areas 'liberated' by the crusaders and ruled by them for approx. 80 years. Eventually the crusaders were thrown back by the legendary heroism and inspiring leadership of Sultan Salahuddin (Saladin the Great) in the early 13th century. Immediately afterwards, or almost at the same time, the Islamic world had to face the terrible fury of the Mongol hordes leading to the almost total destruction of Baghdad in 1258. Though Iran recovered after approx. 200 years, under the great Safavids, who ushered in the golden age of Persian culture and Islamic humanism, the Arabs could not recover. In fact, they regressed into a state of utter political, economic and cultural decline, lasting until the beginning of the present century.

Turning to the story of Christian militancy in the struggle for political power, Pope Innocent III, at the end of the 12th century, embarked upon the policy of penalising Christian kings adjudged to be heterodox. The most tragic victims of this policy were the Count of Toulouse and the Albigeois community in

under the reigns of Decius (d.251) and Valerian (d. 260). Numerous Christians became martyrs, though, according to modern historical research, the tales of savage persecution of the martyrs are myths. At last, better sense came to prevail, and Emperor Constantine (d. 337) inaugurated the era of religious toleration vide the Edicts of Milan of 311 and 313. Soon afterwards (approx. 321) Constantine himself embraced Christianity which became the state religion of the now Holy Roman Empire. *This was indeed a turning point in world history.*

The Christian subjects of the Roman Empire had been eulogising the virtues of tolerance for the past 200 years. But no sooner did Christianity become the official religion of the empire, the Christians started to eulogise the necessity of saving the souls of non-Christians, even by force, if necessary. The belief in exclusive salvation and the view that heretics and apostates merit death in order to be spared the everlasting punishment in hell, soon became a part of the Christian dogma. Even the great Christian father, St. Augustine, (d. 430) interpreted the saying of Jesus 'Compel them to come in', as reported in the gospel, as a permission for the use of force for the noble purpose of saving the soul of heathens or heretics.

The emperor Julian the Apostate (d. 363) stopped the persecution of heretics and pagans at the hands of the Christians who now ran the Roman empire. But it was a still-born move. Emperor Theodosius I (d. 395) resumed the policy of persecuting pagans and heretics. This state of affairs continued until the end of the 6th century.

A new era dawned in world history with the advent of Prophet Muhammad's mission in the early 7th century. Islam, though a continuation of the Semitic tradition of Monotheism, rejected the dogma of exclusive salvation (so far as the teachings of the Quran are taken into account) and welcomed Jews, Christians and all others into its rapidly expanding territories.

The political expansion of the Arab-Islamic state in the regions adjoining Arabia proper certainly took place at the

India was vitiated by the presence of intolerance in the shape of caste taboos of the worst type in human history. There was no concept of the dignity and equality of the individual, irrespective of caste, in the theory and practice of the ancient Indian tradition.

The freedom of thought and tolerance prevailing in ancient Greece and Rome was free from caste discrimination, though there were rigid class distinctions and a strongly entrenched system of slavery. The populace were ever attracted to myth and ritual, connected with religious beliefs, while philosophers to abstract reasoning. Neither the conflict between myth and reason nor the wide variety of myths and philosophical theories led to any rancour or intolerance of dissent, in the pre-Christian era. It appears that the rise of Semitic Monotheism and the denunciation of idol worship in Palestine (then under Roman occupation) created a new psychology or attitude, both among the monotheists themselves and the pagans or the worshippers of tribal deities. The Jewish prophets had prophesied the destruction of Roman glory and political supremacy because the rulers and the people did not worship the one true Lord of the whole universe. The Jewish prophets held that all those who did not worship the one Lord and who did not live up to the one right way of life, as revealed by the Lord, were wicked people and deserved to be punished by the all powerful God of Abraham and Moses. Obviously, this approach or attitude was not at all to the liking of imperial Rome. However, the Jews were treated as too insignificant a minority to be taken seriously by the mighty Romans.

The emergence of Christianity in the same region of Palestine also did not pose any serious threat to the Romans, to begin with. The emperor Domitian (d. 96), however, thought that the other-worldly concern and the repudiation of Roman gods was a potential danger to Roman solidarity; but he was not intolerant to the Christians. Emperor Trajan (d. 117) was the first to ban the propagation of the new religion, totally opposed to the Roman creed. The Christians were also subjected to mild suppression which, however, became intensified

- (d) awareness of the distinction between objective certainty and existential certainty,
- (e) awareness of man's essential historicity,
- (f) capacity for empathy,
- (g) unconditional respect for the individual on humanistic grounds.

Awareness of plural truth-claims and of man's historicity and a measure of existential perplexity are the essential conditions of tolerance. Empathy and respect for the individual who may hold different views from one's own lead to an intensification of one's existential perplexity and also of genuine humility, particularly, in the face of irresolvable differences between oneself and those whom one respects or loves. Differences in sensory taste do not lead up to inner perplexity, but irresolvable differences over moral or religious issues do lead to spiritual anxiety or perplexity.

Awareness of the plastic power of the milieu and of the essential non-demonstrability of religious convictions should convince the honest truth-seeker that religious truth-claims can never be settled by logical arguments or scientific investigation. Consequently, tolerance of diverse views is the only proper response to the essential mystery of the universe,

THE IDEA AND PRACTICE OF TOLERANCE IN ANCIENT & MEDIEVAL PERIODS :

The idea of religious tolerance was understood and practised in China, India, Greece and Rome in the ancient period. The religious and philosophical approach of the ancients was that there were many roads to salvation and the individual should be free to take any road he likes.

The Emperor Asoka (d. app. B, C 235) stood for tolerance, not merely in the sense of tolerating religious dissent, but in the higher sense of respecting plural convictions or faiths other than his own. The classical Hindu concept of '*isht devata*' (choice of deity) also reflected the same basic approach. Unfortunately, the concept of tolerance in the Sanatana Dharma of

not be the only factor. The realisation that one's cherished beliefs and convictions would have been very different, had one been born in a family professing a different faith, shows up the essentially contingent character or complexion of one's beliefs system. This realisation ought to fill one with humility as well as empathy for other traditions.

What social factors promote or retard the prospects of tolerance? It seems heterogeneity within a large autonomous group, with regard to race, language, culture or religion, plays the dual role of generating tension and conflict within the group, and at the same time, facilitating the eventual growth of tolerance. The greater the area of inner differentiation within a large and complex society, the greater the chance of conflict, as also the greater the need of mutual understanding and accomodation to prevent the disintegration of the society into smaller warring sub-groups. If the internal unity of the society, as a whole, be a crucial survival value for most members composing the large group, the will to preserve its unity will generate tolerance and mutual accomodation of diverse points of view. Since, however, the needs and interests of individuals and of sub-groups often clash with each other, and also with the society, as a whole, they may adopt strategies calculated to promote their own limited interests at the cost of the long term interest of the society as a whole.

The appeal of tolerance is relatively greater for those individuals and sections which enjoy high status or power and possess material means enough for sustaining their dominance. A few highly evolved and sensitive souls may, however, reach the level of pure morality transcending individual or group interests.

INTELLECTUAL ROOTS OF TOLERANCE :

The acceptance or awareness of the following truth promotes tolerance :

- (a) awareness of plural truth-claims,
- (b) existential perplexity,
- (c) spiritual autonomy.

7

profound humility in the face of the inscrutable mystery of reality, and of genuine respect for different perspectives and views.

SOCIAL ROOTS OF TOLERANCE :

The individual, as a child, is obviously, culturally conditioned in respect of language, morals, religious convictions, artistic as well as sensory taste, gestures and so on. Thus, he speaks not language, in general, but a particular language; he follows not religion and morality, in general, but a particular religion and moral code. Now the crucial feature of the conditioning process is that the individual is, on principle, screened from exposure to other languages, morals, religious convictions and art forms, as if, they were aberration to be concealed from the tender and innocent mind of the child. In other words, the inbuilt cultural plurality of the human situation is prevented from making its natural impact upon the individual. To a considerable extent this is a pedagogic necessity since too many cultural stimuli would, obviously, confuse and destabilise the growth of the child. But the way in which the child is more or less indoctrinated by his parents and teachers almost inevitably leads to the fallacy of cultural reification the identification of symbols with what is symbolised. Thus, the child, as well as the adult, begins to equate particular language forms with the structure of the world itself, particular moral codes with absolute morality itself, particular perspectives of reality with reality itself. In other words, the individual is made to feel, as if, his cultural world alone accurately mirrors or reflects reality, while all other cultural worlds are, more or less, miserable caricatures. Thus what is, really, a model of reality is reified as the reality as such.

The simple truth (which is difficult to learn because of our cultural conditioning) is that while reality is one, its symbols are many; that the same experience or response can be expressed in a variety of forms or ways. The crucial reason why a particular conceptual model or form appeals to me has a lot to do with my own cultural conditioning, even if this may

or atheism, but merely the principled separation of religion and politics. This must, however, not be misconstrued as the separation of morality from politics.

A tolerant person need not be apathetic to persuading others to the acceptance of his own views or values. Apathy is the true index of unconcern rather than of tolerance. However, the concern of a tolerant person for the welfare of others is tempered by humility and the passion for authentic sharing of 'the rhythm of the spirit' instead of a conceited desire to dominate others and impose one's own ideas or values, conceived as the absolute truth.

A tolerant person need not remain a silent spectator in the face of conflicting truth-claims. Tolerance is not the fear of giving offence, just as it is not the fear of commitment to a particular viewpoint. Tolerance does not conflict at all with spontaneous self-expression and active communication or dialogue, provided mutual goodwill and respect be present. Dialogue helps to promote greater harmony even though it may also bring unbridged differences into sharper focus.

A tolerant person need not appease those who disagree with him. Tolerance is an intrinsic value like love of truth or devotion to duty, while appeasement is a strategy for 'buying' agreement or peace on an ad hoc basis. A tolerant person may be extremely firm and unbending in doing his duty or in resisting evil. Tolerance may result in self-sacrifice of a martyr, while appeasement seeks the easy way out.

The birth of tolerance, however, does not signify the death of genuine faith in one's own cherished tradition. Tolerance merely signifies the willing acceptance of the view that other beliefs or convictions may also ennoble and inspire goodness and beauty in the depths of the human soul, even as one feels ennobled by one's own tradition. This approach is quite different from merely tolerating dissenting views which are deemed to be essentially evil or, at least, devoid of any real value. In other words, tolerance, at its best, is not reluctant acceptance of error, beyond our power of correction, but rather

philosopher, John Locke, who was the father of the movement of religious tolerance in 17th century England, was not prepared to tolerate atheists. Madan Mohan Malviya, a great Indian nationalist, freedom fighter, and colleague of Gandhiji, could not tolerate non-Brahmans at his dining table.

In view of the above fact that tolerance has both different dimensions and degrees, no individual or society should be judged to be tolerant or intolerant on an either-or basis. The application of a simple two dimensional either-or logic would mislead us and would fail to capture the complexity of different situations. The proper course, therefore, is to identify the different elements and degrees of tolerance or intolerance and to grade individuals or societies accordingly.

Let us now distinguish the concept of tolerance from some related or cognate concepts with which it is liable to be confused.

A person who is tolerant in religious matters need not be indifferent to religion, or be a sceptic or atheist. Indeed tolerance is perfectly compatible with the most passionate and profound religious faith and commitment to moral values. Even, if a tolerant person himself be indifferent to religion or a sceptic, he would respect those who are genuinely religious. If a person be both tolerant and courageous, he would say after Voltaire and Mill— 'I do not agree with a word of what you say, but I shall give my life to defend your right to say so'.

A tolerant person need not accept a secular approach to politics, even though a secular approach to politics helps promote religious tolerance. Tolerance may co-exist with religious fundamentalism, provided the latter is of a form which does not involve any discrimination against others on grounds of faith. Since, however, the fundamentalist versions of all religions have some in-built elements of inter-group or inter-group discrimination (in some form or other) the practice of complete tolerance does require a secular approach to politics. However, secularism, as such, is neutral with regard to theism or atheism. Commitment to secularism does not imply any corollary of theism, agnosticism

supplemented by a conceptual analysis of the core use of the word in a particular context. This core use should then be distinguished from cognate or related concepts to avoid confusion.

Contextual analysis means translating the analysandum into expressions which are simpler, clearer and conform to natural or ordinary usage rather than to the specialised usage or language of philosophers or scientists.

Let us now attempt a contextual analysis of the statement, 'Ahmad is a tolerant person'. Most of us would agree on the following contextual analyses which are illustrative rather than exhaustive :

- (a) Ahmad tries to understand the other's point of view with sympathy.
- (b) Ahmad does not believe that those who differ from him are dishonest, ill-motivated or perverse, unless there be clear evidence for this.
- (c) Ahmad realises that beliefs, attitudes or approaches other than his own could possibly be right or justifiable.
- (d) Ahmad realises that value judgments can never be proved conclusively, so that disagreement among different persons is unavoidable.
- (e) Ahmad does not allow his differences with others to cloud his judgment concerning their good points, or to make him hostile to them.
- (f) Ahmad actually befriends or is ever willing to befriend those who honestly differ from him but are decent persons.
- (g) Ahmad believes that the inherent dignity of a human being should be respected irrespective of caste, colour, creed or sex.

It may be added that tolerance has several dimensions and degrees. Thus a person may be tolerant in one sense, or with regard to a particular dimension, but not with regard to others. Again, he may be tolerant up to a particular degree but not beyond that. To give two striking examples, the British

INTRODUCTION :

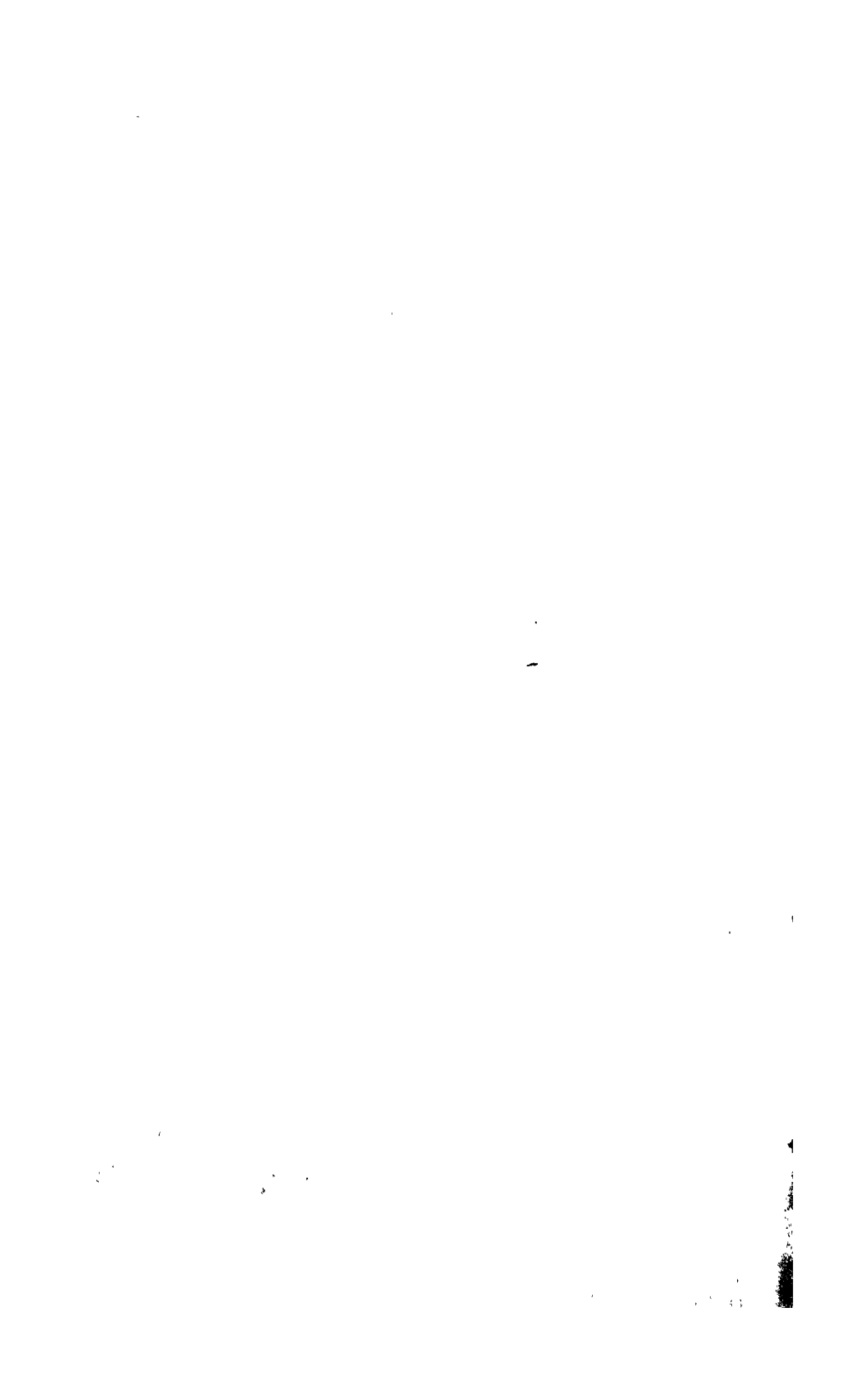
Analysing the concept of tolerance is the job of the philosopher, while describing the rule of tolerance in the history of Islam is the task of the historian. The historical question itself comprises two distinct issues, (a) what are the ideals or teachings concerning tolerance in the scriptures and the writings of theologians, jurists and saints, and (b) how far have these ideals and teachings been practised at different points of time? To confuse the above two issues, (as is not uncommon even in highly educated quarters), leads to futile controversy.

In the following pages I wish to (a) give a philosophical analysis of the concept of tolerance, as understood in the modern sense of the term, (b) give a historical review of the idea and practice of tolerance in history, (c) give a critical analysis of tolerance, as understood in classical Islamic thought derived from the Quran, and finally (d) describe how tolerance was actually practised by Muslims in the Islamic world with special reference to medieval India.

THE CONCEPT OF TOLERANCE :

The original use of the word 'tolerance' referred to tolerance of metals, of gold and silver coins, of bridges to bear stress, and of the capacity of a person to bear pain or suffering, physical and mental, i. e., the capacity for endurance. These uses of the word were gradually extended, perhaps, in the 17th and 18th centuries, to the use which concerns us here. A standard English dictionary defines tolerance as 'the disposition to tolerate or allow the existence of beliefs, practices or habits differing from one's own, now often freedom from bigotry, sympathetic understanding of others' beliefs etc., without acceptance of them...'

The diverse uses or meanings of any word shows the futility of picking upon 'the' meaning or essence of a concept. Instead, we must make a contextual analysis of the different uses of a word or expression. This analysis may well be



Khuda Bakhsh Extension Lectures, 1983

Tolerance and Islam

by

Prof. Jamal Khwaja

1. The first part of the document is a list of names and dates.

2.

C O N T E N T S

Tolerance and Islam	: Prof. Jamal Khwaja	1	✓
Zufan-i-guya wa Jahan-i-puya	: C.K. Bayafski (Leningrad) Tr. by Dr. Javed Ashraf	47	✓

Urdu/Persian Section

Zufan-i-guya Dictionary	: Ed. by Prof. Nazeer Ahmad	1	
Bhagvan Das Hindi: Life & Times	: Dr. Sharif Husain Qasimi	371	
Rare Autographs in the Khuda Bakhsh	: Dr. Md. Atiqur Rahman	377	
shAdi Khana AbAdi: A mirror of Bihar in late 19th century	: Mr. Adeeb Suhail	412	
Fars Nama of Shahjahan's period	: Hakim Siyanatullah	427	
Khuda Bakhsh manuscript of Aesop's fables	: Dr. Munazir 'Ashiq Harganvi	431	
Turkish manuscripts in the Indian Libraries	: Dr. Erkan Turkman	434	
A significant mathematical work of Khayyam	: Mr. Shabbir Ahmad Khan Ghori	436	
Islam in Bangladesh	: Dr. Mujibur Rahman	447	

Correspondence:

Oldest Urdu-Persian dictionary	: Dr. Arif Naushahi	453	✗
About Numismatics	: Dr. Ziauddin Desai	454	✗
Dr. Iqbal Husain's "dAstAn"	: Prof. Kaleem Sahsarami	455	
R.K. Shervani & Masnadi	: Mr. Tahsin Firaqi	456	

* * * * *

Printer : Liberty Art Press, 1528, Pataudi House, New Delhi.
 Publisher : Mustafa Kamal Hashmi for Khuda Bakhsh Library,
 Patna (Phone : 50109, Telex : 22-430 KBL IN)
 Editor : Dr. A. R. Bedar.
 Annual Subscription : Rs. 100/- (Inland) US\$ 20 (Asian Countries),
 US\$ 40 (Other Countries). Rs. 25/- Per Copy
 Price (this issue) Rs. 50/-.

1

2

3

4

5

6

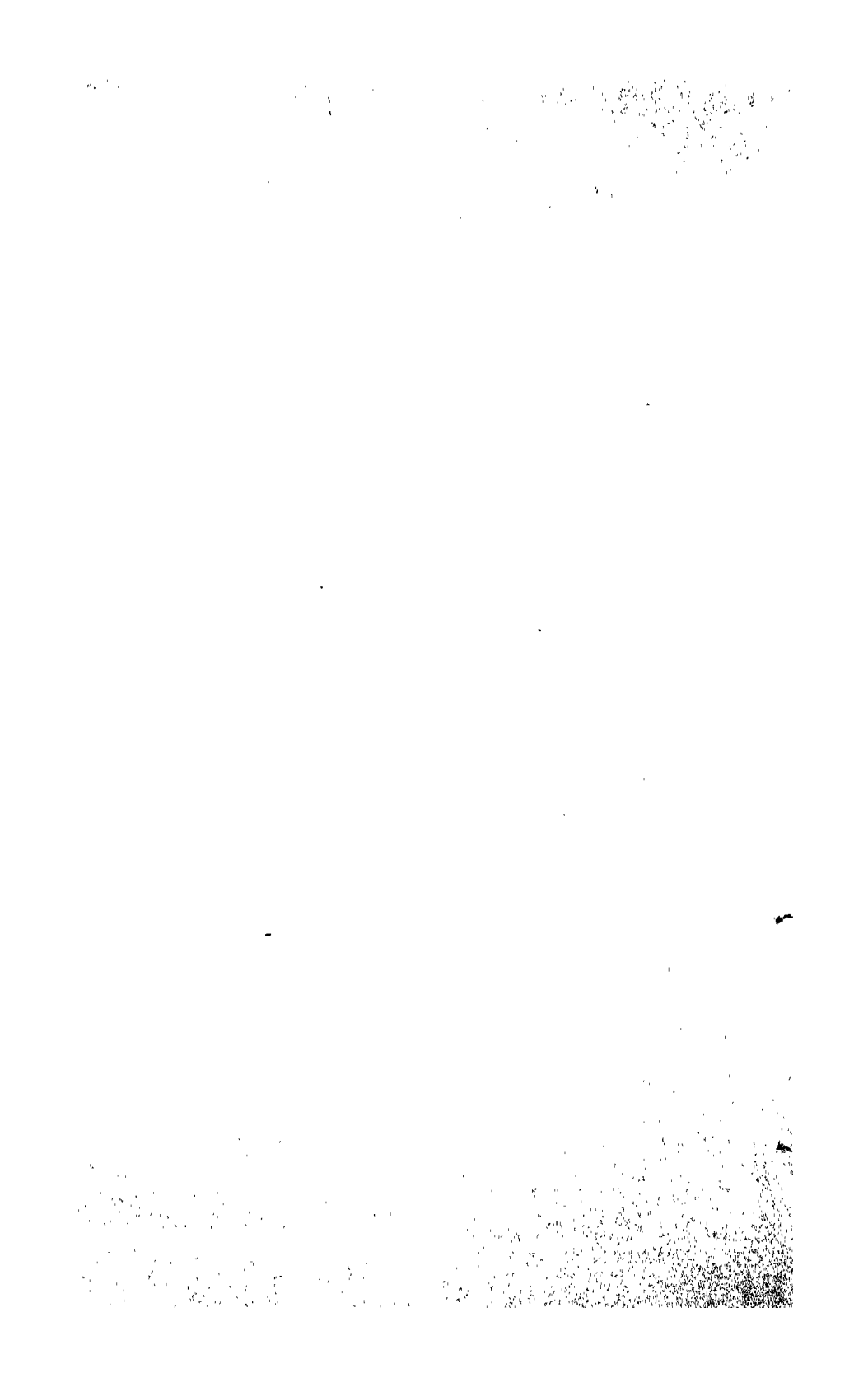


Khuda Bakhsh Library

JOURNAL

54-55

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna



...the ... of ...
 ...the ... of ...
 ...the ... of ...

...the ... of ...
 ...the ... of ...
 ...the ... of ...

...the ... of ...
 ...the ... of ...
 ...the ... of ...

...the ... of ...
 ...the ... of ...
 ...the ... of ...

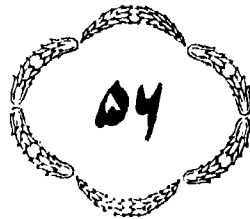
...the ... of ...
 ...the ... of ...
 ...the ... of ...

...the ... of ...
 ...the ... of ...
 ...the ... of ...

خدا بخش لائبریری

تمہاری

جیل



خدا بخش اوپنٹل سیکل لائبریری

خدا بخش لائبریری

جہل

پٹنہ

قیمت فی شمارہ : پچیس روپے
سالانہ : ۱۰۰ روپے (ہند)
۲۰ ڈالر ایشیا ۲۰ ڈالر دیگر ملک

۱۹۹۰

رجسٹریشن نمبر : ۲۳۲۲۴/۷۷
شمارہ : ۵۶
قیمت : پچیس روپے

فہرست

ایک نادر روزنامہ
مولوی سید منظر علی سندیلوی مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ۱-۲۸۴
جناب سید شہاب الدین دستوی ۲۸۵

مراسلات

۳۰۷ کیا مولانا کا لفظ صرف خدا کیلئے مخصوص ہے؟ جناب ارشد القادری
۳۰۸ مولانا خدا نے صرف اپنے لیے استعمال کیا ہے؟ جناب عطاء اللہ پالوی
۳۰۹ تلگو یونیورسٹی کے بارے میں ڈاکٹر مفتی تبسم

خطوط بنام قاضی عبدالودود

۳۱۲ مکتوب سجاد ظہیر
۳۱۲ .. عندلیب شادانی
۳۱۶ .. قاضی عبدالغفار
۳۱۵ .. مسود حسن رضوی اویب
۳۱۷ .. نور الدین احمد
۳۱۸ .. امتیاز علی عرش

حفظ انجیل ہاشمی نے لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹر مکتب جامعہ مسٹریڈ) دہلی میں مچھوکر خدا بخش لائبریری سے شائع کیا

ایک نادر روزنامہ کے

اٹھارہ سو سترھ سے انیس سو گیارہ تک

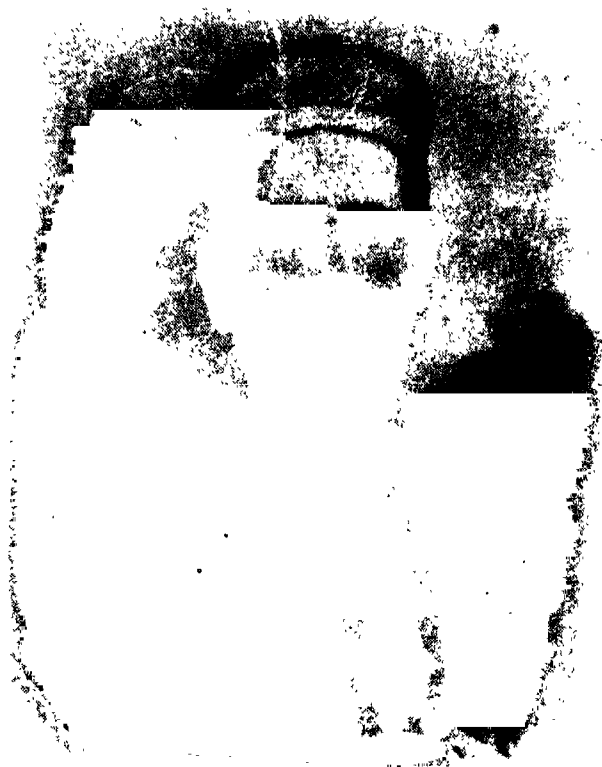
مصنفہ

مولوی سید مظہر علی سندیلوی

(۱۹۱۱ء - ۱۹۱۲ء)

مترجمہ

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی



مولوی سید مظہر علی سندیلوی (۱۹۱۱ء - ۱۹۸۱ء)
مصنف "روزنامہ چاند"

فہرست

ایک	مقدمہ
۱	باب اول: واقعات ہند
۵۳	باب دوم: ہندوستان کی ریاستیں اور تعلقے
۷۱	باب سوم: واقعات بیرون ہند
۹۷	باب چہارم: مقامی حالات لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ کے
۱۹۱	باب پنجم: ذاتی حالات و واقعات

نور الحسن ہاشمی (سوانح خاصہ)

- نام: سید نور الحسن ہاشمی ولد سید محمد علی
- وطن: سندھ ضلع ہرودئی (پوٹی)
- ساکن: محلہ قطب پور ڈالہ کچی، مکتوفہ
- تعلیم: ابتدائی: دیکھ لے (انگریزی) مکتوفہ پورٹی ۱۹۲۵ء۔ ایم لے (اردو) علیگڑھ پورٹی ۱۹۳۹ء۔ ایم لے (فارسی) مکتوفہ پورٹی ۱۹۵۰ء۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو) علیگڑھ پورٹی۔ موضوع: دلی کا دبستان شاعری۔ ڈی لٹ (اردو) مکتوفہ پورٹی۔ موضوع: تدوین۔ کلیات دلی۔
- معلمہ کا تجربہ: لیکچرر برعزیت ریسرچ اسکول شہید اردو مسلم پورٹی، علیگڑھ ۴۲-۱۹۴۷ء/لیکچرر شہید اردو دلی کالج ۴۵-۱۹۴۴ء/لیکچرر ریڈر ہرودھ قیسر و صدر شہید اردو فارسی مکتوفہ پورٹی ۴۳-۱۹۴۵ء۔ آپ کی نگارنی میں دس بی ایچ ڈی کے طلباء نے اردو میں دیگر زبان حاصل کیں اور دو نے فارسی میں اسی طرح ڈوئے ڈی لٹ کی ڈگری فارسی میں اور چار نے اردو میں حاصل کیں۔
- مطبوعات: دلی کا دبستان شاعری۔ ہاڈیشن۔ تدوین کلیات دلی۔ ۳۱ ڈیٹن۔ تدوین: فوٹو مصرع۔ دو ڈیٹن۔ قیسر دلی تدوین سوزنا پورٹی سید مظہر علی سندھی کی ہمنواں: ایک نادر روزنامہ۔ تدوین کلیات حسرت دہلوی تم لکھنؤ۔ تدوین: بکٹ کمانی (پرشرکت ڈاکٹر خسرو حسین خاں) ۳۱ ڈیٹن۔ تدوین شغوی طوطی نامہ از حسرت دہلوی۔ تدوین شغوی سراپا سوزنا پورٹی حال اختر۔ ادب کیا ہے؟ (تنقیدی مضامین) ۴۱ ڈیٹن۔ ادب کا مقصد (تنقیدی مضامین)۔ (۴۱ ڈیٹن)۔ ناول کیا ہے؟ ۶۹ ڈیٹن پرشرکت ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔ ترجمہ کچھ بڑا ڈھانچہ از شاہ سیاحی نقوی (ترجمہ) دو ڈیٹن۔ مزید قاعدہ (منظوم۔ کچھ کچھ)۔ ریکرت دلی انتخاب) ۶۱ ڈیٹن۔ تذکرہ شاہیر سندھ انتخاب سب سب سب۔ اندرون (منظومات)۔ سازا و سبھی میں نغمہ غالب (منظوم) اردو سبھی میں غالب کے یک صد اشعار کا ترجمہ۔ دلی انگریز کا مطبوعہ سہ ماہیہ لادھی۔ دلی اردو مطبوعہ سہ ماہیہ لادھی نئی دلی۔ مرتب: مکتوفہ اردو ملک آزاد کی۔ مرتب: فسانہ آج کل کی سبھی تنقید مصنفہ ۱۸۴۳ء۔
- دیگر: ایڈیٹر، رسالہ جامد جامد پورٹی دلی ۳۳-۱۹۳۶ء۔ سرٹیکر اردو لادھی جامد پورٹی نئی دلی ۴۰-۱۹۳۹ء۔ ایڈیٹر رسالہ فروغ اردو مکتوفہ ۶۸-۱۹۵۴ء۔ ممبر پوٹی سرکار پوٹی پاور کچی آگاہی و برائعات دینے کے لیے زیر مشق اور تادار اردو ایو کی کو فعالیت دینے کے لیے)۔ ۷۲-۱۹۶۲ء۔ ممبر جنرل کونسل انجمن ترقی اردو ہند نئی دلی ۸۱-۱۹۷۶ء۔ ممبر مجلس انتظامیہ رضا لائبریری ارام پور۔ ۸۰-۱۹۷۵ء۔ ممبر کونسل و مجلس ادارہ پوٹی اردو لادھی مکتوفہ ۷۵-۱۹۷۲ء۔ دانش پریسیڈنٹ پوٹی اردو لادھی مکتوفہ ۷۷-۱۹۷۵ء۔ ممبر پریسیڈنٹ اردو لادھی مکتوفہ ۷۹-۱۹۷۷ء۔ نئی لکال اردو لادھی مکتوفہ اور غفر الدین علی احمد میجر کی مکتوفہ لکھنؤ کا مجلس عاملہ کونسل کے ممبر رہی۔
- انعامات: فارسی میں سندھ از اظرف صدر جمہوریہ ہند۔ غالب دار و اظرف غالب انجمن ٹیوٹ، نئی دلی۔ سندھ افتخار میر اظرف میر اکادمی لکھنؤ۔

مقدمہ

اردو میں روزنامے بہت کم لکھے گئے ہیں۔ اب تک جتنے دستیاب ہوئے ہیں یا جن کے نام معلوم ہوئے ہیں ان میں مولوی سید مظہر علی سندیلوی کا روزنامہ پچھو قلمی صورت میں موجود ہے اولیت رکھتا ہے۔ یہ ۲۱ جنوری ۱۸۶۷ء سے ۲۳ دسمبر ۱۹۱۱ء تک (مولوی صاحب کے یوم وفات) یعنی تقریباً پینتالیس سال تک بلاناٹھ لکھا گیا۔ قصبہ سندیل ضلع ہردوئی (بھوپن) کا ایک بہت پرانا قصبہ ہے جو لکھنؤ سے تقریباً اکیس میل (۱۱ کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہردوئی و مراد آباد جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔

روزنامہ پچھو دراصل مولوی صاحب نے ۱۸۶۷ء میں پہلے فارسی میں لکھنا شروع کیا تھا لیکن ۱۸۸۷ء میں انھوں نے محسوس کیا کہ فارسی کی وقعت اب کم ہوتی جاتی ہے اس لیے اس وقت تک جو کچھ لکھا تھا اس کا اردو میں ترجمہ کر ڈالا اور اس کے بعد برابر اردو میں لکھتے رہے۔ روزنامہ عموماً رات کو جب سب کاموں سے فراغت ہو جاتی تب لکھا کرتے تھے۔ ایک ہفتہ یا دس دن بعد ایک خوش نویسی سید محمد ذکی (ساکن محلہ درگاہ سندیلہ) سے حافض کروالیا کرتے تھے کیوں کہ مولوی صاحب کا خود اپنا خط بہت نرسکت تھا۔ تمام روزنامہ پچھو کے فن اسکریپ ساز کی جگہوں پر مشتمل ہے سطر سطر لکھی ہے۔ تمام جلدوں کی مجموعی تعداد سات ہزار آٹھ سو صحیح کے قریب ہے۔ تمام روزنامہ پچھو میں التزام سن جیسوی ہجری، فہرست اور دنوں کا رکھا گیا ہے۔ حاشیہ پر الفاظ و لغات، وفات، اشادی، عقیقہ وغیرہ مختلف رنگوں سے لکھے ہوئے ہیں تاکہ اس قسم کی یادداشت ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔ روزنامہ پچھو لکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سندیلہ میں اس وقت دوراوجہ اور تیز تعلق دار رہتے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے چھوٹے بڑے زمیندار تھے اور جن میں آپس کی پھوٹ و جھج سے مقدمہ بازیاں ہوا کرتی تھیں مولوی مظہر علی ان میں سے ایک تعلقہ دار فیض حسین کے سگے خالہ زاد بھائی تھے اور انھیں کے بڑوں میں ایک شکر کسان میں بدقت تمام اپنی گزر کیا کرتے تھے۔ ۱۰ ستمبر ۱۸۳۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ قصبہ میں ان کا خاندان مولویوں کا کہتا تھا اس لیے کہ ان کے خاندان میں فارسی کی محاسن کا پیشہ عرصے سے چلا آ رہا تھا۔ خوجان کے والد مولوی سید مظہر علی

صاحب (م۔ ۱۶۸۶ء) درسد ریاست جودھپور میں صدر حاکم تھے۔ لیکن تنخواہ قلیل تھی اور وہ کبھی کبھی مہینے کے بعد ملا کرتی تھی اس لیے عسرت سے بسر ہوتی تھی لیکن مظہر علی کی قسمت یا وقتی۔ ان کے خال زاد بھائی سید فضل حسین کو ان کے باپ سید فضل رسول نے جو اس وقت تعلقہ دار تھے۔ سینا پور انگریزی پڑھنے کے لیے بھیجا اور اپنے بیٹے کی تنہائی کے خیال سے مولوی مظہر علی کو بھی ساتھ کر دیا اور ان کا نام بھی اسی اسکول میں لکھوا دیا گیا۔ اس زمانے میں کٹسری سینا پور میں تھی (اب لکھنؤ میں ہے) اس لیے اور دھ کے تمام تعلقہ داروں اور راجاؤں کے لڑکے وہیں پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ لیکن راجاؤں اور تعلقہ داروں کے لڑکے پڑھتے ہی کب ہیں اس لیے مولوی صاحب ان سب لڑکوں میں اول ہوتے تھے۔ لیکن محل پاس کرنے کی نوبت ہنوز نہیں آئی تھی کہ فضل حسین کو ان کے باپ نے واپس بلالیا اور انہی کے ساتھ ان کو بھی واپس آنا پڑا۔ سندیلہ آکر یہاں کے مقامی اردو اسکول میں سکھایا مگر ہو گئے (۱۶۸۶ء) چار سال تعلیمی کے بعد ان کو محکمہ ریلوے میں بہ عہدہ خزانچی ایک سو پچھتر روپے ماہوار مشاہرہ پر ملازمت مل گئی۔ اسی زمانہ میں ان کو حصول ریاست کا شوق پیدا ہو گیا اور معاملات رہن و برہن کرنا شروع کیے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب ان کے ضلع میں ریلوے لائن پڑ گئی تو انھوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنی مکسوز بہ منڈاری برسرِ وقت کرنا شروع کی۔ لیکن اسی عرصہ میں فضل حسین اپنے والد سید فضل رسول کے مرنے کے بعد تعلقہ دار ہو گئے (تقریباً ۱۶۸۷ء)۔ انھوں نے مظہر علی کو اپنا نائب سو روپے ماہوار پر مقرر کر لیا۔ اسی کے ساتھ نوکے مولوی صاحب نے امتحان وکالت الہ آباد سے پاس کر لیا تھا اس لیے آنریری مجسٹریٹ پہلے درجہ سوم ججز درجہ دوم کی بھی مل گئی۔ ۱۸۸۴ء میں سندیلہ میں میونسپلٹی قائم ہوئی اس کے آنریری سکریٹری بھی مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد کانمانہ مولوی صاحب کے عروج کا زمانہ رہا۔ چنانچہ اپنے پرانے گھر کے قریب ایک بڑی کوٹھی اپنی رہائش کے لیے تعمیر کرائی۔ اپنے چار بیٹوں میں سے دو کو برسرِ سرکردہ دیا۔ بہت سے باغات لگوائے اور بہت سی دوکانیں بھی تعمیر کرائیں۔ لیکن سید فضل حسین کے انتقال (۱۹۰۱ء) کے کچھ عرصہ بعد ان کے تعلقہ کی منجوری سے بھی متعفی ہو گئے تھے۔ اپنی جائیداد کی آمدنی کافی تھی اس لیے آخر تک با فراغت زندگی بسر کی۔

مولوی صاحب کا یہ روزنامہ کبھی ادیب کا روزنامہ نہیں ہے بلکہ ایک مہارت مند و آدھی کٹاؤری ہے جو بیک وقت میونسپل سکریٹری بھی تھا، بیس جھڑٹ بھی، ایک تعلقہ کا منیجر بھی اور زمیندار بھی۔ چونکہ مولوی صاحب کی عربی، فارسی و انگریزی میں لیاقت اچھی خاصی تھی اس لیے ہمیں ہمیں ان کی تحریر میں ادبیت آجاتی ہے ورنہ روزنامہ جو عموماً صاف اور واضح زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس روزنامے کی اہمیت اس کا

ہے کہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر دنیا کا کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں ہے جو ان کے زمانہ میں ہوا ہو اور اس میں مندرجہ ذیل ہو۔ مولوی صاحب نے ۱۸۹۴ء میں اپنی ایک ضخیم سوانح عمری بھی شائع کرائی تھی جس میں خصوصیت سے غدر کا حال اور اپنے اس سفر کا حال بہت دلچسپ لکھا تھا جو انھوں نے گیارہ سال کی عمر میں جو دھپور کا اپنے خالو کے ہمراہ کیا تھا۔ اس سوانح عمری کی ایک سری جلد ۱۹۰۴ء میں تیار کر لی تھی لیکن اس کے چھپنے کی نوبت نہ آسکی۔ اب اس روز نامے کا دیباچہ ملاحظہ فرمائیے۔ بعد لکھتے ہیں:

”بعد حمد خدا و نعمت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم احقر العباد سید مظہر علی ابن سید مظفر علی صاحب مرحوم ساکن سندیلہ محلہ اشراٹ ٹولہ مرہن کرتا ہے کہ اس بیچ میرے زکوٰۃ صمد سے اس امر کا خیال ملو نا خاطر تھا کہ ایک دن پنجاب بقیعہ تواریخ موجود زمانہ حال لکھنا شروع کروں اور اس میں کلی حالات صحیحہ و المارہ لکھتا رہوں اور ایسا اہتمام کروں کہ کسی حالت میں اس کو ناغہ نہ کر سکوں تاکہ عامہ خلافت کو بوقت ضرورت اس سے فائدہ و دفعہ پہنچے چنانچہ کئی سال کے خیال و فکر کے بعد میں نے اس کام کو اپنے ذمہ بہت پر قبول کیا اور ۱۲ جنوری ۱۸۶۷ء سے اس کتاب روزنامہ پنجاب کا زبان فارسی میں آغاز ہوا۔ اس میں حالات جدید صحیحہ عام اس سے کہ اس کا تعلق کسی شہر و قصبہ و ملک سے ہو یا بلوچ درج ہوتے رہے اور ایسا التزام کیا کہ کسی سفر و حضر میں اس کا ترک جائز نہیں رکھا۔ نومبر ۱۸۸۸ء میں دفعۃً یہ خیال پیدا ہوا کہ زبان فارسی کی وقعت اب گھٹتی جاتی ہے اور چند ہی روزوں میں طلباء اسکول باعزت کم علمی کتب فارسیہ کو دفتر یا ریتہ سمجھ کر بالکل نظر انداز کر دیں گے اور اس حالت میں میری اس قلم رسانی کی لاجس کو بہ کمال وقت میں نے مرتب کیا ہے اور حالات نو بہ نو اس کے عام پسند و مفید اور غالی اور تجزیہ نہیں ہیں، کوئی قدر نہ ہو گی۔ پس بہ نظر مصلحت وقت روز بہ روز میرے خیالات کو استعمال ہوتا گیا۔ تشریف دسمبر ۱۸۸۷ء میں میں نے سید محمد ذکی ولد سید احمد بخش صاحب مخدوم زادہ محلہ درگاہ سے اس کا ترمیم اور میں لکھنا شروع کیا اور تکریر کا کہ اپریل ۱۸۸۸ء میں روزانہ محنت شاقہ سے اس کا نکلنا حسب مراد ہوا۔ چونکہ دریافت شادی و مرگ و ولادت و غیر تقریرات کی انسان کو ضرورت زائد داعی ہوتی ہے اس وجہ سے نگار نے شادی و ختنہ و حقیقہ و سیاہی سے وفات اور ستر سے ولادت و حاشی کتاب پر درج کیے۔ یہ ذریعہ واسطہ تلاش ایسی ضروریات کے آسان و کارآمد ہے اور شہر تلاش کو اس سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ لہذا مجھے امید ہے کہ ناظرین کتاب نگار کسی موقع پر کوئی مضنون اپنے خلاف ملاحظہ فرمائیں تو اس پر تمہیدانہ و اعلیٰ کا نہ کریں کہ رقم لکھی کوئی حلال غلط اور نفسانیت سے درج کتاب ہذا نہیں کیا ہے“

اس مختصر رسالہ سے اس روزنامہ کا مقصد ظاہر ہو گیا کہ غامد حوام الناس مقصود تھا خصوصاً سندیہ کی بنگ کے لیے چنانچہ مولوی صاحب کی وفات کے بعد کوئی ایسے ذوقی حالات مندرجہ میں نہیں ہوئے جس میں مولوی صاحب کا روزنامہ چلے اور سمجھ سنا دینے میں کیا گیا لیکن اس وقت تا کہ وہ انجام دینا واقعی ایک بہت مشکل اور وقت طلب کام تھا اور انھیں اس کا پیدا احساس تھا چنانچہ اس بات کا اعلان کیا کہ اس بات پر کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

”۱۸ ستمبر ۱۸۸۸ء: شکریہ کہ ان کتاب روزنامہ کا نام کھنے آخر تک جو بنانے نشانات شاہی ٹھکانہ نگہ ہائے مختلف سے بہرہ ور رہے ہو گئی جس کا آغاز ۱۱ جنوری ۱۸۹۷ء سے اختتام دسمبر ۱۸۸۸ء تک ہے۔ یہ تیرہ کتابوں میں جلد ہے اور جو تھی کتاب جنوری ۱۸۸۸ء سے مارچ ۱۸۸۹ء جاتی ہے۔ میں اس کا تذکرہ بہت مشکل جانتا تھا اور اپنے علم یحیٰ میں اس کو غیر ممکن تصور کرتا تھا۔ بہر حال شکریہ اس خدا کا جس نے اس مشکل سخت کامیابی کے ساتھ پورا کر دیا۔ یہ جب اس کی خواست و طاعت پر نگاہ کرتا تھا تو ہر گز ہمت اس کا کام لے کر نہ ہوتی تھی۔“

”۱۶ دسمبر ۱۸۹۳ء: اگرچہ میں بچے سے صبح سے شب تک اٹھنا اور رات بھر بچہ کی دیکھ بھال کرنے والا خانہ پر کرب جگہ دوسرے شخص کے جانے کو بے فکر کر کے کام جاری نہیں ہے صاف کرنا ہوں۔ لیکن ہنوز چند ہی دن کھنے کو باقی ہیں۔ اگرچہ مجھے کھانے روزنامہ میں تمام روز کی سخت سخت تکلیف ضرور ہے۔ لیکن مجبوری ہے کہ یہ کام میرے ان حالات کو بہتر کرنا مناسب کوئی لکھا نہیں سکتا۔ اور چونکہ سوائے اس چاندی اور تانہ والے طعام کے ایک سخت پیٹھار ہوا ہوتا ہے اور چلنے پھرنے کا اتفاق نہیں ہوتا ہے پس میں نے بعد وہ پہر کے جب مجھ کی روٹی کھانے جلتے ہیں یہ عرض جذبہ رطوبت معدہ تحلیل ہونے غذا کے یہ تبدیل نکالی ہے کہ بعد پڑھنے نماز ظہر کے اپنے بالا خانے سے دفعہ پڑتا ہوا چند باتیں سمجھے اور پھر چلا ہوا اترتا ہوا ہوتا تاکہ ورزش بدل میرے تمام دلچسپ ٹھٹھے دے گا ہوا اور کوئی سترہری تحلیل غذا میں نہ پیدا ہو۔“

جیسا کہ مولوی صاحب نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ اس روزنامہ میں ملنا عام اس سے کہ ان کا تعلق کسی غیر متعلقہ دھرم سے ہو یا اور دھرم سے ہو۔ یہ مسئلہ کے حالات تو انھیں نیو یارک کے سکریٹری ہونے کی وجہ سے براہ راست معلوم ہوتے رہے تھے۔ ہندوستان اور ہندوستان پارسی اخباریں ”اور اخبار اور پانیز“ وغیرہ سے معلوم ہوتی تھیں جنہیں وہ کھانا کھانے کے بعد وہ پہر کو چاکر کرتے تھے۔ یوں تو مولوی صاحب کا روزنامہ چاندی قسم کے واقعات سے بھر رہا ہے۔ لیکن وہ حالات دنیا دہ اہم اور مصلحتی ہیں جو واقعات ہند یا بیرون ہند یا ماحضرت زمانہ پر روشنی ڈالتے

ہیں اور بعض نوجوان حالت و کجرات بھی جو عام لڑکی کا باعث ہو سکے ہیں۔

راقم الحروف نے اسی لیے ان تمام واقعات کے انتخاب کو پانچ مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ یعنی واقعات ہندو ریاستیں اور ملتان کے واقعات، ہندوستانی حالات، انڈیا میں خواتین کی تعلیم، انڈیا میں خواتین کی تعلیم کے مسائل میں آسانی ہو ورنہ اصل روزنامہ میں نہ ابواب کی تقسیم ہے نہ نقل میں خرابیاں۔ دو بتا چکی کہ ابتدائی جلدوں میں اندراجات زیادہ تر نجی ہیں اور بہت مختصر عموماً ایک دن کا حال دو چار سطروں میں ختم ہو گیا ہے۔ لیکن جیسے جیسے مولوی صاحب کی زندگی سنورنی گئی، حالات زمانہ موافق ہوتے گئے، خود اعتمادی کا احساس بڑھا اپنی کچھ اہمیت محسوس ہوئی، ان کا روزنامہ پچھلے تر ہو گیا۔ واقعات زیادہ لکھے جانے لگے۔ بسا اوقات تو لکھ دینا کا حال کسی کئی صفحات پر مشتمل ہونے لگا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مولوی صاحب کے دو میٹرید مصطفیٰ علی و سید تقی علی شروع بیسویں صدی میں برسرِ طر ہونے کے لیے لندن بھیجے گئے تھے۔ وہاں سے ان بیٹوں نے جو خطوط مولوی صاحب کو لکھے اور یہ تمام خطوط فائل کی شکل میں مولوی صاحب کے خاندان میں اب بھی موجود ہیں، ان میں انگریزی معاشرت اور لندن کے بعض دلچسپ واقعات اور اپنے تاثرات بھی لکھے ہیں۔ مولوی صاحب نے اپنے خطابچے میں بھی ان میں سے کئی خطوط کے اقتباسات جگہ جگہ دیدیے ہیں۔

مولوی صاحب کا یہ روزنامہ کچھ کئی حقیقتوں سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کے جس دور پر یہ محیط ہے (۱۸۶۷ء - ۱۹۱۱ء) وہ ہندوستانی تمدن و تہذیب و معاشرت و حقوق کے لیے ایک عبوری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ انگریزی حکومت اور انگریزی تعلیم کی بدولت انگریزوں کے تمدن و معاشرت کا جو حتماً ہوا اثر، علوم و فنون کا احیا، وطنیت اور سیاسی بیداری کا پیدا ہونا، رد و نشر کا نشوونما پانا اور ترقی کرنا، ان کے کانٹے سانچوں میں ڈھلنا، ذہن و اعتقادات و خیالات پر مغربی اثرات کا پڑنا پرانی ایشیائی تہذیب ہندی تمدن کا مغرب زدہ ہو جانا، غرض کہ تاریخی، سیاسی، تمدنی معاشرتی اور ادبی ہر حیثیت سے یہ زمانہ بہت اہم ہے۔ مولوی صاحب موصوف کا بظاہر ہرگز یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ ایک معاشرتی تاریخ لکھیں۔ لیکن مولوی طور پر یہ روزنامہ اپنے عہد کا اور جاگیر داری دور کا ایک بہت اچھا معاشرتی نقشہ بن گیا ہے۔ پرنے پر نہ سوجھ رواج، نہ قلمباز لہجہ، نہ فکر و خیالات و اعتقادات اور پھر ان میں تغیرات کا پیدا ہونا اور رفتہ رفتہ لوگوں کی ذہنی تبدیلی کے بدلنے کا حال نہایت واضح طور پر پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی وہانی امراض و چھک، کاہون، ہیضہ

اور دق کس دستگیرانہ پر کثرت پھیلاتے تھے، قطعے کہاں کہاں اور کتنے لاکھ آدمی بھوکوں مر جاتے تھے اور اس زمانہ میں بازاروں میں غلہ اور مٹیا، خوردنی کا کینارخ ہو جاتا تھا یہ سب واقعات آپ کو اس رفتہ چمچ میں بالتفصیل مندرجہ ہیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

مہدی بھی اور مدنی حیثیت سے قطع نظر ایک مکمل سوانح عمری بھی ہے۔ مولوی صاحب کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا تعلیم و سرور و گزار ترقی کی کوشش، زمانہ کی سازگاریاں اور ناسازگاریاں اپنا کیکڑ اور خیالات و اعتقادات اپنی خوبیاں اور خامیاں عرض کرنا ان کی زندگی کا ہر گوشہ اجاگر ہے۔ اپنے دوستوں کی محنت، اپنے قریبی عزیزوں سے رنجشیں (خصوصاً اپنے خال زاد بھائی جو ایک تعلقہ دار تھے) اپنی بیماریاں اور ان کا معالجہ اپنی اولاد کی خوبیاں اور خامیاں ان کے روزگار کے لیے سر توڑ کوششیں کرنا، اپنے روزمرہ کے تجربے ہر بات بہت صاف صاف مندرجہ ہے۔ آخر میں ان کی بیوی کی وفات (۱۹۰۳-۱۹۰۶ء) کا اثر ان پر بڑا حد تک نمایاں ہے۔ اسی آخری زمانے میں وہ اپنی چند مبہم آرزوؤں کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے جن کا بیانیہ دلچسپی سے خالی نہیں اور روزنامہ چمچ میں ایک طرح کی افسانویت پیدا کر دیتا ہے۔ ان مبہم آرزوؤں کی وجہ سے بڑی بے قراری اور بے چارگی کا عالم نظر آتا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بعض دوستوں کے مشورہ پر حقد رسانی کرنا چاہتے تھے مگر کچھ میں نہیں آتا تھا اگر کسی کے ساتھ کریں جو اس عمر میں ان کی صحیح رفیقہ و حیات بن سکے اور ان کے خاندان داری کا اچھا انتظام کر سکے۔ ساتھ ہی غالباً وہ کوئی سرکاری خطاب یا صلہ عزت چاہتے تھے۔ اور ان دونوں باتوں کے تکلہ کے لیے خوب کثرت سے دیکھا کرتے تھے۔ یہ زمانہ ذہنی طور پر ان کی بڑی پریشانی کا زمانہ ہے (۱۹۰۶-۱۹۱۰ء) جس پر ترس آنے لگتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں وہ زیادہ تر بیمار رہے۔ لیکن پھر بھی روزمرہ کے دلچسپ واقعات بھی قلم بند کرتے رہے۔ ان کا دماغ آخری دن تک صحیح طور پر کام کرتا رہا۔

مولوی صاحب پہلے خوابوں، فالوں اور نجوم پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اور علم نجوم سے تو بخوبی واقف بھی تھے۔ اپنے خوابوں کی فال دیوان حافظ، سکندر نامہ وغیرہ سے نکالا کرتے تھے اور اپنے حالات پر بعض بخوبی پتہ چلنے سے مشورہ کرتے اور خود اس پر تبصرہ بھی کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان دل خوش کن چیزوں سے انھیں ناامیدی اور نا اہمی ہوئی گئی اور آخر میں صرف خدا کی مرضی پر تکیہ اور سبر و سہرہ کیا تھا۔ روزنامہ چمچ ان کے دلچسپ خوابوں سے کبھی بھرا پڑا ہے جن کی تعداد و طرح حد و ہر اس سے کم نہ ہوگی۔ یہ خواب کسی ماہر نفسیات کے لیے دلچسپ مواد کا کام دے سکتے ہیں۔ ہر فصل سال اور کبھی بیسوی سال کے آخر میں مولوی صاحب اپنی زندگی کے پچھلے سال کا

معاہدہ بھی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی دنیا کے حالات پر مہم بھی یہ محاسبے اور ہمرے بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ مولوی صاحب موصوف کے اس روزنامے کو اگر تمام کمال طوعا جالبے اور یہ کام آسان نہیں ہے تو اس میں ایک ناول کا سا طعن آئے گا ہے ایک ایسا ناول جس میں بھگت سید یا شاہ کے ایک مخصوص مگر غیر متعارف زمان و مکان میں ہم اپنے آپ کو ایک تماشا ٹاپا پاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ کردار انسان و مکان ہم پر واضح ہونے لگتے ہیں اور ہم ان سے واقف ہوتے جاتے ہیں اور ان کے انجام کا ثبوت دلچسپی اور ہمدردی سے منظر کشی کرنے لگتے ہیں۔ اس روزنامے کا اختتام ہم کو محض ایک شخص واحد کی زندگی کا خاتمہ محسوس نہیں کرتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے ایک دور کا باب تھا جو بند ہو گیا۔ مختصر یہ کہ مولوی سید ظہیر علی سندیلہ یوپی کے ایک بیک وقت ایک تالیف بھی ہے ایک سوانح عمری بھی اور زندگی کی ایک صحیح داستان بھی۔

مولوی صاحب کے لکھنے کا انداز ادب اسلوب بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ مولوی صاحب کوئی ادیب نہ تھے بعد ضرورت عربی فارسی اور انگریزی فروز جاتے تھے۔ ان کی تحریر میں ادبیات فارسی کی گنجشک تو کہیں نہیں ہے فارسی الفاظ البتہ کہیں کہیں کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ لیکن ان سے تعصبات بھی نہیں آئے پائی ہے۔ بجز مٹی کا کام چونکا انھوں نے عربیہ کیا تھا اس لیے یہ تو مزور ہوا کہ کہیں جہلوں کی ترکیب عدالتی زبان معلوم ہوتی ہے ورنہ مونا وہ دہی زبان لکھتے تھے جو عام طور پر بولی جاتی ہے اس کے علاوہ ایک بہت معروف آدمی کو اتنی فرصت ہی کہاں کہ وہ طرز ادب پر توجہ کرے۔ اس کے لیے یہی کیا کم ہے کہ وہ رفتہ رفتہ سید سے سید سے واقعات لکھ دے۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحب کا اسلوب سادہ اور صاف ہے بلکہ کہیں کہیں تو دیہاتی الفاظ بھی استعمال کر گئے ہیں۔ مثلاً بچپن کے لیے لوکیاں دھتوں کی فارسی جمع دھتہا اس طرح پان خورفا سلو کات خواہیں (مونش) کسی وقت کی بجائے کوئی وقت 'سیتا' دل بہلا دیا 'بدر می' پونڈہ خوری وغیرہ۔ ہندی اور فارسی الفاظ کے درمیان یاد و ہندی الفاظ کے درمیان واد و عطف اکثر استعمال کیا ہے۔ یہی حال فارسی اضافت کا ہے جو ہندی الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ بعض جگہ جہلوں کی ترکیبیں بھی بھدی معلوم ہوں گی۔ مثلاً توجہ طور تک جانے حرکت قلب کے وفات پائی "یا" باوصف اس قدر سن آئے کے میں نے کوئی لیاقت نہیں حاصل کی۔ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ اور ترکیبیں اس زمانہ کی تحریروں خصوصاً سرکاری اخبارات میں اکثر ملیں گی۔ اس لیے انھیں نقائص میں نہ شامل کرنا چاہیے۔

آخر میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی بہت بڑی کمی تھی۔ مولوی صاحب

کے اس روزناچنے اس کمی کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس التزام، اس ترتیب اور اس طریقہ کا مربوط و منظم روزناچ شاید ہی کسی زبان میں لکھا ہوا مل سکے۔ بیسالیس سال تک نافذ نہ ہونے دینا ذاتی مقامی حکم اور فیملی حکم و واقعات کا بڑی پابندی سے اندراج کرتے رہنا ہی ایسا کارنامہ ہے جو نہایت قابل قدر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ روزناچ نویسی کے معاملہ میں اردو زبان اس روزناچے کی بدولت دوسری زبانوں کی صفت میں سر بلندی حاصل کر سکے گی۔



فوطیہ روزناچ کی کتابت کے متعلق پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولوی صاحب ابے پہلے اپنے خط شکست میں لکھتے تھے میرے بولتے جاتے تھے اور سید محمد ذکی درگاہی صاحب (محرر اطرائی میونسپلٹی سنیڈلہ) اسے خوشگامتھے جاتے تھے۔ لیکن یہ روزناچ صرف ۳۱ اگست ۱۹۰۹ء تک سید محمد ذکی صاحب کا صاف کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد چونکہ مولوی صاحب سکرٹری میونسپل بورڈ نہیں رہے تھے غالباً سید محمد ذکی صاحب کو اپنے دفتری کام سے فرصت یا خلعت نہ مل سکی اس لیے مولوی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا یکم ستمبر ۱۹۰۹ء تا ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء تک کا روزناچ صاف نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے ۲۲ مارچ ۱۹۱۱ء سے ۶ نومبر ۱۹۱۱ء تک خود (۲۳ دسمبر ۱۹۱۱ء) تک درجہ اول کو بول کر لکھوایا کیوں کہ وہ خود بوجہ علالت نہیں لکھ سکتے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں میں نے یہ ناماف حصہ پہلے خود الگ کاغذات پر صاف کیا اور چونکہ مولوی صاحب کا شکستہ خط کوئی کاتب پڑھ نہیں سکتا تھا اور وہ مجھے اس کو صحیح پڑھنے میں پسینے آگئے تھے، اور میرا ایک دوسرے خوش نویس عبدالحمید صاحب ساکن شہرہ ہاضع بارہ بنکی سے لکھنؤ میں خوش خط لکھوا کر جلد بندی کرا دی۔

سید محمد ذکی صاحب مرحوم کا خط تو نہایت پاکیزہ صاف اور روشن ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے زمانہ کی رسم کتابت کو ملحوظ رکھا ہے۔ بجائے پیش لگانے کے انھوں نے واو معروف سے کام لیا ہے یعنی الفاظ ماس، ان، آمد وغیرہ کو اوس، اول، اور د لکھا ہے۔ کل، کو کلہ۔ کان کو کانہ پور وغیرہ۔ لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ باوجود غامض پڑھے لکھے ہونے کے انھوں نے بعض جگہ اٹل کی غلطیاں کر دی ہیں مثلاً نیاں کو حزیان اب کو عرب اس کو سہر کرنا کو قرۃ العجبہ کو مجتہدہ کو میدہ لکھ گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب سید محمد ذکی صاحب پر اعتبار کرتے ہوئے ان کی تحریر پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ صرف پڑھو اگر سن لیتے ہوں گے۔

اشاریہ



جغرافیہ قصبہ سندیلہ : قصبہ سندیلہ (منسلحہر دوتی) میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر مخدوم سید علاء الدین (۱۶۴۲ء - ۱۶۹۷ء) خلیفہ حضرت نعیم الدین پرائیغ دہلی کے درود سے ہوئی۔ قصبہ سندیلہ اسٹیشن بنڈل کے شمال میں واقع ہے۔ آبادی اسٹیشن ہی سے شروع ہو گئی ہے۔ وسط قصبہ میں صدر بازار کی سڑک ہے جو قصبہ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ سڑک کے کچھ میں اشراف محلہ کلاتے جسے مخدوم صاحب مذکور کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ المشائخ سید حسن دیاں (۱۹۹۱ء - ۱۹۲۲ء) نے ۱۹۸۲ء میں آباد کیا تھا۔ اور وہیں اپنی بنوائی ہوئی مسجد سے متعلق محو خواب ابدی ہیں۔ مولوی سید مظہر علی اسی محلہ میں اپنے خالو سید فضل رسول کے مکان کے بالکل پڑوس میں رہتے تھے۔ اشراف محلہ میں آباد مخدوم علاء الدین صاحب کی نشان مخدوم زادگان شریف ٹولہ کے قصبہ ہوسم دی ہے۔ اشراف محلہ کا شمالی حصہ محلہ طکانہ کہلاتا ہے۔ جنوبی حصہ میں کسانوں کا محلہ کاسان ٹولہ ہے۔ مغربی حد پٹنہ راج دراصل پٹنہ جو ض (کا میدان) "حیدر گاہ" "ذبیبی یادین کا تالاب" اور "تالاب کربلا" ہے۔ صدر بازار کی سڑک کے پورے میں محلہ جات مندری انتہوتوانہ "موسلی پور" اور درگاہ ہیں ان محلوں میں مسلمان جو دھریوں اور کاستھوں یا کھتریوں کے خاندان آباد ہیں۔ راج درگاہ پرشاد اور راجہ نریندر بہادر اور راجہ وزیر چند بھی اسی محلہ انتہوتوانہ میں رہتے تھے۔ مخدوم صاحب مذکور کا مزار اسی جانب ہے اور انھیں کے عہد کی بنی ہوئی مسجد بھی یہ دونوں عمارتیں فیروز شاہ قلعہ کی بنوائی ہوئی ہیں۔ ریلوے اسٹیشن کے متصل دکن کی طرف تحصیل سندیلہ کا دفتر ہے اور اسٹیشن کے قریب ہی سید فضل رسول صاحب تعلقہ اندر جوم (مولوی مظہر علی صاحب کے) خالو اور ان کے بیٹے سید فضل حسین کا مقبرہ ہے اور ساتھ میں ایک کوٹھی صبح باغ اسی خاندان کی ملکیت ہے۔ جو عمر ہرہ "یا امرہہ" کہلاتا ہے اور اسی باغ کے ایک گوشہ میں خاندانی قبرستان ہے جہاں مولوی مظہر علی کے خاندان کے لوگ بھی دفن ہوتے رہے۔۔۔ دکن کی طرف اسی باغ کے کنارے اب لکھنؤ اور بہرہ دوتی جانے والی شاہراہ ہے اور اب وہاں ایک ٹرانس کا ڈرائیو لیا گیا ہے جسکی وجہ سے وہاں دوکانوں اور مکانوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ اس شاہراہ سے کچھ ہی دور دکن کی طرف مولوی مظہر علی کا باغ ہے جہاں ان کی قبر بنی ہوئی ہے اور اسی باغ کے کچھ آگے دکن کی طرف مواضات مخدوم پورہ علیاں گھوڑی وغیرہ ہیں جن کا ذکر روزنامہ میں متعدد دیار آیا ہے جس آگے کے جانب دکن اور مولوی صاحب کے باغ کے کنارے

سے گزرتی ہوئی اب ایک عمدہ بختی مرکب بنی گئی ہے جو قلعہ انارک کی طرف جاتی ہے۔ سیلوے اسٹیشن سے قریب جانب شمال قصبہ کا تختہ انداز لگا کر خانہ ہے۔

نور مولوی صاحب کی زمینداری کے مواضعات نکال پور اور گھوگرہ سندیلہ سے کوئی آٹھ دس میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب تھے۔ ضلع ہردوئی کی دیگر تحصیلیں علاوہ سندیلہ کے شاہ آباد، بلگرام اور تحصیل ہردوئی ہیں تحصیل سندیلہ ضلع کے جنوب میں ہے۔ اس لیے اس کی سرحد ضلع انارک اور ضلع میتا پور سے ملتی ہے۔ ضلع انارک کے مواضعات مجمع مراد آباد اور ہنگر مندو اور تحصیل بلگرام کے ایک موضع ملتاواں، "کا ذکر روزنامہ چاند میں آیا ہے۔ قصبہ دیوہ یا دیوا ضلع بارہ بنگی میں ہے لکھنؤ سے ۲۴ میل پور میں جہاں حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مراد پورج خاں عام ہے۔

مولوی مظہر علی صاحب کے اکابر

منشی سید فضل رسول صاحب: (۱۸۷۹-۱۹۱۸ء)۔ مولوی مظہر علی صاحب کے حقیقی خالو، مخدوم زادہ بونئی

میں نائب میئر شی ایجنٹ جو دھ پور اور جمیر ہے۔ ۱۸۵۲ء میں ملازمت ترک کر کے اپنے وطن سندیلہ میں مستقل قیام اختیار کیا اور سرمایہ موجودہ سے متعدد مواضعات خرید لیے۔ بنگلان کے ایک موضع چونہ تحصیل ہردوئی میں آباد کیا جہاں کا مشہور آدم نمر بہشت آپ ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ زمانہ غدر میں انگریزوں کی مدد کی تھی اس کے صلہ میں بھی کئی مواضعات ملے اور تعلقہ از حلال پور "تلمذ ہوئے۔ گورنمنٹ سے اختیارات فوجداری درجہ دوم و اختیار مال و دیوانی بھی لیے علاقہ کے حاصل تھے۔ علوم متعارف عربی و فارسی و نجوم و حکمت میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اپنی فہم و فراست سے سرکار انگریزی میں بڑا رسوخ حاصل کیا تھا۔ آدمی بہت منظم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۱ء میں انھوں نے کرنل سلیم (جنھوں نے الحاق اودھ کے لیے جال بچھایا تھا) کے سامنے ایک اسکیم رکھی تھی جس سے اودھ کی حکومت کا انتظام بہت بہتر ہو سکتا تھا۔ لیکن کرنل سلیم نے اسے نامنظور کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم اس معاملہ میں نہ چرو اور اپنے کام پر واپس جاؤ۔ فضل رسول صاحب کو شعور و شعاری سے بھی دلچسپی تھی۔ اردو زبان کے دو دیوانے شائع ہوئے تھے۔ ایک ان کی زندگی میں دوسرا وفات کے بعد رفیع شاعری میں اپنے ہم عمر اودھ بچپن کے دوست (دونوں اپنے نامہ خدیاں قصبہ ایلٹھی ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے) مظہر علی امیر لکھنؤ کے شاگرد تھے۔ آپ کی عمارت مقبرہ سندیلہ میں آپ کی یادگار ہے۔

منشی فہیمہ الزہرا صاحب: دیوان محمد علی صاحب باندہ کے نواسے جو سندیلہ میں اقامت پذیر تھے

تھے عملاً ملک اندیش رہتے تھے۔ مولوی صاحب کی شادی آپ ہی کی بھانجی مساء شمس النساء سے ہوئی تھی اپنے زمانہ

کے مشہور رئیس تھے۔ علم تواریخ سے بے حد شغف تھا۔ ۱۸۹۰ء میں بہ عمر ۶۳ سال وفات پائی۔ آپ کے اخلاف اب لکھنؤ میں اقامت پذیر ہیں۔

حافظ کاہ۔ احمد صاحب: ایک نہایت متبرک خصال موقوف منش اور متوکل بزرگ تھے۔ مولوی صاحب کے گھر کے بہت قریب آپ کا مکان تھا۔ پہلے ضلع جالون و ساگر (صوبہ متوسط) وغیرہ میں برہمن سرشت داری ملازم رہے۔ بعد ملازمت نشن لے کر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کے صد ہا مریدیل و نواح سندیل میں تھے۔ مولوی مظہر علی صاحب نے کئی کتب درسیہ آپ سے پڑھی تھیں۔ ۱۸۸۰ء میں بہ عمر ۵۷ سال وفات پائی۔ مولوی صاحب کے چھوٹے بھائی سید مظہر علی اور منجھٹا بیٹے سید مجتبیٰ علی دونوں آپ کے مرید تھے اور بعد وفات حافظ صاحب ان کے خلیفہ یکے بعد دیگرے ہوئے اور بعد دراز تک حافظ صاحب کا سرس ان دونوں خلفاء کی حیات تک ہوتا رہا۔ قاضی وجیہ الدین صاحب: مولوی صاحب کے عزیز قریب تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کی

نسل کا ایک خاندان سندیل میں عرصہ دراز سے آباد ہے۔ قاضی صاحب اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ عہد شاہی میں سندیل کا محکمہ قضا اسی خاندان کو تفویض ہوا تھا۔ قاضی صاحب سلسلہ جنتیہ میں مرید تھے۔ سماع کا بے حد شوق تھا۔ اپنے پیر حافظ امام علی صاحب کا سالار علی بڑی دھڑ دھا سے کرتے تھے۔ ۱۸۷۹ء میں بہ عمر ۲۷ سال وفات پائی۔

حافظ شوکت علی صاحب: خلف چودھری سند علی صاحب متحدہ تہوانہ کے ایک مقتدر رئیس با وضع اور خلق مجسم بزرگ تھے۔ پیروں سے معذور تھے۔ لیکن علوم دینی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ایک مدرسہ شوکت الاسلام جاری کیا تھا جہاں بڑی دور دور سے طلبہ علوم دین حاصل کرتے آتے تھے۔ مولوی مظہر علی صاحب نے بھی حافظ صاحب مرحوم سے کچھ عربی پڑھی تھی۔ ۱۹۰۲ء میں بہ عمر ۸۶ سال وفات پائی۔

منشی عزیز الدین: مولوی صاحب کے گھر کے قریب رہتے تھے صوبہ متوسط میں اکڑ اسٹنٹ کمشنر کے عہدہ تک ترقی کی تھی۔ زمانہ غدر میں انگریزوں کی مدد کی تھی اس کے صلہ میں ایک بڑا موقع اٹوٹا بھی حاصل بلگرام میں ملا تھا۔ بعد حصول نشن خانہ نشین ہو گئے تھے۔ آدمی راست گو لائق اور تجربہ کار تھے۔ مئی ۱۸۸۲ء میں بعارضہ فالج بہ عمر ۶۶ سال وفات پائی۔

منشی سید شمس الدین: سید فضل رسول کے چھوٹے بھائی تھے۔ پہلے منشی ایجنٹ چودھ پور لہے۔ پھر یو۔ پی میں تحصیلدار۔ بعد نشن کچھ عرصہ ریاست بلرام پور (راودھ) میں نائب ریاست رہے۔ ۱۸۸۶ء میں وہاں سے ترک تعلق کر کے خانہ نشین ہو گئے تھے (وفات ۱۸۹۲ء بہ عمر ۶۷ سال) ترجمان دکنش کے نام سے اپنا مجموعہ

کلام شیعہ کو لایا تھا جس میں ہندوستانی رنگ اور راگینوں پر مبنی تفریس اور گیت تھے۔ دوسری کتاب قیام کے نام سے بھی طبع ہوئی تھی۔
مولوی صاحب کی اولاد

مولوی سید مصطفیٰ علی: (۱۹۳۳-۱۸۶۳ء) مولوی منظر علی صاحب کے سب سے بڑے بیٹے۔ ۱۹۰۲ء میں بیرٹری پاس کی لیکن اس پیشہ کو بوجہ کمزوری صحت منہا نہ سکے۔ کچھ دنوں ہردوئی میں پریکٹس کی پھر سی۔ پی میں۔ اس کے بعد گھر آگئے۔ کچھ دنوں اپنے والد کی وفات کے بعد مجبوری کی لیکن اسے بھی چھوڑ دیا اور اپنی زمینداری کی آمدنی پر گزارہ کرنے لگے۔ حصول علم کا بے حد شوق تھا۔ سارا وقت کتب بینی میں صرف ہوتا تھا۔ ان سے نوٹس بھی تیار کرتے رہتے تھے۔ ہر علم کی کتاب ان کی لائبریری میں موجود تھی۔ پہلے دونوں جوان اولاد میں نہیں رہیں پھر بیوی بھی نہ رہیں اس لیے دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ محض کتب بینی سے وقت کاٹتے تھے۔ بڑے پابند اوقات بزرگ تھے۔ اور دوزبان، فلسفہ اور سائنس سے زیادہ شغف تھا۔

مولوی سید مجتبیٰ علی: (۱۹۴۲-۱۸۶۷ء) مولوی منظر علی کے دوسرے بیٹے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ مذہب اور تصوف سے بے حد ذوق تھا۔ امتحان قانون کوئی پاس کیا تھا مگر اس سے کوئی ذمہ داری فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حافظہ کرم احمد صاحب کے مرید نوجوانی ہی میں ہو گئے تھے۔ بعد ان کے خلیفہ قرار دیے گئے تھے۔ ساری عمر عبادت و وظائف و دینداری میں گزری۔ ذریعہ معاش موروثی زمینداری تھا۔ دو بیٹے یادگار چھوڑے تھے ایک سید نزل حسین جو چھوپال خاص میں تحصیلدار تھے (وفات ۱۹۶۲ء) دوسرا یہ راقم الحروف نور الحسن ہاشمی۔
مولوی سید مرتضیٰ علی: (۱۹۴۶-۱۸۷۱ء) مولوی منظر علی کے تیسرے بیٹے۔ ایف۔ اے تک انگریزی پڑھی تھی۔ کچھ دنوں سیدہ بیونسلیٹی کے سکریٹری رہے۔ لیکن عمر کا زیادہ حصہ سیروسیاحت میں گزارا۔ آخر میں خانہ نشین ہو گئے تھے۔ زوجہ ثانیہ سے دو بیٹے یادگار چھوڑے سید التاج حسین اور سید افتخار حسین۔ یہ دونوں نذیل ہی میں رہتے ہیں۔ التاج حسین صاحب اولاد میں دوسرے نے شادی نہیں کی۔

مولوی سید مرتضیٰ علی: (۱۹۴۹-۱۸۷۲ء) مولوی صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے۔ ۱۹۰۳ء میں بیرٹری پاس کرنے کے بعد پہلے کچھ دنوں الہ آباد میں بعد ازاں جہاں پور میں پریکٹس شروع کی۔ پھر ریاست بھوپال میں پہلے منصفی ملی پھر ترقی کر کے آخر میں بھوپال ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے۔ ایک دن جب معمول و رشتہ کر رہے تھے کہ دفعتاً دماغ کی رگ پھٹ گئی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم اس زمانہ میں وہیں تھے۔ انھوں نے بہ تدبیر میں کیلیں لیکن ان کی جان بری نہ ہو سکی (۱۹۴۹ء)۔ مرحوم بڑے روشن دماغ خوش تدبیر ذہین اور مکنت

تھے۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے سلطان علی وسید سلطان بھی یادگار چھوٹے تھے جو بھوپال ہی میں آقا پزیر
لئے رہے۔ اب صرف سید سلطان علی حیات ہیں۔

افضل: (۱۹۴۴-۱۸۷۰) مولوی صاحب کی سب سے بڑی بیٹی۔ قریبی عزیزوں میں سید الدین
ساکر (مدھیہ پردیش) کو بیاہی تھیں ان کے دو بیٹے اندول میں مقیم ہو گئے تھے۔ ایک بیٹی ساتھ رہتی تھیں۔
بیٹوں اور بیٹی کی اولادیں پاکستان میں بس گئی ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی انجنیئر (۱۹۶۱-۱۸۸۷) کم لکھی ہیں
بیوہ ہو گئی تھیں۔ مولوی صاحب نے ان کا عقد ثانی خلائفہ رسم زمانہ کر لیا تھا۔ روزنامہ پند میں اس کا ذکر موجود ہے۔
النفاس: (۱۹۰۵-۱۸۷۷) ان کی شادی مولوی صاحب نے اپنے حقیقی بھتیجے سید ناصر علی ولد سید علی
کی تھی۔ ایک لڑکی یادگار چھوٹی تھی اس کی اولاد پاکستان چلی گئی۔

جمیل: (۱۹۰۱-۱۸۸۲) خیر آباد کے ایک رئیس سید راجا زکریا کے ساتھ ان کا عقد ہوا تھا۔ اولاد فوت ہوئی۔
مقیم: (۱۸۸۴-۰۰۰) خیر آباد کے ایک عزیز دار محمد ابراہیم کو بیاہی گئی تھیں جو ریاست "جوہٹ"
بھیہ پردیش میں ملازم تھے۔ ان کی اولاد دیرندہ (۲ بیٹے) پاکستان میں ہیں۔ ایک بیٹی تھیں جن کا ایک بیٹا اور
ایک بیٹی ہندوستان میں ہے اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی کراچی میں۔

سید اصغر علی: (۰۰۰-۱۸۷۷) پہلے بھوپال میں ملازم تھے۔ آنکھوں میں خرابی ہو جانے
پر باعث قبل از وقت پنشن لے کر سید چلے آئے تھے۔ پہلی شادی مسماۃ النفاس سے ہوئی تھی۔ وہ نہ بڑی تبا
سری شادی عزیزوں میں کی۔ ان سے ایک بیٹا مسیہ انور علی پیدا ہوا جس کا انتقال ہندوستان ہی میں جوانی میں
لوفج کے اکاؤنٹ آفس میں ملازم تھے سید انور علی کے بال بچے دو بیٹے تین بیٹیاں) اب کراچی میں ہیں۔

مولوی خلیل الدین: مولوی صاحب کے حقیقی بھانجے (۱۹۳۷-۱۸۵۹) بڑے عالم فاضل
ہے تھے۔ حاجی محافظ اولد حکیم، مدینوں ریاست جھالا والہ میں مدرس عربی وفارسی ہے۔ وہاں کا راجہ ان کو بہت
اتھا اور اپنے خرچ پر انھیں شام و عراق و عرب کے تمام متبرک مقامات کی زیارت پر بھیجا تھا۔ ان کے ایک
بیٹا محمد جمیل الدین تھے جو سیدیلہ میں پرنسپل کرتے تھے اور ایک بیٹی تھی۔ دونوں کا بھی دو تین سال کے اندر
حال ہو چکا ہے۔ ٹاکر جمیل الدین کی شادی مقامی کی بیٹی سے ہوئی تھی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

منتظم حسین: ابن سید مصطفیٰ علی مولوی صاحب کے سب سے چھوٹے (۱۹۰۷-۱۸۸۵)
انی ہیں جن بعارضہ ذوق و فانی کی طرح ان کی چھوٹی بہن مسماۃ فریضہ (۱۹۰۹-۱۸۹۳) نے بھی جوانی

میں دوق میں تعضہ کی اور اس طرح سید مصطفیٰ علی کی گیارہ اولادوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔

مولوی صاحب کے دیگر اعزہ و احباب

منشی سید فضل حسین : (۱۸۴۹-۱۹۰۱) سید فضل رسول صاحب کے بیٹے جو اپنے والد کی وفات کے بعد تولد ہوا۔ مولوی صاحب کے خال زاد بھائی تھے۔ انھیں کے زمانہ میں مولوی صاحب ان کے تولد کے دو مرتبہ مقرر ہوئے۔ پہلے ۱۸۸۰ء - ۱۸۸۴ء بمجر ۱۸۸۴ء تاحیات فضل حسین صاحب۔ رونما چیمپ میں ان کا اور ان کے متعلقین کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔

سید التفات رسول : (۱۹۲۱-۱۸۸۳ء) اپنے والد سید فضل حسین کے بعد تولد ہوا۔ شوق تھا۔ سالانہ شاعری پڑھ کر کیا کرتے تھے جن میں شاہ شریار اور حضرت کرتے تھے۔ آرزو لکھنؤ میں سب سے پہلے آپ ہی کے زمرہ مصاحبین میں ملازم ہوئے تھے۔ ہاشمی تخلص تھا اور آرزو کے شاگرد تھے۔ آپ ہی کی بہو بیگم اعزاز رسول آجکل اقلیتی کمیشن ریونیو سرکار کی صدر ہیں۔

سید الطاف رسول : (۱۹۰۳-۱۸۶۹ء) سید فضل حسین صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ لیکن بوجہ ضعف دائمی تولداری انھیں زمی بلکہ ان کے چھوٹے بھائی التفات رسول کو دی گئی تھی۔ الطاف رسول مرحوم کے بیٹے سید افضل رسول صاحب (ولادت ۱۹۰۰ء) مع قبائل خود کراچی میں مقیم ہو گئے ہیں۔

سید معراج رسول : سید فضل حسین صاحب کی دوسری زوجہ سے تھے۔ ان کا بھی کراچی میں انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی اولاد وہیں پاکستان میں ہے۔

سید امیر حسن : سید فضل رسول کے ایک بیٹے ایک کنیز کے بطن سے (ولادت ۱۸۶۵ء)۔ التفات رسول صاحب کے زمانہ میں یہ ان کی ریاست کے منبر ہو گئے تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک ابھی حیات میں (دیر حسن صاحب) اور لکھنؤ میں قیام پذیر۔

منشی سید عنایت حسین : وفات ۱۹۰۵ء مولوی صاحب کے لڑکپن کے دوست تھے اور وزیر دار پڑھتے تھے۔ پی کے اضلاع میں ملازم رہے پھر بھوپال میں صدر المہام ہو گئے تھے۔ پہلی شادی منشی شمس الدین صاحب کی بیٹی سے ہوئی جن سے دو بیٹے ہوئے۔ نجم الدین اور قمر الدین۔ دوسری شادی بھوپال میں کی اور وہیں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ زوجہ ثانی سے جو اولاد ہوئی ان میں سید آفاق حسین نے ناموری حاصل کی۔ اب آفاق حسین صاحب کی اولاد بھوپال ہی میں اقامت کر رہی ہے۔

سید حافظ علی مولوی صاحب کے عزیز اور چوسی۔ ایف اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ انگریزوں کو اردو پڑھاتے تھے۔ ٹوٹی کالج اندور میں فارسی کے استاد تھے۔ ایک انگریزی ناول کا بہت اچھا ترجمہ نویس فلکسٹکے نام سے ۱۸۸۹ء میں شائع کروایا تھا (وفات ۱۹۱۷ء)

چودھری عبدالباقی : اشراف محلہ کے ایک نامور رئیس اور بزرگ شخصیت۔ علوم متعارف میں ماہر۔ حافظ چودھری شوکت علی کے شاگرد خاص مولوی صاحب کو بہ حیثیت ایک سفیر طالب علم کے آپ نے بھی کچھ پڑھایا تھا۔ مولوی صاحب سے بڑے مرام اتحاد تھے (وفات ۱۸۹۷ء بہ عمر ۵۵ سال)

سید کرامت حسین : سید عنایت حسین کے چھوٹے بھائی تھے۔ محکمہ بن و بست و علاقہ جات کو رٹ آف وارڈس میں منصرم اور سربراہ کار رہ کر پچھتر میلہ دار اور ڈپٹی کلکٹر ہو کر ریٹائر ہوئے عرصہ دراز تک نیشن پائی (وفات غالباً ۱۹۲۹ء)

محمد عربی : ابن شیخ حامد صاحب اشراف ٹولہ (ولادت ۱۸۷۳ء) دین تیز طبع اور خوش پوش کا فیض اہل نوجوانوں میں تھے۔ بیرٹری پاس کر کے کچھ دنوں پریکٹس کی تھی مگر زیادہ عمر پائی۔ آپ کے بیٹے انس عربی و احمد عربی تھے۔ موخر الزکر سیٹاپور کے بہت کامیاب وکیلوں میں تھے۔ انس عربی تو اولاد فوت ہوئے۔ احمد عربی نے ۱۹۷۲ء میں وفات پائی۔ ان کی اولاد سیٹاپور میں ہے۔

منشی قیصر احمد (وفات ۱۹۴۴ء) غلف منشی عزیز الدین صاحب۔ بہت ذی ہوش و جہاد اور حکام رس آدمی تھے۔ مولوی صاحب کے زمانہ میں بڑے زیرک نوجوانوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

چودھری خصلت حسین (وفات ۱۸۸۲ء) محلہ مہتوانہ میں ایک بہت بڑے تعلقہ دار تھے اور بڑے خوش انتظام۔ اودھ میں انجن تعلقہ داران بمقام لکھنؤ قائم تھے اس کے سرکاری بھی عرصہ تک رہے۔ آخر میں خطاب راجگی بھی مل گیا تھا۔

چودھری محمد عظیم : چودھری خصلت حسین کے بڑے بیٹے۔ آئری بیٹا بھی تھے۔ پورے ضلع ہردوئی میں آپ کا تعلقہ لانا آمدنی دس ہزار تھا۔ ۱۹۰۲ء میں دفعتاً انتقال کیا۔ مولوی صاحب سے مرام خصوصی تھے۔

چودھری محمد خاں : غلف چودھری محمد عظیم صاحب (وفات ۱۹۱۸ء)

چودھری نصرت علی : ولد چودھری عظمت علی۔ محلہ مہتوانہ کے بڑے رئیسوں میں تھے۔ انجن تعلقہ داران اودھ (لکھنؤ) کے عرصہ تک سرکاری رہے۔ بڑے وسیع الاطلاق اور ذکی الطبع لوگوں میں تھے۔

خطاب خاں بہادری بھی ملا تھا۔ تعلقہ داران اودھ میں آپ کا طوطی بولتا تھا لیکن قسمدستی کہ ایک خاص مقدمہ میں مانوڑ جوہانے کی وجہ سے آپ کا سہ ماہہ اور خطاب دونوں ہاتے رہے تھے (وفات ۱۲۲۹ھ)

چودھری جاوید علی : چودھری خصلت حسین کے بڑے بھائی تھے۔ ابتداً عمر میں بہت خوشحال اور صاحب شجاعت و جاہ رہے۔ سندیلہ کی چکلا داری بھی کی اور بہت مرفحال ہے۔ لیکن ان کو اپنی زندگی میں تین بڑے حد سے نصیب ہوئے۔ اول بایا ہونا نا اپنے اکلوتے فرزند احمد عظیم کا دوسرے عروسی از مند تعلقہ داری، تیسرے انتقال ان کی بہو کا جو خانہ داری میں نہایت مہارت مند تھیں (وفات ابوالفضل بونہ سال ۱۸۹۳ء)

سعید نجم الدین و سعید قمر الدین : پسران سید عنایت حسین۔ مولوی صاحب کے عزیزوں میں دو خوش لیاقت جوان حضرات۔ دونوں کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ خصوصاً سعید قمر الدین قرقوش کو شاعر تھے۔ امیر مینائی کے شاگرد۔ عرصہ تک ایک رسالہ قرقوش لکھتے تھے اور کئی نغلیں چھپوائیں۔ ان کا غیر مطبوعہ کلام مشتمل بر دیوان غزلیات دیوان قصائد و دو تہی ثمنویا وغیرہ اب بھی ان کی نواسی قرقوش لکھنؤ میں موجود ہے۔

مولوی سعید علی احمد صاحب : (۱۹۱۵-۱۸۳۳)۔ جبل پور میں ولادت کوئے تھے جہاں بڑا نام پیدا کیا۔ سر سید احمد خاں سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ جبل پور میں انجمن الاماریہ قائم کی جس کے تحت وہاں ایک اسکول مسلمان لڑکوں کے لیے اور ایک مسلمان لڑکیوں کے لیے قائم کیا تھا جو ابھی تک قائم ہیں۔ جبل پور کے میونسپل سکریٹری بھی ہو گئے تھے۔ خطاب خاں بہادری حاصل کیا تھا۔ آخر عمر میں بہت بیمار رہنے لگے تھے۔ سندیلہ ہی میں وفات پائی۔

ساجد گاکا پرشاد : (۱۹۲۰-۱۸۳۶) بم حلف راجہ دھنپت رستے۔ سندیلہ کے پشتینی راجاؤں میں تھے۔ سنسکرت، فارسی اور دھندلی میں مہارت تام۔ شاعری فارسی اور اردو میں کرتے تھے۔ بڑے فیاض، بامروت اور علم دوست رئیس تھے۔ تاجات سندیلہ میں بڑے چیر میں ہے اور انیری میں جڑی بڑی اور انگریزی اسکول کے چیر میں بھی۔ ایک سرائے بناؤں کوئن سرائے ایشیہ سندیلہ کے قریب بنوائی تھی جو ابھی تک قائم ہے۔ تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا اور ایک اچھی لائبریری بھی ان کے پاس تھی۔ ایک ذاتی مطبع بھی قائم کیا تھا جس میں ان کی اپنی اور دوسروں کی کتابیں شائع ہوتی تھیں مشہور تصانیف یہ ہیں :

فناوی : گستاں ہند، تاریخ ہند، بالہ سور، تذکرہ صدیقہ عشرت، ہندول ہند، مخزن اخلاق، بوستان اودھ۔

(تاریخ اودھ بالہ سور)

اردو: شہنوی مہر تالیاں گلشن ہدایت تار تار کج اوجھار ابا تصدیق تار تار مندیہ ترجمہ ہجارت (سات مختلف پر بشارت ہو کے تھے) ہجارت کا یہ ترجمہ اصل منسکرت ماخذ اور فضی کے فارسی ترجمہ کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے اور بہت خوب ہے۔ مولوی صاحب چونکہ عرصہ دراز تک میونسپل سکریٹری ملے اور دونوں پنج بچے بھی تھے اس لیے دونوں میں یکسانی کے باعث بڑی دوستی تھی۔

کنور منندرجہاد: پنج بچہ بڑے تھے۔ راجہ درگا پرشاد صاحب کے عزیز و قریب۔ مولوی صاحب سے مراسم آلود تھے۔ فارسی اور انگریزی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے۔ وفات ۱۹۰۵ء ۱۲ جمادی الثانی سال۔

چودھری محمد رفیع: چودھری خصلت حسین کے چھوٹے بھائی تھے۔ رئیس قصبہ پنج بچے۔ ہونے کی وجہ سے مولوی مظہر علی صاحب سے بہت دوستانہ تعلقات تھے۔ تاریخ پیدائش وفات معلوم نہیں۔ ان کے ایک پوتے عشرت علی صدیق صاحب اخبار قومی آواز کے مشہور اڈیٹر ہیں۔

سید وصی علی شاہ: درگاہ مخدوم ملاؤ الدین کے مجاہدین تھے۔ بہت خلیق خوش واقف تھے۔ مہمان نواز۔ آپ کے صدمہ لوگ مرید تھے۔ وفات ۱۸۹۸ء ۱۲ جمادی الثانی سال (راجہ جنگ بہادر خاں ہنہارہ نے آپ کا مزار سنگ مرمر کا بنوایا تھا۔

لالہ لالتا پرشاد: تعلقہ جلال پور میں سیارہ نویس تھے۔ بڑے سمجھ دار اور فرض شناس۔

لچھمن پرشاد: سندیلہ کے مشہور دہان تھے پہلے بنارسی کرتے تھے۔ بعد میں نمایاں ترقیاں کیں اور کچھ زمینداری بھی پیدا کر لی تھی۔ مولوی صاحب سے کافی مراسم تھے۔

حکیم مظہر الحسن: سندیلہ میونسپلٹی کے طبیب تھے اور بحیثیت طبیب کے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں بوجارضا معون وفات پائی۔ مولوی صاحب کے فائدہ میں زیادہ تر آپ ہی کا علاج ہوتا تھا۔ مولوی صاحب نے ایک موقع پر ایک بارغ بطور انعام آپ کو دیا تھا۔

نور الحسن ہاشمی

باب اول

واقعاتِ ہند



سفر کی مدت : ۲۹ فروری ۱۸۶۸ء آج اہل خانہ حافظ کرم احمد صاحب و والدہ سید عابدی و غیرہ
اکیس دن سفر کے بعد ساگر سے منید پہنچے۔

شہر بمبئی : ۳ مارچ ۱۸۶۸ء منشی فیہم الزماں صاحب لکھنؤ سے تشریف لائے کیفیت شہر
بمبئی کی ان کی زبانی مفصل معلوم ہوئی واقعی شہر مذکور قابلِ سیر ہے۔

پہلے پہل ریل کا سفر : ۱۲ مئی ۱۸۶۸ء۔ چونکہ میں اس وقت تک ریل پر سوار نہیں ہوا تھا۔ شوق
ریل پر سوار ہو کر کانپور گیا، چونکہ میں شیخ ابجد علی فرخ آبادی جو تافروشی کی دوکان پر ٹھہرا۔ باوصف نہ ہونے لافا
کے بہت خلق سے وہ پیش آئے اور بوقتِ معاودت محمد الیمن ان کے بیٹے کو میں نے اٹھائے اسلئے شہر کی دیکھ دیے۔

وفات لاسارڈ میو : ۱۷ فروری ۱۸۷۲ء۔ اس خبر کی تصدیق ہوئی کہ ۸ فروری ۱۸۷۲ء کو جناب
نواب میو صاحب گورنر جنرل بہادر بہ تعزیت دورہ جزیرہ انڈمان میں بطرتِ جیل خانہ سیکرٹاں تشریف لے گئے۔
دفعتاً شیر علی خاں قیدی لاکم الجیس نے ایک پتھر صاحب ممدوح کو ایسا کماری مارا کہ جان برباد ہوئے اور نکالا
فرمایا شیخ خیر کار بنے والا تھا۔

مسیح بخاس : ۲۲ ستمبر ۱۸۷۲ء۔ آج کل بخا فصلی جس کو مسیح بخا کہتے ہیں اس کو دو فوج میں خصوصاً
اور تمام ہندوستان میں مٹوانا اس کثرت سے پھیلا ہے کہ کٹر لوگ اس سے محفوظ نہیں۔ تین دن تک شدت زیادہ رہا
ہے بعد اس کے کم ہو جاتا ہے اکثر مخصوص کنگ دین پرانے مسیح بھی پڑ جاتے ہیں جو خارش ہو کر زائل ہو جاتے ہیں۔

غلام امام شہید : ۲ اکتوبر ۱۸۷۲ء۔ مولوی غلام امام صاحب متخلص شہید متوطن الہ آباد آج تشریف
لائے منشی فضل رسول صاحب ان کے بھانجے ہیں۔ شہید صاحب مولود بہت خوب پڑھتے ہیں اور وقت پڑھ
کے عشق آں حضرت میں بے معین ہو جاتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ آواز اچھی نہیں۔ بافضل ان کی عمر ستر برس

کے بہ قرنائی لگا کر سنئے ہیں۔

انگلینڈ کی تعلیم: ۱۶ دسمبر ۱۸۷۱ء بوقت ملاقات کینیڈی صاحب اسسٹنٹ انجینئر کانپور نے دو کتابیں اردو کی ایک نو طرز سر تیج 'دوسری' حلوئے بے دود و بھسے لیں اور فرمایا اگر کوئی وقت پائے پڑھے گا فائدہ کرے گا۔ ۱۰ جنوری ۱۸۷۲ء بوقت ملاقات کینیڈی صاحب اسسٹنٹ انجینئر کانپور کو دو کتابیں مغربی لٹریچر اور معلم المبتدئ پیش کیں۔ بعد ملاحظہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مجھے بوقت فرصت ان کو پڑھا دیا کروں گا چند باتیں متعلقہ کتاب مجھ سے دریافت کیں ہیں انکا بہت مہارت ہے جواب دیا کہ جس سے بہت خوش ہوئے۔

مشاعرہ: ۱۳ دسمبر ۱۸۷۲ء بمقام لکھنؤ آج منشی مظفر علی میر کے مکان پر مشاعرہ تھا میں بھی بہاری متغزل رسول صاحب شریک ہوا، شام تک یہ صحبت رہی چودھری عبدالقادر سید نے بھی اپنی نثر فارسی کی پڑھی مجمع شاعروں کا بکثرت تھا، لطف خوب ہوا، لیکن سپر کو بارش نے بے لطفی کر دی۔

ادب: ۶ مارچ ۱۸۷۲ء آج میں نے کتاب سروش سخن 'مصفیٰ شیخ فرید الدین جن صاحب دہلوی کو ملانے کیا۔ واقعی یہ کتاب فساد عجائب کے مقابلہ میں خوب تیار ہوئی ہے اور بہت خوب ہے۔

مشاعرہ: ۲۶ فروری ۱۸۷۶ء آج شب کو میرے مکان پر مشاعرہ ہوا۔ میر فضل حسین و چودھری عبدالقادر دیگر شاعر شریک جلسہ تھے صحبت شاعر کی ریختہ گوئی سے حاضرین کو کمال خفا حاصل ہوا، بوجہ بارہ بھارت کے محبت و فراموشی دوسرا سادھلی: ۵ دسمبر ۱۸۷۶ء چونکہ یکم جنوری کو دہلی میں دربار ہونے والا ہے اور کراٹھوڑ

شہنشاہی خطاب حاصل کریں گی اس وجہ سے جملہ راجہ و دروہ سالکال ترک و اعتشاک سے شرکت دربار کے واسطے جاتے ہیں۔ یہ دربار بھی قابل یادگار ہوگا۔ ریلوے کلبی کو آج کل بہت فائدہ ہو رہا ہے۔

یکم جنوری ۱۸۷۷ء آج ملکہ وکٹوریہ نے شہر دہلی میں خطاب شاہنشاہی قیصرہ ہند کا حاصل کیا جلسہ عظیم ہوا ہندوستان کے سب بڑے بڑے راجہ شریک دربار تھے، اکثر لوگ خطاب بھی حاصل ہوئے۔ ۲۲ لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور تاریخ امر و زمیں ہر دوئی خام میں بھی بڑا جلسہ ہوا، جس میں اعلیٰ درجہ کے موزا شخص خاص شریک تھے۔

قحط: ۲ اگست ۱۸۷۷ء لوگ مشہور کرتے ہیں کہ لارڈ الٹن صاحب گورنر جنرل ہندوستان اور کوپر صاحب انجینئر گورنر اضلاع مغربی و شمالی و اودھ کی نیت اچھی نہیں ہے، یہ ہی امر باعث خشک سالی ہے، یہ دونوں صاحب ان عہدوں پر جدید مقرر ہوئے ہیں۔

۵ ستمبر ۱۸۷۷ء غلہ روز بروز گراں ہوتا جاتا ہے۔ آج نرخ گندم کا ۱۲ سیر نری اور چنے دو سیر

نبری تھا۔ بارش مطلقاً نہ ہوتی تھی خلق اللہ کو ہر اس فنا امید پر دوجہ غایت ہے۔

۱۶ ستمبر ۱۸۶۷ء - ہوا گرم مثل بیساکہ دھبٹکے چلتی ہے۔ اخیر شب کو سردی ہوتی ہے۔ پانی کے آثار بالکل معلوم نہیں ہوتے، نرغ غلہ کا بارہ گھٹا جاتا ہے۔ خلائی از حد پریشان اور کاشتکار اپنے موٹی اتر لیے جاتے ہیں۔ ۲۳ ستمبر ۱۸۶۷ء خشک سالی کی شکایت ترقی پذیر ہے۔ آثار قحط بہ دوجہ پیدا ہیں۔ صد ہا آدمیوں نے گداگری اختیار کی۔ خدا اپنا فضل فرمائے۔

۲۷ نومبر ۱۸۶۷ء - جبکہ بیاعت خشک سالی اسانی فاقہ کرے ہے ہوں تو وصول ہونا مال گزاری کا سخت دشوار ہے لیکن خسوس ہے کہ سرکار کوئی خمد سماعت نہیں کرتی۔

۳۰ دسمبر ۱۸۶۷ء - آج کل اکثر لوگ ساکنان سندیلہ بوجہ عدم پیداوار فضل غریب و گرائی خلق کے سخت پریشان ہیں اور درود روز تک ان کو کھانا نصیب نہیں ہوتا خداوند کرم اس حالت نازک کو جلد دور فرمائے۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۶۷ء - اگرچہ کہ بارش ہوئی ہے لیکن چونکہ ہنوز غلہ تیار نہیں ہے۔ اس وجہ سے شکایت گرائی بدستور سابق ہے۔ خلا سے امید ہے کہ ایک وہ بھی دن ہوگا کہ یہ شکایت دفع ہوگی نیز وازہ پر آج کل اس قدر محتاج آتے ہیں کہ ان کو تھوڑی تھوڑی بھی بھیک دی جاتی ہے تو اس کی ایک خدا کریم ہر جاتی ہے۔

۲۱ فروری ۱۸۶۸ء - کچھ عرصے سے نرغ خلہ حسب ذیل ہے جس سے لوگوں کو از حد تکلیف ہے۔ روز دو چار آدمی تلف ہوتے ہیں۔

گندم - ۱۰ سیر، جواری خورد ۱۲ سیر، برنج ۸ سیر، دال ارہڑ ۱۱ سیر، جو ۱۳ سیر، جواری کلاں ۱۳ سیر، روغن زیتون ۲ سیر، مٹری عظیم آبادی ۱۳ سیر، ماش ۸ سیر، قند سیاہ ۱۷ سیر، مسور ۱۳ سیر، بارہ ۱۱ سیر، کلن ۱۱ سیر، نخود ۱۰ سیر، مونگ ۱۰ سیر، روغن سیاہ ۲۷ سیر۔

علی گڑھ کالج - ۲۹ دسمبر ۱۸۶۷ء - منظور ہے کہ بر خوردار مصطفیٰ علی کو واسطے تحصیل علم مدرسہ العلوم علی گڑھ کو روانہ کر دیں۔۔۔ کہ وہاں کی تعلیم اچھی ہوتی ہے۔ اس سیر ملنے سے مفتی فضل رسول وطنی فیہ التواکل نے بھی اتفاق رائے کیا ہے۔ منصفیہ چکھو جی آئندہ سے ان کی تعلیم کا بندوبست مدرسہ مذکور میں کیا جائے۔

۱۵ جنوری ۱۸۶۹ء - صبح کے دس بجے مدرسہ علی گڑھ میں پہنچا مولوی محمد اکبر صاحب منیر مدرسہ مذکور سے ملاقات کر کے بر خوردار مصطفیٰ علی دامیر حسن کو داخل بورڈنگ ہوس کے کیا اور مبلغ ۱۵ روپیہ ۳ آنے بابت فیس مدرسہ سکولائزیشن و حفظہ اہل علم بتلائے جنوری ۱۸۶۹ء لکھنا تہ تیغ ہوئی جا۔۔۔۔۔

۱۸ جنوری ۱۸۷۹ء مقام علی گڑھ - واسطے خرید اسباب ضروری میز و کرسی وغیرہ متعلقہ برقرار مصطفیٰ علی بازار علی گڑھ کو گیا۔ اول مولوی فرید الدین احمد صاحب صدر اعلیٰ سے ملاقات کی یہ رئیس کڑا مانک پور کے ہیں اور مبلغ ۷۰ روپے ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ اس کے بعد مولوی محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات کی یہ نہایت ذی علم شخص ہیں۔۔۔ بعد مولوی لطف اللہ صاحب مدرس جامع مسجد سے ملاقات کی یہ مولوی صاحب فاضل زبردست ہیں اور بہت سے منہتی طالب علم ان کے پاس پڑھتے ہیں۔۔۔ مولوی صاحب کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ ہے، مجھ سے بے کمال تپاک پیش آئے۔ جامع مسجد میں میں نے نماز ظہر کی ادا کی یہ مجھ نہایت مضبوط پتھر کی بنی ہوئی ہے، شب کو میں بورڈنگ ہوس مدرسۃ العلوم میں لوٹ آیا اور مولوی اکبر صاحب منیر کو چھانے پیسے دے کر بورڈنگ ہوس میں کھانا کھایا۔

۲۲ جنوری ۱۸۷۹ء - مقام سندیہ حسب تحریک آج چودھری خصلت حسین صاحب سے ملاقات کی اور حالات تعلیم مدرسۃ العلوم بیان کیے جس سے نہایت درجہ خوش ہوئے ان کا ارادہ ہے کہ اپنے پوتوں میں سے کسی کو واسطے تعلیم کے علی گڑھ کو بھیجیں۔ یہ مدرسہ سید احمد خاں صاحب نے قائم کیا ہے، بہت وسیع اس کا رقبہ ہے اور حکمت عملی یہ کہ ہے کہ جو شخص ۲۰ روپے سید صاحب کو دیوے تو اس کا نام احاطہ دیوار کے ایک جزیں کندہ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص مقدار زائد دیوے اس کے نام کا پھانک بنا دیا جاتا ہے اور اس کا نام کندہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کا رروائی سے اکثر لوگ بغرض ابقائے نام روپیہ دیتے ہیں اور دیواروں اور پھانکوں پر ان کے نام کندہ ہیں۔ اسی طور سے جو کالج زیر تعمیر ہے اس کی کارروائی بھی ہوئی ہے اور صدر ہادی اس چندہ میں شریک ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۹ء - تحریر رسالہ محمد اکبر صاحب منیر مدرسۃ العلوم علی گڑھ سے واضح ہو کر برقرار مصطفیٰ علی لکھنے پڑھنے میں محنت کرتے ہیں ان کے استاد ان سے خوش ہیں۔ یہ کیفیت پانزدہ روزہ آیا کرتی ہے۔
تپ و لرزہ: ۲۰ ستمبر ۱۸۷۹ء - بعائد اخبارات واضح ہوتا ہے کہ بیماری تپ و لرزہ عالم گیر ہے۔ کوئی شہر و قصبہ و وہ اس سے محفوظ نہیں ہے۔

۳ اکتوبر ۱۸۷۹ء - آج کل سبیل خاص اور دیہات نواحی میں تپ و لرزہ کی از بس شکایت ہے۔ کوئی گھر نہیں ہے کہ جس میں چارپانچ بیمار نہ ہوں بلکہ کثرت اس قدر ہے کہ اس علالت سے کوئی آدمی گھر میں محفوظ نہیں رہے۔ میرے مکان میں بھی چار آدمی مبتلائے تپ و لرزہ ہیں۔

وفات غلام امام اشہید: ۲ اکتوبر ۱۸۷۹ء۔ مولوی غلام امام شہید نے جوڑتہ میں منشی فضل رسول کے ہاں ہوتے تھے اور مولود شریف تصنیف کردہ خود بہت اچھا پڑھتے تھے، پندرہ سال آباد میں انتقال کیا۔ یہ بزرگ بڑے نامور شخص تھے اور ریاست ہائے حیدر آباد درام پور سے کچھ روپے ماہوی ان کے صرف کے لیے مقرر تھے۔ صاحب تصنیف بھی تھے اور بیاعت نقل سماعت کان میں قرنائی لگا کر کیا سنتے تھے، مولوی صاحب لا ولد فوت ہوئے۔

حیضہ: ۲۰ جولائی ۱۸۸۰ء اس سال دیہات نواحی میں بھی ہیضہ شروع ہو گیا ہے۔ شاید ہیسا موضع ہو کہ جس میں اس کی شکایت نہ ہو۔

۱۲ اگست ۱۸۸۰ء بیاعت ایام گرام شب کو اتفاق خواب کا سفت بالا خانہ پر ہوتا ہے اور توفیق کے ورثا کی گریہ وزاری سے رات کو نیند نہیں پڑتی اور ایک نوع کا ہول پیدا ہوتا ہے۔
سردہ شمساری: ۷ فروری ۱۸۸۱ء۔ آج مردم شمار سے وقت ۹ بجے شب کے تمام ہندوستان میں شروع ہوئی۔ اور ۳ بجے صبح کے ختم ہوئی۔ بعد چندے شماران کا معلوم ہوگا۔

سستا دنیالہ دار: ۲۷ جون ۱۸۸۱ء۔ دو روزے سارہ دنبال دار گوشت مال و مغرب میں برآمد ہوتا ہے۔ لوگ اس کے آثار اچھے نہیں بتاتے ہیں۔

وفات اسید لکھنوی: ۷ فروری ۱۸۸۲ء۔ آج دوپہر کو منشی مظفر علی اسیر شاہ زبانی لکھنؤ نے بمقام لکھنؤ بصرہ ۸۰ سال انتقال کیا۔ یہ منشی فضل رسول صاحب واسطی مرحوم کے شاعری میں استاد تھے اور ہزار ہا آدمی مرحوم کے شاعری میں شاگرد ہیں۔ عہد واجہ علی شاہ میں مرحوم نے بہت بڑا اعزاز حاصل کیا تھا بلکہ بادشاہ بھی اسی کے شاگرد تھے۔

مشاعر: ۷ اگست ۱۸۸۲ء۔ مکان منشی فضل حسین صاحب پرشام کو تقریب مشاعرہ ہوئی۔ شیخ ظہور الحسن صاحب شاعر لکھنؤ و راجہ غلام حسین خان بہرائچ بھی شریک محبت تھے۔ دینک اسکی گرم بازاری کی ۲۴ ستمبر ۱۸۸۲ء۔ آج منشی فضل حسین نے صحبت مشاعرہ اپنے مکان پر منعقد کی جس میں سترائے لکھنؤ و سندیل شریک تھے۔ بی بی عصمت شاعرہ لکھنؤ کی غزل گوئی سے لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ میں شریک محبت نہ ہو سکا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۲ء۔ آج پھر مشاعرہ منشی فضل رسول حسین کے مکان پر ہوا لیکن یہ امر میرے غلام ہے۔

۱۔ روزنامہ جولائی اور اگست میں ہیضہ سے موت پانے والوں کے نام سے پڑھے۔ (ن)

کیونکہ اس کا زبان چرچا اچھا نہیں تھا اور تجربے سے اس کا انجام بخیر ہوتا ہے نہیں دیکھا۔
۱۱ جنوری ۱۸۸۳ء آج شب کو پھر صحبت مشاعرہ منشی فضل حسین صاحب نے منعقد کی دو بجے صبح کو فراغت ہوئی۔ چوں کہ یہ امیر کے خلاف ہے اس وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔

آتش خردگی و جیچہ چاک : ۸ مئی ۱۸۸۳ء۔ اب کی سال ہندوستان میں آتش زنی بہ کثرت ہو رہی ہے بڑے کارخانے جل کر خاکستر ہو گئے۔ اور تھامی ہندوستان میں شکایت جوچک بھی بہت ہوئی۔ ہزاروں اس عارضہ میں فوت ہوئے۔

اندھ سبھا : ۱۸ نومبر ۱۸۸۲ء۔ شب کو رقص اندر سبھا کا منشی فضل حسین کے مکان پر ہوا۔ شریک جلسہ تھا۔

گوشہ جنسز : ۲۳ دسمبر ۱۸۸۲ء۔ ۱۹ دسمبر کو لارڈ ڈیفین صاحب گورنر جنرل ہندوستان سے ولایت نہ ہوئے اور لارڈ ڈیفین صاحب نے چارج گورنر جنرل کا لیا۔ صاحب اول الذکر نے ہندوستانیوں کے صفامندی کا اچھا برتاؤ کیا۔

مشاعرہ : ۲۹ جنوری ۱۸۸۵ء۔ منشی فضل حسین صاحب کے مکان پر صحبت مشاعرہ قرار پائی گلاں جوہر الحسن شاعر گھنوا بہ مقابلہ منشی محمد حسن نامی شاعر باندہ بہت خوب تھا، کوئی شر خالی امتحان سے واقعی خوب غفل کہتے ہیں۔

مستاسے : ۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء۔ شب کو آٹھ بجے سے بائیس بجے تک ہزاروں ستارے آسمان سے نظر آئے۔ یہ کیفیت تھامی ہندوستان میں پیدا ہوئی، لوگوں نے بہ نظر حیرت اس کو مشاہدہ کیا۔ بائے کہ اس کا کیا انجام ہو۔

جوہر : ۲۹ نومبر ۱۸۸۵ء۔ آج سرکار انگلشیہ نے شہرمانڈلے دارالسلطنت ملک بہار فتح محل اہمیتیا نے اطاعت اختیار کی اور اپنی جان و مال کو انگریزوں کے سپرد کیا۔ شاہ موصوف بہ جانب بذریعہ جہاز بھیجے گئے۔ شاید ہندوستان کے کسی ٹاپو میں اب ان کا قیام ہو۔

فوج کی زیادتیاں : ۶ فروری ۱۸۸۶ء۔ رسالہ سواران انگریزی سیتاپور سے حامد سندیل ہوا چونکہ سواروں کے مزاج میں زیادتی و بدعت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار بلخانہ حفظ اپنی آبرو کے روپوش ہو گئے۔ لیکن سامان رسد وغیرہ کا بذریعہ چرسایا تحصیل مہیا کر دیا لیکن سوار

لوگ ہر گلی کو چھین تحصیلدار کی تلاش کرتے تھے۔۔۔۔۔ رسالہ تو بعد ایک روزہ قیام کے کانپور روانہ ہو گیا لیکن سواروں کے کرنیل نے رپورٹ شکایت مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار کی صانع اور صاحب مکشتر سینا پور کو کر دی۔

دس باس جو بلی : ۱۶، فروری ۱۸۸۶ء - مقام ہر دوئی آج گیارہ بجے دن کے شریک دیوار جشن جو بلی ہوا۔ میرا کسی بزمہ آخری بھڑیاں دوسری تھی۔ نبر اول حاجی محمد حسین خان شاہ آباد کا تھا۔ ہارس فورڈ صاحب ڈبٹی مکشتر ضلع ہر دوئی بلباس شاہانہ ہاتھی پر سوار ہو کر ۱۲ بجے تشریف لائے اور کرسی نقرئی جو بالائے تخت بھی ہوئی تھی۔ حکمن ہوئے، اول چودھری محمد عظیم نے بزبان اردو اڈر لیس پڑھا۔ اس کے بعد قصیدہ منشی فضل حسین صاحب کا پیش ہوا مگر پڑھا نہیں گیا۔ پھر منشی نظیر حسن صاحب کیل کا کوروی نے چند اشعار مدح میں پڑھے اس کے بعد نڈت تر بھول نا تھتلی اے منصف بلکل نے منجانب انسٹی ٹیوٹ بلگرام ایچ انگریزی میں دی۔ اس کے بعد صاحب بہادر نے بزبان اردو جواب اڈر لیس دیا۔ بعد قیام عطر و پان جلسہ برفاست ہوا۔ سنبھگھوڑ دوڑ کشتی و شب کوروشی و آتش بازی و ناچ طوائفوں کا ہوا اور اظہار مسرت میں ۱۱۸ قیامی فوجداری اور دیوانی کر جن کی میعاد ۲۰ جون ۱۸۸۷ء تک ختم ہونے والی تھی اجل خانہ ہر دوئی سے رہا ہوئے۔

سہائے قیدیال : ۸، مارچ ۱۸۸۷ء - بحالہ گزٹ اردو محررہ ۵ مارچ ۱۸۸۷ء وضع ہو کر بتقریب جن جو بلی حضرت ملکہ محترمہ قیصرہ ہند کا میملداری انگریزی میں قیدیال فوجداری حسب ذیل رہا ہوئے۔

مرد ۸۳۸، ۱۱، عورتیں ۱۳۶، کل ۳۰۵، ۱۳۔

وفات واجد علی شاہ : ۲۲ ستمبر ۱۸۸۷ء - کل واجد علی شاہ سابق بادشاہ اودھ نے بدھما گیا اور ۱۳ سالہ عمر میں انتقال فرمایا۔

نول کشور : ۵ جنوری ۱۸۸۸ء - چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیل واسٹنٹ مسکرٹری انجن ہند لکھنؤ کو خطاب خان بہادر گورنمنٹ انگلشیہ سے کم جنوری ۱۸۸۸ء کو حاصل ہوا جس کا میں نے خط مبارک باد چودھری صاحب کو لکھا۔ منشی نول کشور مالک مطبع اودھ اخبار کو بھی خطاب سی۔ آئی۔ او کا گورنمنٹ سے حاصل ہوا۔ ان کو بھی میں نے خط مبارک لکھا دی بھیجا ہے۔

کاشت خربزہ : ۱۱ جولائی ۱۸۸۷ء - اودھ اخبار محررہ ۱۵ جولائی ۱۸۸۷ء نمبری ۶۱۸۹۶ کے کالم اول میں درج ہے کہ اگر تخم خربزہ دودھ اور شہد میں تر کر کے بوسے جائیں تو پھل نہایت شیریں ہوگا اور اگر اس کے تخم کو گلاب میں رکھے اور پھر اس کو بونے تو خربزہ میں گلاب کی خوشبو ہوگی اور جس کھیت میں خربزہ میں کیڑے

پیدا ہو گئے ہوں تو ان کی طرول کو جمع کر کے پانی میں جوش دے اور اس کو دوسری کھیت کے خرپے میں ڈال دے تو اس کھیت میں کیڑے پیدا نہ ہوں گے۔

کاننگر گیس: ۱۶ جولائی ۱۸۸۸ء۔ آج نو بجے صبح کے کانگریس اور بنگالیوں کے خلاف ایک جلسہ جو دھری محمد عظیم صاحب کے مکان پر منعقد ہوا جس میں صاحبان ذیل شریک تھے اور بعد فراغت جلسہ میں تاخلف کانگریس بہر پر ریڈیٹی جو دھری محمد عظیم صاحب بنام مہتمم پانیروا کیسپس لکھنؤ، وشنی امتیاز علی صاحب کیل لکھنؤ کو بھیجے گئے اور پانچ اسپیکرین ارباب ذیل کی طرف سے منظور کی گئیں اور بعد یاس ہونے مندو لین پان مطیع آزاد لکھنؤ کے کسی پرچہ آئندہ میں طبع کیا جائے گا۔ تفصیل حاضرین جلسہ جو دھری محمد عظیم صاحب جو دھری جاد علی صاحب راجہ درگا پرشاد صاحب کنور نریندر بہادر صاحب شیخ احمد علی صاحب اشوتق مالک مطیع آزاد لکھنؤ سید نجم الدین و قوال الدین، لکھنؤ پرشاد بزاز لال پرشاد بزاز، مہاراج شیو سہاسے، راقم تحریر، ہذا صراحت ان اشخاص کی جن کی اسپیکرین منظور ہوئیں۔ جو دھری محمد عظیم صاحب جو دھری نعمت علی صاحب راجہ درگا پرشاد صاحب کنور نریندر بہادر صاحب راقم الحروف۔

تعداد ۱۷ فوج: ۲۲ ستمبر ۱۸۸۸ء بمقام پریچہ جریدہ روز گاردر اس موضوع ۱۵ ستمبر ۱۸۸۸ء و فوج ہوا کہ ہندوستان میں کل فوج انگریزی بقیدہ گورہ و ہندوستانی حسب ذیل ہے۔ فوج گورہ ۱۲۷۹، فوج ہندوستانی ۱۳۴۴۷۱۔ کل ۲۰۵۸۵۰۔ سرکار انگریزی ایسی منظم ہے کہ اس قلیل فوج سے کل ہندوستان اور ہندو کا خوش اسلوبی کے ساتھ بندوبست کر رہی ہے عہد شاہی میں اقرب دولاکھ کے فوج لکھنؤ میں رہتی تھی۔ لیکن اس سے صرف اودھ کا انتظام قابل اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

سیحد و تبت: ۳ نومبر ۱۸۸۸ء۔ بالفعل جو جگہ مابین فوج برٹش و سن زئی وغیرہ فرقہ ہزارا سے ہو رہی ہے اس میں متواتر فوج انگریزی کو ہوئی۔ اگرچہ کپتان ہیلی صاحب دیگر افسر فوج حاکم ہوئے۔ لیکن انگریزوں نے اکثر دیہات ان کے احاطہ دیے اور قلعے منہدم کر دیے، اہل فرقہ بحالت مجبوری اطاعت قبول کرتے جاتے ہیں اور جرمانہ مجوزہ برٹش ادا کرتے جلتے ہیں غالباً اقرب زمانے میں فوج انگریزی بعد عہد و موثیق مزوری مظفر و منصور واپس ہو۔ صاحب اقبال سے مقابلہ جن کا ستارہ ترقی اوج پر ہے نہایت مشکل و دشوار ہے۔ انگریزوں نے مقامات سکھ و تبت والوں کو بھی شکست فاش دی اور ان کی فوج مفرور ہو گئی۔ کاننگر گیس: ۱۲ نومبر ۱۸۸۸ء آج میرے نام ایک خط مرزا کنور پر نام سنگھ صاحب بہادر سی۔ آئی۔

ای آنریری سکریٹری انجمن ہندو تعلقہ داران اودھ محررہ ۸ نومبر ۱۸۸۸ء میں مضمون موصول ہوا کہ حسب تجویز کمیٹی انجمن ہند سورج ۵ نومبر ۱۸۸۸ء پر امر قرار پایا ہے کہ ۲۲ نومبر کو ایک جلسہ عام اہل ہندو اہل اسلام و دیگر مذاہب اقوام خیر خواہان ملک و بی خواہان انگلشی گورنمنٹ کا واسطے تعمید چند مقاصد خیر ملک و گورنمنٹ کے شہر لکھنؤ مقام بارہ دری قیصر بارغ میں کیا جاوے۔ اسی جلسے میں ترتیب دستور العمل انڈین یونیٹیڈ پریس کلب کیٹی کی بھی عمل میں آئے اور تقسیم کارہائے ضروری متعلقہ اینٹی کانگریس بھی ہو جائے

میرا خیال ہے کہ بشرط امکان اس جلسے میں شریک ہوں کیوں کہ یہ جلسہ خلاف کانگریس منعقد ہوگا اور مجھے اس سے مخالفت ہے بلکہ قبل اس کے میرا ایک بیان متعلقہ اینٹی کانگریس انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے

ایڈنٹی کانگریس ۲۲ نومبر ۱۸۸۸ء - آج دو بجے شام کو جلسہ اینٹی کانگریس میں بارہ دری قیصر بارغ میں شریک ہوا۔ قریب ایک ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ منجملہ ان کے چند مشاہیر کا نام درج ذیل ہے۔

راجہ شیو پرشاد صاحب "بنارس"، سر سید احمد خاں صاحب بہادر (مئی گڑھ) اور سناٹا سنگھ صاحب تعلقہ دار (مہارون) راجہ پرتاپ رائے سنگھ صاحب تعلقہ دار (بھنگا) راجہ تصدق رسول صاحب تعلقہ دار (جہانگیر آباد) چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار (ککڑلی) وغیرہ وغیرہ آؤ آؤ منشی امتیاز علی صاحب وکیل نے منجانب انجمن شکریہ تکلیف فرمائی شرکائے کمیٹی کا ادا کیا۔ بدوہ منشی اظہر علی صاحب وکیل نے اس جگہ کی کاربہ پڑھا جو آؤ کلید کا لون صاحب لفٹیننٹ گورنر مالک مغربی و شمالی اودھ نے مسٹر ہیوم صاحب بانی کانگریس کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس سے جناب مدد و ح کی مخالفت بانیان قومی کانگریس صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ زال بعد اس کمیٹی کا نام انجمن خیر خواہان ملک ہند رکھا گیا جس کے پریذیڈنٹ اودے صاحب تعلقہ دار مہارونہ بالتفاق رائے تجویز ہوئے اور سر سید احمد خاں صاحب اور راجہ صاحب (بھنگا) سکریٹری قرار پائے اور ممبران انجمن میں راقم کا نام حسب تحریک چودھری نصرت علی صاحب درج ہوا۔

شام کو جلسہ خیرست ہوا اور راقم اپنے مکان مشک گنج میں مقیم ہوا۔

مفصل دریافت ہوا کہ دعوت لفٹیننٹ گورنر بہادر میں جو ۷ نومبر ۱۸۸۸ء بمقام عمود آباد قرار پائی تھی راجہ امیر حسن خاں صاحب والی ریاست کا ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ صرف ہوا انواع اقسام کے کھانے پخت ہوئے تھے۔ سامان رقص و رنگ و روشنی و آتش بازی وغیرہ قابل دید تھا۔ قبل اس کے راجہ

صاحب موصوفت مبلغ پچپن ہزار روپیہ دعوت لارڈ ڈفرن صاحب گورنر جنرل کشوری ہند میں بمقام شہ فر کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب مصارف کا مقصد حصول خطاب سے ہو۔

لینس ڈاؤن ولسلارڈ ڈفرن : ۲۰ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ گوار کونسل لینس ڈاؤن صاحب بہادر جدید گورنر جنرل کشوری ہند داخل ہوئے اور ۶ ماہ حال کو کلکتہ جا کر ۱۰ دسمبر کو چارج وائسرائے لارڈ ڈفرن صاحب سے حاصل کریں گے۔ لارڈ صاحب جدید کی عمر ۳۲ سال کی ہے قبل اس کے ملک کنڈاکے گورنر جنرل تھے۔ آدمی ذی علم لائق اور صاحب تجربہ ہیں دیکھنا چاہیے کہ رعایا کے حق میں کیا سلوک کرتے ہیں۔ لارڈ ڈفرن صاحب اچھے بہت بڑے مدبر زیرک ہوش مند تجربہ کار تھے اور ان کے عہد میں برصغیر ہوا۔ سکرم اور ہزار میں کامیابی کے ساتھ جنگ ہوئی لیکن رعایا کو ان کی وجہ سے نفع نہیں ہوا بلکہ قانون ٹیکس انھوں نے جاری کیا جس سے عوام پریشور ملازم وغیرہ کو پریشانی لاحق ہے لارڈ ڈفرن صاحب کی عمر ۶۰ سال کی ہے۔ ایکٹ لگان اودھ یعنی ایکٹ نمبر ۲۲، ۸۶ء حضرت ہی کے وقت میں پاس ہوا جس سے زمینداروں کی بالکل بے اختیار ہو گئی۔ باب بے دخلی کا شہکاران مطلقاً مسدود ہوا۔

جدید وائسرائے : ۱۳ دسمبر ۸۸ء معائنہ اودھ اخبار "محررہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ لارڈ لینس ڈاؤن صاحب جدید وائسرائے ۹ دسمبر ۸۸ء کو داخل کلکتہ ہوئے اور ۱۰ دسمبر کو چارج وائسرائے کالے کر انتظام سلطنت میں مصروف ہوئے۔ اور لارڈ ڈفرن صاحب سابق گورنر جنرل ہند بلندینے چارج کے اسی وقت صبح کے ۱۰ بجے بزم ولایت روانہ ہوئے۔

وائسرائے اور گورنروں کی تنخواہ : ۲۳ فروری ۱۸۸۹ء پرچہ جدید روزگار مدراس محررہ ۹ فروری ۱۸۸۹ء بحوالہ کانڈاکہ اخبار واقع ہوا کہ گورنر جنرل ہند و گورنر لوکل گورنمنٹوں کی تنخواہ حسب ذیل ہے۔ نام گورنمنٹ : وائسرائے ہند تنخواہ سالانہ دو لاکھ پچاس ہزار آٹھ سو نام گورنمنٹ : گورنر بمبئی تنخواہ سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار نام گورنمنٹ : لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی تنخواہ سالانہ آٹھ ہزار نام گورنمنٹ : گورنر مدراس تنخواہ سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار نام گورنمنٹ لفٹیننٹ گورنر بنگالہ تنخواہ سالانہ باؤس ہزار نام گورنمنٹ : لفٹیننٹ گورنر پنجاب تنخواہ سالانہ چھتر ہزار۔

لینس ڈاؤن : ۱۸ اپریل ۱۸۸۹ء - ۶ بجے شام کے خاص ریل گاڑی میں لارڈ اور لیدی لینس ڈاؤن صاحب مع صاحبین وغیرہ لکھنؤ سے براہ منڈیل روانہ شہر ہوئے۔ چونکہ لارڈ کانٹنٹل ایک ایکسپریس کے

فاصلہ پر واسطہ حفاظت ریل گاڑی کے مامور تھے یہ گورنر جنرل نہایت سہل الطبع اور لائق شخص ہیں۔

شہزادہ وکٹ : ۱۲ نومبر ۱۸۸۹ء - ۹ نومبر کو شہزادہ وکٹر خلف پرنس آف ویس مل ہنگلستان بطور سیر و سیاحت داخل شہر بمبئی ہوئے ہندوستان کے کل نامی شہروں کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

۱۸ جنوری ۱۸۹۰ء آج صبح شہزادہ البرٹ وکٹر بیرو ملک وکٹوریہ قیصرہ ہند رونق افروز لکھنؤ ہوئے کل تعلقہ داران سندیل واسطہ جائزہ جلسہ دعوت و روشنی و آتش بازی جو منجانب انجمن ہند لکھنؤ آج رات کو ہوئی بجے روانہ لکھنؤ ہوئے رات میں نہیں گیا کہ صرف بے جا تھا۔

سراکام و بخاسر : یکم اپریل ۱۸۸۹ء - قصبہ سندیل اور اس کے نواح و نیز تمام ہندوستان میں آج کل بیماری زکام و بخار کی شدت تمام ہے کوئی گھرا بسا نہیں ہے کہ جس میں اس کی شہ کایت نہ ہو لیکن محل شکر ہے کہ اس بیماری سے اب تک کوئی ضائع نہیں ہوا۔

انفوغٹنز : بخار انفوغٹنز انگلستان سے یہاں آیا ہے وہاں یہ بڑا مہلک تھا۔ یہ سرد ملک کا عارضہ ہے جس کو جو شائدہ سے فائدہ ہوتا ہے سرد چیزیں مضر ہیں۔ فاقد علاج نہ کرنا اس کی عمر دو ماہ ہے ہندوستان کے سرد ملکوں میں یہ مہلک قرار پایا ہے سنا گیا ہے کہ جبل پور میں نو سو آدمی ہلاک ہوئے۔

بارش : ۱۰ اگست ۱۸۹۰ء - بمبائن اودھ اخبار وغیرہ واضح ہوتا ہے کہ امسال تہائی ہندوستان میں اس قدر برکشت بارش ہوئی جس سے مکانات خام و پختہ و سڑک ریلوے و فصل خریف وغیرہ کو از حد نقصان ہوا۔ اشخاص مفسر کا بیان ہے کہ ایسی بارش ان کی عمر میں شاید کبھی ہوئی ہو۔ سڑک ریل گاڑیوں کا نفاذ کو ایسا صدمہ پہنچا کہ تین ہفتہ تک وہ جاری نہیں ہو سکتی اور یہی کیفیت بریل ریل کی رام گنگا نے کر رکھی ہے۔ آمد و شد مطلقاً بند ہے۔ مغل سرے بنارس ہو کر ڈاک کانپور الہ آباد اور لکھنؤ کو آتی ہے۔ تحقیق سے سنا گیا ہے کہ جس مقام پر ریل کانپور کی بگڑی ہے اس مقام پر تیس فٹ اونچی پانی ٹرک پڑ گیا ہے۔

ایجوکیشن کانگرہیں علی گڑھ : ۱۲ نومبر ۱۸۹۰ء آج شب کو چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ داران کنگرہیں ورینس عظیم سندیل و چودھری نصرت علی خلیف چودھری عظمت علی صاحب مرحوم سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ و رئیس سندیل و چودھری عمر رؤف صاحب خلیف چودھری حشمت علی صاحب تعلقہ داران مرحوم مولوی فرید الدین صاحب رئیس کٹرہ حال سب جج فیشن یافتہ میری عیادت کو تشریف لائے۔ مولوی صاحب نے اس مقام کی کچھ کیشن کا کنگرہیں علی گڑھ کے جس کے سرپرست مولوی سید احمد خاں صاحب ہیں آپ ممبر تجویز

ہوئے اور آپ سے ممبری کی فیس پانچ روپیہ چاہیے پس آپ زرد کورہ داخل کریں۔ چنانچہ راقم نے پیسہ غلط
سولوی صاحب بلا لحاظ طبع ممبری اسی وقت مبلغ مطلوبہ پیش کیے۔

۱۲ دسمبر ۱۸۹۰ء آج ایک خط سر سید احمد خاں صاحب سکرٹری محمد بن انجمن کیشن کانگریس الہ آباد
میں مضمون بنام راقم موصول ہوا کہ من البدلے ۲۸ دسمبر ۱۸۹۰ء لغایت ۳۰ دسمبر ۱۸۹۰ء کو اس اجلاس کانگریس بدھما الہ آباد
قرار پایا ہے، چونکہ آپ اس جلسہ کے ممبر ہیں اگر شرکت کریں تو بیشتر سے مطلع فرمائیں کہ ریلوے اسٹیشن پر سواری
بھیجی جائے اور انتظام مکان و قیام اور سامان ہمان داری ہر کم کا بغرض آسانش و آرام آپ کے مہیا کیا جاوے۔
دوشاہ زادوں کا سفر ہند: ۲۷ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار عمرہ امر و سہ واضح
ہوا کہ شہنشاہ زادہ سلطنت روس و شہزادہ جارج ملک یونان ۲۳ دسمبر ۱۸۹۰ء کو بطور ریو سیاحت ہندوستان
داخل ہوئے جن کا بہت جلوس کے ساتھ منجانب انگلش گورنمنٹ اعزاز ہوا، یہ نامی مقامات ہندوستان
کی سیر کریں گے اور مقامات سرحدی بھی ملاحظہ کریں گے۔

طریقہ تعلیم: ۱۶ فروری ۱۸۹۱ء۔ چونکہ طریقہ تعلیم ممبری اب نہایت خراب حالت میں ہے۔
معلم مکتبی اسی پرانے ڈھنگ سے تعلیم کرتے ہیں جس سے چند سال تک ممبری کو کوئی نیاقت استعداد پیدا نہیں ہوتی
اور شل لوٹ کے بلانہمید الفاظ فارسی و عربی کے رٹا کرتا ہے لہذا بعد غور میں نے تجویز کیا کہ بقاعدہ اس
گورنمنٹ نووریہ منظم حین کی تعلیم کراؤں۔

مردم شمار: ۲۶ فروری ۱۸۹۱ء۔ آج نو بجے رات کو کل ہندوستان و تمامی جزائر و ممالک
مخروسہ گورنمنٹ انگریزی کی مردم شماری ہوئی۔

مسٹر کوینٹن: ۲۸ مارچ ۱۸۹۱ء کی رات کو مسٹر کوینٹن صاحب چیف کمشنر آسام کو مٹی پور لوں نے قتل کیا۔

ایک لغت انگریزی: ۳۱ جولائی ۱۸۹۱ء۔ آج ایک کتاب انگریزی و انگلشی (کتاب لغت)

جس میں انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی معنی باسانی نکلتے ہیں اور ایسی کتاب اس وقت تک
جائز و مانع تالیف نہیں ہوئی ہے اور عوام میں روپیہ اس کی قیمت ہے آج مجھے میر علی بیٹا ماسٹر انگریزی
سندیلہ کے ذریعہ علی احمد خاں ولد ابراہیم سابق ڈاکٹر شفا خانہ سید سے قیمت مبلغ پانچ روپیہ حاصل ہوئی۔

طریقہ تعلیم: ۱۵ ستمبر ۱۸۹۱ء۔ میرا تجربہ ہے کہ ملا مکتبی اپنے طریقہ قدیم کی تعلیم سے لڑکوں کو
کودن کر دیتے ہیں، میں نے بہتر خود مشاہدہ کیا کہ سات برس کے تعلیم یافتہ لڑکے کو اس قدر مادہ حاصل ہوتا ہے

نہ تھا کہ وہ خط و کتابت بلا تکلف کر سکتا۔ لہذا اس تعلیم سے مجھے منفرد کامل ہو گیا ہے۔
انگریزوں کی طمع: ۱۹ ستمبر ۱۸۹۱ء۔ اب انگریزوں کو بھی طمع زیادہ ہو گئی ہے اور بمقابلہ اپنے
 فائدہ کے تجویزاً و تقریراً غلط بیان کرنے میں ان کو کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ روپیہ دنیا میں عجب چیز ہے جس
 سے سب تمنائیں بآسانی پوری ہو سکتی ہیں۔

وفات الیبرٹ: ۱۵ جنوری ۱۸۹۲ء۔ کل واقعہ ۱۴ جنوری کو شاہزادہ البرٹ وکٹر خلف اڈا
 پرنس آف ویلز نے بر مقام لندن بعمر ۲۸ سال عارضہ بخار میں رحلت کی۔ ان کی شادی عنقریب ہونے والا
 تھی۔ سال بیوستہ میں ہندوستان کو لغیر کی تشریف لائے تھے۔ اگر زندہ رہتے تو بعد اپنے باپ کے قریب
 شہنشاہ انگلستان و غیرہ کے ہوتے یہ ملکہ وکٹوریہ کے پوتے تھے۔

وفات حکیم محمود علی خان: ۳۰ جنوری ۱۸۹۲ء۔ بمقامہ اودھ اخبار عمرہ امروہہ۔
 واضح ہوا کہ حکیم محمود خاں طبیب دہلی نے واقعہ ۲۴ جنوری بعمر ۷۰ سال عارضہ فالج میں قضا کی۔ یہ بڑے نامور
 حاذق حکیم تھے۔ دور دور ملکوں میں ان کا نام تھا اور رفیع معالجہ کو آتے تھے۔ مروجہ اکثر کشتہ جات پر
 تھا اور نہایت دولت مند طبیب تھے مگر اپنا جانشین بھی بہت لائق چھوڑا جو ان کا پورا یادگار رہے گا۔
ہیضہ: ۲۶ مئی ۱۸۹۲ء۔ گرمی شدت ہوتی ہے خلائق کو از حد انتشار ہے، خدارم کرے
 ہندوستان کے اکثر حصوں میں شکایت ہیضہ و بائی پیدا ہے۔ کابل میں ۱۹ اپریل سے ۲۹ اپریل تک ۱۵
 آدمی ہیضہ سے فحشاء ہوئے۔

۱۰ جون ۱۸۹۲ء۔ بمقامہ اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جب سے ۹۲ شریع ہوا ہے صدام حلیل الہ
 معزز اشخاص یوریشین اور بیسیوں راجہ و مہاراجہ و نواب ہندوستانی بعواوض مختلف رہ گئے عالم بقہ
 اور شکایت بیماری ہیضہ وغیرہ ہر مقام پر بہ کثرت ہے جس سے اوسط وادی درجہ کے اشخاص ہزار ہا ضلہ
 ہیں اور ہنوز موسم باش کا آغاز نہیں ہوا ہے جس میں انواع اقسام کی بیماری کا خروج ہوتا ہے اور واقعا
 طرح طرح کے پیش آتے ہیں دیکھا چاہیے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے میری یاد میں ایسا سال ناقہ
 وقوع پذیر ہوا۔ خدار اپنا رحم فرمائے۔

۲۸ جون ۱۸۹۲ء۔ بمقامہ اودھ اخبار رجواں نے میں اعلیٰ درجہ کا روزانہ اخبار ہے اور
 منشی نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے، واضح ہوا کہ کسی شہر و قصبہ وغیرہ میں ہنوز کا حقہ بارش نہیں ہے

سخت پریشانی پیدا ہو رہی ہے، دیکھا جا ہیے کہ انجام اس کا کیا ہو جس کا آغاز ایسی حالت سے ہو رہا ہے۔

دادا جہاں نواز جی: ۲۳ اگست ۱۸۹۲ء۔ مسٹر دادانور وجی قوم پارسی اوّل ہندوستانی ہیں جو پارلیمنٹ انگلستان کے ممبر مقرر ہوئے جس کی تصدیق اخبارات انگریزی سے ہوتی ہے۔ یہ ساکن بمبئی ہیں۔

مردم شماری: ۲۶ اگست ۱۸۹۲ء۔ بمحاذہ اودھ اخبار مطبوعہ ام وزہ بوالکالان پور گزٹ مورخہ ۲۳ جولائی کے واضح ہوا کہ جو مردم شماری واقعہ ۲۶ فروری ۱۸۹۱ء کو ہوئی تھی اس کی رو سے حسب ذیل تعداد مختلف مذاہب کے پیروؤں کی ہے۔

ہندو ۲۰ کروڑ ۱۰ لاکھ، مسلمان ۵ کروڑ ۱۰ لاکھ، بودھ ۱ لاکھ، عیسائی ۲۵ لاکھ آبادی جنگلات ۹ لاکھ، پارسی نواسی ہزار نو سو نواسی، — یہودی ۱۰ ہزار ایک سو اٹھاسی، متحدہ ۲ سو نواسی، برہمن ۲ ہزار چار سو ایک آریا ۲ ہزار چھ سو، مذہب نامعلوم انتالیس ہزار سات سو بیسٹھ تعداد ہندو سب قوموں میں زائد ہے۔

کثرتِ جاساش: ۲۱ اگست ۱۸۹۲ء۔ دیکھنے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ تمامی ہندوستان میں بارش کی کثرت ہے۔ پانی کی بھٹیانی سے اکثر دریاؤں کے پل شکست ہو گئے اور سڑک ہائے ریلوے بہہ گئیں جس کی وجہ سے اکثر حادثات ہوئے۔ ایسی بارش کی شدت سا باہم ہوئی ہے جیسی سال گزشتہ حال میں ہوئی۔
لفٹیننٹ گورنر: یکم دسمبر ۱۸۹۲ء۔ بہ معائنہ انتخاب گزٹ سرکاری مطبوعہ ۲۸ ماہ حال سے واضح ہوا کہ حکم ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۲ء نمبری ۵۳۸، نواب گورنر جنرل صاحب بہادر آف انڈیا کے سر آفٹیننٹ صاحب بہادر لفظیننٹ چیف کمشنر ودھلے اپنا چارج لفظیننٹ واقع ۲۸ نومبر مندا لیکہ وقت ایک بجے دن کے بمقام الہ آباد سر چارلس کراس ویٹ صاحب بہادر جدید لفظیننٹ گورنر کو حوالہ کیا اور اب تین بج کے چالیس منٹ پر الہ آباد سے روانہ ولایت لندن ہوئے۔ صاحب ممدوح کے زمانہ حکومت میں اکثر پانی کے کام وجد جدید اسپتال مقامات مختلف میں بہ نام لیڈی ڈفرن کھولے گئے۔

میدی: ۲۱ فروری ۱۸۹۳ء۔ بمحاذہ اخبارات واضح ہوتا ہے کہ امسال کی ایسی سردی چند سال گزشتہ میں نہیں ہوئی جس کی تصدیق ٹینس لوگوں سے ہوتی ہے کشمیر میں پیالوں کی چلے جم جاتی ہے اور بیفہ مرنے لگے زمین پر پھینکے جلتے ہیں تو مثل لکڑی کے اند میں آواز آتی ہے۔ ٹوٹے پھوٹے کچے خیال ہی نہیں گزرتا۔ کل سے ابر باد گھٹ گیا ہے جس فی الجذرا زندگی سے اطمینان پیدا ہوا، اگرچہ اعادہ نہ کرے۔

دوساھند کی آمدنی : ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء - بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ

سے واضح ہوا کہ آمدنی سالانہ دوساھند کی نسبتانی حسب ذیل ہے۔

ریاست حیدر آباد دکن ۲ کروڑ گوالیار سوا کروڑ، گیکوار بروہہ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ، میسور ایک کروڑ
سے کچھ زیادہ کشمیر ۸۵ لاکھ، اودھے پور ۶۳ لاکھ، ٹراونکور ۶۰ لاکھ، اندور ۵۰ لاکھ، پٹنالا ۴۴ لاکھ، بھرت پور
۲۸ لاکھ، بھوپال ۲۶ لاکھ، جودھ پور ۲۵ لاکھ، ریواڑ ۲۵ لاکھ، ایلور ۳ لاکھ، بھاول پور ۱۹ لاکھ، کپورتھلہ
۷ لاکھ، راتھ صاحب کچھ ۳ لاکھ۔

یہ بھی اس اخبار سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے شہروں میں بلحاظ آبادی سب سے اول شہر کلکتہ
پھر بمبئی، پھر مدراس پھر حیدر آباد و لکھنؤ ذرا بعد بنارس ہے۔

موسم : ۸ مئی ۱۸۹۳ء - اگرچہ ہینڈ جیٹھ کارواں ہے لیکن فصل میں کچھ ایسا غمناک نظر آتا
ہے کہ شب و روز شدت ہوا مشرقی چلتی ہے اور شب کو سردی ہوتی ہے چنانچہ آج جب میں بوقت شب
زیر سانسان سو رہا تھا تو مجھے لحاف اوڑھنے کی ضرورت داعی ہوئی اور یہی غیر معمولی کیفیت تھی ہندوستان
میں دیکھنے اخبارات سے ظاہر ہوتی ہے میرے ہوش میں ایسا حال کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔

ٹیکہ ہیضہ : ۳۰ مئی ۱۸۹۳ء - ڈاکٹر ایم سیفکن شہر پیرس ملک فرانس کے رہنے والے
ہیں اور حسب اجازت وزیر اعظم سلطنت لندن وار دہندوستان ہو کر کلکتہ میں تشریف لائے ان کا تجربہ
ہے کہ جیسے ٹیکہ لگانے سے چیچک نہیں نکلتی اسی طور سے عارضہ ہیضہ ٹیکہ دینے سے نہیں عارض ہوتا۔ زخم
ٹیکہ کے ذریعہ سے جسم میں پہنچاتے ہیں ایک مرکب عرق کو جو ہر رگ و پے میں اثر کر جاتا ہے اور عارضہ
ٹیکہ بیمار کا ہیضہ سے محفوظ رہتا ہے۔ ٹیکہ دینے سے اور استعمال دوا سے چنداں تکلیف نہیں ہوتی
چنانچہ بالفعل اگر وہ علیحدہ اور جھانسی وغیرہ میں فوجی لوگوں کو ٹیکہ دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہے کہ
موسم ہیضہ میں اس کا کیا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

آم : ۹ جولائی ۱۸۹۳ء فصل آم کی امسال ایسی افزا ہے کہ ایک سو آم ۳ پائی گولتا ہے
ایسی ارزانی کبھی دیکھی اور نہ نہیں گئی۔ غربانے روٹی کھانا موقوف کر دیا ہے جب کہ ڈیڑھ پائی میں
ان کو سیری ہو جاتی ہے۔

ہندو مسئلہ فساد : ۱۸ اگست ۱۸۹۳ء - آج کل جہاں تک میں خیال کرتا ہوں

کوئی اہل دنیا خالی از فکر اور تردد نہیں کسی نہ کسی رنج میں فروز مبتلا ہے۔ چنانچہ بمبائے اودھ اخبار مطبوعہ امدونہ سے واضح ہوا کہ بوجہ نزاعت اہل اسلام دہندو ریاست جو ناگٹھ کاٹھیا وار وزیر شہر بمبئی میں جو ایک نہایت مہذب شہر ہے واقعہ ۱۱ اگست سن رواں کو درمیان ہندو اور مسلمانوں کے سخت لڑائی ہوئی۔ ۳۴ قتل اور ۵۰ زخمی ہوئے اور سٹروینٹ کسٹرنولکس بروقت انب دادمہ زخمی ہوئے۔ یہ مقام غور ہے کہ ایسا تسلط اور اس میں ایسے مناقشات کا پیش آنا نہایت تعجب نیز ہے علی الخصوص بمبئی میں جو نہایت مہذب شہر ہے اور جہاں سو برس سے زائد عمل داری سرکار کو گزر چکے ہیں۔

۱۸ اگست ۱۸۹۳ء۔ بمبائے اودھ اخبار عمرہ امروڑ کے معلوم ہوا کہ ۱۲ اگست یوم دو شنبہ کو بمبئی بمقام بمبئی باجین اہل اسلام دہندو کے بلوہ قائم رہا اور ۵ آدمی قتل اور ۶۰ زخمی ہوئے اور واسطے افعال عقاب مجرموں کے تیرہ خاص مجسٹریٹ مقرر ہوئے ہیں۔ انجاء اس کا بخیر نہیں۔

سرخ خٹہ : ۱۹ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ اس سال غلہ کی ایسی اتراتی ہے کہ شاید قبل اس کے کہ جب سے ریل جاری ہوئی کبھی نہیں ہوئی اودھ حالات فصل خریف بھی اس وقت تک بہت عمدہ ہے اوسط درجہ غلہ آج کل فی روپیہ حسب ذیل بازار میں فروخت ہوتا ہے۔

گندم ۱۸ سیر، گوجی ۲۵ سیر، بکھڑا ۳۵ سیر، نخود ۳۶ سیر، ماش ۱۸ سیر، ابرہ ۳۶ سیر، مونگ ۱۵ سیر، دھان ۲۰ سیر، جوار کلاں ۳۶ سیر۔

مردم شماری : ۲۱ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ مردم شماری ۹۱ء سے واضح ہوا کہ تمام ہندوستان میں ۲۴ کروڑ ۴۲ لاکھ ۳۷ ہزار آبادی ہے۔ کل فرقہ کے آدمیوں سے حسب ذیل اذکار رفتہ میں بتوفیق ذرا تا دماغ کے آدمی ۷۷ ہزار ۲۵۹ ہزار ۱۰۰ گونگے ایک لاکھ ۹۶ ہزار ۳۷ سو اکسٹھ تھامے ۴۵۸۸۶۸۔

زلزلہ : ۴ جنوری ۱۸۹۴ء۔ آج بوقت ساڑھے پانچ بجے شام کے زلزلہ محسوس ہوا چونکہ فی الجملہ شدید تھا اور تمام کوٹھی میری جنبش کرنے لگی تھی لہذا میں اندیشہ شک ہو کہ باہر صحن کے چلا گیا تھا اور قیام اس کا تقریباً دو منٹ تک رہا اور چار منٹ کے بعد پھر محسوس ہوا جو نصف منٹ سے زائد نہیں رہا۔ کسانل ہارس فورٹ : ۹ فروری ۱۸۹۴ء۔ بمبائے اخبار انگریزی مارنگ پوسٹ،

الآباد مطبوعہ ۹ فروری کے معلوم ہوا کہ کرنل ہارس فورٹ صاحب سابق ڈپٹی کمشنر رونی بہ حال جیٹ کمشنر جزیرہ انڈمان کو ایک جہنم قیدی مسیٰ بھیلا رام برہمن نے جو میرٹھ کے باغیوں سے اکیس سال عمر کا دواغلم جس سے ہوا

تھا چھریوں سے سروشانہ کو شدید زخم پہنچائے اور دو انگلیاں بھی کٹ کر جدا ہو گئیں۔ اول لیڈی صاحبہ اس فورڈ نے حرات کہہ کے لیے پکڑا۔ بعد ازاں لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ چونکہ صاحب بہادر کے مزاج میں سختی و شہادتی زیادہ تھی جب انہیں کہہ کر اسی وجہ کی نسبت کو پہنچے ہوں چونکہ مرد دست از جاں بشوید ہر چہ مرد دل آئید، بگوئید۔ انفلوئنزا: ۲۲ مارچ ۱۸۹۴ء۔ آج میں بعد دوپہر بخار و کھانسی میں مبتلا ہو گیا۔ اعضا شکنی اور دوسری شکایت بڑھی۔ شب کو غذا نہیں کی اور بے خوابی کے ساتھ نیند آئی نفع نہ آیا اور بھی تکلیف دی۔ یہ ایک انگریزی بیمار خانہ تھوڑا سا ہے جس کی آج کل عام شکایت ہے۔

گسٹھن: ۶-۱۰ اپریل ۱۸۹۴ء۔ مجھے اپنے ہوش میں اسے مشاہدہ کا اتفاق ہوا کہ چند گھنٹوں اور سو گھنٹوں کے لیے زمانہ قریب میں پڑے ہوں جیسا کہ ۶۱۸۹۴ء میں۔ چند گھنٹوں اور ۳۰ ماہ کے ساتھ چھ بجے شام کو اور سورج گھر میں آج صبح کے ساتھ چھ بجے پڑے تھے۔ ۱۰ دن میں دونوں قسم کے گرین پڑے۔ دیکھا جاپے کہ اس کا پھل کیا ہو۔ ہندو لوگ تو ناقص بتلاتے ہیں۔ انگریزی قاعدہ سے جب زمین درمیان چاند سورج کے آجاتی ہے اس وقت چند گھنٹوں کا ہے اور جب چاند درمیان سورج وزمین کے آجاتا ہے اس وقت سورج گھر میں ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب

خندہ کا گمان: ۱۳ جون ۱۸۹۴ء۔ صوبہ بہار، بنکال اور افسانہ گورکھ پور بلیا و اعظم گڑھ وغیرہ میں آم کے درختوں میں مٹی کے چھوپے لگائے جا رہے ہیں جس کا حال باوصف تحقیقات پولیس ہنوز کچھ منکشف نہیں ہوا بعض حکام اگان کرتے ہیں کہ اس کی حالت ۱۸۵۷ء کی مکیاں کے موافق ہے جس کا حال ابتداء کچھ ظاہر نہیں ہوا اور آخر کو غدر ہو گیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو اس حال سے افسوس پریشانی ہے۔ اکثر یورپین کاظن غالب ہے کہ عید قربان میں کچھ نہ کچھ نذرانہ دیا ہوگا یا خیر اس کے ہیضہ: ۱۰ جولائی ۱۸۹۴ء.... مجھے چند سال کے تجربے سے یہ بات تحقیق ہوئی کہ زمانہ بیماری ہیضہ میں جس روز بارش زیادہ ہوتی ہے اس روز بہت سے آدمی بیمار اور ضائع ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ رطوبت فضلیہ باعث مرض دہاکت ہے۔

۱۸ جولائی ۱۸۹۴ء.... میں نظر حسین خلعنا حسین علی اشرف تولد نے آج دوپہر کو ہیضہ میں قضا کی جو کل گیارہ بجے رات کو مبتلا ہوئے تھے۔ متوفی خوش تقریر اور کارندہ گری میں بہت ہوشیار فارسی داں لائق شخص تھے.... ان کی ایک کہادت ہر دور قابل یادداشت ہے کہ متوفی ہیضہ میں مبتلا ہونے

کے تین گھنٹے قبل حکیم ظہور الحسن صاحب طبیب میو سپل سے براہِ تعلی بیان کرتے تھے کہ ہیفیڈ میں دہی لوگ مبتلا ہوا کرتے ہیں جو غذا اقلیل اور دیرینہ کھاتے ہیں اور کثرت سے پانی پیتے ہیں اور ہم ایسے لوگوں کے پاس بیماری ہیفیڈ ہرگز نہیں آتی جو غریب گوشت اور سپید دھلی ہوئی دال ماش کی کھاتے ہیں۔ لیکن یہ بیان ان کا برعکس ثابت ہوا اور تین گھنٹے کے بعد وہ مبتلائے ہیفیڈ ہوئے اور رحلت کر گئے۔ یہ سچ یہ ہے کہ جب قضا آتی ہے تو اس کے وہی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ سرخ البھضم اور دیرینہ غذا ہرگز اسے روک نہیں سکتی۔ میرے خیال میں جب اس قسم کی بیماری کا خروج ہو تو جن لوگوں کے مزاج میں خلطِ قانیت کا دخل ہو ان کو ایسے ہولناک اخبار نہ سنانا چاہیے کیوں کہ بعض اوقات ایسا دیکھا گیا ہے کہ خوف کے باعث بھی دست آنے لگتے ہیں۔ ۲۳ جولائی ۱۸۹۴ء۔ شبِ گزشتہ کو درخوردل الدین شکر متونی نے ہیفیڈ سے قضا کی۔ جو لوگ لاش دینا شکر متونی کی گنگا لے گئے تھے ہنوز واپس نہیں آئے کہ دوسرا واقعہ پیش آیا۔ گھر میں سواڑے میو اور سالگ رام برادر خور متونی کے دوسرا نہیں ہے ہر چند کوشش کی گئی کہ کوئی ایک شخص از قوم ہنود اجرت دے کر واسطے تجویز و تکفین متوفیہ کے بھیجا جائے لیکن یہ وقت ایسا ہولناک ہے کہ کوئی شخص اس طرف کارخ نہیں کرتا۔ این الم بالانے الم است۔

۲۴ جولائی ۱۸۹۴ء۔ آج ۱۰ بجے کی ریل گاڑی میں راجہ درگاہ پر شاد صاحب کاگل خانان لکھنؤ چلا گیا۔ راجہ صاحب تو چار دن پشتر چاچکے تھے۔ اب رُوسا کی دیکھا دیکھی غرابھی جہاں جس کا صوبہ تھے یہ درخت کو جابہ ہے۔ اشرف محلہ میں میری نقاد حرکت کے رکھنے سے بہت لوگوں کو دالسا پیدا ہے اور وہ یہاں میرے ہونے کو غیبت خیال کر کے اپنی تشفی کرتے بہتے ہیں اس وجہ سے اشرف محلہ کی رونق بمقابلہ دوسرے محلوں کے بخوف ہیفیڈ کم نہیں ہوئی۔ میں اپنے خدا پر پورا بھروسہ کیے ہوئے اور اپنے اعز اکو طمانیت دیتے ہوئے بیٹھا ہوں اور سمجھ لیا ہے کہ اگر قضا اسی حیلہ سے لکھی ہے تو اس سے گریز نہیں ہو سکتا اور اگر یہاں موت بھی آئے گی تو چار بھائی مل کر تمہیز و تکفین بہت خوش عنوانی کے ساتھ کر دیں گے اور اگر باہر جانے پر یہ واقعہ پیش آیا تو مشکل ہے کوئی شرکت بھی نہ کرے گا۔ کیوں کہ عمو مگ لوگ اس مرض اور اس کے مریض اور جو اس میں فوت ہوا ہو اس سے بہت خوف کرتے ہیں پس یہاں اسی پر قناعت کی کہ سندیلہ نہ چھوڑوں آج اٹھارہ آدمی قصبہ ہذا میں ضائع ہوئے۔

۲۵ جولائی ۱۸۹۴ء۔ آج تو ہیفیڈ میرے مکان کے ہر چار طرف گشت لگا رہا ہے جس میں بڑی سی

لوگ مبتلا ہیں پورب۔ منیر حاتم و مرتضیٰ خاں چترسی تحصیل منڈیلا پچم۔ اہل خانہ حکیم امجد علی۔ اثر۔ محمد شعیب، دکن۔ متعاندات، خداوند کریم سب کو پالے، اور اطمینان بخشنے، ہر ایک کی جان سونگھ رہی ہے، بے نسیازی نمازی ہو گئے، توبہ و استغفار و دربان ہے۔

۹۔ اگست ۱۸۹۴ء۔۔۔۔۔ اب کی سال کوئی مقام ایسا نہیں چھوٹا جہاں حضرت بیضہ صاحب کا دورہ نہ ہوا ہو، یہ سب جگہ جہاں یہ ہولناک بیماری ہوتی ہے، چاہے جیسا مستقل مزاج آدمی ہو لیکن اس کا قلب اس کے خطروں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ اس کو دور کرے آمین۔ بیضہ صاحب ہولناک مرض ہے کہ کوئی شخص مرلین کی خواہش دل قربت پسند نہیں کرتا اگرچہ مرتبہ عزیر العکوفی اسے حاصل کیوں نہ ہو۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ احباب و اعراضا صا س سے دوری چاہتے ہیں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شاید مرلین سے دور رہنے میں میری جان بچ جاوے۔ حشر علی نفسی نفسی کی خبر کلام شریف میں بھی لکھن میں اس مرض کے خروج پر وہ کیفیت پچھم خود شاہد کر لی اللہم احفظنا من بلائہ دنیا و عذاب الآخرہ۔

کے لکتہ: ۲۳ اگست ۱۸۹۴ء۔ آج کی تاریخ میں دو سو چار برس پورے ہوئے جب انگریزوں نے نیا دہلی کا قلم کی تھی۔

ہندو مسلم فساد: ۱۶ ستمبر ۱۸۹۴ء۔ اودھ اخبار لکھنؤ سے معلوم ہوا کہ ۱۳ ستمبر کو مابین ہندو اور مسلمانوں کے شہر پونا میں سخت لڑائی ہوئی کہ ہندو باجاء بجاتے ہوئے مسیحی کے دروازے سے نکلے جب کہ مسلمان قرآن شریف بڑھ رہے تھے۔

تذیت: ۹ جنوری ۱۸۹۵ء۔ تمام دنیا میں مقام ہنسلے (کذا) واقع ہت سب سے بلند جگہ ہے جس کی بلندی سولہ ہزار فٹ ہے اور یہاں ایک بودھ کا مندر ہے جس میں اکیس بیماری رہتے ہیں۔

وفات منشی نول کشو: ۱۹ فروری ۱۸۹۵ء۔ آج چار بجے صبح کو منشی نول کشو صاحب مالک مطبع اودھ اخبار نے دفعتاً بمقام لکھنؤ قضا کی بڑے مشہور لائق و دانش مند شخص تھے۔ اپنی ذاتی لیاقت قابلیت سے ایک بہت بڑا مطبع لکھنؤ حضرت گنج میں قائم کیا جس میں ہزار آدمی کا پرہیز آ رہی ہیں۔ مرقوم نے کاریزمیں باظہار اپنی لیاقت و خوش رکھنے حکام وقت صرف زر کو کھانز رکھا جس سے گورنمنٹ میں بہت بڑا رسوخ پیدا ہوا اور خطاب سی۔ آئی۔ ای گورنمنٹ نے عطا کیا اور متعدد دیہات زمینداری پیدا کرنے سے تعلق دار بھی ہوئے جس کی سدا انجمن ہند لکھنؤ سے حاصل ہوئی اور لکھنؤ پنچ کے آنریری مجسٹریٹ

بھی تھے غرض کہ مذہبی امور میں ہر قسم کی ترقی نمایاں کی جتنی نے کوئی اولاد کو رہ نہیں چھوڑی۔ عمر متوفی ۶۴ سال تھی۔

ص ۱۱۱: اپریل ۱۸۹۵ء جو فوج برٹش گورنمنٹ بہ تعداد ۱۳ ہزار بغرض اعانت پرتال اسٹیم مقابلہ لڑا والی بلجور کے بھیج گئی تھی اس کا مقابلہ سواتی لوگوں سے بمقام شاہ کوٹ ۴ اپریل کو ہوا۔ پانچ گھنٹے تک سخت لڑائی رہی۔ اگرچہ سرکاری فوج زیادہ کام آئی لیکن مقام مذکور فتح ہو گیا۔ اس بیان کی تصدیق اودھ اخبار مطبوعہ ۱۸ اپریل ۱۸۹۵ء اخبار پانیز انگریزی اور آباد مسو ۶ اپریل سے ہوئی۔ اول لڑائی گھاٹی مالانڈ میں ۳ اپریل کو ہوئی تھی۔۔۔۔

۷ مئی ۱۸۹۵ء۔ دیکھئے اخبارات سے واضح ہوا کہ غرضابا جوری تاب مقابلہ انگلش گورنمنٹ نہ لاکو ضرور ہوئے اور ذیہ افضل خاں اور ان کے ہمراہیوں کو جو قلعہ پرتال کا محاصرہ کیے ہوئے تھے محمد شریف خاں خانانی کے لئے گرفتار کر کے سپرد فوج انگریزی کیا۔ اب فوج اعانت پرتال سے کوئی مقابلہ کرنے والا باقی نہیں رہا۔ سچ ہے کہ انگریزی قوا عدداں فوج کا گروہ افغانی کیا مقابلہ کر سکتے ہیں جن کے پاس ہتھیار بہک نہیں۔

وفات مولوی فضل رحمان صاحب: ۱۲ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ آج آٹھ بجے شام کو بمقام گنج مراد آباد جناب مولوی فضل الرحمان صاحب نے بعارضہ پیرائے سالی قضا کی۔ آپ کے فیض و برکت کا اس قدر شہرہ تھا کہ تمام ہندوستان کے لوگ جوق و جوق آپ کی زیارت و شرف حصول بیعت کو تشریف لاتے تھے۔ حتیٰ کہ سر جابر اس کر سویت صاحب بہادر ریشٹھنٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی او دھ جب ۳۰ دسمبر ۱۸۹۵ء کو یہ تقریب دورہ وارد دہلی ہوئے تو مراد آباد جا کر آپ کی ملازمت سے شرف اندوز ہوئے۔ سندیل کے گاڑی بانوں کی یہ بھی ایک روزی تھی کہ جو لوگ منازل دور دراز سے آکر لڑھن جانے مراد آباد کے یہاں ریل سے اترتے تھے ان کو اپنی گاڑیوں میں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ نہایت خجستہ خصال بزرگ تھے۔

آپ کو آفتاب ہند سے تشبیہ دی جائے تو بجا ہے۔ آپ کی عمر سو برس سے تجاوز کر گئی تھی۔ مولوی صاحب مرحوم شاہ آفاق صاحب کے مرید تھے جو ہمیں نہایت بزرگ شخص گزے ہیں آپ خاندان نقشبندیہ مرید تھے۔ گانا دیو کچھ نہیں سنے تھے۔
قحط: ۷ فروری ۱۸۹۶ء۔ آج کل بے باعث تقامت فصل از حد گرانی ہے، لوگ مصیبت سخت میں

مبتلا ہیں۔ دو دو تین تین روز نہ کھانے میسر نہیں آتا حتیٰ کہ اکثر بے دین ہو گئے۔ دوسروں کی غلامی اختیار کی۔ بعض نے اپنی اولاد کچھ لے کر جلا کر کھلی۔ چنانچہ چند لوگ کیاں مختلف قوم کی جو اسی نہج سے حاصل ہوئیں میرے گھر میں پہنچے ہیں رجن کے نام ابیدہ کے گئے ہیں۔ مگر رنگ موٹی، سندر، شریتی، ٹہلی، دھیر، یہی کیفیت تمام ہندوستان کی ہے جس کی تصدیق اخباروں سے ہوتی ہے۔ میرے خیال میں یہ حالت خشک سالی ۱۸۷۷ء سے بڑھ کر ہے جو

مرث ایک فصل خریف کی عدم پیداوار سے رونما ہوئی تھی اور حالت موجودہ میں تین سال زیادتی بارش و ماحول کی کمی بارش سے پیدا ہو رہی ہے۔ یہ حالت سخت نازک ہے۔ خدا آبرو رکھے۔ آج کل نرخ غلہ بازار امانی گج (سندیلہ کے غلہ کے بازار کا نام)۔ (بشی) سندیلہ حسب ذیل ہے۔

گندم - ۱۱ پیسہ بجھڑا - ۱۵ پیسہ نخود - ۱۵ پیسہ باجڑ - ۱۲ پیسہ جوار کلاں - ۱۶ پیسہ جوار خندہ - ۱۲ پیسہ

دھان - ۲۲ پیسہ چاول ۱۲ پیسہ ماش ۱۳ پیسہ مونگ - ۱۱ پیسہ
۲۲ مئی ۱۸۹۶ء - اب کے سال غلہ کی کمی پیداوار سے سخت گرانی ہے۔ اس وقت فصل میں نرخ

گیہوں کا ۱۲ پیسہ ہے۔ لیکن اس کی شان رزاقی کو دیکھنا چاہیے کہ اس سال خرہ و تر بوز کی فصل اس قدر افزا ہے کہ ایک پیسہ کی پنج سیری بھر خرہ ملے ہیں جس سے انسان کو دوپہر کے لیے ایک پیسہ میں سیری ہو جاتی ہے اور فصل انہ بھی افراط سے ہے۔ اس سے بھی آئندہ بہت مدد ملے گی۔

۶ اگست ۱۸۹۶ء - تین ہفتہ سے بارش نہیں ہوئی جس سے جوار کلاں بالکل خشک ہو گئی اور رقم دھان نصف رہ گئی۔ ہنوز کپاس اور جوار خورد کی حالت اچھی ہے۔ اگر دو چار روز میں بارش ہو گئی۔ کاشتکاران دیہات کی حالت قابل بیان نہیں جو فاقہ پر فادہ کر رہے ہیں اور خرابی فصل کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں۔ جو شرک سندیلہ - بانگرون بنرض نفاہ عام درست ہو رہی ہے اس پر سات سو آدمی کام کرتے ہیں۔۔۔ حسب ذیل اجرت مروت شرک کی ملتی ہے۔ مروت ۵ پیسہ عورت - ۲ پیسہ لڑکا ۳ پیسہ اور جو لوگ بوڑھت دفعہ جسمانی بوجھ فاقہ کشی کے کام نہیں کر سکتے ہیں ان سب کو کھانا دیا جاتا ہے جن کی تعداد قریب ۱۳۲ کے ہوگی۔ بچی ہوئی روٹی و دال فی کس ۳ پاؤ کے حساب سے ان کو مفت ملتی ہے اور لڑکوں کو پاؤ سیر سے آدھا سیر تک ملے گا۔ ان کی حالت ایسی تباہ ہے کہ چند قدم نہیں چل سکتے۔ ان کی صورتیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔ صرف ٹہری چڑا سم میں باقی ہے۔ امیہ ہے کہ گورنمنٹ کی بدولت ان کی زندگی ہو جائے۔

۱۱ اگست ۱۸۹۶ء - آج کیٹیٹ خاص میونسپل بھارت منشی رحمت اللہ جمیل ار سندیلہ کے ہوئی۔ جس میں یہ ملے ہوئے کہ بران میونسپل بورڈ من جانب گورنمنٹ باری باری ایک روز اپنے ہاتھام و نگرانی میں کھانا خما جوں کو تقسیم کرویں۔ چنانچہ پندرہ اگست کو قائم ہوا اور کل ۱۲ اگست کو اجود گا پر شاد صاحب کے ہاتھ میں ہوا کہ ۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء۔۔۔ عجیب وقت ہے کہ آج کل تمام ہندوستان میں یہ باعث اس کا بالکل عدم پیداوار فصل سخت گرانی و نوبت قحط کی پہنچ گئی ہے کہ حد ہادی فاقہ سے مر رہے ہیں۔ فقر و کی یہ کثرت ہے کہ

تا مرن اور گیارہ بجے رات تک ان کے سوالوں سے نجات نہیں ملتی۔ حالانکہ میں نے اپنے گھر کا بندوبست ہے کہ کچھ غلط اپنی نگاہ کے سامنے نہ رکھو ایسا ہے اور ملازموں پر تاکید ہے کہ جو سائل آوے وہ خالی نہ پھیرا لیکن کہاں تک دیا جاوے۔ بعض وقت نوکر بھی تنگ آکر جواب دینا جاؤ رکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تین قسم کی صورتیں نازل ہوئی تھیں۔ اول حاکم ظالم دوسرے ہیضہ دہانی کی شدت تیسرے قحط کی شدت سے خلق اللہ کو سخت پریشانیوں کا سامنا ہوا تھا۔ آج کل میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو وہی کیفیت تھائی ہند کی ہو رہی ہے اور جابجا لوٹ مار ڈاکہ زنی شروع ہو گئی ہے آج کی تاریخ میں نرخ بازار سیریلک کا حسب قریب ۱۰ گندم ۱۲ سیر بخود ۱۲ سیر بجھڑا۔ ۱۰ سیر جو۔ ۱۱ سیر مکائی۔ ۱۲ سیر کاکن۔ ۱۳ سیر منڈو ۱۴ سیر دھان۔ یکہ من یعنی ۱۶ سیر ماش ۱۰ سیر گرائی ۱۸۷۷ سے بھی بڑھ کر ہے جب کہ گندوں کا نرخ ۱۰ سیر کا ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۶ء۔ کیفیت اساک باران بدستور ہے۔ آسمان بالکل صاف ہے۔ بظاہر کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ قمر خریف و کمونڈا گہن جاتی رہی۔ اب اگر خدا نخواستہ ہفتہ عشرہ میں پانی نہ پڑا تو کاشت غیر ممکن ہو جائے گی اور سخت قحط کا سامنا ہو گا جو ناقابل برداشت متصور ہے۔ ابھی سے لوٹ مار شروع ہو شہر اگرہ کی غلہ کی منڈی کنگلوں نے لوٹ لی اور انتظام پولیس کچھ کارگر نہ ہوا۔ جب لوگ بھوکوں مر رہے تو جو کچھ کر رہے گزریں تعجب ہے۔ بقول مشہور مرزا کیا نہ کرتا۔ ہیضہ بھی بہت سے مقاموں پر تیزی کے ساتھ جس سے ہزاروں بندہ خدا فدا ہو رہے ہیں۔ اس زمانہ سخت قحط سالی میں لاڑکانہ و لاہور کے واسطے ہنا سرانٹھی میکڈالڈ صاحب ہائے صوبہ کے لفٹیننٹ گورنر اور سرٹسویل صاحب و سرٹ مکناٹش صاحب ڈپٹی کمشنر روڈی و لکھنؤ ہیں اور ہماری تحصیل کے تحصیلدار شیخ رحمت اللہ ساکن شہر الہ آباد ہیں۔ مشہور عام سدا فی تنگ جملہ کام خوش نیت نہیں بلکہ جابر و بدنیت ہیں۔ ایسی حالت میں اللہ رحم کرے۔

۱۶ اکتوبر ۱۸۹۶ء تفصیل قحط جو ہندوستان میں پڑے۔

۱۔ ۱۸۷۷ء ایسٹ انڈیا کمپنی: یہ قحط صوبہ بنگالہ میں پڑا تھا۔ کاشتکاروں نے اپنے بیل بیج ڈالے تھے کرتے تھے اور مقدار قلیل غلہ کے عوض اپنی اولاد فروخت کرتے تھے۔ زندہ مردوں کو کھاتے تھے کی سخت بیماری و بانی پیدا تھی جس سے ایک ملت نذر ہو گئی۔

۲۔ ۱۸۸۳ء وارن ہسٹنگز گورنر جنرل: اضلاع مغربی و شمالی وادھ میں یہ قحط پڑا تھا وادھ میں جو کھاتا تھا حالانکہ معمولی نرخ غلہ وہاں ہمیشہ فی روپیہ ڈیڑھ من بختہ تھا۔ بیماری و باجھی ساتھ ساتھ تھی۔

۳-۱۸۳۷ ایسٹ انڈیا کمپنی: یہ قحط کل ہندوستان میں ایسا بہت ناک تھا کہ اس کی رو سے لوگ اپنا
کالا اس وقت حساب لگاتے تھے۔

۴-۱۸۶۶ء ملکہ وکٹوریہ: یہ قحط مساوی قحط ۷۷ء کے تھا لیکن گورنمنٹ نے بہت سے کام رفاہ ما
نہر و پل جاری کیے جس سے اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

۵-۱۸۷۳ء سر جارج کینبل لٹنٹ گورنر نکالے: یہ قحط بہار و بنگالہ میں پڑا تھا جس کے زراعت خشک ہو گئی تھی۔

۶-۱۸۷۷ء لارڈ لٹن صاحب گورنر جنرل: جاری ہونے کا رفاہ عام بہت بڑی مدد ملی۔ اسیر کا گندم اس
وقت میں فروخت ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ قحط عام تھا لیکن صرف فصل خریف بوجہ نہ ہونے پانی کے بونی نہیں گئی تھی
لیکن ریح بہت عمدہ ہوئی کہ عین وقت ہونے و پکنے غلے کے دو پانی ہو گئے تھے۔

۷-۱۸۹۶ء لارڈ الچن صاحب گورنر جنرل: یہ قحط تاحی ہندوستان میں ہے جس سے ایک عام پریشانی پیدا
ہے۔ خریف جس قدر بونی لگتی تھی وہ بوجہ مساک باراں بہت کم ہوئی اور کاشت ریت کی کوئی صورت نظر نہیں
آتی۔ یہ بہت طویل قحط ہے۔ لوگ انجل و مد کو بیچ رہے ہیں بازار موت گرم ہے۔ اگرچہ گورنمنٹ اجرو کا
رفاہ عام میں بڑی فیاضی کر رہی ہے۔

۱۲ نومبر ۱۸۹۶ء: تاحی ہندوستان میں سخت گرانی و قحط ہے۔ گرانی اسے کہتے ہیں جب نرخ
معمولی سے غلے کی کے ساتھ فروخت ہوا و قحط اسے کہتے ہیں کہ جب اس مقام کے باشندوں کے استعمال
کے لیے غلہ کافی موجود نہ ہو۔ چنانچہ شولہ پورا حلقہ بمبئی میں نرخ جو ادنیٰ روپیہ ساڑھے تین سیر کھ ہے جس کی
وجہ سے لوٹ مار ہو رہی ہے۔ اکثر مقاموں پر ڈاکوؤں کا مقابلہ ہوا اور بیلانی مارے گئے۔ اگر اس عرصہ میں
بارش نہ ہوئی تو سخت مصیبت کا سامنا ہو گا اور لوگوں کو اپنی حفاظت دشوار ہو جائے گی۔ دیکھنے اخبارات
سے واضح ہوتا ہے کہ بوجہ خشک سالی موسم گرما کی جو چیزیں گرمی میں پیدا ہوتی تھیں وہ اس موسم میں پیدا ہوتی
لیکن۔ ضلع رائے بریلی میں مہوہ ٹیک رہا ہے اور بازاروں میں بکے آتا ہے اور آم پختہ برابر فروخت ہوتا
ہیں۔ اور نکولی تو سریلیہ میں پھلیں اور پکیں جن کو کھانے کے لیے خود دیکھا، ایسا وقت میری نگاہ سے نہیں گزرا اور جسٹن لوگ
یہ کیفیت دیکھ کر متعجب ہیں۔

ایک وبائی مرض: ۳ جنوری ۱۸۹۷ء آج کل شہر بمبئی اور اس کے حوالی شہروں سورت۔ پونا
کراچی میں وباء جو مشابہ طاعون کے ہے بہت پھیل ہوئی ہے صدا آدمی بالمرہ مبتلا و ضائع ہوتے ہیں۔

قسط : ۱ جون ۱۸۹۰ء - ہفتہ مختتمہ ۱۹ مئی میں حسب ذیل آدمی کارہا، رفع تکلیف ہندوستان میں
در اس ۸۶۱۰۰۰۰، یکمئی ۱۸۹۰ء - ۳۵۰۰۰۰۰، بنگال - ۸۳۳۲۲۷، ممالک مغربی شمالی و اوہ ۳۳۲۵
پنجاب - ۹۶۳۶۶، ممالک متوسطہ - ۲۵۸۷۹، برما - ۱۸۲۷۱، برار - ۲۷۲۷۲، حیدر آباد - ۵۰
وسط ہند - ۱۲۸۳۵، راجپوتانہ - ۲۰۶۵۰، گل - ۲۱۶۱۲، ۲۱۶۱۲ -

سرخ غلہ: ۲۷ جولائی ۱۸۹۰ء بمقام اخبار انجمن ہند ہفتہ گزشتہ کے واضح ہوا کہ جب تک
لاٹری تخت نشین واقعہ ۱۲ جون ۱۸۹۳ء ہوا تھا اور جب ۲۷ جون ۱۸۹۰ء کو ہوا تو سرخ غلہ دونوں زمانہ کا ہمارا
میں حسب ذیل تھا۔

[illegible]

نام جنس	نرخ بر وقت ہوں کلا منکر	نرخ ملبر وقت جنس جوبلی	نام جنس	نرخ بر وقت ہوں کلا منکر	نرخ غلبہ وقت جنس ج
۲۱ جون ۱۸۳۷ء	۱۸ جون ۱۸۳۷ء	۲۱ جون ۱۸۳۷ء	۲۱ جون ۱۸۳۷ء	۱۸ جون ۱۸۳۷ء	۲۱ جون ۱۸۳۷ء
چاول	۲۰ سیر بخا نمبری	۱۸ سیر بحساب نمبری	گھی	۳۰ سیر بحساب نمبری	۱۸ سیر بحساب نمبری
گڑ	۱۳ سیر	۸ سیر	تیل	۱۲ سیر	۳ سیر

سجھ: ۲۵ اگست ۱۸۹۷ء۔ آج کل سرحد والا کنڈو ٹوچی پر انگریزوں سے سخت لڑائی ہو رہی اور ہندوستانی فوج بغرض مقابلہ برابر جا رہی ہے۔ اگرچہ امید نہیں تھی کہ مجاہدین لوگ ظفر باب ہوں گے جن کے لٹا ہڈیاں۔ لیکن یہ بات اخباروں سے فرو معلوم ہوتی ہے کہ سرکاری فوج کو بہت نقصان پہنچا۔

۲۸ نومبر ۱۸۹۷ء۔ سرحدی لڑائی آفریدیوں اور برٹش گورنمنٹ سے ابتدا ۱۸ جنوری ۱۸۹۷ء میں شہ ہوئی تھی وہ اب تک بدستور قائم ہے اور ۶۵ ہزار فوج سرکاری مقامات سرحد پر موجود ہے۔ سرکاری فوج اس کے افسر بہت سے مارے گئے۔ بالفعل یہ مقابلہ تیراہ میں ہو رہا ہے اور اب بروت پڑنا شروع ہو ہے۔ اس وجہ سے سرکاری فوج کا اب زیادہ قیام وہاں مشکل نظر آتا ہے۔

۷ دسمبر ۱۸۹۷ء۔ ۱۹ نومبر کو مہاراجہ پر تاپ سنگھ وزیراعظم جو دھپور جنگ سرحدی میں زخمی ہو۔ ہاتھ میں گولی لگی۔ جنگ انگریزوں اور آفریدیوں سے ہو رہی ہے اور مہاراجہ صاحب انگریزوں کی کمک پر گئے تھے۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۹۷ء۔ یکم دسمبر کے پرچہ ہندوستانی اخبار لکھنؤ سے واضح ہوا کہ ۱۹ جون سے انو جنگ سرحدی آفریدیوں میں حسب تفصیل ذیل برٹش آفریدی اور سپاہی مقتول و مجروح ہوئے۔

ملٹری سرشتہ اسٹاف کے افسر ۲ ہلاک ۶ مجروح ۲ گمنٹ کے افسر ۲ ہلاک ۶ مجروح ۲ برٹش عہدہ سپاہی ۵۹ ہلاک ۲۴ مجروح ۲۴ ایسی افسر ۲ ہلاک ۲۲ مجروح ۲ ایسی عہدہ دارو سپاہی ۲۳ ہلاک ۶۵۵ مجروح شہ گرد پیشہ ۹ ہلاک ۲۲ مجروح۔ کل ۳۳۹ ہلاک ۱۰۰۸ مجروح۔

اگرچہ قتل مجروح بہت سے لوگ ہوئے لیکن یہ لڑائی کا اصول ہے کہ کئی آدمی کے لکھائی جاتی ہے۔

سورج گرہن: ۲۲ جنوری ۱۸۹۸ء۔ آج سورج گرہن بعد ۲ بجے کے پڑنا شروع ہوا اور ۳ بجے ختم ہو گیا۔ قلعہ ہذا میں میرے خیال میں ۲ بجے سے زائد نہیں پڑا جس کی بات لوگ اندیشہ کرتے تھے کہ گول پڑے تار کی ہوجا گی اور سامنے نمایاں ہوں گے اور چڑیاں اپنے گھونسلوں میں چلی جائیں گی۔ لیکن یہ کوئی بات نہیں ہوئی وفات مسیحیید: ۳۰ مارچ ۱۸۹۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۷ مارچ کو

۱۔ اپنے بچے رات کو سر سید احمد خاں صاحب بانی علی گڑھ کالج نے بغیر کیا سی سال رحلت کی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۷ء ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں میں اس قدر رزی و قدت شخص زمانہ حال میں کم گزرے ہیں۔ آپ کے کالج کیلئے اکثر فٹینٹ گورنر دو ائیرلے کشور ہند تشریف لے جایا کرتے تھے، اگر یہ کہاجائے کہ نے علی گڑھ کالج کو ممالک میں ترقی شادی دخترو اٹھائی ہے: ۲۷ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ لارڈ الیگن نائب السلطنت کشور ہند کی بیٹھ بروس کی شادی مسٹر ٹینگ پرائیویٹ سکریٹری گورنر جنرل سے ہوئی۔

لارڈ کینن: ۲۷ جنوری ۱۸۹۹ء۔ ۳۰ دسمبر کو لارڈ کرزن صاحب نائب السلطنت بمبئی ہوئے جہاں سے ۶ جنوری کو کلکتہ پہنچ کر چارج وائسرائے کشور ہند لارڈ الیگن صاحب سے جا صاحب ممدوح تجربہ کار شخص ہیں اور کئی مرتبہ بطور ریاست ہندوستان تشریف لائے چکے ہیں۔ ۶ جنوری ۱۸۹۹ء۔ آج لارڈ ویلیڈی کرزن صاحب وائسرائے کشور ہند نے چارج باضا صاحب کنارہ کش وائسرائے ہندوستان کالیا اور صاحب آخرا لڈ کرسی وقت کلکتہ سے جہا روانگی ولایت کے سوار ہوئے اور یکارروائی ۹ اپنی بچے صبح کو علی میں آئی۔

بمبئی میں طاعون: ۱۹ فروری ۱۸۹۹ء۔ تین برس ہو چکے ہیں مگر اس وقت تک عارضہ بمبئی سے دور نہیں ہوا بلکہ وہ مختلف شہروں مدارس کراچی لاہور وغیرہ میں پھیلنا جاتا ہے اور کوئی تا کے دفع ہونے کی موثر نہیں ہوتی باوجود یکہ جرمن فرانس لڈن اور بہت سے یورپین سلطنتوں کے تجربہ بمبئی میں آئے اور ہر قسم کی جانچ کی لیکن کوئی دوامیذ ثابت نہیں ہوئی اور وہ بدستور بمبئی میں اپنی شورش ا وفات عبد الحق خیر آبادی: ۱۱ مارچ ۱۸۹۹ء۔ ۶ مارچ کو مولوی عبدالحق صاحب نے بھارن چند در چند رحلت کی۔ مرحوم بہت بڑے عالم متقی تھے اور دوسو روپیہ ماہوار دام پور سے ولفیہ پاتے تھے۔ مولوی صاحب کی شہرت تمام ہندوستان میں تھی۔

ملکہ معظمہ: ۲۳ مئی ۱۸۹۹ء۔ آج کی تاریخ میں ملکہ تیسرے ہند پورے اسی برس کا ریح یہ ہے کہ یہ ملکہ نہایت خوش اقبال بادشاہ ہند دی ہیں جن کے عہد میں صد ہا ممالک مغتوج ہو کر قبضہ امساک باران: ۹ ستمبر ۱۸۹۹ء۔ امساک باران کی عام شکایت ہے۔ احمد آباد رگجرات سخت قحط پڑا چوہاں کے لوگ ترس ترس مرنے کے عوض اپنی ہلاکت کو پسند کرنے ایک شخص نے اپنا گلا کاٹ کر اپنے کو ہلاک کیا۔

قحط : ۲۰ ستمبر ۱۸۹۹ء کی روز سے ابرمط آسمان ہے لیکن پانی نہیں برتا۔ رقم دھان خشک ہوئی جاتی ہے۔۔۔۔۔ آثار قحط پیدا ہیں۔ یہ حالت تو اودھ کی ہے لیکن اور حصہ ہندوستان میں کام قحط شروع ہو گیا ہے۔ میں نے ایسا جملہ قحط تو تاریخ ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا۔ ایک کو ابھی دو سال نہیں گزرے تھے کہ دوسرا نمودار ہو گیا۔ پروردگار عالم اپنی خلقت پر رحم کرے۔

مردہ شمساری : ۲۸ ستمبر ۱۸۹۹ء - ۲۶ فروری ۱۹۱۱ء کو تمام ہندوستان کی مردم شماری ہوئی تھی۔ ۲۸ کروڑ دس لاکھ مرد و عورت تھیں۔ منجملہ ان کے انگریزی عملداری میں ۲۲ کروڑ پانچ لاکھ اور ریاستوں میں ۶ کروڑ پانچ لاکھ آباد ہیں جو مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی۔ اس کے مطابق ۲ کروڑ نو لاکھ آدمی ملکی ترقی ہوئی۔ بارش و قحط : ۷ اکتوبر ۱۸۹۹ء دیکھئے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ دارجلنگ متعلقہ کلکتہ میں اس قدر شدید بارش ہوئی کہ پہاڑ کو جنبش ہو گئی جس سے چار سو جانیں تلف ہو گئیں اور صد ہا مکانات گر گئے اور اس کے رہنے والے اسی کے اندر دفن ہو گئے۔ راستہ آمد شد بنوڑ بند ہے۔ عجیب حال دنیا کا ہے کہ کہیں تو اس قدر بارش ہو رہی ہے کہ لوگ اس سے اماں مانگ رہے ہیں اور کہیں اس قدر کمی ہے کہ عدم پیداوار غلہ دکھائے بغیر رضیہ عام کام قحط کا جاری ہے۔ عجیب و غریب فانی زری ہے کہ کچھ جگہ میں نہیں آتا۔

۱۲ اکتوبر ۱۸۹۹ء - چول کی ریاست ہائے راجپوتانہ میں اور نیز بعض حصص ممالک مغربی شمالی میں کی بارش سے قحط پیدا ہے لہذا اکثر ڈاکہ زنیوں اور جہ گرائی غلہ ہو رہی ہیں۔ ڈاکوؤں نے جس موضع کو تاکا تو راوہاں رات کو پہنچ گئے اور جو پایا لوٹ لے گئے۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۹۹ء - چونکہ جو دھپور وغیرہ راجپوتانہ میں قحط پڑا ہوا ہے لہذا بہت سے مارواڑی اپنا وطن چھوڑ کر اس ضلع میں آگئے ہیں اور شب روز بھیک مانگ کر پری گزر کرتے ہیں۔ نرم دہاں کا حریفیل ہے۔ گندم - ۳۴ پیسے، نخود - ۵۵ پیسے، جو - ۵۵ پیسے، مکائی - ۵۵ پیسے، جوار - ۵۵ پیسے، سیر - ۵۵ پیسے، روغن - ۵۵ پیسے۔ عمرہ صاف پانی فی روپیہ - ۲۵ گھڑے۔ میلاؤ گندہ پانی فی روپیہ - ۵۰ گھڑے۔

کانگڑا میں : ۲۴ جنوری ۱۹۰۰ء۔۔۔۔۔ مسٹر کاکس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہرونی حسب منشا گورنمنٹ بذریعہ پولیس سنڈیل اس بات کی تفتیش کرایے میں کروڑ ساے سندیلے کون کون لوگ شریک جلسہ کانگریس ہونے جو میدان شاہ مینا صاحب (گھنٹو) میں ۷ ہرہر بنک تین روز منعقد رہا اور جس کے پریسیڈنٹ مسٹر دت بنگالی تھے جو اس کام کے لیے ولایت لندن سے آئے تھے جہاں وہ کسی مدد کے پروفیسر تھے۔

ان کی ایچ آج اوکل کے اودھ اخبار میں نے دیکھی جو نہایت پر مضمون تھی۔

طاعون کانپور میں: ۱۲ اپریل ۱۹۰۰ء آج کل طاعون نے کانپور میں خروج کیا ہے اور بوجہ کارروائی انسدادی کر اشخاص مبتلا شدہ شہر کے باہر جھونپڑوں میں رکھے جاویں وہاں کے متحمل لوگوں کو خلافت ہوا اور ہندو مسلمانوں نے باہم اتفاق کر کے چند پولیس مین اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو جو حافظہ جھونپڑوں کے تحفے ملے گا اور ان کو اکی جھونپڑوں میں آگ لگا کر جلادیا جس سے ایک عام بلوہ ہو گیا اور ہزاروں آدمی متفق ہو گئے کہ ہم ایک مہرہ ۱۸۹۶ قانون کی شرائط کو قبول نہیں کر سکتے کہ ہماری اولاد اور عورتیں بد حالت بیمار دی شہر کے باہر رکھی جائیں اور کیفیت قدر کی پیدا ہو گئی۔ بلظہور اس امر کے فوراً تعینٹ کو رنڈ ریو خاص مٹرنٹینی تال سے کانپور تشریف لائے۔ کارروائی ذفیہ قدر میں معروف ہوئے اور قواعد طاعون کے ترمیم فرمائے جس کا یہ منشاء ہے کہ جو لوگ مبتلا طاعون ہوں وہ اپنے مکان کے کسی علیحدہ حصہ میں رکھے جائیں اور جن لوگوں سے ان کا عقیدہ ہو علاج کریں اور اگر اس مکان میں گنجائش ایسی نہ ہو تو کمر لٹھن علیحدہ رکھا جاسکے تو کسی اور علیحدہ مکان میں وہ رکھا جاوے اور اگر ایسا مکان ہم نہ پہنچے تو جنرل اسپتال میں قیام کرے اور اپنی مرضی کے موافق جس شخص کا چاہے علاج کرے۔ پولیس و ڈاکٹر کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔

۱۴ مئی ۱۹۰۰ء آج کل تین آفتیں ہندوستان میں پیداہیں۔ اول طاعون جو پانچ سال سے ابتدا ہوئی میں تھا بلوہ ہندوستان کے اور شہروں میں پھیل گیا۔ اب قریب ہندوستان کے کل اضلاع میں ہے۔ حتیٰ کہ اضلاع مغربی و شمالی و اودھ میں بھی آگیا ہے اور ضرر پہنچا رہا ہے جس کے انسداد کی تدبیریں گورنمنٹ شدہ کے ساتھ کر رہی ہے۔ ڈاکٹروں اور پولیس پر دار و مدار ہے کہ جہاں کسی ڈاکٹر نے کسی کو دلا پتلا دیکھا یا اس کو توبہ بخار میں مبتلا پایا فوراً ریل سے اتار لیا اور پولیس کے حوالہ کر دیا اور پولیس نے اس کو جھونپڑوں میں بھیج دیا جو بیرون شہر بنائے گئے ہیں۔ یا کسی شخص کو پولیس نے بیمار دیکھا فوراً اس کو طاعون کے جھونپڑوں میں داخل کر دیا۔ اگر اچانک اس نے پولیس کو کچھ دیدیا تو مخلصی پائی ورنڈ دس دن تک انھیں جھونپڑوں میں مبتلا سے صوبہ ہا جس کی وجہ سے جابجا بلوے ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ دوسرے خطبہ جو استنٹلے اودھ چند اضلاع مغربی و شمالی کے کل ہندوستان میں مسلط ہے کہ لوگ فاقون سے مرہے ہیں۔ تیسرے اب ہیضہ نے خروج کیا ہے ہزاروں آدمی مر گئے اور صد ہا مبتلا ہو کر مارے مرتے ہیں۔ چوتھا امر اگرچہ ہندوستان سے متعلق نہیں ہے وہ جنگ انگلہ و افریقہ ہے جہاں گورنمنٹ کا بہت نقصان ہوا۔ اب بموجب اخبار کے تیس ہزار فوج اس وقت تکٹائے

ہو چکی ہے اور ہنوز لڑائی ختم نہیں ہے اور علاوہ ضائع ہونے جانوں کے کروڑ ہا روپیہ صرف ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے۔
یہ ایسے آثار بد ہیں کہ جن کا انجام بخیر نہ نظر نہیں آتا۔

ناگری: ۱۶ مئی ۱۹۰۰ء گورنمنٹ نے جو رزلوشن اپنے گزٹ مورخہ ۱۸ اپریل میں نسبت رواج منٹ
ناگری کے جاری کیلئے اس کی وجہ سے گل بڑے بڑے شہروں میں کیٹیاں ہو رہی ہیں اور فٹینٹ گورنر کو رزلٹ
کو میوریل بھیجے جا رہے ہیں کہ ناگری کا فاتر سرکاری میں جاری ہونا مناسب نہیں ہے جس کی وجہ سے تکلیف زائد ہوگی۔
ہندوستان کے قحط: جس قدر قحط ہندوستان میں ہوئے ہیں منجملہ ان کے گزشتہ ۳۲ سال
کے قحطوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ موجودہ قحط کیا چیز ہے۔

نمبر شمار	قطار و علاقہ	قطار و رقبہ
۱۔	۱۸۷۷ء بنگال	ایک لاکھ مربع میل
۲۔	۱۸۷۹ء شرقی، راس حیدر آباد، گجرات، مارواڑ، جنوبی مہاراشٹر	دو لاکھ
۳۔	۱۸۰۳ء دکن حیدر آباد	۱۰ لاکھ
۴۔	۱۸۰۴ء ممالک مغربی و شمالی، وسط ہند و راجپوتانہ	ایک لاکھ
۵۔	۱۸۲۴ء شمالی مدراس	۸۰ ہزار
۶۔	۱۸۲۵ء بمبئی، گجرات و شمالی دکن	۸۰ ہزار
۷۔	۱۸۳۷ء ممالک مغربی و شمالی، مشرقی ریاست ہائے راجپوتانہ، مشرقی پنجاب	۸۰ ہزار
۸۔	۱۸۳۸ء دوآب، ممالک مغربی و شمالی، دہلی و حصار ڈوینڈن	۸۰ ہزار
۹۔	۱۸۴۰ء گجرات، کچھ و کاٹھیاوار	۵۰ ہزار
۱۰۔	۱۸۶۱ء دوآب، ممالک مغربی و شمالی، دہلی حصار و ایک حصہ راجپوتانہ	۵۰ ہزار
۱۱۔	۱۸۶۵ء اضلاع گنجا، بلاری، اڑیسہ، بہار، سیو، حیدر آباد، بمبئی، وسط ہند و بنگال	دو لاکھ
۱۲۔	۱۸۷۲ء راجپوتانہ، پنجاب و مابین، جمنائو، سندھ، شمالی و مشرقی اضلاع، ممالک متوسط و دو لاکھ	دو لاکھ
۱۳۔	۱۸۷۳ء مغربی راجپوتانہ، اضلاع الہ آباد، دہلی، حصار، گجرات، کچھ، چند اضلاع، ممالک متوسط	
۱۴۔	۱۸۷۴ء بہار، یو۔ پی	۵۵ ہزار
۱۵۔	۱۸۷۶ء مدراس، دکن، میسور، حیدر آباد	۵۵ ہزار

نمبر شمار	سنہ	تھارڈرہ علاقہ	تھارڈرہ رقبہ
۱۶-	۱۸۷۷ء	مدراکس، میسور، بھنبی، حیدر آباد	۲۱ لاکھ مربع میل
۱۷-	۱۸۷۸ء	ممالک مغربی و شمالی، کشمیر، پنجاب	۱۱ لاکھ "
۱۸-	۱۸۹۶ء	ممالک مغربی و شمالی و ممالک متوسط	
۱۹-	۱۸۹۷ء	ممالک مغربی و شمالی و سی پی	۳ لاکھ ۳ لاکھ "
۲۰-	۱۸۹۹ء	جنوبی پنجاب، راجپوتانہ، سی پی، برار و وسط ہند، حیدر آباد، بھنبی، پٹنہ، لاہور، دہلی	
۲۱-	۱۹۰۰ء	جنوبی پنجاب، مشرقی سندھ و راجپوتانہ، وسط ہند، برار، سی پی، بھنبی، لاہور، دہلی، گجرات، لاکھ، لاکھ	

۱۹ اگست، ۱۹۰۰ء کل بوقت برصغیر صبح کے ۱۱ بجے اور دو ڈیڑھ بجے لائنس امداد رتبہ نواب مہدی علی صاحب

محسن الملک بارہ درہ قیصر باغ لکھنؤ میں منعقد ہوا جس کا یہ منشا تھا کہ جو رزرویشن مسٹر میکڈونلڈ صاحب لکھنؤ میں

گورنر ممالک مغربی و شمالی داؤد نے ۸ اپریل ۱۹۰۰ء کو دوبارہ شائع اور رائج کرنے دیو تاکہ رکن کے نافذ کیلئے

وہ منسوخ کیا جاوے۔ جس کی نسبت نواب صاحب نے ایک نہایت عمدہ و دلچسپ ایپینج فرمائی جس کا اثر

کل حاضرین پر بخوبی پڑا اور اس جلسہ میں قریب آٹھ سو ہزار آدمیوں کی شرکت تھی جو بطور قائم مقامان ہندوستان

کے ہر ایک حصہ تک سے آئے ہوئے تھے اور یہ جلسہ نہایت خوب خوبی کے ساتھ ختم ہوا اور رزرویشن پاس

ہوئے وہ بحضور گورنمنٹ بھیجے گئے کہ اپنی جلسہ کا یہ منشا ہے کہ اگر نواب لکھنؤ گورنر بہادر نے اس

عقدداشت کی کچھ ساعت نہ فرمائی تو اس کی اپیل وائلز و اسٹریٹس ہندو وزیراعظم ہندوستان کے حضور میں پیش کی جاوے گی۔

وفات امیر مینائی: ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنؤ میں ۱۲ اکتوبر

۱۹۰۰ء کو حیدر آباد میں انتقال فرمایا۔ مرحوم اردو زبان کے ایک مسلم الثبوت اور بے بدل شاعر تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں

پیدا ہوئے تھے اور بزرگ ۳۷ سال قضا کی اور پانچ بیٹے یادگار چھوڑے۔

ملکہ معظمہ کاسوگ: ۱۲ فروری ۱۹۱۹ء۔ استہار لاؤڈ کرزن صاحب گورنر جنرل کشور ہند شہر میں

مضمون شائع ہوا کہ گل رعایا ہندوستان سے امید ہے کہ جناب ملکہ معظمہ کی وفات کا ۶ مارچ تک پورا اور ۱۱ اپریل

تک نصف تم کریں اور طائرین سولہ فوج و بحری و فوج ۲۴ جولائی ۱۹۱۹ء تک بائیں بازو پر سیاہی پڑا نہ دے رہیں۔

اسٹیشن بمبئی ۱۱ مارچ ۱۹۱۹ء۔ ذیل میں سب سے پہلو بصورت اور قیستی اسٹیشن بمبئی کا کوئی دیکھ نہیں ہے۔

علی گڑھ کالج ۱۵ جون ۱۹۱۹ء۔ علی گڑھ کالج سربراہ احمد خاں مرحوم میں ایک انجمن قائم ہوئی جس کا

نام "انجمن الغرض" ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ چند ہر شہر و دیار سے وصول کر کے محتاج طلباء کے خورد و نوش کی کمالات میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ کالج مذکورہ کے چار طالب علم سید ابو محمد اور واجد حسین وغیرہ کل فارم سنڈیٹ ہوئے اور آج انھوں نے ایک جلسہ کیلئے ہوسٹل ہال میں منتخبات کیا جس میں بہت سے روسا شریک جلسہ ہوئے انھوں نے اسی قسم کی کامیابیوں میں جن کا منشاء میں اوپر ظاہر کر چکا ہوں تجدید تم ہوئے ان اچھول کے فہرست چندہ کھولی گئی۔

وفات حکیم عبد المجید دھلوی : ۱۲ جولائی ۱۹۰۱ء - تاریخ ۱۱ جولائی کو حکیم عبد المجید خاں مشہور طبیب دہلی نے عارضہ مرع میں انتقال کیا۔ چونکہ حکیم حاذق تھے اس وجہ سے روسا عا حکم ان سے علاج کرانے کو دہلی جایا کرتے تھے اور اگر وہ حسب طلب کسی راجہ مہاراجہ کے باہر جاتے تھے تو بڑی فیس بھی لیتے تھے۔ مرحوم حکیم محمود خاں صاحب نامی طبیب دہلی کے فرزند تھے۔ افسوس کہ ایسے نامی طبیب کی وفات سے دہلی خالی ہو گئی۔ حکیم صاحب بہت متمول آدمی تھے۔

بیواؤں کی مدد : شمار سی : ۲۱ جنوری ۱۹۰۲ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہو گا کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کی رو سے بیوہ عورتوں کی تعداد دو کروڑ چھ بیس لاکھ ستاون ہزار چار سو چھ بیس ہے جس میں ہندو بیواؤں کی تعداد چھ بیس مت کے ایک کروڑ چار سو لاکھ تین ہزار پانچ سو چھیا اٹھ ہے اور مسلمان بیوائی وغیرہ بیواؤں کی تعداد بیس لاکھ تین ہزار آٹھ سو چھیا بیس ہے۔ اس ملک کی مردم شماری قریب تیس کروڑ ہے۔ اگر نصف مرد نصف عورتیں ہوں تو گویا دس کروڑ عورتوں میں قریب دو کروڑ کے بیوہ ہیں یعنی پانچ عورتوں میں ایک بیوہ۔ چونکہ تعداد بیواؤں کی بہت زیادہ ہے لہذا اگر اصلاح ذہندگان قوم ان کے عقائد تانی کی جانب متوجہ ہو جائیں تو ایک سخت مشکل آسان ہو سکتی ہے۔

مردم شماری : ۷ مارچ ۱۹۰۲ء - جو مردم شماری یکم مارچ ۱۹۰۱ء کو تہائی ہندوستان کی ہوئی تھی اس کی رو سے اخبار پانچ میں جو نقشہ جات شائع ہوئے ہیں اس کی تعداد حسب ذیل ہے،
مرد - چودہ کروڑ ننانوے لاکھ تین ہزار سات سو اٹھ - عورتیں - چودہ کروڑ چالیس لاکھ آٹھ ہزار
۹ سو گیارہ - کل آبادی - ۲۹ کروڑ ستائیس لاکھ باٹھ ہزار چھ سو بہتر آدمی ہیں۔ اس حساب سے بچپن لاکھ چالیس ہزار ۸۵ آدمی بمقابلہ عورتوں کے زیادہ قرار پاتے ہیں۔

یو۔ پی۔ : ۲۹ مارچ ۱۹۰۲ء - بموجب اشتہار گورنمنٹ حکومت ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء بجایا اشتہار ہو چکا ہے کہ کلکتہ روضہ ۲۲ مارچ اصلاح مغربی و شمالی و اودھ کا نام بدل کر اصلاح متحدہ اگر وہ واودھ رکھا گیا اور یہ تبدیلی

بہ زمانہ لارڈ کرزن صاحبت بہادر ولغٹینٹ گورنری سر لاٹوش صاحب وقوع میں آئی جو قابل یا ہوگی۔ اب اضلاع مغربی و شمالی پیشاور کے اضلاع قرار دیے گئے۔

طالعون: ۲۷ اپریل ۱۹۰۲ء۔ اب شکایت بیماری طالعون برابر ترقی کرتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں تو عمر سے اس کی شکایت پیدا ہے لیکن اب بہت سے اور مقامات میں اس بیماری کی ملاحظہ پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جو شہر یا قصبہ کنارے دریا کے واقع ہے وہاں اس کا قیام مدت تک رہتا ہے اور کسی قصبہ یا شہر میں اس بیماری کا رواج ہوتا ہے تو بے پہلے مرے ہوئے جو بے نظر پڑتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے اگر مکان خور اٹھائی نہ کر دیا گیا اور ایک آدمی بھی اس گھر کا رہتا تو اس گھر والوں میں کسی کی غیریت نہیں۔

لارڈ کچنر: ۲ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء کو لارڈ کچنر صاحب لندن سے داخل بمبئی ہوئے اور جارج پاور صاحب سے کانڈیران چیف ہندوستان سے چارج لیا۔ لارڈ صاحب کی عمر ۵۲ سال کی ہے اور بڑے نامی گرامی اور مشہور شخص ہیں۔ انھوں نے ملک مصر میں سوڈان فتح کیا تھا اور مہدی سوڈانی کا بٹا کھودا کر پھینک دیا تھا اور جنوبی افریقہ کی جنگ ٹرانسوال میں بھی باعث حلیج نامہ بوریو لوگوں سے ہوئے یورپ میں یہ شخص بہت مشہور ہے۔ دیکھا چاہیے کہ وہ ہندوستان میں کتنی ناموری حاصل کرتے ہیں۔

جشن تاج پوشی: یکم جنوری ۱۹۰۳ء۔ آج دہلی میں دربار بہت شان و شوکت سے ہوا اور یہی کیفیت ہر ضلع میں ہوئی یعنی فرمان شاہی پڑھا گیا اور لوگوں کو اعزاز حاصل ہوا۔

۱۰۔ جنوری ۱۹۰۳ء۔ جناب لارڈ کرزن صاحب گورنر جنرل کشور ہند ۲۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو برکسا ترک و احتشام والیان ملک کے جلوس کے ساتھ دہلی کو تشریف لائے تھے اور آج ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو بون فراغت دربار وغیرہ بارادہ کلکتہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ لارڈ صاحب بمقابلہ اور وائسرائے کے کم عمر پیر غالباً ۴۴ سال کے اندر عمر ہوگی۔۔۔۔۔ آج کل اسپیشل ٹرینیں بوجہ واپسی روسا و والیان ملک برابر نیل اسٹیشن سے گزر رہی ہیں کہ وہ لوگ دہلی سے اپنے وطن کو جا رہے ہیں۔

محصول خلمک: ۱۹ مارچ ۱۹۰۳ء۔۔۔۔۔ آج کے اخبار پائیر سے معلوم ہوا کہ کرزن صاحب وائسرائے کشور ہند کی کونسل کی رائے ہے کہ خلمک پڑھائی روپیہ نی من سے محصول گھٹا کر دو روپے فی من کر دیا جائے اور انکم ٹیکس جو پانچ سو سالانہ کے منافع پر لیا جاتا ہے اب ہزار روپیہ کے منافع پر لیا جائے گا اور جن لوگوں کا منافع پانچ سو روپے ہے وہ بری کیے جا دیں گے۔ غالباً مارچ ۱۹۰۳ء کو ایکٹی سے اس کی بابت حکم صادر ہو جائے۔

سرخی شفق ۶۱ اپریل ۱۹۰۳ء میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑے زمانے سے بوقت طلوع وغروب آفتاب جو سرخی شفق عموماً ہوا کرتی ہے اس کا قیام ڈیڑھ دو گھنٹہ سے کم نہیں ہوتا حالانکہ اس قسم کی سرخی وقت طلوع وغروب آفتاب کے پندرہ یا بیس منٹ میں فرو ہو جاتی تھی۔ کتاب مہا بھارت میں لکھا ہے کہ کوروا اور پانڈو کی لڑائی کے قبل بھی ایسی ہی سرخی وقت طلوع وغروب آفتاب کے نمودار ہو کرتی تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ دونوں میں سخت لڑائی ہوئی اور لاکھوں آدمی کاشت و خون ہوا کہ دریا خون کہے ہے۔ لہذا میں خیال کرتا ہوں کہ جب سے اس سرخی کو ترقی ہوئی بیماری طاعون سے کئی لاکھ آدمی ضائع ہو گئے اور جو ہفتہ ۲۸ مارچ کو ختم ہوا ہے اس میں تمام ہندوستان میں تیرا دکشتگان ۸۰۰۰۰ آدمیوں کی فی ہفتہ ہے۔ پس مقام خود ہے کہ آغاز طاعون سے کہ جس نے ۱۸۹۶ء سے بھی میں خروج کیا ہے اس وقت تک کس قدر لوگ ضائع ہوئے ہونگے لیکن اب دو چار روز سے وقت طلوع وغروب آفتاب قیام سرخی کا کم رہتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ بیماری مذکور گھٹ جاوے۔ خدا ایسا ہی کرے۔

طاعون ۶۱ مئی ۱۹۰۳ء ۱۰۰۰۰۰ اور اخبار مورخہ اردوہ سے بحوالہ اخبار طیلی گراف انگریزی مورخہ ۲ اپریل ۱۹۰۳ء واقع ہوا کہ جب سے طاعون ہندوستان میں شروع ہوا اس کی سالانہ اموات حسب ذیل تھیں ہندستان میں قریب پندرہ سو۔

” ۱۸۹۷ء - ۵۶ ہزار ۱۸۹۸ء - ۶۱ لاکھ ۱۸۹۹ء - ۶۱ لاکھ ۳۳ ہزار ۱۹۰۰ء - ایک لاکھ ۹۳ ہزار ۱۹۰۱ء - دو لاکھ ۴۲ ہزار ۱۹۰۲ء - پانچ لاکھ ۷۲ ہزار کل ۱۶ لاکھ ۷۳ ہزار۔

وفات سید محمود ۱۳ مئی ۱۹۰۳ء ۸ مئی کو مسٹر سید محمود بریٹرا ایٹلا کا بمقام سینا پور انتقال ہو گیا۔ متوفی سید احمد فال صاحب بانی کالج علی گڑھ کے بیٹے تھے اور امتحان بریٹری لندن میں پاس کر کے ہندوستان میں وکالت شروع کی تھی۔ چند سال تک وہ جج ہائی کورٹ بھی رہے تھے جنھوں نے جڈیڑے پیچیدہ مسائل قانونی اپنی قابلیت اور عالی دماغی سے حل کیے۔ بعد عہدہ ججی سے برصغیر پٹنن چھ سو روپیہ ماہوار کنارہ کش ہو کر پھر اپنا کام بریٹری شروع کیا مگر افسوس کہ وہ شراب بکثرت پینے لگے جس سے ان کا دماغ خراب ہو گیا۔ آخر ش انتقال ہوا۔ متوفی ۲۲ مئی ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک لڑکا خود رسال جس کی عمر ۱۶ سال ہو گی یادگار چھوڑا مسٹر محمود کی لاش علی گڑھ بھیجی گئی جہاں اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

قواعد لکھ خانہ ۲۷ مئی ۱۹۰۳ء - جدید قانون ڈاک خانہ، اکھرے وجواں پرائیویٹ پورٹ ٹرکٹ جسپال ڈاک کے ذریعہ سے معمولی پوسٹ کارڈ کے طور پر بھیجے جاسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ۵ پانچ طویل اور

۳۱ اپریل عرصہ سے زیادہ اور ۳۱ اپریل لانے اور ۱ اپریل چورے سے کم نہ ہوں اور ان کا غلہ یسا ہی دیر چھوٹا
کہ پوسٹ کارڈ کا ہونا چھوڑ دینا ایک نئی آرڈر بنیوڑ کا خط نہ جاسکتا ہے مگر میں آئے نہ ہوں۔

کشمیر میں سیلاب: ۴ اگست ۱۹۰۳ء۔ یہاں پانی کی کمی ہے اور کشمیر میں ۲۹ جولائی کو انا پانا
برسا کر سیلاب آگیا جو ۱۸۹۳ء کے سیلاب سے دو فٹ بلند تھا۔ وہاں کے باشندے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور
کشتیوں پر جا کر نہا لی۔ ریڈیو ٹیلی ویژن اور ٹھلوں کے مکانات میں چھت تک پانی بھر گیا۔ خیریت ہوئی کہ
سیلاب نہ لگایا۔ اگر رات کو آتا تو بہت سی جانیں تلف ہو جاتیں۔ آبادی میں دس ہندو فٹ تک پانی تھا اور ایک اور کان بھی آیا
۷ ستمبر ۱۹۰۳ء۔ جو سیلاب جولائی میں کشمیر میں آیا تھا اس سے سات ہزار مکان شہر کے منہ
ہو گئے اور تیس ہزار آدمی بے خانماں ہوئے۔

لاسٹ کچنر: ۲۱ نومبر ۱۹۰۳ء۔ لارڈ کچنر صاحب کانڈرلین چیفٹ افواج ہند ۱۶ نومبر کانڈرلین کو متعلق
سجونی بازار کے گھوڑے سے گر پڑے اور گھٹنے کے اوپر دو مقام سے ٹانگ ٹوٹ گئی۔ شملہ میں علاج ہو رہا
طاعون: ۲۶ مارچ ۱۹۰۴ء۔ معائنہ پانیر اخبار عمرہ امروہ سے معلوم ہوا کہ مہنتہ تختہ ۱۹ مارچ
میں کل ہندوستان میں ۵۵۲ آدمی طاعون سے فوت ہوئے جس میں بڑا حصہ اموات بمقابلہ دیگر صوبہ جات
کے پنجاب کا ہے۔ اللہ اکبر! کس قدر رونا دہے۔ اس بیماری سے اب کیسے دنیا قائم رہے گی۔

سلسلہ ریل کا: ۲۹ مارچ ۱۹۰۴ء۔ سب سے پیشتر ۲ ستمبر ۱۸۲۵ء کو سلسلہ ریل کا انگریز طبعی
ہوا اور ہندوستان میں ۱۸ اپریل ۱۸۵۳ء کو اس کے بعد ریل رتن قریب کل ہندوستان میں اس کا
سلسلہ قائم ہو گیا اور یکم فروری ۱۸۷۸ء کو سندھ میں ریل جاری ہوئی۔

نیا واسوے: ۲ مئی ۱۹۰۴ء۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۴ء کو بیرن اسمٹل گورنر پریسیڈنسی مدراس نے
واسوے کے شہر ہند کا عہدہ قبول کیا اور لارڈ کرزن صاحب بمبئی سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ولایت ہوئے۔

تھو صاحبیل: ۲۷ جون ۱۹۰۴ء۔ آج ایک آلہ دریافت گری و سردی کنٹ اینڈ کوکبئی کے
کارخانے سے منگایا قیمت چار روپے۔ محصول وغیرہ لواتے۔ کل ۳ روپے لواتے۔ اس آلہ سے اگر وہ لیل میں
دیا جائے تو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر گرمی و سردی دبانے والے کے مزاج میں ہے۔ جس کی تصریح
یہ ہے کہ اگر آلہ کا پارہ لیل میں دبانے پر ۹ یا ۹ درجہ تک رہے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ شخص بحالت تندہ
ہے۔ اگر اس قدر دے گھٹ جاوے تو اس کو ضعف ہے اور اگر بڑھ جائے تو دل میں عداوت و بخاری قیاس کی جاوے۔

کیمین : ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء - ۹ دسمبر ۱۹۰۷ء کو رزین صاحب دائرہ کے انگلستان سے داخل ہوئے۔ یہ ان کا دوبارہ انتخاب اور جس قدر دائرہ اسٹیک ہندوستان کے متحدہ ریاست کم سن ۴۵ برس کے ہیں۔

علی گڑھ کالج : ۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ اہل تشیع شاہزادگان و نوابانِ دکن لکھنؤ نے ایک جلسہ خلاف کانفرنس علی گڑھ کے امام باڑہ آصف الدولہ میں ۱۸ دسمبر کو منعقد کیا تھا جس میں علمائے فرنگی علی اہل تسنن مجتہد اہل شیعہ کے فتنے مشریدین فدا صدمہ پیش ہوئے کہ کالج علی گڑھ کے لوگوں کے عقائد خلاف دین اسلام ہیں کہ وہ عربی میں نماز پڑھتا لازمی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ پانچ وقت کی نماز کی پابندی اور نہ عید الاضحیٰ کی قربانی اور نہ روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں اطلاق کفر کا ان پر لازم آتا ہے۔ ان کی اطاعت کسی نہج سے نہیں کرنا چاہیے۔ اس پر بہت سی تقریریں ہوئیں۔ اس جلسے میں اہل سنت جماعت کے معزز شریک نہیں ہوئے تھے چونکہ علی گڑھ کالج نے طلحہ تعلیم کا ایک عمدہ نمونہ کار دکھایا، اب اسکی مخالفت ہو رہی ہے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۰۶ء کی تاریخ سے جلسہ کانفرنس علی گڑھ کالج بمقام لکھنؤ کیننگ کالج شروع ہوا جو ۲۹ دسمبر تک قائم رہے گا۔ بہت سے معززین قصیدہ ادا سطر شرکت کے لکھنؤ گئے ہیں۔ میں بھی اس کا ممبر تھا لیکن بوجہ اسکے کہ طبیعت کو اب کوئی لطف باقی نہیں اور بجائے تنہائی و خاموشی ایمانزدگی کی بے کراں پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا فرسخ حریمت کی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء - آج معلوم ہوا کہ سید التفات رسول تعلقہ دارالہمال پور میں نے چندہ کانفرنس علی گڑھ منعقدہ ۲۷ لغایت ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کیننگ کالج لکھنؤ بمبلغ پانچ ہزار روپیہ بنا کر تعمیر کروا کر علم سائنس کالج علی گڑھ کو دینا تجویز کیا جس سے مکہ کا نام ان کے والد (فضل حسین) کے نام پر رکھا جاوے گا۔

۵ جنوری ۱۹۰۷ء - جو جلسہ کانفرنس علی گڑھ کیننگ کالج لکھنؤ میں ۲۷ لغایت ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء منعقد ہوا تھا۔ وہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اور ایک لاکھ چار ہزار سا چندہ جو ۱۱ دسمبر شاہد حسین تعلقہ دار ویر سٹر ایٹلا کو بیکلر دے جن کو شش ایک طلائی تمغہ منجانب کانفرنس عطا ہوا۔

طاعون : ۱۸ فروری ۱۹۰۵ء ہفتہ مختصر ۴ فروری ۱۹۰۵ء نقشہ حالت طاعون سے واضح ہوا کہ ہندوستان میں مرض مذکور سے ۳۶،۱۶ آدمی ضائع ہوئے اور اس کے قبل کے ہفتہ میں ۳۳،۸ آدمی فوت ہوئے تھے ممالک متحدہ ہفتہ ۴ فروری میں ۱۵،۳۶ اور ہفتہ ماضی میں ۱۲،۴۰۔

پانچ سال کے ہفتہ مختصر ۳ جنوری کی تعداد اموات طاعون ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ پانچ سال سے طاعون میں اموات کی سال بہ سال کیسی کثرت ہوتی جاتی ہے ۱۹۰۱ء - ۱۳۱۵ء - ۲۰۶۱۹۔

۱۲۱۹۲-۱۹۰۳ء-۵۶-۲۳-۴-۱۹۰۴ء-۳-۲۳-۵۶-۱۹۰۵ء-۸۷-۳۲۰

نسل سلسلہ: ۱۲ اپریل ۱۹۰۵ء- آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۴۳ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلے سے شمل میں اکثر مکانات شق و منہدم ہو گئے۔ لیڈی کزن سواپنے بچوں کے وائسنگل لاج چھوڑنے پر مجبور ہوئیں اور کزن ہاؤس میں جا کر قیام کیا۔ ۴۳ اپریل کی رات کو پھر پانچ مرتبہ زلزلہ آیا اور ۶ اپریل کو ایسا شدید تھا کہ یورپین اپنے مکانوں کو چھوڑ کر میدانوں میں کھلے اور گھر کر سوتے۔ دھرم شالہ کا زلزلہ بہت شدید تھا۔ ایک ہزار ہندوستانی وچار سو گورکھاسیابی اور کئی یورپین انسر سرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اتنی فی صدی جانوں کا نقصان زلزلے سے ہوا۔ لاہور میں بہت سے مکانات کو ضرر پہنچا۔ ایک سو جانیں ضائع ہوئیں۔ زلزلہ کامرکزی قیام شملہ و لاہور کے مابین تھا اور وہاں اس کا قیام کئی منٹ تک رہا۔

۱۳ اپریل ۱۹۰۵ء- آج کل کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۴۳ اپریل کے زلزلے سے شہر کانگرہ بالکل تباہ ہو گیا۔ بمبئی ۴۹، ۴۰ آدمیوں کے صرف ۵۰۰ بچے اور یہ مردم شماری اس کی مارچ ۱۹۰۶ء میں ہوئی تھی اور دھرم شالہ کے گرد نواح کے مواضع تباہ بالکل تباہ ہو گئے۔ چونکہ جابجا یہاں طش ہو گئے ہیں اور کئی مقاموں میں بہاؤ کھسکنے سے بڑے بڑے غار پڑ گئے ہیں اس وجہ سے دھرم شالہ کے نواحی لوگ نہایت خطرناک حالت میں ہیں غلہ خوروں و نوش باقی نہیں رہا اور وچروں کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے۔ کئی میں زلزلہ کا احساس بالکل نہیں ہوا۔ ۸ مئی ۱۹۰۵ء- آج کے اودھ اخبار سے واضح ہے کہ جس رقبہ میں شدید زلزلہ آیا اور اس سے جان و مال دونوں کا نقصان ہوا وہ سات سو مربع میل ہے جس میں اس وقت تک آفات جانوں کا تخمینہ پندرہ ہزار معلوم ہوا۔ ممکن ہے کہ اس تعداد سے اور بھی زیادہ طیلوں سے فوت شدہ اشخاص کی لاشیں برآمد ہوں۔

کسٹرن: ۹ مئی ۱۹۰۵ء... لارڈ کزن صاحب وائس لے ہند کے عہد حکومت میں مصائب ذیل باشندگان ہندوستان کے حقوق و توقع پذیر ہوئے۔ اول تو طاؤن کی شدت سے بہت سے آدمی ضائع ہوئے دوسرے پانڈرونگی سے فصل ربیع ۱۳۱۲ فصلی کو بہت ضرر پہنچا۔ تیسرے زلزلہ جوالا کھی سے ہزاروں جانیں ہلاک ہوئیں۔ چوتھے ان کی ایچ کلک متعلقہ تعلیم سے عوام اور تعلیم یافتہ کو سخت ناراضگی پیدا ہوئی کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو گرجے نام سے یاد کیا اور تعلیم کو سخت کر دیا۔

گم و دشمنانہ: ۹ جولائی ۱۹۰۵ء- ۱۰ سال مفسلہ ذیل آفتیں و مصیبتیں ہندوستان میں نازل ہوئیں:

۱- طاؤن کی شدت سے لاکھوں آدمی مرے، ۲- سردی بے حد ہوئی، ۳- مگر سخت پڑی اور آندھیاں بکثرت

ایک جس سے صد ہا عظیم الشان درخت جڑے اکھڑ گئے ۵۔ آتش زدگی سے لاکھوں روپیہ کا مال تلف ہو گیا۔
 ۶۔ زلزلہ شدید سات سو مربع میل کے رقبہ میں کانگڑہ وغیرہ میں آیا جس سے تیس ہزار آدمی ضائع ہوئے اور ہزاروں
 مکاں ہموار ہو گئے۔ پانچ روزگی سے فصل ریت بکھل جاتی رہی ۸۔ علاوہ اس کے جنگ روس و جاپان میں دس
 سے زائد آدمی فریقین کے مقتول ہوئے۔ اور یہ بات بھی عجیب دیکھ رہا ہوں کہ ہر قصبہ گاؤں میں بلاوجہ باہم
 نزاعات و فسادات پیدا ہیں چنانچہ ہمارا قصبہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اور بلاوجہ نزاعیں پیدا ہیں معلوم نہیں
 ایسے سال گردش ستاروں کی کس سیج پر ہو رہی ہے کہ کئی شخص کو چین نہیں اور ہر شخص انواع و اقسام کے اکھاڑ میں مبتلا ہے۔
ایک ایجاد : ۱۳ اگست ۵۔ ۱۹۰۵ء آج درگاہ شاد صاحب نے مجھے تحفہ ایک سفیر کی پیالی
 بھیجی ہے جس میں ایک قسم کا سفنج رکھا ہوا ہے جس کی یہ تاثیر ہے کہ اگر انگلی سے اسے چھو کر لٹاؤ بن دیکریں تو اس
 کے لمس سے لٹاؤ وغیرہ نہ ہو جائے گا اور گوند وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ ہوگی یہ ایک نئی ایجاد ہے جس کی یہ ایسی ہی ایجاد
 سے ہندوستان کا روپیہ یورپ کو چلا جاتا ہے کیونکہ روٹا لوگ ایک نئی اور عمدہ چیز کو دیکر شوق سے اس کا خریداری کے لئے تیار ہوتا ہے
تقسیم بنگالہ : ۱۵ اگست ۵۔ ۱۹۰۵ء۔ اگست کو ایک جلسہ ٹائون ہال ملکاتہ میں اس غرض سے
 منعقد ہوا کہ تقسیم بنگالہ کی جو کارروائی گورنمنٹ سے تجویز ہوئی ہے اس کی غدر داری کی جائے۔ اس کمیٹی میں
 بارہ ہزار آدمی از اعلیٰ اداؤنی شریک تھے اور پانچ ہزار طالب علم تاحی لباس پہنے ہوئے ایک نمبر کونسل کے
 ہمراہ شہر میں گشت لگاتے پھرتے تھے تاکہ عوام کو اپنا ہمدرد بناویں اور یہ رزولیوشن بہ اتفاق رائے منظور ہوا
 اور عہد کیا گیا کہ جب تک تقسیم بنگال کا فیصلہ رعایا کے حق میں حسب اطمینان نہ ہوگا ولایت کی بنی ہوئی چیزیں
 استعمال نہ کریں گے دیکھا جاسکے کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

کسٹرن : ۲۳ اگست ۵۔ ۱۹۰۵ء۔ لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند نے ایک فوجی تنازعہ کی وجہ سے
 ۲۱ اگست مندرایہ کو اپنے عہدہ سے استعفا دے دیا۔ یہ جھگڑا ان کے اور لارڈ کچر صاحب مکمانڈرائی چیف
 کے بائین تھا اور ان کی جھگڑ پر لارڈ منٹو وائسرائے ہند مقرر ہوئے۔

تقسیم بنگالہ : ۲۸ ستمبر ۵۔ ۱۹۰۵ء۔ چونکہ اشتہار نمبر ۲۸۳ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۰۵ء کے بموجب گورنر جنرل
 ہند نے منٹو ری ملک منظم و شاہشاہ ہندوستان تقسیم بنگال کی کارروائی عمل میں آئی اور صوبہ آسام قائم ہوا۔
 لہذا اب اس کی تکمیل ہو رہی ہے۔

پرنس آف ویلز : ۲۰ اکتوبر ۵۔ ۱۹۰۵ء پرنس آف ویلز اور ان کی بیگم ۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو وارن بھیجی ہوئی

اور ہندوستان کے نامی شہروں کی سیر فرمائیں گے و نذر و تحائف قبول کریں گے۔ دیکھا چاہیے کہ بحق تدایا کیا سلوک فرماتے ہیں شاہشاہ روضہ کو اپنے بیٹے کی ولادت میں بہت کچھ سلوکات بحق رعایا فرمائے تھے۔

تقسیم بنگالہ: ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۵ء - ۱۶ اکتوبر کو مقامی بنگال کا نظامہوجس سے بنگالیوں کو سخت رنج و غم ہوا۔ اور انھوں نے زرد راکھیاں باندھیں اور جس قدر دکانیں ان کے امکان میں تھیں وہ بند کر دیں اور یہ دن وہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

مسودہ پیشی تحریک: ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔۔۔ اہل بنگالہ نے جو سودیشی تحریک شروع کی ہے یعنی اپنے ہی ملک ہندوستان کی ایشیا استعمال کریں اور یورپ کی ساختہ ایشیا کو ترک کریں اس کے جلسے ہندوستان کے تمام شہروں میں ہو رہے ہیں اور کوشش ہے کہ ہندوستان کی بنی ہوئی چیزیں کام میں لائی جائیں۔ چونکہ عیسائی ہر مقام پر کوشش ہو رہی ہے عجب نہیں کہ یہ کارروائی تکمیل کو پہنچ جاوے۔

کمرہاں: ۲۲ نومبر ۱۹۰۵ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۸ نومبر کو لارڈ منٹاگول داخل ہوئے۔ یہ پچیسویں گورنر جنرل ہند کے ہیں اور ۱۸ نومبر کو لارڈ کرزن کناراہ کش ہو کر واپس براہ بھٹی روانہ ولایت ہوئے۔ آخر لارڈ کا انتظام ہند تو بہت اچھا تھا لیکن بعض بعض باتیں ایسی تھیں جو اس سے زیادہ حقہ ہندوستان کا کیلیدہ خاطر ہوا امدان کے زمانہ واسلے میں چند قسم کے مصائب مفسلہ ذیل ہندوستان پر نازل ہوئے۔ طاعون کی شدت رہی جس سے لاکھوں آدمی ضائع ہوئے۔ آتش زنی سے بہت نقصان ہوا۔ زلزلہ کانگڑہ سے بیس ہزار جاںیں تلف ہوئیں۔ پالہ زونگی فصل ریح ۱۳۱۲ ف کو سخت نقصان پہنچا کر زمیندار اور کاشتکار تباہ ہو گئے۔ فصل خریف ۱۳۱۲ ف کی بارش سے بہت ہی کم ہوئی اور ریح آئندہ کی بھی حالت بہت خراب ہے اور ہزاروں بیگہ اراضی کاشت ہونے سے رہ گئی شاید یہ مشکل تمام زلزال گزاری وصول ہو سکے۔

شاہزادہ ویلیز: ۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ شاہزادہ ویلیز نے ۱۸ دسمبر ۱۹۰۵ء کو اپنی دادی ملک وکٹوریہ کی شبہ برنجی کا افتتاح کیا جو آگرہ کے میکڈانلڈ پارک میں نصب ہوئی۔ اس کی تیاری میں ایک لاکھ اسی ہزار روپے صرف ہوا۔ یہ برنجی شبہ ملک اطالیہ کی بالونرکس کمپنی نے تیار کی ہے۔

کمبہ میلہ: ستمبر جنوری ۱۹۰۶ء۔ میلہ کبھ الہ آباد میں جو ابھی ختم ہوا ہے بیس لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ ۲ جنوری ۱۹۰۶ء کو کثرت ازدحام سے دس آدمی ہلاک ہوئے اور اٹھارہ سخت مجروح ہوئے۔

جوبلی موٹنش حکومت: ۱۹ فروری ۱۹۰۶ء۔ اودھ میں ۱۳ فروری ۱۹۰۶ء کو برٹش حکومت کو اپنی

ل پورا ہو گیا کہ ۱۳ فروری ۱۸۵۶ء کو اس کے انتزاع کا اعلان ہوا تھا۔

شہنشاہ اکل ویلز: ۲۳ مارچ ۱۹۰۶ء - ۱۹ مارچ ۱۹۰۶ء کو شاہنشاہ ویلز اور ان کی بیگم صاحبہ شہر چمپ سے بندر لیورپول (انگلیز) جہاز روانہ ولایت تھیں جو ۱۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو بنارس و سیاحت داخل بمبئی ہوئے تھے۔ ۲ مئی ۱۹۰۶ء - شاہنشاہ ویلز کے دورہ ہندوستان میں جو ۶-۱۹۰۵ء میں ہوا اور نمٹ ہند کا ۶۶ لاکھ

پیسہ صرف ہوا دیکھا چاہیے کہ جب شاہنشاہ و موصوف بادشاہ ہوتے ہیں تو رعایا ہندوستان کو کیا نفع پہنچاتے ہیں۔
وفات لیڈی کمبریج: ۲۵ اگست ۱۹۰۶ء - لیڈی کرنٹون فیز و جلاور ڈگریزن صاحبہ ترقی و انگریز

د نہایت حسین و خوش پوشک تھیں۔ ۲۷ مئی ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئی تھیں اور ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو قضا کی جس حساب ان کی عمر ۳۶ سال ایک مہینہ ۲۶ دن کی ہوئی اور ۲۳ جولائی سنہ ۱۳۲۶ کو قبرستان کڈفٹون میں دفن ہوئیں۔

کانگڑا لیس: ۱۵ ستمبر ۱۹۰۶ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سر اندر ناتھ بروجی مشرقی و مغربی دونوں

اولوں کے شاہ کی حیثیت سے انھیں تاج پہنایا گیا اور انھوں نے غیر ملک کی ساخت کی چیزوں پر سخت راض کیا اور ملک کی کارروائی جائز رکھنے کے لیے مذہبی مداخلت حاصل کی اور انگریزی کپڑے پر اسی وجہ سے راض کیا کہ وہ سور کی چربی سے گھونٹا جاتا ہے۔ لہذا ہندو اور مسلمانوں دونوں کو ناگوار ہے۔ اس جلسہ میں ہزاروں کالیوں کا مجمع تھا میری رائے میں بظاہر ان کارروائیوں کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔

اخبارات: ۱۱ ستمبر ۱۹۰۶ء - آج کل ہندوستان میں ۱۲ اخبار نکلتے ہیں۔ تھوڑے کے لحاظ سے بمبئی

درجہ اول اور پنجاب کو درجہ دوم حاصل ہے۔

وفد مسلمانوں کا: ۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء - مسلمانوں کے ایک ڈپوٹیشن نے بے سرغنائی آغا سلطان

شاہ آغا خاں صاحب اسی آئی آئی کی بمبئی جن کے ساتھ سربراہ آدھ معزز اہل اسلام ہندوستان شریک تھے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء بمقام شملہ حضور میں لارڈ منٹو صاحب بہادر و اس کے بھائی ہند حاضر ہو کر ایٹلیس پیش کیا انتظامات نسبت تقرر و رجحان بانی کورٹ وغیرہ آئندہ ہونے والے ہیں اس میں مسلمان ہند کے حقوق کا بھی لحاظ

ما جاوے جس کا جواب و اس کے نے قابل اطمینان دیا۔ اس کی کیفیت مفصل اودھ اخبار موضع ۱۸ اکتوبر میں درج ہے۔

۷ جنوری ۱۹۰۷ء - جوڈو ڈپوٹیشن اہل اسلام ایک کم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو حضور میں لارڈ منٹو صاحب و اس کے آئندہ

قائم شملہ گیا تھا اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مرشد شاہ دین برٹ و مرشد شرف الدین برٹ اٹل جیف کورٹ پنجاب و ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ گورنمنٹ نے آئندہ مسلمان ہند پر زلفائی اور ان کو جہاد جمیلہ عطا کرنے

فیٹ (FETE) ۲ فروری ۱۹۰۶ء - امیر کابل نے ۲ فروری کو بحالت قیام کلکتہ لیڈی مینٹو کے فیٹ میں بہت کچھ فیاضی ظاہر کی جو ناہر مصارف تعلیم دیا رہتا ہوں کو دیا جائے گا۔ اسی غرض سے یہ مینا بازار قائم ہوا۔ لڑی مینٹو لارڈ مینٹو وائس رے گورنر جنرل کی بی بی ہیں جنھوں نے محض رفہ عالم کے لیے ریٹ بقا کلکتہ قائم کیا۔

امیر کابل ۵ فروری ۱۹۰۶ء - امیر حبیب اللہ خاں والی کابل نے بہ فراہمی اہل ہندو دمسلمان دہلی میں دربار کیا تو ان لوگوں کو نصیحت کی کہ رسم کا کوئی ہوتو قہر کر دی جائے جو باعث دل شکنی ہندو کا ہے میں نے کابل میں اس طریقہ کو سد و کر دیا ہے اور قرآن شریف میں حکم کا کوئی نہیں ہے لہذا آپ لوگ بھی اس رسم کو ترک کریں۔ اس امیر کی نصیحت کو تھامی مولوی ۱۱ ماہوں اور دوسرا دہلی نے منظور و قبول کیا کہ ہم ہندو ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ یہ نصیحت امیر صاحب نے ۲۵ جنوری کو کی تھی۔

طاعون ۵ مارچ ۱۹۰۶ء بحالہ گزٹ سرکاری واددہ اخبار سے واضح ہوا کہ اس سال طاعون بقیابند سال گزشتہ کے بہت ترقی پر ہے اور بکثرت لوگ مر رہے ہیں یعنی اگر گزشتہ سال میں پانچ ہزار مرے تھے حال رواں میں چند ہزار ہزار سے بڑھ کر ہوئی ہیں یہی انکی زیادتی ہے۔ کوئی گزشتہ میں تو کوئی مہینہ سے تھا اب سیر میں گھوم کر کے قریب آگیا ہے۔

امیر کابل ۸ مارچ ۱۹۰۶ء نے جو گزشتہ کو جب مسجد لاہور میں نماز جمعہ ادا کی تھی تو ستر ہزار آدمیوں کا مجمع تھا اور جس طرف آپ گزرتے تھے تو سچھو لوں کی برابر بوجھار ہوتی تھی۔ آپ نے تیش امام مسجد کو خلعت قیمتی دیا اور مولوں کو ایک دو شالہ عطا کیا۔ امیر صاحب میں شل انگریزوں کے پابندی اوقات کی تو نہ تھی ورنہ اور باتوں کے اعتبار سے وہ بہت ممتاز ہے۔ ۳ مارچ کو امیر کابل نے مسلمانوں کے لیے لاہور میں کالج کی تعمیر کے لیے بیس ہزار روپے دیے اور ترقی تعلیم کالج کے لیے چھ ہزار سے اضافہ کر کے بارہ ہزار سالانہ منظور فرمائے جس کی تصریح ۶ مارچ ۱۹۰۶ء کے اودھ اخبار میں درج ہے۔

طاعون ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء بحالہ پانچ سو روپہ ۶ مارچ ۱۹۰۶ء سے واضح ہوا کہ تھامی ہندوستان میں ہفتہ فتنہ ۲ مارچ میں ۳۲۹۰۹ آدمی طاعون سے ضائع ہوئے اور اس کے ماقبل ہفتہ میں ۳۰۰۲۴ مرے تھے۔

امیر کابل ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء - امیر حبیب اللہ خاں والی کابل ۶ مارچ سنہ ۱۳۲۵ھ کو بمقام حرم و دلپنہ افغانستان میں داخل ہوئے۔ وہاں ڈیرلیتارا اخباروں کو اطلاع دی کہ میں ۶ روزہ ہندوستان کی سیر کر کے اپنے ملک کی حد میں پہنچا اور زمانہ دورہ میں لارڈ مینٹو وائس رے ہند اور تھامی حکام نے میرے ساتھ دوستانہ تہنود کیا۔ اگر میں اس سفر کو گوارا نہ کرتا تو ہندوستان کے حالات سے ہندو دکنڈا بے خبر تھا۔ کلکتہ میں امیر صاحب فرما رہے ہیں۔

طاغون: ۲۹ اپریل ۱۹۰۷ء - بمبائے پانچواں اخبار مورخہ ۲۷ اپریل سے واضح ہوا کہ ہفتہ مختصر ہمارے
سندالیہ میں تمام ہندوستان میں ۶، ۵۱۰ آدمی طاغون سے مرے اور اس کے قبل کے ہفتہ میں ۴، ۴۷۵
ضائع ہوئے تھے۔ آج چار آدمی اشراں ٹولہ کے طاغون سے مرے۔

۱۱ مئی ۱۹۰۷ء - راولپنڈی میں بعض دکانداروں نے غلات گورنمنٹ جمع ماہ میں اسپیشل میں جس
تقریب ہو کہ محشر طبع نے ان پانچوں دکانداروں کو گرفتار کر کے حوالات بھیج دیا اور ضمانت قبول نہیں کیا۔
اب کسی تاریخ آئندہ میں اس کی تحقیقات ہوگی۔ ان لوگوں نے اس قسم کی اسپیشل میں کس کس کا بندوبست
رہات کا سخت کر دیا ہے اور طاغون سے ہزاروں آدمی مرے ہیں لہذا ہم لوگوں کے واسطے ہی مناسب کہ
گورنمنٹ سے جھگڑا کر کے اپنا جان دیدیں کیونکہ اگر طاغون بچے لوگوں کی سنگینی جمع سے تکلیف اٹھا کر مرنا ہوگا۔
لاجپت مرے: ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء - بمبائے اودھ اخبار مورخہ ۱۷ مئی سے واضح ہوا کہ لال لاجپت

ایک نامور وکیل لاہور جو جب حکم گورنمنٹ محکومہ ۹ مئی سنالیہ گرفتار کر کے بذریعہ اسپیشل ٹرین ملک برما
کو بھیج دیے گئے کہ انھوں نے مقدار اسپیشل میں کس کس کو گرفتار کی حکومت کے محض خلاف تھیں اور اجیت
ان کے نائب کو بھی گرفتاری کی تجویز ہو رہی ہے جو باجی اسپیشل کہتا پھرتا تھا اور جو بالفعل لاپت ہے۔

۲۱ مئی ۱۹۰۷ء - لال لاجپت رائے ایک نامور متول وکیل لاہور قلعہ مانڈلے واقع ملک برہما

میں بطور سلطان قیدی مقید ہیں۔

۷ جون ۱۹۰۷ء - آج کے اخبارات سے واضح ہوا کہ اجیت سنگھ بنجالی نائب لال لاجپت رائے امرتسر
گرفتار ہوا جو عنقریب کسی مقام پر جلا وطن کیا جائے گا۔ اجیت سنگھ گورنمنٹ کے غلات اسپیشل میں دیا گیا تھا
جس کی وجہ سے اس پر وارنٹ گرفتاری بھرتا پانچ سو روپیہ انعام کے جاری تھا۔

۱۹ جون ۱۹۰۷ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ لال لاجپت رائے ملک برہما میں قلعہ مانڈلے
ایک آراستہ جنگل میں مقیم ہیں جو لب شرک واقع ہے۔ ان کے واسطے کتابیں میاں کی گئی ہیں اور کچھ اور ایک جڑی
گھوڑے کی ان کی سواری کے واسطے ہے۔ دو افراد کے ہمراہ باہر نکل سکتے ہیں۔ جو ہندوستانی ان کو دیکھنا چاہتے
ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے مرد مالدار کے واسطے گورنمنٹ نے ۴۸ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ دوسری روایت یہ
ہے کہ ان کو ۴۰ روپیہ یومیہ ملتا ہے۔ بہر حال ان دونوں میں سے ایک رقم ان کو ملتی ہے۔ غالباً ان کو
صحیح ہے جس کی تعداد ماہواری ۱۲۰۰ ہے۔

اگنی : یکم اگست ۱۹۰۷ء - آج یکم اگست ۱۹۰۷ء سے ایک آنکھ کا نکل کا رسکے جاری ہوا ہے اس رسکے کا کنارہ پہلو دار ہے۔ جس سے یہ غرض ہے کہ اس پر چوٹی کا دھوکا نہ ہو۔ اگرچہ چوٹی سے کسی قدر بڑا اور مٹا ہے مگر چوٹی سے کچھ شباب ہے۔ پہلو دار بنانے سے دنیا کے سکوں میں یہ نرالا رسکے ہے کیونکہ اس وقت تک کسی ملک میں ایسا رسکے مسکوک نہیں ہوا ہے۔ اس کے سامنے کے رخ پر بادشاہ کا تاجدار چہرہ ہے۔

۵۔ داس مستاس : ۱۶ اگست ۱۹۰۷ء - آج کل تین بجے آخرات کو ایک دم دار سارہ نکلتا ہے جو پورب میں کھٹاں کے قریب اتر کر دھلائی دیتا ہے۔ یہ ستارہ زمانہ خدربودہ ۱۸۷۷ء زمانہ خشکی میں نکلا تھا اب کچھ نکلتا دکھا چاہیے کہ اسکا نتیجہ کیا ہوتا۔ بارش کی کمی اور خریف کا نقصان تو ظاہر ہو رہا ہے۔

وفات نواب محسن الملک : ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء - نواب محسن الملک سکریٹری مدرستہ العلوم علی گڑھ نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء بمقام شہرہ قضا کی مرحوم لائق و قابل شخص تھے۔ ان کی ایسیج میں ایسی سوریانی تھی کہ حاضرین جلسہ ان کے منسلے فوراً متاثر ہو جاتے تھے اور ان کے مقاصد کی پوری تعمیل ہوتی تھی محسن الملک ۹ نومبر ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء یوم چہار شنبہ کو فوت ہوئے اور ۱۹ اکتوبر یوم شنبہ مدرستہ العلوم علی گڑھ منتقل قبر سید احمد خاں کے مجید میں دفن ہوئے۔ حساباً ان کی عمر ۶۹ سال ۵۹۹ مینتیس روز کی ہوئی۔

قحط دوسرا چومے : ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء - چونکہ آج کل زمانہ قحط سال کا ہے پروردگار عالم نے عوام کے رزق پہنچانے کا یہ سامان کر دیا کہ حسب منشاء گورنمنٹ واسطے انسداد بیماری طاعون کے ہلاکت جو ہوں کا کام جاری ہو گیا چنانچہ قصبہ ہڈا میں جو ہوں کی ہلاکت کا کام جاری ہے اور ان کو لانے والوں کو دودھ پیرنی چوبہ عام اس سے کردہ زندہ ہوں یا مردہ انعام تقسیم کیا جاتا ہے جس کی تہذیبیہ بادن روپے تک پہنچ گئی ہے جس سے بہت سی جانیں پرورش پا رہی ہیں۔

ہڑتال : ۲۷ نومبر ۱۹۰۷ء - ملازمان یورپین و ہندوستانی ایسٹ انڈیا ریلوے نے ہڑتال کر دی کہ یہ زمانہ قحط سال کا ہے اگر ہماری تنخواہوں میں اضافہ نہ ہو گا تو ہم ریل نہیں چلائیں گے۔ چنانچہ ۱۸ نومبر سے کلکتہ سے مکالہ تک ریل بند ہے اور مسافروں اور مال کی آمد و شد رکی ہوئی ہے۔

علی گڑھ : ۱۰ دسمبر ۱۹۰۷ء - آج کی کمیٹی علی گڑھ سے وقار الامر سکریٹری علی گڑھ کالج بجائے محسن الملک نواب مہدی علی خاں متوفی سکریٹری مقرر ہوئے۔

تعداد فوج : ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء - تعداد سرکاری فوج گورے و ہندوستانی ہندوستان میں بعد از ذیل ہے۔

پھانسی : ۱۵ اگست ۸-۱۹۰۶ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ کہوے رام بوس کو بتایا
۱۱ اگست ۱۹۰۸ء پھانسی دی گئی۔ مزمیر الزام تھا کہ اس نے مغل پور میں بم کے گولے سے دو پیر لیڈیوں کو ہلاک کیا تھا۔

سج کاری گواہ : ۵ ستمبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ زندر ناتھ کوشائیں سرکاری گواہ
کو جس نے خبری کر کے بہت سے اپنے ہم قوم لوگوں کو کلکتہ میں گرفتار کر لیا تھا اس کو کھٹی لال دت اور سر سید ناتھ
بوس دو قیدیوں نے علی پور کے جیل خانہ کے اندر دیوالورا دت پنچ کی گولیوں سے ۳۱ اگست ۸-۱۹۰۶ء کو ہلاک کر ڈالا
اور دیوالورین قیدی جو اس کو پھانسنے کے واسطے آئے تھے ان کو بھی زخمی کیا۔ وہ تینے شاید کھانے میں رکھ کر اس کے
دوستوں نے قیدیوں کے پاس بھیجے تھے۔ یہ دونوں قیدی جنھوں نے کوشائیں کو ہلاک کیا تھیں کوشائیں کی خبری پریز جوت
تھے جب دونوں قیدیوں کی تلاشی لی گئی تو پانچ دیوالورا دت پنچ ان کے پاس برآمد ہوئے۔

مسٹر تنک : ۲۸ ستمبر ۱۹۰۸ء مسٹر تنک مرہٹا پونا جن کو سترچھ سال بہ عبور دریائے شور بہ ملت
شائع کرنے میں فتنہ پرازی مہنت تھی وہ حکم گورنر بمبئی قید محض رہے گی اور اب وہ فتنہ مرہٹا کے واقعہ پر ہلکا کیجے گئے۔

جشن جوبلی : ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جشن قیسری جوبلی ۲ نومبر ۱۹۰۸ء
کو تہامی ہندوستان میں ہوا تھا۔ اس کا مینٹا تھا کہ برٹش سلطنت نے براہ راست قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی سے
حکومت ہندوستان کی زمام لینے ہاتھ میں لی تھی جس کو زمانہ پچاس سال کا ہوا جو مانہ امن وامان سے ختم ہوا۔

حقہ سخی ایجا : ۱۳ نومبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ اگبر بادشاہ کے حکم سے حکم الوافغ
کیانی نے حقہ کی ایجاد کی جس کو اگبر بادشاہ نے بہت پسند کیا تھا۔

بنگال میں حادثہ : ۱۳ نومبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ایک جلسہ کلکتہ میں
سراٹھرو فریزر صاحب لفٹیننٹ گورنر کی پریلینسی میں ۷ نومبر کو بوقت شام منعقد ہوا تھا، جو تندرنا تھا
چودھری نے ایک ریلو تو پتھر سے گورنر پر دو مرتبہ فیر کرنا چاہا لیکن پتھر نے خطا کی اور چودھری مذکور گرفتار کر لیا گیا
جس کی تحقیقات ہو رہی ہے۔ اسی اخبار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندر لال بھرجی ایک بڑی تحقیقات فوجداری کو کھنسی ۱۰ نومبر کو
پتھر کے دو فیروں سے قتل کیا۔ قاتلوں کی تعینات ہو رہی ہے۔ ہنوز کوئی سراغ نہیں لگا۔

۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء آج کے اخبار سے واضح ہوا کہ چودھری جس نے سراٹھرو فریزر لفٹیننٹ
گورنر بنگال کو ہلاک کرنا چاہا تھا اس کو دس سال قید سخت کی سزا ملی۔ اگر مہاراجہ برادران لفٹیننٹ گورنر اور قتال
کے درمیان میں نہ آجاتے تو ضرور پتھر میرٹھ سے ہزار آئے ہلاک ہو جاتے۔

بیرسٹریفٹ مغائب انگلش میں 'پیروی متعدد کرتے تھے۔

مدن لال قاتل : ۱۰ جولائی ۱۹۰۹ء - یکم جولائی ۱۹۰۹ء کو کوئٹہ کرزن ویلی اور ڈاکٹر لال کا گھوڑی
مدن لال طالب علم سکندر آفسر نے بمقام لندن تیچنگ کی گولیوں سے قتل کر ڈاکٹر لال کی وجہ سے مدن لال قاتل
نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ غالباً اس کو سزا بھانسی کی ہوگی۔ مقدمہ کی تحقیقات لندن کورٹ میں ہو رہی
ہے۔ مدن لال نے اپنی بریت کے لیے کوئی بیان نہیں دیا بلکہ جوس نے پولیس میں بیان کیا تھا وہی کافی سمجھا گیا۔

۲۷ جولائی ۱۹۰۹ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ لارڈ اورسٹون نے مدن لال قاتل ہر کرزن ویلی
کو بچانسی کی سزا دیتے ہوئے کہا کہ میں جو بات کہوں گا اس کا ملزم پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ جب مدن لال حکم سزا سن چکا
تو اس نے فوجی سلام کیا اور کہا کہ کرائی لارڈ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ مجھے میرے
وطن کے لیے مرنے کا جتنی شہید ہونے کا فخر نصیب ہوا۔

۲۰ اگست ۱۹۰۹ء - اگست کو کسی مدن لال کے گھاساکن لٹر کو بجرم قتل ہر کرزن ویلی بمقام لندن بھانسی ہوئی۔
لارڈ کچنر : ۲۰ ستمبر ۱۹۰۹ء - ۱۰ ستمبر کو لارڈ کچنر کا پٹر ان جینٹ افواج ہندوستان ہندوستان سے
مردان ہوئے جنھوں نے سات سال اس عہدہ کا کام نہایت مددگی سے انجام دیا اور جنرل سر ویلیام کریک جیڈ کمانڈر
ان جینٹ کو چارج دیا جو اسی تاریخ داخل بمبئی ہوئے تھے۔

جنتویوں میں فرق : ۱۳ جنوری ۱۹۱۰ء - جنتری ہائے مصلحتہ ذیل میں محرم کے چاند میں اختلاف ہے :
جنتری نو لکھنؤ : ۲۹ جنتری رعد کا پورہ ۲۹ علی جنتری - ۲۹ شہور عالم ۳۰ پترائے منجھان - ۳۰ مگر گل
شام کو بہت خور سے چاند دیکھا گیا لیکن نظر نہیں آیا۔ اس وجہ سے آج سے آج چاند رات قرار دی گئی مستور
اور بعض جہلا کا عقیدہ ہے کہ مہینہ محرم کی چاند رات اور پنج شنبہ اچھے نہیں ہوتے۔ چونکہ آج پنج شنبہ
کی رات ہوگی اب تجربہ کرنا ہے کہ یہ سال کیسا گزرے گا۔

بھانسی : ۲۴ فروری ۱۹۱۰ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ زندان بھانسی کو ہائی کورٹ
کلکتہ نے حکم بھانسی کا صادر کیا جس کے ۲۵ جنوری ۱۹۱۰ء کو شوش الحالم ڈپٹی پرنسٹنٹ پولیس کو پتھری گولی سے ہلاک کیا تھا۔
علی گڑھ کالج : ۸ فروری ۱۹۱۰ء... معلوم ہوا کہ سر آغا خاں خوجوں کے پیر بزرگ پیر ایشیل طرہی
۵ فروری بوقت ۱۱ بجے دن لکھنؤ تشریف لائے۔ اہالی لکھنؤ نے ان کی نہایت قدر و منزلت کی اور گھوٹے
کھول کر خود ایشیل سے قیصر باغ تک لے گئے۔ ایشیل سے قیصر باغ تک جہنمیاں لہرا رہی تھیں۔ ان کی

تشریف آوری کا یہ سبب ہے کہ وہی گڑھ کالج کو یونیورسٹی قرار دینا چاہتے ہیں۔ جس کا تخمینہ تیس لاکھ روپے ہے۔ منجملہ اس کے بیس لاکھ روپیہ وصول ہو چکا ہے اب صرف دس لاکھ چنڈہ ہونے کی ضرورت ہے۔ غالباً لکھنؤ میں نہرست چنڈہ کھولی جائے اور متول لوگ حسب حیثیت چنڈہ دیں جس کی تعداد میں آئندہ کسی تاریخ میں درج روزنامہ چہرہ ہذا کروں گا۔

وفات ایڈورڈ ہفتم: ۸ مئی ۱۹۱۰ء۔ آج کے پانیر سے واضح ہوا کہ ایڈورڈ ہفتم بادشاہ انگلستان اور ہمارے شہنشاہ معظم نے ۶ مئی ۱۹۱۰ء کا دن گزر کے رات کو اس کے ۴۵ منٹ پر بوجارضا الغلوٹز انتقال کیا۔ عمر ۶۸ سال تھی۔ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں قحط و زلز و طاعون اور ہرجم کی پریشانیوں زیادہ لاتی رہیں۔ حدود اسست: ۹ مئی ۱۹۱۰ء دارسارہ صبح کے آدھے پورب جانب اتر کو ہٹتا ہوا نکلتا ہے جس کا قیام ۴ بجے تک رہتا ہے۔ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نکلتا اچھا نہیں ہے۔ جنگ و قحط سالی و غیو کا سامنا اور بادشاہ اور دروسے وقت کو باعث نقصان کا متھہ ور ہے۔ چنانچہ ہالے ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہو گیا۔ ماتم ایڈورڈ ہفتم: ۱۵ مئی ۱۹۱۰ء بوجہ وفات بادشاہ ایڈورڈ ہفتم حسب منشاے گورنمنٹ برطانیہ ماتم غم و الم کل حکام و دروسا وغیرہ اپنے بائیں بازو پر ایک سیاہ کپڑا ملائے پوشاک بندھے رہتے ہیں۔ لہذا جب میں باہر نکلتا ہوں تو اپنے بائیں بازو پر پارچہ سیاہ لپیٹا کرتا ہوں کہ باعث اعتراض کا نہ ہو۔

۱۸ مئی ۱۹۱۰ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ملک معظم کی تدفین میں تیس فرماں رویاں ملک شریکے ہوں گے۔ غیر ملکی حکمرانوں نے نہایت بیش قیمت ہار بھیجے ہیں جن میں بعض کی قیمت ڈیڑھ سو گوتی ہے۔ آغا خان بھی نہایت بیش قیمت پھولوں کا ہار بھیجا ہے اس میں علاوہ گلاب کے ایک ہزار پھول چنبیلی کے ہیں۔

۲۴ مئی ۱۹۱۰ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۹ مئی ۱۹۱۰ء کو اعلیٰ حضرت ملک معظم کی لاش بنظر دیدار ولسٹ منسٹر میں رکھی گئی تھی اور دیکھنے والے مجمع کی لمبائی تین میل تک تھی۔ گمان ہے کہ چار لاکھ آدمی تابوت کے قریب سے گزر چکے تھے اور ۱۸ مئی کو وہیں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

سید علی امام: ۱۹ مئی ۱۹۱۰ء آج کے تار برقی مندرجہ اودھ اخبار سے واضح ہو کہ میر علی امام بجائے سمر سہنا کونسل وائس رے میں مقرر ہوئے۔

لاسٹو ہاسٹنگ: ۲۵ نومبر ۱۹۱۰ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ لارڈ ہاگ جدید وائس رے ۲۲ نومبر ۱۹۱۰ء کو داخل کلکتہ ہوئے۔ دیکھا چاہیے کہ جدید لارڈ انتقام سلطنت کیسا کرتے ہیں۔ لارڈ منٹو کی خوش

انٹھائی سے باشندگان ہندوستان بہت خوش رہے اور انھوں نے ہندوستانیوں کو مزہ دینے کے لیے ان کی تہذیب کی کئی باتیں قبول کر لیں۔
ولی عہد جرمنی : یکم جنوری ۱۹۱۱ء۔ آج کل ولی عہد جرمنی ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیاحت فرماتے ہیں اور ہماری گورنمنٹ ان کا ہر کام اعزاز و دعوت و تواضع فرما رہی ہے کہ وہ وکٹوریہ عجائبی کے نواسے ہیں۔
آغا خان اور حلی گٹھ : ۵ مارچ ۱۹۱۱ء۔ ۱۰ دھ اخبار مورخہ مارچ ۱۹۱۱ء سے واضح ہوا کہ آغا خان بہادر قوم جو آج کل تمام ہندوستان سے بنا پر تمام کرنے پر پوری علی گڑھ مسلمانوں سے چندہ وصول کر رہے ہیں اور بیس لاکھ سے زائد وصول کر چکے ہیں اور بالفضل لاہور و پنجاب میں ہیں۔ وہ ۱۱ نومبر ۱۸۷۷ء کو بمقام کراچی پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ان کی عمر ۳۳ سال کی ہے آدمی نہایت لائق خطاب یافتہ فزوق کے امام ہیں اور ہزاروں روپیہ ان کی آمدنی ہے۔ یقین ہے کہ ان کی کوشش موجودہ سے بیس لاکھ سے زائد چندہ وصول ہو جائے گی۔ یہ شخص ہیں جو لورڈ ریلے اور جیال بانائی کی علی گڑھ کالج اپنی قوم کیلئے پوری قائم کرنے کیلئے اس قدر کوشش کر رہے ہیں۔
جشن تاج پوشی : ۲۸ مارچ ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ہمارے ملک معظم کا درباری تاج پوشی ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بہ مقام درہلی ہو گا۔

وفات سید علی بلگرامی : ۳ مئی ۱۹۱۱ء۔۔۔ شب گذشتہ کو سید علی بلگرامی مقیم ہردوئی نے بعارضہ رکے حرکت قلب کے قضا کی۔ ۶۵ سال تھی۔ یہ بڑے نامی گرامی بلگرامی کے رئیس تھے اور باہر ملازمت حیدر آباد کنڈل میں انھوں نے بہت کچھ کیا۔ سنا جا تا ہے کہ بچپاس ساٹھ لاکھ روپیہ ان کا بینک میں جمع ہے اور اسی ہزار روپیہ کا کتب خانہ حیدر آباد میں ہے۔ شراب خوار اکثر کفن سے حرکت قلب کے مر جاتے ہیں۔ چونکہ متوفی بھی شراب خوار تھے لہذا دفعتاً اسی عارضہ میں فوت ہوئے۔ کئی لڑکے اور لڑکیاں اور ایک بڑی یادگار چھوٹی بیٹھنی علاوہ زبان انگریزی، فارسی، عربی اور سنسکرت کے فرانسیسی اور جرمنی زبان کے بھی ماہر تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ان کو بہت بڑی قابلیت حاصل تھی اور جلیل القدر حکام ان کو نگاہ وقعت دیکھتے تھے۔

جشن تاج پوشی : ۲۳ جون ۱۹۱۱ء۔ آج جاری پنجم ملک معظم انگلستان و ہندوستان کا جشن تاج پوشی بمقام لندن ہوا۔ اس وجہ سے ہندوستان کے ہر ایک شہر اور قصبہ میں جشن خوشی منایا گیا۔
برقی پنکھا : ۲۳ اگست ۱۹۱۱ء۔ شب گذشتہ کو برقی پنکھا امر سربید انتھات رسول صاحب نقلدار بجے شب سے آج بجے صبح تک میری کوٹھی میں متصل میرے پلنگ کے چلتا رہا۔ ہوا کافی ملتی ہے۔
 شب میں اسی ہوا میں سویا اور نہایت غریب مندا آئی اور ڈر پھٹے کے تمام رات میں روضہ میٹ جلا رہا۔

برنی پنکھا بہت عمدہ ہے جس کی قیمت چھیا نوے روپے ہے۔ میرا قصہ تھا کہ میں بھی ایک پنکھا لکھنؤ سے منگواؤں گا لیکن چونکہ اب سردی پڑنے کے آئنا نظر ہو رہے ہیں لہذا اس سال اس کا منگنا ملتوی رکھا۔ انشاء اللہ تو سال آنندہ بشرط حیات منگائوں گا۔

جشن تاج پوشی جارج پنجم۔ ۲۴ نومبر ۱۹۱۱ء۔۔۔۔۔ آج کل دہلی میں بڑے بڑے انتظامات ہو رہے ہیں۔ ۲۵ مارچ میں نیچے وغیرہ نصب ہیں کہ ہمارے شہنشاہ جارج پنجم و ملکہ میری ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو رسم تاج پوشی بمقام دہلی ادا فرمائیں گے اور بہت سے والیان ملک شریک دربار رسم تاج پوشی ہوں گے۔ ہمارے ضلع ہروئی سے راجہ صاحب کشپوری و نواب عبدالکریم خاں صاحب تعلقہ دار شاہ آباد مطلوبہ گورنمنٹ شریک ہوں گے یہ بہت بڑا جشن دہلی میں ہو گا کہ لاکھوں آدمی شریک ہوں گے۔ شاید کبھی ایسا ہوا ہو۔

۳ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ کل ۲ دسمبر کو ہمارے ملک معظم جارج پنجم و ملکہ میری جہانگیر پر دہلی میں ہوئے اور شلیک کسی تاریخ پر روانہ دہلی ہوں گے۔

۸ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ آج کے دو اخبار سے واضح ہوا کہ جو خیمہ عالی شان دربار دہلی کی کیٹیوں کے واسطے نصب ہوا تھا۔ ۵ دسمبر کو آگ لگ جانے کی وجہ سے بالکل سوخت ہو گیا ہے۔ ہزاروں روپوں کی تیاری کا تھا۔ اگرچہ خیمہ مذکور اس قلیل مدت میں تیار ہو سکتا ہے لیکن جو چیزیں طاری اور نفرتی یا آلات جو اس کی زیبائش کے لیے آراستہ کیے گئے تھے ان کا ہم پہنچنا مشکل ہے اور قبل اس کے چیف کمنر صاحب لاہور کا بھی خیمہ مع اس کے کل شاگرد پیشوں کے آگ لگ جانے سے سوخت ہو گیا تھا۔ اگرچہ یہ علامتیں اچھی نہیں ہیں مگر خدا مدد فرمائے کہ یہ جشن ناموشی جو ۱۲ دسمبر کو ہونے والا ہے بادشاہ و کل رعایا سے برٹش کو مبارک ہو۔

۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ ۱۲ دسمبر کو جب ملک معظم نے تخت نشینی بمقام دہلی اختیار فرمائی تو لاٹھی مارنگ گورنر جنرل نے حسب ذیل اسٹیج فرمائی۔

۱۔ دہلی بجائے کلکتہ کے دارالسلطنت قرار پائے۔ ۲۔ یہ عہد لاٹھی مارنگ صاحب جو تقسیم بنگال کی ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے بنگالیوں میں ایک شورش پیدا تھی وہ منسوخ کی جاتی ہے۔ ۳۔ ۵۰ لاکھ روپیہ واسطے تعلیم کے دیا گیا۔ ۴۔ ملازمان سول و فوجی جن کی تنخواہ پچاس روپے ماہوار ہے ان کی تنخواہ ۱۵ روپے کی مصافح کی جائے آج کی تاریخ میں ۱۴۸۰ تقسیم ہوئے جس میں تو لوگوں کی گزیروں اور والیان ملک وغیرہ کی ہے۔ ●

1

[illegible]

• •

ب دوم

ہندوستان کی ریاستیں اور تعلقہ

(1)



لشکر کپور تھلہ : یکم نومبر ۱۸۸۶ء - لشکر کپور تھلہ آج سندیلہ ہو کر گزرا۔ چونکہ راجہ صاحب بندھہ ریل واسطے ملاقات گورنر جنرل بہادر علی لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں لہذا لشکر کو آج پیدل منزل بہ منزل جاتا ہے۔
وفات والی جودھ چور : ۱۲ فروری ۱۸۸۳ء - تحریر منشی باسط علی خسر پور منشی شمس الدین صاحب سے معلوم ہوا کہ ۱۲ ماہ حال کو راجہ تخت سنگھ والی جودھ پور بہار رضہ ورم جگر فوت ہوئے۔

وفات محاراجہ جیلانچوی : ۲۸ مئی ۱۸۸۲ء - ۲۷ مئی کو مہاراجہ درجیہ سنگھ والی ریاست بڑا بڑا وٹکشی پور رضہ استقامتاً بمقام الدہ آباد فوت ہوئے۔ عمر ۵۹ سال تھی۔ مہاراجہ کو سرکار انگلشیہ سے بہت بڑا اعزاز ملا تھا اور گیارہ ضرب توپیں سلامی کی ان کی آمد و شد میں سر جوتی تھیں۔ سنگیا کر ایک لاکھ نفل وفات پجاریان الدہ آباد وغیرہ کو دیا گیا۔

دستور پان - حیدر آباد : ۱۴ نومبر ۱۸۸۲ء - مولوی ضامن حسین صاحب حال سٹی جھڑیٹ حیدر آباد میری ملاقات کو تشریف لائے اور عند التذکرہ بیان کیا کہ حیدر آباد میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی کسی کی ملاقات کو آتا ہے تو جس وقت دوسرا بان صاحب خانہ ملاقاتی کو دیتا ہے تو اس سے رخصتی منہجوم ہوتی ہے اور اہل ملاقات پان کھا کر رخصت ہو جاتا ہے۔

۸ فروری ۱۸۸۳ء - سر سالار جنگ محمد الملک وزیراعظم دکن حیدر آباد نے بحاضرہ ہیضہ وبا کی آج امتحان کیا۔ یہ بہت بڑے مدتہ بر فزادہ روزگار تھے اور ان کے مہود وزارت میں ریاست حیدر آباد نے بہت ترقی حاصل کی۔
۶ فروری ۱۸۸۳ء - کل ریسر محبوب علی خاں نظام حیدر آباد گڈی انشیں ہوئے۔ لارڈ رین صاحب گورنر جنرل ہند نے گڈی نشین کیا۔

مولوی صدیقی حسن - جھوپال : ۲ نومبر ۱۸۸۵ء - بمقام اودھ اخبار ۱۸۸۵ء معلوم ہوا کہ ماہ حال کو یکم گورنمنٹ مولوی صدیقی حسن خاں صاحب شوہر تیسرے جھوپال سے خطاب نوابی دالسی لیگل اور کار ریاست سے بے تعلق ہوئے اور ۱۷ ضرب توپ سلامی کی موت فوت ہوئی جس کا سبب یہ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب

موصوف رعایا پر ظلم و جور بہت کرتے تھے جبکہ شہزادہ لعل مراد خان صاحب ایجنٹ راجہ جوتانہ نے گورنمنٹ سے کی تھی۔

خزاع۔ بمبر ۳۴ پور: ۲۷ مارچ ۱۸۸۶ء۔ آج اجلاس جوڈیشل کسٹر لکھنؤ سے بابت نزار ریاست بلرام پور پر فیصلہ ہوا کہ مہارانی خورد و کلاں بعد منہائی مصارف انتظامی وغیرہ نصف نصف منافع تقسیم کر لیا کریں۔ چونکہ یہ حکم خلاف مہارانی کلاں کے ہے لہذا اس کا اپیل ولایت میں ہو گا۔ بالفعل منشی شمس الدین صاحب نائب ریاست بلرام پور میں اور اس مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں۔

وفات مہاراجہ اندود: ۱۷ جون ۱۸۸۶ء۔ آج مہاراجہ ہنگرنے ابھے دن کو انتقال کیا۔

وفات مہاراجہ گو الیاس: ۲۲ جون ۱۸۸۶ء۔ جون شا کو مہاراجہ جی راؤ گوالیار نے ۵۵ سال قضا کی۔

وفات نواب سرائپور: ۲۶ مارچ ۱۸۸۷ء۔ نواب کلب علی خاں صاحب والی ریاست رام پور بوض چند در چند ۲۳ مارچ یوم چہار شنبہ کو فوت ہوئے۔ نواب صاحب کو مرنے کی لاکھ روپیہ واسطے موت جامع مسجد لکھنؤ کے عطا کیا تھا۔

ایک شادی۔ حیدر آباد: ۲ نومبر ۱۸۸۸ء۔ معائنہ اودھ اخبار لکھنؤ سے واضح ہوا کہ سرالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد دکن کی پوتی کی شادی ایک امیر زادہ سے ہوئی۔ عہد ولہایت میں سال اور دھن کی ایک سالہ سادہ کی ہے۔ ایسی شادی نادرالوقوع ہے جو قبل اس کے بھی نہ ہوئی تھی۔ اس مقام پر اس کا اندراج ہوا۔

ملازمت بھوپال: ۱۲ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار عمرہ امروہہ کے واضح ہوا کہ حسب تحریک رئیس بھوپال بن منظور گورنمنٹ آف انڈیا منشی امتیاز علی صاحب وکیل لکھنؤ منصب وزارت ریاست مذکور کے واسطے منتخب ہوئے۔ یقین ہے ان کی ذات سے بہت سے لوگ فائز المرام ہوں۔

نبوتہ بھوپال: ۲۹ فروری ۱۸۸۹ء۔ آج چودھری نعمت علی صاحب اسسٹنٹ سیکریٹری انجن تعلقہ داران اودھ و آنریری مجسٹریٹ لکھنؤ سے ملاقات ہوئی۔ کمال تپاک سے پیش آئے اور مجھے وہ تحریریں معائنہ کرائیں جو ان کے نام شاہجہاں بیگم صاحبہ والی ریاست بھوپال اور نواب صدیق حسن خاں صاحب شوہر رئیس نے بموجب شہد طلب شادی چودھری عزت علی خلیف چودھری صاحب موصوف بھیجی ہیں اور رئیس نے ایک ہزار روپیہ کا کرسی لوٹ بطریق نبوتہ دساری جوڑے کے بھیت اپنے معتمد خاص کے بھیجا ہے۔ تحریروں سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ہر دو صاحبان کی نظر لطافت چودھری صاحب پر زائد ہے اور ان کو امید وار ملازمت بعدہ نائب وزارت مال کے کیلئے جس کا اشارہ تحریر نواب صاحب میں درج تھا۔ تہہ منشا ہرہ بالفعل چار سو پچاس تواریف کی ہے اور آئندہ کو امید ترقی کی ہے لیکن

منشا پوری صاحب باعث غیر استقلال و تلون ریاست کے معلوم نہیں ہوتا۔

وفات نواب رام پور: یکم مارچ ۱۸۸۹ء۔ بمحانہ اودھ اخبار طبعیہ امر وزہ سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب مشتاق علی خاں صاحب والی راست رام پور نے بعارضہ سرسام بعمر ۳۳ سال واقعہ ۱۵ فروری سن حال روز دوشنبہ ۲ بجے دن کے انتقال یکدور لوہ کے نور دوسال چھوڑے۔ حامد علی خاں ولی عہد کی عمر ۱۳ سال کی ہے۔ صاحب ایجنٹ روہیہ لکھنؤ والی عہد صاحب کو بتا کر ۲۲ فروری سندھین ریاست کا کیا اور اختیارات ریاست اس وقت عطا ہوں گے جب وہ علم متعارفہ کو حاصل کر کے لیاقت پور آکر آئیں گے اس وقت تک امور انتظامی بذریعہ کونسل تصفیہ پاتے رہیں گے جس کے وائس پریسڈنٹ جنرل اعظم الدین خاں صاحب عمر مال ہیں وہ ڈیپٹی نواب اکرام اللہ خاں صاحب یار جنگ منشی علی حسن خاں صاحب عمر مال ہیں۔ نواب مشتاق علی خاں صاحب مرحوم ابتداءً سے عمر سے بعارضہ فالج مبتلا تھے۔

وفات راجہ بوندی: ۵ اپریل ۱۸۸۹ء۔ بمحانہ اودھ اخبار ۵ اپریل سے معلوم ہوا کہ مرہا پور سن رواں کو مہانا اور راجہ رام سنگھ والی ریاست بوندی بعمر ۷۷ سال فوت ہوئے۔ ان کی رعایا ان سے بہت رضا مند تھی۔ بجلے راجہ صاحب متوفی ان کے بیٹے رگھو پر سنگھ کدی نشین ہوئے۔

وفات مہاراجہ بنارس: ۱۷ جون ۱۸۸۹ء۔ بمحانہ اودھ اخبار عمر ۷۵ اور مزہ سے واضح ہوا کہ بتاریخ ۱۲ جون ۱۸۸۹ء مہاراجہ سریشری پرشاد نرائن سنگھ بہار و جی سی ایس آئی بنارس نے بعمر ۷۵ سال بعارضہ اسہال قضا کی۔ یہ ہر دل عزیز مہاراجہ تھے۔

وفات معتمد: حیدر آباد: ۲۸ جنوری ۱۸۸۹ء۔ بمحانہ اودھ اخبار عمر ۷۵ اور مزہ سے معلوم ہوا کہ واقعہ ۲۶ جنوری سنہ الیہ کو نواب سعادت علی خاں صاحب تیرہ ملک (کذا) معتمد ریاست حیدر آباد دکن خلع اصغر نواب سرالاجنگ اول مرحوم بعواض چند در چندہ گزارے عالم بقا ہوئے۔ عمر ۴۳ سال اچھی۔ ایک لڑکی پنج سالہ یا دگا ر چھوڑی۔

وفات نواب صدیق حسن خاں بھوپال: ۲۶ فروری ۱۸۸۹ء۔ بمحانہ اودھ اخبار عمر ۷۵ اور مزہ سے معلوم ہوا کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب شوہر شاہجہاں یکم رئیس بھوپال واقعہ ۱۹ فروری سن رواں بعارضہ استسقا فوت ہوئے اور ۲۰ کو دفن ہوئے۔ نواب صاحب ساکن تنہی ادنی درجہ کے آدمی تھے لیکن ان کا ل نے کچھ ایسی ترقی کی کہ دفعتاً شوہر رئیس ہو کر مرتبہ اعلیٰ پر پہنچے اور خطاب نوابی کو نمٹ انگشیر سے حاصل ہوا اور

گیارہ ضرب توپ سلائی کے مقرر ہوئے لیکن تھوڑے عرصہ میں یہ ثبوت مخالفت گورنمنٹ نے خطاب بغیر واپس لے لیا اور عہدہ مذاکرہ الہامی ریاست سے معزول کیا جس کا سخت صدمہ نواب صاحب کو ہوا اور کوئی کوشش نہ ہوئی۔ آخر اس کی گرفت میں انتقال کیا۔ اگرچہ ذی کلم تھے لیکن مادہ انتظامی و داغ میں نہ تھا اتوں کی حکمت تھی اور مخبر پر دار و دھار جس سے سارے جاہل کاران ریاست ہمیشہ اندیشہ ناک رہتے تھے۔ نواب صاحب کی ذاتِ ثانیہ کی بیٹی اور داماد کے درمیان عدالت تھی یقین ہے کہ اس حادثہ سے اہل کاران ریاست کم گول ہوں۔

وفات سالار جنگ ثانی۔ حیدر آباد: ۱۲ جولائی ۱۸۸۹ء۔ بمقامہ اودھ اخبار عمرہ ۱۱ جولائی سنہ الیہ واضح ہوا کہ لائق علی خاں سر سالار جنگ ثانی سابق وزیر اعظم حیدر آباد دکن نے ۲۶ سال واقعہ جولائی ۱۸۸۹ء کو بغراضہ فالج انتقال کیا۔ ایک بیٹا جنرل مسینہ کا یادگار چھوڑا۔

قتل جنرل رام پور۔ ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء۔ آج دس بجے رات کو جنرل اعظم الدین خاں پریسیڈنٹ کونسل ریاست رام پور کو جب وہ کبھی پر جا رہے تھے کسی نے بد وقت مار کر ہلاک کیا مگر گیا کہ جنرل صاحب عالم مزاج و سخت گیر تھے اور ان کا برتاؤ اہالی رام پور علی الخصوص مسلمان ریاست سے اچھا نہ تھا اور عموماً لوگ ان کے دشمن تھے۔
موسم کسمیر۔ ۲۵ جولائی ۱۸۹۲ء۔ آج پنڈت منوہر ناتھ خلیف پنڈت بشمر ناتھ سابق سبج اضلاع اودھ بہمراہی راجہ کنور نیر بہادر صاحب تعلقہ ادریس ملاقات کو تشریف لائے اور اپنی مہذبانہ بات چیت سے مجھے خوش کیا۔ بالفعل پنڈت صاحب ملی جوڑیٹ شہر سری نگر کشمیر کے ہیں اور تین سو ماہو اور خواہ پاتے ہیں۔ میری ان کی اس وقت سے ملاقات ہے جب کہ ان کے والدین میں ابتداً ۳۷ء لغایت ۶۶ء تکھیلدار سندیل تھے۔ پنڈت صاحب کا بیان ہے کہ اس موسم میں جب کہ یہاں زمانہ بارش کا ہوتا ہے تو کشمیر کا موسم نہایت خوشگوار و پسندیدہ ہوتا ہے اور دور دور کے لوگ وہاں آکر بچا اسی زمانہ میں جاتے ہیں۔

نظام دکن۔ حیدر آباد: ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ نواب میر محبوب علی خاں صاحب بہادر جی سی ایس آئی نظام دکن کے ۱۸۶ کو پیدا ہوئے تھے جن کی عمر ۲۸ اکتوبر کو ۲۶ سال کی ہوگی اور بعد انتقال افضل الدولہ اپنے والد اجد کے ۲۶ فروری ۱۸۹۶ء کو قائم مقام ہوئے تھے اور ۵ فروری ۱۸۹۸ء کو لاہور میں ہما حب گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے ان کو تخت نشین کیا تھا لہذا اب ۳۳ سال سے حکومت کر رہے ہیں۔

مقدمہ توحیت۔ حیدر آباد: ۲۶ مارچ ۱۸۹۳ء۔ بمقامہ اودھ اخبار مطبوعہ رام پور سے معلوم ہوا کہ جو قدر توہین کا نواب صاحب مہدی مس فتح نوا جنگ سابق ہوم سکریٹری ریاست حیدر آباد دکن ساکن

مجلسن الملک: حیدرآباد: یکم اگست ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ کے واضح ہوا کہ مولوی مہدی علی خاں صاحب۔ مطقب۔ نواب محسن الملک جو ہوم ڈپٹی انٹرنٹ ریاست حیدرآباد کے نامور وزیر تھے اور جن کی لیاقت و عالمی دماغی کی بہت تعریف تھی اور ریاست موصوفہ کے سچے خیر خواہ تھے مشر بلڈل صاحب۔ ریڈیٹنٹ حیدرآباد کی پولیٹیکل کارروائیوں سے علمی ہوئے اور یکم محرم ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کو ریاست موصوفہ سے اپنے وطن مانوشرہ شہر اودھ کو روانہ ہوئے جن کی مفارقت میں ہزار ہا پاباری دکھنی و ہندوستانی بوقت رخصت اسٹیشن ریلوے پر چشم چرمز و گریہ کیاں تھے یہی ہے کہ یہ زمانہ خیر خواہ لوگوں کا دشمن بن گیا۔ یہ سلسلہ ہے کہ جب کسی ریاست میں زوال آنے والا ہوتا ہے تو وہاں کے غریب لوگ اسی طور سے علمی ہو جاتے ہیں۔

خان قلات: ۲۳ اگست ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار کے واضح ہوا کہ خلداد خاں خان قلات (موجودہ ستان) بباہشت قتل کرنے اپنے وزیر و وزیر زادہ کے معزول ہوئے اور بجائے ان کے محمود خاں ان کے

بڑے بیٹے حسب منظوری گورنمنٹ ہند والی قلات شہر ہوئے۔

۲۰ مئی ۱۸۹۳ء - معائنہ اودھ اخبار امروہہ سے واضح ہوا کہ سردار اللہ خاں و مصطفیٰ خاں ولدان عبداللہ خاں قاتلان جنرل اعظم الدین خاں بمبعلاریاست رامپور کو بہ ثبوت جرم حکم سزا پھانسی و سزا دوام بعمور دریلے شوراجلاس کشن ریاست موصوفہ سے مبادرہوا جس کی تعمیل عنقریب ہوگی مصطفیٰ خاں عرصہ تک تحصیل داری ضلع کانپور میں مامور رہے تھے۔

مسنند نشینی : ۳ اپریل ۱۸۹۴ء - آج صبح کو سرچارلس کراس ویرٹ صاحب بہادر نیشنل ٹراکٹر اضلاع مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ نے نواب حامد علی خاں صاحب والی ریاست رامپور کو حسب ضابطہ مسند نشین کیا اور ایک ہزار اشرفی نواب صاحب نے بطور تندرکے پیش کی۔

گڈی نشینی : ۱۵ دسمبر ۱۸۹۴ء - آج بجے شام کو مہاراجہ گوالیار گڈی نشین ریاست ہوئے اور بہت جشن تہائی ریاست میں ہوا۔

جلا وطنی مہاراجہ جھارواہر : ۳ اپریل ۱۸۹۶ء - آج معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ کو مہاراجہ ظالم سنگھ والی ریاست جھارواہر کی گورنمنٹ آف انڈیا اجلاسی ایگن صاحب وائسرائے، شہر غارس کو جلا وطن کیے گئے الزام یہ قرار پایا کہ اپنی رعایا کے ساتھ حسن انتظام کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں۔

وفات وزیراعظم بھوپال : ۱۰ نومبر ۱۸۹۶ء - آج بذریعہ تار بھوپال سے واضح ہوا کہ لائیکے شام بروز دوشنبہ منشی امتیاز علی صاحب ساکن کاکوری وزیراعظم بھوپال نے بعد از ضعف و استسقا قضائی اور آج دس بجے دن کو وہیں بھوپال میں متصل مقبرہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم دفن ہوئے۔ عمر ۶۵ سال تھی۔ منشی صاحب نہایت خوش تقدیر آدمی تھے۔ اول پیشہ وکالت لکھنؤ سے بہت کچھ شہرت پیدا کی۔ بعد وزیراعظم بھوپال بمشاہدہ سارے تین ہزار ماہوار مقرر ہوئے اور بہت بڑا اعزاز و ناموری حاصل کی۔ ہماری اہل برادری سے ایسا کوئی شخص متاثر نہیں ہوا۔ ایک کل برف کی بعرف ایک لاکھ روپیہ لکھنؤ میں جاری کی اور تین لاکھ روپیہ کا علاوہ ضلع اعظم گڑھ میں خرید کیا۔ آدمی نہایت لائق و مخیر تھے۔ بہت سے اہل کاکوری اس وقت ریاست موصوفہ میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ چھ لوگ کیاں اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔

۱۲ نومبر ۱۸۹۶ء - آج کل نواب اسحاق خاں صاحب وزیر رامپور وجود رہی نہت علی صاحب رئیس نریلا اسسٹنٹ سکرٹری انجن ہند لکھنؤ میں حضور مہاراجہ ریاست بھوپال کو شش کر رہے ہیں دیکھا جا چکا کہ کون کامیاب ہوا ہے۔

برطانیہ ورجنگ حیدر آباد : ۲۰ فروری ۱۸۹۷ء۔ فروری سنہ ۱۲۱۷ھ کو آغا مرزا بلقنباب سرور جنگ پیشی سکرٹری نظام حیدر آباد اپنے عہدہ سے علیحدہ کیے گئے اور بلد سے خارج چار سال تک ان کا زمانہ بہت موافق رہا اور لاکھوں روپیہ کمایا اور سر آسمان جاہ و زبر اعظم فواید عمن الملک مہدی علی خاں نواب مہدی حسن انھیں کی کارروائیوں سے موقوف ہوئے تھے۔

وفات شاہ جہاں بیگم : جھوپال : ۱۹ جون ۱۹۰۱ء خطبر نور دار مجتبیٰ علی مطابق ۲۹ صفر موصولہ بھوپال سے واضح ہوا کہ تاریخ ۱۶ جون ۱۹۰۱ء یوم یکشنبہ ساڑھے ۱۱ بجے دن کے سرکار عالیہ شاہ جہاں بیگم صاحبہ والی ریاست بھوپال نے عمر ۶۵ سال مرض اکلا میں رحلت کی جس کی شکایت میں وہ ایک سال سے مبتلا تھیں۔ رئیس کے مزاج میں خیر خیرات بہت تھی اور پکی مسلمان تھیں۔ انھوں نے اپنا عقد ثانی مولوی صدیق حسن قنوجی سے کیا تھا جو شوہر ہونے کے بعد خطاب نواب سے ممتاز ہونے جو گورنمنٹ نے دیا تھا۔ دس بارہ سال کا زمانہ ہوا مولوی صاحب موصوف نے رحلت کی۔ مرحومہ بعد نماز مغرب باغ نشاط افزائیں دفن ہوئیں پچیس ہزار سے زائد لوگ شریک نماز تھے۔ بعد وفات رئیسہ مرحومہ ان کی ولی عہد بیٹی سلطان جہاں بیگم صاحبہ داخل تاج محل ہوئیں۔ چونکہ رئیسہ مرحومہ سولہ سال سے ان سے ناراض تھیں اس وجہ سے صرف ایک مرتبہ بیٹی صاحبہ چند منٹ کے لیے اپنی والدہ کی عیادت کو آئی تھیں اور اب بعد وفات آئیں۔

سلطان جہاں بیگم : ۲۸ جون ۱۹۰۱ء۔ آج بر نور دار مجتبیٰ علی موصوفیہ ٹھیل خود وار دہلیڈ ہوئے رجن کی زبانی معلوم ہوا کہ ۳ جولائی مطابق ۷ ربیع الاول سن روال کو جناب سلطان جہاں بیگم رئیسہ بھوپال تخت نشین ہوں گی لیکن انھوں نے انتظام ریاست ابھی سے شروع کر دیا ہے اور ہر ایک کا رخانہ میں تخفیف کا لالہ لگا دیا ہے چنانچہ تعمیرات میں ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار کا صرفہ تھا جو گھٹا کر صرف دو ہزار روپیہ کر دیا گیا اور جس قدر بیگمات لکھنؤ وغیرہ کی محل سرا میں تھیں ان سب کو نکال دیا اور منشی احتشام علی خلف امتیاز علی صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم کو جو تنخواہ پانچ سو روپیہ ماہوار ملتی تھی وہ موقوف کر دی گئی۔ غرض کہ ریاست میں ہر کم ہوا اور منصب ہوا اور سلطان جہاں بیگم اپنے شوہر احمد علی خاں بلقب سلطان دھاکا کی رائے پر کام کرتی ہیں۔

حالات شاہ جہاں بیگم : ۲۸ جون ۱۹۰۱ء۔ حالات مختصر جناب نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ رئیسہ بھوپال۔ آپ ۶ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ میں قلعہ اسلام نگر میں پیدا ہوئیں اور ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۶۰ھ کو بیگم صاحبہ کے والد جہانگیر محمد خاں صاحب نے بعارضہ ضعف معدہ انتقال کیا۔ اور ۱۲ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ کو بخوشی باقی

محمد خاں بہلقب امردو دھما صاحب سے آپ کی شادی ہوئی اور ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔ ۲۱ صفر ۱۲۸۴ھ کو امردو دھما صاحب شوہر بیگم صاحبہ نے انتقال کیا اور ۲۴ رجب ۱۲۸۵ھ کو نواب سکندر بیگم صاحبہ والدہ ماجدہ نواب بیگم صاحبہ نے انتقال کیا۔ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کی شہانہ ۱۲۸۵ھ کو مسند نشین ہوئیں۔ اور موصوف الیہا نے ۱۲۸۸ھ میں ولوی صدیق حسن صاحب قنوجی سے عقد ثانی کیا۔ شاہ جہاں آباد (ایک محلہ کا نام) ہاشمی کی آبادی میں قریب ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ جس کو آپ نے خود آباد کیا اور ۶ جون ۱۹۰۱ء مطابق ۲۹ صفر ۱۳۱۵ھ یوم یکشنبہ کو انتقال کیا اور ۳ جولائی ۱۹۰۱ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ یوم پنج شنبہ کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ دختر تیز خاں جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ نے تخت شاہی پہنوس فرمایا اور ان کے خلف اکبر نصر اللہ خاں صاحب ولی عہد ریاست مقرر ہوئے۔ اس وقت عمر تیس سال کی ۴۵ سال ہے اور ان کے دو فرزند اور ایک شوہر نواب سلطان دو دھما اس وقت موجود ہیں اور انہی کی رائے پر کام ریاست چل رہا ہے۔

حالات جو دھپور: ۲۹ جون ۱۹۰۱ء۔ آج خط عزیز از جان سید اعجاز الحسن مورخ ۱۲ جون ۱۳۲۱ھ
کے جو دھپور سے موصول ہوا وہ لکھتے ہیں کہ اس ریاست کے سکریٹری پنڈت دینا ناتھ جی صاحب ہیں جن کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار اور پانچ ہزار کی ان کی جگہ پر ہے۔ پنڈت سکھا دیو پرنس صاحب منجھلی بھائی سکریٹری صاحب جوڈیشل سکریٹری ہیں اور انگریزی میں بل لے پاس ہیں اور خطاب راؤ بھادوگر نمٹ کی طرف سے ان کو ملا ہے۔ تنخواہ ان کی بارہ سو روپیہ ماہوار ہے اور پنڈت شیو پرنس صاحب سکریٹری کے چھوٹے بھائی کی تنخواہ دو سو روپیہ ماہوار ہے اور سر مہاراجہ پرتاب سنگھ وزیراعظم اور مہاراجہ سری دربار کی شورت سے کام ریاست جو دھپور کا سرانجام پاتا ہے۔ اب چونکہ دونوں صاحب ریاست میں تشریف نہیں رکھتے ہیں اس وجہ سے سکریٹری صاحب بستیقو اب رائے جناب صاحب ریڈیڈنٹ بھادوگر اموراتا ہم ریاست کے انجام دیتے ہیں اور عدالتی کارروائی کو نسل سے ہوتی ہے اور انتظامی مصارف بھی صاحب موصوف کے حکم سے ہوتے ہیں مگر سب امور سکریٹری صاحب ہی کی رائے سے طے ہوتے ہیں۔

وفات مہاراجہ دھولپور: ۲۵ جولائی ۱۹۰۱ء۔ مہاراجہ نہال چند والی ریاست دھولپور کے
برہمچاری شہید ۲۰ جولائی ۱۹۰۱ء کو انتقال کیا جن کی عمر ۴۰ سال کی تھی اور ان کی محنتی رکنا مہارانی نے بھی اسی وقت اسی مقام پر رحلت کی اور دونوں کی لاشیں ایک ساتھ واسطے جلانے کے بھیجی گئیں۔ مہاراجہ ۱۸۷۴ء

میں بعمر اسی سال گدی نشین ہوئے تھے۔

وفات نواب احمد علی خاں بھوپال: ۶ جنوری ۱۹۰۲ء بمقام اخبار انگریزی پانیر، الہ آباد کے معلوم ہوا کہ نواب احمد علی خاں صاحب شوہر نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تیسرے بھوپال نے بتاریخ ۴ جنوری ۱۹۰۲ء یوم شنبہ ۳ بجے صبح کے وقت انتقال کیا۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ قلب پر فالج گرا۔ نواب صاحب مرحوم کی عمر ۳۸ سال کے اندر تھی۔ اپنے صاحبزادگان نصر اللہ خاں و عبد اللہ خاں کی تقریب شادی میں مصروف تھے جو یہ سوال اُٹھ چکا کہ ہونے والی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ مرحوم سخت منتظر تھے۔ انھوں نے ہزار ہادی ڈیوڑھی خاص سرکار عالیہ بھجان بیگم صاحبہ مرحوم کو موقوف کر دیا اور اب تخفیف عمال کے کاغذات پیشی میں تھے جن کے واسطے مفتوحہ حکم تخفیف کا صادر ہونے والا تھا لیکن قبل اس کے کہ کاغذات ملاحظہ ہو کر کوئی حکم اس پر صادر ہو وہ وقت تک اجل نے اپنے پنج میں ایسا لیا کہ پھر مدد نہ مل سکے اور عموماً کل باشندگان اور خصوصاً ملازمت پیشہ کو مرحوم کے انتقال سے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ البتہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو سخت صدمہ ہوا جو اپنے شوہر کی نہایت درجہ مطیع و فرماں بردار سہیلیں۔

وفات راجہ نان پادہ: ۲ مئی ۱۹۰۲ء یکم مئی ۱۹۰۲ء کو سر راجہ جنگ بہادر تعلقہ دار نان پادہ نے بعواوض چند در چند بمقام بہار پچ قضا کی۔ عمر ساٹھ سال تھی۔ آدمی نہایت مخیر اور متمول تھے اور نہایت شعور و حضور کے ساتھ گیا۔ وہیں شریف حضرت پیران پیر چار روزہ انجام دیتے تھے اور جو لوگ بغرض شرکت دہانہ آتے تھے انکو حسب حیثیت زر نقد دیا کر دیا کرتے تھے مزاج میں انکساریت تھا اور مثل ادنی آدمیوں کے اپنا دل زلزل کھتے تھے۔

گدی نشینی مہاراجہ میسور: ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء - ۸ اگست ۱۹۰۲ء لارڈ کرزن صاحب بہادر وائسرائے ہند نے مہاراجہ میسور کو گدی نشین کیا جن کا نام مہاراجہ کرشنا وویا بہادر ہے جن کی عمر ۱۸ سال کی ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد۔ حیدرآباد: ۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء - ۱۶ شعبان ۱۳۲۰ھ کو مہاراجہ

کشن پرشاد صاحب مستقل وزیر اعظم ریاست حیدرآباد دکن مقرر ہوئے۔

معزولی مہاراجہ ریاست پٹنا: ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ مہاراجہ مادھو سنگھ معزول از ریاست پٹنا جنھوں نے اپنے گج گورنر دو لاکھ لاکھ کیا تھا ریاست مذکور سے جلا وطن کیے گئے اور شہر بلاری، متعلقہ علاقہ مدراس میں ان کا قیام کیا گیا اور ایک ہزار دو سو ماہواران کی تنخواہ تجویز کر دی گئی۔

مہاراجہ کشن پرشاد حیدرآباد: ۶ دسمبر ۱۹۰۲ء نظام حیدرآباد نے ۹ نومبر کو ایک دہائی نقد

ہیں لیکن کبھی وہ ان کی حفاظت و نگرانی میں نہیں رہی۔ میں نے مہاراجہ شہنشاہ بہادر کے ساتھ اپنی خوشی اور اپنے لوگ یعنی اس کے بھائی سید معین الدین کی رضامندی سے عوثیہ بیگم کی نسبت کر دی۔ یہ گفتگو ایک سال سے ہو رہی تھی جس سے سراج الحسن اور اودہ تمام اہل خاندان واقف تھے اور جن باتوں کا انھوں نے ذکر کیا وہ محض بے بنیاد ہیں۔ نہ میرے بیٹے مسکن راہباؤ کو گئے اور نہ کسی جوڑکے اسے بہکا یا اور نہ کسی وقت مہاراجہ شہنشاہ نے اپنے مذہب کے بارے میں مجھ سے غلط بیانی کی۔ تاہم ابائیں میری رضامندی سے ہوئیں۔

۳۳ مئی ۱۹۰۳ء مہاراجہ شہنشاہ کے خاندان میں برابر یہ دستور چلا آتا ہے کہ منجملہ اولاد بیسیوں کے ایک مسلمان بیوی بھی تھرتھ میں آیا کرتی ہے چنانچہ مہاراجہ چند ولال جو مہاراجہ حال کے پردادا تھے ان کی بھی ایک مسلمان بیوی تھی۔ علی ہذا ان کے بعد جو راجہ وزیر مقرر ہوئے ان کے بھی ایک زوجہ مسلمان ہوتی آئی۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب حال کے بھی مسلمان زوجہ سابقہ میں تھی جو فوت ہو گئی۔ اب ساقا غوثیہ بیگم بنت فیض النساء بیگم زوجہ ثانیہ ہوئی ہیں۔

وفات راجہ محمود آباد: ۲۱ مئی ۱۹۰۳ء۔ راجہ محمد امیر سن خاں صاحب تعلف دار محمود آباد ۱۲ مئی ۱۹۰۳ء کو بوقت آٹھ بجے صبح کے بعد اوصاف چند در چند فوت ہوئے۔ مرحوم نہایت لائق و فائق تعلف دار تھے۔ ۱۸۶۲ء میں میں اور وہ ایک ساتھ مدرسہ سیتاپور میں انگریزی پڑھتے تھے۔ مزاج میں نہایت خلق و متروک تھی مرحوم ۱۲ جون ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے تھے اس حوالہ سے ان کا سن تقریباً ۵۴ سال کے تھا۔ اولاد لائق چھوٹے۔

صوبہ حیدر: ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء۔ یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء سے ملک برادر متعلقہ حیدر آباد دکن، اضلاع توسطہ عملداری برطش انڈیا میں شریک کیا گیا۔

سلطان جہاں بیگم: جموں پال: ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ اودہ اخبار سے واضح ہوا کہ سلطان جہاں بیگم جموں پال معاہدہ پٹنوں اور تقریباً تین سو ہزار بیویوں کے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو جہاز اکبر، پربھتی سے مکہ معظمہ روانہ ہوں گی اور صرف ان کے بڑے بیٹے مولیٰ علی بیگ اپنی والدہ کی غیبت میں کامیاب است کا انجام دیں گے۔

نواب درام پور: ۱۹ فروری ۱۹۰۳ء آج منشی میکولال صاحب شاعر لکھنؤ تخلص غنیمت مرزا راجہ درگاہ شہنشاہ صاحب موضع گھوڑے سے میری ملاقات کو گئے اور کہا کہ میں اخیر مہینہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں مہمان راجہ کشن کار صاحب رئیس سہس پور ضلع مراد آباد کا تھا جہاں ایک جلسہ بدین غرض منعقد ہوا تھا کہ نواب حامد خاں صاحب والی ریاست رام پور قلعہ زیر تعمیر برج جنوبی کا بنیادی پتھر تاسخ ۲۳ دسمبر ۱۹۰۳ء وقت دس بجے دن کے رکھیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے کئی تقریر سے بنیاد رکھی اور جلسہ رقص و سرود منعقد ہوا۔

اولاً ایک طوائف متی نامی نے جو علی گڑھ سے دو سو روپیہ یومید پر آئی تھی رقص شروع کیا۔ ہنوز اس نے کچھ کیا نہیں تھا کہ حضرت نواب صاحب نے جو جلسہ کے محاذ ایک کمرہ میں مع اپنے مصاحبین کے قیام فرما تھے طاقت مذکور کو طلب کیا اور سر مجلس اُس سے مذاق شروع کر دیا جو ایک گھنٹہ تک کرتے رہے اس کے بعد طوائف ملکہ کوہ کو اپنے ہمراہ لیے چلے گئے۔ یہ امر خلاف تہذیب مبہاظرین کو ناپسند آیا یہی وجہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ اکثر و ایلان ملکہ کو اس کو لگاہ وقت سے نہیں دیکھتی ہے کہ طرز معاشرت ان کا نہایت خراب و خلاف تہذیب ہے۔

سلطان جہاں بیگم جھوپپال : یکم اپریل ۱۹۰۴ء سلطان جہاں بیگم صاحبہ جھوپپال جو معہ اپنے بیٹوں عبداللہ خاں و حمید اللہ خاں و بیگم شاہ برنگا (کذا) صاحبہ معہ ۲۵ ہمارہیوں کے ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو جہاز اکبر پر بمبئی سے حج مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کو تشریف لے گئی تھیں ۳۵ مارچ ۱۹۰۴ء کو اسی جہاز پر واپس تشریف لائیں اور بعد از عمرہ بمبئی و احمد آباد و شیراز میں اپنے دولت کردہ کو تشریف لے جاویں گی (اودھ اخبار المروز) مہاراجہ کشمیر : ۲ نومبر ۱۹۰۵ء - ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو لارڈ کرزن صاحب و اس کے سرے ہند نے مہاراجہ صاحب کشمیر کو اختیارات ریاست عطا فرمائے اور کونسل ریاست ہوئی۔

مہاراجہ اجودھیا : ۲۹ دسمبر ۱۹۰۵ء - یادداشت : ۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء کو گورنمنٹ نے مہاراجہ سر پر تاب خراسن سنگھ صاحب کو مہاراجہ اجودھیا کا خطاب بطور ذاتی اعزاز کے عطا فرمایا تھا اور ۱۸۹۶ء میں کے۔ سی۔ آئی۔ اے کا خطاب دیا۔

۹ نومبر ۱۹۰۶ء آج مہاراجہ سر پر تاب خراسن سنگھ مہاراجہ اجودھیا پر سیٹنٹ کمیٹی انجمن ہند لکھنؤ نے بجارنہ استعفا قضائی کی عمر ۶۳ سال تھی۔ متوفی خاں بہادر چوہدری نصرت علی (سندیلوی) کے بہت بڑے مرنی تھے اور ان کو ایک موضع بھی دیا تھا۔

مہاراجہ بلراج پور : ۳ دسمبر ۱۹۰۶ء آج مہاراجہ بھگوتی پرشاد صاحب والی ریاست بلراج پور بجائے مہاراجہ سر پر تاب سنگھ صاحب متوفی پر سیٹنٹ میں حیاتی انجمن تعلقہ داران اودھ با اتفاق رائے قبلہ تعلقہ داران منتخب ہوئے۔ نواب جھاول پور : ۷ فروری ۱۹۰۷ء محمد بھاول خاں نواب بھاول پور تعلقہ صوبہ لاہور جو بنار پور لکھنؤ و مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے تھے وقت واپسی حید علی سے روانہ ہوئے تو ۱۶ فروری سنہ ۱۳۲۵ھ کو بلراج نمونیہ جہاز "شاہ نجف" پر قضا کی۔ لہذا . . . کو واپس آیا اور ان کی لاش جھول گئی۔ نواب صاحب کی عمر ۴۲ سال تھی اور نہایت روشن و باغ تھے اور قبل رواگئی حج اپنی رعایا کو شہنشاہ دیا تھا کہ شخص ہمارے ساتھ حج

ہوجائے گا تو ہم اس کو نادر راہ سے مدد کریں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ان کی رعایا سے ہمراہ گئے تھے۔
مرحوم نے ایک دو سال کا لڑکا اپنی یادگار چھوڑا۔

وفات راجہ نان پادہ: آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ محمد صدیق خاں بلوچان پادہ،
واقعہ کوٹھن میں بجاؤں میں انتقال کیا مرحوم حواس باختہ اور بے عقل آدمی تھے اور ان کے فتور عقل سے ان کا
علاقہ کوٹ آف وارڈس ہوا۔

سیلاب حیدر آباد: ۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء تا ۲۶ ستمبر ۱۹۰۸ء سے ۲۸ ستمبر تک علی الاطلاق حیدر آباد میں
۱۵ انچ بارش ہوئی جس سے شہر مذکور میں سیلاب آگیا اور بعد ہا مکنات ڈوب گئے اودھ اخبار سے واضح
ہوتا ہے کہ دس ہزار آدمی ضائع ہوئے اور پل وغیرہ بہہ گئے اور دس میل کے رقبہ میں سڑی ہوئی لاشیں پھیر
لگی ہوئی ہیں۔ یہ طوفان بہت شدید تھا جس سے ہزار ہا مکان غرقاب ہو گئے۔

۹ اکتوبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ستمبر ۱۹۰۸ء کو شدت کی بارش حیدر آباد
میں ہوئی اور سیلاب آئے تالاب ”جھڑتلا“ کا بندھ ٹوٹ جانے سے مضلع ذیل محلے تباہ و برباد ہو گئے۔
ریڈیٹنسی بازار شیر، مہراج گنج، افضل گنج یہ محلے تو بالکل تباہ ہو گئے اور ریڈیٹنسی کے مغربی جانب جو مکانات
کی قطار واقع تھی وہ بالکل مسمار ہو گئی۔ چادر گھاٹ، ہمارٹھ، یہ دونوں گاؤں بہہ گئے، پبل انگورا اور کوٹھی جوڑا
اور ڈاک خانہ بالکل منہدم ہو گئے۔ افضل گنج کے کنارے کے کنارے جو مکانات تھے ان میں کوئی باقی نہیں رہا۔
عابدی کنی کا کارخانہ واقع چادر گھاٹ سے لے کر سرکاری باغات کی سرک تک نوبت خانہ بازار کا ایک حصہ
منہدم ہو گیا۔ جان بازار، مہراج گنج، ٹھڈی بازار اور یکم بازار بالکل مسمار و منہدم ہو گئے ہیں۔ شمالی جانب
ایک پل سے دوسرے پل تک جس قدر گھاٹوں اور بستیاں دریائے کنارے واقع تھیں سب بہہ گئیں۔ شہر میں
بارہ دری پوسٹ آفس بازار، ستر گنج، امین باغ، نیزہ گلی تک بہہ گئی۔ افضل گنج کا اسپتال جس کی تیاری میں دس
بارہ لاکھ روپیہ صرف ہوا ہوگا اس کا ایک ڈھانچہ مسمار ہو گیا۔ زنانہ اسپتال، امین باغ جس کا بنیادی پتھر شہزادہ
ولیس نے رکھا تھا اور جس کی تیاری میں چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا اس کا ڈھانچہ گر گیا۔ نظام حیدر آباد کو
اس واقعہ سے سخت صدمہ ہوا۔ لکھا ہے کہ ایک چارم حیدر آباد تباہ و برباد ہو گیا۔ دریائے موسیٰ ان بہاڑوں
سے نکلا ہے جو شہر سے ۵ میل پر واقع ہیں اور گرجی کے موسم میں یہ بالکل ہی بے حقیقت نامہ معلوم ہوتا ہے۔ برسات
میں بھی اس دریا سے لوگ پایاب عبور کرتے ہیں۔ اس دریا میں طغیانی اکثر آتی ہے جس سے نقصان پہنچتا ہے خاک

۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۲ء و اکتوبر ۱۹۰۳ء میں جو سیلاب اس دریا میں آئے اُن سے بہت نقصان ہوئے اور بے شمار لوگ غرق ہوئے اور بہت سے مکانات سمار ہو گئے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سیلاب آنے سے جو تباہی و بربادی شہر حیدر آباد کی ہوئی اس کے واسطے اس وقت تک حسب ذیل چند ہوا ہے۔

لاٹھ منٹو و انس کے ہند: ۵۰ پونڈ، لیڈی منٹو: ۵۰ پونڈ، نظام حیدر آباد اپنی حبیب خاص سے: ۴ لاکھ پچاس ہزار گورنمنٹ حیدر آباد: دو لاکھ گورنمنٹی: ۲۵ روپے کیم بھائی اہل سیم و اور کلاں وغیرہ سرقہ پور ٹیڈ: من جانب ریاست حیدر آباد تیس ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ایک لاکھ آدمی بے خانماں ہو گئے۔

۲۴ نومبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ حیدر آباد کے سیلاب سے ۵۲ وارڈ ویران ہو گئے اور ٹیڈ کھر وڑ کی جائداد وغیرہ منقولہ ورا یک کروڑ کی منقولہ جائداد کا نقصان ہوا۔ ایک لاکھ اسیس ہزار روپیہ مصیبت زدوں کی امداد کے لیے چندہ ہوا ہے اور یہ چندہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۸ء تک ہے۔ جو چندہ ایکے ہوا ہے اس کی تعداد آئندہ تحریر ہوگی۔ قریب ستر ہزار جاں تلف ہوئیں یہ ام حیدر آباد کے جلسہ عام میں طے ہوا جس میں اعلیٰ و ادنیٰ ہر قسم کے لوگ شریک جلسہ تھے۔

بلرام پور۔ خطاب محاداجہ: ۲۳ جنوری ۱۹۰۹ء آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ سر بھگوتی پرشاد سنگھ صاحب والی بلرام پور کو ۱۸ جنوری ۱۹۰۹ء کے دیوار لکھنؤ میں خطاب مہاراجہ نسل آباد نسل اسرہیوٹ صاحب نواب نقینٹ گورنر صاحب بہادر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ نے عطا فرمایا۔

شادی راجہ محمود آباد: ۱۲ جولائی ۱۹۰۹ء آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ راجہ علی محمد خاں صاحب تعلقہ دار محمود آباد کی شادی بمقام لکھنؤ بہت بڑی دھوم سے ہوئی۔ کشمیر وزیر مال: ۲۵ نومبر ۱۹۰۹ء آج شیخ مقبول حسین صاحب تعلقہ دار گدیا، وزیر مال ریاست کشمیر مقرر ہو کر سندیلہ سے گزرے۔ ان کی تنخواہ ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار مقرر ہوئی ہے۔

مرلجہ پوایاں: ۲۷ مارچ ۱۹۱۰ء... چودھری (محمد رفیع) صاحب و راجہ دگا پرشاد صاحب سکندر کلاس میں سوار تھے جس میں کنولاند برکرم سنگھ خلیفہ راجہ پوایاں، ضلع شاہ جہاں پور بھی سوار تھے۔ راجہ صاحب پوایاں کا علاقہ ضلع شاہ جہاں پور میں واقع ہے جس کی مال گزاری ۸۵ ہزار سالانہ کی ہے اور چند معافی سرکار سے ہیں جو بے صلہ غیر خواہی زمانہ گذر میں اس کے تیس کو گورنمنٹ سے حاصل ہوئی غیر خواہی راجہ صاحب

بقی کے انھوں نے احمد اللہ شاہ اور دو ایک نواب دراجہ کو زمانہ غدر میں قتل کیا تھا۔

مہاراجہ پٹیاہ: بگدی نشینی: ۸ نومبر ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نومبر ۱۹۱۱ء کو لارڈ مینٹو وائسرائے ہند نے مہاراجہ پٹیاہ کو گدی نشین کیا اور اختیارات ریاست ان کو عطا کیے۔

وفات مہاراجہ جودھ پور: ۲۸ مارچ ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ

سردار سنگھ والی ریاست جودھ پور نے ۲۰ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ نمونیا مبتلا ہو کر فضا کی متونی مہاراجہ ۱۱ فروری ۱۸۸۰ء پیدا ہوئے تھے اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تخت نشین ریاست ہوئے۔ متونی نے اپنے سفر انگلستان وغیرہ سے بہت تجربہ حاصل کیا تھا۔ آپ کی دوشادیاں ہوئیں۔ ایک راجہ بونڈی کی ہم نگر دوسری مہاراجہ اودے پور کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ آپ تین بیٹے اور دو بیٹیاں یادگار چھوڑ گئے۔ ان کی سلامی سترہ سو روپے کی تھی۔

وفات نظام حیدر آباد: یکم ستمبر ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نواب میر محمد علی

خاں بہادر نظام حیدر آباد دکن مورخہ ۱۴ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے تھے اور ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو عارضہ فالج میں وفات پائی۔ عمر ۴۴ سال تھی۔ مرحوم تعلیم یافتہ اور سکارد دست تھے۔ متونی کے بجائے ان کے بیٹے میر عثمان علی خاں مسند نشین ہوئے جن کی عمر اس وقت پچیس سال کی ہے۔

۲۱ ستمبر ۱۹۱۱ء۔ بمقامند اودھ اخبار امرزہ واقع ہوا کہ ہرن بائی نس نواب میر عثمان علی خاں جدید نظام دکن

حیدر آباد تاریخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ یوم سر شنبہ وقت ۹ بجے رات کو پیدا ہوئے تھے۔

100

•

100

100

واقعات بیرون ہند



جنگ روس و روس: ۲۹ مارچ ۱۸۷۸ء - جولائی سلطان روم و روسیوں سے سہرہ تھی اس میں سلطان کو شکست ہوئی اور بحالت مجبوری صلح کرنے کو مجبور ہوئے۔ شرائط صلح کئی دریافت نہیں ہوئی ہیں مگر اس بات کا مفرد اندیشہ ہے کہ روسی ایک نہ ایک روز روضہ قسطنطنیہ اور الخلاذ روم کو اپنے قبضہ میں لے آویں گے کیوں کہ سلطان جنگ روسیوں کا بمقابلہ سلطان کے بکثرت ہے اور سلطنت روم کو روز بروز زوال نظر آتا ہے۔

۸ مئی ۱۸۷۸ء درمیان گورنمنٹ انگلستان و روس باعث مزاحمت نہر باسفورس فی الجملہ صورت بخش کی پید ہے۔ اسی وجہ فوج انگریزی ہندوستان سے براہ کئی بجانب ٹائپوٹا بھیجی گئی ہے۔ عجیب نہیں کہ جنگ ہو۔

کابل: ۲۵ اکتوبر ۱۸۷۸ء - منجانب انگلش گورنمنٹ بفری جبرلین صاحب کابل کو سفارت جاتی تھی بقام علی مسجد فیض محمد خاں گورنر علی مسجد نے حسب اشارت میئر علی خاں والی کابل سفارت کو آگے جانے سے رکھا لہذا سرکار نے حکم فرمایا فوج ہندھ لہام کا بہ مقام پشاور دیا ہے۔ غالباً تھوڑے زمانے میں لڑائی ہو۔

۵ نومبر ۱۸۷۸ء - پشاور میں فوج انگریزی بہت مجمع ہو گئی ہے۔ غالباً عنقریب واسطہ جنگ کے روزگار کابل ہو۔

۲۳ نومبر ۱۸۷۸ء - سرکار اورامیہ شیر علی والی کابل سے لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ ۲۱ نومبر ۱۸۷۸ء کو اسکا

آغاز ہوا تھا۔ ۲۲ ماہ حال کو قلعہ علی مسجد فتح ہو گیا اور سرکار انگریزی کے قبضہ میں آیا۔

۴ دسمبر ۱۸۷۸ء - فوج انگریزی نے مقام اپنوار کو شیر علی خاں والی کابل سے خالی کر لیا اور فوج آگے کی

طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔

۲۵ مارچ ۱۸۷۹ء - جنگ کابل ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ ایک فوج کابل میں سالانہ کثیر واسطہ مقابلہ

انگریزوں کے کابل سے حلال آباد کو گئی۔

۱۹ ستمبر ۱۸۷۹ء - معائنہ اودھ اخبار سے دریافت ہوا کہ سیر کو گنارل صاحب رینڈیلٹ و دیگر حکام انگلش

بمقام کابل بالا حصہ قتل ہوئے۔ کوئی شخص فوج انگریزی کا باقی نہیں رہا جس کا سبب یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فوج کابل

ایر صاحب غدر کر کے باعث اس قتل عام کی ہوئی ہے اورامیہ یعقوب خاں بھی بحالت محصور ہی لہذا فوج انگریزی

قندھار سے واسطے تادیب فوج باغی کے کابل بھیجی گئی ہے۔

۱۳ اکتوبر ۱۸۷۹ء - سرکار انگلش سیر نے بسکر دگی جنرل رابطہ کابل کو فتح کیا۔

روس و کابل : ۱۳ اپریل ۱۸۸۵ء - ۳۰ مارچ سن الیہ کو بمقام 'پنجندہ' متعلقہ کابل افغانان اور روس سے لڑائی ٹھوکی۔ پانچ سو فوجی امیر کابل کے قتل ہوئے۔ جنرل کروٹ فوج روسیہ کا افسر تھا۔

کابل : ۱۴ اپریل ۱۸۸۵ء - ۱۱ اپریل کو امیر عبدالرحمن خاں کابل کو واپس گئے۔ منجانب سرکا ہزار ہا روسیہ مہمان داری میں صرف ہوا۔

شہنشاہ جرمی : ۱۴ مارچ ۱۸۸۸ء - معائنہ اودھ اخبار امروزہ سے معلوم ہوا کہ شہنشاہ جرمین نے تباریخ و مارچ سن الیہ کو ۸ بجے صبح کو بے اسیال قضا کی۔ شہنشاہ نے ۳۱ سال سلطنت کی یہ سب سے خوش قسمت بادشاہ آبادی ممالک : یکم جون ۱۸۸۸ء - معائنہ پریچہ جریدہ روزگار مدراس نمبر ۲۱۵ محررہ مئی ۸۸ سے واضح ہوا کہ ممالک ذیل کی آبادی حسب صراحت تحت ہے :

چین - ۴ کروڑ سلطنت برطانیہ - ۳۶ کروڑ روس - ۱۰ کروڑ فرانس - ۷ کروڑ ممالک متحدہ امریکہ ۱ کروڑ جرمنی - ۵ شہنشاہ جرمی : ۱۹ جون ۱۸۸۸ء - بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ کے واضح ہوا کہ ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو یوم جمعہ ساڑھے بارہ بجے دن کے شہنشاہ فریڈرک جرمین نے تین بیٹے چھ یوم سلطنت کے بعد بچہ سال عارضہ خناق میں قضا کی بتوفی ملکہ کٹوریہ انگلینڈ کے بڑے داماد تھے۔

مردم شماری : ۲۰ جون ۱۸۸۸ء - بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ ۲۷ جولائی ۱۸۸۸ء سے واضح ہوا کہ مردم شماری سلطنت ہائے ذیل میں حسب مندرجہ تحت ہے :

لندن	دار السلطنت	انگلستان	۲۶۵۵۸۱۹	کلکتہ	دار السلطنت	ہندوستان	۶۶۲۹۸
پیرس	"	فرانس	۲۲۶۹۰۲۳	وآنا	"	آسٹریا	۲۰۱۰۵
برلن	"	پروشیا	۱۱۲۲۳۳۰	قسطنطنیہ	"	ترکی
سینٹ پیٹرس برگ	"	روس	۷۶۶۶۶۳	میڈرڈ	"	اسپین	۱۰۰۹۰۰

مردم شماری ناخواہ اندگی : ۴ اپریل ۱۸۸۹ء - ممالک یورپ مندرجہ ذیل میں اشخاص ناخواندہ لے جاہل حسب ذیل میں جس کی شہادت اخبار سرشتہ تعلیم اودھ یکم اپریل ۱۸۸۹ء سے کماحقہ ہوتی ہے :

نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی
روس	۸۰	فرانس	۱۵	اسپین	۶۳
رومانیہ	۸۰	بلجیم	۱۵	انگلستان	۱۲
				اطلی	۴۸
				افلاخ امریکہ	۸

حلیوں کا شمار

روانگی	مراجعت	ضائع
۸۳۳۶	۵۰۳۵	۳۳۹۱
۸۶۰۶	۶۱۵۰	۲۳۵۶
۹۳۶۶	۵۷۲۶	۳۷۳۰
۱۳۹۷۰	۶۵۰۵	۷۶۶۵
۱۲۳۹۵	۱۱۱۰۱	۱۳۹۴
۱۱۶۶۵	۸۶۶۲	۳۰۰۳
۶۳۶۳۸	۳۳۱۸۹	۲۱۳۳۹

میزان

وزیر اعظم انگلستان: ۳۱ اگست ۱۸۹۲ء۔ معائنہ اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مگر
گلگنداسٹون وزیر اعظم انگلستان بجائے لارڈ سالبری متعین ہوئے اور یہ تیسرا انتخاب الی کے وزیر اعظم ہونے کا ہے۔
قبل اس کے بہ اوقات مختلف دو مرتبہ اس عہدہ پر عمارت ہو چکے ہیں یہ انتخاب پانچ سال کے واسطے ہوا ہے۔
تعداد اسمبلی پارلیمنٹ: ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ بمقامتہ اودھ اخبار مطبوعہ امروہہ سے واضح ہوا کہ
تعداد اسمبلی پارلیمنٹ انگلستان کی حسب ذیل ہے:

انگلستان۔ ۳۶۵، صوبہ ویلز۔ ۳۰، اسکاٹ لینڈ۔ ۷۲، آئر لینڈ۔ ۲۰۔ کل۔ ۶۷۰

چند اقوال: ۳۰ نومبر ۱۸۹۲ء۔ چند اقوال پیکر عاقلوں کے منہ ذیل کتابوں تو قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

ملٹن: چرک کسی برائی سے قدر کم نہیں ہو سکتی جیسے کہ سورج کی کرنوں کو کوئی ہاتھ لگا کر مٹا نہیں کر سکتا۔

ٹکسپیو: ایک منٹ کی خوشی کے لیے ایک ہفتہ کا رنج کوئی ہرگز اختیار نہ کرے گا۔

کوپر: خالی پیٹ رہنا آرام نہیں ہے۔ جو دل کشی غل سے خالی ہے وہ غم سے بھرا ہوا ہے۔

سوئم: جو کسی کی برائی کرتا ہے اسی کے خود خیالات اسے رنج و دکھ میں رکھتے ہیں۔

سعدی: دو شخصوں کے درمیان ایسی بات کہنا چاہیے کہ اگر وہ دوست ہو جائیں تو ان میں خنزیر نہ پڑے۔

جو کوئی شخص مردوں میں بیٹھے اگرچہ ان کی عادات اس میں اثر نہ کریں لیکن ہر دس شخص کی تہمت اس پر لگی۔

سعدی: بیوقوف کے لیے خاموشی سے بہتر کوئی بات نہیں ہے لیکن اگر وہ اس مصلحت کو جاننا تو بیوقوف نہ ہوتا۔
: جو اپنی امیری کی حالت میں بھلائی نہیں کرتا وہ غربی کی حالت میں تکلیف اٹھاتا ہے۔

متفرق معلومات: ۳ جولائی ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار لکھنؤ مطبوعہ دی روزہ سے معلوم ہوا کہ
۱۔ تمام روسے زمین پر اہل اسلام کی آبادی ساٹھ سترہ کروڑ ہے۔ ۲۔ شہر لندن کی ۷۰۰۰۰۰ میل میں آبادی
ہے۔ ۳۔ تمام دنیا میں ایک ارب ۳۷ کروڑ پچاس لاکھ من گہوں پیدا ہوتا ہے۔ واقعی اس زمانہ میں شہر لندن
سے کوئی دوسرا شہر لحاظ طول و آبادی روسے زمین پر نہیں ہے۔

کابل: ۱۴ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ مسٹر ڈیورنڈ کیشنیرض صلاح و مشورہ عبدالرحمان خان امیر کابل ۱۵
ستمبر ۱۲ کو پشاور سے روانہ ہوئے۔ یہ کیشنیر لارڈ لینسٹون صاحب گورنر جنرل کشمیر ہند کی ہدایت
پر رض بھیجا گیا ہے کہ مراتب ضروریہ سرحدی کے بعد یہ بھی آیت طے کرے کہ قندھار کا کابل بنانے کی اجازت عطا کریں۔
وزیر اعظموں کا وزنی: ۱۸ نومبر ۱۸۹۳ء۔ لارڈ سالسبری سابق وزیر اعظم انگلستان کا وزن مبینی
۳۶ سیر اور حال کے وزیر اعظم مسٹر گلڈسٹون کا وزن ۳۴ سیر ہے۔ ایک ڈاکٹر کا قول ہے کہ سرٹھنڈا رکھو اور
پاؤں گرم اور عادات باقاعدہ پھر تم کو طبیب اور ڈاکٹر کی ضرورت نہ ہوگی۔

کابل: ۲۲ نومبر ۱۸۹۳ء۔ سفارت مسٹر ڈیورنڈ کامیابی کے ساتھ کابل سے واپس ہوئی۔ امیر عبدالرحمان
خال صاحب نے ہر طرح سے اس کی خاطر داری کی اور جملہ عہد و موافقت مابین گورنمنٹ اور امیر کابل بسہولت
طے ہو گئے اور برٹش گورنمنٹ نے بعض بارہ لاکھ روپیہ سالانہ اب اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ کا گزارہ امیر کابل
کا مقرر کر دیا یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ ماہوار ان کو ملا کریں گے اور جس قسم کے آلات حربہ وغیرہ کابل چاہیں انگلستان سے نکالیں
پیرسیسٹنٹ فرائنس: ۶ جولائی ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اخبارات سے واضح ہوا کہ اہم گارنٹ
پریسٹنٹ فرائنس کو آخر ہفتہ جون میں مسمی ساٹھ یا سترہ اٹلی نے تنوار سے مار ڈالا جب کہ وہ ایک جلسہ میں لفظی
شرکت لکھی پر جا رہے تھے۔ یکم جولائی کو الگائی تجہیز و تکفین بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ مرقوم نہایت
لائق و منتظم شخص تھے۔ عمر ۶۷ سال تھی اور بیس ہزار پونڈ سالانہ تنخواہ پاتے تھے۔

گلیڈسٹن: ۹ مارچ ۱۸۹۳ء۔ ۳ مارچ سن روان کو مسٹر گلڈسٹن وزیر اعظم انگلستان نے
اپنی ملازمت سے بخیر و عافیت استعفا داخل کیا اور لارڈ اور وزیر میری کو یہ اعزاز بخشا گیا۔ مسٹر گلڈسٹن نے بوجہ ضعف
بصارت و نہ منظور ہونے قانون ہوم رول آئر لینڈ کے استعفا داخل کیا۔ اب ان کی عمر ۸۳ سال ہے۔

زارروس : ۵ نومبر ۱۸۹۴ء۔ معائنہ اخبار پانیر، انگریزی الرآباد مطبوعہ ۲ نومبر سے واضح ہوا کہ زارروس الگنڈر سوم شہنشاہ روس نے پھیمپٹے کے عارضہ میں بمقام 'لیوادی' تادیب یکم نومبر کو شہنشاہ سوادو بجے شام کو انتقال کیا۔ یہ بادشاہ بہت صلح پسند تھا۔

تعداد فوج : ۹ جنوری ۱۸۹۵ء۔ بمحانہ طوسی گزٹ لاہور مطبوعہ یکم دسمبر سے واضح ہوا کہ سلطنت ہائے ذیل میں مفصلہ تحت فوج بحالت صلح جنگ پائی جاتی ہے :

نا سلطنت	تعداد ایام صلح	تعداد ایام جنگ	توپوں کی تعداد	نا سلطنت	تعداد ایام صلح	تعداد ایام جنگ	توپوں کی تعداد
روس	۱۰,۲۰,۰۰۰	۳۵۰,۰۰۰	۳۳۶۰	آسٹریا	۳۹۰,۰۰۰	۱۳,۳۰,۰۰۰	۱۹۱۲
جرمنی	۵,۵۰,۰۰۰	۲۳۰,۰۰۰	۲۹۹۲	ٹرکی	۱۰,۰۰,۰۰۰	۱۱,۰۰,۰۰۰	۲۵۰۰
فرانس	۵,۰۰,۰۰۰	۲۰۰,۰۰۰	۲۸۸۰	اسپین	۱,۰۰,۰۰۰	۰۰,۰۰,۰۰۰	۸۰۰
اطلی	۲۲۰,۰۰۰	۲۹۸,۰۰۰	۱۶۲۰	برطانیہ اعظم	۲,۱۱,۰۰۰	۶۲۳,۰۰۰	۶۰۰

طویل قدا آدمی : ۲۵ فروری ۱۸۹۵ء۔ دنیا میں سب سے بڑا بلند قدا آدمی جن علی مصری ہے جس کی عمر اس وقت ۶۶ برس اور قد سات فٹ نو انچ ہے اور ہنوز نشوونما جاری ہے اور صرف اپنی طویل القندی کی بدولت نہائش کا گاہ برلن دارا سلطنت جرمن میں پیش ہوا۔

انجین : ۶ مارچ ۱۸۹۵ء۔ بمحانہ ادوہ اخبار امر وزہ سے واضح ہوا کہ مسٹر جارج ساکن نیو کاسل، متعلقہ نیوا انگلینڈ نے انجن کا بنانا ۱۸۱۲ء میں شروع کیا اور ۲۵ جولائی ۱۸۱۴ء کو چلایا اور ۲۸ ستمبر ۱۸۲۲ء کو بارہ میل کی سڑک ریلوے کھولی جس سے آمد و شد مال تجارت اور آدمیوں کی قانم ہوئی۔ جارج ایک مزدور پیشہ آدمی تھا لیکن اس نے اپنی ذہانت سے ایسی ایجاد کی۔

شہزادہ کابل : ۳۰ جولائی ۱۸۹۵ء۔ سردار نصر اللہ خاں خلع دویم امیر عبدالرحمان خاں امیر کلں جو حسب خواہش گورنمنٹ ملکہ وکٹوریہ آج کل انگلستان کے شہروں کی سیر کر رہے ہیں کل صفر ان کی سیاحت کا گورنمنٹ موصوف برداشت کر رہی ہے۔ چنانچہ ملک مغلم نے حکم دیا ہے کہ تمام شاہزادگان انگلستان پرستہزادہ ویلس بہادر اور ڈیوک آف کوبرگ کے ان کو سبقت دی جائے۔ یہ بہت بڑا اعزاز خلع دویم امیر کابل کا ہوا۔ اس کی تصدیق انگریزی اخبارات سے ہوئی۔

ڈاک فیملی : ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء۔ بمحانہ اخبار ایوننگ حیدرآباد مطبوعہ ۲۵ ستمبر سن ۱۳۱۵ھ نے اصر

ہوا کہ جان ڈی راک فیل امریکہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ ان کے پاس سہ کروڑ ۵ لاکھ ڈالر ہیں اور ایک ڈالر در روپے پانچ آنہ کا ہوتا ہے۔ سال ختم ہونے کے قبل ان کی دولت ۵۰ کروڑ ہو چکے گی۔ بیان ہے کہ ان کی دولت ایک کروڑ پانچ لاکھ ڈالر سالانہ کے حساب سے بڑھتی ہے۔

مسجد منی آرڈیننس: ۱۲ نومبر ۱۸۹۶ء۔ بذریعہ منی آرڈر ویز تار کے روپیہ بھیجے گا جو مدرٹ فاسٹ ٹائیٹا شخص ہے جو سابق پوسٹل سٹریٹن انگلستان کا تھا جس کی دونوں آنکھیں ایک شکاریں جاتی رہیں۔ وہ بدستور اپنے منصبی کام کو انجام دیتا رہا۔

قسطنطنیہ: ۶ جنوری ۱۸۹۶ء۔ آج کل قسطنطنیہ کی حالت نازک ہو رہی ہے۔ کل سلاطین یورپ آئینا کے سن انتظامی کے سلطان عبدالحمید سے خواہاں ہیں اور وہ بوجہ ولایت و لعل کہہ رہے ہیں۔ لہذا روس، فرانس، انگلینڈ، اٹلی اور امریکہ کے جنگی جہازات آنا سے ڈارڈی سٹریٹ میں داخل ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خوف دلا کر کارروائی کریں قسطنطنیہ کو سلطان نے متنازع کر کے باقیہ کم کر لیں جس سے سلطان ارباب پریشان ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا کیا ہوتا ہے۔ آج کل اخباروں میں جو اس حال کے اور باتوں کا کثرت ذکر ہوتا ہے یہ سچید گیاں چند ماہ گذشتہ سے برابر تکرار چلی آتی ہیں۔

۵ فروری ۱۸۹۶ء۔ چونکہ یہ سازش انگلستان پانچ دیگر سلطنت باہر یورپ نے اپنے جنگی جہازات بحیرہ ڈارڈی نیل متعلقہ ترکی میں قائم کیے تھے کہ سلطان عبدالحمید سے بہ زور حسن انتظام صوبہ آرمینیا کرا دیں لیکن بدترتیب وہ جہازات واپس گئے اور یکم فروری کے تاہر برقی او وہ اخبار مطبوعہ ۵ فروری میں لارڈ سلسبری وزیر اعظم انگلستان کی ایسٹ کاہیہ مضمون ہے کہ انگلستان ترکی سے آرمینیا کے لوگوں کی طرف سے جنگ نہیں کر سکتا اور مہلت دینا چاہیے تاکہ مدعا انتظام عمل میں لایا جائے۔ میں یقین نہیں کرتا کہ سلطان نے اس جو ظلم کا حکم دیا ہے جو آرمینیا میں جو گوان کی گورنرٹ مکہ ورو نالائن ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ سلاطین یورپ عمدہ انتظام کے حکراں ہیں لگن آگے بڑھ کر کوئی کارروائی نہ کریں گے یہ تمہارا وجہ پڑا کہ انگلستان کو چند سخت جھگڑا لڑنے کی بجائے پیش ہو گئے۔ پچہ یہ کہ منیت اینر دی میں ابھی قسطنطنیہ کا قاتل مقرر نہیں ہے۔ ورنہ یورپی سلطنتوں کی توجہ خواہش ہے کہ اس کے حقد بٹ کر لیں جیسا کہ اخبارات میں معلوم ہو رہا ہے۔

قتل شاہ ایران: ۵ مئی ۱۸۹۶ء۔ کریم کوہ نر محمد رضا ایک مذہبی متعصب نے ناصر الدین شاہ بادشاہ فارس کے دل میں گولی باردی جب کہ وہ ایک زیارت متفصل طہران کے اندر جا رہے تھے۔ اس کے صدمہ سے چار بجے شام کو شاہ نے قضا کی اور بجائے متوفی ان کے دوسرے بیٹے جو اصل بیگم کے بطن سے تھے تیسری مئی کو بمقام تبریز تخت نشین ہوئے۔ اس خبر کی تصدیق پانچ روز آباد مطبوعہ ۳۰ مئی سے ہوئی۔ عرشہ متوفی ۳۰ سال

تھی۔ ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے تھے اور بڑی طویل بادشاہت کی مزاج میں تعصب نہ تھا۔

جشن شہنشاہ دروس : ۲۰ مئی ۱۸۹۶ء کو معائنہ اخبارات سے واضح ہوا کہ شہنشاہ روس کا جشن تاج پوشی ۲۶ مئی کو ختم ہوا اور شہنشاہ نے بروقت تاج پوشی ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے تمام باقیات ٹیکس معاف کر دیے اور دس برس کے لیے محصول اراضی نصف کر دیا اور خفیف بھرموں کے جرائم معاف کیے اور دیگر سزاؤں میں تخفیف کر دی اور پولٹیکل حلا وطنوں کی نسبت حکم دیا کہ جہاں کہیں مناسب سمجھیں تخفیف سزا کر دیں۔ مگر یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جب لوگ کھانا کھانے اور لٹا لٹے چلے تو کھوکھا آئی کے اردہا کے باعث ۲۰ آدمی کل کمرے کے چوبائے پر افسوس ناک تھے۔ یہ یادگار کبھی فراموش نہیں ہو سکتی۔

شہزادہ کا بل : ۹ جولائی ۱۸۹۶ء۔ معائنہ اخبار انگریزی سے ملو ہوا کہ شہزادہ نعر اللہ خاں خلع دویم امیر عبدالرحمان خاں والی کابل کی سیاحت انگلستان میں ۲۵.۸.۸۰ پونڈ خرچ ہوئے جو چند روز کے لیے تقریباً لگے تھے۔ یہ روپیہ خزانہ ہندوستان سے خرچ میں پڑے گا۔

ملکہ وکٹوریہ : ۲۸ ستمبر ۱۸۹۶ء دیکھنے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جناب ملکہ مظفر وکٹوریہ شہنشاہ ہندوستان و انگلستان ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئی تھیں اور ۲ جون ۱۸۳۸ء کو بیسویں سال تاج شہنشاہ زیب سر کیا اس حساب سے ۲۸ ستمبر ۱۸۹۶ء تک جناب ممدوح نے اپنے دادا جارج سویر کے مادی ۵۹ سال ۹۷ یوم زمانہ حکمرانی ختم کیا اور ۲۳ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء کو اپنے دادا کی سلطنت سے سبقت شرع ہوئی۔ اس قدر مدت تک سلطنت کسی بادشاہ انگلینڈ نے سلف سے اس وقت تک نہیں کی۔

سلطان عبدالحمید خاں : ۲ نومبر ۱۸۹۶ء۔ سلطان عبدالحمید خاں قسطنطنیہ میں ۲۴ ستمبر ۱۸۴۲ء

کو پیدا ہوئے۔ اس حساب سے اب ان کی عمر ۵۲ سال کی ہے۔

بیرونی کتب خانے : ۲۴ نومبر ۱۸۹۶ء۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ شاہی فرانس میں چار کوڑ ایک لاکھ کتابیں ہیں۔ انگلستان کے کتب خانہ میں دو کوڑ دو لاکھ ساٹھ اور روس کے کتب خانہ میں دو کوڑ ہیں۔

جنگ روم و یونان : ۸ مئی ۱۸۹۷ء۔ جو جنگ مابین سلطان روم اور یونانیوں کے ہوئی تھی اس میں سلطان کو کامل کامیابی حاصل ہوئی اور یونانیوں کو ترکیت حاصل ہوئی اور شہر تھیسلی پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ اس فوج ترکی کے کان پر اور افسر اعلیٰ دھم پاشا تھے جن کی عموماً تعریف ہو رہی ہے۔ سلطان کی اس کامیابی سے تمام یورپ حیرت میں آ گیا اور جو خیالات فاسد و حقارت آمیز جنگی کارروائی ترکوں کی نسبت دول یورپ کو تھے وہ اس فخر یابی

سے بالکل بدل گئے اور سمجھنے لگے کہ یہ بھی ایک معتدبہ سلطنت یورپ میں ہے۔

وفات کلیپٹ اسٹن ۲۲ مئی ۱۸۹۸ء۔ اسی کو گھریلا سٹن سابق وزیر اعظم نے بہر ۸۹ سال قضا کی۔ ۲۹ دسمبر ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑا لائق شخص تھا اور جب سیرج کہنے کھڑا ہوتا تھا تو ایسا فوش بیان تھا کہ گھنٹوں میں ایک بحث ختم ہوتی تھی۔ سخت متعصب شخص تھا۔ ترکوں سے اسے عداوت قلبی تھی۔

اسپین و امریکہ ۲۶ اگست ۱۸۹۸ء۔ بابت جزیرہ کیوبا، مابین اسپین و امریکہ اس عرصہ میں سخت لڑائی ہوئی اور امریکہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مسالین یورپ کے باہم صلح کوادی اور جزیرہ کیوبا اور فلپائن کو اسپین سے امریکہ کو دلوا دیا۔
ملکوں میں شادیاں ۱۵ اکتوبر ۱۸۹۸ء۔ آج بمعاذہ اودھ اخبار بحوالہ انگریزی کپرسرپس معلوم ہوا کہ ملک ذیل میں شادی لڑکوں اور لڑکیوں کی کس عرصہ میں ہوتی ہے۔

نام ملک	عمر لڑکا	عمر لڑکی	نام ملک	نام لڑکا	نام لڑکی
آسٹریا	۱۴ سال	۱۳ سال	جرمنی	۱۸ سال	۱۸ سال
فرانس و بلیجیم	۱۶ سال	۱۵ سال	اسپین	۱۳ سال	۱۲ سال
رومن ویکسٹری	۱۴ سال	۱۶ سال	ایران	۱۴ سال	۱۴ سال
سوئزر لینڈ	۱۴ سال	۱۴ سال			

تسلطیہ میں شادیاں اس وقت ہی ہو جاتی ہیں جب لڑکے لڑکیاں چل پھر سکتے ہیں اور فردی مذہبی احکام کو سمجھ سکتے ہیں۔

جنگ افریقہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء۔ آج کل مابین ڈچ کاشٹکاراں ٹرانسوال واقع افریقہ و انگریزوں کے جنگ ہو رہی ہے اور بمقام کلفٹن بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں ۲۶ افسرانگریزوں کے مع جنرل سمٹنر قتل ہوئے۔

۲۰ دسمبر ۱۸۹۹ء دیکھئے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جولائی افریقہ میں مابین ڈچ کاشٹکاراں ٹرانسوال

اور انگریزوں کے ہو رہی ہے وہ بہت سخت مقابلہ ہے۔ ہر لڑائی میں بہت سی فوج انگریزوں کی مقتول و مجروح ہوتی ہے۔ ڈچ ایسے نشانہ باز ہیں کہ افسرل کو چن چن کر مار لیتے ہیں اور سامان حرب بمقابلہ انگریزوں کے الگ بہت عمدہ ہے۔ پانچ ہزار گز کے فاصلہ پر ان کی توپوں کے گولے بہت عمدہ کام کرتے ہیں اور انگریزوں کی توپیں دو ہزار گز کے فاصلہ کی ہیں۔ جناب ملکہ معظمہ قیصر ہند کو اپنی فوج کے حائر ہونے کا سخت ملال ہے۔ حتیٰ کہ ان کا قصد تھا کہ بعد بڑے دن کے لندن کے دوسرے مقامات کو جاویں لیکن وفور رنج و غم سے انھوں نے نسخ مزیت کی۔

۲۸ جنوری ۱۹۰۰ء۔ ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء سے جنگ ٹرانسوال واقع افریقہ مابین بومرو بٹش گورنمنٹ کے فوج ہے۔ سرکار کے بہت سے افسر فوجی لوگ ضائع ہوئے۔ ڈفرن کے خلف اکبر اور لارڈ رائس کے اکوٹے طے

اور فلپینٹ گوزیجا کے عاجزانہ اور بڑے بڑے باقی افسر قتل ہوئے۔

۱۹ مارچ ۱۹۰۰ء۔ یوم فائیلٹ دارالخلافہ آرنج فری اسٹیٹ واقع جنوبی افریقہ کو لارڈ رابنسن نے فتح کر لیا جس کے پریسیڈنٹ مسٹر اسٹن تھے اور جنرل کرائچی فوج ملک آزاد کو گرفتار کر کے جزیرہ سینٹ ہلینا بھیج دیا۔
۳۱ مئی ۱۹۰۰ء بمقامتہ اودھ اخبار واضح ہوا کہ ... ۳۱ مئی سے دارالخلافہ یوم فائیلٹ جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن میں شامل کیا گیا اور اس کی رو سے 'آرنج فری اسٹیٹ' کا نام آئندہ 'آرنج ریور کالونی' ہوگا اور وہ اب متعلق طور پر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا ہے۔ اب جہاں تک اخبارات دیکھے جاتے انگریزوں کی براہِ فتح معلوم ہوتی جاتی ہے اور بوئر لوگ پسپا ہو رہے ہیں وہ جو ہانس برگ میں پہنچ گئے ہیں۔

ملک چین: ۵ اگست ۱۹۰۰ء۔ آج کل ملک چین پر پانچ سلطنتیں چڑھائی کر رہی ہیں جن کی فوجیں برابر بیدریغہ جہازات اپنے اپنے دارالسلطنتوں سے بھیجی جا رہی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ جرمن، فرانس، روس، اٹلی، جاپان اور جھٹی ٹرش گورنمنٹ۔ سب اس لڑائی کا اخباروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو کم بکسر باشندگان چین کی پیشوا ہے انھوں نے جب یہ دیکھا کہ غیر ملک کے لوگ چینوں کو عیسائی کیے ڈالتے ہیں تو انھوں نے غدر کر دیا اور جن عیسائی لوگ ہم پہنچنے والے کو قتل کر ڈالا چونکہ ان کی حمایت کثیر ہے اور اہل چین بھی ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اسی وجہ سے وہ لوگ بھی بکسروں کے شریک ہو گئے اور چینی فوج بھی ان کی معاون ہے اسی وجہ سے ان کی بہت بڑی جماعت ہو گئی ہے اور ان سلطنتوں سے مقابلہ کے لیے وہ تیار ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بظاہر سخت کشت و خون ہوتا نظر آتا ہے اور عجب نہیں بعد نظر پانے سلطنت ملک چین کو باہم تقسیم کر لیں یہ سلطنت بہت پرانی ہے اور کسی نے اس وقت تک اس پر دست درازی نہیں کی تھی لیکن اب انجلی نظر نہیں آتا۔

جنگ افریقہ: ۱۲ جنوری ۱۹۰۱ء۔ اگرچہ جنرل رابنسن صاحب ٹرانسوال سے لندن کو واپس گئے لیکن ابھی بوئر برابر لڑ رہے ہیں اور جنگ ختم نہیں ہوئی۔ مسٹر لوگر کے قائم مقام برابر لڑ رہے ہیں۔

وفات ملکہ وکٹوریہ: ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء۔ آج کے اردو اخبار میں یہ خبر لکھی مندرجہ دیکھی گئی کہ جناب ملکہ وکٹوریہ قیصر ہند نے اس جہاں فانی سے بمقام لندن رحلت کی۔ وقت ۶ بجے ۲۰ منٹ شام کا تھا اور تاریخ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء کوئی شکر نہیں کہ قیصرہ ہند نہایت ہی خوش اقبال تھیں اور جس تاریخ سے وہ تخت انگلستان پر بیٹھیں برابر فتوحات بے پایاں حاصل ہوتے رہے اور اولاد کی جانب سے بھی وہ نہایت خوش نصیب تھیں کہ جن کے نواسے قیصر ولیم شہنشاہِ جرمن ہیں۔ اس وقت ملکہ وکٹوریہ کے قبضہ میں کل دنیا کا

ایک چہارم حصہ اور کسی آفتاب ان کی عداوت میں غروب نہیں ہوتا۔ ابن ذیل میں ان کی مختصر سوانح عمری و حال قلم کرتا ہوں جس سے ان کی عمر و تخت نشین کا حال مفصل معلوم ہوگا۔

جناب ملا مظفر قیسر ہند ۲۴ جنوری ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئے تھیں۔ ۲۰ جون ۱۸۳۸ء کو تخت نشین ہوئے اور ۲۲ جنوری کو رحلت کی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ دو مرتبہ مروجہ کی بیجاہ سالہ شہادت سال جوبی ہوئی اور ایسی خوش اقبال تھیں کہ ایک چارم دنیا ان کے قبضہ میں تھی۔

تد فین ملک و جلوس ایڈورڈ ہفتم: ۲۲ فروری ۱۹۰۱ء۔ چونکہ آج جناب ملا مظفر قیسر ہند دفن ہوں گی لہذا آج قصیدہ بندیلہ کی کل دوکانیں بند ہو گئیں اور دفاتر میں تعطیل ہے۔

پرنس آف ویلز جو تخت سلطنت انگلشیہ پر جلوس فرما ہوئے ان کا لقب ایڈورڈ ہفتم رکھا گیا اور چارٹرڈ اس سے قبل تخت انگلشیہ پر نشست فرما چکے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

نام	سن جلوس	سن نکاحی یادگار	نام	سن جلوس	سن نکاحی یادگار
ایڈورڈ اول	۱۲۷۲ء	۱۳۰۷ء	ایڈورڈ چہارم	۱۳۶۱ء	۱۳۸۲ء
ایڈورڈ دوم	۱۳۰۷ء	۱۳۲۷ء	ایڈورڈ پنجم	۱۳۵۱ء	۱۳۵۱ء
ایڈورڈ سویم	۱۳۲۷ء	۱۳۷۷ء	ایڈورڈ ششم	۱۵۳۷ء	۱۵۵۳ء
			ایڈورڈ ہفتم	۱۸۶۱ء	۱۸۶۱ء

جنگ افریقہ: ۲۹ جولائی ۱۹۰۱ء۔ جنگ ٹرانسوال واقع جنوبی افریقہ ہنزہم نہیں ہوئی ہے اور پورے اور انگریزوں سے برابر لڑائی جاری ہے۔ بالفعل انگریزی فوج بلوں اور دولاکھ ۵۳ ہزار جنگ گاہ میں موجود ہے یہ لڑائی ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو شروع ہوئی تھی۔ انگریزی فوج کے سپہ سالار لارڈ کیمز ہیں۔

دختر کلاں ملکہ وکٹوریہ: ۱۵ اگست ۱۹۰۱ء۔ شاہنشاہ بیک فریڈرک جرمنی یعنی دختر کلاں وکٹوریہ بعد ازاں چند در چند بعد ۶۰ سال بتایا ۵ اگست ۱۹۰۱ء فوت ہوئے جن کے کلمے کے واسطے چھ ہفتہ کا اعلان ہوا ہے۔ صدر امریکہ: ۲۸ ستمبر ۱۹۰۱ء مسٹر میکینلے پریسڈنٹ امریکہ کو بتا دیں ۲۸ ستمبر ۱۹۰۱ء جبکہ وہ بظنون شمس کی سیر کر رہے تھے مسمیٰ زول ہو رہے دو گویاں مابین جس انھوں نے انتقال کیا اور روز و طمان کی بگڑ پریسڈنٹ مقرر ہوئے۔

امپیر کابل: ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۱ء امیر عبدالرحمن خان امیر کابل نے ۱۳ اکتوبر سن الیہ کو انتقال کیا اور یکاے امن کے حبیب اللہ خاں تخت کابل پر جانشین ہوئے اور انھیں کی بخت خان مرحوم جانشین جو زکر کرتے تھے۔ حبیب اللہ خلف اکبر موش منادی معلوم ہوتے ہیں جن کی جانشینی گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی منظور کی۔ عبدالرحمن مرحوم نہایت

لائق و دانش مند شخص تھے جنہوں نے افغانہ پر بہت رعب و ب کے ساتھ سلطنت کی اور جن کو انگریزوں گورنمنٹ بھی مانتی تھی اور دولاکھ روپیہ ماہانہ کو گزراہہ دیتی تھی اس شخص سے کہ روئی گورنمنٹ سے وہ کہیں مل نہ جائیں جو عرصہ سے براہ کابل ہندوستان کا قصد رکھتے ہیں۔ میر جھانے اپنی فوج بھی قواعد ال تیار کی تھی۔

جنگ افریقہ :- ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ جنگ ڈانسوال جنوبی افریقہ اب تک مابین برٹش گورنمنٹ اور بوئروں کے قائم ہے جس کا آغاز ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ہوا تھا۔ اگرچہ بوئر بوجہ کی فوج برابر دو تین روز تک جنگ نہیں کر سکتے ہیں تاہم سرکار کی ایک بڑی فوج سے جس کی تعداد دولاکھ تین سو ہزار ہے برابر مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔

آبادی لندن :- یکم فروری ۱۹۰۲ء۔ لندن کی مردم شماری انٹالس لاکھ ۳۶۱ ہزار ۵۴۱ ہے جبکہ تقریبی اودھ اخبار مورخہ امروزہ سے ہوئی۔ دس سال گزشتہ میں تین لاکھ کا اضافہ ہوا۔

وفات لارڈ ڈکنسن :- ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء۔ لارڈ ڈکنسن صاحب سابق گورنر جنرل ۱۲ فروری ۱۹۰۲ء کو بمبھم لندن وصال کی۔

جنگ افریقہ :- ۲۹ مارچ ۱۹۰۲ء۔ جنوبی افریقہ میں ڈانسوال کے بوئروں نے جو برٹش گورنمنٹ سے ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو لڑائی شروع کی تھی وہ ابھی تک بدستور جاری ہے۔ یہ یہ ہے کہ وہ لوگ نہایت جری ہیں۔ باوجودیکہ ان کی فوج بہت قلیل ہے اور انگریزوں کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہے لیکن وہ برابر مقابلہ کر رہے ہیں اور اکثر مقاموں پر انگریزوں کو فاش کر دی۔ اگرچہ ایک روز پٹنہ کی طرف غلبہ ہو کر اطاعت قبول کر لیں مگر کبھی تک الحاکم انہم دی ہیں۔

۳ جون ۱۹۰۲ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جو لڑائی برٹش گورنمنٹ اور جنوبی افریقہ کے بوئر

کے درمیان ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء سے ہو رہی تھی اور فریقین کے بڑے بڑے نامی افسر مقتول و معرور ہوئے تھے آ

دونوں میں تاریخ ۲۱ مئی ۱۹۰۲ء کو حسب تشریط ذیل صلح ہو گئی۔ کوئی شک نہیں کہ کہ بوئر لوگ نہایت ہی جفاکش

اور بہادر ہیں جنہوں نے اپنی تھوڑی فوج سے ایک بہت بڑی سلطنت دی مقدار سے جس کی کئی لاکھ فوج ان کے

مقابل تھی دو سال سات مہینے تک برابر لڑتے رہے اور بہت کچھ نقصان اسے پہنچایا اور جس کا کرداروں روپیہ

اس جنگ میں صرف ہو گیا۔ شرائط صلح حسب ذیل ہیں: (شرائط بوجہ طویل عبارت ہونے کے ترک کیے گئے۔ ہاشمی)

۷ جون ۱۹۰۲ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ جنگ جنوبی افریقہ میں جو بوئر لوگوں کے ساتھ سرکار

انگریزی سے ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء شروع ہوئی تھی اور ۲۱ مئی ۱۹۰۲ء کو ذیل صلح ختم ہوئی اس میں سرکار انگریزی کا ۱۲۰ ملین پونڈ جو

مسادی ۲۴ ملین ملے کے ہے صرف ہوا۔ اس صورت میں معمولی فوجی ضرورتیں حاصل بہت زیادہ ہو گیا ہے حال نہیں ہے اور نہ وہ فوج

شامل ہے جو گورنمنٹ کو اٹھنا جنگ کے لیے صرف کرنا چاہو جس کی تعداد دس ملین پونڈ ہوگی شرائط صلح میں جو ایشیائی چاہو

دو گزوں کا ٹکڑا ہوئی ہے اس کی شرط بنجمر ہے کہ ٹکڑے کا شکر اسنی حفاظت جان وال کے خیال سے اپنی رائفل و بندوقیں اپنے پاس رکھیں گے اور چھٹی شرط یہ ہے کہ مصارف جنگ کے متعلق جنوبی افریقہ کے طر ان سوال الکل کچھ نہیں لیا جائیگا۔

جشن تاج پوشی: ۲۰ جون ۱۹۰۲ء۔ جشن تاج پوشی شہنشاہ انگلینڈ ہندوستان ۲۶ جون ۱۹۰۲ء بمقام لندن ہوگا اس میں بہت سے ہندوستانی والیان ملک جیسے مہاراجہ گوالیار، مہاراجہ جے پور، مہاراجہ اندور، مہاراجہ گانگاسنگھ، میکانیز اور بہت سے روسائے اعظم ہندوستان سے جا رہے ہیں مگر مہاراجہ جے پور نے یہ قابل یادگار سنت کی ہے کہ اپنے کرم و دردم کو قائم رکھنے کے لیے اپنے دیوتا بھی ولایت کو ساتھ لے گئے ہیں حتیٰ کہ ہاتھ پاک کرنے کی مٹی بھی جہاز پر رکھ لی گئی ہے۔ بمقابلہ اور والیان ملک کے مہاراجہ نے نہایت پابندی مذہب کے ساتھ لندن کا سفر اختیار کیا۔ اودھ سے راجہ پرتاب بہادر سنگھ پرتاب گڑھ بھی لے گئے ہیں غرض کہ احاطہ کلکتہ، بجائی، نداس اور لاہور فیروزہ خاص خاص روسائے کثرت جشن تاج پوشی کے لیے جا رہے ہیں اور بہت بڑا حرف اپنے اوپر گواہ کیا ہے۔ دیکھا چاہیے کہ بد تقریب تاج پوشی ان کے واسطے کیا سلوک ہوتا ہے۔

جنگ افریقہ: ۹ جون ۱۹۰۲ء۔ لارڈ کچنر صاحب سپاہ سالار جنوبی افریقہ کو بجلد دے ان کے حسن مددات کے انھوں نے بوئر لوگوں سے ۳۱ مئی کو صلح کرادی پچاس ہزار پونڈ انعام دیا گیا اور خطاب وانی کاؤنٹن کو شہنشاہ انگلینڈ نے مرحمت فرمایا اور قبل اس کے لارڈ بائرش کو بخیمات و کارگزاری جنوبی افریقہ کے کلکتہ، ٹرانسوال میں مطالعات اس صلح سے جو طر ان سوال میں بوئر لوگوں سے ہوئی تسامی ہندوستانی عموماً اور ہل انگلینڈ خصوصاً خوشیاں منا رہے ہیں۔

۱۰ جون ۱۹۰۲ء۔ بمقام اودھ اخبار امروزہ سے واضح ہوا کہ بوالرمیان محکمہ جنگ جنوبی افریقہ کی رٹائی اس ایک ہزار پچھتر افسر اور پینتیس ہزار آٹھ سو ہتھیاروں کی ہلاکت ہوئے اور تین ہزار ایک سو سولہ افسر اور پچھتر ہزار بن سو چودہ سپاہی معزول و خدمت قرار پا کر انگلینڈ کو واپس بھیجے گئے۔

وزیر اعظم انگلستان: ۱۶ جولائی ۱۹۰۲ء۔ ۱۳ جولائی ۱۹۰۲ء کو لارڈ اسلسبری وزیر اعظم انگلستان نے بن ملازمت سے استعفائے دی جس کو شہنشاہ انگلینڈ ہندوستان منظور فرمایا بجلد لن کے سطر بالفورڈ وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

ایک عورت: ۱۳ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ آج کے اودھ اخبار میں درج ہے کہ ایک عورت تحصیل شہر نیپل علاقہ ملک اٹلی میں رہتی تھی اس کی شادی کو ۱۹ سال ہوئے ہیں اس مدت میں اس کے ۶۲ بچے پیدا ہوئے۔ ۹۹ بچے و تین لڑکیاں۔ ۹ برس کے عرصہ میں گیارہ توام لڑکے پیدا ہوئے اور پانچ مرتبہ چار چار و تین تین تین اور

ایک مرتبہ چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی اور کچھ زمانے میں صرف ایک ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اب اس کی عمر ۵۷ برس کی ہے اور فیض آباد میں ہوئی ہے کچھ کام اس میں نہیں ہوتا بلکہ اٹلی کے بادشاہ کو ایک عرضداشت بھیجی گئی ہے کہ اسکا کچھ گدازہ منور کر دیں۔
آبادی چین: ۱۲ اپریل ۱۹۰۳ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جدید مردم شماری ملک چین بایلیس کروڑ ۱۴ لاکھ ۴۷ ہزار ہے۔

شاہ سروید: ۱۹ جولائی ۱۹۰۳ء۔ ۳ جولائی ۱۹۰۳ء کے تاریخی میں درج ہے کہ الیکٹرک شاہ سروید سے ملکہ ٹرکی کے اپنے ایوان میں قتل کر دیے گئے اور ان کے ساتھ میں وزیر اعظم سروید اور ایک جنرل فوج بھی مقتول ہوئے۔ خود ان کی فوج نے انھیں قتل کیا۔ وجہ قتل یہ معلوم ہوئی کہ کل رعایا شاہ سے ناراض تھی۔ ۳۱ اگست ۱۸۷۹ء کو شاہ سروید پیدا ہوئے۔ ۱۲ اپریل ۱۸۹۳ء کو تخت نشین ہوئے تھے اور ۲ جولائی ۱۹۰۳ء کو شاہ سروید نے اپنی نسبت میڈم ڈریگ سے کی اور ۵ اگست ۱۹۰۳ء کو شاہی ہو گئی۔ ڈریگ والدہ کی پیش خدمت تھی جس کی عمر اس وقت ۳۱ سال کی تھی یعنی بادشاہ سے عمر میں بڑی تھی اس کا شوہر حکم تھا کہ پورچین ہونے کے بادشاہ نے اس کے ساتھ عقد کر لیا تھا۔

وفات چوپ: ۲۳ جولائی ۱۹۰۳ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ پوپ روم اٹلی جو یورپ میں واقع ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۳ء کو وقت ۴ بجے دن کے فوت ہوئے۔ عمر ۹۳ سال تھی باوجود ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ پیشوا مذہب رومن کیتھولک کے تھے۔

وفات سالسبری: ۲۶ اگست ۱۹۰۳ء۔ ۲۲ اگست کو لارڈ سالبری سابق وزیر اعظم انگلینڈ نے بمقابلہ انڈیا کی وفات۔
بلغاریہ: ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء سرحد بلغاریہ پر پہلی بغاوت ہوئی لہذا فوج سلطان ٹرکی واسطے تادیب کے بھیجی گئی اور سلونیکا کے قریب کل جماعت باغیوں کی گولہ اندازی افواج ٹرکی سے مقتول ہوئی۔

ترکی: ۱۶ ستمبر ۱۹۰۳ء۔ ممالک مقدونیا و بلغاریہ و سلونیکا کی بغاوت سے آج کل بڑی بظنی سلطان ٹرکی کی حکمرانی میں ہے اور افواج ٹرکی باغیوں کو گوشمالی واجب ہے رہی ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو کشت و خون ہو رہا ہے سلاطین یورپ سلطان کو الگ دھمکی دے رہے ہیں کہ بغیر جلد دور کی جائے۔

۷ ستمبر ۱۹۰۳ء۔ آج کل یورپ میں باہم سلطان میں انواع و اقسام کے نزاعات پیدا ہیں اور عوام سلطان ٹرکی کو دبا رہے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ بتیس دانتوں میں ایک زبان ہے۔

جنگ روس و جاپان: ۱۳ فروری ۱۹۰۴ء۔ ۱۲ فروری سن الیہ کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۹ فروری ۱۹۰۴ء کو بوقت ۱۰ بجے دن مابین روس و جاپان لڑائی شروع ہو گئی اور جاپانی تار پٹا و کشتیوں نے

ہتمام پورٹ آرتھر رومی جہازوں پر حملہ کیلئے لڑائی دہریا لکھنؤ میں شروع ہوئی ہے۔ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔
سب سے زیادہ محترم شخص : ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء - دنیا بھر میں سب سے زیادہ سن وارانہ عمر شخص
 (ماسکو روس) کا لازا دوفتے ہے۔ اس کی عمر ۱۳۶ برس کی ہے اور اس کی بصارت علی حال بھی قائم
 ہے۔ اس کا باب ۱۲۰ برس کا سپر کر فٹ ہوا تھا۔

آبادی امریکہ : ۱۲ اپریل ۱۹۰۶ء - آج کے اودھا خاں سے واضح ہوا کہ یونائیٹڈ اسٹیٹ آف
 امریکہ کی مردم شماری ۱۹۰۳ء میں ہوئی تھی اس کی تعداد ۷۹ لاکھ ہے۔

جنگ روس و جاپان : ۲۰ اپریل ۱۹۰۶ء - آج کے اخبار میں نے پڑھا کہ جاپان کے مدد
 دونوں اپنی بہبودی ملک کے عاشق ہیں جس کی تصدیق مضامین ذیل سے ہوتی ہے:

- ۱۔ ایک سپاہی لڑائی پر جاتا تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے جو اسے پہنچانے آیا تھا بیان کیا مجھے ایک
 روز نما پے پس بہتر ہے کہ ہم اپنے ملک کے لیے مریں۔ اگر میں بستر مرگ بر سر وں گا تو کیا خاک ہری ماں کو تسلی ہوگی۔
- ۲۔ ایک عورت نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم لڑائی پر جانا تھا کہ تم لڑائی پر جاتے ہو پھر گھر کو واپس
 نہ آنا۔ اگر تم واپس ہوئے تو میں معاف نہ کروں گی۔

۳۔ قصہ نکاس کی ایک عورت کو جب معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اس بنا پر جنگ خدمت سے معاف کر دیا گیا کہ
 وہ اکیلا اپنی ماں کا پرورش کرنے والا تھا تو اس نے فوراً خودکشی کر لی اور اس نے ایک خط میں بیان کیا کہ میں نے
 اس وجہ سے خودکشی کی کہ میرا بیٹا اپنے ملک کے لیے روسیوں سے آزادی کے ساتھ لڑ سکے۔ دم توڑنے کے وقت
 اس نے وہ خنجر جس سے خودکشی کی تھی اپنے بیٹے کو دے دیا کہ وہ اس کو دشمن کے خلاف کام میں لائے لڑکے نے
 خنجر کرے باندھ لیا اور فوراً جنگ میں شریک ہونے کی درخواست پیش کر دی۔ وہ اسے ملک کی ہمدردی جبکہ
 ایسی ہم قومی و ملک کی ہمدردی ہو تو کیوں نہ اس ملک کے بادشاہ کو پوری کامیابی حاصل ہو سکے۔

یکم جون ۱۹۰۴ء - مابین جاپان اور روسیوں کے ہنوز جنگ جاری ہے۔ دونوں ممالکوں پر سخت لڑائیاں
 ہوئیں۔ ایک دریائے ییلو پر ۱۵ مئی کو دوسری 'نان شان' پر ۱۵ مئی کو اور ان دونوں جنگوں میں جاپانیوں کو
 کامیابی حاصل ہوئی نیز پورٹ آرتھر میں 'نان شان' کی جنگ میں جاپانیوں کو ۳ توپیں کھار باقی میلانی
 اور بندر و قیں دگوئے بار و دھامل ہوئے اور بہت سے روسی گرفتار ہوئے۔

دنیا کی قومیں : ۲۹ جون ۱۹۰۴ء - فرانس کے ایک پروفیسر کے پاس کل روسے زمین کی اقسام کے

آرمیوں کے سر موجود ہیں، ان کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ اس سے جتنا سہید ہے کتنا دنیا میں ۹۲۰ قومیں آباد ہیں۔

جنگ روس و جاپان : یکم جولائی ۱۹۰۴ء - ایک جنگ جس میں قدر لڑائیاں مابین جاپان اور روس ہوئیں ان سب میں جاپانی فتح پائی۔ ۲۸ جون کی جنگ میں انھوں نے کئی مقامات پر انھیں شکست دی۔ ۱۹۰۴ء - آج کل خوب گھمسان لڑائی مابین جاپان اور روسیوں کے بمقام 'لیونگ' متعلقہ ہوئی،

(چین) ہو رہی ہے۔ ڈھائی ڈھائی لاکھ فوج دوسروں میں دونوں جانب ہیں اور ہزاروں آدمی دونوں طرف مقتول و مجروح ہو رہے ہیں۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۰۴ء - رگست سن الیہ کے مابین سخت لڑائیاں ہوئیں اور تیسری ستمبر سن الیہ بوقت ۹ بجے صبح کے جاپانیوں نے روسیوں سے 'لیونگ' چھین لیا اور اپنا قبضہ دخل کیا۔ جنرل کرٹین روسیوں کی طرف افسر اعلیٰ ہیں اور جنرل کرڈ کے اور جنرل اوکر جاپانیوں کی جانب سے۔

اصطباغ ولی عہد روس : ۲۰ ستمبر ۱۹۰۶ء - ادھ اخبار محررہ امروہ سے واضح ہوا کہ شہنشاہ نے بعد اصطباغ اپنے بیٹے شہنشاہ زادہ کی پیدائش کی یادگار کے لئے دست مبارک لکھا ہوا حکم شریض خلاصہ نکال دیا کہ

۱۔ فوج بحری بڑی کو جو مکررات کتاب جرم پر سزائے جہانی دی جاتی تھی وہ نہ دی جاوے گی۔ ۲۔ بتایا

مال گزاری ٹیکس و محصول معاف کیا گیا۔ ۳۔ پیداوار زمانہ قحط کی تقاد کی کاشتکاروں کو معاف ہوئی۔ ۴۔ بہت سے جرم نے معاف ہوئے۔ ۵۔ قیدیوں کی سزائیں جو پولیٹیکل قیدی اپنے زمانہ قیدی میں نیک کردار رہے ان کی

سزائیں ختم ہونے پر انھیں سبیل اختیار دے دیے جائیں۔ ۶۔ جن لوگوں نے قبل پندرہ سال پولیٹیکل جرم کیے ہیں اور

ان کا پتہ نہیں ہے اب ان پر جرم عائد نہ ہوگا۔ ۷۔ جو پولیٹیکل جرم روس سے بیرونجات کو کھجاک گئے ہیں اگر وہ

پھر عادیہ چاہیں تو وزیر داخلہ سے درخواست کریں۔ ۸۔ فن لینڈ کی باقیات مال گزاری ٹیکس بات ۱۹۰۴ء

جو شہنشاہ زادہ کی پیدائش تک ادا نہیں کیے گئے وہ سب معاف کیے گئے اور وہاں کے کاشتکاروں کو جو نقد

روپیہ یا غلہ دیا گیا اس میں سے ایک چوتھائی معاف ہوگا۔ ۹۔ موضوع اور قصیوں پر اپنی طرف سے لوگ منتخب

نکرنے کی علت میں جو زمانہ کیا گیا تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا۔ ۱۰۔ جو لوگ بغیر منظوری فن لینڈ سے چلے گئے تھے

ان کو ایک سال کے اندر واپس آنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۱۔ ان میں سے جو لوگ ملازم فوج تھے وہ فوراً واپس

آکر کھانا فوجی کو پورٹ کریں۔ ان کو سزا نہ دی جائے گی۔ ۱۲۔ فوجی کاموں سے گریز کرنے کے جرم میں خاندان ہود

پر جو جانا ہوا تھا۔ ان کو سزا نہ دی جائے گی۔

معاهدہ آنت و برٹش : ۲۱ ستمبر ۱۹۰۶ء - برٹش گورنمنٹ اور تبت کے مابین حسب ذیل عہد نامہ ہوا۔

۱۔ تبت پابند ہو گا کہ مقامات جنگ لگائیں گی منشی اور کیوگ میں بازار قائم کرے۔ ۲۔ تبت نصف ملین امر ٹانگ تاوان جنگ ادا کرے۔ اس کی سالانہ تین اقساط ہوں گی۔ ۳۔ برٹش فوج وادی چچی پر اس وقت تک رہے گی جب تک تاوان جنگ ادا نہ ہو۔ ۴۔ برٹش گورنمنٹ کی رضامندی کے بغیر کوئی غیر سلطنت تبت کے کسی علاقہ پر قبضہ نہ کرے گی۔ کسی سلطنت کو اس کا پتہ دیا جائے گا۔ ۵۔ کوئی غیر سلطنت معاملات تبت میں دست اندازی نہ کرے گی۔ نہ کوئی سرحد یا ریوے یا تار برقی قائم کرے گی اور نہ کوئی کان کھدوائے گی۔

سجھڑی کی ایجاد : ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ پٹن آہیم نے ۱۵۴۰ء میں گھڑی کی ایجاد کی تھی جس کی یادگار مقام انورم برگ میں قائم ہونے والی ہے۔

سلطنت روس : ۲ نومبر ۱۹۰۴ء۔ نکولس دوم شہنشاہ حال روس کے زیر حکومت بر اعظم یورپ کا نصف مشرقی حصہ اور براعظم ایشیا میں نصف سے کچھ کم شمالی حصہ ہے۔ اس وسیع سلطنت کی لمبائی مشرقاً مغرباً تھمیسٹا پانچ ہزار میل ہے اور عرض شمالاً جنوباً قریب ایک ہزار تین سو بیس میل کے ہے۔ کل سلطنت کا رقبہ ۸۶ لاکھ مربع میل ہے یعنی کل روئے زمین کا ایک ششم حصہ زیر حکومت شہنشاہ روس ہے۔ آبادی اس عظیم الشان سلطنت کی ۱۲ کروڑ ہے۔ بحالت جنگ بری فوج کی تعداد ۲۵ لاکھ اور سواروں کی تعداد ۲۵ لاکھ ۸ ہزار ہے۔ روسیوں کا بلند قامت مضبوط جسم ہوتا ہے۔

شہزادہ کابل : ۲۵ دسمبر ۱۹۰۴ء۔ سردار عنایت اللہ خاں خلیفہ اکبر امیر حبیب اللہ خاں والی کابل براہ لاہور والہ آباد روانہ لکھتے ہوئے جہاں لاڑ کمرزن صاحب وائسرائے ہند سے ۲۷ دسمبر کو ملاقات کریں گے مرقعہ کی ۱۶ سالہ اور پانچ سو افغان ان کے ساتھ ہیں اور کل خوجیان کی آمد و شد کا گورنمنٹ برداشت کرے گی۔

۵ جنوری ۱۹۰۵ء۔ سردار عنایت اللہ خاں خلیفہ اکبر امیر حبیب اللہ خاں والی کابل ہندوستان واپس گئے اور لاڑ کمرزن صاحب وائسرائے ہند نے بتنام لکھتے ان کی بہت خاطر مدارت کی اور گورنمنٹ نے کل مرقعہ کی آمد و شد ہندوستان کا لینے ذمہ برداشت کیا۔

راش چائلڈ : یکم جنوری ۱۹۰۵ء۔ راشچا ملٹا انگلستان میں ایک مشہور مہاجن ہے۔ اس کے تول کو یسین سلطنتیں بھی ہیں پچھ سو سکین ۱۰۰ منٹوں کی آمدنی لاکھوں شمار کی گئی ہے۔ جو نصاب اس اپنے خاندان کے لیے میں وہ فور کے قابل ہیں۔ ۱۔ اپنے کاروبار کے برعکس پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرو۔ ۲۔ ہر کام کو مستعدی انجام دو۔ ۳۔ ہر ایک معاملہ کا بعد غور کامل فیصلہ خاطر کرو۔ ۴۔ اس قسم کی کوشش کرتے رہو جو باعث ترقی ہوں۔ ۵۔ جو معاملہ چھلکھایف پیش آویں ان کو مدبر استقلال کے ساتھ برداشت کرو۔ ۶۔ راست بازی کو قدم سمجھو۔ ۷۔ تاقیا زندگی ہر کام میں

کوشش کی پہنچ کر تے رہو۔ ۸۔ کاروباری معاملے میں ہرگز جھوٹ نہ بولو۔ ۹۔ لوگوں سے فضول ملاقات نہ کرو۔ ۱۰۔ اپنا فرض مستعدی ادا کرو۔ ۱۱۔ اپنے اوقات ٹمہرے کاموں میں صرف کرو۔ ۱۲۔ جو امور اتفاقی پیش آئیں ان کا زیادہ مت خیال کرو۔ ۱۳۔ اپنے متعلقہ کاموں کو نہایت محنت و مستعدی کے ساتھ انجام دو۔

جنگ روس و جاپان : ۱۸ فروری ۱۹۰۵ء۔ جاپانی روس کو پنجوریامیں برابر شکست پر شکست دے رہے ہیں۔ پورٹ آرتھر ان سے چھین لیا اور مکڈن میں بھی شکستیں دے رہے ہیں۔ ادھر سے سینٹ پیٹرس برگ، دارالخلافت روس و دوارسا و فلس و غیر میں لاکھوں آدمی بلوہ کر رہے ہیں۔ حضرت شہنشاہ روس محل میں چھپے ہیں۔ فوجیں بلوائیوں کا مقابلہ کر رہی ہیں جس کی وجہ سے رائے فوجیں واسطے مقابلہ جاپان کے پنجوریامیں جاسکتی ہیں۔ ۸ فروری ۱۹۰۴ء کو جنگ شروع ہوئی تھی اور ہنوز برابر قائم ہے۔ جنرل اسٹول پورٹ آرتھر سے اس شرط کے ساتھ رہا ہوئے کہ وہ آئندہ کسی جنگ میں جاپانیوں کے مقابلے میں نہ آئیں گے اور جنرل کروٹکن، مکڈن میں شکستیں کھا رہے ہیں جو گورنمنٹ روس سے وعدہ کر کے آئے تھے کہ جاپانیوں کو سمندر میں ڈبو دوں گا۔

۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء جاپانیوں نے مکڈن واقع پنجوریا کو روسیوں سے چھین لیا۔ اس لڑائی میں دو لاکھ روسی فوج قتل ہوئی اور چار ہزار ہتھیار و پانچ سو توپیں علاوہ بہت سے سامان رسد و غیرہ کے جاپانیوں کے ہاتھ آئیں۔ جنرل کروٹکن جو جاپانیوں کو شکست دینے کے واسطے روس سے آئے تھے انھوں نے شہنشاہ روس کو درخواست دی ہے کہ ان کی جگہ پر کوئی دوسرا جنرل بھیجا جاوے۔ اب ان کے آرام کرنے کے دن ہیں۔

صلح کابل : ۲۷ مئی ۱۹۰۵ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سفارت مسٹر ڈین صاحب کابل کو گئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکڑا صلح تمام بدستور وہی قائم رہے جو امیر عبدالرحمان خاں مرحوم والی کابل کے عہد میں طے ہوئے تھے اور امیر عبدالرشید خاں کابل کو گورنمنٹ ہند نے خطاب عطا کیے: ہر محنتی خود مختار دولت افغانستان۔

ایک عورت : ۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء۔ شہر کیوبا (امریکہ) میں ایک عورت جس کی عمر ۳۰ سال اور قد ۲۶ انچ کا تھا اس کا نام جیکوٹا ہے۔ حالت نومری میں اس کے سونے کے لیے معمولی ڈبے کے برابر بلنگ کافی ہوتا تھا۔ اس عمر میں بھی اس کے پیر آٹھ مہینے کے واسطے قد کے بچے کے برابر ہیں۔ اگرچہ بہت پستہ قد ہے۔ مگر بدلی کے کل عضو ٹول ہیں۔ اس کو گانے بجانے کا بہت شوق ہے۔ بائیسکل پر خوب ساری کرتی ہے۔

جہاز چمتلی : ۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء۔ جہاز کی سواری میں اکثر آدمیوں کو مسمی ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ایک آنکھ میں پتی باندھ لی جاوے تو جلد آرام ہو جاتا ہے (از اودھ اخبار)

صلح روس و جاپان : ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء - پورٹسماوتھ واقع امریکہ میں ۵ ستمبر ۱۹۰۵ء کو روسی اور جاپانیوں کے
 باہم صلح نامہ پر دستخط ہو گئے اور اطوائی غم ہو گئی۔ دشمنانہ صلح نامہ ۲ ستمبر کی تاریخ میں درج ہیں جو بوجہ طوالت نظر انداز کیے گئے تھے۔
جاپان میں اخبارات : ۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء ابتداء جاپانی اخبار ۸۶۳ میں جاری ہوا تھا جس کو ۳۲ سال
 کا زمانہ ہوا اور اب جاپان میں ایک ہزار پانچ سو اخبار اور سالے روزانہ نکلتے ہیں۔

متفرقات معلومات : ۳ اکتوبر ۱۹۰۵ء - آلیپن بنانے کا سب سے بڑا کارخانہ 'برنگم' واقع انگلستان میں ہے
 جہاں ہر روز تعطیل وغیرہ کا زمانہ چھوٹ کر ۸ کروڑ ۷ لاکھ آلیپنیں تیار کی جاتی ہیں۔ نیوزی لینڈ کے جنوب میں جزائر کا
 ایک بقی جوسات پہنچا تھا اب اس میں ہمیشہ بارش ہو کر رہی ہے۔ سمندر کا پانی نہایت ہی مقوی جگر معدہ و گردہ ہوتا ہے۔

روس میں بغاوت : ۱۸ دسمبر ۱۹۰۵ء - روسی سلطنت کے ہر صوبہ میں غدر و فساد تو ہو رہی رہا تھا اب
 فوج بحری و زمینی نے بھی بغاوت شروع کر دی ہے۔ چنانچہ اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ روسی فوج ہار بن گئی ہے غدر
 کر دیا اور شہر ہندکو کو لوٹ ڈھلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ بد القابلی نکولس دوم شہنشاہ روس کی ہے۔

آبادی جرمنی : ۲۲ مارچ ۱۹۰۶ء سلطنت جرمنی کی آبادی مردم شماری کے لحاظ سے ۶ کروڑ ۶ لاکھ ۵۸۳ ہے۔

اسپین : ۵ جون ۱۹۰۶ء - ۳۱ مئی ۱۹۰۶ء کو شاہ انخالو اسپین کی شاہنزدی 'اینا' (انگلستان سے شادی
 ہوئی جب جلوس گرجا گھر سے ایوان خاص کو چلا تو کسی بد معاش نے ایک گولہ چمک دار نو لادکا بھینکا جو شاہ کے
 گھوڑوں کے نیچے گر کر پھٹا۔ گاڑی شاہی کے پیوں کو سخت نقصان پہنچا۔ گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ تین افراد
 سات سپاہی اور پانچ تماشائی ہلاک ہوئے اور ایک سو آدمی سخت مجروح ہوئے۔ تحقیقات ہو رہی
 ہے۔ شاہ اور ان کی بیگم محفوظ رہیں۔

شہد کی مکہ میوں کے چھتے : ۶ نومبر ۱۹۰۶ء - اسپین میں شہد کی مکہ میوں کے چھتے سولہ لاکھ تو تھے

ہزار تھیں۔ ان میں سے ۱۹ ہزار ملین شہد نکلتے تھے۔ لازماً دودھ اخبار مورخہ امروزہ)

امیر کا بل : ۶ جنوری ۱۹۰۷ء - امیر حبیب اللہ خاں والی کابل بعزم سیاحت ہندوستان ۲ جنوری ۱۹۰۷ء
 'ان کی کوتاہی' سرحد ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ان کے ہمراہ گیارہ سو آدمی سوار و پیدل ہیں۔ سیر کی بہت غلطیوں کا
 ہو رہی ہے اور جب ۲۵ جنوری سن الیکو داخل پشاور ہوئے تو ان کے قدموں کے پاس اکیس ہزار کی تیلیاں
 منجانب گورنمنٹ بطور نذرانہ رکھی گئیں۔ امیر نے قبول کیا۔

وفات مشاہیر ایران : ۱۱ جنوری ۱۹۰۷ء - ۸ جنوری ۱۹۰۷ء کو دقت ایچے رات کو مظفر الدین شاہ بادشاہ ایران نے قضا کی

امیر کابل؛ ۱۳ جنوری ۱۹۰۷ء۔ امیر حبیب اللہ خاں والی کابل اب بادشاہ قرار دیے گئے ہیں اور شاہ شہنشاہ نے ان کو خطاب بہر مجسٹری اعطا کیا ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور اسی مضمون کا انھوں نے تاریخی ہتھیار 'لندی کوتل' دیا تھا جس میں لقب بہر مجسٹری درج تھا۔ امیر کابل قبل تشریف آوری اگرہ کے اول ۸ جنوری کو بمقام 'سرہند' علاقہ پشاکہ کو اس غرض سے تشریف لے گئے کہ حضرت امام ربانی یعنی مجدد الف ثانی کے مزار پر فاتحہ پڑھیں جو مقام 'سرہند' سے دو میل فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ ایک کابلی بزرگ ہیں جو شہنشاہ ابراہیم کے عہد سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اولاً ان کی شہنشاہ نے بہت قدر و منزلت کی لیکن وہ مذہب شاہ پر معترض ہوئے تو ان کی وقعت فی الجملہ گھٹ گئی۔ بعد انتقال شہنشاہ ابراہیم شاہ کا زمانہ آیا تو اراکین سلطنت کی تسکین توں پر یہ صاحب قلعہ گوالیار میں چند سال کے واسطے قید کر دیے گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب سلطنت میں کچھ بے قراری پیدا ہو گئی تو جہانگیر نے نہایت اعزاز کے ساتھ حضرت کو قید سے رہائی دے کر اپنے پاس بلالیا اور خود بھی مرید ہو گئے اور تقریباً تیرہ ہزار آدمی اراکین سلطنت میں سے جو مخالف تھے وہ سب کے سب پر صاحب کے مرید ہو گئے اور ہر ایک حکم ان کا بطیب خاطر بجالایا گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اسی زمانہ میں پیشین گوئی کی تھی کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب دترانی قوم کے افغان تخت کابل پر مسلط ہوں گے۔ چونکہ امیر حبیب اللہ خاں دترانی نسل سے ہیں لہذا جب وہ ہندوستان کو تشریف لائے تو انھوں نے حضرت صاحب کے مزار پر جا کر نہایت عقیدت کے ساتھ فاتحہ خوانی فرمائی۔

۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں امیر کابل جو ہندوستان تشریف لائے ہیں منجانب برٹش گورنمنٹ ان کی بہت بڑی خاطر داری اور اعزاز ہو رہا ہے جیسا کہ کسی اور نے کسی ہادران کے مابین کا نہیں کیا۔ بمقام اگرہ لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ اگرہ و ادودھ و لارڈ منٹو گورنر جنرل وائسے ہند نے بڑی بڑی دعوتیں کیں جس سے امیر بہت خوش ہوئے اور ایک بوڑھا کارڈ کی قیمتی تین ہزار ان کی نذر کی گئی اور لارڈ منٹو نے امیر کو معزز تمغہ پہنایا۔

۱۹ جنوری ۱۹۰۷ء۔ امیر حبیب اللہ خاں کا یادگار حکم: چونکہ نمازیہ الامامی امیر صاحب جال مسجد دہلی میں پڑھیں گے لہذا دہلی کے مسلمانوں نے چاہا کہ ایک سوگاتیں قربانی کریں۔ جب امیر صاحب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھوں نے حکم دیا کہ ہم ہندوستان کو بنا برسر و تفریح آئے ہیں نہ کسی فریق کے دل دکھانے کے لیے نہ غیبت جس سے اہل اسلام و اہل ہندو کے اکثر بھگتے ہوتے ہیں ناپسند کرتے ہیں اور بجائے اس کے اگر مسلمان بکرے

ذبح کریں گے تو باعث ہمارے خوشی کا ہوگا۔ چنانچہ اب یہی ہونے والا ہے۔ اہل ہندو اس بات سے بہت خوش ہوئے اور جابجا کو میٹیاں کر کے اظہار خوشی کے تار امیر صاحب کی خدمت میں بھیج رہے ہیں۔

۲۲ جنوری ۱۹۰۷ء، ۱۶ جنوری کو امیر حبیب اللہ خاں امیر کابل علی گڑھ میں تشریف لائے اور علی گڑھ کو غور و خوض کے ساتھ دیکھ کر نسبت تعلیم مذہبی کے واقفیت حاصل کی اور خوش ہوئے اور مبلغ بیس ہزار روپے بنا برعانت کا لچ مرحمت فرمائے اور چھ ہزار روپے سالانہ دیئے کا وعدہ کیا۔

۲۹ جنوری ۱۹۰۷ء، ۲۵ جنوری کو امیر حبیب اللہ خاں نے نماز عبدالاضعی مسجد عید گاہ دہلی میں پڑھی اور نماز جمعہ جامع مسجد میں ۵۰ ہزار آدمی شریک نماز تھے۔

شاہ ایران: ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء، شاہ مظفر الدین متوفی ایران کے بجائے محمد علی مرزا تخت نشین ہوئے۔
امیر کابل: ۱۹ مارچ ۱۹۰۷ء، امیر حبیب اللہ خاں امیر کابل کے ہندوستان میں تشریف لانے سے نفرتا کے متعصب فرقہ بہت ناراض ہوئے ہیں اور جن خاص امور پر اعتراض ہے وہ یہ ہیں کہ امیر نے انگریزی انڈل کے ساتھ کھانا کھایا۔ ان سے بہت اظہار دوستی کا کیا۔ یورپین لباس اختیار کیا اور بہت انگریزی چیزیں مول لیں۔ ایک پل کا تمام سامان خرید کیا۔ لکھتہ میں امیر فراموش ہو گئے۔ جلال آباد کے قریب فیلع لاغان میں ملاؤں کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا اور اشتعال طبع دلانے والی تقریریں کی گئیں اور یہ الزام لگایا گیا کہ امیر نے فراموش ہو کر اپنا نسب بدل دیا۔ بعض غالی ملاؤں نے یہ بھی کہا کہ اب وہ ہم پر قابل حکمرانی نہیں۔ اس جلسہ کو سردار غایت اللہ خاں خلع اکبر امیر حبیب اللہ خاں نے منتشر کر دیا۔

شاہ ایران: ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء، محمد علی شاہ بادشاہ ایران مظفر الدین شاہ مرحوم کے خلع اکبر کیا جن کی عمر ۳۴ سال ہے۔ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی شادی ملک جہاں خانواری وزیر جنگ کی بیٹی سے ہوئی۔
شاہ برٹکال: ۷ فروری ۱۹۰۷ء، آج کے روزاودھا خبا سے معلوم ہوا کہ شاہ کارنور پرنسز اور ان کے بیٹے ولی عہد اور ملکہ پرنسز کا ٹری پرسرا جالے تھے اور ان کا چھوٹا بیٹا ہینول کا ٹری پرسرا تھا تو ان شخصوں کا ٹری پرسرا چھوڑ کر لوٹا۔
 طبعی شاہ داودی اہل گورگو کیوں مارٹ الامرف ملکہ اور ان کا چھوٹا بیٹا محفوظ رہا۔ قاتل گرفتار ہو کر قتل کیے گئے۔

وزیر اعظم انگلستان: ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء، ۸ اپریل ۱۹۰۸ء کو مسٹر کیمبل بیرن نے بوجہ علالت خود عہدہ وزیر اعظم لندن میں استعفا داخل کر دیا اور جج ان کے مسٹر اسکویٹھ وزیر اعظم مقرر ہوئے۔
افغانستان: ۶ جون ۱۹۰۸ء میں ہندوؤں کو گورنمنٹ کی فوج نے گوشمالی واجب دی جس سے

انھوں نے اٹا قبول کی اور جرنالھی ادا کیا۔ نزل لاکس فوج کے اعلان فوج تھے جن کی ہڈا سنے فوج لڑی اور بہت بڑی کامیابی ہوئی۔
سلطان دروم: ۲۶ اگست ۱۹۰۸ء سلطان عبدالحمید خاں نے قسطنطنیہ میں اپنی گورنمنٹ قائم کی
 اگرچہ بعض وزراء اس کے خلاف تھے لیکن سلطان نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور ان کو موقوف کر کے جدید
 وزراء مقرر کیے لیکن عموماً سلطان کی مکمل رعایا نے اظہار خوشی کا کیا اور یوروپین بادشاہ بھی
 پارلیمنٹ قائم ہونے سے بظاہر رضامند و خوش ہیں۔

عرب میں ریل: یکم ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج کی تاریخ سے مقام دمشق تا مدینہ منورہ ریل جاری ہو گئی۔ اب
 حجاج کو وہاں جانے میں بہت آسانی ہو گئی۔ اور اس ریل کے جاری ہونے سے عموماً مکمل باشندگان ہندوستان
 وغیرہ جہاں مسلمان رہتے ہیں بڑی خوشی اور جشن منائے گئے۔

ایران میں غصہ: ۲۰ ستمبر ۱۹۰۸ء۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت ایران میں غدر ہو رہا
 ہے۔ بادشاہ ایران آئینی حکومت کو پسند نہیں کرتے اور رعایا اسی کی خواہش نگاہ ہے۔ لہذا رعایا اور بادشاہ میں بہت
 جبریز سخت لڑائی ہوئی اور برادر خون ریزی ہو رہی ہے۔ دیکھا جاسیے کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔
ترکی میں آئینی حکومت: ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء کو
 ترکی میں آئینی حکومت قائم ہوئی اور پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا اور باقاعدہ گورنمنٹ قرار دی گئی۔
وفات شاہ چین: ۴ نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۱۳ نومبر کو شاہ شاہ
 چین نے اور ۱۵ نومبر کو بیوہ شاہنشاہ چین نے انتقال کیا۔

۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۸ء کو پونے دو سالہ فرزند پرنس
 جین شاہنشاہ پرنس جن ریجنٹ سلطنت چین مشہر ہوئے کیونکہ شاہنشاہ اور بیوہ شاہنشاہ بیگم نے ۱۳ نومبر
 سن الیہ کو انتقال کیا تین ہزار برس پہلے جو رسوم و اعمال کیے جاتے تھے وہی شاہنشاہ اور بیگم شاہنشاہ کے وقت عمل کیے۔
ترکی: ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء۔ سلطان ترکی نے ۱۷ دسمبر ۱۹۰۸ء کو پارلیمنٹ کا افتتاح کیا اور ترکی
 انتظام کے آغاز سے اپنی مسرت ظاہر کی۔

انگلستان میں جوف بادی: ۳ جنوری ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ برطانیہ
 غلغلی میں طوفان برف کا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ۱۹ ڈیسمبر تک بسترہ ہیں۔

ترکی: یکم مئی ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو عبدالحمید خاں سلطان دروم

حسب فتویٰ شریع الاسلام تخت سے اتار دیے گئے کہ انھوں نے حکام شرع شریف کے خلاف کیا اور بے گناہوں کا خون بہایا اور رشید آفندی الہی کے چھوٹے بھائی کو جن کی عمر ۶۵ سال کی ہے باغب محمد پتخت نشین کیا سلطان عبدالحمید کی عمر ۶۸ سال کی ہے۔ انھوں نے ۳۳ برس حکومت کی۔ ان کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ بھی قائم ہو اور سراجی اختیار ہے۔ اس وجہ سے بڑا کشت و خون ہوا۔ سلطان عبدالحمید خاں من گیارہ بگمات و دو چھوٹے بیٹوں کے سونیکا کو منتقل ہوئے اور جب حالت جلاوطنی دیں سکونت گزین ہوں گے۔ ۲۹ اپریل کو سونیکا بھیجے گئے۔

یکم جون ۱۹۰۹ء - ۲۰ جون ۱۹۰۹ء سلطان عبدالحمید کی ذاتی دولت پانچ کروڑ پونڈ ہے جو معمر فیصل میں آوے گی اور معمارت سلطنت میں صرف ہوگی۔

ایران: ۲۱ جولائی ۱۹۰۹ء - ۱۷ جولائی ۱۹۰۹ء کو شاہزادہ ولی محمد سلطان احمد نیرافزادہ دربار شاہ ایران شہنشاہ نے اور قزاقستان کے قوت جس کے سرگروہ اسٹالین ہیں محمد علی شاہ ایران نے روسی سفارت خانہ میں پناہ لی۔

ترکی: ۲۹ جولائی ۱۹۰۹ء - سلطنت قسطنطنیہ کی پارلیمنٹ نے خود ہزار تین سو پچھتر روپیہ مشاہرہ سلطان معزول عبدالحمید خاں کا مقرر کیا۔

باورچی خانہ شاہ روس: ۱۹ اگست ۱۹۰۹ء شاہنشاہ روس کے باورچی خانہ میں ۳۰ عدد تقری کرٹاھیاں ہیں جن کی ہر ایک کی قیمت ۳۰ پونڈ ہے۔ شاہنشاہ روس کا میر سامان ایک فرانسیسی شخص ہے جس کے ساتھ مثل ایک شریف آدمی کے رہتا دیکھا جاتا ہے۔ اس کو تلوار باندھنے کا اختیار ہے۔ اس کی تنخواہ چھ ہزار چار سو پونڈ سالانہ ہے۔ اس کی ماتحتی میں چھ اور آدمی کام کرتے ہیں جن کی تنخواہیں تین ہزار پونڈ سے بارہ ہزار پونڈ سالانہ تک ہے۔

شاہ ایران: ۲۳ نومبر ۱۹۰۹ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ محمد علی شاہ معزول بادشاہ ایران ۶ ستمبر ۱۹۰۹ء کو خوارج البلد ہوئے۔

وفات ایلی وردیچ ہفتہ: ۸ مئی ۱۹۱۰ء آج کے پانیر سے واضح ہوا کہ ایلی وردیچ ہفتہ بادشاہ انگلستان اور ہمارے شہنشاہ معظم نے ۶ مئی ۱۹۱۰ء کا دن گوار کے رات کو گیارہ بج کے ۳۵ منٹ پر لبارفہ انفوئمر انتقال کیا۔

۶۰ سال تھی۔ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں خط و زلزلہ طاعون اور فہرسم کی پریشانیاں زیادہ لاحق تھیں۔

مصارف تنذیعت منشاہان: ۹ اگست ۱۹۱۰ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ شہنشاہ ایلی وردیچ ہفتہ وغیرہ کی لاش دفن کرنے میں حسب ذیل خرچ ہوا۔

شہنشاہ ایلی وردیچ ۳۰ ہزار پونڈ، ملکہ وکٹوریہ ۲۵ ہزار پونڈ، قیصر جرمنی ولیم ۵۶ ہزار پونڈ منجانب

اہل جرمنی و گورنمنٹ جرمنی کی جانب سے ایک لاکھ آسمانی ہزار پونڈ، ڈیولکٹ ونگٹن۔ ایک لاکھ پونڈ، فیلڈس کی لاش اٹھانے میں ۵۵ ہزار پونڈ۔
آبادی فیو بیارک: ۱ ستمبر ۱۹۱۰ء۔ حال میں جو مردم شماری نیویارک میں ہوئی اس کی تعداد ۴۵ لاکھ ۲۶ ہزار
آٹھ سو تیرا سی ہے۔ دس برس میں ۱۳ لاکھ ۲۹ ہزار ۲۹۱ آدمیوں کا اضافہ ہوا۔

جاپان میں مطلوبان: ۱ ستمبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ٹوکیو اور اس کے گرد و نواح میں
جو فی الحال سیلاب آیا تھا اس کے نقصانات جان و مال کا اندازہ حسب ذیل ہے۔
۱۔ ایک ہزار ایک سو آدمی معقولہ انجام میں ۲۔ ایک لاکھ آکیا دن ہزار چھ سو پینتیس مکان سیلاب میں ڈوب
گئے ۳۔ پینتیس ہزار نو سو سٹھ مکان بہہ گئے ۴۔ چار سو نانوے پل دریاؤں کے کچھ سمار ہوئے اور چار سو
اٹھارہ پل بہہ گئے ۵۔ ایک سو پندرہ مکانات کی زمین شق ہو گئی۔

ایران: ۲۲ ستمبر ۱۹۱۰ء۔ سلطان احمد نرا خلف محمد علی شاہ ایران نے وفات پائی۔
چیننگال: ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ پرتگال میں جمہوری سلطنت قائم ہو گئی اور شاہ... انفا سو جہاز پر
سوار ہو کر لندن وغیرہ کی طرف جان بچانے کو چلے گئے۔

تاج کی قیمت: ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ شاہ پرتگال کے تاج کی قیمت
۳ کروڑ روپیہ کہی جاتی ہے اور شہنشاہ روس کے تاج کی قیمت ۲ کروڑ روپیہ ہے۔ شہنشاہ جارج پنجم کے تاج
میں چھوٹے بڑے ۱۳۶۰ سفید ہیرے ہیں اور ۳۷۷ رنگین الماس جڑے ہوئے ہیں۔ چار بڑے موتی ایک محل
اور ایک بڑا نیلم لگا ہوا ہے۔ ۱۶ چھوٹے نیلم ۳۶۵ چھوٹے موتی ۱۸ بڑے مروارید اور چار پتے بھی اس میں لگے ہیں۔
... کے تاج کی قیمت کا اندازہ ۲ کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے جن میں کوہ نور کی قیمت کا حساب نہیں لگایا گیا ہے۔

دلی عہد جرمینی: یکم جنوری ۱۹۱۱ء۔ آج کل دلی عہد جرمینی ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیاحت
فرما رہے ہیں اور ہماری گورنمنٹ انکا قہر کم اعزاز و دعوت و تواضع فرما رہی ہے کہ وہ وکٹوریہ تہائی کے نواسے ہیں۔

آبادی جرمنی: ۲۷ فروری ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں مردم شماری
ملک جرمنی کی ہوئی تھی اس کی تعداد چھ کروڑ اڑتالیس لاکھ چھیانوے ہزار ہے۔ ۱۹۰۵ء میں مردم شماری ملک
نڈر کور کی چھ کروڑ اکتالیس لاکھ تھی۔ اس چار پانچ سال کے عرصہ میں بیالیس لاکھ پچھپن ہزار کی زیادتی ہوئی۔

باب چہارم

مُتَعَامِلِ حَالَاتِ لَکھنؤ ہر دَوئی و غیرہ کے



ربانی ہیضہ: ۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء۔ آج ریڈ صاحب ڈپٹی کمشنر پروٹی وارد سندیلہ چمے اور انھوں نے
حاکم قطعی صادر کیا کہ ایک ٹکڑا آدمی دوسرے محلہ میں نہ جاوے بلکہ جا بجا راستوں میں پہرے تنگلوں کے مقرر کر دیے اور
کیفیت یہ ہے کہ چھپتا آدمی روز بروز مرتے ہیں۔ مگر بڑی ڈاکٹر پروٹی سے آیا وہ ہر ملخص کو دیکھنے جاتا ہے اور علاج کرتا ہے۔
۳۰ جولائی ۱۸۶۷ء۔ خلافت سندیلہ شدت وباسے از حد پریشان ہے بعض لوگ بیرونجات کو چلے گئے

تقریباً ۲۵ آدمی روز ہیضہ سے مرتے ہیں۔

۲۰ اگست ۱۸۶۷ء۔ سندیلہ سے اب ہیضہ بالکل دفع ہو گیا اور لغایت ۱۰ اگست قریب چھ سو آدمیوں کو
باشندگان سندیلہ سے نذر ہیضہ ہوئے اکثر ان میں قابل یادگار ہیں۔ بالوجوالا پڑشاد صاحب ہیڈ ماسٹر بسواں، کی
تحریر سے معلوم ہوا کہ تعصب خیر آباد میں اس مرتبہ ہیضہ سے ایک ہزار آدمی فوت ہوئے۔

۲۷ اگست ۱۸۶۷ء۔ آج جناب قاضی وجہ الدین صاحب نے اعلان کیا کہ عنقریب بلانے آسانی
ہیضہ سے سخت تر آنے والی ہے سب لوگوں کو چاہیے کہ استغفار و توبہ کریں اور خیراد یوں۔ (یہ بلانہیں آئی۔ ہاشمی)
دھس: ۲۳ مئی ۱۸۶۸ء۔ آج شب کو احاطہ قلعی میاں میں منشی فضل رسول صاحب نے ناچ رہا کہ

کرایا۔ یہ کہ کھنوسے آیا تھا۔ اخیر شب کے جوگن نے بہت لطف دیا۔ مجھ کو کیر تھا۔ ایسا ناچ پہلی مرتبہ میرے ہوش میں ہوا۔
۲۵ مئی ۱۸۶۸ء۔ اس بات سے مجھے سخت ملال ہوا کہ والد کے سیم کے روز منشی فضل رسول صاحب کے یہاں ناچ
کرایا گیا۔ اگرچہ اس محلہ میں تین دن کا زیادہ مان داں نہیں ہے لیکن قرابت قریبہ مرکز مقتضی ایسے جلسہ کی نہ تھی۔

مروج شماری: ۳ اکتوبر ۱۸۶۸ء۔ تمام ہندوستان میں مردم شماری ہونے والی ہے۔ سندیلہ
کے ایک محلہ کا آدم مردم شماری محمد کرم خاں تحصیلدار نے مجھے تفویض کیا۔

۱۱ اکتوبر ۱۸۶۸ء۔ آج نیرافندہ شماری تعصب سندیلہ میں دینا شروع ہو گیا کٹر رئیس سندیلہ اس کا کو انجا دے رہے ہیں۔
دھس: ۱۹ دسمبر ۱۸۶۸ء۔ آج شادی میرا الحسن زندہ ٹوٹی محمد حسن منڈلی کی تھی جس میں دس لکھنؤ دیو

جٹا ہر طوائف سندیل سے ناپ و غیر میں مقابلہ ہوا۔ اس سندیل کو ترجیح رہی۔

عملیات : ۱۹ اگست ۱۸۶۹ء - آج ہری ہر شاہ فقیر الزماں نے سندیل سے حامد حسین کو طلب کیا اور شاہ اندراشن کی قبر کے سامنے انھیں کھڑا کیا۔ کھڑے ہونے کے ساتھ ہی حامد حسین نے غل شور مچا کر حسن علی شاہ گوپامو کا ہوں حامد حسین کے بالوں پر عاشق ہو کر سرہ دھن سے اٹھ کے ساتھ رہتا ہوں لیکن اب چھوڑتا ہوں گرز نہ آؤں گا۔ غرض کہ ہری ہر شاہ نے حامد حسین کے چہرہ پر کچھ کچھ ٹھنک ڈالی اور حسن علی شاہ چلے گئے اور حامد حسین صحیح و سالم ہو گئے یہ کیفیت میری چشم دید ہے۔ معلوم نہیں کہ کیا اسرار تھا۔

شکسٹ : ۲۲ فروری ۱۸۷۰ء - آج سید فضل حسین (ابن سید فضل رسول) لکھنؤ سے آئے ان سے دریافت ہوا کہ شامزادہ ایڈنر واسطے نکاح کے جنگل نپال کو تشریف لائے۔

وفات علی نقی خاں : ۳۰ نومبر ۱۸۷۰ء - نواب علی نقی خاں سابق وزیر اعظم لکھنؤ نے بجارند سید نور محمد ^{الرد} لکھنؤ کے مکان پر قضا کی اور لاش الی کی کر بلا بھیجی گئی۔

سندیلہ میں ریل : ۱۵ جنوری ۱۸۷۲ء - اب انجن ریل میں گاڑیوں محمولہ کا رخانہ سرٹک ریل کا برابر آمد و شد کھاتے اور کام تعمیر اسٹیشن سندیلہ بجلت ہو رہا ہے جن غائب کا کہ ماہ آئندہ سے ریل سندیلہ لکھنؤ تک جاری ہو جائے۔ ۲۵ جنوری ۱۸۷۲ء - اب ریل گاڑی مسیت (سندیلہ اور ہردوئی کے درمیان ایک اسٹیشن ہاشمی) تک جاتی ہے آج تقریباً بر خوردار مصطفیٰ علی ہارہ جان علی خدنگار مسیت تک گئے اور شام کو واپس آئے۔ ۲۹ جنوری ۱۸۷۲ء - آج بابو اشرف اسٹیشن ماٹر سندیلہ مقرر ہو کر آئے۔ ستر روپے تنخواہ مقرر ہوئی اور اشتہار دیا کہ یکم فروری سے سندیلہ لکھنؤ تک ریل جاری ہوگی اور پانچ آنہ کرایہ دینا چلے گا۔ ٹھیکہ تعمیر اسٹیشن سندیلہ متعلق حسن علی قصاب کا بیور کے ہے۔

یکم فروری ۱۸۷۲ء - آج سات بجے صبح سواریاں بندر یلکھنؤ روانہ ہوئیں۔ دوسری ریل لکھنؤ سے چار بجے آوے گی۔ پانچ آنہ فی کس کرایہ ہے۔

۲ فروری ۱۸۷۲ء - آج فیض الزماں صاحب دہری بشیر الزماں تقریباً سواری ریل لکھنؤ گئے۔

۴ فروری ۱۸۷۲ء - آج منشی امتیاز الزماں تولیش چودھری سرفراز احمد لعلہ دار (سبحہ) (صلی بارہ منگی) سے اپنے چھوٹے بھائی محمد مالک تقریباً سواری ریل سندیلہ کو آئے اور دس روپے بر خوردار مصطفیٰ علی کو بطور شہر بنی دیے۔

۱۵ جولائی ۱۸۷۲ء - آج سندیلہ سے ہردوئی تک ریل جاری ہوئی۔ پانچ آنہ فی کس بانی محصول مقرر ہوا۔

داریل پر بر خوردار مصطفیٰ علی میرے پاس چونسہ آئے۔

ایک لڑکا: ۱۶ اگست ۱۸۷۲ء۔ شیوچرن عرف بٹن فرزند کلوتا بابو دھن پال ڈاکٹر شفا خانہ نہریہ راج
یضدوبائی میں مبتلا ہوا اور اسے بچے وفات پائی۔ یہ لڑکا نیک بخت تھا۔ عربی، فارسی، انگریزی میں اچھی لیاقت
رکھتی تھی۔ سب لوگوں کو اسکے انتقال کا افسوس ہوا۔ ڈاکٹر دھن پال نے اس کی قبر اپنے بلند منصوبہ میں بختہ بنوائی۔

اولاد میر قاسم علی: ۲ اکتوبر ۱۸۷۲ء۔ آج میر قاسم علی سود گئے بجا رنڈیر ان سالی انتقال کیا۔ حرم
لاد کی طرف سے خوش نصیب تھے اور جب ان کے اولاد ہوئی تو دودھ لڑکے ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ کبھی لڑکا
کی اور کبھی دونوں لڑکے۔ ایسا آدمی نگاہ سے کم گزر رہا ہے۔ اخیر عمر میں منشی فضل رسول صاحب کے وہاں چارہ بچہ
ہواری کے نوکر تھے۔ حساب کھنڈسار روہیات کا لکھا کرتے تھے۔

ایک بنگالی: ۱۲ دسمبر ۱۸۷۲ء۔ آج بفرورت کامریل کانپور گیا۔ بابو کیش جند رکھ جی سے ملا تھا۔ ہوتی
ن کا قیام کانپور میں رہتا ہے۔ آدمی طویل قامت و فرید اندام خلیق ہیں اور تنخواہ ۱۵۰ روپے ملتے ہیں۔
یہ ساموٹا تازہ آدمی بنگال میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔

عمرس محمد علی شاہ: ۲۴ جنوری ۱۸۷۳ء۔ آج شب کو عمرس محمد علی شاہ کا حسین آباد (کھنڈی) میں
تھاکرم خاں ملازم حسین آباد کی تحریک سے میں بھی شریک ہوا اور پچھا ملک حسین آباد پر بیٹھ کر خوب تماشا دیکھا۔
لیفیت روشنی و آتش بازی نہایت درجہ قابل تعریف ہے۔ میں نے جو سامان اس امام باڑہ میں آرائشی دیکھا
اس کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ واقعی محمد علی شاہ نہایت عقیل و تجربہ کار و انجام میں بادشاہ تھے
ان کی یادگار کسی حالت میں مٹ نہیں سکتی۔

شطرنج: ۱۶ جنوری ۱۸۷۳ء۔ آج بابو گھرناتھ سے دوبازی شطرنج کی میں نے جیتیں۔ آٹھ سال
کے بعد آج شطرنج کھیلنے کا اتفاق ہوا۔ باوصف کامیابی میں اپنے نفس پر لعنت کرتا تھا کہ کیوں میں تنگ
ایسے فعل لہو و لعب کا ہوا جو میرے خلاف عادت تھا۔

کینڈی صاحب: یکم فروری ۱۸۷۳ء۔ کینڈی صاحب نے چار عدد کتب اردو جو میں نے واسطے

لے ہوئے: تحصیل سند میں ایک بڑا ٹوہ جو ریوے اسٹیشن سمیت اسٹیشن پر دئی گئی ہے تین میل پر واقع ہے اور وہی محل علی صاحب
کے خاوند کی یہ فضل رسول صاحب کی ملکیت میں تھا۔ مولوی صاحب اس زمانے میں سمیت میں بعد فراہمی ریوے تعینات تھے لیکن
رات کو چونسہ میں ہاکر بچے تھے۔ اسی گاؤں کے نام سے آم کی مشہور قسم جو نندہ مشہور ہے۔ مجھے منشی فضل رسول صاحب نے بطور تحفہ
لایا تھا۔ ہاشمی۔ ۲۔ آتش بازی اور روشنی ہر سال عرم میں اب بھی ہوتی ہے لیکن اسے عرس نہیں کہا جاتا۔ مولوی صاحب کو غلط فہمی
ہوتی۔ محمد علی شاہ نہیں محمد علی بادشاہ اودھ تھے۔ ہاشمی

پڑھنے کے دی تھیں بذریعہ جیٹی مجھ کو دلپسائیں۔ لکھا کہ مجھ کو کمال افسوس ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے کا مجھے موقع نہیں ملا اور بہت شکر گزاری ادا کی۔ سچ یہ ہے کہ کینڈی صاحب کو مجھ سے الفت زیادہ تھی۔ کبھی میری ملاقات کا مستفسر نہیں ہوا تھا۔ مجھے ہر نوع کی آزادی حاصل تھی اور میرے ساتھ ایسی خوش اخلاقی سے پیش آتا تھا کہ وہ انگریز سے ایسی امید نہیں ہو سکتی۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ ایسے حاکم مہربان سے علیحدہ ہونا ہوں۔

ریل شاہ جھاں پور تک: یکم مارچ ۱۸۷۳ء۔ آج کھنڈے شاہ جھاں پور تک ریل جاری ہو گئی ہے۔ منشی انیس مال صاحب واسطے سیر شاہ جھاں پور کی آج دو بجے کی ریل پر تشریف لے گئے۔
تعزینے: ۹ مارچ ۱۸۷۳ء (مجموعہ ۱۲۹۰ء)۔ آج... کچھ تعزیر دیکھ کر سو رہا۔ تنکرو ملازم قاضی وجیہ الدین سے دریافت ہوا کہ اب کے سال ۵۷۳ تعزیرے قلعہ ہذا میں رکھے گئے۔

ملازمت ریل: ۱۳ اپریل ۱۸۷۳ء۔ اس مرتبہ جب ریل میں ملازم ہوا ہوں مجھے بالرقہ کی دوا دوش رہتی ہے مگر سواری ریل کی اور بالرقہ نئے نئے لوگوں ملنا قہر ہونے کا موقع نہ ملتا تو شاید نوکری مجھ سے نہ چل سکتی۔
گنگا کا پل: ۱۱ اپریل ۱۸۷۳ء۔ آج میں کانپور گیا اور گھاٹ دیریا لنگسہ قایا کیا۔ کام تیاری کا لگنا کا بہت مستعدی سے ہو رہا ہے۔ نیوٹن صاحب انجینیر اس کے مہتمم ہیں۔ بہت سی کوٹھیاں گل چکی ہیں اور متصل جرنیل گنج تعمیر اسٹیشن کی تیاری ہو رہی ہے۔

شاہ تقی علی کا کوروی: ۱۷ جون ۱۸۷۳ء۔ میں آج شب کو شریک لرس شاہ تراب علی صاحب کا کوروی ہوا۔ منڈولی سے دو کوس کا فاصلہ تکیہ کا کوروی کا ہے۔ میں نے دو روپے شاہ تقی علی صاحب مولوی محمد اکبر صاحب کو نذر دیے اور بارہ بجے رات کو منڈولی واپس آیا۔ شاہ تقی علی صاحب غلیق و مہذب ذی علم اور تراہ میں اور اشغال شاہ روزی نہایت عمدہ ہیں۔ الیا بزرگ فی الحال اس نواح میں نہیں ہے۔
باون سبھا: ۲۳ اگست ۱۸۷۳ء۔ آج منڈولی میں جلسہ بابو لوگوں نے قرار دیا ننگ اقل میں سو رہا۔ داس ناہینا ساکن لکھنؤ نے بہت خوب چکارہ بچایا۔ اس کے بعد نارج باطن بھجا کا ہو جس سے نام شب جگنے کا اتفاق ہوا۔ جلسہ مونا اچھا تھا دو روپہ چندہ کے میں نے بھی دیے

وفات شاہ تقی علی کا کوروی: ۱۳ ستمبر ۱۸۷۳ء۔ پرسوں شاہ تقی علی صاحب بزرگ کا کوروی نے ایک بچہ دن کو رحلت فرمائی۔ یہ بہت بزرگ شخص تھے۔ اس نواح میں ان کے مانند دوسرا نہیں تھا۔ ذی علم خوش بیان حالت فاندانی سے واقفیت تام رکھتے تھے۔ بہت بڑے بڑے لوگ کا کوروی لکھنؤ منڈول

کے آنے مرید تھے۔ ذہن و اخلاق سے لوگوں کو اپنی جانب جذب کر لیتے تھے۔ سنی شریعت پر اتنی سال کے ہو چکا۔
سراجہ فتح چند : ۳۰ اکتوبر ۱۸۷۲ء۔ آج راجہ فتح چند صاحب تعلقہ دار سرولن پٹا گاؤں ضلع
 ہر دوی نے بھروسہ سال انتقال کیا۔ راجہ صاحب طبع منظم تھے۔ مالگزاری سرکار اور تنخواہ ملازمین بوقت و جوب
 ادا کر دیتے تھے۔ لیکن چونکہ مزاج میں خست تھی لہذا عموماً ان کے جاننے والے علی الصباح ان کا نام نہیں لیتے
 تھے۔ خزانہ انھوں نے بہت فراہم کیا تھا تا آخر وقت میں مفلوج و نابینا ہو گئے تھے۔

شب دیگ : ۲۸ دسمبر ۱۸۷۲ء۔ آج منشی فہیم الزماں صاحب نے سرفراز علی رکا ب دھوکھنؤ
 سے شب دیگ تیار کر کے بعض مشاہیر اشرف کو لے کر ہتوانہ کو طلب کر کے دعوت کی۔ واقعی شب دیگ نہایت
 نفیس تیار ہوئی تھی اور یہ امر منشی صاحب کی عالی حوصلگی پر دل ہے کہ بلا کسی خاص وجہ کے ایسا مہن گوارہ
 کر کے ہم لوگوں کو طلب لہذ سے متلذذ فرماتے ہیں۔

اکمل مالہ خاں : ۱۲ فروری ۱۸۷۳ء۔ منشی اکمل اللہ خاں صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ضلع
 ہر دوی بمجھول رخصت و وادہ بہر ہستی میں حصہ نہیں لگایا۔ ارام و از حد آباد کن ہوئے۔ بنایا گیا کچن ہاؤس میں ہرگز نہیں پہنچے
سراجہ گوالیار کی طوائف : ۱۹ مئی ۱۸۷۴ء دریافت ہوا کہ راجہ گوالیار اپنی طوائف چند رہاگا
 کے لینے کے واسطے لکھنؤ آئے تھے جس نے منشی محمد حسین وکیل سے عقد کر لیا ہے۔ رات کے وقت وکیل کے
 مکان پر چڑھ دوڑے۔ وکیل صاحب تو سہاگ گئے تھے مگر چند رہاگا کو گشتاں معقول دی۔

حاجی وارث علی شاہ : ۲۰ جون ۱۸۷۴ء۔ حاجی وارث علی صاحب سے اسٹیشن لکھنؤ پر
 ملاقات ہوئی۔ ان شاہ صاحب کے بہت لوگ مرید ہیں بلکہ مستورات زیادہ ہیں۔ چودھری امتیاز الزماں
 صاحب کو عقیدت کمال ہے اور ہر مرید کو میں زیادہ ارادت مند پاتا ہوں۔

ایک انگریز انجینیئر : ۱۳ اگست ۱۸۷۴ء۔ کینلس صاحب انجینیئر کاکوروی اکثر کانپور بہ جلسے
 نازینیاں رہا کرتے ہیں۔ شاید عنقریب کسی مس کو پسند کر کے شادی کریں گے۔ جس کی وجہ سے اکثر کاغذات
 بلا دستخطی رہتے ہیں اور کوئی کام اجرا نہیں ہوتا۔

ستی : ۷ اپریل ۱۸۷۵ء۔ کل ایک برہمنی مہنہ رسول پور میں اپنی خاوند کی لاش کے ساتھ
 ستی ہو گئی۔ بدیافت اس حال کے اہلکار نو جداری و تحصیلدار سندیلہ موقع پر پہنچے اور بعد تحقیقات تیس
 آدمیوں کو گرفتار کر کے لائے۔

ایک تکیہ کلام: ۱۹ نومبر ۱۸۷۵ء۔ یعقوب خاں سابق کیدان عہد شاہی رئیس مرزا گنج نے تضاکی۔ ان کا عہد شاہی میں بہت دور دورہ تھا۔ میاں کے سر کی قسم، ان کا تکیہ کلام تھا۔ جب اہل محض تھے لیکن آدمی خوش نصیب تھے۔ بعمر ۶۵ سال تضاکی۔

جلوس شاہزادہ ویلس: ۶ جنوری ۱۸۷۶ء۔ آج میں لکھنؤ گیا۔ قیصر باغ میں مقیم ہوا۔ آ کو سواری شاہزادہ ویلس بہادر ولی عہد ملکہ وکٹوریہ معاشرہ کی۔ شاہزادہ صاحب بھی جو اسپر سوار تھے ہزار ہا خلقت تماشائی تھی۔ عمر تحفہ ۳۵ سال ہوگی۔

۷۔ جنوری ۱۸۷۶ء آج شاہزادہ ویلس قیصر باغ میں ۹ بجے رات کو تشریف لائے۔ منجانب تعلقہ داران اور دعوت بارہ درہی قیصر باغ میں ہوئی۔ روشنی و آتش بازی عمدہ تھی۔ ایک تاج مرصع و بکس نقدی وغیرہ قیمتی تین ہزار روپیہ منجانب تعلقہ داران پیش کیا جس کو شاہزادہ صاحب نے منظور قبول فرمایا۔

ہمسماۃ جلیلا: ۲۰ فروری ۱۸۷۶ء۔ میر معصوم علی تھانہ دار سندیلہ نے حسب الحکم رائے شیو سہاے اسٹرا اسٹنٹ کسٹرن ضلع ہردوئی کے مسماۃ علیا زوجہ محمد اجمل سے دربارہ تکلیف دی شوہر فرس کے دریافت کیا۔ مسماۃ عجیب ہوئی کہ میں اصلاً ڈپٹی صاحب کے اجلاس میں مقدمہ متاثرہ کی پردی و جواب دی کروں گی۔ اس حال سے تمام شرفائے سندیلہ کو تاسف ہوا کہ عورت پردہ نشین کو ایسی جرات ہے کہ کس سے بدنامی و ناسوسی متصور ہے۔ خدا غارت کرے۔

۲۷ فروری ۱۸۷۶ء۔ آج کل ہنگی و کوچہ میں تذکرہ مقدمہ مسماۃ علیا النساء محمد اجمل کا ہوتا ہے اور کمال درجہ فصاحتی ہو رہی ہے۔ یہ مقام کمال عبرت کا ہے جس شخص کا باپ عہد صدر اعلیٰ پر بمشاعرہ ۶۰۰ روپیہ ہوا کی پر ممتاز ہو اس کی لولہ کی بمقابلہ اپنے شوہر کے ہوا۔ تائیں رو بکاری کرتی پھرے۔

۶ مارچ ۱۸۷۶ء۔ آج مسماۃ علیا النساء کا مقدمہ ہردوئی میں پیش ہوا۔ بیانات قاضی وجیہ الدین صاحب وقاضی عابد علی دھولوی کریم الزمان تحریر ہوئے۔ حکم تاریخ آئندہ پرسنیا جائے گا۔

۹ مارچ ۱۸۷۶ء۔ مسماۃ علیا النساء کے مقدمہ میں اجلاس رائے شیو سہاے صاحب اسٹرا اسٹنٹ کسٹرن ضلع ہردوئی سے حکم ملکہ لینے پانچ سو روپیہ کا بیہیاد ایک سال محمد اجمل شوہر مدعی سے نافذ ہوا۔ اگر مابین سال کے محمد اجمل پھر اپنی زوجہ کو تکلیف دیں گے تو پانچ سو روپیہ تاوان ان کو دینا پڑے گا۔

ریل گاڑی الموسی: ۲۰ ستمبر ۱۸۷۶ء۔ آج شب کو مجب اتفاق ہوا کہ غفلت رام دین کلیہ دار اسٹیشن

سندیل سے سرک آہنی قینچ مال گاڑی کی کھل رہ گئی اور مسافر گاڑی بیاغت کھلی ہونے قفل قینچ کے اسی سرک آہنی چرس پر مال گاڑی کھڑی تھی چلی آئی اور ایک ضرب شدید مال گاڑی کو دی کہ کل گاڑیاں اس کی اسٹیشن چترہ پر چڑھ آئیں اور چند گاڑیاں پٹری سرک کے نیچے اتر گئیں۔ اس صدمے اکثر مسافر مجروح ہوئے۔ کلید بڑا مفرور ہو گیا۔ صبح کو بمشکل تمام مسافر گاڑی لکھنؤ کی شاہجہاں پور کو روانہ ہوئی۔ دیکھا جابہ کہ اس جرم میں کتنے آدمی سزا یا ب ہوں۔

بہ سلسلہ خطاب ملکہ: ۲۰ جنوری ۱۸۷۷ء۔ آج جناب سرکار بذلت شہنشاہ نے تحصیلدار سندیلہ نے فضائی و کٹل محتاجوں کو تقسیم کیے اور شب کو مدد سرکاری میں طوائفوں کا ناچ ہوا۔ آتش بازی چھوٹی۔ مبلغ پانچ سو روپیہ سلسلہ خطاب ملکہ منظر قیصر ہند تحصیل سندیلہ میں صرف ہوئے۔

ایک نابینا: ۱۸ فروری ۱۸۷۷ء۔ ایک حافظا نابینا ساکن شہر دہلی وارد مکان منشی عبداللین صاحب ہوئے۔ غزل و قصیدہ ساتھ ساتھ سلف کے بہت یاد ہیں اور ان کے گلے میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہے کہ دوسرے شخص کی آواز میں اپنی آواز ملا دیتے ہیں۔

چیچیک: ۲۲ فروری ۱۸۷۷ء۔ سندیلہ میں جبکی چیچک شہ ہے اکثر لوگ اسے عارضی تو ہوا اور ہو جاتے ہیں۔

انجام آشنائی: ۳۰ اپریل ۱۸۷۷ء۔ میر نصرت حسین برادر عبدالملک میرزا بکھورہ، ادرہ مسافہ کشیا خاکر وہن زوجہ کا لکا خاکر وہن سندیلہ سے آشنائی تھی۔ آج میرزا کو رجمانہ کا لکا خاکر وہن کشیا سے ملنفت تھے۔ یہ حالت دیکھ کر خاکر وہن مذکور کو سخت اشتعال طبع ہوا۔ نامبرہ نے تصدق حسین کو بانکھ سے مجروح کیا۔ چند زخم چہرہ پر لگے اور اپنی زوجہ کشیا اور منیا خوشداس کو جو عرم راز اس واقعہ کی تھی چند زخم کاری لگائے۔ مقدمہ زیر تحقیقات پولیس ہے۔

قلت بادش: ۲ اگست ۱۸۷۷ء۔ جس مقام پر طوائفان سنیلہ علم لے کر کر بلا میں مقیم ہوتی تھیں اور دعا باران رحمت کی کرتی تھیں شب کو کسی شخص نے بھینٹ کر بلا میں آگ لگا دی اور چند بھینٹیں جو ایک دوسرے سے پیوستہ تھیں سب سخت ہو گئیں۔ بے چاری طوائفیں بیاغت خوف بحالت سرسنگی بھاگ کر اپنے اپنے گھر آئیں اور امید واری بارش میں یہ سوختگی نصیب ہوئی۔

لے بھیت اس اونچے ٹیلے کو کہ جس میں جہاں پان کی کاشت ہوتی ہے یہ ٹیلے عموماً کسی چھوٹے یا بڑے تالاب کے کنارے منتخب کیے جاتے ہیں۔ کر بلا سندیلہ میں ایک تالاب اس نام سے موسوم ہے جس کے کنارے مشرق و مغرب دونوں کیے جاتے ہیں (راشی)،

۸ اگست ۱۸۷۷ء۔ اگرچہ آج چودہ تاریخ ساون کی ہے لیکن بارش اب تک نہیں ہوئی ہے۔ دہوا گرم چلتی ہے اور رات کو ایسی گرمی ہوتی ہے کہ جس کی برداشت نہیں ہو سکتی ہے۔

۱۱ اگست ۱۸۷۷ء۔ اب تک مطلقاً بارش نہیں ہوئی۔ روز بروز زرخ غلہ کا گراں ہوتا جاتا۔ جو خریف کا نشتکار دینے لگی تھی وہ خشک ہو گئی۔ بظاہر آٹا خشک سالی پیدا ہیں۔ خدا اپنا فضل کرے۔

۱۲ اگست ۱۸۷۷ء۔ آج کل ایسی گرم ہوا دوپہر کو چلتی ہے جیسے مہینہ بیساکھ یا جیٹھ کا ہو۔ فہوا گہن با ستناس کے جو کتوں پر ہے اور سنبھلی گئی ہے بالکل نیست و نابود ہو گئی ہے۔

یکم اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ ہوا گرم دس بجے صبح سے ایسی تیز چلتی ہے کہ باہر مکان کے کھانا سخت ناگوار ہوتا۔ رات کو شل جیت و بیساکھ کے سردی ہوتی ہے۔ اس سے اور کبھی بارش کی نسبت مایوسی ہے۔

عہد فضل میاں: ۲۲ اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ اس مرتبہ حافظ کرم احمد صاحب کے مکان پر عرس جنا فضل میاں مرحوم و مغفور کا بہت بڑے مجمع کے ساتھ ہوا۔ قوالان غیر آباد و لکھنؤ و سندیلہ حاضر جلسہ تھے گانا بھی بہت اچھا ہوا۔ حافظ صاحب شش قدر ندریں پسے مریدوں سے پاتے ہیں سب قواؤں کو دیدہ ہیں اور خرچہ عرس کا اپنی جیب خاص سے کرتے ہیں۔ واقعی ذات حافظ صاحب نہایت منعم ہے۔

قحط: ۱۰ فروری ۱۸۷۸ء۔ افضل یزدانی فصل ربیع بہت خوب ہے اگر کوئی آفت ارضی و سما نازل نہ ہوئی تو فصل کنوار و گہن کی حالت سقیم بخوبی دفع ہو جائے گی لیکن فی الحال لوگ بھوکو کھا مارے جاتے ہیں۔ اگرچہ رئیس قصبہ ہڈانے کچھ روپیہ بطریق چندہ واسطے تقسیم ممتا جوں کے فراہم کیا ہے نوپائی یومیہ ہر ایک کو تقسیم ہوتی ہے اور چودھری خصلت حسین و تحصیلدار صاحب سندیل اس کے مہتمم لیکن یہ مقدار بیاعت گرانہ غلہ ان کے واسطے ہرگز کافی نہیں ہے۔

۱۳ فروری ۱۸۷۸ء۔ بیاعت گرانہ غلہ اعلیٰ و ادنیٰ سب کو پریشانی ہے۔ اکثر آدمی بوجہ فاقہ کشی پہچانے نہیں جاتے۔ بیاعت ہجوم محتاجین مجھے اپنی نشست گاہ میں بیٹھنا دشوار ہے۔

حافظ شوکت علی: ۱۶ فروری ۱۸۷۸ء۔ آج حافظ شوکت علی صاحب میرے مکان پر تشریف لائے اور ایک قطعہ دستاویز بہ نام مورخہ یکم فروری ۱۸۷۸ء بابت موقع لکرائی میرے سامنے واسطے کے پیش کیا میں نے تعمیل حکم کی۔ یہ بیانیہ حافظ صاحب نے اپنی اہل خانہ سماء اما کو بیعتخانے بانات کے تحریر کیا ہے

لے حافظ کرم احمد صاحب کے ایک قدیمی بزرگ جو بڑے عداویدہ تھے (ہاشمی) نے حافظ شوکت علی صاحب سے سندیلہ مولوی مظہر علی استاد درہ چکے تھے۔ (ہاشمی)

سید شریف: ۲۹ اگست ۱۸۷۸ء۔ آج سید شریف بیٹے سید محمد شین درگاہ حضرت معین الدین چشتی قدس سرہ اجیری وارد سندیل ہوئے اور درگاہ مخدوم صاحب میں قیام کیا اور میرے واسطے ایک تسبیح ایک شانہ سندل و قدرے خرماد خاک درگاہ مبارک موفت اپنے خادم کے بھیجی جس کو میں نے ممبرک سمجھ کر لے لیا اور ایک روپیہ ان کی نذر کو دے دیا۔

ٹیلیگرافی: ۱۳ اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ کل سر پہر کو ٹیلیگراف مکتزت پورب سے پچھم کو گئی۔ شب کو جہاں بیکریا گیا غالباً فضل کنوار میست و نابود ہو جائے۔

علاقہ فضل رسول: ۲۳ اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ اگرچہ شی فضل رسول صاحب کا علاقہ کوٹ سے واگزار ہوا ہے لیکن اس کا انتظام کچھا چھا نہیں ہے۔ تو عا مرتب ہوئے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کے خلاف کارروائی ہوتی ہے۔ مخبری کو زیادہ زور قوت ہے۔

ٹیکس: ۱۳ فروری ۱۸۷۹ء۔ آج کل ٹیڈی سید محمد اکبر صاحب بدوئی سے وارد سندیل میں اور تجوڑ ٹیکس اہل فرور پور حلقہ بندی پٹواریوں کی کر رہے ہیں۔ ان کے خوف سے تمام رعایا اندیشہ مالک ہے کہ تجوڑ ٹیکس سخت کرتے ہیں۔

مشکار: ۲۴ فروری ۱۸۷۹ء۔ نواب غنی بہادر داما: برادر خور نواب علی نقی خاں بہادر وزیر اعظم و صاحب علی لکھنؤ و محمد خاں داروغہ تقریب شکار وارد سندیل ہوئے اور میرے مکان پر شب کو قیام کیا اور صبح کو واسطے کھیلنے شکار کے روانہ گھوگیرہ ہوئے جیسے انکے کھلنے پٹنے کا وہاں انتظام کر دیا۔ پانچ چھ آدمی ان کے ہمراہ تھے۔ ۲۳ فروری ۱۸۷۹ء۔ نواب غنی بہادر و محمد خاں داروغہ گھوگیرہ سے واپس آئے۔ چند چڑیاں ان کو شکار میں ملیں۔

منشی فہیم الزماں: ۲۷ مارچ ۱۸۷۹ء۔ منشی فہیم الزماں نے اپنے بیٹے بشیر الزماں کی رفاقت گوارا نہ کر کے ان کو مدرسہ علی گڑھ سے طلب کیا ہے اور بشیر الزماں (داماد) چونکہ بحالت تنہائی وہاں قیام نہیں کر سکتے ہیں اس وجہ سے وہ بھی آویں گے اور لکھنؤ میں تحصیل علم کریں گے۔

یکم می: ۱۸۷۹ء۔ کل بشیر الزماں و بشیر الزماں علی گڑھ سے سندیل لوٹ آئے اور پڑھنا انگریزی کا چھوڑ دیا۔
اخبار نور الانوار: ۹ جون ۱۸۷۹ء۔ بمعائنہ اخبار نور الانوار کا پور مورخہ جون ۱۸۷۹ء سے معلوم ہوا کہ سال روہں سالہا سے گزشتہ سے زیادہ خراب ہے۔ ۳ جون کو اتصال مزین کا وصل کے ساتھ ہوگا جس کا نتیجہ ہوگا کہ لغایت ۱۲۸۵ فصلی بہار ہیضہ و وبائی بخار و چیچک عالمگیر ہوگی۔ انسان اور حیوان بکثرت تلف ہوں گے۔

اور ۳۳ جون کو ایک نیا ستارہ نمایاں ہو گا جو وقت ولادت حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے ظاہر ہوا تھا۔ روشنی اس کی ستارہ زہرہ سے زیادہ منور ہو گی۔ یہ پیشین گوئی کارپائنٹ نورالانوار نے جو اہل صاحب اخبار ریٹ پبلیک مورخ ۱۳ مئی ۱۸۷۹ء کے کی ہے۔ دیکھا جا رہے کہ اس کا کیا ظہور ہو۔ منشی فضل رسول صاحب کو اس پیشین گوئی کے دیکھنے سے تعجب ہوا اور ایک نقل اس کی اپنے پاس رکھ لی ہے۔

سکونتِ خدیجہ: ۱۵ جون ۱۸۷۹ء۔ ایک سال انبلیسی کثرت سے پیدا ہوا ہے کہ قبل اس کے کسی سال میں اتنا زیادہ اور ازراں فروخت نہ ہوا تھا۔ بالفعل اس کی قیمت ایک پیسہ سیکرہ ہے۔

وفات قاضی وجیہ الدین: ۱۱ اکتوبر ۱۸۷۹ء۔ آج قاضی وجہ الدین صاحب نے عارضہ تپ دہلاؤ میں بعمر ۷۰ سال قضا کی۔ یہ بہت بزرگ شخص تھے اور ۷۰ سالانہ حافظہ اعلیٰ صاحب اپنے مرشد کا کیکار کرتے تھے اور چار پانچ دن تک شب و روز جلسہ رہتا تھا اور اکثر کتھک کے لڑکوں کا ناچ ہوتا تھا اور سندیلے کے بہت لوگ ان کے مرید تھے۔ ہر جمعہ کو بوقت سپہر قوالوں کا گانا ہو ا کرتا تھا۔ قاضی عابد علی صاحب اپنے فاماد دیکھانچے سے اخیر وقت تک ان کو ملال رہا۔

میونسپلٹی کے ممبر: ۸ نومبر ۱۸۷۹ء۔ بموجب حکم محررہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۷۹ء جناب چیف کمشنر صاحب بہادر اودھ راقم بشمول دیگر ارباب سندیلے میں میونسپل سینیٹ کا مقرر ہوا۔ اسم نویسی درج ذیل ہے۔

”راجہ وزیر چند تعلقہ دار۔ سید فضل حسین تعلقہ دار۔ چودھری خصلت حسین تعلقہ دار۔ منشی مظہر علی۔ لالہ گاسپہ لچمن پراساد بزاز۔ لالہ پراساد بزاز۔ منشی عزیز الدین اکسٹر۔ اسسٹنٹ کمشنر پنشن یافتہ شیخ اعظم علی چودھری عبدالباقی۔“

تالوت کا قضیہ: ۲۲ دسمبر ۱۸۷۹ء۔ سید محمد تقی منصف نے کہ شیخ مدد بہا ہیں قصہ کیا کہ تالوت محلہ شرف ٹولہ درگاہ حضرت عباس میں لے جائیں جس کو میر شرف علی نے منگل بازار میں تعمیر کیا ہے۔ یہاں پر سید ابوالقاسم و سید فضل حسین چودھری عبدالباقی و شیخ اعظم علی و حامد حسن و سید محمد تقی وغیرہ اور بہت سے جولاہے کھتی ٹولہ کے آمادہ فوجاری ہوئے اور پورٹ تھانہ میں لکھوائی کہ منصف صاحب خلاف عملہ رآمد قدیم کے ہمارے عملہ میں تالوت لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو سخت فوجداری ہوگی۔ تب حسب فہمائش مولوی عبد القادر صاحب تحصیلدار سنیٹ و حافظہ حیم بخش تھانہ دار کے منصف صاحب تالوت کو اشرف محلہ میں نہیں لائے اور درگاہ مخدوم صاحب کے راستہ سے امام باڑہ چودھری فضل حسین میں لے گئے۔

وفات والدہ امجد خان: ۷ اپریل ۱۸۸۰ء۔ شب کو انہیے مردم خانہ محمد علی خاں سابق چکلا دار

نوابی بعارضہ پر پانہ سال بعد ۹۵ سال قضا کی۔ ان کو اپنی حیات میں صدات پیہم لاحق حال ہوئے علیٰ الغصہ
علیٰ العجز خاں ان کے اکلوتے بیٹے کے زمانہ عمر میں مقتول ہونے سے سخت صدمہ پہنچا ہے

ایک لطیفہ ۱۲ مئی ۱۸۸۰ء۔ احمد رضا خاں صاحب تھانہ دار ہوشنگ آباد ساکن رام پور واسطے
ملاقات مولوی فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی نائز سندیلہ ہوئے اور مکان منشی فضل حسین پر قیام کیا اور مزاحاً
یہ بات کہی کہ اگر مکان منشی صاحب کو بہشت قرار دوں تو ہو سکتا ہے کیونکہ مثل بہشت کے اس مکان میں پاخانہ نہیں ہے۔

عہد فضل رسول ۳۰ جولائی ۱۸۸۰ء۔ آج عرس منشی فضل رسول صاحب مرحوم قبرستان
’عمر برہ‘ پر قرار پایا۔ اکثر قوال یہ نجات سے آئے تھے۔ اور سید فضل حسین نے بادشاہ ہند کشمیری کو بقراردادیں پلے
یومیہ علاوہ کرایہ ریل و خرچہ خوراک کے لکھنؤ سے بلایا۔ رات کو اس کا جلسہ خوب ہوا۔ مولوی واجد علی
کا کوری سے اور منشی مظفر علی اسیر لکھنؤ نے تشریف لائے تھے چار پو پیر کا ایل صرف ہوا۔ کل اہتمام میرے متعلق تھا۔

جامداد اسیر لکھنوی ۱۲ ستمبر ۱۸۸۰ء۔ منشی غضنفر علی مفضل علی صاحب زادگان منشی مظفر علی
اسیر واسطے تصفیہ چک الیس پور تحصیل ہردوئی میں ایک ارانی فضل رسول صاحب اور ان کے دوست
اسیر لکھنوی نے مشترکہ طور پر خریدی تھی انتظام اس کا فضل رسول صاحب تعلقہ دار کے سپرد تھا رہائی
لکھنؤ سے تشریف لائے۔ تمام دن گفتگو ہوتی رہی لیکن کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔

۴ اکتوبر ۱۸۸۰ء۔ حسب طلب منشی سید حسین صاحب لکھنؤ جا کر منشی مظفر علی اسیر سے اس بات
کا فیصلہ کر لیا کہ چک الیس پور بالفعل ان کے قبضے میں ہے اور جب اراضی بنجر کاغزو ہو جائے تو اس وقت
اس کی بابت کوئی فیصلہ ہوا اور ان کو نالش سے باز رکھا۔

نینی تال ۲۳ ستمبر ۱۸۸۰ء۔ ۱۸ اکتوبر سن رواں کو نینی تال پہاڑ پر ایسا سیلاب آیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑی
کا پھٹ کر گرا جس سے بہت انگریز ہلاک ہوئے اور نینی تال والوں کو بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔
پادہ پی تھیٹر : ۵ اکتوبر ۱۸۸۰ء۔ شب کو بارہ درمی قیصر باغ (لکھنؤ) میں پارسیوں کا تھیٹر براہ
سیہ فضل حسین صاحب کے معائنہ کیا۔ ٹکڑا درجہ دویم ایک روپیہ کا تھا۔ صبح کو سندیلہ لوٹ آیا۔

۱۷ بعض لوگوں نے ان کا نام اُمید علی خاں لکھا ہے۔ یہ طے با اثر اور جری شخص تھے اور بہر رنج کے چکر دار بھی تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء
میں انگریزوں سے لڑنے ہوئے لکھنؤ میں بمقام عالم باغ مارے گئے۔ رجب علی بیگ سرور نے ان ہی کے وہاں
قیام کر کے ’’شکوہ و محبت‘‘ لکھی تھی۔ (دہاشمی)

طوائفوں کے تعزیه : ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۸۰ء۔ مساقۃ اچھی طوائف سندیلہ نے کہ بالغفل مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (تحصیل سندیلہ) سے علاؤد کھتی ہے اپنا تعزیه کمال تنزک و احتشام سے اٹھایا۔ مرزا صاحب کی جانب سے جلوس بہت عمدہ تھے۔ چوہدری وجہ نڈی بردار وغیرہ اورنگ آباد سے آئے تھے۔ مرزا صاحب نے پانچ سو روپیہ اس کام کے واسطے اچھی طوائف بنت گوہر طوائف اشراق ٹولہ کو دیے ہیں۔ اب کی سال بھی محرم سندیلہ میں کمی کے ساتھ پورہا ہے۔ اکثر طوائفوں نے باعث غربت و افلاس کے تعزیه داری چھوڑ دی ہے۔ الاڈو طوائف جس کا تعزیه ہر سال دھوم سے اٹھتا تھا اب کی سال اس نے تعزیه نہیں رکھا۔ صرف محفل عزاء پر قناعت کی۔

تعزیه بسنت : ۲ فروری ۱۸۸۱ء۔ دو سال گزشتہ سے وصی علی شاہ صاحب درگاہ بسنت اٹھاتے ہیں جو فیض بخش نجارہ ان کے مرید کے مکان سے اٹھتا ہے جس میں چند گز سترہ ہائے رنگارنگ کے ایک طرف گلی میں رکھے ہوتے ہیں اور گاتے بجائے گشت کرتے ہوئے درگاہ مذکور صاحب میرے جانے میں اور کل مریدین کی پوشاک بسنتی ہوتی ہے جب بسنت اندر درگاہ کے پہنچتا ہے تو شاہ صاحب کے مریدوں کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت گانا خوب ہوتا ہے۔ بہت سے اہل مذاق شریک ہوتے ہیں۔ مجھے تو کبھی اتفاق جانے کا نہیں ہوا مگر منشی فضل حسین اس مرتبہ شریک ہوئے تھے۔

آتش بازی : ۱۰ مارچ ۱۸۸۱ء۔ شام کو دریائے گوہری کے دونوں طرف اور کشتیوں پر نہایت عمدہ روشنی کی گئی اور آتش بازی چھوٹی۔ یہ دونوں چیزیں قابل دیدنی ہیں جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اہتمام اس کی پوچھ کر خصلت حسین صاحب تعلقہ اور سندیلہ و سکریٹری انجنیئر ہند سے متعلق تھا اور چودھری نعمت علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری کوہسن کا رگزاری کام متعلقہ نمائش اجناس گورنمنٹ سے حسب ذیل خلوت عطا ہوا۔

دو سالہ ایک رومال نشانی ایک دوپٹہ بناری ایک چوہر شیمینہ ایک جملہ ۵ عدد۔ اور یقین ہے کہ ان کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہو۔

نواب نور الحسن خاں : ۱۴ مارچ ۱۸۸۱ء۔ شیخ نور الحسن ولد مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب شہر رتیبہ بھوپال واسطے بیعت مولوی فضل الرحمن صاحب رکنج مراد آباد مع مولوی قدرت اللہ زویلی وار دکان منشی سید فضل حسین ہوئے۔

۱۴ مارچ ۱۸۸۱ء۔ نواب نور الحسن خاں صاحب کہ لطن دختر مارا لہا م صاحب بھوپال سے ہیں

مدبر آدم سید غنایت حسین روانہ مراد آباد ہوئے اور مولوی فضل الرحمن صاحب کی بیعت کی اور سبھائی غنایت حسین صاحب بھی مرید ہوئے۔ واقعی ذات مولوی صاحب اس زمانہ میں بہت غنیمت ہے۔

۱۷ اپریل نواب نور الحسن بعد بیعت مراد آباد سے واپس آئے۔ عمران کی قریب ۷ برس کے ہو گئے۔ چونکہ عقار نواب صاحب کا قصبہ فتح پور سہوہ میں قرار پایا تھا وہاں سے مولوی فضل الرحمن صاحب کی بیعت کو چلے آئے۔

۱۸ اپریل مدبر آدم سید غنایت حسین صاحب۔ دکن اور کن خان صاحب۔ مولوی قدرت اللہ روانہ بھوپال ہوئے۔ شادیوں کی کثرت ۱۸ جون ۱۸۸۱ء۔ آج کل سندیل میں شادیوں کی کثرت ہے۔ رات ہونی باراتیں نکلنے لگیں۔ شاید اب کی سال سال پیوستہ کے مانند زیادہ شادیاں ہوں گی۔

عرس فضل مہسول ۲۰ جون ۱۸۸۱ء شنب کو روشنی شب عرس منشی فضل رسول صاحب کے مزار پر ہوئی۔ قوال بیرونجات سے آئے ہیں۔ محفل حال وقال نصف شب تک گرم رہی۔ خاص علی شاہ لکھنؤ کو کیفیت بہت زور و شور سے آئی جس سے لوگ مخطوط ہوئے۔

بادشہ میں روزہ ۲۰ جولائی ۱۸۸۱ء۔ چار دن سے برابر بارش ہوتی ہے اور دن بھر ابر محیط باد آسمان رہتا ہے۔ اس وجہ روزہ داروں کو چنڈال روزہ ملوگ نہیں ہوتا ہے۔ یہ بھی فضل یزدانی کے باعث ہے۔

تیسری چوری ۲۰ اگست ۱۸۸۱ء۔ آج کل ایک مقدمہ چوری تیر کا اجلاس منشی فضل حسین صاحب میں چالانی پولیس دائر ہے کہ جس میں مسی سرفراز علی رئیس زادہ شاہ آباد بھی ماخوذ ہیں۔ اور اکثر رئیس قصبہ مذکور مقدمہ مسطورہ کی پیروی کر رہے ہیں۔

پیپر میل لکھنؤ ۲۷ ستمبر ۱۸۸۱ء۔ بہمراہی سید فضل حسین کارخانہ کاغذ سازی جو متصل دریائے گوتی لکھنؤ کے ہے آج جاگرمعائنہ کیا۔ واقعی بہت بڑا کارخانہ ہے جس میں صد ہا آدمی ملازم ہیں اور دو انگریز بھی نوکریاں۔ بالفعل چھوٹی کل سے کاغذ بنتا ہے اور بڑی کل مرتب ہو رہی ہے۔

مقدمہ مجاہد ۱۵ ستمبر لکھنؤ ۱۷ نومبر ۱۸۸۱ء۔ سید افضل علی ولد منشی مظفر علی آسیر لکھنوی نے بابت داخلہ منیجر اراضی افضل پور واقع گرنٹ الیس آباد تحصیل ہردوئی (بمقابلہ منشی سید فضل حسین تعلقہ) مالش حسب دفعہ ۱۰ ایکٹ الگان تحصیل ہردوئی میں دائر کی اور مولوی ابوالحسن تحصیلدار ہردوئی نے ان کو ڈگری عطا فرمائی۔ اب نکل نظر انی عدالت جوڈیشی میں جس کی منشی کالی پرشاد صاحب سے ملے لی جائے گی۔

تعزیه ۵ اسی ۲۸ نومبر ۱۸۸۱ء۔ محرم ۱۲۹۹ھ۔ آج نصیب طوائف کا تعزیه بڑی جھوم جھام سے

اٹھا۔ چودھری خصلت حسین صاحب رئیس اعظم قصبہ نڈا اور دیگر روستا تعزیر کے ساتھ تھے۔

۲۹ نومبر۔ آج شب کو حسب معمول قدیم امام بارگاہ شاہ اور میر قاسم علی میں جا کر شریک ہوا۔ اور گزشتہ شب کو چودھری صاحب کے یہاں گیا تھا۔

۳ دسمبر۔ شکر و خدمت گار قاضی عابد علی صاحب سے معلوم ہوا کہ اب کے سال ۴۴۴ تعزیرے سندیل خاص میں رکھے گئے۔ یہ شخص رات بھر تعزیوں کی زیارت کرتا ہے اور کوئی تعزیر اس کے شمار سے نہیں چھوٹتا ہے اور صبح کو مجھے تعداد سے مطلع کرتا ہے۔

کمپٹی تعلقہ داران اودھ : ۳۰ دسمبر ۱۸۸۱ء۔ کوٹپٹی تعلقہ داران آج بارہ دری قیصر باغ میٹر شریک ہوا۔ مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اور نگ آباد (سندیل) درگھوہر دیال سیٹھ تعلقہ دار معز الدین پور بسوار سے ملاقات ہوئی۔ یہ دنوں شخص بہت اشفاق سے پیش آئے۔ ۱۸۲۳ء میں یہ دنوں صاحب میر مدر سیتا پور میں بہن بنی تھے۔ ۳۱ دسمبر۔ آج روشنی و آتش بازی بارہ دری قیصر باغ قابل دید تھی اور ایسی چیزیں نمائش گاہ میٹر دیکھنے میں آئیں جو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ انتفاع عریزی لیلی الزماں (خلف فہم الزماں) میر کہ قیصر باغ میں مقیم ہیں۔ مرض دق : ۵ جنوری ۱۸۸۲ء۔ قاضی صمصام علی رنظہ علی صاحب کے ایک خالہ زاد بھائی ہانگو کو باوجود کثیر عورت و شیر خرد بچہ سلطان یعنی لکیڑے کی استعمال کرائی گئی لیکن حرارت لاحقہ میں کوئی افادہ نہیں ہے۔ عین بہت سے لکیڑے دریا گومتی سے مدد کا دیے تھے۔ یہ ایشیا پرانے زمانہ میں مرض دق سے بچنے کے لیے مفید سمجھی جاتی تھیں۔ ہاشمی۔

مولوی ضامن حسین : ۱۵ جنوری ۱۸۸۲ء۔ آج مولوی ضامن حسین صاحب ٹی بھڑیٹ دھکڑ حیدر آباد سے ملاقات ہوئی۔ پانچ سو روپے ماہواری کے نوکر ہیں اور آدمی خلیق و لائق ہیں۔ باوجودیکہ میں نے ان سے عربی پڑھی ہے اور ان کا شاگرد ہوں لیکن نہایت تعلیم و تکریم سے بوقت ملاقات پیش آتے ہیں۔

وفات منشی عزیز الدین : ۲۱ مئی ۱۸۸۲ء۔ صبح کے چار بجے منشی عزیز الدین صاحب اکسٹر اسسٹنٹ کمشنر پنشن یافتہ نے بعارضہ فالج عمر ۶۳ سال میں قضا کی۔ مرحوم اپنے باپ کے اکھوتے بیٹے تھے۔ باپ تڑخو جمیل الدین تھے جو قبل ولادت بیٹے کے مفقود النجر ہو گئے تھے۔ لہذا مولوی فضل صاحب ماموں حقیقی کے سایہ عاطفت میں پرورش و تعلیم پائی اور رفتہ رفتہ اکسٹر اسسٹنٹ کمشنری پر فائز ہوئے۔ زمانہ غرا کی خیر خواہی سے موضع اٹوا تحصیل بلگرام میں ملا اور بعد حصول پنشن مبلغ دو سو چوتن روپے کے خانہ نشین ہوئے

قبل وفات آمدنی جناب مرحوم کی بشمول پیش چھو ماہواری تھی۔ زوجہ اولیٰ کی اولاد قائم نہ دھنے سے عقد ثانی قصبہ موسوی، فضل نواب گنج بارہ ٹکی میں کیا جن سے تین فرزند نرینہ اور دولہا کیال موجود ہیں۔ آدمی نہایت راست گو، لائق و تجربہ کار تھے۔ اپنی حیاتی میں کمال عزت و توقیر گورنمنٹ انکشاف سے حاصل کی۔

ظہور لکھنوی: ۲۲ اگست ۱۸۸۲ء۔ منشی غلام الحسن شاہ لکھنؤ کو منشی فضل حسین نے بمشاورہ مبلغ اس رویہ ماہواری نوکر رکھا ہے اور شام ۵ بجے ان کے واسطے دیوان مرتب کر رہے ہیں۔ کھانا اچھا ہوتا ہے۔
مولوی عبدالقادر صاحب: ۵ ستمبر ۱۸۸۲ء۔ جلسہ کو میڈیٹل میونسپل مدرسدہ نذیر میں منعقد ہوا۔ راجہ درگ پیر شاہ صاحب لعلقہ دارہ مولوی عبدالقادر صاحب تحصیل دار سندیلہ دربارہ سڑک، دین بہت بے لطفی سے گفتگو ہوئی۔ راجہ صاحب نے سخت کلمہ تحصیل دار صاحب کی نسبت کہا اور طیش کھا کر جلسہ کو میڈیٹل سے اٹھ جانے کا تعہد کیا لیکن چودھری محمد عظیم صاحب نے ان کو فہمائش کر کے روکا مگر تحصیل دار صاحب نے زبان درازی نہیں کی اور سکوت کیا۔ راجہ درگ پیر شاہ صاحب نے کمال مہذرت اور متعده اشخاص کو درمیان میں ڈال کر بعد اوقات سے صفائی حاصل کی۔ راجہ صاحب مغلوب الیغناظر ہوئے۔

دنگل: یکم نومبر ۱۸۸۲ء۔ آج سید پہر کو دنگل منشی پہلو انول کا غلہ کے گودام میں ہوا۔ چار آٹہ ایک آنہ اور چھپائی کا لکٹ تھا چراغ علی پہلو ان اورنگ آباد تحصیل سندیلہ، متافصا سنجائی کی کشتی ہوئی۔ آخر ش چراغ زیر ہوا۔
دربار لکھنؤ: ۲۸ نومبر ۱۸۸۲ء۔ شام کی ریل میں واسطے شرکت دربار کے میں لکھنؤ گیا۔ مولوی عبدالقادر صاحب تحصیل دار سندیلہ سیر ماتھ ریل میں تھے میں منشی فضل حسین کے پاس قیصر باغ میں ٹھہرا۔

۲۹ نومبر آج گورنر جنرل صاحب (لارڈ رین) نے صبح کے گیارہ بجے دربار فرمایا لعلقہ دار و دیگر رؤسائے عظام مشرف بہ زیارت ہوئے۔ اور یہ دربار بارہ دری قیصر باغ میں ہوا۔

۳۰ نومبر شنبہ کو تمام قیصر باغ میں روشنی ہوئی اور جب دس بجے گورنر جنرل صاحب تشریف لائے تو نہایت عمدہ قسم کی آتش بازی چھوٹی میں بھی لعلقہ داروں کے ساتھ اندر بارہ دری کے یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا صبح کی ریل میں میں سندیلہ لوٹ آیا اور کاروبار لعلقہ جلال آباد میں معروف ہوا۔

شیخ حامد حسن: ۲ جنوری ۱۸۸۳ء۔ شیخ حامد حسن (سید فضل حسین لعلقہ دار کے بہنوئی) نے بخاند حسین باندی طوائف روزمرہ کا قیام اختیار کیا۔ اس منشی فضل حسین صاحب، دیگر اعزاز سسرالی نادر ہیں۔

سید عبداللہ جادو ریا باندی صاحب کے والد جو عورت تک سندیلہ کے تحصیل دار رہے۔ ہاشمی

فہرست و روٹ دھند گان: ۲۴ مارچ ۱۸۸۳ء۔ استعانت چودھری عبدالباقی فہرست
اسم نویسی راس دھند گان ہر چار محلہ قصبہ سندیلہ کی مرتب کر کے بخدمت مانگ چند قلم مقام تحصیلدار سندیلہ کے
پیش کی جس سے وہ بہت رضامند اور خوش ہوئے۔

شادی الطاف رسول: ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء۔ آج صبح کو تقریباً پنجوہ روردار الطاف رسول ولد
سید فضل حسین (فراپائی)۔ مجمع بہت کثیر تھا اور بتائے نہایت خوش انتظامی کے ساتھ تقسیم ہوئے۔ کوئی محسوس
نہیں کیا۔ بیرونجات کے لوگ متعدد مکانوں میں فروکش تھے جن کے واسطے ہر قسم کا سامان ضروری مہیا
کیا گیا۔ ہر مہمان کی خبر گیری کے واسطے علیحدہ علیحدہ آدمی مقرر تھے۔۔۔

۲۰ اکتوبر۔ ہزار ہا مردان بیرونجات طوائفان گرد و نواح شادی الطاف رسول میں آئی تھیں اور سب
کو وقت معین پر کھانا اور دیگراشیائے ضروری پہنچتی تھیں۔ مجھے شب و روز دو گھنٹہ سے زائد آرام کی مہلت
حاصل نہ تھی۔ دو کشمیری مسلمان کھانا نفع حاصل جن و ایک انگریزی باجاس میں ۲۲ آدمی تھے اور دو ڈیرہ طوائف سماء
نظیر جان و جھوٹی صاحب گھنٹہ سے آئے تھے اور ایک ڈیرہ کشمیری قصبہ ساندھی کا بھی تھا۔ برادری تاشہ نواز
شمار میں آٹھ عدد تھی۔ چھپنار بخش مسلمانوں کو علاوہ خوراک ہائے ہندو کے روزمرہ تقسیم ہوتے تھے۔ اشخاص
معزز کی اسم نویسی جو شریک شادی تھی درج ذیل کی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے علاوہ بہت سے زمیندار و فیرہ بھی شریک
تھے جس کی صراحت اس مقام پر لکھنا طوائف سے خالی نہیں اس کے بعد اکیس تعلقہ دار رؤسا اور کلا
کی فہرست ہے جو یہاں حذوف کی جاتی ہے۔ ہاشمی

۲۲ اکتوبر۔ بارات سید الطاف رسول یہاں احتشام دوزخے رات کو روانہ ہوئی۔ سامان آرائش بہت خوب
تھا لیکن انورضاں و جیجے مالی کی غفلت بلکہ نمک حرامی سے ہزارہ بارات کے سامان روٹنی کا کم تھا۔ ان لوگوں نے خیال
اس کے کہ اس ہجوم میں کون باز پرس کرے گا مزدوران بہت کم فراہم کیے اور ان کی اجرت خود چمک گئے۔ اس
ان کی نالائقی سے کال رنج و باعث بے لطفی کا تھا۔۔۔ چار بجے صبح کو بارات منشی شمس الدین کے دروازے پہنچی تو
نوشاہ ہاتھی پر سوار اور ان کے ہر چار جانب ہاتھیوں کا حلقہ تھا آتش بازی علی حسین و محمد حسین و فرزند علی
آتش بازی لکھنؤ قابل تعریف تھی جس سے عموماً سب لوگ بہت خوش ہوئے۔

۲۳ اکتوبر۔ صبح کو ایک گھڑی دن چڑھے عقہ بر خوردار الطاف رسول خلف منشی سید فضل حسین تعلقہ دار
جلال پور مسافر شفیق النساء خرمشعی مد غایت حسین سے بحوض مہر پورس ہزار کے ہوا شمس الدین صاحب

ایمان و لہن کفیل مصارف شادی تھے اور دہلہن کے باپ نے کچھ زیور اور سید کرامت حسین چچا نے ایک گھوڑا زیور
نقوی اور کچھ ظروفی چیزیں دیے۔ دس بجے دن کے بارگاہِ شہت ہوئی۔ شام کی ریل میں اکثر مہمان رخصت ہوئے۔
۲۴ مارچ ۱۸۸۲ء کو شادی الطاف رسول میں عموماً انتظام اچھا تھا اور انعام بھی اچھا دیا گیا جس سے نیکہ
اور اس کے نواح میں اس شادی کی بہت شہرت و ناموری ہوئی...

منشی شمس الدین صاحب نے میرے انتظام شادی الطاف رسول کی بہت تعریف کی اور نہایت وجہ
میرا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے تمہارے انتظام کی نسبت ایسی امید ہو رہی تھی...

خدا کا شکر ہے کہ شادی الطاف رسول میں میرے انتظام کی بہت شہرت ہوئی اور شخص میرا نام بھی سے
لیتا ہے اور جوندیشہ مجھے حالی خاطر تھا اس کا انجیل بفضلِ نیرِ داں نیک ہوا۔ منشی شمس الدین صاحب اکرم اسٹریٹ
مکسٹر لند فرغت شادی اپنی نواسی کے روانہ نواب گنج بارہ بجے ہوئے۔

راجہ درگاہ پیر شاہ : ۱۱ فروری ۱۸۸۳ء۔ چونکہ راجہ درگاہ پیر شاہ صاحب کے ساتھ اتفاق نشست
و یکجائی اجلاس پنج میں رونمرا ہوا ہے اس وجہ سے ان کی لیاقت کا حال بخوبی منکشف ہوا۔ آدمی نہایت
لائق و فہیمہ ہیں۔ علم فاری میں دستگاہ کامل ہے۔ نہایت خوش خط و زو دلویں ہیں۔ قانون دان الیبتہ کم ہے۔
۲۵ فروری : آج راجہ درگاہ پیر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ چند امور میں مجھ سے مشورت کی اور فرمایا کہ
ہماری اور آپ کی کمیٹی میونسپل سٹیڈیمس ہمیشہ اتفاق رائے ہونا چاہیے۔ جو آپ کو منظور ہو گا کہ وہ آپ
پہلے سے کہہ دیں۔ میں اس سے اتفاق کروں گا۔

قتیقہ لوط کا : ۱۲ مارچ ۱۸۸۳ء۔ کل بخانہ ملک مصطفیٰ جس دو پہر کو فرزندِ نرینہ پیدا ہوا۔ چونکہ لوط کا بعد
تین لڑکیوں کے پیدا ہوا ہے اس وجہ سے عورتیں اس کو تیز نامزد کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ البس لوط کا ناقص ہوتا
ہے باپ اس کو نہ دیکھے۔ اس وجہ سے ملک صاحب سخت مزہ دہیں اور اپنے گھر میں جلتے۔

منشی شمس الدین : ۱۳ اپریل ۱۸۸۳ء۔ شب کو منشی شمس الدین صاحب محصولِ پٹن از عہدہ اکرم
اسٹریٹ نواب گنج سے تشریف لائے۔ بانو سے روپے ماہوار پٹن مقرر ہوئی۔ بوقتِ ملاقات کمال غایت بزرگاز سے
پیش آئے اور میری تعظیم کی اور فرمایا کہ حسب سفارش فورکس صاحب مکسٹر فیض آباد میں ریاست بڑا پور میں
یہ عہدہ وزیرِ خزانہ بہت شایستہ میں سو روپیہ ماہوار ہی مقرر ہوا ہوں۔

منشی فضل حسین کے چچا۔

بناسہی باغ لکھنؤ: ۱۹ اپریل ۱۸۸۴ء بمقام لکھنؤ۔ شام کو بناسی باغ کی میں نے سیر کی۔ نہایت خوش کیفیت ہے اور سبزہ و گل بوٹے اس کے تازگی بخش ہیں۔ اتفاق سے اس وقت کچھ گوری پلٹن گھنکار والی رکندرا کی آئی اور انگریزی باجانبہایت عفوگت کے ساتھ مجا جس طبیعت نہایت عفو ہوئی۔ شام کو سیر لوٹ آیا۔ ایک امام باغ: ۱۳ مئی ۱۸۸۴ء۔ مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (تحصیل سندیلہ) کو مسافہ اچھی طائف

سندیلہ سے اتحاد ہے لہذا حسب خواہش اس کی مرزا صاحب بفرستہ کرکے ایک اما بارہ طوائف مذکور کے واسطے لکھنؤ کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ مولوی محمد امجد علی آج کل کی تیار کی کا شن ہوگا۔ اس وجہ سے مرزا صاحب کٹر عیال لائے ہیں۔ سندیلہ۔ میونسپلٹی: ۹ اکتوبر ۱۸۸۴ء۔ آج کو میٹری لوکل سلف گورنمنٹ کچہری بیچ میں ہوئی۔

بمشورت ایک دیگر منظوری عہدہ ہائے ذیل کے استحقاق کے طور پر تجویز ہوئی جس کی رپورٹ صاحب ضلع کو بھیج دی گئی اور جس کے مستقل ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ مولوی عبدالغادر صاحب تحصیلدار (میر مجلس) چودھری محمد عظیم صاحب (نائب میر مجلس) راجہ درگاہ پرنسداد صاحب (نائب میر مجلس) راقم (سکرٹری میونسپل)۔ حکم گورنمنٹ مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں مضمون موصول ہوا کہ میں عمر واسطے کو میونسپلٹی کے قائم ہوئی۔ منجملہ ان کے پندرہ شخص مجوزہ رعایا اور پانچ شخص محقر کردہ سرکار میں اور وہ پانچوں آئری عسکریت میں کے جن کا تقریباً نصف گورنمنٹ کرتی رہے گی۔ چودھری محمد عظیم مفتی افضل حسین کنور درگاہ پرنسداد کنور و رچندہ مولوی سید مظہر علی۔

تعمیر: ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۴ء۔ آج چند شہر و تعزیرے میں نے جا کر دیکھے جو اپنی ساخت میں قابل تعریف ہیں۔ خیراتی و بدل منہیاریہ مرزا غلام علی سوداگر، امامی نوربان، سمدھان بھرتی لال خاں میر قاسم علی سوداگر، واجد علی نے ایک تعزیر میں کا تیار کیا جیسا کہ قبل اس کے کبھی نہیں بنا تھا۔

۳۰ اکتوبر شکر و ملازم قاضی عابد علی نے بیان کیا کہ اب کے سال ۵۳ تعزیرے سندیلہ میں رکھے گئے۔ مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد تحصیل سندیلہ ایک تعزیرہ (تعمیر بسواں) سے بہت بچیں روپے چھ طوائف کو لگوایا جتنا ہوا تھا۔

مولوی خلیل الدین: ۲۳ نومبر ۱۸۸۴ء۔ کل مولوی خلیل الدین خلف شریعہ ابن الدین حقانی کو شریف سے واپس آئے۔ بعد ۲ سال وہ عالم و حافظ و حاجی و طبیب ہوئے۔ ایسا لائق آدمی اب اس محلہ میں نہیں ہے۔

ایک شادی: ۱۳ دسمبر ۱۸۸۴ء۔ شب کو نوبت عقد سید بنی احمد خلف مولوی علی احمد وکیل جبل پور مسافہ سید اختر شیخ حامد حسن سے بعض ۲۴ مشغال فقرہ کہ مسادی ایک سو چھپن روپے آٹھ آنے کے ہوتا ہے

ملہ مولوی مظہر علی کے بھائی۔ (ہاشمی)

سید مولوی فضل علی صاحب میں ہوا۔ مولوی مہدی حسن صاحب کی مخالفت سے اندر و باہر نہ تو ڈھول بجی نہ کسی قسم کا گانا ہوا۔ مولوی علی احمد صاحب وکیل نے کھانا اہل برادری کو اچھا تقسیم کیا تھا۔ نان بہت بڑی مٹی جہیز عمدہ ملا۔ منشی فضل حسین نے ایک گھوڑا معذور نقری جہیز میں دیا۔

مولوی عبدالقادر : ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء۔ مولوی عبدالقادر تحصیلدار سندیلہ کی تنخواہ میں یکس روپے کا رے اور اضافہ ہوئے ایک سو پچتر روپے ماہوار تنخواہ پائیں گے۔

بسمیل خیر آبادی : ۱۹ ستمبر ۱۸۸۵ء۔ محمد سین خاں بسمل لہر ملاقات حافظ کرم احمد صاحب خیر آباد تشریف لے گئے۔ یہ وہی بسمل ہیں جو حافظ صاحب کے قدموں سے جدا نہیں ہوتے تھے اور ہر وقت لباس گہرا پہنے رہتے تھے اور خیر آباد سے سندیلہ پیادہ آتے تھے۔ اب جب سے ریاست ٹونک میں اپنے باپ کی جگہ وکیل ریاست ہو گئے ہیں حافظ صاحب سے کچھ علاقہ ہی نہیں رہا اور خیر آباد میں آئے تو کبھی سندیلہ نہیں آتے اور جب حافظ صاحب خیر آباد جاتے ہیں تو سولے معمولی دعوت کے نہ وہ خدمت ہے اور نہ وہ اطاعت اور نہ وہ مریدی ہے جس کا ابتدا شور و شغب زیادہ تھا۔

لفٹیننٹ گورنر کی آمد : ۱۹ نومبر ۱۸۸۵ء۔ آج گیسٹ صاحب ٹیپٹل کٹنر ہر دوئی واسطے انتظام مجلس وغیرہ تشریف آوری لفٹیننٹ گورنر بہادر ہر دوئی سے سندیلہ وار دہوئے اور بے کمال مستعدی ہر ایک کی دیکھ بھال کی اور مجھ سے بوقت شام کچہری پنج میں دریافت کیا کہ کس قدر مقدمات ۱۸۸۴ء میں دائر و فیصل ہوئے۔ میں نے بیان کیا کہ دو سو بیستیس مقدمے دائر ہوئے۔ ۱۹۰ میں مجرموں کو سزا ہوئی اور ۴۵ مقدمے بذریعہ راضی نامہ و عدم ثبوت جرم کے خارج ہوئے اور کسی کا اپیل نہیں ہوا۔ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور کہتے ہیں صاحب سے میری تعریف کی۔

۲۰ نومبر ۱۸۸۵ء۔ صبح ۸ بجے بذریعہ اسپیشل ٹرین جناب نواب الفرد لائل صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی (یعنی یوپی۔ ہاشمی) چیف کٹنر اور دو لکھنؤ سے تشریف لائے۔ اسٹیشن سندیلہ پر فرش بانائی بچھا تھا۔ میں بھی شریک پیشوائی تھا۔ اڈل اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ بعد ۱۰ بجے اسکول میں تشریف لائے۔ منجانب میونسپل راجہ دگر پرتاد صاحب نے ایڈرس پڑھا۔ جواب میں کلمات خوش فرمائے اور پنج محضر بیٹوں کی تعریف کی۔ مدد سہ سرکاری بھی فرش بانائی وغیرہ سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے بہت چاہا کہ لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر ان کے مکان پر تشریف لے جاویں جس کے واسطے مکان

اینا بہت آراستہ کیا تھا مگر صاحب ممدوح تشریف نہیں لے گئے اور دو بجے کی ریل میں مراجعت فرمائی۔ بازار بہت خوب آراستہ تھا اور ہر ایک دوکان سفیدی سے چمکتی ہوئی تھی۔

طائر کی شربت تجارت و زراعت : ۳ مارچ ۱۸۸۶ء۔ آج سرٹپو صاحب اسٹنٹ ڈاکٹر تجارت و زراعت سے کہ بہ تقریب دورہ سندیلہ تشریف لائے ہیں میں نے ملاقات کی اور حسب فرمائش ان کی چوڑی لالہ سانسدیلہ قلم دان و پلنگ پوش سندیلہ کے بنے ہوئے اور آری گو پامنو کی بنی ہوئی ملاحظہ کرائی اور حقوٹے سے لہڑا ٹھکری حلوائی کے ان کو بھیجے جس سے نہایت درجہ خوش ہوئے اور ایک یادداشت مجھ کو لکھ کر بھیج دی کہ جس کے مطابق میکو جولہ سے میں پلنگ پوش تیار کر کے عجائب خانہ لکھنؤ کو بھیجوں۔

منشی غنیمت علی : ۳۰ مارچ ۱۸۸۶ء۔ منشی سید قسطنطین علی صاحب خلع منشی منظر علی صاحب اسیر سے ان کے مکان پر جا کر ملاقات کی اور مقدمہ گرنٹ ہر دوئی دیر تک بات چیت رہی اور بوقت رخصت ہونے کے منشی صاحب نے اپنے دروازے تک مشالیت کی۔

ہیفنہ : ۳ اگست ۱۸۸۶ء۔ سندیلہ علی القیوم اسرار علی میں شہر ہیفنہ بڑھتی جاتی ہے۔ زالمرد و چار آدمی ضائع ہوئے ہیں۔ ۴ اگست۔ کل شام سے دوشیزہ گلاب اور ایک میٹر لو بجا را خرید کر کے الکھنٹ خدمت گار کو تفویض کر دیں ہاں کر دیے ہیں جو شخص حاضر میں مبتلا ہو کر طالبعلم غفر کا ہو تو فوراً اس کو دیا جائے۔ چنانچہ اس وقت تک چند آدمی لے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد کوئی تاریخوں میں ہیفنہ سے مرنے والوں کے نام درج کیے ہیں۔ کچھ صرہ کے بعد یہ بیماری سندیلہ اور اس کے نواح میں بھی پھیل گئی تھی۔ مولوی صاحب کا نواسہ رشید الدین بھی اسی ہیفنہ میں ضائع ہوا۔ اور اہل خانہ موصوف اور بڑی بیٹی افضلہ بھی مبتلا مرض ہوئی تھیں لیکن بچ گئیں۔ ہاشمی

۵ اکتوبر۔ شب کو والدہ منشی فضل حسین اور دختر شیخ حامد حسن لکھنؤ سے وارد سندیلہ ہوئیں۔ اب بیماری ہیفنہ سندیلہ سے دفع ہوئی۔ اب نہ کوئی بیمار ہوتا ہے نہ ضائع ہوتا ہے۔

بسمل خیر آبادی : ۲۹ نومبر ۱۸۸۶ء۔ سچ ہے کہ حافظ کرم احمد صاحب کو اپنے پیغمبر مشوق علی شاہ صاحب کے عرس میں صرف کرنے سے کوئی آسودگی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی قرض و دام سے روپیہ لے کر عرس شاہ صاحب کیلئے خیر آباد کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے کہ محمد حسین بسمل خیر آبادی (مضطر خیر آبادی کے بڑے بھائی۔ ہاشمی باوجود عمہ رو نگار ہونے کے کوئی استعانت اس صرف میں نہیں کرتے ہیں۔ میں نے اس وجہ سے یہ بات لکھی کہ بسمل صاحب مشوق علی شاہ کے پوتے اور حافظ کرم احمد صاحب کے مرید ہیں۔

برہما میں ملازمت : ۶ فروری ۱۸۸۷ء۔ آج میرے پاس کئی اشتہار ہر دوئی سے آئے کہ جس شخص کو ملازمت پولیس برہما کی منظور ہو وہ ہر دوئی جائے۔ اس کی تنخواہ چوتن روپے ماہوار سی پچھتر روپے تک ہوگی۔ اور جو شخص زبان برہمی سیکھ لے گا اس کی تنخواہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے اشتہارات جا بجا چسپاں کر دیے۔ جس کو خواہش ہوگی وہ ہر دوئی جا کر نوکری حاصل کرے گا۔

حکیم عبدالعزیز حسر یا بادامی : ۷ اپریل ۱۸۸۷ء۔ حکیم عبدالعزیز صاحب برادر چچا زاد مولوی عبدالقادر صاحب تحصیل دار سندیلہ، حسب طلب والدہ منشی فضل حسین واسطے معاہدہ کے لکھنؤ سے تشریف لائے اور لبہ دمانہ نبض و قارورہ جناب مقدس کے ایک اشرفی نذر میں پیش کی گئی لیکن حکیم صاحب نے میری رشتہ داری کی وجہ سے قبول نہیں کی۔ اور میری کوٹھی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب کوئی مکان قصبہ سندیلہ میں ایسا نہ ہوگا۔

ریل سیتاپور۔ لکھیم چور : ۲۷ اپریل ۱۸۸۷ء۔ ۱۵ اپریل سے ریل سیٹاپور سے لکھیم پور تک جاری ہوئی جس کا محصول درجہ ادنیٰ فی کس سو پانچ آنے قرار پائے گا۔

شادی پوتی اسدیر لکھنوی : ۲۰ مئی ۱۸۸۷ء۔ الطاف رسول (منشی فضل حسین تعلقہ دار) واسطے شرکت تقریب شادی دختر منشی غفصہ علیہ صاحب حکیم شاعر لکھنوی کے صبح کی ریل سے روانہ لکھنؤ ہوئے اور مبلغ دس روپے نیوت کے منجانب منشی فضل حسین بغرض حوالگی شاعر صاحب ان کو دیے گئے۔

حاجی وارث علی : ۲۲ جولائی ۱۸۸۷ء۔ کل حاجی وارث علی شاہ صاحبین یل میں تشریف لائے نانی صاحبہ بنو روار مصطفیٰ علی النامیہ میں۔ میری کیفیت بے کاری شاہ صاحب نے عرض کی فرمایا خدا اس کا مالک ہے۔

ہیضہ وبائی : یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء۔ بالفعل ہیضہ وبائی سندیلہ میں پھر شائع ہوا ہے۔ اکثر علیل اولاد ایک آدن ضائع بھی ہوئے ہیں اس کے بعد متعدد تاریخوں میں مرنے والوں کے نام درج ہیں۔ ہاشمی

لفٹیننٹ گودرنر : ۷ نومبر ۱۸۸۷ء۔ سرالفرڈ لایل صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی اودھ نے چارج لفٹیننٹ کی کاسر کلید کا لون صاحب کو بمقام الہ آباد دیا اور ۲۱ ماہ حال کو روانہ ولایت ہوں گے۔

حکیم بینہ حسن : ۱۵ دسمبر ۱۸۸۷ء۔ کل حکیم بینہ حسن صاحب جو ملازم موروثی پودھری محمد عظیم کے تھے اور بہر ضرورت اداے ایک شہادت کے کانپور گئے تھے وہاں درد تو لہج اور ضیوعہ النفس میں مبتلا ہو کر بمقام کانپور بہر تر سال وفات پائی۔ جس کے سننے سے نہایت درجہ افسوس ہوا کیونکہ حکیم صاحب کی ذات سندیلہ میں نہایت غنیمت تھی۔ مزاج میں خلعت و دروت زیادہ تھی۔ اہلی قصبہ کو ان کی ذات سے بہت فیض تھا اور جو

تخصیلاً تھا بلا تکلف و خیال غریب و امیر کے تشریف لے جاتے تھے۔ افسوس کہ اب سندیلہ طبیب سے خالی ہو گیا۔ تیس روپے ماہواری علاوہ کھانے کے چودھری صاحب ان کو دیتے تھے اور حکیم صاحب ان کے پھتیس برس کے ملازم تھے اور اہل قصبہ بھی بوقت محالوان کی خدمت کیا کرتے تھے۔

کانگریس و اہل اسلام : ۲۱ دسمبر ۱۸۸۶ء محمد باقر خاں صاحب اسٹنٹ کمشنر ہر دوئی نے بمقام کانگریس اہل اسلام جو ۲۷ و ۲۸ دسمبر ان الیکو بمقام لکھنؤ مکان منشی امتیاز علی صاحب دیکل پر منعقد ہوگا۔ مجھ سے سوالات چند متعلقہ طرز و روش اہل اسلام سندیلہ دریافت کیے تھے جس کا جواب میں نے بہ استعانت محمد ذکی (درگاہ) کے لکھ بھیجا۔

نیا گورنر : ۲۳ جنوری ۱۸۸۸ء آج بارہ بجے دن کے سر آکلینڈ کالون صاحب لفٹیننٹ گورنر مالک مغربی و شمالی چیف کمشنر اودھ کے دربار میں بمقام کیننگ کالج شریک ہوا۔ ڈپٹی کمشنر ان اضلاع نے اپنے اپنے ضلع کے لوگوں کو پیش کیا۔ مجھے ہارس فورڈ ڈپٹی کمشنر ضلع ہر دوئی نے اس اعلان کے ساتھ پیش کیا کہ یہ آنریری مٹ و سکرٹری میونسپل بورڈ سندیلہ کا ہے۔ ایک اشرفی میں نے نذر دکھلائی۔ ایک بچہ لفٹیننٹ گورنر صاحب نے اسپنج دی اور عطر و پان کے بعد دربار فرماست ہوا۔

تماسا تھپیٹر : ۲۹ جنوری ۱۸۸۸ء آج شب کو دائرہ علی کے تماشے تھپیٹر میں ۹ بجے سے دو بجے تک مدرسہ سندیلہ میں شریک رہا۔ ٹکٹ نمبر ایک دو روپے کا لیا تھا اور محمد ذکی کو جو میرے ہمراہ گئے تھے آٹھ روپے کا ٹکٹ لے دیا تھا۔ اور اپنے تین خدمتکاروں کو چھ آنے کے ٹکٹ خرید دیے تھے مگر کتنا اچھا تھا۔ کچھ لطف حال نہیں ہوا۔

منشی شمس الدین : ۳ فروری ۱۸۸۸ء منشی شمس الدین صاحب چالیس سال ہوئے جب وہ سیات گوالیار میں برعہ ملازمت ایک مہاجن کے بارہ سو کے مقروض تھے۔ مہاجن مر گیا تھا۔ اس کے لڑکے کو بلا کر کل قرضہ اس کا ادا کر دیا۔ ایسا کام کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے۔

گجل صاحب : ۶ فروری ۱۸۸۸ء آج گل صاحب اسٹنٹ کمشنر ہر دوئی سے ملاقات ہوئی تاوی بہت غلیظ اور نیک مزاج ہیں اور مقدمات فوجداری میں بہت کم سزا دیتے ہیں۔ ایسا انگریز میری یاد میں کبھی ضلع میں نہیں آیا۔ اگر گل کو لغتیم میم گل سے تشبیہ دیں تو ہو سکتا ہے۔

عبد القادر صاحب : ۲۵ مارچ ۱۸۸۸ء آج پروانہ تبادلو مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلہ ارنڈیل

سے عبد الماجد دریا بادی صاحب کے والد۔ ہاشمی

از اجلاس صاحب ڈبئی کمشنر ہردوئی اس مضمون سے موصول ہوا کہ مولوی عبدالقادر صاحب بلگرام کو اور منشی مقبول احمد صاحب تحصیل دار بلگرام سے سندید کو تبدیل ہوئے یہ خبر سن کر مجھے اور کل اشخاص سندید کو بغایت درجہ ملال ہوا اور مولوی صاحب نہایت نیک مزاج فہمیدہ اور عقل تھے تحصیل سندید میں کوئی ان سے ناراض نہیں تھا۔۔۔

تحصیل دار صاحب نے علاوہ نو مہینے قائم مقامی کرنے کے جس کے بعد ہردوئی اپنے عہدہ سرسہ داری پر واپس گئے تھے۔ ۲۹ جون ۱۸۸۱ء کو پھر چارج تحصیل داری کا سید محمد صاحب تحصیل دار سے حاصل کیا اور بعد چند روز کے مستقل ہو گئے اور اس وقت تک اسی عہدہ پر رہتا رہے۔ اس حساب سے چھ سال نو مہینے انھوں نے تحصیل داری سندید کی کمال نیک نیتی اور تدبیر کے ساتھ انجام دی اور مجھے ان کی ذات سے بہ طرح کی اعانت ملی اور ملنے کی امید تھی۔ دیکھا چاہیے کہ اب منشی مقبول احمد صاحب سے کس طرح برتاؤ ہوتا ہے۔

۲ اپریل۔ آج مولوی عبدالقادر صاحب تحصیل دار جب چشم گریاں روانہ بلگرام ہوئے۔ وقت رخصتی اسٹیشن پر ہر قسم کے لوگ تشریف لے گئے تھے۔ یہ ان کی محض وسعت و اخلاق کا نتیجہ تھا۔۔۔۔

۲۲ و ۲۳ اپریل۔ مولوی عبدالقادر صاحب تحصیل دار بلگرام ایک ہفتہ کی رخصت لے کر اس غرض سے والد سندید ہوئے کہ اپنے قبائل کو دریا باد پھینچا دیں۔

مولوی عبدالقادر صاحب مع اپنے اہل خاندان کے روانہ قصبہ دریا باد ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر مجمع رخصتی کثیر تھا۔ افسوس ہے کہ اب ان کا درست سندید آنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

وکٹوریہ ہیل ہر دوئی: ۱۲ اپریل ۱۸۸۸ء۔ خط ہارس فورڈ صاحب ڈبئی کمشنر ہردوئی اس مضمون سے موصول ہوا کہ ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۸۷ء کو کٹوریہ ہال ہردوئی کی مسٹر ایڈورڈ برن صاحب چیف سکریٹری لفٹیننٹ گورنر ڈالیں گے۔ تم بھی اس جلسہ میں شرکت کرو۔

خصوصاً وقت: ۲۸ مئی ۱۸۸۸ء۔ شب کو دفتر لالہ دولت رام جس نے اپنے شوہر منسار رام کے غم خفاقت دائمی میں کھانا پینا ترک کر دیا تھا اور یاد شوہر میں کیفیت جنون کی پیدا ہو گئی تھی ان کے رات کو کلبہ ۷ سال فوت ہوئی۔ واقعی اس کو عشق حقیقی تھا اور زمانہ سابق میں ایسی ہی عورتیں سی ہو جاتی تھیں۔

کثرت جاسوش: ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء۔ کل آدھی رات سے بارش بہشت ہوئی۔ ایسی اس طرف کثر ہوئی تھی۔ زلزلت خراب کو بہت نقصان پہنچا۔ یہ قاعدہ سترہ ہے کہ ساوین میں ہوا مغربی و سہا دوں میں ہوا مشرقی سے لافٹ ہوتی ہے لیکن اس سال اس کے عکس محض ہوا مظاہرنا را چھے نہیں ہیں۔ صد ہا مکان خام گر گئے۔۔۔۔

۳۱ اگست تا ۳ صبح تمام روز بارش رہی۔ مکانات خام و بختہ برابر گر رہے ہیں۔ شاید سندیل میں کوئی مکاں ایسا نہ ہوگا جو ٹپکنے سے محفوظ رہا ہو۔ اور ہنوز کوئی آثار آسمان کھلنے کے نہیں معلوم ہوئے۔ میرے دیہات کمال پور دھوکہ میں فصل خربزہ کو بہت نقصان پہنچا کہ یہ موضع فی الجملہ نشیب میں واقع ہیں۔

۲۸ ستمبر۔ آج بھی چند مکانات بختہ و خام گر گئے۔ واقعی اس بارش سے تمامی خلائق کو بہت نقصان پہنچا کہ کئی آفت ہے جو ہمارا فعال قبیح کا نتیجہ ہے۔ پروردگار عالم فضل کرے۔ آئندہ سال کے بہت خراب ہوں۔

۲۰ ستمبر۔ اس سال اضلاع مغربی و شمالی وادوہ و کلکتہ وغیرہ میں ایسی بارش ہوئی کہ سیلاب آگیا۔ اور دیہاتوں میں ہمارا استغناء جمعیت و دودھ ہزار کے پڑھی جاتی ہے۔ یہی ایک نشانِ خدا ہے کہ ہمیں ایسی بارش ہو کہ سیلاب اچھا اور پیداوار مفقود ہو جائے اور ہمیں ایسی کمی ہو کہ خشک سالی سے آثار قحط نمایاں ہوں۔

انفلوئنزا : یکم اکتوبر ۱۸۸۸ء آج کل شکایت تپ و لرزہ کی سندیلہ اور اس کے نواح میں زائد ہے اب آدمی بھی ضائع ہونے لگے ہیں۔ (اس کے بعد کی تاریخوں میں متعدد اموات کی خبریں درج کی گئی ہیں۔ ہاشمی۔)

خطِ جہنم : ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء۔ آج کل عجیب چیز گیاں سندیلہ میں وقوع پذیر ہیں کہ جن کا اظہار اس ہوا برائے محل نہ ہوگا۔ منشی... کی عادت ہے کہ ملا و جہ لوگوں کو ستانے و دق کرنے کو اکثر خطوط لکھتا ہے ان کے نام بھیج کر تا ہیں بلکہ اکثر اپنے دست و قلم سے لکھا کرتے ہیں جس کا جواب اسی طریقہ سے ان کو وصول ہوا کرتا ہے بقول شخصہ چاہے کدہ راجاہ درپیش۔ چنانچہ کئی روز ہوئے کہ ایک خط منجانبِ جناب منشی ران کے والد صاحب مرحوم ارشد جہنم بنام (اپنے بیٹے) صاحب اس مضمون کا موصول ہوا کہ "الو خاں میرے پاس داخل جہنم ہوا۔ اس سے ملو ہو کہ تم لوگوں سے خوش بڑاؤ نہیں کرتے اور کل اپنی قصبہ کو اپنا دشمن کر لیا ہے جس سے اس جانب کو سخت طارا تاسف ہے۔ قصد تھا کہ قبر توڑ کر نکل آؤں اور تم کو شمالی مناسب دوں لیکن یہ قانونِ قررت کے خلاف ہے اس وجہ سے مجبور رہا۔ اگر تم اپنے طریق و عمل طرز معاشرت درست نہ کرو گے تو دوسرے نہج سے تمہاری تنبیہ و سرکوبی ہو بہ خط بدل ان تحریرات کا ہے جو وہ دوسروں کے دل دکھانے کے واسطے بھیجتے ہیں ورنہ اور رئیس بھی سندیلہ میں ہیں ان کے نام کیوں نہیں ایسے خطوط آتے۔ افسوس ہے کہ منشی موصوف نے اپنے وقار اور حرمت کو الیہ بگاڑا ہے اور فی درجہ کے لوگوں کو ان کے نام تحریراً بزل و تسخر بھیجے کی جرات ہوئی ہے۔ خدا ان کو رائے عتاب کرے۔

راجہ محمود آج : ۲۱ نومبر ۱۸۸۸ء آج ۱۱ بجے دن کے میں قیصر باغ (لکھنؤ) میں بخور وادھت کے گیا۔ قل چودھری نصرت علی صاحب اسسٹنٹ سگریٹری انجن ہند سے ملاقات کی۔ بہت خلق سے پیش آئے

اور میری خواہش پر آمادہ ہوئے کہ راجہ امیر حسن خاں صاحب سے دلوں نے چٹھی میں سنی فرور کروں گا۔ چنانچہ بجے راجہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ بہ لطف پیش آئے اور میری درخواست پر جناب ممدوح نے وعدہ کیا کہ میں کسی حاکم کو چٹھی فرور لکھ دوں گا۔ چونکہ دماغ راجہ صاحب کا باعث لائق ہو جانے عارضہ جنون کے ہنوز جیسا کہ جلد صحیح نہیں ہے اس وجہ سے ان کے حرکات و افعال متغیرانہ حالت میں ہیں جس کا شہ یہ ہے کہ صبح کے تین بجے بعد نماز و نماز آرام کرتے ہیں اور بارہ بجے دن کو بیدار ہوتے ہیں۔ اسکے بعد نماز و وظیفہ میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ کسی کو فوت کا ذکر اکل آتین بجے شام تک نہیں پہنچتی ہے۔ کوئی کام خود نہیں دیکھتے۔ ہاں ہوں میں شبانہ روز گزرتا ہے۔ آخر شیخ آج ان کے کثرت اور اداس کوئی موقع مجھے کھولنے چٹھی مطلوبہ کا نہیں ملا۔

۷۔ نومبر۔ بوقت ایک بجے دن کے میں پھر واسطے ملاقات راجہ امیر حسن خاں صاحب بہادر قیصر باغ گیا اور جس کو شش چودھری نعمت علی صاحب راجہ صاحب نے واسطے سفارش بر خور دار مصطفیٰ اعلیٰ کے ایک چٹھی انگریزی از دست خود بنام بش صاحب ڈپٹی کمشنر سیٹاپور کے لکھ دی جس کا یہ مضمون تھا کہ سید مصطفیٰ اعلیٰ نوجوان آدمی میرے ایک دوست کا بیٹا ہے۔ ان کے باپ میرے ساتھ مدرسہ سینٹاپور میں انگریزی پڑھتے تھے مصطفیٰ علی نے امتحان انٹرنس ملکہ یونیورسٹی کا پاس کیا ہے اور اب درجہ ایل۔ اے۔ میں پڑھتے ہیں۔ یہ شخص تعلق دار سندھ کا عزیز ہے۔ بہرہ شاہی وزیر بوقت تسلط عملداری سرکار انگریزی ان کے مورث اعلیٰ اعلا عہدوں پر ممتاز رہے اور بہت ذی اثر ہیں اس وجہ سے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ براہ عنایت مصطفیٰ علی کو کوئی عہدہ ان کی عزت کے موافق عطا کریں گے جس کا میں مشکور ہوں گا۔

بعد واپسی مکان قیام میں نے کل بند و بست جانے بر خور دار مذکور کا کر دیا اور مولوی عبدالغنی صاحب وکیل سیٹاپور کے نام خط لکھ دیا کہ اپنے مکان میں بر خور دار کا قیام کرادیں اور صاحب ضلع سے ملاقات کرادیں۔ ۱۳ نومبر۔ آج چار بجے شام کو بر خور دار مصطفیٰ اعلیٰ ضلع سیٹاپور سے واپس آئے معلوم ہوا کہ بش صاحب ڈپٹی کمشنر سیٹاپور سے بمقام سہولی ملاقات ہوئی۔ راجہ امیر حسن خاں صاحب کی چٹھی ملاحظہ کر کے فرمایا کہ بالکل کوئی جگہ خالی نہیں ہے لیکن تمہارا نام امیدواروں میں لکھ لیا گیا۔ بروقت موقع پرورش کی جلد گئی چونکہ صاحب بہادر وہاں کے پتہ میں عجب نہیں کہ کسی موقع پر یاد کریں بلکہ بر خور دار موصوف سے کہہ دیا ہے کہ کبھی ملاقات کر جایا کرو۔

انجمن اسلامیہ سندھ - ۱۸ نومبر ۱۸۸۸ء - ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ - آج جلسہ انجمن اسلامیہ

اشرف ٹولہ سندھ بوقت ۷ بجے صبح مدرسہ سرکاری میں تھرا دیا۔ ایک سو سے زائد باشندگان سندھ یکجا جمع تھا۔ منشی

نفل حسین صدر نشین کیے گئے۔ سید محمود رضا (ولد سید محسن رضا صاحب) اہل حرم، کرامت علی (ولد شیخ سلامت علی صاحب مرحوم) و مولوی حفیظ اللہ مدرس و ایم ساکن ساندھی، و مولوی فیاض علی مدرس اڈل محلہ منڈی نے مناسب وقت ہمدردی و ترقی دین اسلام کے سببیں کیں۔ یہ جلد ۳، لکھنے تک قائم رہا۔ انجن مذکور ۱۳۰۱ھ میں قائم ہوئی ہے۔ خدا برکت دے کہ یہ قائم رہے اور کوئی نفاق باہمی پیدا نہ ہو جائے۔ اس انجن کی دیکھا دیکھی واجد خاں صاحب نے محلہ ملکانہ میں اور ریاض الدین پٹواری 'مخدوم پورہ' نے محلہ منڈی میں ایک ایک انجن چندہ سے قائم کی ہے۔ اگر ان میں نفاق نہ ہو تو خیر ورنہ انجام بخیر نہ ہوگا۔

حافظ کیم احمد : ۱۹ نومبر ۱۸۸۸ء - ۱۹ سوس ہے کہ آج ایک بچہ ۲۰ منٹ دن کے جناب حافظ کیم احمد صاحب نے ۶۷ سال اس دارِ ناپائدار سے رحلت فرمائی۔ ان کی مفارقت دانگی سے باشندگان سندھ کو معلوم اور ان کے اعزاء و مریدین کو خصوصاً از بس صدمہ ہوا۔ جناب مرحوم شیخ مدلیقی حافظ محمد حسین صاحب کے بیٹے تھے۔ کتب درس تصوف میں دستگاہ کامل تھی۔ ابتداً بتحصیل علم ضروری اضلاع 'ملت پور' وغیرہ میں بہ عہدہ ہائے مختلف ملازم سرکار تھے۔ ۱۸۵۵ء و ۱۸۵۶ء میں ضلع 'اورنی' ملک متوسط میں سرشتہ دار و موضع 'سراون' میں تھانہ دار رہے۔ زمانہ گذر ۱۸۵۷ء میں سندھ تشریف لائے اور بعد رفع غدر و تسقط حملہ داری برٹش گورنمنٹ ضلع 'ساگر' میں سرشتہ دار بندوبست و پیش کاری وغیرہ ہائے مختلف پر ممتاز رہے۔ بعد تکمیل ملازمت ۱۸۷۲ء میں بحولہ پنشن تیور و پے چار آنے فائز نشین ہوئے۔ حضرت مشوق علی صاحب خیر آبادی کے مرید تھے اور اس طریقت میں معلومات کامل تھی۔ آپ کے صدمہ مردوزن سندھ و خیر آباد گروہامو، لکھنؤ، ساگر، بھدیاں، ٹونک وغیرہ میں مرید ہیں۔ باوصف قلت ملائمت و حالت توکل اپنے دادا پیر حضرت فضل میاں صاحب قدس الشرفہ کا عرس ۱۲ شوال کو بمقام سندھ بہت دھوم دھام سے فرماتے تھے اور ہر سال خیر آباد تشریف لے جا کر بربیع الاول کو اپنے مرشد کا عرس بڑی فیاضی و کشادہ دلی و خوش اعتقادی سے سرانجام دیتے تھے۔ اس مرتبہ علالت درمعد مانع عزیمت خیر آباد ہوئی، اور عرس آخری سندھ میں کیا۔ آپ کا شکر کاری کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ اس سے نفع قلیل حاصل ہوتا۔ بابت وسعت اخلاق و فطری فیاضی و تعلیم علم فقر کے لوگوں کا ہجوم رہتا۔ دوسروں کا نفع اپنے نقصان پر مقدم جانتے کسی سائل کو بے نیل ملامت واپس نہیں کرتے اور اس کے فائدے کو بدل صرف ہو جاتے۔ کتب پروری میں یکتا تھے۔ دوسروں کے انجام مرام میں کسی بچے سے دریغ نہیں فرماتے اور ان کی حاجت کو اپنی تکلیف پر ترجیح دیتے۔ ان کی ذات خیر و برکت سے رولق محلہ تھی اور کل اہل سندھ ان کا اعزاز کرتے

تھے۔ بخت تاسع ہے کہ آج جناب ممدوح نے باتیں کرتے ہوئے درود صدر میں انتقال فرمایا جو کم و بیش دو ہفتہ سے لاجن تھا اور چونکہ شام کو اپنے احاطہ نشست گاہ میں مدفون ہوئے چارپانچ سو آدمی تہیز و تکفین میں شریک تھا جناب مرحوم کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی صرف ایک لڑکی یادگار چھوٹی بونیل اس کے لاولد یہ وہ ہو چکی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ آج کے روز سے ان کا نام و نشان بالکل معدوم ہو گیا۔

۲۰ نومبر آج طعام دو جا بہ خانہ جناب حافظ کرم احمد صاحب مرحوم بھیجا۔ چونکہ برغور دار مجتبیٰ علی حافظ صاحب مرحوم کے بہکان عقیدت مندی سرید تھے لہذا ولعت فرمائی حافظ صاحب سے ان کو نہایت صدمہ ہوا اور چند گھنٹے اوقات عزت کے گریہ و زاری میں صرف کیے۔

ایک عقد شریعی : ۲۰ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج ۹ بجے رات کو عقد شرعی دختران وصی علی شاہ صاحب گاہ کا فرزند ان حامد علی مشرف علی سے ہوا۔ میں بھی شریک رہا۔ محمد ادریس خلیف حامد علی کا عقد مسماۃ کنیز فاطمہ اور نبی محمد عرف سیح اللہ خلیف مشرف علی کا مسماۃ اللہ بخشی سے ہوا۔ ایک ایک ہزار اور ایک ایک روپیہ مہر قرار پایا۔ دس بجے رات کو فروغت ہوئی۔ بعد نکاح شاہ صاحب اپنے سر پر چکی کے پل رکھ کر اور لڑکیوں کو پایادہ لے کر ان کی سسرال پہنچائے۔ لڑکیاں سات سات پیوند کی چادر میں اوڑھے تھیں اور سہا موں میں بھی پیوند لگے تھے۔ ایسے شرعی طریقے سے عقد نہایت سہی نہیں ہوا۔ بدقت رتی دھن ایک کراہ غلیظ تھا۔ کل حاضرین کو رقت تھی۔

اطیباے سندیلہ : ۱۶ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ افسوس کہ سنڈیلطیبوں سے خالی ہو گیا۔ بعد انتقال حکیم بندہ جن صاحب اب کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ اس سے رجوع کیا جائے اور پھر بعد تشخیص کامل علاج ہو۔ گرج حکیم جاوید علی مہتوانہ شاگرد رشید حکیم صاحب مرحوم علاج متوجہ کرتے ہیں اور بجانب غربان کی نظر زیادہ ہے لیکن جو علمیت اور ریاضت حکیم صاحب کو حاصل تھی وہ کہاں۔ میرے خیال میں اب طب یونانی روز بروز معدوم اور علاج انگریزی کو ترقی ہے غالباً اب عموماً علاج انگریزی ہوا کرے گا۔ اور یونانی مطلقاً مفقود ہو جائے گا۔

منشی امتیاز علی واکرام اللہ خاں : ۲۴ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ بمعانہ او دھ اخبار امروزہ سے واضح ہوا منشی امتیاز علی صاحب رئیس کا کو ری وکیل عدالت ہائے گھنٹو ۲۱ ماہ حال کو عازم بھوبال ہوئے اور ۲۲ خواہ ۲۳ دسمبر کو چارج منصب وزارت ریاست مذکور سٹر وارڈ صاحب ہتھم ریاست سے حاصل کریں گے۔ منکر ہے کہ ہمالے ہتھم دن بھائی کو ایسا اعزاز حاصل ہوا جس سے ہر آئینہ موجب فروغی تصور ہے۔ اور ایسی پچ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد اکرام اللہ خاں صاحب بہادر (نواب یار جنگ صوبہ دار گلبرگہ کن) مرکن ریاست رام پور

مقرر ہوئے اور شاید یکم جنوری ۱۸۸۹ء کو ریاست مذکور میں فائز ہو کر کنور لطف علی خاں صاحب سے چارج حاصل کر لیں۔ سنا گیا کہ منشی امتیاز علی صاحب کی دو ہزار پانچ سو روپیہ اور ڈیڑھ لاکھ مال صاحب کی بارہ سو روپیہ تنخواہ ہوئی۔ صاحب آفر الذکر علاوہ اس تنخواہ کے پانچ سو روپیہ پیش ماہواری ریاست حیدرآباد سے اور تین سو بیس روپیہ گورنمنٹ انگریزی سے پاتے رہیں گے۔

بیرادرس خوسر ۵: ۲۹ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج شب کو جب ہدایت سابقہ جناب حافظ کرم احمد صاحب مرحوم شیخ شجاعت حسین وحیدین وغیرہ ساکنان گویا مومنین حافظ صاحب مرحوم و مغفور نے عزیزی سید اظہر علی کو خلیفہ جناب مرحوم کا قبول کیا اور بعد بندش عامہ خلافت تو الا ان نے مبارک باد گائی اور مومنین نے ندریں پیش کیں۔ چوں کہ اس کارروائی میں عجلت بہت ہوئی اس وجہ سے میں شریک نہ ہو سکا۔ واقعی حافظ صاحب عزیز موصوف سے بیاعت ان کی سلیم الطبعی و شائستگی کے از حد خوش تھے اور علم فقر کی تعلیم بوجہ ان کی حاضری شاکی بطور مناسب فرمائی تھی۔ خدا کرے کہ سر انجام اس خلافت کا خوش اسلوبی سے ظہور پذیر ہو۔

انجمن اسلامیہ ۳۰: دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج ایک بکے دن کے جلسہ انجمن اسلامیہ مدرسہ سنڈریس قرار پایا۔ منشی فضل حسین پریسیڈنٹ کیٹی تجویز ہوئے اور مولوی علی احمد صاحب نے دربارہ ترقی تعلیم اہل اسلام کے پر جوش اسپچ بیان کی جس سے حاضرین کو ایک نوع کا اثر ہوا۔ بعد مولوی مقیم الدین صاحب عالم پنجابی نے جذبات قرآنی کا ترجمہ بطور وعظ کے فرمایا اور جلسہ پر خاست ہوا۔

گوسنر کا دس باس ۵: فروری ۱۸۸۸ء صبح کی ریل میں جناب سر کلینڈ کالون صاحب بہادر لکھنؤ گورنر اضلاع مغربی و شمالی چیف کمشنر اودھ وارد ہوئی ہوئے۔ چار بجے شام کو بمقام وکٹوریہ ہال دربار ہوا۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے از جانب وکٹوریہ ہال اور راجہ درگا پرشاد نے منجانب تحلقہ داران ایدرس پڑھا اور راقم نے منجانب وکٹوریہ ہال بورڈ و حاجی محمد حسین خان شاہ آباد نے از جانب میونسپلٹی و سٹیٹی صاحب (معون بھیتیں میان) نے از طرف بلگرام انسٹیٹیوٹ ایدرس و شیخ نظیر حسین وکیل ہر دو نے قصیدہ یکے بادیہ کرے پیش کیا جو قبول و منظور ہوا۔ بعد الانجمن و پان تھیم ہو کر دربار پر خاست ہوا۔ شام کو آتش بازی و روشنی و قہقہ جعدن و گیتن وغیرہ طوائفان لکھنؤ و فضل حسین کشمیری کا ہوا۔

کتب خانہ وکٹوریہ ہال ۲۳: فروری ۱۸۸۹ء۔ آج صبح کی ریل میں واسطے شرکت کو میٹھی چندہ کتب خانہ کالون صاحب وکٹوریہ ہال ہر دوئی کو گیا۔ بارہ بجے کو میٹھی ہوئی۔ مبلغ چار ہزار چھ سو روپے کی تعداد کتب خانہ

پانچ ہائیک قرار پائی۔ منشی نلکشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار نے اسٹیج پر صی اور دو ہزار پانچ سو جلد کتاب کی بابت نہرست پیش کی جو کتب خانہ کالون میں داخل کریں گے اور دوسور وپے نقد واسطے خرید ایک کتاب جامع علوم نین کی دینا منظور کیے جو کتاب لندن سے خرید ہو کر آوے گی۔ اول ہارس فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر لبدہ علی بہادر صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدراس منشی نظیر حسن صاحب نے اسٹیج پر بھی جن کا تعلق فائدہ عام کتب خانہ کالون سے تھا۔ پانچ بجے شام کو فراغت ہوئی اور اسی وقت شام کی ریل میں سڈیلو الپس آیا۔

شادی عرت علی : ۸ مارچ ۱۸۸۹ء۔ شب کو جلسہ رقص شادی عرت علی دھلف چودھری نصرت علی صاحب میں شریک ہوا۔ حسب ذیل تعلقداران اودھ نے باعث اسٹنٹ سکریٹری ہونے چودھری صاحب کے شرکت کی۔ علاوہ تعلقداروں کے اور بھی معزز لوگ شریک ہوئے تھے۔ تفصیل تعلقدار: رامانکر کشن صاحب تعلقدار کھجور گاؤں ضلع رائے بریلی۔ راجہ صدق رسول صاحب تعلقدار جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی۔ خان بہادر احمد حسن صاحب تعلقدار گدیاض ضلع بارہ بنکی، مرزا محمد علی بیگ تعلقدار اورنگ آباد ضلع سیتاپور محمد علی خاں صاحب تعلقدار سہارن ضلع کمٹو، داروغہ نظیر حسن تعلقدار ضلع کمٹو، موسیٰ حیدر عرف جی میاں صاحب تعلقدار بلگرام ضلع ہردوئی، ٹھاکر جگ بہادر صاحب تعلقدار سرورہ ضلع سیتاپور، موسیٰ الزماں تعلقدار التاؤراقم جلسہ میں چند منٹ ٹھہرا اور دو روپے چودھری نصرت علی صاحب اور دو روپے چودھری محمد عظیم صاحب کو نیوٹہ دے کر مکان پر واپس آیا۔

۹ مارچ۔ صبح کو نکاح چودھری عرت علی خلیف چودھری نصرت علی صاحب کا سماء مینا دختر چودھری محمد عظیم صاحب سے بعض ہنر پچھترہ برس کے ہوا۔ حافظ شوکت علی صاحب نے نکاح پڑھا۔ سامان آرائش و آتش بازی بہت ہوا تھا۔ چند ڈیرے طوائف کے کمٹو سے بھی آئے تھے۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے حسب معمول کندوری عام طور سے تقسیم کیا اور جہیز بھی اچھا دیا۔ تفصیل مختصر درج ذیل ہے۔

ظرف نقرہ۔ ۵۱ ظروف مسی ۱۵۱ انجیریل کیا اسپک شریک۔ زیور کل طلائی تھا۔ صرف چھپان کو کھوٹ لائی تھے (گذا) یہاں تک کہ زیور ہر کبھی مثل کرے دھڑے کے طلائی دیا گیا ظروف زیور مضبوط و زنی تھا غافید تھا۔ چھ ہزار بخش کنوری میں صرف ہوئے۔ گیارہ بجے رات کو بارات خضت ہوئی۔ جب بارات بخاندن دھلائی جی تو ایک پشت ایک ٹوٹا لٹری و ایک پات طلائی تھی ۲۲ روپے چوری گیا جس کی تفتیش ہو رہی ہے۔

چیچک : ۳ اپریل ۱۸۸۹ء آج کل سڈیلو خاص اور اس کے نواح میں اس قدر شکایت چیچک ہے کہ صہارٹ کے اس عارضہ میں متاثر ہو گئے اور بہتے جا رہے ہیں مگر ماں جن لوگوں کو ٹیکہ دیا گیا ہے وہ البتہ اس شکایت

سے محفوظ رہیں۔ یہ عجیب موڈی عارضہ ہے کہ ہمدردانہ اشخاص کو داغ مفارقت اولاد دے رہا ہے۔

حکیم ظہور الحسن: یکم مئی ۱۸۸۹ء۔ آج میں نے بوقت ملاقات منشی مقبول احمد صاحب تحصیلدار سندیلہ سے حکیم ظہور الحسن نبیر میر کرم صفی کی سفارش کی کہ سندیلہ میں حکیم کے نہ ہونے سے عموماً تکلیف سخت ہے۔ اگر ان کا تقرر صیفہ میونسپل سے کیا جائے تو باعث بڑے رفاہ عام کا ہے۔ چنانچہ تحصیلدار صاحب نے سفارش منظور کی اور کوئٹہ آئندہ پران کا تقرر و تنخواہ وغیرہ کی بحث کو موقوف رکھا۔

مدرسہ انگریزی: ۲۷ جون ۱۸۸۹ء۔ آج کوئٹہ واسطے قائم ہونے مدرسہ انگریزی کے استعانت ارباب سندیلہ قائم ہوئی۔ کثرت رائے سے طے پایا کہ یکم جولائی سن الیہ کو دیوان خانہ چودھری دھوکن میں جوتیں روئے۔ ماہواری کر لیا گیا ہے مقرر ہو۔ بالفعل تین مدرس دو انگریزی اور ایک فارسی داں واسطے تعلیم کے تجویز ہوئے واسطے امور انتظامی کے منشی علی بہادر صاحب تحصیلدار سندیلہ پریسیڈنٹ و کنور درگا پرشاد صاحب و کنور زبیر بہادر صاحبان و ایس پریسیڈنٹ اور راقم الحروف سکریٹری تجویز ہوا اور پروانہ جات تقرری بنام مدرسین جاری ہوئے۔ پنڈت آسارام نقل نویس سب ججی ہر دینی مدرس اول تنخواہ میں روپے اکبر خان سندیلہ مدرس دوم دیکم دس روپے لالہ جواہر لال سندیلہ معلم فارسی سات روپے، بھگوان دین چپراسی سندیلہ تین روپے۔ گل چالیس روپے ماہواری۔ پنڈت آسارام کے نام پر وائے تقرری بھیجی گیا ہے اگر وہ قبول نہ کریں گے تو کوئی دوسرا شخص تجویز ہوگا۔

یکم جولائی۔ آج مدرسہ انگریزی بدیوان خانہ چودھری دھوکن مرحوم راقم و کنور درگا پرشاد و کنور زبیر بہادر صاحبان نے کھولا۔ بالفعل اکبر خاں و جواہر لال نے کام شروع کیا۔ ہیڈ ماسٹر بھی نہیں آئے۔

۹ جولائی۔ آج میں نے ایک فہرست مرتب کی اور اس کو شان کیا کہ روسائے قصبہ ہذا و ممبران میونسپل بروقت تشریف آوری کرنیں پھر صاحب جواہر لال کو وارڈ سندیلہ ہوں گے کھولنے مدرسہ انگریزی میں شرکت کریں۔

۱۱ جولائی۔ آج بارہ بجے دن کی ریل میں کرنل پچر صاحب ڈپٹی کمشنر ہروئی و ڈاکٹر مکریڈی صاحب و پرل صاحب کپتان پولیس واسطے کھولنے مدرسہ انگریزی سندیلہ کے رفیق بخش سندیلہ ہوئے اور دیوان خانہ چودھری دھوکن میں تشریف لے جا کر جہاں بالفعل مدرسہ تجویز ہوا ہے مدرسہ کو کھولا۔ لاہور درگا پرشاد صاحب تعلقہ دارسرون ٹراکٹوں نے ایلیچ پڑھی جس کے جواب میں صاحب ضلع نے اپنے ایڈرس میں وعدہ کیا کہ ہم اس مدرسہ کے واسطے سرکاری مدد بھی دیں گے اور میونسپل سندیلہ سے بھی بحالت گنجائش مدد کی تحریک کریں گے۔ راقم و جملہ اہلقداران و روسائے قصبہ ہذا موجود جلسہ افتتاح تھے۔

۱۹ جولائی۔ میر علی حسن ساکن پہانی میلڈ مارٹر مدرسہ انگریزی سندیلہ مقرر ہو کر آئے اور چاہ اپنے مہرہ کا کیا۔
 ۲۱ جولائی۔ آج کل بہ منصب سکریٹری مدرسہ انگریزی سندیلہ مجھے کچھ کام زیادہ بڑھ گیا ہے لیکن اس سے مجھے
 کچھ عبوری نہیں ہے اور نہ ہیبت خوشی سے میرا کام کو انجام دیتا ہوں جبکہ علت غائی صرف رفاہ خلائق و حصول اعزاز ہے۔
 ۲۱ جولائی۔ آج بغرض مواد کر کے دیوان خانہ چودھری دھوکن مرحوم رحس میں بالفصل مدرسہ انگریزی قائم
 ہوا ہے ایک دروازہ پشت برب مرک توڑ دیا تاکہ معلمین و متعلمین کو احتباس ہوا سے تکلیف نہ ہو۔

ایک میت : یکم ستمبر ۱۸۸۹ء۔ آج مسماۃ شفیق النساء خاتون سید عنایت حسین صاحب یعنی اہل حناہ
 سید الطاف رسول خلیفہ منشی فضل حسین نے بغیر تپ و دق بوقت ۵ بجے شام کے اس دنیا سے رحلت کی۔
 ۴۷ سال تھی مرحومہ کے تابرگ حواس خمسہ درست رہے اور باتیں کرتی رہیں اور کلمہ شہادت پڑھتی رہیں۔
 ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بہ صرف مبلغ پندرہ ہزار روپیہ شادی ہوئی لیکن بیعت نا اتفاق موزنان فریقین ایک
 روز بھی آسائش نصیب نہ ہوئی... دو باتیں مرحومہ کے انتقال میں جدید ہوتیں جو رواج سندیلہ کے خلاف تھیں۔
 اول جب لاش مکان سے لے چلے تو بیعت خفیہ ترشح ایک سائبان مخمّر بغرض حفاظت لاش چار آہی تانے
 لے چلے۔ دوسرے یہ کہ نماز جنازہ مسجد عمرہ کے اندر ہوئی جس کی نسبت علما میں اختلاف ہے۔

مدرسہ انگریزی وحکیم مظہر الحسن : ۱۹ ستمبر ۱۸۸۹ء۔ آج میونسپل کمیٹی ماہوار قرار پائی۔
 بکثرت رائے مبلغ پندرہ روپے ماہوار واسطے امداد مدرسہ انگریزی کے تجویز ہوئے۔ حکیم ظہور الحسن نبیرہ میٹر
 صفی چوپار گولہ سندیلہ از جانب میونسپل کمیٹی طبیب تجویز ہوئے اور دس روپے ماہوار ان کو کمیٹی میونسپل
 سندیلہ سے ملیں گے بشرطیکہ حکام بالا اس تجویز کو منظور کریں اور بائیس روپے ان کو چندہ سے ملیں گے جس کو رد کیا
 سندیلہ نے منظور کیا، اور ایک لکڑی میں بھی اس میں دینا جائز رکھا۔ ظہور الحسن حکیم نوان خوش شخص ہیں اور علاج اچھا کرتے ہیں۔
اچھی طوائف : ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ مسماۃ اچھی طوائف کل بدھج کعبہ سے داخل سندیلہ ہوئی۔

اس نے گناہوں سے توبہ کی اور اب اس کا قصد اپنے پیشہ کا نہیں ہے۔ عجب نہیں کسی سے عقدر کیوے۔

ٹیکا چیک : ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ آج کمیٹی خاص میونسپل میں یہ ہو کہ کام لگانے ٹیکا کار ایک
 نمبر کو تفویض کیا جائے اور وہ لوگ ہفتہ وار اپنے اہتمام خاص سے کام ٹیکا کا انجام کرا دیں جس کی بابت ہدایت
 خاص گورنمنٹ موصول ہوئی ہے چنانچہ میرے متعلق ہفتہ اول دسمبر ۱۸۸۹ء کا مقرر ہوا ہے۔

منابع : ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ آج بہرہی سید علی بہادر تحصیلدار سندیلہ دو گھنٹہ کامل گشت تعصب نہا کا کیا

اور مقامات ذبح کے تجویز کیے۔ آخر شش متصل تالاب شراوض، ایک موقع واسطے ذبح کے قرار پایا۔ بعد میں اس مکان میں لگائے گئے بیل وغیرہ ذبح ہوا کریں گے اور جو مقام تالاب شاہ دیوان عالم تجویز ہوا ہے۔ اس میں بکری و بھینٹری وغیرہ ذبح ہوا کریں گی۔ یہ مکانات عنقریب میونسپل سے تعمیر کرائے جائیں گے۔

مہمت دھنہ: ۲۸ نومبر ۱۸۸۹ء آج کل مرمت نہر تالاب، پچکوہرہ، جو ندی، بیتا، میں منتهی ہوئی ہے میرے اہتمام میں ہوتی ہے۔ ضامن علی سابق خدمت نگار راقم بحیثیت میٹ سولہ نفر مزدوروں سے کام لیتا ہے۔ آج میں نے کام معائنہ کیا۔ آج چند جربہ تیار ہوا ہے اور اچھا ہوا ہے۔ اب لہذا نذرانہ بارش میں پانی تالاب، پچکوہرہ، و بھینٹریلا، کا جو محلہ ہتھوان کے گرد پھیل جاتا تھا ملا تھکتا، بیتا، میں بہتا چلا جائے گا۔

قیمت گوشت: ۸ دسمبر ۱۸۸۹ء۔ آج میونسپل کیٹی اکٹوبر نومبر سن الیہ کی ایک ساتھ ہوئی۔ ایک امر متعلقہ نامظوری افزونی قیمت گوشت کے میری رائے کو غلبہ رہا اور منجملہ بارہ ممبران موجودہ کے دکان کو مجھے اور ایک کو چودھری محمد عظیم سے اتفاق رائے ہوا۔ ان کی رائے تھی کہ قیمت گوشت کی دو آنے سے بڑھائی آنے سیر کر دی جائے۔ آخر شش بہ کثرت رائے فیصلہ ہوا اور دو آنہ سیر قیمت قائم رہی۔

فضل حسین و احمد علی شوق: ۲۳ فروری ۱۸۹۰ء۔ غلط بیانی سے بروقت افشائے راز ہمیشہ ندامت ہوتی ہے لیکن کچھ لوگ اس کے ایسے عادی ہو رہے ہیں کہ باوصف، نیک، پر نیک اٹھانے کے باز نہیں رہتے۔ چنانچہ آج کل ایک مقدمہ مابین منشی فضل حسین تعلقہ دار و سید علی بہادر صاحب تحصیلدار سندیلہ کے زیر بحث ہے۔ یہ باتیں تفصیل کہ منشی صاحب نے ایک فٹن گاڑی لکھنؤ سے بقیعت نو سو پچاس روپے بذریعہ احمد علی شوق (جن کا اخبار موسومہ آزاد لکھنؤ سے نکلتا ہے) خرید کر اسے سندیلہ منگائی اور خرچ اس کا درج روشن باقی تعلقہ ہوا۔ اور قبل آنے گاڑی کے منشی صاحب نے راجہ کنور بہادر صاحب تعلقہ دار خریداری گاڑی اور اس کی قیمت کا اظہار کیا اور محمد یحییٰ مختار عالم نے بھی اس کی تصدیق میرالطاف حسین سیرٹنڈنٹ آف گاڑی سے کی۔ جب سیرٹنڈنٹ نے محصول طلب کیا تو منشی ساڑھے چار سو قیمت گاڑی قرار دے کر چودہ روپے ایک آنہ محصول بھیج دیا۔ چونکہ سیرٹنڈنٹ کو اصل قیمت سے اطلاع تھی لہذا انھوں نے سید علی بہادر صاحب پریسیڈنٹ میونسپل کو اس صورت حال سے اطلاع دی جس پر تحصیلدار نے بعد استفسار از شوق راجہ حسن اتفاق سے بدتریب شادی رفیع الزماں ہمراہ بارات آئے تھے، مکمل کیفیت درج کر کے منشی صاحب سے جواب طلب کیا ہے دیکھیے کہ کیا جواب دیئے ہیں۔

۲۴ فروری۔ جب منشی فضل حسین کو معلوم ہوا کہ احمد علی شوق، مالک اخبار آزاد لکھنؤ نے سید علی بہادر

تھیلڈار سے تصدیق کی ہے کہ گجٹی بند لید ان کے نوسو پچاس کو خرید ہوئی ہے تب تو منشی صاحب سخت پریشان ہوئے
 ورنہ کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ مجرم اخٹاے معمول قائم کیا جائے لہذا فوراً مبلغ تینتیس روپے بابت قیمت گجٹی
 نوسو پچاس کے حصول بصرج دیا لیکن تھیلڈار صاحب نے اس وقت تک لینے سے انکار کیا جب تک منشی صاحب
 نے تجربہ ہی اقبال خرید کاٹری کا قیمت نوسو پچاس روپے کے نہیں کیا۔ سچ ہے کہ جھوٹ بولنے کا ایسا ہی نتیجہ ہوتا
 ہے جیسا کہ منشی صاحب نے حاصل کیا ہے جس سے تمام سندیل میں مطمئن ہو رہی ہے۔

کالون انسٹی ٹیوٹ : ۱۰ مارچ ۱۸۹۰ء آج ایک ٹمکٹ شرکت جلسہ کالون انسٹی ٹیوٹ جس کی
 بنیاد بادشاہ بارنگھٹن میں ۱۱ مارچ ۱۸۹۰ء وقت ۵ بجے شام کے قائم ہوگی مرسر چودھری نصرت علی صاحب
 اسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند گھنٹن وصول ہوا چونکہ کل مقدمات چند فوجداری میسر پیٹن میں ہیں
 اس لیے شکر می کے ساتھ عذر عدم شرکت کا لکھ بھیجا۔

شادی میں فضول خرچی : ۱۹ مارچ ۱۸۹۰ء چونکہ دفتر مرزا محمد علی بیگ تعلقدار اورنگ آباد
 ضلع سیتاپور کی تقریباً نصفی بہت دھوم دھام سے قراپائی ہے۔۔۔۔۔ سنا گیا ہے کہ بہت بڑا مجمع ہوگا کئی لاکھ
 کامرن جائز رکھایا ہے۔ پہلے ہندوستانی بھائی ایسی ہی فضول خرچی سے مقروض و پریشان ہیں۔

قانون ٹیکس : ۲ اپریل ۱۸۹۰ء آج شام کیٹی میسپل منعقد ہوئی۔ سید علی بہادر صاحب پریڈنٹ
 کیٹی نے تجویز کیا کہ قانون ٹیکس قبضہ ہذا میں جاری کیا جاوے جس کی تائید بالاتفاق ہوئی اور اس بارے میں ایک
 روداد خاص بند مت صاحب ضلع واسطے منظور کی گورنمنٹ کے بھیجی گئی۔

مرزا محمد علی بیگ : ۱۵ جون ۱۸۹۰ء مرزا محمد علی بیگ صاحب ولد آغا جان تعلقدار اورنگ آباد
 (ضلع سیتاپور) سے آج شام کو ملاقات ہوئی۔ بہت تپاک سے پیش آئے اور میرے بعض خیالات کو جیسے بدلتی
 سے احتراز اور مظلوموں پر نگاہ کو کم) اپنے سے مطابق پاکر بہت خوش ہوئے اور اگلے زمانے کو پورا خیال ان کے قلب
 پر حال ہے جب کہ میں اور وہ ۱۸۹۳ء میں مدرسہ سیتاپور میں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ بالفعل عشقِ اچھی جان بنت
 گوہر و انکسندیل میں مرزا صاحب سخت مبتلا ہیں اور اس کو ایک لاکھ بارہ ہجرت پھر ہزار روپیہ سندیل میں تھیر کر دیا ہے
کثرتِ انبہ : ۲ جولائی ۱۸۹۰ء آج کل آم کی بہت افراط ہے۔ ہر سڑک گلی میں اس کی خریداری ہوتی
 ہے۔ حتیٰ کہ دوپیسری کا وہ فروخت ہوتے ہیں۔ بمقابلہ پر سال کثرت ہے۔

لے کالون کالج کے نام سے یہ ادارہ اب بھی موجود ہے۔ اُنکی۔

نمائندہ بقیہ عید : ۲۸ جولائی ۱۸۹۰ء۔ مولوی مقیم الدین صاحب ساکن ڈیرہ اسماعیل خان صاحب کی کوشش سے آج نماز بقیہ عید گاہ میں ہوئی۔ دو ہزار سے زائد آدمی شریک تھے۔ کدو ساقیہ چودھری محمد عظیم صاحب و حافظ شوکت علی صاحب و منشی فضل حسین صاحب وغیرہ باوصف ترشح بارش شریک تھے۔ ہوئے ایسا مجمع شاید عہد شاہی میں ہوا ہو لیکن اس میں اس قدر رؤسا کا اجتماع عملات سے ہوگا یہ نتیجہ محض مولوی صاحب کی محنت شاقہ کہ ہے۔ مولوی صاحب ایک غریب الوطن شخص ہیں (جی) کا سر دست قیام سندیلہ باعث تحلیل چودھری حسن جان مبتنی چودھری عمر و وف صاحب کے ہے۔ جہاں سے چالیس روپے مہاجر لکھو کھانے کے مقرر ہے، مگر محض محبت و جوش اسلام سے اس باعظیم کو اپنے سر راہیں کا بفضل خدا انجام بخیر ہوا۔ اس مجمع سے ایک شکستہ اسلام ظاہر ہوتی تھی۔ خدا ہم کو گول کو ہدایت کرے کہ ہمیشہ نماز عید میں عید گاہ میں لکھن جو بکرمہ جنتیہ میں جمع ہو سکے۔

تین درخت : ۸ اگست ۱۸۹۰ء۔ بالفعل اندرون آبادی قصبہ سندیلہ تین درخت معمر و بیلے بلند ہیں جو قصبے تین تین کوس کے فاصلہ پر نمودار ہوتے ہیں، اور ایسا بلند کوئی درخت کسی محلہ میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے ضرور اس زمانہ میں قابل یادگار ہیں۔ درخت کھجور منصوبہ نظام میاں واقع اشرف ٹوکہ دو عدد درخت اہل بیت دیا نور باغ مملوکہ میں شرف علی وغیرہ برواری محلہ ایک عدد۔

ایک کتاب خوان : ۸ اگست ۱۸۹۰ء میر ہادی کتاب خواں ساکن طبع آباد نے قضا کی۔ عمر ۵۵ سال تھی۔ یہ شخص بروز چاند رات محرم ہر سال سندیلہ میں آجاتا تھا اور مقامات معروف میں کتاب خوانی مجلس عزاء میں کرتا تھا اس سوز و گداز و خوش الحانی سے کتاب پڑھنا کہ حاضرین کو نہایت لطف ملتا تھا اور مقامات غم میں سخت رقت ہوتی تھی۔ اکثر حضرات محض بغرض سماعت کتاب شریک مجلس عزاء ہوتے تھے۔ اب ان کے انتقال سے لطف کتاب خوانی جاتا رہا اور محرم سندیلہ کا نصف رہ گیا۔ سنا گیا کہ یہ واقعہ کل بتمام طبع آباد ہوا۔

ظہور لکھنوی : ۱۳ اگست ۱۸۹۰ء۔ آج گیارہ بجے دن کے منشی ظہور الحسن شاہ ساکن لکھنؤ لکھنؤ لکھنؤ میں منہاں منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار لکھنؤ ۶۵ سال فوت ہوئے۔ متوفی اگرچہ قوم کے باورچی تھے لیکن خاندان فاضل تھے۔ شاعری میں تحقیقات اچھی تھی۔ منشی مظفر علی اسیر لکھنؤ کے شاگرد درشد تھے۔ مزاج میں ازلیں انکساری تھی۔ ظاہر وہی ان کی باعث فروغ ہوئی۔ ظہور تخلص تھا۔ منشی فضل حسین تعلقہ دار انھیں کے باعث شاعر مشہور ہوئے۔ دہلی واپس اپنی فکر رسا سے ان کے نام سے لکھ دیے ورنہ بذاتہ تعلقہ دار صاحب کو ایک معمر معتمد دل کرنے کی لیاقت نہ تھی۔ چونکہ شاعر متوفی کو تمنا تھی کہ سندیلہ کے قبرستان آگرہ میں دفن ہوں پس جب زائد ملیل ہوئے تو لکھنؤ سے سندیلہ چلے

تھے۔ منشی فضل حین پبلر دس شہر کوئی پندرہ روپے ماہوار تنوئی کو دیتے تھے۔ میں اس امر کو بھی فرنگداشت نہیں کرنا چاہتا کہ تنوئی کی عقل صاحب اور تجربہ کار شخص تھے اور اپنی منکسر مزاجی سے ہر ایک کو راضی رکھا۔

لاڈ و طوا لٹ ۱۶ نومبر ۱۸۹۰ء۔ آج مسماۃ لاڈ و طوا لٹ دختر مولانا طوا لٹ جس نے ایک مسیحا بازار بزرگہ امانی گنج میں تعمیر کی ہے میری عیادت کو آئی۔ اس کا عہد شاہی میں بہت بڑا دور دورہ تھا۔ بوجہ مصاحبت نواب علی نقی خاں وزیر اعظم گل چکھلہ دار اس کے مطیع تھے۔ یہ ایک نقل شہور ہے کہ اس نے اپنی تقریب تہنیتی میں... سے گھوڑیاں چھلوائی تھیں۔ اب بھی وہ خوش حال ہے۔ اس کے پاس ایک موضع موسومہ لاڈ و کھیر، ضلع اناؤ میں معانی ہے جس کی نکاسی حال ۵۰۰ روپیہ سالانہ سے کم نہیں ہے۔

وفات منشی فحیمہ الزماں ۷ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ کل ۱۱ بجے رات کو منشی فہیم الزماں صاحب خلت شیخ محمد زماں صاحب نواسہ دیوان محمد علی صاحب مرحوم نے بعد ازین مختلف بہ عمر ۶۴ سال تقصا کی۔ مرحوم نے برسوں بد رستی و حواس جب ہیں ان کی ملاقات کو گیا تھا اپنے خلیفہ اکبر شیخ الزماں سے کہا کہ میرا قیام بمقام سندیلہ باعث مولوی مظہر علی (راقم) کے ہوا۔ تم کو چاہیے کہ ہمیشہ ان سے صلح لینے رہو اور ان کے افعال کی تقلید کرو جو باعث تمہاری بہبودی کا ہوگا۔ میں واقعی لکھتا ہوں کہ مرحوم نہایت خوش تقریر و تاریخ دہا، حافظ قوی کے آدمی تھے۔ علوم متعارف میں واقفیت تام تھی۔ خوش نیت، خوش خوراک خوش پوشاک تھے۔ دنیاوی جھگڑوں سے باعث لائق کارندوں کے بے فکر تھے۔ راقم کے نہایت درجہ خیر طلب اور بہ دور محبت و دلے خیر سے یاد کرتے تھے۔ اکثر عمرہ عمدہ کھانے کا بار لکھتے سے پکوانے، خود کھاتے اور اپنے احباب کو کھلواتے تھے۔ سندیلہ میں ان کے مقابل دوسرا خوش خوراک کم لکھا گیا۔ اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب تھے کہ دو فرزند سعادت مند بشیر الزماں و نسیم الزماں ادیتیں مل گئیں یا دگار و چھوڑیں جن کے فرائض سے سبک دوش ہو چکے تھے۔ آج ایک بچے دن کے اپنی مادر مرحومہ کے پہلو احاطہ زیر مجلس اہل مد فون ہوئے۔ ان کی مفارقت دائمی کا مجھے صدمہ سخت ہوا۔ پانچ سو بخش کھانے کے جس میں قورمہ قلیہ اور پلا و شامل تھا۔ رسم تعزیت میں نے بھیجے۔ ایک روز قبل از انتقال جناب مرحوم نے بشیر الزماں کو بلا کر وصیت کی کہ تم دونوں بھائی میری کل جائیداد کے بلا تفریق مالک ہو۔ میرے بعد کوئی فساد نہ ہونا چاہیے۔

چودھری نصرت علی ۶ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ آج چودھری نصرت علی صاحب ساہی اسسٹنٹ سکرٹری انجمن ہند لکھنؤ۔ حال اکسٹر اسسٹنٹ کسٹرنٹ بریلی میری ملاقات کو تشریف لائے اور گھنٹہ بھر سے زائد قیام کر کے نہایت لطیف و تپاک سے باتیں کرتے رہے۔ یہ خاندان چودھری تحت علی صاحب مرحوم میں لائق و خوش فکر

میلہ دھنک جگ : ۱۸ مارچ ۱۸۹۱ء - معلوم ہوا کہ میدہنک جگ حسب اشارہ کرنل ہارڈ
صاحب ڈپٹی کمشنر سردنی و کوشش مالالیا کا مولوی سید علی بہادر صاحب تحصیل دار سندیلہ میدان (شیرہ حوض ،
سندیلہ) میں بڑی دھوم دھام سے ہوا جو تاریخ یکم مارچ سے تاریخ امروزہ تک قائم رہا سولہ روز سلسلہ تقریرات
کے بہت سے لوگ شریک ہوئے اور بے توجہ تحصیل دار تاجروں کی بکری بھی ہوئی۔ ہاتھی گھوڑے اونٹ بیل
بھی بکشت آئے۔ سنا گیا ہے کہ بیل کی بکری زائد ہوئی۔

عقد ہنزہ محمد اعلی بیگ: ۲۵ مارچ ۱۸۹۱ء - تحریر لالہ دیانک سنگر سندیل سے معلوم ہوا کہ پرسبیل واقعہ
۲۳ مارچ ۱۸۹۱ء روز و شنبہ بوقت ۱۱ بجے دن کے بمقام سندیل عقد ہنزہ محمد اعلی بیگ تعلقہ دارادنگ آباد ضلع سوات
خلف آغا جان صاحب، مسماۃ اچھی بنت گوہر لوانک، اشرف مولہ سندیل سے ہوا اور پنج ہزار مہر قرار پایا۔ مزارعہ صاحب
بہت روز سے اس کی تمنا رکھتے تھے اور ای امید پر علاوہ تیاریاں زیورات قیمتی سات ہزار خرچ کر کے اس کا کمالا بارہ
پختہ تعمیر کروا دیا جیسا کہ اس محلہ میں دوسرا نہیں ہے۔

قافلہ ہمارے حیح : ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۹ء - آج ایک قافلہ قصبہ ہاکہ کے محلہ اشرف ٹوکہ سے بنیض طواف کعبہ زیارت مدینہ منورہ نو بجے صبح کی ریل میں روانہ بھیجی ہوا جس میں اکثر میرے اعزا و بزرگ شامل ہیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل کیے جاتے ہیں ام نام کردوں اور عورتوں کے درج ہیں جو یہاں عذت کیے گئے۔ ہاشمی، مشتاق احمد کو مفتی فضل حسین صاحب اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے خرچ دے کر روانہ کیا ہے باقی لوگ اپنے صرف یا باستعانت

دوسروں کے جاتے ہیں۔ مسماۃ فاطمہ و اہل خانہ حافظ اکرم احمد صاحب مرحوم کو زیارت مدینہ منورہ کے لیے عیش ماہل ہے۔ میں نے بروقت روانگی مبلغ پانچ روپے ان کے نذر کیے۔ خدا سب کی تمنائیں پوری کرے اور بخیر عافیت معاودت وطن کرے۔ منشی سید فضل حسین صاحب نے اپنے چچا منشی سید شمس الدین احمد صاحب کو مبلغ ایک ہزار پانچ صد روپیہ بغرض سفر بیت اللہ قرضادیا جس کی ادائیگی باقسط ہوگی۔

چودھوی نصرت علی ۸۱ مئی ۱۸۹۱ء۔ واقعہ ۱۹ مئی سن حال کو چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ واکسٹر اسسٹنٹ کسٹمرل بریلی نے اپنی ملازمت چار سو روپے ماہوار سے مستعفی ہو کر بھیجائی نوکری یافتہ اسسٹنٹ سکرٹری انجمن ہند لکھنؤ کو واپس آگئے۔ اگرچہ اس عہدہ کی تنخواہ تین سو روپے ماہوار ہے لیکن اعتیاد کو وسعت اپنی ذات کو آزادی اور ہر طرح سے صورت انتفاع پیدا ہے اور زیادہ تر فائدہ کی بات یہ ہے کہ جب چاہا سندیلہ چلے آئے اور اپنے ذاتی معاملات ریاست کی پورے اطمینان کے ساتھ نگرانی کر لی اور عجب نہیں کہ باعث عنایت افسران انجمن یہاں بھی کچھ اضافہ تنخواہ کا ہو جاوے۔ آدمی خوش نصیب ہیں۔

راجہ درگاہ شاہ ۱۲ جولائی ۱۸۹۱ء۔ کل شنب کو راجہ درگاہ شاہ صاحب نے براجن و انگریز ملائمہ کا کیا جن کو قرضے کو روٹ (آف وارڈس) سے بھڑایا ہے۔ بہت سے لوگ اہل کالان ہر دوئی سے شریک ہوئے تھے اور علی جان کشمیری اور ایک طاغہ زنا نہ علاوہ سندیلہ کے لکھنؤ سے آیا تھا۔ تمام رات بڑی مسرت کا جلسہ رہا۔ چونکہ راجہ صاحب میرے دوست ہیں لہذا خلا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کو ہدایت کرے کہ ایسی فضولیات سے وہ اپنے کو بچاویں تاکہ علاقہ قائم رہے ورنہ سوال لاکھ روپے کی قرض داری جس کا سود دس آنے فی صدی ہے علاقہ کو اپنے خاندان میں قائم نہیں رکھ سکتے۔ یہ بحث عقلی دلیل سے کی گئی ہے اگر کوئی غیبی تائید ہو جائے تو اس کا علم نہیں۔

مستی نظیر جان ۲۵ جولائی ۱۸۹۱ء۔ کل سے بہ تقریب سنی مسماۃ نظیر جان طوائف بڑی دھودھام مہربی ہے۔ کل شام کو پانچ ریل گاڑیوں میں وہ نامور مردانہ و زنانہ طاغے لکھنؤ سے آئے جو بلا اخراجت معقول شہر سے نکل کر حرکت نہیں کرتے ہیں لیکن مسماۃ مذکورہ کے ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے بلا لینے کسی اجرت کے شریک جلسہ ہوئے بلکہ ایک جانب ریل گاڑی پر اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔ مسیمان ہندوین و کالاکاشمیری جو آج کل لکھنؤ میں گانے و بجانے میں اپنائی نہیں رکھتے و مسماۃ نذیر جان چودھری طوائفان لکھنؤ و مسماۃ یگن و جدان جو اپنی خود آپ ہی نظیر ہیں شریک ہوئیں اور بڑے بڑے نامی قوال و ستارے وغیرہ بھی شرکت جلسہ مذکورہ کے کی۔ مسماۃ نظیر جان سندیلہ نے بڑی عالی جو مصلی کے ساتھ اس جلسہ کو انجام دیا اور آج صبح سے تمام دن رات اور کل صبح تک قیام جلسہ رہے گا۔

میرے خیال میں شاید کبھی ایسی تقریب اس دھوم دھام سے قصبہ ہذا میں ہوئی ہو اور ایسے لوگ جو اپنے فن میں معروف و کامل ہیں شریک ہوئے ہوں مسماۃ فیضان سندیلہ نے کھانا بھی اعلیٰ درجہ کا پخت کر کے تمامی مہمانوں کو کھلایا اور دوسلے قصبہ ہذا کو تقسیم کیا۔ آج کے دن بڑی دھوم دھام ہو رہی ہے جو قابل دید ہے اور یہ جلسہ مرزا محمد علی بیگ صاحب تعلقہ داروننگ آباد کے گنج میں منجول ریگوسٹیشن ہے قراہ پایا۔ اکثر مساندیلہ شریک جلسہ ہوئے۔

۲۶ جولائی۔ آج جلسہ رقص سنی نظیفہ جان طوائف سندیلہ کا ختم ہوا۔ شب کو جلیوس کے ساتھ برکان ترکہ کھینچا بارات نکلی تھی۔ آرائش گلی اور آرائش بازی چھٹی اور شام کی ریل میں مہمان رخصت ہو کر روانہ کھنچے ہوئے جس قدر طائفے مرانہ و زمانہ کھنچے آئے تھے انھوں نے کسی قسم کی تکلیف نظیفہ جان سندیلہ کو نہیں دی۔ مجھے مسن لوگ کہتے ہیں کہ ایسی ہی عہد شاہی سے اس وقت تک کسی طوائف کی ایسی دھوم دھام سے نہیں ہوئی۔

کثرتِ بارش : ۱۶ اگست ۱۸۹۱ء۔ ۱۰ محرم ۱۳۰۹ھ۔ ۲۶ سادون ۱۲۹۸ فہلی۔ شب گزشتہ کو ۱۲ بجے رات سے شدتِ بارش ہوئی اور تمام دن اسی حالت سے ہوئی رہی۔ یا تو ماسک بالوں کی شکایت تھی یا اس کا نزول اس افراط سے ہوا کہ لوگ گھبر گئے اور کمر مکانات پختہ ایسے ہوں گے جو ٹپکنے محفوظ رہے ہوں۔ کچے مکانوں کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ بہت سے سڑگوں بھی ہو گئے۔ اکثروں کی دیواریں گر گئیں، بعضوں کی چھتیں..... اس شدت کی بارش کسی سال شاید ہی ہوئی ہو کہ جملہ تالاب گرد و فواح قصبہ المٹے بہہ رہے ہیں۔ اگر نہ ہر دن دیکر بلا، نہ بجلی ہوتی تو نصف قصبہ ڈوب جاتا۔ یہاں آج بارش سے واضح ہوا کہ کل ۸ بجے دن سے ۶ بجے شام تک ایک انچ ۲۹ خط اور کل ۷ بجے شام سے آج ۸ بجے صبح تک ۶ انچ ۵۲ خط اور ۸ بجے سے ۵ بجے شام تک ۴ انچ ۱۶ خط۔ جملہ ۱۱ انچ ۵۵ خط بارش ہوئی۔ ضلع ہذا میں ۳۳ انچ اور وسط بارش کا ہے اور یہ بارش بہ لحاظ اوسط سالانہ ۱۱ انچ یعنی ایک ثلث ۲۴ گھنٹے میں ہوئی۔ دیکھا جاوے کہ مہینہ بھادوں کیسا اپنا اثر دکھاتا ہے۔ یہاں کے اشرف ٹولہ کے تغریہ داروں کو شائبہ دینا چاہیے کہ ایسی بارش دھوا میں وہ اپنے تئز یوں کو مٹا پڑھتے ہوئے اسی طریقہ سے کر بلا لے گئے جیسے جیش لے جاتے تھے۔ تئز یوں کا صرف ٹھاٹھ تو رہ گیا تھا اور ابرک و کاغذ کا کوئی نشان نہ تھا جو وقت معمول ساڑھے پانچ بجے ”کر بلا میرا معز الدین“ قدس اللہ سرہ العزیز میں دفن ہوئے۔ اس سال پورے طور سے شمار تئزیوں میں بارش مانع ہوئی اس وجہ سے صحیح تعداد ان کی میں نہیں لکھ سکتا۔

حج کے مسافر : ۲۰ اگست ۱۸۹۱ء۔ آج رات کی ریل میں مسماۃ فاطمہ النساء و مسماۃ عزیزا دہل خانہ دختر حافظ اکرم احمد صاحب مرحوم، لودج کعبۃ اللہ براہ ساگر، وارہ سندیلہ ہوئیں۔ موصوفین ۵ شوال ۱۳۰۸ھ کو براہ

نافلہ اشرف ٹولہ سندیلہ سے روانہ ہوئی تھیں۔ چونکہ خرچ کافی نہ تھا اور ان کے بھتیجے حافظ نذیر الدین وکیل ساگر نے کچھ استدان کی نہیں کی تھی اس وجہ سے مدینہ منورہ نہ جاسکیں جس کی ان کو بے حد تمنائیں تھیں۔

۲۵ ستمبر - آج منشی ٹمنس الدین صاحب مع اہل خانہ داعزہ و قافلہ اشرف ٹولہ کے (حس کی صراحت ۵ شوال ۱۳۰۸ھ کو درج روزنامہ پڑھا ہو چکی ہے) حج کعبۃ اللہ سے وارد سندیلہ ہوئے۔ سوائے سماء کھن بلیہ منشی عزیز الدین صاحب مرحوم کہ ان کا انتقال بعد حج و طواف کعبہ مکہ معظمہ میں ہو گیا تھا۔ منشی صاحب عیال عظامت و مدینہ منورہ نہ جاسکے۔

تغزیہ پور جھنگر ۲۵ ستمبر ۱۸۹۱ء - آج تغزیہ میر قاسم علی سوداگر ملکانہ کا اسٹھا اور گشت کرتے ہوئے جب مدرسہ مولوی حیدر علی صاحب مرحوم کے آگے پہنچا تو کسی ہندو نے سنگھ بجایا جس سے تغزیہ رک بیٹے گئے اور ایک کیفیت بلوہ کی پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں نے فوراً تار و پٹی کشن بہادر ضلع ہر دوی کو دیا کہ سنگھ کے بے محل بجے کی باعث رانی صاحبہ اہلیہ کنور وزیر چند صاحبہ تعلقہ دارن زون بڑا کاؤں کی ہیں کہ انھوں نے پرسوں بھی جب تغزیہ وزیر ولد شہابو کمانگر و دیگر شہر کاے چندہ اشرف ٹولہ کا گڈ ڈی میں پہنچا تھا اورانی صاحبہ نے اس وقت اپنی کوٹھی پر سے سنگھ و گھنٹہ بجاوایا تھا۔ اگرچہ شام کو تحصیل دار و محفانہ دار سندیلہ نے مسلمانوں کو سمجھا کھا کر مسلمانوں کے تغزیہ ان کے مکانات پر واپس کرادیے لیکن ان کی رائے ہے کہ جب تک صاحب ڈپٹی شہر بہادر موقع پر تشریف لاکر بعد تحقیقات تدارک مناسب نہ کریں گے اس وقت تک ہم تم تعزیلوں کو دفن نہ کریں گے۔ اس مرتبہ ماہیں اہل اسلام و ہندو ایک نزاع جدید پیدا ہوئی ورنہ اب تک کبھی ایسا واقعہ نہ ہوا تھا اس جھگڑے میں ملکانہ و منڈوی و بعض اصحاب ہتوان کے علی الخصوص اہل تشیع شریک ہیں۔

بارش کی کثرت ۲۷ ستمبر ۱۸۹۱ء - تین دن سے برابر بارش ہو رہی ہے اور ہر وقت ابر و باد محیط آسمان رہتا ہے۔ آج کل کی راتیں کیفیت سادون بھا دوں کی دکھلا رہی ہیں۔ مہینہ کنوار میں میں نے ایسی کیفیت اپنے ہوش میں کبھی نہیں دیکھی۔ خلق زیادتی بارش سے عاجز ہے۔ نقشہ ذیل سے کیفیت زیادتی بارش جس کا اندازہ گزٹ انگریزی سرکاری اہل آباد و مطبوعہ ۲۶ ستمبر سن الی میں ہوا ہے ضلع ہر دوی کی ہر ایک تحصیل کی فاضل ہو سکتی ہے۔

نام تحصیل	اوسط بارش سالانہ یکم جون تا ۱۵ ستمبر	نام تحصیل	اوسط بارش سالانہ یکم جون تا ۱۵ ستمبر
ہر دوی	۲۴۷.۰ ۲۳۷.۲ ۲۴۳.۲ ۹۹۲	سندیلہ	۲۳۸.۳۱ ۲۳۷.۲ ۲۴۳.۲ ۳۵۲
شاہ آباد	۲۶۷.۴ ۲۶۷.۵ ۲۶۷.۵ ۱۰۵۳	بلگرام	۲۶۷.۴ ۲۶۷.۴ ۲۶۷.۴ ۷۷

مولوی خلیل الدین: ۸ اکتوبر ۱۸۹۱ء - آج بخود اور مولوی خلیل الدین ولد شیخ امین الدین حقانی

عرفت گامیاں) جو میرے حقیقی بھانجے ہیں بعد ریاضت لہذا 'کاظمین' نجف اشرف و کربلائے معلیٰ وغیرہ براہِ بندہ کراچی، لاہور، اترسرو وغیرہ ہوتے ہوئے صبح کی ریل سے وارد سندھ ہوئے۔ عزیز موصوف نے ۲۷ سال کی عمر میں کلام شریف حفظ کیا، عالم ہوئے، فنِ طبابت میں دستِ گاہِ کامل حاصل کی اور زیارتِ کعبہ سے مشرف ہوئے۔ اس لیاقت کا آدمی اب قصبہ ہذا میں کوئی نہیں ہے۔ بالفعل موصوف ریاست جھالرہ و اٹریس بمشاہدہ مبلغ بیس روپے ماہوار سرشتہ دار جنگی ہیں لیکن افسوس کہ علمِ مروجہ زمانہ حالِ انگریزی قانون سے ناواقف ہیں جو باعثِ فلاح و بہبودی امور دنیوی مقصور ہے۔

ہیضہ: ۱۲ نومبر ۱۸۹۱ء۔ اگرچہ سردی پڑنے لگی ہے لیکن ہنوز آب و ہوا قصبہ ہذا کی خراب حالت میں ہے۔ آج بھی دو آدمی بکے درماں میں ضائع ہوئے بلکہ جہاں تک اخباروں میں دیکھا جائے تو عموماً گلہستان میں اسی بیماری ہیفند کی از حد شایستگی ہے۔ شہر لکھنؤ بہت پر خطر ہو رہا ہے۔

حسرت پھیل: ۲۳ نومبر ۱۸۹۱ء۔ آج شام کو کرنیل کوئن صاحب پٹی لکھنؤ ہر دوئی نے شاخ ہاے پیل بلکہ نصفِ دخت متنازعہ (جس کی وجہ سے تعزیر ہاے سوداگران ملک کانہ چوہل کو دفن ہوتے تھے ہنوز بدستور) ان کے گھروں پر رکھے ہیں اور وہ لوگ رجوعِ نالاش پر آمادہ ہیں (کمٹو اڈا الیہ۔ پیل مکھل مکان شیخ نثار علی مہتوانہ لب چاہ پختہ واقع ہے اور اس کی شاخیں سڑک پختہ کو گھیرے ہوئے تھیں۔

نئے و پرانے تحصیل: اس: ۲۹ نومبر ۱۸۹۱ء۔ آج بابو نوروز علی رائے تحصیلدار سندھ سابق ہڈی لکھ فاضل پر تاب گڑھ) میری ملاقات کو تشریف لائے اور تادیب میرے مکان پر نشست رکھی۔۔۔ میں نے بوقتِ شب ان کی دعوت کی اور تہرم کا کھانا کھانے کو کھلایا۔ بظاہر آدمی صاف گوشت و مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

آج ڈھائی بجے ریل میں سید علی بہادر صاحب سابق تحصیلدار اپنے وطن لکھرام کو تشریف لے گئے جہاں سے اپنی ملاقات جدید منجری علاقہ جات کوٹ آف وارڈس سیتاپور کو جائیں گے۔ بروقت روانگی اسٹیشن پر جمع نہ ہو سکا۔ سید صاحب آدمی دبیر تیز مزاج و صاحبِ جرأت تھے۔ قلم پر بہت زور دیتا اور حکام کو فوراً راضی کر لیتے تھے اور وہی باعثِ ان کی اس قدر جلد ترقی کا ہوا۔ اگرچہ خاص لوگ قصبہ کے ان سے رضامند تھے لیکن عوام کچھ شکی تھے۔ میرے حال پر ان کی عنایت خاص تھی۔ ان کے عہد میں یونیسل سندھ کو بہت رونق ہوئی۔ متعدد دیگر کس جدید پختہ تیار ہوئیں۔ ہم پولس پختہ بنے۔ لالٹین روشنی کی بڑھیں۔ مدرسہ انگریزی چندہ سے مقرر ہوا حکیم ظہور الحسن بھٹائی یونیسل دینر چندہ سے مقرر ہوئے۔ نہر بروئی کو بلا کھودی گئی جس سے قصبہ کو بڑا فائدہ ہوا اور نہ اسال کی

بارش میں زیادہ حصہ اس کا غرق ہو جاتا۔ غرض کہ بہت سے کام رفاہ عام کے گمان کے عہد میں ہوئے۔ انھوں نے دماغ ایسا عالی پایہ ہے کہ تجویز کرتے تھے وہ مقبول حکام وقت ہوتے تھے۔

ایک ڈپٹی کمشنر : ۲۵ دسمبر ۱۸۹۱ء۔ آج کل یہ تقریب یوم کلاں (کرکس)۔ بڑا دن۔ ہاشمی ہمالے کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہرودی بمقام موضع 'برو' ہیں جہاں سب سامان عیش مساعہ دلیل کنوڑھکارائن 'برو' زوج چندر کا پرشاد تعلقہ دار نے مہیا کیا ہے۔ کچھ نوٹ سے 'برو' ایک ایک سڑک مرتب ہوئی۔ تعلقہ داروں کی گھٹیاں وغیرہ ہر دو جانب سے واسطے لانے والے جانے احباب صاحب ضلع کے تیار رہتی ہیں۔ سامان روشنی کافی ہوا تعلقہ داروں سا احکام دہل کار ضلع حسب حیثیت خود ہامدہ عمدہ ڈالیاں پیش کر رہے ہیں اور صاحب مدد و مدد موپانے دیگر یورپین احباب کے نہایت مسرت کے ساتھ جشن میں مصروف ہیں۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے ایسا یورپین حاکم عیش دوست کامل و طامع اس ضلع میں کبھی نہیں آیا ہے جس سے کل رعایا باعث عدم دست یابی قیمت کاملہ سخت پریشان ہیں اور نگاہ حیرت سے دیکھ رہے ہیں کہ ایسے لوگ یورپ میں بھی ہوتے ہیں جن کے افعال ظاہری قابل نفرت ہیں۔ سچ یہ ہے کہ جب سے ضلع قائم ہوا ہے ایسا صاحب ضلع کبھی نہیں آیا۔

۲۶ دسمبر بمقام کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر گل شکاری بیٹیوں کے قصبہ ہڈا سے موضع 'برو' کو طلب ہو گئے تاکہ شکار کھیل کر مدد وچ الیکو تازہ بیٹیوں پنچا دیں اور نام قیمت صفر۔ جو تعلقہ دار بہت خوش ہوئے اور اعلیٰ درجہ کی ڈالی خود لے جا کر پیش کرتے ہیں تو قبول ہوتی ہے ورنہ واپس۔ چنانچہ راجہ درگا پرشاد صاحب و کنوڑ زرنہ ریباد صاحب تعلقہ داران کی ڈالیاں اسی وجہ سے نامقبول ہوئیں کہ وہ خود نگے تھے۔ لہذا بغور سماعت اس حال کے موصوف الیہم افعال و خیزال آج 'برو' اتشریف لے گئے اور ڈالیاں پیش کر کے شام کو واپس آئے کہ مقدم خوشنودی حاکم ہے۔ دیکھا چاہیے کہ یہ ظالم حاکم کب تک ضلع میں رونق بخش رہیں گے۔

مردم شمساری ضلع : ۳۰ فروری ۱۸۹۲ء۔ جو مردم شماری ۱۸۹۱ء کو تمامی ممالک محروسہ ہمداری انگریزی کی ہوئی تھی تو اس کی رو سے ضلع ہرودی میں جہاں کا میں باشندہ ہوں حسب ذیل مردوزن شمار میں آئے۔

نام مقام	مرد	زن	میزان	نام مقام	مرد	زن	میزان
میونہل ہرودی	۶۷۲۳	۳۳۱۹	۱۱۱۵۲	تھیل گرام	۱۳۵۸۸	۱۲۶۲۱۹	۲۷۲۱۰۵
تھیل ہرودی	۱۵۸۸۲۱	۱۲۶۰۸۸	۲۸۴۹۱۹	میونہل ساڈی تھیل گرام	۲۹۱۳	۳۷۲۵	۹۶۳۹
میونہل سندیل	۸۳۷۸	۸۳۲۵	۱۶۸۰۳	میونہل شاہ آباد	۱۰۲۹۲	۹۸۶۱	۲۰۱۵۳
تھیل سندیل	۱۳۸۲۳	۱۲۲۲۰۶	۲۶۰۵۲۶	میونہل پانی تھیل گرام	۲۰۶۶	۳۹۲۷	۷۹۹۳
				میزان کل ضلع ہرودی	۵۹۹۳۸۵	۵۱۶۷۰۹	۱۱۱۳۱۹۳

مرام لیلا : ۲۱ فروری ۱۸۹۲ء - آج بجے شام کو بہ سواری کچھ معمر عزیز بشیر الزماں بن فرض محمّد میلاد اہل لہا کے گئے۔ جماد الثانی ہے۔ کچھ دوکاندار بیر و نجات کے بھی آئے ہیں۔ بیل گائے کی کثرت ہے۔ پانچ چھ ہاتھی اور بہت سے گھوڑے سوداگری کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ بیلوں کی بکری زیادہ ہورہی ہے۔ اس میلہ کا مرام لہا میلاد اس وجہ سے رکھا گیا کہ یہاں کے ہندو بمقابلہ اہل اسلام زیادہ متمول ہیں جن سے حسب حیثیت چندہ کافی وصول ہو کر امور انتظامیہ میلاد میں صرف ہوتا ہے اور اصل غایت مدد سربکاری یہ ہے کہ چشمہ تجارت قصبہ بنائیں جاری ہو اور ہر چیز آسانی بہ کفایت مل سکے جس سے فروغ و رونق قصبہ منظور ہے۔

۲۳ فروری - ۱۰ سال میلاد اہل لہا میں اکثر مسلمان بھی جلتے ہیں۔ آج چودھری محمد عظیم صاحب رئیس اعظم سندیل بھی تشریف لے گئے تھے۔ اب کے سال چڑاں رکاوٹ مسلمانوں کو نہیں ہے ورنہ پُر سال جو لوی ہدایت رسول وغیرہ واعظوں بہت جھگڑے پیدا کر دیے تھے۔ یہ زمانہ نازک ہے انسان کو چاہیے کہ حالت وقت کی دیکھ کر کام کرے۔
تحصیل : اس سندیلہ : ۱۳ مارچ ۱۸۹۲ء - افسوس کہ بالونور و زعلی تحصیلدار سندیلہ عیش دوست ثابت ہوئے جن کو سماء مقصود اطوائف یا زار سندیلہ سے شمش پیدا ہو گیا ہے۔ اب میں یقین نہیں کر سکتا کہ ان کی داب حکومت پورے طور سے قائم رہے جب کہ روستا قصبہ سے بھی میل نہیں ہے۔

۲۹ مارچ - بالونور و زعلی صاحب تحصیلدار سندیلہ کی مخالفت اہل قصبہ سے روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ تحصیلدار صاحب علانیہ طور پر لوگوں کو برا بھلا کہہ کرتے ہیں اور بدنامی سے نام پیدا کرنے کو مستعد ہیں۔ ملوث عمل ظاہری ضرور مقتضی اس کا ہے کہ شاید سندیلہ ان کو جلد چھوڑنا پڑے۔ یہ امر بخوبی پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ شریف القوم نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔

۱۳ اپریل - میں نے اس قسم کا آدمی چھوٹے قہار نہیں دیکھا کہ وہ اپنے راز کو لینی کہ وہ لے پا لگتا ہے علانیہ افشا کرے۔ یہ حضرت ایسے عقل مند ہیں کہ ہر وقت سرد بار ہر ایک کو برا بھلا کہہ کرتے ہیں حتیٰ کہ چودھری محمد عظیم صاحب کو ملحقہ دار سندیلہ کی نسبت کوئی دقیقہ برائی کا اٹھ نہیں رہتا۔ بالمرہ حد ہا صلواتیں سناتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ سچ ہے کہ غلام لے پا لگ کسی کا دوست نہیں ہوتا اور نہ اس سے کوئی امید ہو سکتی ہے اور لطف یہ ہے کہ باوجود حکمت سخت حضرت شامینی کے بھی شائق ہیں۔ سماء مقصود اطوائف بانار والی بوقت شب ہم بستر رہتی ہے۔

وفات : مولوی سرفراز علی : ۸ مئی ۱۸۹۲ء - آج بجے شام کو مولوی سرفراز علی ملک انداپنے عزیز علی اصغر کی بارات شری دروازہ حافظ محمد اسحاق خلعت میر وارث علی مرحوم کے لائے۔ مہر کی دینی کی نسبت کچھ خفیہ بحث

فریقین میں ہوئی مولوی صاحب کو غصہ آگیا۔ بدن کنپنے لگا۔ بسم اللہ کہہ کر جس کا لیا دعا انتقال ہو گیا۔ اس وقت مسلحانہ راند مغمی کیا گیا۔ اول عقد علی اصغر مسماۃ خلیقا و فرما فذا اسحاق سے جو صوم ہر پانچ ہزار کے کر دیا گیا۔ اس کے بعد وفات مولوی صاحب شہر کی گئی۔ ایسی واردات کمتر گوش گزار ہوئی، اوکسی دیکھا نہیں گیا کہ خوشی کے ساتھ شادی کرنے کو آئے تھے اور جو صوم شخصیت دو لکھن خود کی لاش گئی۔ رخصتی کی بابت بوقت استفسار میں نے کہا کہ لاش لے جا کر دفن کرنا چاہیے اور بزرگ سیویم واجب مناسب ہو رخصتی دو لکھن کی کوئی جائے جو باتفاق منظور ہو۔ مولوی سرفراز علی صاحب اس وقت میں نہایت بزرگ و نیک مزاج تھے۔ ابتدا اصلاح منوسط میں ملازم کو نہ منٹ رہے اور بتدریج ترقی کر کے سپرنٹنڈنٹ بن۔ وبست مقرر ہوئے جہاں سے مبلغ اڑتیس روپے بارہ آنہ ماہوار پنشن حاصل کر کے سندیلہ آئے پچیس سال سے غانیہ نشین تھے اور کچھ اراضی خرید لی تھی۔

باب شش: ۲۱ جولائی ۱۸۹۲ء۔ جمعہ گزشتہ ۱۵ جولائی سے جو بارش شروع ہوئی اس کا سلسلہ آج تک برابر قائم ہے۔ زمین خشک بخوبی تر ہو گئی۔ اب کاشتکاروں کی خواہش ہے کہ پھوڑے روزوں کے واسطے بیلا جو عجاوب تو کھیت نکالے جائیں۔ ۲۳ جولائی جیسا کہ ایک ہفتہ ہوا خلافت نہ ہونے باش سے منتشر تھی ویسے ہی اب اس کی زیادتی سے پریشان ہے کہ نشیبی کھیت ڈوبے جلتے ہیں اور موقع نہ کوئی نہیں ملتا۔

محرم کے تعزیے: ۳۱ جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۶ محرم ۱۳۱۰ھ۔ محلہ اشرف ٹولہ کی رونق تعزیر داری صرف طوا کھول کی ذات سے ہے۔ بالمرہ الناک کے تعزیر ۶ محرم تک بہت دھوم دھام بڑے جمع کے ساتھ اٹھے ہیں اور بہ استثناء بعض رؤسائے محرم نکل قصبہ کے لوگ ساتھ ہوتے ہیں جس کی رونق زیادہ تر سڑک پختہ پر بمقابلہ شفا خانہ و مدرسہ سرکاری کے ہوتی ہے اگر ان کے تعزیرے نہ اٹھتے ہوتے تو شاید سوکسا اور دس محرم کے اوکسی دن جمع نہ ہوتا۔

ومی علی شاہ: ۲۳ اگست ۱۸۹۲ء۔ آج بوقت شب میں نے ومی علی شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مخدوم صاحب سید علاء الدین صاحب قلاس اللہ سرور العزیز کی عیادت کی جو چند روز سے اندرون ناک و نبل نکلے کے باعث علیل ہیں۔ بہت خاطر سے پیش آئے۔ چونکہ آدمی خلیق ہیں جو ان کی ملاقات کو جانتا ہے ان کی محبت کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ فقر کے واسطے انکساری ایک پہلا حسن ہے جو ان میں موجود ہے۔ مولوی سید علی اختر صاحب خلع سید غلام حسین صاحب مرحوم مخدوم زادہ سندیلہ اور بہت سے دیگر حضرات ان کے مرید ہیں۔

حیفہ: ۲۹ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ ہنوز حیفہ کی چھڑ چھاڑ قصبہ میں چلی جاتی ہے۔ دو تین آدمی بالمرہ خانہ ہوتے ہیں۔ محلہ مہوانہ کا کل خاندان چودھری اور محلہ منڈی کے اعلیٰ رئیس سندیلہ چھوڑ کر کچھ نو وغیرہ مقامات کو چلے گئے۔

نہا اتفاقاً سوسا: ۴ اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ افسوس کہ ہمارے قصبہ میں باہم روس کے اتفاق نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دونوں راجہ درگا پرشاد و کنور نرندر بہادر) ہنود تعلقہ دارجن کی باہم قربت ہے اور ایک دادا کی اولاد ہیں باہم رنجش چلی جاتی ہے۔ اگر کاش تعلقہ تقسیم نہ ہوا ہوتا تو نائرک فساد کبھی نہ کبھی۔ وائے بر حال ان تعلقہ داران کے جن کے سلسلہ باہم رشتہ داری قائم نہیں ہے۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ ہمارے قصبہ میں مطلقاً اتفاق کی جو قائم نہیں۔ باہم ایک دوسرے کے ہمیشہ فسادات برپا رہتے ہیں اور اسی پھوٹ کے باعث ہر ایک حاکم تحصیل کو پورا موقع ان پر حکومت کا حاصل ہوتا ہے۔

ایک عقیدہ: ۱۵ اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ یہ ایک شہر و نقل تھی کہ اس زمانہ میں ہیضہ نہیں رہتا اور اگر ہوتا ہے تو دفع ہو جاتا ہے جب کہ سیارہ و گدھے بولنے لگتے ہیں اور ابا بیلوں کا تھنڈا چھپانا ہوا ہوا میں اڑتا ہے۔ لیکن جب اس مرتبہ تجربہ کر کے دیکھا گیا تو بالکل خلاف اس کے وقوع میں آیا۔ یہ سب جانور بولتے رہے لیکن بیماری نہ گھٹی۔ پر یہ ہے کہ مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں۔

ہیضہ: ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ ۲۶ اگست سن الیہ سے شکایت ہیضہ قصبہ ہند میں شائع ہوئی جس کی شکایت کچھ نہ کچھ آج تک چلی جاتی ہے۔ موضع کہوری میں چالیس سال کے لجا اسال ہیضہ نے خروج کیا۔ پیراس آدمی ضائع ہوئے۔ زمینداران خوش حال گاؤں چھوڑ کر دوسرے موصفات کو چلے گئے۔

منشی شمس الدین: ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ منشی شمس الدین احمد صاحب خلیف حکیم بی عبدالشکور صاحب مرحوم صرف اہلکے بزرگوں میں بقیہ حیات ہیں اور بظاہر تجربہ کار ممکن تھا کہ ان کا دیباہ اور مان خوردوں پر ہوتا اور ان کی ذات سے مدد ملتی لیکن افسوس کہ وہ ایسے اپنی بی بی رہاری موانی صاحبہ کے قابو میں ہیں کہ بد و ن ان کی شورت کے کام نہیں کر سکتے اور عورتوں کی کج عقلی مشہور ہے۔۔۔ (ان کی) زن مریدی تمام محلہ میں مشہور ہے۔ پس مقام غور ہے کہ ایسی حالت میں کس سے رائے لی جائے۔

گورنر کا دس باہر ہودوئی: ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ آج ۳ بجے شام کو سرکار کلینڈ کا لون صاحب بہادر لفظینٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی وجیف کمشنر اوڈھ کا دربار ہوا۔ مسٹر ولیم صاحب قائم مقام کمشنر اضلاع لکھنؤ وغیرہ ہمراہ تھے۔ میری کڑی کانگریس ۲۲ متعاہد رباریوں میں قبلہ تعلقہ داران و روسا و معزز ممبران میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ شریک تھے۔ منجانب باشندگان ضلع ہردوئی چودھری محمد علی صاحب تعلقہ دار و ٹیکس سنبیل نے ایڈریس اردو میں پڑھا جس کا جواب لاڈ صاحب نے اسی زبان میں دیا۔ جملہ درباری حسب ہدایت کرنل کوٹن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی علامہ

بندھے تھے۔ سو اسے چند درباریوں کے جنھوں نے پرانے طریقہ کو قائم رکھنے کا عذر کیا تھا۔

کیسیا ساسانی : ۱۵ نومبر ۱۸۹۲ء۔ آج قریب نصف شب بوقت ایک بجے مولوی لطف علی صاحب بار کو چمک ستیخ میمن علی صدر اعلیٰ کا انتقال ہوا۔ آپ کو کیسیا کا بے حد شوق تھا۔ بعد از رک و زنگار اسی عارضہ میں نابہ زلیست مبتلا رہے لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ دھونکتے اور پھونکتے بصارت بھی جاتی رہی۔

اب بے عمر ۶۰ سال فوت ہوئے۔ ایک بیٹا محمد اجل یادگار چھوڑا جو ریاست کھجوپال میں کھانا دار ہے۔

وصی علی شاہ : ۴ دسمبر ۱۸۹۲ء۔ آج وصی علی شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم سید علاء الدین صاحب قدس اللہ سرہ العزیز میری ملاقات کو تشریف لائے۔ میں نے معمولاً ایک روپیہ نذر دیا اور ایک حقہ چرمی پنجابی جو ہر چار جانب پتر ہائے بیتل سے آراستہ تھا اور وہی اس وقت ان کے واسطے بھر کر آیا تھا اور مرسے میں نہایت خوشگوار کھاپس ان کی پسند پر میں نے ہمہ وجہ مرتب کر کے ان کے ساتھ کر دیا شاہ صاحب بہت خلیق و نیک صفات ہیں اور اس زمانے میں انکی ذات الہامی درگاہ میں بساغیت میں عمر گزاری ہے۔

مکان چودھری نصرت علی : ۲۲ دسمبر ۱۸۹۲ء۔ آج میں نے مکان نو تعمیر چودھری نصرت علی صاحب (دل چودھری علمیت علی صاحب مرحوم) کا دیکھا جو اپنی پھلواری کے میل میں بنایا ہے اور تالاب گینڈی میں متصل ہے۔ یہ ایک عظیم الشان عمارت ہے۔۔۔۔۔ بعد تکملہ یہ عمارت بلحاظ وسعت اور باموقع ہونے میں لائق ہوگی اور میرے خیال میں تیس ہزار سے زائد اس کی تیاری میں صرف ہوگا۔

نیپا بند و بست ارضی : ۳ جنوری ۱۸۹۳ء۔ آج چار بجے شام کی ریل میں مسٹر ریڈ صاحب صدر بورڈ واسطے ملاحظہ و جانچ کے دار دستگیر ہوئے۔ غالباً مواضع تباہ شدہ کی پر تال پر تالی کریں گے۔ فرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بند و بست سخت ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ کسی خاندان میں کوئی حقیقت (زمین داری) باقی نہ رہے گی۔ شاید فی صدی پانچ زمیندار ہوں گے۔ جنھوں نے اپنے مصارف کو حالت اعتدال پر رکھا ہو اور کچھ خزانہ جمع کر لیا ہو ورنہ عموماً پانچ سو کے مالگزاروں کے مصارف بڑے ہوتے ہیں جن کا صرف آمدنی موجود سے بمشکل چلتا ہے اور جب نفع منافع ان کا اس بند و بست میں سرکار لے لیگی تو بحر اس کے کہ اپنے علاقہ موردنی سے ان کو دست برد آرم آوے اور کوئی علان جنہیں ہو سکتا۔

تعداد ممبران میونسپلٹی : ۲۳ جنوری ۱۸۹۳ء۔ حسب ہدایت بالونوروز علی تحصیلدار سندیلہ راقم نے کمیٹی کے بدشاہرت چودھری عبدالباقی صاحب وغیرہ ممبران کی علی (کی) فہرست اسے دہندگان امیدواران

میری کی ترمیم کر کے مرتب کی جس کی تعداد گھٹ کر اب مفصلہ ذیل ہوئی۔

فہرست رائے جہنگان بقید حلف	فہرست امیداران بقید حلف	فہرست رائے جہنگان بقید حلف	فہرست امیداران بقید حلف
اشراف ٹولہ ۸۷	اشراف ٹولہ ۲۰	منڈئی ۲۹	منڈئی ۴
مہتوانہ ۵۶	مہتوانہ ۲۰	ملکانہ ۲۹	ملکانہ ۶

شرکت دربار لکھنؤ: ۶ مارچ ۱۸۹۳ء۔ آج ٹھیک گیارہ بجے بہمیری منشی فضل حسین صاحب بریلی بگھی کوٹھی کیننگ کالج لکھنؤ میں واسطے شرکت دربار کے حاضر ہوا۔ بارہ بجے جناب سر چارلس صاحب بہادر لکھنؤ گورنر شریف لائے۔ کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے جناب محترم الیہ سے معرفی کرایا۔ ایک شرفی پیش کی جو س کر کے واپس ہوئی۔ شرکت دربار کے واسطے شرط تھی کہ عامہ سر پرڈو پٹے مکرمین اور بوٹ وائرس پیرس ہو، جس کی پوری تعمیل ہوئی۔ چونکہ مجھے روشنی و آتش بازی سے جو کل رات کو ہوگی چنداں شوق نہیں ہے لہذا آج آٹھ بجے رات کی گاڑی میں سندیلہ لوٹ آیا۔

تھیلڈر بکاوی: ۲۳ مارچ ۱۸۹۳ء۔ آج شب کو حسب اصرار کنویرنڈر بہادر صاحب تعلقہ وار میں ان کے مکان پر تماشائے تھیٹر میں شریک ہوا جو آج کل لکھنؤ سے وارد سندیلہ ہے۔ بکاوی کا تھیٹر ہوا میں رات کے ایک بجے تک شریک تماشاء۔ اگرچہ نقالوں کی پوشاک وغیرہ عمدہ تھیں لیکن خوش آواز نہ تھے۔

تحصیل اس نور و زعلی: ۳۰ اپریل ۱۸۹۳ء میں نے ایسا تحصیل ارا قبل اس کے کوئی نہیں دیکھا جس کی مختصر نظیر یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف مقدمہ لگان یا فوجداری فیصل کرنا چاہتے ہیں تو اول ہی سے علانیہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں کو ڈگری یا سزا دوں گا اور جب سبیل کی ترتیب شروع کرتے ہیں تو اپنی مرضی کے موافق اس کا ٹکڑا کر دیتے ہیں تاکہ اس کے زور سے ڈگری یا سزا میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ اپیل سے کوئی سقم مقدمہ کی اہلیت میں عائد نہ ہو اور تماشائی کا یہ حال ہے کہ کوٹھے پر مقصود اطواف بازاری کو لیے پڑے رہتے ہیں اور نیچے کے مکان میں حضرت کی بی بی صاحبہ ہمشیرہ کلاں اور لڑکے بالے رہتے ہیں لیکن اسکا مطلقاً خیال نہیں رہتا کہ کیا لڑکوں۔ ۷ اپریل۔ آج بابونور و زعلی تحصیل دار سندیلہ نے بضر دہل منادی کرائی کہ ہر ایک دوکاندار پندرہ روز کے اندر اپنی دوکانوں کے آگے جھنڈا آہنی ڈالیں اور جس کا چھپو بھوس کا بعد پندرہ دن کے قائم رہے گا وہ متوجہ متصور ہوگا۔ اس حکم سے اکثر دوکاندار پریشان ہیں کہ جن کو استطاعت اس صرفہ کی نہیں ہے کہ جس میں بچیں تیس روپے سے کم خرچ نہ ہوں گے۔ لہذا ضرور ہے کہ وہ بھوس کا چھپڑا تار کر دھوپ میں تپساکریں اور ذکر خیر سے تحصیلدار کی

بھجن گادیں۔ یہ نیا حکم نہ تو خلاف ورزی قواعد میں نہیں ہے اور نہ اس کے واسطے کوئی منظروری ہے ہوئی ہے اور نہ گورنمنٹ نے اپنے گزٹ میں اس کا اعلان کیا ہے پس یہ کیسے واجب التعمیل ہو سکتا ہے چونکہ ہمارے روسائے قصبہ میں اتفاق نہیں ہے اور سب نفسی نفسی کام بھر رہے ہیں اس وجہ سے ہر ایک حکم تحصیلدار دونا چار واجب التعمیل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ عرصہ تک لوگوں کو یادگار رہے گا۔

چودھری محمد عظیم: ۱۹ اپریل ۱۸۹۳ء۔ آج بھی اکثر لوگ عید منانے آئے اور میں بھی اپنے اعزہ ملنے گیا۔ شام تک اکثر حضرت وقت کا ملاقات احباب میں صرف ہوا۔ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دارو میں علم بردار کے اپنے اہل فائدہ سے سخت مخموم ہیں کہ ان کا لطف زندگانی بالکل جانا رہا بلکہ کل عید کو کپڑے بھی نہیں بدلے۔ عید گاہ میں سناڑ پڑھنے گئے۔ مسجد مخدوم صاحب میں معہ نذرندان خود نماز ادا کی۔ دوسرے بابونور و ذریعیلدار کی دشمنی اور مقدمہ زیادہ ستانی رقم بٹائی، یعنی گنج، جو ہنوز عدالت سے فیصل نہیں ہوا ہے اور بھی ہر وقت ان روح ہورہا ہے۔ گوچودھری صاحب مالامال ہیں لیکن افسوس کہ ان کی جان کو راحت و چین نہیں اور سخت ان میں زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا طرز عمل ایسا غیر مستحسن ہے کہ کسی اہل تعصب و لطف نہیں ہے حتیٰ کہ چودھر نصرت علی صاحب بزرگ اور اپنے خاص فرزندوں سے بھی نہیں۔ اسی وجہ کوئی ان کو سزا نہیں بلکہ وقت ملائی اپنا حال زار دیکر گمیان کر رہے۔

میلہ صحبت: ۲ مئی ۱۸۹۳ء۔ آج بہ تقریب میلہ صحبت (صحبتی بارگ) کے نام پر اس میلہ کا نام صحبت پڑ گیا تھا۔ ہاشمی) میں نے مبلغ دس روپے اپنے لڑکوں کو دیکر اس میلہ میں سید سالار (مسعود غازی) بہت مال دان ہے۔ لڑکوں میں اس کی بہت قدر ہوتی ہے۔ انواع اقسام کی چیزیں خرید و فروخت تھیں جس سے اطفال کی نہایت دلچسپی متصور ہے۔

نتیجہ امتحان الہ آباد یونیورسٹی: ۲ مئی ۱۸۹۳ء۔ اب کے سال تجربہ امتحان یونیورسٹی آباد حسب ذیل ہے جس کی تصدیق ۲۹ اپریل ۱۸۹۳ء کے گزٹ سرکاری سے ہوتی ہے۔ ایم اے (۲) بی اے (۱۹) لے لے (۳۲) انٹرنس (۸۳۹) ایم اے میں کیننگ کالج کا ایک لڑکا اول آیا۔ پہلے یو پی میں تمام امتحان انٹرنس ایم اے الہ آباد یونیورسٹی ہی کے تحت ہوتے تھے۔ ہاشمی)

موسم: ۸ مئی ۱۸۹۳ء۔ اگرچہ مہینہ جھٹھ کارواں ہے لیکن فصل میں کچھ ایسا غیر معمولی انقلاب ہے کہ بار و زبہ شدت ہوا شرقی چلتی ہے اور شب کو سردی ہوتی ہے چنانچہ آج جبیں بوقت شب زیر سائبان سو اٹھا تو مجھے لمات اڑھنے کی ضرورت دلائی ہوئی اور یہی کیفیت تمام ہندوستان میں دیکھنے اخبارات

سے ظاہر ہوتی ہے۔ میرے ہوش میں ایسا حال کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

سفر حج: ۳ جون ۱۸۹۳ء عزیز حاتم ولد مولوی فضل علی مرحوم مع مسافہ باندی طوائف خدیجہ بیگم رخصت از ریاست بھوپال جہاں وہ انکسٹر پولیس بمبارہ ایک صدر روپے ماہوار میں واسطے شرف زیارت کعبہ مصلحہ مدینہ منورہ براہ جبل پور روانہ ہو کر جہاز "خیر" پر عازم بیت اللہ ہوئے۔ اس جہاز میں بہت سے حجاج سوار تھے جب چند منازل طے ہوئیں تو دفعتاً جہاز میں آگ لگ گئی جس سے اکثر جانیں تلف اور کل اسباب ہاجیوں کا سوخت ہو گیا۔ ان میں سے بعض تین تنہا کشتیوں کے مل جانے سے ایک جزیرہ کے کنارے پہنچے اور اپنی جان بچائی اور مال اسباب سے ہاتھ دھوئے۔ منجملہ ان کے عزیز موصوف بھی معاہدہ اہلیہ کے اس آفت و مصیبت سخت سے محفوظ رہے۔ صرف اسباب کے ماتھے گئی اور اب اس جزیرہ سے کچھ پہنچے تک وقت حج کا گزر جائے گا لہذا وار د مبہمی ہوئے ہیں۔

کثرتِ انبیہ: ۳ جولائی ۱۸۹۳ء۔ آسم کی سال بہت کثرت ہے۔ بعض روز شام کو ایک ہی سیکڑا فروخت ہوتے ہیں۔

مسخرگی: ۲۵ جولائی ۱۸۹۳ء۔ ۱۱ محرم ۱۳۱۱ھ میں حسبِ تحریک تحصیلدار کے ایک بچے (ن) سے چھ بجے شام تک ان کے ساتھ گڑی سے کربلا میراں معز الدین تک (جہاں قصبہ کے تعزیرے دفن ہوتے ہیں۔ ہاشمی) رہا۔ اگرچہ ماندگی محسوس ہوئی۔۔۔ کہ بلا میں لالہ ہزار علی لال ولد کشی دیال ساکن "منڈولی" اور بابو نور و ز علی تحصیلدار و پنڈت شیورام تھانہ دار سندیلہ سے بہت کچھ مسخر این ہوا۔ حتیٰ کہ تھانیدار نے ہزاری لال کو بحالتِ مسخرگی ایک گڑھے میں بڑھکیل دیا جس میں پانی بھرا ہوا تھا جس سے کل کپڑے اس کے بھیس گئے اور وہ تحصیلدار تھانیدار کے پیچھے چملا لیے ہوئے مارتا پھرتا تھا اور یہ دونوں شخص اسی مجمع میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے جس پر بڑے قہقہے ہوتے رہے اور علاوہ محرم کے ایک یہ تماشاجاگڑا تھا جس کو صاحب تہذیب نگاہ حیرت سے دیکھتے تھے اور عزرنگام کی جانب نگاہ کم وقتی سے نذر کرتے تھے۔ فوسوں آجکل نہ کچھ عجیب رنگ کا ہو رہا، کہ کن باتوں کو دیکھ کر لاکھ بوی ہوئے۔

نفاقِ باہمی: ۲ اگست ۱۸۹۳ء۔ آج کل حالات سنیل نہایت پر آشوب ہے۔ ایک دیکس دوسرے کا دشمن ہو رہا ہے۔ بلکہ باہم فائدوں میں لطف نہیں ہے۔ جہاں جاؤ سوائے اس تذکرہ کا دوسرا ذکر نہیں ہوتا۔ یہ حالت میری یاد میں شاید کبھی نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے باعث بالونور و ز علی تحصیلدار ہیں جو ہم روسا میں چڑھاؤ اتار کر کے طال پیدا کر رہے ہیں اور ان کی یہ باتیں اس وجہ سے جلد پراثر ہو جاتی ہیں کہ صاحبِ ضلع کے مزاج میں ان

دوسو بخ کامل حاصل ہے۔ میں ذیل میں تفصیل ان روسا کی حوالہ تک کرتا ہوں جن میں بالفعل مخالفت ہے اور بہت یہاں نظر انداز کی گئی۔ ہاشمی، تحصیلدار صاحب گل روسا کے کم و بیش چنگی لیتے ہیں۔ چودھری محمد عظیم صاحب اور ان کے میٹوں سے مخالفانہ عداوت ہے۔ منشی فضل حسین صاحب کو گنگا تیز سے دیکھتے ہیں۔ راجہ دو گار پستاد و کنور زہد بہادر صاحبان چونکہ حاضر باش رہتے ہیں اس وجہ سے انکا ہر میل ہے لیکن باطناً فرد چنگی لینے کو تیار ہیں جب موقع پاجاویں بے داغ نہ چھوڑیں گے۔ پروردگار عالم ایسے شخص کے سابقہ سے اپنے حفظ میں رکھے۔

خلافت دستور قدیمہ: ۱۶ اگست ۱۸۹۳ء - ہمارے خاندان میں یہ دستور کبھی نہ تھا کہ مستورات پردہ نشین قبرستان میں جاتیں یا سیر باغات کرتیں لیکن اب منشی سیّد فضل حسین صاحب نے اپنی اہلیہ ثانی (راکھوری) کے واسطے ایسا جائز رکھا ہے کہ وہ اکثر قبرستان 'عمرہ' میں جایا کرتی ہیں اور جن ہاسے باغ میں جہاں ہزار ہا مرنے دفن ہیں گل گشت کرتی رہتی ہیں اور اکثر کو کھٹی 'عمرہ' میں قسیم بھی رہتا ہے۔ آج انھوں نے بڑے بڑے کی سیر کی جو طرف ہوتا نہ میں تعلیم یو سے آئیں ہے یہ امور ضرور ہمارے خاندانی اصول کے خلاف ہیں۔

امروہ کی کثرت: ۲۸ اگست ۱۸۹۳ء - آج کل سندھ اور اس کے نواح میں امروہ کی اس قدر کثرت ہے کہ شاید قبل اس کے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جو عام طور پر دو ڈیڑھ بیسہ بیج سیری فرخت ہوتے ہیں اور غریب لوگوں کے باعث شکم پُری ہوتے ہیں۔ نرخ غلہ فصل ربیع سے ارزاں ہے۔ تین پیسے بیج سیری کے حساب سے بھجڑا زرخ ہوتا ہے جس سے ایک آدمی ڈیڑھ بیسے میں بہت آسودگی کے ساتھ شکم پُری کر سکتا ہے۔

میلاد شریف: ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء - آج ۸ بجے رات کو پیدائش شہزادہ امجد علی نے پولیس نے محفل میلاد اٹھانہ میں منعقد کی۔ اکثر روساے قصبہ شریک تھے۔ راقم بھی حسب امر ارشاد شریک ہوا۔ محفل پُر رونق تھی۔ جلیبی بکثرت تقسیم ہوئی۔ اٹھانہ دار صاحب کا فعل مصلحت سے خالی نہیں۔

۹ اکتوبر - کل شب کو چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار نے محفل میلاد بڑی دھوم سے کی۔ عجیب کثیر تھا اور ایک ایک رگابی نصف سیر ہلاؤ اور ایک ایک ہانڈی بورانی کی ہر ایک کو تقسیم کی۔ اس قسم کی محفل آج تک قصبہ سندھ میں میری یاد میں کسی خاندان میں نہیں ہوئی کہ پلاؤ اور بورانی تقسیم ہوئی ہو۔

بنیاد سواہ و شفا خانہ: یکم نومبر ۱۸۹۳ء - آج سرے اکوٹ کا بنیادی پتھر مٹرجے ایڈمنسٹریٹو صاحب کٹر قسمت لکھنؤ نے آٹھ بج کر چیس منٹ صبح کو اپنے ہاتھ سے رکھا۔ کئی نفر جن پر نام صاحب بہادر بقید تاریخ و غیرہ کندہ تھا۔ قیمتی تیس روپے کی تھی۔ اول راجہ دو گار صاحب تعلقہ دار بڑا گاؤں، بانی سرے نے

ایڈریس زبان اردو پڑھا جس کے جواب میں صاحب کشر نے ارشاد کیا کہ اس کا اثبات سے تجارت و مسافروں
بڑا نفع ہوگا اور راجہ درگا پرشاد کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہر دوئی کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ دربار
روسا تقریباً ڈیڑھ سو کے کرسی نشین تھے اور میری نشست زمرہ آنریری مجسٹریٹوں میں تھی۔

بوقت ساڑھے چار بجے شام کے کمشنر صاحب ممدوح نے ہتھرنیا دی شفا خانہ کا اراضی قدیم
محمد عظیم میں رکھا۔ یہ کتنی بھی قیمتی بتیس روپے کی تھی اور یہ جواب ایڈریس کے جواب صاحب نے منجا
بورڈ پڑھا تھا صاحب ممدوح نے بابت اراضی سراسے (بہاں پہلے بھٹیاری سراسے تھی۔ ہاشمی)۔
محمد عظیم صاحب کا اور بابت اعانت چندہ کے روساے قصباتی مخصوص خان بہادر چودھری نصرت علی
کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے پانچ سو اس تعمیر میں دینا منظور کیے ہیں۔ یہ دربار صبح کے دربار سے پر
حکام میں کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر مسٹر ہیوم صاحب اسسٹنٹ کمشنر اور شانازادہ ہمایوں فی
شریک تھے۔ صاحب فیلع اور اسسٹنٹ صاحب کی کرسی بالائے تخت صاحب کشر کے داہنے دبا
پڑا ہے: ۲۵ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج صبح کو بہ سواری اسپ مادیرہ خود تالاب کھتری واقع
ایک موقع تیار پڑا یہ دیکھا جو انگریزی ساخت کا چینی دار بنایا جائے گا۔

شفا خانہ ہر دوئی: ۲۳ دسمبر ۱۸۹۳ء۔ آج ۳ بجے شام کے بعد سچا لرس کراس ویٹ لفٹ
بہادر کا شفا خانہ جدید (ہر دوئی) کے صحن میں دربار ہوا۔ اول راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیل
تصنیف کیا ہوا قصیدہ فارسی زبان کا پڑھا۔ بعدہ منشی نظیر صاحب نے منجاں روساے ضلع ایڈریس
پڑھ کر سنایا۔ اس کے جواب میں معتمد الیہ نے انگریزی میں جواب پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ روسا
اعانت سے شفا خانہ مردانہ اور بٹھا کر صورت سنگھ صاحب کی استعانت سے شفا خانہ زمانہ تعمیر
میں نے آج نہایت خوشی کے ساتھ کھولا۔ وہ ایک نہایت وسیع عمارت ہے۔ جناب لفٹیننٹ گورنر
ایک کہنی فوج جنگی اور بائیس سو ار سالہ کے تھے۔ یہ محض خوبی اقبال ہے کہ چار صوبہ کا مالک ایک
جمعیت کے ساتھ ایسے وسیع ملک کا دورہ کر رہا ہے جن کا حکم ہے کہ کوئی شے ہرگز بلا قیمت نہ لی جاوے لیکر
کہ وہ قیمت کو مل حاصل کرے گا۔ جب کہ رسد زمینداروں سے لے کر فراہم ہو چکی ہے۔

بڑے دن کی ڈیلیاں: ۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء۔ میں نے بمقام ہر دوئی دیکھا کہ اکثر تعلقہ اڈوں کے
اصلاً واسطے پیش کرنے والی جناب نواب لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر اور ان کے سکریٹریوں کو بقرہ:

دن کے وار دھوئے اور قیمتی ڈالیاں پیش کیں۔ ان میں سے بعض کے نام درج ذیل کرتا ہوں :

۱۔ لالہ بھگوان دیال صاحب نائب ریاست مہاراجہ پرتاب ناتھ صاحب تعلقہ داراودھیا - ۲۔
نایت اللہ صاحب نائب راجہ امیر خاں صاحب محمود آباد - ۳۔ خلف العہد راجہ جنگ مہاراجہ نانپارہ -

تبادلہ تحصیلدار : یکم جنوری ۱۸۹۴ء - آج نقل حکم صاحب گلکڑ اعظم گڑھ شہر میں مضمون مراد فتر
نہ نام بابونور وزیر علی تحصیلدار سندیلہ کو موصول ہوئی کہ تم ضلع اعظم گڑھ کو تبدیل ہوئے اور بجائے تمہارے
بدالرحمان صاحب ضلع مذکور سندیلہ کو آؤ گے۔ بابو صاحب کو ۵ جنوری تک ضلع مذکور میں پہنچ کر چارج تحویل
ہیے۔ ہمارے کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر کو غالباً اس تباہی سے بہت افسوس ہوا ہوگا۔ پنڈت شیورام ٹھانڈار
پیسری دیال انٹیشن ماسٹر ریلوے اور بعض دیگر اشخاص کو بہت ہی افسوس ہوا کہ ان کی حکومت جاتی رہی۔

مولوی فضل رحمان صاحب : ۲۰ جنوری ۱۸۹۴ء - سچ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جناب مولوی
الرحمان صاحب ساکن گنج مراد آباد نہایت مقدس بزرگ ہیں جن کے حصول زیارت کی غرض سے
دل مردوزن ہر فرقہ کے منازل دور دراز تہذیبی ہندوستان سے چلے آتے ہیں۔ کوئی دن نہیں جاتا
چار آدمی آپ کا شرف زیارت حاصل نہ کرتے ہوں۔ سچی کہ پور وپن بھی آتے ہیں چنانچہ جب دسمبر
۱۸ کو جناب سر چارلس کراس ویٹ صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی وجین کمشنر
بے تقریب دورہ ملانواں سے باگرمو تشریف لے گئے تو آپ کا ذکر خیر کی کر مٹنی ملازمت ہو کر مگر مری
مراہیاں خود لڑاؤ تشریف لے گئے اور آپ سے مصافحہ کیا۔ آپ نے صرف اس قدر صاحب مختتم الیہ
یا یا کہ ظلم زیادہ ہوتا ہے اس کا انسداد کرونی الواقع آپ کی ذات شریف بسا غنیمت ہے۔ مشہور ہے کہ اس
آپ کی سن شریف ایک سو چھ سال کا ہے اور بخوبی چلتے پھرتے ہیں اور لکھنے پڑھنے وغیرہ میں کوئی ٹکلیف نہیں ہوتی۔

بابونور وزیر علی : ۱۲ فروری ۱۸۹۴ء - آج دو بجے کی ریل میں مرزا یعقوب حسن تحصیلدار داراودھیا
ہے اور بابونور وزیر علی تحصیلدار سندیلہ سے چارج تحصیلداری سندیلہ کا لیا۔ بابو صاحب سندیلہ چھوڑ
ہت افسردہ خاطر ہیں جہاں دو سال دو ماہ سولہ یوم بوجہ نا اتفاقی روسا بہت تیزی سے تحصیلداری
راج میں مہلت تلون نا عاقبت اندیشی، ازل کا درخور، اخبار پر علی، تاش بینی کا بڑھتی ہی کے ساتھ تون
اناریوں کے پھکر لانا، عزت و آبرو کی نہ کھنا، قبل از وقت بات کہنا، ظلم کو جائز رکھنا، کسی مشرب کا
نہ ہونا، ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح دینا۔ البتہ صاف دل و صاف معاملہ تھے۔

راجہ دس کاپر شاہ : ۱۸ فروری ۱۸۹۶ء - آج بحالت تخیلہ مجھ سے اور باجوہ درگاہ شاہ صاحب
تعلقہ دار سے نہایت صفائی کے ساتھ ہر قسم کی بات جیت ہوئی اور گذشتہ حالات بابونور و علی تھیلہ راہ میاں
ہوتے رہے جو ان کے اور میر سے ساتھ غلبت نامی الفانہ طریقے سے برتے جاتے تھے اور باہم ہمارے اور راجہ
صاحب کے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم دونوں بچے دوست ہو جاویں حتیٰ کہ جو میرا دوست وہ انکا اور جو میرا دشمن وہ ان
کا اور اسی پر زور دے کر قول قسار ہوا اور باہم ہاتھ ملایا گیا اور ایک چھڑی ناخ کی قیمتی پندرہ روپے
میں نے بربادگار داس کو کام اس معاہدہ کے بذریعہ تحریہ امروزہ خدمت میں راجہ صاحب مدوح کے ارسال
کی جو تحریری شکرگزاری کے ساتھ قبول ہوئی اور جواب میں یہ بھی کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں کبھی کسی موقع پر ایسے
معاہدہ کی یادگار میں ایسی چیز پیش کروں گا کہ ہر وقت پیش نظر ہے اور میری یاد ہر وقت آپ کو دلاتی رہے۔

مستعمل اور تاج گانا : ۲۵ اپریل ۱۸۹۶ء - آج کل مسماۃ کندن کا کوہی اہل خانہ ثانی مفتی فضل
صاحب تعلقہ دار نے مہل لیا ہے اس وجہ سے مسماۃ رانا میرا شن طبع آباد و لکھنؤ کا گانا شب و روز سن
کرتی ہیں۔ یہ میرا شن مثل طوائفوں کے ناجی گاتی ہے۔ کیا محب ہے کہ اہل محلہ خوش ہوں کہ ان کو مفت ملے
گانا سننے کو ملتا ہے جو بال خانہ زنانه پر ہوا کرتا ہے۔ یہ سب باتیں زیادتی روپیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔
خطاب خان بھادرس : ۲۱ مئی ۱۸۹۶ء - معائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے واضح، اگر سب

گڑٹ آف انڈیا محکمہ ۲۶ مئی مولوی سید علی احمد صاحب خلع مولوی سید غلام حسین صاحب مرحوم اشرف
لولہ سندیلہ مال دکیل جبل پور کو یہ تقریب جشن سالگرہ ملکہ و کمٹور یہ انگلستان کی خطاب خان بہادر بھادری
اعزاز کے عطا ہوا۔ ۲۲ مئی سن الیہ کو ملکہ کی عہد پورے پچھتر سال کی ہوئی۔

جلوس مہندی : ۱۰ جولائی ۱۸۹۶ء - ۶ محرم ۱۳۱۲ھ - آج دس بجے رات کو واجدین سا
محلہ اشرف لولہ نے مہندی لکائی سامان روشنی و آرائش بہت خوب تھا۔ مومن علی (صدر اعلیٰ) کے مکان
طرف سے چودھری عبدالباقی کے دروازے ہوتی ہوئی تیار سے شہیدہ دلی میں اور وہاں سے بازار منگل پور
میری کوٹھی کے نیچے نکلی اور پھر جورا ہا سڑک پختہ پر ہو کر اس کے امام باڑہ میں پانچ بجے صبح کو پہنچی۔ مرثیہ
قدم قدم پر ہوتا جاتا تھا اور مجمع بھی زائد تھا۔ میرے خیال میں یہ پہلا موقع اس کے نکلنے کا اس قصبہ میں ہے
ناک کٹی : ۲۰ ستمبر ۱۸۹۶ء آج قزوینہ ام اللہ نے کو خلف روح الدین کی ناک دانت سے کاٹی لی جو علیہ ہو گئی
یہ دونوں اشرف محل میں رہتے ہیں کچھ معاملہ شاعری معشوقی کا تھا۔ قزوینہ کو کچھ الیہ حسین خوبصورت لڑکا تھا لیکن طبیعت۔

خاندان چودھری حشمت علی: ۴ دسمبر ۱۸۹۴ء - چودھری حشمت علی صاحب تعلقہ دار

مردم کے خاندان میں بالفعل تین شخص محمد عظیم صاحب تعلقہ دار خان بہادر چودھری نعمت علی صاحب اسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند تعلقہ داران لکھنؤ و چودھری محمد رفوف صاحب گزارہ دار تعلقہ لکھنؤ، سربراہ دورہ و حکام رس ہیں اور باہم ان تینوں میں قرابت قریبہ ہے اور بظاہر جلسہ ریکیائی مثل شیوہ شکر بیوسہ رہتے ہیں لیکن دل میں ایسا انفاق پیدا ہے کہ ایک دوسرے کا سخت دشمن ہے اور پیش کا حکام ایک دوسرے کی توہین و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ یہ کیفیت میں نے اسی خاندان میں دیکھی۔ یہ محض نفسانیت ہے جو باعث تخریب ہو رہی ہے۔ اگر باہم ان میں اتفاق ہوتا تو کل قصبہ ان کا مطمح و مقاد رہتا اور کوئی دم غی لغت نہ مار سکتا۔ یہ علامت ادبار ہے جو عموماً مسلمانوں پر مسلط ہو رہی ہے۔

فنائی کے ماسرے: ۲۶ دسمبر ۱۸۹۴ء - آج میں ایک واقعہ افسوس ناک حوالہ کم کرنا ہوں جو باعث عبرت ناظرین ہو گا۔ مجھے آج صبح اسٹنٹ سرجن سنڈیلر نے ایک خط بھیج کر اپنے سفاخانہ میں طلب کیا کہ میں ایک طرہ کا جراثیمت مجھ پر بیان لکھوں جو جان بلب ہے۔ اور سفاخانہ میں زیر علاج مساقہ پاربتی زوجہ خوشمال چمار چند پور "مزرعہ بھر میرہ" سفاخانہ سنڈیلر نے بوقت استفسار بیان کیا کہ وہ بیوہ ہے اور اس کے چار خور و رسال لڑکے تھے۔ پانچ روز سے کچھ کھانے کو میسر نہیں آیا اور بھوک سے تڑپتے تھے۔ تب وہ اپنے لڑکوں کی ایسی حالت برداشت دکر سکی اور مرنے کو زندگی پر ترجیح دی۔ سب سے اول اس نے چاروں لڑکوں کا گلہ اُترے سے کاٹا اور پھر اپنے منگے پر استرا پھیرا جس سے نیم جان بھانس پیٹ کی کچھ ذریعہ زخم کچھ نہ سہکتی ہے۔ چند ساعت کے بعد لڑکا تو مریا تینوں لڑکیاں زندہ ہیں جن کی ہر ایک کو غیر ذریعہ ذلیل ہے۔ مساقہ مہر نیا۔ عروس سال۔ مساقہ کوئی ۷ سال۔ مساقہ دلارہ عمر تین سال۔ مکی گھاسی پسر متونی ۵ سال تینوں لڑکیاں غالباً پنج جاویں مگر ان کی خیریت نہیں جس کی عمر ۳ سال ہے۔ یہ فعل محض مجبوری سے ہوا ورنہ اولاد سے دلاری دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔

افتتاح کوٹن سرائے: ۲ جنوری ۱۸۹۵ء - بد تقریب کھولنے سرائے سنڈیلر کے دور دورے
مہان لاجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار کے آرہے ہیں اور سرائے کی بہت آرائش ہو رہی ہے۔ واقعی یہ کام راجہ نے نہایت حوصلہ مندی کے ساتھ باوصف و مقروض ہونے علاقہ کے انجام دیا ہے جس کی تیاری آرائشی اور اور مہان داری کا خرچہ میں ہزار سے کم نہیں ہو سکتا۔ میں نے حسب خواہش جناب موصوف ایک تاریخ سنگ مر

پر کندہ کر کے بطور یادگار دستکلام روالہ و اتحاد کے وسط بھاٹک سرائے نوبت میں نصب کروائی ہے۔

۳ جنوری ۱۸۹۵ء - آج تقریب افتتاح سراسے کوئن محل میں آئی۔ ضلع کے جملہ کام تعلقہ دار و رؤسا وغیرہ علی قدر مراتب کرسی نشین ہوئے۔ کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہر دوئی جن کے نام نامی پر یہ سرگرموسم ہوئی ٹھیک تین بجے شام کو تشریف لائے۔ اول راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار بانی سراسے نے ایڈریس پڑھا۔ بعد کرنل صاحب نے زبان انگریزی اس کا جواب دیا۔ پھر اسکا ترجمہ شاخزادہ مرزا ہمایوں قدس اللہ علیہ اسٹیشن کمشنر نے پڑھ کر سنایا۔ ایڈریس پارچہ ریشمی صریح پر تحریر تھا جو کئی تقری میں لگا کر پیش کیا گیا اور کئی تقری سے صاحبہار نے فضل افتتاح کا کھولا۔ صاحبہار نے اپنے جواب میں راجہ صاحب کو ہدایت کی کہ کچھ جائداد واسطے مرمت ضروری سراسے کی علیحدہ کر دی جاوے تاکہ وہ ہمیشہ قائم و برقرار رہے شب کو جلسہ چٹاٹھ نواز سندیل دیوان کشمیری کا ہوا۔ یہ کام راجہ صاحب نے واقعی نہایت حوصلہ کے ساتھ کیا ہے اور اپنے ہمسروں میں سبقت لے گئے۔ میری نشست بائیں جانب صف اول میں آنریری مجسٹریٹوں میں تھی۔

حال و قال : ۱۸ جنوری ۱۸۹۵ء - آج رات سے منشی فضل رسول صاحب کا عرس شروع ہوا اور مشائخ لکھنؤ واسطے رینٹ محفل کے آسپے ہیں۔ کاش منشی صاحب (حبی) فضل حسین صاحب جو اپنے ملا منشی فضل رسول کا عرس کرتے تھے۔ ہاشمی، اس مصدقہ حال و قال کی مجلس موقوف کر کے دو چار ہزار خوش کھانے مختا جوں کو تقسیم کر آتے تو شاید روح جناب مغفور کو زیادہ ثواب پہنچتا۔ اس مجلس کا یہی نتیجہ نکلا کہ تباہ شہر کے لوگ حالیوں کا تماشا دیکھ کر تہقہہ لگاتے ہیں اور ان کی شورش سے لطف کانے کا بھی مفقود ہو جاتا ہے اور کچھ عجیب نہیں کہ ایسے افعال اور حرکات سے مرحوم کی روح کو صدمہ ہوتا ہو۔

افعال قبیحہ : ۱۸ فروری ۱۸۹۵ء - آج عزیز از جان بشیر الزماں خلف منشی فہیم الزماں صاحب سے معلوم ہوا کہ آج کل کے تعلیم یافتہ لڑکے اکثر عارضہ زلزلہ میں مبتلا ہیں۔ بعضوں کو شکایت کم اور بعض کو زیادہ ہے۔ جن کی شادیاں ہو گئیں وہ دوا کی تلاش میں سرگرداں اور بے شادی والے ہنوز اس سے غفلت میں رہتے ہیں۔ ان دنوں طلاق تہذیب تحفظ بدنامی صحبت مستورات یہی قرار پایا ہے۔ تفصیل استلا سے نوجوانان مخلوق جس کی تصدیق اب تک ہوئی ہے یہ ہیں۔ یہاں مصنف روزنامہ نے آٹھ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے نام درج کیے ہیں جن میں ان کا ایک بیٹا بھی شامل ہے۔ ہاشمی، افسوس اگر ابتداء سے علم شادی کی بجائی ہے تو اولاد کم زور پیدا ہوتی ہے۔ تعلیم کی طرف چنداں توجہ نہیں رہتی اور اگر اس میں توقف ہوتا

ہے تو ایسے افعال قبیحہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ کھل لوط کے تعلیم یافتہ ہیں۔

مالگنڈ اسری میں اضافہ : ۳۱ مارچ ۱۸۹۵ء۔ آج میں نے راجہ دوگ پرشاد صاحب کی بیعت نامی معائنہ کی جس کی وہ نقل لائے ہیں توجہ مالگنڈاری سابق کے دو چند ہے۔ اس حالت میں کیسے امید ہو سکتی ہے کہ ان کا یا کسی کا علاقہ بحالت موجودہ قائم رہ سکتا ہے چہ جائے کہ راجہ صاحب پر اس وقت قریب دلاکھ کے قرضہ ہے۔ جس وقت سے میں نے یہ کیفیت دیکھی ہے اور سنی ہے میرے ہوش جاتے رہے کہ میں اپنی کثیر عیال داری کے ساتھ کیونکر بسکر سکوں گا جب کہ جمع سابق سے دو چند تجویز ہو رہی ہے اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش کا بجز اس کے یہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عزت و ابرو سے رکھے۔ بجز اس کے افضال کے اب کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

ندوة العلماء لکھنؤ : ۱۰ اپریل ۱۸۹۵ء۔ بارہ دری قیمر باغ (لکھنؤ) میں جلسہ ندوة العلماء منعقد ہوا ہے جس میں مشہور و نامی علما تہامی ہندوستان کے شریک ہیں۔ مقاصد جلسہ یہ ہیں کہ اہل اسلام کو ترقی دینی دنیوی میں توجہ بخشنے کا اور قوموں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ دونوں وقت صبح و شام وعظ ہوتا ہے اور اس تمامی خرچ کے کفیل حضرت وکیل صاحب ہیں۔ خدا ان کو اپنی کوشش میں کامیاب کرے۔

ہنگامہ محرم میں : ۶ جولائی ۱۸۹۵ء۔ نویں محرم کو تعزیر چودھری گلو کامنہ دیگر تعزیوں کے گڈری میں زیر محل راجہ صاحب کے سپنچا تو ایک مرتبہ غل ہوا کہ رانی چندہ کنور زوجہ راجہ وزیر چند صاحب کے محل سے اینٹ آئی اور کل تعزیرے وہیں رکھ دیے گئے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ تحفیدار و متھانیدار و مزار ہا یوں قدر صاحب اسٹرا اسٹنٹ کسٹرن موقع پر پہنچ کر تحقیقات کرنے لگے حالانکہ اینٹ آنے کی کوئی اہلیت نہ تھی۔ صرف یہ کارروائی واجد خاں بلوچ کی کئی جنھوں نے صمد ولد علی رضا مہتوانہ والہی وغیرہ چند اپنے ملازم انتظار پر وارز کو اشارہ کر دیا تھا کہ جب تعزیرے گڈری میں پہنچیں تو چند پارہ سفالی تعزیوں پر اچھال دیں اور جب رانی کی طرف بدگمانی ہو کر ہنگامہ برپا ہو جاوے اور تعزیرے والے پوس و حکام کا کہنا نہ مانیں تو آپ کے دریاں میں ڈال کر انھیں راضی کریں تاکہ اسس کے باعث سے بچیں گاہ حکام اسسوخ و وقعت پیدا ہو اور پوس ایک فعل ناجائز کے ارتکاب کو مانع نہ ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب تعزیرے والوں نے پوس وغیرہ کا کہنا نہ کیا تو حضرت نے اپنی سازباز مخیلہ کے مطابق سب کو رام کر کے تعزیوں کو آگے بڑھایا اور ایک نوع کی ظاہری نمود حاصل کی ورنہ دراصل یہ کوئی بات نہ تھی مگر افسوس یہ فطرت ان کی کھل گئی اور پوس کو بھی معلوم ہو گیا۔ عجب نہیں کہ یہ راجہ کام کو بھی مشکف ہو جاوے اور ان کی فطرتی کارروائی کا ثمرہ بدھے۔ عجب بے بڑھب لوگ ہیں کہ

حکام وقت سے ان کو مطلقاً خوف نہیں اور ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں کہ جس سے نیک رئیسوں کے جسم میں رشتہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا ایسے لوگوں کی نزدیکی سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

حصہ عمید لا: ۱۲ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ آج صبح کوچو دھری نصرت علی صاحب خاں بہادر رئیس "مہتوانہ" کے مکان پر محفل میلاد شریف منعقد تھی۔ اول پانچ پانچ لڑو جو اسی غرض سے تیار ہوئے تھے تقسیم ہوئے اور جب وہ باعث جمع کثیر کافی نہ ہو سکے تو معطانی بازار سے منگوا کر تقسیم ہوئی اور جب وہ بھی کمزور کافی ٹھہری تو سو روپے کے پیسے فی کس دو آنے کے حساب سے بانٹ دیے گئے۔ اور جب وہ بھی حساب نہ چل سکا تو ایک آنہ، بعد کا چھ پانی فی کس دیے گئے۔ سنا گیا کہ ۱۶۵۰ روپے اس تقریب میں صرف ہوئے۔ اب مندرجہ میں مجلس کو کیا بہت مشکل ہو گیا۔ نیکی تو درکار برائی بیش قیمت کی کوتاہی اس وجہ سے متوسط لوگوں نے ایسا کرنا موقوف کر دیا۔ کون صاحب و نہ کون ایک عیب

تحفہ صاحب: ۲۶ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار "سرون بڑا گاؤں" بنی نا سے آج واپس آئے اور براہ اندیاد محبت و مراسم دوستانہ ایک قلمدان برنجی ساخت انگریزی دائرہ شدہ لائے اور بطور تحفہ کے مجھے لطف فرمایا۔ سچ یہ ہے کہ ایسے طریق عمل سے بلند محبت و دوستی کو صورت استحکام کی پیدا ہے۔

لکھنؤ کی قفلیاں: ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۵ء۔ منشی ڈھونڈے لکھنؤ کی بالائی کی قفلیاں نہایت اعلیٰ و کی ہوتی ہیں جو باوجود ہر کم نہیں ہوتیں اور وہ آنے سے تین آنہ تک بلحاظ کمی و بیشی بالائی کے فی قفلی فروخت ہو رہے۔ آج وہ پندرہ روپہ در آمد تقریبی علی لکھنؤ سے منگائی تھیں اور استعمال میں آئیں جو نہایت پسندیدہ تھا۔ ہوتیں اور بدرجہ غایت قابل تعریف و تعظیم علی ایک سال درجہ ایف اے کا امتحان دیں گے۔ خدا کا عیاب کرے

دربار سالفٹینٹ گورنر: ۳ فروری ۱۸۹۶ء۔ آج ۸ بجے صبح کی ڈاک گاڑی میں بغرض شکر

دربار لکھنؤ گیا۔ قیصر باغ میں پٹھان کمر اپنے ساتھ کاکھانا بہ محبت منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار کے کھلایا اور انھیں کی گتھی پر الہ بچے کیننگ کالج موقع دربار میں بذریعہ ٹکٹ و براری داخل ہوا۔ ٹھیک بارہ بجے جناب سرانٹنی میکڈونل صاحب لفٹینٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی وجیف کشتراودھ تشریف لائے۔ آؤ فی شاہی و تمغہ عطاے خطاب (نائبہ کما تدر) مہاراجہ پر تاب نرائن سنگھ اچھو دھیا کو مرحمت ہوا اور فرم پڑھ کر سنایا گیا پھر ہر ایک درباری کو ضلع کے صاحب ڈپٹی کشتروں نے ٹکٹ کے ذریعہ سے نام پکار کر پوزیشن اور لفٹینٹ گورنر بہادر نے ایک اشرفی نذر پیش شدہ مس کی۔ بعدہ درباری جو بساط قالین اونی داہمی کرنا سے پیش ہوا تھا وہ بائیں کنارہ قالین مذکور ہو کر اپنی جگہ نشست پر جا بیٹھا۔ اس کے بعد جتنے چشم آ

انگریزی میں پہنچ دی جس کا ترجمہ اردو محمد رفیق صاحب ایڈیشنل جج لکھنؤ نے طبع کرنا یا جس کا خلاصہ نسبت قلعہ داران اور دھبہ تھا کہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں اور مصارف شادی و عی میں تخفیف کریں اور بادشاہ وقت کی نیرغواہی میں معروف رہیں۔ نرمان بعد ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے دیبا ریوں کو عطر بان دیا اور ٹھیکہ الپ بھگے کے دربار برخواست ہوا اور پھر برصغیر منشیا صاحب و صوف قیصر باغ میں واپس ہو کر بعد اسے نماز ظہر دیکھنے اسٹیشن کو گیا اور ۳۲ بجے شام کی ٹوک گاڑی میں اپنے مکان سندیلہ کو واپس آیا۔

یونی کی میونسپلٹیاں: ۲ مئی ۱۸۹۶ء۔ رپورٹ سال تمام گورنمنٹ اضلاع مغربی و شمالی و اوڈھہ میونسپل ۱۸۹۶ء سے واضح ہوتا ہے کہ القادریوں پہل کیٹی لکھنؤ مردم شماری ۱۸۹۱ء ضلع ہرروئی حسب ذیل ہے۔

نام قصبہ	کسٹ میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر	نام قصبہ	کسٹ میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر
سندیلہ	۱۳ جولائی ۱۸۶۸ء	۱۶۸۱۳	سانڈی	یکم اپریل ۱۸۶۷ء	۹۶۲۹
ہرروئی خاص	یکم جنوری ۱۸۷۱ء	۱۱۱۵۲	پہسانی	یکم اپریل ۱۸۶۷ء	۷۹۹۳
شاہ آباد	یکم نومبر ۱۸۷۲ء	۲۰۱۵۳			

قیام میونسپل مردم شماری شہر ہائے نامی اضلاع مختلف مغربی و شمالی و اوڈھہ

نام قصبہ شہر	کسٹ میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر	نام قصبہ شہر	کسٹ میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر
لکھنؤ	یکم جنوری ۱۸۶۲ء	۲,۶۷,۹۱۰	میرٹھ	یکم جولائی ۱۸۶۳ء	۱,۱۹,۳۹۰
بنارس	یکم جون ۱۸۶۸ء	۲,۱۳,۱۶۱	بریلی	۲۳ جون ۱۸۵۸ء	۱,۰۷,۷۸۵
آگرہ	۷ اکتوبر ۱۸۶۳ء	۱,۶۹,۵۰۹	فیض آباد	۱۹ اگست ۱۸۶۵ء	۷۲,۶۸۶
کانپور	۲۲ نومبر ۱۸۶۱ء	۱,۶۳,۷۷۹	باندہ	یکم نومبر ۱۸۶۵ء	۶۳,۰۷۱
الہ آباد	یکم مارچ ۱۸۶۳ء	۱,۶۳,۸۹۵			

بسماعل خیر آبادی: ۲۴ جون ۱۸۹۶ء۔ آج محمد حسین بسمل خیر آبادی اپنے مرشد حافظ کرم احمد صاحب مرحوم کی قبر واسطے فاتحہ خوانی کے آئے جو ۳۲ سال گزشتہ سے منحرف تھے۔ ابتدا میں ان کو ایسی عقیدت تھی کہ حضرت مرشد کی قدم پوسی کو خیر آباد سے پایادہ آتے تھے اور بحالت قیام سندیلہ چارپائی پر نہیں لیٹتے تھے۔ اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور نہ کوئی سمدھ روزگار ملا تھا لیکن جب شادی ہوئی اور ریاست ٹونک میں رئیس کے مینٹری مقرر ہوئے تو سندیلہ کا کبھی رخ بھی نہیں کیا۔ جب بی بی لاولد فوت ہوئیں اور روزگار سے منہ پائی۔ لاولد سابعہ پھر جوش میں آیا اور حسرت بھری آرزوں سے کشال کشال سندیلہ آئے اور فاتحہ مزاد مرشد کے بعد

قوال کا ناسنا اگر لاش تیار نہ ملے اپنی حقیت سابقہ وقایہ کو کہہ کر مندر رکھتے تو بمقابلہ اوڑل کے ان کو حلیفہ ہونے کا فریضہ اور فریضہ ہوتی۔
لفٹیننٹ گورنر: ۲۴ جولائی ۱۸۹۶ء۔ سرائیٹی میکڈائل صاحب لفسٹنگٹن کو زرنہایت بیدار و متوجہ
 حاکم ہیں۔ حکام ماتحت علی الخصوص یورڈمین ان سے بہت ڈرتے ہیں۔ ان کی رائے عدل و انصاف سے ملو ہے۔
 وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ ان کے ماتحت رعایا پر کوئی ظلم و تعدی جائز رکھیں۔ اس وجہ سے ہر شخص کو عام حکم ہے کہ
 جو کچھ ان پر جبر ہوا ہو جو ان کو کہنا سننا ہوا اپنی زبان سے بیان کریں تاکہ اس پر غور و مناسب کیا جاوے۔ عمر صاحب
 محترم الیہ قریب پچاس سال کے ہو گئے۔ پسند قد جیم آدمی ہیں۔

ایک تعلقہ دار کی فریاد: ۱۹ اگست ۱۸۹۶ء۔ آج منشی رحمت اللہ تحصیلدار سندیلہ نے بوقت
 ملاقات مجھ سے بیان کیا کہ... تعلقہ دار کی وجہ ناراضگی میرے ساتھ یہ ہے کہ انھوں نے دو شکایتیں مجھ سے کیں کہ میں
 ان کا انسداد کر دوں لیکن وہ ایسے امور تھے کہ میں ان کی تعمیل میں قاصر رہا۔ اول یہ کہ چودھری علی جان خلف
 دویم چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار جہاں کہیں ملتے ہیں تو مجھے انڈا دکھاتے ہیں اور قین کر دیتے ہیں اور
 جب میں بازار میں نکلتا ہوں تو بازاری لوگ مجھے منہ چڑھاتے ہیں اور انڈا دکھاتے ہیں۔ آپ ان کو کوٹھالی
 واجب دیں۔ دوسرے میری آشنا شیریں رطوانف کے یہاں رات کو ڈھیلے آتے ہیں اور نصف چلے
 ہوئے کنڈے اور میری کوٹھی و محل سرا میں اینٹیں آتی ہیں تو میری بی بی کو اس موسم گرما میں صحن میں لیٹنا
 دشوار ہو گیا ہے۔ اس کا انسداد کر دیں۔ میں نے کہا کہ دونوں باتیں مجھ سے نہیں ہو سکتی ہیں۔ آپ خود اس
 کا یہ حقیقت تعلقہ دار اپنی دولت سندی کے باعث بند و بست کر سکتے ہیں۔

انتظام بے سروں گامری: ۱۴ اگست ۱۸۹۶ء۔ بمعائنہ ۱۱۵۵ اجازتی روزہ کے مسموم ہوا کہ
 یکم اگست ۱۸۹۶ء کے گزٹ انتظام عامہ امید داران ملازمت کے لیے گورنمنٹ نے بذریعہ ریزرویشن ۹۳۵
 ج محکمہ ۲۴ جولائی سن الیہ کے مشتبہ کیا ہے کہ جو شخص انگریزی یا اردو کا ڈپل پاس ہو گا اس کو ۲۵ روپے ماہوار
 تک ملازمت مل سکتی ہے اور جو انٹرنس پاس ہو گا اس کو ۲۵ روپے ماہوار سے زائد تنخواہ تک نوکری مل سکے گی۔
اسپتال سندیلہ: ۵ ستمبر ۱۸۹۶ء۔ آج شفا خانہ جدید سندیلہ کا کھولا گیا اور بابو سوشی بھون بھونجی
 اسمٹنٹ سرجن سندیلہ نے اس میں طبیعت کو معالجہ شروع کیا۔

ایک رسم: ۲ اکتوبر ۱۸۹۶ء۔ چونکہ بھائی الطاف رسول خلیفہ الصدق منشی سید فضل حسین صاحب
 امیر ولادت فرزند اقولین ہے اور اب ساواں مہینہ ختم ہو رہا ہے لہذا صاحب رواج خاندانی آج تقریب ستوانی

دوڑ ڈالنے کی بہ فراہمی مستورات برادری گانے گانے کے ساتھ ادا ہو رہی ہے۔ خدا کرے فرزند صاحب اقبال پیدا ہو۔
حکیم عبدالعزیز دریابادی : ۳۰ نومبر ۱۸۹۶ء۔ آج تحریر دریا باد سے واضح ہوا کہ ۲۷ نومبر سالیمہ
 جمہور کو بوقت ۱۲ بجے حکیم عبدالعزیز خلیفہ مولوی نور کریم صاحب نے بعاہدہ سبیل تھانہ کی ۵۶ سالہ بیوی بیوہ
 مدرس عربی کینڈنگ کالج لکھنؤ کے تھے اور پھر سو پے تنخواہ پاتے تھے۔ علم میں بھی اچھی مداخلت تھی اور روز
 بہ روز ان کی شہرت اور فیس یومیہ بڑھتی جاتی تھی۔ اب پندرہ روپیہ تک یومیہ تھا۔ اپنے سب بھائیوں میں
 لائق تھے اور سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ صرف دو لڑکیاں یا دو لڑکے چھوڑیں اور کل حساب ادا منقولہ
 وغیرہ منقولہ اپنی بیوی کے نام وصیت کر گئے۔

ایک تحصیلدار : ۱۹ دسمبر ۱۸۹۶ء۔ منشی رحمت اللہ تحصیلدار سبیل سخت جابر اور رشوت خور
 ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ جب وہ دورہ پرتھوینے جاتے
 ہیں تو اپنے گھوڑے کے واسطے چھ سیر دانہ زمینداروں سے لیتے ہیں۔ چار سیر گھوڑے کو دے کر باقی سبیل میں لاکر
 چند روز تک اسی حساب سے اپنے گھوڑے کو کھلاتے ہیں ان کو خریدنا نہیں ہوتا اور نہ ان کو کوئی اثر قسط سالی کا
 پہنچتا۔ یہ ایک ادنیٰ بات ہے اور باتوں کی نسبت اسی طرح کا خیال کر لیا جاوے اور طریقہ یہ ہے کہ یہ سب جلب منفعت
 غرض ڈبہ بٹا کر کر جاتی ہے۔ عموماً لوگوں کا خیال ہے کہ اس قماش کا کوئی تحصیلدار سبیل میں نہیں آیا۔

امداد محتاجین : ۲۵ دسمبر ۱۸۹۶ء۔ آج سطر لاٹوش صاحب صدر لورڈ اخلاص مغربی ڈھاکہ میں آدھ
 سنبیل آئے اور ایک قطعہ نوٹ پچاس روپے کا منشی رحمت اللہ تحصیلدار سبیل کو دیا کہ محتاجوں کو سرمائی بنوادیں
 چنانچہ حسب تحریر تحصیلدار میں نے چالیس روپے اور تیس عدد ہینٹے بنوادیے جن کی تیاری
 میں جملہ چوٹن روپے آٹھ آنے صرف ہوئے۔

۵ جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج ۸۰ رضا کی حسب ہدایت تحصیلدار سنبیل تیار کر کے محتاجین کو بھیجیں جس
 کی حاصل تیاری میں مبلغ چھاسٹھ روپے آٹھ آنے نوپانی خرچ ہوئے۔ یہ امداد پنجاب گورنمنٹ سے۔ آج
 بیشکل تمام فہرست مستورات پر درہ نشین قصبہ ہذا حسب ہدایت ڈپٹی انبا سہاے صاحب میں نے مرتب کی
 جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ علاوہ اس کے ابھی اور بھی مستورات باقی ہیں جن کا اندراج جلد میں نہ ہو سکے
 اشرف ٹولہ۔ ۱۲۳۲ مقننہ۔ ۹۱ ملکانہ۔ ۲۸ منڈی۔ ۲۵ = کل ۲۷۷

۱۵ جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج محلہ چوہار ٹولہ ملکانہ میں بوقت سہ پہر چار ڈپٹی انبا سہاے صاحب

مولوی مظہر علی نے ایک ہی تاریخ کو کی تھیں۔ ہاشمی کی سند سے واپسی ہوگی کیوں کہ ۲۶ کو بدستام کے بتاریخ لگ جاوے گی جو طاق ہوگی اور اس قسم کی تاریخ میں ردو ا جائے نہیں ہوتا ہے۔

نواب یار جنگ: ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء۔ آج منشی اکرام اللہ خاں صاحب نواب یار جنگ واسطے عیادت منشی فضل حسین صاحب کا کومری سے تشریف لائے۔ ان کو اب گورنمنٹ انگریزی اور ریاست حیدرآباد سے بارہ سو پینس ملتی ہے۔ میں نے اسٹیشن ریل تک پیشوائی کی اور بوقت سپریم بیسویں گنجی مقامات مشہور کی سیر کرائی۔ مجھ سے براخلاق پیش آئے۔ میری ان سے ملاقات سابق کی بھی تھی جب کہ وہ بندوبست میں اکثر اسسٹنٹ کسٹرنر فلع ہردوئی میں تھے۔

رسم فیوتہ: ۲۱ مئی ۱۸۹۸ء۔ پروردار سید حافظ علی ولد سید ماجد علی مرحوم نے اپنی بیٹی کا عقد محمد عزیز کے ساتھ کیا۔ اس میں کسی کا بیوہ نہیں لیا اور نہ کوئی رسم ادا ہونے دی حتیٰ کہ کسی قسم کا کھانا بھی کھیا نہیں بھیجا۔ صرف کچھ زور معمولی اور ایک جوڑا لڑکی کو دے کر رخصت کر دیا جب انھوں نے بیوہ نہیں لیا ہے تو آئندہ کسی کو نہیں دیوں گے۔ یہ طریقہ انھوں نے جدید اختراع کیا جس کا رواج اس محلہ و قصبہ میں نہیں ہے۔
معمولا و مسکڑی: ۲۸ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ تجربے ثابت ہوتا ہے کہ کھجور کا لٹا (کڑا) عرف مولانا پر نڈا و جالا کڑی برسات کے شروع ہونے پر ناپید ہو جاتا ہے یعنی پرند پہاڑوں پر چلا جاتا ہے اور کڑی جالا لگانا موقوف کر دیتی ہے اور بارش کے خاتمے پر پرند نہ کو کھجور نیاں ہو جاتا ہے اور کڑی جالا لگانا شروع کر دیتی ہے اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اب اور بارش نہ ہوگی۔ چنانچہ آج کل اس قسم کے آثار نظر آ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بارش اور زیادہ نہ ہوگی کہ جھلے پالے اور کانس بھی پھولنے لگی ہے۔

گرا مو فون: ۲۹ مارچ ۱۸۹۹ء۔ اس کے بعد میں کنور نند رہا در صاحب سے ملا۔ مجھے اپنی کوٹھی جدید کا مکانہ کر لیا اور بہت لطف و محبت سے پیش آئے اور ایک گھنٹہ تک مجھے مسٹر ایڈلین صاحب امریکا کا ایجاد کیا ہوا اراج سنایا جو جدید ایجاد ہوا ہے اور جس میں ہر ایک شخص کی آواز کا فوٹو اتر جاتا ہے جس قسم کی وہ بات چیت کرے اور گانا گائے فوراً اس کی آواز یہاں میں اتر جاتی ہے اور جس وقت اس کو ٹوکے فوراً اسی قسم کا گانا جیسا گائیے گا نکلتا اسی نال سر سے ٹوٹتا ہے۔ کنور جانا نے اس بات کو بغیر تبلیغ تین سو روپے خرید لیا ہے۔
چوہے: ۴ اپریل ۱۸۹۹ء۔ ڈھانامراؤ ساکن 'سہنگوان' نے اپنے کھیتوں کے ڈھائی ہزار چوہے مارے جس سے ایک کھیت اس کا چوہوں کی ضرر رسائی سے محفوظ رہا اور جاندار خوب پیدا ہوئی اور وہ

ترکیب یہ کرتا تھا کہ جس قدر گڑھے اس کے کھیت میں تھے ان میں بانی بھڑبھڑاتا تھا اور جب چوہے گڑھوں سے نکلتے تھے تو اس کے میٹھ اور سبحانی جوتھلا میں پانچ چھ تھے سب مل کر ان کو مار ڈالتے تھے جس سے افزائش چوہوں کی اب کے سال نہ ہو سکی۔ یہ ترکیب میں نے اپنے ہوش میں کبھی دیکھی نہیں۔

حقیقہ: ۸ اپریل ۱۸۹۹ء آج شب کو ایک تحریک کھنڈ کا جلسہ احاطہ قلعی میاں مرحوم میں شروع ہوا۔ ٹکٹ ۳ روپے سے لے کر بارہ روپے تک تھا۔

شادیوں کی کثرت: ۵ مئی ۱۸۹۹ء آج کل ایک مہینہ سے اس قدر کثرت شادی بیاہوں کی قصبہ ہذا میں ہے کہ اوسط روزانہ بارہ سے پندرہ تک کا ہے۔ اور یہی کیفیت دیہات میں ہے۔ یہ دیکھ کر کچھ غم کے بعد ۱۸۵۸ء کی کیفیت یاد آجاتی ہے کہ اس زمانے میں یہی کثرت تھی۔

نیا سوال: ۲۵ جولائی ۱۸۹۹ء آج استھاپنا مہادیو کا شوالہ سنگ مرمر میں ہوا۔ شب کو چند طوائفوں کا ناچ ہوا تھا اور سراسرے و دھرم شالہ میں روشنی ہوئی تھی۔ راجہ دیگا پر شاد صاحب نے اس کام کو بہت دھوم دھام سے انجام دیا۔ یہ فعل دھرم کا راجہ صاحب نے ایسا کیا جو ان کے باپ دادا سے نہ ہو سکا جو عہد ہشتابی میں بڑے معزز چکلہ دار تھے۔

ایک ڈھانڈی کا ناچ: ۲۱ دسمبر ۱۸۹۹ء آج شام کو تہی کرج ولہ مرچ ڈھانڈی گویا رکا منشی سید فضل حسین صاحب کے مکان پر نالچ ہوا اور بہادر منشی صاحب میں شریک جلسہ ہوا۔ وہ اولاتواروں کی باڈھ پر بلا بھکٹ پیروں کی تھپکی دے کر ناچا اور کوئی اثر تلواری کی باڈھ کا اس کے پیروں اور تلووں پر نہیں پہنچا۔ دوسرے وہ چھوٹے بتاشوں کو بچھا کر ناچا اور ایک بھی بتاشا نہیں ٹوٹا۔ تیسرے وہ گھونگر پیروں میں نہیں باندھے تھے لیکن وہ منہ سے ایسے صاف گھونگر و جاتا تھا گویا وہ پیروں کی تھپکی دے کر بجا تا ہے۔ بظاہر اس کی عمر ۳۵ سال کے اندر ہے منشی صاحب نے مبلغ دس روپیہ اس کو انعام دیا۔

چند مقتولین جنگ: ۲۴ دسمبر ۱۸۹۹ء آج کو میٹھ املد و رشا مقتولین و مجروحین جنگ ٹرانسوال میونسپل ہال میں منعقد ہوئی کہ جو انگریزی فوج بمقابلہ ڈچ کاشکاران ٹرانسوال کے قتل ہوئی ہے انکی بیواؤں اور خور و سال لڑکوں کی چندہ سے اعانت کریں۔

حاجی وارث علی شاہ: ۲۵ مارچ ۱۹۰۰ء چونکہ حاجی وارث علی شاہ صاحب رئیس دیوار قلع بارہ بکلی، آج چاریوم سے وارد سندیلہ میں اور برہمکان چودھری وقار محمد صاحب مرحوم مقیم میں مقامات مختلف سے

جو حق لوگ آپ کی زیارت کے واسطے چلے آتے ہیں سدوشن چوکی ہر وقت کبھی رہتی ہے اور چندہ مریدین سے لنگر خانہ جاری ہے جہاں سے مہانوں کو کھانا ملتا ہے۔ دن میں تین تین چار چار مرتبہ تہ بندہ کیے ہوئے اٹھتے ہیں راجا صاحب کا واحد لباس ایک تہ بندہ ہوتا تھا جس کو بطور احرام باندھے رہتے تھے۔ ہاشمی جو شاہ صاحب کی پنہاں جلتے ہیں۔ میر خیاں میں آپ کے ہزاروں مرد و زن مرید ہیں اور آج کل آپ جس مکان میں فرسٹ ہیں وہاں ایک میلہ سالگاہ ہوتا ہے اور ہندو آدمی مرید ہوتے جاتے ہیں۔ واقعی آپ کی ذات اس وقت میں بہت غنیمت ہے۔ آج میں نے بھی حضرت سے ملاقات کی۔ اٹھ کر مجھ سے نہایت تپاک سے ملے اور میری لیاقت وغیرہ کی بہت تعریف کی

محمد فرنگی محلی - ۲۱ اگست ۱۹۰۰ء۔ کل شب کو مولوی عظیم صاحب فرنگی محلی لکھنؤ نے بجار غورہ سفید

وبائی حلت کی۔ عمر ۶۷ سال تھی۔ آپ نہایت بزرگ شخص تھے اور آپ کی تجہیز و تکفین میں ہزاروں آدمی شریک تھے۔
مقبورہ وصی علی شاہ - ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء۔ آج شمسایاں بندہ و فیصل الدین و عبدالرزاق سنگ تراشیں

آگرہ مقبرہ وصی علی شاہ بہمد وجوہ مرتب کر کے روانہ آگئے ہوئے۔ اس مقبرہ کی تیاری کے واسطے ایک ہزار پانچ سو پچیس روپے راجہ جنگ بہادر صاحب نانپارہ نے عطا کیے اور باقی روپیہ کی شاہ صاحب کے مریدین نے امداد کی۔ جملہ دو ہزار خرید سنگ سفید تیاری مقبرہ و بارہ دری وغیرہ میں صرف ہوئے چونکہ شاہ صاحب مرحوم نہایت خلیق و شہرت رکھتے تھے ویسی ہی عمدہ آپ کی یادگار قائم ہوئی جو مدت دراز تک قائم و برقرار رہے گی۔

مضطرب خیر آبادی - ۱۹ نومبر ۱۹۰۰ء۔ آج ۲ بجے دن کو عقد عزیزی مقصود علی خلیفہ منشی نیاز علی صاحب مرحوم

پھندن طوائف ہاڑی سے بعض مہر ملنے پانچ ہزار روپیہ کے ہوا۔ برقرار رہنے والے نے عقد چڑھا۔ اس طوائف کا عقد اولاً انتہا حسین مقطر خیر آبادی ہوا تھا لیکن جب ان کی شادی اہل بارہ دری میں ہوئی تو انھوں نے اسکو طلاق دیدی عمر تقریباً ۲۸ سال کی

سنگ وفات ملک وکٹوریہ - ۶ فروری ۱۹۰۱ء۔ بمقامتہ اودھ اخبار امروزہ واقع ہوا اگر احمق ذیل

نے واقعہ ۲ فروری ۱۹۰۱ء کو یوم تجہیز و تکفین جناب ملک مقطر قیصر ہند انگریزی گرجا گھر لکھنؤ میں جاکر نماز پڑھی۔ راجہ تھقد رسول صاحب تعلقہ دار جہانگیر آباد و انس پریڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ نے از جانب تعلقہ داران اودھ اور حاجی سید شعبان علی خاں صاحب تعلقہ دار از جانب اہل شیعہ و خاں بہادر چوہدری نصرت علی صاحب سنی یونیونجاں اہل تسنن۔ مسلمانوں کو مسجد میں دما سے مغفرت مانگنی چاہیے تھی۔

۲۳ فروری ۱۹۰۱ء۔ آج صبح کی ٹاک گاڑی میں لکھنؤ گیا اور گیارہ بجے سفید بارہ دری قیصر باران میں

شریک جلسہ تعزیت وفات ملک مقطر قیصر ہند ہوا۔ اضلاع مغربی و شمالی اودھ کے تمام معزز اشخاص جمع تھے۔

حتیٰ کہ نواب حامد علی خاں صاحب رام پور بھی تشریف لائے تھے۔ ٹھیک بارہ بجے دن کو سر میکڈنلڈ صاحب لفظینٹ گورنر اصلاح مغربی و شمالی رونی بخش ہوئے اور بعد ازاں خود اول اسپتال اندرون ہنگ پڑھی۔ اس کے بعد تجویز فرمایا کہ کوئی قومی یادگار جناب قیصر حسنہ کی تجویز کی جائے اور اس کے واسطے چندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی وقت صرف چار آدمیوں نے یہ تجویز چندہ ظاہر کی۔

نواب صاحب رامپور، ایک لاکھ، مہاراجہ بھگوتی سنگھ صاحب بلرام پور، پچاس ہزار، مہاراجہ بنارس پھول سنگھ صاحب نانپارہ دس ہزار، جملہ ایک لاکھ پچاسی ہزار۔ اسی وقت چندہ ہوا اور باقیہ چندہ ضلع دار فرام ہوگا۔ بعد اس کارروائی کے جلسہ برخاست ہوا اور شام کی ریل میں سندیلوٹ آیا۔

بھوٹ (پھل) : ۲۳ ستمبر ۱۹۰۶ء۔ اس سال بھوٹوں کی ایسا کثرت ہے کہ ایک میہ ڈیڑھ میہ کو ایک ٹکڑہ ملتا ہے جس میں تعداد پندرہ بیس بھوٹوں سے کم نہیں ہوتی۔ لوگوں کو اس سے نفرت ہو چلی ہے۔ ستراتی برس کی عمر والے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری یاد میں کبھی ایسی افراط نہیں ہوتی۔ میں نے جہاں تک اس کی افراط کی بابت خیال کیا تو اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا مہینہ مجاہدوں کا بحالہ جنگی رہا یعنی پانی یا لکڑی نہیں برسا جس کی وجہ سے اس کی کثرت ہوئی۔

فاتحہ چھٹم : ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ آج فاتحہ چھٹم نور عثمانی جیلا کا ہوا۔ جس میں ہر قسم کا کھانا زردہ بلاؤ فرہ بخت ہوا اور جس میں مبلغ ۳۲ روپے خرچ ہوئے۔ ہم لوگوں میں عجیب رسم ہے کہ اقل تو آدمی مر جائے دوسرا اوپر فرما مزید ہو جس سے سخت رنج و غم برآی مقصود ہے۔ مگر کیا جاوے رسم سے چارہ نہیں۔

اصلاح رسوم : ۳ جنوری ۱۹۰۲ء۔ آج بعد ختم فاتحہ میوم ہیشہ منشی کرامت حسین صاحب حسب تجویز مولوی احمد علی صاحب امور ذیل باتفاق ایک دگر طے قرار پائے۔

۱۔ کسی شخص کی وفات پر گھر والے و نیز اہل برادری جو شریک غم ہوں وہ منہ ڈھانک کر نہ روئیں اور نہ متونی کے حالات بیان کریں۔ ۲۔ بجز رشتہ داروں کے اور کوئی اہل برادری متونی کے گھر میں اقل درجہ تین روز سے نذر قیام نہ کرے۔ ۳۔ قریب تر رشتہ دار طعام تقریب بہ خانہ متونی بھیجیں لیکن اس کی مقدار اسی قدر ہو جو متونی کے گھر والوں اور اقرب رشتہ داران مقیم کے واسطے کافی ہو۔ ۴۔ طعام مندرجہ ذیل بھیجا جائے: کچھری منہ ہی و گھی۔ دال و چاول۔ تلیہ و روٹی۔ ۵۔ جب کسی کے گھر واقعہ وفات وقوع میں آئے تو اس کے افسر خاندان کو لازم ہے کہ اطلاع وفات اپنے اعرہ و خاص احباب کو بذریعہ جام کر دیوے تاکہ کسی شخص کو عدم اطلاع کا غم نہ ہو۔

یہودہ : ۵ مارچ ۱۹۰۶ء۔ محمد عرفی بیرٹرنے بالاعلان اس بات کو ظاہر کیا کہ اپنی بیوی کو بے پردہ رکھنا

نامناسب نہیں سمجھتا ہوں چنانچہ ہم اکثر کھلی گاڑی میں اپنے ساتھ ان کو بغیر تعزیر لے جاتا ہوں اور جب میرے پاس کوئی ایسی بیوی کو گھسنے سے سنبھال سکتا ہوں اس میں لارہا تھا تو اس درجہ میں ایک انگریز بھی بیٹھا تھا لیکن میں نے کوئی پروا نہیں کی۔۔۔ اور اپنی بیوی کو لے کر اسی درجہ میں بیٹھ گیا اور جب سنبھال سکیں بیٹیا ہوں بلا انتظار اس کے کہ کوئی پردہ واسطے اترنے کے کیا جاوے وہ فوراً آکر پاکی پر سوار ہو گئیں اور میں اپنے ملازمہ مان ذکر سے بھی چنداں پردہ کرانا پسند نہیں کرتا ہوں۔ ابھی کچھ خفیہ حجاب سا ہے بعد چند سے وہ ترک کرادوں گا۔ میں اس پردہ کو بالکل ناپسند کرتا ہوں۔ تو کراچی اکثر شہر کی درختوں کے ہیں ان سے پردہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

نیفا فیشن: ۲۵ مارچ ۱۹۰۲ء۔ مسٹر محمد عربی بیرسٹر ڈاڑھی تو منڈوا تے ہی تھے اب انھوں نے موچھیں بھی منڈوا ڈالیں ان کی صورت بدنامعلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک نئی وضع ایجاد ہوئی ہے۔

اپنی وفات کا کھانا: ۱۳ اپریل ۱۹۰۲ء۔ مسماۃ عبادالفسا زوجہ غلام حسین منڈو فصیح اللہ درگاہ اپنی وفات کا کھانا اپنی حیات میں آج کل قصبہ ہڈا میں تقسیم کر رہی ہیں۔ چونکہ لاولد ہیں اس وجہ سے اپنے بچوں کے انتظام کا کوئی کرنے والا نہیں دیکھا ہے ایک نئی بات قصبہ ہڈا میں ہوئی۔ مسماۃ موصوفہ نے ثواب حج بھی حاصل کر لیا ہے۔

جشن تاج پوشی: ۲۶ جون ۱۹۰۲ء۔ چونکہ شاہنشاہ انگلستان بجاوڑہ ذات الحنب سخت علیل ہو گئے اس وجہ سے جشن تاج پوشی موجب ہدایت گورنمنٹ سب مقاموں پر ملوث ہو گیا اور آج شام کو ہم بعض محرمز مسلمانوں نے مسجد انورہ پر واسطے درازی مرثا ہنشاہ معظم کے دعا خیر کی اور ہندوؤں نے دھرم شال راہ درگاہ شاد صاحب گماشا ہنشاہ وقت کے واسطے دعاے خیر مانائی۔

۹ اگست ۱۹۰۲ء آج اختتام جشن تاج پوشی شاہنشاہ ہندوستان ہمارے قصبہ ہڈا میں ہوا۔ روشنی ہوئی تاج پوشی تھی توئی، تلکھات حافرن نے نوش کیے اور جلسہ انفاں سنبھلے مدرسہ اردو سنبھلے میں شب بھر ہوا۔ میں نے ایک قصبہ کاغذ نمائوں کو تقسیم کیا اور ہر طرح کا اظہار مسرت کیا گیا۔ حتیٰ کہ پانچ بجے شام کو کرناٹک والوں کا بھی تماشہ ہوا۔ جنھوں نے عمدہ عمدہ کرتب دکھائے اور یہ تماشہ شاہخانہ کے صحن میں ہوا۔

حرم جلاؤں: ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء۔ سر لاٹوش صاحب گورنر اضلاع متحدہ آگرہ وادھنے ۱۹۰۲ء کے جلسہ میں یہ طے کر دیا کہ جدو جہری محمد جان تعلقہ دار کرناٹک کو اس وجہ سے اجازت شرکت کی نہیں دی کہ ان کی نسبت جو دھرم عظیم اپنے باپ کو زہر دینے کی بدگمانی ہے اور راہر جنگ بہادر صاحب مرحوم ناچارہ کے بیٹے ہیں وجہ شرکت دربار سے منع کیے گئے کہ ان کی نسبت لعینیت گورنر کو زہر بخوری کہ انھوں نے اپنے بچے کو توں

دوسرے کے عطا ہوئی اور دوسری راقم کو بوجہ انجام دینے کام آنریری مجسٹریٹری و سکریٹری میونسپلٹی سندیکہ کے صاحب منصب سے عطا ہوئی جس کا مضمون یہ ہے کہ بموجب ہدایت ہنر کیلنسی گورنر جنرل کشور ہند یہ سندیکال عنایت مہربانی پورہ ہفتہ شاہنشاہ ہندوستان منشی مظہر علی سندیکہ ضلع ہر دوتی کو یہ اعتبار ان کی خدمات آنریری مجسٹریٹری و سکریٹری میونسپلٹی پورہ سندیکہ عطا کی گئی۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء۔۔۔۔۔

طاعون : ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء۔ آج بمقامہ اودھ اخبار معلوم ہوا جس نے سرکاری گزٹ اخبار اصلااح طاعون زدہ کا حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان میں شکایت طاعون پھیلی ہوئی ہے جس کی ترقی اصلااح پنجاب و بنگالہ میں زیادہ ہے خصوصاً ضلع سارن واقع بنگالہ میں ایک ہزار ۲۱۶ آدمیوں نے ایک ہفتہ میں قتل کیا۔ اصلااح ناگپور میں غضب ناک طاعون پھیل گیا ہے جو ملک متوسط میں واقع ہیں۔ جبل پور میں ایک ہفتہ میں ۵۴ آدمی فوت ہوئے اور عمالک متحدہ آگرہ و اودھ کے ۱۲ اصلااح میں طاعون پایا جاتا ہے جس میں الہ آباد کانپور وغیرہ شامل ہیں۔ اب شہر لکھنؤ میں بھی اس کی شدت ہو چکی ہے اور بالفصل مفصل ذیل مکتول میں ہے۔ مقبول گنج، فتح گنج، امین آباد، بزانہ انگیش گنج، علی علی بازار، مولوی گنج، پراچینا کھجوا، حضرت گنج راجا جو دیکہ اس محل میں صفائی بہت زیادہ ہے۔ اناد کے عموماً گل باشندے بروجیات کو اپنے شیتے کے مقامات کو چلے گئے۔ چنانچہ خاندان مولوی صفی اللہ و عطار اللہ، حافظ کرم احمد صاحب مرحوم جو دھری عبدالباقی صاحب مرحوم کے مکان پر سنیلہ آکر قیام گزین ہیں۔ یہ عارضہ طاعون ہیضہ سے بہت بڑھا چڑھا ہوا ہے۔ اس کا قیام دو تین ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتا لیکن طاعون کا قیام جس شہر میں وہ آتا ہے ہینوں رہتا ہے بلکہ لکھنؤ کے بعد پھر دوسرے سال بھی زور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفظنا من البلاء الدنیا و عذاب الاخرۃ

عبدالوہاب فرنگی جتلی : ۳ اپریل ۱۹۰۳ء۔ معائنہ اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ یکم اپریل ۱۹۰۳ء کو مولوی عبدالوہاب فرنگی جتلی محلی لکھنؤ نے قریب پھر کے مرض طاعون سے انتقال فرمایا۔ جناب مرحوم اپنے علم و فضل و جمیع حیثیات کا اعتبار سے ایک ممتاز عالم باعمل تھے۔ جملاً مغفرت کرے۔

طوط : ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء۔ آج میلہ صحبت کا مہواب بمقابلہ اور چیزوں کے برتن زیادہ بکا۔ ایک شخص باہر سے چند طوطے تعلیم یافتہ لایا تھا جو ایک بیسیہ فیس کا ہر شخص سے لے کر ان کا تماشا دکھاتا تھا۔ تماشا یہ تھا کہ طوطے گدرد و نیل طوطے ملائے، توپ داغے اور چند ٹکڑے کاغذوں میں سے جس کو پوشیدہ طور پر چھوڑ دے کہ مقتبایان سند میں یہ ملے، حتیٰ ابوں میں میں ملا غنائی کیا دیر لگتا تھا۔ اسی بیسیہ ہم پلاس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔

وہی اٹھالاتے۔ غرض کہ انواع اقسام کے تماشے کرتے تھے۔

فاؤنٹین بین: ۲۶ اگست ۱۹۰۳ء۔ آج ایک قلم نگریزی اعلیٰ درجہ کا جس کے اندر روشنائی بھر کر ایک شخص گھنٹوں لکھ سکتا ہے اور بر خوردار مصطفیٰ علی بقیمت تین روپیہ ولایت لندن سے لائے تھے اور انتہائی سہل کو دینا تجویز ہوا تھا آج میں نے ان کو بیچ دیا۔ بہت خوش ہوئے۔

شادی کا شوق: ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ آج حسین احمد اشرف ٹولے سے واقع ہوا کہ مہینہ ستر گزشتہ میں سیر کرامت علی پٹنر لڑائی لگ گھٹنے اپنا عقد چہارم اپنی منجھلی سالی سے کیا۔ تین مہینے تھیں۔ بڑی کا عقد بڑے میں ہوا اور چھوٹی کا ڈپٹی صاحب سے جو کمر فروری ۲-۱۹ء کو فوت ہوئیں اور منجھلی سے جو تھا عقد کیا۔ مرڈپٹی صاحب اکٹھ سال ہے۔ چہرے پر چھڑیاں پڑ گئی ہیں۔ بازوؤں کی کھال ٹھکتی ہے۔ کمر خمد ہے۔ غذا بہت قلیل ہوتی ہے۔ دہلے وضعیف ازہد ہیں۔ تہذہوا کے چھوٹے سے اڑ جا سکتے ہیں۔ حرارت غریزی کم پائی جاتی ہے۔ بظاہر یہ عقد ایام زندگی گھٹانے والا گویا پیغام اجل ہے۔ خدا مبارک کرے۔

محمد احمد خاں صاحب: ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ محمد احمد خاں صاحب قلعہ دار کسمبڑی خورد و طبع آبادی ولد فقیر محمد خاں صاحب مرزا گنج تحصیل طبع آبادی نے ۵ اکتوبر یوم شہزاد کو قضا کی۔ ۲۷ سال تھے۔ مرحوم ۱۴۴۴ء عقد کیے اور قریب ایک سو کے اولاد ہوئیں۔ منجھل ان کے اب حسب ذیل بیٹیاں اور لڑکے لڑکیاں موجود ہیں ازواج۔ ۱۰ عدد، فرزندان نریتہ۔ ۵ عدد، دختران۔ ۲۲ عدد علما وہ اس کے پوتے پوتیاں تو اسے نواسیاں بکثرت ہیں اور خاں صاحب ایسے بڑے قوت تھے کہ سال گزشتہ تک انھوں نے عقد کیے ہیں۔

طاعون: ۸ دسمبر ۱۹۰۳ء۔ بوقت سبجے شام کے بصدات مٹر گرے صاحب کشر لکھنؤ تحصیل سندھ میں کیٹی طاعون قرار پائی اور ایک گھنٹہ تک صاحب بہادر نے اسپچ دی کہ بیماری طاعون لا علاج ہے لیکن اس انسداد حسب ذیل صورتوں سے ہو سکتا ہے۔

- ۱۔ ایسے مکان میں قیام کیا جائے جو بہادر اور جس میں دھوپ پڑتی ہو۔ ۲۔ نیب کی پتی اکوڑا اور گندھک کا
- میں مسک کا ناچا پیسے۔ ۳۔ جب آدمی طاعون میں مر جائے تو اس کے کپڑے و چار پائی جلوا دے۔ ۴۔ مکان بالکل
- چھوڑ دیا جائے اور دوسرے مقام پر قیام کرے۔ ۵۔ صفائی مکان باضابطہ کرانی جائے۔ ۶۔ اول بیماری پوہوا
- سے پیدا ہوتی ہے لہذا جس گھر میں وہ مریں اس گھر کی بخوبی صفائی کرانی جاوے۔ ۷۔ کوٹھے کا قیام بہ نسبت نیچے
- اچھا جتنا ہے۔ ۸۔ جس مکان میں اینٹوں کا فرش ہو وہ خام فرش سے بہتر ہے۔

۹ جنوری ۱۹۰۳ء۔ کل ممسی گنیش ولد نشی کلوار موضع، مہسودہ، طاعون سے فوت ہوا۔ وہاں کے باشندوں نے اس کی لاش متوفی کے مکان پر بھیج دی۔ لاش پہنچنے پر اس کے چچا متوفی نے مخالفت کی کہ گھر کے اندر نہ ڈال جائے جو ہمارے نسب جسوتہ پرے پر پڑی رہی۔ جب آج صبح کو نوکوی ضامن علی خرد برعری و دیگر ہمسایہ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو لوگ موقع پر گئے اور اگلے مکان سے استر عاکی کر آکر وہ اجازت دیوے تو وہ لوگ قبر گھوڑا کر لاش کو دفن کر لیں۔ بوجہ اس کے کہ متوفی کے اعزہ و اقارب کوئی شریک تجہیز و تکفین نہیں ہوئے تھے۔ آخر شجاعت بحالت مجبوری تین چار (دو جوشی) اور ایک اسپر لاش اٹھانے کو ہم پہنچے۔ تب مادر متوفی نے جو محتایا پیر خود اٹھایا اور جو قبر مسلمانوں نے گھردائی تھی اس میں جا کر دفن کر دیا۔ یہ مقام عبرت کا ہے کہ عزہ و شریک نہ ہوں اور ماں اپنے بیٹے متوفی کی لاش خود لے جا کر دفن کرے اور جلوانے کو کوئی سہولت نہ ہو سکے۔ اس بیماری کی نسبت جہاں تک غور کیا گیا نوجوان، خواہ مرد یا عورت، دلوں کے لڑکیاں زائد مدرسے اور مرتے ہیں۔

۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء۔ آج آٹھ بجے صبح کو ہمارے محلہ کے چاروں طرف سورہ لیلین اس طور پر گشت کر کے پڑھی گئی کہ چوراہے ٹاڈوں ہاں سے لوگوں نے پڑھنا شروع کیا اور جہاں پر ہمیں "آیا وہاں سات نماز" نے سات سات اذانیں کہیں۔ اور اس طور پر سات روز تک گشت ہو گا۔ خدا کرے اس سورہ لیلین کی برکت سے طاعون سارے قصبہ ہذا سے دفع ہو جائے۔

۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء۔ مکتا بری (پان فروش) کی لاش بندریہ میونسپل گھوڑا دی گئی۔ اس کے اعزہ و متوفی کی مدد نہیں کی جو طاعون میں مبتلا رہا، خانہ ایلہ کے کمزیر قریب بھی طاعون کے طرے لاش کے قریب آنا پسند نہیں کرتے۔

وقف حسین آباد کلکھنؤ۔ ۱۸ فروری ۱۹۰۳ء۔ وقف امام باڑہ حسین آباد کی ابتدا اس عطیہ سے ہوئی جو محمد علی شاہ سابق شاہ اودھ نے ۱۸۳۹ء سے ۱۸۴۱ء تک کیا تھا اس کی کل مقدار چھتیس لاکھ ۷۲ ہزار تھی یہ سب رقم کاغذ زر سرکاری کی حیثیت سے جمع تھی جس کی ایک لاکھ ۸۰ ہزار آمدنی ہے اور دوکانوں وغیرہ کے کرایہ کی بھی آمدنی ہے۔ پس اس امانت کی کل آمدنی ایک لاکھ ۳۰ ہزار سال ہے۔ اس روپیہ میں سے نصف روپیہ فاضل کاما لینی ان وظائف میں صرف ہوتا ہے جو شہاد کے نام پر۔ وہ اشخاص کو بخششوں میں اور نثرین کر بلا معنی کو دی جاتی ہیں۔ (۳۰ ہزار) اور امام باڑہ نواب آصف الدولہ کے محلہ کے مہارنات اور اخراجات مذہبی ہوتے ہیں۔ آمدنی کا دوسرا نصف حصہ فردی مرمت و عمارتوں کے قائم رکھنے اور مفید عام اور خیرات میں صرف ہوتا ہے۔ مفید عام صنیوں میں متولیوں نے جامع سب کی مرمت کرائی اور شہر سے امام باڑہ تک و کٹور یہ باغ لگایا یہ چمن بہت ہی

مسٹر مول صاحب کسٹرن لکھنؤ کی تجویز سے ہوئی تھی اس امانت کی عمارتیں خوشنما معلوم ہوتی ہیں اور اہل شہر کی تندرستی اور تفریح کا باعث ہے جو اس مقام کے سبزہ کے خوشنما میدانوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔

آئندہ: ۱۲ جون ۱۹۰۲ء - آج ۲ بجے دن کو ایک ایسی گرد آلودہ آندھی آئی کہ دروغت تک ایسا اندھیرا رہا کہ میں اپنا ہاتھ دو فٹ کے فاصلہ پر نہیں دیکھ سکتا تھا میری بالوں میں ایسی کوئی آندھی قبل اس کے نہیں آئی۔
فوج آج: ۲۰ جون ۱۹۰۲ء - آج سال انجمنی دو بیسہ سیکڑہ فروخت ہوئے جس کی از حد اضافہ تھی۔

پکریا پیچ: ۱۹ ستمبر ۱۹۰۲ء - پکریا پیر ارضی جو قلعہ پیر شہر ہے وہ ایک ہیضہ دار بھگتو میاں بودھری کے عزیز تھے جن کو کسی عامل نوابی نے بلات بلیا مالگر اڑی زندہ دفن کر دیا تھا جن کا نام طہ تھا۔ اس امر کی تھیں لوہی مہدی حسن صاحب ول مولوی فضل علی صاحب سے آج ہوئی لیکن صیفہ دار متوفی اب پکریا پیر شہر میں اور بعض جاہل لوگ محلے کے ان پرچہ ہاوا چڑھاتے ہیں۔

عجیب الخلفت لڑکا: ۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء - تب گزشتہ کو ایک لڑکا محلہ کسانوں میں عجیب الخلفت بخانہ فوج ولد جن کسان پیدا ہوا جس کا لڑکا بیا بھتی لکھی ہوئی۔ بچا آٹھ کان کے گتھی لگی ہوئی ہے۔ ٹھڈی ناک نہیں۔ ہاتھ پیروں کی انگلیاں نلہ پڑ پادوں کے گتھوں میں ناخن نکلے ہیں اور چار دانت اوپر کے نمایاں ہیں۔ زبان نکلی ہوئی ہے۔ بدن مثل مچھلی کے سفوف کے چٹخا ہوا ہے۔ جسم موٹا ہے جس کے مقابلے میں ہاتھ پیر پتے ہیں۔ بکری کا دودھ اس کو پلایا جاتا ہے۔ تمام دن وہ زندہ رہا اور آٹھ بجے رات کو مر گیا۔

سید سالار مسعود خاں: ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء - سید مسعود خاں ۷۷ اشعبان ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۸۰۳ء کو میر دہلوی نے ان کو مدد ان کی تھائی فوج کے قتل کیا اور سید سالار بہار رچ کے تالاب کے قریب جس پر سورج کا مندر تھا اور جس کو سالار اپنی آرام گاہ کیلئے بہت پسند کرتے تھے مدفون ہوئے۔ سید سالار ساہیو کے بیٹے اور سلطان محمود کے بھانجے تھے۔

مولوی مظہر علی صاحب کے مکان سے کچھ دور ایک میدان ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں بہت پہلے ایک قلعہ تھا۔ اس لیے یہ میدان ایک قلعہ کا نام اس کے مغربی جنوبی کنارے پر ایک برج کھڑا تھا جو کابنا ہوا تھا جس پر ایک پکریا کا براہیل لگا تھا۔ یہ بھی مشہور تھا کہ اس کی کوئی شہید مدفون ہی ایسے وہ پکریا پر کے نام سے موسوم ہو گئے تھے۔ ۱۹۵۰ء تک۔ برج ختم حالت میں موجود تھا۔ اب وہاں کچھ نہیں ہے اور قلعہ کی زین پر رکھا ہوا ہے۔
 تیس ہائیے اب یہ عمارتیں لوہ لکھا آئے ہیں۔ انہی اور وٹل یا ریفیل کو کٹری (انگریزی) میں سالار مسعود خاں کی شہادت کی تاریخ ۱۵ جون ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۱۵ء تک ہے۔ یہ بھی گھانے کان کے کئی ساتھی فوج میں شہید ہوئے تھے۔ اور یہ ان کی عمر اس وقت صرف ۱۹ سال کی تھی۔ ۱۳

سخت سردی : ۲ فروری ۱۹۰۵ء - آج کل برف بہت گرہی ہے اور بہت تند چلتی ہے جس سے سردی ہے اور کثرت برف سے مٹ چکا اور ہر ارد آلو جاتا رہا۔ جو ظروف پانی سے بھرے رکھے تھے ان میں بھی برف جم گیا اور گڑھا نا لاب مخدوم پورہ کا ایک حصہ اس سے منجمد ہو گیا۔ آج کل نہایت شدت کی سردی ہے۔ سیری کوٹھی کے اندر انگلیاں ٹھٹھری جاتی ہیں اور صبح شام دونوں وقت اپنی کوٹھی میں انگلیکھی روشن کرایا کرتا ہوں تب چین پڑتی ہے۔

۲ فروری ۱۹۰۵ء چار روز برابر برف گرنے سے حسب ذیل پیداوار فصلی کو سخت نقصان پہنچا جس کا تخمینہ صحیح طور پر لے کر ایک ہفتہ کے تحریر کروں گا۔

”خود مٹر گندم، پوستہ، تمباکو، آلو، اور ہر درختان میوہ دار درختان، انہو در سال مہوہ و جامن، کچھیا نہ۔“ میرے قلمی باغ اشرف ٹولہ کو چند سال سے پھلتا تھا بہت مضر پہنچا۔ برف بہت دیر گر کر کھیتی کو تالا ہوا اخیر اگر ہ منجمد ہو گئے۔ خیال ہوتا ہے کہ تہی ہندوستان میں یہ بلانا ازل ہوئی کیوں کہ تحریلات باندہ، الد آباد اور دیو اضلع بارہ جنگی سے اس کی تصدیق ہوئی ہے۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو میرے ہوش میں ایسا بالا پڑا اور نہ ایسی سردی ہوئی۔ (شاید برف گرنے سے مراد مولوی صاحب کی مراد بالا پڑنے سے ہے۔ کیونکہ مولوی کی ولایت میں برف گرنے لگی اور ریکارڈ نہیں ہے کہ وہاں کب تک سخت بالا پڑنے سے بانی بھر ہو گیا ہو ورنہ بخلاف بھی میری یاد میں نہیں ہوئی) سویت ہلال : ۱۵ فروری ۱۹۰۵ء - آج لکھنؤ کے علما سنت و جماعت نے نماز بقرعہ پڑھی لیکن شدید مذہب والوں نے نہیں۔ اور اضلاع میں بھی آج بقرعہ ہوئی۔ سندیل میں نہیں ہوئی۔ اگر رویت ہلال کی قبل سے تحقیقات کر لی جاتی تو یہ اختلاف ہرگز نہ ہوتا۔

میدو جید کا مرثیہ : ۲۶ مارچ ۱۹۰۵ء - آج شب کو میر جید پوتے میر انیس لکھنؤ نے جو دھری کھان صاحب کے علاقہ کے امام بالاہ میں مرثیہ تصنیف خود پڑھا جن کا یومیہ ایک رات ٹھیرنے کو پچاس روپے قرار پائے تھے۔ باوصف طلب میں شریک محاس نہیں ہوا کہ اب مجھے خوشی دنیاوی کا کوئی لطف باقی نہیں رہا اور بحالت افسردگی ایام زندگی بسر کیے جا رہا ہوں۔ برخور داران مصطفیٰ علی و محبتی علی شریک ہوئے تھے سنگا کہ کچھ احسا نہیں پڑھا۔

وفات حاجی و امیر خلی : ۱۰ اپریل ۱۹۰۵ء - آج خطہ بنخوردار سید محبتی علی مورخہ ۸ اپریل ۱۹۰۵ء قصبہ دیو اے واقع ہوا کہ جناب حاجی دارت علی شاہ نے بتاریخ ۸ اپریل سن الیہ یوم جمعہ کو علی الصبح بمقام دیو

رحلت فرمائی اور بوقت ۲ بجے شام کے اپنے سدرہ نشست گاہ میں مدفون ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اور بلند سیوہ سید ابراہیم شاہ صاحب کو اس صاحبہ حاجی صاحب مرحوم سجادہ نشین قرار دیے گئے اور تبرکات و شہادت نامہ صاحبہ حاجی صاحب نے سید صاحب کو پہنایا۔ سید صاحب کے سامنے تدریس برسم جاشنی گزریں اور اکثر لوگ مرید ہوئے اور بعض ہنود مسلمان ہو کر مرید ہوئے۔ جناب مرحوم کے لاکھوں مرد و زن دُور دُور کے مرید تھے اور سن ۱۲۹۲ سال تھا۔ آپ کی ذات اس زمانہ میں بسا غنیمت تھی۔

میلے کیلکچر لکھنؤ: ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء آج ۹ بجے صبح کی ریل میں واسطے شرکت کیلکچر لکھنؤ کیلکچر لکھنؤ کے ہر دوئی گیا۔ وقت ۲ بجے دن کے بعد رات مسٹر ٹرن صاحب ڈپٹی کمشنر ہر دوئی کیلکچر منعقد ہوئی چونکہ میرا نام ہزار کے ساتھ لیا گیا لہذا میں نے بہ نظر مناسب ۲۵ روپے چنہ دینا منظور کیا اور منشی قبول احمد نے ایک سو غرض کہ اسی طور پر ہر ایک شخص کی مقدار چنہ بڑھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت تقریباً ۲۲ ہزار کا چنہ ہوا۔ بعض قلعہ داران تحصیل سندیلہ کی مقدار ذیل میں درج کرتا ہوں۔

راجہ درگا پر شاہ صاحب، ایک ہزار، چودھری محمد جان صاحب، ایک ہزار، رانی چند کنور صاحب، زوہد راجہ وزیر چند صاحب، ایک ہزار، سید التفات رسول صاحب، ایک ہزار، سید کونور زہر ہار دھاب، مرحوم، ۵ سو، مادھو سنگھ صاحب، بھڑواں، ایک ہزار، ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب، پتوہ، دو ہزار، ٹھاکر سرب جیت سنگھ صاحب، پوایاں، ٹھاکر سرب جیت سنگھ صاحب، پوایاں، بعد فراغت میں ۶ بجے شام کی ریل میں سندیلہ واپس آیا۔

۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نولاکھ تینتیس ہزار پانچ سو ستر کا چنہ واسطے تیار کیا۔ ڈاکٹر کیلکچر لکھنؤ ہو چکا ہے اور ابھی اور بیوہ کا اور شائع تعلیم نسواں کے لیے ۶۲ ہزار ۵۳۳ روپے چنہ ہوا ہے۔ ان دونوں کی مجموعی تعداد ۹ لاکھ ۸ ہزار ایک سو تین روپے ہے۔

۲۲ دسمبر ۱۹۰۵ء آج ۹ بجے صبح کی ریل میں شہزادہ قمر ہادی بیگم و ملکہ داخل لکھنؤ ہوئے اور وقت سہ بجے دن کے موصوف الیہ نے سنگ بنیادی ڈاکٹر کیلکچر میدان شاہ مینا میں رکھا اور انبجے شب کو بارہ درسی قیصر باغ میں تشریف لائے۔ روشنی و آتش بازی کو ملاحظہ کیا اور سنا گیا کہ حضرت گنج میں بہت عمو روٹی تھی ہاں انھوں میں بالورگ نوائے الٰہ، دھانجا، بہت اعلیٰ درجہ کی روشنی کرانی تھی جس کی تعریف عموں پر ہو رہی ہے۔

طاعون اور چوہے: ۱۶ جنوری ۱۹۰۶ء حکم ٹرن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہر دوئی مسٹر دیس خلاصہ موصول ہوا کہ بتا ۱۴ ممبران میونسپل یادداشت بھیجی جاوے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں باشندگان کو ترغیب دیں کہ جو

مرد جو ہے وہ پیش کریں گے ان کو فی چوہا ایک بیرہ اور جو زندہ لاویں گے ان کو فی چوہا دو بیرہ انعام دیا جائیگا۔ چنانچہ بموجب اس حکم کے اسی وقت بنامہ بران یادداشتیں جاری کی گئیں اور اس کی اطلاع صلیح کو کر دی گئی اور یہی اطلاع دی گئی کہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء تک حسب ذیل چوہے ہلاک کیے گئے۔

”من ابتداء ۱۲ نومبر ۱۹۰۵ء لئایۃ ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء بذریعہ چوہے ۱۵۰۰ من میلہ سبیل ۱۵۰۰ من ابتداء ۲۲ جنوری سن الیقینۃ ۱۵ ماہ مذکورہ اداۃ العام ۲۳۶۶ یورو یہ سلسلہ تقریباً پورے سال تک چلتا رہا جس کا اندراج وقتاً فوقتاً روزنامہ میں ہوتا رہا۔ (ہاشمی)

گنبدہ کامیلہ: ۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء۔ میلہ کنبہ الہ آباد میں جو ابھی ختم ہوا ہے میں لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ ۲۲ جنوری ۱۹۰۶ء کو کثرت ازدحام سے دس آدمی ہلاک ہوئے اور اٹھارہ تخت جروح ہوئے۔

عقد نانی بیوہ: ۱۸ مارچ ۱۹۰۶ء۔ چونکہ نور دیدہ انجن (روای) بوختر نور دار سید الدین کم عمری یعنی ۱۹ سال میں بیوہ ہو گئی لہذا برقلاں رسم قدیم یہ تجویز کیا ہے کہ اس کا عقد ثانی کر لیا جائے۔

شیعہ شستی جھگڑا: ۱۸ مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج کے اوڈھ اخبار سے معلوم ہوا کہ لکھنؤ کے شیعوں نے سنیوں اور ہندوؤں سے یہ کہا کہ وہ برہمنہ سرو پالغیر پان کھلے کر ملا تاں طورہ میں آئیں اور اپنے اپنے تعزیرے دفن کریں لیکن یہ بات دونوں فرقوں نے منظور نہیں کی اور اپنے تعزیرے اجنوں کی مسجد کے قریب ایک میدان میں دفن کیے۔ ان اہل تعزیرہ و شاشیموں کا ہجوم تھا اور دوکانداروں وغیرہ کو بھی کوئی ممانعت نہیں تھی اور درجہ حاجب شریعت کی سیلین رکھی ہوئی تھیں۔ لنگہ جاری تھے اس کی وجہ بنظر ہر یہ معلوم ہوتی تھی کہ جو مولوی مقبول احمد شیوپر بدعت کہتے تھے تیرا کے ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور تین ہزار روپیہ کی ضمانت ایک جلیعی حبیب اللہ شستی کے استغاثہ پر عدالت دوسٹر کٹ بمطریط ضلع فیض آباد کے اجلاس سے حال میں ہوئی ہے اسی وجہ سے لکھنؤ کے شیعوں نے شیعوں کی نسبت شرائط قائم کیے۔ جہاں تک خیال جاتا ہے تو سنیوں کی جاکیر ملا کو بہت جلد نمایاں ترقی اس وجہ سے ہو جائیگی ان کی میں کسی قسم کی قید یا شرط وقت داخلہ کر بلا کے نہیں ہے جس کا آغاز عہد نظر آ رہا ہے۔

مدرسہ شمسواں: ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج میں نے کیٹیجی خاص میونسپل سے مدرسہ نسواں اشراف ٹولہ کا تھانڈ کو دیا اور مولوی عبدالرزاق صاحب مہتوانہ کا تقریر بمشاہدہ پندرہ روپے اسوارہ منظور ہوا جو کل اسرار حاج سن الیہ سے مکان صدر اعلام میں جاری ہو گا۔

حافظ انور علی خٹک: ۱۷ مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج معلوم ہوا کہ شام کو حافظ علی انور صاحب بچا فشی

مکرمشاہ تراب علی صاحب کاکوری نے قضا کی۔ عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔ مرحوم نہایت ذی علم با وضع و مقدار بزرگ تھے اور بہت سے مردوزن علی الخصوص مستورات کاکوری مرید تھیں اور آپ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہر ایک اپنے مرید کے گھر جاتے تھے اور وہیں کھانا کھاتے تھے۔

۱۹ مابح ۶-۱۹-۶۰ آج حافظ علی انور صاحب مرحوم کاکوری کا سیوم تھا اور ان کے بیٹے

بعد تقریب سیوم اپنے باپ کے سجاد نشین منتخب ہوئے۔

شیعہ سنی تعزیدہ - ۱۷ مابح ۶-۱۹-۶۰ لکھنؤ کے چہلم کی خبر جو ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو سخت معلوم ہوئی کہ سنیوں اور ہندوؤں کے تعزیرے زیادہ دھوم دھام سے اٹھے اور گشت کیا۔ منشی احتشام ولد منشی احتیاز علی مرحوم کی آراضی میں دفن ہوئے جو اب پھول کٹورہ کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ راز شریعت و پانی کی سبیلیں قائم تھیں۔ مجمع ہر راہ تعزیوں کے اس قدر تھا کہ ایسا تال کٹورہ میں شاید کبھی نہ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے سو لاکھ تک آدمیوں کا مجمع تھا۔ اٹھارے لاکھ کر بلا میں جان محمد نے ایک بڑا قائم کیا تھا جہاں ہر شخص کو کھانا مفت تقسیم ہوتا تھا۔ گھوسیوں نے چھ سو من دودھ کا بندوبست جو شریعت میں ملایا گیا تھا۔ منشی احتشام علی نے کر بلا پھول کٹورہ میں تقسیم طعام کا بندوبست کیا تھا جو کو دیا جاتا تھا۔ گول دروازہ لکھنؤ سے پھول کٹورہ کر بلا تک تین کوس کا فاصلہ ہے اٹھارے لاکھ میں بڑے سبیلیں ہر قسم کی تھیں جس میں برون پڑا ہوا تھا۔ کر بلا میں ہر قسم کے قرعے و طبقے کے لوگ اذرو سا تعزیر تھے۔ برخلاف اس کے تال کٹورہ شیعوں کی کر بلا میں سناٹا تھا حتیٰ کہ غلام حسین عرف پتن صاحب کا تہ بارہ بجے نہایت مجمع کے ساتھ اٹھتا تھا وہ چار بجے شام تک بوجہ نہ ملنے مزدوروں کے نہیں اٹھ سکا کہ اہل شیعہ سے یہ بڑی غلطی ہوئی جو انھوں نے قید لگائی تھی کہ سنی و ہندو جو اپنے تعزیرے تال کٹورہ کی کر بلا میں جائیں وہ نیکے سر پہ سبز پیر ہوں ایسی حالت انکو نکست فاش ملی کہ کئی روز متعین ہو گئے اور انھوں کو بالافاقیہ کاروائی کی کھٹا بابا نہی: ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ آج اجدھیا ولد گوردیا کمار ساکن گڈڑی، محمود علی خاں خلف واجد علی خاں بلوچ میں صبح سے کنگوا باندی شرمہ ہوئی اور نماز مغرب تک برابر جوتی رہی۔ اجدھیا چھ اسٹبل سید انعامت رسول تعادہ دار پر تھا اور محمود علی خاں قلعہ پر۔ ۲۶ پرنج لڑے۔ محمود علی خاں پانچ رہے اور بالالان کے ہاتھ رلا اور پانچ روپے اجدھیا کھوار سے جیتے کہ ایک روپیہ بازی تھی۔ محمود علی خاں اپنی دلی خوشی اس پنج سے منائی کہ موجود لوگوں کو بتائے تقسیم کیے اور گاتے بجاتے چلے اور اجدھیا کی د

کی طرف ہو کر چادر درگاہ مخدوم صاحب میں لے جا کر چڑھائی۔ راستہ میں آتش بازی چھوٹی جاتی تھی بکنگرے
 دیکھ کر گناہاں ساتھ تھے۔ محمود علی خاں کی طرف قطار کرسیوں اور فرش پر نشست تھی۔ پانی پان اور چھ کا پورا بندوبست تھا
 نئی نالی میں محفل میلاد: ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء
 وقت شب کو ہنز آئرسر لالوش صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ کی جانب سے بمقام نئی نالی
 ان کی کوٹھی کے سامنے محفل میلاد شریف منعقد ہوئی اور اس جلسہ کا اہتمام صاحب بہادر کے حکم اور ان
 کے اہتمام سے ہوا تھا۔ محفل کی آراستگی و شیشہ آلات کی روشنی اور آدمیوں کا ہجوم قابل دید تھا۔ مولانا حاجی حافظ
 ولایت حسین صاحب جو الہ آباد سے بلوائے گئے تھے جب آپ جلسہ میں تشریف لائے تو لاٹ صاحب نے اٹھ کر
 ہاتھ ملایا اور تخت پر بیٹھنے کی اجازت دی اور سب اہل مجلس کو تاکید فرمائی کہ کوئی ہماری تعظیم کو نہ اٹھے۔ مولوی
 صاحب نے تین گھنٹہ کے قریب مولود پڑھا۔ لاٹ صاحب نے ایک گھنٹہ سے کچھ رائد بہت دلچسپی سے
 بیان سنا۔ اس کے بعد اٹھ کر مولوی صاحب سے ہاتھ ملایا اور یہ کلمات فرمائے کہ میں آپ کا شکریہ
 ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس جلسہ میں شریک کیا۔

لفٹیننٹ گورنر: یکم جنوری ۱۹۰۷ء۔ آج گیارہ بجے دن کو ہنز آئرسر لالوش صاحب بہادر نے
 اپنا چارج گورنری اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ جے بی ہیوٹ صاحب جدید لفٹیننٹ گورنر کو دے کر روانہ ولایت
 لندن ہوئے۔ جونہایت نیک مزاج حاکم تھے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہنز آئرسر ہیوٹ صاحب بہادر کیسے کام کوئے ہیں۔
قیصری باغ: ۹ مارچ ۱۹۰۷ء۔ قیصر باغ (لکھنؤ) کی تعمیر ۱۸۴۸ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۰۵ء میں
 ختم ہو گئی۔ اس کی تیاری میں اسی لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ کم سے کم چار میل کے دور میں تھا۔ بادشاہ منزل رٹن الدولہ
 کی کوٹھی، مقبرہ سعادت علی خاں گھسیاری منڈی، اردنی بازار، چوکھی حضرت گنج یہ سب مقامات اس
 باغ میں داخل تھے۔ اس کے اندر قلعہ در قلعہ تھا۔

نواب منجھو صاحب: ۱۹ مارچ ۱۹۰۷ء۔ آج نواب منجھو صاحب لکھنؤ سے ملاقات ہوئی
 جو بوجہ شدت طاعون لکھنؤ چھوڑ کر سندیکہ کو تشریف لائے ہیں اور راجہ درگاہ پر شاد کے گوشہ محل سرا بالائی
 کھاواک میں مقیم ہیں۔ عمر نواب صاحب ۴۵ سال ہو گئی۔ ان کی کیفیت اس طور پر ہے کہ جب والٹن صاحب
 لندن سے آئے تو ان کے ہمراہ ایک فرزند پر نواب صاحب (احسان) کی ایک بیٹی بھی موصوفیہ کے
 ساتھ آئیں۔ مس صاحبہ منظو نظر نعیم الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ ہوئیں اور ان کا عقد مسلمان ہونے پر بادشاہ کے

کھدائی مالا بیریونی وغیرہ کام رفاه عام میں تجویز ہوئے اور کھٹی مقامی قسط سے یہ بھی ملے ہوگا کہ آبادی سندھ میں حلقوں میں تقسیم کی جائے اور ذی اثر اشخاص کے نام نوٹس دیا جائے کہ وہ اپنے حلقوں میں ان اشخاص کو امداد ملنے کی سفارش کریں جو شرم و عزت و وضعیفی و علالت و پردہ نشینی اور اسی قسم کی وجہ سے کوئی کام کرنے کے قابل نہ ہوں اور ان کو کسی اپنے عزیز وغیرہ سے امداد ملتی ہو۔

گوشت پیچھے مسیرو: ۲۱ نومبر ۱۹۰۷ء۔ چونکہ زمانہ قحط سال ہے جس سے ہر ایک شے گراں کیاب ہے اور سب سے بڑی کیا بیگھاس کی ہے جو بالکل میسر نہیں آتی اور سولشی مرے جاتے ہیں لہذا ہندو مسلمان دونوں اپنے سولشی تھانیوں کے ہاتھ فروخت کر رہے ہیں اور گوشت کا نرخ آج کل سستا یعنی دو پیسے سیر فروخت ہوتا ہے اور ان کا چرمنہ معمول سے زیادہ قیمت پر بکتا ہے۔ آج کل تھانیوں کی اس قدر تعداد بڑھ گئی ہے کہ ہر ایک ادنیٰ قسم کے مسلمان نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ آج کل مویشیوں کی وبا ہے۔

تالاب سیر وقت: ۱۸ دسمبر ۱۹۰۷ء۔ آج ۳ بجے دن کو میں نے تالاب بیریونی کو دیکھا میرے ساتھ سید حسن احمد مخی و مٹا دہ اور قاضی نعمتی عمر نیوئل ساکن شاہ آباد تھے۔ تالاب میں ۲۰ نفر میٹ کا کرتے ہیں جن کو فی کس ۳ روپیہ ملتا ہے اور عبدالرحیم ٹانگہ کپڑے کو دی روپے ماہوار اور مردوزن وغیرہ کو حسب تفصیل ذیل اجرت دی جاتی ہے جس کی بابت حکم تحریری ڈپٹی کمشنر ہر دونوں میں نے حاصل کر لیا ہے۔

بیل وار جو بچا وٹھ چلاتے ہیں ۲ آنہ یومیہ مزدور ڈلیا ڈھونے والے ۱ آنہ آنہ یومیہ عورت میٹ ڈھونے والی ۱ آنہ آنہ یومیہ لڑکی دس سال کی عمر سے نائند ایک آنہ یومیہ: انہوں نے کہ یہ کام عنقریب بند ہونے والا ہے اور ۲۵ آدمی جو میرے ذریعے ملازمہ پارہے ہیں وہ عنقریب بند ہو جائے گا۔

نرخ غلہ بانہا سندھ: ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء۔ آج نرخ غلہ بازار سندھ میں حسب ذیل ہے:

گندم ۷ سیر دانہ نخود ۸ ۱/۲ سیر مونگ ۱۱ ۱/۲ سیر مال ارہر ۶ ۱/۲ سیر آرد باجرہ ۷ ۱/۲ سیر آرد گندم ۱۱ ۱/۲ سیر مال ۵ سیر مال مونگ ۱۱ ۱/۲ سیر اجڑا ۱۰ سیر چاول ۱۱ ۱/۲ سیر نخود ۸ سیر دال ماش ۱۲ ۱/۲ سیر ارہر ۹ سیر باجرہ ۱۱ سیر ۹ سیر آرد جو ۸ سیر مکائی ۱۰ سیر دھال ۱۱ سیر نمک ۱۹ سیر قدسیاہ ۶ سیر لکھی ۱۰ سیر ۲ چھٹاک ۲ سیر ۵ ۱/۲ سیر روغن سیاہ ۲ سیر چھٹاک۔

محتاج خانہ: ۸ جنوری ۱۹۰۸ء۔ آج کل محتاج خانہ میں مودم و مودت و لڑکوں کے ۹ نفر ہیں۔ یہ یکی میٹھی روزانہ ہوا کرتی ہے۔ آج کئی نفر حکم ڈپٹی کمشنر صاحب سندھ پرنسپل کو بھیجے گئے کہ وہ قصبہ ہڈکے گاؤں

کے ساتھ خیرات پایا کریں اور ان کا نام درج بموجب محتاجان سند لکھا جائے۔ بظاہر صاحب بہادر کا پیشنا معلوم ہوتا ہے کہ محتاج خانہ کے لوگ شامل متحدہ سند کے جاویں کہ ان کی تقسیم خیرات کے روپے سے ہوئی۔ (بیچہ خط اخلاقیہ کا کام سال بھر چلتا رہا۔ تالاب و کنوئیں بھی بغرض رفاہ عام کھدوائے گئے تھے۔ ہاشمی۔)

۲۶ فروری ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ تہائی ہندوستان میں منجانب سرکار نولاکھ دو ہزار آٹھ سو پچیس آدمیوں کی رفع تکلیف ہوئی ہے۔ واقعی گورنمنٹ رعایا کی ایسے زمانہ بظاہر میں بہت مدد کر رہی ہے۔
مدح صحابہ و تبرات: ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء۔ سنالیکہ چوک لکھنؤ میں شیعہ و سنی میں سخت مقابلہ

ہو گیا۔ سنت جماعت لوگ حسب الحکم ڈپٹی کمشنر لکھنؤ چار یاری مرثیہ پڑھتے جاتے تھے اور خلاف اجازت شیعہ لوگوں نے تبرات کہنا شروع کر دیا۔ پولس نے مداخلت کی۔ باہم پولس اور شیعوں کے بوائے شروع ہو گئے۔ سنت جماعت نے موقع پا کر شیعوں کو خوب مارا حتیٰ کہ ان کا ایک آدمی مر گیا اور پولس کے لوگ شیعوں کے حملے سے مجروح ہوئے۔ حکام وقت فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ ایک سو سے زائد شیعہ گرفتار ہو کر زیر حراست پولس ہوئے۔ اب تحقیقات ہو رہی ہے۔ دیکھا جاسکے کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

شبہ ملکہ: ۹ اپریل ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ شبہ ملکہ و کٹوریہ ۱۲ اپریل ۱۹۰۸ء لکھنؤ میں متصل مقبوسات علی خاں بادشاہ بوقت ۵ بجے شام کو قائم ہوئی ہے اس کو سر جان ہیوٹ صاحب الفینٹ گورنر نے کھولاجس کی تیاری میں حسب ذیل روپیہ خرچ ہوا۔
تیاری چھتری۔ ۸۸ ہزار سات سو پچیس روپے ۱۳ آنہ ۶ پائی تیاری شبہ۔ ۴۱ ہزار پانچ سو روپے ۸ آنہ ۶ پائی۔ میزان کل ایک لاکھ ۲۰ ہزار ۲۲۸ روپے ۶ آنہ۔

مسٹر ڈرن صاحب: ۲ ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج صبح کی ڈاک گاڑی میں مسٹر ڈرن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہونڈی سے تشریف لائے اور مدرسہ اردو سندیلہ میں کیمپی کر کے جناب الفینٹ گورنر بہادر کی اسپیج پر طحانے کی تجویز کی جو صاحب مختتم العین نے لکھنؤ میں فرمائی تھی جس کا ترجمہ راجہ درگا پرشاد صاحب نے اہالی کیمپی کو پڑھ کر سنایا جو اخبار میں شائع ہوا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ اضلاع متحدہ اگر وہ کے لوگ بنگالیوں کے سبب فساد ہوا دہلی نہ کریں جس کا کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں ہے۔

.... انان بعد ڈاک بنگلہ میں کیے بلا کیجئے رسالے قصبہ ذرا کی ملاقات کی اور سید القادریوں صاحب سے وقت ملاقات فرمایا کہ تم مولوی مظہر علی سے کہہ دینا کہ ہم ان کے کام میں نہیں مگر سنیوں سے

کو لفٹیننٹ گورنر بنگال پر تنبیہ کرنا چاہا تھا اور مہاراجہ بردوان درمیان قاتل اور لفٹیننٹ گورنر لکھنؤ اور قاتل کو ہٹا بھی دیا تھا اس وجہ سے اب سخت دیکھ بھال اور نگرانی ہو رہی ہے۔

۲۳ نومبر ۱۹۰۸ء - آج لارڈ ملٹون صاحب وائسرائے کشور ہند ایک نہایت عمدہ رام بیج ہاتھی بلرام پور سوار سپرکولر لکھنؤ بھیجے گھوڑوں کی راہ سے گزرے۔ ہاتھی مذکور کو ہر ایک قسم کا طاعنی و نفری زہر نہایا گیا حتیٰ کہ اس کے پیردوں میں چاندی کی بازب بھی تھی اور اس کے عقب میں ۱۰۰ لکھ دار ہاتھیوں پر سوار تھے ہر ایک ہاتھی خوب سجا ہوا تھا۔ یہ اسی قسم کا جلسہ تھا جب کہ یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو وائسرائے لارڈ کرزن صاحب سابق گورنر جنرل کے عہد میں بمقام دہلی ہوا تھا اور بہت بڑے بڑے والیان ملک بوجب درجہ و تہ کے وائسرائے کے ہاتھی کے عقب میں تھے۔ اگرچہ اس جلس میں بڑے بڑے نامی گرامی والیان ملک شریک تھے لیکن یہ ۲۳ نومبر ۱۹۰۸ء کا جلوس بھی قابل دید ضرور تھا۔

سراجہ درگاہ پشاد: ۱۳ جنوری ۱۹۰۹ء - آج سپرکولر راجہ درگاہ پشاد صاحب نے براہمن ہاتھی جیتے مقدمہ استقرار حق کے درگاہ مخدوم صاحب میں چار چڑھائی۔ ہاتھی پر جو دھری مقبول حسن صاحب وکیل سوار تھے جس کا ہودج گنگا جمنی اور عمدہ پوشش سے آراستہ تھا اور اس کے پیچھے گھٹیوں کا سلسلہ جس پر راجہ صاحب کے صاحبزادگان منشی عبدالودود صاحب و جمیل الدین کارنہ جو دھری علی جان صاحب سوار تھے۔ وکیل صاحب کو ایک چمچہ جامہ وافر قیمتی دوسو روپے عطا ہوا اور محمد حسین عثمان نام کو بھی ایک دوشالہ ملا۔ لیکن افسوس پانی برسنے کی وجہ سے کچھ زیادہ لطف تماشا میوں کو حاصل نہیں ہوا۔

شبہ مہاراجہ بلرام پور: ۲۵ جنوری ۱۹۰۹ء - آج کے اودھ اخبار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سر بیوٹ صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحہ آگرہ و اودھ نے سر دیکھے سنگھ صاحب مہاراجہ بلرام پور پریسیڈنٹ انجمن تعلقہ داران کی شبہ کا افتتاح فرمایا جو بارہ دری قیصر باغ میں رکھی گئی ہے۔ اس شبہ کی تیاری میں چوبیس ہزار روپیہ خرچ ہوا جس کو مسٹر کاسکوب جان نے بنایا اور اس کی میٹھک کی تیاری میں چار ہزار روپے صرف ہوئے جس کو بلرام پور درگاہ پشاد سنگ ترائش لکھنؤ نے تیار کی۔

مدح صاحبہ: ۲۰ جنوری ۱۹۰۹ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ گورنمنٹ نے مخالفت کی ہے کہ چار یاری رتہ تھی لوگ راستہ وغیرہ میں نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں گے تو قابل تدارک ہوں گے۔

مقامی مسلم لیگ: ۳ فروری ۱۹۰۹ء - آج چار بجے دن کو ایک کیٹس لم لیگ مکان منشی قبولی انور

بندھ ہوئی جو مکمل آل انڈیا علی گڑھ کی امداد میں تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ خیال رکھے۔ اس کی کٹی
ریٹنٹ منشی الفتات رسول اور ائس پریٹنٹ چودھری علی جان اندر سکرٹری مقبول احمد اور جوائنٹ سکرٹری
بالور ورتھویر ہوئے۔ قصبہ ہذا کے بہت سے لوگ شریک تھے۔ منجملہ ان کے ایک میں بھی تھا۔

مدح صحابہ: ۱۳ مارچ ۱۹۰۹ء آج لکھنؤ میں تعزیر جہلم عیش باغ سے اٹھا جس کے آگے
شریہ چاریاری پڑھا جاتا تھا جس کی گورنمنٹ نے قبل آغا بہینہ محرم ممانعت کر دی تھی کہ تعزیر کے سامنے
چاریاری مرثیہ نہ پڑھا جاوے مگر خلاف اس کے جب کئی لوگ چاریاری مرثیہ پڑھتے ہوئے چوک لکھنؤ
سے گزرے تو پولیس کے لوگوں نے گول دروازہ کے پاس سب کو گرفتار کر کے کوٹوالی میں کر دیا اور جس شخص
نے دس روپے کی ضمانت پیش کی اسے چھوڑ دیا گیا۔ باقی لوگ حوالات بھیج دیے گئے۔ پولیس کے تھانہ جی ٹی
ڈیٹن کسٹرن لکھنؤ اور بابو سری رام آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کارروائی میں کسی
بڑے شخص کی تحریک ہے ورنہ ادنیٰ کم بضاعت لوگوں کو ایسی جرأت نہ ہوتی جو حکم گورنمنٹ کے خلاف
کارروائی کرتے۔ مجمع کی تعداد سات آٹھ سو تھی جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ فعل مبینوں کا بالکل جاہلانہ
ہے۔ ان کو خلاف ورزی و سرتابی گورنمنٹ کے حکم سے ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

یکم اپریل ۱۹۰۹ء۔ جو ستیان لکھنؤ نے حکم گورنمنٹ کی خلاف ورزی کی اور جہلم کے روز تعزیر کے ساتھ
چاریاری مرثیہ پڑھتے ہوئے چوک سے گزرے ان کو مسٹر جالنگ صاحب کی مجسٹریٹ لکھنؤ نے تین جین ہینہ
قیمت کی سزا دی۔ ۲۹ مارچ سن الیہ کو ان لوگوں کے خلاف حکم سنایا گیا۔

۸ اپریل ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۵ اپریل کو مسٹر وارن صاحب سیشن جج لکھنؤ نے
اپیل میں لا جھوٹ چاریاری مرثیہ پڑھا تھا قادیان کر دیا اور تین ماہ کی سزا مجوزہ کی مجسٹریٹ صاحب لکھنؤ بحال رکھی۔
کیننگ کالج لکھنؤ: ۴ اپریل ۱۹۰۹ء۔ ۳ مارچ ۱۹۰۹ء و وقت ۵ بجے شام کے سر ہیوٹ لفٹننٹ گورنر
افلارن متحدہ اگرہ و اودھ نے کیننگ کالج واقع بادشاہ باغ لکھنؤ کا بنیادی پتھر نصب کیا اس تہنیر کے لیے
سر بھگوتی پرادوالی پراستورن لاکھ روپیہ نذر کیا، اور اگر اچانا اس کی کچھ کمی پڑے گی تو غالب کچھ اور بھی امداد کریں۔

مقامی مسلم لیگ: ۲۵ اپریل ۱۹۰۹ء۔ آج ۳ بجے دن کو جلسہ مسلم لیگ کوٹلی امرہ میں سید الفتات
رسول صاحب پندھ ہوا۔ سید پر دوئی شاہ آباد اور بلگرام کے معززین شریک تھے اور بکثرت آرا سید الفتات رسول
لے پیکینگ کالج قیصر باغ لکھنؤ کی ایک عمارت میں قائم تھا جہاں اب محکمہ آئندہ قائم کر دیا گیا ہے۔ ہاشمی۔

صاحب پر بلا کی طبیعت نہ ہو، انھوں نے ایسی تقریر کی کہ جو پہلی تھی اور بہت آہستہ آہستہ کہہ سہیں ان کے مطالبے فیض باب نہ سہ کے اشخاص ذیل نے رد و لیٹون تجویز کیے۔ نواب عبدالکریم خاں صاحب تعلقہ دار شاہ آباد۔ سید احمد علی بگلوی وکیل ڈوئی محمد علی خاں طیب ڈوئی۔ منشی حامد حسین صاحب بگلوی ڈوئی۔ انسپکٹر برائے پیش یافتہ، حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد۔ منشی مقبول احمد صاحب ندیہ منشی نور حسن صاحب کاکوڑی وکیل ڈوئی۔ آخر الذکر کی تقریر نہایت شستہ تھی دوران جلسہ میں آندھی کے ساتھ بارش ہوئی اور دیر تک مثل برسات پانی برتا رہا۔

ایک چودھری: ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء۔ معتبر ذریعہ سے دریافت ہوا کہ چودھری خلف صاحب مرحوم نے اپنے مکان بیرونی کے بروٹھے میں کتھا ڈلی، ہلدی مرچ وغیرہ کی دوکان رکھی ہے۔ چونکہ نوڈلیا ہیں اس وجہ سے بڑا جاتا توں ناپ اشیا کرتا ہے اور خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے چودھری (مردم) سندیلہ کے چکلہ داس تھے اور ان کی تخت حکومت زمینداروں پر تھی اور ایک بہت بڑا لشکر سوار و پیادوں کا ان کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ آج ایک وہ دن تھا کہ چودھری صاحب مرحوم کے بیٹے اپنے بروٹھے میں نمک برج فروخت کر رہے ہیں۔

آبادی شیعہ: منبر ۹-۱۹۰۹ء۔ اڈیٹر روزگار اگر نہ اصلاح متحدہ اگر وہ کلادہ کر کے کل شیعہ آبادی کی مردم شماری کی۔ اس کا قیاس بیکہ کل شیعہ آبادی تین لاکھ بالواسے ہر لکھ چوبیس ہزار تھی۔ انیس ہزار دوسو بیس ایک تعداد ایسا جگہ جگہ ہوئی۔

ایک تقریب ختمہ: ۱۹-۱۹۰۹ء۔ آج اعزاز رسول انصاف مولیٰ درمستقیم سید الانصار رسول تعلقہ دار کا ناجا پہننے کا بلاوا تھا ایچے لوگوں نے ناجا پرنا انتظامی حالت مجلس کی ٹھیک نہیں تھی۔ سب سے دن کو دونوں ایک کے مخدوم علاؤ الدین صاحب کی درگاہ میں حاضر ملا کہ گئے انگریزی و ہندوستانی باجوئے آگے آگے بجاتھا جھنڈیاں بھی تھیں۔ مٹی مودھاں تعلقہ دار محمود آباد بھی لکھنؤ سے آکر شریک جلسہ ہوئے۔ ختمہ انصاف رسول اعزاز رسول کا بوقت آج کے شاکو ہوا۔ مبلغ پانچ روپے میں نے نیوٹہ دیا۔

۲۰ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ دریافت ہوا کہ ایک شمیری رطائف لکھنؤ کے علاوہ حسب ذیل طوائف زنانہ کا نام ہے۔ مسماۃ زہرہ طوائف پٹنہ۔ جانی بانی عرفہ جیسے چھری طوائف کلکتہ۔ مسماۃ حمیدی طوائف لکھنؤ۔ بھولان کے زہرہ طوائف کا نا بہت تعریف کے ساتھ سنا گیا۔ سندیلہ کے بھی چند ڈیرے تھے واقعی یہ ہے کہ یہ تقریب بہت بڑے پیمانہ پر کی گئی بہت زیادہ مہمان شریک تقریب میں جیسی قیاس کے کوئی نہیں ہوئی تھی بلکہ تعلقہ دار کا اسکا ذیل میں درج ہیں۔ "علی محمد خاں تعلقہ دار محمد آباد۔ راجہ شعبان علی خاں تعلقہ دار بارہ بنکی۔ شیخ شاہد حسین تعلقہ دار گدیا، مظاہر بخش شریک تعلقہ دار کھنوا، ضلع ہر دوتی۔ محمد (؟) تعلقہ دار گڑا۔ " علاوہ ان کے بہت سے دیکھائے گئے لائے تھے لیکن انسانی حالت اچھی نہیں تھی (بد انتظامی کی تفصیل جذبات کی گئی۔ ہاشمی)

۲۱ دسمبر ۱۹۰۹ء..... چونکہ منظم نوجوان لوگ زہرہ طوائف پٹنہ کے گانے میں معروف رہے
 ہنس اہل محفل کی حق پران و پانی کی خبر داری نہیں کی گئی۔ سنا ہے کئی لوگوں کو کھانا نہ ملنے کی شکایت رہی۔
 ۲۲ دسمبر ۱۹۰۹ء..... مسماۃ زہرہ طوائف پٹنہ جو بہت اچھا گاتی تھیں اس کا یومیہ تین سو روپے
 قہارہ کل دو ہزار بائیس روپیہ انعام پا کر رخصت ہوئی۔

محکمہ نسیم صاحب وکیل : ۲۲ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج خط مولوی عبدالقادر نیشنل ٹیچنگ کالج دھال بکری
 یوٹیل سیتا پور وصول ہوا۔ لکھتے ہیں کہ انتخاب پروفیسر ہزار لٹینٹا گزیرین فہرڈیل لٹریچر ان انتخاب کے آئے۔
 محمد نسیم صاحب وکیل لکھنؤ ۱۳۸، سٹریٹ الشیر پٹر ۸۹، منشی اعظم علی کاگوری ۸۱، راجہ نوشاد علی ۴۴، مولوی
 پٹر ۱۲۔ چونکہ کثرت طائفہ نمبروں کی نمائندگی کی نسبت آئی لہذا وہ نمبروں کو منتخب ہوئے۔ میں نے انھیں کی نسبت آئی تھی۔
راجہ درگا پور شاہ : ۶ جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج صبح میں نے راجہ درگا پور شاہ صاحب سے ملاقات کی

بہت اخلاق سے پیش آئے اور اپنے کچھ اشعار سنائے۔ جہاں تک میں غور کرتا ہوں راجہ صاحب موصوف
 نام ترخداے پاک کی ذات پر بھر دوسارے کہتے ہیں اور اسی کی دگاہ میں اپنے حواج رفع کرنے میں دست بدار ہوتے
 ہیں اور اسی کی شان میں مناجاؤں وغیرہ الم تر تصنیف کر کے پڑھا کرتے ہیں۔ میں نے اہل ہند کو کم تر اسی عقیدت مندی یاد۔

چیدر علی میونسپلٹی : ۱۴ جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج دو بجے دن کو منشی علی ضامن صاحب تحصیلدار سندیل
 نیشنل مشورہ میں اسٹریٹس کونسل کے قریب لائے اور فرمایا کہ بروکس اسکیم جدید گورنمنٹ کا منشا ہے کہ میونسپل کے پرنسپل
 وائس پرنسپل ڈپٹی گورنمنٹ کے حکام نہ رہیں بلکہ غیر ملازم سرکار کام میونسپل انجام دیں۔ چنانچہ میری نسبت صاحب نے پٹی
 کٹنر بھلاؤ کا آج حکم صادر ہوا ہے کہ میں وائس پرنسپل میونسپل سندیل سے استعفا دیدوں۔ لہذا میں اس سے استعفا
 کیلئے میں پیش کردوں گا اور صاحب ڈپٹی کٹنر بھی جیرین نہیں رہیں گے اور انھوں نے مجھ پر اپنا منشا ظاہر کیا کہ اگر بڑا
 صاحب تعلقہ دار جیرین تجویز ہوں اور سید التفات رسول وائس جیرین۔ لہذا آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟
 میں نے جواب میں کہا کہ اگر ایسا انتظام ہوا تو کام میونسپل بہتر حالت میں ہو جائے گا۔ ایسے کام کے واسطے نہایت
 مختصر مدت سے متعلقہ شخص ہونے کی ضرورت ہے۔ لیکن خیر، بالفعل یہی بہتر ہے کہ حکم کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔
 چنانچہ تحصیلدار صاحب اولاً التفات رسول کے پاس گئے اور ان سے تذکرہ کیا۔ انھوں نے صاف الفاظ میں فرمایا
 کہ میں وائس پرنسپل ڈپٹی ہونا ایسی حالت میں نہیں چاہتا ہوں جب کہ راجہ صاحب جیرین ہوں گے۔ پھر تحصیلدار صاحب
 مجھے اپنے ہمراہ راجہ درگا پور شاہ صاحب کے یہاں لے گئے اور ان سے جیرین ہونے کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے

نام بھی ایک چٹھی صاحبِ صلح کی آئی ہے جس میں بھی چیرمین ہونے کی بابت لکھا ہے جس کا جواب میں نے ذکر کے ساتھ آج ہی بھیج دیا کہ مجھے چیرمین ہونا منظور ہے اور تحصیل دار صاحب کے سوال پر انھوں نے کہا کہ اگر ڈپٹی کمشنر چیرمین رہیں گے تو میں واس چیرمین بننا منظور کر لوں گا۔ اب یہ امر ضرور طلب ہے کہ اس شخص (میں) کا کیا ہوگا جب کہ ابھی سے مخالفت پیدا ہے۔ سچ یہ ہے کہ بدون اعانت کسی سرکاری افسر کے کام پوسل کا ہرگز نہیں چل سکتا ہے جس کا نتیجہ بدنامی ہوگا۔

۲۱ جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج کیٹی خاص سے عہدہ چیرمین میونسپل بورڈ سے استعفا سڑوے صاحب ڈپٹی کمشنر ہر دئی وچیرمین میونسپل سندیلا کا منظور ہوا اور بجائے ان کے راجہ رگا پرشاد صاحب چیرمین میونسپل مقرر ہوئے۔ اس کے بعد راجہ صاحب میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھے اپنے ساتھ گئی پرے جا کر چوکی اکرائی یہ گاہ کامعائنہ کیا اس کے بعد میں اور وہ ایک ساتھ تالاب زمین آگئے۔

عطیات : ۱۸ فروری ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ منشی التفات رسول تعلقہ دارالہدیہ دس سندیلا نے یہ تقریب خوشی خند اپنے فرزند اعزاز رسول دھیتجے افضال رسول میں جو ۱۹ دسمبر ۱۹۰۹ء کو فوت ہوئی تھی عطیات ذیل مدرسہ علی گڑھ وغیرہ کو دیے۔

علی گڑھ۔ پانچ سو روپیہ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ یک صد روپیہ ندوہ لکھنؤ۔ یک صد روپیہ انجمن اسلام سندیلا۔ یک صد روپیہ مدرسہ اسلامیہ ٹاؤ۔ دو صد روپیہ۔ جملہ ایک ہزار روپیہ۔

سوگ ایڈورڈ ڈھتھم : ۱۸ مئی ۱۹۱۰ء۔ آج ۸ بجے صبح کو مدرسہ اردو سندیلا میں بصدارت راجہ درگا پرشاد صاحب جلسہ اظہار غم و الم وفات ملک معظم بادشاہ ایڈورڈ ڈھتھم قرار پایا۔ بعض لوگوں نے تاریخ آپ وفات تصنیف کر دے پڑھیں لیکن جو مصنفون اندوگین قصیدہ راجہ درگا پرشاد نے پڑھا وہ نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور جو فقرے پنڈت گیا پرشاد نے سنسکرت کے پڑھے وہ مقبول ہوئے۔ ایک تار منٹو وائس رائل دوسرا لفٹیننٹ گورنر اخصلاع متدیہ آگرہ و اودھ کو بھیجا گیا۔ تیسرا اخبار پانیر، انگریزی کو نابار اطلاع۔ قیمت نو بجے جلسہ برفاست ہوا۔ ۲۰ مئی چونکہ آج ایڈورڈ ڈھتھم شہنشاہ ہندوستان دفن ہوں گے لہذا آج عام تعطیل ہو گئی۔ قصبہ ہڈائی بھی دوکانیں بند کرادی گئیں۔ گانا بجانا رقص و رنگ وغیرہ موقوف کرادیا گیا جو آج کل قصبہ ہڈائیں بہت سے ہو رہے ہیں۔ ان میں مرت مزدی مراسم ادا ہوئے۔ باجن وغیرہ نہیں بجے۔

عقد ثالث : ۲۴ جولائی ۱۹۱۰ء۔ بعد نماز مغرب عقد مسامہ و راشت فاطمہ بزرگ سید حافظ علی سے

بہار داد مہر ۳۵ ہزار روپے بمقام حکیم پورچوا۔ لوکی محمد سکری دسیم یعنی ریاض احمد ریاض شاعر خیر آباد کے بھائی کی ہے اس کے شوہر اول نے طلاق دیدی تھی۔ باوجودیکہ عزیز موصوف بہت خفیف اور گراں گوش ہیں۔ بھارت میں بھی کمی ہے۔ بال بال سفید ہو گئے ہیں۔ عمر ۶۲ سال ہے لیکن ان کا تھکد صحت کی نسبت اتنا زبردست ہے کہ تیسرا عقد ان کا آسانی کے ساتھ ہو گیا۔

سلیمان قندس: ۵ اگست ۱۹۱۰ء۔ یکم اگست کو صاحب عالم پرنس مرزا سلیمان قدر خلف العرق واجد علی شاہ اودھ نے انتقال کیا۔

۹ اگست ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۲ صفر ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۴۷ء واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے اور یہ فروری ۱۸۵۶ء کو سلطنت اودھ کا انتزع عمل میں آیا۔ پرنس سلیمان قندس دسمبر ۱۸۳۹ء کو پیدا ہوئے تھے اور یکم اگست ۱۹۱۰ء کو فوت ہوئے۔ اس حساب سے ان کی عمر ۷۱ سال کے پہنچنے کی ہوئی۔ ایک کاریگر: ۳ اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ آج ۷ بجے شام کو میکو جولاہا نور حافظ جمن اشرف ٹور نے بجارہ بنار و غیرہ قضا کی عمر ۵۵ سال تھی متوفی اپنے پیشہ میں بہت ہوشیار تھا اور پلنگ پوش اور فرش بنائے اس کے دور در دور جلتے تھے اور اس نے اپنے پلنگ پوشوں کی بدولت نمائش گاہوں سے اکثر انعامات پائے تھے بلکہ میں نے اس کے بنائے ہوئے پلنگ پوش برکشر عجائب خانہ لکھنؤ کو بھیجے تھے۔

کمپٹی چند: ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ آج کمیٹی چندہ یادگار بادشاہ ایڈورڈ ہفتم بھارت منشی علی صاحب صاحب تحصیلدار مدرسہ اردو میں منعقد ہوئی کہ ان کی تصویر دہلی میں قائم ہوگی اور ایک شفا خانہ عارضہ دق کا الموڑہ پہاڑ پر قائم ہوگا۔ میں نے پندرہ روپہ چندہ دینا منظور کیا۔

طاعون: ۱ نومبر ۱۹۱۰ء۔ چونکہ بیماری طاعون ترقی پر ہے اس وجہ سے ہمارے بھائی بنداشرا ٹولہ سے باہر دیہات کو بخوف طاعون چلے جا رہے ہیں میں صرف اس وقت تک ثابت قدم ہوں۔ خدا میرے استقلال کو قائم رکھے اور اس کا انجا انجیر ہو اس کے بعد کسی صفیات طاعونی ہلاکتوں کا ذکر ہے۔ (باشمی) ۳ دسمبر ۱۹۱۰ء۔ آج میں نے مدرسہ انگریزی سندیل ایک ہفتہ کے واسطے بند کر دیا کہ کل ۲ دسمبر ۱۹۱۰ء کو ۱۳ آدمی طاعون سے متاثر ہوئے تھے۔ چونکہ سردی ترقی کرتی جاتی ہے اس وجہ سے طاعون کو بھی ترقی ہے۔ اب تو محلہ منڈی میں بھی بیماری کی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس وجہ سے لوگ مقامات بیرون کو جا رہے ہیں۔ صرف میں مع اپنے خاندان کے حق تعالیٰ شانہ پر بھروسہ کیے پڑا ہوں۔

۳۱ دسمبر ۱۹۱۱ء - آج کل کثرتِ اموات طاعون ہے اور گورکن نہیں ملتے ہیں لہذا اشخاص ذیل نے کام کو کئی کا اختیار کر رکھا ہے جن کو بمقابلہ ان کے اپنے پیشہ کے زیادہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھو جو پیشہ کہاری یعنی ڈمبل ڈھونے کا کرتا تھا۔ جان علی ورتھو مجاہدے میگا بھشتی۔ یہ چاروں اتنی اثر آؤں میں سے ہیں۔ ۱۵ جنوری ۱۹۱۱ء - جدید لوگ برابر بیمار ہو رہے ہیں جب تک یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ بیماری طاعون قصبہ ہلا سے رفع نہیں ہو سکتی۔ دیکھنا چاہیے کہ کب تک وہ قصبہ کو چھوڑتی ہے۔ مستقل مزاج والے اس کی قوت سے بہ حالت پریشانی میں ہیں۔ سچ ہے کہ یہ مرض لادو ہے۔ اگر مریض کی زندگی ہے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے ورنہ کوئی بیمار ہو کر اچھا نہیں ہوتا۔ گزٹ مورخہ ۱۲ جنوری سے واضح ہوا کہ ہفتہ مختصرہ جنوری میں ضلع ہردوئی میں بیماری طاعون سے ۵۵۵ مبتلا ہوئے اور ۳۳ مرے اور اضلاع متحدہ کی سب سے بڑی تعداد ضلع اعظم گڑھ کی ہے جس میں ۶۲۹ مبتلا ہوئے اور ۵۴ فوت ہوئے۔ سندیل میں آج صرف دو آدمی ملکا نہ داسٹر میں طاعون سے فوت ہوئے (اموات کا یہ سلسلہ بعد کی کئی تاریخوں میں مندرج ہے۔ ہاشمی)

۲۳ فروری ۱۹۱۱ء - ہمارے موضع گھوگرہ میں جو ہے بہ کثرت مرے ہیں لہذا گاؤں والوں نے اپنے ملکات خالی کر کے اسکے باہر راز میں پٹیاں لگا کر سکونت پذیر نہیں اور گاؤں کے اندر کوئی نہیں جاتا۔ اب کے سال اضلاع متحدہ اگر وہ وادھ میں بیماری طاعون کا اس قدر زور نہ رہے کہ بظاہر کوئی گاؤں قریہ باقی نہیں بچا جس میں اس نے خروج نہ کیا ہو۔

جوالا پیر شاد پورق: ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء - ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء یوم یکشنبہ کو مٹی جوالا پیر شاد پورق عدالت خفیہ لکھنؤ میں کاغذ برقی تھا عارضہ طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ انھوں نے دولہے کے یا گار چھوڑے۔ ایک امتحان بی لے پاس کر چکا اور دوسرا بھی پیچھے کے درجہ میں پڑھتا ہے۔ برسے ہندوستانی علی گڑھ: ۲ اپریل ۱۹۱۱ء - کل ایک جلسہ بنا پر قیام محمد بن یونس علی گڑھ رکنا جو دھری سرفراز علی ہوا۔ اگرچہ جاوید کم تھا تاہم سنگ گیا کہ ایک ہزار ایک روپیہ کے چنڈ کا وعدہ ہوا۔

خاتمہ طاعون: ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء - معائنہ گزٹ دی روزہ سے واضح ہوا کہ تعداد اموات اضلاع متحدہ کی بہت گھٹ رہی ہے میں نے ضرورت نہیں سمجھی کہ اس کی تفصیل درج روزنامہ نہ کروں۔

جشن شاج پوشی: ۲۲ جون ۱۹۱۱ء - آج چارسنج بجم ملک معظم انگلستان دہندوستان کا تین کاج پوشی بمقام لندن ہوا اس وجہ سے ہندوستان کے ہر ایک شہر اور قصبہ میں جشن خوشی منایا گیا۔ چنانچہ ہمارے قصبہ بزیلہ

میں عیسائیوں نے بمقام شفاخانہ سرکاری نمازیں بوقت ۷ بجے صبح ملول مری ملک معظم کی پڑھیں اور منشی سید التفات رسول صاحب نے اپنی مسجد 'امرہ' و راجہ درگاہ پر شاد صاحب نے اپنے شوال میں دعاے خیر ہنگامہ لہ نزل واسطے درازی عمر ملک معظم کی بوقت ۱ بجے دن کے مانگی اور من جانب مبران میونسپل بورڈ روسا قصبہ میونسپل ہال جدید میں اموات ذیل یہ آسانی تمام ذریعہ رقم چند ملے ہوئے یعنی چار بجے سے پانچ بجے تک محتاجوں کو خیرات تقسیم ہوئی اور آتش بازی چھوٹی اور نوبت بجی اور ایک منادی کے ذریعہ سے یوٹو پسلی کی طرف سے ہوئی کہا گیا کہ ہر شخص شام سے اپنے اپنے مکان پر بارہ بجے رات تک چراغ جلائے۔ اس کی بھی تعمیل کی گئی۔ آج جو اودھ اخبار آیا وہ بھی ہلالا اور صرخ کاغذ پر تحریر تھا جس میں ملک معظم کی تلخ پوشی لڑکے کے حالات درج تھے۔

مشاعر سندیلہ : ۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء۔ آج محبت مشاعرہ مقبرہ منشی سید فضل رسول صاحب پر بروقت گیارہ بجے دن منعقد ہوئی اور رات تک شعرا اپنا کلام پڑھتے رہے لکھنؤ، سیتاپور، دہلی، شاہ جہانپور وغیرہ سے شاعر لوگ آئے ہوئے ہیں اور اپنا کلام آبدار سنار ہے ہیں چونکہ بعض شاعروں نے سید التفات رسول تعلقہ دار کو اپنے ڈھنگ پر لگا لیا ہے اس وجہ سے یہ مشاعرہ ایام عرس میں بڑی دھم دھام سے ہوتا ہے اور بعض شاعروں کو فریج آمد و شد بھی دیا جاتا ہے۔ ایک شاعر لکھنؤی مستقل طور پر ملازم تعلقہ ہلال پور میں جو پندرہ روپیہ ماہوار علاوہ کھانے کے تنخواہ پالتے ہیں۔ وہ تعلقہ دار صاحب کی جانب سے غزلیں تصنیف کر دیا کرتے ہیں اور وہ غزلیں مشاعرہ میں پڑھی جاتی ہیں۔۔۔ جہاں تک مجھے علم ہوا ہے جو شعرا بردنجات سے آئے ہوئے ہیں وہ قصبہ ہذا میں مختلف مکانات میں پھرتے گئے ہیں اور باوجودی فناء باغ 'امرہ' پر ہے تو وہاں اس وقت مقبرہ پر کھڑا کچھ بچہ ناخالی اندیشواری نہیں اور عجبت نہیں کہ ان کو موقع نہ کایات کا ملے۔

۱۱ رجب کی رسم : ۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء۔ آج مجھے ایک نئی رسم دریافت ہوئی جو میرے اور دوسرے گھروں میں طرح ہوئی جو پہلے میری سماعت میں نہیں آئی تھی۔ وہ یہ ہے کہ ۲۱ رجب کو بوقت شب میری فکر گئی اور دو دھڑا کر لکھیاں پکائی جاتی ہیں اور اس پر حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا فاتحہ ہوتا ہے اور ۲۲ رجب کی صبح کو وہ عزیز و اقارب کو بلا کر کھلاتی جاتی ہیں اس طرح سے ہر ایک گھر میں بلا کر کھلائی جاتی ہیں لکھیاں باہر نکلتے نہیں پاتی ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہوا ہے اس کا عام رواج ہر ایک مقام پر ہے۔ میری یادیں کبھی اس کا تذکرہ کبھی سماعت میں نہیں آیا اور یہ فاتحہ ہر ایک گھر میں نہایت عقیدت کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور یہ رسم برابر پڑھتی جاتی ہے۔

نہ آرزو لکھنؤی (دراستی)

الیکشن میونسپلٹی: ۲۲ اگست ۱۹۱۱ء۔ آج کل قصبہ ہڈکے ہندو مسلمانوں میں سخت تعصب پھیل

ہوا ہے۔ مسلمان لوگ چاہتے ہیں کہ جو دھرمی محمد جان بجائے متالال مستغنی کے ممبروں نپیل پور ڈسٹرکٹ منتخب ہوں اور راجہ درگا پرشاد صاحب کی یہ خواہش ہے کہ شیو سنگر لال کھتری ممبر ہوں گا شمار ہماری جماعت میں ہے۔ لہذا باہم بڑی کوشش ہو رہی ہے اور کیٹیاں ہو ہو کر مارے دھندوں کو فہمائش ہوتی ہے کہ وہ ہماری ٹوٹکا کے مطابق رائے دیں جس کے واسطے ۶ ستمبر مقرر ہے۔ میرے خیال میں ہندو مسلمان کے درمیان اب تعصب بڑھتا جاتا ہے جس کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔ چونکہ میرے راجہ درگا پرشاد صاحب دوست ہیں میں نے بوجہ مصلحت وقت ان کو آج یہ شعر ملانے کا لکھ بھیجا تاکہ ان کے دل میں میری طرف سے گنجائش رہے۔

سے کر تو گرد بلند ی گزائے بیفکند نیفتند ز جاے

یہ شعر بڑھ کر راجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور اس کے جواب میں ایک شعر اسی وقت تصنیف کر کے مجھے لکھ بھیجا اور آئندہ خط سے کہا اچھا کہ میری آپ کی ملاقات کو بہت چاہتا لیکن اس نشانیوں میں مناسب نہیں کریں آپ کے پاس آؤں۔ برقی پنکھا: ۲۳ اگست ۱۹۱۱ء۔ شب گزشتہ کو برقی پنکھا سید التفات حسین صاحب تعلقہ دار

کا ۷ بجے شب سے آج ۶ بجے صبح تک میری کوٹھی میں متصل میرے پلنگ کے چلتا رہا۔ ہوا کافی ملتی ہے۔ شب میں اسی کی ہوا میں سویا اور نہایت غریق غیند آئی اور ڈوبھ آنے کا تمام رات میں روغن مٹی کا جلا۔ یہ جدید برقی پنکھا بہت عمدہ ہے جس کی قیمت چھیا نوے روپے ہے۔ میرا قصہ تھا کہ میں بھی ایک پنکھا لکھنؤ سے منگاؤں لیکن چونکہ یہی پڑیئے اور ظاہر ہوئے ہیں لہذا سالہا سال گناہ ملتے ہی رکھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ سال آئندہ بشرحیات منگاؤں گا۔

ایک واقعہ: ۲۵ اگست ۱۹۱۱ء۔ منڈئی اور مہتوان میں ابھی تک شکایت ہیضہ وبائی پیرا ہے چنانچہ

دو تین روز کا عرصہ ہوا کہ ضامن علی خلف میر محمد حسن منڈئی نہروئی سے ہیضہ میں بیمار ہو کر سنبھلے آئے تھے۔ کل شب کو ان کو سر سام ہو گیا اور چار پائی سے اٹھ کر بھاگتے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ چار پائی سے اٹھ کر بھاگے تو ان کی مادر ہرباں ہائے ہائے میرے لڑکے کہہ کر ضامن علی کے پیچھے دوڑی اور فوراً محبت سے دوڑ کی حالت میں زمین پر گر کر پڑی اور دم بھل گیا۔ ایسا واقعہ بھی کمتر ظہور میں آیا ہوگا۔ آج صبح کو اس کی بہریران ہوئی اور ضامن علی کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ شاید وہ جانبر نہ ہو سکے۔

الیکشن میونسپلٹی: ۲۶ ستمبر ۱۹۱۱ء۔ آج ۷ بجے صبح کو کارروائی انتخاب بجائے متالال مستغنی ممبر

میونسپل صدر چوک میں شروع ہوئی۔ سید ضامن علی تحصیلدار اور بالو میا مال ہتھم سب انسپکٹر سنبھل موقع پر

موجود تھے اور تجویز قرار پائی تھی کہ چھ آدمی اندر ہال کے جا کر پرجا انتخاب کا لکھ کر گولک میں ڈالیں اور کل معزین
 نصیب ہذا اور دوسرے عظام صدر چوکی کے گرد پیش جمع تھے اور چم بجے تک اسکی بجے سے پرچے پڑتے رہے
 اور بہت سے مسلمان اور ہندوؤں نے چودھری محمد جان کے حق میں پرچے ڈالے اور شیونگر کے نام کم پرچے
 پڑے۔ جب راجہ درگا پرتاد صاحب نے یہ دیکھا کہ چودھری صاحب کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں اور شیونگر
 کے نام کم پرچے پڑتے ہیں تو انھوں نے مہتمان کے پاس صدر ہال میں جا کر اطلاع دی کہ کارروائی بے ضابطہ
 ہو رہی ہے لہذا انتخاب ملتوی کیا جاوے۔ یہ کہہ کر باہر نکلے اور ریلوے اسٹیشن پر جا کر صاحب ڈپٹی کمشنر
 ہر دئی کو تار دیا کہ میں نے کارروائی انتخاب اس وجہ سے بند کر دی کہ بے ضابطگی ہو رہی تھی اور البتعات
 رسول کو یہ معلوم ہوا وہ فوراً اسٹیشن ریلوے پر گئے اور علاوہ چودھری محمد جان اور جو لوگ نامزد ہوئے تھے
 ان کی طرف سے ایک ایک تار صاحب ڈپٹی کمشنر ہر دئی کو بھیجے اور ایک تار کمشنر صاحب لکھنؤ کو روانہ کیا
 اور ایک لفٹیننٹ گوڈرک بھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ بلا وجہ راجہ درگا پرتاد چیرمین میں پیل نے کارروائی انتخاب
 روک دی۔ اس کا تاثر رک ہونا چاہیے اور جس قدر پرچے گولک میں پڑے وہ گولک سر بہ مہر کر کے اور مہتمان
 انتخاب چودھری عبدالباسط منشی عبدالودود لالتا پرتاد کے دستخط کرانے کے بعد محفوظ کر دیے گئے۔ عجیب
 ہے کہ اکثر ہندوؤں نے چودھری محمد جان کے حق میں پرچے ڈالے اور راجہ صاحب کی کوئی فہمائش کا ذکر نہیں
 ہوا اور مسلمان اور ہندوؤں نے راجہ صاحب کو برے نام سے یاد کرتے ہیں۔۔۔ اور کیفیت مزاجی یہ ہے کہ کسی
 معزز شخص نصیب ہذا کو نگاہ وقعت سے نہیں دیکھتے ہیں بلکہ انھوں نے اہل درگاہ مخدوم صاحب کو کہلا بھیجا
 اگر تم میری رائے کے مطابق شیونگر کھتری کے نام پر چہ نہ ڈالو گے تو میں مخدوم صاحب کے مزار پر چادریں چڑھانا
 بند کروں گا۔ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ مخدوم صاحب کی نسبت ایسا جملہ استعمال کیا جائے جو بدنامی و نفرت کا باعث ہو۔
 ۱۰ دسمبر ۱۹۱۱ء کل محمد جان تعلقہ دار نے بذریعہ محمد عربی پیر پٹنڈی کمشنر ہر دئی کو درخواست پیش کی ہے کہ
 انتخاب ممبری میں پیل میں بہت بڑی بے ضابطگی ہوئی کہ راجہ درگا پرتاد صاحب چیرمین نے کارروائی پرجہ اندازی
 رائے دہندگان قبل از وقت ۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو روک دی۔ اس کی تاریخ پوشی صاحب ڈپٹی کمشنر نے ۱۲ ستمبر کو منشی
 مقرر فرمائی ہے جس کی پیروی تاریخ مقرر ہو چکی۔ یہ مقدمہ بہ اجلاس چودھری مہاراج سنگھ رائے بہادر
 ڈپٹی کمشنر ہر دئی دائر ہوا ہے۔ دیکھا جاسیے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

۱۳ ستمبر ۱۹۱۱ء۔ جو درخواست من جانب چودھری محمد جان صاحب محمد عربی پیر پٹنڈی نے اجلاس چودھری

مہاراج سنگھ صاحب ڈپٹی کمشنر ہروٹی پیش کی تھی اس کی کارروائی مکمل ہوئی۔ صاحب بہادر نے یہ حکم صادر فرمایا کہ از سر نو جلد انتخاب ہو کر لایا جائے لیکن جو قواعد حال میں جاری ہو چکے ہیں اس کے مطابق کارروائی ہونا چاہیے۔
حکیم عبدالعزیز لکھنوی ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء - ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء منجھ شنبہ کو حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنؤ کے مشہور طبیب انتقال کیا۔ عمر ۶۵ سال تھی۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ وہ حج کر کے واپس آئے تھے۔

ایک قوال : ۹ نومبر ۱۹۱۱ء شنبہ گزشتہ کو آج عرس برادر عزیز مہاراج علی مرحوم بہت اچھی طرح پر ہوا۔ قدین قوال کو اس کے گانے پر نقدی و کپڑا بہت کچھ ملا قدرت اللہ عزت قدس قوال خیر آباد کو کوری میں بوجہ سسرال خود ہاگرتا ہے اور جسے جناح حافظ کرم احمد صاحب مرحوم کی مسہری مرزا شریف بصرہ میں ملے تین سو چودہ روپے دو سال پہلے تیار کرائی ہے اس کا قوالی نہایت عمدہ قابل تعریف اور محض تمنا کا ہے۔ چونکہ میں بوجہ علالت خود شریک فخر آلا نہ ہو سکا لہذا آج میں نے بجے رات کو قدرت اللہ کو اپنے مکان پر بلوایا کہ اس کا سنا تھا۔ مولوی جید حسین صاحب دیگر اعز شریک جلسہ تھے۔ واقعی اس کا نہایت عمدہ اور رضا اور بخوبی ہر ایک حملہ اس کا سمجھ میں آتا ہے اور ہندی کی چیزیں بھی بہت عمدہ گاتا ہے اس کے گانے سے حاضرین جلسہ سب خوش ہوئے اور میں نے مبلغ دو روپیہ اس کو انعام دیے۔

ویدک اور طب : ۱۲ نومبر ۱۹۱۱ء حکیم علی اللہ لکھنوی اور حکیم محمد امجد علی بڑی ہے چاہتے ہیں کہ نیک اور طب بونانی کی شرکت ہو اور حافظ عبدالرشید خلیفہ حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنوی کا پیشہ ہے کہ دونوں کی شرکت ہو۔ اسی وجہ سے چلے بارہ دری تعمیر کیا لکھنؤ میں ہو رہا ہے شرکت کے متعلق بہت کچھ اہل رہے۔ اب دیکھا جاتا ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

جشن تاج پوشی : ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء۔ ۱۲ نومبر ۱۹۱۱ء کو اعلیٰ حضرت جامعہ ملیہ اسلامیہ میں جہانگیر پرنسپل سر وند ہندوستان پونا کے ناڈک کو بھٹا اور تاج پوشی کا کمر جس کا سامان سال گزشتہ سے برائے ہو گیا ہے اور ۲۵ میل کے رقبہ میں ہر قسم کے کاروبار ہو رہے ہیں۔ امید ہے کہ اکثر لوگ خطا باعطا ہوں گے جو قابلیت اس کی رکھتے ہیں۔

۳۰ ستمبر ۱۹۱۱ء..... ہمارے قصبے سید القاتر سول صاحب تعلقہ دارالعلوم فخر فریح آج چھ بجے نماز کی یاد میں چلنے لگے ہوں گے روانہ دہلی ہوئے۔ مناسبت کے شہر میں کوئی مکان کو ایہ پر لیا ہے اور ۵۹۰ روپے پر ایک گاڑی فٹن کرایہ پر لی ہے جو تاقیام دہلی ہر وقت ان کے دروازہ پر حاضر رہے گی۔

۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء آج سیدہ و دیگر مقامات تعظیم رہا ہیں رسم تاج پوشی ملک فخر رشتی ہوئی اور طلباء مدرسہ کو انعام و تحفہ دیا و کتب وغیرہ تقسیم ہوئیں۔ مجھے ان سروسے کیس بوجہ علالت نہ تھا ہر دو دن میں تعزیم رسم تاج پوشی میں شریک ہو سکا اور شریک ہو سکا لہذا جید سیدیل کی کسی رسم سرت و فوشی میں جاسکا اور طبیعت خیر آج بوجہ کھانسی کے ایسی بے لطف ہے کہ ایک دن نہ تو میٹھا

جاتا اور لٹا جاتا۔ لہذا بحالت مجبوری اپنا دل پہاڑ کیلئے گرا مو فون با جاسا کرتا ہوں یا اودھ اخبار پڑھ کر اس دلچسپی حال کرتا ہوں۔
۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ۱۲ دسمبر کو دربارِ صدارت صاحبِ عالی کی منتر بہادر مدنی میں منعقد ہوا۔ اکثر رؤسا افسرانہ و اعلیٰ درجہ کے افسرانہ
اس میں ذیل کو خطاب سے سناٹھٹک بجلتے ان کی کارروائیوں کے عطا ہوئے۔

منشی قبول احمد شرافت کو کہ کو بر سرِ فاش فری منٹل صاحب و مبشر ارکھو جس کی یہی بینک مندرجہ کو بہت ترقی
دی' خاں صاحب کا خطاب عطا ہوا (لیکن یہ خطاب ان کو پسند نہ آیا کہ وہ خاں بہادر کا خطاب چاہتے تھے اور یہ ان کی ناپسندیدگی
حق بجانب، اس لئے انہیں گل چٹان اور ان کے چیلے چا پڑ اور عوام پر چٹان بھی خاں صاحب کے لقب سے کلام جاتے ہیں۔
حتیٰ کہ قوال لوگ بھی گدسی اکثر منقلب بھاں صاحب ہیں) ایک سناٹھٹک سیدالتفات رسول صاحب تعلقہ دار کو ایک لٹا لٹا ہوا
”بھڑان گولہ لکھو جس کی ایک شاخ اربن بینک مندرجہ و جاتوں قائم کی اور ایک سناٹھٹک منجے منکر وکیل و پیر میں میونسپل ہر دوئی کو عطا ہوا۔

۱۷ دسمبر ۱۹۱۱ء آج صبح کو بر خور دار مولوی خلیل الدین سے ملاقات ہوئی جو شب گذشتہ کو دربارِ دہلی سے واپس
آئے ہیں۔ جہاں تک دریافت سے معلوم ہوا کہ ان سے بڑھ کر کسی تعلقہ دار درمیں نے بھی سیر و تفریح نہ کی ہوگی۔ ان کا بیان
ہے کہ میں ایک ننوی ذالین پہننا تھا اس کے اوپر ایک موٹا گڑنا فلائین کا اس کے اوپر ایک کمل کی ایکن اور ہر ایک کے دو بٹا
اور کمر میں ایک ہٹائی دبا کر چھبے صبح سے آٹھ بجے رات تک دربار و وغیرہ کی اور ہر مقام دلچسپ کی سیاحت کرتا تھا۔
میری آٹھ دس گھنٹہ یہیہ پیادہ پانی سے کم نہ ہوتی تھی۔ جس وقت احتیاج پا جانے کی ہوتی تھی تو کسی بم پولس میں جا کر
ایک پیسہ دیتا اور فراغت کر لیتا اور جب خواہش غذا کی ہوتی تو ہر مقام پر بار ورجیوں کی دوکانیں قائم تھیں۔
وہاں ہر مقام پر تومرہ قلیہ پلاڈ و زردہ فروخت ہوا کرتا تھا اور جس چیز کی مجھے رغبت ہوتی تو فوراً کھا لیتا
تھا۔ اگرچہ ظاہری طور پر میرا قیام سیدالتفات رسول کے مکان پر تھا لیکن کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ میں
نے ان کے یہاں کھانا کھایا ہوا اور جب آٹھ بجے رات کو لہر سیر و تفریح واپس آتا تھا تو چار پائی پراڈھ کر
سورہتا تھا اور صبح کو اسی نہج سے پھر سیر و تفریح کرتا جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں اور خوب میں نے
دربار کی کیفیت دیکھی جیسا کہ ایک بڑا آدمی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر رات کو ایسا اتفاق ہوا کہ دنگاہ حضرت اللہ
ادلیا میں پہنچ گیا تو وہیں سورہہ غرض کہ میں جہاں تک غور کرتا ہوں تو متوسط الحال امر نے بھی باوجود مصداق
کثیر کے ایسا لطف مرا سم تاج پوشی حاصل نہ کیا ہوگا جیسا میں نے اپنی پیادہ پانی کی روشنی سے حاصل کیا۔
یہ حالات ان سے دریافت کر کے بہت جی خوش ہوا۔

باب پنجم

ذاتی حال و واقعا





ٹوپی کی قطع : ۱۹ نومبر ۱۸۶۷ء - آج میں نے ٹوپی گول مچلی اودھی خدا بخش خیاط سے تیار کرائی جو نہایت خوشنما اور قابل محفل ہے۔

الطاف برادرانہ : ۲۳ ستمبر ۱۸۶۸ء زربانی اکبر علی معلوم ہوا کہ کرامت حسین آج کل مجھ سے ناخوش ہیں۔ بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، شاید الطاف برادرانہ ہو۔

احساس کم لیا قتی : ۷ نومبر ۱۸۶۸ء - مجھے آج کمال افسوس رہا کہ باوصف اس قدر سن آنے کے میں نے اب تک کوئی لیاقت حاصل نہیں کی لہذا کمال عاجزی سے درگاہ خدا میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے لیاقت عطا فرمائے تاکہ میں اپنے ہم چشموں سے شرمسار نہ ہوں۔

طمانچہ : ۷ فروری ۱۸۶۹ء - غلام علی کا شکار موضع مخدوم پورہ نے بلاوجہ مجھ سے گستاخی کی لہذا ایک طمانچہ اس کے مالا لیکین مٹھو طوی دیر کے بعد اپنے اس فعل سے ناہم ہوا کہ خلت تہذیب میں نے ایسا کیا۔

صفات حمید : ۲۵ دسمبر ۱۸۶۹ء - آج میں حسب تحریک منشی فضل رسول صاحب بوقت شام لکھنؤ پہنچا۔ وقت ملاقات کے منشی صاحب نے فرمایا کہ میں تم کو بمقامہ عنایت حسین کرامت حسین و فضل حسین و حامدین کے چند وجہوں سے اچھا جانتا ہوں۔ اول تم جھوٹ نہیں بولتے ہو۔ دوسرے مزاج میں جہالت نہیں تیسرے مغلوب العیض نہیں ہو، چوتھے معاملہ فہم ہو، اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاقہ کا جو کوڑا ہونے والا ہے تم کو سربراہ کا دفتر کرادوں اور اس میری خواہش کو ضرور کام منظور کریں گے۔

محکمہ ریل میں ملازمت : ۱۰ مئی ۱۸۷۰ء - آج کل محکمہ ریل میں کام کی کثرت ہے اس وجہ سے آٹھ بجے رات کو مجھے بہت ملتی ہے۔ آٹھ بجے رات تک کام کرنے کے لیے طبیعت مضطرب ہو جاتی ہے۔

تقریب میں امحراف : یکم جولائی ۱۸۷۰ء تقریب ختنہ میں میں نے عمدہ ہندوستانی کھانا پکوا کر دونوں وقت مارٹن صاحب کو بھیجا جس کو تناول فرما کر بہت خوش ہوئے، مجھے سے کہا کہ اس تقریب میں کتنا

روپیہ صرف ہوا، میں نے ایک ہزار روپیہ اندرون حساب بٹلایا۔ بہت تاسف کیا کہ تم نے ایک سال کی تنخواہ ایک چھوٹی سی تقریب میں خرچ کر ڈالی یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے۔

نجوم : ۲۰ ستمبر ۱۸۷۷ء آج میں نے پنڈت گوردیال کو پانچ روپے دیے کہ جو تمہیں زائچہ میں ملتا ہے اس کی نحوست کے انسداد کے لیے کچھ چپ کریں۔

ہردل عزیز : ۱۱ دسمبر ۱۸۷۷ء آدمی ہر دل عزیز اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب خود غرضی اس کی ظاہر نہ ہو اور ہر ایک کے ساتھ بخلق پیش آئے اور ان کے اغراض کے پورا ہونے میں سامی رہے۔

فال : ۱۱ جون ۱۸۷۲ء۔ خبر برخاسنگی دفتر ذیل دیانت کر کے مجھے کمال تشویش لاحق ہوئی۔ نہیں معلوم کہ اب آب و دانہ کہاں لے جائے گا اور اس حالت پریشانی میں خواجہ معین الدین جتپتی قدس اللہ سرہ کے دیوان میں فال دیکھی۔ اشعار ذیل برآمد ہوئے۔ جس سے ہر گونہ آئندہ امید کامیابی کی پائی جاتی ہے۔

گرچہ از جلے برون است ولیکن بحث را کہ شب و روز درون دل ما جا دارد
عاقبت چہرہ دلدار عیاں خواہد بود ہر کہ آئینہ ز نگار مصفا دارد
حسن آل ماہ چو خورشید پدید است معین محرم آل است کہ اودیعہ بینا دارد

ہردوئی تک ساریل : ۱۵ جولائی ۱۸۷۲ء۔ آج سندیل سے ہردوئی تک ریل جاری ہوئی۔ پانچ تین پانی محمول مقرر ہوا۔ اس ریل پر پر خوردار مصطفیٰ علی میرے پاس چونسہ آئے۔

ٹکلیٹ سرائے کی مسجد : ۲۶ جولائی ۱۸۷۲ء آج جمعیت احباب منڈولی مسجد ٹکلیٹ لائے واقع کاکوری سے سیر نکال گیا۔ یہ مقام پُر نفا ہے۔

سرشتوت : ۲۳ جون ۱۸۷۳ء۔ آج جان صاحب کو ٹھیکے دارانہ منٹ نے شہر کانپور میں دو ہزار روپے

دیے۔ بعد لینے روپے کے صاحب موصوف نے کمرے کے کواڑ بند کر لیے جہاں سوائے میرے اور ان کے دھرا شخص نہ تھا۔ مبلغ دس روپے بطور نذر کے پیش کیے اور اس کے قبول کرنے میں از حد اصرار کیا میں نے کہا بائیر میری عادت کے خلاف ہے اور میں ایسے نذر لے کسی حالت میں جائز نہیں رکھتا، لیکن اس نے نہ مانا جبراً زبرد گردید کہ بہت تاسف لگتا تھا۔ میں صرف اس خیال سے کہ بجاالت سخت انگار ناراض ہو کوئی شکایت حاکم سے کرے تو اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔ چارونا چار قبول کر کے ایک بلی اس کا ٹھکانہ کو تقسیم کر دیا۔

حکم حاکم : ۱۳ اگست ۱۸۷۳ء۔ بول صاحب نے ایک یہ حکم جاری کیا ہے کہ ملازمان بچھا لگائے

اپنے بھائی کے ہر دو جانب پانچ پانچ جریب گھاس جھیل کریں۔ چونکہ ان نوکر دوں میں اکثر شریف لوگ بھی ملازم ہیں بعضوں نے نوکری چھوڑ دی اور جو لوگ کام کرتے ہیں اگر وہ پورا کام ختم نہیں کرتے تو ان کو تنخواہ نہیں دیے جاتے۔
حکم برخواستگی: یکم ستمبر ۱۸۶۱ء۔ آج منڈولی آیا۔ مہرجن چپراسی دفتر میں سے معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے چپراسیاں محفاظ خزانہ متعلقہ راقم کو حکم برخواستگی کا دیا ہے۔ بدریافت اس حال کے ایک طرح کا مال ہوا کہ یہ کپڑے کہاں تلاش معاش میں سرگرداں پھریں گے۔

علی حسین خان: ۹ ستمبر ۱۸۶۱ء۔ آج ریل پر سیف الدین علی حسین خاں صاحب بہادر نائب مارالہام ریاست بھوپال رئیس 'سانڈی' سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھول خصلت وطن کو جاتے ہیں ہمدی خلق ہیں روزہ نماز کے پابند معلوم ہوتے ہیں۔ پانچ سو روپے کی تنخواہ ہے۔

سوار تھ بروک: ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء۔ دریافت ہوا کہ سرناسکھ بروک صاحب نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند لکھنؤ میں تشریف لانے والے ہیں اس وجہ سے ہر مقام پر صفائی ہو رہی ہے جلسہ قابل عید ہو گا۔
 ۷ دسمبر ۱۸۶۱ء۔ پانچویں دسمبر کو ناسکھ بروک صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے لکھنؤ میں بڑے کر و فر کے ساتھ دربار کیا۔

۸ دسمبر ۱۸۶۱ء۔ جو خاص گاڑی گورنر جنرل صاحب کو کانپور پہنچا کر لوٹی آتی تھی جب قریب شام کے اسٹیشن ہر دینی کو پہنچی تو اس کے ۲۰ منٹ قبل سوامی گاڑی 'ہرونی' سے لکھنؤ کو روانہ ہوئی تھی۔ چونکہ خاص گاڑی میں حکام ریل سوار تھے اسٹیشن ماسٹر 'ہرونی' نے پاس روانگی خاص گاڑی کا دے دیا۔ جب خاص گاڑی متصل اسٹیشن لکھنؤ پہنچی تو سوامی گاڑی سے لوگ اُتری جس سے پانچ چھ گاڑیاں سواری کی ٹوٹ گئیں اور بہت سے مسافر مجروح ہوئے۔ ایک فوت ہوا۔ یہ واقعہ ساڑھے سات بجے شام کو ہوا تحقیقات غفلت پیش ہے۔ دیکھیے کون کون سزا یاب ہوتا ہے۔

نذیر علی: ۱۳ دسمبر ۱۸۶۱ء۔ آج ایک نذیر علی اپنی گھڑی کی سیلیم سونار (سند) سے تیار کرائی جس میں ۲۹ روپے ۱۲ آنے حسب ذیل خرچ ہوئے۔

طلا: ۳ تولہ ۳ رتی۔ فی تولہ ۱۸ روپے ۱۸ آنے۔ اجرت ۲ روپے۔ اور نذیر علی کو بتا دیا کہ اس روزہ زکوٰۃ کیلئے نذیر نہایت خوشنامی ہوئی ہے۔ انگریز بھی اس کو پسند کرتے ہیں اور جب سنیلہ کی ساخت سنئے ہیں تب ان کو نہایت تعجب ہوتا ہے۔

شب دیگ: ۲۸ دسمبر ۱۸۷۱ء۔ آج منشی فہیم الزماں صاحب نے سر فزاد علی رکا بدار لکھنؤ سے شب دیگ تیار کر کے بعض مشاہیر اشراف ٹولہ و مہتوانہ کو طلب کر کے دعوت کی۔ واقعی شب دیگ نہایت نفیس تیار ہوئی تھی اور یہ امر منشی صاحب کی عالی حوصلگی پر دال ہے کہ بلا کسی خاص وجہ کے ایسا مرن گوارا کر کے ہم لوگوں کو طعام لذیذ سے متلذذ فرماتے ہیں۔

سپیل: ۲۷ جنوری ۱۸۷۲ء۔ کل بنارس سے شاہ گنج منگ ریل جاری ہوئی۔ میں والی صاحب کے ساتھ ٹالی (ٹولی) میں سندیلہ سے کاکوری کو آیا۔

الف لیلہ: ۱۸ جون ۱۸۷۳ء۔ چونکہ قیام دفتر تنہا ولی میں محض بے تسلی رہتی ہے اور یہاں جگہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ جس سے گھڑی دو گھڑی دل پہلے لہذا با فعل واسطے رفع پریشانی کتاب الف لیلہ انگریزی اور اردو کی مطالعہ کیا کرتا ہوں۔

حقائق الانظار: ۲۴ اگست ۱۸۷۴ء۔ آج کل میرے مطالعہ میں کتاب حقائق الانظار مولفہ خواجہ بدر الدین دہلوی رہتی ہے۔ اس سے دلچسپی ہے۔

جہاں الآئینہ: ۹ نومبر ۱۸۷۴ء۔ مکان قیصر باغ لکھنؤ میں مطالعہ کتاب بدر الآئینہ کا اتفاق رہتا ہے۔ قصہ دلچسپ ہے اس سے طبیعت بہلی رہتی ہے۔

بنیاد مکان ذاتی: ۱۹ نومبر ۱۸۷۴ء۔ آج منشی فضل رسول صاحب وقاضی وجیہ الدین صاحب نے موجودگی جملہ احباب برادری یکے با دیگرے بنیاد میرے مکان کی رکھی۔ بہت بے شمعیر ناگتہ تحصیل سندیلہ اس وقت شریک تھے۔ مجمع کثیر ہونے سے ۱۲ روپے اکٹھا آنے کی مٹھائی تقسیم ہوئی۔ خداوند کریم اس کا مکملہ بخیر و خوبی کرائے۔ آج گیارہ معمار ۲۲ مزدور کام کرتے ہیں۔ زانچہ مکان جس سمت پر بنیاد قائم ہوئی تھی حسب ذیل ہے (زانچہ نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہاشمی)

۳۰ نومبر ۱۸۷۴ء۔ مہر ایک معمار سے ایک گز مقرر کام لیا جاتا ہے (کام لکھنوی اینٹ سے لیا جلتا تھا۔ ہاشمی) اور میں خود نگرال تعمیر کا ہوں۔ لالہ مہانند کو واسطے تحریر حساب در مکان بے مشاہرہ دور پیہ و مرزا حسین بیگ کو بکار نگرانی مکان تین روپیہ ماہوار کی کانوکر رکھا۔

۳۱ نومبر ۱۸۷۴ء۔ آج کل میں جملہ زمینیں نھر مزدور کے مکان میں کام کرتے ہیں شرح حسب ذیل ہے۔
لامدین معمار سو تین آنے یومیہ۔ رام پرشاد مسری تین آنے ہدایت معمار تین آنے دو گام معمار

باقی اور سحر ایک اور دو آنے یومیہ پاتے ہیں۔ اور جوان مزدور کو ڈیڑھ آنہ یومیہ سے زائد نہیں ہے اور لوگ کو تین پیسے ساٹھ سے بارہ دام لکھتے ہیں۔

۲۷ نومبر۔ اینٹ کانرغ بالفصل ستائیس روپے لاکھ کا ہے (لکھوری اینٹ) ہاشمی کا اور اسی سے کئی لاکھ میں نے خرید کی اور جو اینٹ موٹی ولا نبی ہے اس کانرغ تیس روپے لاکھ کا ہے۔ کڑیاں اسنچ گزی ایک روپے کی اور خرید کی اور انہ کی کڑیاں تچ گزی ایک روپے کی ڈھائی ملتی ہیں۔

فسانہ معقول: ۱۶ جنوری ۱۸۷۵ء آج اتفاق قیام ملان قیصر باغ (لکھنؤ) کا ہوا۔ کتاب معقول "من تعریف غلام حیدر خاں صاحب میر سطرالعیس" واقعی یہ کتاب خوب ڈپٹی صاحب نے لکھی ہے۔
فال: ۸ مارچ ۱۸۷۵ء آج بہ حالت کمال پریشانی میں نے دیوان حافظ میں فال دیکھا انتشار مدہوئے جناسے امید کامیابی متصور ہے۔

کلب تبارک اللہ برنگ دل کشادہ مدد چشمہ آب حیاں از نظریہ سیلہ
غافل ممکن شکر کایت گردصل دوسرے اپنی زیر پیشتر نیاید بر بھرت احتمالے
۷ اپریل ۱۸۷۵ء کل ایک برہمنی موضع رسول پور میں اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ سی ہو گئی۔ بدریافت
ہے کہ اہل کار فوجداری و تحصیل اسندیلہ موقع پر پہنچے اور بعد تحقیقات ۲۰ آدمیوں کو گرفتار کر کے لئے
اجازت حقہ نوشی: ۸ اپریل ۱۸۷۵ء آج شب کو منشی فضل رسول صاحب نے مجھے دسید
میں دباوالقاسم و فیض حسین کو اپنے سامنے اجازت تحقیق کی دی پہلے مجھے پلایا بعد دوسروں کو۔
بدر الاناس: ۱۱ مئی ۱۸۷۵ء آج صبح کی ریل میں لکھنؤ گیا۔ کتاب "بدر الاناس" میر سطرالعیس
فی ہے۔ واقعی یہ کتاب بہت دل بہلاؤ ہے۔

مکان ذاتی: ۱۰ جولائی ۱۸۷۵ء چونکہ میرا مکان زنانه بہمہ وجوہ مرتب ہو گیا ہے لہذا اکثر
ان وروسائے سندیلہ واسطے معائنہ کے آتے ہیں۔ اور دیکھ کر کہاں اظہار مسرت کا کرتے ہیں کہ ایسا
لح مکان اب تک سندیلہ میں تعمیر نہیں ہوا ہے۔ اس مکان میں چند باتیں نئی ہیں۔ اولی بھت بلند و
مانہ بنا گیا تیسرے باورچی خانہ کوٹاہ دار ہے۔

چند مشاہدات: ۱۴ جولائی ۱۸۷۵ء یہ مجھے بخوبی تجربہ ہے کہ قبل از وقت معینہ کوئی کام
نہا اور نہ نامی کو شمشیر فغول ہوتی ہیں پس انسان کو لازم ہے کہ اس وقت کے انتظار کے لیے مرکبے

در وقت مقررہ کے لیے انتظار۔

آج کل داخل سے مناسج زیادہ ہیں اور یہ علامت خوش نہیں ہے۔ انسان جب تک بقیہ حیات رہے کچھ نہ تدبیرات اندیادہم بودی و فلا حیت کی سوچتا رہے۔

شمس الانوار: ۲۸ جولائی ۱۸۷۵ء آج کل شیخ سلامت علی صاحب دیشی فیض و غیرہ میرے مکان پر دونوں وقت آنے ہیں کتاب شمس الانوار پڑھی جاتی ہے اس کو کمال اشتیاق سے ہیں۔ واقعی یہ کتاب فیض و غیرہ کے تعمیر کو مٹھی دیتی: ۱۸ اگست ۱۸۷۵ء۔ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنؤ و آفتاب الدولہ لکھنؤ نے محل سرانویس کا ملاحظہ کیا اور ہر ایک چیز کو بغور دیکھا اور پسند فرمایا یہ دونوں صاحب منشی فضل کی صاحب کے ان دنوں مہمان ہیں۔

ایک مذاق: ۲۳ ستمبر ۱۸۷۵ء۔ آج سید فضل حسین نے میرے مکان پر مہل لیا۔ چونکہ یہ مکان ہوادار ہے اس وجہ سے تفریح زیادہ ہوئی۔ اتفاقاً براہ منی سید فضل حسین و قاضی واجد علی نے یہ مہل کی داڑھی میں ایک جانب و سید لگا دیا اور دوسری جانب داڑھی کو اسی حالت پر رکھا جس کی وجہ سے سید صاحب مجھ سے زیادہ خوش ہوئے اور کہا کہ اس مکان میں آنے سے میری رگت ہوئی۔ اب کبھی اس مکان میں نہ آؤں گا۔

احل خانہ کا ورود: ۲۵ نومبر ۱۸۷۵ء۔ آج والدہ مصطفیٰ علی حویلی نو تعمیر میں آئیں۔ لیکن قبل آنے کے اولاً مسجد قدیم کبھی گئیں اور درگاہ بندگی شیخ حسن میاں صاحب میں واسطے حصول برکت کے دعا مانگی۔ اس کے بعد مکان میں آئیں۔ زائچہ آنے مکان کا درج ہے۔ زائچہ نہیں دیا جا رہا ہے۔ ہاشمی

ایک رسوائی: ۲۰ فروری ۱۸۷۶ء۔ میرے محسوم علی تھانہ دار سندیلہ نے حسب الحکم رائے شیوہا صاحب اکسٹرا اسسٹ کسٹرن ہر دونوں کے مسماۃ علیما زوجہ محترمہ اچھل دربانہ کلیمہ دہی شہر و غمر کے دریافت کیا۔ مسماۃ عجیب ہوئی کہ میں اصلاً ڈپٹی صاحب کے اجلاس میں مقدمہ متدائر کی پروسیجر دہی کروں گی۔ اس حال سے تمام شرفائے سندیلہ کو تاسف ہوا کہ عورت پر دہ نشین کو ایسی جواب دے کہ جس سے بدنامی و ناموسی متصور ہے۔ خدا غارت کرے۔

۲۷ فروری ۱۸۷۶ء۔ آج کل ہر گلی و کوچہ میں تذکرہ مقدمہ مسماۃ علیما النساء و محمد احملا کا ہوتا ہے اور کمال درجہ فیضی ہو رہی ہے یہ مقام کمال عبرت کا ہے کہ جس شخص کا باپ عہدہ صدر اعلیٰ پر بدشاہزادہ ہوا مہواری ممتاز ہو اس کی لڑکی بمقابلہ اپنے شوہر کے عدالت میں رو بکاری کرتی پھرے۔

۶ مارچ ۱۸۷۱ء - آج مسماۃ علیہا النسا کا مقدمہ ہر دو فی میں پیش ہوا۔ بیانات قاضی وجہہ الدین حسباً قاضی عابد علی و مولوی کریم الزماں تحریر ہوئے۔ حکم تاریخ آئندہ سنایا جائے گا۔

۸ مارچ ۱۸۷۱ء - مسماۃ علیہا النسا کے مقدمہ میں اجلاس رائے شیو سہاے صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ ضلع ہر دو فی سے حکم چمکدے لینے پانچ سو روپے کا بیوی کا ایک سال محمد اجمل شہوہہ مدعیہ سے نافذ ہوا۔ اگر باہن سال کے محمد اجمل پھر اپنی زوجہ کو تکلیف دیں گے تو پانچ سو روپیہ تاوان کا ان کو دینا پڑے گا۔

۲۳ اپریل ۱۸۷۱ء - آج شب کو رہس جو اہل طائفہ کا چنڈہ سے ہوا۔ جس میں اشیاں ذیل شریک تھے اور یہ جلسہ تقی میاں صاحب کے مکان پر قرار پایا۔ چودھری اعظم علی محمد تقی صاحب فیض حسین۔ شیخ حامد بن سید ابوالقائم حافظ سراج الدین، منشی فی الدین، سیونی، حسن علی خاں کا کوڑی۔

حاجی وارث علی ۲۲ ستمبر ۱۸۷۱ء - آج والدہ مصطفیٰ علی راہل خانہ مولوی مظہر علی راہم روزنامہ ہاشمی نے بیعت حاجی وارث علی شاہ صاحب حاصل کی۔

۳۰ ستمبر ۱۸۷۱ء - آج شب کو عجب اتفاق ہوا کہ غفلت رام دین کلید بردار ایشین سندیلہ سے سڑک آہنی قینچ مال گاڑی کی کھلی رہ گئی اور مسافر گاڑی باعث کھلی ہوئے قفل قینچ کے اسی سڑک آہنی چرس پر مال گاڑی کھڑی تھی چلی آئی اور ایک غریب شدید مال گاڑی کو دھا کھل گاڑیاں اس کی اسٹیشن کے چبوترہ پر چڑھ آئیں اور چند گاڑیاں پٹری سڑک کے نیچے اتر گئیں۔ اس صدمہ سے اکثر مسافر مجروح ہوئے۔ کلید بردار مفور ہو گیا صبح کو بہ مشکل تمام مسافر گاڑی لکھنؤ کی شاہ جہاں پور کو روانہ ہوئی۔ دیکھا چاہیے کہ اس جرم میں کتنے آدمی سزا یاب ہوں۔

چچیک گھر میں ۲۲ فروری ۱۸۷۱ء - سندیلہ میں آج کل چچیک کی شدت ہے۔ اکثر لوگ اس عارضہ میں فوت ہوئے اور موتے جلتے ہیں۔

۲۸ فروری بروز دارمقندی علی ایشیا کے تین دن سے چچیک نکلی ہے، ہر وقت دیکر تباہ حال تھی یہ معلوم ہو گیا۔

۴ مارچ بروز دارمقندی علی کو چچیک سے از حد تکلیف ہے، شب و روز گریہ و زاری سے بسر کرتا ہے۔

۹ مارچ بروز دارمقندی علی کی طبیعت روز بروز مضطرب ہوتی جاتی ہے اور روناسی وقت بند نہیں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دانے بیٹھ گئے۔

۱۴ مارچ بروز دارمقندی علی کا اہلبائے یونانی ڈاکٹر کا بہت علاج ہوا لیکن کوئی نفع نہیں ہوا۔ ۱۵ مارچ

۱۸۷۷ء یوم چہار شنبہ کو پیدا ہوا تھا اور آج دم صبح عارضہ چیچک میں ۷۷ دن کی علالت کے بعد فوت ہوا۔ چونکہ لڑکا باوجود صغیر سنی اپنے بھائیوں سے ذی ہوش معلوم ہوتا تھا اس وجہ سے اس کی مفارقت کا کمال حد درجہ ہوا۔
۱۵ مارچ بروز دران ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی و اصغر علی کو ڈاکٹر سندیلہ سے ٹیکہ لگوا دیا۔
۷ مارچ بروز دران مقتدی علی کی قبر بخیر بنوادی۔ بیماری چیچک کی سندیلہ میں بہت شدت ہے اور صمد با اطفال اس عارضہ میں فوت ہوئے۔

۱۹ مارچ بروز دران مرتضیٰ علی کے بھی چیچک برآمد ہوئی چونکہ مقتدی علی کا انتقال ہو گیا ہے اس وجہ مرتضیٰ علی کی علالت سے زیادہ تشویش ہے اس محل میں چیچک کی شدت لگے کہ کوئی گھر اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔
۵ اپریل عارضہ چیچک میں اس کی پہلی ہے مگر اس مرتبہ صمد با لڑکے سندیلہ کے اس عارضہ میں ضائع ہوئے۔
دوبیٹ: ۳۴ اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ بروز دران مصطفیٰ علی کو شوق تحصیل علم انگریزی زیادہ معلوم ہوتا ہے اور خفت بھی خوب کرتے ہیں غالباً اس علم میں لیاقت مناسب حاصل کریں۔ بروز دران محبتی علی اگرچہ ہنوز خود رسال ہیں لیکن مزاج میں صلاحیت معلوم ہوتی ہے۔ خود رانی بالکل نہیں ہے اور مزاج میں محبت لوگوں سے بدرجہ غایت ہے اور ہر ایک کی تعمیل حکم میں ان کو دیرین نہیں ہوتا اس وجہ ہر ایک کا میلان طبیعت براہ محبت ان کی جانب ہے
امتحان وکالت: ۳۱ نومبر ۱۸۷۷ء۔ جو درخواست میں نے شرکت امتحان وکالت کی علالت ہائے کورٹ الہ آباد میں بھیجی تھی اس کی جگہ رجسٹرار الہ آباد نے منظور کر کے مجھے مطلع کیا کہ شرک امتحان ہو۔
۱۶ جنوری ۱۸۷۸ء۔ پانچ بجے صبح کو میں بغرض دینے امتحان وکالت ریل سندیلہ پر سوار ہوا۔ کھنٹو پہنچ کر تمام دن وہاں قیام کیا اور شام کی ریل میں الہ آباد روانہ ہوا۔ صبح کو الہ آباد پہنچ کر سرے گراھی میں قیام کیا۔ علی محمد خاں ضلع دار میرے ہمراہ تھے۔

۱۷ جنوری ۱۸۷۸ء۔ مفتی حسن رضا منصرم محکمہ بند و بست نے براہ عنایت مولوی و ہاج الدین صاحب کا ایک مکان خالی کرادیا جس میں میں نے قیام اختیار کیا اور میرے ساتھ میرے تفضل حسین فیض آبادی بھی مقیم ہوئے۔ مولوی و ہاج الدین حیدر صاحب عزیز بنی قاضی ابوالحسن کے خسر ہیں اور محمد شاہ گنج میں رہتے ہیں۔ مولوی و ہاج الدین صاحب نے فرش مکان کے واسطے بھیج دیا۔ یہ مکان مختصر میری گزر کے موافق کافی ہے۔

۱۸ جنوری۔ آج چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب و سید ابوالقاسم و شیخ نیاز علی و شیخ محفوظ علی و شیخ حافظ علی خلف مولوی باقر علی و میر محمد علی سوداگر ملکانہ بھی واسطے دینے امتحان کے

نذیر سے) وادالہ آباد ہوئے اور شاہ گنج کی ایک سرائے میں مقیم ہوئے۔

۲۶ جنوری - اس پنج روزہ امتحان وکالت میں سوائے دو عین وقتوں کے اکثر اوقات میرے اور بہا القادر صاحب کی کجائی رہی اور مدد مناسبت ملی مگر فسوس ہے کہ تفسیر فضل حسین فیض آبادی کا ساتھ میری دیت میں نہ ہو سکا کیونکہ اول روز جب امتحان دیوانی کا ہونا تھا اسی روز ایک محافظ نے میرے پاس سے ان کو اکٹھا دیا اور میں ضابطہ دیوانی میں ان کو مدد نہ دے سکا جس سے وہ ناراض ہو گئے۔ محمود علی سوداگر نے چالاکانہ نکلے کہ اول روز جب کہ ضابطہ دیوانی میں امتحان ہوتا تھا میرے اکثر پرچہ سوالات کے ٹھاکر نقلیں کر لیں جسے اس وقت نہایت خوش طواری تھا کہ باد کوئی نگران یہ حالت دیکھ کر مجھے اور انھیں بددندہ کر دے۔

۲۷ جنوری - میں کل بارش کی وجہ سے نیز خیال اس کے کہ میں قلعہ آباد کی سیر کروں عازم وطن نہ ہوا۔ آج صبح کو الہ آباد سے روانہ ہو کر صبح ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچا اور قیصر باغ میں قیام کیا۔ لکھنؤ تک کا کر ایئر لائن کا ٹی ٹی کس دور روپے چھ آنہ ہے۔

ایک سو و دو نواز: ۸ مارچ ۱۸۷۸ء - الہ آباد۔ میرا قصد آج دہلی وطن کا تھا لیکن غلام علی خاں سرور یا گوگیا میں بمشہور تین سو روپے ماہوار نوکر ہیں اور میرے مکان کے قریب سرائے گڑھی میں اسے یہ بوقت ملاقات مجھے سرور دہلی کا وعدہ کیا اور روکا اور شب کو سرور بجایا کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی اور ناکامیٹانے خاں کہ جس کی عمر ۱۲ سال ہے سرور دہلی میں ابھی مہارت رکھتا ہے۔

نتیجہ امتحان وکالت: ۲۳ جولائی ۱۸۷۸ء - تحریر مولوی عبدالقادر صاحب سرشنہ دارہر دہلی سے معلوم ہوا کہ گزٹ مطبوعہ ۲۰ جولائی ۱۸۷۸ء میں درج ہے کہ شخص ذیل امتحان وکالت منصفی میں پاس ہوئے۔

”منظر کریم سکندر بیاد، مولوی عبدالقادر سکندر بیاد، سید مظہر علی ساکن سندیلہ، شیخ سار علی (سندیلہ) بدھری محمد عظیم (سندیلہ) منشی نظیر حسن ساکن کاکوری، جودھری نصرت علی مختاری میں پاس ہوئے اور مولوی بہا القادر صاحب ملاوہ امتحان وکالت درجہ دوم اسی میں بھی پاس ہوئے۔“

۲۴ جولائی۔ بمقام اودھ اخبار امروزہ تصدیق میری کامیابی امتحان وکالت کی ہوئی اور منجملہ ایک ہزار پانچ سو امیدواران امتحان کے حسب تالیف ذیل لوگ کامیاب ہوئے۔

عدالتی جج - ۵۵، منصفی - ۲۱، مختاری - ۱۴۹، ریونیو ایکٹ - ۵ = جملہ ۳۰۹

مجھے اپنا کامیابی امتحان کے باعث نہایت درجہ خوشی حاصل ہوئی اور منشی فضل رسول صاحب نے خوش ہو کر

بہم اظہار اپنی خوشنودی کا کیا۔ سید ابوالقاسم کو امتحان میں کامیابی نہیں ہوئی۔

شکایت پسینہ: ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ بعد از صبح بالمرہ بطور تفریح اپنی پھلواری واقع لچکانی جاتا ہوں اور بچے واپس آکر بعد حصول ملازمت منشی فضل رسول صاحب اپنے مکان پر آتا ہوں لیکن چونکہ میرے اعضائے قہب میں پسینہ بکھلنے کی شکایت زیادہ ہے اس وجہ سے نہایت درجہ متحیل ہوتا جاتا ہوں اور جو شخص اس وقت میری صورت دیکھتا ہے مجھے چھ مہینے کا بیمار بتاتا ہے۔

مولوی ضامن علی: ۱۹ نومبر ۱۸۷۸ء۔ مولوی ضامن حسین صاحب علی طبع پرست ریاست حیدرآباد دار سندیلہ ہوئے۔ مولوی صاحب کی تنخواہ چار سو روپے ہے۔ چونکہ میرے استاد ہیں اور شرح جامی میں ان سے پڑھتا تھا ان کی ملاقات کو گیا۔ کمال حکایت سے پیش آئے۔

علی گڑھ سے واپسی: ۶ جولائی ۱۸۷۹ء۔ چونکہ احسن کو منشی فضل رسول صاحب نے علی گڑھ جانے سے روکا ہے اور صرف تنہا برتور دار مصطفیٰ علی وہاں رہ نہیں سکتے اور نہ ان کی تنہائی طبیعت کو گوارا ہے لہذا ان کو لکھا گیا کہ اپنا نام مدرسۃ العلوم سے خارج کر کے سندیل چلے آؤ۔ چنانچہ بر خوردار مسطور مدد قاضی صمصام علی علی گڑھ سے آج دار سندیلہ ہوئے۔

وفات فضل رحول: ۱۳ جولائی ۱۸۷۹ء۔ آج شب کو بوقت ایک بجے جناب منشی سید فضل رسول صاحب نے عارضہ بخار و سرسام میں انتقال فرمایا جس سے لبنایت درجہ ملال و رنج ہوا۔ ایسا شخص عالی مرتبہ مخدوم زادوں میں کوئی نہیں ہوا تھا۔ اپنی لیاقت ذاتی سے جناب مرحوم نے بہت کچھ سیکھا کہ تعلقات رہ گئے اور بہت بڑا اعزاز گورنمنٹ انگریزی میں حاصل کیا۔ ان کے ہمسرخاندانی تعلقات حسد کرتے تھے۔ جناب مرحوم نے جنگل چونہ کی آبادی میں سرانجام دیکر اہم امور میں ایسی ناموری حاصل کی کہ چند پشتوں تک ایسا شخص پیدا ہوتا نظر نہیں آتا۔ جناب مرحوم اعزہ و اکابر سے بوقت ضرورت سلوک ہوتے اور ان کی احتیاجوں کو پورا کرتے تھے اور اپنے اخلاق و وسیع سے ہر ایک کو مطیع کر لیا تھا۔ اختیارات فوجداری درجہ دوم و اختیارات دیوانی و مال قصبہ سندیلہ اور اپنے علاقہ کے ان کو حاصل تھے اور امورات پولیٹیکل میں اچھی لیاقت رکھتے تھے اور جس امر کو کرنا چاہتے تھے اس کو بیشتر سے غور کر لیتے تھے۔ علوم فارسی، عربی، نجوم و حکمت میں بہت اچھی لیاقت حاصل تھی۔ فن شاعری میں صاحب دیوان تھے اور منشی مظفر علی آسیر لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ ان کی توفیق خارج از امکان ہے اور اس کے واسطے ایک کتاب مطول چاہیے۔ عمر شریف ۶۷ سال دو ماہ پانچ دن کی ہوئی۔

۱۹ جمادی اول ۱۲۲۸ھ روز جمعہ پیدا ہوئے تھے اور آج ۲۳ رجب ۱۲۹۶ھ میں انتقال کیا۔ خدا عز و جل رحمت کرے۔

۱۷ جولائی ۱۸۷۹ء۔ شام کو دفترِ فضل رسول پر گانا ہوا۔ قوالوں نے مرقوم کی غزلیں گائیں جس سے ہر ایک کے کمال رقت ہوئی۔ دفترِ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی استادِ قوم بھی شریکِ جلسہ تھے۔ بعد گانے کے شہرہ یقی تقسیم ہوئی۔

ایک نصیحت: ۳۰ ستمبر ۱۸۷۹ء آج نصیحت ”سورج کچھ کوٹا کر دکھایاں ہو“ مصطفیٰ حسین سے لکھا کرتا تھا کہ جو کھٹے میں رکھ کر اپنے کمرہ نشست گاہ میں آویزاں کی تاکہ ہر وقت کے کھٹے سے مجھے اور دوسروں کو نصیحت حاصل ہو

تعیین تاریخ شادی: ۲ جنوری ۱۸۸۰ء۔ عزیز سیار علی رضا علی وقافی صاحب علی کو خدمت میں

منشی فہیم الزماں واسطے تعین تاریخ عقد نور چشم سید مصطفیٰ علی کے بھیجا بعد مدعا منہ جنسری کے منشی صاحب نے تاریخ شادی ۲۵ ربیع الاول ۱۲۹۷ ہجری مطابق ۱۸ مارچ ۱۸۸۰ء روز دوشنبہ قرار دی مگر بعد کو یہ تاریخ بڑھا کر ۱۷ مارچ کر دی گئی تھی۔

شادی پس: ۱۷ مارچ ۱۸۸۰ء بروز ہوا حفظ کرم احمد صاحب دمولوی عبدالقادر سی صاحب اور

دیگر اہل برادری پارچہ شادی اور اپنے نوکر و چوکی داران و بیساراران دیہات کو بتعداد ۳۵ جوڑے کی

تقسیم کی اور ۲۷ جوڑے گھر میں مستورات کو جملہ ۵۷ جوڑے شادی میں شرکت ہوئے۔ تیسرے پہر کو دینار آدمی

تقریباً ناچ میں اہل برادری وغیرہ شریک تھے تقسیم تاشوں کی خوب اچھی ہوئی۔ کوئی منتفص باقی نہیں رہا

جس سے عوام میں بہت تعریف ہوئی۔ مسماۃ بوٹا و مسماۃ جان طوائف ’چونسہ‘ حسین باندی طوائف سندیلہ کا

قصہ ہوا۔ انگریزی باج بھی لکھنؤ سے منگوا یا تھا۔ برات کے جانے کے وقت تک بہت بڑا مجمع رہا اور کل اہل باب

برادری اعلیٰ و ادنیٰ شریک ہوئے۔ تین بجے بہ جمعیت کثیر بارات دروازہ منشی فہیم الزماں صاحب کے گئی۔ بروز

مصطفیٰ علی نامی اہل انجان پر سوار تھے۔ گھوڑے کی شوخی سے اس پر سیاہ اندھ ہو گئے۔ چھ بجے صبح کو یہ مہر ۸۵ ہزار کے

قافی عابد علی صاحب نے نکاح بر خوردار موصوف کا مسماۃ نسیم اختر منشی فہیم الزماں صاحب کے بڑھائے۔ مولوی

عبدالقادر صاحب و دیگر اہل باب سید علی میر انعام و وحشت کی تعریف کی، بقریب ملائی ایک سو اکیس روپیہ حاصل ہو

تقریب منیجر: ۲ اپریل ۱۸۸۰ء۔ آج پھر برادرِ مہر فیض حسین نے مجھے بلایا اور بار بار اسی گفتگو کا

اعادہ کیا جو انھوں نے کل کی تھی۔ جواب میں میں نے کہا کہ آپ کو دے دینے میں مجھے کوئی عمل غدر کا نہیں ہے، لیکن

باعث توقف کا یہ ہے کہ میری خیر خواہانہ کارروائی سے عموماً لوگ ناراض ہوں گے اور آپ سے وقتاً فوقتاً شکایت

کریں گے جس سے میرے اور آپ کے درمیان میں ناحق سبب طلال درجہ شش کا ہوگا۔ چنانچہ اسکے جواب میں کہا کہ

میں تعلقہ کا انتظام تمہارے تفویض کرتا ہوں اور جو تم نیک و بد کرو گے اس میں کبھی کسی کی شکایت نہ منوں گا اور

اس قول کی تائید میں اقرار نامہ تحریری اسطام پر لکھے دیتا ہوں کہ کسی حالت میں اس سے منعت نہ ہوں گا۔ چنانچہ اُسی وقت کاغذ اسطام قیمتی پانچ روپے کا منگوا کر کل اختیارات مثل ذات خاص خود اس پر تحریر کر دیے اور ایک رو لیکارنگل اپنے کارندکان و خلع داران و مختاران اضلاع ہردوئی و کھنڈوانا و لکھنؤ پور و سیتاپور کے نام جاری کیا کہ میں نے اپنا نائب سید مظہر علی کو مقرر کیا ہے۔ کل تحریرات ان کے نام بھیجی جائیں اور جو وہ جواب لکھیں اس کی تعمیل پوری پوری کی جائے۔ اگرچہ اس کام کو میں نے اپنے ذمہ لیا، لیکن مجھ کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر میں اس کو انجام دے سکوں گا۔ خدا سے دعا ہے کہ جب تک اس تعلقہ میں رہوں نیکی نئی اور مرغ روئی حاصل ہو۔

برکھ پھل : ۱۰ ستمبر ۱۸۸۶ء - آج برکھ سن ۱۲۸۷ فغلی ختم ہوا۔ کیفیت مختصر اس کی درج کی جاتی ہے:

اول جو فرزند گھر میں پیدا ہوا تھا وہ ایک ہفتہ کے اندر فوت ہوا۔ مقدمہ جاموہ ایک گاؤں کا نام ہے ہاشمی ج میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کل زر زمین وصول ہو گیا۔ اکثر مقدمات میں کامیابی حاصل ہوئی جس سے تعجبنا میں میری شہرت ہوئی۔ برنور دار مصطفیٰ علی کی شادی خوشی سے کی جس سے ناموری ہوئی۔ یکم اپریل سے تعلقہ جلال پور میں نوکمر ہوا۔ اکثر بڑے بڑے لوگ میری ملاقات کے واسطے مکان پر آئے اور میرے ہاتھ سے ان کی بہبودی ہوئی۔ تعلقہ جلال پور میں اکثر مقدمات پیچیدہ بہ آسانی طے ہوئے۔ اب دیکھیے برکھ پھل ۱۲۸۸ فصلی کا کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جو آج سے شروع ہوا۔

جیٹی کی شادی : ۱۶ ستمبر ۱۸۸۱ء - بارات برنور دار سعید الدین خلف حافظ نذیر الدین ایک بجے رات کو میرے دروازے آئی۔ تیش بازی و آرائش اچھی تھی۔ سبجے رات کو عقد سعید الدین مساة افضلہ میری لڑکی کلاں سے بعض ۸۵ ہزار دھہر کے ہوا۔ منشی فہیم الزماں صاحب مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار تمام رات میرے مکان پر رہے اور ہر ایک ام میں مجھے صلاح مناسب دیتے رہے۔ کھلونا و فصل کشمیریوں کا بچا ہوتا تھا۔ حافظ نذیر الدین صاحب کشمیریوں کو ہر ایک ان کی نقل اور گانے پر دو در و پیرہ لگا دیتے رہے۔ میرے خیال میں ساٹھ روپے سے زائد میرے مکان پر لگایا گیا۔ اس وجہ سے کشمیری لوگ نقل بہت اچھی کرتے تھے اور خوب جی توڑ کر گانا گاتے تھے جس سے اہل جلسہ بہت محفوظ و خوش تھے۔

۷ ستمبر ۱۸۸۱ء گیارہ بجے صبح کے بارات سعید الدین کی رخصت ہوئی میں نے حسب ذیل جہیز دیا:

زیور طلائی صبح کار - ۳۳ عدد، زیور نقرئی - ۳۸ عدد، پارچہ جوڑہ - ۴۱ عدد، ظروف مسی و آئینی - ۴۵ عدد، پیس و صاف و نرگین وغیرہ - ۵ عدد، جلد - ۵۸، تفصیل زر نقد یہ ہے:

منگنی۔ ۳۰ روپے اسلامی۔ ۵۱ روپے چوتھی۔ ۲۵ روپے، روٹھائی۔ ۱۵ روپے

۲۸ ستمبر ۱۸۸۱ء۔ شادی نور چشمی افضلہ میں مبلغ دو ہزار ستر روپے ایک آنہ لپائی صرف ہوا اور جتنی لوگوں کا یا قسقی مقدار سے دیار گیا۔ اب کسی کا مجھ سے یا قسقی نہیں ہے۔

ماء الجبین: یکم نومبر ۱۸۸۱ء۔ استعمال مار الجبین سے اگرچہ عارضہ پسینہ جسم کے بائیں جانب پسینہ کثیر پھٹنے کی شکایت ہو گئی تھی۔ ہاشمی میں ابھی فائدہ نہیں ہے لیکن قوت جسمانی بڑھتی جاتی ہے اور طبیعت کو استعمال کم ہے اور طبیعت بہت خوش رہتی ہے۔ اس لیے یقین ہے کہ چند روز میں اصل عارضہ کو بھی فائدہ ہو گا۔

۶ نومبر۔ ماء الجبین کے استعمال سے ایک یہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ صاف ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص آج کل مجھے دیکھتا ہے وہ بلا تکلف کہہ دیتا ہے کہ ہمارے چہرہ کی پیرمردگی بالکل جاتی رہی اور ایک ٹھنکی رونئی آتی جاتی کہ ملا نہایت تعلقہ جلال پور: ۸ مارچ ۱۸۸۲ء۔ چونکہ میں تعلقہ جلال پور سے سوائے تنخواہ کے

نزدیک نہیں لیتا ہوں اور کوئی چیز فصلی یاغات و دیہات کی اپنے مکان پر آنے نہیں دیتا ہوں اس وجہ سے میری طبیعت کو کسی وقت کسی قسم کی پیرمردگی و تردد لاحق نہیں رہتا اور نہایت بے خوفی اور مستقل مزاجی سے کام تعلقہ جلال پور انجام دیتا ہوں۔

مجسٹریٹ: ۱۱ جولائی ۱۸۸۳ء۔ بموجب ڈاکٹر نمبری ۱۱۱ مورخہ ۲ جولائی ۱۸۸۳ء مرسلہ صاحب لفٹیننٹ گورنر مالک مغربی و شمالی وادوہ مجھے اختیارات مجسٹریٹ درج سوئم اندر و دیہات میں قصبہ سندیلہ حاصل ہوئے اور میرے ساتھ میں کنور وزیر چندھا و کنور درگا پرشاد صاحب تعلقہ دارسرن بڑا گاؤں کو بھی اختیارات ملے گئے کہ گورنٹ سے حال ہو میں بلکہ ایک ہی ڈاک میں جو تینوں آدھوں کے نام درج ہیں بالفعل لایل صاحب لفٹیننٹ گورنر میں نظام اوقات خود: ۷ فروری ۱۸۸۳ء۔ میری کارروائی روزمرہ حسب ذیل ہے:

علی الصباح بیدار ہو کر نماز صبح و انصراف حوائج ضروری مار الجبین استعمال کرتا ہوں اور پندرہ سو قدم چہل قدمی کے بعد بخیریت بخاں مالک صاحبہ (والدہ فضل حسین) بوقت ۷ بجے حاضر ہو کر تسلیم بحال آتا ہوں اور پھر منشی فضل حسین صاحب کے پاس جا کر ایک گھنٹہ تک امور ضروریہ متعلق علاقہ جلال پور کے تذکرہ و استفسار کرتا ہوں اور پھر وہاں سے قریب ۸ بجے پنج میں جا کر مقدمات فوجداری دس بجے تک فیصلہ کرتا ہوں اور پھر مکان پر آکر بعد تناول طعام کچھ ہی علاقہ جلال پور میں جا کر علاقہ اپنا اپنا پنج بجے تک انجام دیتا ہوں بعد مکان پر آکر اکثر احباب وغیرہ سے ملاقات رہتی ہے اور بعد نماز مغرب محل سرائیں جا کر کھانا کھاتا ہوں

اور بھر پور دیکھانے حقہ پانی کے نماز عشا کی پڑھ کے جاڑوں میں ۹ بجے اور گرمیوں میں انبجے سو رہتا ہوں اور اگر احباب کسی روز کوئی اہم مقدمہ تعلقہ کا پیش ہو گیا تو گیارہ بارہ بجے تک اس کے سوچنے اور غور کرنے میں نیند نہیں آتی ہے اور اس وقت تک طبیعت کو بے چینی رہتی ہے جب تک کہ کوئی ایسے مناسب نسبت مقدمہ پیش پاکی تجویز نہیں کر لیتا ہوں۔

منشی فضل حسین: ۲۹ مارچ ۱۸۸۴ء۔ منشی فضل حسین کی ناظمی سے ہر وقت طبیعت کو ٹال رہتا ہے کام کرنے کو جی نہیں چاہتا اور دل بھی کام میں کم لگتا ہے کیونکہ صحبت ان کی روز بہ روز ناقص ہوتی جاتی ہے اور مزاج میں ایسی ضد آچلی ہے کہ جو بات خیال میں آئے چاہے اس کا انجام بد ہو لیکن اس کے کرنے سے باز نہیں رہتے اور کوئی فہمائش یا نگرانی نہیں ہوتی۔ پس میرا خیال اور ارادہ ہے کہ اس تعلقہ سے علیحدگی اختیار کروں کیونکہ ایک روز نتیجہ اس کا بدنامی ہوگا۔

رقص: ۲۵ اپریل ۱۸۸۴ء۔ شب کو جلسہ فضل حسین کشمیری (لکھنؤ) کا منشی فضل حسین کے مکان پر ہوا یہ اچھا ناچتا ہے۔ میں بھی ۱۲ بجے تک شریک جلسہ رہا۔

راجہ دس کا پرشاد: ۱۸ نومبر ۱۸۸۳ء۔ راجہ درگاپر شاد صاحب تعلقہ دار سرون بڑا گاؤں میرے مکان پر راج پہلی مرتبہ تشریف لائے اور ان کی مدارات ضروری کی گئی۔

متفرق ذمہ داریاں: ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء۔ آج کل تین قسم کے کام میں انجا مویا ہوں۔ کارٹر ٹری متعلقہ سندیل، خاص انتظام تعلقہ داری جلال پور کا، کارروائی نیو پیل سندیل۔ اس وجہ سے مجھے بہت کم راحت رہتی ہے تاہم کام سے میں گھبراتا نہیں ہوں اور کمال مستقل مزاجی سے ان کو انجام دیتا ہوں۔

فوٹو: ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء۔ آج راجہ وزیر چند کے مکان پر امیر علی فوٹو گرافر لکھنؤ سے تصویر کھینچائی۔ میں اور راجہ وزیر چند صاحب اور راجہ نگاپر شاد صاحب اور میراثی حسین عمر پنچ ولالہ امبک پر شاد عمر نیو پیل و میر وچرا سی اور ایک ایک خدمت گاہریم لوگوں کا اس مجمع میں شریک تھا تصویریں بہت عمدہ منکس ہوئی ہیں۔

خواب خوش: ۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ آج کل خواب خوش میرے منانہ میں آتے ہیں۔ خدا ظہور نیک فرمائے کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جب میں اچھے خواب دیکھتا ہوں تو اس کا ظہور اچھا ہوتا ہے اور جب برے دیکھتا ہوں تو برے۔

معبودی ٹی سٹریٹ جوسٹس: ۲۷ جنوری ۱۸۸۶ء۔ ڈپٹی عنایت اللہ صاحب واسطے انتخاب ممبران ٹی سٹریٹ بورڈ ہارڈوی، سندیل تشریف اور کثرت رائے سے میرا اور منشی فضل حسین کا انتخاب ہوا اکیس راتیں

میری جانب تھیں اور دس بجانب منشی فضل حسین اور باقی لوگوں کی نسبت اس سے کم تھیں۔ میں نے منشی فضل حسین کے انتخاب کی نسبت بڑی کوشش کی ورنہ کسی رائے دہندہ کو ان کی نسبت منظور نہ تھا کہ منتخب ہوں۔

نہ ما نہ تعمیرات : ۱۴ مئی ۱۸۸۶ء۔ مجھے اس بات کا تجربہ حاصل ہو گیا ہے کہ فصل ربیع میں کوئی تعمیر شروع نہ کروے۔ اول تو زمانہ بارش قریب ہوتا ہے دوسرے کاریگر وغیرہ کم دستیاب ہوتے ہیں کیونکہ اس فصل میں باغات تیار ہونے فصل ربیع و قریب بارش کے ہر تنفس کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول تو کاریگر و مزدور مشکل ملتے ہیں دوسرے مزدوری زیادہ دینا ہوتی ہے۔ ہر صاحب عمارت کو چاہیے کہ کچھ قبل از قیام بارش ہینہ کنواری میں کام تعمیر کا شروع کرادے۔

اپنی کوٹھی : ۱۴ مارچ ۱۸۸۷ء۔ جب سے میری کوٹھی تیار ہوئی ہے جو شخص اجنبی ادھر سے گزرتا ہے تو اس کا ارتعاع اور آواز ظاہر کر کے نظر تو دیکھتا ہے اور بعد دیرافتنا نامالک کے آگے بڑھتا ہے واقعی طرز تعمیر انکی اسی قیاس پر منشی فضل حسین اور ان کی ملازمت : ۲۵ مئی ۱۸۸۷ء۔ بحالہ رو بہ کار سطر باس نوٹ صاحب ڈپٹی کمشنر بر دوئی عمرہ ۱۹ مئی ۱۸۸۷ء سے واضح ہوا کہ صاحب ضلع نے تھانہ سندیلہ لکھوئی میں حکم بھیج دیا ہے کہ کسی مقدمہ کا چالان منشی فضل حسین کے اجلاس میں ہرگز نہ بھیجا جائے۔ کچھ چالان ہر دوئی جاویں وہاں سے صاحب ممدوح جیسا مناسب سمجھیں گے وہ منشی فضل حسین کے اجلاس میں بھیج دیں گے۔ اس حال کے دریا کرنے سے تردد ہو کہ یہ بارش تو تین کا ہم جنموں میں متصور ہے جس کی منسوخی کے واسطے شاید بہت کوشش کرنا پڑے۔

۲۷ مئی ۱۸۸۷ء۔ آج صبح کو بارٹون فورٹ صاحب ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کی اور منشی فضل حسین کی نسبت استصواب دریافت کیا۔ صاحب نے فرمایا کہ سرشتہ داخل فضل حسین کا ثبوت لیتا ہے اور منشی فضل حسین باعت اپنی کم فہمی کے اس کا تدارک نہیں کرتا ہے اور کچھ وہ لکھ دیتا ہے اس پر فضل حسین دستخط کر دیتا ہے۔ اس سے انصاف میں بڑا غلط آتا ہے اور فضل حسین نے ہم کو لکھا کہ انور خاں اور حسین خاں ہمارا نوکر نہیں ہے۔ یہ اس کی غلط بیانی ہے۔ ضرور وہ لوگ اس کے نوکر ہیں۔ ہم اس کے اس جھوٹ بولنے پر نہایت ناخوش ہیں۔

۳ جون ۱۸۸۷ء۔ آج کل حسین خاں و انور خاں اور ملک مصطفیٰ حسین کی مصاحبت منشی فضل حسین میں گرم بازار ہے حضور حضور کر کے جوابات یہ لوگ کہتے ہیں وہ پزیرا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے میں بحالت سکوت ہوں اور کوئی امر مفید یا معسر کسی کی نسبت نہیں کہتا ہوں۔ لفظ حالات خوش معلوم نہیں ہوتے ہیں۔

۲۷ جون ۱۸۸۷ء۔ آج استعفا لکھ کر بوقت صبح میں منشی فضل حسین کے پاس گیا لیکن وہ پاخانہ جاتا

کے جلسے سے اٹھ کر والدہ الطاف رسول کے پاس دوسرے کمرے میں چلے گئے اور میں دیر تک بیٹھا رہا لیکن نہ نلے۔ تب مجبور ہو کر اپنے مکان پر آگیا اور بعد نماز عشاء وقت معمول پر کچہری جلال پور میں گیا اور دن بھر کام متعلقہ انجام دیا لیکن نہایت لمال و تکبر کے ساتھ کہ جس کا تحریر کرنا اس موقع پر ممکن نہیں اور جب شام کو بعد فراغت کا وہیں مکان پر آیا تو اس وقت ملک مصطفیٰ حسین کے مسوے کے مطابق منشی فضل حسین نے یادداشت میری موقوفی کی صاف کی جو میرے پاس ۵۱ بجے آئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ تعلقہ جلال پور کی آمدنی قلیل اور مصارف کثیر ہیں اور وہ ہرگز متحمل سو روپیہ ماہوار کی نصاب کی تنخواہ کا نہیں ہو سکتا۔ لہذا عہدہ نائب تحفیف کیا جاتا ہے اور میں اپنی ذات خاص سے کام تعلقہ کا انجام دلوں گا جس وقت یہ یادداشت میرے پاس آئی تو میں نہایت خوش ہوا اور بالکل کھجے کو طال نہیں ہوا اور تین مہینہ کی پریشانی و کشاکش سے نجات ہوئی کہ شخص ناقدر داں کی صحبت سے ہر آئینہ علاحدگی اولیٰ ہے کیوں کہ دوست ناداں سے ہمیشہ احتمالات ضرور متصور ہیں۔

۲۸ جون ۱۸۸۷ء - سات برس دو مہینے ۲۷ یوم میں نے کام تعلقہ جلال پور کا کمال عزت و حرمت کے ساتھ انجام دیا اور جملہ ملازمین تعلقہ کو اپنی حکمت عملی سے لافنی و خوش رکھا اور اپنی مستندی و خیر خواہی سے بہت جدید علاقہ پیدا کر دیا کیوں کہ جب میں نے اپریل ۱۸۸۰ء میں تعلقہ جلال پور کا انتظام شروع کیا تھا تو اس کی سالانہ کیلکولیشن خام اڑتالیس ہزار کی تھی اور بات ۲۹ مئی ۱۸۸۷ء (۱۸۸۷ء) اس کی یکساں اٹھتر ہزار کی تھی تو اپنی سات برس کی کارکردگی سے تیس ہزار ساٹھ کا منافع بڑھاد (اس کے تفصیل کارکردگی دی گئی ہے جو یہاں حذف کی گئی ہے) آج صبح میں منشی فضل حسین کے پاس موجودگی منشی ظہور الحسن وغیرہ کے گیا۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوئے۔

جس نے کہا کہ کوئی محل استعجاب نہیں ہے۔ میں صرف اس غرض سے آیا ہوں کہ چند باتیں مصلحت وقت کہوں۔ اول میں اپنی برخاستگی سے ناراض نہیں ہوں بلکہ گوارا ہوں کہ آپ نے عہد ملازمت میں وہی میرا اعزاز اور وقار قائم رکھا جس کا حق مجھ کو آپ سے حاصل تھا۔ دوسرے میری علیحدگی کے بعد اکثر آپ کے ملازم میرے اور آپ کے درمیان میں پیچیدگیاں پیدا کریں گے تو اس سے ناامنی ہو جائے گا۔ اس وجہ سے میرے نزدیک مناسب ہے کہ جب کوئی نئی بات آپ میری جانب سے سنیں تو اولاً آپ مجھے بلا کر اس کی کیفیت دریافت کر لیں اور اگر جواب شافی دیا جائے تو اس پر اطمینان حاصل کیا جائے ورنہ جو تدارک مناسب وقت ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ تیسرے اگر کوئی مفادہ نازک تعلقہ میں پیش ہو اور اس کی صلاح و مشورت کی بات کوئی ضرورت داعی ہو اور میرے امکان میں اس کا سنبھالنا ممکن ہو تو مجھے آپ فوراً طلب کر کے کیفیت واقعی

ان کریں تو میں حتی الامکان اس پیچیدگی کو سلجھانے میں اسی طوع سے کوشش کروں گا جیسا کہ بحالت ملازمت کرتا تھا۔ بہر حال مجھ کو اپنا فیہ طلب شل سابق کے تصور کرنا چاہیے۔ میں کوئی دقیقہ آپ کی بہبود کی حتی الامکان اسی حالت میں فرو گذاشت نہ کروں گا۔

۱۔ اہل خانہ منشی فضل حسین: ۹ اگست ۱۸۸۷ء۔ والدہ الطاف رسول (اہل خانہ منشی فضل حسین) دیباغت ضعیف و افراب اٹھنا بیٹھنا محال ہے اور بدن و نامزد دوسرے کے چوکی پر بھی نہیں بیٹھ سکتی ہیں شاید۔ مائنان کی مختار وقت دائمی کا قریب ہے۔ مجھے کمال افسوس ہے۔۔۔۔۔ مریض نے جب میری علاحدگی کا حال کئی دن کے بعد سنا تو افسوس کے بعد کہا کہ جہاں اور کچھ تین برائی کے پیدا ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور اگر احیائیں کوئی دن واسطے عیادت کے نہیں جانا ہوں تو بوند سکایت معمول کے یہ کہتی ہیں کہ کم کو میں اپنے بھائی حقیقی سے کم نہیں جانتی ہوں اور جب تک تم نہیں آتے ہو تو میں منتظر رہتی ہوں اور جس وقت جانا ہوں تو کل ہرگز نہ اپنی شب و روز کی مجھ سے بیان کر دیتی ہیں اور کسی بیمار دار سے بات بھی نہیں کرتیں۔

۲۰ اگست ۱۸۸۷ء۔ آج ایک بچہ دل کو سہاۃ کبیرا اہل خانہ منشی فضل حسین نے عارضہ دق میں بہر ۲۵ سال انتقال کیا۔ بوقت انتقال شدت سے بارش ہوئی تھی اور بمشکل لاش مکان میرنی سے گھر میں آئی تمام کو تجیز و تکفین سے فراغت ہوئی۔ مرحومہ نے تین لڑکے یادگار چھوڑے۔ ان میں سے الطاف رسول کی نرہ ہو گئی ہے میں نے طعام تقریب بھیجا چاہا۔ ملک مصطفیٰ حسن ہارن ہوئے لیکن منشی فضل حسین و منشی شمس الدین صاحب نے منظور کیا۔ رات کو بھی بھیجی جس میں بندہ روئے ہر ہوئے۔ مرحومہ کے زمان میں منات زیادہ تھی اور اپنے شوہر سے مقل نہ تھیں۔

۲۲ اگست ۱۸۸۷ء۔ اس وجہ سے اہل قصبہ ہذا کو از حد سکایت ہے کہ جب اہل خانہ منشی فضل حسین کی لاش واسطے دفن قبرستان عمرہ کو جاتی تھی سب لوگ تو پیادہ پا گئے لیکن منشی صاحب کچھ پر سوار ہو کر واسطے دفن کے تشریف لے گئے جس سے سب لوگ خندہ زنی کرتے تھے۔ دوسرے آج جب لوگ بد تقریب سیوم مرحومہ کے آئے تو حضرت شریک سیوم نہ تھے۔ دوسرے کمروں میں حلقہ طوائفان میں بیٹھے تھے۔ جو ان خاص محرز واسطے ادا سے تعزیت اعلیٰ حضرت کے پاس گئے تو ایسے طبعی شرکت سے ان کو کمال ندامت و ناساغت ہوا۔

والدہ فضل حسین: ۱۸ ستمبر ۱۸۸۷ء۔ جس تاریخ سے اہل خانہ منشی فضل حسین نے انتقال کیا میں بننا خالد صاحبہ (والدہ فضل حسین) کے پاس واسطے سلام کے نہیں گیا۔ آج ایک مہینہ کے بعد باصرہ انھوں نے طلب فرمایا اور کمال لطیف سے پیش آئیں۔ وہ مثل اپنے فرزند کے مجھ سے محبت رکھتی ہیں جس وقت میں گیا۔

بہت رڈیں اور فرمایا کہ میری حیات میں اپنی آمد و شد ترک نہ کرو جس کو بخوشی میں نے منظور کیا۔

ایک افیونی : ۱۸ دسمبر ۱۸۸۷ء۔ محمد حسین عرف چھوٹن ساکن درگاہ بیگز، سال فوت ہوئے اور گل جاننا و منقولہ وغیرہ منقولہ اپنی موخانہ سکونت پرچ کھائی۔ افیون کا استعمال زیادہ تھا۔ ایک مرتبہ عطاری کی گان کی کھئی اور گل اشیا شیریں بجائے بچنے کے خود ہی کچھ گئے تھے۔

کچھ اپنا حال : ۳۱ دسمبر ۱۸۸۷ء۔ ابتداء میری جاننا و آبائی دمو روٹی کچھ تھی حتیٰ کہ مکان کو نت بھی مشترک تھا جس میں جذائے ان کے گھروں سے کھڑکیاں تھیں۔ اس سے مکان غیر محفوظ اور وجہ تکلیف کا مستعد تھا۔ ابتداء میری ملازمت مدرسہ سندیلہ میں ہوئی اور اسی وقت سے مجھے شوق حصول ریاست کا پیدا ہوا اور میں نے معاملات زمین و بیع و کنش شروع کیے۔ اولاً ۱۲ مارچ ۱۸۸۷ء کو ایک قطعہ ارضی زرعی موسومہ کسہا، تھادی ۵ بیگہ و اتع موضع مخدوم پورہ ملوک میر احمد بخش صاحب مرحوم مخدوم زادہ درگاہ مبلغ ۵ روپے پر مذہن رکھا جس کا حاصلات مبلغ چار روپیہ سالانہ تھا۔ اس کے بعد جوں جوں میری تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی میں ریاست پیدا کرنا لگا اور اس کے حصول میں بیاعت کمی نہ رکے اپنے اوپر بہت تکلیف گوارا کی لیکن شوق کو کسی پرچ سے کم نہیں کیا اور اس بات کا ہمیشہ خیال ملحوظ خاطر رکھا کہ اس قدر جاننا و غیر منقولہ پیدا کر لینا چاہیے کہ بوقت بیکاری معین اپنے مصارف روزینہ کی ہو سکے اور قیام سندیلہ بحالت بیکاری مجبوراً ترک نہ کرنا پڑے۔ ہزار شکر پروردگار عالم کا کہ اس نے اپنے فضل سے میرے ان خیالات کو پورا کیا اور بقدر میرے عرصہ کے جاننا و غیر منقولہ مجھے حاصل ہوئی جس سے ایام بیکاری۔ آسانی بسر ہو رہے ہیں۔ میں نہایت مناسب تصورات کرتا ہوں کہ جس قدر جاننا و غیر منقولہ علاوہ زر نقد اور زیور جو اس وقت میرے قبضہ میں ہے حوالہ رقم کو دل اور جس قدر متع نافع زر نمسکی سے حاصل ہوتا ہے اس کو بھی لکھوں تاکہ میرے جائیداد کو معلوم ہو کہ ہر کم و بیش نے اکیس سال کی مدت میں کس قدر ترقی کی جس سے اکثر رؤسائے قصبہ ہذا وغیرہ خوش روزگار کو باعث حسد متصور ہے۔ دس پندرہ برس قبل جاننا و غیر منقولہ کی اتنی قدر تھی جیسی کہ اس وقت ہے اسی وجہ سے اُس زمانہ میں بہت کم قیمت پر حاصل ہوئی۔ اگر وہ زمانہ حال بدتر بازا و فروخت کی جائے تو عمل ٹنک کا نہیں ہو سکتا کہ دو چار قیمت اس کی ملے۔ میزان حبابہ جاننا و منقولہ غیر منقولہ۔ چالیس ہزار پانچ سو ترسٹھ روپے سات آنہ چار پائی۔ (اس کے بعد اس آمدنی کی تشریح دو صفحوں میں لکھی ہے۔ ہاشمی)

نوٹکسور کو خط : ۲۵ جنوری ۱۸۸۸ء۔ میں نے جو خط مبارک باد وصول خطاب منشی نوٹکسور الکا

دھ اخبار، محرمہ ۱۳ جنوری ۱۸۸۸ء کو کبھی تھا وہ اودھ اخبار ۲۴ جنوری ۱۸۸۸ء نمبر ۱۳۹ میں طبع ہوا ہے۔
متعلق چاپیات و باغ: ۲ فروری ۱۸۸۸ء کو کل مکرم فروری کے اودھ اخبار میں بعنوان 'ہمردی'
 برے لنویں بننے اور باغ لگانے موضع پرکا پور کا نہایت عمدہ مضمون جو مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب
 ریس سندیلہ نے شائع کرایا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔

۱۲ فروری ۱۸۸۸ء اخبار خیر خواہ عالم دہلی محرمہ ۸ فروری ۱۸۸۸ء اخبار دہلی برکندری،
 ام پور محرمہ ۶ فروری ۱۸۸۸ء میں میرے باغ و کنواں واقع موضع پرکا پور کی بہت تعریف لکھی ہے میں
 نے یہ دونوں چیزیں محض واسطے رفاه عام کے بنوائی ہیں۔

فال: ۱۴ فروری ۱۸۸۸ء آج میں نے فال اپنی بہبودی کی کتاب سکندر نامہ میں دیکھی جس کا جواب
 کلام شعر مبارک بود فال بر رخ زدن نہ بر رخ زدن بلکہ شرم رخ زدن

خواب بخوش: ۱۵ مارچ ۱۸۸۸ء صبح کے وقت خواب دیکھا کہ نازنین اہل فرنگ نازک اندام
 کو فغیس میں بہ اتفاقات مجھ سے پیش آئیں اور اپنے دونوں رخساروں پر بخوشی بوسے دیے۔ یہ خواب ایسا
 ہے کہ کبھی مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن حصول کادراتی اور دولت اس کی تعبیر ہے۔

شہزادہ کی آتش بازی: ۲۷ اپریل ۱۸۸۸ء چونکہ برخور زاران ارتضیٰ علی ورتضیٰ علی اس
 مرتبہ ہردوی سے نہیں آئے (جہاں وہ زیر تعلیم تھے) ہاشمی لہذا میرے یہاں تقریب شہزادہ میں سناٹا رہا۔
 تھوڑی آتش بازی میں نے نور دیدہ منتظم حسین (پوتا) کو منگادی تھی جو محل سرا میں چھوڑی گئی ورنہ
 چند روپوں کی آتش بازی چھوڑی جاتی تھی۔

شادی جنگ بھادس: یکم مئی ۱۸۸۸ء آج شب کو عہدہ شادی کنور جنگ بھادس راجہ
 دیگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سرون بڑا گاؤں میں شریک ہوا۔ فیصل حسین کشمیری لکھنؤ کے پانچ میں جو مالیر چیمہ
 یومیہ علاوہ خرچ خوراک و کرایہ دین آمد و شد کے لکھنؤ سے آیا تھا میں چند گھنٹے تک بوفور عنایت راجہ صاحب
 شریک رہا اور مبلغ دو روپے نو تہ دے کر نصف شب کو مکان پر واپس آیا۔ راجہ صاحب نہایت صاحبِ جوصلہ تھے
 اگرچہ ملاؤ کو رٹا ہوئے حسب خواہش خود اس تقریب میں شرکت کر سکے لیکن تاہم فرض و دام سے بہت کچھ علی گڑھی کو دیا۔
مونس غم گسار: ۲ مئی ۱۸۸۸ء کل سے میں کتاب مونس غم گسار مرسلہ برخور دار سید حافظ علی
 مہماندہ کرتا ہوں۔ واقعی انھوں نے اس کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں اچھا کیا اور قصہ دلچسپ و حکویدہ برخور دار

موصوف عنقریب طبع کرادیں گے۔ یہ کتاب ۱۸۸۹ء میں لکھنؤ میں طبع ہوئی۔ میرے پاس موجود ہے۔

دو ادبیہ: ۷ جولائی ۱۸۸۸ء بمساقہ... منگو جو دھری محمد رؤف نے ایک دو ادبیہ بھیجا جس کے معاوضے میں میں نے ۳۰ انہنجی اولاد ۳۰ عدد قلمی بھیجے جسکو شاد اکبریاں کمال شکر قبول کیے

شیخ رعایت حسین: ۷ جولائی ۱۸۸۸ء۔ اس حالت انقلاب میں جب کہ زمانہ میر ہے شیخ رعایت حسین وکیل ہردوئی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے برخورداران واقعی علی و مرت کے ہم راہیوں کو باعث نہ ملنے مکان کے ۱۲ جولائی سے آج تک اپنے مکان پر رکھا اور ان کا بار اپنے ذمہ لیا اور ہر طرح سے تلاش مکان میں مدد کا فی دی۔ واقعی میں وکیل صاحب میں بے نظیر ہیں اور میرے ساتھ ان کا برتاؤ ۲۳ سال سے بحالت مساوی چلا آتا ہے۔

۸ جولائی ۱۸۸۸ء مکان پختہ رام سرن مستری ہردوئی بغرض قیام برخورداران تین روپیہ کرایہ ماہواری پر لیا گیا اور اس پر چھپڑ وغیرہ لگا کر آج وزیر علی داروغہ شام کی ریل پر واپس آیا قیام لڑکوں کا آج سے اس میں ہوا۔ دو مہینہ کا کرایہ بیٹگی ادا کیا گیا اور چھ سات روپے صرف ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ مگر شکریہ کہ لڑکوں کو بغرض قیام مکان تو مل گیا۔

نوقیہ ذاتی: ۱۹ جولائی ۱۸۸۸ء۔ آج کل چودھری محمد عظیم صاحب چودھری نصرت علی کمال کرتے ہیں اور بہت محبت و تپاک سے آتے ہیں اور جو تحریر میرے نام بھیجتے ہیں وہ ابرو کی ہوتی ہے جس سے دوسروں کو تحیر ہوتا ہے۔ میں بہر حال شکر پروردگار ادا کرتا ہوں کہ خدا میری عزت اور آبرو ایسی ہی قائم رکھے اور ترقی مدارج فرمائے۔

ایک تجربہ: ۲۴ اگست ۱۸۸۸ء۔ تجربے سے ظاہر ہوا کہ دھبہ ہاسے ذیل اشیاء سے اگر دھوئے جائیں تو مدموم ہو جاتے ہیں۔ اگر گھی کا دھبہ پڑ جائے تو سب سے جانا ہوتا ہے سے اور دشنامی کا دھبہ سے اور پان کی پیک کا شکر سے۔

خالہ مخدود: ۵ ستمبر ۱۸۸۸ء۔ اگرچہ ماں کو اپنے فرزند سے جن قدر محبت ہوتی ہے اگر سے چاہے جیسا کہ وہ عزیز قریب ہو، ممکن نہیں ہے لیکن جناب خالہ صاحبہ والدہ فیض حسین کی

لے ملوئی صاحبہ کے یہ دونوں بیٹے ہردوئی میں پڑھتے تھے۔ چھوٹے فیض حسین تعلقہ دار کے ایک مکان میں رہتے تھے لیکن منظر باعث اب انھوں نے اپنا مکان لڑکوں سے خالی کر لیا تھا۔ ہاشمی

شکریہ ادا نہیں کر سکتا ہوئی کہ وہ مجھے اپنے فرزند سے کسی حال میں کم نہیں چاہئیں اور یہ گفت ان کی انتہا ورجہ کی ہے کہ جب سید فضل حسین نے بلاوجہ مجھ پر ضلع کھیری میں دعوادار کیا تو جناب مقدمہ کو اس سے اذیس رنج و ملال ہوا اور اسی حالت میں انھوں نے درگاہ ایزدی میں دعا مانگی کہ جس وقت مقدمہ میں منظر ہری علی کو کامیابی ہوگی تو مسجد میں نیا نگرہوں گی۔ جناح جب خبر میری کامیابی کی جناب مقدمہ نے سنی تو مسجد میں طاق بھر اور عافذ کر امجد صاحب کے تعزیر پر شربت وغیرہ مرحوم کی مات کو چڑھایا۔ یہ نظیر ایسی صاف ہے کہ اس سے ان کی محبت اور جوش و اداری کا ثبوت کامل ہوتا ہے اور چونکہ جناب مقدمہ ہمیشہ میری نیک روشی چال چلن اور اطاعت سے خوش تھیں اور میں اس وجہ سے وہ تمام تر اپنے فرزند کو میرے مقابل میں ملزم اور خطا دار جانتی ہیں اگر کوئی قسم لاکوئی شک میری نسبت ان کو نہیں ہے۔ بحوالہ اللہ کہ ایسی پاک طینت اور منصف مزاج صورتیں بھی دنیا میں ہیں۔ ایسی حالت میں جس قدر شکریہ جناب مقدمہ کا ادا کیا جائے کہ ہے جن کو اپنے فرزند کو کھوتے کے مقابل میں مجھ سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ یہ محض تائید ایزدی ہے ورنہ اس قسم کی محبت اور ہمدردی اس زمانہ میں ناپید ہے۔

بیٹوں کی تعلیم: ۲۰ ستمبر ۱۸۸۸ء - آج پر خود مالکان جتپنی علی وارتفی علی ودرتفی علی کو گیارہ بجے ان کی ریل میں لکھنؤ بھیجا کہ مدرسہ جوبلی میں انگریزی پڑھیں اور مکان مشک گنج ٹھکانو شیراز ماں میں جودر رس سے قریب ہے قیام رکھیں اور علاوہ معارف پارچہ و جو تاد خرید کتب وغیرہ مبلغ ۳۵ روپے ماہواری ان کے صرفہ خورد و نوش کے واسطے بشمول صرفہ خوردار مصطفیٰ علی (جو کنگنگ کا لچیں لالیکہ پرستے ہیں) مقرر کر دیے۔ چونکہ چاروں بھائی ایک ہی مقام پر رہیں گے غالباً خرچ میں کفایت ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ حصول علم سے ان کو فیض یاب کرے۔ اگرچہ میں ایک سال زندہ سے بیکار ہوں لیکن تعلیم اطفال کے واسطے مجھے صرت کرنے میں ہرگز کوئی دریغ نہیں۔ آئندہ ان کا مقدمہ خوردار مصطفیٰ علی ترک ملازمت اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹی ضلع ہر دوتی سے مجھے اب تک ناسف ہے کیونکہ جو شخص ان کی جگہ مقرر ہوا ہے وہ اس نوکری پر مستقل ہو گیا اور چالیس روپے ماہواری پاتا ہے۔

معلوم نہیں کہ اب ان کا مقدمہ رکب یا دوری کرتا ہے۔ تجربہ ہے کہ از خود روزگار چھوٹنے سے بمشکل روزی ملتی ہے۔

کھٹک جھوڑا: ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء - دو بجے رات میں سو رہا تھا ایک کھٹک جو لے نے میری ہاتھی بنائی میں ایسا کھٹاکہ خواب مفقود اور سوزش سے پریشان ہو گیا۔ وہ خودی اسی وقت مارا گیا جو رمضان میں لپٹا تھا یہ پہلا مرتبہ ہے کہ مجھے اس سے ہنر پہنچا۔ اس کی سوزش مساوی بخش بھڑکی ہوتی ہے مقام داؤن پر استعمال عرق پیاز سے افادہ ہوا جو اس کا مغرب علاج ہے۔

ہردل عزیز: ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء۔ آج کل منشی فضل حسین کسی کو نوکر رکھتے ہیں تو اولاً اس سے اقرار لیتے ہیں کہ منظر علی (یعنی لاقم) کے مکان پر نہ جانا اور نہ اس سے کوئی تعلق رکھنا یا ملاقات کرنا۔ ان کا یہ طعن غالب ہے کہ ان کے ملازمین موقوف شدہ اعلانیہ اور اکثر خفیہ مجھ سے رکم رکھتے ہیں اور میرے غیر خواہ ہیں اور گونا گوں باشندگان سندیلہ کی نسبت انھیں خیال میری ہمدردی کا ہے اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ مرتبہ باوصف تعلقہ دار ہونے کے مجھے کیوں حاصل نہیں ہے۔ یہ خیالات منشی صاحب بجائے خود درست نہیں ہیں۔ یہ بات صرف تعلقہ دار یا صاحب دولت ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ سنگ ہی دوسرا ہے جو ہر شخص کو سرسری طور پر نصیب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اپنے نفس پر اس قدر قابو نہ ہو کہ لوگوں سے یہ لحاظ ان کی منزلت و مرتبہ حال کے پیش آتا۔ ان کے مقاصد متوجہ ہو کر سنا اور انجام مرام میں درین ذکر نہ کرنا۔ اس کے حق میں بوقت موقوف کلمہ غیر ہونا بوقت استفسار ان کو صلاح یک دینا کسی حاجت مذکورہ ترش روئی جو بظہار دنیا اور خاص خاص حالتوں میں ان کی دردمندی کرنا۔ اکثر موقع پر ضبط و تحمل کو روا رکھنا۔ دشمن کے ساتھ حتی الامکان دوستی کا برتاؤ کرنا اور جب حاجت و معذور ہو تو انتقام نہ لینا۔ بعض محل پر مصلحتاً اپنا نقصان جائز رکھنا۔ ہر ایک سے بلا کسی قید کے براخلاقی محبت پیش آنا۔ نیک نیتی و خوش چلنی اختیار کرنا۔ ایسے وعدے میں کوشش کرنا۔ غلط بیانی سے احتراز کرنا۔ امور معاملاتی میں لغویت کو روا نہ دینا۔ سوچ سمجھ کر بات کرنا۔ بلاوجہ کسی کی غیبت یا بوجہ نہ کرنا۔ دشمنوں کے گھٹانے میں توجہ تبلیغ رکھنا۔ اپنے اختیار و اقتدار پر مغرور نہ ہونا۔ مسلک صلح اختیار کرنا۔ جب یہ باتیں اختیار کی جائیں تو اس وقت مرتبہ ہردل عزیز می حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ان سب پر میں ہنوز قادر نہیں ہوں لیکن کوشش کرتا ہوں کہ اپنے نفس کو اس جانب راغب کر سکوں۔

منہی الحدالت: یکم نومبر ۱۸۸۸ء۔ آج ایک کتاب قانون جو دارمی موسومہ 'مفید الدالت' مولفہ منشی غلام حیدر خاں صاحب جاسمی، سبج ضلع سلطان پور جس میں علاوہ نظائر مجموعہ تعزیرات ہندو ضابطہ فوجداری وغیرہ بھی شامل ہیں اور کارروائی عدالتی کو اس سے بہت مدد مل سکتی ہے مطبع نوکشور لکھنؤ سے منگائی قیمت دو روپے خرچہ آٹھ آنے۔ جہاں تک بادی النظر میں دیکھا گیا یہ کتاب کارروائی عدالت کے لیے بہت مفید ہے جس کی روزمرہ احتیاج رہتی ہے علاوہ حوض کے ضروری قانون حاشیہ پر درج ہیں۔

حجتی علی: ۲۸ نومبر ۱۸۸۸ء طبعیت بخوردار مجتبیٰ علی کو سہنہ عارضہ لاحقہ بول فی الفرائض سے افادہ نہیں ہے۔ ہر چند عالم میں زکثیر صرف کیا گیا اور چورہا ہے لیکن ہنوز راقل ہے۔ اب حکیم حیدر

صاحب لکھنؤ نے تجویز کیا ہے کہ اگر پندرہ روپے نقد دیے جائیں تو ایک چارم نسخہ کلام و خدا کا تیار کر لیا جائے
 فی اس کے استعمال سے بالضرورت فائدہ ہوگا اور یہ نسخہ مجرب ہے جس کے استعمال سے ایک شاہزادے کو نفع ممتد
 حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے برخوردار موصوف کو پندرہ روپے دیے اور ہدایت کی کہ لکھنؤ جاکر نسخہ تیار
 کرادیں اور استعمال کریں شافی مطلق اس نسخہ سے شفا کامل عطا کرے۔ چونکہ لڑکا نہایت سید، نیک بخت، مطیع
 ہر دل عزیز ہے اس وجہ سے میری طبیعت کو اس سے زیادہ اُس ہے اور عموماً گل اہل عمل اس سے ازیں محبت رکھتے ہیں۔
ایک س ماہ: ۲۱ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج گلاب شاہ رمال ساکن پاک پٹن و جاردوب کش درگاہ حضرت
 شیخ فرید کمرنگ قدس اللہ سرہ، ملک پنجاب میری ملاقات کو آئے اور بعد چلنے کے راجپوت کے محلہ سے کہا کہ تمہارا مقصد
 یاور ہے۔ تاہذا زیت خوش حالی سے بسر کرو گے اور مدت دو مہینہ میں تمہاری بہبودی حسب خواہش ہوگی اور
 تمہارا چھوٹا لڑکا ترقی علی بہت بڑا خوش نصیب ہوگا اور تمہارے اعزاز و ثروت سے اس کام تہ بند ہوگا۔
 لہذا یہ مضمون بعد از آنش حوالہ قلم کرتا ہوں کہ ان احکام کا کہاں تک ظہور ہو سکتا ہے لیکن جو حالات گذشتہ سال
 صاحب نے میری اور دوسروں کی نسبت بیان کیے وہ سب صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

خواب خوش: ۲۰ جنوری ۱۸۸۹ء۔ آج کئی روز سے بڑب خواب ہاں سے خوش نظر آتے ہیں۔
 دو روز سے تو اپنے کو بمقام بلند اور گھوڑے پر سوار دیکھا اور آج صبح کبھی عاری دار پر سوار اور ہمراہی میں
 بہت سامع اور جلوس نظر آیا۔ دیکھی کہ اس کا ظہور کب ہوتا ہے۔ میں اپنی عقیدت سے لکھتا ہوں کہ میرے
 خوابوں کا ظہور کبھی دیر کبھی جلد ضرور ہوتا ہے جس کے امتحانات اور تجربے متواتر ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے
 ہیں لیکن ابھی تک یہ امر امکان طلب کہ کس موسم و تاریخ و دن کا خواب سیریل الظہور اور بطلی الظہور ہوتا ہے۔

اشراۃ: ۱۸ مارچ ۱۸۸۹ء۔ جو عرضی بندگان خدا کی طرف سے برسیکات منشی مقبول احمد تحصیلدار سنیل
 بذریعہ صاحب کمنٹر محضو صاحب صلح ہر دوئی پیش ہوئی اس کی نسبت صاحب صلح کو فضل حسین اور ان کے
 مختار محمد یحییٰ پر شک ہوا۔ لہذا صاحب بہادر نے بعد اظہار ناراضگی محمد یحییٰ کو عرض نویسی تحصیل منڈی سے
 برضاست کر دیا یہ عجیب کارروائی ہوئی کہ بندہ خدا کی عرضی اور دعویٰ محمد یحییٰ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں
 تو یہ نتیجہ محمد یحییٰ کے اس ظلم کا ہے جو انھوں نے حافظ باسط علی واجب الرحم کو ۱۰ مارچ سن الیہ کو حدومہ
 پہنچایا اور اس ظلم و ستم رسیدہ نے آہ سرد کھینچ کر اور سنگ تشکیبائی اپنے سینے کے کینہ پر خواہاں داد دی اپنے منہ

لے یہ بت بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔ ترقی علی صاحب ریاست کھوپاں میں بیچ ہاں کی گورٹ ہو گئے۔ ہاشمی

حقیقی سے ہوا جو استدعا تو اسے مستجاب ہوئی جس کی تصدیق اس شعر سے ہوتی ہے۔

بترس از آہ مظلومان کہ نگاہم دعا گوینا اجابت از در حق بہر استقبال می آید

وصیت نامہ: ۵۰ مئی ۱۸۸۹ء - آج میں نے ایک وصیت نامہ بنام اپنے جانشین کے تحریر کیا کہ میرے اسی کے بموجب عمل درآمد ہوتا چاہیے اور جو وصیت نامہ میں نے ۱۷ جولائی ۱۸۷۹ء کو تحریر کیا وہ قابل نفاذ نہیں رہا۔ وصیت نامہ بنام میری اہل خانہ مسماۃ شمس النساء چہ جولو میرے مالک جانا دہوں گی۔

شجرہ خاندان: ۱۲ مئی ۱۸۸۹ء - شجرہ مندرجہ ذیل سے راقم کی سولہویں پشت محمد سید علاء الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے۔ آپ سہی کے صرف ذاتی کے لیے موضع مخدوم پورہ محاف ہوا تھا جب سے اسی حالت میں چلا آتا ہے۔ پشت نامہ،

"سید مظہر علی بن سید مظفر علی بن مولوی سید النخس (عرفاً میر جیون) بن سید محمد بخش بن سید محمد اکرم بن سید محبوب عالم بن مولوی سید موسیٰ بن سید ابوالعالی بن سید عبدالحی بن سید بنگد شیخ حسن بن سید احمد بن سید لاڈ بن سید یحییٰ بن سید سجن بن سید عمیر الدین بن مولوی سید علامہ الدین قدس اللہ سرہ العزیز"

مجتبیٰ علی پسر خود: ۲۹ مئی ۱۸۸۹ء - آج برخوردار مجتبیٰ علی نے اپنے ہم سنوں کو روزہ کھلایا۔ انطاری بہت تیار ہوئی تھی۔ اس لڑکے کے مزاج میں صلاحیت اخلاق عامہ ہے کل ہر سن اس سے محبت رکھتے ہیں اور سلسلہ آمد و شد جاری رہتا ہے اور ان کے وسعت اخلاق سے کوئی ناخوش نہیں جاتا۔ علاوہ بریں اہل خلع کے تمام مرد و زن ان کی روش و چلن کا اعتبار کرتے ہیں اور بدرجہ غایت رضا مند ہیں بخدا نصیب و کرے۔ یہ مرتبہ ہر دل عزیز کا برخوردار مصطفیٰ علی کو حاصل نہیں ہے۔

محبس طریبی: ۲۷ مئی ۱۸۸۹ء - آج ڈاکٹر سکریٹری گوڈمنٹ محکومہ ۸ جون ۱۸۸۹ء نمبری ۱۲۶۱ میں مضمون موصول ہوا کہ راقم اور راجہ درگا پڑشا صاحب تعلقہ دار کو اختیارات محبس طریبی درجہ دوم اندر حدود میونسپل سیدلہ عطا ہوئے۔ دریافت اس حال کے شکر خدا بجا لایا کہ اس نے اپنے حبیب کے طفیل سے مجھ ناقابل کو ایسے اختیارات جس کی بڑے بڑے لوگ تنہا دیکھتے ہیں عطا فرمائے اور میرے ہم چشموں میں مجھے تفاخر بخشا یہ نتیجہ کرنل بیچر صاحب ڈپٹی کمشنر ہروئی کی عنایت کا ہے۔ آج حاسدوں کو میرے اس حصول اعزاز سے نہایت درجہ قلق اور طراں ہوا۔

چند کتب: ۳ جولائی ۱۸۸۹ء - آج کتاب "مطلع العلوم و مجمع الفنون" و سرکرات صاحب جوڈیشل

۱۸۶۲ء لغایت ۱۸۷۱ء و نظائر قانون فوجداری بابت ۱۸۷۸ء مطب نوکشتہ لکھنؤ و نظائر ہند
آباد سے جن کی قیمت حسب ذیل ادا کی گئی منگائے۔ 'مطلع العلوم و مجمع الفنون' ایک جلد چھائی روپے
کرکرات سوار روپے۔ نظائر سوار روپے محصول و غیرہ بارہ آنے۔ جملہ پانچ روپے بارہ آنے۔

عید الضحیٰ : ۸ اگست مطابق ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ۔ آج یہ تقریب عید الضحیٰ میرے مکان پر باشندگان
نزدیک کا مجمع کثیر رہا اور مجھے اپنے عنایات و اشفاق سے مشکور کیا۔ مبلغ گیارہ روپے سوا تیرہ آنے انعام وغیرہ
بس صرف ہوئے اور میں اس بات کا نہایت شکر گزار ہوں کہ باوجود کمی میں نہایت ناچیز و کم سرمایہ آدمی ہوں
لیکن روسا قصبہ نے مجھے نہایت گاہ و نوبت دیکھتے ہیں اور میرا سرا کرہ تے ہیں پھر دیکھ کر عالم تاج تاج میری عزت اور وقت بزرگوار کام کھے
اور وہ اخبار : ۱۰ اگست ۱۸۸۹ء۔ اور وہ اخبار منشی نوکشتہ کی خریداری کے لیے بعض مبلغ میں روپے
مالانہ میونسپل کمیٹی سے منظور ہوئے۔ لہذا آج زر مذکورہ بذریعہ منی آرڈر بخیریت صاحب مطبع لکھنؤ
بھیجا گیا کہ ۱۲ اگست سن الیہ سے روزانہ پرچہ بھیجا کریں جو میرے نام سے آیا کرے گا۔

گھڑیاں : ۱۳ اگست ۱۸۸۹ء۔ آج چھ گھڑیاں دوکان فیور لو با کمپنی بمبئی سے اپنے
ور اپنے احباب کے واسطے بہ قیمت ترانوںے روپے منگائیں جس پر خرچ حسب ذیل واجب ہوا۔
نیمت گھڑی۔ ۳۰ روپے، محصول ڈاک و فیس منی آرڈر۔ دو روپے، محصول اکڑائی۔ ایک روپہ دو آنہ
اٹھ پائی۔ تفصیل خریداری گھڑی۔ راقم راجہ دیکھا پرشاد کنور رنر رہا در صاحب تملقدار (دو گھڑیاں)
و دھری بابا وید علی صاحب مولوی عبدالقادر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نواب گنج۔

۱۰ محرم ۱۳۰۰ھ : ۷ ستمبر ۱۸۸۹ء بخلاف معمول آج میں واسطے زیارت و دفن تعزینوں کے
کر بلا نہیں گیا۔ اول تو گرمی تھی دوسرے طبیعت بالکل متوجہ نہ ہوئی شکر و خد و شکر قاضی عابد علی صاحب سے معلوم
ہوا کہ اس سال قصبہ ہڈا میں ۶۹ تعزیرے رکھے گئے۔

تلفظ انجمن انگریزی : ۸ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ میں کثرت کام میں نسل سے بہت عظیم فرصت
ہوں۔ حتیٰ کہ اگر تھوڑا سا وقت ضائع ہوتا ہے تو کمال افسوس محسوس ہوتا ہے۔ اور جس وقت کام سے
فرصت ملتی تو فوراً نوبت و خواندہ انگریزی میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ شب کو میر حسین علی ماسٹر انگریزی
واسطے تعلیم انگریزی زبان کے بالمرہ آتے ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ تلفظ انگریزی میں ایک ماہرین کی محنت
سے بہت کچھ ترقی حاصل ہوئی۔ اگرچہ سے یہی مشکل رہا تو مجھے انگریزوں سے زبان انگریزی میں گفتگو کرنا

دشوار نہ ہوگا خدا میری خواہش کی تکمیل کرے۔

قاضی ابوالحسن: ۶ نومبر ۱۸۸۹ء۔ آج قاضی ابوالحسن ولد قاضی اقتدار علی رحومیر تحقیق خانہ بھائی ہیں اور میں ان کا ہر حالت میں ان کا دوست اور بہی خواہ رہا، میری عیادت کو آئے اور بد مذہب ظاہری خیریت دریافت کی۔ جب مغرب نے میرے اور منشی فضل حسین کے درمیان میں طلاق پیدا کر دیا اور میں تعلقہ حلال پور سے علیحدہ ہوا تو قاضی صاحب نے بھی میرے یہاں کی آمد و رفت و شرکت شادی وغیرہ ترک کر دی تھی۔ آج نہیں معلوم کہ کیا دنیا گزرتے دیکھی جو انھوں نے ایسا ارادہ کیا۔

نقشہ ہندوستان: ۲۴ جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج ایک نقشہ جس میں انگریزی فارسی ہندی میں نام شہر و قصبہ وغیرہ درج ہیں بہ قیمت دوھائی روپے و بھرت تین آٹھ تین پائی خرچہ محصول وغیرہ مطبعہ آباد سے منگایا۔ یہ نقشہ عمدہ ہے، رنگ و روغن سے آراستہ و مرتب اور جس قدر ریلیں اس وقت تک جاری ہوئی ہیں ان سب کا سلسلہ اس میں موجود، اور اسی قسم کا ایک نقشہ راجہ کنور نرنہ رہا در جٹا، اور ایک فی ایم الزماں صاحب کو منگایا۔

گھوڑ اکمیت: ۱۰ جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج راقم اپنے گھوڑے کیت پر اڈلہ تیرہ سو روپے اور چھ چال درست نہیں ہے لیکن بہت شانستہ چالاک، مادہ قدم بازی اس میں موجود ہے۔ شاہ کام بہت تیزی سے چلتا ہے۔ سائیس وغیرہ روٹے بغیر اسے ماتھ نہیں پہنچ سکتے۔ اگرچہ کوئی چالک اس سے درست کرے گا تو بہت خوش رفتار ہوگا۔

رشتہ پسو خود: ۲۱ جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج خط مولوی نصیر الدین تعلقہ داز میر پور ضلع بارہ بنکی بحوالہ تیرہ راقم مورخہ ۲ جنوری سن الیہ مقام کھنٹو محلہ نیا گاؤں سے بدین مصفرین موصول ہوا کہ بوجہ قربت قدیم نسبت بر خور دار سید محبتی علی اپنی لڑکی سے بدل منظور ہے اور بھقاہ رشتہ داری جوید کے رشتہ قدیم کو ترجیح ہے۔ چونکہ میرا قیام کھنٹو میں رہتا ہے اس وجہ سے آپ ایک روز اگر مجھ سے ملاقات کریں جس کی اطلاع پیشتر سے دیں۔ چنانچہ بوصول تحریر ہذا کہا ہی اطمینان ہوا اور آج شام کی ریل میں منشی وزیر علی اپنے داروغہ خاص کو مدہ تھوڑی شیرینی کے بغرض اسدراک خیریت تعلقہ دار صاحب کھنٹو روانہ کیا۔

تومینگی سنند: ۲۰ اپریل ۱۸۹۰ء۔ سیال علی بہادر صاحب تحصیلدار سیلہ و پریٹنٹ میں پرنسپل سندیلہ نے وقت تحریر پورٹ سال تمام میونسپل کے میری نسبت یہ لکھا کہ سیال علی سگری میونسپل کام سگری کا شخص ملازم سے زیادہ مستعدی سے کرتا ہے۔ ایسا ایمان دار و معتبر شخص ممالک متحدہ میں کوئی نہ ہوگا۔ حکام ضلع کو ان کی کارروائیوں کی قدر کرنا چاہیے۔

حاجی وارث علی شاہ: ۵ مئی ۱۸۸۹ء۔ آج صبح کو حاجی وارث علی شاہ صاحب رئیس دیوانے بطیب خاطر خود مجھے یا کر کیا۔ میں فوراً مکان عبدالعلی موسیٰ پور میں جا کر قدم بوس ہوا۔ شاہ صاحب نے خلاف عادت خود سر و قد میری تعظیم کی اور نہایت تپا کس سے اپنے قریب مجھے بٹھلایا اور بعد دریاقت فریت دیا اور موسیٰ کے رخصت کیا۔ وجہ طلب میری سمجھ میں نہیں آئی۔ شاہ صاحب نہایت مکرم و محترم بزرگ ہیں۔ ہزار ہا مرد و زن یہہ بریدہر، شہر بہ شہر آپ کے مرید ہیں۔ آپ سوائے مریدوں کے اور کسی سے ملاقات کم کرتے ہیں۔ یہ محض آپ کی توجہ و عنایت خاص ہے جو اس صورت سے راقم کو اعزاز بخشا۔

ٹھا کر کھر ٹگ سنگھ: ۷ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج صبح کو ٹھا کر کھر ٹگ سنگھ ولد بھوپ سنگھ زمیندار موضع ہیا، ابارضہ چپش شفا خانہ سندیل میں فوت ہوئے۔ عمر ۵۲ سال تھی۔ ابھی بہت تندرست و توانا تھے۔ راقم سے از بس ربط تھا۔ جب کبھی سندیل آتے تو بدون میری ملاقات کے واپس نہیں جاتے تھے اور ان کو بھی مجھ سے از بس تقویت تھی۔ جب کل گاؤں سے سندیل آئے تھے تو میں نے طحی بخش و دیگر سامان فروزی ان کی آسائش کے واسطے بھیج دیا تھا۔ افسوس کہ دنیا کو مطلق نبیائیں۔ ہم زدن میں کیا کیا ہو جاتا ہے۔

تعلقہ داس جھڑاؤں: ۲۰ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج صبح کو راجہ مادھو سنگھ تعلقہ دار بھڑاؤں (تھیل سندیل) میری ملاقات کو تشریف لائے اور قریباً دو گھنٹہ نشست رکھ کر ہر ایک امر متعلقہ ریاست مجھ سے مشورت کرتے رہے۔ راجہ صاحب میری ملاقات سے بہت اظہار مسرت کرتے رہے اور بوقت ضرورت نیک صلاح دینے کا اقرار کیا۔ شب کو میں نے بھی باغ پڑاؤ ملاقات باز دید کی۔

ایک حادثہ: ۲۷ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج بوقت شام راقم واسطے معائنہ نہر جدید کے گیا۔ جو نہر نہر مذکور کو مرقوعہ باغ نثار علی وکیل عقب مسجد کھڑوڑ، معائنہ کر رہا تھا دفعتاً میرا گھوڑا پھلے پڑے نہر میں پھسل پڑا اور اس کے ساتھ میں نہر میں گر کر جو سطح زمین سے پارچہ چھوٹا گہری تھی لیکن شکر ہے کہ میں بالکل زخم جسمانی سے محفوظ رہا اور گھوڑے کو بھی کوئی آسیب نہیں پہنچا اور پھر اسی وقت سوار ہو کر اور ہر ایک کام متعلقہ کو دیکھتا ہوا قریب آٹھ بجے مکان پر آیا۔ جب تک یہ غافلہ تمام قصبہ میں پھیل گیا اور ہر ایک احباب و اعزہ کی جانب سے پیغام استدراک فریت گیا رہ بجے رات تک آئے۔ ریدہ بود بلانے والے بیکر گزشت۔

اننگنیری الفلیلہ: ۲۸ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج کل دو ہفتہ سے انگریزی الفلیلہ میرے مطالعہ میں ہے بعد متاول طعام اوپر کراس کے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ منظور ہے کہ ایسی کتب کی مزاولت سے اس قدر استعداد

یہ بھی بول کہ بلا توقع حکام وقت کے حکم خط کو کٹ کر سکوں۔ ہرن کی لیا اس کی موت پہلے کہ حکام وقت کی زبان سے وقوف رکھے۔
تیسری خیر پُلی ۲۰ جون ۱۸۹۰ء۔ آج کل مجھے کامیابی ہندو پولوں سے سخت تکلیف ہے۔ باوصف
 شدت گرمی ایک دو میل واسطے معائنہ کام کے جانا ہوں اور بہت سی کال حساب کتاب اس کا جانچنا ہوں۔
 خدا کا شکر کہ میری فات کو اس مشقت سے بچا۔ اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ ہندو میں شریفانہ
 بہ نمرہ میٹان کام میں متعلق رہتے ہیں اور مجھے دھلے خیر سے یاد کرتے ہیں۔

ملازمت میونسپلٹی ۱۲ جون ۱۸۹۰ء۔ اگرچہ سلسلہ ملازمت میونسپل سنبیلہ مجھے حاصل نہیں ہے
 لیکن اس کام کو اس قدر مشقت و ریاقت سے سرانجام کرتا ہوں کہ شاید کوئی ملازم بھی نہ کرتا اور کام کی کثرت
 بوجہ تیاری ہرن کو بلا برونی کے اس قدر ہے کہ کوئی وقت فرصت نہیں ملتی۔ اکثر میرے اعزہ ہاشنگانی
 قصبہ معترف ہیں کہ یہ سخت زحمت اپنے سر کر لگی جس کا بظاہر کوئی نفع نہیں۔ لیکن میرے خیالات ان کے بالکل
 مخالف ہیں۔ اگرچہ یہ مسلم ہے کہ اس کام کو کر کے میرا دست کوئی ذاتی فائدہ نہیں لیکن یہ بہت بڑا نفع خیال
 کرنے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی کام کی قابلیت و ساقبہ ہذا خصوصاً دائمی باشندگان سنبیلہ عوام مجھے نگاہ عزت
 سے دیکھتے ہیں اور اکثر ان کے مقاصد میری کوجہ سے طے ہوتے ہیں۔ بہت سے اشخاص میرے ذریعے سے متفرق
 کاموں پر مقرر ہیں جن کا تمام خاندان میرے حق میں دعا ہے خیر کرتا ہے اور میری ان پر حکومت کامل ہے۔ قصبہ ہذا
 میں عام طور پر و نیز ملازمان میونسپل پولس پر میری حکومت ہے جو رتبہ کسی رئیس اعظم کو بھی حاصل نہیں۔ یہ کام
 بہت بڑا ذریعہ ملاقات حکام وقت ہے جس سے توسط کی کوئی ضرورت نہیں اور جب کام بلا ٹرڈ کیا جاتا ہے تو
 ہر خواہش کا مکمل مقابلہ دیگر دوسرے قصبہ۔ آسانی ہو سکتا ہے۔ جو ضرورتیں بزمانہ قریب میں پیش آمدنی ہیں اگر
 میری رائے غلطی پر نہ ہو تو ایسے کارکردگی کا انصرام بوجہ مفصلہ صدر میں اپنے ذمہ فرض تصور کرتا ہوں۔

وزن ۲۰ جولائی ۱۸۹۰ء۔ آج اسٹیشن سنبیلہ پر تفریحاً ہم لوگوں نے اپنے اجماع کو تک (کذا)
 میں وزن کو لیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

جو دھری محمد رف صاحب دل جو دھری حسنت علی تعلقہ دار۔ دو من ۳۶ سیر شیخ اعظم علی دلا کر
 کریم صاحب مرحوم۔ دو من ۲۴ سیر راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سروں بڑا گاؤں۔ دو من ۳ سیر منشی فضل
 سین صاحب تعلقہ دار حلال پور۔ دو من شیخ رعایت حسین صاحب۔ وکیل ہردوئی۔ ایک من ۲۴ سیر کنور جوالا پرشاد صاحب۔
 لدراجہ دھنپت صاحب تعلقہ دار حال پیش کا سنبیلہ ایک من ۱۸ سیر راقم روز ناچ نہا۔ ایک من ۱۲ سیر۔

متعلقین خود: ۵ اگست ۱۸۹۰ء۔ بالفعل ۲۵ مرد و عورت کا دو وقتہ صرف کھانے و پینے کا میرے متعلق ہے اور ملازمین جو خشک تنخواہ پاتے ہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں۔ اس قدر صرف سیر و ملازمت میں بھی نہیں تھا۔ کھانے کی کوئی فکر نہیں ہو سکتی۔ اگر کی جائے تو بدنامی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ ایسا صرف جس کے اُمدہ گھٹانے میں نتیجہ برپا ہونے والا ہو اس کا انب راد اول ہی سے ملحوظ رکھے ورنہ سخت دشواری ہوگی۔ بقول سعدی: مرد آخر میں مبادک بنالیت۔

راجہ دنگا پرشا: ۹ ستمبر ۱۸۹۰ء۔ آج صبح کو راجہ درگاہ پرشا صاحب تعلقہ دار 'سرون پوکاؤں' کی میں نے ملاقات کی۔ بڑی محبت سے پیش آئے۔ راجہ صاحب کے مزاج میں از بس تہذیب ہے اور اپنے وقار و روٹی کا بدرجہ غایت لحاظ جب میں ملاقات کو جاتا ہوں تو بہ وقت رخصتی اپنے دیوان خانہ سے تائب چوتراہ بیرونی میری مشالعت کرتے ہیں۔

شکایت ضعف معدہ: ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۰ء۔ علاوہ شکایت ضعف معدہ اب دو روز سے مجھے حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ علاج ڈاکٹری کرتے کرتے تنگ آگیا لہذا راجے جہور خاندان کا قریہ قرار پائی کہ کچھ علاج بغرض استعانت طبع کرنا ضروری ہے لہذا حکیم طہور الحسن طبیب میوہل کا آج علاج یونانی شروع کیا۔ بوجہ پیدا ہونے گرمی کے معدہ میں خواہش بھوک بالکل مفقود ہوگئی۔ کسی چیز کی رغبت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی لقمہ موندہ میں سکھا گیا تو اس کا حلق سے اُترنا دشوار ہو جاتا ہے۔

۳ نومبر ۱۸۹۰ء۔ آج سید علی بہادر تحصیل ارشدیلہ و کنویر جو الپرشاد پیش کار و جملہ اہل کاران تحصیل و مہاجران وغیرہ راجہ دنگا پرشا و چودھری محمد رفیع صاحب میری عیادت کو تشریف لائے اور ممنون کیا۔
۷ نومبر ۱۸۹۰ء۔ آج الپنجے دن کے منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دائری عیادت کو آئے اور قریب دو گھنٹہ کے نشست کی اور نہایت تپاک و محبت سے پیش آئے گویا کبھی کوئی طال ہی نہ تھا۔ یہ رسم مکہ منشی صاحب سے بعد تین سال چار ماہ دس دن کے قائم ہوئی بکھلے لقمہ قائم رہ سکے کیونکہ ملک مصطفیٰ حسین ملکانہ و امیرن پسر خوش رنگ کو (جو بالفعل مصاحب خاص ہیں) سخت ناگوار ہوگا اور بجائے کوشش کریں گے کہ بار دیگر طال کرادیں اور حسین علی ملتان مصاحب خاص داروغہ کا قریباً ہی حال ہوگا۔ دیکھا چاہیے کہ اسی میل کا کیا نتیجہ ملے۔ چونکہ منشی فضل حسین کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں ہے اور دوسروں کی رائے کے تحت میں اس وجہ سے ان کے خیالات پر بھروسہ نہیں ہو سکتا۔

۳۱ نومبر ۱۸۸۹ء۔ میرا مزاج صغیر آدمی ہے اور گرمی مزاج میں رہتی ہے اور علاج ڈاکٹری عموماً گرم ہوتا ہے اسی وجہ سے باد و صوف توجہ خاص باپو سالک رام اسسٹنٹ سرجن سندیلہ مجھے افادہ نہیں ہوا اور مادہ ناقص معدہ و ذفرہ میں متعصب ہو کر باعث لموتی اشتہا ہوا جس سے حرارت و جوش پیدا ہو گئی۔ اب بالآخر علاج یونانی مجوزہ حکیم ظہور الحسن طبیب میونسپل سندیلہ سے افادہ ہوا اور رب بغایت و بفضل یزدانی شکایت ضعف معدہ بھی دور ہوتی جاتی۔

مصلحین فضل حسین ۲۶ نومبر ۱۸۹۰ء۔ جب سے منشی فضل حسین صاحب لطیفہ دار نے مجھے سے مل کر ہے ان کے مصاحبین کو از حد ملال ہے علی الخصوص ملک مصطفیٰ حسین ملک کا زوا میر حسن پسر خوش رنگ کین جوسینا قلقلان کے دلیں میں ہول پیدا ہو گیا ہے۔ کوئی وقت جہین نہیں آتا۔ مصطفیٰ حسین تو ہر وقت دعا تو نید کرتا پھر تاپے اور دعا ملوں کی تلاش میں سرگرداں ہے کہ کوئی ایسا عمل کرادے کہ مجھے ضرر پہنچے اور منشی صاحب کا رجحان میری جانب نہ ہو۔ مجھے تو پورا بھر وسالچے خانی پر ہے کہ بدون اس حکم کے کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے گا وہ ہو گا۔

خالہ خنود ۲ دسمبر ۱۸۸۹ء۔ آج جناب خالہ صاحبہ والدہ منشی سید فضل حسین صاحب علقو دار نے مجھے معتبر ذریعہ سے کپا بھیجا کہ شادی الطاف رسول خلف منشی صاحب کی بارات میں جو ۱۰ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ (مطابق ۱۱ دسمبر ۱۸۸۹ء) کو خیر آباد جلے گی تو اس میں ضرور شرکت کرنا۔ سب مسلمان تمہارے آرام کا مہیت کر دیا جائے گا۔ میری زندگی کی اب امید قلیل ہے میری تمنا ہے کہ تمہاری اور برنورداد فضل حسین کی مصالحت کمال ہو جائے تاکہ وہ ملال جو تمہارے اور ان کے درمیان بد کرداروں نے ڈال رکھا ہے اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جاؤں۔ سچ یہ ہے کہ جناب محمد و کو میرا خیال از حد اور بد رجب غایت مجھ سے الفت ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں۔

توصیف سیکو کاسی ۱۰ دسمبر ۱۸۸۹ء۔ ایک قطعہ ڈاکٹ حکمہ جات سرکاری اصلاح مغربی و شمالی اور دھرمبری ۱۱۷۱ء محکومہ انڈیز میں مقام الیکٹریڈین مضمون بنام لاقم موصول ہوا کہ منشی سید مظہر علی نے بھرنہ مبلغ ۳ ہزار روپیہ باغ و کنواں بغرض رفاه عام تعمیر کرایا اس وجہ سے حسب ہدایت جناب لفٹیننٹ گورنر بہادران کا نام دفتر سرکاری میں درج کیا گیا یہ وہ باغات و کنوئیں ہیں جو میں نے بہر کا پورہ و طرف شرف و موضع دیکم گنج میں تعمیر کیے ہیں یہ ڈاکٹ آج موصول ہوا۔

علاقت ۱۴ دسمبر ۱۸۸۹ء۔ آج مجھے دست آئے جس سے جس قدر طاقت ہفتہ گزشتہ میں آتی تھی سب زائل ہو گئی ضعف بے حد ہو گیا یہ عارضہ ضعف معادہ کا مجھے ایسا لاحق ہو گیا ہے کہ غذا قلیل بھی نہیں

نہیں ہوتی۔ اب بظاہر اس عارفہ کا فن بڑا خوش اور حلیم ہے۔ لیکن اصل بیماری ابتدا ہوش بے کمال تھی۔ بہر حال مرضی خرابہ راضی ہوں۔ جو منظور ہو گا وہی پیش آئے گا۔ اس بارہ میں کوئی محل تردد و کاوش کا نہیں ہے۔

بیچ مجسٹریٹی: ۳۰ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ میں بہ باعث علامات وضعف مزاج خود عدالت بیخ فوجداری سند میں شرکت نہیں کرتا اس وجہ سے میرے ساتھی ممبران بیخ انفصال مقدمات میں بیاعت عدم واقفیت قانون کے نہایت تامل کرتے ہیں اور اگر اچانک ایسا ہو جائے تو بدون میرے استعوا اب کے کوئی حکم نہیں دے گا اور بالفعل شرکت سے بیخ مجسٹریٹ راجد رگا پر شاہ صاحب و راج کنور زرنہر بہادر صاحب تعلقہ داران سرون پڑا گاؤں، وجودہری محمد رؤف صاحب خلیفہ چودہری حشمت علی صاحب مرحوم ہیں۔

بہ تقرب شادی: ۱۰ جنوری ۱۸۹۱ء۔ میں بہ تقرب شادی نور چشم سید محبت علی اپنے کل لاکوٹ نرزی سید ظہیر علی (برادر خورد) و نور چشم اصغر علی (بھتیجا) و بر خورد اسید الدین (دادا زادے) کے انگر کھاہے گزٹ بھول دار رشی کے تیار کرائے جس کی قیمت فی درم ایک روپیہ ہے اور ہر ایک انگر کھے میں سات سات درم صرف ہوا اور ٹوپی گول محفل اودی کا مدار قیمتی چار چار روپیہ خریدیں۔ علی ہذا پانچا مہ شروع چار روپیہ تھان لے لے نصف۔ اور کل اپنے ملازمین کے انگر کھے چکن پانچا مہ شروع حسب ان کی حیثیت کے بنوائے۔

۱۳ جنوری ۱۸۹۱ء۔ آج حسب تحریر حکیم عبدالعزیز صاحب ولد مولوی نور کریم صاحب مرحوم دریا باہاں حال مدرس کیننگ کالج لکھنؤ کو لکھا گیا کہ آپ سواری ذیل کا ہتھام نواب گنج راسٹیشن بارہ بنکی، ۹ فروری سن الیہ کو بروقت پہنچنے بات کے بند و بست کر رکھیں جس کا کرایہ العام دیا جائے گا۔

تکریم ۴ عدد، ایکہ ۳ عدد، بہل ۴ عدد، اونٹ گاڑی ۴، ہاتھی ۴، گھوڑے ۴، اونٹ ۴، بھکڑوہ ۴۔ ایک عدالت خود: ۲۵ جنوری ۱۸۹۱ء۔ چونکہ غذا کے دیکھنے سے کھوک بھاگتی ہے اور جو بہ مقدار قلیل ہوتی ہے وہ بھی اضم نہیں ہوتی اور حرقت بول سے سخت تکلیف ہے لہذا حسب تجویز حکیم ہوا الحسن صاحب آج عمل لیا اور بیاعت ابرو باد، ہوا کا انسداد لٹکانے پردوں وغیرہ سے کیا گیا اور تین چار انگٹھیاں روشن ہوئیں تاکہ سردی سے کوئی ضرر نہ پہنچے۔ دو بجے تیسرے عمل کے بعد بوجہ اشتداد گرمی و جس ہوا کے غشی طاری ہوئی اور دو گھنٹہ تک کسی طرح سے آنکھ نہیں کھولی۔ ہذیان بکے کا اتفاق ہوا۔ تمام اہل محلہ براہ ہمدردی جمع ہو گئے۔ جب پرے کھولے گئے اور آگ فرو کی گئی اور شاخیں لگائی گئیں تو جاس درست ہوئے۔ میری اس کیفیت سے ایک تلامذہ پیدا ہو گیا تھا۔ نو بار اجابت ہوئی جس سے بہت ساموا و خارج ہوا اور بہ اشتعال حرقت بول اور ب

تکاتیں اسی روز دفع ہو گئیں۔ اسی صورت میں خیال ہو سکتا ہے کہ اگر سہل بے جاویں تو ضرور فائدہ مند بہ حاصل ہو سکتا ہے۔
۲۶ جنوری ۱۸۹۱ء۔ میری طبیعت کو آج افادہ ہے۔ بظاہر کوئی شکایت معلوم نہیں ہوتی۔ اگر اسی طور
سے افادہ قائم رہا تو خدا سے امید ہے کہ ۶ فروری کو میں قابل جانے بارات نور چشم مجتبیٰ علی کے ہو جاؤں گا۔
اگرچہ فی الجملہ ضعف سہل سے پیدا ہوا لیکن فائدہ کی امید زیادہ پائی گئی۔

تقریب شادی: ۲۴ فروری ۱۸۹۱ء۔ آج تقریب ہیرہ رکذا، نور چشم مجتبیٰ علی بہ فراہمی اسرار خاص مولانا
قرار پائی۔ صرف رنگ قلیل نوشاہ پر بطور سنگون ڈالا گیا اور رنگ کھیلنے کی رسم بابت موسم سرد کے جائز نہیں
لکھی گئی۔ آج نوید شکر تقریب حب سول فیکم اور پھانے جوڑا اکلف کے بندر یونائٹس بھان اہل برادری کو بھیجی گئی۔
۵ فروری ۱۸۹۱ء۔ آج شام کماول بہ تقریب مکتب نور دیدہ منتظم حسین (پوتا) ولد بر خوردار
مصطفیٰ علی قرار پائی اور مولوی مہدی حسن صاحب ولد مولوی فضل حسین مرحوم نے سب قديم میں بسم اللہ پڑھائی
بعدہ بر خوردار مجتبیٰ علی کو کوٹھی راقم نو تعمیر میں مانجہ بٹھایا گیا جس تقریب کو منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار
نے ادا کیا۔ تقسیم بتا شہت عنوان بالستہ سے ہوئی وبا وصف مجمع کثیر کوئی منتفص حصہ پانے سے محروم
نہیں گیا۔ صبح کو حسب ذیل جو طرے تقسیم ہوئے تھے (۷۰ عدد) تفصیل حذف کی گئی۔ (ہاشمی) شب
کو جلسہ قصص احاطہ راقم میں ہوا جس میں دو شامیانہ کلاں استادہ تھے اور تمامی روسائے قصبہ مسلمان بزرگ
کا مجمع کثیر تھا۔ اکثر زمیندار وغیرہ بہت سے بھی آئے تھے۔ طائفہ ذیل کا نارج ہوا۔

فضل حسین کشمیری لکھنؤ میں روپے یومیہ بمسماۃ مقصود اطوائف سندیلہ۔ سات روپے یومیہ بمسماۃ احمدی
جان طوائف سندیلہ۔ سات روپے یومیہ۔ جلسہ بہت اچھا ہوا جس سے حاضرین مسرور ہوئے اور
اہل برادری کو طعم اعلیٰ درجے کا کھلایا گیا۔

۶ فروری ۱۸۹۱ء۔ یوہ پوٹیل الصباح عمدہ قسم کا کھانا بطور ناشتہ اصحاب ہر اہی بارات کو تقسیم کیا۔
تیارہ بجے دن کو بندر لیریل بہ جمعیت ڈھائی سو ہر ایوں کے بارات روانہ ہوئی اور تین بجے شام کو بطور
نواب گنج (بارہ بنگل) پہنچی۔ براتیوں میں منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار دیگر اشخاص معزز قصبہ دیو پت
کے تھے جس سے ایک نوع کا وقار راقم منظور تھا۔ نواب گنج سے بندر لیر کر کم ایکڑ اونٹ گاڑی وچاڑ بندر
فیل اسپ ہاے متعدد دبہ جمعیت تین سو آدمیوں کے بوقت شام بارات قصبہ دیو پت پہنچی۔ بعد پہنچنے
بارات کے بطور ناشتہ اصحاب بارات کو میں نے کھانا کھلوا یا جس کا انتظام قبل سے کر رکھا تھا اس کا راقم

ہی بہت ناموری ہوئی تھی۔ شب کو بارات بہ دروازہ دو لکھن بر مکان مولوی نصیر الدین احمد
 با تعلقہ دار پہنچی۔ آتش بازی و آرائش عمدہ تھی۔ ۳ بجے رات کو نذر چشم برید مجتبیٰ علی کا مساعہ طہیر آذر مولوی
 وضو سے بعد میں ایک لکھڑی گھر خراج عقد ہوا اور قاضی صاحب دلیو اکو مبلغ بیس روپے کا حادی کیا جن کا نام محمد بشیر ہے۔
 ۴ فروری ۱۸۹۱ء۔ یونق صبح مولوی نصیر الدین صاحب نے طعام کندوی بیسیوں کو دیا جس کی تقسیم بہت
 ن بالست سے ہمارے منتظم سید محمد زکی صاحب نے کی۔ طعام اچھا و بھاری تھا شب گزشتہ کو فیروز صاحب کو
 حسین کشمیری و مساعہ بیگن طوائف لکھنؤ اور ایک طائفہ نواب گنج نے رقص کیا۔ فضل حسین و بیگن کا بین بین
 اور نواب گنج والی کو چودہ روپے دیے گئے۔ انگریزی باجا لکھنؤ سے اور تاشہ نواز و روشن
 والے نواب گنج سے شریک ہوئے تھے۔ جہیز حسب تفصیل ذیل ملا:

”زیور طلا خورد و کلاں۔ ۱۶ عدد، زیور نقرہ۔ ۱۰ عدد، ظروف نقرہ خورد و کلاں۔ ۲۶ عدد، ظروف مسی خورد و کلاں
 عدد، ظروف آہنی۔ ۶ عدد، طمطم معدا پ و سانہ۔ ایک عدد، قرآن مجید۔ ایک عدد جوڑا زانانہ و مردانہ ۲ عدد
 وق و پٹارہ و پینسن۔ ۵ عدد۔ دری و قالین و چاندنی۔ ۳ عدد، رخصتی ۵۱ روپے۔“
 ۳ بجے شام کو بارات دلیو اسے رخصت ہوئی۔ تہار و مردان تین سو تھی۔ دو گھنٹہ میں نواب گنج پہنچے
 ۳ بجے رات کی ریل میں وہاں سے روانہ ہو کر ۱۲ بجے رات کو داخل سندیل ہوئے۔ انتظام بارات قابلہ حسن
 اینٹنگوں نے بہت دل سوزی ظاہر کی مگر میں اپنی علالت سے بہت پریشان رہا۔ غذا کا بہت ہی قلیل
 اقی ہوا۔۔۔ اس تقریب میں میرا صرف زائد ہوا جو شادی نور چشم مصطفیٰ علی اور دختر کلاں میں
 یہ ہوا تھا جس کی صراحت کسی تاریخ آئندہ میں درج ہوگی۔

علالت خود ۲۵ فروری ۱۸۹۱ء۔ در بمقام لکھنؤ آج بعد طلے فیس دور و یہ حکیم سید عابد علی
 حب خلع حکیم حیدر علی صاحب چوک جدید لکھنؤ کو بذریعہ مولوی نصیر الدین احمد صاحب دلیو طلب کر کے
 کیفیت علالت کی بیان کی اور نسخہ مجوزہ ان کا استعمال کیا۔ ان کی یہ رائے ہے کہ مدہ یہ قنایت حیات ہلکے
 پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے شکایت ضعف ہضم و کمی اشتہا و سوزش بول و غیرہ کی ہے۔ سنا گیا کہ
 یم صاحب سمجھ دار آدمی ہیں اور علاج اچھا کرتے ہیں۔

۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء۔ در بمقام لکھنؤ آج رات کو جلسہ اطباء مکان حافظ عبدالحی صاحب پرست تفتیح میں
 مزاریم ہوا جس میں حافظ صاحب و حکیم عبدالعزیز صاحب جھوٹی ٹولہ و مولوی عبدالعزیز صاحب دریا بادی

شریک کئے۔ باہم بحث ہوئی اور کیفیت مزاج بست سالہ مرتبہ راقم پیش ہوئی جس کو نور چشم سید مصطفیٰ علی نے
تو صبح تمام پڑھا۔ اور اس پر غور کامل ہوا۔ آخرش بالاتفاق یہ طے ہوا کہ راقم کو تپ نہیں ہے۔ عارضہ لاحقہ
ہیں شرکت گرمی دوسری کی ہے اور اس وجہ سے علاج اجزاء مختلف بنے ہونا چاہیے۔ حکیم عبدالعزیز صاحب
دریابادی نے اپنی لائے میری نسبت یہ ظاہر کیا کہ حافظہ عبدالعلی صاحب پرانے حکیم میں اور ان کا نتیجہ بہ مقابلہ حکیم
عبدالعزیز صاحب جھوٹی ٹولہ بڑھا ہوا ہے اور اس شبہ لکھنؤ میں بہت نامور ہیں ان کا علاج شروع کیا
جائے۔ لہذا قہر چکر لکھنؤ نہ بغض و قارہ و ردہ ان کا علاج شروع کروں۔ بعد کو بہ حالت عدم حصول صحت
حکیم عبدالعزیز صاحب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۲ مارچ ۱۸۹۱ء - آج لالہ لال پاشا ولد مول رام (محلہ برنی) دھکن ہاتھ پر شاہتہ ولد گی پاشا
(سرے کا لیٹھ) وکینا ہاتھ ولد مہاراج شیو سہاے (مہتوان) واسطے عیادت راقم کے سندیلے آئے اور
اپنی تکلیف دہی سے مجھے معنوں کیا۔ میں نہایت خوش نصیبی کے ساتھ شکر یہ اس خدائے عالم بڑل کا ادا
کرتا ہوں کہ ہندو مسلمان ہر دو فرقہ میری ہمدردی کرتے ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۸۹۱ء - میں نے بمقام لکھنؤ بوجہ علالت خود عمدہ نیانی ٹولہ دکان برکت علی صاحب
میں قیام جائز رکھا اس لیے کہ اس مکان میں بخور دالان اور تفضلی علی و مرتضیٰ علی سباعت تعلیم انگریزی مقیم
ہیں اور ڈھائی روپہ کرایہ مکان دیا جاتا ہے۔ اگرچہ پہلے سندیلے سے ایک روز کی علمی طبیعت کے
خلاف معلوم ہوئی تھی لیکن یہاں آج ۲۸ روز سے مقیم ہوں اور علاج حکیم عبدالعلی صاحب جھوٹی ٹولہ کر رہا
ہوں لیکن طبیعت کو دلچسپی ہے اور کوئی گھبراہٹ نہیں معلوم ہوتی اور آج آٹھ روز سے طبیعت کو بھی افادہ
نظر آتا ہے اگر دورہ مرض بار دیگر اعادہ نہ کرے۔

مولوی شیخ نصیر الدین وکیل درجہ اول و کارندہ شیخ نسیم الزماں صاحب سندیلے متعلقہ امور فروری
دیکھ بھال دوتیاری نسخہ جات وغیرہ بہت مدد دیتے ہیں اور باوقار شریف لائے ہیں جس کا میں ممنون ہوں۔

سید مرتضیٰ علی - ۲۴ مارچ ۱۸۹۱ء - بباغت علالت بہ حالت قیام لکھنؤ مجھے بخور دار سید
مرتضیٰ علی فرزند اصغر سے برابر کجائی رہی اور میں نے ان کے عادات و فضائل کو جو بہ نظر غور دیکھا تو فہم
فرستہ ذہن و عقل و ہوش اس کے نہایت درجہ اعلیٰ کے ہیں اور طبیعت لکھنے پڑھنے و مادہ انتظامی
خانہ داری میں ایسی مناسبت ہے کہ جس کا حصہ ان کے برادران اعظم میں نظر نہیں آتا۔ مزاج میں سہولت کے

میری ادب و یک کامیابی و مددہ ہر مل سبزی حاصل ہے۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں تو میرے حواس
عزیز ایسے صحیح نہ تھے۔ بلکہ ضرور مہو نہا ہے اور ترقی کامل کرے گا اور بعد میرے یہ میرے خاندان اور
میں جو ساموری و افتخار پیدا کرے گا وہ دوسرے سے امید نہیں ہو سکتی اور اپنے ہم چشموں میں میں جو گو
نت لے جائے گا وہ یہی لڑکا ہوگا اور زائچہ ولادت بقاعدہ نجوم بھی اس کا اس کے ذی اقبال ہونے پر دلالت
ہے۔ خدا میرے خیالات ناست ملا دے اور اس کی عمر میں برکت دے۔ میں اس سے از بس خوش ہوں۔
کتبہ عقیدہ: ۱۰ اپریل ۱۸۹۱ء آج شیخ عبدالوہاب مہرگن لکھنؤ حسب خواہش میری سنگ مرمر پر قطعہ ذیل
اجرت دور روپے کندہ کر کے لایا جو بعد انتقال راقم میری قبر پر نصب ہوگا۔ قطعہ
چو کردہ بد سر تر بتم قدم در نجر۔ غایت از من بدست دیا دین مدار
ولے کہ کار نہ باید بجز دعا نیر۔ دعلے خیر براسے خدا دین مدار

متعلق حالات خود: ۲۰ اپریل ۱۸۹۱ء۔ آج منشی سیف فضل حسین صاحب تعلقہ دار سندیلہ میرے
مزاد بھائی نے برا کمال محبت پانچویں تحریر ڈاک عمرہ ۱۹ اپریل میں مجھے لکھا کہ آپ کو مکان پنجابی ٹولہ میں
عشا گری تکلیف ہوتی ہو گی۔ میرے مکان قیصر بلغم میں آپ آٹھ آدین۔ وہاں سامان ٹی خس و تنکھا
جو رہے اور میں واسطے تفریح طبع کے اپنا گھوڑا گاڑی لکھنؤ بھیج دوں گا۔ اس کامزن پیر متعلق ہے گا۔
اس پر سواری ہو کر بالمرہ تفریح کیا کریں جس طبیعت کو نہایت زحمت حال ہوتی ہے گی۔ اس میں کوئی تکلف نہ ہونا چاہیے۔
آج تین دن ہوئے مجھے شب کو اتفاق خدا کا نہیں ہوتا۔ شام کو نہ اجابت ہوتی ہے نہ اشتہا۔
موک کی زیادتی ہوتی ہے اور جب کھانے پر بیٹھتا ہوں تو ابکائی شروع ہو جاتی ہے۔ موجب حالت میں مبتلا
رہتا ہوں معلوم منطوق خدا کیا ہے۔۔۔۔۔ لہذا آج سے حسب اتفاق ملے حکیم عبدالعزیز صاحب دیبا بانی
افطہ حکیم عبدالولی صاحب جھوٹائی ٹولہ کا معالجہ موقوف کر دیا۔۔۔ اب قصد ہے کہ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب
سٹنٹ جرن و کٹور اسپتال لکھنؤ خواجہ حکیم عبدالعزیز صاحب جھوٹائی ٹولہ کا علاج کر دلا۔
۲۱ اپریل ۱۸۹۱ء۔ آج سے معالجہ عبدالعزیز صاحب و حکیم اسماعیل صاحب جھوٹائی ٹولہ چوک
لکھنؤ شروع کیا۔ خصوصاً کمال توجہ کے ساتھ حسب حال سنا اور نسخہ لکھا جس کا استعمال شروع کیا۔
آج راجہ دگاہ شاد صاحب قطعہ دار سندیلہ بارہ گجر میری عیادت کو تشریف لائے جو میرے لیے
عش غم کا مقصود ہے۔ چودھری محمد امیر و عمر غنی حافظ علی دعویٰ علی سب سندیلہ سے میری عیادت کو لائے

جرباحت کمال خوشی کا ہوا اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ لوگ مجھے بغیر وقار دیکھتے ہیں اور عزت کرتے ہیں۔

۲ مئی ۱۸۹۱ء میں خاکی عنایتوں کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے حبیب کے صدقے میری تکلیف بیمارِ ضعف میں دھجک میں تخفیف عطا کی کہ آج سات یوم گزشتہ سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی اور اجابت بستہ ہوئی ہے اور فی الجملہ قوت آجلی ہے۔ اگر ایک ہفتہ تک ایسی ہی طبیعت رہی تو مجھے اس دارِ شفا سے امید ہے کہ توانائی قابلِ اعتیاد آجائے۔

۷ مئی ۱۸۹۱ء حکیم عبدالعزیز جھوٹائی ٹولہ نے میرے واسطے ایک چٹکی ادویہ کی تیار کروادی تھی مجھ کو اول دن ہی سے مضبوطی اور اجابت ملین ہوئی جس کی شکایت کی گئی لیکن سماعت نہ ہوئی اور پھر نوش کرنے کی تاکید ہوئی۔ دوسرے دن پھر نوش کی اس سے زیادہ ضرر ہوا مگر عذرِ سودمند نہ ہوا اور تیسرے دن بہ مراحۃ حکیم صاحب سے عذر کیا گیا لیکن کچھ موثر نہ ہوا اور کل بوقت شب پھر وہ چٹکی نوش کرنے کو مجبور ہوا جس سے اس قدر گرمی مزاج میں پیدا ہوئی کہ کل رات سے آج نو بجے صبح تک نود آئے اور ضعف سخت پیدا ہو گیا نشست و برخاست و تکلم دشوار ہو گیا۔ تمام اعضاء سے آنچیں نکلتی تلووں میں بے چینی کے ساتھ سوزش بول و براز میں حرقت، سفیک کی شدت، مثلی کی شکایت پیدا ہوئی اور جب یہ کیفیت حکیم صاحب کو مضملاً تحریر کی تو جواب ملا کہ طبیب کی رائے پر علاج ہونا چاہیے مگر کو عملِ مداخلت نہیں اور جب مریض طبیب کی مخالفت کرے تو اس کا علاج نہ کرے۔ جب یہ فقرات حکیم صاحب کے دست و قلم سے لکھے ہوئے میں نے دیکھے تو ان کے علاج سے مجھے سخت متفرق پیدا ہوا۔ میرا سخت طامع ہیں حالانکہ انکی فیص مولیٰ جب میں ان کے مکان پر جاتا تھا تب بھی دیتا تھا لیکن ان کی طبع غلیظ مانع اس امر کی نہ ہوئی کہ حصولِ صحت کا ملکہ اپنی حوصل کو مریض کی اذیت رسانی سے روکیں پس میں نے اسے حالت میں بصلاح اپنے احباب یہ ہی مناسب سمجھا کہ معالجہ ان کا ترک کیا جائے ورنہ اگر ایک روز اور اجزاء مرکبہ ادویہ چٹکی استعمال کیا جائے گا تو جاں بری نہ ہو گی۔ پس منظر مناسب یہ خیال میں آیا کہ اب گرمی لکھنؤ سے تھک چکا ہے اور اب یہاں کسی کا علاج کرنا منظور نہیں، پس قیام لکھنؤ بھی نصراً بیکار ہے۔ لہذا اس بجے رات کی گاڑی میں اپنی صحت سے بے نیل مرام سنبلی کو واپس آ۔ دو مہینے بارہ دار مجھے اتفاق قیام لکھنؤ کا ہوا۔ مصروف بہت پڑے۔ احباب وغیرہ کی گرم خوشی ظاہر ہوئی لیکن مجھ علیہ کو کچھ نفع نہ حاصل ہوا اور جس حسرت کے ساتھ اپنی متناؤں کو پشت بند کیے ہوئے میں وطن کا

خدا کسی آرزو مند کو وہ حالت نصیب نہ کرے۔

۹ مئی ۱۸۹۱ء۔ آج سید علی بہادر صاحب تحصیلدار و جمالپور شاہ صاحب پیشکار و راجہ درگا پر شاہ دراجہ کنور زیند بہادر صاحب قطعہ داران اور بہت سے معزز اشخاص قصبہ ہذا میری عیادت کو گئے حالت دیکھ کر بہت افسوس ظاہر کیا اور تہ دل سے میرے حصول تندرستی کی خدائے لم یزل سے میں اپنے احباب و اکابر و اعزاء و غیرہ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ مجھے نگاہ وقعت سے دیکھتے میری تندرستی کے خواہاں ہیں۔ آج سے میں نے علاج ظہور الحسن طیب میوہل کا شروع کیا۔ نسخہ چنانچہ آتا ہے۔ شاید ملین اجابت کو کچھ اس سے نفع ہو۔

۱۰ مئی ۱۸۹۱ء۔ جس تاریخ سے میں سنبھلا آیا ہوں جملہ اہل قصبہ مجھ سے ایسا بناؤ جیسا کہ میرے ایک کثیر مجمع میری چار پائی کے گرد بیٹھا رہتا ہے جس میں اعلیٰ و ادنیٰ سب قسم کے لوگ شامل ہیں از دیاد ضعف سے آنکھیں بند کیے پڑا رہتا ہوں اور کسی طرح سے ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ پی طویل علالت سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اہل قصبہ مجھے نگاہ محبت سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ بفضل مجھے گرمی موسمی وغیرہ ظاہری کوئی تکلیف نہیں ہے۔ پرے ٹٹی دیکھا آراستہ شدہ کوٹھی میں بیٹھا سے تمام دن راحت سے گزرتا ہے اور شب کو کبھی چھت کے وسیع صحن سے راحت ملتی ہے مگر جسمانی تکلیف نے مجھے ایسا پریشان کر رکھا ہے کہ ان نعمت ہائے موجودہ کا کوئی لطف محظا حال نہیں ہے۔ ۱۵ مئی ۱۸۹۱ء۔ ۱۲ مئی سے میری طبیعت کو سکون ہے۔ اجابت بستہ اوقات معمولی پڑھتی ہے دفنوں کی قدر غذا ابھی ہونے لگی ہے جس کی مقدار شاید آدھ پاؤ سے زائد نہ ہو۔ اگر کسی طور سے طبیعت ہی تو یقیناً کچھ ضعف گھٹے اور قوت اعادہ کرے۔ حکیم ظہور الحسن صاحب جو ارشاد نوکد میں بہت سے امراض پر چار رتی موائید مخلول کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جس سے ایک نوع کی شکل فائدہ مند تصور ہے۔

۱۰ جون ۱۸۹۱ء۔ آج کل میرے مصارف و بایات بسیار بہت بڑھے ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی حد ... غیر خدا افضل فرمائے تو یہ صرف بھیجی نہیں ہے۔ اپنی صحت جسمانی کے لیے آدی کیا کچھ نہیں خرچ ہے مگر میں ایک ایسا مریض ہوں کہ جس کا نام نہ مرض کسی نہج سے ختم نہیں ہوتا۔ دسواں مہینہ میری ہو ہے۔ اگر اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو یوں آئندہ بہتر نظر آتی ہے۔ قوت جسمانی ایسی گھٹ گئی ہے کہ ت و برخواست تکلیف سے ہوتا ہے اور جو تکلیف کہ مرض سے میں برداشت کر رہا ہوں اس کا تحمل

اب نہیں ہو سکتا۔ اگر خود کشتی حرام نہ ہوتی تو شاید ایسی تکلیف سے میں بے گوارا کرتا اور بے آرام اپنی قبر میں سوتا لیکن افسوس ہے کہ یہ فعل میرا بعد میرے حق پر دلالت کرے گا اور شرعاً ایسا کرنا حرام مطلق ہے۔ بد خیال اس کے میں اپنی نیت فارغہ سے باز رہتا ہوں اور اپنے خدا سے دست بردار ہوں کہ وہ مجھ کو مصیبت پر لگاؤ فرما کر یا تو مرض سے مجھے نجات بخشے یا میرا انجام بخیر فرمائے۔

۱۲ جون ۱۸۹۱ء۔ پیچہ پوسٹ سے کل تک استورات پر دھنیں و مردمان خاندان شریف کو بہت سوال کسی کے آگے پھیلا نا کر وہ سمجھتے ہیں مختلف قسم کے کھانے کی تعداد ۲۵ بخش بالمرہ تقسیم کیے۔۔۔۔۔ شاید فقرا انھیں کی دعا سے میری مشکلات کو حل فرمائے یہ مسئلہ سلم ہے کہ خیریت باعث رہتا ہوتی ہے۔

۱۹ جون ۱۸۹۱ء۔ آج ۳ بجے رات سے ۹ بجے صبح تک چھ گھنٹہ تک کامل میرے پیٹ میں بائیں طرف اس قدر شدت سے دودھ ہوا کہ روح کو سخت صدمہ تھا۔۔۔۔۔ بالآخر جب ماش کی روٹی پیٹ پر باندھی گئی تو اس سے محافا قہ ہوا۔ میری کوٹھی تانی اہل محلہ سے سبھی ہوئی تھی جو راہ ہمدردی عیادت کو تشریف لائے تھے اور میرے حال پر متاسف تھے۔ مساعۃ امت النسا درگاہ گنج مراد آباد سے واپس آئیں۔ مولوی فضل رحمان صاحب نے جو آج کل بزرگی و فقیہیت و مقبول بارگاہ لمہ یزل ہوئے میں مشہور آفاق ہیں اور تھائی ہندوستان کے لوگ ان کے حصول بیعت کو دوڑوں سے آتے ہیں، مجھے التجایاں و لوبان بڑھ کر بھیجا اور ایک گزہ گلے میں پہننے کے واسطے بنا دیا اور فرمایا کہ جلد صحت ہو جائے گی۔ دو آدمی ان کی مخالفت میں کچھ پڑھتے ہیں لیکن انکا عمل کچھ موثر نہ ہو گا اور میں بے جگانہ نماز میں ان کی صحت کی دعا مانگتا رہوں گا۔

۲۶ جون ۱۸۹۱ء۔۔۔۔۔ سچ ہے کہ حکیم ظہور الحسن میرے معالج ۲۵ سال کے آدمی ہیں مگر خدا نے ایسی فہم رسا اور ذکاوت ان کو عطا کی ہے کہ میرے مرض صعب ضعف و حرارت جگر و تولید ریا کا علاج بہت سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں جس سے مجھے افادہ متعدد پیدا ہے اور میں اپنے خیال میں کہہ سکتا ہوں کہ لکھنؤ کے نامور اطباء کے برابر ان کی تشخیص ہے بلکہ میں اپنے علاج کی نسبت یہ کہہ سکتا ہوں کہ حکیم عبدالعلی و حکیم عبدالعزیز مشہور و معروف اطباء جو کہ جھوٹائی ٹولہ سے بڑھ کر میرا علاج حکیم ظہور الحسن کر رہے ہیں۔ مجھے خدا کے افضال سے امید پڑتی ہے کہ عجب نہیں کہ حکیم صاحب کے علاج سے نفع کامل حاصل ہو۔۔۔۔۔

۱۱ جولائی ۱۸۹۱ء۔ چونکہ معالجہ حکیم ظہور الحسن : توفیق حسین سے جن کی ملازمت میں نے قبول سندیلہ سے منتقل کرادی ہے میرے عارضہ ضعف و حرارت جگر میں ایسا فائدہ حاصل ہوا اور استعمال

موم بیضہ مرغ سے اس قدر توانائی حاصل ہوئی کہ میں آج علی الصباح واسطے سیر باغات ملک کانٹے گیا۔ پھر مگر کانٹہ ہم الزماں صاحب مرحوم پر عزیزی بشیر الزماں سے ملائی ہوا اور نصف گھنٹہ نشست کے بعد اپنے ان کو لوٹ آیا۔ یہ تھامی مسافت دو گھنٹہ میں یہ سواری نامجان طے ہوئی اور خدا کے فضل و کرم سے کوئی تھکاوٹ کان محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس سیر سے طبیعت کو فرحت حاصل ہوئی۔

بیکہ پھل : ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء۔ جو مضمونی واقعہ ۱۵ فروری ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء کو متعلق برکھ پھل (۱) ستمبر سن الیہ کو شروع ہو گا بموجب رائے پنڈت گوری شنکر ولد گوردیاں (رندیلہ) حوالہ قلم کیا ہے اس کو جہاننگ نے غور کیا تو میری رائے ان کی رائے کے محض خلاف ہے جس کے وجہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) سورج میرے جنم گنن کا صاحب طالع ہے اور وہ اپنے گھر میں بجائے شتم برکھ پھل (۱) ستمبر میں بیٹھا ہے۔ سینہ لگن برکھ پھل کا صاحب طالع ہو کر تحت الشعاع آفتاب میں آ گیا ہے اور اس کی قوت داخل ہو گئی۔ یہ زوال قوت بحق صاحب طالع چنڈاں مضر نہیں ہو سکتا کیوں کہ طالع قوا اعد نجوم اصل مالک طالع آفتاب ہے تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے مضر پہنچا دے۔ (۲) دوسرے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر ستارہ قنن برج ناقص میں اپنے گھر کا مالک ہو کر یا اپنے شرف میں ہو کر پڑے تو اس سے کوئی امید مضر کی نہ کھنا چاہیے اور وہ ہرگز مضر تر رساں نہ ہو گا۔ برخلاف اس کے اگر وہ کسی دوسرے برج میں پڑتا۔ (۳) تیسرے اگر چہ سال مذکور الصدرا کا صاحب طالع سینچ ہے اور بجائے شتم بیٹھا ہے لیکن اس سال کا کھس جی سال کا مالک آفتاب ہے جو کسی طرح اپنی ذات کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۴) چوتھے جہاں تک غلط لیا گیا تو ۱۰ ستمبر کے برکھ پھل میں اقبال جوگ پڑا ہے اور بقاعدہ نجوم اقبال جوگ سولہ جوگوں میں بڑا قبل ہے جس برکھ میں پڑا ہوا ہے اس کے صاحب طالع کو اس سال کے اندر پورے طور سے حصول مقام میں کامیاب کرے تو ایسی حالت میں جو آفتاباںات سینچ و مگل وزہرہ کے بجائے شتم بیٹھے سے تا دیر ہر جولائی کو درج ہوئے ہیں ان کا کوئی اثر بمقابلہ اقبال جوگ موثر نہیں ہو سکتا۔ تاہم جو کچھ منظور فرما ہو جس کا نتیجہ شروع ہونے سال کے ایک مہینہ بعد معلوم ہو گا اور درج کتاب ہذا کیا جائے گا۔

محرم میں ایک مہینہ : ۱۰ اگست ۱۸۹۱ء۔ آج ۵۴ عدد پڑے جن میں گوکھرو دو گوتہ و بعض

میں لکھ دو پٹھا لگا تھا شیخ رفیع الدین ولد مولوی نصیر الدین رئیس دیوانے من جانب ہاشمہ خوں غنی الہیہ برقرار دار ید نبوی علی مدہ قدس سالہ بمقدار چار سیر بدست کلو جہاں کے بھیجے۔ ایسے مراسم جب کہ پہلا عزم بعد شادی کے

پڑتا ہے تو فریقین کی جانب سے ادا ہو کرتے ہیں۔ گھنڈیاں نفرتی کسی بڑھ میں نہیں تھیں۔

۱۳ اگست ۱۸۶۱ء۔ آج پچاس عدد بڑے جو کم خواب ذرا لغت اطلس وغیرہ سے مرتب ہوئے تھے اور ان میں گوٹ لپکا پتھا لگا ہوا تھا بایست کتبچام مولوی نمیر الدین صاحب واسطے البیہ بر نور اقصیہ دیوا کوٹہ بڑھ کم خواب وغیرہ عدد جن میں لپتے دار گھنڈیاں نفرتی لگی تھیں۔ بڑھ گوٹ و لپکا جن میں گھنڈیاں نفرتی دیکر بڑے اطلس وغیرہ کے جن میں گوٹ و لپکا وغیرہ لگا تھا۔ جلد ۵ عدد۔ مسالہ پنج رنگا نمونہ سنی کلاں دس سیر نمبری۔
انڈوں کا استعمال: ۲۳ اگست ۱۸۹۱ء۔ مجھے اس وقت کا زمانہ کبھی فراموش نہ ہو گا کہ میرے

مزاج میں ایسی برودت آگئی ہے کہ اندک سر جویر کا استعمال میرے حق میں مضر ہے اور اس سے اس قدر ریاوار کی تولید ہوتی ہے کہ فارغ ہونا دشوار ہو جاتا ہے اور زردی بیضہ مرغ نیم برشت سے جو دس گیارہ سے کم استعمال نہیں ہوتے کسی نوع کی گرمی محسوس نہیں ہوتی اور چونکہ یہ غذا الطیف اور زود ہضم ہے اس وجہ سے اس کا استعمال میں اپنے حق میں بہت مفید اور ضروری تصور کرتا ہوں۔

وفات خالہ خود: ۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ آج ۶ بجے صبح کو مسماة شرفا والدة منشی فضل حسین علیہ الرحمۃ نے بجاوضہ خمد جو منجر بہ ہیضہ ہو گیا تھا اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ دس بجے تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی اور منشی سید فضل رسول صاحب مرحوم اپنے شوہر کے پہلو میں پچھ جانب مدفون ہوئیں۔ عورتھی اسی سال تھی۔ یہ بی بی نہایت نیک سیرت کنبہ پروردی المزاج تھیں۔ اکثر اپنے اعراس کی پرورش و پرداخت نمونہ رکھتیں بغیر بول کی پوشیدہ اعانت کرتی تھیں اور ایسی خوش نصیب تھیں کہ جب سے ان کا بیاہ ہوا اس گھر میں دولت برسنے لگی۔ آخر عمر میں ان کو اپنے اکلوتے بیٹے کی بے اعتنائی و بے اعتدالیوں کا البتہ طال رہا کرتا تھا۔ میرے ساتھ ان کو ایک محبت خاص تھی اور مثل اپنے بیٹے کے بلکہ بعض موقعوں پر ان سے زیادہ مجھے عزیز رکھتی تھیں۔۔۔۔۔
مجھے انکی مفارقت دائمی کا افسوس سخت لیکن محض مجبوری کہ شریعت ایزدی میں کوئی چارہ نہیں خدا عزوجل رحمت فرمائے آمین۔
۵ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ آج صبح کو سیوم والدة منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار کا کہوہ۔ مجمع عوام نذر تھا۔

بارہ سو بخش طعام واسطے تقسیم برادری و محتاجین کے بخت ہوا جس میں تھلید و قوریہ ملاؤ تھا۔ باعث بانی انظامی تفسیر اچھی نہیں ہوئی۔ اکثر فقرادعاے بد دیے ہوئے عروم گئے۔ پہلے روز پانچ سو بخش کھانا برادرم سید کرامت حسین بھلانجے مرحوم کے دوسرے دن چار سو بخش شمس الدین صاحب دیوار و درو سو بخش سید محمود رضا ولد محسن رضا بھانجے اور پانچ بخش من جانب مولوی علی احمد صاحب (وکیل ہال جیل پور) صدھی

کے بھیجے گئے تھے۔ منشی شمس الدین صاحب کے یہاں کا پلاؤ ناکافی تھا۔ محمود رضا کے یہاں پلاؤ نہ تھا۔ مولوی صاحب کے گھر کھانا اچھا تھا۔ مرحوم کی نواسی سیدنی احمد خلع مولوی صاحب کو بیاہی ہے۔ دوسرے منشی ہنین مولوی صاحب کے دیہات کے منتظم و مختار عام ہیں۔

انڈوں کی قیمت: ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ دروازہ علاوہ غذا معمولی بارہ عدد دردی بیضہ مرغ نیم شربت نہال کرتا ہوں جو بہ عنایت الہی بخوبی مفہم ہو جاتے ہیں اور پھر پیسے کے پانچ انڈے بالفعل خریدے ہو کرتے ہیں۔
دس دشا نہ: ۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء۔ میں اپنی بد قسمتی کا کیا ذکر کروں کہ مجھے ایک دروازہ در دس دس کے کامل نہیں ہوا تھا کہ در دشا نہ وگلو نے مجھے گھیر لیا اور خود آدم اگیا اور اعضاء متصلہ پر ایسا اثر پہنچا کہ گردن و حقیقہ مافوق ہو گئیں۔ غرض کہ اس دروازے نے مجھے ایسی تکلیف دی اور دے رہا ہے کہ ایک کروٹ دوسری کروٹ لینا دشوار ہے۔ باوجود اس قدر تکلیف کے میں اس صورت کو نہایت مدبر استعمال کے تھ برداشت کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جب زمانہ رفع تکلیف کا آئے گا تو یہ شکایت دفع ہاؤے گی۔ گریڈ زاری بیکار محض ہے۔

۱۲ جنوری ۱۸۹۲ء۔ در دشا نہ کی تکلیف بدستور ہے۔ منسل کی ہڈی قریشا ایک پانچ انڈے آتی ہے۔ من کا یہ حال ہے کہ ایک پانچ کر کے میں دس منٹ ہر طرف ہوتے ہیں اور قوت حاصلہ و ثلث زائل ہو گئی۔
۲۱ جنوری ۱۸۹۲ء۔ آج میں نے ایک روغن عجز بہ برادر میری حافظ علی و لہ رحمہ رحمان خاں صاحب نے در دشا نہ میں ملا۔ اس سے اس قدر تخفیف ہوئی کہ میں اپنا دست چپ بلا تکلف سرنگ بلند کر سکتا ہوں۔ نسخہ واسطے استفادہ ناظرین کتاب ہمارا رج ذیل کیا جاتا ہے۔

نسخہ روغن دافع دس دریاچی: لہسن، ایک تولہ، فرنیون، ۳ ماشہ، برگ سداب تازہ۔
تولہ، عقر قرحا، ۳ ماشہ، پیلن، ۳ ماشہ، روغن کنجد یا زیتون۔ پاؤ بھر کل چیزوں کو کوٹ چھان کر روغن ملی میں لے اور جب ایک ثلث رہ جائے اس کو چھان کر مقام مافوق پر مالش کرے۔

پچلیسی: ۱۴ فروری ۱۸۹۲ء۔ میرا تجربہ ہے کہ پچلیسی ایک منخوس کھیل ہے۔ علاوہ تفسیق اوقات اس سے کھیلنے سے نحوست پڑھتی ہے۔ آج کل یہ کھیل... مشغلہ منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار ہے جو بالمرہ کم سے کم پانچ چھ گھنٹے اس میں صرف کرتے ہیں اور اس حالت میں انھیں کسی معاملہ کی بات سننا سخت ناگوار ہوتی ہے۔ اس کھیل کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔ میں اس کھیل کا کبھی عادی نہ تھا بلکہ تائیس سال پہلے میں نے گنجہ و شطرنج

مطلقاً ترک کر دیا جس میں مجھے دستگاہ کامل تھی۔

نسخہ ضعف معدہ ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۸۹۲ء۔ ضعف معدہ کے واسطے اجزائے ذیل بہت مفید ہیں۔
راقم کی بھی ان کے استعمال سے فائدہ ہوا:

”کنوچہ الاچھی خورد، زیرہ سفید، زیرہ سیاہ۔ ان چاروں اجزاء کو ہم وزن لے کر کوٹ چھان کر تین تین کی پٹریاں بنالے اور بعد غذا ایک پٹریا نوش کرے۔ امید کہ شافی مطلق شفا حاصل عطا کرے۔

وجوہ مالیکھولیا وغیرہ ۲۳، ۲۴ مارچ ۱۸۹۲ء۔ مالیکھولیا، خبط ولے خوابی وغیرہ کے کئی سبب ہیں ان میں خاص خاص وجہ یہ ہیں: طبیعت پر زیادہ زور دینا، دوسرے در نش نہ کرنا اور جسم سے کم کام لینا، تیسرے مزاج میں استقلال و عزم کا نہ ہونا، چوتھے خطرناک طریقوں سے کام کرنا، پانچویں دن رات خیال کرنے اور سوچنے کی یہودہ عادت پر چلنا۔

نسخہ ہضم ۳۲ ۲۴، ۲۵ جون ۱۸۹۲ء۔ تجربے سے لکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بوٹھھاں جھین ہوئی بقدر ایک ماشہ و نمک سیاہ ایک ماشہ باہم مخلوط کر کے بعد کھانے آم کے استعمال کرے تو ان کی تحلیل میں کوئی توقف نہ ہوگا۔ کسی ضرر کے بغیر مفہم ہو جائیں گے۔

تحصیلدار سوسور ورمی ۲۶ جولائی ۱۸۹۲ء۔ آج چودھری محمد عظیم صاحب چودھری نصر علی صاحب سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ چودھری محمد رفیع صاحب روسائے قلم مہمان عید طے کی تقریب میں میرے مکان پر تشریف لائے۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے بحالت تخلیہ مجھ سے بیان کیا کہ نوروز علی تحصیلدار سندیلہ نے تمہاری کچھ شکایت کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی سے کی ہے جس کی نسبت صاحب بہادر چودھری صاحب سے دریافت کرتے تھے کہ مظہر علی کچھ کام میونسپل میں غفلت کرتا تھا جس کی وجہ سے تحصیلدار سندیلہ نے کار میونسپل اپنے تعلق کر لیا ہے اور کوشش تحصیلدار سے آمدنی میں اضافہ ہوا۔ جواب اس کے چودھری صاحب نے میری لیاقت و تدقیر کی بہت تعریف کی کہ مظہر علی نے جیسا کام میونسپل کا کیا ہے ویسی لیاقت و مستعدی سے شاید دوسرا نہ کر سکے۔ جواب انجواب میں صاحب بہادر نے فرمایا کہ ہم ضرور مظہر علی کو اچھا جانتے ہیں وہ کام سکڑی سے علیحدہ نہیں ہوا ہے۔ افسوس کہ میری لیاقت و کارگزاری تحصیلدار کے ناگوار طبع ہے۔ اے روشنی طبع تو برین بلا شندی

حدایت نفس خود ۱۳، ۱۴ اگست ۱۸۹۲ء۔ بغرض تعلیم و ہدایت خود میں نے نصیحت ذیل چودھری

عبدالباقی صاحب نمبردار سے بخط جلی لکھوا کر اور واحد طین ساز سے شیشہ و طین سے مرتبہ و آراستہ کر کے اپنی نشست کی دیوار کے محاذ میں آویزاں کی تاکہ وہ مجھے ناصح رہے کہ کوئی بات غیر مہذب زبان سے نہ نکالوں۔
”سوچ سمجھ کر بات کرو کہ لہشیاں نہ ہو“

پوتے کا نام: ۲۸ اگست ۱۸۹۲ء۔ آج رات کو مولود نور علی محمد جتئی علی بقاعدہ نجوم میں نے متب کیا۔ نشست ستاروں کی بہت اچھی ہے۔ دوشرف میں ایک اپنے گھر کا اور ایک خانہ مسرت میں ہے۔ خدا اس کو زندہ رکھے۔ وہ ایک ہونہار لڑکا ہوگا۔ بعد غور کامل اس کا نام میں نے ستر حین رکھا۔ اس کا کوئی آدمی قبضہ ہذا میں نہیں ہے۔ ایک غلطی مشورہ: ۱۴ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ اگر انسان اپنی صحت چاہے تو نصف مہینہ مجاہدوں سے شروع کا تاکہ تک بلا بھوک ہرگز غذا نہ کرے ورنہ بالفرد کوئی نہ کوئی تغیر پیدا ہوگا۔ یوں تو ہمیشہ احتیاط لازمی ہے۔ یہ نصیحت بڑے تجربہ کے بعد درج ہوئی۔

شناخت ہیرو: ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ ۱۔ کارڈ یا اس قسم کا کوئی دبیر کا غذا کھلاڑے کر سوتی سے اس میں ایک سوراخ کرو اور ہیرے کو آنکھوں کے سامنے لاکر اسی کی راہ سے سوراخ کو دیکھو۔ اگر ہیرا جھوٹا ہے تو دو سوراخ اور اگر سچا ہے تو ایک سوراخ دکھائی دے گا ۲۔ انگلی پر ہیرا رکھ کر اس کے ذریعے انگلی کے سات پر نکاہ کرو۔ اگر ہیرا سچا ہے تو جلد کے مسامات کچھ کچھ میز ہوں گے۔ صاف نہیں دکھلائی دیں گے اور اگر ہیرا نقلی ہوگا تو بہت مختار و شفا دکھلائی دیں گے ۳۔ ہیرے کا ٹک انگلی کی طرح اٹھو تو اس طرح پر شناخت ہو سکتی ہے کہ اگر نگینہ اصلی ہے کہ ٹوٹا ٹک کبھی نہیں دکھلائی دے گی اور اگر نقلی ہیرا ہے تو صاف دکھلائی دے گی۔

تجربہ کارسی: ۹ نومبر ۱۸۹۲ء۔ تجربہ کار کا لفظ اسی شخص کی نسبت استعمال ہونا چاہیے جس نے اولاً ہر چیز کو بہ نظر غور دیکھا ہو اور بطور خود اس کی نسبت پوری فکر کی ہو، دوم کتابوں کی سیر بہ نظر تعمق کر چکا ہو، سوم ہم عصر لوگوں کی تحریرات کو جو کسی امر خاص کی بابت ہوں غور کیا ہو۔ تجربہ کار کی کچھ اس بات سے متعلق نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہوگی ہو اور وہ ان فضائل سے بے بہرہ ہو۔ اگر جوان آدمی میں ایسے خصال ماحصل ہوں تو وہ بھی تجربہ کار کے شمار میں آ سکتا ہے۔ جو شخص بلا واقف کاری بلا بلاغ مشورت کے کوئی کام کرے گا وہ ہمیشہ غلطی میں پڑے گا۔

سوانح عمری خود: ۱۲ نومبر ۱۸۹۲ء۔ آج میں نے اپنی سوانح عمری لکھنا شروع کی جس کو چودہ فصلوں میں منقسم کیا ہے اور ایک فصل میں اپنے حالات مفصل لکھنا چاہتا ہوں۔ خدا سے امید ہے کہ اس کی

تکمیل پورہ امن فرمائے (یہ سوانح عمری ۱۸۹۳ء میں کوئٹہ پریس سنڈیلہ سے شائع ہوئی تھی۔ ہاشمی) یکم دسمبر ۱۸۹۲ء تاج صحیح کو کنور دنگا پرشاد صاحب تعلقہ داریری طاقات کو تشریف لائے اور مجھے اپنی سوانح عمری لکھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ آپ ایک نہایت عمدہ و قابل یادگار کام کر رہے ہیں جو اب اور اترہ بدرجہ غایت کا رآمد ہوگا کیوں کہ تعنیفات سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ درجہ کی یادگار دنیا میں نہیں ہو سکتی اور جب اس کام کو انجام دے چکیں تو نہایت بہتر ہوگا کہ اس کو طبع کرادیں جو باعث آپ کی کمال یادگار کے ہوگی اور چونکہ میں اپنا ذاتی طبع سنڈیلہ میں جاری کرنے والا ہوں پس اس میں یہ کتاب بہت آسانی سے طبع ہو جائیگی میں نے راجہ صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے مجھے نہایت نیک صلاح دی۔

معاشی تردد : ۲۰ دسمبر ۱۸۹۲ء میرے مصارف کو روز بروز ترقی ہے حتیٰ کہ سال گزشتہ میں تین سو پینتالیس روپے کا صرف پڑا خرید ہوا۔ اور دیگر مصارف لابی علاوہ برائے۔ اگرچہ میں فکر نہایت ہوں لیکن اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے جب تک کہ فضل ایزدی شامل حال نہ ہو۔ پس اس کی نگاہ میں دست بردار ہوں کہ جیسی میری حیثیت و عزت بڑھاتی ہے اپنے حبیب کے صدقہ سے تاحیات میری دوسری کار آبرو و منزلت برقرار و قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

طالیان : ۲۱ دسمبر ۱۸۹۲ء چونکہ کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی بڑا دلون بمقام "جھریہ" مزد یعنی گنج علاقہ چودھری محمد عظیم صاحب میں متائیں گے اور اسی روز عمو ماکل رؤسا وغیرہ طالیان حسب حیثیت خود ہا پیش کریں گے۔ لہذا مجھے بھی واجب ہوا کہ جس طور سے ممکن ہو ڈالی لے کر ۲۵ دسمبر کو "جھریہ" پہنچوں۔ پس برادر مفتی سید فضل حسین صاحب سے یہ طے ہوا کہ ہم دونوں ۲۳ دسمبر کی شام کو سنڈیلہ سے بذریعہ ریل چونسہ پہنچیں اور بعد قیام شب صبح کو بہ سواری پالکی جا کر بعد طاقات صاحب ضلع طالیان پیش کریں جس کا سامان لکھنؤ سے میں نے منگایا ہے۔

مسال نو : یکم جنوری ۱۸۹۳ء۔ آج سے ۱۸۹۳ء کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۲ء عموماً بہت سخت گزرا۔ سو میں شاید پانچ ہی شخص خوش حال و بے فکر رہے ہوں۔ انواع اقسام کے حادثات پیش آئے۔ ناموں انگلستان و ہندوستان وغیرہ کے اس جہاں سے گزر گئے۔ میں بھی علالت جان فرسا درد قویخ وغیرہ میں سخت مبتلا رہا اور ترددات انواع و اقسام کے علاوہ برائے تھے۔ دیکھا چاہیے کہ یہ ۱۸۹۳ء کیسا گزرا ہے۔ محمد کے کل لڑکوں میں بلکہ شاید سنڈیلہ میں کرامت علی خلع شیخ سلامت علی صاحب مرحوم کا سر سب

ٹا ہے اور آدمی بھی خوش فہم تر طبع و سعید ہیں۔ عجب نہیں کہ یہ صفات ایک روزانہ کو مرتبہ اصلی پر پہنچا دیں اور مثل بھی ہندی شہور ہے کہ سر بڑا سر دار کا۔

موسا وٹی خاصہ: ۱۳ مارچ ۱۸۹۳ء۔ میرے خاندان کا یہ موروثی خاصہ ہے کہ ابتداءً تعلیم و تعلم کا مزد شغل رہتا ہے۔ بعد وہ چاہے جیسا معزز عہدہ حاصل کرے۔ چنانچہ میں اپنے چہم مدین پشتون کا ذکر کرتا ہوں کہ میرے جد امجد مولوی سیالپنشن صاحب مرحوم نے مدت تک پیشہ معلمی کا کیا اور میرے والد ماجد مولوی سید مظفر علی صاحب مرحوم ایک عرصہ تک مدرس اول مدرسہ ریاست جو دھ پور رہے۔ بعد سندیلہ میں بھی بعد عذر اس شغل کو جائز رکھا۔ ابتداءً راقم بھی مدرس مدرسہ سندیلہ مقرر ہوا جس کو ساٹھ چار سال تک انجام دیا۔ اس کے بعد نوکری ریلوے وغیرہ کی حاصل کی۔ برنور دار مصطفیٰ علی آج کل مدرس اول مدرسہ انگریزی میں جس خدمت کو اپریل ۱۸۹۱ء سے انجام دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ ان کا مقد ر کب یاوری کرتا ہے کہ کوئی بڑا عہدہ مستقل طور پر حاصل کریں۔

کھٹھل و مچھو: ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء۔ آج میں چار بجے شام کی ریل میں ہر دوئی گیا۔۔۔۔۔ شیخ رعایت حسین صاحب وکیل کے مکان پر ٹھہرا لیکن جو چار بائی نواڑ کی میرے واسطے بھجائی گئی تھی اس میں اس قدر کھٹھل تھے کہ تمام رات مجھے ان کے چھنے اور گھٹنے شمار کرنے میں گزری اور کوئی وقت پلک خواب راحت سے آشنا نہیں ہوئی اور اس پر طرۃ یہ تھا کہ پھر دوں کی فوج نے ایسے پیہم دھاوے کرنا شروع کیے کہ اگر کوئی منٹ کھٹھل کی نیش زنی سے نجات بھی ملتی تو ان کی سوزش سے جین نہیں ملتا تھا حتیٰ کہ تمام بدن میں درد بڑھنے لگا۔ عرض خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور میں نماز کو اٹھا۔ یہ رات میرے حق میں سخت تکلیف کی تھی جو شاید کبھی فراموش نہ ہو۔

سل شنی اصلہ: ۱۰ اپریل ۱۸۹۳ء۔ کل شنی غیر حوالی اصلہ۔ اس مسئلہ کا جہاں تک تجربہ و امتحان ہوا تو بہت درست و صحیح قرار پایا۔ ہر شے کو ضرور اصل کی طرف رجحان ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اگر انسان پر قیاس کیا جاوے تو اس کی بھی بالاک و کاست وہی حالت دیکھی گئی جس سے اس کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر کوئی شخص قوم رذیل سے تعلیم دیا جاوے تو کو تحصیل علوم سے اس کی عقل و دماغ میں روشن ضمیری ضرور پیدا ہو جائے گی لیکن اس کی عادات میں کچھ ثمرہ اس کی اصلیت کا بلا توقف ضرور پایا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی خاد کے فرزند کو تعلیم دے کر لیاقت حاصل کرائی جاوے اور اگرچہ وہ کسی شریف کے لفظ سے بھو

ہو تو بھی اس کی خوب میں کچھ نہ کچھ اس کی ماں کا اثر پیدا ہو گا اور بوسے وفاداری معذور ہوگی۔ یہ شعر اسٹافروسی کا ایسے محل پر نہایت درجہ جادوئی آتا ہے۔
پرستار زادہ نہ آید بکار اگرچہ بلو زادہ شہر یار
پس اسی طور سے میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو....

اشعار حافظ : ۱۲ اپریل ۱۸۹۲ء..... جب تحصیل دار نے دکھا کر اس کارروائی میں نسیل نہایت صاف و پاک ہوں اور جو کام میرے عہد میں ہوئے وہ نہایت نیک نیتی کے ساتھ ہوئے اور کسی قسم کا تغلب کوئی شخص نہ کرنے پایا اور ملازمین میں نسیل پر میرا کامل دباؤ تھا لہذا جس بیج سے انھوں نے کچی ہائے گو لک (اکثر انی) بموجوب تجربہ ۱۸ مارچ ۱۸۹۲ء کے مجھے رنگائی تھیں۔ اسی طور سے آج مجھے بھیج دیں کریں کام منقطع سابقہ کو بحیثیت سگریٹری میں نسیل کے انجام دیا اس ہدف پر مجھے بعض اشعار حافظ شیرازی عبد الرحمن کامل تصدیق ہوتی ہے جو سال گزشتہ میں بحالت تردد بوقت معائنہ فال کے بتا دیے تھے۔ شعر

بدان مثل کہ شب بہ بستان آمدہ است یوز سارہ می شرم تا کہ شب چہ زاید باز
ز لوح بادیہ دل بدکن بہ بند احرام کرم دراہ نیاندیش دا ز شیب و فراز
بیا کہ بلبل مطبوع خاطر م حافظ بہ بوسے گلشن وصل تو می سرا بد باز

دانتوں کی حفاظت : ۱۵ اپریل ۱۸۹۲ء جس شخص کو اپنے دانت ملت تک قائم رکھنا مقصود ہے اسے پان خوری کا استعمال کم اور خلل کی عادت نہ کرے ورنہ میرا تجربہ ہے کہ چونامسوڑھوں کو کاٹ دیتا ہے اور خلل کرتے کرتے دانتوں کے درمیان فرق پیدا ہو جاتا ہے جس سے چند روز میں انھیں جنبش ہونے لگتی ہے اور بالآخر گر جاتے ہیں اور انسان روٹی و دیگر کھانڈ دنیوی سے محروم ہو جاتا ہے۔

قسم کھانا : ۱۶ جون ۱۸۹۲ء جب میں کم سن تھا مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۸۵۶ء سے قسم کھانا جیسا اس کا آج کل ضرورت بلحاظ ضرورت عام رواج ہے مطلقاً ترک کر دیا تھا اور کبھی سہواً اس کا اتفاق نہیں ہوتا ہے اور میں بہت غور جانتا ہوں کہ لوگ معمولی بات چیت میں بلا ضرورت اس کے عادی ہیں جس سے ان کی بے اعتباری تصور ہے اور جب کبھی کسی عدالت میں اتفاق انا سے شہادت کا ہوتا ہے تو وہاں بھی انھیں الفاظ کا استعمال کرتا ہوں کہ اپنے علم و یقین سے سچ کہوں گا جھوٹ نہ کہوں گا۔

دعوت اشبہ : ۱۷ جولائی ۱۸۹۳ء۔ آج میں نے اپنے اعراض خاص کو طلب کر کے عونا قلمی و تحریری آم نوش

کرائے جن کے نام ذیل میں ہیں۔

فرزید سید ظہیر علی، عزیز سید حافظ علی ولد ماجد علی صاحب، مولوی خلیل الدین ولد بیگمیاں،
علی قاضی ابوالحسن ولد قاضی اقدار علی، عوض علی خلیف سید حسین علی (موم) برنورداران سید مصطفیٰ
اور منظم حسین، محمد زبیر محمد شعیب و محمد فیروز محمد صعیب فرزندان برادر سید نذر علی۔

جی وارث علی: ۲۵ جولائی ۱۸۹۳ء۔ آج بہتر تیب آمد ایڈمنسٹریٹری صاحب کشر گھنوں بوقت
شن ریلوے پر گیا صاحب تو تشریف نہیں لائے لیکن حاجی وارث علی شاہ صاحب ساکن دیوانے
ملازمت حاصل ہوئی۔ بعد مصالحہ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ کہا کہ ان کی ذات سید علی ہت
اپنے اور سرخ فہم الزماں کے خاندان میں یہ بہت عمدہ آدمی ہیں اور ہم سے ان کا تعلق
بہر کمیری میٹھ پر دست شفقت پھیرا اور بخوشی رخصت کیا۔ مجھے نیکون نیک حاصل ہوئے
جی اور اپنے خدائے پاک سے امید کرتا ہوں کہ سیر اطال بعینہ انیک مبدل بہ راحت ہو۔ آمین۔
س بلغ وکنوا: ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۳ء۔ جو باغ وکنواں میں نے لب سڑک ہتیاہرن کی سرحد شمالی
کے بنوایا ہے اس راستہ سے ہزاروں جاتری کی ہر چار جانب آمد و شد رہتی ہے۔ چونکہ کل اتوار
نے بذریعہ چھتا سنگہ نمبر دار موقع مذکور کے کنویں پر ایک برہمن مقرر کر دیا اور اس کو ایک بوٹا
یا تاکہ راہ گروں کو پانی ملاوے۔ چنانچہ اس کارروائی سے کل کنویں پر بڑا مجمع رہا اور برہمن
اکے ساتھ سب کو پانی ملایا۔ اس وجہ سے میری نیک نافی کی بڑی شہرت ہوئی۔۔۔ چونکہ ایک
مار دو وہندی کنویں پر لگی ہے کہ یہاں تشریف لائے اب شیریں و عمدہ موجود ہے یہ تحریر
ساکو بہت کشش کرتی ہے۔ اگر چند سال تک ایسی ہی کشش رہی تو میں امید کرتا ہوں کہ
می وہاں ٹھہرنے لگے کیوں کہ وہاں سے دو کوس کے فاصلہ تک کہیں عمدہ پانی نہیں ملتا ہے۔
جرت فی اتوار تین آدہ قرار پائی۔

باق کیلئے: ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۳ء۔ آج میں صبح کے آٹھ بجے دفعتاً عارضہ ہی میں مبتلا ہو گیا۔
اخبار ش ہو گئی جس کی کیف سے بخار آگیا اور غلہ ہار نہ کر سکا۔ عرق کدک کے استعمال سے افادہ
عارضہ کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوا۔

ملاقات کمشنر وغیرہ: ۲ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج آٹھ بجے صبح کو سڑک ایڈمس صاحب کشر
ملاقات کی۔ حالات خاندانی استفسار فرمائے۔ میں نے کہا کہ مخدوم سید علاء الدین قدس اللہ فر

کی اولاد میں ہوں جو سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں شہر واسطہ سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اور جن کے نام کا مخدوم پورہ ہنوز بحیثیت معافی دہائی عہد شاہی کے ہم لگوں کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔

کرنل کوٹن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی سے آج بار دیگر ملاقات کی اور جو باتیں کمشنر صاحب سے ہوئی تھیں ان کا اعادہ کیا میں نے یہ بھی کہا کہ مجھے کام میں نیسل و آنزیری بمبڑی سے فرصت قلیل رہتی ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ عدالت سیشن کی حاضری سے بحیثیت ایسیر کے معاف کیا جاؤں۔ فرمایا کہ درخواست دو ہم حسب خواہش کارروائی کر دیں گے۔ مجھ سے فرمائش کی کہ ایک جوڑا گولڈ فینچ جس کو اردو میں سہرا کہتے ہیں اور ایک مادہ گوبلاداکھنڈو وغیرہ سے تلاش کر کے منگواؤ کہ سرد موسم میں یہ چڑیاں ملتی ہیں اور تجھ کو ہرندوں کا شوق بہت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں ضرور کوشش کر کے ان کو منگواؤں گا۔

خوبیہ اسری کتب : ۱۰ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج میں نے مطبع منشی نوکشنور لکھنؤ سے حسب ذیل کتابیں منگوائیں۔
اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیاے سعادت در روپے چار آنہ، دیوان حافظ محشی بارہ آنہ، مجموعہ کتب فیس منی آرڈر دس آنہ، جلد ۳ روپے دس آنے۔

گھوڑہ چر دیماسا : ۱۳ نومبر ۱۸۹۳ء۔ ہر ج کل علاوہ غلجیان مقدمات متاثرہ کے میں تشویشات بیماری میں بھی سخت غلطان و سپیاں رہتا ہوں۔ کوئی وقت ان سے جدا نہیں ہوتی۔ اول تو مجھے تیرہ روز گزشتہ سے برابر دورہ اجابت بلین کا ہوتا ہے جس سے مجھے ضعف ہو گیا ہوں اور ہنوز کوئی افادہ نہیں۔ دوسرے نور چشم مصطفیٰ علی خاتم اکبر پھوڑہ ہائے زیر بغل میں مبتلا ہیں جس سے حرارت لاحق نہ ہتی ہے اور استعمال منہج کا ہوتا ہے۔ تیسرے نور چشم محبتی علی خلع دوئم کی تحریر ۱۱ نومبر سن الیہ مقام کا پورے واضح ہوا کہ وہ غارشت سخت میں مبتلا ہیں اور چند پھوڑے ایسے برآمد ہوئے کہ مدرسہ تک جانا دشوار ہے۔ چوتھے نور چشم انصاری زکام و بخار میں بمقام لکھنؤ مبتلا ہیں کہ کالج تک نہیں جاسکتے۔ پانچواں برخور دار قاضی علی حرات در در میں بمقام لکھنؤ اور چھٹا نور چشم التعمان آباد دفات فرزند کے بخار شدید میں مبتلا ہیں بلکہ اس وقت کیفیت بے ہوشی کی پیدا ہے۔ ساتواں اہلخانہ برخور دار مصطفیٰ علی ضیق النفس میں۔ نور دیدہ منظم حرات و اسہال میں نور العین فرخ حسین عارضہ غارشت و مستقر غ میں۔ غرض ان دنوں میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ خدا رحم کرے۔ آمین

استعمال چلے : ۱۸ دسمبر ۱۹۳ء۔ چونکہ استعمال چلے کا تحلیل ریاح کے واسطے مفید اور

ہوتا ہے لہذا زمانہ بارش سے میں بالترہ علی الصباح اس کا استعمال کرتا ہوں جس میں تین عدد بادام گھسے ہوئے اور ایک تولہ بالائی اور ایک ماشہ بادیان خطائی پڑتا ہے۔

منشی شمس الدین: یکم جنوری ۱۸۹۳ء۔ آج منشی عبدالعظیم صاحب باقی نویں تحصیل سندھ سے جو نہایت درجہ محترم و شیر باونور و زلی تحصیلدار کے ہیں معلوم ہوا بلکہ انھوں نے حلفیہ بیان کیا کہ تحصیلدار سے آپ کی نمائندگی کے باعث جناب منشی شمس الدین احمد صاحب مرحوم تھے کہ جنھوں نے بحالت تخیل تحصیلدار سے بیان کیا تھا کہ ”منظر علی“ تھے آدمی نہیں ہیں۔ ان سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کو اغیات ایمپول میں خود سری کے نہ دینا چاہیے بلکہ ہمیشہ اپنے زیر حکومت رکھنا چاہیے ورنہ تم کو فریب پہنچے گا؟ اسی وجہ سے تحصیلدار مجھ سے بہت کشیدہ رہا کرتے تھے اور میرے فعل کو نگاہ حقارت سے دیکھتے تھے بلکہ اسی زمانے میں میرے خلاف رپورٹ اخفاے لگان کی صدر کو بھیجی تھی جس کی وجہ سے آج تک پریشانی میں مبتلا ہوں۔ چونکہ ہمارے بزرگوار شمس الدین صاحب اور تحصیلدار سے منسلک میری کے روابط تھے اور تحصیلدار ان کو بہت نیک صفات اور مقدس سمجھتے تھے اس وجہ سے ان کی شکایت کا پورا اثر میری نسبت ہوا حالانکہ بعد تجربہ کامل اب تحصیلدار کے دل سے ویسے خیالات میری نسبت باقی نہیں رہے تھے اور مجھے اچھا سمجھنے لگے تھے۔ افسوس کہ ایک مقدس بزرگ سے بعض بھلائی و مہربودی کے بیٹروہ حاصل ہوا۔

حاجی وائٹ علی شاہ: ۲۴ فروری ۱۸۹۳ء۔ آج ۷ بجے صبح میں نے شرف ملازمت جناب علی وارث علی شاہ صاحب کی حاصل کی۔ بہت مہربانی سے پیش آئے اور سر دفتر تعلیم کے کمرچہ سے معائنہ کیا اور ضروری بات چیت فرمائی۔ کل چونکہ بلوریتا حیرت مجھے لاکھلا بھیجا تھا اس وجہ سے مجھے فرض ہوا کہ حصول زیارت شرف ہوگی۔ عید الفطر: ۹ مارچ ۱۸۹۴ء۔ ۲۰ شوال ۱۳۱۱ھ۔ آج چودھری حسن جاں خلف چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار و فروع علی ولد چودھری نعمت علی حناں بہار چودھری محمد عظیم صاحب و میر محمد عوض صاحب رؤسائے مہتمدانہ و جد علی خاں بلوچ اشرف ٹولہ مجھ سے عید ملنے آئے۔ چودھری صاحب آٹالہ کمرچہ سے دیر تک ہر قسم کی بات چیت کرتے رہے اور چونکہ میں نے ان کی بہ عہد باونور و زلی تحصیلدار سندیلہ ہر قسم کی مدد کی تھی اس وجہ سے اکثر باتوں میں ان کی رضامندی میری نسبت ظاہر ہوئی۔

قانونی کتب: ۱۷ اپریل ۱۸۹۴ء۔ چونکہ اس زمانے میں بدوین واقفیت قانون کوئی شخص لائق تصور نہیں کیا جاتا ہے اس وجہ سے میں نے ایک سو برس کے قوانین غیر منسوخ نہ اپنے کتب خانہ میں فراہم کر لیے

میں اور ہر سال ایک جلد خلاصہ نظر فرموا رہی ہائی کورٹ الہ آباد مدراس ہائی کورٹ بمبئی کے سرکاری چھاپہ خانوں سے منگاتا رہتا ہوں کہ بروقت ضرورت مجھے کہیں سے مستعار منگانے کی حاجت نہ پڑے اور لوگ اپنی رفعت کے مجھ سے خواہش مند ہوں۔ مجھے اپنی اولاد نیک اطوار سے امید ہے کہ اس رسالہ کو بحفاظت رکھیں گے اور وقتاً فوقتاً قوانین جدید اپنے کتب خانہ میں اکٹھا کرتے رہیں گے۔

سراجہ > سرگاپور شاہ: ۲۴ اپریل ۱۸۹۲ء۔ آج راجہ درگاپر شاہ صاحب رئیس سنیلی میری ملاقات کو تشریف لائے اور میری کتاب سوانح عمری کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ نے عبارت بہت لطیف لکھی ہے جو دھری حافظ شوکت علی صاحب کی عبارت سوانح عمری سے بہت عمدہ ہے۔

قول سعدی: ۱۱ مئی ۱۸۹۲ء۔ کس نیا موخت علم تیر از من : کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد
یہ قول حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا بہت صحیح و درست ہے اور جہاں ناکہ میں نے تجزیہ کیا یہ مثل میرے حق میں بہت صادق آتی ہے۔ میں اپنے تجربہ سے لکھتا ہوں کہ جس شخص کے ساتھ میں نے سلوکیات کیے اور اس کی بیہودی کا باعث ہوا بالآخر اس سے ضرور میری ذات مال کو ضرر پہنچا جس کی چند مثالیں حوالہ قلم کرتا ہوں....
تحسین: ۲۲ مئی ۱۸۹۲ء۔ آج مرزا یعقوب حسین صاحب تحصیلدار کے مکان پر منشی سید یونس صاحب حاکم بندہ و بست تحصیل سندیلہ سے ملاقات ہوئی۔ تحصیلدار صاحب نے میرا پٹھی صاحب سے تعارف کرایا کہ یہ صاحب رئیس سندیلہ نہایت لائق اور وقت کے فلاسفر ہیں۔ کوئی وقت ان کا فضل و ایمان کا مرکز نہیں ہوا مگر ان کی طرف بہت کچھ ہے۔ آنریری جج ٹریٹی کا کام مثل تنخواہ دار مجسٹریٹ کے بہت استعدادی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

مصطفیٰ علی: ۱۰ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ آج ایک پوسٹ کارڈ محرمہ ۸ ستمبر سن الیہ مرسلہ عبداللہ صاحب فرنگی علی لکھنؤ بہتم مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور بھواب خط راقم شعر میں مضمون موصول ہوا کہ برنور دارم سید مصطفیٰ علی مدرسہ سکورہ میں علم عربی حاصل کر رہے ہیں۔ دو کتابیں ختم کر چکے ہیں۔ ان کا قصد ہے کہ بذریعہ اس کے علم طب کا کھل کرے اور ایک مہرہ ماسٹری بھی ان کو مل گیا ہے۔ جو فیصل ان کے مصارف کا ہے۔ بفضل وہ مولوی حافظ محمد علی صاحب وکیل کے مکان پر رہتے ہیں۔ یہ خبر معلوم کر کے بدرجہ غایت خوشی ہوئی جو ان کی معقودی سے ایک مہینہ بیس یوم کے بعد سلامت میں آئی۔ میں نے اپنے اعزہ و احباب کو فوراً خطوط لکھے کہ جو اس کے منتظر تھے اور میں نے مولوی صاحب کو شکریہ لکھ بھیجا۔ برنور دار مصطفیٰ علی کو لکھا کہ تہا ری

یہ معلوم کر کے جی خوش ہوا۔ تم کو حسب خواہش خود تحصیل علم کا اختیار ہے میں مانع نہیں ہوں۔ اگر ضرورت پڑے گی تو میں بھیج دوں۔ تم اپنی خیریت سے مطلع کرو کہ مجھے اور دوسروں کو طمانیت حاصل ہو۔

۲۱ اکتوبر ۱۸۹۶ء۔ جو خطوط برخور دار مصطفیٰ عمرہ ۱۲، ۱۵، ۱۶ اکتوبر کو بھیجوائے گئے تھے ان کا درجہ نتیجہ نکلا کہ شب گزشتہ کو رنخور دار موصوفہ بلند مقفودہ الجبزی بخیریت تمام باز پس سند لیہ آئے اور ان والدہ نے باطنہا مستر آج بڑی جمع کی اور ڈوڈو لڑکھن پڑھوایا۔ اس جھوٹی سی تقریب میں ۱۵ روپے خرچ ہوئے۔ بابا زری ورجیالاک: ۱۶ دسمبر ۱۸۹۶ء۔ آج کل گردش زمانہ کچھ چالاک کا ذب و دغا باز آدمیوں کے موافق رہی ہے۔ میں تجربہ کھتا ہوں کہ لوگ جھوٹ و دغا بازی سے براہ چالاک کوئی فعل کرتے ہیں تو ان کو ہر طرح کا مایابی ہوتی ہے۔ بالفعل یہ امر میرے مشاہدہ میں آئے ہیں کہ ایک شخص اپنے آقا کی حضور میں اس قدر کھینچا کہ گویا بادشاہ وقت وہی ہیں لیکن جب علیحدگی ہوتی ہے تو کوئی دقیقہ مدت حضرت آقا کا اٹھانا نہیں مٹا۔ وہ بخوش حالی کر رہا ہے اور جو لوگ نہایت راست بازاری ایمان داری اور نیک نیتی سے چل رہے ہوں۔ بعد تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہیں۔ یہ محض زمانہ کی خوبی ہے ورنہ میں ہمیشہ نیک روشی کا انجاء خوش دیکھتا ہوں اور میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ایمان داری و نیک نیتی ضرور اپنا ثمرہ نیک دکھا دے گی اور بد رفتاری بیشذلت و خواری میں مبتلا رہے گی۔

سوانح عمری خود: ۲۱ مایچ ۱۸۹۵ء۔ چونکہ کتاب سوانح عمری راقم بشمول تقریظ و شجرہ وغیرہ بینہ جڑوں میں چھپی لہذا کل اجرت مطبع کوئن پریس سند لیہ ایک سو تہتر روپے چودہ آنہ نوپائی قرار پائی اور بدجرائی وصول سابقہ میں نے رقم بقیہ اڑتیس روپے بارہ آنہ نوپائی مطبع کوئن کو آج بھیج دی۔ اب بقیہ باقی نہیں رہا۔ انہ: ۱۳ جون ۱۸۹۵ء۔ جو تجربہ مجھے استعمال انہ بہت مفید ثابت ہوا اور اس کے فہم کے واسطے سنا مشہور نسخہ اور اسی قدر نیک سیاہ بہت فائدہ بخش ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ انہ کے استعمال سے میری زانیہ کو ترقی ہوتی جاتی ہے علی الخصوص پتلے دس گانھی شیریں آم زیادہ تر مفید ہے۔

آسم کی مشاخص: ۱۰ جولائی ۱۸۹۵ء۔ اگر تم چاہو تو تمہارے انب کے درخت ہر سال بار آور ہوں تو ہر سال بور آنے کے پہلے کم زور شاخوں کے پتے توڑ کر چھینک دو کہ بجائے بور آنے کے وہ میں نئے نئے گلے نکلیں۔ نئی شاخیں دوسرے برس پھولتی اور پھل لاتی ہیں۔

متعلق سوانح عمری: ۲ اگست ۱۸۹۵ء۔ آج پوسٹ کارڈ مورخہ ۲۶ اگست مرگم محمد علی خاں طیب

میل پیل ہر دینی شعریہ مضمون موصول ہوا کہ شیخ ولایت علی ولد لائے علی اثرات لولہ زید ایک مضمون متعلقہ تردید بعض صفحات سوانح عمری آپ کی میرے مطبع میں طبع کرنا چاہتے ہیں چونکہ میں آپ کا نیاز مند ہوں اس لیے میرا فرض ہے کہ میں آپ سے اس کے چھاپنے کی اجازت حاصل کروں۔ بحواب اس کے میں نے لکھ بھیجا کہ اپنی کتاب سوانح عمری میں کل واقعات میں نے سچے لکھے ہیں۔ اگر شیخ ولایت علی کوئی لکھی تردید بھیجواؤں گے جس کا مضمون میرے خلاف ہوگا یا اس سے کسی قسم کی اہانت تصور ہوئی تو شاید میں اس کی طوالت میں ہرگز درمخ نہ کروں گا اور بلا ارجاع ہاش باز نہ رہوں گا۔ اگر آپ ایک نقل اس کی قبل طبع مجھے لطف فرما دیں تو باعث مشکوری ہوگا یہ بھی شان خلاف ہے کہ جس کو میں نے اپنا موقع مونی دے کر صاحب ریاست کر دیا اور عزت پیدا کرنے کا باعث ہوا اور کل مطالب اپنا اس وقت تک وصول نہیں کیا وہ اپنی اصلاح کو چھوڑ کر مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ پرچہ ہے کہ کم ظرفوں کے ساتھ چاہے جس قدر سلوک کیا جائے لیکن وہ اپنی اہلیت کی جانب بدون رجوع کیے باز نہیں رہتے۔ مثل مشہور ہے کاشیٰ یرجع الی اصلہ

صبح کی ورزش : ۲۷ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ صبح کی ورزش و پیادہ تفریح سے میری تندرستی کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے طبیعت لباشاش چست و چاق رہتی ہے۔ غذا نہا رنخواہش ہوتی ہے اور کسی کام سے جی نہیں گھبراتا۔ یہ تفریح بیرون قصبہ کم از کم ایک گھنٹہ ہوتی ہے۔

محنت : ۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ میں خود ہی اپنی ذات سے تمام اوقات مصروف رہتا ہوں۔ حتیٰ کہ سوائے رات کے نصف تک چار پائی پر نہیں لیٹتا اور زیادتی محنت سے بوقت شب دماغ جلنے لگتا ہے لیکن باوصف ان سب باتوں کے میں نکلہ کا اپنے آرام پر قدم ٹھوکر تا ہوں غلامی اولاد کو کبھی ہی ہدایت کیے ۶ نومبر ۱۸۹۵ء۔ ملک ہسپانیہ میں ایک مثل ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور ہتھوڑے کو کبھی لوہے پر مارنے رہو ورنہ صرف دعا لگنے سے لوہا کبھی نرم نہیں ہو سکتا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ مطالبی اس مثل کے میرا ہمیشہ طریق عمل رہا جس سے کسی کام میں مجھے بہت کم ناکامی ہوئی اور میرے اس بیان کی تصدیق میری کتاب سوانح عمری سے بطور حتم ہو سکتی ہے۔ بہر حال انسان کو اپنی کوشش و پیروی سے ہرگز باز نہ رہنا چاہیے جس کی بدولت کل کام ہی سکتے ہیں۔

الکھن : ۲۸ نومبر ۱۸۹۵ء۔ کل سے میں بعض امور مستقبل کا خیال کر کے از بس پریشانی تھا کہ اب میرا صرف بر خود داران از نفسی علی و نفسی علی کی شادابیوں سے اور بڑھے گا اور سلسلہ آمدنی دہات بوجہ قیام

چار سال گزشتہ بہت گھٹ گیا ادب تب مزید جمع بند دست ثانی سے ادبی گھٹے کا جو نومبر ۱۸۹۶ء سے کی جانے لگی
 لڑیں کیونکہ بہت قریب اپنے مصارف خانہ داری کو چلا سکوں گا پس میں نے اس حالت انتشار میں بنظر استدک
 حالات پیش کتاب دیوان حافظہ در سکنہ زمانہ نظامی میں بوقت ۳ بجے شام کے فال لکھی اور اس دعا کی کریں صاف
 طور سے مطلع کیا جاؤں کہ میرے حق میں کیا شدنی ہے۔ اتفاق سے دونوں کتابوں میں مغربہ ۱۱۲ خالی ملی جس کے اشعار
 حسب ذیل درج کیے جاتے ہیں کتاب دیوان حافظہ کتاب خانہ طقم صفحہ ۱۶۲ کا شعر ہے :
 اگر غم شکر انگیز کہ خون عاشقان ریزد من دساقی بہم صایم دنیاوش براندازیم
 کتاب سکنہ زمانہ مصطفائی۔ صفحہ ۱۶۲

شعیدم رسن بستی سونے داد برو تا زگی وقت خون بہار (کنا)
 بمعانہ اشعار مغلہ صد کے صاف مترشح ہوتا ہے کہ میرا بیچ غم و در بر طر ہو جائے گا اور ٹیل آنند
 بہ کامیابی تمام بسر کروں گا جس سے مجھے نہایت درجہ طمانیت حاصل ہوئی اور اسی وقت سے میرے انکار لاحقہ
 میں خفت ہوئی بھر حال ای ہی امید یہی دکھائی کی توان آنند میں دکھتا ہوں اور بہ حال اس کے فضل کرم کا امید وار ہوں۔
اعتدال : ۸ زوری ۱۸۹۶ء۔ انسان کو لازم ہے کہ وہ انخطاط عمر و قوی میں اپنی طبیعت کو کھانے پینے
 دسونے وجہ گئے و رفیع فریدیات میں بہت سنبھل کر بحالت اعتدال رکھے اور بہ پابندی اوقات ہر ایک
 کام انجام دیتا ہے ورنہ اسکی زندگی کبھی قائم نہیں رہ سکتی اور بقیہ ایام زندگی بظہت بسر نہیں لے جاسکتا۔
 پابندی نہمانہ و وظائف : ۴ مئی ۱۸۹۶ء۔ ۳۲ سال کا زمانہ ہو جب میں نے ناز کی پابندی کی۔
 اسی وقت سے درود شریف ہر ناز کے بعد ایک صد بار و سبحان اللہ محمد ۲۵ بار سورہ منزل ایک بار بار پڑھتا
 رہا ہوں۔۔۔۔ اور ۳۶ سال سے یا مظهر العجایب بالخیر لودنہ زعشا کے ۳۶ بار و دو میں ہے جس کے اولی آخر
 سات سات مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں اور ۳ سال گزشتہ سے چہل کاف لودنہ زعشا و مغرب ایک بار پڑھا
 کرتا ہوں۔ ان اور او کی برکت و در سے مجھے بہت بڑا نفع دنیاوی حاصل ہوا اور ہو رہا ہے۔

چند آ : ۲۶ جون ۱۸۹۶ء۔ عہد راجہ دنگا پرتاد لعلہ دار نے چندا نہ جید و آیا دکن کے آج بھیجے جوان
 کو راجہ مری منو بہر صاحب جاگیر دار دی لاکھ بیست و ہونہ نہ بھیجے تھے۔ آ م پے تھے اور خوشبو لہر و دی تھی۔
ایک شاہ صاحب : ۲۳ اگست ۱۸۹۶ء۔ کل شام کو ایک بزرگ دار شاہ ساکن مہاراج گنج
 ضلع جون پور کا میرے مکان پر گزر ہوا۔ ان کے پاس چند سناہ تجریری تھے جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ

آدمی بے طمع و متوکل ہیں۔ شب کو میرے مکان پر ٹھہرے۔ بہت آسودگی کے ساتھ کھانا نوش کیا اور حق پانی ہر قسم کی ان کی خاطر داری رہی جس سے بہت نعمت مند رہے۔ اور آج صبح کو بوقت رخصت مجھے کہا کہ جو حاجت ہو بیان کرو کہ اس کے پورا کر کے کی کوشش کروں۔ بخواب اس کے میں نے کہا کہ دعاے خیر۔ کہا کچھ اور مانگو۔ میں نے کہا کہ جو کچھ مانگنا ہوتا ہے وہ میں اپنے رب العالمین سے مانگا کرتا ہوں اور میں اس کی ذات پر بویلا ہوں رکھتا ہوں اور شا کر ہوں۔ شاہ صاحب میری اس گفتگو سے بہت متعجب ہوئے۔

معلومات عامہ: ۲۹ ستمبر ۱۸۹۶ء تا ۱۸۵۳ء کے نصف اخیر میں ہندوستان میں ریل جارہی ہوئی تھی۔ صبح کو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر ٹھنڈا واسطے رفع قبض کے بہت مفید ہے۔ بالائی اور درجہ بالا در در شقیہ پر ملنا بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

خواب خوش: ۱۲ نومبر ۱۸۹۶ء۔ علی الصبح بوقت نماز میں نے خواب دیکھا کہ ایک دولت مند کی محل مرا میں داخل ہوا اور ملک مکان نے (جو ابھی زندہ ہیں) میرے داخلہ محل پر اکو بے نظیر متوجہ ہو کر دیکھا اور ایک مشتوقہ دل نواز کو جو مجھ سے پردہ کرتی ہے اجانتہ دیکھا کہ بالا خانہ پر چلی جائے جس کی اوٹ اس نے خود کی لیکن بوجہ غیر کافی ہونے پردہ کے اس کا نصف جسم اسفل صاف نظر آتا تھا جو طلس کا کادار پاجامہ جس کی ہر کلاں میں گونا گونا پیاں تھیں پچا لگا تھا پہنے تھے اور اس کے کڑوں اور چھڑوں نقرئی کی آواز میرے کانوں تک آتی تھی۔ بعد میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں حیرت میں ہوں کہ یہ قسم کی خوابیں ہیں جن کو میں چار سال برابر دیکھ رہا ہوں اور جس کا قبل از خواب کوئی دہم و گمان نہیں ہوتا۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا ظہور ہوتا ہے۔

قحط خدہ لوگ: ۱۵ نومبر ۱۸۹۶ء۔ آج پھر میں نے انتظام تقسیم طعام عتاجوں کا کیا۔ محتاج خانہ موقوفہ پشت متبرقیہ فیض رسول صاحب مرحوم میں حسب ذیل آدمی ہیں:

مرد۔ ۶، عورتیں۔ ۲۰، لڑکے۔ ۱۶، کل = ۹۶۔ نئی روٹی گیبھوں کی ٹمیر تھی تین تین مردوں کو دو دو عورتوں کو اور ایک ایک لڑکوں کو تقسیم ہوئیں اور ایک ایک سفید کپڑے مردوں کو اور پتلی مارکین کی چادر عورتوں کو دی گئیں۔ کل خرچہ منجانب گورنمنٹ ہو رہا ہے۔

سال کا آخری دن: ۳۱ دسمبر ۱۸۹۶ء۔ آج سال ۱۸۹۶ ختم ہوا۔ بوجہ کی بادش ازہد رانی قحط سے خلق اللہ کو بہت تکلیف پہنچی۔ تہا رہا آدمی فاقہ کشی سے مر گئے اور اپنی اولاد اٹھ اٹھ آنے پر زور دے کر دی۔ مجھے بھی اس سال تفکرات زائد تھے۔ کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور میری اولاد کو دیکھا چاہیے کہ

۱۸۹۷ء کیسا گزرتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ باعزت و آبرور کھے اور ہر طرح سے کامیابی عطا فرماوے۔

سُکتا ٹھوپی: ۸۰ جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج غسلِ آخر و ولادت و خزاںِ خاندانِ الطافِ رسول نے کیا۔ اگرچہ گزرتہ ٹوپی بھیجے کی ہر ایک عزیز نے رسمِ ادا کی۔ میں نے بھی بھیجا۔ اور لگانے صندل پر ایک روپیہ زعفران صحنی حجام کو دیا لیکن جس دھیم دھام سے مساقہ حسنا بنت الہی جان و مساقہ شیریں بنت کوکا طوافِ کعبہ کے با دیگر عزائم کثیرا بھی ہم قوم کے گزرتہ ٹوپی لے گئیں وہ کیفیت قابلِ دید تھی۔ آگے ڈفلی اس کے پیچھے ماشا و شہنائی بھی تھی اور اس کے بعد سٹیلوں کا غول گھاتا جاتا جاتا تھا جس کے ساتھ صد ہا شہنائی تھیں۔ چونکہ اس گھر میں ان لوگوں کا بہت مان دان ہے لہذا ایسی کارروائیوں سے خوب حاصلات کر لے ہیں اور انتظامِ ریاست میں بھی مشیر ہیں۔

فضل حسین: ۳ مارچ ۱۸۹۷ء۔۔۔۔۔ بوقتِ شب بندہ رقعہ منشی سید فضل حسین نے مجھے طلب کیے کہ باہر آکر کہا کہ میں فی الجملہ علیل ہوں اور بجز آپ کے دوسرے شخص پر مجھے اعتبار نہیں ہے کہ اس قدر دیر اس کی معافیت منگایا جاوے لہذا آپ لکھنؤ جا کر میں ہزار روپیہ بینک بنگال سے مجھے لادیں اور اس میں سے مبلغ چار ہزار بابت فلک امن حصہ موضع 'سر برہی' آپ لے لیجیے جو آپ کو یافتی ہے۔ لہذا صاحبِ امران کے میں نے شب کو کل انتظام اپنے لکھنؤ جانے کا کر لیا۔ آج کل منشی صاحب میری جانب بہت متوجہ ہیں بلکہ ان کے خزانچی مجھ سے کہتے تھے کہ بجز آپ کے ان کی نگاہ دوسری طرف نہیں پڑتی ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ نظامِ تعلقہ جلال پور پھر آپ کے سپرد کریں اور جملہ دوسرے سے نجات پاویں۔ یہ سچ ہے کہ بدون آپ کی مداخلت کے اب یہ علاقہ ہرگز چل نہیں سکتا ہے

انجامِ قحط: ۹ جون ۱۸۹۷ء۔ آج مجھے دریافت سے معلوم ہوا کہ میرے یہاں گیارہ لوگ کھانا واسطہ پرورشِ خدمت کے اس قحطِ سال میں حاصل کی گئیں جن کی تفصیل بقیاد اسم درج ذیل ہے (نام حذف کیے گئے۔ ہاشمی) اور ان سب کی پرورشِ میری ذاتِ خاص سے متعلق ہے اور ہر ایک واسطہ خدمت گزار کی کے میری اولاد میں تقسیم ہے۔ چونکہ میں گھر میں چھ مہرہ تک نہیں جاتا ہوں اس وجہ ان کے حالات سے محض غیر مطلع تھا۔

حوجہ صابن جری علاقہ: ۲۳ جون ۱۸۹۷ء۔ (مقام ہر دہلی)۔ آج صبح کو منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار شیخ رعایت حسین صاحب کیل کے مکان پر تشریف لائے جہاں میرا مجد علی صاحب وکیل بھی موجود تھے اور ان دونوں صاحبوں کو مجبور کیا کہ مجھے واسطہ انتظام علاقہ جلال پور کے رضامند کریں چنانچہ انھوں نے بہت زور دے کر مجھے مجبور کیا کہ میں تعلقہ مذکور کا کام اپنے ہاتھ میں لوں اور ان دونوں صاحبوں اور بعد ازاں پڑ

صاحب رجب اس وقت وہاں موجود تھے۔ ہاشمی اس بات کا اقرار کیا کہ اگر آئندہ کوئی امر خلاف مزاج آپ کے منجانب ہاشمی صاحب وقوع پذیر ہوگا جو باعث آپ کے ملال کا ہو تو ہم لوگ اسے رفع کر دیں گے۔ چنانچہ تیار ہوا۔ اس بیان کے ایک یا دو اشت میرا محمد علی صاحب وکیل نے مرتب کی جس میں کئی اختیارات نظم و نسق ملاؤر مجھے تفویض ہوئے اور ایک سو روپیہ ہوا تو خواہ بدستور سابق اس میں درج ہوئی اور تینوں صاحبوں کا اس میں حوالہ درج یادداشت مذکور کیا گیا اور ہاشمی صاحب موصوف نے بعد ثبوت و محظ خود یادداشت فرمایا۔ میرے حوالہ کی اور اپنے ساتھ آج دوپہر کی ریل میں سندیلہ مجھے لائے۔۔۔۔۔ آج یہ بہت بڑا میرے سر پر رکھا گیا جس کے واسطے میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم انجاء اس کا بخیر فرمائے۔ آمین غم آمین۔

شادی پسران خود: ۲۳ ستمبر ۱۸۹۶ء۔ میں نے ریل کی دو گاڑیاں لکھنؤ سے دنگاؤں فی درجہ آٹھ آدمیوں کی نشست تھی۔ چونکہ ہر گاڑی میں چھ درجے ہوتے ہیں لہذا چھیا نوے آدمی اس میں بیٹھے۔ مابقی باتوں کے ٹکٹ خرید ہوئے۔ کل براتیوں کی تعداد تقریباً دو سو کے تھی جو سب سے روانہ ہوئے تھے لیکن لکھنؤ میں پہنچ کر بشمول باجوں والے اور طائفہ زنانه و مردانہ کے ۲۴۴ تک تعداد بڑھ گئی۔ جب بارات اسٹیشن لکھنؤ پر پہنچی تو ہاشمی لطف حسن ساکن سندیلہ بمبئی حال تحصیل دار لکھنؤ بمعہ ۲۴ مدد فٹن اور مدد انگریزی و ہندوستانی باجوں کے مستعد تھے۔ سب برائی گاڑیوں پر سوار ہوئے اور باجا بکچی ہوئی بارات روانہ ہوئی۔ وقت شرب دروازہ دو لکھن کے ٹکٹ مشک گنج میں بارات پہنچی جو مکان میر مونس مرثیہ خواں پر چڑھی۔ ٹو بکے رات کے شیخ یوسف الزماں صاحب نے براتیوں کو کھانا دیا جس میں نان، فیروز برج، قلیہ قومہ پلاؤز ردہ و شیر مال تھی۔ بعد از اول طعام اول مسماہ خورشید طوائف سندیلہ کا قص ہوا۔ زناں بعد مسماہ جہنم ایک نامور طوائف لکھنؤ کا قص ہوا جس سے حاضرین کو ایک نوع کا حظ حاصل ہوا۔ بعد اہنسنتی طوائف لکھنؤ کا قص ہوا۔ جس وقت یہ ناپر ہو رہا تھا اور وقت ۴ بجے رات کا تھا کہ دنسا کسی شفی القلب نے ایک ایسی اینٹ جلسہ میں پھینکی جو نوچشم مر قضا علی کی داہنی بھجوں پر لگی اور خون جاری ہو گیا۔ جلسہ میں بے لطفی پیدا ہو گئی۔ بڑی خیریت ہوئی کہ آنکھ نہ چمک گئی۔ انتظام جلسہ متعلق ہاشمی لطف حسن صاحب تحصیل دار کے تھا۔۔۔۔۔ انتظام بارات کا بر خور دار مجتبیٰ علی و شیخ مقبول احمد (خلف دویم منشی عزیز الدین احمد صاحب مرحوم) و چودھری عبدالباہ صاحب (خلف دویم چودھری عبدالباقی صاحب) کے متعلق تھا جنہوں نے بہت مستندی کے ساتھ اپنے کار متعلقہ کو انجام دیا۔ انہوں نے کہ بر خور دار مصطفیٰ علی بوجہ علالت خود شریک بارات نہ ہو سکے۔

لانی جو قص کنال تھے ان کو اجرت علاوہ انعام کے حسب ذیل دی گئی۔ خورشید طوائف ۱۵ روپے۔
طوائف ۱۷ روپے، بسنتی طوائف ۱۴ روپے

۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء۔ چھ بجے صبح کو، بخوردار القس علی کا مساقہ شاکرہ دختر شیخ یوسف الزماں صاحب جو من مہر ۸۵ ہزار عقد ہوا۔ بعدہ بخوردار القس علی کا مساقہ انیس دختر مولوی محمد کریم صاحب دریا بادی قدر قرار پایا مہر وہی ۸۵ ہزار تھا۔ مولوی محمد نعیم صاحب فرنگی علی نے کلاچ پڑھا۔ سہ پہر کو من جانب زی محمد کریم صاحب برائیوں کو کھانا دیا گیا۔ قریب ۶ بجے شام کے خصوصی بارات کی ہوئی۔ منڈل دونوں سا کی مانگوں میں میں نے بھرا۔ شیخ یوسف الزماں صاحب ایک سو ایک روپیہ اور مولوی محمد کریم صاحب اکیاون روپیہ لایا۔ جہیز حسب ذیل دیا گیا۔ (حذف کیا گیا۔ ہاشمی) سات بجے بارات اسٹیشن لکھنؤ بی اور پونے دس بجے وہاں سے رات کی ریل میں روانہ ہو کر انجے داخل سندیلہ ہوئے۔... میں نے پریم لکھنوی اپنی لڑکیوں کو ایک باغ دیا۔... میں نے اس تقریب میں ۳۲ روپے اور دو نوں تقریبوں میں صرف ہوا۔ ہاں قدر لکھنا معمول کیا کہ اس تقریب میں آرائش و آتش بازی بھی تھی۔ چونکہ آج چوتھیا نہیں آئے وہ جسے خصوصی عروسان نہیں ہوئی۔ قریب تین سو روپیہ نیو تہ اندو باہر میرے یہاں آیا۔

محاسبہ سالانہ: ۳۱ دسمبر ۱۸۹۶ء ختم ہوا میں مختصر اپنے حالات ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱۔ مہینہ جون میں انتظام کولہ جلال پور اپنے ہاتھ میں لیا مبلغ سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔
بخورداران القس علی و القس علی کی شادی میں تقریباً تین ہزار روپے خرچ ہوا۔ ۱۵۔ قسط سالی سے گزرتا ہوں۔
یو الہ نکل گیا اور مقروض ہو گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں وہ ایام عزت و آبرو سے بسر کر گیا۔ اس قسط سالی بہت سے لوگ ضائع ہوئے اگرچہ گورنمنٹ نے ان کی جان بچانے میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ میں نے انجام کا قسط میں بہت مستعدی حکام وقت کے ساتھ ظاہر کی اگر مجھے تکالیف سخت کا سامنا رہا۔ جائداد قلیل نے اس سال حاصل کی اگرچہ معاملات سچی و چند سال گزشتہ کے بہت کچھ کھانے ہوئے۔ ۵۔ بخوردار القس ۱۸۹۶ء دو ہفتہ تک معذور العجز ہو گئے۔ آخر ش پٹنہ عظیم آباد سے خط غیرت کا بھیجا اور واپس آئے۔ ۱۸۔ شکوہ کہ انصاف نہا میں بہ نگاہ وقعت دیکھا گیا اور عموماً اہل قصبہ مجھ سے راضی و خوش رہے۔ ۱۹۔ مبلغ چار روپیہ بابت نکل رہن حقیقت مہر موضع سرہری، منشی فضل حسین صاحب سے مجھے وصول ہوا۔

جس سے بہت سے معاملات نصفی طلب ہو گئے اور اسی روپیہ سے میں نے لوگوں کی شادی بھی کی۔

عدالت فضل حسین: ۶ مارچ ۱۸۹۸ء۔ آج الہی بخش جراح محلہ وکٹوریہ گنج لکھنؤ سے آیا اور اس نے علی دہل منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار کا شروع کیا اور کہتا ہے کہ ایک ہفتہ میں بلا چاک کیے اچھا کر دوں گا الہی گڑ توں کا حجام جس کی عمر پچاس کی ہو گی۔

۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء۔ آج ریڑھ کی دوسری جانب کا پھوٹا منشی فضل حسین صاحب الہی بخش جراح لکھنؤ نے چاک کیا لیکن وہ نا کافی ہوا۔ اگر تھوڑا انشہا در پڑھ جاتا تو یقین تھا کہ اس کا کل ریم کل جاتا۔ تاہم بہت سا نوں ریم نکلا۔ ۳ اپریل ۱۸۹۸ء۔ شام کو منشی فضل صاحب سے ملاقات ہوئی ان کا مادہ غسل صحت ۴۲ روزی الہی گڑ کو ہے۔ جوڑے وغیرہ بہت سے لوگوں کو تقسیم ہوں گے اور نقص درنگ کی مجالس گرم ہوں گی۔

۶ مئی ۱۸۹۸ء۔ آج ۸ بجے منشی فضل حسین صاحب نے غسل صحت کا کیا اور جو جوڑا کا کورہ (ال) کی سسرال سے بھتا ہوا امہ ان کی سالیوں کے لایا گیا تھا اس کو زیب بدن کیا۔ جوڑا سرخ رنگ کا تھا جب نہا کر بیٹھے ہیں تو طوائفان سندیلہ قوالان وغیرہ نے مبارک باد گایا اور نذرین دیکھا اور پیش ہونے لگے اور مبلغ ایک سو گیارہ روپے ان دونوں مالدوں میں آیا منشی صاحب نے کچھ جڑے اپنے نوکروں کو تقسیم کیے اور شب کو طوائفان سندیلہ کا قص ہوا اور صبح دس بارہ منو بخش بخت ہو کر جس میں تلیہ قورمہ پلاؤ شامل تھا تقسیم ہوئے۔ ۲۳ مئی ۱۸۹۸ء۔ آج الہی بخش جراح کو منشی فضل حسین صاحب نے رخصت کیا جس نے ان کا پھوٹا

اچھا کیا ہے۔ نام بردہ لکھنؤ محلہ وکٹوریہ گنج میں رہتا ہے اور وہاں اپنے فن جراحی میں ایک مشہور آدمی ہے۔ اس کو منشی صاحب اور ان کی اہلیہ نے ایک سو روپیہ نقد اور ایک دو سالہ قیمتی پندرہ روپے انعام میں دیا اور پانچ روپے میں نے دیے اور منو بخشی تھا۔ نے بختی خود غرہ امزدہ بدین مضمون لکھ دیا کہ پانچ روپے ماہوار میں اس کو تاحیا اس کی دیتار ہوں گا اور دو مرتبہ زورن یا بلا ضرورت ہر مہینہ منڈیا لیا کرے جس کا کوئی آمد و شد دیا جائے گا۔

انگلیوں میں تکلیف: ۱۰ جون ۱۸۹۸ء۔ ہنوز میری انگلیوں میں ایسی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی کہ میں ایک حالت سے لکھ سکوں اور بعض وقت تو حروف بہت اچھے بنتے ہیں اور وقت بالکل خواب جس کی بحر اس کے اور کوئی خیال میں نہیں آتی کہ اس کا باعث شاید کم ربطی ہو اور یہ ہی کیفیت میری انگیزی اور اردو دونوں قسم کی تحریر میں ہے۔

وفات وصی علی شاہ: ۲۳ جون ۱۸۹۸ء۔ آج بارہ بجے دن کو وصی علی شاہ صاحب لاہور میں

سجادہ نشین درگاہ مخدوم سید علاء الدین نے بمقام اسال تفسا کی۔ چنسا گزشتہ سے بخار و غیرہ میں علیل تھے۔ بوقت ۵ بجے شام کے بعد غسل و تکحین لاش شاہ صاحب کی گاتے بجاتے بڑے ازدہام کے ساتھ درگاہ سے اٹھی جس کے اوپر دو سالہ پڑا ہوا تھا اور ششمنی سبز بندیدہ چار چوبوں کے مریدین لوگ لاش پر تانے ہوئے تھے۔ کچھری پنج سے مشعلیں روشن ہوئیں۔ آگے آگے چودھری محمد عظیم صاحب و غیرہ روسائے قصبہ آہستہ آہستہ رواں تھے۔ اس کے پیچھے چند انخاص از مریدین وغیرہ گریاں کناں جا رہے تھے۔ زلاں بعد گھوڑے وغیرہ بڑائی نہیں گاتے تھے۔ اس کے پیچھے ایک گروہ از اعزاء کلہ طبع پڑھتا تھا۔ اول لاش جو اپنے مخدوم صاحب سے سرک نہتوان پڑائی۔ اور میونسپل ہال کے سامنے ہو کر نصیب طوائف کے پچھاٹک سے مڑ کر مدرسہ قیام کی جانب سے سرک نہتوان پڑائی۔ اور زریہ مسجد چودھری صاحب سے ہو کر لڑو شہید کے پاس سے درگاہ کی جانب پھری۔ ایک نماز پہلے وقت اٹھنے لاش کے پہنٹی تھی اور دوسری اس وقت ہوئی جب خازنہ گشت کر کے ۱۱ بجے رات کو درگاہ میں پہنچا۔ ٹھیک بارہ بجے رات کو روضہ مخدوم صاحب کے دکھن جانب قبر میں لاش دفن ہوئی۔ شاہ صاحب بدرجہ نہایت خلیق تھے جو شخص آپ کے پاس جاتا تھا خوش ہو کر آتا تھا۔ آپ محمدی شاہ صاحب الہ آبادی کے مرید تھے اور صدہام درون قصبہ بیرونجات خصوصاً مولوی علی احمد صاحب وکیل جل پور و دیگر معزز لوگ مرید تھے۔ درگاہ میں آپ کی وجہ سے بہت رونق تھی۔ میرے ساتھ آپ کو ایک خاص لطف تھا اور کبھی کبھی میرے مکان پر تشریف لاتے تھے حالانکہ وہ کسی اور رئیس کے یہاں شاید نادار تشریف لے گئے ہوں اور میرا دستور تھا کہ بوقت ان کی تشریف آوری کے میں ایک روپیہ ان کو نذر دیتا تھا بھوکا زمانہ ہوا میں نے حسب خواہش آپ کے ایک وصیت نامہ تب کو دیا تھا جس کی رو سے آپ اپنی کل جائیداد اپنی بی بی کے نام لکھی تھی جن کے بعد آپ کی دونوں لڑکیاں مالک ہوں گی حسب وصیت آپ قبر بلی میں مدفون ہوئے۔

سرا قہر سرور نامہ چہ کو اندیشہ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ آپکل ایک درجہ میں شیریں طوائف و بندہ علی توال بابا بونی اور امیر حسن پسر خوش رنگ شامل ہیں منشی فضل حسین صاحب کی مصاحبت میں ہر وقت رہتا ہے جو وقتاً فوقتاً قوت حاصل کرتا جاتا ہے اور شب و روز ہم مجلس رہتے ہیں۔ منشی صاحب کو ایسا اپنے قابو میں کر لیا ہے کہ جس طرف چاہتے ہیں ان کے خیالات بدل دیتے ہیں۔ بظاہر اس کا نتیجہ خوش نظر نہیں آتا شاید عنقریب کوئی اس کا گھل گھلے۔ لہذا خدا سے دعا ہے کہ اس صحبت کا انجام بخیر ہو۔

فال دیوان حافظ: ۸ اکتوبر ۱۸۹۸ء۔ میں نے اپنے ایک حصول مرام کے لیے مرا تہ چند اوقات

مختلفہ اپنے منتخب دلیویان حافظہ میں خالی رکھی جو حسبِ اہل برکت مہوئی جبرج امید مہوئی ہے کہ میں ضرور اپنی ملازمت کا کامیاب حاصل کر لوں گا۔

شعبہ ۳۶	ساقی بیکار مار دے پیرہہ برگرفت	کار چرخ خلوتیاں باز در گرفت
ص ۶۳	اے دل صبور باش و مخور کج گشت	ایں شام صبح گر دھائی شب بحر شود
ص ۱۲۳	عید است و موسم گل باوایں در انتظار	ساقی بد روشاہ ہمیں ماہ دے میار
ص ۱۲۶	یوسف گم گشت باز آید بکنعان غم خود	کلید احرار شود روز گلستان غم خود
ص ۱۵۰	فراق و ہجر کہ آورد در جہاں یارب	کہ رو بہ جوسہ باد و خانان فراق
ص ۱۵۲	ہزار دشمن ارمی کنت قصد ہلاک	گرم تو دوستی از دشمنان ملایم پاک
ص ۱۵۳	خوش خبر باش اے نسیم شمال	کہ بہ ما می رسد زمان وصال
ص ۱۶۲	اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان بہیزد	میں ساقی ہم سادیم دنیا توں برا غلام
ص ۱۷۱	سایہ بردن پیش تم نگن اے سنج مراد	کہ من این شاہ بہود تو ویران کردم
ص ۱۹۰	خالی مباد کا رخ جلالت ز سر موال	وز ساقیان سر و قد و گل عذاب ہم
ص ۱۹۶	ز در در آو شبتان مامور کن	دماغ مجلس روحانیاں موعظ کن
ص ۲۰۳	اے قبا بادشاہی راست بہ بالائے تو	زینت تلخ و لیکن از گوہر اللہ تو
ص ۲۱۲	سر خالیست از بیگانہ نشو	کہ نبود جز تو لے مرد یگانہ

استاد مفصلہ صمد سے ضرور امیر کامیابی ہے۔ آمندہ العلم عند اللہ
بالک ہٹ: ۲ جنوری ۱۸۹۹ء۔ جو حقیقت موضوع انرا تھ پور دھولی میرے پاس رہن تھی اور میں نے

اس کو بر خور دار مصطفیٰ علی کو اس غرض سے دیدی تھی کہ اس کا زہن دھول کے قصد ولایت لندن کا کریں۔۔۔
 بنجملہ حقیقت مرہونہ کے لانا سنگو زمین انرا تھ پور نے قریب پانچ سو روپہ پانچ سو روپہ پانچ سو روپہ دے کر اپنے حصہ کیا تھ
 مرہونہ کو فک رہن کر لیا تھا جس کا روپہ موصوف کے پاس جمع ہے..... اگرچہ یہ جائیداد اس قابل نہ تھی کہ میں
 اس کو بخشی جلا کر تا مگر بالک ہٹ سے مجبور ہو گیا اور بجز راج و طلال کے کوئی صورت مفر کی نہ دیکھی۔

منشی فضل حسین: ۱۲ جنوری ۱۸۹۹ء۔ منشی سیّد فضل حسین دائمی مرلیض ہیں جس کی وجہ ہے کہ شنب روز
 بیٹھے رہتے ہیں اور بالکل نقل حرکت نہیں کرتے حتیٰ کہ سچا قدم بھی ان کو چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور کوئی
 دن ناغہ نہیں جاتا کہ دو اؤں انگریزی دیوانی کا استعمال نہ کرتے ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تندرستی میں بہت بڑا فرق

لایا اور شب و روز ۲۴ گھنٹوں میں ایک گھنٹہ بھی ان کی صحت کا نظر نہیں آتا اور مزاج میں ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ مثل اطفال خورد سال گھوڑوں میں طبیعت کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔

دیما دسعد الدین: ۲۰ فروری ۱۸۹۹ء۔ تحریر بر خوردار سعید الدین مورخہ ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء سے
 رسلہ لندن سے واضح ہوا کہ وہ امتحان پیرٹری میں صرف دو چیزوں میں نہیں ہو گئے جس کی نسبت ان کو پوری
 مینکامیابی کی تھی۔ اب مارچ آئندہ میں پھر امتحان دینے والے ہیں دیکھا جائیگا کہ ان کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ میرے نزدیک
 ان کو یہ ناکامی اس وجہ سے ہوئی کہ ان کو بڑا عمر اس آخری امتحان میں پاس ہونے کا تھا اور اپنی یاد پورا
 بھر دوسرے رکھتے تھے اور انھوں نے زور دے کر لکھا تھا کہ میں ضرور پاس ہوں گا۔ چونکہ خدا کا حکم بیکراں ہوتا
 کرتا ہے لہذا کوئی یاد ان کو کام نہ دے سکی اور وہ نہیں ہو گئے۔

۲۵ فروری ۱۸۹۹ء۔ تحریر بر خوردار سعید الدین موصولہ لندن سے واضح ہوا کہ محمد عربی خلف حلیہ
 جو واسطے پاس کرنے پیرٹری کے (سندیل سے) لندن گئے ہیں وہاں ایک انگریز کو پڑھاتے ہیں اور اس نے
 ان کو پڑھنے والے روپیہ واسطے شریک ہونے ٹرم پیرٹری کے نومبر ۱۸۹۸ء میں قرض دیا تھا جس کا وعدہ
 ادائی آخر مارچ سن الیہ کا ہے۔ محمد عربی نے ایک مختار نامہ خاص بنام منشی قبول احمد اشرف ٹولہ سندیل
 بھیجا ہے کہ بات بسوہ موضع ملہ پور کو جو اکثافہ ملکہ ہے زمین خواہج کر کے واسطے آواز قرض کے لندن بھیجیں۔
ہولی: ۲۸ مارچ ۱۸۹۹ء۔ کل اور آج اکثر از قوم ہندو علی الخصوص کنور نند بہادر صاحب
 مجھ سے ہولی ملنے آئے اور میں نے ان کی عطر والائی میں سے عذرات کی۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ
 ہر قوم سے بلا قید و شرط ملتا رہتا ہوں جس سے ہر شخص مجھ سے رضا مند ہے۔

دو تاس: ۲۳ جون ۱۸۹۹ء۔ آج دو تاسرہ بر خوردار عثمان علی خلیفہ الصدق سیندر علی
 مرحوم چھاوئی منو سے بنام میرے منشی فضل حسین کے موصول ہوئے جس کا مضمون یہ ہے کہ کل بجے
 رات کو بر خوردار محمد عزیز نے تفسا کی۔ اس بات کے دریافت کرنے سے سخت رنج و ملال ہوا کہ ان
 کے گھر میں بجران کے کوئی از قسم ذکر نہیں ہے اور بہت بڑی امیدیں ان کی ذات سے متعلق تھیں۔
 سال گزشتہ مہینہ مئی میں ان کی شادی عزیز از جہاں سیر جانظ علی کی بیٹی مسماہ نظیر سے ہوئی تھی۔ ابھی
 ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی اس وقت سے کہ انھوں نے بہت تھوڑی عمر میں دنیا کو خیر باد کہا اور تین بیواؤں
 کو اپنے رنج و غارت نامگی میں حیات بحالت گریاں چھوڑا۔ مرحوم کے کوئی اولاد بھی اس وقت تک

نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ بزور دار موصوف حافظ میرالدین بیرطریٹ لاکے مکان پر مقیم تھے اس وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے کیوں نہیں تار دیا اور ممتاز علی نے کیوں دیا اور دوتا دیے کی کیا ضرورت تھی جب کہ ایک تار سے مطلب پورا حاصل ہو سکتا تھا کیونکہ میں اور منشی صاحب ایک ہی مقام پر رہتے ہیں۔ لہذا اس شک نے مجھے مجبور کیا کہ قبل مشتہر کرنے تار منجانب خود حافظ منیرالدین کو بھیجوں اور واقعی حال دریافت کر لو چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اب تک خبر تار موصولہ کا ان کے گھر میں کوئی اعلان نہیں کیا۔ خدا کرے یہ خبر غلط ہو ورنہ سخت سانحہ ہے۔ ان کے والد حافظ فیاض علی نے بھی تقریباً اسی عمر میں بمقام منو، رحلت کی تھی اور دویا کا رین اپنی چھوڑ گئے تھے ایک لڑکی اور ایک لڑکا چنانچہ لڑکی نے سال گزشتہ میں انتقال کیا اور ایک نور سال لڑکی چھوڑی اور یہ لڑکا فوت ہوئے! ایسا کیمت است کہ گویند جوان مُرد۔ اس مصرع کی اس مقام پر پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ۶ جون ۱۸۹۹ء۔ آج آٹھ بجے رات کو خبر تار مرسلہ بزور دار سید حافظ علی اندور سے وضع ہوا کہ ۵ جون کو محمد عزیز بخیریت تمام بھوپال کو روانہ ہوئے جس سے نہایت خوشی ہوئی اور میرے خیالات کی تصدیق کہ جو دوتا ۱۴ جون کو چھاؤنی 'منو' سے آئے تھے وہ غلط ہیں۔۔۔ مجھے یہ نطن غالب ہوتا ہے کہ خود محمد عزیز نے اپنے انتقال کے تار دیے تھے۔

۵ جون ۱۸۹۹ء۔ آج خط محمد عزیز کا مورخہ ۶ جون بھوپال سے صبح کی ڈاک میں موصول ہوا اور دس بجے دن کی ریل میں وہ خود وار دسترلیہ ہوئے آوازہ مبارکی و سلامی کا گرم ہوا اور میری نسبت جی لوگوں کے خیالات ناقص تھے کہ میں نے خبر تار کو مخفی کیا اور متعلقین تار کو اطلاع نہیں دی وے لوگ اب اظہار مسرت کا کر رہے ہیں اور میری رائے کی نسبت خیالات نیک ظاہر کرتے ہیں۔

عمرس وصی علی شاہ : ۱۲ جون ۱۸۹۹ء۔ آج عمرس وصی علی شاہ صاحب مرحوم میں شریک ہوا اور راجہ جنگ بہادر صاحب، نانپارہ سے مکان نو تعمیر منشی لطف حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر میں ملاقات کی۔ بوقت گیارہ بجے دن کے شمس الحق فرزند چار سالہ نبی محمد یعنی نواسہ وصی علی شاہ صاحب مرحوم سجادہ نشین درگاہ مخدوم صاحب ہوا اور رات کو شاہ صاحب کا قتل ہوا۔ راجہ صاحب موصوف العدر نے مبلغ چالیس روپے کی شیرینی منجانب خود تقسیم کی اور ایک سو روپے واسطے مرنہ عمرس کے نقد دیا۔ راجہ صاحب گمانے بجانے کے شوقین اور خوش عقیدہ آدمی ہیں۔

سید حافظ علی : ۱۶ جون ۱۸۹۹ء۔ آج بزور دار سید حافظ علی خسر محمد عزیز اندور سے وار دسترلیہ

جہاں وہ مدرس فارسی ڈالی کالج کے ہیں اور بلحاظ ساٹھ روپے تنخواہ پاتے ہیں۔ ان سے دریافت ہوا کہ خود محمد زین الدین اپنی وفات کے چھادفی 'موت' سے ۴۷ جون کو بھیجے گئے تھے جس کی تیغ تار گھر میں جا کر خود حافظ علی حافظ زین نے کی۔ محمد عزیز نے ایسے فضول تار بھیجئے سے اپنے امرا خاص کو بلا وجہ رنجور کیا اور دفر غم والہ سے اہلیہ کے قلب کو ایسا سخت صدمہ پہنچا کہ وہ شب و روز میں ایک دو مرتبہ بے ہوش ہو جاتی ہیں اور حرکت یک قلم موقوف ہو جاتی ہے۔ اور اپنے آنے کی خوشی میں پندرہ بیس روپے کانے بجانے سب میں صوف کر ڈالے۔ یہ فعل ان کا تمام تر ان کی حماقت پر دال ہے۔

مصطفیٰ علی : ۹ ستمبر ۱۸۹۹ء آج صبح کی ڈاک گاڑی میں برنور دار مصطفیٰ علی بغرض پاس کرنے لے گئے تھے تاکہ براہ کلکتہ روانہ کر دیں جوئے خدا کا میاب معاودت کر دے اور ان کے پیشہ میں برکت دیوے۔ تاریخ میں ان کی عمر ۳۵ سال ۸ مہینہ ۲۷ یوم کی ہے اور جو جہاز کلکتہ سے لندن کو جانے لگا اس کا بہان کوئین سو کچھتر دیر دینا پڑا۔

۳۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء۔ آج خط برنور دار مصطفیٰ علی مورخہ ۱۳ اکتوبر بمقام لندن سے موصول ہوا جہاں اکتوبر کو بوقت پانچ بجے شام کے براہ ریلوے فرانس پہنچے اور بموجب ان کے تار کے جو انھوں نے برنور دار لندن کو دیا تھا برنور دار موصوف اسٹیشن لندن پر آگئے تھے اور ان کے ہمراہ جا کر عزیزان جہاں محمد علی مکان پر قیام کیا۔ جو دو کمرے محمد علی کے پاس کرایہ پر ہیں موصوف خور و نوش سولہ روپیہ فی ہفتہ دینا ہے۔ اب برنور دار موصوف بھی انھیں کی قربت میں مکان لینے والے ہیں۔۔۔۔

نجوم : ۲۳ نومبر ۱۸۹۹ء۔ ۲۱ نومبر سے سات سالے برج برجھکے میں فراہم ہو گئے ہیں جو ۲۵ نومبر اسی برج میں رہیں گے دیکھا جاوے کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ نجومیوں کا مقولہ ہے کہ جب ساتی میں اسی پر سات ستارے ایک برج میں جمع ہوئے تھے تو کور و کشیدہ کے میدان میں کوروں بانڈلوں کے درمیان لڑائی ہوتی تھی جس میں لاکھوں آدمیوں کا قتل ہوا تھا جو سارے بالفعل برج عقرب میں موجود ہیں ان سم درج ذیل ہیں: آفتاب، مشتری، زحل، مریخ، زہرہ، عطارد، راہ۔ منجملہ ان کے تین سالے تحت الشعلہ آفتاب فرق ہیں یعنی ان کی قوت بالکل تائل ہو گئی۔ وہ یہ ہیں: مشتری، مریخ، زحل۔

لندن کا کیچر : ۱۸ فروری ۱۹۰۰ء رجب علی بیگ سرور نے 'فسلہ عجائب' میں کانپور کے کی بہت بھوکے ہے اور سید اسماعیل حسین منیر نے اپنی کلیات میں الہ آباد کے کیچر کی۔ میرے خیال میں لندن کا

کچھ لمبی کچھ اونچکوں سے کم نہیں ہے۔ یہاں سے ایک میل پر ایک مقام ہے جس کا نام ڈلچ ہے۔ پختہ نگر کا نشان تک نہیں۔ تمام سڑکیں کچی ہیں۔ کچھ دس غصب کا ہوتا ہے کچھ نوک کچھ نوک کر قدم دکھا جاتے تب بھی ٹخنے دھس جاتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں کسی انگریز کے منہ سے اس کی برائی نہ جھنیے گا۔ سادی برائیاں خرابیاں گویا ہندوستان ہی میں ہیں۔“ (از خط مصطفیٰ علی - لندن)

مرتضیٰ علی = ۲۴ فروری۔ ۱۹۰۰ء۔ آج خطرہ زور دار مرتضیٰ علی مورخہ ۲۱ فروری بھوپال سے موصول ہوا۔ وہ ۲۰ فروری کو مودا احمد کریم خسرو پورہ خود شام کی ۴ بجے کی ریل میں اللت پور سے روانہ ہو کر ۹ بجے رات کو بھوپال پہنچے اور ۲۱ فروری کو ۹ بجے رات کی ٹاک گاڑی میں لبرم دلائی روانہ ہوئے انھوں نے دن کو کھانا نور چشم اصغر علی کے یہاں کھایا اور رات کو برخوردار محبتی علی کے ساتھ (یہ دونوں آجکل بھوپال میں ہیں) خدا مع النعمان کو پہنچا دے اور بحصول کامیابی معاودت وطن کریں۔

انگریز قوم: ۱۹ مارچ ۱۹۰۰ء۔ جویمین بخدا ہمارے یہاں پیشاب کا تین صاف کوئی ہیں وہی ہندوستان پہنچ کر ہم کو کتے سے بدتر سمجھنے لگتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ کیا انقلاب ہے۔ سوائے ہندوستان یوں کی خوبی قسمت کے ادھر کیا کہا جائے۔ ہندوستان آکر یہ برتاؤ کیوں کر برداشت ہوگا؟ (از خط مصطفیٰ علی - لندن)

لندن کے موسم: ۲۶ مارچ ۱۹۰۰ء۔ یہاں سال میں صرف دو موسم ہوتے ہیں گرمی اور جھاڑا۔ یہی ہمسات وہ جھاڑے کے ساتھ ہے۔ پانی پرسنے کی کوئی آواز نہ ہوتی۔ سن کو دس مرتبہ برسا اور رات کو بیس مرتبہ۔ جنوبی سمندر سے بادل اٹھے برس پڑے۔ شمالی سمندر سے بھی رات دو چار ہاتھ اڑنے ہو کر پھٹ پڑے۔ مشرقی چینل نے کچھ گلک بھیج دی کبھی مغربی بحر ذہار نے بدلیوں کے شکینروں سے چھڑکا کر دیا۔ رات دن تک ہوا کرتا ہے (از خط مصطفیٰ علی - لندن مورخہ ۹ مارچ ۱۹۰۰ء)

لندن کی زندگی: ۳ اپریل ۱۹۰۰ء۔ دو شنبہ کو بوقت ۷ بجے صبح تاریخ ۱۲ مارچ کو مرتضیٰ علی مودا احمد داخل لندن ہوئے۔ بفضلا اب تک غیرت ہیں۔ مرتضیٰ علی کا ارادہ ہے کہ لیکن ان میں داخل ہوں۔ مجھ کو ایک مکان برکسٹن میں مل گیا۔ مرتضیٰ علی کے مکان سے اور فیمیل سے بھی قریب ہے۔ جنانچہ آج میں اٹھ بھی آیا۔ دورد سے محلہ ناکور میں چاچر کا سوانگ بنا ہے اور افریقہ کی لڑائی کا پورا نقشہ اتارا ہے۔ یورپ اس آمد سے وصول ہو گا وہ مقبولین و مجروحین افریقہ کی ہوجہ قبول کیا جائیگا۔ خیال فرمائیے لوگ کس قدر قوی ہو رہی کر تکی۔ لندن عجیب مقام ہے۔ یہاں بندر بندر یا کبھی ناچ ہوتا ہے۔ یہ بڑا نقص ہے کہ عورتیں مردوں سے

ی تے نکلفی سے ملتی ہیں جیسی مہر دہر سے ۔ لڑکے اور لڑکیاں حد سے زیادہ آزاد ہیں ۔ دن کو کوئی مہر دہر میں نہیں رہتا چاہے کام کو جو اسے سیر و تماشے کو ۔ (از خط مصطفیٰ علی لندن مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۰۰ء)

لندن میں شطرنج : ۷ اپریل ۱۹۰۰ء ۔۔۔ بہت سے انگریز بڑے بڑے ٹپلر یا ٹکٹن ان میں شریک ہیں ان کا فرض ہے کہ صبح سویرے ٹپل یا ٹکٹن ، آکر شطرنج کھیلیں اور جب تک رات نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دنیا میں سوا شطرنج کھیلنے کے اور کوئی کام نہیں ہے ۔ یہاں عورتوں کے خیالات دلیسے ہی ہیں جیسے ہندوستان کی عورتوں کی ہیں ۔ دولت البدیہہ یا زیادہ براۓ خط مرقی علی لندن

ہندوستان کی ترقی : ۲۹ جون ۱۹۰۰ء ۔۔۔ میرا خیال ہے کہ جب تک بقول پروفیسر کسٹل نیچلر نالج کی ترقی نہ ہوگی ہندوستان کی ترقی نہ ہوگی ۔ اس قول کی قوی دلیل چند یورپ کی سلطنتیں ہیں اور ایک ایشیا کی یعنی جاپان کی ۔ اہل ہند جب تک سائنس کے ایک ایک مسئلہ کو سونے کی اینٹوں سے زیادہ گراں بہا نہیں کریں اور مول میں نہ سمجھیں گے حالت نہ سنبھلے گی ۔ (از خط مرقی علی لندن)

نواب مرشد آباد : ۲۳ جولائی ۱۹۰۰ء ۔ نواب مرشد آباد سے آپ بخوبی واقف ہیں جب وہ یہاں تشریف لائے تو ملکہ منظر سے ہاتھ ملایا اور فوراً جا کر ہاتھ دھو ڈالا جس سے ملکہ منظر کی توہین ہوئی ۔ ان سے سبب اس کا پوچھا گیا تو کہا کہ ہمارے مذہب میں ہے کہ جب کسی دوسرے مذہب والے سے ہاتھ ملائے تو فوراً لے دھو ڈالے ۔ چنانچہ اس کی تفتیش کی گئی ۔ عرب ، ترکی ، فارس وغیرہ کے مولویوں سے دریافت کیا گیا ۔ خیر یہ بات تو رن دفع ہو گئی ۔ نواب صاحب ایک میم پر عاشق ہوئے جو ایک ہونٹ کی خادمہ تھی ۔۔۔ میں تجرہ ہوا کہ کہاں وہ نفرت اور ذلت کی ملکہ منظر سے ہاتھ لاکر دھو ڈالا اور کہاں یہ کہ خادمہ ہونٹ کے ساتھ شادی کر لی ۔ (از خط مرقی علی لندن)

پیرس کی نمائش : ۳۰ جولائی ۱۹۰۰ء ۔۔۔ اسی طور سے پیرس کی نمائش گاہ میں ہزاروں کھیل تماشے اور ٹھیٹھ وغیرہ آئے ہیں ۔ نواب شیش محل لکھنؤ کے لڑکے گئے تھے ان سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی بھائیوں نے بھی ایک ٹھیٹھ وغیرہ قائم کیا اور اسے لائے ہیں جس میں دو تین طوائفیں لکھنؤ کی ہیں ۔ ایک گھنٹہ ان کے باج کا مقرر ہے مگر ہمیشہ ہی ہوا کہ ان کے ساتھ ساز درست کیا کیے اور گھنٹہ ختم ہو گیا یا کبھی دو چار بول گئے پائیں ۔ اگرچہ ان کے مالک لاکھ سر رکھتے ہیں کہ تم لوگ اپنا پہلے سے ساز کیوں نہیں درست کر لیتے تو کہتے ہیں کہ صاحب شاہی سے ایسا ہوتا آیا ہے ۔ غرض کہ پیرس میں بھی ہندوستانی ذلیل ہو رہے ہیں ۔ نواب صاحب کے لڑکے کہتے تھے کہ اور تماشاکار ہوں میں جاتیے تو تن رکھے کو جگہ نہیں ملتی مگر یہاں دو چار لوگ کرسی پر بیٹھ

اور باقی تھوڑے کھڑے بے ہود گئیاں دیکھ کر ہنستے رہتے ہیں۔ (از خط تفتی علی - لندن)

لندن میں دھوپ: ۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء..... آج بھی دن اچھا ہے۔ آفتاب کی کرنیں زمین میں لوٹ رہی ہیں جس سے ہم ہندوستانی بہت خوش ہیں اگرچہ بعض وقت پریشان کرنے والے امر کے پہاڑ اپنے دامنوں میں کمرنوں کو اٹھا لیتے ہیں اور ہم لوگ لپٹائی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں۔

یہاں بھیس اور بکری نہیں ہوتی۔ گائے اور بھیر بکثرت۔ گائے دودھ کے واسطے اور بیل و بچرے کھانے کے لیے کیونکہ بیل سے یہاں کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ گھوڑے سے سب کام لیتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام گدھے سے مثلاً گھاس کے کاٹنے کے آلہ میں گدھا جوت دیا یا چھوٹی سی گاڑی میں جوت دیا اور تیز چلتے پھرتے ہیں اور اسی گاڑی پر خود بھی سوار ہیں۔ سمندر والے کرائے مقاموں پر گدھوں پر چار جالے پھینچے جاتے ہیں جس پر لوگ نہایت خوشی سے سوار ہوتے ہیں۔ ٹائیکس زمین میں لگی ہوئی اور بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ (از خط تفتی علی - لندن)

ملکہ کا جنازہ: ۲۵ فروری ۱۹۰۱ء۔ جس دن ملک مصطفیٰ کا جنازہ اٹھا ہر گرجا گھر میں دعا کی گئی کہ حکم ہو تم اے مسافر تو ہم سے جدا ہو گیا اب ہماری آنکھیں کھلیں دیکھیں گی۔ راہ نازا دشوار ہے مگر تو نے خوب طے کر لی۔

ملک عدم میں نہ رنج ہے نہ غم۔ نہ ہستے ہوئے آنسو نہ رونی صورتیں۔

اب تجھ کو مردم آزار نہ پہنچائیں گے۔ دنیا بھر کے جھگڑوں سے تجھے نجات ہو گئی۔

گناہوں کے دھبے تیرے دامن پر نہ پڑیں گے نہ دہم و شک عقائد مذہبی میں رخنہ انداز ہوں گے۔

عذاب دوزخ تیری راحت میں مثل نہ ہو گا کیونکہ حضرت مسیح حافظہ نامہ ہیں۔

اے خدا تیری مقدس حفاظت میں تیرے سوتے ہوئے بندہ کو چھوڑ دے ہیں۔

بے خبر سونے والا شربکہ۔ یوں ہی سوتا رہے گا۔ بعد تیرے حکم سے جلائے گا اور اٹلے گا۔

افسوس تھوڑے عرصہ میں تم نازا کا بد بھی نہ لگے گا۔ مٹی میں مٹی اور خاک میں خاک مل جائے گی۔

(از خط مصطفیٰ علی - لندن)

ملکہ کی وفات: ۲۱ مارچ ۱۹۰۱ء۔ یہاں ملکہ مصطفیٰ کی وفات پر اظہار غم یوں ہوا کہ ملکہ مغیرہ گریں۔

غریب پرانی روح تھی۔ لکھا نہیں ہو گیا۔ دو کایں ہر آدھے دن بند ہیں۔ (از خط تفتی علی - لندن)

ایڈیل فول: ۲۲ اپریل ۱۹۰۱ء..... دو شہید گزشتہ کو دن بے وقوفی یعنی کم اپریل تھی۔ ایک شخص نے

۲۵ کلوں کو بے وقوف بنایا۔ ہر ایک کو خط اس مضمون کا لکھا کہ مجھ پر ایک مقدمہ چل گیا ہے۔ آپ میری کوئی

نفلان وقت کی گاڑی نفلان اسٹیشن پر ملیے اور میرے ساتھ 'وٹو' چلیے۔ جو کچھ فیس آپ کی ہوگی آپ کو اسٹیشن پر دی جائے گی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر کل وکیل اسٹیشن پر موجود ہوئے۔ اتفاق سے ایک وکیل نے دوسرے وکیل سے پوچھا کہ آپ نفلان شخص ہیں جنہوں نے مجھے خط بھیجا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں خود ہی اس شخص کی تلاش میں ہوں۔ اسی طور پر کل وکیل ملے اور جو خط ہر ایک کے کھولا اور مضمون ملایا تو ایک تھا۔ دن کا جو خیال کیا تو وہ دن یکم اپریل تھا۔ سب شرمندہ ہوئے اور اپنے اپنے مکان پر واپس گئے۔ خط بھیجنے والے نے اپنا فرضی نام اور فرضی پتہ لکھ دیا تھا۔ (از خط مرقی علی - لندن)

مجتہدوں سے حفاظت: ۲۰ مئی ۱۹۰۱ء - تجربہ: ارشد کہتے تھے اگر اپنی نشست گاہ کے گرد پیش رکھ لے جاویں یا چارپائی پر سوتے وقت رکھے جاویں تو مچھڑل سے حفاظت ہوتی ہے اور وہ مفرت نہیں پہنچاتے۔
وفات فضل حسین صاحب: ۲۸ اگست ۱۹۰۱ء - آج صبح سے طبیعت منشی فضل حسین صاحب بگڑنا شروع ہوئی اور ٹھیک ۸ بجے رات کو انتقال کیا اور ۳ بجے رات کو بمقام منشی فضل رسول مرحوم اپنے والد راجد کے مدفون ہوئے ۵۶ سال ایک ماہ ۲۵ یوم کی ہوئی۔ ۳۰ جولائی ۱۸۳۵ء یومیدہ کو پیدا ہوئے تھے۔ آدمی نہایت نیک اور منکسر المزاج تھے اور ان کی وفات سے عموماً اہل قصبہ بہت متاسف ہوئے اور ٹھے ان کی مفارقت دائمی کا سخت ملال ہوا۔ خدا غریق رحمت کرے۔ ان کی ذات سے بہت سے لوگوں کی پرورش ہوئی تھی۔ اگرچہ مزاج میں بعض وقت غصہ آجاتا تھا لیکن جب دو ایک روز کی حاضر باشی کی گئی اور عذرات پیش کیے گئے تو اس کا قصور معاف کر دیتے تھے اور یہ بات ان کے حراج میں ضرور تھی کہ لوگوں کے کہنے سننے کا بہت اثر پڑتا تھا اور کچھ زیادہ عاقبت اندیشی مزاج میں تھی مگر خوش قسمت ضرور تھے کہ ان کے عہد میں بہت سی ریاست پیدا ہوئی۔
 ۲۹ اگست ۱۹۰۱ء - آج میں نے مجمع عام میں کہہ دیا کہ التفات رسول کا سچا ہی نواہ ہوں اور اپنے اہل خانہ میں کوئی دقیقہ ان کی بھی خواہی کا احاطہ نہ رکھوں گا لیکن تعلقہ حلال پور کا کام میں ہرگز نہیں کروں گا میری جگہ پر کوئی دوسرا شخص تجویز کیا جاوے۔ اس میرے کہنے پر راجد گارشاہ اور ڈپٹی کمرست حسین صاحب اور محمد عربی نے بالاتفاق یہ کہا کہ بغیر آپ کی توجہ کے یہ کام ہرگز نہیں چل سکتا اور انتظام بالکل بتر ہو جائے گا۔ اگرچہ التفات رسول نے اس بابے میں کچھ نہیں کہا لیکن اور لوگوں کے ذریعہ سے مجھے کہا بھیجا کہ میں خود مکان پر حاضر ہو کر ہزار کروں گا اور جو باتیں وہ فرمائیں گے ان کی تعمیل مثل خورد دں کے کروں گا اور ہرگز اس سے سزا بنی نہ ہوگی اور آپ سیر مری نہیں۔ بدوں آپ کی امداد کے یہ دشوار گزار عہدہ ہرگز ملے نہیں ہو سکتا۔

عقد التفات رسول : ۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ آج نو بجے رات کو مقدر بخور دار سید التفات رسول خلیفہ دوم منشی فیض حسین صاحب مرحوم مسماۃ آمنہ دختر سید نبی احمد نبی محمد عربی سے برقرار دادرہ ۲۵۴۸ کے ہوا۔ نکاح مولوی مقیم الدین صاحب عالم ساکن ڈیرہ اسماعیل خاں نے پڑھا۔ یہ عقد چھوڑوں اور شکر پر ہوا۔ منجانب درویشی کو امت حسین وکیل اور سید نجم الدین و بخور دار سید ارغشی علی گواہ تھے۔ (خصمی بعد میں ہو گئی) اس عقد سے مسماۃ گنڈن زو جرتانہ منشی فضل حسین صاحب مرحوم کو سخت رنج و صدمہ ہوا تو اپنی خالہ زار دہن دختر مولوی رفیع الدین سے کرنا چاہتی تھیں اور منشا یہ تھا کہ اگر بہن کے ساتھ جائش ملے گا عقد پر جائیگا تو میری حکومت اور رعب و ادب اسی حالت سے قائم رہے گا جیسا کہ گزشتہ میں تھا لیکن مشیت ایزدی خلاف اس کے تھی کہ دفعتاً منشی صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا۔

والدہ مصطفیٰ علی : ۱۶ نومبر ۱۹۰۱ء والدہ بزور دار مصطفیٰ علی کو ابھی درد لاحقہ عرق النساء سے کامل افتادہ حاصل نہیں اور بائیں آنکھ میں ناخن کی شکایت پیدا ہو گئی۔ آنکھ دو دم کیے ہوئے ہے جس سے تکلیف از حد ہے اور وہ گوشت جانب دیدہ سیاہ بڑھتا جا رہا ہے۔

۱۰ دسمبر ۱۹۰۱ء آج ابلی خانہ مولوی علی احمد صاحب اشرف ٹولہ نے حسب تحریر یک میری بذریعہ منشی سید کرامت حسین کا کھانا بھیجا کہ وہ خصمی اپنی پوتی دختر سید نبی احمد کی بدادخی الحجہ کے قرائیں گی جس کے واسطے جو تادریغ طے کی جاوے۔ یہ وہ لڑکی ہے جس کا عقد ۷ اکتوبر کو ہو چکا ہے۔ فریقین اپنے اپنے یہاں سامان کر رہے ہیں۔

وفات چودھری محمد عظیم : ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء۔ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ داد گلائی رئیس اعظم سندیلہ نے دفعتاً بوقت ایک بجے رات گزشتہ اپنے مکان واقع قیصر باغ لکھنؤ میں تھکا کی (مرحوم ٹھیک گیارہ بجے شب کو کھانا کھا کر سوئے تھے۔ ایک بجے کچھ شکایت درد قلب کی پیدا ہوئی اور مہاراج پراز کر گئی۔ اپنے بچے دن کی اسپیشل ٹرین میں ان کی لاش لکھنؤ سے آئی اور ٹھیک چار بجے شام کو اپنے نبی باغ میں دفن ہوئے۔۔۔ مرحوم میرے ساتھ بوجہ بہت اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ان کی عمر ۵۲ سال تھی۔

شادی التفات رسول : ۱۵ مارچ ۱۹۰۲ء آج سے جلسہ شادی بخور دار سید التفات رسول شروع ہوا لیکن موصوف الیسنے نہ تو انجا پہننا اور نہ آتش بازی و آرائش کو جائز رکھا اور نہ کسی قسم کے باجن و فیرو بجے کی اجازت دی صرف ناپ طوائفان سندیلہ چاٹا ٹھکانہ لکھنؤ اور ایک طائفہ کشمیری مسی مورثین خلف کھنوز لکھنؤ کا ہوا۔۔۔ کل طائفان لکھنؤ میں جہن طوائف لکھنؤ کا ناچ و گانا ہو گیا پسند ہوا۔

۱۸ مارچ ۱۹۰۲ء - بوقت صبح کے بری اور بکے صبح باغات پر نور دار سید التفات رسول بخانہ مولوی
 لاجو صاحب گئی اور منشی عزیز الدین احو صاحب کے مکان میں ٹھہری۔ نوشہہ تاجداران پر سوار تھے اور کوئی ہارٹی
 بیڑہ نہ تھی۔ بلکہ سوائے لوگوں کے اہل بادری میں سے کبھی کوئی ہمراہ لاتا تھا۔ عرف چنیز پر ضرور تھے۔ اپنے
 ان کو جسمی ہوئی۔ ٹھکانی سوار وہ اپنے نوشہہ کو سلامی میں لے اور ایک گھوڑا معذور لورن فری۔ علاوہ اس کے جہیز میں پتہ
 ظروت فقری اور باقی می کے تھے جن کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی۔ محمد عرفی میر سڑنے نیز کرسی ظروت جینی سرہی ملاری
 دہلی۔ سنگ مرمر کی دی اور میں نے بھی چار جوڑے درجانب دو لہا اور دو بجانب دو لہن بھیجے۔ اور دونوں طرف
 کے مراسم نیو تہ وغیرہ ادا کرنے میں میرا عجمی ہر دستہ رپے ساٹھ تین آنہ ہوا۔ ایک پانچویں جہیز میں ملی اور ان
 ایک پلنگ و پٹری بھی فقری تھی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جہیز معمولی تھا۔

نہدندہ دل لوگ: ۱۳ اپریل ۱۹۰۲ء - ۲۵ یہاں چلے گئے جو کچھ ہوں ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔ کوئی کھیل
 کوئی دل بستگی کا سامان یہاں ایسا نہیں جس میں بچے بوڑھے سب شریک نہ ہوتے ہوں۔ اپنے کو یہاں کے لوگ
 ہمیشہ بچہ سمجھتے ہیں۔ عجب نہدندہ دل لوگ ہیں ایک خاندان کو میں جانتا ہوں جن کے ۱۳ یا ۱۴ بچے ہیں ایک
 - ورنہ لوگوں کی ماں سے تائیں ہوتی جن کا سن قریب پچاس برس کے ہے۔ کہا میں بوڑھی نہیں ہوں۔ میرے پاس سوائے
 اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ بے شک تم کہیں سے بوڑھی نہیں معلوم ہوتی ہو۔ اصل تو یہ ہے کہ تم اپنے لوگوں کی ایک ہی
 معلوم ہوتی ہو۔ کہ تم کچھ کہتے ہو اکثر دلچسپ ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے۔ بڑے لڑکے اس ۲۴ برس کا ہے (از خط فقری اعلیٰ لندن)
لندن میں تاج پوشی: ۱۳ مئی ۱۹۰۲ء - موسم اچھا ہے۔ تاج پوشی کا سنا نہ قریب آگیا۔ مہمانوں کی آمد
 ہوتی ہے۔ ان کے ٹھہرنے کے لیے مکانات منتخب ہو چکے ہیں۔ یہ جلسہ قابل دید ہوگا۔ دیکھا چاہیے کہ دیکھنے
 میں آتا ہے یا نہیں۔ ایک شخص معمولی مقام سے اگر دیکھنا چاہے تو ایک گنی کم از کم بڑے۔ جمع سے دیکھنا نہایت
 مشکل اور سخت مشکل سے غالی نہیں۔ علی الصبح اگر جاؤ اور دل بھر بھوکا پاسا کر لے تو شاید دیکھنے کو لگے (از خط فقری اعلیٰ لندن)
میر سڑکی آمدنی: ۲۲ جولائی ۱۹۰۲ء - یہاں ایک سیر سڑکی آمدنی کی گنتہ چھ سو روپے ہے۔ اس قدر
 روپیہ خدا جالے کس کے گھر میں رکھتے ہوں گے۔ چاروں طرف سخت نشینی کی دھوم دھام ہے لوگ سودا
 ہو رہے ہیں۔ ایسے تماشائی شاید کہیں ہوں۔ (از خط فقری اعلیٰ لندن)

حالات والدہ مصطفیٰ اعلیٰ: ۲۸ جولائی ۱۹۰۲ء - آج باجو لنگا سہارے ڈاکٹر سدریل نے پانچویں تو
 والدہ مصطفیٰ اعلیٰ کی رگ عرق انسان بنایا پچکاری دوا پہنچائی۔ میں نے ان کو چار روپے فیس کے دیے

ڈاکٹر صاحب اگرچہ توجہ سے علاج کر رہے ہیں لیکن ہنوز وہ بالکل دفع نہیں ہوا ہے۔ بچہ کاری دینے سے تیرے روز تک بہت تخفیف ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں تھناہٹ ہو کر پھر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ بالکل دفع ہو جاوے۔
۱۹ اکتوبر ۱۹۶۱ء - ہنوز والدہ مصطفیٰ علی کو درمق النسلسے کامل آرام نہیں ہے اور حسب تجویز حکیم دوا
حصہ آج کل پھر ان کے سہل ہو رہے ہیں۔ خدا شغائے کامل عطا فرمائے۔ ان کی باتیں آنکھیں کی بصارت بالکل جاتی رہے۔

دس باس تاج پوشی ہودوئی : ۱۴ جنوری ۱۹۶۲ء - کل کے دربار جشن تاج پوشی ہر دوئی میں
میری کرسی صفا اول میں تھی اور آنریری مجسٹریٹوں کے سلسلے میں پہلی تھی اور میری کرسی کے پیچھے دو کلا اور ایک
وغیرہ کی کرسی تھی جس کا ہر آئینہ مجھے غرے کہ ایسا اعزاز اپنے ہم رتبہ اور ہم چشموں میں مجھے حاصل ہوا۔

سید علی گلگامی : ۱۹ جنوری ۱۹۶۲ء - سید علی گلگامی کو انڈیا آفس میں ایک جگہ مل گئی ہے
مترجم کا غذات عربی و فارسی ہیں اور تین سو پونڈ تنخواہ سالانہ ہے۔ (از خط مصطفیٰ علی - لندن)

تسارنج اعزاز : ۲۸ فروری ۱۹۶۲ء - جو سنڈ گورنمنٹ نے جلدوے میری خدمات آنریری مجسٹریٹ
وسکریٹری میونسپل سندیل کے عطا فرمائی ہے اس کی بابت ایک تاریخ مصنفہ منشی بیگم لال صاحبہ عشرت
پریمی لکھنوی آج کے اودھ اخبار میں طبع ہوئی جو جاں درج کی جاتی ہے: قطعہ تاریخ عطاے سزا نظام میونسپل
آزادیاں گورنمنٹ بنجاب مولوی سیٹھ ظہیر علی رئیس و آنریری مجسٹریٹ وسکریٹری میونسپل بورڈ سندیل جیل ہر دور

منظر علی نامور مولوی لقب	در نامیان نصیب سندیل نیک نام
میونسپل کمشنر وسکریٹری بورڈ	ہر دل عزیز دلائی و ممدوح خاص نام
عمدہ رئیس و مرقہ امیر خیمہ شریف	جو زندہ رفادہ رعایاے مستہ نام
خدا جشن تاج پوشی ایلہ درہ سمنی	ہر مستحق رسید باعزاز و احترام
ایں ہمہ ذوالیسرے سز تازہ یافتہ	گردیدہ کارکردگی اعلان احتشام
بسیار شاد گشت دل جلان دوست نام	در دل بستان بادبارک علی الدوام
عشرت نوش و معرے سانش بیچہ	آمدہ مستند سند حسن انتظام

لاٹانی استانی : ۱۴ مارچ ۱۹۶۲ء - آج میں نے ایک کتاب لائانی استانی "ملی گلوہ سے یقین"

ایک روپیہ علاوہ محصلوں وغیرہ ٹاک کے منگانی جو نہایت دلچسپ اور تعلیم نسواں کے لیے بہت مفید نظر آتی
ہے۔ ہر قسم کے مضامین اس میں درج ہیں جس کی وجہ سے گھر میں بیٹھے ہوئے چاروں بزرگم کے حالانچ بخیر معلوم ہو سکتے ہیں

صراحت: ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء۔ خطوط برنور داران مصطفیٰ علی و ترقی علی مورخہ ۲ مارچ ولایت لندن موصول ہوئے۔ مصطفیٰ علی نے لکھا کہ جہاز داسطے روانگی وطن کے ٹھیک ہو گیا۔ ۱۵ مارچ کو اسلینز (اس) سے روانہ ہوں گا اور بیشتر زندگی ۳۱ ماہ مذکور کو بھی داخل ہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میرے نام کوئی نوادش نامہ نہ ارسال فرمادیں۔

مصافحت بموسٹری: ۲۸ مارچ ۱۹۰۳ء جس قدر روپیہ میں نے برنور داران مصطفیٰ علی و ترقی علی بغرض تعلیم برطری لندن کو بھیجا ہے اس کی تفصیل لغایت ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء درج روزنامہ مذکور دی ہے مگر مقدار سات ہزار نو سو بیس (۲۹۲۰) روپیہ ہے اور تاریخ مذکورہ کے بعد جس قدر روپیہ میں نے در دار مصطفیٰ علی کو اور ۲۳ فروری ۱۹۰۳ء تک بھیجا ہے۔۔۔ اس کی میزان ایک ہزار دو سو نوے روپے ۰۔ میزان کل لغایت ۳ فروری ۱۹۲۰ روپے۔

اگرچہ مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار برنور دار ترقی علی اپنے داماد کے صرف لندن کے کھیل میں لکین خ آٹھ سو تیس روپے دوائے میں نے بھی اپنی جب نماں کسب نہیں کیا، خدا سے دعا ہے ان کو اپنے مقصد میں کامیاب حاصل ہو۔
واپسی مصطفیٰ علی: یکم اپریل ۱۹۰۳ء آج تمام روز برنور دار مصطفیٰ علی کی آمد کالندن سے انتظار رہا مابنا ۳ مارچ کو حسب تحریر خود بھیجی آگئے ہوں گے۔ اگر وہ کاش اپنے آنے کا اطلاعی تار بھیج دیتے ان کی پیشوائی عزت کے ساتھ کی جاتی۔

۲ اپریل ۱۹۰۳ء آج ۱۱ بجے رات کی ریل میں برنور دار مصطفیٰ علی بلا اطلاع دیہی ماقبل بدستماں طریقا مرد سندیلہ ہوئے اور میں ان کے آنے پر جگایا گیا اور ان سے ملا اور بہ نور مسرت مجھے دین گھڑت سنبند ہیں آئی۔ افسوس کہ انھوں نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی ورنہ اسٹیشن سندیلہ پر ان کی پیشوائی کا بہت طراجم ہوتا۔
۳ اپریل ۱۹۰۳ء آج میرے بہت سے اعزاء و احباب برنور دار مصطفیٰ علی سے ملنے آئے اور ان کی اخلاقی سے خوش گئے اور راجہ درگ پرشاد میر سے سچے حبیب نے ان کو طلائی گوتے کا ہار چھایا اور بہت عزت سے دیکھا۔ خدا سے دعا ہے کہ ان کے کام میں برکت نصیب ہو۔

چھل قدمی: ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء میں اس مقام پر بحرالہ فکرتا ہوں کہ شیخ اسطیقا تندرستی کے نہایت عمدہ علاج نصوٹا صبح و شام کی مٹھی نوجوانوں اور بڑھوں اور ہر عمر کے آدمیوں کو لازم ہے کہ اس کی فرازولت کریں اگر چاہتے کہ ان کی تندرستی قائم رہے۔ ہزاروں دواؤں سے یہ نسخہ عمدہ اور حکم کسیر کا رکھتا ہے۔

مرتبہ علی و ملازمین خود: ۲۹ اپریل ۱۹۰۴ء بجواب خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۳ء برنور داروغہ علی کو یہ تحریر کیا کہ میں کو شش کروں گا کہ تمہارے واسطے ایک ہزار ایک سو روپیہ کا بندوبست کر کے لندن کروں تاکہ تم سب پر مری حاصل کرو۔ میں نے ۲۸ اپریل سن الیہ سے بوجہ خلاف رتاؤ سید التفات رسول تعلقہ جلال پور کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی لیکن اس کا کوئی اثر تم پر نہ پڑنا چاہیے حتی الامکان میں تمہارے واسطے رقم کو لا بعد رکوشش کر کے ضرور روانہ کروں گا لیکن اب تم بعد پاس کرنے امتحان کے وطن چلے آؤ اور جو کچھ خامی قانون دانی میں تم کو ہوگی اس کا ٹھکانہ یہاں ہو سکتا ہے۔

واپسی مرتبہ علی: ۹ نومبر ۱۹۰۴ء میں ۳ اکتوبر کو یہاں سے جہاز پر سوار ہونے والا تھا لیکن اس پر وگ نہیں ملی۔ اتفاق سے جہاز پر شیا بھگت گئی جو لاہور میں الیہ کو یہاں سے روانہ ہو گا اور میں ۱۳ نومبر کو اریل سٹانس پر روانہ ہو گا اور ۲۸ نومبر کو بمبئی پہنچ جاؤں گا..... اب آپ کوئی خط مجھے نہ بھیجیں۔ (خط مرتبہ علی - لندن)

دفعہ طاعون کے جھنڈے: ۲۸ نومبر ۱۹۰۳ء آج کل ہمارے محلہ اشرف ٹولہ کے عزیزوں کے مکانات کی بالائی سقفت پر جھنڈے نصب ہیں جس کے کپڑے پر آیات قرآنی واسطے دفعہ بیماری طاعون کے مرقوم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا اثر چالیس گھنٹوں تک پہنچتا ہے اور اس کے باشندے برکت دے لے بیاری سے محفوظ رہتے ہیں۔ چونکہ میرے مکان کے قریب منشی مقبول احمد ولد منشی حزنہ الدین صاحب مرحوم و سید التفات رسول تعلقہ دار نے ایک ایک جھنڈا نصب کیا ہے اس کا اثر میرے مکان تک بخوبی پہنچ سکتا ہے لہذا میں نے اپنے مکان میں اس کا قائم کرنا مناسب نہیں جانا۔

وسودہ مرتبہ علی: یکم دسمبر ۱۹۰۳ء آج مارسلہ مولوی محمد کریم صاحب تحصیل رانگل پھاڑ سے معلوم ہوا کہ نور محمد رضی علی ۲ نومبر ۱۹۰۳ء کو ولایت لندن سے مقام "کل بھاڑ" پہنچ گئے اور بخیر وعافیت ہیں۔

۱۳ دسمبر ۱۹۰۳ء آج خط برنور داروغہ علی مورخہ ۱۱ دسمبر تحصیل "کل بھاڑ" سے آیا کہ اب اگر وہابی طاعون یہ قصبہ کو چھوڑ دیا ہو تو میں قعد وطن کا کروں۔ میں نے لکھ دیا کہ ہنوز دبا دفن نہیں ہوئی۔ بالمرہ ددین آبادی کے متہوانہ و مندوئی میں مبتلا ہو کر ضائع ہوتے ہیں۔

طاعون سے فراس: ۲۲ جنوری ۱۹۰۴ء چونکہ بوجہ علالت طاعون مساعہ لپسی خاں مددگار میں وشت پریشانی نہ پیدا ہو گئی اس لیے میں نے آج اہلیہ برنور مختاری علی و منجھلی و نور و دیگیوں و نانی صاحبہ مصطفیٰ علی کو یہ سواہی دیا تاکہ ان کے موقع گھو گہرہ کو بھیج دیا اور برنور داروغہ مختاری علی اور نور دیدہ ختم حسین کو سوار یوں کے ساتھ لایا۔ ۲۵ جنوری ۱۹۰۴ء آج کل میں گھو گہرہ میں ہوں اور میرے ساتھ والدہ دانی برنور داروغہ علی

یران کی منجھلی چھوٹی بنیں مرنور دار محنتی علی مد اہلی خانہ نور مد نور دیدگان مزل حسین و توکل حسین ہمراہ ہیں اور
بنی سعادۃ علی ضلع دار گھوگرہ، دکان پڑی قدرات اس وقت تک پلیدہ نابت ہو رہی ہیں اور کسی قسم کی ضروری
یا ہم پہنچنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ زمین اران و کاشکاران گھوگرہ، ندریں پیش کر رہے ہیں۔ پانی یہاں کامیاب
نہم و شیریں ہے خصوصاً اس کنویں کا جو میرے مکان سے متصل ہے۔

۱۳ فروری ۱۹۰۳ء۔ آج حکیم ظہور الحسن بعد وفات تمامی خاناران خود جو تین ہفتہ کے ندر بہار مظاہر
تم ہو گیا براہ ہندر گاہاں وارڈ گھوگرہ ہوئے اور والدہ برنور دار مصطفیٰ اعلیٰ کے لیے دوسرے واسطے دفریہ در
رق النساء کے لکھ دیے جو آج کل در دشدید میں مبتلا ہیں اور نقل و حرکت سے محذور۔

۱۴ فروری ۱۹۰۳ء۔ ۱۸ نومبر ۱۹۰۳ء کو سندیل میں طاعون نے خروچ کیا تھا اور ابھی تک اس کا دھڑل
ہے اگرچہ میں کل مزرعہ جات دیکھ چکا ہوں لیکن تاہم چار بجے شام کے بغیر نقرہ بھٹا ہوں اور ہر ایک
رکی پیداوار کو دیکھتا ہوں اور کبھی کسی مزرعہ کو چلا جاتا ہوں۔ جو یہ شہنشاہ چار میل کی ہوتی ہے اس سے
یری تندرستی کو نفع پہنچ رہا ہے۔ برنور دار مصطفیٰ اعلیٰ اکثر میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ والدہ برنور دار مصطفیٰ
نور در عرق النساء سے از حد تکلیف ہے۔ حکیم ظہور الحسن کے روغن بخورہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لہذا آج دوا
ہومیوپیتھک معرفت نور دیدہ منظم حسین لکھنؤ سے منگائی ہے۔ شاید اس سے کوئی نفع ہو۔ چونکہ سندیل
میں ہنوز سلسلہ بیماری طاعون کا جاری ہے اس وجہ سے میں ان کو وہاں بھی نہیں لے جاسکتا ورنہ شاید
ذاکطری معالجہ سے نفع ہوتا۔ ان کر تین سال سے سخت تکلیف و پریشانی ہے۔ چند مہینہ کچھ آرام ہو گیا تھا۔
چلنے پھرنے لگی تھیں لیکن اب پھر اس کی شدت ہے۔ اللہ شفا دے۔

۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء۔ آج نو بجے صبح کو راجہ درگاہ پر شاد صاحب تعلقہ اندیسری مرتبہ میری ملاقات
کو قریب کے موضع کھنور سے جہاں وہ مقیم ہیں تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ کنور جنگ بہادر والال بہادر
اول و دوم فرزند ان بھی تھے اور ایک گھنٹہ کا حل علم نجوم وغیرہ کے متعلق بات چیت کرتے رہے اور بہانہ
بارغ انبہ قلمی تخی متصلہ مکان کو ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوئے۔ زان بود بہند رگاہاں کو تشریف لے گئے۔ میرے
لیے باعث کمال عزت کا ہے کہ ایسے مقتدر شخص مجھے نگاہ وقعت سے دیکھتے ہیں۔

۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء۔ آج میں والدہ برنور دار مصطفیٰ کو بحالت مجبوری ان کے سخت اصرار پر گھوگرہ
سے روانہ سندیل کیا۔ حالانکہ وہاں ہنوز سلسلہ بیماری طاعون کا قائم ہے۔ ۲۲ جنوری کو وہ گھوگرہ آئی تھیں

اور ایک مہینہ ۱۰ یوم کے قیام کے بعد نوبت واپسی آئی۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانہ قیام میں ان کو درہنہ سے سخت تکلیف کا سامنا ہوا اور کوئی دن چین نہیں ملا اور باوصف معالجہ ہو میو پیٹھک دیونانی ترقی ہوتی رہتی اور بجائے مجبوری آج روانگی سندیلہ علی میں آئی۔ راقم متہجلی ہو واپس ان ودا نوک سے وغیرہ انشاء اللہ تعالیٰ کل روانہ سندیلہ ہوں گا۔ پروردگار عالم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔
والپسی مرتضیٰ علی: ۷ اپریل ۱۹۰۴ء آج ۸ بجے ٹکاک گاڑی میں پروردگار سید مرتضیٰ کو

دیباچہ ضلع الہ آباد سے وارڈ سندیلہ ہوئے۔ انھوں نے امتحان بیرٹری ۱۰ جون ۱۹۰۳ء کو مقام لہ پاس کر لیا تھا اور ۲۰ نومبر کو اپنے خسر کے وہاں تحصیل کل بھارت آگئے تھے۔ لیکن محض بیاری طاع کی وجہ سے انھیں سندیلہ نہیں بلایا تھا۔ آج بعد چار سال ایک ماہ ۲۳ یوم کے ان کے دیدار نصیب خدا سے دعا ہے کہ ان کو اپنے کام بیرٹری میں کامیابی حاصل ہو جن کی تعلیم میں ایک مہار کٹر صرف ہوئی! ابھی صرف پتہ کو ہے کہ ہائی کورٹ سے پانچ سو روپے دے کر سند حاصل کریں گے دیگر معارف کتب وغیرہ۔
سوانح عمری حقہ دوم: ۳۰ مئی ۱۹۰۴ء میں اپنی کتاب سوانح عمری (حصہ دوم)

لکھنے میں برابر مصروف رہتا ہوں جو مرن ابتداء سے جون ۱۸۹۴ء لغایت جون ۱۹۰۴ء قریب ختم ہے خدا کرے یہ کتاب میری حیات میں طبع ہو جائے اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے کیوں کہ اس پر ہر ایک کے مذاق کے موافق تذکرہ لکھا گیا ہے۔ شاید میں اپنی یادگار قائم کر جاؤں۔

وفات اہلیہ: ۲۵ جولائی ۱۹۰۴ء۔ افسوس صد افسوس کہ آج چار بجے صبح میری مونس غم گس

مسماہ شمس النساء بنت شیخ کریم بخش میٹھوی حرم خانہ راقم نے قضا کی اور مجھے مبتلائے رنج و المہ دانگی کیا جو تا حیات فراموش نہیں ہو سکتا اور کبھی ایسا مدد مجھے پہنچا۔ مرحوم ۳ ذی حرجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۴

۱۸۴۶ء روز دوشنبہ بوقت ۱۰ بج کے ۳۵ منٹ پر پیدا ہوئی تھیں۔ ... مرحوم سے میرا عقدہ ۱۸ جنوری ۱۹۲۳

بوقت ۷ بجے صبح یوم سبخر کو ہوا تھا۔ بلحاظ سن عیسوی کتالیس سال چھ مہینے ایک دن ہوئے۔ مرحوم شکل مورت

میں حسین اور سابقہ میں نہایت خوش سلیقہ صاحب عصمت حلیم و فیاض ثابت ہوئیں اور بدرجہ غایت

میری خرافاں برداشتیں۔ اہل برادری ان کے خلق و طفساری سے رضامند و شائواں تھے۔ وہ ہمیشہ کل تقریبات

شادی و عقی برادری میں شریک ہوا کرتی تھیں اور بوجہ اپنی وجاہت ظاہری کل مستورات میں ممتاز نظر

آئیں اور ان کی حلیم الاخلاقی سے کل عورتیں بہ نگاہ وقت و کھشت اور ان کو رضامند رکھنے میں تمام تر

خاطر داری عمل میں لائیں۔ مرحومہ کے پندرہ لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ منجھان کے چار فرزند اور تین لڑکیاں وقت وفات حیات قائم رہیں اور ان کے خدمت گزار بنیں۔ تجویز و تکلیف سے افتخار کو نہیں حاصل کیا۔ مرحومہ نے حسب ذیل اپنی اولاد چھوڑی۔ چار بیٹے، تین لڑکیاں، تین پوتے دو پوتیاں دو نوادے دو نوایاں۔ کل سولہ۔

..... جون ۱۹۰۱ء سے دردمرق النساء بائیں آنکھ کے گوشت بڑھنے میں مبتلا ہو گئیں جنہاں تک

تادم مرگ قائم رہی اور اخیر چھ مہینے زندگی کے بہت تکلیف دہ پریشانی سے گزرے کہ سیدھی ایک سخت بڑی رہتی تھیں اور کسی جانب کو بوجہ تکلیف و شدت درد کے جنبش نہ تھیں اور ہر وقت استاد خود کشی کی رہتی کہ کوئی ایسی شے کھلا دی جائے کہ جس سے روح فنا ہو کر تکلیف شدید سے نجات ملے۔ ہر چند یونانی ڈاکٹر ہو مریض کو علاج ہوا افسوس کہ کوئی فائدہ بخش نہ ثابت ہوا۔ بقولے کہ مرض بڑھا گیا ہوں ہوں روا کی... مجھے ان کی مفارقت دائمی سے سخت صدمہ پہنچا کہ انتظام خانہ داری بگڑ گیا اور میری راکھ آتش مقفود ہو گئی اور بقیہ ایمان زندگی کا تلخ خند کسی دشمن کو بھی ایسا صدمہ نہ دیوے۔ واللہ یا شہرہ یحکم ما یرید۔

۴ ستمبر ۱۹۰۴ء۔ جس تاریخ سے اہلیہ مرحومہ کا انتقال ہوا ہے میری طبیعت کچھ ایسی الجھن کی گئی ہے اور سخت پست ہو گئی ہے اور دل سے تقویت و اطمینان ایسا جانا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام میں بی نہیں لگتا اور نہ کہیں جانے کو جی چاہتا ہے اور نہ کسی کی ملاقات سے خوشی اور نہ کسی رشد و ہمو کی خواہش۔ جو کچھ ملا لھا لیا اور کپڑے خدمت گزار نے نکال دیے ہیں۔ بالکل قلب ماہیت کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ بحالت دفور انتشار قصد ہوتا ہے کہ کہیں باہر جا کر سیاحی کروں اور اپنے دل کو بہلاؤں مگر جب مصائب سفر اور تکالیف غربت کا خیال کرنا ہوں تو اس کا تحمل ہونا غیر ممکن نظر آتا ہے اور ایسی حالت میں جس وقت ایک خیال اہلیہ مرحومہ کا آ جاتا ہے تو اس وقت نہایت ناقابل برداشت صدمہ ہوتا ہے جیسا کہ انہیں ہوسکتا۔ پر یہ ہے کہ روجہ صبا عصمت و فرماں بردار نہیں مل سکتی اور اس سے بڑھ کر شوہر کے لیے کوئی ہمدرد نہیں ہوسکتا۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ افسوس دنیا عجیب نا پائیدار مقام ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا جب مرحومہ دوسرے کے عرق میں شرکت کو جایا کرتی تھیں اور آج وہ دن ہے کہ مستورات برادری مرحومہ کے فاتحہ عرف میں شریک ہو رہی ہیں۔ یہ کیسا عبرت انگیز منظر ہے۔

۶ دسمبر ۱۹۰۴ء۔ سچ ہے کہ عورت ایک فہمت اور خوش اطوار سے بڑھ کر شوہر کے واسطے دنیا میں کوئی نعمت نہیں جو اپنی خاص ذات صحت مند رہتی اپنے شوہر کی خیر خواہ اور ہمدرد ہوتی ہے جس نعمت افسوس میں غریب ہو گیا۔

۲۰ مارچ ۱۹۰۵ء - ۲۰ مارچ ۱۹۰۴ء جب سے ایلیم جومہ کی حالت غیر شروع ہوئی اور اس کے لیے ۲۵ جولائی ۱۹۰۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا اسی روز سے میرا دلی صدمہ کسی وقت زائل نہیں ہوتا۔ جین ڈارم بالکل جاتا رہا۔ اگرچہ بظاہر میں ذاتی صفاتی و سرکاری کاروبار انجام دیتا رہتا ہوں لیکن ذہنی آشفتگی مفقود ہے۔
دوست کا مشورہ: ۱۱ جولائی ۱۹۰۵ء - آج میں واسطہ ملاقات راجہ درگ پیر شاہ صاحب تعلقہ دار کے

گیا۔ جناب موصوف چونکہ میرے دلی غیر طلب ہیں مجھ سے فرمایا کہ آپ سے میں چند تہہ کہ چکا ہوں کہ آپ مقد ثانی کر کیوں لیکن آپ کچھ خیال نہیں کرتے ہیں یہ امر آپ کی صحت و تندرستی کے لیے سخت مضر ہے۔ بدون عورت کے انسان کی دلچسپی نہیں ہو سکتی انسان کو چاہے جیسا کوئی رنج و ملال و انکار دامن گیر ہوں لیکن جس وقت عورت سے سامنا و بات چیت ہوتی تو رگڑا کل رنج و غم غلط ہو جاتا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ جب میری دوسری زوجہ نے انتقال کیا تو مجھے سخت پریشانی کا سامنا تھا اور میں اکثر اوقات و فور رنج و الم سے رویا کرتا تھا حتیٰ کہ خیال بیماری دق کا پیدا ہو گیا تھا لیکن جب میں نے تیسری شادی کر لی تو وہ کل شکایت و رنج دفع ہو گیا اور اب میں نہایت اچھی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوں اور اگر کسی تردد و غیرہ کے وقت گھر میں جاتا ہوں تو وہاں پہنچتے ہی سب فکریں جاتی رہتی ہیں اور ہمیشہ ان کی صحت و سلامتی کیلئے پلٹ کر ایا کرتا ہوں جس کے واسطے ایک خاص پٹری مقرر ہے۔ لہذا میں آپ کو براہ محبت و اتحاد کے مجبور کرتا ہوں کہ اگر آپ اپنی بقیہ حیات خوشی سے بسر لے جانا جائز رکھتے ہوں تو آپ جلد عقد ثانی کا کفو یا غیر کفو میں بند و بست کریں۔ اپنی راحت و مقدر ہے۔ لڑکے لڑکیاں سب اپنے مطلب کے ہوتے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی دلی خیر خواہ ہے تو وہ صرف اپنی عورت ہی ہے۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو چند روز میں آپ کی حالت رنج و غم میں بالکل تباہ و اتر ہو جائے گی۔ اس میرے کہنے پر آپ فرور مل کریں۔ میں نے جواب میں کہا کہ اس بارے میں کسی روز آپ سے ملاقات کر کے عرض کروں گا۔ فرمایا کہ میں خود کسی روز واسطے تصفیہ اس امر کے آپ کے مکان پر آؤں گا۔

جہاز کی منتی: ۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء - جہاز کی سواری میں اکثر آدمیوں کو منتی ہوتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ لی جاوے تو جلد آرام ہو جاتا ہے (لارڈ وہ اخبار)

نیرنگی شہزادہ: ۱۷ دسمبر ۱۹۰۵ء - زمانہ کی نیرنگیاں دیکھ رہا ہوں جو عجیب و غریب حالت سے چل رہا ہے۔ کبھی دوست بشکل دشمن نظر آتے ہیں اور کبھی دشمن دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔ اعراق

ہو کے بالوں کی نظریں کبھی موافق کبھی مخالف پڑتی ہیں۔ غرض دنیا کا عجیب رنگ ہے اور کوئی ذاتی خیر خواہ کھلائی نہیں پڑتا۔ خوش نصیب وہی شخص ہے جو باعزت و آبرو اس دنیا کو خیر باد کہے۔ لہذا میری یہی دعا ہے کہ اس دنیا سے نکوئی کے ساتھ اٹھ جاؤں کہ اب کوئی حوصلہ باقی نہیں ہے۔

شادی نور چشمی: ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء۔ چونکہ تاریخ شادی نور چشمی مقیم امجد ابراہیم خلیف محمد صدیق خیر آبادی سے ۱۳ فروری ۱۹۰۶ء مطابق ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو قرار پائی ہے۔ لہذا آج میرے یہاں بوجہ مدت دراز کے ڈھول بجی ورنہ بوجہ صدقات چند در چند میرا گھر ماتم کہہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ تقریب جس حسن و خوبی انجام کو پہنچا دے اور سب طرح سے مبارک ہو۔ چونکہ والدہ نور چشمی امید حیات نہیں ہیں جس کا بہت افسوس ہے لیکن میں نے طے کر لیا ہے کہ یہ شادی کبھی میں ولسی ہی کروں جیسی میں نے اور لڑکیوں کی ہے تاکہ اس کو کسی وقت یہ خیال پیدا نہ ہو کہ میری مال کے نہ ہونے سے کمی لگی گئی۔

۱۳ فروری ۱۹۰۶ء آج شام کو مانجھو محمد ابراہیم ولد محمد صدیق خیر آبادی کا ہوا... وقت ۳ بجے صبح کو میرے یہاں باراٹ بجتی آئی اور ۵ بجے نور چشمی مقیم امجد ابراہیم سے ہوا۔ مہر ۸۵ ہزار دینار سرخ قرار پایا... جلالا نکہ میں نے مولوی احمد رضا صاحب سے ۸۵ ہزار روپے کہے تھے لیکن عورتوں کے کہنے سننے سے میری لاعلمی میں اس قدر مہر تجویز ہو گیا (جو ۱۸ لاکھ ۵۰ ہزار روپے کے برابر ہے) جو میرے مزاج کے خلاف ہوا۔ مولوی احمد رضا مہتوانہ نے عقد پڑھا۔ آتش بازی اور آرائش ہر جہاں باراٹ تھی۔ خدا تقریب کو مبارک کرے اور دونوں خوش حالی کے ساتھ بسر کریں... محمد ابراہیم انٹرنس پاس میں اور چالیس روپے ماہوار کے ریاست 'دھار' میں ملازم ہیں۔ یہ ریاست چھاؤنی منجوسے ۸ کروڑ ہے۔

میرسلطان: ۳۰ فروری ۱۹۰۶ء۔ برنور داران مصطفیٰ علی و مرتضیٰ علی کو حسب اصرار ان کے تین ولایت بھیجا اور جس طور سے ممکن ہوا ان کا کل خرچہ برداشت کیا۔ یہاں تک بیرٹر ہو کر واپس آئے۔ خیال تھا کہ ان کی آمدنی میں ایسی برکت ہوگی کہ جو جائیداد مرہونہ ٹکڑا بہن ہو کہ میرے قبضہ سے نکل گئی ہے اور اس کا زر رہن بنا کر خرچہ بیرسٹران ولایت بھیجا گیا ہے اس سے دوسری جائیداد حاصل کی جا دے گی جس سے خانہ پوری منافع کمی شدہ کی بخوبی ہو سکے گی اور مصارف خانہ داری میں بھی اس سے کافی امداد ملے گی اور میں اپنا اخیر زمانہ زندگی یاد الہی میں یہ اطمینان گزاروں گا مگر افسوس کہ یہ میرا خیال بالکل غلط نکلا کہ ان کو تین دو سال کا زمانہ ہندوستان آئے ہو چکا ہے ہنوز مطلقاً آمدنی نہیں ہوئی بلکہ دونوں کے مصارف

خوابوں کی حقیقت: ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء۔ اگست ۳-۱۹۰۶ء سے آج تک میں اپنے حصول مقاصد کے بے رنگہ لم یزل میں نہایت عاجزی کے ساتھ دست بستہ دعا کرتا رہتا ہوں جن کی بشارتیں خواب میں ہمیشہ سب دل خواہ ہوتی رہیں اور فالیں دیوان حافظ و سکندر نامہ میں مشاہدہ کیں۔ ان کے جوابات بھی شرافت آئے لیکن مجھے کمال انسوس ہے کہ اس وقت تک ان کا کوئی ظہور نہیں۔ لہذا اب میں جہاں تک کر تا ہوں وہ خوابیں وغیرہ محض میرے دلاسا و طمانیت کے واسطے تھیں اور میں تاک میں منتظر ہو گا کوئی لائق بات نہ کروں اور اب ناامیدی اس وجہ خاص سے ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے اور میری قوت ملتی جاتی ہے اس قدر خواہش دلی پر اس بڑھتا جاتا ہے اور حوصلہ پست ہوتا جاتا ہے اور ہنوز کسی قسم کے نامیرے حصول تمنائے قلبی کے نظر نہیں آتے۔ لہذا مزید یقین کا حاصل ہو گیا کہ وہ سب خوابیں اور فالیں ضحیٰ میری طمانیت کے واسطے تھیں۔ اللہ لعل مایثا، ویکرم مایرید

عقد ثانی بیوہ: ۲۵ جنوری ۱۹۰۶ء۔ چونکہ یہ رسم (عقد ثانی) نواسی خود ساقا انجمن، غلاف رواج مطابق سنت نبوی رسول پاک کے اختیار کی اس وجہ سے کل اکابر و ہمسر و نوجوانان قصبہ نہایت خوش ہوئے اور میرے حق میں دعائے خیر کی کہ میں نے رسم قبیحہ کو دور کر کے سنت نبوی کو تازہ کیا اور اکثروں نے دعا خیر کی کہ مجھے خدا ہر قسم کی برکت دے۔ چونکہ یہ کار نمایاں مجھ سے وقوع میں آیا جس کا رواج مطلقاً قصبہ ہذا میں نہیں لہذا مجھے امید ہے کہ اب اہل قصبہ میری تقلید کریں گے۔

نئی چودہ: ۹ فروری ۱۹۰۶ء۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس زمانے کے نوجوان لڑکے اپنی تہذیبی لی وجہ سے کہتے بہت کچھ میں لیکن کرتے کچھ بھی نہیں۔ دوسرے غیر مہذب ہیں کہ اپنے اکابر کو نگاہ حقارت سے دیکھتے ہیں اور ان کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود کچھ کرنے کا ارادہ نہیں کرتے اور ان ہی کی جائداد پر چاہا، وہ تھوڑی کیوں نہ ہو کیونکہ کرنا پسند کرتے ہیں اور باتیں اس قسم کی کرتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر دوسرا عقل مند نہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنی نوجوانی کے زمانہ میں اپنے بزرگوں کے علاوہ غیر اشخاص کو کبھی جو مجھ سے سن میں بڑے ہوتے تھے سبقت سلام میں کیا کرتا تھا اور ان کو نگاہ بزرگی سے دیکھتا تھا اور اس وقت کے نوجوان عموماً بیرینہ لوگوں کو سبقت سلام دیتے تھے۔ میرے خیال میں ہی ان کی طلباء بخشی کی ہے بقول شخص کہ باادب با نصیب ہے اور بے نصیب! شکایت ضیق النفس: ۱۱ مئی ۱۹۰۶ء۔ شب گزشتہ کو مجھے ہستی سے سخت تکلیف ہوئی کہ کسی کو روٹ میں نہیں تھا اور چونکہ اتنا شب سے تکلیف شروع ہو گئی تھی لہذا گھنٹہ شمار میں تمام رات آخر ہوئی۔ رات کی

تکلیف خصوصاً جب کہ عالم تنہائی ہو نہایت مکلف ہے۔ مجھے بعض وقت سخت حسرت ہوتی ہے کہ رات کی ٹھنڈک میں تمام عالم سہانی نیند سو رہا ہے اور ایک میں ہوں کہ چار پائی پر بیٹھا یا لیٹا ہوا ہونہ کھوسے پاس لے رہا ہوں۔ اے اللہ مجھے اس تکلیف سے جلد نجات دے!

ساوون میں خاک اٹھنا: ۱۲ اگست ۱۹۰۷ء۔ میں اکثر سنا کرتا تھا کہ ساوون میں خاک اٹھتی ہے وہ آج میں نے اپنی آنکھوں میں شاہدہ کی کہ آج ۳ بجے دن کے ابر غلیظ محیط آسمان تھا اور دیر تک خوب گر جتا رہا۔ اس عرصہ میں ایسی ہوا تندی چلی کہ ابر وغیرہ سب غائب ہو گیا اور دھول مثل جیٹھ بیکھ کے اڑی اور ایسی بلند ہوئی کہ کانوں کے اوپر سے گزر گئی اور خاک اڑتے ساوون کی مثل صادق آتی۔

شبِ برات: ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء۔ عموماً اطفال اہل دول شبِ برات آنے کے ایک ہفتہ قبل اور متوسط درجے کے لوگ شبِ برات کے دو تین روز پہلے سے آتش بازی چھوڑ کے اپنے دل بہلاتے ہیں لیکن ہمارے پڑوسی منشی قبول احمد کے یہاں رجب کے مہینے سے آتش بازی چھوٹنا شروع ہو جاتی ہے اور مہینہ شوال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے۔ واقعی لوگوں کے لیے بہت دلدار کی بات ہے لیکن ان کی ایسی عادت پڑ جانے سے وہ عادی اسراف کے ہو جاتے ہیں جو مشکل سے چھوٹی ہے۔

شکایتِ ہجرتی: ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ شبِ گزشتہ کو شربت کھانسی سے مجھے تمام رات نیند نہیں آئی اور بچہ میری کے ساتھ گھنٹہ شمار میں رات آخر ہوئی۔ اگرچہ حکیم ظہور الحسن دوا میں رد و بدل کرتے رہتے ہیں لیکن ہنوز کوئی صورت نفع کی پیدا نہیں ہے اور نہ غلہ بجز چند جچ دلیا کے ہوتی ہے جس کا بخار مائل ہے۔ حکیم صاحب دول وقت مجھے دیکھنے کو آتے ہیں جس کا مشکور ہوں۔

بیوی کی یاد: یکم جنوری ۱۹۰۸ء۔ اگرچہ مساعۃ شمس النساء میری زوجہ کی وفات کو تین برس پانچ ماہ گزر چکے ہیں لیکن جب ان کے افعال و حرکات شاید یاد آتے ہیں تو طبیعت کو سخت ملال ہوتا ہے مگر عجیبی ہے کہ مشیتِ ایزدی میں کوئی دخل نہیں۔ جہاں ۳۲ سال عیش و عشرت میں گزرے وہاں اب پریشانی کا سامنا پیش آ رہا ہے اور یہ رنج و غم تا حیات فراموش نہیں ہو سکتا۔

افسانہ خواب: ۲۴ فروری ۱۹۰۸ء۔ میں چند سال سے خواب ہائے خوش مشولہ بہبودی خود دیکھا کرتا ہوں جس کی تکرار آج تک ۶۹۷ ہے لیکن افسوس کہ اس وقت تک کسی ایک کا بھی ظہور نہیں ہوا۔ میرا خواب اکثر سچا ہوا کرتا تھا اس وجہ سے اس پر میرا اعتبار تھا اور میں اسے بعد بیداری لینے روزنامہ میں

ہند کر لیا کرتا تھا ادب بجز اس کے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ جہاں میری پیش و آرام و زمانہ فلاحیت کا گزر گیا
 خواب بھی راست نہیں آتے اور رات دن مجھے پانچ منٹ کی بھی خوشی نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرے!
تعزیت کا طریقہ ۱۲: اگست ۱۹۰۸ء..... چونکہ عموماً رواج یہ ہے کہ جب کوئی شخص بہرسم تعزیت
 سی غم زدہ کے پاس جاتا ہے تو متوفی کے اوصاف حمیدہ ظاہر کر کے اس کے غم کو تازہ اور اس کے زخموں پر
 لچھڑکتا ہے جس سے وہ بہت متاثر ہو کر پریشان ہو جاتا ہے لیکن میں اس کے بالکل خلاف ہوں اور
 زدہ کو زیادہ ملول کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا بلکہ اس کے پاس جا کر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہتا ہوں تاکہ اس
 خیالات جو غم آلود ہیں وہ بالکل دفع ہو جائیں۔

استعفا ۱۱: ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج میں نے چارج آنریری سکریٹری میونسپل سٹیڈیہ کا باؤتیش چندر
 زنجی تنخواہ دار سکریٹری کو دیا۔ اب میں سرکاری ممبر کی حیثیت سے میونسپل کا کام انجام دوں گا۔۔۔
 (کی وجہ جی صاحب کی) یہ کیفیت ہے کہ ہر کام میونسپل کا مجھ سے دریافت کر کے کرتے ہیں۔

انتظام خانہ داری ۲۳: ستمبر ۱۹۰۸ء۔ چونکہ میری چار بہنیں منجملہ ان کے بڑی بہن اہل خانہ
 مطیع علی آج کل اپنے شوہر کے ساتھ سیونی چھپا رہی (اضلاع متوسط) میں ہیں باقی تین یہاں موجود ہیں
 ہر میں نے بنظر مصلحت انتظام خانہ داری اس نہج پر تینوں کو تقسیم کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی کو کوئی
 شکایت کا نہ ہو اور حالت انتظام عمدہ طریقہ پر چلے جاوے۔

خدمات کا اعتراف ۲۱: اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار میں ترجمہ جیٹھی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۰۸ء
 ٹرٹر صاحب بہادر ٹرٹھی کشر ہر دوتی وجہ میں میونسپل بورڈ سٹیڈیہ طبع ہوا جس میں میری خدمات آنریری سکریٹری
 میونسپل بورڈ کی نسبت اظہار خوشنودی مزاج کا ہے۔ (ترجمہ جیٹھی ٹرٹر صاحب: چونکہ مولوی سید مظہر علی صاحب
 نے اپنے عہدہ آنریری سکریٹری سے بوجہ زیادتی کام کے استعفا دے دیا ہے اور بجائے ان کے تنخواہ دار سکریٹری
 ناجویر مہونی ہے لہذا میں اپنی رائے ان کی عمدہ خدمات کی نسبت جس میں کہ انھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ
 صرف کیا ہے ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ قریب تیس سال کے وہ آپ لوگوں کے سکریٹری ہے اور اپنی اعلیٰ خدمات
 کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس طریقہ پر انھوں نے باشندگان قصبہ کو اپنا قیمتی وقت کا بہت بڑا حصہ
 صرف کیے بہت خوش و رضامند رکھا۔ میں اس بات سے خوش ہوں گا کہ مولوی سید مظہر علی صاحب اپنے
 عہدہ سکریٹری سے نمیک دوش ہونے پر میونسپل کے کاموں میں بحیثیت ایک ممبر کے اسی طور پر مدد دیتے رہیں

جیسا کہ وہ اپنے عہدہ سکرٹری کے زمانہ میں دیا کرتے تھے۔

حقیقت منجوم: ۲۸ دسمبر ۱۹۰۶ء - ۱۰ مہینہ دسمبر میں اگرچہ میرے ناکچ میں سب سالانہ عہدہ حالت وقوعی میں بیٹھے ہوئے ہیں اور چار خراب مقام پر بیٹھے ہیں اور نہ ہرہ و مشتری کا اتصال ہے لیکن کوئی نفع میری ذات کو نہیں پہنچا بلکہ اکثر تردیات لاحق رہے۔ اس سے بخوبی ہویدا ہوتا ہے کہ جو مشیت یا زدی ہے وہی ہوتا ہے نہشت ستاروں کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اکثر تحریر ہوا ہے کہ نہشت ستاروں کی خراب ہے اور بہبودی حاصل ہوئی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ انسان مشیت الہی پر بھروسہ رکھے جو اس کا منشا ہے وہی ہوتا ہے۔ واللہ یفعل ما یشاء۔ علم نجوم دل بہلانے کے واسطے اچھا ہے ورنہ بیخ۔

انتظام خانہ - اسری: ۳۰ فروری ۱۹۰۹ء - اگرچہ میری چار بہنیں ہیں لیکن ان میں کوئی ایسی خوش لیاقت نہیں کہ انتظام خانہ داری خوش اسلوبی سے انجام دے سکے اور اگر شاید ان میں سے کسی کو ماہ انتظامی ہو بھی لیکن بوجہ اختلاف رائے کوئی کچھ نہیں کرتا۔۔۔ بحالت حیات اہلیم جو ہمیشہ سب انتظام خانہ داری ان کے متعلق رہتا تھا اور میں مہینہ انگریزی کی پہلی تاریخ کو تنخواہ نامہ برصارت و فرمہ ان کے پاس بھیج دیا کرتا تھا اور وہ حسب رائے خود جزوی و کلی انتظام خانہ داری کرتی رہتی تھیں۔۔۔ اور مجھے کوئی تعلق اس سے نہیں رہتا تھا سب سے ادنیٰ بلغمی یہ ہے کہ مجھے تو کھانا بارہ بجے دن تک مل جاتا ہے لیکن جو عورتیں اہل محکمہ کسی کسی ضرورت سے آجاتی ہیں تو دو بجے تک ان کو کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ میں نے یہ بھی چاہا تھا کہ ہر ایک بہن کے واسطے بقدر لائق ضرورت کے تنخواہ مناسب مقرر کروں جس سے وہ علیحدہ علیحدہ اپنے خورد و نوش کا انتظام کریں اور اپنے اپنے جداگانہ چولھے روشن کروا دیں لیکن یہ بھی اس وجہ سے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میری موجودگی سنیل میں چار جمعا جدا چولھے روشن ہوں جو باعث کمال بدنامی کا ہے۔

نمائش ہر دوئی: ۳۰ فروری ۱۹۰۹ء - آج میں انبکے دن کو دیارِ نمائش پھل پھول پڑھتی میں شریک ہوا۔ جناب راجہ درگا پرشاد نے بہت اچھا قصیدہ پڑھا اور بعض شاعروں نے بھی قصیدہ خوانی کی لیکن راجہ صاحب کا قصیدہ سب سے اول درجہ کا تھا۔ مجھے دربار میں مسٹر ٹرنر صاحب ڈپٹی کمشنر نے بابت کام خط سارا ٹیفٹک عنایت کیا۔ بی فراغت دربار تین بجے دن کی ریل میں واپس آیا آمد و شہر میں راجہ صاحب اور جو دھری محمد زون صاحب کار ریل میں ساتھ رہا۔ راستہ میں ہر قسم کی بات چیت ہوتی۔ اسی ساگرچہ سہ پہر کو نمائش اور شب کو روشنی فنا پڑھا لیکن میں نے اس میں شرکت نہیں کی۔

تجویز عقد ثانی: ۱۲/ مئی ۱۹۰۹ء چونکہ راجہ درگاہ پر شاد صاحب تعلقہ دار میرے بچے اور خیر خواہ دوست ہیں
 سے انھوں نے کئی مرتبہ فرمایا کہ تم عقد ثانی کر لو کہ سوائے عورت کے دنیا میں اپنا کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا ہے۔ لڑکے
 یاں اور بہوئیں سب اپنے مطلب کے ہیں اور یہ چاہا کرتے ہیں کہ کسی نہی سے باپ نہ رہیں تو ان کی جائیداد لینے
 نہ دھڑ میں لادیں۔ جس کے واسطے وہ ہر وقت دست بہ دعا رہتے ہیں لیکن اپنی عورت برخلاف اس کے
 شہر کی ہی خواہ اور اس کی درازی ہوگی دعا گو رہتی ہے۔۔۔ چنانچہ آج صبح کو راجہ درگاہ پر شاد صاحب نے مجھے ایک
 بھیجا کہ آج بوقت ۹ بجے صبح کے میں اور وہ ایک ساتھ چودھری محمد رؤف صاحب کے مکان پر جا کر باہم صلاح
 کر رہے ہیں تاکہ اس کے متعلق کوئی امر طے ہو۔ چنانچہ موصوف الیہ آج اپنی نگھی پر مجھے چودھری صاحب کے مکان پر
 گئے جہاں وہ موصوف الیہ سے دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ چودھری صاحب لکھنؤ
 کو کوئی حسین عورت میرے واسطے تجویز کریں جو سیرت و صورت میں اچھی اور مطیع ہو۔ چنانچہ چودھری صاحب
 وعدہ کیا کہ میں ایک ماہ تک کے اندر حیدر آباد کا تعفیہ کر لوں گا۔ لیکن مجھے ان دونوں صاحبوں کی رائے سے
 اس اتفاق نہیں ہے اور میں اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہوں اور پوروں درگاہ عالم کے فضل و کرم سے ہار دیا کروں۔ جو کچھ اس کی
 بت ہوگی اس کی پابندی کرنا پڑے گی۔ اور بدین مشاہدہ واقعہ کا یہی بلا سمجھ کر بوجھ کوئی فعل کرنا انسانی مصلحت کے خلاف ہے۔
 ۲۵ مئی ۱۹۰۹ء۔۔۔۔۔ لیکن مجھے لکھنؤ کی عورت سے عقد ہرگز منظور نہیں مگر راجہ صاحب کے اصرار
 وجہ سے ہوں ہاں کر دیا کرتا ہوں۔۔۔ لیکن آج کل اس کا تذکرہ اکثر نہ ہوتا ہے۔

امید و بیم: ۸ جولائی ۱۹۰۹ء۔ منجملہ اپنی تین خواہشوں کے (و، ا، ح، ز) میں کس خواہش میں میں کیا
 دگا جس کا مشاہدہ مجھے خواب میں ہو۔ یہ خیال کر کے سو یا۔ شب آخر کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں (و) کی تربت
 کا میاں ہو رہا ہوں جس کو میں نے بخوبی پہچان لیا کہ وہ کونسا ہے یہ خواب راست آئے اور اس کا مشاہدہ بوجہ اس ہو گیا کہ میں
 ۳ اگست ۱۹۰۹ء۔ باوجود یہ کہ ظہور نا امید یوں کے میں اکثر اپنی خیالی امیدوں سے باز نہیں آتا اگرچہ
 وہی جانتا ہوں کہ اب میرا زمانہ خوشی و مسرت کا نہیں آسکتا۔ لیکن یہ میری محض ناہنجی ہے جو مجھ کو ہمت دے
 سرفراز رہتا ہوں لہذا میں درگاہ رب میں ملتجی ہوں کہ جو امر اس کی مشیت میں بحق مجھ کو گناہگار نہ دینی نہیں ہے
 ۹-۱۹ مولوی صاحب کے خاندان میں کئی خوش سلیقہ اور متمول بیواؤں موجود تھیں۔ ان میں سے تین کے نام ان حروف سے
 شروع ہوتے تھے اور مولوی صاحب ان میں سے کسی ایک سے عقد ثانی کرنا چاہتے تھے لیکن اس قسم کی تحریک کوئی خواہشوں نے
 کیا کہ ممکن ہے کہ اس قسم کو کٹر کے اشارہ پہلے دوسری جانب سے چاہتے ہوں۔ مگر دوسری شادی ان کی ہجر حال نہیں ہوتی۔ ہاشمی

اس کے خیالاً میرے دل پر حالی ہونا باعث کمال رنج و ملال کا ہوتا ہے خدا ان کو میرے دل سے رفع فرمائے ورنہ ابر کی حالت سخت پیش آنے لے خدا میرے حال پر رحم فرما اور خیالاً فاسد دل خوش کن میرے دل سے دور کر جو غیر ممکن الوقوع ہو ۱۱ اگست ۱۹۰۹ء باوجودیکہ میں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ بے اذن الہی ذرہ نہیں ہل سکتا اور قبل از کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ مقدر سے کم و بیش ہو سکتا ہے جیسا کہ مسأۃ زبیب النسانیت شہنشاہ عالمگیر نے فقہا قضا نہ شود کے عرض میں ہرگز تو خواہ فال میں خواہ استخارہ مگر

مگر اس پر ثابت قدمی خیلے دشوار ہے۔ اللہ ہی میری مدد کرے ۱۳ اگست ۱۹۰۹ء میرے معاملہ متعلقہ ذات خاص کچھ ایسا دشوار ہے کہ اس کا انجا کچھ خوش نظر نہیں معلوم ایسا ہو تا ہے کہ وہ کسی نہج سے طے نہ ہو سکے گا اور کیونکہ موجود ہے کہ اس کا کوئی سامان بظاہر نظر نہ آتا۔ بعض وقت یہ شعر حافظ شیرازی کچھ تسکین دہ ضرور ہوتا ہے

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپید
بچ رہے نیست کو را نیست پیاپیاں فرم خود
مگر دوسرے وقت اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور یہ لحاظ حالت موجودہ آثار وقوع مطلقاً نسبتاً ہو جاتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ مثل میرے کوئی شخص تو بہات غیر متوقع میں مبتلا ہو جس کا کوئی انجام ہی نہیں دیکھ سکتا یہ ہی ہے کہ میں انھیں خیالات میں مستغرق رہ کر ایکس ور شلید اس دارنا پائیدار کو خیر باد کہوں۔

بیکھ بچل : ۱۲ ستمبر ۱۹۰۹ء میرا بیکھ بچل جو ۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء کو شروع ہوا تھا اس کے حالات مختصر ذیل ہیں
عہدہ سکرٹری میونسپل سے بوجہ کثرت کام استعفا دے دیا اور بعد میں ہمیشہ کے برخور دار ارفع علی کو حسب سفارش مسٹر وے صاحب ڈپٹی کمشنر برودہٹی نے بدمشاہرہ بچن روپے ماہوار ہٹیڈ سکرٹری میونسپل سندیلہ تقرر کر دیا۔ پشت دو کانات صدر میں نے رعایا آباد کی جس سے دو کانات خدشہ نقب زنی سے محفوظ ہو گئیں۔ میں اپنے مقاصد دلی میں کامیاب نہیں ہوا۔ نور دیدہ فریضہ دختر برخور دار مصطفیٰ علی کا انتقال ہو گیا جو باعث کمال ملال کا ہوا۔ ان اب میری ایک اولاد بچ رہی تھی۔ بچا نہ برخور دار مجتبیٰ علی و دختر قلی نرزدان فریضہ ہونے کوئی جائداد تک رہن نہیں ہوئی۔ مقدمات عدالتی میں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ایک دو معائے پیچیدہ بتا سانی طے ہو گئے۔ حکام وقت رضانہد خوش رہے اور نیکام وقت سے دیکھتے رہے بھائی نرزدان سے میل جول رہا۔ بمقابلہ آمدنی مصارف کثیر رہے۔ بعض احباب سے فائدہ رہا۔ ایک دو معائے طے نہیں ہوئے۔ برخور دار مصطفیٰ علی اکثر غلیل رہے۔ میری تندرستی اچھی رہی اور ارفع علی کی تقرری سے میری ناموسری پورے

بہنہ میں نیز ہر دوئی بھر میں ہوتی۔ برخوردار ترقی علی کی آمد فی بیرطری اچھی رہی۔

خواب خوش ۲۶ نومبر ۱۹۰۹ء۔ شب گزشتہ کو سوتے وقت اوٹا میں نے درگاہ بزدان پاک پھر جناب فضل میاں صاحب مرحوم کی جناب میں التجا کر کے سویا کہ میں ان کا پر پوتا ہوں اور آج کل لر رہتا ہوں میرے حق میں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری پریشانی دور فرمائے اور مجھے راحت و چین دے اور جس صورت سے میرا تعلق ہو مجھے خواب میں مشاہدہ ہو جائے کہ (وہ) سے عقد ہو گیا (رح)۔ شب آخر کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک عورت ۴۰ سالہ جس کا قد و چہرہ لانا ہے اور ناک میں تھنہ ہیں۔ ہے میرے سامنے کھڑی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے ملتی ہے۔ اس عرصہ میں میری آنکھ کھل گئی۔

محاسبہ سال ۳۱ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ ذاتی حالات راقم جو ۱۹۰۹ء میں گزرے: ترددات اکثر ہے بعنوان شالیستہ دفع ہوئے۔ آرزو سے دلی پوری نہیں ہوئی۔ ایک بلوچی جوان و ایک پوتا و ایک نواسی و اپر نواسی کو مولود ضائع ہو گئی۔ پشت دو کانات پختہ کے رعایا آباد ہو گئی اس سے کہ نہ ماہوار دو کانات میں نہ ہوا۔ مقدمات عدالتی میں عموماً کامیابی ہوئی اور اعدائے ہونے۔ بھانہ ترقی علی فرزند نرینہ پیدا ہوا جس کا سلیمان حسین رکھا گیا۔ برخوردار مصطفیٰ علی چھ مہینہ تک سخت علیل رہے۔ معارف زائد ہوئے۔ دھینگن فی بھی بد مقابلہ سال گزشتہ اچھی ہوئی۔ حکام وقت رخصتا منہ ہے۔ اکثر شایعہ خیریدی گئیں۔ بھائی بنڈو لطیف رہا اور نگاہ قدر سے دیکھا گیا۔ سفر کمیش آیا جو محمد و لکھنؤ و ہر دوئی رہا۔ ساریہ کٹ خوشنودی بے یات کام خود عطا ہوا خواب ہاے خوش اکثر مشاہدہ ہو لیکن کوئی خاص ظہور ان کا نہیں ہوا۔

الہ آباد یونیورسٹی ۱۳ جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج میرے نام ایک کارڈ... فیلو یونیورسٹی الہ آباد کا آیا کہ ۱۸ جنوری ۱۹۱۰ء کو قائم ہونے لگا۔ یونیورسٹی میں بوقت ۲ بجے شرکت کروں لیکن اب میں سفر کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔ ارتقنی علی ۲۵ مارچ ۱۹۱۰ء۔ برخوردار ترقی علی محنت ملازمت سکریٹری میونسپل سٹیٹس کے گھر آنا چاہتے ہیں اور اب ملازمت ترک کرنا چاہتے ہیں یہ ان کی سخت بدتمنی ہے کہ وہ بچپن کے ماہوار کی گھر کی ڈگری سادی ایک سو ماہوار کے ہے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو تنخواہ وہ پاتے ہیں وہ تمام اپنے خرچہ میں لاتے ہیں۔ یونیونش ان کی اور ان کی اہلیہ کا میں کفیل ہوں۔ اپنے شہر کی حکومت کی نوکری چھوڑنا سخت نادانی ہے۔ بیوری کہ کوئی علاج اس کا میرے پاس نہیں ہے اور نہ کوئی فہمائش ان کو کاہل کر جوتی ہے۔

انتظام خانہ داری ۲۸ جون ۱۹۱۰ء۔ آج واسطے انتظام خانگی خود نہایت پریشانی لاحق رہی اور

مجھے چند مرتبہ اہلہرمحمد یاد آئیں کہ ان کے وقت میں کیسا عمارہ میرے گھر کا انتظام تھا۔ مجھے کسی امر میں داخلت کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی اب آج کل حسبِ رائے بر خوردار مصطفیٰ علی مساعۃ علیہما السلام معشوق حسین (پڑوسی) مشغول ہیں جو یاد داری سے کام نہیں کرتی ہیں اور مجھے پریشانیوں لاحق رہتی ہیں اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی کہ سو اربوں بیروں کے اور کوئی بیروں اس وقت گھر میں موجود نہیں اور ہر ایک اپنے میکہ میں ہے۔ خدا میرے حال پر رحم کرے اور میرے ترددات دور کرے۔

بیوی بھو: ۵ جولائی ۱۹۱۰ء۔ ہماری بیوی بھو مساعۃ نسیم کی طبیعت میں کچھ اس قسم کا فسادی مادہ ہے کہ اپنے کو بطور خود بہت سمجھ دیتے تھے اور دوسروں کو ناقابل بلکہ ہر ایک کو نہایت درجہ حقیر جانتی ہیں کہ میری عام حکومت گھر میں ہوا اور سب مجھ سے زیر رہیں لیکن چونکہ ہر ایک کو درجہ مساوی حاصل ہے اس وجہ سے وہ ہرگز زیر نہیں ہو سکتیں اور انھوں نے بر خوردار مصطفیٰ علی کو اس کے ولایت جانے سے قبل اس کی والدہ سے لڑوا دیا تھا اور خود نسیم کی ذات سے ان کے بھائیوں بشیر الزماں نسیم الزماں میں سخت الجھن و طال پیدا ہو گیا اور مصطفیٰ علی کچھ ایسے ان کے قبضہ میں ہیں کہ جو کچھ وہ ان سے ہتھیائیں اس کے کرنے کو آمادہ ہو جاتا ہے چاہے وہ فعل قابلِ نفرت کیوں نہ ہو۔

خواب خوش: ۷ اگست ۱۹۱۰ء۔ قبل اس کے جو خواب اچھایا ہر اس دیکھتا تھا اس کا ظہور جلد یا دیر سے ضرور ہوتا تھا جس کا میں پورے طور پر قائل تھا لیکن چند سال سے عجیب کیفیت ہو گئی ہے کہ جو خواب بُرا دیکھتا ہوں اس کا ظہور کسی قدر ضرور ہوتا ہے۔ لیکن میں نے یکم اگست ۱۹۰۳ء سے ۵ اگست ۱۹۱۰ء تک ۱۰۶ خواب میں بہت عمدہ مشاہدہ کیا اور ان میں سے اکثر صریح حقائق کے وقت دیکھی تھیں لیکن نہایت افسوس ہے کہ ان میں سے ایک کا بخیر ظہور اس وقت نہیں ہوا۔ معلوم نہیں مجھ سے درگاہِ بزل میں کیا قصور ہوا ہے کہ جس کا نتیجہ یہ مل رہا ہے کہ میرے خوابوں کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

ملاقات احباب: ۵ اگست ۱۹۱۰ء۔ آج ۹ بجے صبح کو راجہ درگا پر شاہ صاحب و چودھری محمد رفیع صاحب میری ملاقات کو تشریف لائے۔ اول الذکر آج کل تاریخِ سندیلہ لکھ رہے ہیں۔ لہذا انھوں نے میرے حالات بنا بر کار گزارسی انزیری بحرِ طبری و مسکریطری و مسکریطری سندیلہ کے لئے گئے ہیں تاکہ تاریخِ مذکورہ میں بطور میری یادگار کے درج کریں جو پیشہ میری یادگار ہے جس کا میں شکور ہوا اور چودھری محمد رفیع نے مجھے ایک عینک قیمتی بامیں بچے دی جو میری آنکھ میں خوب لگتی ہے اور میں اس سے بخوبی لکھ پڑھ سکتا ہوں میں نے ان کا

ادا کیا۔ البتہ تک یہ نشست رہی اور باہم بہت لطف آئینہ راقی ہوئی رہیں۔

خیالات خوش: ۳۳ اگست ۱۹۱۰ء۔ جب میں خیالات خوشی کے اپنے دل میں چند منٹ کے واسطے بند دیتا ہوں تو مجھے محالہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی پاداش میں کسی رنج و ملال کا مجھ منہ قرار پاؤں لہذا ارج ممکن ہوتا ہے میں ان خیالات خوش گن اور فاسد کو اپنے دل سے دور کرتا ہوں۔ غلامہ کر سکے کسی نیک کام مجھے سامنا ہوا جس وجہ سے کہ زمانہ آج کل غیر خلائان گذشتہ کر رہا، اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائے۔

بصارت خود: ۳۰ دسمبر ۱۹۱۰ء۔ اب میری آنکھوں کی بصارت ایسی ٹھٹھ گئی ہے کہ نہ تو میں اخبار پڑھ سکے ہوں نہ کسی کا پڑھا جاتا ہے بلکہ وہ اپنے عجز و مصام علی سے پڑھوا لیتا ہوں اور وہی جوابات میرے تملانہ پر لکھتے لہذا اب میں پریشان رہتا ہوں اور کل کام و تخط و غیرہ کا مجھے الکل سے کرتا ہوتا ہے اور قریباً کا تو ہی بھی پہچان سکتا ہوں۔ دیکھا چاہیے کہ اب میری بصارت پھر عود کرتی ہے یا میں اپنا زمانہ زندگی اسی سے بسر لے جاؤں گا۔ اللہ مالک ہے۔

اور کوٹ: ۵ جنوری ۱۹۱۱ء۔ آج جناب راجہ دد گا پرشاد صاحب نے ایک قیمتی اور کوٹ اپنے بی سے تیار کر کے مجھے بھیجی جو نہایت عمدہ جامد دار ہے اور اس کا استر اندر وہ ہر جہہ وجوہ مکمل ہے جس کا پہلو وہ کمر بند پر دست آید میں ۹ اور اس کے پیرکار دوست علی خیاط کو ایک روپیہ انعام دلوا دیا۔

شکایت سکھانسی: ۱۳ جنوری ۱۹۱۱ء۔ چونکہ مجھے کھانسی وہ بچی سے سخت تکلیف ہے لہذا آج میں نے مسٹر صاحب جن مندی کو واسطے علاج کے طلب کیا اور پانچ روپیہ ان کی فیس ادا کی اور علاج کچھ شروع کیا۔

ماہ لقا: ۲۵ جنوری ۱۹۱۱ء۔ مساقہ ماہ لقا ساکن رام پور جو ایک انجینئر ریاست کی بیٹی ہیں اور ان کے جمال کی بڑی تعریف ہے اور اکثر وہ شکر کشمیر لکھنؤ وغیرہ میں آزادی کے ساتھ سیاحت کرتی رہتی ہیں۔ اپنے گھر سے نہایت معمولی بیٹی ہیں۔ جب وہ کسی مجلس انات میں شریک ہوتی ہیں تو اس جلسہ کی بڑوں کو اپنے اخلاق سے گرویدہ کر لیتی ہیں۔ چنانچہ جو تقریب محمد یوسف ولد منشی یعقوب علی جگپوری ہونی مندیہ میں قرار پائی تھی اس میں حسب طلب شریک ہوئیں اور کل بوجہ اس کے کہ شریک یوسف الزماں کی بتانیم سے قربت قریب ہے میرے مکان پر تشریف لائیں۔ جیسا کہ خداوند کریم نے ان کو حسن و جمال عطا ہے ویسے ہی وہ لایعنی ہیں۔ عمر غالباً ۳۵ سال ہوگی۔ دو بیٹے ان کے جو شاید ہنوز نوجور سال میں علی گڑھ میں بیم پائے ہیں اور لڑکی خور و سال جس کا نام پارہ ہے ان کے ہمراہ آئی تھی۔

شکایت تنفس: ۳۰ مارچ ۱۹۱۱ء۔ شب گزشتہ کو حسب تجویز بنگالی ڈاکٹر شفا خانہ میں نے عرق فیلہ پر بقدر نصف چمچ میں نصف چھٹا ناک پانی تھا بعد غذا کے استعمال کیا۔ چونکہ میرے تجربے میں عرق مذکورہ کی بکھڑا بھس ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حصہ رات مجھے کھانسی آتی اور اخراج کف نہیں ہوا اور جب میں صبح کو بنگاؤں تو تنفس کی ترقی تھی کہ میں اچھے طور سے بات نہیں کر سکتا تھا غرض کسی نہ کسی طرح میں نے حقہ پی کر بلغم بزد سے خارج کیا تب کسی قدر سکون ہوا۔ آج ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ معائنہ سینہ وغیرہ تجویز کیا۔ آج کوئی ایسی دوا طرہا تا ہوں جو بہی کو مفید ثابت ہوگی۔

۷ مئی ۱۹۱۱ء۔ کل مجھے ڈاکٹر کمر جی اسسٹنٹ سر جمن سندیل نے وہی دوا نوش کرائی جو میں نے یوں پی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام سے آہستہ کی ترقی ہو گئی۔۔۔ اور رات سخت بے چینی سے گزری۔ آخر شب اول اذان مسجد میں شروع ہوئی میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ بعد وضو نماز صبح پڑھی۔۔۔ لہذا آج میں نے دوا انگریزی کا استعمال نہیں کیا اور قصد ہے کہ وقت خواب شب ایک آلوہ حلوہ چھوٹے لال بازار ملکن استعمال کر لوں اور غور کروں کہ اس سے کیا نفع یا نقصان پیدا ہوتا ہے کیونکہ تین سال کا زمانہ ہوا جب اس حلوہ کے استعمال سے شکایت کھانسی و بہتی بالکل دفع ہو گئی تھی۔

مہت کنواں: ۲۶ مئی ۱۹۱۱ء۔ جو رقم منشی عظیم الدین صاحب منصف ہیر پور نے بابت مہر فیروزہ دختر بر خود ارسید الدین کو دی تھی اس سے ایک بہت اچھا کام رفاه عام کا کھولا گیا ہے یعنی جو کنواں مجھ والا (قریب مکان راقم) ایک عرصہ دلاز سے بوجہ گرجانے کے بند پڑا ہوا تھا جس سے تمام محلہ آبپاشی رہا تھا اس کی صفائی کام آج بہت کامیاب ہو گیا علی رضا کیا گیا خاکہ کے یہ کہ بوجہ آج پورا ہوا اور محلہ کے پانی سے زیادہ صاف ہو گیا۔

مرہن تنفس: ۳ جون ۱۹۱۱ء۔ چونکہ میرے مرض کھانسی و بہتی میں ہنوز کوئی تخفیف پیدا نہیں ہے لہذا اتفاقاً ملے اپنے بیٹوں مصطفیٰ علی و فرہ کے کھنکھانہ و آہستہ آہستہ ڈاکٹر کا علی کو دیا اور ایسا ارادہ بہت جلد کیا جا گا۔

محبہ خور: ۲۵ جون ۱۹۱۱ء۔ آج دوپہر کو بر خور داران مصطفیٰ علی و محبتی علی و ارنجی علی و گھڑی علی اصغر علی و کوریدگان مرل حسین و تولک حسین نے میری کوٹھی میں بیٹھ کر آم کھائے۔ یہ مجمع مجھ کو نہایت پسندیدہ نظر آیا۔

سراجہ دہر کا پریشاد: ۲۷ جون ۱۹۱۱ء۔ آج گیارہ بجے راجہ دہر کا پریشاد صاحب میری زیادت کو شریفانہ اور دینک مجھ سے ہمدردی کی باتیں کرتے رہے اور کہا کہ میں آپ کی صحت و سلامتی کی ہر وقت دعا ناکر تا ہوں اور اس وقت بھی میں یہ دعا (ایک مندر۔ ہاشمی) اور شاہ اندرائن کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہوں

دروں مقاموں پر آپ کے واسطے دعاے خیر کروں گا کہ آپ کو جلد صحت کامل حاصل ہو۔

شکایت قنفس: ۲۸ جولائی ۱۹۱۱ء۔ آج مجھ کو نامزدان شکایت پہتی پیدا رہی اور ات تک اس کی ترقی ہوئی گئی
 در کوئی دوا مجوزہ علیکم ہو اور الحسن معین ثابت نہیں ہوئی اور سخت پریشانی کا سامنا پیدا ہے کہ رات کس تکلیف پریشانی کے آئندہ ہوگی
ملازمت ارتضیٰ: ۲ اگست ۱۹۱۱ء۔۔۔۔ چنانچہ آج ۸ بجے صبح صدر جوگی میں بجائری مبران مغلہ

بل کیٹی ہوئی۔ محمد عوض منتشر تحصیلدار اور لکھن میں پرشاد والا پرشاد اور کو اڑے بند کر کے کیٹی ہوئی اور کاغذات
 روری پیش ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارتضیٰ علی عہدہ سکرٹری سے موقوف کیے گئے اور ان کو بہ اجر اسے
 داشت حکم ہوا کہ آج ہی چاندچا پن کا متا پرشاد و محمد پریشی راجہ صاحب کو دے دیں۔ چنانچہ انھوں نے چاج
 ے کر سبک دوشی حاصل کی۔ مجھے افسوس ہے کہ بچپن روپیہ ماہوار کی نوکری قصبہ ہذا کی مفت انھوں نے
 ہوئی جہاں علاوہ تنخواہ کے قصبہ ہذا پر رعب بھی تھا۔ چونکہ میری فہمائش کے مطابق ارتضیٰ علی نے راجہ صاحب
 سے برتاؤ نہیں کیا اور ان سے مخالفت پیدا کر لی اور اُس پارٹی میں شریک ہوئے۔ جبہ لحاظ تعداد کی ہر ایک
 زور ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ان کی موقوفی عمل میں آئی اور کوئی میری فہمائش کا رگ نہ ہوئی۔

شکایت قنفس: ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء۔۔۔۔ میرا دل و دماغ ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ اندک گم وڑ
 ہوا کا فوراً احساس ہوتا ہے۔ مگر پھر میں کہنے سے باز نہیں رہوں گا کہ آپ ہی کے واسطے سگڑ (د مکے)
 استعمال بہت مفید ہے اور فوراً نفع معلوم ہوتا ہے۔

تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قبض باعث ترقی آتی کا ہوتا ہے۔۔۔۔ جس روز قبض ہوتا ہے تو
 در بھی شکایت اس کی بڑھ جاتی ہے لہذا ضرورت ہے کہ میں ایسی تدبیر کروں کہ قبض نہ بہتے پانچ سخت ضرر رساں ہے۔
نور الحسن: ۳۰ ستمبر ۱۹۱۱ء۔ آج چھلہ کلاں اہلیہ بر خور دار مجتبیٰ علی کا ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ بخور دار
 و الحسن خیریت سے ہے اور مبلغ (۷۰۰۰۰) روپے اس تقریب میں صرف ہوئے۔ آج صبح کو میں نوہم
 و الحسن ولد بخور دار مجتبیٰ علی کو دیکھا اس کی شکل و صورت مشابہ بخور دار توکل حسین ہے۔ آج کی تاریخ میں اس
 کی عمر ایک مہینہ کی ہوئی۔ ۱ اگست کو پیدا ہوا تھا۔ خدا اس کی عمر دلا کرے۔

علاقت خود: ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ بوجہ شکایت آپتی و کمزوری خود سات بجے شام ۹ بجے تک
 و گھنٹرات گزرا نہ انتہایت وقت معلوم ہوتی تھی یا تو عین اپنا غلبہ کرتی تھی یا خیالات پریشانی افزا خیالات
 ہوا کرتے تھے لہذا بہ نظر نا سب میں تین روز سے قصہ دائم طائی مجھ سے ۸ بجے تک سنا کرتا ہوں

جوجانی علی خدمت نگار بڑھتا ہے جس سے طبیعت کوئی الجملہ دل بستگی ہے۔

عظیمہ مناجات: یکم نومبر ۱۹۱۱ء آج راجہ درگا پرشاد صاحب نے ایک مناجات چھوٹا شفا تصنیف کر کے میر پاس بھیجی تاکہ میں اس کو اپنے ورہیں رکھوں۔ خدا کچھ کو صحت کا ملکا ملا فرمائے۔ وہ مناجات حسب ذیل ہے:

مناجات مصنفہ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیلہ

شانی مطلق شفا یم دہ شفا	خلعتِ صحت ز شفقت کن ملکا
بندۂ ناچارم وہم خستہ دل	صد در رحمت بروے من گشا
سبیل اندوہ والہم از سرگزشت	کشتی ام را شو خدا یا نا خدا
مخزن عصیانم لے آمر زگار	عفو فرما ہر گناہ و ہر خطا
در خیال و یاد خود مایہوش کن	تا نہ گردم سلعتے از توجہا
بادشاہ دوجہا لے لطف کن	گوشش نہ بہر التجا لے این گدا
خضر آشفستہ دل را شاہ کن	دامنش پر گمن ر نقد مدعا

حالات: ۲۲ دسمبر ۱۹۱۱ء شب گزشتہ کو شاید ایک یا دو مرتبہ مجھے بد خوابی ہوئی ہوگی ورنہ میں قریباً گھنٹہ غریقِ نیند سو یا مگر یہ غریقِ نیند مسلسلہ وار نہیں تھی بلکہ ایک یا دو گھنٹہ سو گیا اس کے بعد جگ پڑا۔

یہ رات جہاں مجھے تکلیف سے نہیں گزری۔ البتہ فی الجملہ کھانسی کی شکایت پیدا ہو گئی جو خشک قسم کی تھی۔ اخراجِ کف کا نہیں ہوتا تھا۔ میں کچھ بچے صبح کو اٹھا ہوں تو طبیعت میری چاق تھی اور اجابت بھی قدر ہوتی رہی۔ اخراجِ سواد کا بھی لاکھاف ہوتا رہا لیکن اس سے کم ہوا جو کل یا پیرسوں ہوا تھا اور میرے دماغی بننا کا ورم اعضا تو کل ہی جاتا رہا اور باتیں جانب کا باقی تھا۔ باتیں جانب میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اب کچھ کچھ تحلیل ہو گیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے۔

۲۳ دسمبر ۱۹۱۱ء چونکہ راجہ درگا پرشاد صاحب مدرسہ انگریزی کا ر و پیکسی وجہ خاص سے اپنے اہتمام میں رکھنا چاہتے ہیں لہذا انھوں نے مجھے یہ تحریریں اطلاع دی ہے کہ جس قدر مدرسہ انگریزی بابت چندہ کے واجب الوصول ہوا و جس قدر روپیہ کر شتابک کے ذریعہ واجب الادا ہو وہ مجھے بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آج اس کا حساب کیا گیا تو ایک ہزار ایک سو تین روپیہ تین آنہ ایک پائی کی تعداد نکلی وہ ذریعہ وزیر علی داد و غدا رسالہ کرنا اہل کلمہ کی خدمت کو رہا جسے پاس موجود تھی۔ اسی وقت راجہ صاحب دیر میں مدرسہ انگریزی کو بھیج دی اور با خدا بطور رسید ان سے حاصل کر لی۔

۲۳ دسمبر ۱۹۱۱ء - صبح - کل میری طبیعت خوش شام کو نہ تھی اور بچی کی شکایت زیادہ ہے اور رات کو
 نیند بھی کچھ تیزی کنٹاں جس سے مجھے انواع و اقسام کا اندیشہ ہے کہ آج کی رات کو شب سپر شروع ہوگی اور سپر
 کچھ میری اولاد کے قریب میں مفید نہیں ہے اور عجب نہیں کہ شکلات درپیش آئیں چنانچہ یہی حالت رات کو رہی کہ
 مجھے بوجہ نیند کم آئی اور شاید دم گھٹنے سے زیادہ دھوسکا ہوں گا۔ برخلاف اس کے کہ میں قبل اس کے کم
 سے کم سات گھنٹے سوتا تھا اور دن کو طبیعت بہت صاف ہوتی تھی۔ لہذا شب کو میرے چاروں لڑکے
 براہ ہمدردی میرے کمرہ شب باشی میں رہے اور مولوی خلیل الدین (کھانجہ) نے بھی اس میں قیام کیا یعنی
 بیٹھے رہے اور شیخ سخاوت علی میرے کاندہ بھی میرے مکان ہی میں رہے اور میری حالت موجودہ کو
 دیکھتے رہے۔ اگرچہ کچھ ایسا توفیر میری ذات کا کو پیش نہ آیا جس سے مجھے بہت پریشانی لاحق ہوئی لیکن یہ فخر
 ہوا کہ نیند نہ آنے سے مجھے بہت پریشانی لاحق رہی اور تمام رات کھائی بند رہی جی آتی رہی چند قسم کی ادویات
 یونانی استعمال ہوئیں جن سے شکایات لاحقہ دفع نہ ہوئی اور دو مرتبہ پانچ پانچ قطرے دوا ڈاکٹر برٹن ساکن
 کلکتہ کی مجوزہ میں نے تھوڑے تھوڑے بانی میں پیے۔ اگرچہ وہ بیماری دم کے لیے بہت مفید ہے استعمال
 لایا مگر اس سے اتفاق دیر میں نظر آیا اور آج صبح کسی گھنٹہ کی پریشانی برداشت کر کے میں اٹھا اور جب حکم
 یونانی حکیم ظہور الحسن و حکیم اخلاق حسین نے مجھے دیکھ لیا تب چاہا کہ سورہوں لیکن انفس کو نیند نہ آسکی۔
 اگرچہ اس رات کو میں اپنی دنیا سے دل کو نہ چھوڑ سکا تاہم یہ رات پریشانی سے گزری۔

وفات مولوی سید مظفر علی، ۲۳ دسمبر ۱۹۱۱ء - آج سہ پہر کو بوقت ۳ بجے شام کے مولوی سید مظفر علی
 صاحب ولد سید مظفر علی صاحب (راقم روزنامہ چنڈلے لے لبار صفیق النفس اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔
 اور بوقت شب ۸ بجے اپنی پھلواری میں حسب وصیت خود دفن ہوئے۔ اپنی قبر کے لیے پتھر عرصہ سے لٹکا کر
 رکھ لیا تھا۔ اسی کی قبر درست کرائی گئی اور اسی میں مدفون ہوئے۔ ہم لوگوں کو نہایت سخت صدمہ ہوا کہ
 ان کی ذات والا صفات سے ہر قسم کا اطمینان تھا۔ اپنی زندگی میں صاحب روح نے بڑی ترقی نمایاں کیا
 عزت و وقار کی افزونی رہی۔ جاگد کو ترقی دی۔ مکان قیام بہت وسیع تعمیر کرایا اور متعدد دکانات
 بنوائیں۔ مکانات رعایا بھی کسی موجود ہیں۔ کئی باغات اپنی ذات سے قصبہ نہا میں اور نیز دیہات میں
 نصب فرمائے۔ غرض کہ تاہر زلیست اپنی خوش اقبالی سے بہت عروجی حالت بسر کی جس کی کیفیت ان کے
 روزنامہ سے ظاہر ہے۔ خدا عز و جل رحمت کئے۔ فقط

مرقومہ مجتبیٰ علی

تاریخ وفات مولوی مظہر علی مرحوم را جہد و کاپر شاد مہمہ سندیلوی
مولوی مظہر علی مہر سپہر مدی نیک طینت نیک طبع و نیک نوبت خواہ
دو گوی ماہ محرم بود ایام منہا کرد زین دار فنا و ملت سوادا القراء
گرد تا بولشس ہجوم اجر کار نیک بود شان رحمت و عین جوش شفا در یسار
حسرتا دہن کشان از صحبت یاران گشت وادرینا کایں فراقی دانگی کرد اختیار
مخزن اخلاق و خوبی بود ذات پاک بود در عقل و فراست انتخا و روزگار
علم بود اورا انیس و صبر بود او زندیم بود طبعش مستقل ہم بود عہدش استوار
صد چراغ دانش او فروخت در بزم خرد کرد در چشم جہاں صد گونہ حاصل اعتبار
در زمان فکر مارا بودیا سے دل نواز در ہجوم انتشار م بود دامن غم گسار
بہر سال انتقالش مہر چوں نمود و خور در زمان اضطراب در اوان انتشار
از سراسر فوس گفتم سید مظہر علی سال ہجری گشت زین الفاظ جوش تہلیل
چوں بن عیسیٰ بخت از طبع در طرز جمیل یک ہزار و نہ صد و دہ یک در لک در شمار

انہ سید قمر الدین قمر سندیلوی شاگہ حضرت اہل مینانی

دوسری ماہ محرم کی مئی آہ سیزدہ صدی سن ہجری رواں
اور دسمبر کی بھی مئی جو بیسویں روز یکشنبہ تھا جس میں ناگہاں
مولوی مظہر علی خوش صفات دار فانی سے گئے سوئے جناں
مئی و مصیبت بارغ میں مدفون ہوئے ان کو حاصل ہے بہار حبا و دلاں
آفتاب دانش و مہر عروج ہو گیا زیر زیں ہے ہے نہ نہاں
سچ تو یہ ان کی روش ان کے اصول قابل تقلید مہر دیگران
تب کہیں ہوتا ہے پیدا ایسا شخص جب بہت کھاتا ہے چکر آسمان
ہے یہ مہر اے قمر لوح مراد مولوی مظہر علی جنت مکاں

اسلام جیسا میں نے سمجھا

خدا بخش خطبات کے سلسلے میں تقریر کرنے کی دعوت ملی تو اس کے ساتھ عنوان بھی تجویز کر دیا گیا *Islam as I Understand it*

میں نے دعوت قبول کر لی، پھر دیکھ لیا کہ یاد آ کر اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو بارائمت پیش کیا تو وہ سب کچھ سب کا پٹا اٹھے اور انکار کر دیا مگر روع آدم نے اسے اپنے سر اٹھالیا کیونکہ انسان ظلم و جہول تھا یہ بات دھیان میں اس لئے آئی کہ ۱۹۷۵ء میں شاعر اسلام علامہ اقبال نے سورنی غلام مصطفیٰ بہتر کو ایک خط میں لکھا تھا کہ وہ (اقبال) ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے جس کا عنوان ہوتا *Islam as I Understand it* لیکن یہ کام ان سے نہ ہو سکا۔ اب آپ فرمائیں کہ اسی عنوان پر میرا یہاں کچھ بیٹا کرنا گویا اپنے کچھ نوجوان ظلم اور جہول کے زمرے میں لانا نہیں تو اور کیا ہے، ایک بات صاف کر دینا چاہتا ہوں، میں جو کچھ عرض کرنے والا ہوں وہ کوئی عالم داری یا تحقیقی مقالہ نہیں ہوگا، سیراداخلی اور ذاتی بیان ہوگا، اسے نہ کوئی فتویٰ سمجھا جائے نہ تلقین۔

Islam as I Understand it کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اسلام کو میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، اس طرح آپ شاید نہ کہتے ہیں، اور جس طرح آپ اسے سمجھ سہے میں شاید میں اس طرح نہ سمجھتا ہوں، اس بات پر مجھے ایک پیر صاحب کا قصہ یاد آگیا۔ وہ کسی شہر میں تشریف لے گئے تو ان کا بڑا پر تپاک استقبال ہوا، بڑی آؤ بھگت ہوئی، ان کے سلوک و علم و فضل سے استفادہ کرنے کی غرض سے رات کو ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں کافی تعداد میں لوگ جمع ہوئے پیر صاحب نے اسٹیج پر پہنچ کر ایک نگاہ مجمع پر ڈالی، فرمایا "تم لوگ جانتے ہو میں کیا کہنے والا ہوں؟" سب لوگوں نے ایک آواز ہو کر جواب دیا "جی نہیں حضور" حضرت نے نفی کا انکار کرتے ہوئے فرمایا "جب تمہیں معلوم ہی نہیں کہ میں کیا کہنے والا ہوں تو پھر میرا کچھ کہنا بیکار ہے" اتنا کہہ کر اسٹیج سے اتر آئے، لوگ منہ تانکے رہ گئے۔ دوسرے دن لوگ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی غلطی کی معافی مانگی اور دوبارہ تعویذ کی دعوت منے کی جو منظور ہوئی۔ اس رات بھی حضرت نے اسٹیج پر پہنچ کر وہی سوال دہرایا پچھلے روز کے تجربے کی روشنی میں اس بار لوگوں نے کہا "جی ہاں حضور"۔ وہ بزرگ یہ کہتے ہوئے نیچا اتر آئے کہ "جب تم جانتے ہی ہو تو پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟" تیسرے دن لوگوں کے اہل رتبہ جلسہ ہوا، حضرت نے اسٹیج پر پہنچ کر سوال دہرایا "تم جانتے ہو میں کیا کہنے والا ہوں؟" اب لوگ ہوشیار ہو چکے تھے، انھوں نے

بالا ہے اور کوئی دوسری طاقت نہیں ہو سکتی تھی جو ایسا اکل نظام قائم کر سکتی ہو۔ چنانچہ اب وہ دنیا کا سفر کسی مشن کو لے کر رہا ہے کہ لوگوں کو خدا کے وجود کا یقین دلائے۔ Irwin کے اس بیان سے میری کچھ عیب آ یا کہ ہم سہماں بڑا اعظم اور سہماں بڑا الاعلیٰ نماز میں کیوں بڑھے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی اور پاکی کا اقرار کیوں کرتے ہیں۔

میں یہاں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسائل میں الجھنا نہیں چاہتا لیکن مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ اس کی ذات کو اس کی قدرت کے ذریعے پہچانا جائے۔ پس جستجو و تلاش میں ہم حق سے قریب اور یقیناً ترک و بدیہ کی بجائے سورہ یونس میں ارشاد دیا ہے: **قُلْ انظرُوا انی صُفُوتٌ وَاَنْتُمْ لَنْ تَنظُرُوْا** کہ آسان اور زمین پر جو کچھ ہے اس پر نظر ڈالو۔

سورہ العنکبوت میں ارشاد ہے: **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقْ بِهٖ مِنْ سَعٰى سَاٰنَ وَاُولٰٓئِكَ يَلْعَنُوْنَ**۔ جس شخص کو سہماں سے لے کر آسمان تک کوئی نہ لگا رہا ہو۔ سورہ آل عمران میں ارشاد دیا ہے: **الَّذِيْ يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنْهُ قَاتِلًا وَّ فَجُوْرًا وَّ عُلٰى مُنٰوِبِهِمْ وَتَفٰكُوْرًا فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ وَاَنْتُمْ قٰنُوْنَ**۔ لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو شے مجھے اور مجھے ہر حال میں نکال دیا کرتی ہیں اور آسمان و زمین کا فضا پروردگار۔

اوجہ ہم اسی واضح ہدایات کے باوجود آسمانوں اور زمین پر اللہ کی قدرت اور حکمت کی نشانیاں پر غور کے بغیر گزر جاتے ہیں (وگاہچہ میں انہی کے ہشتون و اندیشہ میں نہ رہتا ہوں) **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّهْتَفُ بِالْاِنْفِاسِ عَلٰى اللّٰهِ كِبٰرًا وَّ هٖ تَكُوْنُ اِلٰهًا لِّكُلِّ شَاۡءٍ**۔ اور دیکھو آسمانوں اور زمین میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر ہر لوگ منور و گزر جاتے ہیں تو پھر ہم کو یہی جفا دیا جاتا ہے **وَمَا يَكُوْنُ اِلٰهًا فَاَتُفٰكُ وَتُفٰكِرُ**۔ اللہ کے انکار کرتے ہیں جس سے مراد اس بدیہی حقیقت کے باوجود نیاں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایت **اللّٰہُ لَا تَاْتِیْہِ السَّاعٰتُ** کا انکار کرتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ان کا تعلق ایسی ذات سے انھیں نظر نہیں آتا ہے جو قادر مطلق ہے، جو خالق کل ہے تو ان کے بارے میں بھی اللہ کا حکم نہیں لیجئے۔ سورہ انعام میں فرمان الہی ہے: **قُلْ اَنْتُمْ مِّنْ عِندِیْ لَکُمْ نَبَاٌ وَّ اِلٰی اللّٰہِ اَنْتُمْ رٰجِعُوْنَ**۔ اس سے بڑھ کر کلام اور کون ہوگا جس نے اللہ کی نشانیاں کو عقلی اور ایمانی ایت کے معنی میں نشانیاں سمجھے یا د آتا ہے کہ اس کے معنی بھی ہوتی نشانیاں، بھی میں نے دیکھا ہے جو زیادہ موزوں ہے۔ اللہ کی طرف سے ہم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ اس کی چھپی ہوئی نشانیاں کو معلوم کرو۔ یہ نشانیاں کہاں چھپی ہوئی ہیں اور کیسی ہیں؟ ان سطحوں کے جواب قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ملتے ہیں، مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے سورہ روم کی چند آیتیں تلاوت کروں گا، پان پر غور فرمائیں: (ترجمہ مولانا مودودی کا ہے)

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ یَّخْلُقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِمَّا یَشَآءُ وَاَنْتُمْ لَمَّا تَشَآءُوْنَ اَسْمٰکَ لَمْ یَخْلُقْہُمْ وَاَنْتُمْ لَمَّا تَشَآءُوْنَ اَسْمٰکَ لَمْ یَخْلُقْہُمْ۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارا کھا چا جس سے یہ بیاں بنائی تاکہ تم اللہ کے پاس سکون حاصل کرو۔ درمیان ہر حد و میان محبت اور رحمت پر لکھ کر اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں: **وَمِنْ اٰیٰتِہٖ عِلْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارا کھا چا جس سے یہ بیاں بنائی تاکہ تم اللہ کے پاس سکون حاصل کرو۔

ہر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار غلوں کو کھلاتا ہے، ہواؤں کی گردش
بہاؤں بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے نشانیاں ہیں؟

یہاں ذکر ہے زمین، آسمان کی تخلیق کا، دن اور رات کا ہواؤں کے رخ کا، بارش، نباتات اور حیوانات کا اور انسان کا
ان سب سے مستفید ہونے کا۔ مزید تفصیل سورہ النحل کی آیت ۸ سے ۲۱ میں ملاحظہ کیجئے جن میں اسی نعمتی کو شروع و بجا کے متوازن کیا گیا

جن نشانوں پر قرآن متوجہ کرتا ہے ان کے اسباب و علل پر غور کیا جانا مقصود ہے۔ ایک ان پڑھ آدمی بھی اتنا
بانتا ہے کہ دل کا دھڑکن زندگی کی علامت ہے، دل کی حرکت بند ہو جائے سے موت واقع ہوتی ہے، یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں
ہے مگر اسی نشانی کو طبعی تحقیق کی بدولت اور غور و فکر کے بعد اس طرح سمجھا گیا کہ دل کی حرکت فی منٹ ۷۰ بار ہوتی ہے۔ گویا ایک
دن میں ایک لاکھ بار جس کی وجہ ۱۴۰ ہزار سے ۹۰ ہزار کلوگرام خون شریانوں میں سے ہرگز گزرتا ہے۔ کئی شخص کی عمر ۷۰ سال ہو تو اس کا
دل ۴۰ کروڑ بار دھڑک چکا ہوگا اور شاید اس کو اس بات کا مطلق احساس نہیں کہ اسی کوئی بات اس کے جسم کے اندر ہورہی
ہے۔ تنگی کے ہروں کی رنگینی سب کو بھاتی ہے لیکن اللہ کی نشانی دیکھنا چاہو تو اس سیر سے بچ کر سرے کے برابر سفوف لے کر اسے
غور دین سے دیکھو تو حیرت ہو جائے گی کہ اس ننھے سے ذرے میں فلسفہ ماہی کی طرح تہ بہ تہ رنگوں کے چھلکے جمے ہوئے ہیں۔ ایک نظر
ٹٹے، کھٹی کے سر پر دو آنکھوں کے بجائے آنکھوں کے مجموعے ہوتے ہیں۔ دمشق یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد اعجاز الحقیقت نے کہا ہے کہ قرآن مجید
میں وضع قانون سے متعلق صرف ۵۰ آیتیں ہیں لیکن ۵۰ آیتیں ایسی ہیں جن میں مومن کو قدرت کے کارخانے پر غور کر کے دنگ
دی گئی ہے، عقل سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے اور سائنسی فکر کو زندگی کا جز بنانے کی طرف صاف صاف اور واضح اشارات
دے گئے ہیں۔ یہ ۵۰ آیتیں گویا پلورے کلام پاک کا اٹھواں حصہ ہے، شاید مذاہب عالم میں کوئی ایسی کتاب نہیں پائی جاتی ہے جن
میں اس درجہ قدرت الہی پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہو۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا جس میں حکم دیا گیا ہو۔

میں نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے اس سے آپ کو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہوگی کہ میں قرآن مجید میں موجود سائنس کی تاویلات
دعوئہ نے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ قرآن کے کلام الہی ہونے پر ایمان رکھتا ہوں اس لئے مجھے اس پر بھی یقین ہے اس میں جو کچھ درج ہے وہ
سب باتیں حق ہیں۔ یہ اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ توہمات اور شرک کے شائبے سے نکل کر توحید کی بنیادی تعلیم تک پہنچنے کے لئے میں
نے قرآن مجید کی دعوت فکر کو کس طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ سورج ہوا چاند، پہاڑ پہاڑ ہو یا گلگا، حیوانات ہوں یا نباتات ان کے
وجود میں ان کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی، اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک منظم قانون ان میں کار فرما ہے تو اور جیسا قانون نیا کتنا ہے
وہی قادر مطلق بھی ہوتا ہے۔ ملائکہ کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی ایک خاص قسم کی مخلوق ہے جو تقویٰ
کئے ہوئے فرائض یا یوں کہئے کہ اس کے بتائے ہوئے اصول کے تحت بلا کم و کاست انجام دے رہے ہیں۔ جہاں کے بارے میں اس کے

سوا ایک کچھ نہیں جانتے، کلام پاک میں یہ بات بھی صاف کر دی گئی ہے کہ قدرت میں جو کچھ نظر آتا ہے، بارش کا ہونا، ہواؤں کا ہم کاچھلنا، نباتات کا اگنا، چاند ستاروں کی گردش، ان میں سے کوئی کام کوئی فرشتہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر رہا ہے۔ ہر جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو پانی برساتا ہے، وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو حکم دیتا ہے وغیرہ۔ یہ اسی لئے ضروری ہے کہ اللہ کے آئیں کہیں فرشتے کی شرکت بھی شامل نہ ہو جائے۔

توحید کے تصور کو خالص اور مستحکم کرنے کے لئے قرآن میں باری تعالیٰ نے مختلف موقعوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشریت کے پہلو کو بھی صاف صاف غفلوں میں واضح کر دیا۔ **قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ السُّعُرَةِ وَالْجَانِّ**، نبی! ان کے سہارے تو ایک بشریوں تم جیسا، مجھے وحی کے ذریعہ بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو میں ایک اللہ ہے، بالکل ہی اللہ سورہ فہم السجدہ میں دہرائے گئے ہیں۔

مالک رام لکھتے ہیں کہ بعض غیر مسلموں (غالباً آریہ سماجی) نے اعتراض کیا کہ اسلام تو نہ کا مخالف ہے سچ کلمہ شہادت میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کیسے شریک ہو گیا! مالک رام کا کہنا ہے کہ محمد کے ساتھ قول جوڑ کر تاکید کی جا رہی ہے کہ جب مومن دل سے اور زبان سے لا الہ الا اللہ کہے تو اس کے ساتھ اس کا بھی اعلان کرتا جائے کہ محمد اللہ کے ہیں، نعم وہ لا الہ الا اللہ نہیں ہیں۔ یہ تو عین توحید کا اظہار ہوا۔

ایمان کے اجزاء میں یہ بھی ہے کہ تمام ایماندار کرام، نبی انورا یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مخالف آسمانی اور آخری کا قرآن مجید پر ایمان لایا جائے۔ ۷۳ سال کی حیات میں جبکہ قرآن مجید کی آیتیں کس طرح نازل ہوتی ہیں، پھر حضرت عثمان کے زمانے میں ان سب کو مصحف کی شکل دیکھ کر یہ سب جانتے ہیں، اس وقت سے لے کر اب تک کلام پاک کا مطالعہ دنیا کے گوشے گوشے میں دن رات جتنے لوگوں نے کیا اور کر رہے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ ان سب کے پڑھنے اور سمجھنے کے طریقے بھی جدا ہیں۔ عالموں کا عرفان اور ہوگا اور ہم جیسے کم علموں کا کچھ اور۔ سمندر میں غوطہ زن جتنی نگہاں ہیں جاتے ہیں اتنے ہی زیادہ ابلہ مومن نکلتے ہیں۔ کلام ربانی کی حکمت، اعجاز بیان اور پیام کے مطالب ہر زمانے میں لکھے گئے اور آئندہ بھی لکھے جاتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ علم کے اضافے کے ساتھ جاری رہے گا جیسے جیسے مفاہق بے نقاب ہوتے جائیں گے، قرآن کے مطالب بھی زیادہ واضح ہوتے جائیں گے۔ جہاں ایمان ہے کہ قرآن مجید کا پیغام ابدی پیغام ہے اس میں بنیادی حقیقتیں ہیں جس کو سمجھانے کی خاطر ہر زمانے میں

یہ سب اسی ذات باری کی بدولت ہے۔

میری ان معروضات کو سننے کے بعد کہیں ہے آپ کے دل میں خیال پیدا ہو کر میرا نقطہ نظر دنیاوی ہے اور میں توحید کی تاویلات مادی پہلو سے کر رہا ہوں، روحانی طریقوں کو نظر انداز کر کے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حق شناسی اور راہ سلوک کی منزلیں دوسرے طریقوں سے بھی کامیابی کے ساتھ طے پاسکتی ہیں لیکن جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ ان سے بہت علاوہ بھی نہیں ہے۔ مشہور صوفی بزرگ اور عالم اویس زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنجی مراد آبادی کا آج سے ایک سو برس پہلے کا واقعہ سناتا ہوں۔ ایک روز ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ توحید دریافت کیا۔ اس نے اپنے عرض کو ظاہر کیا کہ دل جتنا نہیں کہ خدا ہے حضرت نے بڑے زور سے چیخ ماری کہ گو میں ان کو نہیں دیکھتا ہوں مگر ان کی قدرت کو ضرور دیکھتا ہوں۔

ایمان کا ایک جز انبیاء کرام اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا ہے، لیکن جب کہ نبی آخر الزماں تشریف لائے اور آپ پر نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم بھی ہمارے درمیان موجود ہے تو پھر آپ سے قبل کے انبیاء اور ان کے صحیفوں پر ایمان لانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ قرآن مجید کے سوا باقی کتابوں میں اتنی تریف ہو چکی ہو کہ بیہودہ شکل میں ان کو اللہ کی کتاب کہنا ہی درست نہ ہوگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی کتاب کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہوں تو آخری ایڈیشن ہی معتبر مانا جاتا ہے، اسی طرح جب ہمارے سامنے قرآن پاک آسمانی صحیفوں میں سربس معتبر ایڈیشن موجود ہے تو اس سے پہلے ایڈیشنوں کی طرف توجہ کیوں کی جائے؟ پھر اللہ کا حکم یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام کے ماہین امتیاز نہ برتا جائے۔ ہمارے رسول کریم ایک بار صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، بات حضرت موسیٰ کی ہو رہی تھی، آپ نے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: قسم ہے اس اللہ کا جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھ میں اور موسیٰ میں اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔

ان باتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ ان میں بھی عقیدہ توحید مضمون ہے۔ رسول اللہ سے پہلے کے نبیوں کی بات نہ ہوتی اور صرف محمد بن عبد اللہ کو واحد رسول ماننے کے لئے کہا جاتا تو اس کا پورا امکان تھا کہ انسانی فطرت کے تقاضے کے تحت محمد ﷺ کو مسلمان رسول کے بجائے الوہیت کے مقام پر پہنچا دیتے اور توحید کا تصور زائل ہو جاتا۔ لوگ اسلام کو اینٹ بالکل نیا بن گئے اور زمان و مکان کے لحاظ سے احکام الہی کی جو تبدیلی صورت انبیاء کرام کے سلسلے سے پیدا ہوئی وہ نہ ہوتی۔ آج ہم قرآن کی مختلف سورتوں میں انبیاء کرام کا ذکر اور ان کی بنیادی تعلیم کا ذکر پڑھتے ہیں۔ حضرت فوح کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا مَّا نَسُوءُ الْوَيْلَ لِقَوْمٍ أَكْفَرُوا بِالْحَقِّ فَوَيْلٌ لِلْعِبَادِ مِمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝۱۰۰ ہم نے تو تم کو اس

قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا: اے برادران قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ اللہ کا یہی حکم حضرت فوح

ہندوستان میں مہمانی بعید میں بیویوں کی آمد کی بات آچکی جائے تو اسے لازمی طور پر سیاسی رنگ دے دیا اور سمجھا جائے گا کہ ایسا خیال ظاہر کرنا گو یا میٹشل انٹیکریشن یا جذباتی ہم آہنگی کی تبلیغی کوشش ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ بعض مسلمان بزرگوں نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کر کے اور روحانی تعریف سے کام لیتے ہوئے اس خیال کی تائید کی۔
 ورتان میں بنی گز سے ہیں۔ تقریباً سو برس پہلے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی گز سے ہیں جو مشہور عالم اور صوفی تھے جن کے ایک خلیفہ مونگیر کے حضرت مولانا محمد علی تھے، شاہ صاحب کے سوانح و طفولیات ”کائنات“ کا ایک اقتباس سنئے:

”مولانا مولوی مفتی عبداللطیف صاحب نے فرمایا کہ حضرت ارشاد فضل الرحمن گنج مراد آبادی (نے ہم سے سوال کیا کہ کوئی معلوم ہے کہ میں مراد آبادی کیوں بیٹھا ہوں؟ ہم چپ رہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ اتفاق نے مجھے یہاں بیٹھنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ یہاں ایک بنی کی قبر ہے۔ اس تقریر پر مولانا محمد علی مونگیری نے تصدیق کرنا کہ مجھ سے بھی فرمایا ہے بلکہ وہ جگہ بھی بنادی کہ وہ ٹیلے پر مزار ہے و نیز رقم الحروف سے بھی ایک مجمع عام علماء میں غزنا ہندوستان میں بہت حواری پھیل چکی ہیں بلکہ اس مراد آبادی میں بھی ایک مزار ہے۔“

صوفی باعمل حضرت مرزا مظہر جانجانا نے علم ظاہر و باطن میں یگانہ روزگار تھے، ان کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہوا، ان کے نند شاہ میر محمد بدایونی کی مجلس میں ایک شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ اس نے کرشن کہنیا کو آگ کے شعلوں میں جلتے دیکھا چند روز کے بعد اسے کھڑا دیکھا، شاہ صاحب نے خواب کی تعبیر فرمادی تو حضرت مرزا مظہر جانجانا نے فرمایا کہ کرشن ب تھا اس لئے وہ آتش فتنی میں تھا اور رام چندر میں سلوک تھا اس لئے وہ آگ سے دور دریا کے کنارے پر کھڑا تھا۔ جب اپنے فارسی کے مکتوب چہار دم میں فرماتے ہیں: ”در مالک ہند نیز بعثت انبیاء و رسول واقع شدہ است“ یہ الحالات رحمانی میں صفحات ۱۵۲ تا ۱۵۴ پر منقول ہے۔

زمانہ حال میں مولانا حسرت موہانی جیسا صوفی منش مسلمان جو تیرہ بار حج کر چکا ہو، جس باندی سے چھ بچے عرس میں شرکت اتنی ہی باندی سے گولڈن آئشی کے دنوں میں مہر لگی یا تار کیا کرتا تھا۔ ولی کے صوفی حضرت خواجہ حسن نظامی بھی کرشن جی سے عقیدت تھے۔ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کا قائل رہا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین بھی اللہ تعالیٰ کی پڑیا نہیں رہی اور یہاں ایسی ہستیاں گوری ہیں جن کے نبی ہونے کا پورا امکان موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے علماء کرام اور محققین ٹیلے پر جتنی توجہ دینی چاہیے تھی اتنی نہیں دی اس لئے صحیح صورت حال سے اب تک ہم پوری طرح واقف نہیں ہو سکے ہیں یہ باسی مصلحت کو بھی نہیں ہوگی بلکہ حقیقت کی تلاش ہوگی، جو ہمارا فرض ہے۔



یہ مسئلہ مضمین کا کافی بحث کا موضوع بنارہا کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے یا نہیں؛ اشاعرہ اس کے قائل تھے اور معتزلہ کو اس سے انکار تھا۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبیؐ کی جلد سوم میں بہت تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں: سب سے زیادہ سیر کی بحث ابی رزمہؒ کی اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا کیوں کہ منطقیاً حجتیت سے دعوہ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی ہے۔ اس میں خیال سے اتفاق کرتا ہوں، مجھے معجزہ کی حقیقت تسلیم ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ اپنے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کو جب چاہے، جس طرح چاہے بدل دے۔ لیکن اسے میں ایمان لانے کا وسیلہ نہیں سمجھتا۔ عقون کے دربار میں جو جادوگر کھڑے ہوئے تھے وہ حضرت موسیٰؑ کے عصا کو خوفناک اثر دے کر صورت میں بدلتے ہوئے دیکھ کر متاثر و مضروب ہوئے اور ان پر ایمان لے آئے۔ لیکن آج کے زمانے میں وہ معجزہ ہمارے لئے Relevance نہیں رکھتا ہے کیونکہ کوئی شخص محض اس واقعہ کو سن کر یا اسے پڑھ کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کے لئے نہیں تیار ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ پر آگ مرو ہو گئی۔ آج ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے تو یہ نہیں ہونے دیکھا، اور اگر وہی ایمان لانے کا نبوت ہو سکتا ہے تو پھر اس طرح کے جتنے خوارق اور معجزوں کی کتابوں میں ملتے ہیں ان سب کو تسلیم کیوں نہ کر لیا جائے؛ پیغمبر اسلامؐ سے کفار قریش نے طرح طرح کے معجزے طلب کئے، سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح ان کا ذکر آیا ہے: ”اور کافروں نے کہا ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ بہا دو، یا تمہارے قبضہ میں کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے پیچ میں نہ رہنا بہادو یا جیسا کہہا کرتے ہو، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو، خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ یا تمہارے لئے ایک سونے کا گھر نہ ہو جائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ“ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ ہوگا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤں جو ہم پہنچ سکے (آیت ۹۳-۹۴)۔ اس مطالبے کے جواب میں رسول اللہؐ کے لئے ارشاد رہا ہے: ”اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے فرمائے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔“ (سورہ انعام ۱۰)۔ درحقیقت رسول اللہؐ کو بارگاہ الہی سے جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا وہ قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے (کفار کے مطالبہ معجزہ پر) ”کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے

اس پر کتاب آماری ہوان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے (عنکبوت ۵)۔ اس کی تشریح خود رسول اللہ نے فرمائی: ”پیغمبروں میں سے محمد اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عطا فرمائے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے، لیکن مجھے جو معجزہ مرحمت ہوا وہ وحی و قرآن جن کو اللہ نے مجھ پر اتارا“ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۵۷)۔ قرآن مجید نازل ہونے کے زمانے میں بھی معجزہ تھا، آج بھی معجزہ ہے۔ قیامت تک رہے گا۔ دوسرے معجزات جو خاص حالات اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوئے، دنیا کے دوسرے مخلوق کی طرح فنا و عجز قرآن کے کئی پہلوؤں کو اس وقت بھی نظر آتے ہیں اور جیسے جیسے زمانے کے ساتھ علم اور تحقیق کے مزید درجہ کھلے جائیں گے اور پہلو بھی واضح ہوتے جائیں گے۔ انہی مجلس میں جی چاہتا ہے کہ اپنے ان خیالات میں آپ کو بھی شریک کرو معجزہ قرآن کے سلسلے میں میرے ذہن میں آئے ہیں۔

قرآن مجید کو مسلمانوں کے او اور لوگ اللہ کا کلام تسلیم کیں یا نہ کریں، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ آپا ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کا ایک ایک لفظ وہی ہے جو پیغمبرؐ فرما کر ان پر ۲۳ سال کے عرصے میں نازل ہوا مشہور ماہر اسلامیات ڈاکٹر جبریل اللہ نے ایک خطبے میں فرمایا کہ ۱۰۰،۰۰۰ قرآنی نسخوں کے فولولے چاچکے ہیں سو کاتب کے سو کہیں اختلاف روایت ان نسخوں میں مطبوع نسخے بھی تھے اور قلمی بھی جو دنیا کے گوشے گوشے سے جمع کئے گئے تھے۔ فرق صرف اتنی کے برابر لگانے پر مختلف مطبوع نسخوں میں ملتا ہے۔ بعض میں ان کی تعداد ۶ ہزار، کسی میں ۶۲۴۴، کسی میں ۶۲۴۵ یا ۶۲۴۵ ہو جاتی ہے لیکن ان میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ قرآن کی آیتیں ایک آتی پیغمبرؐ پر نازل ہوتی ہیں اس وقت جبکہ ذکا و عذت و طبابت کا کوئی ذریعہ، پھر یہ بھی نہیں کہ یہ سب مسلسل ہوتا رہا جیسا کہ ہم جانتے ہیں، وحی کا نزول ۲۳ سال کی مدت پر وقتاً فوقتاً ہوا اور اب ساڑھے تیرہ سو سال کے گزر جانے پر بھی اس کتاب کی صحت برقرار ہے۔ یہ اس لئے ممکن ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اسی نے ساری دنیا میں لاکھوں انسانوں کو یہ صلاحیت عطا فرمائی جو بخی کہ وہ اسے شروع سے آخر تک اپنے سینوں میں محفوظ کر لیں۔ دلچسپ بات یہ کہ ان حفاظ کرام میں سے ایک بھاری تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کے لئے قرآن کی زبان بالکل اجنبی ہے، ایک بڑی تعداد ان کی ہے جو نابینا ہیں۔ دنیا کی کوئی تہیٰ منہم مقدس کتاب ایسی دیکھنے میں نہیں آئی جس کے حافظ قرآن کے حفاظ کی طرح ہوں۔ یہ قرآن مجید کا بڑا معجزہ ہے جو ہمارے سامنے اور بعد کے زمانے میں بھی ہمیشہ ظاہر ہوتا رہے گا۔

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کوئی مصنف کتاب تعریف کرتا ہے تو اسے شائع کرنے یا لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے خوب احتیاط کرتا ہے کہ میں متضاد باتیں تو نہیں آگئی ہیں۔ لیکن قرآن مختلف وقتوں میں نازل ہوتا رہا اور ان ٹکڑوں کی تدوین بعد میں ہوئی پھر بھی جیسا سورہ النساء کی آیت ۸۲ میں ارشاد ہوتا ہے: ”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر

Gills bilbert کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے کہیں ایک فارسی کو کلام پاک کی کچھ آیتیں پڑھتے ہوئے سنا تو بعد نماز ہوا، قرأت میں اسے لنگھی دکھائی دی، اتنی زبردست کہ اس نے پورا قرآن اسی طرح قرأت کے ساتھ سننے کی خواہش کی۔ شاعری کسی زبان کی ہو اس کی تقطیع کر کے بحر میں ناپا جا سکتا ہے لیکن جب اسے بتایا گیا کہ قرآن نظم میں نہیں بلکہ نثر میں ہے تو اور زیادہ حیرت ہوئی، اس نے عربی سیکھ کر خود ہی قرآن پڑھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ بیس سال ہوئے کہ ان سے گلبرگ کی تعلقات استہول میں ہوئی تو اس نے حیرت کا اظہار کیا کہ جبکہ کسی زبان کے اشعار ہوں انھیں تقطیع کر کے ٹھیک ٹھیک ناپا جا سکتا ہے لیکن سوائے عربی اور عربی میں صرف قرآن ایسا کلام ہے جس کی نثری صحت کے ساتھ ناپا جا سکتی تھی اس لئے یہ کلام الہی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی آیت کا ایک حرف بھی جھوٹ جائے تو اس کا پتا فوراً چل جاتا ہے۔ اس کے کچھ مصرعہ بعد جب گلبرگ، ڈاکٹر حمید اللہ پیرس یونیورسٹی میں ملے گئے تو گھبرا ہوا تھا۔ اس نے اپنی پریشان کا سبب بتایا کہ سورہ نصر میں *يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوْا مَآءَ الْيَوْمِ* کی measure کے اعتبار سے نہیں میٹھتا ہے، ڈاکٹر حمید اللہ نے کہا کہ اُنھوں نے تو یہ کوٹنگ لفظ نسخے میں غلط کر کے پڑھ لئے اور وقف بنی مسلم، وقف دوسرے لفظ پر ہونا چاہیے ذکر فوجا پر یہ سنتے ہیں اس نے اطمینان کی سانس لی اور کہنے لگا "الحمد للہ میرا ایمان سلامت رہا، اب میری دقت دور ہوگئی۔ میرا معاملہ پکڑ لوئی رائے نہیں دے سکتا ہوں لیکن ڈاکٹر حمید اللہ نہایت ثقراء دی ہیں اور وہ اپنا تجربہ بیان کر رہے ہیں اس لئے میں اسے بھی قرآن کا معجزہ ہی تسلیم کروں گا :

قرآن پاک کی زبان کلاسیکی عربی ہے، اس لئے جیسا کہ قاعدہ ہے یہاں ایک لفظ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں جو یاد و باق سے تعلق رکھتے ہیں مثال کے طور پر الحمد للہ، رب العالمین میں لفظ عالموں نے لیجئے جس کے معنی عام طور سے دنیا جیع دنیاؤں لئے جاتے ہیں لیکن یہی لفظ عینی اسرائیل کے بارے میں جب استعمال ہوتا ہے *وَ اِنِّیْ فَعَلْتُ لَکُمْ عَلٰی الْاَلَمٰیْنِ* بیان قوم کی جمع قوموں کے معنی میں آتا ہے۔ اس لئے قرآن کا ہر لفظ کمال احتیاط کے ساتھ منتخب ہوا ہے۔ آپ نے سنا کا اگر کسی شخص نے ایک بدو عرب کے سامنے وہ آیت پڑھی جس میں چور کے ہاتھ کاٹے جانے، کم آتا ہے، اس کے آخر میں *لَعَزِیْزٌ عَلٰی عَلٰمِیْمٍ* کی جگہ وہ غفور الرحیم پڑھ گیا۔ بدو چونکا اور بولا "یہ آیت بھر بڑھو۔ دوسری بار اس شخص نے صحیح الفاظ بدو، عیسو پڑھے۔ بدو نے کہا "یہ کچھ گڑبگڑا تھا کہ تم نے پہلے اسے غلط پڑھا تھا۔ اس شخص نے پوچھا تمہیں کیا یہ آیت یا بھئی؟ نے کہا "نہیں لیکن ہاتھ کاٹے جانے کا سیاق عبارت تیار تھا کہ یہاں لفظ غفور الرحیم نہیں آ سکتا۔ یاد رکھیے کہ قرآن ہے جو ایک اُمّی رسول کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ مبالغہ ہے کہ جیسے جیسے علم و تحقیق کا میدان وسیع تر ہوتا جائے گا الفاظ کی اہمیت اور معانی سے دنیا زیادہ سے زیادہ واقف ہوتی جائے گی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آج ۱۵۸۷ء میں ۴۱۱

نام باتوں تک پہنچ جائیں جہاں قیامت کے قریب محققین کرام پہنچنے والے ہوں گے۔

آپ میں سے جن لوگوں نے اصول قانونی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ قانون کی ایک خاص زبان ہوتی ہے جو ادبی زبان سے ذرا الگ ہوتی ہے۔ نہ تو کوئی لفظ غلط استعمال ہے نہ کم۔ دوسرے اس کا پورا خیال رکھا جاتا ہے کہ ایک طرح کی باتیں ہوں تو ایک طرح کے الفاظ اور ایک ہی طرح کی ترتیب بھی ہو۔ آپ اگر کسی قانون دان کے سامنے ایک ادارے کا دستور لے کر جائیں جس میں دسٹ ہو کر:

دفعہ ۱۹: ایک تعلیمی کمیٹی ایسی مقرر کی جائے گی جس میں چھ ارکان ہوں گے اور جس میں نائب صدر کا ہونا ضروری ہوگا۔
دفعہ ۲۰: چھ ارکان پر مشتمل ایک مالیاتی کمیٹی ہوگی جس کے نائب صدر بھی ایک رکن ہوں گے۔

دونوں دفعات کے مطالب یکساں ہیں اور معنی صاف ہیں، لیکن ماہر قانونتھے دیکھ کر ناک بسحوں پڑھائے گا اور دفعہ ۲۰ کو بدل کر اس طرح لکھ دے گا، دفعہ ۲۰: ایک مالیاتی کمیٹی ایسی مقرر کی جائے گی جس میں چھ ارکان ہوں گے اور جس میں نائب صدر کا ہونا ضروری ہوگا۔ قرآن بھی یہی طریقہ اختیار کرتا ہے، ایک ہی طرح کی بات جہاں بھی آئی یکساں الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر دنیا میں جو انبیاء کرام مبعوث ہوئے انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے جو بنیادی تعلیم دی وہ بس اتنی تھی: **يُؤْمِرُكُمْ بِاللّٰهِ وَالنَّاسِ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ** ”

اب دیکھئے، یہی الفاظ معزز نوحؑ کے ہیں (سورہ المؤمنون ۳۱)، حضرت ہودؑ نے استعمال کئے (الانبیاء ۷۷) حضرت صالحؑ نے استعمال کئے (الانبیاء ۸۱) اور سلیمانؑ نے استعمال کئے (سجۃ الذی ۱۰ اور الانبیاء ۸۱) اور عیسیٰؑ نے استعمال کئے (الانبیاء ۱۰۷)۔ **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا قَدْ جَاءَهُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ وَالْإِيمَانِ** ” (سورہ المؤمنون ۲۴)۔
ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پس تم لوگ میری بندگی کرو اور بنی آخر الزماں کے لئے ارشاد ہوتا ہے: **قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنْ أَنَا أَلْهَمْتُ لَكُمُ الْكُفْرَ وَالشَّكَّ فِي الْآيَاتِ** ” (سورہ محمد ۱۸)۔

میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا میں ایک ہی خدا ہے۔“

قانون کے دفعات میں Proviso ! استثنائی شق نہ رکھی جائے تو بات اوقات اس کا اطلاق غلط پڑے

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عام آدمی اس پہلو کی اہمیت نہیں سمجھتا ہے۔ ہندوستان کے دستور میں کئی بنیادی حقوق پر مشرک **Fundamental Rights** کہتے ہیں۔ لیکن یہ حقوق مطلق نہیں ہیں بلکہ مشروط ہیں۔ انہیں حالت صحت عائدہ اور اخلاق عائدہ سے یہ شرطیں نہ ہوں تو باغیانہ صورت حال پیدا ہو جائے۔ ایسے ہی مشروط حکم کی مثال کلام پاک میں

سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ کر بخش دی ۔
اب اگر اس میں پہلی دو شرطیں یعنی کسی کے خون کے بدلے اور زمین میں فساد پھیلانے کے بدلے کا مواظہ نہ ہو تا اور صرف اس کے بعد کی عبارت ہوتی تو اس حکم کے مطابق کسی قاتل یا کسی فساد کی کو بھی موت کی سزا دینا ممکن نہ ہوتا ۔ ایسی کئی مثالیں قرآن میں ملتی ہیں جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن تیرہ سو برس پہلے نہیں بلکہ زمانہ حال میں نازل ہوا ہے ۔ اس کی عبارت میں غیر معمولی تازگی محسوس ہوتی ہے ۔ قرآن کے مطالعہ کے دوران میں ایک بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ بعض الفاظ ایک خاص ترتیب ہی سے آتے ہیں مثال کے طور پر آپ پڑھتے ہیں : السَّحُوتِ وَالْأُمُضِ، السَّيْلِ وَالنَّعْمِ، موت والحياة وَالْمُسِ وَالْفَرْجِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، ظِلْمَتِ وَالنُّورِ، وَغَيْرُہٗ۔ قرآن مجید میں ۱۰ بار السَّحُوتِ وَالْأُمُضِ کی ترکیب آئی ہے لیکن کہیں الارض والسَّحُوتِ نہیں آیا ہے، السَّيْلِ وَالنَّعْمِ ۳۸ بار ایک ساتھ آیا ہے، کہیں النَّعْمِ پہلے نہیں آیا، ظِلْمَتِ وَالنُّورِ ۸ بار آیا لیکن نور پہلے اور ظلمت بعد کو نہیں آیا ہے، یہ ترکیبیں ایک سورہ میں نہیں بلکہ مختلف مقامات پر آتی ہیں، پہلے خیال ہوا کہ شاید یہ ترتیب عربی زبان کے محاورے کے مطابق رکھی گئی ہو لیکن میرے استفسار پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس خیال کی تائید کی کہ یہ یکسانیت قرآن کا اعجاز ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے علماء کرام اور اسلامیات کے معقین ان ترکیبوں میں غلطیوں کی ترتیب پر غور و فکر اس کا لازم حکم کہہ سکیں ۔

کچھ عرصہ پہلے ایک مہری سائنسدان ڈاکٹر رشید خلیفہ اور ان کی امریکن انجینیئری نے قرآن میں ۱۷ عدد کی اہمیت سے علمی دنیا میں تہلکہ مچا دیا، ان کا کہنا تھا کہ ہم اللہ الرحمن الرحیم میں ۱۹ حروف ہیں۔ یہ عدد بہت پر اسرار اور معنی خیز ہے، انھوں نے قرآن مجید میں اس عدد کی اہمیت بتا کر ان بتوں کو جو انھوں نے حاصل کئے، قرآن کا معجزہ قرار دیا۔ ان کی تحقیق بہت دلچسپ ہے، مثالیں بھی انھوں نے کمپوٹر کی مدد سے بہت کماٹھی کی ہیں اس بات کا ساری دنیا میں بڑا چرچا ہوا، مضامین اور رسالے شائع ہوئے۔ لیکن اس تحقیق سے یہ عقیدہ کیا حاصل ہوا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ناکہ پہلے ہم بسم اللہ کے لئے مجمل کے طریقے پر ۲۷ لکھا کرتے تھے اور اب ۱۹ لکھ سکے ہیں۔

مطالعہ قرآن میں اپنے غم کیا ہو گا کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو کسی صحابی کے یا ازواج مطہرات کے سلسلے میں کسی بات یا واقعہ پر نازل ہوئیں مفسرین نے ان آیتوں کے شان نزول کی تفصیل بھی بتائی ہے۔ اس کے باوجود یہ سوچنے کی بات ہے کہ کوئے ابولہب اور زید بن حارثہ کے قرآن مجید میں کسی جھڑکا نام نہیں آیا ہے۔ یہاں تک حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، پیغمبرِ عظیمؐ، حضرت سہیلوں کے بھی نام نہیں آتے ہیں۔ سورہ برأت تو خاص طور سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی مگر ان کا نام نہیں آیا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایسا اصول بتانا مقصود تھا جو مافی

یہ ہو بلکہ اس کا اطلاق ہر زمانے پر ہوتا رہے، ممکن ہے اس کے اسباب اور بھی رہے ہوں لیکن میرے نزدیک یہ ایک ایسی اہم بات ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ ہی کے کلام میں ہو سکتی تھی۔

کچھ لوگوں کے بارے میں سنئے ہیں آتا ہے کہ ان کے خیال میں دنیا کے سارے علوم قرآن مجید میں موجود ہیں اگر قرآن ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے، البتہ مجھے تسلیم ہے کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہونے کی وجہ سے مختلف علوم کے حصول کیلئے کبھی صاف صاف اور کبھی اشاریہ کی گہری حقیقتوں کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ مثلاً سورہ طہ کی آیت ۸: **وَكُنْ تَوَّابًا** اور سورہ الطلاق کی آیت ۲: **قَدْ جَعَلْنَا لَكُمُ الشَّيْءَ وَظَعْنًا** اللہ نہ ہرے، ایک مقررہ مقدار یا ناپ میں بنائی ہو اب اس میں لفظ **قَدَّرَ** پر حقیقی غور کیا جائے گا سنئے کہ کائنات ہوتے جاتیں گے قرآن حکیم میں بار بار اشارہ فرماتا ہے کہ زمین کی سیر کرو اور دیکھو تم سے پہلے کی قوموں کا کیا حال ہوا۔ سورہ فاطر کی آیت ۱۷: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ** اللہ نے تم کو کتاب عاقبتہ الذین میں کتاب تم کو انزل فرمائی کہ کیا بر لوگ نہیں ہیں جس میں کچھ چلے پھرے نہیں ہیں کہ انھیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھے، ”کیا گھٹلا، بڑا پائے گا تم مار مھر کے اہرام پوسائی کے کوئٹہ، انھیں کا ایک روپوں کے مطالو کی طرف یہ آیت اشارہ نہیں کرتی ہے؟“ گلبین نے ”عروج و زوالِ روم“ کی ضخیم جلدوں میں جو بات کہی وہ اس شخص قرآنی آیت کی ایک طرح سے تشریح ہی تو ہے۔

حضرات! اب میں ایک ایسے موضوع پر آتا ہا تھا تاہم میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بڑے غلبان کا سبب بن گیا تھا۔ وہ ہے شریعت اسلامی کا مسئلہ، بالخصوص مسلم پرسنل لا کی حرکت۔ پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ اسلامی قانون دو طرح کے ہیں، شریعت کے قوانین اور فقہ کے اصول سے مرتب کئے ہوئے قوانین شریعت کے احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں متعین کئے ہوئے ہیں، ان میں عائلی قانون، نکاح، وراثت اور طلاق کے بارے میں ہیں، دوسری قوانین جاری، زنا وغیرہ سے متعلق ہیں، دیوانی قوانین شہادت و صیت وغیرہ، کھانے پینے کے لئے حرام و حلال کے قاعدے ہیں، فرائض کی ادائیگی، نماز، روزہ، زکات، حج کے احکامات ہیں۔

رسول اللہ کی کئی زندگی کے زمانے میں زیادہ تر توحید اور رسالت کی تلقین اور تبلیغ سے سروکار رہا ہجرت کے بعد یعنی دور کا آغاز ہوا تو ریاستی کاروبار اور شغلی زندگی کے تقم و تنسیق کے لئے موثر اور باضابطہ قوانین کی ضرورت پیش آئی جسے قرآنی احکامات سے پورا کیا گیا، ماس کے علاوہ جب تکیرم کی زندگی کے نمونے سے سنت کی تشکیل ہوئی ان دونوں یعنی قرآنی احکامات اور سنت رسول سے شریعت کی تدوین ہوئی۔ رسول اللہ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے

میں ایسے معاملات اور حالات پیش آئے جن کے لئے قرآن اور سنت میں واضح ہدایت نہ مل سکی تو اس وقت حضرت معاذؓ کے سلسلہ سے حدیث نبوی سے ہدایت حاصل کی گئی۔ رسول اللہؐ نے حضرت معاذؓ کو ایک صوبے کا گورنر اور قاضی مقرر کیا ان کے روانہ ہونے سے پہلے آپؐ نے حضرت معاذؓ کی Briefing اس طرح فرمائی:

”رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا، تم مقدسوں کے فیصلے کس طرح کرو گے؟ حضرت معاذؓ: احکام الہی کے مطابق یا رسول اللہؐ! رسول اللہؐ: اگر ان میں تمہیں رہنمائی نہ ملے؟ حضرت معاذؓ: تو پھر سنت نبویؐ کے مطابق! رسول اللہؐ: اور جو ان میں بھی تمہیں رہنمائی نہ ملے؟ حضرت معاذؓ: تو پھر میں اپنی عقل کے مطابق فیصلے کروں گا!“

یہ سن کر رسول اللہؐ نے فرمایا: ”حمدو ثناء ہو اس اللہ کی جس نے اپنے نبی کے پیام رساں کو اس نفع سے نوازا جو اس کے بنی کو پسند ہے۔“ گویا اس طرح شریعت کے قانون میں عقلی استدلال کی گنجائش پیدا ہو گئی، اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ گنجائش زمان و مکان سے پیدا ہونے والے حالات کے لئے نکال لینے کی اجازت تھی، بعض علماء کرام اس گنجائش کو (جسے اجتہاد کہا) قیلم کرنے میں مائل کرتے ہیں اور خطیابانہ انداز میں فرماتے ہیں: ”اگر کوئی دائی، ابدی، مثالی و معیاری، تحقیقی و فطری تمام زائد مکان کے لئے ہمگیر اور قابل عمل قانون ہو سکتا ہے تو وہ اسلام کا ربانی، و آسمانی قانون اور شریعت اسلامیہ ہے، اس بیان کے بعد اس پر غور فرمائیے کہ سورہ المائدہ میں جو یہودی کرنے والے مرد یا عورت کا ہاتھ کاٹ دیئے جانے کا حکم آتا ہے۔ حکم الکل صاف ہے، اس کے باوجود ایک سال عرب میں قطر پڑا تو خلیفہ وقت حضرت عمرؓ نے اس حد کی تسبیح کر دی۔ یہ عقلی استدلال سے قرآنی حکم میں عارضی طور پر ٹک پڑا کہ جانے کی ایک مثال تھی، مشہور مترجم قرآن اور اسلامی اسکالر نور الدین یوہاننے اس آیت پر ایک نوٹ لکھا ہے جس میں ان کا کہنا ہے کہ فرائض اور حقوق لازم و ملزوم ہوتے ہیں کسی حکومت کو جو یہودی کے لئے حد نافذ کرے یا حق اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے ہر شہری کے لئے یہ راستہ کے وسائل کے لحاظ سے اس کے کھلانے، پکڑنے اور مکان کی سہولت پہنچائے۔

دور نبوی کے بعد شہرِ بصری تک خلفائے راشدین کا زمانہ رہا۔ ان کے سامنے جو معاملات آئے ان کا فیصلہ انھوں نے قرآن اور سنت کی روشنی میں کیا یا پھر حضرت معاذؓ کی طرح عقلی استدلال سے کام لیا لیکن اکثر و بیشتر انھوں نے صحابہ کرام سے بھی اجتہاد ہی مشورے کے فیصلے صادر کئے۔ خلافت کے بعد ملکیت کا دور آیا، اموی حکومت و دوسری صدی ہجری تک برسرِ اقتدار رہی، اس کے بعد چوتھی صدی ہجری تک کے زمانے میں کئی بڑے بڑے امکہ کا ذکر آتا ہے جنھوں نے حدیث و فقہ کی تدوین میں قیاس کو اصل بنانے میں بہت کچھ کام کیا، اسی دور میں کوفہ میں امام ابو حنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ) امام مالک بن انس (۹۰-۱۷۰ھ) مدینہ میں امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) مکہ میں، اور امام احمد بن حنبل (۱۸۴-۲۴۱ھ) بغداد میں فقہ کی تدوین

اشقل ہے۔ ان سبھی نے پہلے قرآن مجید سنت نبوی کو اصل مآخذ قرار دیا۔ پھر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی روایتوں سے لے کر ائمہ کے بعد ضرورت کے مطابق اجتہاد سے کام لیا۔ ان کے بعد ان ائمہ ابو کے بہت سے شاگردوں نے بھی یہ طریقہ اجتہاد کو جس میں کئی مقامات اور مسائل میں انھوں نے اپنے امام سے اختلاف بھی کیا۔ ان سب کا رویوں کے بعد مسلک یا مذہب تیار ہوا، عام طور سے آج بھی ان ہی کی تقلید کی جا رہی ہے۔ گو یا مزید اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا، اس فہرست پر سے یہ ظاہر ہو چکا ہو گا کہ فقہ اسلامی کے چار مآخذ تھے، قرآن، سنت، قیاس اور اجماع۔ یہاں بات ذہن میں رہے کہ قرآن اور سنت کے احکامات سے قطع نظر قیاس اور اجماع سے جو قوانین بناوہ آسانی اور رہائی نہیں بلکہ آسانی ذہن و فکر کا نتیجہ ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک خاص وقت یا خاص سماج کے لئے صحیح ہو مگر آج یا ہر جگہ کے لئے نہیں ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں: ”یہی قیاس و مشروع و مشروع میں مجتہدوں کی ذات لئے کا ایک دوسرا مآخذ، آخر کار شریعت اسلامیہ کے لئے حرکت و زندگی کا پرستار بن گیا۔“

خود ائمہ ربوہ نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ فقہ انھوں نے مدعی کی وہ حرف آخر تھی اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں تھی۔ امام بو حنیفہ کا قول تھا: ”یہ میری رائے ہے تمہیں اس سے بہتر رائے حاصل ہو تو بلا حجت اسے قبول کر لو، امام مالک فرماتے تھے: میں ایک باتوں کو میری رائے صحیح ہو سکتی ہے، غلط، اس لئے میری رائے کو کتاب اللہ اور سنت کی کوئی چیز چاؤ۔ امام شافعی نے فرمایا: ”جب تمہیں کوئی صحیح حدیث میری رائے کے برخلاف مل جائے تو میری رائے کو دلو اور پرے مارو۔“ امام حنبلؒ اپنے پیروں کو کہا کرتے تھے: ”میری تقلید کرو نہ مالک کی اور نہ شافعی کی، یہ میری اسی طرح غور و فکر سے کام لیا کرو جب کہ میں نے کیا ہے۔“

امام بن تیمیہؒ رہ دیں محدثی ہر جہی حنبلیہ مالک کے تھے لیکن کئی مسئلوں میں امام حنبلؒ کی فقہ سے متکلف رائے رکھتے تھے۔ طلاق کے معاملے میں تو وہ سنی فقہ کے بجائے شیعہ فقہ کو ترجیح دیتے تھے یعنی ایک مجلس کی تین ملاخوں کو وہ ایک طلاق تسلیم کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ استنباط مسائل میں فقہاء میں اختلاف تھا، حنفیہ کو بہت شدت سے غلو تھا، اخبار اور مالکیہ اس سے بہت کم کام لیتے تھے۔ شافعیہ ان دونوں فروع کے مابین تھے، بعض اہل حدیث اور شیعہ اس سے الگ تھلگ تھے۔

ان ہی حالات کے پیش نظر مجددِ ستان میں بھی وقتاً فوقتاً فقہ اسلامی پر نظر ثانی کی اور ازراشتی رہی۔ مولانا عبدالمجید دہلوی کے نام مولانا شبلی نعمانی نے ایک مکتوب میں لکھا کہ کراچ، وراثت، نفقہ وارت، تعدد ازواج، تحقیقِ مضامین، کھنے کی ضرورت ہے لیکن اس مسئلے کی اہمیت پر سب سے زیادہ علامہ اقبال نے زور دیا۔ فرماتے ہیں: ”میں نے زندگی کا انا مذہب اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست، تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔“ میں اس قدر کہنے سے باز نہیں رہ سکا کہ حالات زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آجائے کی وجہ سے بعض ایسی تمدنی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں کہ فقہاء کے استدلالات جن کو

عام طور پر شریعت اسلامی کہا جاتا ہے، ایک نظر نفل کے محتاج ہیں۔۔۔ "قرآن شریف اور احادیث کے وسیع اصولوں پر جو استدلال فقہاء نے وقتاً فوقتاً کئے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو خاص خاص زمانوں کے لئے واقعی مناسب اور قابل عمل مگر حال کی ضروریات پر کافی طور پر چلنے میں رہیں۔

ہر مسلک کے خواہ وہ سنی کے ہوں یا شیعہ کے، دو حصے ہیں: ایک کا تعلق عبادات کے طریقوں سے ہے مثلاً یہ کہ میں ہاتھ ناف سے نیچے باندھے جائیں یا سینے پر یا بالکل نہ باندھے جائیں، رکوع اور قیام میں رفع یدین کیا جائے یا نہیں، اہم پیچھے مقتدی بھی سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ دیر کی نماز ایک رکعت ہو یا تین، دعائے قنوت بیٹھ کر پڑھی جائے یا کھڑے عیدین کی نماز میں کئی زائد تکبیریں ہوں، افطار غروب آفتاب سے کتنی دیر بعد کیا جائے وغیرہ۔ ان اختلافات کا مادہ ہر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اس لئے اگر لوگ چاہیں تو یہ بدستور قائم بھی رکھ سکتے ہیں۔ اگر ایک گھر میں باب خفی اور بیابنہ کے مطابق عبادت کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن جب ہم ان مسائل پر نظر ڈالتے ہیں جن کا تعلق عالمی قوانین اور یا تعویذاتی قوانین یا دیوانی مسئلوں سے ہوتا ہے تو معاملہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ طلاق کا مسئلہ لیجے۔ خفی مسلک کے مطابق شخص کسی چیز کے تحت یا نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین ملاق ایک ساتھ دیتا ہے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ اس عورت سے رجوع کر لے تو یہ حرام کاری ہوگی جس کی سخت سزا مقرر ہے اور اگر اس کے بعد کوئی اولاد ہوتی ہے تو شرعاً اسے ناجائز قرار دے گی لہذا وہ اولاد وراثت کی حقدار نہ ہوگی۔ فقہ حنفی کا یہ قاعدہ شریعت اسلامی کا ایک جز ہو گا۔ ۱۔ تعلق ایک موکد اپنی ذات سے بڑھ کر، ایک عورت اور اس کے ان تمام بچوں پر پڑے گا جو اس طلاق کے واجب ہونے کے بعد ہوں گے۔ اب فرض کر لیجئے کہ دو شخص کہتے ہیں کہ وہ شافعی مسلک رکھتا ہے، اس صورت میں اس کی تین ملاقاتیں صرف ایک جائیں گی، لہذا وہ اپنی بیوی سے رجوع بھی کر سکتا ہے اور اس کے بعد کی اولاد بھی جائز ہوگی اور وراثت کی حقدار۔ یہ بھی شرعاً اسلامی ہوئی۔ تو بھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ مسلم پرسنل لاکے کہیں گے؛ شافعی مسلک کے قانون کو یا خفی مسلک کے قانون میرے علم میں ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب کے ساتھ بالکل وہی صورت حال پیش آئی جو میں نے بھی بیان کیا۔ نشے کی حالت انھوں نے بیوی کو طلاق دیدی۔ جب نشہ برن ہوا تو لوگوں نے انھیں بتایا کہ ان کی بیوی سال کی بیاسٹا بیوی ان پر حرام ہو چکا بہت سٹپاٹا ہے، جدھر گئے فتویٰ دیں وہی ملا۔ اتفاق سے شہر میں ایک شافعی مصلیٰ کی مسجد تھی، اس کے امام کے پاس پہنچے، انھوں شافعی مسلک بتایا جس کی رو سے ایک طلاق مافی حاقی۔ پس ان حضرت نے فوراً اعلان کر دیا کہ اب وہ شافعی مسلک ہو گئے ہیں۔ آپ چاہیں تو اسے نامناسب طریقہ کہیں لیکن اس کے جائز ہونے میں کوئی کیسے معترض ہو سکتا تھا؛

ایک اور مثال سنئے، راوی مولانا غلام احمد اکراچی ہیں۔ ایک انگریزیاں بوی مسلمان ہوئے۔ چند ہی دنوں آپس کی ناچاقی میں ٹوہنے کی سی ایسے کمات کہڑا سکند بختی کی رو سے طلاق منقطع ہو گئی۔ یہ باہر ایک مسلمان دوست نے سنا تو انھوں نے شوہر سے کہا کہ راتوں رات ہی فسخ ہو گیا۔ اب تو مسلم میاں بوی بہت پریشان ہوئے۔ بعض متزین فیوض سے رجوع کیا گیا مگر ہر جگہ سے طلاق قطعی اہل علم لا پھرو مولانا سیکرستان غدویؒ کے یہاں پہنچے۔ انھوں نے پوچھا کہ اپنی غلطی سے بوجھے، انھوں نے بتایا کہ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے پوچھا ”آپ کا کیا جی چاہتا ہے کہ جواب برعکس ہے؟“ اس پر وہ چپ ہوئے دوسرے دن مفتی مرحوم نے دوسری اطلاع احمد ادریس کا مذکورہ ایک اور مفتی محمد شفیعؒ ایک جلسے کے بعد جلسہ بنا ہے تھے تو علامہ نے وہ مسٹر جعفر دیا۔ سبھوں نے اتفاق رائے جواب دیا کہ طلاق واقعی ہو گئی۔ پھر سید مراد حسینؒ اپنے قلم سے فتویٰ لکھ دیا کہ اہل سنت والجماعت میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقعی نہیں ہوئی، رجوع کر دیا جائے۔ پھر ان علامہ سے فرمایا ”وہ تو مسلم بیچا ہے تو ابھی نہ ختمی میں اور نہ ختمی۔“

لہذا قانون میں کوئی گنجائش بھی نہ ملتی ہو تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس کی تائید کی۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے اختلافی مسئلے ان چار سنی اور شیعہ اماموں کے مسلک میں پائے جاتے ہیں جن سے معاشرہ متاثر ہو سکتا ہے۔ ہم ان اختلافات کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ان کے لئے جو اجتہاد کیا وہ ان کے زمانے اور ماحول کے پیش نظر نیک نیتی سے کیا گیا، وہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ کے لحاظ سے اجتہاد کا حق بھی رکھتے تھے لیکن ان کے اجتہادی فیصلوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ترمیم و تفسیح کی آئی ہو تو بڑے بغیر ان کے کبار سے فقہ مسلک پر غور کیا جائے خصوصاً ان مسائل پر جن سے معاشرہ متاثر ہو رہا ہے، علما کرام اور مسلمان ماہرین قانون ان سب مسلکوں پر ایک ایسا شرک کر کو مسلمانوں کے لئے تیار کریں جو قرآن اور سنت کے دائرے میں اور ان کے قیاس و اجماع پر مبنی ہو، جو ترقی پسند ہو، جو وقت کے تقاضوں اور حالات سے پیدا ہونے والے مسائل سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن آج نہیں تو کل اسے کرنا ناگزیر ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی ہمارے مسائل کا حل بھی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے ذکر میں ایک اہم مسئلہ بینک کے سود کا ہے۔ یہ بڑا المیہ ہے کہ سود کی مخالفت شرعی بنیاد پر بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن اس سے مستفید سب ہی ہوتے ہیں۔ جو لوگ یا ادارے بینک کا سود لیا حرام سمجھتے ہیں وہ خود بھی تو اپنی رقمیں بینک میں رکھتے اور بینک ان کی رقم سے وہی سودی کاروبار کرتا ہے جس کے وہ مخالف ہیں جب یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کا رواج شروع ہوا تو علامہ نے اس کے حوازیں رائے دی۔ کیونکہ ٹرسٹ دے لوگوں کے سرمائے سے مختلف صنعتی کمپنیاں کے حصص خرید کر کے حاصل شدہ منافع یونٹ کے خریداروں میں تقسیم کرتا ہے اور منافع کی رقم بھی بر مال مقررہ نہیں ہوتی ہے۔ اس

لحاظ سے یہ سرمایہ اندازی جائز قرار پائی۔ لیکن جب یہ تباہی لاکھوں ٹریسٹ اپنے جمع شدہ سرمائے سے بعض کمپنیوں کو کاروبار میں مدد پہنچانے کے لئے سودی قرض بھی دیتا ہے تو علماء نے اپنا فتویٰ بدل کر پوسٹل ٹریسٹ کو ناجائز قرار دے دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ناجائز ہے تو حکومت وقت کے کسی کاروبار میں حصہ لیتا یہاں تک کہ عازمت کی خواہ لیتا بھی ناجائز ہو جائے کیونکہ حکومت خواہ مرکزی ہو یا ریاستی وقتاً فوقتاً تمسکات کا اجرا کر کے مقررہ شرح سے سود دیتی ہے اس لئے وہ بھی سودی کاروبار میں ملوث ہوئی۔

بینک کے سود کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی کا خیال عام علماء سے مختلف تھا، وہ اسے حرام نہیں بلکہ صرف ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے ایک مکتوب میں مولانا سید ابوالفضل ندوی کو لکھتے ہیں: ”بینک کا سود میرے نزدیک جائز ہے، شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ اس کے متعلق چھپ گیا ہے۔“

بینک کے سود کے جائز یا ناجائز ہونے پر اپنی کوئی رائے نہیں دے رہا ہوں، یہ ایک الگ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں، مجھے انھوں اس کا سچا کاب تک ایک متفقہ فیصلہ نہ ہونے یا متبادل صورت کی غرض موجودگی سے ہم سب ایک شدید احساس جرم میں مبتلا ہیں، ہم اپنے آپ کو بینکنگ سے قطعی طور پر بے تعلق سمجھیں کر سکتے ہیں، گھر میں رقمیں رکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں تو آخر کیا جائے؟ شاید اسی نوعیت کی الجھن میں علامہ اقبال نے اپنے کو پایا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے ریجنریشن کی:

”ایک جمعیت علماء، قائم کی جائے جس میں وہ مسلمان قانون دان لازمًا شامل ہوں جنھوں نے جدید قانونی تعلیم

حاصل کی ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ شرع اسلام کی حفاظت کی جائے، اس کو وسعت دی جائے اور اگر ضروری

ہو تو معاملات جدیدہ کی روشنی میں نئے مرتبے سے اس کی تعبیر و تاویل کی جائے جس سے اس کے اصول اساسی کا پریش

کی خلاف ورزی نہ ہوئے پائے۔“

اگر ہم اقبال کو صرف شاعر نہیں بلکہ مفکر اسلام بھی مانتے ہیں تو اب وقت آگیا ہے کہ ان کی فکر کو علی جامعہ بھی پتہ چلا جائے۔

کیا مولانا کا لفظ صرف خدا کیلئے مخصوص ہے

غیر اللہ پر لفظ مولانا کے اطلاق کے سلسلے میں کل جو آپ نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم میں چونکہ یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے اب کسی اور پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نتیجہ اخذ کرنے میں آپ نے سہو ہو گیا ہے۔ اگر ضابطہ کلیہ کے طور پر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو کوئیل، حکیم قوسی، کریم، ازل، آخر اور نافع جیسے الفاظ کا اطلاق بھی غیر اللہ پر ممنوع قرار پا جائے گا کیوں کہ قرآن کریم میں یہ الفاظ بھی اللہ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ ان الفاظ کا اطلاق غیر اللہ پر عرف عام کے علاوہ اصطلاح شرع میں بھی شائع و ذائع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ترکیب نحو کے اعتبار سے لفظ مولانا کی تشریح یہ ہے کہ لفظ مولیٰ کی اضافت "نا" کی طرف ہے جس کے معنی ہیں ہمارا مددگار جبکہ اسی قرآن میں ایک جگہ لفظ مولیٰ کی اضافت نہایت مہرحت کے ساتھ غیر اللہ کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو ۲۸ ویں پارے کی سورۃ تحریم کے پہلے رکوع کی یہ آیت:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَا الصَّالِحِينَ (التحریم ۴/۷۶)

اس آیت میں لفظ مولیٰ کی اضافت اللہ کی طرف بھی ہے، جبریل کی طرف بھی ہے اور مومنین صالحین کی طرف بھی ہے۔ اتنی مہرحت کے بعد اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ لفظ مولیٰ کی اضافت اگر غیر اللہ کی طرف ممنوع ہوتی تو قرآن میں غیر اللہ کی طرف اس لفظ کی اضافت کیوں ہوتی۔

پھر یہ بات بھی محسوس کرنے کے قابل تھی کہ اگر لفظ مولانا کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز ہوتا تو بلا میں زور و جماعت سب سے علماء اس لفظ کا اطلاق غیر اللہ پر کیوں کرتے۔ رائے کی اتنی انفرادیت جو سب کی رائے سے انکرا جائے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جناب عطاء اللہ پالوی
علی ٹیچر پبلی ٹرکٹ جہان آباد

مولانا خدا نے صرف اپنے لیے استعمال کیا

محترم بیدار صاحب اسلام و نیاز

حضرت العلام جناب ارشد القادری صاحب کاکرامی نامہ نظر نواز ہوا۔ میں حضرت موصوفہ کے لیے ان کی ایک عمدہ تالیف کی وجہ سے اپنے دل میں جذبہ برعزت و احترام رکھتا ہوں۔ اور ان کی شائستگی کی بنا پر ان کی قدر کرتا ہوں۔

بات ’مولیٰ‘ کی نہیں بلکہ ’مولینا‘ کی ہے جو قرآن حکیم میں دو جگہ صرف ذات باری کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے میں اسے غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا درست نہیں سمجھتا ”علام الغیوب“ قرآن حکیم میں چار مقامات پر ذات الہی کے لیے وارد ہوا ہے۔ میں کسی کو بھی ”علام الغیوب“ نہیں کہتا، مگر ان حضرات کے لیے جن کی عزت میرے دل میں ہے ”علامہ“ یا حضرت العلام، برابر استعمال کرتا ہوں۔

یہ موضوع بحث و تکرار کا نہیں، اس کا تعلق ذاتی ایمان و عقیدہ سے ہے۔ حضرت اہل تشیع، حضرت علی کا نام نہیں لیتے بلکہ انہیں ”مولیٰ“ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ یہ ان کے ایمان و عقیدہ کی بات ہے۔ ہندو حضرات ہر مسلمان کو چاہے وہ عالم ہو یا جاہل ”مولینا“ کے خطاب سے مخاطب کرتے ہیں، یہ ان کے ایمان و عقیدہ کی بات ہے۔ اسی طرح میں، لفظ ”مولینا“ کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا صحیح نہیں مانتا اور ایسا کرنے کو اس جذبہ احترام کے منافی سمجھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں رکھتا ہوں۔ یہ میرے ایمان و عقیدہ کی بات ہے جس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔

تلگو یونیورسٹی کے بارے میں

آپ نے تلگو یونیورسٹی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم تلگو ہے۔ تمام سماجی علوم کی تعلیم تلگو میں ہوتی ہے۔ اردو کا شعبہ بھی قائم کیا جا رہا ہے۔ اردو کی نصابی کمیٹی کا میں بھی رکن ہوں۔ اردو ام۔ اے۔ کے ہر پرچے میں تین پوٹھائی نصاب اردو کا رکھا گیا ہے 'اور ایک پوٹھائی میں تلگو اور اردو ادب کا تقابلی مطالعہ شامل کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جدید نظم کا پرچہ جس میں حالی سے حال تک منتخب نظم نگاروں کی تخلیقات نصاب میں رکھی گئی ہیں اب تلگو اردو کے تقابلی مطالعے کے لیے تلگو کے چند جدید نظم نگاروں کو لیا گیا ہے 'جن کا مقابل حالی، دوش دیغو سے کیا جاسکتا ہے۔ تلگو یونیورسٹی کے وائس چانسلر سچا رائن ریڈی نے عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم سے گریجویشن کیا تھا۔ وہ تلگو کے اچھے شاعر ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ یونیورسٹی کا پتہ یہ ہے:

TELUGU UNIVERSITY, KALA BHAVAN, SAIFARAD, HYDERABAD-500004.

میرے علم میں اور زبانوں کی ایسی یونیورسٹیاں نہیں ہیں البتہ جنوبی ہند کی ہر ریاست میں ایسے کالج ہیں جن میں مقامی زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اگرچہ انگریزی ہے لیکن طالب علموں کو اجازت ہے کہ وہ کسی بھی زبان میں امتحانی پرچے لکھ سکتے ہیں۔ سوالات کے پرچے بھی انگریزی کے علاوہ اردو اور تلگو میں چھاپے جاتے ہیں۔

خدا بخش لائبریری کی چند اہم مطبوعات

قیمت

- ہندوستانی مسلمان عہری دستاویزات کے آرکائیو میں اعلیٰ گزشتہ تحریک ۸۵ - ۱۹۸۰ء) ۱۵/۷۰ روپے
- ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل جناب سید حامد ۳۰/۷۰ روپے
- مغربی تعلیم کا تصور اور اس کا نفاذ اعلیٰ گزشتہ میں ہرنیو شیداد مدنی، مرتبہ مہرا لہی ۳۰/۷۰ روپے
- رفعت رشید مدنی " " مرتبہ ہرنیو شیداد مدنی ۳۰/۷۰ روپے
- کانٹے (کشمیری نثر) ڈاکٹر محمد زمان آزدہ ۱۵/۷۰ روپے
- اونگ زیب (ایک نیا زاویہ نظر) ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد ۱۵/۷۰ روپے
- قومی یکجہتی کی روایت مشرلی، ابن۔ پانڈے ۱۵/۷۰ روپے
- مقدمہ طلسم ہوش ربا ۳۰/۷۰ روپے
- طلسم ہوش ربا (نوبل دیس) ۳۰۰/۷۰ روپے
- نوبت دلتے نظر کے ماہنامہ "ادیب نئی یاد" (۱۹۱۰-۳۰) کے مضامین کا انتخاب، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۷۰ روپے
- پیارے لال شاکر کے ماہنامہ "العصر" لکھنؤ (۱۹۱۲-۱۴) کے مضامین کا انتخاب، اشاریہ کے ساتھ ۳۵/۷۰ روپے
- برج زائن چکبست کے ماہنامہ "صحیح امید" لکھنؤ (۱۹۱۸-۲۱) کے مضامین کا انتخاب ۵۰/۷۰ روپے
- قاضی عبدالودود کے ماہنامہ "معیار" کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۷۰ روپے
- مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ "پیغام" کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۷۰ روپے
- خوشتر منگر ولی کے ماہنامہ "زبان" (۱۹۲۸-۲۹) کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ ۵۰/۷۰ روپے
- جدید غزلی گونیا ز فقیہ پوری کے ۱۹۴۰ء کے نگار کار ری پرنٹ، آؤ گراف اور تعداد پر کے اضافہ کے ساتھ ۳۵/۷۰ روپے
- داستان میر محمد رسولیخ اور اہم معاصرین کا تذکرہ ڈاکٹر اقبال حسین ۳۰/۷۰ روپے
- تذکرہ کالان رامپور {مولفہ حافظ احمد علی خاں شوق، تبصریجہ وادنا} ۵۰/۷۰ روپے
- {شہزادہ خاں ویکیم محمد حسین خاں شوق۔}

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

مکتوبات

بنام

قاضی عبد الودود

● سجاد ظہیر

● عندلیب شادانی

● قاضی عبدالغفار

● مسعود حسن رضوی ادیب

● نور الدین احمد

● امتیاز علی عرشی

Sajjad Zaheer

Y-24 HAUZ KHAS.

NEW DELHI-10.

Tele . 7 7 2 4 5

۱۳ فروردی ۱۳۶۹ م

ردم و منظم و قافی علی

آداب - جس کی دس سا ہے اسی دس پر مانتی کرتی کو مانتی کر رہی ہیں،
اس کی تہ کا مال نہیں رہی۔

مجی عرض ہے کہ آپ نے میں وراثت کے سلسلے میں مستفاد والے سنیار ہیں
شریک زنا جاتی ہیں، لیکن اعمال محمد امین کا دعوت نامہ میں ملے ہے۔
اس سلسلے میں بہت کچھ حسین زیدی صاحب، الفار، پرانی ملک، ڈار، ادا، دینی،
درہ، مینا، دینی، بہت کچھ کہہ سہجیم، استفادات سے آتی
کلی الفار، نہ کہ آپ سے روح آرد۔

۱۰) کئی ایسی باتیں ہیں جو کہ اگر آپ ان سے استغفر فرمیں گے تو آپ کو اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

دانشکده که از ممکن بود تو سوزیدم بر مغالطه پران اور
 پیش از آنکه می امارت دی مان - بر افتاد تیار اورا کی نقل
 از آپ - فرار از آتش پلر جین کی تو کی آپ فرار از آب جین کی
 کشا پور -

ایہ ہے نواز آری بجز رشتہ -

خادم
سجاد علی

- جرائین بود، غرادر کتیب، اس وقت ہوتا ہے منسلک مع المصلح
کر دیتے تھے۔

مد پر - عندلہب شادابی

نیل کہیں رو 3

مذا - تھا کا

نمبر ۱۹۸۲ء

مختصی تقسیم - اس وقت شام کے ۷ بجے ہیں - آپ کا ۲۵ برس کا بڑا بڑا اچھی اچھی ملا -

۱۔ اس کا کل ہی جائے گا مگر میں فی الفور جواب لکھ رہا ہوں - آپ کا رجسٹرڈ پکٹ اور خط دونوں چیزیں لے کر گئی تھیں جہاں کمشنر کی رسید کا تعلق ہے میں نے فیض صاحب سے کہا تھا کہ وہ رسید بھیج دیں اور

۲۔ یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے رسید بھیج دی آپ کا خط حوائج کے نام تھیں نے ان سے لے لیا کہ اگر آپ کا بے میں لکھوں - مگر اور چند روز سے میری طبیعت بہت خراب ہے - بغاوت باری کو لے لیا ہے

۳۔ وہی دیرینہ نزلہ اور زکام - مگر طبیعت بے حد ہے - دوا کا بھی استعمال کر رہا ہوں مگر طبیعت

کلی نہیں - سخت پریشان ہوں - کوئی کام نہیں کر سکتا - طبیعت ہے کہ جیسا ہیں در نہ رخصت یعنی

۴۔ میں باقاعدہ کبھی آپ کے خط کے جواب میں دیر نہیں کرتا مگر کبھی کبھی دیر ہوتی ہے آپ نے

۵۔ اب اس کے سوا کہ آئندہ میں بھی آپ کی پوش پر چلوں - کوئی صورت نظر نہیں آتی

۶۔ بدینہ تھیں کہ میری جو روش آپ کو پسند نہیں اور خود مجھے بھی پسند نہیں آپ کیوں اس پر

۷۔ قاضی آج پہلی بار میں آپ کو وہ بات لکھ رہا ہوں جو آج سے پہلے کبھی نہیں لکھی اور اس

۸۔ ضرورت بھی نہ تھی - مگر آج ضرورت محسوس ہوئی - قاضی صاحب آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ

۹۔ آپ کی خاطر مجھے کتنی عزیز ہے - اگر میری طرف سے کبھی کبھی قسم کو نامی سوز دہر تو آپ سے بڑی کسی

۱۰۔ بڑی پر محمول کر کے مجھے صاف کر دیں - یقیناً سمجھئے آپ کے لئے میرے دل میں غلوں و اداسی کی

۱۱۔ نہیں -

۱۲۔ اٹان کے دوایں دل میں (جو جڑے پاس ہے) یہ غزل 'صبا رب بعد' 'صبا رب بعد' موجود نہیں - کو

۱۳۔ کہ دوایں دم میں جس کا ایک نئی نسخہ لکھا ہے اور میں ہر یہ غزل موجود ہو - ضرورت ہو تو دیات لکھوں -

۱۴۔ ابھی اجرت اس طرح ہے - علی اللہ وقرینہ ان گنت کہ کاتب جہاں دانا نہ باشد

۱۵۔ امید کہ آپ کا مایہ بخیر ہوگا - بیگم صاحبہ راجہ نہیں - والسلام - امداد مندر شادابی

انجمن ترقی اُردو {ہند}

Anjuman-e-Taragqi-e-Urdu (Hind)

Aligarh

کلمہ

۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء

کلمہ - نیم

سناں فرمائیے میں آپ کے صفائی نامیے کا جواب عید نہ بھیج سکتا ہوں
سبب یہ جو کہ میں ایک مہینہ سے سخت بیمار ہوں اور کسی کام کے
قابل نہیں رہا۔ میں نے کتبہ جامعہ کو بھیج کر دریافت کیا تھا اور
انہوں نے صفائی میں کیا رد و بدل کیا ہے ان کو جواب دیا ہے وہ اچھے
میں ہیں اور اچھی خرید و فروخت کا منسلک ہوں اور آخری
صفحات میں خرید و بدل خریدی جو تو ان صفحات کو دوسروں
چھپوانے کا ارادہ کیا جاسکتا ہے۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد رفیع
چراغ سلووی

کن زکویں کلمہ کا اذہان باخود ہے تمام، النفا نون کا مدہ ہے۔ میرے پاس دیورن ٹائز کا ہون
 بیرون ہے جو میری مفاہین وغیرہ نہ لکھ دیتے مجھے سمجھا لیتا تھا۔ اب ایک مدت بعد وہ بازار
 آ گیا ہے۔ ایک ستم بن میں خرید لوگھا۔ میں نے تین نمبر تین ٹائز بھیجیں، ایک ماضیوں کی، ایک
 مضمرات کی اور ایک لطافت کی علیحدہ کی۔ ان جو مدت پہلے دو نمبر بھیجیں چھپ گئی تھیں اور انہیں
 ترقی اردو اور فترتیں ان کے کچھ لکھنے ہو رہیں جن میں سے چار پانچ میں لیتا آ رہا تھا۔ ان کا کہنے
 اسی قطعہ ساتھ بھیج رکھوں۔ آپ اپنے دیورن ٹائز چھ لکھنے میں رست لگا لیجیے۔ غلطی
 معلوم نہیں کر چکا ہوں تھا یا نہیں۔ بہر حال کتاب میں لطافت کی بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔
 اب اس وقت اس سے زیادہ کدھا مکتب نہیں۔ جس پر خط کو ختم کرتا ہوں۔

اخلاص کرتی

محمد حسن رضوی

مکتوب مولانا امتیاز علی مرثی

THE STATE LIBRARY,
RAMPUR STATE, U.P.
(INDIA)

122743
102-92

نمبر ۱۰۲۹۲
۴۴ فروری ۱۹۳۲ء

میری،
سخن شعرا آج بذریعہ ڈاک اربال لڑ رہا ہوں۔
اس غایت کا، کثرت جنوں فرمائی ہے۔
ہنر آنگ کا مطبوعہ ہستار کے نقل بھی مل گیا۔
اس کا بھی شکریہ۔ مجھے بھی آنگ کا مطبوعہ ایڈیشن
پہنچ گیا ہے۔ وہ سنہ ۱۹۳۱ء کا ہے،
میں باہر سے اس کی کاپی بھیج رہا ہوں۔
اس کی ایک کاپی بھیج رہا ہوں۔
آپ ہستار اربال لڑ رہے ہیں۔ اگر کسی دوست کا
پتہ ہو، تو اس کو بھیج دینا۔

